القرآن الکریم
تفسیر ابن کثیر
امام المفسرین حافظ عماد الدین
ابو الفداء اسمٰعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی رحمہ اللہ
المتوفی ۷۷۴ھ
ترجمہ
امام العصر مولانا محمد جوناگڑھی رحمۃ اللہ علیہ
تخریج
کامران طاہر
تحقیق و نظر ثانی
حافظ زبیر علی زئی
اعتقاد پبلشنگ ہاؤس پرائیویٹ لمیٹڈ
www.minhajusunat.com

تفسیر ابن کثیر

امام المفسرین حافظ عماد الدین

ابو الفداء اسمٰعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۷۷۴ھ

۱

ترجمہ

امام العصر مولانا محمد جوناگڑھی رحمۃ اللہ علیہ

تخریج

کامران طاہر

نائب مدیر مجلس التحقیق الاسلامی

تحقیق و نظر ثانی

حافظ زبیر علی زئی

تقریظ

ابو الحسن مبشر احمد ربانی / حافظ صلاح الدین یوسف

اعتقاد پبلشنگ ہاؤس پرائیویٹ لمیٹڈ

۳۰۹۵، سر سید احمد روڈ دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام	:	تفسیر ابن کثیر
جلد	:	اول
تالیف	:	امام المفسرین حافظ عماد الدین
ترجمہ	:	امام العصر مولانا محمد جونا گڑھی
اشاعت اول	:	اگست 2012ء
باہتمام	:	اعتقاد پبلشنگ ہاؤس (پرائیویٹ لمیٹڈ)
تعداد	:	500
مطبع	:	گلشن آفسیٹ پرنٹرس، دہلی

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہِ کرم مطلع فرمادیں۔ انشاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لیے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔ (ادارہ)

ATEQAD PUBLISHING HOUSE Pvt. Ltd.
3095, Sir Syed Ahmed Road, Darya Ganj, New Delhi 2 Ph.:011- 23276879, 23266879 Fax:23256661
e-mail: ateqad@gmail.com

فہرست

مضمون	صفحہ نمبر

عَرضِ ناشر

قرآن مجید ربِ کائنات کا وہ کلام ہے جو خاتم النبیین ﷺ کے قلبِ اطہر پر جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے نازل ہوتا رہا۔ یہ مقدس کلام اگر پڑھنے سے ہی ایک مسلمان کے نامہ اعمال میں نیکیوں کے ڈھیر لگنا شروع ہو جاتے ہیں تو اس کے معنی اور تفسیر وتشریح پر غور کرنے اور اس پر عمل کرنے سے ایسا بلند مقام ومرتبہ نصیب ہوتا ہے جو صرف قسمت والوں کا مقدر بنتا ہے۔ اس مقدس فریضے کی تکمیل کے لیے مفسرین نے اپنے اپنے انداز میں قرآن مجید کی تفسیر اور علوم قرآن کو موضوع تحریر بنایا۔ مختلف زبانوں میں تراجم کیے گئے اور تفاسیر اور علوم قرآن کی تصنیفات سے اسلامی لائبریریاں مزین نظر آنے لگیں۔

اگر چہ قرآن مجید کی بہت سی تفاسیر لکھی گئیں اور تا حال یہ سلسلہ جاری ہے مگر علامہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر یعنی تفسیر ابن کثیر کو جس قدر مقبولیت اور مسلمانانِ عالم کی توجہ حاصل ہوئی وہ کسی اور تفسیر کے حصے میں نہ آسکی۔ یہ کتاب تفسیر القرآن بالقرآن، تفسیر بالاحادیث، تفسیر بالآثار صحابہ کا نادر اور قیمتی مجموعہ ہے۔ مولانا محمد جونا گڑھی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عظیم تصنیف کو اردو کے قالب میں ڈھال کر مسلمانانِ برصغیر پر احسان فرمایا کہ آج تک ان کی کاوش حق کے متلاشیوں کے لیے سببِ ہدایت اور صاحب علم حضرات کے لیے مرجع ہے۔ لوگوں نے اپنے اپنے انداز میں اس علمی شاہکار کو طباعت کے زیور سے آراستہ کیا۔

مکتبہ اسلامیہ نے بھی حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی اس لازوال تصنیف کو تخریج وتحقیق کے اعلیٰ معیار کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کا پروگرام بنایا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ ہماری کوشش ہے کہ بھٹکی ہوئی امت اس بنیادی مرکز کی طرف رجوع کرے جس کی اساس قرآن وسنت ہے۔ اردو ترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کا ہی نقل کیا جا رہا ہے البتہ اس کتاب کی تیاری میں مندرجہ ذیل امور کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

1. تخریج کا کٹھن کام برادرم کامران طاہر نائب مدیر مجلس التحقیق الاسلامی نے پوری محنت اور خوش اسلوبی سے سرانجام دیا ہے۔
2. نظر ثانی اور تحقیق کا اہم فریضہ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے پوری علمی دیانتداری سے سرانجام دیا ہے۔
3. تفسیر کے اندر ذکر کی جانے والی آیات کی بھی تخریج کی گئی ہے جس میں سورت کا نام اور آیت نمبر درج کیا گیا ہے۔
4. ہر پارہ کی الگ فہرست دی گئی ہے۔
5. تفسیری موضوعات کے عنوانات (سرخیوں) سے واضح کیے گئے ہیں۔
6. طباعت میں معیار اور خوبصورتی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔
7. تقریظ دو معروف علما فضیلۃ الشیخ مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ اور فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے لکھی ہے۔

ہم نے اس کتاب کی تیاری میں ہر ممکن حد تک کوشش کی ہے کہ کسی قسم کا دقیقہ فروگزاشت نہ رہے مگر پھر بھی انسان غلطی نہ کرنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اگر ہمارا کوئی معزز قاری کسی قسم کی کوتاہی سے مطلع ہو تو براہِ کرم ہمارے ساتھ رابطہ کرے۔ ہم اس نوازش پر جہاں اس کے شکر گزار ہوں گے وہاں تصحیح کا بھی فوراً اہتمام کریں گے۔

اللہ تعالیٰ اس علمی خزانے کی خدمت کے عوض تمام معاونین اور ناشر کے گناہ معاف فرمائے اور اسے ہمارے لیے میزانِ حسنات کی زینت بنائے۔ آمین!

محمد سرور عاصم

تقریظ

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا لاریب کلام ہے جس کی مثل لانے سے دنیا عاجز اور درماندہ ہے۔ اس کے نزول سے لے کر آج تک کوئی اس کی مثل پیش نہیں کر سکا اور نہ ہی تا قیام قیامت پیش کر سکتا ہے۔ علمائے اسلام نے اس کی خدمت میں اپنی حیاتِ مستعار کو وقف کیا اور اس کی تفسیر و توضیح اور معانی و مفاہیم کی عقدہ کشائی کے لیے مختلف بلاد و ممالک کے دور دراز سفر کیے اور صعوبتوں و مسافتوں کو طے کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ان علمائے ذی شان میں سے امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ ان کی تفسیر منصۂ شہود پر آنے سے لے کر آج تک انتہائی اعلیٰ وارفع مقام حاصل کیے ہوئے ہے۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تفسیر، تفسیر القرآن بالقرآن، تفسیر القرآن بالحدیث والسنہ، تفسیر القرآن بآ ثار الصحابہ والتابعین، شرعی احکام کے استنباط و استخراج اور مذاہب ائمہ پر مشتمل ایک نادر نسخہ ہے۔ یہ ایسا شاہکار ہے جس میں علم و معرفت کا آفتابِ جہاں تاب اور اس حیات مستعار کی حرارت اور رشد و ہدایت کا نور یکجا ہیں۔ اور اس کا حسن و جمال قلب و نگاہ کو تر و تازگی اور طالبانِ راہ راست کو لازوال سیرابی عطا کرتا ہے۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تفسیر علوم و معارف کا سراپا اعجاز، اسرار و رموز کی جاذبیت کا گلدستہ اور علم و آگہی کا خزینہ زرینہ ہے۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے کلام الٰہی کے بحرِ بے کنار میں غوطہ زن ہو کر انمول موتیوں سے طالبانِ علم کی جھولیاں بھر دیں اور اس کے معانی و مفاہیم کے گلستان میں گل چینی کر کے جویانِ تفسیر کے لیے ازھارِ متناثرہ (بکھرے ہوئے پھول) یکجا کر دیے۔ قرآن حکیم کی خدمت ایک ایسا لازوال اور انمٹ عمل ہے جس میں ابن جریر طبری اور ابن کثیر جیسے محدث و فقیہ اور مؤرخ، ابو حیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ اور زمخشری رحمۃ اللہ علیہ جیسے نکتہ سنج اور ادیب، ابو عبداللہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ جیسے فقیہ اور قانون دان، رازی رحمۃ اللہ علیہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے فلسفی اور متکلم دم بے خود اور سر بگریباں نظر آتے ہیں۔ یہ ایک زندہ جاوید حقیقت ہے کہ قرآن حکیم نے بھٹکی ہوئی انسانیت کو مشعلِ راہ عطا کی اور کفر و شرک، معصیت و نافرمانی، فسق و فجور، ظلم و فجور، وحشت و بربریت کی اتھاہ گہرائیوں میں پھنسی ہوئی ذریت آدم کو عزت و شرف سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ ان افراد کو جزائے خیر عطا کرے جنہوں نے گم گشتہ راہ اور طالبانِ حق و صداقت کے لیے امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی اس عظیم القدر تفسیر کو اردو قالب میں ڈھال کر طبع کرنے کا عزم مصمم کیا ہے اور اس میں بیان کردہ روایات کو تحقیق و تخریج کی وادی سے گزارنے کا ارادہ کیا ہے۔

مارکیٹ میں موجود اکثر تفاسیر میں ضعیف روایات اور موضوعات کو بڑا دخل ہے اور یہ بھی کہ ان کا ضعیف اور موضوع ہونا بیان ہی نہیں کیا جاتا۔ یہ علم و تحقیق کا دور ہے اور ہر خاص و عام تحقیق و تخریج سے مرصع کتب کو ترجیح دیتا ہے۔ تفسیر ابن کثیر کے اردو ایڈیشنوں میں یہ کام برائے نام بھی نہ تھا۔ اس مبارک عمل میں مکتبہ اسلامیہ کے مدیر مولانا محمد سرور عاصم حفظہ اللہ نے قدم رکھا اور راقم کے تلمیذ رشید ملک کامران حفظہ اللہ سے تخریج کا کام لیا۔ راقم الحروف اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایسے تلامذہ عطا کیے ہیں جو اس وقت پاکستان کے مختلف علاقوں میں علمی و تحقیقی کاموں میں مصروف عمل ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے یہ عظیم الشان کام لے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کام کو راقم الحروف اور تلامذہ کے لیے کامیابی و کامرانی کا زینہ بنائے آمین، بہر کیف ابن کثیر میں موجود روایات کی تحقیق و تخریج کا یہ

انمول کام انتہائی عمدہ اور قابل فخر ہے پھر اس پر مستزاد یہ کہ ماہر اسمائے رجال و دراسۃ الاسانید، ذہبیٔ وقت حافظ ابو طاہر زبیر علی زئی حفظہ اللہ کی تحقیق و نظر ثانی سے مزین ہے۔ اللہ تعالیٰ فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی کو حاسدین کے شر، اور معاندین کے عناد، دشمنانِ دین کے بغض اور فتن سے محفوظ فرمائے اور ان کے نوکِ قلم سے گوہر نایاب، تحقیق و تخریج کے ماہتاب اور علم و آگہی کے آفتاب روشن کرتا رہے۔

زیر نظر تفسیر ابن کثیر کا یہ نسخہ انتہائی دل آویز، دل نشین اور تحقیق و تخریج کی منازل عالیہ سے لبریز ہے، اور حدیثی روایات پر صحت وضعف کا حکم لگانے میں انمول تحفہ ہے البتہ بعض تفسیری روایات پر ابھی حکم لگانا باقی ہے۔ لعل اللّٰه یحدث بعد ذلك امرا اللہ تبارک و تعالیٰ فضیلۃ الشیخ محمد سرور عاصم صاحب کی انتھک محنتوں، پائیدار اور نہ بھلائی جانے والی کاوشوں کو درجہ قبولیت پر سرفراز کر دے اور ان کے مکتبہ کو بھٹکی ہوئی انسانیت کے لیے مشعلِ راہ اور طالبانِ حق و صداقت کے لیے پنسارۂ نور بنا دے اور عامۃ الناس تک پہچانے میں اللہ تعالیٰ ان پر خصوصی رحمتوں کا نزول فرمائے۔ آمین!

ابو الحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ
رئیس مرکز الحسن، سبزہ زار، لاہور
30 اگست 2007ء

تقریظ

رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی جمع وتدوین اور حفاظت کا جو مُہتم بالشان کام محدثین کرام نے سرانجام دیا، ان کی تحقیق وتنقیح کے جو اصول وقواعد انہوں نے وضع کیے اور اسماء الرجال کا نہایت وقیع ذخیرہ بہم پہنچایا، مذاہب عالم کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ جس طرح اسلام اپنی بے نظیر تعلیمات کے اعتبار سے دیگر تمام ادیان ومذاہب سے ممتاز ہے، اسی طرح اسلام کی حفاظت کے لیے محدثین کی مذکورہ کاوشیں بھی منفرد اور بے مثال ہیں۔

لیکن المیہ یہ ہوا کہ جس طرح قرآن وحدیث کی واضح تعلیمات کے برعکس عقائد ومسالک بنا لیے گئے، اسی طرح محدثین کے محدثانہ اصول وضوابط کو نظر انداز کر کے امت کے مختلف گروہوں نے ضعیف بلکہ یکسر موضوع روایات تک کو مدارِ استدلال بنا لیا۔ حالانکہ محدثین کا یہ قول عقل ونقل کے اعتبار سے بالکل صحیح اور آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ

((اَلْاِسْنَادُ مِنَ الدِّیْنِ ، لَوْ لَا الْاِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ)) ❶

''سند دین کا حصہ ہے اگر سند نہ ہو تو ہر شخص جو چاہے کہہ سکتا ہے۔''

اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جس بات کا سلسلۂ سند رسول اللہ ﷺ تک صحیح اور متصل ہے، وہ دین ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان یا عمل ہے اور مسلمانوں کے لیے واجب الاتباع ہے۔ اور جس روایت کا سلسلۂ سند منقطع یا اس کے رُوات غیر ثقہ، غیر ضابطہ، غیر مُتقِن، کذاب، متروک، مُتّہم بالوضع وغیرہ ہوں، وہ ناقابل اعتبار اور ردّی کی ٹوکری میں پھینک دینے کے قابل ہے۔ اس سے کسی مسئلے کا اثبات ہوتا ہے، نہ عقیدے کا بلکہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کی طرف اس کا انتساب اتنا بڑا جرم ہے کہ اس پر جہنم کی سخت وعید وارد ہے۔

((مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ)) ❷

تمام مکاتبِ فکر میں صرف اہل حدیث کو یہ شرف وامتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے محدثین کے مسلک ومنہج کو اپنایا۔ چنانچہ اہلحدیث کے ہاں عقیدت ومحبت کا واحد مرکز ومحور بھی رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے اور آپ ہی کا فرمان، عمل اور تقریر ان کے نزدیک قابل عمل ہی نہیں، واجب الاتباع ہے۔ علاوہ ازیں آپ کی طرف منسوب وہی حدیث واجب الاتباع ہے جو صحیح الاسناد اور محدثین کے نقد وتحقیق کے معیار پر پوری اترنے والی ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اہل حدیث کے ہاں حدیث کی صحت وتحقیق کا سلسلہ مستقل طور پر جاری رہتا ہے اور صحیحین (صحیح بخاری وصحیح مسلم) کے علاوہ سنن اربعہ اور دیگر کتب احادیث پر آنکھیں بند کر کے اعتماد نہیں کیا جاتا۔ یہی محدثین کا اصول اور طریقۂ کار ہے، جس کے وارث صرف اہل حدیث ہیں۔ فالحمد لله علىٰ ذلك الف الف مرة۔

---

❶ مسلم، باب ان الاسناد من الدين ......، رقم: ۳۲۔

❷ مسلم، باب تغليظ الكذب على رسول الله ﷺ، رقم: ٤۔

اہل حدیث ناشرینِ کتب بھی حتی الامکان اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر جو عوام وخواص میں اسی لیے مقبول ومتداول ہے کہ اس کے مؤلف محدث بھی تھے اور بہت حد تک انہوں نے احادیث کی صحت وضعف کے بیان کرنے کا اہتمام بھی کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس میں ایسی ضعیف احادیث کافی تعداد میں موجود ہیں جن کی صحت وضعف کی تفصیل نہیں ہے۔ اسی لیے اب عربی اور اردو دونوں زبانوں میں اس کی احادیث کی تخریج وتحقیق کا کام ہو رہا ہے، عربی میں دو تین نسخے تحقیق وتخریج کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں اور اردو میں بھی یہ کام الحمدللہ ہو رہا ہے۔

مولانا محمد سرور عاصم صاحب نے بھی یہ بیڑہ اٹھایا ہے اور تفسیر ابن کثیر کی تخریج کا کام انہوں نے مجلس التحقیق الاسلامی کے نائب مدیر جناب کامران سے کروایا ہے، جس پر ہماری جماعت کے نامور محقق، اسماء الرجال کے ماہر اور جدید وقدیم کے فاضل مولانا زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے تحقیق اور نظر ثانی فرمائی ہے، مولانا زبیر علی زئی کی نظر ثانی کے بعد امید ہے کہ پورے اعتماد کے ساتھ اس تفسیر سے استفادہ کیا جا سکے گا۔ یہ ایک بہت بڑی علمی خدمت ہے جس سے اللہ کی توفیق سے صاحب مکتبہ اسلامیہ بہرہ ور ہوئے ہیں۔

ایں سعادت بہ زور با زو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اللہ تعالیٰ ان کی یہ خدمت قبول فرمائے اور عوام کے لیے اس کو زیادہ سے زیادہ بہتر اور مفید بنائے۔ ویرحم اللہ عبدًا قال آمینا۔

حافظ صلاح الدین یوسف

مدیر شعبۂ تحقیق وتالیف وترجمہ دارالسلام، لاہور

یکم ذوالحجہ ۱۴۲۸ھ۔ ۱۱ دسمبر ۲۰۰۷ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حالات زندگی امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب: امام محدث حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن درع القریشی البصروی الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ۔

کنیت ولقب: آپ کی کنیت ابوالفداء اور لقب عماد الدین تھا۔

سن ولادت وجائے پیدائش: آپ کی ولادت 700ھ کو مجدل نامی بستی میں ہوئی یہ بستی بُصریٰ شہر کے مضافات میں واقع ہے۔ بعض روایات کے مطابق آپ کی ولادت 701ھ کو ہوئی۔ ملک شام کی اس بستی میں آنکھ کھولنے والے ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ایک علمی خاندان کے چشم وچراغ تھے۔

شیخ عبدالقادر ارناؤوط حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے حالات قلمبند کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ کے والد اسی بستی میں ہی خطیب تھے۔

والد گرامی کی وفات: حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی عمر ابھی چار سال تھی کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپ کی پرورش آپ کے بڑے بھائی عبدالوھاب نے کی جو کہ ایک ممتاز عالم دین تھے۔

تعلیم وتربیت: آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائی سے حاصل کی۔ 706ھ میں آپ انہیں کے ساتھ دمشق چلے آئے۔ ان سے استفادہ کرنے کے ساتھ ساتھ آپ نے وہاں کے علمائے کرام سے علمی فیض سمیٹنا شروع کیا۔

اساتذہ کرام: آپ نے جن فضلا کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ان کا مختصر ذکر ملاحظہ ہو۔

فن حدیث کی تعلیم آپ نے اس وقت کے مشہور ومعروف محدث ابوالعباس احمد بن حجار سے حاصل کی، اس کے علاوہ آپ نے حدیث کا علم عیسیٰ بن المطعم، عفیف الدین اسحاق بن یحییٰ الآمدی سے حاصل کیا۔ اس کے علاوہ بدرالدین محمد بن ابراہیم معروف با بن سویدی، حافظ مزی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، محمد بن الشیرازی، بہاؤالدین قاسم بن عساکر اور حافظ ذھبی سے علم حدیث حاصل کیا۔

آپ نے فقہ کی تعلیم، عبدالوھاب (برادر اکبر) شیخ برہان الدین ابراہیم بن عبدالرحمٰن فزاری (729ھ) اور شیخ کمال الدین ابن قاضی شھبہ سے حاصل کی۔ اس وقت کے دستور کے مطابق آپ نے شافعی فقہ کی کتاب التنبیہ مکمل یاد کر کے اپنے اساتذہ کرام کو سنا دی۔ آپ نے اصول فقہ کی تعلیم علامہ شمس الدین محمود بن عبدالرحمٰن اصفہانی سے حاصل کی۔

حافظ مزی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کا خاص تعلق: آپ ایک طویل عرصہ حافظ مزّی کی خدمت میں رہے۔ آپ کو اپنے شیخ سے ایک خاص قسم کا لگاؤ تھا۔ آپ ہر وقت ان کی خدمت میں حاضر رہتے۔ اس خصوصی تعلق کی بنا پر حافظ مزّی نے اپنی پیاری صاحبزادی کی شادی ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سے کر دی۔ آپ نے بھی اس تعلق کو خوب نبھایا۔ آپ شادی کے بعد بھی لمبی مدت اپنے استاد محترم کی خدمت میں حاضر رہے اور فن حدیث ودیگر علوم کے تمام کمالات حاصل کیے۔

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابن کثیر: آپ کو اپنے استاد محترم شیخ الاسلام سے بھی خصوصی تعلق تھا۔ آپ روایت، درایت، حدیث اور کتاب وسنت کے ساتھ شغف میں اپنے شیخ سے بہت متاثر ہوئے۔ اس اثر کی جھلک ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات میں کئی مقامات پر دیکھنے کو ملتی ہے۔

علمی مقام ومرتبہ: حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ آسمان علم پر پوری آب وتاب کے ساتھ چمکے۔ آپ کو بیک وقت تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، زبان و ادب اور اصول، وغیرہ پر پوری دسترس حاصل تھی۔

شیخ عبدالقادر ارناؤوط رحمۃ اللہ علیہ کتب رجال سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "ابن کثیر حدیث اور اس کے متعلقہ فنون کے مطالعہ میں مشغول رہے۔ وہ اسماء الرجال کے فن کے ماہر امام تھے۔ انہوں نے فقہ شافعی کی کتاب التنبیہ کی تخریج کی، مسند احمد کو حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دے کر زوائد طبرانی اور ابی یعلیٰ کی احادیث کا اضافہ کیا۔"

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں علما کا خراج تحسین: علمائے کرام نے ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی علمی خدمات کے پیش نظر ان کو زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔

مشہور مؤرخ ابوالمحاسن جمال الدین وسف بن سیف الدین اپنی کتاب "المنهل الصافي والمستوفي بعد الوافي" میں رقمطراز ہیں:

"وہ شیخ، امام، علامہ عماد الدین ابوالفداء ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو تحصیل علم کے لئے وقف کیے رکھا اور پوری لگن سے دینی علوم حاصل کرتے رہے۔ انہوں نے تصنیف وتالیف میں بلند مقام حاصل کیا۔ وہ فقہ، تفسیر، حدیث کے ماہر تھے۔ انہوں نے ساری زندگی تصنیف وتالیف اور درس وتدریس میں گزار دی۔ وہ فتویٰ بھی دیتے رہے حتیٰ کہ اس دنیا فانی سے کوچ کر گئے۔"

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ "صاحب فضیلت محدث اور مفتی تھے۔"

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "وہ حدیث کے متون، رجال اور علم حدیث کے مطالعہ میں مشغول رہے۔"

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی بات لکھی کہ "انہوں نے رجال، متون حدیث اور فقہ پر خصوصی توجہ دی۔"

تلامذہ: ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سے بے شمار علما، فقہا اور طلبا نے علمی فیض حاصل کیا جن میں سے چند مشہور شاگردوں کے نام کچھ اس طرح ہیں۔

1. ابن حجی۔
2. ابن العماد حنبلی۔
3. ابن حبیب۔

انہوں نے احادیث کی تخریج کی۔ فن مناظرہ سے واقفیت حاصل کی، تصانیف کیں، تفسیر لکھی اور علمی میدان میں آگے بڑھتے گئے۔

تصانیف: ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بے مثال تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جن میں سے چند کا تذکرہ درج ذیل ہے۔

① **تفسیر القرآن الکریم:** یہ تفسیر ان کی انتہائی بلند پایہ تصنیف ہے۔ قدیم وجدید تفسیروں میں اسے انتہائی اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ بعض علما نے تو اسے صحیح بخاری سے تشبیہ دیتے ہوئے کہا کہ جس طرح کتب احادیث میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کا مرتبہ ہے بالکل اسی طرح تفسیر ابن کثیر کا مقام دیگر تفاسیر میں ہے۔

② **البدایہ والنھایۃ:** تاریخ اسلام کے حوالہ سے اس کتاب کا نام اول درجہ کی تواریخ کتب میں لکھا جاتا ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے

اس میں ابتدائے کائنات سے لے کر احوال آخرت تک کی بحثوں کو موضوع تحریر بنایا ہے۔

③ مسند الشیخین: اس کتاب میں انہوں نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث کو جمع کیا ہے۔

④ ترتیب مسند امام احمد بن حنبل: اس میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب مسند کو حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا ہے۔

⑤ السیرۃ النبویۃ: امام کائنات حضرت محمد ﷺ کی سیرت مبارکہ پر مفصل اور بہترین کتاب ہے۔

⑥ السیرۃ النبویۃ مختصراً: سیرت نبوی ﷺ پر ایک مختصر کتاب ہے۔

⑦ رسالۃ فی الجھاد: جس میں طلب جہاد کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔

⑧ التکمیل فی معرفۃ الثقات والضعفاء والمجاھیل: اس کتاب میں انہوں نے فن رجال کو موضوع بنایا ہے۔ اس میں تہذیب الکمال اور میزان الاعتدال دونوں کتابوں کو جمع کر دیا ہے۔

⑨ طبقات الشافعیہ: اس میں شافعی علما کے حالات زندگی پر بحث کی گئی ہے۔

⑩ الھدی والسنن فی احادیث المسانید والسنن: اس کتاب کا مشہور نام ''جامع المسانید'' ہے۔ اس کتاب کے اندر انہوں نے مسند احمد، مسند بزار، مسند ابی یعلیٰ، ابن ابی شیبہ اور صحاح ستہ کی روایات کو جمع کر کے ان کو فقہی ابواب پر مرتب کیا ہے۔

⑪ مناقب شافعی: اس کتاب میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل ذکر کیے گئے ہیں۔

⑫ رسالۃ فی فضائل القرآن: اس کتابچہ میں قرآن مجید کے فضائل کو عنوان بنایا گیا ہے۔

حافظ ابن کثیر اور تخریج احادیث: ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل کتابوں کی تخریج بھی کی ہے۔

1 مختصر ابن الحاجب

2 التنبیہ

وہ کتب جو آپ مکمل نہ کر سکے: آپ نے اپنی زندگی میں دو اہم کتب، صحیح بخاری کی شرح اور اسی طرح احادیث احکام کی شرح ''الاحکام الکبیر'' کے نام سے لکھنا شروع کی مگر آپ کی زندگی نے وفا نہ کی۔

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے ذاتی اوصاف: آپ انتہائی ذہین، بہترین سمجھ بوجھ رکھنے والے اور عرق ریز محنت کرنے والے انسان تھے۔ آپ کی قوت حافظہ انتہائی مضبوط، بہترین مناظر اور قابل ذکر حاضر جواب تھے۔

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور شاعری: ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ شاعری سے بھی دلچسپی رکھتے تھے وہ حقیقت پر مبنی بہترین شعر کہا کرتے تھے۔ ان کا ایک شعر بہت مشہور ہے۔

تمرُّ بنا الأیام تتری و اِنّما
نساق إلی الاجال والعین تنظر
فلاعائد ذاك الشباب الذی مضی
ولا زائل ھذا المشیب المكدّر

''ایام زندگی گزرتے جارہے ہیں اور ہم اپنی آنکھوں سے موت کی طرف جاتے ہوئے (اپنے آپ کو) دیکھ رہے ہیں۔ اب نہ ہی تو جوانی لوٹ کر آسکتی ہے اور یہ ناپسندیدہ بڑھاپا زائل ہونے کا نام نہیں لیتا۔''

فتویٰ نویسی: علمائے سیر نے لکھا ہے کہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے تحصیل علم کے بعد فتویٰ نویسی کا کام شروع کیا اور وہ باقاعدگی کے ساتھ یہ فریضہ سرانجام دیتے رہے حتیٰ کہ خالق حقیقی سے جا ملے۔

وفات: 774 ھ کو علم وعمل کا یہ آفتاب پوری آب وتاب کے ساتھ دمشق میں غروب ہوا۔ ان کو ان کے استاد محترم شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر رحمتوں کا نزول فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ آمین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حالات زندگی مولانا محمد جونا گڑھی

نام: آپ کا نام محمد بن ابراہیم تھا۔

ولادت: آپ 1890ء کو ضلع کاٹھیاواڑ کے شہر جونا گڑھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد غلہ کے مشہور تاجر تھے۔ آپ کے والد شروع سے ہی کتاب وسنت پر عمل کرنے کی ترغیب دیتے اور اس کی اہمیت سے خوب واقف تھے۔

تعلیم وتربیت: آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی وطن میں ہی مولانا عبداللہ جونا گڑھی سے حاصل کی اور اس کے بعد تعلیم وتعلم کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے آپ کچھ عرصہ کاروبار میں مشغول رہے۔

اعلیٰ تعلیم کا حصول: مولانا اپنی جواں سال بیوی کی وفات کے بعد اپنا آبائی وطن چھوڑ کر اعلیٰ تعلیم کے لئے دہلی منتقل ہوگئے۔ یہ وہ دور تھا جب دہلی تہذیب وتمدن اور اسلامی تعلیم کا عظیم مرکز تھا۔ آپ نے اس شہر میں شہرہ آفاق علما کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔

مولانا جونا گڑھی اور مدرسہ امینیہ: مولانا نے حصول تعلیم کے لئے مدرسہ امینیہ میں داخلہ لیا کچھ عرصہ بعد آپ مدرسہ امینیہ چھوڑ کر مدرسہ دارالکتاب والسنہ صدر بازار دہلی میں تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے کتاب وسنت کی خالص تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ فقہ، منطق، فلسفہ پر بھی عبور حاصل کیا۔

اس کے بعد مولانا پھاٹک حبش خاں دہلی میں مشہور محدث مولانا عبدالرحیم غزنوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ کے تعلیمی ادارے میں داخل ہوئے۔ یہ دونوں بزرگ حضرت مولانا سید نذیر حسین دھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید تھے۔

محمد جونا گڑھی رحمۃ اللہ علیہ اساتذہ کی نظر میں: تحصیل علم میں انہوں نے انتہائی جاں فشانی اور عرق ریز محنت کی وجہ سے اساتذہ کرام کی نظروں میں بہت اونچا مقام حاصل کر لیا۔ مذہبی علوم میں ان کی باریک بینی دیکھ کر اساتذہ اور طلبا بھی تعجب کیا کرتے تھے۔

مولانا کے ذاتی اوصاف: مولانا کے ذاتی اوصاف پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر مجیب الرحمان صاحب لکھتے ہیں:

''مرحوم ایک جامع علوم اور یگانہ روزگار شخصیت تھے۔ اپنے کارناموں، خدمات، مسلسل تعلیم وتبلیغ، اظہار حق اور راست گوئی کے لحاظ سے وہ اونچے مرتبے پر فائز تھے۔ برصغیر کے تعلیم یافتہ حلقوں میں ان کا نام بڑی شہرت رکھتا ہے۔''

نامور مؤرخ جناب اسحاق بھٹی صاحب رقمطراز ہیں: ''وہ خطیب بھی تھے اور مناظر بھی، مصنف بھی تھے اور مترجم بھی' معلم بھی تھے اور محقق بھی' خوش گفتار بھی تھے اور عابد شب بیدار بھی، وہ کثیر المطالعہ بزرگ تھے بلکہ کہنا چاہیے کہ چلتا پھرتا کتب خانہ تھے' ان کا انداز خطابت اور اسلوب تقریر نہایت پرتاثیر تھا اور وہ خاص جوش اور جذبے کے ساتھ اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے تھے' ہر معاملے میں کتاب وسنت کے دائرے میں رہتے تھے اور اس کو انہوں نے اپنا مقصد حیات قرار دے رکھا تھا۔ اظہار حق میں بے خوف اور اعلائے کلمۃ اللہ میں بے دھڑک۔''[1]

حضرت مولانا جونا گڑھی کی مقبولیت: مولانا جونا گڑھی بہت ہی قلیل عرصہ میں لوگوں میں اتنے مقبول ہوئے کہ دور دراز سے لوگ

---

[1] دیکھئے: مولانا محمد جونا گڑھی حیات وخدمات۔

ان کی تقریر سننے کے لئے حاضر ہوتے اور ان کے جلسہ کی رونق قابل دید ہوتی تھی۔

اساتذہ کرام: مولانا جوناگڑھی رحمۃ اللہ علیہ نے جن قدآور علمی شخصیات سے استفادہ کیا ان میں سے چند معروف شخصیات کے نام درج ذیل ہیں۔

① مولانا محمد اسحاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

② محمد ایوب پارچہ رحمۃ اللہ علیہ

③ عبدالرحیم غزنوی رحمۃ اللہ علیہ

④ مولانا عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ محمدیہ کا قیام: مولانا جوناگڑھی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب وسنت کے منہج کو اجاگر کرنے کے لئے مدرسہ محمدیہ کا سنگ بنیاد رکھا۔اس میں دیگر اساتذہ کے ساتھ آپ خود بھی تدریس کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔

تصانیف: مولانا نے اپنی زندگی میں بے شمار یادگار کتابیں تصنیف کی۔ان کی کتب کی فہرست تقریباً پچھتر (75) کے ہندسہ کو تجاوز کر جاتی ہے۔

تراجم: آپ نے مختلف عربی کتب کے ترجمے بھی کیے جن کو کچھ ہی عرصہ میں قبول عام حاصل ہوا اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے لوگوں کے ہاتھوں میں گردش کرنے لگے۔چند کا تذکرہ درج ذیل ہے۔

① ترجمہ تفسیر ابن کثیر: آپ نے تفسیر ابن کثیر کا اردو ترجمہ کر کے امت اسلامیہ پر عظیم احسان کیا کیونکہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تفسیر جامع خلائق ہے۔یہ کتاب محتاج تعارف نہیں ہے۔

② اعلام الموقعین: ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کتاب اپنی مثال آپ ہے۔جوناگڑھی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ کر کے لوگوں کو تحقیق اور دین اسلام کی حقیقی صورت سے آگاہ کیا اور لوگوں پر شریعت کے اسرار ورموز کھلتے چلے گئے۔مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمہ کی وجہ سے جوناگڑھی کو تعریفی خطوط لکھے۔

صحافت: آپ نے صحافت کے میدان میں بھی خوب نام حاصل کیا۔اخبار محمدی کے عنوان سے اخبار نکالا' اور گلدستہ محمدیہ کے نام سے ایک ماہنامہ کا اجرا بھی کیا۔

وفات: مولانا جوناگڑھی رحمۃ اللہ علیہ نے جمعہ کے خطبہ میں ''موت اور یتیم'' کے عنوان پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ''آج میں آپ کے سامنے بعافیت زندہ ہوں۔ممکن ہے آیندہ جمعے نہ ہوں۔پوری دنیا میں عموماً مسلم معاشرے میں خصوصاً یتیموں اور بیواؤں کی تعداد زیادہ ہے۔ان کا خیال رکھیں۔ان کے رونے اور بلکنے سے آسمان پھٹ جاتا ہے۔آیندہ جمعے کو میری بیویاں اور اولادیں یتیم ہوسکتی ہیں۔''

ان کی یہ بات سچ ثابت ہوئی اور اگلے جمعہ کی رات اچانک ان کا سخن خاموش ہوگیا اور وہ مولائے حقیقی سے جاملے۔قاطع شرک وبدعت اپنے چاہنے والوں کو داغ مفارقت دے گئے۔

1941ء کو صرف اکیاون برس کی عمر میں وہ اس دنیا فانی سے کوچ کر گئے مگر بے شمار تصانیف اور علمی خدمات ہمارے لئے چھوڑ گئے۔اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو قبول فرمائے۔ آمین

مُقَدِّمَۃ

تمام تعریفیں اس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اپنی کتاب کو اپنی حمد کے ساتھ شروع کیا اور فرمایا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۝ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ۝﴾ ❶ دوسری جگہ فرمایا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ﴾ ❷ یعنی ''سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن کریم نازل کیا۔ جس میں کوئی کجی نہیں۔ جو ہمیشہ دین کو قائم رکھنے والا ہے' تا کہ اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب سے اللہ کا پیغمبر لوگوں کو خبر دار کر دے' اور جو لوگ ایمان لا کر نیک اعمال کرتے ہیں انہیں ان کے بہترین اور ہمیشگی والے بدلہ کی خوش خبری سنا دے' اور جو لوگ اپنے جاہل باپ دادا کی سنی سنائی باتوں پر اللہ کی اولاد مانتے ہیں انہیں بھی چوکنا کر دے۔ کہ یہ بہت بڑی جسارت اور محض جھوٹی بات ہے جو ان کی زبان سے نکل رہی ہے۔ اے نبی! تم ان کے پیچھے اپنی جان میں گھن نہ لگاؤ۔''

جس طرح اس پروردگار نے اپنی کتاب کو حمد سے شروع کیا اسی طرح اس نے اپنی مخلوق کو بھی اپنی حمد سے شروع کیا۔ ارشاد ہوتا ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ۝﴾ ❸ یعنی ''سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے آسمان اور زمین کو اور اندھیرے واجالے کو پیدا کیا۔ لیکن کفار باوجود اس کے بھی اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔'' اسی طرح مخلوق کا خاتمہ بھی اپنی حمد وثنا پر کیا۔ اہل جنت اور اہل جہنم کے انجام کا بیان کر کے ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَتَرَی الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝﴾ ❹ یعنی ''تو دیکھے گا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے عرش کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوں گے۔ اور اپنے رب کی حمد وثنا تسبیح وتقدیس بیان کرتے ہوں گے۔ فیصلے حق کے ساتھ ہو چکے ہوں گے اور کہہ دیا گیا ہوگا کہ تمام تعریفیں اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہیں۔'' اسی لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۝﴾ ❺ یعنی ''وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اسی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔'' دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ۝﴾ ❻ یعنی ''سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں آسمان اور زمین کی تمام چیزیں اسی کی ملکیت ہیں۔ آخرت میں بھی حمد اسی کے لئے ہے وہی حکمت والا اور خبردار ہے۔'' اول وآخر اسی کی تعریف ہے یعنی جو کچھ اس نے پیدا کیا اور جو کچھ پیدا کرے گا۔ وہ ان سب میں تعریفوں والا ہے۔ جیسے کہ نمازی (سَمِعَ اللّٰهُ) کے بعد کہتا ہے (اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْاَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْاَ الْاَرْضِ وَمِلْاَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ) ❼ ''اے اللہ! اے ہمارے رب! تیرے ہی لئے سب تعریفیں ہیں۔ آسمان وزمین بھر جانے کے برابر اور ان کے بعد بھی جس چیز کو تو بھر دینا چاہے۔'' اسی لئے جنتی لوگ بھی حمد وثنا کا الہام کئے جائیں گے اور ان کے سانس کے ساتھ ہی بلا تکلف اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اسکی تسبیح ادا ہوتی رہے گی۔ ❽

❶ ۱/ الفاتحۃ: ۲۔۴۔ ❷ ۱۸/ الکھف: ۱۔ ❸ ٦/ الانعام: ۱۔ ❹ ۳۹/ الزمر: ۷۵۔ ❺ ۲۸/ القصص: ۷۰۔

❻ ۳٤/ سبا: ۱۔ ❼ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب اعتدال ارکان الصلاۃ وتخفیفها، ۴۷۱۔

❽ صحیح مسلم، کتاب الجنة، باب فی صفات الجنة واهلها وتسبیحهم فیها بکرة وعشیا، ۲۸۳۵۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمتیں اور اس کی قدرت کاملہ اور اس کی زبردست سلطنت اور اس کی مسلسل رحمتیں اور اس کے ہمیشگی والے احسانات ان کے پیش نظر ہوں گے۔ اسی کو قرآن کریم نے بیان فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ٭ دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ٭﴾ ❶ یعنی ''ایمان کے ساتھ نیک عمل کرنے والوں کو ان کا رب ان کے ایمان کے ذریعہ اُن نعمتوں والے باغوں کی راہ دکھائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان کی آواز ﴿سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ﴾ اور آپس میں سلام کا تحفہ ہوگا اور آخری پکار ان کی یہی ہوگی کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہان والوں کا رب ہے۔'' اللہ ہی کے لیے تعریف ہے... ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ ❷ ... ''جس نے اپنے رسولوں کو خوش خبریاں دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر بھیجا۔ تاکہ رسولوں کے آجانے کے بعد لوگوں کی کوئی حجت اللہ تعالیٰ پر باقی نہ رہے۔'' ان رسولوں کا سلسلہ نبی امی عربی مکی مدنی ﷺ پر ختم کیا۔ جو سب سے زیادہ واضح راہ کی ہدایت کرنے والے ہیں۔

آپ ﷺ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک جتنے جنات و انسان ہیں ان سب کی طرف آپ کی رسالت ہے جیسے کہ قرآن کریم میں ہے ﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا﴾ ❸ الخ ''اے نبی! تم کہہ دو کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں وہ اللہ جو آسمان اور زمین کا مالک ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جو پیدا کرتا ہے اور مارتا ہے۔ پس اے لوگو! تم سب ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر جو نبی ہے امی ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کی باتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ لوگو! انہی کی پیروی میں تمہاری ہدایت مضمر ہے'' دوسری جگہ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ﴾ ❹ ''تاکہ میں تمہیں بھی ڈراؤں اور انہیں بھی جنہیں کلام اللہ پہنچے۔'' پس جس عربی عجمی، کالے گورے انسان کو یہ قرآن پہنچا آنحضرت ﷺ اس کے لئے ڈرانے والے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ﴾ ❺ یعنی ''اس کے ساتھ کفر کرنے والا جہنمی ہے'' پس جو کوئی قرآن کے ساتھ کفر کرے وہ بحکم قرآن جہنمی ہے۔ دوسری جگہ قرآن کریم کا ارشاد ہوتا ہے: ﴿فَذَرْنِیْ وَمَنْ یُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِیْثِ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ٭﴾ ❻ یعنی ''تم ان جھٹلانے والوں کو اور مجھ کو چھوڑ دو۔ میں انہیں اس طرح بتدریج پکڑوں گا کہ انہیں معلوم بھی نہ ہوگا۔'' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''میری پیغمبری عام ہے۔ میں ہر سرخ و سیاہ کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔'' ❼ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یعنی کل جن و انس کی طرف، پس آنحضرت ﷺ تمام انسانوں اور جنات کی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ سب کو اللہ کریم کی وحی اور عزت والے قرآن کو آپ ﷺ پہنچانے والے ہیں جس پاک کتاب کے پاس کسی طرف سے باطل پھٹک ہی نہیں سکتا جو حکمتوں اور تعریفوں والے اللہ کا نازل کیا ہوا ہے۔

دعوت غور و فکر: اللہ تعالیٰ نے اپنے اس کلام کو سمجھنے کی تاکید بھی اسی میں کر دی ہے، فرمایا کہ ''تم کیوں قرآن میں تدبر اور غور و فکر نہیں کرتے۔ اگر یہ اللہ کے سوا اور کسی کی طرف سے ہوتا تو تم اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے۔'' دوسری جگہ فرمایا: ''اس مبارک کتاب کو ہم نے تیری طرف اتارا تاکہ لوگ اس میں غور و خوض کریں اور عقلمند لوگ نصیحت حاصل کریں۔'' تیسری جگہ فرمایا: ''یہ لوگ قرآن کے سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر قفل لگ گئے ہیں''؟

دنیا کے طالب علما کا انجام: پس علما پر واجب ہے کہ کلام اللہ کا مطلب واضح کریں اور سیکھیں اور سکھائیں اور لوگوں کی صحیح راہنمائی

❶ ۱۰/ یونس:۹۔۱۰۔ ❷ ٤/ النسآء: ١٦٥۔ ❸ ۷/ الاعراف:۱۵۸۔ ❹ ٦/ الانعام:١٩۔ ❺ ۱۱/ ہود:۱۷۔
❻ ٦٨/ القلم:٤٤۔ ❼ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب المساجد ومواضع الصلاۃ، ٥٢١۔

کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''ہم نے کتاب والوں سے عہد لیا ہے کہ وہ اسے بیان کرتے رہیں چھپائیں نہیں لیکن ان لوگوں نے اسے پیٹھ پیچھے ڈال دیا اوراس کے بدلے دنیا طلب کرنے لگے۔ ان کا یہ بیوپار نہایت ہی برا ہے'' دوسری جگہ فرمایا: ''جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی سی رقم کے بدلے بیچتے پھریں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بات تک نہ کرے گا۔ نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا' نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔'' پس جو لوگ ہم سے پہلے کتاب دیئے گئے تھے اور انہوں نے اس سے منہ موڑ لیا اور دنیا کے حاصل کرنے اور اس کے اکٹھا کرنے میں مشغول ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں کے پیچھے پڑ کر اللہ کی پاک کتاب کو چھوڑ دیا پروردگار نے ان کی مذمت بیان کی۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ایسا کام نہ کریں جو مذمت کا سبب بنے۔ بلکہ انہیں چاہئے کہ احکام اللہ کی تعمیل میں دل و جان سے لگے رہیں اور قرآن پاک کے سیکھنے' سکھانے اور سمجھانے میں مشغول رہا کریں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''کیا اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ مسلمانوں کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے (اور جو ان کی طرف حق آیا ہے اس سے) کانپ اٹھیں اور ان کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں ان سے پہلے کتاب دی گئی لیکن کچھ زمانہ گزرتے ہی ان کے دل سخت ہو گئے اور اکثر لوگ نافرمان ہو گئے۔ جان لو کہ مردہ زمین کو نئی زندگی دینا اللہ ہی کا کام ہے۔ ہم نے تو تمہاری سمجھ بوجھ کے لئے اپنی آیات بیان کر دیں'' ان دونوں آیات کے ترجمے میں غور کرو کس لطافت کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ جس طرح بارش سے خشک زمین لہلہانے لگتی ہے اسی طرح ایمان وہدایت سے وہ دل جو نافرمانیوں اور گناہوں کے باعث سخت ہو گئے ہوں نرم پڑ جایا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر جواد وسخی سے قبولیت کی امید پر ہم بھی دعا کرتے ہیں کہ وہ مالک ہمارے دلوں کو بھی نرم کر دے۔ (آمین)

تفسیر کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ سنو! تفسیر کا بہترین اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ اول تو قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے ہو اس لئے کہ ایک بیان کہیں مختصر ہے تو کہیں اس کی تفصیل بھی ہے۔ اس کے بعد قرآن کی تفسیر حدیث سے ہوتی ہے۔ اس لئے کہ حدیث قرآن کریم کی تبیین اور تفسیر ہے۔ بلکہ حضرت امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام قرآن ہی سے سمجھے ہوئے ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے: ''ہم نے تم پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اللہ کے بتائے ہوئے احکام کے مطابق فیصلے کر سکو، خبردار! تم خیانت کرنے والوں کے طرف دار مت بننا۔'' دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ ''ہم نے تو تم پر اسی لئے یہ کتاب اتاری ہے کہ لوگوں کے اختلاف کا فیصلہ کر دیا کرو۔ یہ کتاب ایمانداروں کے لئے ہدایت و رحمت (کا باعث) ہے'' ایک اور مقام پر فرماتا ہے'' ہم نے اس کے ذکر کو تیری طرف اس لئے اتارا ہے کہ تم اسے لوگوں کو کھول کھول کر پہنچا دو تاکہ وہ غور و فکر کر سکیں۔''

حدیث کی اہمیت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''میں قرآن بھی دیا گیا ہوں اور اس کی مثل ایک اور چیز بھی اسی کے ساتھ دیا گیا ہوں۔'' [1] اس سے مراد سنت ہے۔ یہ یاد رہے کہ احادیث بھی اللہ کی وحی ہیں جس طرح قرآن بذریعہ وحی الٰہی اترا اسی طرح حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی وحی الٰہی ہے۔ مگر قرآن وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بڑے بڑے ائمہ رحمہم اللہ نے اسے دلائل سے خوب ثابت کر دیا ہے لیکن یہاں اس کے بیان کرنے کا موقع نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر پہلے خود قرآن اور پھر حدیث سے کرنی چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی جانب بھیجا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا'' کہ کس چیز سے فیصلہ کرو گے؟'' انہوں نے جواب دیا کتاب اللہ سے۔ فرمایا'' اگر اس میں نہ پاؤ تو'' کہا سنت رسول

[1] ابوداود، کتاب السنة، باب لزوم السنة، ٤٦٠٤ وسنده صحيح؛ ترمذی، ٢٦٦٤ وسنده حسن۔

اللہ ﷺ سے۔ کہا ''اگر اس میں نہ پاؤ تو'' کہا اب اجتہاد کروں گا۔ حضور ﷺ نے یہ جواب سن کر ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے نبی کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جو اس کے نبی کو پسند ہے۔'' ❶ یہ حدیث مسند میں بھی ہے اور سنن میں بھی اور سند بھی اس کی بہت عمدہ ہے۔ جیسا کہ اپنی جگہ اس کا ثبوت موجود ہے۔

قرآن کریم کی تفسیر میں اقوال صحابہ کی اہمیت: اسی بنا پر جب کسی آیت کی تفسیر قرآن وحدیث دونوں میں نہ ملے تو اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ وہ تفسیر قرآن کو بہت زیادہ جانتے تھے اس لئے کہ جو قرینے اور احوال اس وقت تھے ان کا علم انہی کو ہوسکتا ہے۔ وہ اس وقت موجود اور حاضر تھے۔ علاوہ ازیں کامل سمجھ بوجھ صحیح علم اور نیک عمل انہیں ہی حاصل تھا۔ بالخصوص ان بزرگوں کو جو ان میں بھی بڑے مرتبہ والے اور زبردست عالم تھے جیسے چاروں امام جو خلفا تھے جو رشد وہدایت والے تھے یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اور جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ''اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کتاب اللہ کی کوئی آیت ایسی نہیں کہ میں نہ جانتا ہوں کہ یہ کس کے بارے میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی۔ میں اگر جانتا کہ کتاب اللہ کے علم میں کوئی مجھ سے زیادہ ہے اور وہاں تک میں کسی طرح پہنچ بھی سکتا ہوں تو ضرور اس کی شاگردی میں اپنے آپ کو پیش کرتا۔'' ❷ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ''ہم میں سے ہر شخص جب تک دس آیتوں کا پورا مطلب نہ جان لیتا اور ان پر عمل نہ کر لیتا گیارہویں آیت نہیں پڑھتا تھا۔'' حضرت عبدالرحمٰن سلمی تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''ہم نے جن سے قرآن سیکھا وہ ہم سے فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پڑھا۔ جب تک ہم دس آیتوں کا علم وعمل حضور ﷺ سے نہ سیکھ لیتے آگے نہیں بڑھتے تھے۔''

غرض قرآن کا علم اور قرآن پر عمل دونوں ہی کو سیکھا۔ انہی میں سے ایک حبر البحر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی اور ترجمان القرآن ہیں۔ حضور ﷺ نے ان کے لئے برکت کی دعا کی تھی اور کہا تھا: ((**اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيْلَ**)) ❸ ''اے اللہ! انہیں دین کی سمجھ عطا فرما اور قرآن کی تفسیر کا علم بھی نصیب کر۔'' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''قرآن کے بہترین ترجمان حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔'' ❹ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کو پیش نظر رکھ کر خیال کیجئے کہ ان کا انتقال ۳۲ھ میں ہوا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان کے بعد بھی چھتیس سال تک زندہ رہے تو اس مدت میں آپ نے علم میں کس قدر ترقی کی ہوگی۔ حضرت ابووائل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما امیر حج مقرر ہوئے تھے آپ نے اپنے خطبہ میں سورۂ بقرہ کی تلاوت فرمائی اور اس عمدگی سے تفسیر کی کہ اگر کفار تُرک ودیلم

---

❶ ابوداود، كتاب القضاء، باب اجتهاد الرای فی القضاء، ۳۵۹۹؛ ترمذی، ابواب الاحکام، باب ما جاء فی القاضی کیف یقضی، ۱۳۲۷۔ اور فرمایا: یہ حدیث غریب اور اس کی سند غیر متصل ہے۔ یہ روایت حارث بن عمرو اور اصحاب معاذ کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

❷ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب القراء من اصحاب رسول الله ﷺ رقم، ۵۰۰۴؛ صحیح مسلم، ۲۴۶۳۔

❸ احمد، ۱/ ۳۱۴، ۷۶۶؛ ابن حبان، ۷۰۵۵، وبلفظ ((اللهمّ فقهه فی الدين))؛ صحیح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل عبدالله بن عباس، ۲۴۷۷؛ اور صحیح بخاری میں ((اللهمّ علّمه الكتاب)) ہے دیکھئے حدیث نمبر: ۷۵، ۱۴۳، ۳۷۵۶، ۷۲۷۰؛ المعجم الكبير للطبرانی، ۱۰/ ۲۹۳ ح ۱۰۵۸۷ وسنده حسن بلفظ: ((اللهم علمه التاويل وفقهه فی الدين))۔

❹ حاکم، ۳/ ۵۳۷؛ اور اسے شرط شیخین کی بنا پر صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت فرمائی ہے لیکن اس کی سند سفیان ثوری اور سلیمان اعمش کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

بھی سن لیتے تو یقیناً مسلمان ہو جاتے۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے اپنے اس خطبہ میں سورۂ نور کی تفسیر فرمائی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اسماعیل بن عبدالرحمٰن سدی کبیر اپنی تفسیر میں انہی دونوں بزرگوں کی اکثر تفسیر نقل کیا کرتے ہیں لیکن کبھی کبھی اہل کتاب سے یہ بزرگ جو روایت لے لیا کرتے ہیں اسے بھی وہ بیان کر دیتے ہیں۔

تفسیر قرآن میں اسرائیلی روایات کی حیثیت: بنی اسرائیل سے روایت لینا مباح ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری طرف سے پہنچا دیا کرو اگر چہ ایک آیت ہی ہو۔ بنی اسرائیل سے بھی روایت لینے میں کوئی حرج نہیں مجھ پر قصداً جھوٹ بولنے والا قطعاً جہنمی ہے۔'' ❶ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے جنگ یرموک میں دو بوریاں یہود ونصاریٰ کی کتابوں کی پائی تھیں۔ ان کی باتیں بھی وہ اس حدیث کو مدنظر رکھ کر نقل کر دیا کرتے تھے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ بنی اسرائیل کی یہ روایات صرف مسئلہ کی مضبوطی اور اس کی گواہی کے لئے لائی جاتی ہیں۔ خود ان سے مسائل ثابت نہیں ہو سکتے۔ روایات بنی اسرائیل تین قسم پر ہیں۔

① جن کی تصدیق خود ہمارے ہاں موجود ہے یعنی قرآن کی کسی آیت یا حدیث کے مطابق بنو اسرائیل کی کتاب میں بھی کوئی روایت مل جائے اس کی صحت میں تو کوئی کلام نہیں۔

② جن کی تکذیب خود ہمارے ہاں موجود ہو یعنی کسی آیت یا حدیث کے خلاف ہو، اس کے غلط ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

③ جس کی نہ ہم تصدیق کر سکتے ہیں نہ تکذیب اس لئے کہ ہمارے ہاں نہ تو کوئی ایسی روایت ہے جس کی مطابقت کی وجہ سے ہم اسے صحیح کہہ سکیں نہ کوئی ایسی روایت ہے جو اس کے مخالف ہو اور اس بنا پر ہم اسے جھوٹ اور غلط کہہ سکیں۔ لہٰذا یہ تیسری قسم کی روایات وہ ہیں جن سے ہم خاموش ہیں، نہ انہیں غلط کہیں نہ صحیح سمجھیں البتہ انہیں ذکر کرنا جائز ہے۔ اور یہ روایات ہیں بھی ایسی جن میں ہمارے دین کا کوئی فائدہ نہیں۔ باوجود اس کے ایسی باتوں میں خود اہل کتاب میں بھی بڑے بڑے اختلافات موجود ہیں۔

اسی وجہ سے ان روایات کو لینے والے مفسرین میں ایسے ہی اختلاف پائے جاتے ہیں مثلاً اصحاب کہف کے نام' ان کے کتے کا رنگ، ان کی گنتی' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لکڑی کس درخت کی تھی؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن پرندوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اور پھر رب تعالیٰ کے حکم سے وہ جی اٹھے، وہ پرندے کون کون سے تھے؟ اور جس مقتول کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں گائے ذبح کر کے اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا لگایا تھا اور اس سے اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کر دیا تھا۔ وہ ٹکڑا کونسا تھا اور کس جگہ کا تھا؟ اور وہ کونسا درخت تھا جس پر موسیٰ علیہ السلام نے نور دیکھا تھا اور اس میں سے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تھا؟ وغیرہ وغیرہ۔ پس یہ وہ چیزیں ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈال رکھا ہے اور ہمیں ان کا جاننا نہ جاننا کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا نہ اس کی تعیین میں کوئی دینی فائدہ ہے نہ دنیوی۔ ہاں البتہ یہ بات ہے کہ اس اختلاف کو نقل کرنا جائز ہے۔ یا جیسا کہ خود قرآن نے اصحاب کہف کی گنتی کا اختلاف نقل کیا ہے۔ چنانچہ اللہ فرماتا ہے ﴿سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ﴾ ❷ الخ ''یعنی یہ لوگ کہتے ہیں کہ اصحابہ کہف تین تھے اور ان کا کتا چوتھا تھا اور کہتے ہیں کہ پانچ تھے اور چھٹا کتا تھا۔ یہ سب ڈھکوسلے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا۔ اے نبی! تم کہہ دو کہ ان کی گنتی کو میرا رب ہی بخوبی جانتا ہے۔ تم ان سے اس بارے میں صرف سرسری گفتگو کرو اور اس بارے میں ان سے نہ پوچھو۔'' یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ ہمیں ایسے مقام پر کیا کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں تین قول بیان فرمائے۔ دو کو تو ضعیف قرار دیا اور تیسرے پر ضعف کا حکم نہیں لگایا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحیح ہے کیونکہ اگر یہ بھی باطل ہوتا تو ان دونوں کی طرح اسے بھی رد کر دیا جاتا پھر ساتھ

❶ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ما ذکر من بنی اسرائیل، ۳۴۶۱؛ ترمذی، ۲۶۶۹۔ ❷ ۱۸/ الکھف: ۲۲۔

ہی ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان کی تعداد کا علم تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ پھر تم اس کی چھان بین میں کیوں پریشان ہو تم یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ ان کی گنتی کا حقیقی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ بہت کم ایسے لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ان کی صحیح تعداد پر مطلع فرمایا ہے جب یہ معلوم ہو چکا کہ وہ اٹکل پچو باتیں بنا رہے ہیں تو پھر اس کے پیچھے پڑنے اور ان سے دریافت کرنے کی کیا ضرورت؟

اسی طرح ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ کسی اختلاف کو نقل کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ تمام اختلافی اقوال بیان کر دیے جائیں۔ صحیح غیر صحیح پر تنبیہ کر دی جائے اور اس اختلاف کا فائدہ بھی بیان کر دیا جائے تا کہ بے کار کام میں پڑ کر کوئی شخص کار آمد شغل سے رک نہ جائے۔ جو شخص اختلاف نقل کرنے میں تمام اقوال بیان نہ کرے تو یہ اس کا قصور ہے۔ ممکن ہے ٹھیک قول وہی ہو جسے اس نے چھوڑ دیا۔ اسی طرح جو شخص اختلاف نقل کر کے فیصلہ کئے بغیر چھوڑ دے اس نے بھی غلطی اور تقصیر کی۔ اگر غیر صحیح کو جان بوجھ کر صحیح کہہ دے پھر تو وہ جھوٹا ہے اور اگر جہالت سے ایسا کرے تو پھر وہ خطا کار ہے۔ اسی طرح جو شخص کسی ایسی باریک بات میں جس میں کوئی بڑا فائدہ نہ ہو بہت سارے اقوال اختلافی نقل کر دے یا ایسے اختلافات نقل کرنے بیٹھ جائے جن کے الفاظ مختلف ہوں مگر نتیجہ کے اعتبار سے یا تو اختلاف بالکل ہی اٹھ جاتا ہو یا یوں ہی معمولی سا رہ جاتا ہو اس نے بھی اپنے قیمتی وقت کو بے کار ضائع کیا اور نہ کرنے والا کام کیا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص دو جھوٹے کپڑے پہن لے۔ بھلائی اور سیدھی بات کی توفیق تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

فصل

تفسیر اور تابعین کے اقوال: جب کسی آیت کی تفسیر قرآن، حدیث اور اقوال صحابہ تینوں میں نہ ملے تو اکثر ائمہ دین نے کہا ہے کہ ایسے موقع پر تابعین کی تفسیر سے مدد لی جائے، جیسے مجاہد بن جبر رحمہ اللہ (جو تفسیر میں باری تعالیٰ کی ایک نشانی تھے) جو فرماتے ہیں کہ میں نے تین مرتبہ اول سے آخر تک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے قرآن سیکھا اور سمجھا۔ ❶ ایک ایک آیت کو پوچھ پوچھ کر سمجھ سمجھ کر پڑھا۔ ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں خود میں نے حضرت مجاہد رحمہ اللہ کو دیکھا کہ کتاب قلم دوات لے کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچا کرتے اور تفسیر قرآن دریافت کر کے تحریر فرماتے۔ ❷ پورے قرآن کریم کی تفسیر اسی طرح نقل کی۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کا تو فرمان تھا کہ مجاہد رحمہ اللہ کسی آیت کی تفسیر کر دیں تو پھر اس کی ٹٹول کرنا بے سود ہے، بس انہیں کی تفسیر کافی ہے۔ ❸ حضرت مجاہد رحمہ اللہ کی طرح حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ، حضرت عکرمہ رحمہ اللہ جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مولیٰ تھے، حضرت عطاء بن ابی رباح، حضرت حسن بصری، حضرت مسروق بن اجدع، حضرت سعید بن مسیب، حضرت ابو العالیہ، حضرت ربیع بن انس، حضرت قتادہ اور حضرت ضحاک بن مزاحم رحمہم اللہ وغیرہ تابعین تبع تابعین، اور ان کے بعد والوں کی تفسیر معتبر مانی جائے گی۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی آیت کی تفسیر میں ان بزرگوں کے اقوال جب ذکر کیے جاتے ہیں اور ان کے الفاظ میں بظاہر اختلاف نظر آتا ہے تو بے علم لوگ اسے معنوی اختلاف سمجھ کر کہہ بیٹھتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ حالانکہ حقیقتاً ایسا نہیں ہوتا بلکہ کسی نے ایک چیز کی تعبیر اس کے لازم سے کی، کسی نے اس کی نظیر سے کسی نے خود اس چیز کو ہی بیان کر دیا۔ پس ان صورتوں میں گو الفاظ میں اختلاف ہوتا ہے لیکن معنی ایک ہی رہتے ہیں۔ عقلمند کو چاہئے کہ ایسی جگہ لغزش نہ کھائے وَاللّٰهُ الْهَادِیْ۔ شعبہ بن حجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب تابعین کے اقوال فروعی مسائل میں حجت نہیں تو تفسیر قرآن میں کیسے حجت ہو جائیں گے؟ شعبہ رحمہ اللہ کا یہ قول صحیح ہے کہ ان کا اختلاف کرنے والے پر ان کے اقوال حجت نہیں۔ لیکن ان کے اجماعی اقوال کے حجت ہونے میں کوئی شک نہیں۔ ہاں اختلاف کے وقت

---

❶ الطبری، ١/ ٩٠۔ ❷ الطبری، ١/ ٩٠۔ ❸ الطبری، ١/ ٩١۔

نہ ان کا قول آپس میں ایک دوسرے پر حجت ہے نہ غیروں پر۔ اس وقت لغت قرآن اور حدیث اور عام لغت عرب اور اقوال صحابہ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

تفسیر بالرائے کی شرعی حیثیت: ہاں صرف رائے سے تفسیر کرنا تو محض حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''جس نے قرآن میں اپنی رائے کو دخل دیا یا جہالت سے کچھ کہہ دیا اس نے اپنی جگہ جہنم میں بنالی۔'' ❶ یہ حدیث ابن جریر' ترمذی اور ابوداؤد میں ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے۔ یہی الفاظ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہیں۔ حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے قرآن کریم میں اپنی رائے سے کچھ کہا اس نے خطا کی۔'' ❷ ابن جریر ابوداؤد' ترمذی' اور نسائی میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے غریب کہا ہے اور اس کے راوی سہیل پر بعض اہل علم نے کلام بھی کیا ہے۔ اس حدیث میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ جس نے اپنی رائے سے قرآن میں کوئی ٹھیک بات بھی کہہ دی تو پھر بھی وہ خطا کار ہے۔ ❸ اس لئے کہ اس نے اس چیز کا تکلف کیا جس کا اسے علم نہ تھا اور وہ چال چلا جس چال کے چلنے کا اسے حکم نہ تھا۔ پس اگر چہ اس کے منہ سے ٹھیک بات نکل گئی پھر بھی وہ خطا کار ہے اس لئے کہ کام کو کام کے طریقہ پر اس نے نہیں کیا۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کوئی شخص بے علم ہو پھر فیصلے کرنے بیٹھ جائے' اسے جہنمی کہا گیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ایسے شخص کی صحیح بات پر مواخذہ کم ہو لیکن ہے خطا کار۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ دیکھئے تہمت لگا کر گواہ نہ پیش کرنے والے کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کاذب یعنی جھوٹا فرمایا گو حقیقت میں وہ سچا ہی ہو اور جس کی نسبت وہ زنا کا الزام لگا رہا ہے وہ واقعی زانی ہو لیکن چونکہ اسے اس خبر کو بلا شہادت پھیلانا حلال نہ تھا اور اس نے پھیلائی تو جھوٹا ٹھہرا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

تفسیر قرآن میں اسلاف کا طریقہ کار: یہی وجہ تھی کہ سلف کی ایک بڑی جماعت بلا علم تفسیر کرنے سے بہت ڈرتی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے مجھے کونسی زمین اٹھائے گی اور کونسا آسمان سایہ دے گا اگر میں قرآن میں وہ کہوں جو نہیں جانتا۔ ❹ آپ سے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا۝﴾ ❺ کی تفسیر پوچھی جاتی ہے تو فرماتے ہیں مجھے کونسا آسمان سایہ دے گا اور کونسی زمین اٹھائے گی جب کہ میں قرآن میں وہ کہوں جو نہیں جانتا۔ یہ روایت منقطع ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ منبر پر اسی آیت کی تلاوت کرتے ہیں پھر فرماتے ہیں ﴿فَاكِهَةً﴾ کو تو ہم جانتے ہیں لیکن یہ ﴿اَبّ﴾ کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی فرماتے ہیں کہ اے عمر! اس تکلف میں کیوں پڑو؟ ❻ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس تھے آپ کے قمیص کے پیچھے چار پیوند لگے ہوئے تھے۔ آپ نے اس آیت ﴿وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا۝﴾ ❼ کی تلاوت کی اور کہا کہ ﴿اَبّ﴾ کیا چیز ہے؟ پھر فرمانے لگے اس تکلف کی تمہیں کیا ضرورت؟ اس کے نہ جاننے میں کیا حرج؟ مطلب یہ ہے کہ اَبّ کا معنی تو معلوم ہے یعنی چارہ

---

❶ ترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب ما جاء فی الذی یفسر القرآن برایه، ۲۹۵۰؛ السنن الکبریٰ، ۸۰۸۵۔ یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کا مدار عبدالاعلیٰ بن عامر الثعلبی پر ہے جسے امام احمد' ابوزرعۃ وغیرہ نے ضعیف الحدیث قرار دیا ہے۔ (تهذيب الكمال: ٤/ ٣٣٥، رقم ٣٦٧٢) ❷ ابوداود، کتاب العلم، باب التشديد في الكذب على رسول الله ﷺ، ٣٦٥٢؛ ترمذی، ٢٩٥٢؛ السنن الكبرىٰ للنسائي، ٨٠٨٦، اس حدیث کا مدار سهيل بن أبي حزم مهران القطعي پر ہے۔ جس پر امام بخاری' نسائی اور ابو حاتم وغیرہ نے لیس بالقوی کے الفاظ سے جرح کی ہے۔ (تهذيب الكمال، ٣/ ٣٣١، رقم ٢٦١١) یہ روایت سہیل بن ابی حزم کی وجہ سے ضعیف ہے۔

❸ ایضا یہ روایت سہیل بن ابی حزم کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ❹ فضائل القرآن لابی عبید ص ٢٢٧ باب ٥٨ وسنده ضعیف لانقطاعه۔

❺ ٨٠/ عبس: ٣١۔ ❻ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب ما یکره من کثرة السؤال...... ٧٢٩٣ مختصرًا بلفظ (نهينا عن التكلّف)

❼ ٨٠/ عبس: ٣١۔

زمین کی پیداوار لیکن اس کی کیفیت کا کھلا ہوا علم نہیں ۔ اسی آیت میں موجود ہے ﴿فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۝ وَّعِنَبًا﴾ 1 یعنی ''ہم نے زمین میں اناج اور انگور اگا دیئے۔''

ابن جریر میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی شخص نے ایک آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ نے کچھ بیان نہ فرمایا حالانکہ اگر اس کی تفسیر تم میں سے کسی سے پوچھی جاتی تو فوراً جواب دے دیتے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ قرآن میں جو ایک ہزار سال کے برابر ایک دن کا ذکر ہے یہ کیا؟ آپ نے فرمایا: اور پچاس ہزار سال کے برابر کے دن کا ذکر ہے وہ کیا؟ اس نے کہا میں تو آپ سے سمجھنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: یہ دو دن ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ ان کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ خیال فرمائیے کہ اتنے بڑے مفسر نے قرآن کی تفسیر میں کس قدر احتیاط سے کام لیا کہ جس بات کا علم نہ تھا اس کے بیان سے صاف انکار کر دیا۔ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ طلق بن حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک آیت کی تفسیر پوچھی تو فرمانے لگے کہ تم مسلمان ہو تو تمہیں قسم ہے اگر تم یہاں سے چلے جاؤ یا فرمایا یہاں بیٹھے رہو۔ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن کی آیت کی تفسیر پوچھی جاتی تو فرماتے ہم قرآن میں کچھ نہیں کہتے۔ آپ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جو کچھ معلوم ہوتا اسی کو قرآن کی تفسیر میں بیان فرماتے۔ ایک مرتبہ ایک شخص کے سوال پر آپ نے فرمایا مجھ سے قرآن کی تفسیر نہ پوچھو۔ قرآن کی تفسیر اس سے پوچھو جو کہتا ہے کہ مجھ پر قرآن کی کوئی آیت مخفی نہیں۔ یعنی حضرت عکرمہ، یزید بن ابو یزید کہتے ہیں ہم حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے حلال وحرام کے مسائل پوچھتے تھے۔ آپ ان میں سب سے زیادہ عالم نظر آتے لیکن جب قرآن کی کسی آیت کی تفسیر پوچھتے تو ایسے خاموش ہو جاتے گویا سنا ہی نہیں۔ حضرت عبیداللہ بن عمر فرماتے ہیں میں نے مدینہ کے بڑے بڑے فقیہوں کو دیکھا کہ قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے جھجھکتے تھے، جیسے حضرت سالم بن عبداللہ، قاسم بن محمد، سعید بن مسیب، نافع رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم۔ حضرت ہشام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے اپنے والد عروہ رحمۃ اللہ علیہ کو کبھی کسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے نہیں سنا۔

عبیدہ سلمانی رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن کی ایک آیت کی تفسیر پوچھی جاتی ہے تو فرماتے ہیں جو لوگ قرآن کی آیتوں کو جانتے تھے کہ کس بارے میں نازل ہوئیں وہ تو اس دنیا کو خالی کر گئے اب تم ٹھیک ٹھاک اور سیدھے سادھے رہو۔ حضرت مسلم بن یسار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب تم کتاب اللہ کی تفسیر میں کچھ کہنا چاہو تو آگے پیچھے دیکھ لو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کر کے بات کہنی ہے۔ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہمارے سب ساتھی قرآن کی تفسیر کو بڑی چیز جانتے تھے اور اس میں سخت احتیاط کرتے تھے۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں گو میں نے قرآن کریم کی ایک آیت کا علم حاصل کر لیا ہے تاہم میں یہ کہتے ہوئے جھجھکتا ہوں اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرنا ہے۔ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تفسیر میں بے حد احتیاط کرو۔ تفسیر تو اللہ تعالیٰ سے روایت کرنا ہے۔ ان تمام اور ان جیسے اور آثار صحیحہ کا جو ائمہ سلف سے منقول ہیں یہ مطلب ہے کہ یہ علمائے کرام ہرگز ہرگز بغیر علم کے قرآن کے معنی مطلب میں لب کشائی نہیں کرتے تھے۔ ہاں لغت کی رو سے یا شریعت کی رو سے جو تفسیر معلوم ہو اس کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی لئے خود ان بزرگوں کے پاکیزہ اقوال قرآن کریم کی تفسیر میں بکثرت مروی ہیں۔ کوئی یہ نہ کہے کہ جب یہ بزرگ اس طرح کانپتے رہا کرتے تھے اور تفسیر بیان نہیں فرماتے تھے پھر ان سے تفسیر منقول کیوں ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ چپ وہاں رہتے تھے جہاں نہیں جانتے تھے اور کہتے اس جگہ تھے جہاں کا علم ہوتا تھا۔ اور یہ دونوں ہی باتیں ہر ایک پر واجب ہیں۔ چنانچہ بے علمی کے وقت

1 ۸۰/ عبس:۲۷۔

چپ رہنے اور علم کو بیان کرنے کے بارے میں۔ قرآن فرماتا ہے ﴿لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ﴾ ❶ یعنی ”اسے لوگوں کے سامنے بیان کرتے رہو اور چھپاؤ نہیں۔“

حدیث شریف میں ہے: ”جس سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے اور وہ باوجود جاننے کے اسے چھپائے، قیامت کے دن اسے آگ کی لگام چڑھائی جائے گی۔“ ❷ ابن جریر میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرآن کی انہی آیات کی تفسیر فرمایا کرتے تھے جن کی تفسیر جبرئیل علیہ السلام سمجھا جاتے لیکن یہ حدیث منکر اور غریب ہے اور اس کے راوی جعفر (جو محمد بن خالد بن زبیر بن عوام قریشی کے لڑکے ہیں) ان کی بابت حضرت امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث میں متابعت نہیں کی جاتی۔ حافظ ابوالفتح ازدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ منکر الحدیث ہیں۔ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو بھی اس کا صحیح مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد وہ آیتیں ہیں جن کے معنی اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر معلوم نہیں ہوسکتے۔ ایسی آیات کے مطلب حضور ﷺ کو بذریعہ جبرئیل علیہ السلام معلوم کرادیئے جاتے تھے۔ امام جعفر رحمہ اللہ نے اس روایت کے جو معنی بیان فرمائے ہیں اس کا ماحصل بھی یہی ہے اور یہی معنی صحیح بھی بیٹھ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ قران میں ایسی آیتیں بھی ہیں جن کا علم محض اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اور ایسی آیتیں بھی ہیں جن کا علم علما کو ہے۔ اور ایسی آیتیں بھی ہیں کہ جن کے معنی اور مطلب اس طرح واضح ہیں کہ کسی کا کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔

تفسیر کی اقسام: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: تفسیر کی چار قسمیں ہیں۔

① کلام عرب سے معلوم ہو جاتی ہے۔ ② جس کی جہالت میں کوئی معذور نہیں۔

③ جسے ذی علم لوگ جان سکتے ہیں۔ ④ جسے اللہ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔

ایک مرفوع حدیث بھی اس بارے میں مروی ہے لیکن اس کی اسناد میں کلام ہے۔ اس میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”قرآن کا نزول چار طریق پر ہوا ہے۔ ① حلال وحرام کی آیات جن سے اگر کوئی ناواقف رہا تو اس کا کوئی عذر قیامت کے دن کام نہ آئے گا۔ ② جسے عرب بیان کریں۔ ③ جو ذی علم جان سکے۔ ④ متشابہ آیات جن کا حقیقی علم بجز ذات باری تعالیٰ کے کسی اور کو حاصل نہیں جو لوگ اس کے جاننے کا دعویٰ کریں وہ جھوٹے ہیں۔“ اس حدیث کی سند میں محمد بن سائب کلبی ہیں وہ متروک الحدیث ہیں ہوسکتا ہے کہ انہوں نے موقوف روایت یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو مرفوع حدیث سمجھ لیا ہو۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

قرآن کریم کے متعلق چند معلومات: حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، سورۂ نساء، سورۂ مائدہ، سورۂ براءۃ، سورۂ رعد، سورۂ نحل، سورۂ حج، سورۂ نور، سورۂ احزاب، سورۂ محمد، سورۂ فتح، سورۂ حجرات، سورۂ رحمٰن، سورۂ حدید، سورۂ مجادلہ، سورۂ حشر، سورۂ ممتحنہ، سورۂ صف، سورۂ جمعہ، سورۂ منافقون، سورۂ تغابن، سورۂ طلاق، سورۂ تحریم، سورۂ زلزال اور سورۂ نصر یہ سب سورتیں تو مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں اور باقی تمام سورتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔ قرآن کریم کی آیتیں چھ ہزار ہیں۔ اس سے اوپر اختلاف ہے۔ بعض تو اس پر زیادہ نہیں بتاتے۔ بعض دو سو چار آیتیں چھ ہزار سے زائد بتاتے ہیں۔ بعض دو سو چودہ آیتیں۔ بعض دو سو انیس۔ بعض دو سو پچیس۔ بعض دو سو چھبیس۔

قرآن شریف کے کلمات کی نسبت حضرت عطاء بن یسار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ستر ہزار چار سو انتالیس کلمات ہیں۔ حروف کی

---

❶ ۳/ آل عمرآن: ۱۸۷۔ ❷ ابوداود، کتاب العلم، باب کراھیۃ منع العلم، ۳۶۵۸؛ ترمذی، ۲٦٤۹؛ ابن ماجہ، ۲٦۱، ۲٦٦؛ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھیے (صحیح الترغیب: ۱۲۰) اس کی سند حسن ہے۔

گنتی کی نسبت حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ کل قرآن شریف کے حروف تین لاکھ اکیس ہزار ایک سو اسی ہیں۔ فضل بن عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کل حروف تین لاکھ تینتیس ہزار پندرہ ہیں۔ حجاج نے اپنے زمانہ میں قاریوں، حافظوں اور کاتبوں کو جمع کر کے دریافت کیا کہ قرآن کریم کے حروف کی گنتی کر کے مجھے بتاؤ تو سب نے حساب کر کے بالاتفاق کہا کہ تین لاکھ چالیس ہزار سات سو چالیس حروف ہیں۔ پھر حجاج نے کہا اچھا حروف کے اعتبار سے آدھا قرآن شریف کہاں ہوتا ہے؟ تو حساب سے معلوم ہوا کہ سورۂ کہف میں ﴿وَلْيَتَلَطَّفْ﴾ ❶ کی ''ف'' پر ٹھیک آدھا قرآن ہوتا ہے۔

اور سورۂ براءت کی سو آیتوں پر قرآن کریم کا پہلا تہائی حصہ حروف کے اعتبار سے ختم ہوتا ہے۔ اور دوسری تہائی سورۂ شعراء کی سو آیت کے سرے پر یا ایک سو ایک آیت کے سرے پر ختم ہوتی ہے اور تیسری تہائی آخر تک۔ اور اگر منزلوں کا شمار کیا جائے یعنی قرآن کریم کو سات منزلوں پر تقسیم کیا جائے تو پہلی منزل ﴿صَدَّ﴾ کی ''د'' پر ختم ہوتی ہے جو اس آیت میں ہے ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ﴾ ❷ اور دوسری منزل ﴿حَبِطَتْ﴾ کی ''ت'' پر ختم ہوتی ہے جو سورۂ اعراف کی آیت ﴿اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ﴾ میں ہے اور تیسری منزل ﴿اُكُلُهَا﴾ کے آخری ''ا'' پر جو سورۂ رعد میں ہے اور چوتھی منزل ﴿جَعَلْنَا﴾ کے ''ا'' پر جو سورۂ حج کی آیت ﴿جَعَلْنَا مَنْسَكًا﴾ میں ہے اور پانچویں منزل ﴿مُؤْمِنَةٍ﴾ کی ''ۃ'' پر جو سورۂ احزاب میں آیت ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ﴾ ❸ میں ہے اور چھٹی منزل ﴿السَّوْءِ﴾ کی ''و'' پر جو سورۂ فتح کی آیت ﴿الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ﴾ ❹ میں ہے اور ساتویں منزل قرآن کے اختتام پر ہے۔

ابو محمد سلام حمانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ہم نے چار مہینے کی متواتر محنت سے یہ سب باتیں معلوم کر کے حجاج کو بتائیں۔ حجاج کا معمول تھا کہ ہر رات پاؤ قرآن شریف پڑھا کرتا تھا۔ اس لحاظ سے پاؤ قرآن سورۂ انعام کے خاتمہ پر ہوتا ہے اور آدھا سورۂ کہف کے لفظ ﴿وَلْيَتَلَطَّفْ﴾ کے ''ت'' پر اور پونا سورۂ زمر کے خاتمہ پر اور پورا اختتام قرآن پر۔ شیخ ابوعمرو دانی نے اپنی کتاب البیان میں ان باتوں میں بھی اختلاف نقل کیا ہے۔ رہے قرآن شریف کے پڑھنے کے اعتبار سے حصے اور اجزاء تو مشہور تو تیس پارے ہیں۔ اور ایک حدیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قرآن کریم کو سات منزلیں کر کے پڑھنے کا بیان ہے۔

مسند احمد، سنن ابوداود اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا گیا کہ آپ قرآن کے وظیفے کس طرح کرتے ہیں؟ تو فرمایا کہ پہلی تین سورتوں کی پہلی منزل۔ پھر ان کے بعد کی پانچ سورتوں کی دوسری منزل۔ پھر ان کے بعد کی سات سورتوں کی تیسری منزل۔ پھر ان کے بعد کی نو سورتوں کی چوتھی منزل۔ پھر ان کے بعد کی گیارہ سورتوں کی پانچویں منزل۔ پھر ان کے بعد کی تیرہ سورتوں کی چھٹی منزل۔ اور مفصل کی یعنی سورۂ ﴿قٓ﴾ سے لے کر آخر تک کی ایک (یعنی ساتویں) منزل۔ ❺

فصل

سورت کے لغوی معانی: سورت کی لفظی بحث کے بیان میں بعض تو کہتے ہیں کہ اس کے معنی علیحدگی و بلندی کے ہیں۔ چنانچہ نابغہ کے ایک شعر میں سورت کا لفظ اس معنی میں آیا ہے تو اس کا معنی قرآن کی سورتوں کے ساتھ اس طرح ہوگا کہ گویا قرآن کا پڑھنے والا

---

❶ ۱۸/ الکهف: ۱۹۔ ❷ ٤/ النسآء: ٥٥۔ ❸ ۳۳/ الاحزاب: ۳٦۔ ❹ ٤٨/ الفتح: ٦۔

❺ ابوداود، کتاب شهر رمضان، باب تحزیب القرآن: ۱۳۹۳؛ ابن ماجة، ۱۳٤٥، شیخ البانی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (ضعیف ابو داود: ۲۹۷) یہ روایت اس وجہ سے ضعیف ہے کہ عثمان بن عبداللہ بن اوس کی اپنے دادا سے ملاقات میں نظر ہے لہٰذا سند منقطع ہے۔

ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف جاتا رہتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شرافت اور اونچائی کے معنی میں ہے۔ اسی لئے شہر پناہ کو عربی میں (سُوْر) کہتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ برتن میں جو حصہ باقی رہ جائے اسے عربی میں (اسارۃ) کہتے ہیں اور سورۃ کا لفظ اسی سے لیا گیا ہے چونکہ سورۃ بھی قرآن کا ایک حصہ اور ٹکڑا ہوتی ہے۔ ہمزہ کی تخفیف کردی گئی پھر ہمزہ کو واؤ سے بدل دیا گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ سورۃ کے معنی تمام وکمال کے ہیں۔ پوری اونٹنی کو عربی زبان میں (سورۃ) کہتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جس طرح قلعہ کو عربی میں اس لئے سور کہتے ہیں کہ محلوں اور گھروں کا احاطہ کرلیتا ہے اور انہیں جمع کرلیتا ہے۔ اسی طرح چونکہ آیتوں کو سورت جمع کرلیتی ہے اور ان کا احاطہ کرلیتی ہے اس کو بھی سورہ کہتے ہیں۔ سورت کی جمع (سُوَرٌ) آتی ہے اور کبھی ﴿سُوْرَاتٌ﴾ اور ﴿سُوَارَاتٌ﴾ بھی آتی ہے۔

آیت کے لغوی معانی: آیت کو آیت اس وجہ سے کہتے ہیں کہ آیت کے لفظی معنی علامت اور نشان کے ہیں۔ چونکہ آیت پر کلام ختم ہوتا ہے اور اول' آخر سے جدا ہوجاتا ہے اس لئے اسے آیت کہتے ہیں۔ قرآن میں بھی آیت علامت اور نشان کے معنی میں ہے۔ ارشاد ہے ﴿اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖ﴾ یعنی ''اس کے بادشاہ ہونے کی نشانی اور علامت۔'' اسی طرح نابغہ کے شعر میں بھی آیت اسی معنی میں ہے۔ اور آیت کے معنی جماعت اور گروہ کے بھی آتے ہیں۔ عرب کے شعروں میں یہ لفظ اس معنی میں بھی آیا ہے چونکہ آیت بھی حروف کی ایک جماعت اور گروہ ہے اس رعایت سے اسے بھی آیت کہتے ہیں اور آیت کے معنی عجب کے بھی ہیں۔ چونکہ یہ عجیب چیز ہے' معجزہ ہے' تمام انسان اس جیسی بات نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے بھی اسے آیت کہتے ہیں۔ سیبویہ کہتے ہیں کہ اصل میں یہ (اَيَيَةٌ) تھا جیسے (اَكَمَةٌ) اور (شَجَرَةٌ) پہلی ''ی'' عربی کے قاعدہ کے مطابق الف بن گئی۔ کسائی کا قول ہے کہ آیت کی اصل (اٰيِيَةٌ) تھی جیسے (آمِنَةٌ) ی الف ہوگئی اور التباس کی وجہ سے گرگئی۔ فراء کہتے ہیں کہ یہ اصل میں (اَيَّةٌ) تھا پھر تشدید کی وجہ سے الف بدل دیا گیا (اٰيَةٌ) ہوگیا۔ آیت کی جمع (آيٌ آيَايٌ اور آيَاتٌ) آتی ہے۔

کلمہ کی تشریح: کلمہ کہتے ہیں ایک لفظ کو' کبھی تو اس کے دو ہی حروف ہوتے ہیں جیسے (مَا) اور (لَا) اور (لَهٗ) وغیرہ اور کبھی زیادہ بھی ہوتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ دس حروف ایک کلمہ میں ہوتے ہیں جیسے ﴿لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ﴾ اور ﴿اَنُلْزِمُكُمُوْهَا﴾ اور ﴿فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ﴾ اور کبھی ایک ہی کلمہ کی ایک آیت ہوتی ہے جیسے ﴿وَالْفَجْرِ ۝﴾ اور ﴿وَالضُّحٰى ۝﴾ اور ﴿وَالْعَصْرِ ۝﴾ اور اسی طرح ﴿الٓمّٓ ۝﴾ اور ﴿طٰهٰ ۝﴾ اور ﴿يٰسٓ ۝﴾ اور ﴿حٰمٓ ۝﴾ ' کوفیوں کے قول ہیں اور ﴿حٰمٓ عٓسٓقٓ ۝﴾ ان کے نزدیک دو ہیں اور ان کے سوا اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ کلمے نہیں بلکہ سورتوں کے شروع ہیں۔ ابوعمرو دانی فرماتے ہیں کہ ایک کلمہ کی آیت قرآن کریم میں سوائے ﴿مُدْهَآمَّتٰنِ ۝﴾ کے جو سورۂ رحمٰن میں ہے اور کوئی نہیں۔

فصل

قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عربی زبان کے سوا عجمی ترکیب تو قرآن میں ہے ہی نہیں البتہ کچھ عجمی نام ہیں جیسے ابراہیم' نوح' لوط' اور اختلاف کیا ہے کہ کیا قرآن میں اس کے سوا بھی کچھ عجمی ہے؟ تو باقلانی اور طبری نے تو صاف انکار کردیا ہے اور کہہ دیا ہے کہ عجمیت کے مطابق جو ہے وہ حقیقت میں عربی ہی ہے لیکن موافقت ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر سورۂ فاتحہ

سورۂ فاتحہ کے دیگر نام: اس سورت کا نام سورۂ فاتحہ ہے۔ فاتحہ کہتے ہیں شروع کرنے کو چونکہ قرآن کریم میں سب سے پہلے یہی سورت لکھی ہے اس لئے اسے سورۂ فاتحہ کہتے ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ نماز میں قراءت بھی اسی سے شروع ہوتی ہے۔ اسی کا نام ﴿اُمُّ الْكِتَاب﴾ بھی ہے۔ جمہور یہی کہتے ہیں البتہ حسن اور ابن سیرین رحمہما اللہ اس کے قائل نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ لوح محفوظ کا نام "ام الکتاب" ہے اور حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آیات کو "ام الکتاب" کہتے ہیں۔ ترمذی کی ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝﴾ پوری سورت تک، یہی سورت "ام القرآن" ہے "ام الکتاب ہے"، "سبع مثانی" ہے اور "قرآن عظیم" ہے۔ ❶ اس سورۃ کا نام "سورۃ الحمد" اور "سورۃ الصلوٰۃ" بھی ہے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے میں نے صلوٰۃ کو (یعنی سورۂ فاتحہ کو) اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کردیا ہے۔ جب بندہ کہتا ہے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری تعریف کی پوری حدیث تک۔ ❷ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ کا نام سورۃ الصلوٰۃ بھی ہے۔ اس لئے کہ اس سورت کا نماز میں پڑھنا شرط ہے۔ اس سورت کا نام سورۃ الشفا بھی ہے۔ دارمی میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ سورت فاتحہ ہر زہر کے لیے شفا ہے اور اس کا نام "سورۃ الرقیہ" بھی ہے۔ ❸ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے جب سانپ کے کاٹے ہوئے شخص پر اس سورت کو پڑھ کر دم کیا اور وہ اچھا ہو گیا تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا تھا تمہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ یہ رقیہ ہے یعنی پڑھ کر پھونکنے کی سورت ہے۔ ❹ ابن عباس رضی اللہ عنہما اسے "اساس القرآن" کہتے تھے یعنی قرآن کی جڑ، اور اس سورت کی پہلی آیت ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۝﴾ ہے۔ سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا نام "رقیہ" ہے۔ یحییٰ بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کا نام "کافیہ" بھی ہے اس لئے کہ یہ اپنے ماسوا سے کفایت کرتی ہے اور دوسری کوئی سورت اس سورت سے کفایت نہیں کرتی۔ ❺ بعض مرسل احادیث میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ اسے سورۃ الصلوٰۃ اور سورۃ الکنز بھی کہا گیا ہے، زمخشری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کشاف دیکھئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما قتادہ اور ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ،

---

❶ ابوداود، کتاب الصلاة، باب فاتحة الكتاب، ۱٤٥۷؛ ترمذی، ۳۱۲٤؛ صحیح بخاری بلفظ ((ام القرآن هي السبع المثاني والقرآن العظيم)) كتاب التفسير تفسير سورة الحجر، ٤۷۰٤، دیکھئے (صحیح ترمذی: ۲٤۹۸)۔

❷ صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة......: ۳۹٥؛ ابوداود، ۸۲۱؛ ترمذی، ۲۹٥۳؛ نسائی، ۹۱۰؛ ابن ماجه، ۸۳۸۔

❸ امام دارمی نے اسے مسنداً بیان نہیں کیا اس میں روایت: ۳۳۷۰ ((فاتحة الكتاب شفاء من كل داء)) عبدالملک بن عمیر سے مرسل ہے۔ شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف الجامع ٤/ ۸۸ میں اسے نقل کیا ہے۔ مصنف کے سیاق کے موافق روایت بیہقی کی شعب الایمان: ۲۳٦۸، میں منقول ہے۔ جس میں زید العمی راوی کمزور ہے اس کے شواہد کے لیے دیکھئے الدر المنثور: ۱/ ۲۲۔۲۳؛ شیخ البانی نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الضعيفه: ۳۹۹۷) اور یہی راجح ہے۔

❹ صحيح بخاری، كتاب الاجارة، باب ما يعطى فى الرقية......، ۲۲۷٦؛ صحیح مسلم، ۲۲۰۱۔

❺ حافظ ذہبی نے محمد بن خلاد الاسکندرانی کے ترجمہ میں نقل کیا ہے۔ اور فرمایا یہ عبادہ سے بیان کرنے میں منفرد اور غیر معروف ہے۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں: کہ ابن خلاد کا یہ تفرد ہے امام زہری سے محفوظ سند سے حدیث اس طرح ہے ((لا تجزئ صلاة لا يقرأ فيها بأم القرآن)) محدث ابوسعید بن یونس فرماتے ہیں: کہ ابن خلاد مناکیر بیان کرنے والا ہیں۔ اور شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (ارواء الغليل: ۲/ ۱۱)

مجاہد' عطاء بن یسار اور زہری رحمہم اللہ فرماتے ہیں: یہ سورت مدنی ہے۔ اور یہ بھی ایک قول ہے کہ یہ سورت دو مرتبہ نازل ہوئی۔ ایک مرتبہ مکہ میں اور دوبارہ مدینہ میں۔ لیکن پہلا قول ہی زیادہ ٹھیک ہے اس لئے دوسری آیت میں ہے: ﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ﴾ ❶ یعنی ہم نے تمہیں سبع مثانی سات آیتیں دہرائی جانے والی دی ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ کا ایک قول قرطبی رحمہ اللہ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ اس سورت کا نصف تو مکہ مکرمہ میں نازل ہوا اور آخری آدھا حصہ مدینہ منورہ میں نازل ہوا۔ لیکن یہ قول بالکل غریب ہے۔ اس کی آیات کے بارے میں اتفاق ہے کہ سات ہیں۔ لیکن عمرو بن عبید نے آٹھ اور حسین جعفری نے چھ بھی کہی ہیں' اور یہ دونوں قول شاذ ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس سورت کی مستقل آیت ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ تمام کوفی قاری اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی ایک جماعت اور سابقہ بہت سارے بزرگ تو اسے سورۂ فاتحہ کی ایک پوری اور مستقل آیت کہتے ہیں۔ بعض اسے اس کا جزو مانتے ہیں اور بعض سرے سے اس آیت کو اس کے شروع میں مانتے ہی نہیں۔ جیسے کہ مدینہ کے قاریوں اور فقیہوں کے یہ تینوں قول ہیں۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

اس سورت کے کلمات پچیس ہیں اور حروف ایک سو تیرہ ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کتاب التفسیر کے شروع میں صحیح بخاری میں لکھتے ہیں ام الکتاب اس سورت کا نام اس لئے ہے کہ قرآن کریم کی کتابت اسی سے شروع ہوتی ہے اور نماز کی قراءت بھی اسی سے شروع ہوتی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ چونکہ تمام قرآن کے مضامین اجمالی طور پر اس میں ہیں اس لئے اس کا نام ام الکتاب ہے۔ اور عرب کی عادت ہے کہ ہر ایک جامع کام اور کام کی جڑ کو جس کی شاخیں اور اجزاء اسی کے تابع ہوں ام کہتے ہیں۔ دیکھئے ام الراس وہ اس جلد کو کہتے ہیں جو دماغ کی جامع ہے۔ اور لشکری جھنڈے اور نشان کو بھی جس کے نیچے لوگ جمع ہوتے ہیں ام کہتے ہیں۔ شاعروں کے شعروں میں بھی اس کا ثبوت پایا جاتا ہے۔ مکہ کو ام القریٰ کہنے کی بھی یہی وجہ ہے کہ وہ سب سے پہلے ہے اور سب کا جامع ہے۔ زمین وہیں سے پھیلائی گئی ہے۔ چونکہ اس سے نماز کی قراءت شروع ہوتی ہے اور قرآن کے لکھنے کے وقت بھی صحابہ نے اسی کو پہلے لکھا اس لئے اسے فاتحہ بھی کہتے ہیں۔ اس کا ایک صحیح نام ''سبع مثانی'' بھی ہے۔ اس لئے کہ وہ بار بار نماز میں پڑھی جاتی ہے ہر رکعت میں اسے پڑھا جاتا ہے۔ اور مثانی کے معنی اور بھی ہیں جو ان شاء اللہ تعالیٰ اپنی جگہ بیان ہوں گے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام القرآن کے بارے میں فرمایا: ''یہ ام القرآن ہے یہی سبع مثانی ہے اور یہی قرآن عظیم ہے۔'' ❷ ایک اور حدیث میں ہے: ''یہی ام القرآن ہے یہی فاتحۃ الکتاب اور یہی سبع مثانی ہے۔'' ❸ تفسیر مردویہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝﴾ کی سات آیات ہیں ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۝﴾ بھی ان میں سے ایک آیت ہے اسی کا نام سبع مثانی ہے یہی قرآن عظیم ہے یہی ام الکتاب ہے' یہی فاتحۃ الکتاب ہے۔'' ❹ دار قطنی میں بھی اسی طرح کی ایک حدیث ہے اور بقول امام دار قطنی رحمہ اللہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ بیہقی میں ہے کہ حضرت علی' حضرت ابن عباس' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم نے سبع مثانی کی تفسیر میں یہی کہا ہے کہ وہ سورۂ فاتحہ ہے اور بسم اللہ

❶ ١٥/ الحجر: ٨٧۔ ❷ احمد، ٢/ ٤٤٨ وسندہ صحیح، اس کی اصل صحیح بخاری، ٤٧٠٤۔ میں موجود ہے۔
❸ الطبری، ١٣٤۔ ❹ دار قطنی باب وجوب قراء ة بسم اللہ الرحمن الرحیم فی الصلاۃ......١/ ٣١٢، ح١١٧٧ وھو صحیح۔ اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس سند کو مرفوعاً صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلۃ الصحیحۃ: ١١٨٣)

الرحمٰن الرحیم اس کی ساتویں آیت ہے۔ اور بسم اللہ کی بحث میں یہ بیان پورا آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ آپ نے سورت فاتحہ کو اپنے لکھے ہوئے قرآن شریف کے شروع میں کیوں نہیں لکھا؟ تو کہا اگر میں لکھتا تو پھر ہر سورت کے پہلے اس کو لکھتا۔ ابو بکر بن ابوداود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس قول کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں پڑھے جانے کی حیثیت سے اور چونکہ تمام مسلمانوں کو حفظ ہے اس لئے لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ دلائل النبوۃ میں امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث وارد کی ہے جس میں ہے کہ یہ سورت سب سے پہلے نازل ہوئی۔ باقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ سب سے پہلے نازل ہوئی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝﴾ سب سے پہلے نازل ہوئی جیسا کہ صحیح حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ﴾ نازل ہوئی اور یہی صحیح ہے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ

سورۂ فاتحہ کے فضائل: مسند احمد میں حضرت ابوسعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ جب نماز سے فارغ ہو کر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اب تک کس کام میں تھے''؟ میں نے کہا حضور! میں نماز میں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تم نے نہیں سنا؟ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ﴾'' ❶ ''اے ایمان والو! اللہ کے رسول جب تمہیں پکاریں تم جواب دو......'' اچھا سنو! میں تمہیں مسجد سے جانے سے پہلے ہی بتلا دوں گا کہ قرآن مجید میں سب سے بڑی سورت کونسی ہے؟ پھر میرا ہاتھ پکڑے ہوئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد سے جانے کا ارادہ کیا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وعدہ یاد دلایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''وہ سورت ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ ہے' یہی سبع مثانی ہے اور یہی وہ قرآن عظیم ہے جو میں دیا گیا ہوں۔'' ❷ اسی طرح یہ روایت صحیح بخاری' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ میں بھی دوسری سندوں کے ساتھ ہے۔

واقدی نے یہ واقعہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا بیان کیا ہے۔ مؤطا امام مالک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو آواز دی۔ وہ نماز میں تھے۔ فارغ ہو کر آپ سے ملے۔ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں رکھا۔ مسجد سے باہر نکل ہی رہے تھے تو فرمایا: ''میں چاہتا ہوں کہ مسجد سے نکلنے سے پہلے میں تجھے ایسی ایک سورت بتاؤں کہ تورات انجیل اور قرآن میں اس کے مثل نہیں۔'' اب میں نے اس امید پر چال نرم کر دی اور پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم! وہ سورت کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نماز کے شروع میں تم کیا پڑھتے ہو''؟ میں نے کہا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ پوری سورت تک۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ یہی سورت ہے۔ سبع مثانی اور قرآن عظیم جو مجھے دیا گیا ہے وہ بھی یہی ہے۔'' ❸ اس حدیث کے آخری راوی ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

اس بنا پر ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھ والے یہاں دھوکا کھا گئے ہیں وہ انہیں ابوسعید بن معلیٰ سمجھ بیٹھے ہیں۔ یہ ابوسعید دوسرے ہیں یہ مولا خزاعی ہیں اور تابعین میں سے ہیں اور وہ ابوسعید انصاری صحابی رضی اللہ عنہ ہیں' ان کی حدیث متصل اور صحیح ہے اور یہ حدیث ظاہر میں منقطع معلوم ہوتی ہے اگر ابوسعید تابعی کا حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے سننا ثابت نہ ہو اور اگر سنا ہو تو یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

اس حدیث کے اور بھی بہت سے طرق ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں پکارا تو یہ نماز میں تھے۔ التفات کیا مگر

❶ ۸/ الانفال: ۲۴۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ما جاء فی فاتحة الکتاب، ۴۴۷۴-۴۷۰۳؛ ابوداود، ۱۴۵۸؛ نسائی، ۹۱۴؛ ابن ماجة، ۳۷۸۵؛ مؤطا امام مالک، ۳۷۔

❸ المؤطا، ۱/ ۸۳، ح ۱۸۳، وھو صحیح، شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (صحیح الترغیب: ۱۴۵۳)

جواب نہ دیا۔ آپ ﷺ نے پھر پکارا۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے نماز ہلکی کر دی اور فارغ ہو کر جلدی سے حاضر خدمت ہوئے 'السلام علیکم عرض کیا۔ آپ ﷺ نے جواب دے کر فرمایا: ''ابی تم نے مجھے جواب کیوں نہ دیا؟'' کہا حضور! میں نماز میں تھا۔ آپ ﷺ نے وہی آیت پڑھ کر فرمایا: ''کیا تم نے یہ آیت نہیں سنی؟'' کہا: حضور قصور ہوا اب ایسا نہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں ایک ایسی سورت بتاؤں کہ تورات' انجیل' زبور اور قرآن میں اس جیسی سورت نہیں۔'' میں نے کہا: ضرور ارشاد فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہاں سے جانے سے پہلے ہی میں تمہیں بتادوں گا۔'' پھر حضور ﷺ میرا ہاتھ تھامے ہوئے اور باتیں کرتے رہے اور میں نے اپنی چال دھیمی کر دی کہ ایسا نہ ہو کہ وہ بات رہ جائے اور آپ ﷺ باہر چلے جائیں۔ آخر جب دروازے کے قریب پہنچ گئے تو میں نے آپ ﷺ کو وعدہ یاد دلایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نماز میں کیا پڑھتے ہو؟'' میں نے ام القرآن پڑھ کر سنائی آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تورات' انجیل' زبور اور قرآن میں اس جیسی کوئی اور سورت نہیں۔ یہ سبع مثانی ہے۔'' ❶ ترمذی میں اتنا اضافہ اور بھی ہے کہ ''یہی وہ بڑا قرآن ہے جو مجھے عطا فرمایا گیا ہے۔'' ❷ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی اس باب میں ایک حدیث مروی ہے۔ مسند احمد کی ایک مطول حدیث میں بھی اسی طرح مروی ہے۔ نسائی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ''یہ سورت اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان تقسیم کر دی گئی ہے۔'' ❸ ترمذی اسے حسن غریب کہتے ہیں۔

مسند احمد میں حضرت (عبداللہ) بن جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا آپ اس وقت استنجے سے فارغ ہوئے ہی تھے۔ میں نے تین مرتبہ سلام کیا لیکن آپ ﷺ نے ایک دفعہ بھی جواب نہ دیا۔ اب آپ ﷺ تو گھر میں تشریف لے گئے۔ میں غم و رنج کی حالت میں مسجد میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں آپ طہارت کر کے تشریف لائے اور تین مرتبہ میرے سلام کا جواب دیا۔ پھر فرمایا: ''اے عبداللہ بن جابر سنو! تمام قرآن میں بہترین سورت ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝﴾ (آخر تک) ہے۔'' ❹ اس کی اسناد بہت عمدہ ہے۔ ابن عقیل جو اس کا راوی ہے اس کی حدیث بڑے بڑے ائمہ روایت کرتے ہیں۔ اور عبداللہ بن جابر بدری صحابی ہیں۔ ابن الجوزی کا یہی قول ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ کا قول یہی ہے کہ یہ عبداللہ بن جابر انصاری بیاضی رضی اللہ عنہ ہیں یہ حدیث اور اس جیسی اور احادیث سے استدلال کر کے ابن راہویہ' ابوبکر بن عربی' ابن الحصار وغیرہ اکثر علما نے کہا ہے کہ بعض آیات اور بعض سورتیں بعض پر فضیلت رکھتی ہیں اور ایک دوسری جماعت کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تمام کلام برابر ہے۔ ایک کو ایک پر فضیلت دینے سے یہ قباحت ہوگی کہ دوسری اور سورتیں اس سے کم درجہ کی نظر آئیں گی حالانکہ کلام اللہ سارے کا سارا فضیلت والا ہے۔ قرطبی رحمہ اللہ نے اشعری اور ابوبکر باقلانی اور ابو حاتم ابن حبان بستی اور ابو حیان اور یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ سے یہی نقل کیا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت میں یہ مذہب منقول ہے۔ (لیکن صحیح اور مطابق حدیث پہلا قول ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ مترجم)

سورۂ فاتحہ کے فضائل کی مندرجہ بالا احادیث کے علاوہ اور بھی ہیں۔ صحیح بخاری فضائل القرآن میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے

---

❶ احمد، ٢/ ٤١٣؛ ترمذی، ٢٨٧٥ وسندہ صحیح شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (صحیح ترمذی، ٩٤٩٩)

❷ ترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ما جاء فی فضل فاتحة الکتاب، ٢٨٧٥ وسندہ صحیح۔

❸ نسائی، کتاب الافتتاح، باب تأویل قول اللّٰه تعالیٰ: ﴿ولقد اتیناك سبعًا من المثانی والقرآن العظیم۝﴾ ٩١٥ وسندہ صحیح۔

❹ احمد، ٤/ ١٧٧۔ یہ روایت ابن عقیل کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے۔

روایت ہے ہم ایک مرتبہ سفر میں تھے ایک جگہ ٹھہرے ہوئے تھے کہ اچانک ایک لونڈی آئی اور کہا کہ یہاں کے قبیلہ کے سردار کو سانپ نے کاٹ لیا ہے ہمارے آدمی یہاں موجود نہیں۔ آپ میں سے کوئی ایسا ہے کہ جھاڑ پھونک کر دے؟ ہم میں سے ایک شخص اٹھ کر اس کے ساتھ ہولیا۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ یہ کچھ دم جھاڑ بھی جانتا ہے۔ اس نے وہاں جا کر کچھ پڑھ کر دم کیا۔ اللہ کے فضل سے وہ بالکل اچھا ہو گیا۔ تیس بکریاں اس نے دیں اور ہماری مہمانی کے لئے بہت سارا دودھ بھی بھیجا۔ جب وہ واپس آئے تو ہم نے کہا کہ کیا تمہیں جھاڑ پھونک کا علم ہے۔ اس نے کہا میں نے تو صرف سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا ہے۔ ہم نے کہا اس آئے ہوئے مال کو ابھی نہ چھیڑو۔ پہلے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھ لو۔ مدینہ میں آ کر ہم نے حضور سے ذکر کیا' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے کیسے معلوم ہو گیا کہ یہ پڑھ کر دم کرنے کی سورت ہے؟ اس مال کے حصے کر لو میرا بھی ایک حصہ رکھنا۔'' صحیح مسلم اور ابوداؤد میں بھی یہ حدیث ہے۔ ❶ مسلم کی بعض روایات میں ہے کہ دم کرنے والے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ ❷

مسلم اور نسائی میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے کہ اوپر سے ایک زوردار دھاکے کی آواز آئی۔ جبرائیل علیہ السلام نے اوپر دیکھ کر فرمایا: آج آسمان کا وہ دروازہ کھلا ہے جو کبھی نہیں کھلا تھا۔ پھر وہاں سے ایک فرشتہ حضور ﷺ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے خوش ہو جائیے دو نور آپ کو ایسے دیئے گئے ہیں کہ آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری آیات' ایک ایک حرف ان میں سے نور ہے۔ ❸

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنی نماز میں ام القرآن نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے' ناقص ہے' ناقص ہے' پوری نہیں ہے۔'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ جب ہم امام کے پیچھے ہوں تو؟ فرمایا پھر چپکے چپکے پڑھ لیا کرو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ ''اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں نے نماز (سورۂ فاتحہ) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھوں آدھ کر دیا ہے۔ اور میرا بندہ مجھ سے جو مانگتا ہے وہ میں دیتا ہوں۔ جب بندہ کہتا ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝﴾ تو اللہ فرماتا ہے: ((حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ)) میرے بندے نے میری تعریف کی۔ پھر بندہ کہتا ہے: ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۝﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ((اَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِيْ)) میرے بندے نے میری ثنا بیان کی۔ پھر بندہ کہتا ہے: ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۝﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ((مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ)) میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے: ((فَوَّضَ اِلَيَّ عَبْدِيْ)) میرے بندے نے خود کو میرے سپرد کر دیا۔ پھر بندہ کہتا ہے: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۝﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرا بندہ مجھ سے جو مانگے گا میں دوں گا۔ پھر بندہ آخر سورت تک پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ سب میرے بندے کے لئے ہے اور یہ جو مانگے گا وہ اس کے لیے ہے۔'' نسائی میں یہ روایت ہے ❹ بعض روایات کے الفاظ میں کچھ تبدیلی بھی ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ ابوزرعہ رحمہ اللہ نے انہیں صحیح کہا ہے۔ مسند احمد میں

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الاجارۃ، باب ما یعطیٰ فی الرقیۃ علی احیاء العرب بفاتحۃ الکتاب: ۲۲۷۶، مزید دیکھئے: ۵۰۰۷۔ ۵۷۳۶۔ ۵۷۴۹؛ صحیح مسلم، ۲۲۰۱؛ ابوداود: ۳٤۱۸؛ ترمذی: ۲۰۲۲؛ ابن ماجۃ: ۲۱۵٦، "الیوم واللیلۃ للنسائی": ۱۰۲۷۔

❷ صحیح مسلم میں یہ نہیں ہے کہ دم کرنے والے ابوسعید خدری تھے بلکہ یہ سنن ترمذی (۲۰۲٤) میں ہے۔

❸ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ المسافرین، باب فضل الفاتحۃ وخواتیم سورۃ البقرۃ: ۸۰٦؛ نسائی: ۹۱۳؛ ابن حبان: ۷۷۸۔

❹ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ......: ۳۹۵؛ نسائی: ۹۱۰؛ مزید دیکھئے ابوداود: ۸۲۱؛ ترمذی: ۲۹۵۳؛ ابن ماجہ: ۷۳۷۔

بھی یہ حدیث مطول موجود ہے۔اس کے راوی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔ ❶ ابن جریر رحمہ اللہ کی ایک روایت میں اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ میرے لئے ہے اور جو باقی ہے وہ میرے بندے کے لئے ہے۔'' یہ حدیث غریب ہے۔

اب اس حدیث کے فائدوں پر نظر ڈالئے۔اس حدیث میں لفظ صلوٰۃ یعنی نماز کا اطلاق ہے۔اور مراد اس سے قراءت ہے جیسا کہ قرآن میں اور جگہ پر ہے ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ﴾ ❷ الخ یعنی اپنی نماز (یعنی قراءت) کو نہ تو بہت بلند آواز سے پڑھو نہ بہت پست آواز سے بلکہ درمیانی آواز سے پڑھا کرو۔ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر میں صراحت سے مروی ہے کہ یہاں صلوٰۃ سے مراد قراءت ہے۔اور اسی طرح مندرجہ بالا حدیث میں قراءت کو صلوٰۃ کہا ہے۔اس سے نماز میں قراءت کی جو عظمت ہے وہ معلوم ہوتی ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ قراءت نماز کا اعلیٰ رکن ہے' اس لئے کہ عبادت کا مطلق نام لیا گیا اور اس کے ایک جزو یعنی قراءت کا ذکر کیا گیا۔یہ بھی خیال رہے کہ اس کے برخلاف ایسا بھی ہوا ہے کہ قراءت کا اطلاق کیا گیا اور مراد نماز لی گئی۔فرمان ہے: ﴿وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ﴾ ❸ الخ یعنی ''صبح کے قرآن پر فرشتے حاضر کئے جاتے ہیں۔'' یہاں مراد قرآن سے نماز ہے۔بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ ''فجر کی نماز کے وقت رات کے اور دن کے فرشتے جمع ہو جاتے ہیں۔'' ❹ اور ان آیات واحادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں قراءت کا پڑھنا ضروری ہے اور علما کا بھی اس پر اتفاق ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ہی ضروری ہے یا قرآن میں سے جو کچھ پڑھ لے وہی کافی ہے۔امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے ساتھی وغیرہ تو کہتے ہیں کہ اسی کا پڑھنا متعین نہیں بلکہ قرآن میں سے جو کچھ پڑھ لے گا کافی ہوگا۔ان کی دلیل آیت ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ ❺ ہے یعنی قرآن میں سے جو آسان ہو پڑھ لو۔بخاری و مسلم کی حدیث ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو جو نماز کو جلدی جلدی پڑھ رہا تھا فرمایا: ''جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو تکبیر کہہ پھر جو قرآن میں سے تجھے آسان نظر آئے پڑھ۔'' ❻ وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا اس شخص کو یہ فرمانا اور سورۂ فاتحہ کی تعیین نہ کرنا بتا رہا ہے کہ جو کچھ قرآن پڑھ لے کافی ہے۔دوسرا قول یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ ہی کا پڑھنا ضروری ہے اور اس کے پڑھے بغیر نماز نہ ہوگی۔ان کے علاوہ اور تمام ائمہ کرام کا یہی قول ہے۔امام مالک' امام شافعی' امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور ان کے سب کے سب شاگرد وغیرہ اور جمہور علمائے کرام کا یہی قول ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث مبارکہ ہے جو اللہ کے رسول ﷺ نے بیان فرمائی ہے کہ ''جو شخص نماز پڑھے خواہ کوئی نماز ہو اور اس میں ام القرآن نہ پڑھے تو وہ نماز ناقص ہے پوری نہیں۔'' ❼ اسی طرح ان بزرگوں کی یہ دلیل بھی ہے جو بخاری و مسلم میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص سورۂ فاتحہ کو نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہے۔'' ❽ صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ نماز نہیں ہوتی جس میں ام القرآن

---

❶ احمد:٥/ ١١٤۔زوائد عبداللہ بن احمد وسندہ صحیح۔

❷ ١٧/ الاسرآء:١١٠۔ ❸ ١٧/ الاسرآء:٧٨۔

❹ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب فضل صلاۃ الفجر فی الجماعۃ:٦٤٨؛ صحیح مسلم:٦٤٩۔ ❺ ٧٣/ المزمل:٢٠۔

❻ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب وجوب القراءۃ للإمام والمأموم فی الصلوات کلها......:٧٥٧؛ صحیح مسلم:٣٩٧۔

❼ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب وجوب القراءۃ الفاتحۃ......:٨٧٨؛ ابوداود:٨٢٢؛ ترمذی:٢٩٥٣؛ نسائی:٩١٠؛ ابن ماجه:٨٣٨۔ ❽ صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب وجوب القراءۃ للامام والمأموم:٧٥٦؛ صحیح مسلم:٣٩٤۔

نہ پڑھی جائے۔" ❶ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں ہمیں یہاں پر مناظرانہ پہلو اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں وہ بہت لمبی بحثیں ہیں۔ ہم نے تو مختصراً ان بزرگوں کے دلائل بیان کئے ہیں۔ (صحیح اور حدیث کے مطابق دوسرا قول ہی ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ مترجم)

اب یہ بھی سن لیجئے کہ امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ علمائے کرام کی ایک بڑی جماعت کا تو یہ مذہب ہے کہ سورۂ فاتحہ کا ہر رکعت میں پڑھنا واجب ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اکثر رکعتوں میں پڑھنا واجب ہے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ نمازوں میں سے کسی ایک رکعت میں اس کا پڑھ لینا واجب ہے۔ اس لئے کہ حدیث میں نماز کا ذکر مطلق ہے۔ ابوحنیفہ، ان کے ساتھی ثوری اور اوزاعی رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ اس کا پڑھنا متعین ہی نہیں بلکہ اور کچھ بھی پڑھ لے تو کافی ہے کیونکہ قرآن میں ﴿مَاتَيَسَّرَ﴾ کا لفظ ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ لیکن یہ خیال رہے کہ ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ جو شخص فرض وغیرہ نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورت نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔ ❷ البتہ اس حدیث کی صحت میں نظر ہے اور ان سب باتوں کی تفصیل اسماء الرجال کی کتابوں میں موجود ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ (صحیح اور حدیث کے مطابق پہلا قول ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ مترجم)

مقتدی پر سورۂ فاتحہ کے واجب ہونے کے مسئلے میں علما کے تین قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا جس طرح امام پر واجب ہے اسی طرح مقتدی پر بھی واجب ہے۔ اس کی دلیل وہ عام احادیث ہیں جو ابھی دوسرے فائدے کے بیان میں گزر چکیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سرے سے مقتدی کے ذمہ قراءت واجب ہی نہیں، نہ یہ سورت نہ کچھ اور نہ جہری نماز میں نہ سری نماز میں۔ ان کی دلیل مسند امام احمد کی یہ حدیث ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "جس کا امام ہو تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے" ❸ لیکن یہ روایت ضعیف ہے، اور یہ خود حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قول سے مروی ہے گو اس مرفوع حدیث کی سندیں بھی ہیں لیکن کوئی سند صحیح نہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ تیسرا قول یہ ہے کہ جن نمازوں میں امام آہستگی سے قراءت پڑھے ان میں تو مقتدی پر قراءت واجب ہے۔ لیکن جن نمازوں میں اونچی قراءت پڑھی جاتی ہے ان میں واجب نہیں۔ ان کی دلیل صحیح مسلم والی حدیث ہے کہ "امام اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے اس کی تکبیر سن کر تکبیر کہو اور جب وہ پڑھے تم چپ رہو۔" ❹ سنن میں بھی یہ حدیث ہے۔ ❺ امام مسلم رحمہ اللہ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا پہلا قول بھی یہی ہے اور امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت ہے صحیح اور حدیث

---

❶ ابن خزيمة، ٤٩٠ وسنده صحيح؛ ابن حبان: ١٧٨٩۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (صحيح موارد الظمآن: ٣٨٤)

❷ ابن ماجة، كتاب اقامة الصلاة، باب القراءة خلف الامام: ٨٣٩ وسنده ضعيف۔ اس کی سند میں ابوسفیان السعدی ہے جس کے ضعف پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ (الميزان ٢/ ٣٣٦، رقم ٣٩٨٥) اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (ضعيف ابن ماجه: ١٧٨)

❸ ابن ماجه، كتاب اقامة الصلاة، باب إذا قرأ الامام فانصتوا: ٨٥٠، یہ روایت ابوالزبیر کی تدلیس اور جابر جعفی کے مجروح ہونے کی وجہ سے ضعیف و مردود ہے۔ اس کے بعض طرق میں جابر جعفی متروک اور لیث بن ابی سلیم مختلط ہے۔ (الميزان ١/ ٣٨٠ رقم ١٤٢٥، التقريب ٢/ ١٣٨) حافظ ابن حجر تلخيص الحبير: ١/ ٧٧٧ میں فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث کئی سندوں سے مروی ہے۔ اور یہ سب سندیں معلول یعنی ضعیف ہیں۔

❹ صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب التشهد فى الصلاة: ٩٠٥۔ ❺ رواه ابوداود: ٦٠٤؛ نسائی: ٩٢٤؛ ابن ماجة: ٨٤٦ وهو صحيح، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (الإرواء: ٢/ ١٢٠)

کے مطابق پہلا قول ہے۔ ابوداؤد' ترمذی' نسائی وغیرہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مقتدیوں کو فرمایا کہ "تم سوائے سورۂ فاتحہ کے اور کچھ نہ پڑھو۔ اس کے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔" [1] (مترجم) ہماری غرض ان مسائل کو یہاں بیان کرنے سے یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ احکام کا جس قدر تعلق ہے کسی اور سورت کے ساتھ نہیں۔ مسند بزار میں حدیث ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں: "جب تم بستر پر لیٹو اور سورۂ فاتحہ اور سورۂ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ پڑھ لو تو موت کے سوا ہر چیز سے امن میں آ جاؤ گے۔" [2]

تلاوت قرآن سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ پڑھنا

قرآن کریم میں ہے: ﴿خُذِ الْعَفْوَ﴾ [3] الخ یعنی "درگزر کرنے کی عادت اپناؤ' بھلائی کا حکم کیا کرو اور جاہلوں سے منہ موڑ لیا کرو۔ اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آ جائے تو اللہ تعالیٰ سننے والے جاننے والے سے پناہ طلب کر لیا کرو۔" ایک مقام پر فرمایا: ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ﴾ "برائی کو بھلائی سے ختم کرو۔" ہم ان کے بیانات کو خوب جانتے ہیں۔ کہا کرو کہ اے پروردگار! شیطان کے وسوسوں اور ان کی حاضری سے ہم تیری پناہ چاہتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے: ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ﴾ [4] الخ یعنی "بھلائی کے ساتھ دفع کرو۔ تم میں اور جس دوسرے شخص میں عداوت ہوگی وہ ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست' یہ کام صبر کرنے والوں اور نصیب داروں کا ہے۔ جب شیطانی وسوسہ آ جائے تو اللہ تعالیٰ سننے والے جاننے والے سے پناہ چاہو۔" ان تین آیات میں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ انسانوں میں سے جو تمہاری دشمنی کرے اس کی دشمنی کا علاج تو یہ ہے کہ اس کے ساتھ سلوک و احسان کرو تا کہ اس کی انصاف پسند طبیعت خود اسے شرمندہ کرے اور وہ تمہاری دشمنی سے نہ صرف باز رہے بلکہ تمہارا بہترین دوست بن جائے اور شیاطین کی دشمنی سے محفوظ رہنے کے لئے اس نے اپنی پناہ پکڑنی سکھائی۔ کیونکہ یہ پلید دشمن سلوک اور احسان سے بھی قبضہ میں نہیں آتا۔ اسے تو انسان کی تباہی اور بربادی میں ہی مزہ آتا ہے اور اس کی پرانی عداوت حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے ہے۔ قرآن فرماتا ہے "اے بنی آدم دیکھو کہیں شیطان تمہیں بھی بہکا نہ دے۔ جس طرح تمہارے ماں باپ کو بہکا کر جنت سے نکلوا دیا۔" ایک مقام پر فرمایا کہ "شیطان تمہارا دشمن ہے اسے دشمن ہی سمجھو۔ اس کی جماعت کی تو یہی آرزو ہے کہ تم جہنمی ہو جاؤ۔" ایک اور جگہ فرمایا "کیا تم اس شیطان کی اور اس کی ذریات (اولاد) کی دوستی کرتے ہو مجھے چھوڑ کر؟ وہ تمہارا دشمن ہے یاد رکھو ظالموں کے لیے برا بدلہ ہے۔" یہی (وہ لعین) ہے جس نے قسم کھا کر ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے کہا تھا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ تو اب خیال کر لیجئے کہ ہمارے ساتھ اس کا کیا معاملہ ہوگا؟ ہمارے لئے تو وہ حلف اٹھا کر آیا ہے کہ "اللہ رب العزت کی قسم میں ان سب کو بہکاؤں گا' ہاں ان میں سے جو مخلص بندے ہیں وہ محفوظ رہ جائیں گے۔" اس لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ﴾ [5] "جب قرآن کی تلاوت کرو تو اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کر لیا کرو شیطان راندے ہوئے سے۔ ایماندار اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والوں پر اس کا کوئی زور نہیں۔ اس کا زور تو انہی پر چلتا ہے جو اس سے دوستی رکھیں اور رب تعالیٰ کے ساتھ شرک کریں۔" قراء کی ایک جماعت تو کہتی ہے کہ قرآن پڑھنے کے بعد ﴿اَعُوْذُ﴾ الخ پڑھنی چاہئے۔ اس

---

[1] ابوداود، کتاب الصلاة، باب من ترك القراءة فی صلاته بفاتحة الكتاب:٨٢٣؛ ترمذی: ٣١١؛ نسائی: ٩٢١۔ صحیح

[2] حافظ ہیثمی نے اسے مسند البزار کے حوالے سے مجمع الزوائد ١/ ١٧١ میں نقل کیا ہے۔ اس کی سند میں غسان بن عبید متکلم فیہ راوی ہے (المیزان ٣/ ٣٣٥، رقم: ٦٦٦١) اور یعنی یہ روایت ضعیف ہے۔ شیخ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الضعيفة:٥٠٦٢)

[3] ٧/ الاعراف:١٩٩۔ [4] ٤١/ حم السجده:٣٤۔ [5] ١٦/ النحل:٩٨۔

میں دو فائدے ہیں۔ ایک تو قرآن کے طرز بیان پر عمل۔ دوسرے عبادت کے بعد کے غرور کا توڑ۔ ابوحاتم سجستانی نے اور ابن فلوفا نے حمزہ کا یہی مذہب نقل کیا ہے۔ جیسے کہ ابو القاسم یوسف بن علی بن جنادہ نے اپنی کتاب العبادت الکامل میں بیان کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے لیکن اسناد غریب ہے۔ رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اسے نقل کیا ہے اور کہا کہ ابراہیم نخعی، داؤد ظاہری رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ قرطبی نے امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہی بیان کیا ہے۔ لیکن ابن العربی اسے غریب کہتے ہیں۔ ایک مذہب یہ بھی ہے کہ اول آخر دونوں مقام پر ﴿اَعُوْذُ﴾ الخ پڑھے تاکہ دونوں دلیلیں جمع ہو جائیں۔ اور جمہور علما کا مشہور مذہب یہ ہے کہ تلاوت سے پہلے ﴿اَعُوْذُ﴾ الخ پڑھنا چاہئے تاکہ وسوسے دور ہو جائیں۔ تو ان بزرگوں کے نزدیک آیت کے معنی ''جب پڑھے تو'' یعنی ''جب پڑھنا چاہے تو'' ہو جائینگے جیسے کہ آیت ﴿اِذَا قُمْتُمْ﴾ ❶ الخ یعنی ''جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو'' (تو وضو کر لیا کرو) کے معنی جب تم نماز کے لئے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو کے ہیں۔ احادیث کی رو سے بھی یہی معنی ٹھیک معلوم ہوتے ہیں۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ رات کو نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرتے۔ پھر ((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ)) پڑھ کر تین مرتبہ ((لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)) پڑھتے پھر فرماتے: ((اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ.)) ❷ ''سنن اربعہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس باب میں سب سے زیادہ مشہور یہی ہے ہمزہ کے معنی گلا گھونٹنے کے اور نفخ کے تکبر کے اور نفث کے معنی شعر گوئی کے ہیں۔ ابن ماجہ کی ایک روایت میں یہی معنی بیان کئے گئے ہیں اور اس میں ہے کہ حضور ﷺ نماز میں داخل ہوتے ہی تین مرتبہ ﴿اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا﴾ تین مرتبہ ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا)) اور تین مرتبہ ((سُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا)) پڑھتے پھر یہ پڑھتے: ((اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ)) ❸ ابن ماجہ میں اور سند کے ساتھ یہ روایت مختصر بھی آئی ہے۔ ❹ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ''آپ پہلے تین مرتبہ تکبیر کہتے پھر تین مرتبہ ((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ)) کہتے پھر ((اَعُوْذُ بِاللّٰهِ)) آخر تک پڑھتے۔'' ❺ مسند ابو یعلیٰ میں ہے حضور ﷺ کے سامنے دو شخص لڑنے لگے۔ غصہ کے مارے ایک کے نتھنے پھول گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اگر یہ ((اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ)) کہہ لے تو اس کا غصہ ابھی جاتا رہے۔'' نسائی نے اپنی کتاب میں بھی اسے روایت کیا ہے۔ مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے۔ ❻ اسی کی ایک روایت میں اتنا اضافہ اور بھی ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے اس کے پڑھنے کو کہا' لیکن اس نے نہ پڑھا اور اس کا غصہ بڑھتا ہی گیا۔ ❼ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ اضافہ والی روایت مرسل ہے۔ اس لئے کہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ جو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے اسے روایت کرتے ہیں ان کا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرنا ثابت نہیں بلکہ یہ بیس برس پہلے فوت ہو چکے تھے۔ لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ شاید عبدالرحمٰن رحمہ اللہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے سنا ہو۔ وہ بھی اس حدیث کے راوی ہیں اور اسے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ تک

---

❶ ٥/ المآئدة:٦۔ ❷ ابوداود، کتاب الصلاة، باب من رأى الاستفتاح بسبحانك اللهم وبحمدك:٧٧٥ وسنده حسن؛ ترمذی: ٢٤٢؛ نسائی: ٩٠٠؛ ابن ماجة: ٨٠٤۔ شیخ البانی نے بالشواہد اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (الإرواء:٢/ ٥١)

❸ ابوداود، کتاب الصلاة، باب مایستفتح به الصلاة من الدعاء: ٧٦٤ وسنده حسن؛ ابن ماجة: ٨٠٧۔

❹ ابن ماجة، ابواب اقامة الصلوٰت، باب الاستعاذة فی الصلاة: ٨٠٨ وسنده ضعيف۔ ❺ احمد:٥/ ٢٥٣۔ اس کی سند شیخ من اهل دمشق کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ❻ ابوداود، کتاب الأدب، باب ما يقول عند الغضب: ٤٧٨٠؛ ترمذی: ٣٤٥٢؛ "اليوم والليلة للنسائی": ٣٩٣؛ احمد: ٥/ ٢٤٠، ٣٦/ ٤٠٥ وهو حديث صحيح بالشواهد۔

❼ شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (صحیح ترمذی:٢٧٤٦) لیکن اس کی سند منقطع ہے۔

پہنچایا ہو۔ کیونکہ اس واقعہ کے وقت تو بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی میں بھی مختلف سندوں سے مختلف الفاظ کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے۔ ❶ استعاذہ کے متعلق اور بھی بہت سی احادیث ہیں یہاں سب کو بیان کرنے سے بات لمبی ہو جائے گی۔ ان کے بیان کے لئے اذکار و وظائف اور فضائل اعمال کے بیان کی کتابیں ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعلَمُ۔ ایک روایت میں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام جب سب سے پہلے وحی لے کر حضور ﷺ کے پاس آئے تو پہلے اعوذ پڑھنے کا حکم دیا۔ تفسیر ابن جریر میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ پہلی مرتبہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت محمد ﷺ پر وحی لے کر آئے تو فرمایا: ﴿اَعُوْذُ﴾ پڑھیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ)) پھر کہا: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾ ❷ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سب سے پہلی سورۃ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی معرفت حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمائی یہی ہے۔ لیکن یہ اثر غریب ہے اور اس کی اسناد میں ضعف اور انقطاع ہے۔ ہم نے اسے صرف اس لئے بیان کیا ہے کہ معلوم ہو جائے۔ وَاللّٰهُ اَعلَمُ۔

اعوذ باللہ پڑھنے کے وجوب یا استحباب کے بارے میں علما کے اقوال: جمہور علما کا قول ہے کہ اعوذ پڑھنا مستحب ہے واجب نہیں کہ اس کے نہ پڑھنے سے گناہ ہو۔ عطاء بن ابورباح رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب بھی قرآن پڑھے استعاذہ کا پڑھنا واجب ہے خواہ نماز میں ہو خواہ غیر نماز میں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قول نقل کیا ہے۔ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ پڑھ لینے سے وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی دلیل آیت کے ظاہری الفاظ ہیں کیونکہ اس میں ﴿فَاسْتَعِذْ﴾ امر ہے اور عربیت کے قواعد کے لحاظ سے امر وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ کا اس پر ہمیشگی کرنا بھی وجوب کی دلیل ہے۔ اور اس سے شیطان کا شر دور ہوتا ہے اور اس کا دور کرنا واجب ہے اور جس چیز سے واجب پورا ہوتا ہو وہ بھی واجب ہو جاتی ہے اور استعاذہ زیادہ احتیاط والا ہے اور وجوب کا ایک طریقہ یہ بھی ہے۔ بعض علما کا قول ہے کہ (اَعُوْذُ) پڑھنا حضور ﷺ پر واجب تھا آپ ﷺ کی امت پر واجب نہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ فرض نماز میں (اَعُوْذُ) پڑھے اور رمضان شریف کی اول رات کی نماز میں اعوذ پڑھ لے۔

(اَعُوْذُ بِاللّٰهِ) کب اور کہاں پڑھے: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ الام میں لکھتے ہیں کہ اعوذ زور سے پڑھے اور اگر پوشیدہ پڑھے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ اور ام میں لکھتے ہیں کہ بلند اور آہستہ پڑھنے میں اختیار ہے اس لئے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوشیدہ پڑھنا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اونچی آواز سے پڑھنا ثابت ہے۔ پہلی رکعت کے سوا اور رکعتوں میں (اَعُوْذُ) پڑھنے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں۔ ایک مستحب ہونے کا اور دوسرا مستحب نہ ہونے کا اور ترجیح دوسرے قول کو ہی ہے۔ وَاللّٰهُ اَعلَمُ۔ صرف (اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ) کہہ لینا امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے نزدیک تو کافی ہے۔ لیکن بعض کہتے ہیں: (اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ) پڑھے۔ ثوری اور اوزاعی رحمہما اللہ کا یہی مذہب ہے۔ بعض کہتے ہیں ((اَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ)) پڑھے تاکہ آیت کے پورے الفاظ پر عمل ہو جائے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث پر بھی عمل ہو جائے جو پہلے گزر چکی ہے۔ لیکن جو صحیح احادیث پہلے گزر چکیں وہی اتباع کے لئے بہتر ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعلَمُ۔ نماز میں اعوذ کا پڑھنا ابوحنیفہ اور محمد رحمہما اللہ کے نزدیک تو تلاوت کے لئے ہے اور ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز کے لئے ہے۔ تو مقتدی کو بھی پڑھ لینا چاہئے اگر چہ وہ قراءت نہیں

---

❶ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة ابلیس وجنوده: ۳۷۸۲؛ ۶۰۴۸-۶۱۱۵؛ صحیح مسلم: ۲۶۱۰؛ ابوداود: ۴۷۸۱؛ ابن حبان: ۵۶۹۲۔ ❷ ۹۶/ العلق: ۱۔

پڑھے گا اور عید کی نماز میں بھی پہلی تکبیر کے بعد پڑھ لینا چاہئے۔ جمہور کا مذہب ہے کہ عید کی تکبیریں مکمل کرنے کے بعد پھر اعوذ پڑھے پھر قراءت پڑھے۔

اعوذ باللہ پڑھنے کے فوائد: اعوذ میں عجیب وغریب فوائد ہیں۔ واہی تباہی باتوں سے منہ میں جو ناپاکی ہوتی ہے وہ اس سے دور ہو جاتی ہے۔ اور منہ کلام اللہ کی تلاوت کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس میں اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کرنی ہے اور اس کی عظیم الشان قدرتوں کا اقرار کرنا ہے۔ اور اس باطنی کھلے ہوئے دشمن کے مقابلہ میں اپنی کمزوری اور عاجزی کا اقرار ہے کیونکہ انسانی دشمن کا مقابلہ ہو سکتا ہے' احسان اور سلوک سے اس کی دشمنی دفع ہو سکتی ہے جیسے کہ قرآن کریم کی ان تین آیات میں ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہیں۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ﴾ [1] الخ یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں۔ رب کی وکالت کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنان اسلام کے مقابلہ پر اپنے پاک فرشتے بھیجے اور انہیں نیچا دکھا دیا۔ ایک اہم بات یاد رکھیئے کہ جو مسلمان کافروں کے ہاتھ سے مارا جائے' وہ شہید ہے لیکن جو اس باطنی دشمن شیطان کے ہاتھ مارا جائے وہ راندہ درگاہ ہے۔ جس پر کفار غالب آ جائیں وہ اجر پاتا ہے لیکن جس پر شیطان غالب آئے وہ ہلاک و برباد ہوتا ہے۔ چونکہ شیطان انسان کو دیکھ سکتا ہے اور انسان اسے نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے قرآنی تعلیم یہ ہے کہ تم اس کے شر سے اس کی پناہ چاہو جو اسے دیکھتا ہے اور یہ اسے نہیں دیکھ سکتا۔

فصل

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کے لغوی معنی: اعوذ پڑھنا اللہ تعالیٰ کی طرف التجا کرنا ہے اور ہر برائی والے کی برائی سے اس کے دامن میں پناہ طلب کرنا ہے۔ عیاذہ کے معنی برائی کے دفع کرنے کے ہیں۔ اور لیاذہ کے معنی بھلائی حاصل کرنے کے ہیں۔ متنبی کا شعر ہے۔

یَا مَنْ اَلُوْذُ بِهٖ فِیْ مَا اُؤَمِّلُهٗ وَمَنْ اَعُوْذُ بِهٖ مِمَّا اُحَاذِرُهٗ
لَا یَجْبُرُ النَّاسُ عَظْمًا اَنْتَ کَاسِرُهٗ وَلَا یَهِیْضُوْنَ عَظْمًا اَنْتَ جَابِرُهٗ

اے وہ پاک ذات جس کی ذات سے میری تمام امیدیں وابستہ ہیں اور اے وہ پروردگار کہ تمام برائیوں سے میں اسکی پناہ پکڑتا ہوں! جسے وہ توڑے اسے کوئی جوڑ نہیں سکتا اور جسے وہ جوڑ دے اسے کوئی توڑ نہیں سکتا۔ اعوذ کے معنی یہ ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑتا ہوں کہ شیطان رجیم مجھے دین و دنیا میں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے جن احکام کی بجا آوری کا مجھے حکم ہے ایسا نہ ہو کہ میں ان سے رک جاؤں اور جن کاموں سے میں منع کیا گیا ہوں ایسا نہ ہو کہ مجھ سے وہ برے کام سرزد ہو جائیں۔

یہ ظاہر ہے کہ شیطان سے بچانے والا سوائے رب تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔ اسی لئے پروردگار عالم نے انسانوں کے شر سے محفوظ رہنے کی تو ترکیب سلوک واحسان وغیرہ بتائی ہے اور شیطان کے شر سے بچنے کی صورت یہ بتائی کہ ہم اس کی ذات پاک کے ذریعہ پناہ طلب کریں۔ اس لئے کہ نہ تو اسے رشوت دی جائے نہ وہ بھلائی اور سلوک کی وجہ سے اپنی شرارت سے باز آئے۔ اس کی برائی سے بچانے والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ گزشتہ تینوں آیات میں یہ مضمون گزر چکا ہے۔ سورۂ اعراف میں ہے: ﴿خُذِ الْعَفْوَ﴾ الخ اور سورۂ مؤمنون میں ہے: ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ﴾ اور سورۂ سجدہ میں ہے: ﴿وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ﴾ الخ ان تینوں آیات کا مفصل بیان اور ترجمہ پہلے گزر چکا ہے۔ لفظ شیطان شطن سے بنا ہے اس کے لفظی معنی دوری کے ہیں۔ چونکہ یہ مردود بھی انسانی طبیعت سے دور ہے بلکہ ہر بھلائی سے بعید ہے اس لئے اسے شیطان کہتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شاط سے مشتق ہے اس لئے کہ وہ آگ سے پیدا

[1] ۱۵/ الحجر: ۴۲۔

شدہ ہے اور شاط کے معنی یہی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ معنی کی رو سے تو دونوں ٹھیک ہیں لیکن اول زیادہ صحیح ہے۔ عرب شاعروں کے شعر بھی اس کی تصدیق میں ملتے ہیں۔ امیہ بن ابی صلت اور نابغہ کے شعروں میں بھی یہ لفظ شطن سے مشتق ہے اور دور ہونے کے معنی میں مستعمل ہے (سِیبُوَیۡہ) کا قول ہے کہ جب کوئی شیطانی کام کرے تو عرب کہتے ہیں (تَشَیْطَنَ فُلَانٌ) یہ نہیں کہتے کہ (تَشَیَّطَ فُلَانٌ) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ لفظ شاط سے نہیں بلکہ شطن سے ماخوذ ہے اور اس کے صحیح معنی بھی دوری کے ہیں جو جن وانس و حیوان سرکشی کرے اسے شیطان کہہ دیتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے ﴿وَ كَذَالِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ﴾ ❶ الخ یعنی ''اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن شیاطین جن وانس کئے ہیں جو آپس میں ایک دوسرے کو دھوکے کی بناوئی باتیں پہنچاتے رہتے ہیں۔''

مسند احمد میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں فرمایا: ''اے ابوذر! جنات اور انسان کے شیطانوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو۔'' میں نے کہا: کیا انسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔'' ❷ صحیح مسلم میں ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نماز کو عورت' گدھا اور کالا کتا توڑ دیتا ہے۔'' میں نے کہا: حضور! سرخ' زرد کتوں میں سے کالے کتے کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کالا کتا شیطان ہے۔'' ❸ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ ترکی گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں۔ وہ ناز وخرام سے چلتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے مارتے پیٹتے بھی ہیں لیکن اس کا اکڑنا اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ آپ اتر پڑتے ہیں اور فرماتے ہیں تم تو میری سواری کے لئے کسی شیطان کو پکڑ کر لائے' میرے نفس میں تکبر آنے لگا چنانچہ میں نے اس سے اتر پڑنا ہی مناسب سمجھا۔ رجیم فعیل کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے یعنی وہ مرجوم ہے یعنی ہر بھلائی سے دور ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ﴾ ❹ الخ ''ہم نے دنیا کے آسمان کو ستاروں سے مزین کیا اور انہیں شیطانوں کے لئے رجم بنایا'' ﴿اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا﴾ ❺ الخ ''یعنی ہم نے آسمان دنیا کو تاروں سے زینت دی اور ہر سرکش شیطان سے بچاؤ بنایا۔ وہ اعلیٰ فرشتوں کی باتیں نہیں سن سکتے اور ہر طرف سے مارے جاتے ہیں بھگانے کے لئے اور لازمی عذاب ان کے لئے ہے۔ جو ان میں سے کوئی بات اچک کر بھاگتا ہے اس کے پیچھے ایک چمکیلا شعلہ لگتا ہے۔'' ایک اور جگہ ارشاد ہے: ﴿وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا﴾ ❻ الخ یعنی ''ہم نے آسمان میں برج بنائے اور انہیں دیکھنے والوں کے لئے زینت دی اور اسے ہر راندھے ہوئے شیطان سے ہم نے محفوظ کر لیا مگر جو کسی بات کو چرا لے جائے اس کے پیچھے چمکتا ہوا شعلہ لگتا ہے۔'' اسی طرح کی اور آیات بھی ہیں۔ رجیم کے ایک معنی راجم کے بھی کئے گئے ہیں۔ چونکہ شیطان لوگوں کو وسوسوں اور گمراہیوں سے رجم کرتا ہے اس لئے اسے رجیم یعنی راجم کہتے ہیں۔

---

❶ ٦/ الانعام:١١٢۔ ❷ احمد: ٥/ ١٧٨، ١٧٩، ٣٥/ ٤٣٢؛ نسائی: کتاب الاستعاذة باب الاستعاذة من شر الشياطين الانس: ٥٥٠٩۔ وسنده ضعيف ابو عمر دمشقی اور عبید بن خشخاش ضعیف اور مجروح راوی ہیں۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (ضعیف نسائی ٤٢٤) ❸ صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب ما يستر المصلى: ٥١٠؛ ابوداود: ٧٠٢؛ نسائی: ٧٥١؛ ابن ماجة: ٩٥٧؛ ابن حبان: ٢٣٨٥۔ ❹ ٦٧/ الملك: ٥۔ ❺ ٣٧/ الصافات: ٦۔ ❻ ١٥/ الحجر: ١٦۔

تفسیر بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والے مہربان کے نام سے شروع کرتا ہوں۔[1]

بسم اللہ کے متعلق تفصیلی بحث: [آیت:1] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کتاب اللہ کو اسی کے ساتھ شروع کیا۔ علما کا اتفاق ہے کہ (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) سورۂ نمل کی ایک آیت ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ وہ ہر سورت کے شروع میں ایک مستقل آیت ہے؟ یا ہر سورت کی ایک مستقل آیت ہے جو اس کے شروع میں لکھی گئی ہے؟ یا ہر سورت کی بعض آیت ہے؟ یا اس طرح سورۂ فاتحہ ہی کی آیت ہے اور دوسری سورتوں کی نہیں؟ یا صرف ایک سورت کو دوسری سورت سے علیحدہ کرنے کے لئے لکھی گئی ہے اور آیت نہیں ہے؟ علمائے سلف وخلف کا ان امور میں اختلاف چلا آتا ہے اور اپنی جگہ پر اس کی تفصیل موجود ہے۔

سنن ابوداؤد میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورتوں کی جدائی نہیں جانتے تھے جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ نازل نہیں ہوئی تھی۔ ❶ مستدرک حاکم میں بھی یہ حدیث ہے ایک مرسل حدیث میں حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے بھی یہ روایت مروی ہے۔ صحیح ابن خزیمہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ الخ کو سورۂ فاتحہ کے شروع میں نماز میں پڑھا اور اسے ایک آیت شمار کی۔ ❷ لیکن اس کے ایک راوی عمر بن ہارون بلخی ضعیف ہیں اور اس طرح کی ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ❸ نیز حضرت علی ❹ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ سے بھی مروی ہے' حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر' حضرت ابو ہریرہ، حضرت علی رضی اللہ عنہم اور حضرت عطاء' حضرت طاؤس' حضرت سعید بن جبیر' حضرت مکحول' حضرت زہری رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے کہ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ ہر سورت کی ایک مستقل آیت ہے سوائے سورت براءت کے۔ ان صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مبارک' امام شافعی' امام احمد کے ایک قول میں اور اسحاق بن راہویہ اور ابوعبید قاسم بن سلام رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ البتہ امام مالک، امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ اور ان کے ساتھی کہتے ہیں کہ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ الخ نہ تو سورۂ فاتحہ کی آیت ہے نہ کسی اور سورت کی۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول تو یہ مروی ہے کہ یہ سورت فاتحہ کی تو ایک آیت ہے لیکن اور سورتوں کی نہیں۔ ان کا ایک قول

---

❶ ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب من جهربها: ۷۸۸۔ وهو صحيح شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (صحيح الجامع: ٤٨٦٤)

❷ ابن خزيمة، باب ذكر الدليل على ان بسم الله الرحمن الرحيم اية من الفاتحة: ٤٩٣، روایت کا مدار عمر بن ہارون بلخی پر ہے۔ جو ابن مہدی' امام احمد اور امام نسائی کے نزدیک متروک' امام یحییٰ کے نزدیک کاذب حافظ مدینی اور دارقطنی کے نزدیک سخت ضعیف ہے۔ دیکھئے (الميزان: ٣/ ٢٢٨، رقم: ٦٢٣٧) لہٰذا یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

❸ دارقطنی، باب وجوب قراءة بسم الله الرحمٰن الرحيم فى الصلاة: ١/ ٣١٢ وهو حديث صحيح۔

❹ یہ اور بعد والی روایات سب موقوف ہیں۔

یہ بھی ہے کہ یہ ہر سورت کے شروع کی آیت کا حصہ ہے لیکن یہ دونوں قول غریب ہیں۔ داؤد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ ہر سورت کے شروع میں ایک مستقل آیت ہے سورت میں داخل نہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی روایت ہے اور ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوحسن کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب بیان کیا ہے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے پایہ کے ساتھی ہیں۔ یہ تو تھی بحث ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ الخ کے سورۂ فاتحہ کی آیت ہونے نہ ہونے کی (صحیح مذہب یہی معلوم ہوتا ہے کہ جہاں قرآن کریم میں یہ آیت مبارکہ ہے وہاں مستقل آیت ہے۔ وَاللّٰهُ اَعلَم۔ مترجم)

امام جہری نمازوں میں بسم اللہ بلند آواز سے پڑھے یا آہستہ: اختلاف ہے کہ آیا اسے باواز بلند پڑھنا چاہئے یا پست آواز سے؟ جو لوگ اسے سورۂ فاتحہ کی آیت نہیں کہتے وہ تو اسے بلند آواز سے پڑھنے کے بھی قائل نہیں۔ اسی طرح جو لوگ اسے سورۂ فاتحہ سے الگ ایک آیت مانتے ہیں وہ اس کے پست آواز سے پڑھنے کے قائل ہیں۔ رہے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ یہ ہر سورت کے اول سے ہے، ان میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ سورۂ فاتحہ اور ہر سورت سے پہلے اسے اونچی آواز سے پڑھنا چاہئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور مسلمانوں کے اگلے اور پچھلے اماموں کا یہی مذہب ہے۔ صحابہ میں سے اسے اونچی آواز سے پڑھنے والے حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے بھی غریب سند سے امام خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ بیہقی اور ابن عبدالبر رحمہم اللہ نے حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے۔

تابعین میں سے حضرت سعید بن جبیر، حضرت عکرمہ، حضرت ابوقلابہ، حضرت زہری، حضرت علی بن حسن ان کے لڑکے محمد، سعید بن مسیب، عطاء، طاؤس، مجاہد، ابن سیرین، محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہم علی بن عبداللہ بن عباس، ان کے صاحبزادے محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ابن عمر کے مولیٰ زید بن اسلم، عمر بن عبدالعزیز، ازرق بن قیس، حبیب بن ابی ثابت، ابوشعثاء، مکحول، عبداللہ بن معقل بن مقرن اور بروایت بیہقی عبداللہ بن صفوان، محمد بن حنفیہ اور بروایت ابن عبدالبر عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہم یہ ان سب نمازوں میں جن میں قرأت اونچی آواز سے پڑھی جاتی ہے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ بھی بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ ایک دلیل تو اس کی یہ ہے کہ جب یہ آیت سورۂ فاتحہ میں سے ہے تو پھر پوری سورت کی طرح یہ بھی اونچی آواز سے ہی پڑھنی چاہئے۔ علاوہ ازیں سنن نسائی، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم میں مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی اور قراءت میں اونچی آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی اور فارغ ہونے کے بعد فرمایا میں تم سب سے زیادہ مشابہ ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں۔ اس حدیث کو دارقطنی، خطیب اور بیہقی وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔ (1) ابوداؤد اور ترمذی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ سے شروع کیا کرتے تھے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث ایسی زیادہ صحیح نہیں۔ (2) مستدرک حاکم میں انہی سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ کو اونچی آواز سے پڑھتے تھے۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ (3)

---

(1) نسائی، کتاب الافتتاح، باب قراءة بسم الله الرحمٰن الرحيم: ٩٠٦؛ ابن خزيمة: ٤٩٩؛ ابن حبان: ١٧٩٧؛ حاكم: ١/ ٢٣٧، اس روایت کی سند صحیح ہے، اسے ضعیف کہنا غلط ہے۔ (2) ترمذی، ابواب الصلاة، باب من رأى الجهر بسم الله الرحمٰن الرحيم: ٢٤٥۔ (3) حاكم: ١/ ٢٠٨، اور اسے صحیح کہا ہے۔ لیکن ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن حسان کے متہم بالکذب ہونے کی وجہ سے حاکم کی تصحیح کا رد کیا ہے۔ دیکھئے (الميزان ٢/ ٤٦٩ رقم: ٤٤٨٩) لہٰذا یہ روایت باطل ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی قراءت کا انداز: صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی قراءت کس طرح تھی؟ فرمایا کہ ہر کھڑے لفظ کو آپ دراز کر کے پڑھتے تھے۔ پھر ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پڑھ کر سنائی۔ بسم اللہ پر مد کیا الرحمٰن پر مد کیا الرحیم پر مد کیا۔ ❶ مسند احمد' سنن ابو داؤد' صحیح ابن خزیمہ اور مستدرک حاکم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر ہر آیت پر رکتے تھے اور آپ ﷺ کی قراءت الگ الگ ہوتی تھی۔ جیسے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پھر ٹھہر کر ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ پھر ٹھہر کر ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پھر ٹھہر کر ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ دارقطنی اسے صحیح بتاتے ہیں۔ ❷ امام شافعی امام حاکم رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں نماز پڑھائی اور بسم اللہ نہ پڑھی تو جو مہاجر صحابہ اس وقت موجود تھے انہوں نے ٹوکا۔ چنانچہ پھر جب نماز پڑھانے کو کھڑے ہوئے تو بسم اللہ پڑھی۔ ❸ غالباً اس قدر احادیث و آثار اس مذہب کی حجت کے لئے کافی ہیں۔ باقی رہے اس کے خلاف آثار روایات' ان کی سندیں' ان کی تعلیل' ان کا ضعف اور ان کی تقریر وغیرہ تو ان کی تفصیل دوسرے مقام پر ہے۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ نماز میں ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ بلند آواز سے نہ پڑھنا چاہئے۔ خلفائے اربعہ' عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہم اور تابعین اور بعد والوں کی جماعتوں سے یہ ثابت ہے۔ ابو حنیفہ' ثوری' احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ سرے سے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ الخ پڑھے ہی نہیں۔ نہ تو آہستہ نہ بلند۔ ان کی دلیل ایک تو صحیح مسلم والی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کو تکبیر سے اور قراءت کو ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ سے شروع کیا کرتے تھے۔ ❹ بخاری و مسلم میں ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی ﷺ اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی یہ سب ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ سے شروع کرتے تھے۔ ❺ مسلم میں ہے کہ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ الخ کا ذکر نہیں کرتے تھے۔ نہ تو قراءت کے شروع میں اور نہ قراءت کے آخر میں۔ ❻ سنن میں حضرت ابن مغفل رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ❼ یہ ہے دلیل ان ائمہ کی ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ آہستہ پڑھنے کی۔ یہ خیال رہے کہ یہ کوئی بڑا اختلاف نہیں۔ ہر ایک فریق دوسرے کی نماز کی صحت کا قائل ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ (بسم اللہ کا مطلق نہ پڑھنا تو ٹھیک نہیں بلند و پست پڑھنے کی احادیث میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ دونوں جائز ہیں۔ گو پست پڑھنے کی احادیث قدرے قوی ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ مترجم)

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب مع القراءة: ٥٠٤٦۔

❷ ابوداود، کتاب الحروف والقراءة: ٤٠٠١؛ ترمذی: ٢٩٢٧؛ احمد: ٦/ ٣٠٢؛ حاکم: ٢/ ٢٣٢؛ صحیح ابن خزیمة: ٤٩٣؛ دارقطنی: ١/ ٣١٢۔ شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (الارواء ٢/ ٦٠) لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔ ابن جریج مدلس ہے اور ابن ابی ملیکہ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کچھ نہیں سنا۔ نیل المقصود: ٤٠٠١۔

❸ مسند الشافعی: ١/ ٨٠، رقم الحدیث: ٢٧٣؛ حاکم: ١/ ٢٣٣ وسنده حسن۔

❹ صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب ما یجمع صفة الصلاة وما یفتتح به...: ٤٩٨؛ ابوداؤد: ٧٨٣؛ ابن ماجة: ٨٦٩۔

❺ صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب ما یقول بعد التکبیر: ٧٤٣؛ صحیح مسلم: ٣٩٩۔

❻ صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب حجة من قال لا یجهر بالبسملة ٣٩٩۔

❼ ترمذی: ابواب الصلاة باب ما جاء فی ترك الجهر بسم الله الرحمن الرحیم...... ٢٤٤؛ نسائی: ٩٠٩؛ ابن ماجة: ٢١٥۔ شیخ البانی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (ضعیف ترمذی: ٣٩) یہ روایت ابن عبداللہ بن مغفل کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فصل

بسم اللہ کے فضائل: تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے بسم اللہ کے متعلق سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ اللہ کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بڑے ناموں اور اس میں اس قدر نزدیکی ہے جیسے آنکھ کی سیاہی اور سفیدی میں۔'' ❶ ابن مردویہ میں بھی اسی طرح کی روایت ہے۔ اور یہ روایت بھی ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ نے معلم کے پاس بٹھایا اس نے کہا لکھیے بسم اللہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا بسم اللہ کیا ہے؟ استاد نے جواب دیا میں نہیں جانتا۔ آپ نے فرمایا ''ب'' سے مراد اللہ کا بہا یعنی بلندی ہے اور ''س'' سے مراد اس کی سنا یعنی نور اور روشنی ہے اور ''م'' سے مراد اس کی ''مملکت'' یعنی بادشاہی ہے اور (اَللّٰہ) کہتے ہیں معبودوں کے معبود کو اور ''رحمٰن'' کہتے ہیں دنیا اور آخرت میں رحم کرنے والے کو اور (رَحِیْم) کہتے ہیں آخرت میں رحم و کرم کرنے والے کو۔'' ❷ ابن جریر میں بھی یہ روایت ہے لیکن سند کی رو سے بے حد غریب ہے۔ ممکن ہے کہ کسی صحابی وغیرہ سے مروی ہو اور ممکن ہے کہ بنی اسرائیل کی روایات میں سے ہو مرفوع حدیث نہ ہو۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کہ مجھ پر ایک ایسی آیت اتری ہے کہ کسی نبی پر سوائے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایسی آیت نہیں اتری۔ وہ آیت ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ ❸ ہے۔'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب یہ آیت ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ اتری۔ بادل مشرق کی طرف چھٹ گئے، ہوائیں ساکن ہو گئیں، سمندر ٹھہر گیا، جانوروں نے کان لگا لئے، شیاطین پر آسمان سے شعلے گرے اور پروردگار عالم نے اپنی عزت و جلال کی قسم کھا کر فرمایا کہ جس چیز پر میرا یہ نام لیا جائے اس میں ضرور برکت ہوگی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جہنم کے انیس داروغوں سے جو بچنا چاہے وہ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پڑھے۔ اس کے بھی انیس حروف ہیں۔ ہر حرف ہر فرشتے سے بچاؤ کا ذریعہ بن جائے گا۔ اسے ابن عطیہ نے بیان کیا ہے اور اس کی تائید ایک اور حدیث سے بھی کی ہے جس میں ہے کہ میں نے تیس سے اوپر فرشتوں کو دیکھا کہ وہ جلدی کر رہے تھے۔ یہ حضور ﷺ نے اس وقت فرمایا تھا جب ایک شخص نے (رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ) ❹ پڑھا تھا۔ اس میں بھی تیس سے اوپر حروف ہیں۔ اتنے ہی فرشتے اترے۔ اسی طرح ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ الخ میں بھی انیس حروف ہیں اور وہاں فرشتوں کی تعداد بھی انیس ہے وغیرہ وغیرہ۔

مسند احمد میں ہے آنحضرت ﷺ کی سواری پر آپ کے پیچھے جو صحابی سوار تھے ان کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کی اونٹنی ذرا پھسلی تو میں نے کہا شیطان کا ستیاناس ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ نہ کہو اس سے شیطان پھولتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ گویا اس نے اپنی قوت سے گرایا۔ ہاں بسم اللہ کہنے سے وہ مکھی کی طرح ذلیل و پست ہو جاتا ہے۔'' ❺ نسائی نے اپنی کتاب ''الیوم واللیلۃ'' میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں بھی اسے بیان کیا ہے اور صحابی کا نام ابن اسامہ بن عمیر بتایا ہے، اور اس میں ہے کہ بسم اللہ کہہ یہ بسم اللہ

---

❶ الضعفاء للعقیلی: ۲/ ۱۶۲؛ سند کا مدار سلام بن وہب الجندی پر ہے۔ عقیلی فرماتے ہیں یہ صرف اسی کے حوالے سے جانی جاتی ہے۔ کسی دوسرے نے اس کی متابعت نہیں کی۔ ذہبی رحمہ اللہ نے المیزان: ۲/ ۱۸۲ میں اسے منکر بلکہ جھوٹی خبر قرار دیا ہے۔ یعنی موضوع روایت ہے۔

❷ اس کی سند میں اسماعیل بن عیاش ہے جس کی شامیوں کے علاوہ دیگر سے روایت ضعیف ہوتی ہے۔ (المیزان ۱/ ۲۴۱) یہاں اس کے استاد مدنی ہیں جبکہ عطیہ بن سعد العوفی واہی یعنی سخت کمزور راوی ہے۔ (التقریب ۲/ ۲۴، رقم: ۲۱۶) اور اسماعیل بن یحییٰ متہم بالوضع ہے۔ (المیزان ۱/ ۲۵۳، رقم: ۹۶۵) یعنی یہ روایت سخت ضعیف و باطل ہے۔

❸ امام ابن کثیر سورۂ نمل آیت: ۳۰ کے تحت فرماتے ہیں یہ حدیث غریب اور اس کی سند ضعیف ہے۔ یہ روایت مردود ہے۔

❹ صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب رقم: ۱۲۶، رقم الحدیث ۷۹۹۔

❺ احمد: ۵/ ۵۹۔ وسندہ صحیح شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (صحیح الترغیب: ۳۱۲۹)

کی برکت ہے۔ ❶

ہر کام کے ابتدا میں بسم اللہ پڑھنا: اسی لئے ہر کام اور ہر بات کے شروع میں بسم اللہ کہہ لینا مستحب ہے۔ خطبہ کے شروع میں بھی بسم اللہ کہنی چاہئے۔ حدیث میں ہے کہ جس کام کو ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ سے شروع نہ کیا جائے اس میں برکت نہیں ہوتی۔" ❷

بیت الخلاء (لیٹرین) میں جانے کے وقت بھی بسم اللہ پڑھ لے۔ ❸ حدیث میں یہ بھی وارد ہے۔ وضو کے وقت بھی پڑھ لے۔ مسند احمد اور سنن میں ابوہریرہ، سعید بن زید اور ابوسعید رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص وضو میں اللہ کا نام نہ لے اس کا وضو نہیں ہوتا۔" یہ حدیث حسن ہے۔ ❹ بعض علما تو وضو کے وقت بسم اللہ پڑھنا واجب بتلاتے۔ بعض مطلق وجوب کے قائل ہیں۔

جانور ذبح کرتے وقت بھی اس کا پڑھنا مستحب ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت کا یہی خیال ہے۔ بعضوں نے ذکر کے وقت اور بعضوں نے مطلقاً اسے واجب کہا ہے۔ اس کا بیان عنقریب آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں اس آیت کی فضیلت میں بہت سی احادیث وارد کی ہیں۔ ایک میں ہے کہ "جب تو اپنی بیوی کے پاس جائے اور بسم اللہ پڑھ لے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کوئی اولاد بخشے تو اس کے اور اسکی اولاد کے سانس کی گنتی کے برابر تیرے نامہ اعمال میں نیکیاں لکھی جائیں گی۔" لیکن یہ روایت بالکل بے اصل ہے۔ میں نے تو یہ کہیں نہیں پائی۔ کھانا وغیرہ کھاتے وقت بھی بسم اللہ پڑھنی مستحب ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن ابوسلمہ سے فرمایا (جو آپ کے گھر میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند سے تھے) کہ "بسم اللہ کہو اور اپنے داہنے ہاتھ سے کھایا کرو اور اپنے سامنے سے نوالہ اٹھایا کرو۔" ❺ بعض علما اس وقت بھی بسم اللہ کا پڑھنا واجب بتاتے ہیں۔

بیوی سے ملنے (جماع) کے وقت بھی بسم اللہ پڑھنی چاہئے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے ملنے کا ارادہ کرے تو یہ پڑھے ((بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطٰنَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا)) "یعنی "اے اللہ! ہمیں اور جو ہمیں تو دے اسے شیطان سے بچا۔ فرماتے ہیں اگر اس جماع سے حمل ٹھہر گیا تو اس بچہ کو شیطان کبھی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔" ❻

---

❶ اليوم والليلة للنسائی: ٥٥٩ وسنده ضعيف وهو صحيح بالشواهد شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (صحيح الترغيب: ٣١٧٨) ❷ "الطبقات الشافعية": ١/ ٦، اس کی سند میں احمد بن محمد بن عمران ہے جسے خطیب وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ (الميزان ١/ ١٤٨، رقم: ٥٧٥) اور شیخ البانی نے اس روایت کو سخت ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (الارواء: ١) یعنی یہ روایت ضعیف ہے۔

❸ ترمذی، ابواب الجمعة، باب ما ذكر تسمية من دخول الخلاء ٦٠٦؛ ابن ماجه: ٢٩٧۔ اس کی سند میں ابواسحاق مدلس کے سماع کی صراحت نہیں ہے۔ اور شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بالشواہد صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (الارواء: ٥٠) یہ روایت اپنے تمام شواہد کے ساتھ ضعیف ہے۔

❹ احمد: ٢/ ٤١٨، ٣/ ٤١؛ ابوداود، كتاب الطهارة باب فی التسمية علی الوضوء: ١٠١؛ ابن ماجة: ٣٩٨، ٣٩٩۔ شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھئے (الارواء: ٨١) یہ روایت ابن ماجہ (٣٩٧) کے شاہد کے ساتھ حسن ہے۔

❺ صحیح بخاری، كتاب الاطعمة، باب التسمية علی الطعام......: ٥٣٧٦؛ صحیح مسلم: ٢٠٢٢۔

❻ صحیح بخاری، كتاب الوضوء، باب التسمية علی كل حال وعند الوقاع: ١٤١، وانظر: ٣٢٧١، ٣٢٨٣۔ ٥١٦٥، ٦٣٨٨، ٧٣٩٦؛ صحیح مسلم: ١٤٣٤؛ ابوداود: ٢١٦١؛ ترمذی: ١٠٩٧؛ ابن ماجة: ١٩١٩۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ کی ''ب'' کا تعلق کس سے ہے۔ نحویوں کے اس میں دو قول ہیں اور دونوں قریب قریب ہیں۔ بعض اسم بتاتے ہیں اور بعض فعل۔ ہر ایک کی دلیل قرآن میں ملتی ہے۔ جو لوگ اسم کے ساتھ متعلق بتلاتے ہیں وہ تو کہتے ہیں بسم اللہ ابتدائی یعنی اللہ کے نام سے میری ابتدا ہے۔ قرآن میں ہے ﴿ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَا﴾ ❶ الخ اس میں اسم یعنی مصدر ظاہر کر دیا گیا ہے اور جو لوگ فعل کے ساتھ مقدر بتلاتے ہیں چاہے وہ امر ہو یا خبر ہو جیسے (اَبْدَأُ بِسْمِ اللّٰهِ) اور (اِبْتَدَأْتُ بِسْمِ اللّٰهِ) ان کی دلیل آیت ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ﴾ الخ ہے۔ دراصل دونوں ہی صحیح ہیں اس لئے کہ فعل کے لئے بھی مصدر کا ہونا ضروری ہے تو اختیار ہے کہ فعل کو مقدر مانا جائے اور اس کے مصدر کو مطابق اس فعل کے جس کا نام پہلے لیا گیا ہے کھڑا ہونا ہو' بیٹھنا ہو' کھانا ہو' پینا ہو' قرآن کا پڑھنا ہو' یا وضو اور نماز وغیرہ ہو ان سب کے شروع میں برکت حاصل کرنے کے لئے امداد چاہنے کے لئے اور قبولیت کے لئے اللہ تعالیٰ کا نام لینا مشروع ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جبرائیل علیہ السلام محمد ﷺ پر جب وحی لے کر آئے تو فرمایا: اے محمد ﷺ! کہیے: (اَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ) پھر کہیے (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) مقصود یہ تھا کہ اٹھنا' بیٹھنا' پڑھنا سب اللہ کے نام سے شروع ہو۔ ❷

بے کار بحث: اسم یعنی نام ہی مسمّٰی یعنی نام والا ہے یا کچھ اور۔ اس میں اہل علم کے تین قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ اسم ہی مسمّٰی ہے' ابو عبید اور سیبویہ کا یہی قول ہے۔ باقلانی اور ابن فورک بھی اسی کو پسند کرتے ہیں۔ ابن خطیب رازی رحمہ اللہ اپنی تفسیر کے مقدمات میں لکھتے ہیں حشویہ اور کرامیہ اور اشعریہ تو کہتے ہیں اسم نفس مسمّٰی ہے اور نفس تسمیہ کا غیر ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ اسم مسمّٰی کا غیر ہے اور نفس تسمیہ ہے۔ ہمارے نزدیک اسم مسمّٰی کا بھی غیر ہے اور تسمیہ کا بھی۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر اسم سے مراد لفظ ہے جو آوازوں کے ٹکڑوں اور حروف کا مجموعہ ہے تو بالبداہت ثابت ہے کہ یہ مسمّٰی کا غیر ہے اگر اسم سے مراد ذات مسمّٰی ہے تو یہ تو وضاحت کو واضح کرتا ہے جو محض بے کار ہے تو ظاہر ہے کہ اس بے کار بحث میں پڑنا ہی فضول ہے۔ اس کے بعد اسم مسمّٰی کے فرق پر اپنے دلائل لائے ہیں کہ کبھی اسم ہوتا ہے اور مسمّٰی ہوتا ہی نہیں جیسے معدوم کا لفظ۔ کبھی ایک مسمّٰی کے کئی اسم ہوتے ہیں جیسے مترادف۔ کبھی اسم ایک ہوتا ہے مسمّٰی کے کئی اسم ہوتے ہیں جیسے مشترک۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسم اور چیز ہے اور مسمّٰی اور چیز ہے یعنی نام الگ اور نام والا الگ ہے اور دلیل سنئے۔ کہتے ہیں کہ اسم تو لفظ ہے اور وہ عرض' اور کبھی تو ذات ہوتی ہے ممکن یا واجب۔ اور سنیئے کہ اگر اسم ہی کو مسمّٰی مانا جائے تو آگ کا نام لیتے ہی تپش محسوس ہو اور برف کا نام لیتے ہی ٹھنڈک' حالانکہ کوئی عقل مند ایسا نہیں کہہ سکتا۔

اور دلیل سنیئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کے بہت سے بہترین نام ہیں تم ان ناموں سے اسے پکارو'' حدیث شریف میں ہے'' کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں'' تو خیال کیجئے کہ نام کس قدر بکثرت ہیں حالانکہ مسمّٰی ایک ہی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ ہے۔ اسی طرح اَسْمَاء کو اللہ کی طرف اس آیت میں مضاف کرنا اور جگہ فرمانا: ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ۝﴾ ❸ وغیرہ یہ اضافت بھی اسی کا تقاضا کرتی ہے کہ اسم اور ہو اور مسمّٰی اور۔ کیونکہ اضافت کا مقتضا مغایرت کا ہے۔ اسی طرح یہ حکم فرمانا ہے کہ ﴿فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ ❹ یعنی اللہ تعالیٰ کو اس کے ناموں کے ساتھ پکارو۔ یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ نام اور ہے اور نام والا اور۔ اَب ان کے دلائل سنئے جو اسم اور مسمّٰی کو

---

❶ ۱۱/ ھود:۴۱۔ ❷ الطبری:۱/ ۵۰۔۵۱ اس کی سند میں بشر بن عمارہ ہے جسے نسائی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے (المیزان ۱/ ۳۲۱، رقم: ۱۲۰۹) اور ضحاک کا ابن عباس سے لقاء ثابت نہیں۔ لہٰذا یہ روایت ضعیف و مردود ہے۔ ❸ ۶۹/ الحاقۃ:۵۲۔ ❹ ۷/ الاعراف:۱۸۰۔

ایک ہی بتلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ﴾ ❶ الخ یعنی ”جلال واکرام والے تیرے رب کا بابرکت نام ہے۔“ تو نام کو برکتوں والا فرمایا حالانکہ خود اللہ تعالیٰ برکتوں والا ہے۔ اس کا آسان جواب یہ ہے کہ اس مقدس ذات کی وجہ سے اس کا نام بھی بڑائیوں والا ہے۔ دوسری دلیل ان کی یہ ہے کہ جب کوئی شخص کہے کہ زینب پر طلاق ہے تو طلاق اس کی بیوی پر جس کا نام زینب ہے پڑ جاتی ہے۔ اگر نام اور نام والے میں فرق ہوتا تو نام پر طلاق پڑتی۔ نام والے پر کیسے پڑ جاتی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہی ہوتی ہے کہ اس ذات پر طلاق ہے جس کا نام زینب ہے تسمیہ کا اسم سے الگ ہونا اس دلیل کی بنا پر ہے کہ تسمیہ کہتے ہیں کسی کا نام مقرر کرنے کو اور ظاہر ہے کہ یہ اور چیز ہے اور نام والا اور چیز ہے۔ رازی رحمہ اللہ کا قول یہی ہے کہ یہ سب کچھ تو لفظ باسم کے متعلق تھا۔

لفظ ”اللہ“ کا معنی اور اشتقاق: اب لفظ ”اللہ“ کے متعلق سنیے ”اللہ“ خاص نام ہے رب تبارک وتعالیٰ کا۔ کہا جاتا ہے کہ اسم اعظم یہی ہے۔ اس لئے کہ تمام عمدہ صفتوں کے ساتھ یہی موصوف ہوتا ہے جیسے کہ قرآن کریم میں ہے: ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ﴾ ❷ الخ ”یعنی وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو چھپے کھلے کا جاننے والا ہے جو رحم کرنے والا مہربان ہے۔ وہ اللہ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جو بادشاہ ہے۔ پاک ہے، سلامتی والا ہے، امن دینے والا ہے، محافظ ہے، غلبہ والا ہے، زبردست ہے، بڑائی والا ہے۔ وہ ہر شرک سے اور شرک کی چیز سے پاک ہے، وہ اللہ پیدا کرنے والا، بنانے والا، صورت بخشنے والا ہے، اس کے لئے بہترین پاکیزہ نام ہیں، آسمان وزمین کی تمام چیزیں اس کی تسبیح بیان کرتی ہیں وہ عزتوں اور حکمتوں والا ہے۔“ ان آیات میں باقی تمام نام صفاتی ہیں اور لفظ اللہ کی صفت ہیں۔ پس اصلی نام اللہ ہے جیسا کہ ایک مقام پر فرمایا ”کہ اللہ ہی کے لئے ہیں پاکیزہ اور عمدہ نام پس تم اس کو ان ناموں سے پکارو۔ اور فرماتا ہے اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو جس نام سے پکارو اسی کے پیارے پیارے اور اچھے اچھے نام ہیں۔“ بخاری ومسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، ایک کم سو، جو انہیں یاد کر لے جنتی ہے۔“ ❸ ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں ان ناموں کی تفصیل بھی آئی ہے اور دونوں کی روایات میں الفاظ کا کچھ ہیر پھیر کچھ کمی زیادتی بھی ہے۔ ❹ رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں بعض لوگوں سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پانچ ہزار نام ہیں۔ ایک ہزار تو قرآن شریف اور صحیح حدیث میں ہیں اور ایک ہزار تورات میں اور ایک ہزار انجیل میں اور ایک ہزار زبور میں اور ایک ہزار لوح محفوظ میں۔

اللہ ہی وہ نام ہے جو سوائے اللہ تبارک وتعالیٰ کے کسی اور کا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک عرب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کا اشتقاق کیا ہے؟ اس کا باب کیا ہے؟ بلکہ ایک بڑی نحویوں کی جماعت کا خیال ہے کہ یہ اسم جامد ہے اور اس کا کوئی اشتقاق ہے ہی نہیں۔ قرطبی رحمہ اللہ نے علما کی ایک بڑی جماعت کا یہ مذہب نقل کیا ہے جن میں سے امام شافعی، امام خطابی اور امام الحرمین امام غزالی رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔ خلیل اور سیبویہ سے روایت ہے کہ الف لام اس میں لازم ہے۔ امام خطابی رحمہ اللہ نے اس کی ایک دلیل یہ بھی دی ہے کہ یا اللہ تو کہہ سکتے ہیں، مگر یا الرحمٰن کہتے ہوئے کسی کو نہیں سنا۔ اگر لفظ اللہ میں الف لام اصل کلمہ کا نہ ہوتا تو اس پر ندا کا لفظ یا داخل نہ ہو سکتا کیونکہ قواعد عربی کے لحاظ سے حرف ندا کا الف لام والے اسم پر داخل ہونا جائز نہیں۔

---

❶ ٥٥/ الرحمٰن:٧٨۔ ❷ ٥٩/ الحشر:٢٢۔

❸ صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب ما یجوز فی الاشتراط: ٢٧٣٦، وانظر: ٦٤١٠۔٧٣٩٢؛ صحیح مسلم: ٢٦٧٧۔

❹ ترمذی، ابواب الدعوات، باب حدیث فی اسماء اللہ الحسنیٰ: ٣٥٠٧؛ ابن ماجۃ: ٣٨٦١، وسندہ ضعیف اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (ضعیف ترمذی: ٦٩٦) ولید بن مسلم نے سماع مسلسل کی تصریح نہیں کی لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

بعض لوگوں کا یہ قول بھی ہے کہ یہ مشتق ہے اور اس پر روبہ کا ایک شعر بطور دلیل لاتے ہیں جس میں مصدر تَاَلُّہ کا بیان ہے جس کا ماضی مضارع اِلَہَ یَاْلَہُ اِلٰھَۃً اور تَاَلُّھًا ہے جیسے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ یَذَرَکَ وَاِلٰھَتَکَ پڑھتے تھے مراد اس سے عبادت ہے یعنی اس کی عبادت کی جاتی ہے اور وہ کسی کی عبادت نہیں کرتا۔ مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ کہتے ہیں بعضوں نے اس پر اس آیت سے دلیل پکڑی ہے کہ ﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ﴾ ❶ اور آیت میں ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ﴾ ❷ یعنی "وہی اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں وہی ہے جو آسمان میں معبود ہے اور زمین میں معبود ہے۔" سیبویہ خلیل سے نقل کرتے ہیں کہ اصل میں اِلٰہٌ تھا جیسے فِعَالٌ پھر ہمزہ کے بدلے الف ولام لایا گیا جیسے الناس کہ اس کی اصل اناس ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ لفظ اللہ کی اصل لَاہٌ ہے الف لام حرف تعظیم کے طور پر لایا گیا ہے۔ سیبویہ کا بھی پسندیدہ قول یہی ہے۔ عرب شاعروں کے شعروں میں بھی یہ لفظ ملتا ہے۔ کسائی اور فراء کہتے ہیں اس کی اصل الالہ تھی ہمزہ کو حذف کیا اور پہلے لام کو دوسرے میں ادغام کیا۔ جیسے کہ لٰكِنَّا هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ میں لٰكِنْ اَنَا کا لکنا ہوا ہے چنانچہ حسن رحمہ اللہ کی قراءت میں لکن انا ہی ہے اور اس کا اشتقاق وَلِہَ سے ہے اور اس کے معنی تَحَيَّرَ ہیں وَلَہٌ عقل کے چلے جانے کو کہتے ہیں۔ عربی میں رَجُلٌ وَالِہٌ اور اِمْرَاَۃٌ وَلْھٰی اور مَوْلُوْھَۃٌ اس وقت کہتے ہیں جب وہ جنگل میں بھیج دیا جائے۔ چونکہ ذات باری تعالیٰ میں اور اس کی صفتوں کی تحقیق میں عقل حیران و پریشان ہو جاتی ہے اس لئے اس ذات پاک کو اللہ کہا جاتا ہے۔ اس بنا پر اصل میں یہ لفظ وِلَاہٌ تھا واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا گیا جیسے کہ وِشَاحٌ اور وِسَادَۃٌ میں اشاح اور اسادہ کہتے ہیں۔

رازی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ لفظ اَلِھْتُ اِلٰی فُلَانٍ سے مشتق ہے جو کہ معنی میں سَكَنْتُ کے ہے یعنی میں نے فلاں سے سکونت اور راحت حاصل کی۔ چونکہ عقل کا سکون صرف ذات باری تعالیٰ کے ذکر کی طرف ہے اور روح کی حقیقی خوشی اسی کی معرفت میں ہے اس لئے کہ علی الاطلاق کامل وہی ہے اس کے سوا کوئی اور نہیں اسی وجہ سے اللہ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے: ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۝﴾ ❸ الخ یعنی "ایمانداروں کے دل صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی اطمینان حاصل کرتے ہیں۔"

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ لَاہَ یَلُوْہُ سے ماخوذ ہے جس کے معنی چھپ جانے اور حجاب کرنے کے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اَلَہَ الْفَصِيْلُ سے ہے چونکہ بندے اسی کی طرف تضرع اور زاری سے جھکتے ہیں۔ اسی کے دامن رحمت کا پلہ ہر حال میں تھامتے ہیں اس لئے اسے اللہ کہا گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ عرب اَلَہَ الرَّجُلُ يَاْلَہُ اس وقت کہتے ہیں جب کسی اچانک امر سے کوئی گھبرا اٹھے اور دوسرا اسے پناہ دے اور بچا لے چونکہ تمام مخلوق کو ہر مصیبت سے نجات دینے والا اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے اس لئے اسے اللہ کہتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ﴿وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ﴾ ❹ یعنی وہی بچاتا ہے اور اس پر کوئی نہیں بچایا جاتا۔ (وَهُوَ مُنْعِمٌ) حقیقی منعم وہی ہے۔ فرماتا ہے "تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں" وہی (مُطْعِمٌ) ہے وہ کھلاتا ہے اور اسے کوئی نہیں کھلاتا۔ وہی موجد ہے فرماتا ہے ہر چیز کا وجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ رازی رحمہ اللہ کا مختار مذہب یہی ہے کہ لفظ اللہ مشتق نہیں ہے۔ خلیل، سیبویہ، اکثر اصولی اور فقہا کا یہی قول ہے اس کی بہت سی دلیلیں بھی ہیں اگر یہ مشتق ہوتا تو اس کے معنی میں بہت سے افراد کی شرکت ہوتی حالانکہ ایسا نہیں۔

پھر اس لفظ کو موصوف بنایا جاتا ہے اور اس کی بہت ساری صفتیں آتی ہیں جیسے رحمٰن، رحیم، مالک، قدوس، وغیرہ تو معلوم ہوا کہ یہ مشتق نہیں۔ قرآن میں ایک جگہ ﴿عَزِيْزِ الْحَمِيْدِ۝اللّٰهِ﴾ ❺ جو آیا ہے وہاں یہ عطف بیان ہے۔ ایک دلیل اس کے مشتق نہ ہونے کی یہ بھی

---

❶ ٦/ الانعام:٣۔ ❷ ٤٣/ الزخرف:٨٤۔ ❸ ١٣/ الرعد:٢٨۔

❹ ٢٣/ المؤمنون:٨٨۔ ❺ ١٤/ ابراهيم:١۔٢۔

ہے ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾ ❶ یعنی ”کیا اس کا ہم نام بھی کوئی جانتے ہو؟“ بیان کی جاتی ہے لیکن یہ غور طلب ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ لفظ عبرانی ہے لیکن رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مخلوق کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جو معرفت الٰہی کے کنارے پر پہنچ گئے۔ دوسرے وہ جو اس سے محروم ہیں جو حیرت کی اندھیریوں میں اور جہالت کی پرخار وادیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ وہ تو عقل کو رو بیٹھے ہیں اور روحانی کمالات کو کھو بیٹھے ہیں لیکن جو ساحل معرفت پر پہنچ چکے ہیں جو نورانیت کے وسیع باغوں میں جا ٹھیرے ہیں، جو کبریائی اور جلال کی وسعت کا اندازہ کر چکے ہیں وہ بھی یہاں تک پہنچ کر حیران و ششدر رہ گئے ہیں اور بارگاہ فردانیت اور دربار صمدیت میں مبہوت کھڑے رہ گئے ہیں۔

غرض ساری مخلوق اس کی پوری معرفت سے عاجز اور سرگشتہ و حیران ہیں پس یہ ان معانی کی بنا پر اس پاک ذات کا نام اللہ ہے ساری مخلوق اسکی محتاج اس کے سامنے جھکنے والی اور اس کی تلاش کرنے والی ہے۔ اس معنی میں اسے اللہ کہتے ہیں جیسا کہ خلیل کا قول ہے عرب محاورے میں ہر اونچی اور بلند چیز کو لاہ کہتے ہیں۔ سورج جب طلوع ہوتا ہے تب بھی وہ کہتے ہیں لَاهَتِ الشَّمْسُ چونکہ پروردگار عالم بھی سب سے بلند و بالا ہے اس کو بھی اللہ کہتے ہیں اور اله کے معنی عبادت کرنے کے اور تاله کے معنی حکم برداری اور قربانی کرنے کے ہیں اور اللہ عالم کی عبادت کی جاتی ہے اور اس کے نام پر قربانیاں کی جاتی ہیں اس لئے اسے اللہ کہتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت میں ہے ﴿وَيَذَرَكَ وَاِلٰهَتَكَ﴾ ❷ اس کی اصل الاله ہے پس ”ف“ کلمہ کی جگہ پر جو ہمزہ ہے وہ حذف کیا گیا پھر نفس کلمہ کا لام زائد لام سے جو تعریف کے لئے لایا گیا ہے اس سے ملا دیا گیا اور ایک کو دوسرے میں ادغام کیا گیا تو ایک لام مشدد رہ گیا اور تعظیماً اللہ کہا گیا۔ یہ تو ہے لفظ اللہ کی تفسیر۔

الرحمٰن الرحیم کی تفسیر: ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ یہ دونوں نام رحمت سے مشتق ہیں۔ دونوں میں مبالغہ ہے۔ رحمٰن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے۔ علامہ ابن جریر رحمہ اللہ کے قول سے تو معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس پر اتفاق ہے۔ بعض سلف کی تفسیروں سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول بھی اسی معنی کا پہلے گزر چکا ہے کہ رحمٰن سے مراد دنیا اور آخرت میں رحم کرنے والا اور رحیم سے مراد آخرت میں رحم کرنے والا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رحمٰن مشتق نہیں ہے۔ اگر یہ اس طرح ہوتا تو مرحوم کے ساتھ نہ ملتا حالانکہ قرآن میں ﴿بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا﴾ ❸ آیا ہے۔ مبرد کہتے ہیں کہ رحمٰن عبرانی نام ہے عربی نہیں۔ ابواسحاق زجاج معانی القرآن میں لکھتے ہیں کہ احمد بن یحییٰ کا قول ہے کہ رحیم عربی لفظ ہے اور رحمٰن عبرانی ہے دونوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ لیکن ابواسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس قول کی طرف دل مائل نہیں ہوتا۔ قرطبی اس لفظ کے مشتق ہونے کی یہ دلیل لائے ہیں کہ ترمذی کی صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں رحمٰن ہوں۔ میں نے رحم کو پیدا کیا اور اپنے ناموں میں سے ہی اس کا نام مشتق کیا۔ اس کے ملانے والے کو میں ملاؤں گا اور اس کے توڑنے والے کو میں کاٹ دوں گا۔“ ❹

اب اس صریح حدیث کے ہوتے ہوئے مخالفت اور انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ رہا کفار عرب کا اس نام سے انکار کرنا یہ محض ان کی جہالت کا ایک کرشمہ تھا۔ قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رحمٰن اور رحیم کے ایک ہی معنی ہیں جیسے نَدْمَانٌ اور نَدِيْمٌ، ابوعبید رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ فَعْلَانٌ فَعِيْلٌ کی طرح نہیں۔ فعلان میں مبالغہ ضروری ہوتا ہے۔ جیسے غضبان اسی شخص کو کہہ سکتے ہیں جو بہت

❶ ١٩/ مریم:٦٥۔ ❷ ٧/ الاعراف:١٢٧۔ ❸ ٣٣/ الاحزاب: ٤٣۔

❹ ابوداود، کتاب الزکوٰۃ باب فی صلۃ الرحم: ١٦٩٤؛ ترمذی:١٩٠٧، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے بالشواہد صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلۃ الصحیحۃ:٥٧٠) یہ روایت حدیث ابی داود (١٦٩٥) کے ساتھ صحیح ہے۔

ہی غصہ والا ہوا اور فعیل کبھی فاعل اور کبھی مفعول کے لئے بھی آتا ہے جو مبالغہ سے خالی ہوتا ہے۔ ابو علی فارسی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رحمٰن عام اسم ہے جو ہر قسم کی رحمتوں کو شامل ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور رحیم باعتبار مؤمنوں کے ہے۔ فرماتا ہے ﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا﴾ ❶ مؤمنوں کے ساتھ رحیم ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ دونوں نام رحمت ورحم والے ہیں ایک میں دوسرے سے زیادہ رحمت ورحم ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت میں لفظ اَرَقُّ ہے اس کے معنی خطابی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اَرْفَقُ کرتے ہیں جیسے کہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ رفیق یعنی نرمی اور مہربانی والا ہے۔ وہ ہر کام میں نرمی اور آسانی کو پسند کرتا ہے۔ وہ نرمی اور آسانی پر وہ نعمتیں مرحمت فرماتا ہے جو سختی پر عطا نہیں فرماتا۔ ❷ ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں رحمٰن اسے کہتے ہیں کہ جب اس سے جو مانگا جائے عطا فرمائے اور رحیم وہ ہے کہ جب اس سے نہ مانگا جائے وہ غضب ناک ہو۔ ترمذی کی حدیث میں ہے ”جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہ مانگے اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔“ ❸ بعض شاعروں کا قول ہے۔

اَللّٰهُ يَغْضَبُ اِنْ تَرَكْتَ سُؤَالَهٗ   وَبَنِيْ اٰدَمَ حِيْنَ يُسْئَلُ يَغْضَبُ

یعنی اللہ تعالیٰ سے نہ مانگو تو وہ ناراض ہوتا ہے اور بنی آدم سے مانگو تو وہ بگڑتے ہیں۔ عزرمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رحمٰن کے معنی تمام مخلوق پر رحم کرنے والا اور رحیم کے معنی مؤمنوں پر رحم کرنے والا ہے۔ دیکھئے قرآن کریم کی دو آیات ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ ❹ اور ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ ❺ میں ﴿اِسْتَوٰى﴾ کے ساتھ رحمٰن کا لفظ ذکر کیا تاکہ تمام مخلوق کو یہ لفظ اپنے عام رحم وکرم کے معنی سے شامل ہو سکے اور مؤمنوں کے ذکر کے ساتھ لفظ رحیم فرمایا: ﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا﴾۔ پس معلوم ہوا کہ رحمٰن میں مبالغہ بہ نسبت رحیم کے بہت زیادہ ہے لیکن حدیث کی ایک دعا میں ((يَا رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَرَحِيْمَهُمَا)) بھی آیا ہے۔ ❻ رحمٰن یہ نام بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اس کے سوا دوسرے کا نام نہیں جیسے کہ فرمان الٰہی ہے کہ ”اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو جس نام سے چاہو اسے پکارو اس کے بہت اچھے اچھے نام ہیں۔“ ایک اور آیت میں ہے ﴿وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا﴾ ❼ الخ یعنی ”اپنے سے پہلے کے رسولوں کو پوچھ لو کیا ان کے لئے رحمٰن کے سوا کوئی اور معبود تھا جس کی عبادت وہ کرتے ہوں۔“ جب مسیلمہ کذاب نے بڑے بڑے دعوے کرنے شروع کئے اور اپنا نام رحمٰن الیمامہ رکھا تو پروردگار نے اسے بے انتہا رسوا اور برباد کیا اور جھوٹ اور کذب کے ساتھ وہ مشہور ہو گیا۔ آج اسے مسیلمہ کذاب کہا جاتا ہے اور ہر جھوٹے دعویدار کو اس کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ ہر دیہاتی اور ہر شہری، ہر کچے پکے گھر والا اسے بخوبی جانتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ رحیم میں رحمٰن سے زیادہ مبالغہ ہے اس لئے کہ اس لفظ کے ساتھ اگلے لفظ کی تاکید کی گئی ہے اور تاکید بہ نسبت اس کے کہ جس کی تاکید کی جائے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تاکید ہے ہی نہیں بلکہ یہ تو صفت ہے اور صفت میں یہ قاعدہ نہیں پس اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا اس نام میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی صفت سب سے پہلے رحمٰن بیان کی گئی

---

❶ ۳۳/ الاحزاب:۴۳۔ ❷ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل الرفق: ۲۵۹۳۔

❸ ترمذی: کتاب الدعوات باب من لم يسأل الله......:۳۳۷۳؛ ابن ماجة: ۳۸۲۷، تحقیق راجح میں یہ ضعیف روایت ہے کیونکہ اس کی سند میں ابو صالح خوزی لین الحدیث راوی ہے۔ ❹ ۱۳/ الرعد:۲۔ ❺ ۲۰/ طٰہٰ:۵۔ ❻ مستدرك حاكم، ۱/ ۵۱۵ یہ روایت حکم بن عبداللہ الدیلی کی وجہ سے موضوع ہے اور شیخ البانی نے بھی اسے موضوع قرار دیا ہے۔ دیکھئے (ضعيف الترغيب:۱۱۴۳) ❼ ۴۳/ الزخرف:۴۵۔

کہ یہ نام رکھنا بھی دوسروں کو ممنوع ہے جیسے فرمادیا کہ ''اللہ کو یا رحمٰن کو پکارو جس نام سے چاہو پکار و اسکے لیئے اسماء حسنٰی بہت سارے ہیں۔'' مسیلمہ نے تو یہ بدترین جرأت کی لیکن برباد ہوا اور اس کے گمراہ ساتھیوں کے سوا اس کی یہ بات اوروں پر نہ چل سکی۔

رحیم کے وصف کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دوسروں کو بھی موصوف کیا ہے۔ فرماتا ہے ﴿لَقَدْ جَآءَ كُمْ﴾ ❶ الخ اس آیت میں اپنے نبی ﷺ کو رحیم کہا۔ اسی طرح اپنے بعض ناموں سے دوسروں کو بھی اس نے یاد کیا ہے۔ جیسے کہ آیت ﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ﴾ ❷ الخ میں انسان کو سمیع اور بصیر کہا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض نام تو ایسے ہیں کہ دوسروں پر بھی دوسرے معنی میں ان کا اطلاق ہوسکتا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ نہیں ہوسکتا جیسے اللہ اور رحمٰن اور خالق اور رزاق وغیرہ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنا پہلا نام اللہ لیا پھر اس کی صفت رحمٰن سے کی اس لئے کہ رحیم کی نسبت یہ زیادہ خاص ہے اور زیادہ مشہور ہے قاعدہ ہے کہ پہلے سب سے زیادہ بزرگ نام سے نام لیا جاتا اس لئے سب سے پہلے سب سے زیادہ خاص نام کے ساتھ لیا پھر اس سے کم' پھر اس سے کم' اگر کہا جائے کہ جب رحمٰن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ موجود ہے تو پھر اسی پر اکتفا کیوں نہ کیا؟ تو اس کے جواب میں حضرت عطاء خراسانی رحمہ اللہ کا یہ قول پیش کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ کافروں نے رحمٰن نام بھی غیروں کا رکھ لیا تھا اس لیے رحیم کا لفظ بھی لائے تاکہ کسی قسم کا وہم ہی نہ رہے۔ رحمٰن و رحیم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا نام ہے' ابن جریر رحمہ اللہ نے اس قول کو نقل کیا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے کے عرب رحمٰن سے واقف ہی نہ تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی آیت ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ﴾ ❸ الخ نازل فرما کر ان کی تردید کی۔ کفار قریش نے حدیبیہ والے سال بھی جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ ((بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ)) لکھو کہا تھا کہ ہم رحمٰن اور رحیم کو نہیں جانتے۔ بخاری میں یہ روایت موجود ہے۔ ❹ بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم رحمٰن یمامہ کو جانتے ہیں کسی اور رحمٰن کو نہیں جانتے۔ اسی طرح اور جگہ قرآن کریم میں ہے: ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ﴾ ❺ الخ یعنی ''جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کے سامنے سجدہ کرو تو وہ وحشت کرنے لگتے ہیں اور جواب دیتے ہیں کہ رحمٰن کون ہے جسے ہم تیرے قول کی وجہ سے سجدہ کریں'' ان سب کا صحیح مطلب یہ ہے کہ بدکار لوگ صرف عناد اور تکبر' سرکشی اور دشمنی کی بنا پر رحمٰن کا انکار کرتے تھے نہ کہ وہ اس نام سے ناآشنا تھے۔ اس لئے کہ جاہلیت کے زمانہ کے پرانے اشعار میں بھی اللہ تعالیٰ کا نام رحیم موجود ہے جو انہی شاعروں کے شعر ہیں۔ سلامہ کے شعر اور دیگر اشعار ملاحظہ ہوں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے تفسیر ابن جریر میں ہے کہ رحمٰن فعلان کے وزن پر رحمت سے ماخوذ ہے اور کلام عرب میں سے ہے۔ وہ اللہ رفیق اور رقیق جس پر رحم کرنا چاہئے اور جس سے غصے ہو اس سے بہت دور اور اس پر بہت سخت گیر بھی ہے اسی طرح اس کے تمام نام ہیں۔ حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رحمٰن کا نام دوسروں کے لیے منع ہے کیونکہ' خود اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ لوگوں کو اس نام پر کوئی حق نہیں۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا والی حدیث جس میں ہے کہ ہر آیت پر حضور ﷺ ٹھہرا کرتے تھے پہلے گزر چکی ہے ❻ =

---

❶ ۹/ التوبۃ:۱۲۸۔ ❷ ۷۶/ الدھر:۲۔ ❸ ۱۷/ الاسراء:۱۱۰۔

❹ صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجھاد:۲۷۳۱۔۲۷۳۲۔

❺ ۲۵/ الفرقان:۶۰۔ ❻ ابوداود، کتاب الحروف والقراءات، ۴۰۰۱؛ ترمذی:۲۹۲۷۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (الارواء:۳۴۳،) یہ روایت بلحاظ سند ضعیف ہے لیکن مسند احمد، ۶/ ۴۸۹، ح ۲۷۰۰۳ کی صحیح روایت اس سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔[۲]

= اور ایک جماعت اسی طرح بسم اللہ الخ کو آیت قرار دے کر الحمد للہ کو الگ پڑھتی ہے اور بعض ملا کر پڑھتے ہیں۔ میم کو دو ساکن جمع ہو جانے کی وجہ سے زیر دیتے ہیں۔ جمہور کا یہی قول ہے۔ کوفی کہتے ہیں کہ بعض عرب میم پر زبر پڑھتے ہیں ہمزہ کی حرکت زبر میم کو دیتے ہیں جیسے ﴿الٓمّٓO اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ ❶ ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ زبر کی قراءت کسی سے بھی میرے خیال میں مروی نہیں۔ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِO﴾ کی تفسیر ختم ہوئی۔ اب آگے سنیئے۔

الحمد للہ کے معانی: [آیت:۲] ساتوں قاری ﴿اَلْحَمْدُ﴾ کو دال کے پیش سے پڑھتے ہیں اور ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ کو مبتدا اور خبر مانتے ہیں۔ سفیان بن عیینہ اور روبہ بن عجاج کا قول ہے کہ دال کے زبر کے ساتھ ہے اور فعل یہاں مقدر ہے ابن ابی عبلہ ﴿اَلْحَمْدُ﴾ کی دال کو اور ﴿لِلّٰهِ﴾ کے پہلے لام کو دونوں کو پیش کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اس لام کو پہلے کے تابع کرتے ہیں۔ گو اس کی شہادت زبان عرب سے ملتی ہے لیکن شاذ ہے۔ حسن اور زید بن علی ان دونوں حرفوں کو زیر سے پڑھتے ہیں اور لام کے تابع دال کو کرتے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اس کے سوا کوئی اس کے لائق نہیں خواہ وہ مخلوق میں سے کوئی بھی ہو۔ کیونکہ تمام نعمتیں جنہیں ہم گن بھی نہیں سکتے اور سوا اس مالک کے اور کوئی ان کی تعداد کو نہیں جانتا اسی کی طرف سے ہیں۔ اسی نے اپنی اطاعت کرنے کے تمام اسباب ہمیں عطا فرمائے۔ اسی نے اپنے فرائض پورے کرنے کے لئے جسمانی نعمتیں ہمیں عطا فرمائیں۔ پھر دنیاوی بے شمار نعمتیں اور زندگی کی تمام ضروریات ہمارے کسی حق کے بغیر ہمیں اس نے ہبہ کیں۔ اس کی ہمیشگی والی نعمتیں اس کے تیار کردہ پاکیزہ مقام جنت میں ہم کس طرح حاصل کر سکتے ہیں؟ یہ بھی اس نے ہمیں سکھا دیا۔ پس ہم تو کہتے ہیں کہ اول آخر اسی مالک کی پاک ذات ہر طرح کی تعریف اور حمد و شکر کے لائق ہے۔ ❷

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ یہ ثنا کا کلمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ثنا خود آپ کی ہے اور اسی ضمن میں گویا یہ فرما دیا ہے کہ تم کہو ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ بعضوں نے کہا کہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ کہنا یہ اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ ناموں اور اس کی بلند و بالا صفتوں سے اس کی ثنا کرنا ہے اور (اَلشُّكْرُ لِلّٰهِ) کہنا یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے احسان کا شکریہ ادا کرنا ہے ❸ لیکن یہ قول ٹھیک نہیں اس لئے کہ زبان عرب کو جاننے والے علما کا اتفاق ہے کہ شکر کی جگہ حمد کا لفظ اور حمد کی جگہ شکر کا لفظ بولتے ہیں۔ جعفر صادق اور ابن عطاء صوفی رحمۃ اللہ علیہما بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہر شکر کرنے والے کا کلمہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ ہے۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو معتبر کرنے کے لئے یہ دلیل بھی بیان کی ہے کہ اگر کوئی (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ شُكْرًا) کہے تو جائز ہے۔ دراصل علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے اس دعویٰ میں کلام ہے۔ سابقہ علما میں مشہور ہے کہ (حمد) کہتے ہیں زبانی تعریف بیان کرنے کو خواہ جس کی حمد کی جاتی ہو اس کی لازمی صفتوں پر ہو یا متعدی صفتوں پر۔ اور شکر صرف متعدی صفتوں پر ہوتا ہے اور وہ دل زبان اور جملہ ارکان سے ہوتا ہے۔ عرب شاعروں کے اشعار بھی اس پر دلیل ہیں۔

---

❶ ۳/ آل عمران:۱۔۲۔ ❷ الطبری، ۱/ ۱۳۵۔ ❸ الطبری، ۱/ ۱۳۷۔

ہاں اس میں اختلاف ہے کہ حمد کا لفظ عام ہے یا شکر کا۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ ان کے درمیان عموم و خصوص ہے کہ حمد کا لفظ جس پر واقع ہو وہ عام طور پر شکر کے معنی میں آتا ہے۔ اس لئے کہ وہ لازم اور متعدی دونوں اوصاف پر آتا ہے۔ قدوسیت اور کرم دونوں پر حَمِدْتُهٗ کہہ سکتے ہیں لیکن اس حیثیت سے کہ وہ صرف زبان سے ہی ادا ہو سکتا ہے۔ یہ لفظ خاص ہے اور شکر کا لفظ عام ہے کیونکہ وہ قول، فعل، نیت تینوں پر بولا جاتا ہے اور صرف متعدی صفتوں پر بولے جانے کے اعتبار سے شکر کا لفظ خاص ہے۔ قدوسیت پر شَكَرْتُهٗ نہیں کہہ سکتے البتہ شَكَرْتُهٗ عَلٰى كَرَمِهٖ وَاِحْسَانِهٖ اِلَيَّ کہہ سکتے ہیں۔ یہ تھا خلاصہ متاخرین کے قول کا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

ابونصر اسماعیل بن حماد جوہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حمد مقابل ہے ذم کے لہٰذا یوں کہتے ہیں: (حَمِدْتُ الرَّجُلَ اَحْمَدُهٗ حَمْدًا وَّمَحْمَدَةً فَهُوَ حَمِيْدٌ وَّمَحْمُوْدٌ) تحمید میں حمد سے بھی زیادہ مبالغہ ہے۔ حمد شکر سے عام ہے۔ شکر کہتے ہیں کسی محسن کی دی ہوئی نعمتوں پر اس کی ثنا کرنے کو۔ عربی زبان میں (شَكَرْتُهٗ) اور (شَكَرْتُ لَهٗ) دونوں طرح کہتے ہیں لیکن لام کے ساتھ کہنا زیادہ فصیح ہے۔ مدح کا لفظ حمد سے بھی زیادہ عام ہے اس لیے کہ زندہ، مردہ، بلکہ جمادات پر بھی مدح کا لفظ بول سکتے ہیں۔ کھانے کی اور مکان کی اور ایسی ہی اور چیزوں کی مدح کی جاتی ہے احسان سے پہلے احسان کے بعد لازم صفتوں پر متعدی صفتوں پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے تو اس کا عام ہونا ثابت ہوا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

حمد کی تفسیر میں علمائے سلف کے اقوال: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ (سُبْحَانَ اللّٰهِ) اور (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) اور بعض روایات میں ہے کہ (اَللّٰهُ اَكْبَرُ) کو تو ہم جانتے ہیں لیکن یہ (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ) کا کیا مطلب؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس کلمہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے پسند فرما لیا ہے اور بعض روایات میں ہے کہ اس کا کہنا اللہ تعالیٰ کو اچھا لگتا ہے۔ ❶ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ کلمہ شکر کا ہے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میرا شکر کیا۔ پس اس کلمہ میں شکر کے علاوہ اس کی نعمتوں، ہدایتوں اور احسان وغیرہ کا اقرار بھی ہے۔ کعب احبار رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کی ثنا ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی چادر ہے۔ ایک حدیث میں بھی ایسا ہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''جب تم نے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝﴾ کہہ لیا تو تم نے اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کر لیا۔ اب اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے گا۔'' ❷ اسود بن سریع رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ میں نے ذات باری تعالیٰ کی حمد میں چند اشعار کہے ہیں اگر اجازت ہو تو سناؤں۔ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کو اپنی حمد بہت پسند ہے۔'' ❸

ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''افضل ذکر (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) ہے اور افضل دعا (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ) ہے۔'' امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو حسن غریب کہتے ہیں۔ ❹ ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ

❶ ابن أبی حاتم، رقم: ١/ ١٥، اس کی سند میں حجاج بن ارطاۃ مدلس راوی ہے۔ (المیزان ٤/ ٤٢٢ رقم: ٩٦٨٨) یعنی یہ سند ضعیف ہے۔

❷ الطبری، ١/ ٦٠ اس کی سند میں عیسیٰ بن ابراہیم الہاشمی متروک راوی ہے۔ (المیزان ٣/ ٣٠٨، رقم: ٦٥٤٦) یعنی یہ سند سخت ضعیف و مردود ہے۔

❸ السنن الکبری للنسائی: ٧٧٤٥؛ احمد: ٣/ ٤٣٥، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الصحيحه، ٣١٧٩) لیکن یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے۔ صحیح مسلم (٢٧٦٠) میں آیا ہے کہ اللہ سے زیادہ کوئی بھی مدح پسند نہیں کرتا۔ اور یہی روایت کافی ہے۔

❹ ترمذی، باب الدعوات باب ماجاء أن دعوة المسلم مستجابة، رقم ٣٣٨٣؛ ابن ماجه، ٣٨٠٠؛ اليوم والليلة للنسائی، ٨٣١؛ ابن حبان، ٨٤٦، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الصحيحة، رقم: ١٤٩٧) اس روایت کی سند حسن ہے۔

''جس بندے کو اللہ تعالیٰ کوئی نعمت دے اور وہ اس پر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہے تو دی ہوئی نعمت لے لی ہوئی سے افضل ہے۔'' ❶ فرماتے ہیں: ''اگر میری امت میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ دنیا دے دے اور وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہے تو یہ کلمہ ساری دنیا سے افضل ہے۔'' ❷ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ساری دنیا دے دینا اتنی بڑی نعمت نہیں جتنی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہنے کی توفیق دینا ہے اس لئے کہ دنیا تو فانی ہے اور اس کلمہ کا ثواب باقی ہی باقی ہے جیسے کہ قرآن میں ہے ﴿اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ﴾ ❸ الخ یعنی ''مال اور اولاد دنیا کی زینت ہے اور نیک اعمال ہمیشہ باقی رہنے والے ثواب والے اور نیک امید والے ہیں۔'' ابن ماجہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک شخص نے ایک مرتبہ کہا یَارَبِّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِيْ لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَعَظِيْمِ سُلْطَانِكَ فرشتے گھبرا گئے کہ ہم اس کا کتنا اجر لکھیں۔ آخر اللہ تعالیٰ سے انہوں نے عرض کیا کہ تیرے ایک بندے نے ایک ایسا کلمہ کہا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ اسے کس طرح لکھیں؟ پروردگار نے باوجود جاننے کے ان سے پوچھا کہ اس نے کیا کہا ہے؟ انہوں نے بیان کیا کہ اس نے یہ کلمہ کہا ہے۔ فرمایا: ''تم یونہی اسے لکھ لو۔ میں آپ اسے اپنی ملاقات کے وقت اس کا اجر دیدوں گا۔'' ❹

قرطبی رحمہ اللہ علما کی ایک جماعت سے نقل کرتے ہیں کہ (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) سے بھی ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ افضل ہے کیونکہ اس میں توحید اور حمد دونوں ہیں۔ اور علما کا خیال ہے کہ (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) افضل ہے اس لئے کہ ایمان وکفر میں یہی فرق کرتا ہے۔ اسی کے کہلوانے کے لئے کفار سے لڑائیاں کی جاتی ہیں جیسے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے۔ ❺ ایک اور مرفوع حدیث میں ہے کہ ''جو کچھ میں نے اور مجھ سے پہلے کے تمام انبیائے کرام نے کہا ہے ان میں سب سے افضل (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ) ہے۔'' ❻ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ ''افضل ذکر ((لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)) ہے اور افضل دعا ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ)) ہے۔'' ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ ❼

الحمد میں الف لام استغراق کا ہے یعنی حمد کی تمام قسمیں اور جنسیں سب کی سب صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ثابت ہیں جیسے کہ حدیث میں ہے کہ باری تعالیٰ تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں اور تمام ملک ہے تیرے ہی ہاتھ تمام بھلائیاں ہیں اور تمام کام تیری ہی طرف لوٹتے ہیں۔ ❽

---

❶ ابن ماجه، كتاب الأدب، باب فضل الحامدين: ٣٨٠٥، وسنده حسن شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الضعيفة، ٥/ ٢٤) ❷ ابن عساکر، ١٥/ ٢٧٦، یہ روایت موضوع ہے دیکھئے (سلسلة الأحاديث الضعيفة، ٨٧٥، ٨٧٦) وهو كما قال۔

❸ ١٨/ الكهف:٤٦۔ ❹ ابن ماجة، كتاب الأدب، باب فضل الحامدين: ٣٨٠١، وسنده ضعيف صدقہ بن بشیر مجہول الحال راوی ہے شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (ضعيف الترغيب:٩٦١) ❺ صحيح بخاري، كتاب الزكاة، باب وجوب الزكاة، ١٣٩٩؛ صحيح مسلم، ٢٠٤۔ ❻ ترمذی، ابواب الدعوات، باب فی دعاء يوم عرفة: ٣٥٨٥؛ احمد، ٢/ ٢١٠؛ بيهقى، ٥/ ١١٧؛ مؤطا امام مالك، ١/ ٢١٤؛ تخريج فتح المجيد لعبدالرزاق المهدى، ٤٠۔ یہ روایت اپنے تمام شواہد کے ساتھ ضعیف ہی ہے۔

❼ ترمذی، ابواب الدعوات، باب ماجاء أن دعوة المسلم مستجابة: ٣٣٨٣؛ وسنده حسن ابن ماجة، ٣٨٠٠، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الصحيحة، ١٤٩٧)

❽ احمد:٥/ ٣٤٦، وسنده ضعيف اس کی سند میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا راوی مبہم ہے۔ اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (ضعيف الترغيب، ٩٤٣)

رب کے معانی: رب کہتے ہیں مالک اور متصرف کو۔ لغت میں اس کا اطلاق سردار اور اصلاح کے لئے ہیر پھیر کرنے والے پر بھی ہوتا ہے اور ان سب معانی کے اعتبار سے ذات باری تعالیٰ کے لئے یہ پاک نام سجتا بھی ہے۔ رب کا لفظ بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے دوسرے پر نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں اضافت کے ساتھ ہو تو اور بات ہے جیسے (رَبُّ الدَّارِ) یعنی گھر والا وغیرہ۔ بعض کا تو قول ہے کہ اسم اعظم یہی ہے۔

عَالَمِیْنَ کی تشریح: عَالَمِیْنَ جمع ہے عَالَمْ کی۔ اللہ تعالیٰ کے سوا تمام مخلوق کو عالم کہتے ہیں۔ لفظ عالم بھی جمع ہے اور اس کا واحد لفظ ہے ہی نہیں۔ آسمان کی مخلوق خشکی اور تری کی مخلوقات کو بھی عوالم یعنی کئی عالم کہتے ہیں۔ اسی طرح ایک ایک زمانہ اور ایک ایک وقت کو بھی عالم کہا جاتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ اس سے مراد تمام مخلوق ہے خواہ آسمانوں کی ہو یا زمینوں کی یا ان کے درمیان کی، خواہ ہمیں اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح اس سے جنات اور انسان بھی مراد لئے گئے ہیں۔ سعید بن جبیر، مجاہد اور ابن جریج رحمہ اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی غیر معتبر سند سے یہی منقول ہے۔ اس قول کی دلیل قرآن کی آیت ﴿لِيَكُوْنَ لِلْعَالَمِيْنَ نَذِيْرًا۝﴾ ❶ بھی بیان کی جاتی ہے یعنی ''تا کہ وہ اَلْعٰلَمِیْنَ یعنی جن اور انس کے لیے ڈرانے والا ہو جائے۔'' فراء اور ابو عبید کا قول ہے کہ سمجھدار کو عالم کہا جاتا ہے۔ انسان، جنات، فرشتے، شیاطین انہیں عالم کہا جائے گا، جانوروں کو نہیں کہا جائے گا۔ زید بن اسلم اور ابو محیصن رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ہر روح والی چیز کو عالم کہا جاتا ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں ہر قسم کو ایک عالم کہتے ہیں۔ مروان بن حکم عرف جعد جن کا لقب حمار تھا جو بنو امیہ میں سے ہیں اور اپنے زمانہ کے خلیفہ تھے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار عالم پیدا کئے ہیں۔ آسمانوں والے ایک عالم زمینوں والے سب ایک عالم اور باقی کو اللہ ہی جانتا ہے مخلوق کو ان کا علم نہیں۔ ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں تمام انسان ایک عالم ہیں۔ سارے جنات کا ایک عالم ہے اور ان کے سوا اٹھارہ ہزار یا چودہ ہزار عالم اور ہیں۔ فرشتے زمین پر ہیں اور زمین کے چار کونے ہیں۔ ہر کونے میں ساڑھے تین ہزار عالم ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہ قول بالکل غریب ہے اور ایسی باتیں جب تک کسی صحیح دلیل سے ثابت نہ ہوں ماننے کے قابل نہیں ہوتیں۔ حمیری کہتے ہیں کہ ایک ہزار امتیں ہیں۔ چھ سو تری میں اور چار سو خشکی میں۔ سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ایک ضعیف روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ایک سال ٹڈیاں نہ نظر آئیں بلکہ دریافت کرنے پر بھی پتہ نہ چلا۔ آپ غمگین ہو گئے، یمن، شام اور عراق کی طرف سوار دوڑائے کہ کہیں بھی ٹڈیاں نظر آتی ہیں یا نہیں تو یمن والے سوار تھوڑی سی ٹڈیاں لے کر آئے اور امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیں۔ آپ نے انہیں دیکھ کر تکبیر کہی اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: ''اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار امتیں پیدا کی ہیں جن میں سے چھ سو تو تری میں ہیں اور چار سو خشکی میں۔ ان میں سے سب سے پہلے جو امت ہلاک ہو گی وہ ٹڈیاں ہوں گی۔ بس ان کی ہلاکت کے بعد پے در پے اور سب امتیں ہلاک ہو جائیں گی جس طرح کہ تسبیح کا دھاگا ٹوٹ جائے اور ایک کے بعد ایک کر کے سب موتی جھڑ جاتے ہیں۔'' ❷ اس کے راوی محمد بن عیسیٰ ہلالی ضعیف ہیں۔ سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے بھی یہ قول مروی ہے۔==

---

❶ ۲۵/ الفرقان: ۱۔ ❷ مجمع الزوائد للهيثمي، ۷/ ۳۲۲، اس کی سند میں عبید بن واقد القیسی مجروح راوی ہے۔ دیکھئے (المیزان ۳/ ۲۴، رقم: ۵٤٤۸)، محمد بن عیسیٰ بن کیسان الھلالی جسے بخاری اور فلاس نے منکر الحدیث کہا ہے۔ (المیزان ۳/ ٦۷۷ رقم: ۸۰۳۲) یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: بہت بخشش کرنے والا بڑا مہربان۔[۳]

== وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اٹھارہ ہزار عالم ہیں۔ دنیا ساری کی ساری ان میں سے ایک عالم ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں چالیس ہزار عالم ہیں۔ ساری دنیا ان میں سے ایک عالم ہے۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں جو کچھ پیدا کیا ہے وہ سب عالم ہے۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو صحیح کہا ہے اس لئے کہ یہ تمام عالمین کو شامل ہے۔ جیسے فرعون کے اس سوال کے جواب میں کہ رب العالمین کون ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ آسمانوں اور زمینوں اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے ان سب کا یہ رب۔ عالم کا لفظ علامت سے مشتق ہے اس لئے کہ عالم یعنی مخلوق اپنے پیدا کرنے والے اور بنانے والے پر نشان اور اس کی وحدانیت پر علامت ہے۔ جیسے کہ ابن معتز شاعر کا قول ہے۔

فَيَا عَجَبًا كَيْفَ يُعْصَى الْاِلٰهُ   اَمْ كَيْفَ يَجْحَدُهُ الْجَاحِدُ
وَفِيْ كُلِّ شَيْءٍ لَهُ اٰيَةٌ   تَدُلُّ عَلٰى اَنَّهُ وَاحِدُ

یعنی تعجب ہے کس طرح اللہ کی نافرمانی کی جاتی ہے؟ اور کس طرح اس سے انکار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ہر چیز میں نشانی ہے جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے۔ اَلْحَمْدُ الخ کے بعد ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ٥﴾ کی تفسیر پڑھیے۔

الرحمان الرحیم: [آیت:۳] اس کی مکمل تفسیر پہلے گزر چکی ہے اب اعادہ کی ضرورت نہیں۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ﴿رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کے وصف کے بعد ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ کا وصف ترہیب یعنی ڈراوے کے بعد ترغیب یعنی امید ہے جیسے فرمایا: ﴿نَبِّئْ عِبَادِيْٓ﴾ ❶ یعنی ''میرے بندوں کو خبر کردو کہ میں بخشنے والا مہربان بھی ہوں اور میرے عذاب بھی دردناک عذاب ہیں۔'' اور فرمایا: ''تیرا رب جلد سزا کرنے والا اور مہربانی اور بخشش بھی کرنیوالا ہے۔'' ❷ رب کے لفظ میں ڈراوا ہے اور رحمٰن اور رحیم کے لفظ میں امید ہے۔ صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر ایماندار باری تعالیٰ کے غضب وغصہ سے اور اسکے سخت عذابوں سے پورا واقف ہوتا تو اس وقت اسکے دل سے جنت کی طمع ہٹ جاتی اور اگر کافر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اسکی رحمتوں کو پوری طرح جان لیتا تو کبھی ناامید نہ ہوتا۔'' ❸

---

❶ ۱۵/ الحجر:۴۹۔ ❷ قرطبی، رقم:۱/ ۱۳۹۔

❸ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب الرجاء مع الخوف، ٦٤٦٩، وانظر: ٦٠٠٠؛ صحیح مسلم، ٢٧٥٥؛ ترمذی، ٣٥٤٢۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ﴿۴﴾

ترجمہ: بدلے کے دن (یعنی قیامت) کا مالک۔[۴]

حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے:[آیت:۴] بعض قاریوں نے ﴿مَلِكِ﴾ پڑھا ہے۔اور باقی سب نے ﴿مٰلِكِ﴾ اور دونوں قراءتیں صحیح اور متواتر ہیں اور سات قراءتوں میں سے ہیں' اور مالک نے لام کے زیر اور اس کے سکون کے ساتھ اور ﴿مَلِيْكِ﴾ اور ﴿مَلِكِيْ﴾ بھی پڑھا گیا ہے۔ پہلے کی دونوں قراءتیں معانی کی رو سے ترجیح والی اور دونوں صحیح ہیں اور اچھی ہیں۔زمخشری رحمہ اللہ نے ﴿مَلِكِ﴾ کو ترجیح دی ہے اس لئے کہ حرمین والوں کی یہ قراءت ہے اور قرآن میں بھی ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ ❶ اور ﴿قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ﴾ ❷ ہے۔امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بھی روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے ﴿مَلِكَ﴾ پڑھا اس بنا پر کہ فعل اور فاعل اور مفعول آتا ہے۔لیکن یہ شاذ ہے اور بے حد غریب ہے۔ابوبکر بن ابوداؤد نے اس میں ایک غریب روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے تینوں خلفا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم اور ان کے لڑکے مالک پڑھتے تھے۔ابن شہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے مروان نے ﴿مَلِكِ﴾ ❸ پڑھا۔میں کہتا ہوں مروان کو اپنی اس قراءت کی صحت پر اطلاع تھی جو راوی حدیث ابن شہاب کو نہ تھی' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ابن مردویہ نے کئی سندوں سے اسے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ مالک پڑھتے تھے۔مالک کا لفظ ملک سے ماخوذ ہے۔جیسے کہ قرآن میں ہے:﴿اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ﴾ ❹ یعنی" زمین اور اس کے اوپر کی تمام مخلوق کے مالک ہم ہی ہیں اور ہماری ہی طرف سب لوٹائے جائیں گے۔" اور فرمایا: ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝﴾ ❺ یعنی" کہہ کہ میں پناہ پکڑتا ہوں لوگوں کے رب اور لوگوں کے مالک کی۔" اور ملک کا لفظ ملک سے ماخوذ ہے جیسے فرمایا:﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ الخ یعنی" آج ملک کس کا ہے؟ صرف اللہ واحد غلبہ والے کا۔" اور فرمایا﴿قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ﴾ ❻ الخ" اسی کا فرمان حق' اور اسی کا سب ملک ہے۔" اور فرمایا" آج کے دن ملک رحمٰن ہی کا حق ہے اور آج کا دن کافروں پر بہت سخت ہے۔" اس فرمان میں قیامت کے دن کے ساتھ ملکیت کی تخصیص کرنے سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس کے سوا سے انکار ہے۔اس لئے کہ پہلے اپنا وصف ﴿رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ ہونا بیان فرما چکا ہے جو دنیا اور آخرت کو شامل ہے۔قیامت کے دن کے ساتھ اس کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس دن تو کوئی ملکیت کا دعویدار بھی نہ ہوگا بلکہ بغیر اس حقیقی مالک کی اجازت کے کوئی زبان تک نہ ہلا سکے گا جیسا کہ فرمایا" جس دن روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے اور کوئی کلام نہ کر سکے گا یہاں تک کہ رحمٰن اسے اجازت دے اور وہ ٹھیک بات کہے۔" ایک اور جگہ ارشاد ہے" سب آوازیں رحمٰن کے سامنے پست ہوں گی اور سوائے گنگناہٹ کے کچھ نہ سنائی دے گا اور فرمایا جب قیامت آئے گی اس دن رب تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی شخص بول نہ سکے گا۔بعض ان میں سے بدبخت ہوں گے اور بعض سعادت مند۔"

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس دن اس کی بادشاہت میں اس کے سوا کوئی نہ ہوگا جیسے کہ دنیا میں مجازاً تھے۔﴿يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ سے مراد مخلوق کے حساب کا یعنی قیامت کا دن ہے جس دن تمام اچھے برے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا ہاں اگر رب کسی برائی سے درگزر کر لے تو یہ اس کا اختیاری امر ہے۔صحابہ رضی اللہ عنہم' تابعین اور سلف صالحین رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔بعض سے یہ بھی منقول ہے کہا

---

❶ ٤٠/ غافر:١٦۔ ❷ ٦/ الانعام:٧٣۔ ❸ ١٩/ مریم:٤٠۔

❹ یہ امام زہری رحمہ اللہ کی مراسیل سے ہے۔اور ان کی مراسیل ضعیف ہیں جبکہ ﴿مٰلِكِ يوم الدين﴾ پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت ہے دیکھئے سنن ابی داود (١١٧٣) وسنده حسن۔اور اہل مدینہ کی قراءت بھی یہی ہے۔ ❺ ١١٤/ الناس:١٠٢۔ ❻ ٦/ الانعام:٧٣۔

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے قائم کرنے پر قادر ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ نے اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن بظاہر ان دونوں اقوال میں کوئی مخالفت نہیں۔ ہر ایک قول کا قائل دوسرے کے قول کی تصدیق کرتا ہے۔ ہاں پہلا قول مطلب پر زیادہ دلالت کرتا ہے۔ جیسے کہ فرمان ہے: ﴿اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ﴾ ❶ الخ اور دوسرا قول اس آیت کے مشابہ ہے جو فرمایا: ﴿وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ۝﴾ ❷ یعنی ''جس دن کہے گا ہو جا بس اسی وقت ہو جائے گی۔'' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسے فرمایا ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ﴾ ❸ الخ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بدترین نام اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس شخص کا ہے جو شہنشاہ کہلائے' حقیقی مالک اللہ کے سوا کوئی نہیں۔'' ❹ ایک حدیث میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ زمین کو قبضہ میں لے لے گا اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے پھر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں کہاں گئے زمین کے بادشاہ؟ کہاں ہیں تکبر والے؟'' ❺ قرآن عظیم میں ہے: ''آج بادشاہت کس کی ہے؟ فقط اللہ اکیلے غلبہ والے کی۔'' اور کسی کو ملک کا دینا یہ صرف مجازاً ہے قرآن کریم میں طالوت کو ملک کہا گیا اور ﴿وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ﴾ ❻ کا لفظ آیا۔ اور بخاری و مسلم میں ملوک کا لفظ آیا ہے ❼ اور قرآن کی آیت میں ﴿اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا﴾ ❽ یعنی ''تم میں انبیا کئے اور تمہیں بادشاہ بنایا ہے۔''

الدین کی تشریح: دین کے معنی بدلے اور جزا اور حساب کے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ''اس دن اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا بدلہ دے گا اور وہ جان لیں گے۔ اور جگہ ہے ''کیا ہم بدلہ دیئے جائیں گے'' حدیث میں ہے دانا وہ ہے جو اپنے نفس سے خود بدلہ لے اور موت کے بعد کام آنے والے اعمال کرے' ❾ یعنی اپنے نفس سے خود حساب لے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ تم خود اپنی جانوں سے حساب لو اس سے پہلے کہ تمہارا حساب لیا جائے اور اپنے اعمال کا خود وزن کر لو اس سے پہلے کہ وہ ترازو میں رکھے جائیں اور اس بڑی پیشی کے لئے تیار رہو جب تم اس اللہ کے سامنے پیش کئے جاؤ گے جس پر تمہارا کوئی عمل پوشیدہ نہیں۔ جیسے خود رب عالم نے فرمادیا ''جس دن تم پیش کئے جاؤ گے کوئی بات چھپی نہیں رہے گی۔'' ❿

---

❶ ٢٢/ الحج:٥٦۔ ❷ ٦/ الانعام:٧٣۔ ❸ ٥٩/ الحشر:٢٣۔

❹ صحیح مسلم، کتاب الأدب، باب تحریم التسمی بملك الاملاك، ٢١٤٣؛ ابوداود، ٤٩٦١؛ ترمذی، ٨٣٧۔

❺ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورة الزمر، ٤٨١٢؛ صحیح مسلم، ٢٧٨٧، ٢٧٨٨؛ ابن ماجة، ١٩٢۔

❻ ١٨/ الکهف:٧٩۔ ❼ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب فضل مایصرع فی سبیل الله فمات فهومنهم، رقم ٢٧٩٩؛ صحیح مسلم، ١٩١٢۔ ❽ ٥/ المآئدة:٢٠۔ ❾ ترمذی، ابواب صفة القیامة باب حدیث الکیس من دان نفسه، ٢٤٥٩؛ وسنده ضعیف؛ ابن ماجة، ٤٢٦٠، اس کی سند میں ابوبکر بن أبی مریم ضعیف راوی ہے (المیزان، ٤/ ٤٩٨، رقم: ١٠٠٦) اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الضعیفة، ٥٣١٩)

❿ حلیة الاولیاء، ١/ ٥٢، شیخ البانی رحمہ اللہ نے السلسلة الضعیفة، ١٢٠١ میں اس کی سند کو ثابت بن حجاج کے عمر رضی اللہ عنہ سے سماع کی شرط کے ساتھ جید قرار دیا ہے۔ یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝

ترجمہ: صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔[۵]

عبادت کا لغوی اور شرعی معنی: [آیت:۵] ساتوں قرا اور جمہور نے اسے ﴿اِيَّاكَ﴾ پڑھا ہے۔ عمرو بن فائد نے ﴿اِيَاكَ﴾ پڑھا ہے۔ لیکن یہ قراءت شاذ اور مردود ہے اس لئے کہ اِیَا کے معنی سورج کی روشنی کے ہیں۔ اور بعض نے ﴿اَيَّاكَ﴾ پڑھا ہے اور بعضوں نے ﴿هَيَّاكَ﴾ پڑھا ہے۔ عرب شاعروں کے شعر میں بھی هَيَّاكَ ہے ﴿نَسْتَعِيْنُ ۝﴾ کی یہی قراءت تمام قرا کی ہے سوائے یحیٰی بن وہاب اور اعمش رحمہم اللہ کے۔ یہ دونوں پہلے نون کو زیر سے پڑھتے ہیں۔ قبیلہ بنو اسد ربیعہ' بنو تمیم کی لغت اسی طرح پر ہے۔ لغت میں عبادت کہتے ہیں ذلت اور پستی کو۔ طَرِيْقٌ مُعَبَّدٌ اس راستے کو کہتے ہیں جو ذلیل ہو۔ اسی طرح بَعِيْرٌ مُعَبَّدٌ اس اونٹ کو کہتے ہیں جو ذلیل ہو۔ اور شریعت میں عبادت نام ہے محبت' خشوع' خضوع اور خوف کے مجموعے کا۔ لفظ ﴿اِيَّاكَ﴾ کو جو مفعول ہے پہلے لائے اور پھر اسی کو دہرایا تا کہ اس کی اہمیت ہو جائے اور عبادت اور طلب مدد اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہو جائے۔ تو اس جملہ کے معنی یہ ہوئے کہ ہم تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے اور تیرے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرتے۔ کامل اطاعت اور پورے دین کا حاصل صرف یہی دو چیزیں ہیں۔

بعض سلف کا فرمان ہے کہ سارے قرآن کا راز سورۂ فاتحہ میں ہے اور پوری سورت کا راز اس آیت ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝﴾ میں ہے۔ آیت کے پہلے حصہ میں شرک سے بیزاری کا اعلان ہے اور دوسرے جملہ میں اپنی طاقتوں اور قوتوں کا انکار ہے اور اللہ عزوجل کی طرف اپنے تمام کاموں کو سپرد کرنا ہے۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات قرآن کریم میں موجود ہیں۔ جیسے فرمایا: ﴿فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ﴾ ❶ الخ "یعنی اللہ ہی کی عبادت کر اور اسی پر بھروسہ کر۔ تیرا رب تمہارے اعمال سے غافل نہیں۔" فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ﴾ ❷ الخ "کہہ دے کہ وہی رحمن ہے' ہم اس پر ایمان لے آئے اور اس پر ہم نے توکل کیا" اور فرمایا: ﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝﴾ ❸ یعنی "مشرق مغرب کا رب وہی ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' تو اسی کو اپنا کارساز سمجھ۔" یہی مضمون اس آیہ کریمہ میں ہے اس سے پہلے کی آیات میں تو خطاب نہ تھا لیکن اس آیت میں اللہ تعالیٰ سے خطاب کیا گیا جو نہایت لطافت اور مناسبت رکھتا ہے۔ اس لئے کہ جب بندے نے اللہ تعالیٰ کی صفت وثنا بیان کی تو گویا قرب الٰہی میں حاضر ہو گیا اور اللہ جل جلالہ کے حضور میں پہنچ گیا اب اس مالک کو خطاب کر کے اپنی ذلت اور مسکینی کا اظہار کرنے لگا اور کہنے لگا کہ یارب ہم تو تیرے ذلیل غلام ہیں اور اپنے تمام کاموں میں تیرے ہی محتاج ہیں۔ اس آیت میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اس سے پہلے کے تمام جملوں میں خبر تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی بہترین صفات پر اپنی ثنا آپ کی تھی اور بندوں کو اپنی ثنا انہی الفاظ کے ساتھ بیان کرنے کا ارشاد فرمایا تھا۔ اسی لئے اس شخص کی نماز صحیح نہیں جو اس سورت کو پڑھنا جانتا ہو اور پھر نہ پڑھے جیسے کہ بخاری ومسلم کی حدیث میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: "نہیں نماز اس شخص کی جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے۔" ❹ صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی

❶ ۱۱/ هود:۱۲۳۔ ❷ ٦٧/ الملك:۲۹۔ ❸ ۷۳/ المزمل:۹۔

❹ صحيح بخاری، كتاب الأذان، باب وجوب القراءة الامام والمأموم، ۷۵٦؛ صحيح مسلم: ۳۹٤۔

ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھا آدھا بانٹ لیا ہے۔ اس کا آدھا حصہ میرا ہے اور آدھا حصہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کے لئے وہ ہے جو وہ طلب کرے۔ جب بندہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میرے بندے نے میری حمد بیان کی۔''

''جب کہتا ہے ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری ثنا کی۔ جب وہ کہتا ہے: ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ جب وہ ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کے لئے وہ ہے جو مانگے پھر وہ آخر سورت تک پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرا بندہ جو مجھ سے مانگے اس کے لئے ہے۔'' [1]

عبادت اور مدد مانگنے کے لائق کون: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم خاص تیری ہی توحید مانتے ہیں اور تجھ ہی سے ڈرتے ہیں اور تیری ہی ذات سے امید رکھتے ہیں تیرے سوا کسی اور کی نہ تو ہم عبادت کریں نہ ڈریں نہ امید رکھیں' اور ﴿اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ سے یہ مراد ہے کہ ہم تیری تمام اطاعت پر اور اپنے تمام کاموں میں تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم ہے کہ تم سب اسی کی خالص عبادت کرو اور اپنے تمام کاموں میں اسی سے مدد مانگو ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ کو پہلے لانا اس لئے ہے کہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی ہے اور مدد طلب کرنا یہ عبادت کا وسیلہ اور اہتمام اور اس پر پختگی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ زیادہ اہمیت والی چیز کو پہلے لایا جاتا ہے اور اس سے کم اہمیت والی کو اس کے بعد لایا جاتا ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہاں جمع کے صیغہ کو لانے کی یعنی ہم کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر یہ جمع کے لئے ہے تو کہنے والا تو ایک ہے اور اگر تعظیم کے لئے ہے تو اس مقام پر یہ نہایت نامناسب ہے کیونکہ یہاں تو مسکینی اور عاجزی ظاہر کرنا مقصود ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ گویا ایک بندہ تمام بندوں کی طرف سے خبر دے رہا ہے بالخصوص جبکہ وہ عبادت میں کھڑا ہو یا امام بنا ہوا ہو پس گویا وہ اپنی اور اپنے سب مؤمن بھائیوں کی طرف سے اقرار کر رہا ہے کہ وہ سب اس کے بندے ہیں اور اسی کی عبادت کے لئے پیدا کیے گئے ہیں اور یہ ان کی طرف سے بھلائی کے لئے آگے بڑھا ہوا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ تعظیم کے لئے ہے گویا کہ بندہ جب عبادت میں داخل ہوتا ہے تو اسی کو کہا جاتا ہے کہ تو شریف ہے اور تیری عزت ہمارے دربار میں بہت زیادہ ہے تو اب ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ کہہ اپنے تئیں عزت سے یاد کر۔ ہاں اگر عبادت سے الگ ہو تو اس وقت ہم نہ کہہ گو ہزاروں لاکھوں میں ہو کیونکہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے محتاج اور اس کے دربار کے فقیر ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ میں جو تواضع اور عاجزی ہے وہ اِيَّاكَ عَبَدْنَا میں نہیں اس لئے کہ اس میں اپنے نفس کی بڑائی اور اپنی عبادت کی اہلیت پائی جاتی ہے۔ حالانکہ کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی پوری عبادت اور جیسی چاہیے ویسی ثنا وصفت بیان کرنے پر قدرت ہی نہیں رکھتا۔ کسی شاعر کا قول ہے کہ مجھے اس کا غلام کہہ کر ہی پکارو کیونکہ میرا سب سے اچھا نام یہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کا نام عبد یعنی غلام ان جگہوں پر لیا ہے جہاں اپنی بڑی بڑی نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔ جیسے قرآن نازل کرنا' نماز میں کھڑے ہونا' معراج کرانا وغیرہ۔ فرمان ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ﴾ [2] الخ۔ فرمایا=

[1] صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب وجوب قراءۃ فاتحۃ فی کل رکعۃ، ۳۹۵۔ [2] ۱۸/ الکہف:۱۔

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ﴿٦﴾

ترجمہ: ہمیں سیدھی (اور سچی) راہ دکھا۔[٦]

= ﴿وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُاللّٰهِ﴾ ❶ الخ ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ﴾ ❷ الخ ساتھ ہی قرآن کریم نے یہ تعلیم دی کہ ''اے نبی! جس وقت تمہارا دل مخالفین کے جھٹلانے کی وجہ سے تنگ ہو تو تم میری عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔'' فرمان ہے: ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ﴾ ❸ الخ یعنی ہم جانتے ہیں کہ مخالفین کی باتیں تیرا دل دکھاتی ہیں تو ایسے وقت اپنے رب کی تسبیح اور حمد بیان کر اور سجدہ کر اور موت کے وقت تک اپنے رب کی عبادت میں لگا رہ۔ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں بعض لوگوں سے نقل کیا ہے کہ عبودیت کا مقام رسالت کے مقام سے افضل ہے کیونکہ عبادت کا تعلق مخلوق سے خالق کی طرف ہوتا ہے اور رسالت کا تعلق حق سے خلق کی طرف ہوتا ہے اور اس دلیل سے بھی کہ عبد کے تمام اصلاح کے کاموں کا متولی خود اللہ تبارک وتعالیٰ ہوتا ہے اور رسول اپنی امت کی مصلحتوں کا والی ہوتا ہے۔ لیکن یہ قول غلط ہے اور اس کی دونوں دلیلیں بھی بوگس اور لاحاصل ہیں۔ افسوس رازی رحمۃ اللہ علیہ نے نہ تو اس کو ضعیف کہا نہ اسے رد کیا۔ بعض صوفیا کا قول ہے کہ عبادت یا تو ثواب حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہے یا عذاب دفع کرنے کے لئے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی فائدے کی بات نہیں' اس لئے کہ اس وقت مقصود خود اپنی مراد کا حاصل کرنا ٹھہرا۔ اس کی تکالیف کے لئے آمادگی کرنا یہ بھی ضعیف ہے۔ اعلیٰ مرتبہ عبادت کا یہ ہے کہ انسان اس مقدس ذات کی جو تمام کامل صفات سے موصوف ہے محض اس کی ذات کے لئے ہی عبادت کرے اور مقصود کچھ نہ ہو۔ اسی لئے نماز صرف اللہ تعالیٰ کے لئے نماز پڑھنے کی ہوتی ہے' اگر وہ ثواب پانے اور عذاب سے بچنے کے لئے ہو تو باطل ہے۔ دوسرا گروہ ان کی تردید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ عبادت کا اللہ تعالیٰ کے لئے ہونا کچھ اس کے خلاف نہیں کہ ثواب کی طلب اور عذاب کا بچاؤ مطلوب نہ ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک اعرابی نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ حضور! میں نہ تو آپ جیسا پڑھنا جانتا ہوں نہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جیسا۔ میں تو اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور جہنم سے نجات چاہتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اسی کے قریب قریب ہم بھی پڑھتے ہیں۔'' ❹

اللہ سے مانگنے کا طریقہ: [آیت:٦] جمہور نے ﴿صِرَاطَ﴾ پڑھا ہے۔ بعضوں نے (سِرَاطَ) کہا ہے اور زے کی بھی ایک قراءت ہے۔ فراء کہتے ہیں بنی عذرہ اور بنی کلب کی قراءت یہی ہے۔ چونکہ پہلے ثنا وصفت بیان کی تو اب مناسب تھا کہ اپنی حاجت طلب کرے جیسے کہ پہلے حدیث میں گزر چکا ہے کہ اس کا آدھا حصہ میرے لئے ہے اور آدھا میرے بندہ کے لئے اور میرے بندہ کے لئے وہ ہے جو وہ طلب کرے۔ خیال کیجئے کہ اس میں کس قدر لطافت اور عمدگی ہے کہ پہلے پروردگار عالم کی تعریف وتوصیف کی پھر اپنی اور اپنے بھائیوں کی حاجت طلب کی۔ یہ وہ لطیف پیرایہ ہے جو مقصود کو حاصل کرنے اور مراد کو پالینے کے لئے تیر بہدف ہے۔ اس کامل طریقہ کو پسند فرما کر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی ہدایت کی۔

کبھی سوال اس طرح ہوتا ہے کہ سائل اپنی حالت اور حاجت کو ظاہر کر دیتا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا: ﴿رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ

❶ ٧٢/ الجن:١٩۔ ❷ ١٧/ الاسرآء:١۔ ❸ ١٥/ الحجر:٩٧۔

❹ ابوداود، کتاب الصلاة، باب تخفیف الصلاة، ٧٩٢؛ ابن ماجة، ٩١٠۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (صحیح الجامع، ٣١٦٣) لیکن یہ روایت اعمش کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ○﴾ ❶ پروردگار جو بھلائیاں تو نے میری طرف نازل فرمائی ہیں میں ان کا محتاج ہوں۔ حضرت یونس علیہ السلام نے بھی اپنی دعا میں کہا ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ○﴾ ❷ ''اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے میں ظالموں میں سے ہوں۔'' کبھی سوال اس طرح بھی ہوتا ہے کہ سائل صرف تعریف اور بزرگی بیان کر کے چپ ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ شاعر کا قول ہے کہ مجھے اپنی حاجت کے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تیری مہربانیوں بھری بخشش مجھے کافی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ داد و دہش تیری پاک عادتوں میں داخل ہے۔ صرف تیری پاکیزگی بیان کر دینا تیری حمد وثنا کرنا ہی مجھے اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے کافی ہے۔ ہدایت کے معنی یہاں پر ارشاد اور توفیق کے ہیں۔

کبھی تو ہدایت بنفسہٖ متعدی ہوتی ہے جیسے یہاں ہے تو معنی اَلْهِمْنَا وَفِّقْنَا اُرْزُقْنَا اور اَعْطِنَا یعنی ہمیں عطا فرما کے ہوں گے۔ دوسری جگہ ہے: ﴿وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ○﴾ ❸ یعنی ہم نے اسے دونوں راستے دکھا دیئے بھلائی اور برائی دونوں کے۔ اور کبھی ہدایت اِلٰی کے ساتھ متعدی ہوتی ہے جیسے فرمایا: ﴿اِجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ○﴾ ❹ اور فرمایا: ﴿فَاهْدُوْهُمْ اِلٰی صِرَاطِ الْجَحِیْمِ﴾ ❺ یہاں ہدایت ارشاد اور دلالت کے معنی میں ہے۔ اسی طرح فرمان ہے: ﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْٓ﴾ ❻ الخ یعنی تو البتہ سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ اور کبھی ہدایت لام کے ساتھ متعدی ہوتی ہے جیسے جنتیوں کا قول قرآن کریم میں ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا﴾ ❼ یعنی ''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس کی راہ دکھائی'' یعنی توفیق دی اور ہدایت والا بنایا۔

صراط مستقیم سے کیا مراد ہے: امام ابوجعفر ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں مراد اس سے واضح اور صاف راستہ ہے جو کہیں سے ٹیڑھا نہ ہو۔ عرب کی لغت میں اور شاعروں کے شعر میں یہ معنی صاف طور پر پائے جاتے ہیں اور اس پر بے شمار شواہد موجود ہیں۔ صراط کا استعمال بطور استعارہ کے قول اور فعل پر بھی آتا ہے اور پھر اس کا وصف استقامت اور ٹیڑھ پن کے ساتھ آتا ہے۔ سلف اور خلف مفسرین سے اس کی بہت سی تفسیریں منقول ہیں اور ان سب کا خلاصہ ایک ہے اور وہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور تابعداری ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ''صراط مستقیم کتاب اللہ ہے۔'' ابن ابی حاتم اور ابن جریر رحمہما اللہ نے بھی یہی روایت کی ہے۔ فضائل قرآن کے بارے میں پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی، حکمتوں والا ذکر اور سیدھی راہ یعنی صراط مستقیم یہی اللہ کی کتاب قرآن کریم ہے۔'' ❽ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول بھی یہی ہے اور مرفوع حدیث کا بھی موقوف ہونا ہی زیادہ مشابہ ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ﴾ کہیے یعنی ہمیں ہدایت والے راستہ کا الہام کر اور اس دین الٰہی کی سمجھ دے جس میں کوئی کجی نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ سے یہ قول بھی مروی ہے کہ اس سے مراد اسلام ہے۔ ابن عباس، ابن مسعود اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صراط مستقیم سے مراد اسلام ہے جو ہر اس چیز سے جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے زیادہ وسعت والا ہے۔ ابن حنفیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ دین ہے جس کے سوا کوئی اور دین مقبول نہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ صراط مستقیم اسلام ہے۔

---

❶ ۲۸/ القصص:۲۴۔ ❷ ۲۱/ الانبیآء:۸۷۔ ❸ ۹۰/ البلد:۱۰۔ ❹ ۱۶/ النحل:۱۲۱۔

❺ ۳۷/ الصافات:۲۳۔ ❻ ۴۲/ الشوریٰ:۵۲۔ ❼ ۷/ الاعراف:۴۳۔

❽ احمد:۱/ ۹۱، ۲/ ۱۱۱؛ ترمذی، ابواب الفضائل باب ماجاء فی فضل القرآن، ۲۹۰۶ مرفوعًا؛ وسندہ ضعیف اس کی سند میں حارث اعور سخت ضعیف راوی ہے شعبی نے اس کی تکذیب کی ہے اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (ضعیف ترمذی، ۵۵۴)

مسند احمد کی ایک حدیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان کی صراط مستقیم کی کہ اس کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں ان میں کئی ایک کھلے ہوئے دروازے ہیں اور دروازوں پر پردے لٹک رہے ہیں۔ صراط مستقیم کے دروازے پر ایک پکارنے والا مقرر ہے جو کہتا ہے کہ اے لوگو! تم سب کے سب اسی سیدھی راہ پر چلے جاؤ' ٹیڑھی ترچھی ادھر ادھر کی راہوں پر نہ جاؤ' ایک پکارنے والا اس راستے کے اوپر ہے۔ جب کوئی شخص ان دروازوں میں سے کسی کو کھولنا چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ خبردار اسے نہ کھولنا۔ اگر کھولا تو اس راہ لگ جائے گا اور صراط مستقیم سے ہٹ جائے گا۔ پس صراط مستقیم تو اسلام ہے اور دیواریں اللہ کی حدیں ہیں اور کھلے ہوئے دروازے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں ہیں اور دروازے پر پکارنے والا قرآن کریم ہے اور راستے کے اوپر سے پکارنے والا وہ کھٹکا ہے جو ہر ایماندار کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور واعظ کے ہوتا ہے' ❶ یہ حدیث ابن ابی حاتم' ابن جریر' ترمذی اور نسائی میں بھی ہے اور اسکی اسناد حسن صحیح ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد حق ہے۔ ان کا یہ قول سب سے زیادہ مقبول ہے اور ان سب اقوال میں کوئی مخالفت نہیں۔

ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد نبی ﷺ اور آپ کے بعد آپ کے دونوں خلفا ہیں۔ ابو العالیہ رحمہ اللہ اس قول کی تصدیق اور تحسین کرتے ہیں۔ دراصل یہ سب اقوال صحیح ہیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ اور آپ کے دونوں خلفا صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کا تابعدار حق کا تابع ہے اور حق کا تابع اور اسلام کا تابع قرآن کا مطیع ہے اور قرآن اللہ کی کتاب اس کی طرف کی مضبوط رسی اور اس کی سیدھی راہ ہے۔ پھر صراط مستقیم کی تفسیر میں یہ تمام اقوال صحیح ہیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں صراط مستقیم وہ ہے جس پر ہمیں رسول اللہ ﷺ نے چھوڑا۔ امام ابو جعفر ابن جریر رحمہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ میرے نزدیک اس آیت کی سب سے بہترین تفسیر یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم توفیق دیئے جائیں اس چیز کی جو باری تعالیٰ کی مرضی کی چیز ہو اور جس پر چلنے کی وجہ سے رب تعالیٰ اپنے بندوں سے راضی ہوا ہو اور ان پر انعام کیا ہو صراط مستقیم یہی ہے اس لئے کہ جو شخص اس چیز کی توفیق دیا گیا جس کی توفیق اللہ کے نیک بندوں کو تھی جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا تھا اور جو نبی' اور صدیق' اور شہید اور صالح لوگ تھے وہ اسلام کی اور رسولوں کی تصدیق کی اور کتاب اللہ کو مضبوط تھام رکھنے کی اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لانے کی اور اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک جانے کی اور نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے چاروں خلیفوں اور تمام نیک بندوں کی راہ کی توفیق دیا گیا تو یہی صراط مستقیم ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ مؤمن کو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت حاصل ہو چکی ہے پھر نماز اور غیر نماز میں حاجت مانگنے کی کیا ضرورت؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مراد اس سے ہدایت پر ثابت قدمی' رسوخ' بینائی اور ہمیشہ کے لئے طلب ہے۔ اس لئے کہ بندہ ہر ساعت اور ہر حالت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا محتاج ہے وہ خود اپنی جان کے نفع نقصان کا مالک نہیں' بلکہ دن رات' اپنے اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج ہے اس لئے اللہ نے اسے سکھایا کہ ہر وقت وہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کرتا رہے اور ثابت قدمی اور توفیق چاہتا رہے۔ اچھا اور نیک بخت انسان وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے در کا بھکاری بنا لے۔ وہ اللہ تعالیٰ ہر پکارنے والے کی پکار کے قبول کرنے کا کفیل ہے بالخصوص بے قرار محتاج اور اس کی طرف اپنی حاجت دن رات پیش کرنے والے کی ہر پکار کو قبول کرنے کا وہ ضامن ہے' اور جگہ قرآن کریم میں ہے ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ﴾ ❷ الخ ”اے ایمان والو! اللہ پر اس کے رسولوں پر' اس کی اس کتاب =

❶ احمد، ٤/ ١٨٢؛ ترمذی، ابواب الامثال، باب ما جاء فی مثل اللہ عزوجل لعبادہ، رقم٢٨٥٩ وھو صحیح؛ السنن الکبریٰ للنسائی ١١٢٣٣۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (”ظلال الجنۃ“رقم:١٨) ❷ ٤/ النسآء:١٣٦۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۬ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۧ ع

ترجمہ: راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے انعام کیا۔ نہ ان کی جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کی۔ [۷]

= پر' جو اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نازل فرمائی اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل ہوئیں' سب پر ایمان لاؤ۔
اس آیت میں ایمان والوں کو ایمان لانے کا حکم دینا ایسا ہی ہے جیسے یہاں ہدایت والوں کو ہدایت کی طلب کا حکم دینا۔ مراد دونوں جگہ ثابت قدمی اور استمرار ہے اور ایسے اعمال پر ہمیشگی کرنا جو اس مقصد کے حاصل کرنے میں مدد پہنچائیں۔ اس پر یہ اعتراض وارد ہو بھی نہیں سکتا کہ یہ حاصل شدہ چیز کا حاصل کرنا ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ اور دیکھئے اللہ رب العزت نے اپنے ایماندار بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ کہیں ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۝﴾ ❶ یعنی "اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ہدایت کے بعد ٹیڑھا نہ کر اور ہمیں اپنے پاس کی رحمت عطا فرما تو بہت بڑا دینے والا اور عطا فرمانے والا ہے۔" یہ بھی روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مغرب کی تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد اس آیت کو پوشیدگی سے پڑھا کرتے تھے۔ پس ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۝﴾ کے معنی یہ ہوئے کہ یا اللہ ہمیں صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھ اور اس سے ہمیں نہ ہٹا۔

انعام یافتہ سے کون مراد ہے: [آیت:۷] اُس کا بیان پہلے گزر چکا ہے کہ بندے کے اس قول پر اللہ کریم فرماتے ہے یہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کے لئے ہے جو کچھ وہ مانگے۔ یہ آیت تفسیر ہے صراط مستقیم کی۔ اور نحویوں کے نزدیک یہ اس سے بدل ہے اور عطف بیان بھی ہو سکتی ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ اور جن پر باری تعالیٰ کا انعام ہوا' ان کا بیان سورۂ نساء میں ہے۔ فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ ❷ الخ یعنی "رب تعالیٰ اور رسول کے ماننے والے ان کے ساتھ ہوں گے جن پر رب تعالیٰ کا انعام ہے جو نبی اور صدیق اور شہید اور صالح لوگ ہیں۔ یہ بہترین ساتھی اور اچھے رفیق ہیں۔ یہ فضل الٰہی ہے اور اللہ کا جاننے والا ہونا کافی ہے۔" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یا اللہ! تو مجھے ان فرشتوں' نبیوں' صدیقوں' شہیدوں اور صالحین کی راہ پر چلا جن پر تو نے اپنی اطاعت و عبادت کی وجہ سے انعام نازل فرمایا۔ یہ آیت ٹھیک ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ﴾ الخ کی طرح ہے۔ ربیع بن انس رحمہ اللہ کہتے ہیں اس سے مراد انبیا ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول زیادہ قوی اور معقول ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔
جمہور کی قراءت میں ﴿غَيْرِ﴾ "ر" کی زیر کے ساتھ ہے اور صفت ہے۔ زمخشری رحمہ اللہ کہتے ہیں "ر" کی زبر کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور حال ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی قراءت یہی ہے۔ اور ابن کثیر رحمہ اللہ سے بھی یہی روایت کی گئی ہے ﴿عَلَيْهِمْ﴾ میں جو ضمیر ہے وہ اس کا ذوالحال ہے اور ﴿اَنْعَمْتَ﴾ عامل ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ یا رب! تو ہمیں سیدھا راستہ دکھا ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا جو ہدایت اور استقامت والے تھے اور اللہ کے رسول کے اطاعت گزار' اس کے حکموں پر عمل کرنے والے' اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک جانے والے تھے۔

مغضوب علیہم سے کون لوگ مراد ہیں: ان کی راہ سے بچا جن پر غضب و غصہ کیا گیا۔ جن کے ارادے فاسد ہو گئے۔ حق کو

❶ ۳/ آل عمران:۸۔ ❷ ٤/ النسآء:٦٩۔

جان کر پھر اس سے ہٹ گئے اور گم گشتہ راہ لوگوں کے طریقے سے بھی ہمیں بچالے جو سرے سے علم ہی نہیں رکھتے۔ مارے مارے پھرتے ہیں۔ راہ سے بھٹکتے ہوئے حیران و سرگرداں ہیں اور راہ حق کی طرف رہنمائی نہیں کیے جاتے۔ ﴿لا﴾ کو دوبارہ لا کر کلام کی تاکید کرنا اس لئے ہے کہ معلوم ہو جائے کہ یہاں دو غلط راستے ہیں' ایک یہود کا دوسرا انصاری کا۔ بعض نحوی کہتے ہیں کہ غَیْرِ کا لفظ یہاں پر استثنا کے لئے ہے تو استثنا منقطع ہو سکتا ہے کیونکہ جن پر انعام کیا گیا ہے ان میں سے استثنا ہوتا ہے اور یہ لوگ انعام والوں میں داخل ہی نہ تھے لیکن ہم نے جو تفسیر کی ہے یہ بہت اچھی ہے۔ عرب شاعروں کے شعر میں ایسا پایا جاتا ہے کہ وہ موصوف کو حذف کر دیتے ہیں اور صرف صفت بیان کر دیا کرتے ہیں۔ اسی طرح اس آیت میں بھی صفت کا بیان ہے اور موصوف محذوف ہے۔ ﴿غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ﴾ سے مراد غَیْرِ الصِّرَاطِ الْمَغْضُوْبِ ہے۔ مضاف الیہ کے ذکر سے کفایت کی گئی ہے اور مضاف بیان نہ کیا گیا اس لئے کہ نشست الفاظ ہی اس پر دلالت کر رہی ہے۔ پہلے دو مرتبہ یہ لفظ آ چکا ہے۔ بعض کہتے ہیں ﴿وَلَا الضَّآلِّیْنَ٥﴾ میں لَا زائد ہے اور ان کے نزدیک تقدیر کلام اس طرح ہے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَالضَّآلِّیْنَ اور اسکی شہادت عرب شاعروں کے شعر سے بھی ملتی ہے لیکن صحیح بات وہی ہے جو ہم پہلے لکھ چکے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَغَیْرِ الضَّآلِّیْنَ پڑھنا صحیح سند سے مروی ہے۔ اور اسی طرح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے اور یہ محمول ہے اس پر کہ ان بزرگوں سے یہ بطور تفسیر صادر ہوا تو ہمارے قول کی تائید ہوئی کہ لانفی کی تاکید کے لئے ہی لایا گیا ہے تاکہ یہ وہم ہی نہ ہو کہ ﴿اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ﴾ پر عطف ہے اور اس لئے بھی کہ دونوں راہوں کا فرق معلوم ہو جائے تاکہ ہر شخص ان دونوں سے بچتا رہے۔ اہل ایمان کا تو طریقہ یہ ہے کہ حق کا علم بھی ہو اور حق پر عمل بھی ہو۔ یہودیوں کے ہاں علم نہیں اور نصاریٰ کے ہاں عمل نہیں۔ اسی لئے کہ باوجود عمل کے علم کو چھوڑنا سبب ہے غضب کا۔ گو ایک چیز کا قصد تو کرتے ہیں لیکن اس کے صحیح راستہ کو نہیں پا سکتے اس لئے کہ ان کا طریقہ کار غلط ہے وہ اتباع حق سے ہٹے ہوئے ہیں۔ یوں تو غضب اور گمراہی ان دونوں جماعتوں کے حصہ میں ہے لیکن یہودی غضب کے حصہ میں پیش پیش ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ﴿مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَیْهِ﴾ ❶ اور نصرانی ضلالت میں بڑھے ہوئے ہیں فرمان الٰہی ہے: ﴿قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ٥﴾ ❷ یعنی ''یہ پہلے ہی سے گمراہ ہیں اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کر بھی چکے ہیں اور سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔'' اس کی تائید میں بہت سی احادیث اور روایات پیش کی جا سکتی ہیں۔

مسند احمد میں ہے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر نے میری پھوپھی اور چند لوگوں کو گرفتار کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو میری پھوپھی نے کہا کہ میری خبر گیری کرنے والا دور ہے اور میں عمر رسیدہ بڑھیا ہوں جو کسی خدمت کے لائق نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر احسان کیجئے اور مجھے رہائی دیجئے' اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی احسان کرے گا۔ آپ نے دریافت کیا کہ تیری خبر لینے والا کون ہے؟ اس نے کہا عدی بن حاتم۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہی جو اللہ اور رسول سے بھاگتا پھرتا ہے؟'' پھر آپ نے اسے آزاد کر دیا۔ جب لوٹ کر آپ آئے تو آپ کے ساتھ ایک شخص تھے اور غالباً وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے فرمایا لو ان سے سواری مانگ لو۔ میری پھوپھی نے آپ سے درخواست کی جو منظور ہوئی اور سواری مل گئی۔ وہ یہاں سے آزاد ہو کر میرے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت نے تو میرے باپ حاتم کی سخاوت کو بھی ماند کر دیا۔ آپ کے پاس جو آتا ہے وہ خالی ہاتھ واپس نہیں

❶ ٥/ المآئدة: ٦٠۔ ❷ ٥/ المآئدة: ٧٧۔

جاتا۔ یہ سن کر میں بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ چھوٹے بچے اور بڑھیا عورتیں بھی آپ ﷺ کی خدمت میں آتی جاتی ہیں اور آپ ان سے بھی بے تکلفی کے ساتھ بولتے ہیں ۔اس بات نے مجھے یقین دلا دیا کہ قیصر و کسریٰ کی طرح بادشاہت اور وجاہت کے طلب کرنے والے نہیں۔آپ ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: ''عدی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے سے کیوں بھاگتے ہو؟ کیا اللہ کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق ہے؟ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہنے سے کیوں منہ موڑتے ہو؟ کیا اللہ عزوجل سے بھی بڑا کوئی ہے؟'' مجھ پر ان کلمات نے اور آپ ﷺ کی سادگی اور بے تکلفی نے ایسا اثر کیا کہ میں فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا جس سے آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے ''﴿مَغْضُوْبٌ عَلَيْهِمْ﴾ سے مراد یہود ہیں اور ﴿ضَآلِّيْنَ﴾ سے مراد نصاریٰ ہیں۔'' ❶ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عدی رضی اللہ عنہ کے سوال پر حضور ﷺ نے یہ تفسیر ارشاد فرمائی تھی۔اس حدیث کی بہت سی سندیں ہیں اور مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ بنو قین کے ایک شخص نے وادی القریٰ میں حضور ﷺ سے یہی سوال کیا آپ ﷺ نے جواب میں یہی فرمایا۔ بعض روایات میں ان کا نام عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

ابن مردویہ میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابن مسعود اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ ربیع بن انس، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ بلکہ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں مفسرین میں اس بارے میں اختلاف ہی نہیں۔ ان ائمہ کی اس تفسیر کی دلیل ایک تو وہ حدیث ہے جو پہلے گزری' دوسری سورۂ بقرہ کی وہ آیت جس میں بنی اسرائیل کو خطاب کر کے کہا گیا ہے ﴿بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖ﴾ ❷ الخ اس آیت میں ہے کہ ان پر غضب پر غضب نازل ہوا۔ اور سورۂ مائدہ کی آیت ﴿قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ﴾ ❸ الخ میں بھی ہے کہ ان پر غضب الٰہی نازل ہوا۔ ایک جگہ فرمان الٰہی ہے: ﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ❹ الخ یعنی ''بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر لعنت کی گئی داؤد اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی زبانی ۔ یہ بوجہ ان کی نافرمانی اور حد سے گزر جانے کے ہے۔ یہ لوگ کسی برائی کے کام سے آپس میں روک ٹوک نہیں کرتے تھے۔ یقیناً ان کے کام بہت برے تھے۔'' اور تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ زید بن عمرو بن نفیل جب کہ دین خالص کی تلاش میں اپنے ساتھیوں سمیت نکلے اور ملک شام میں آئے تو ان سے یہودیوں نے کہا کہ آپ ہمارے دین میں تب تک داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ غضب الٰہی کا ایک حصہ نہ پالیں ۔انہوں نے جواب دیا کہ اس سے بچنے کے لئے تو دین حق کی تلاش میں نکلے ہیں پھر اسے کیسے قبول کر لیں؟ نصرانیوں سے ملے۔ انہوں نے کہا جب تک باری تعالیٰ کی ناراضگی کا حصہ نہ لیں تب تک آپ ہمارے دین میں نہیں آ سکتے ۔انہوں نے کہا ہم یہ بھی نہیں کر سکتے چنانچہ وہ اپنی فطرت پر ہی رہے ۔ بتوں کی عبادت اور قوم کا دین چھوڑ دیا لیکن یہودیت یا نصرانیت اختیار نہ کی۔ ❺ البتہ زید کے ساتھیوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا اس لئے کہ یہودیوں کے مذہب سے یہ ملتا جلتا تھا۔ انہی میں حضرت ورقہ بن نوفل تھے۔ انہیں نبی کریم ﷺ کی نبوت کا زمانہ ملا اور ہدایت الٰہیہ نے ان کی راہبری کی اور یہ حضور ﷺ پر ایمان لائے اور جو وحی اس وقت تک اتری تھی اس کی تصدیق کی۔

❶ احمد، ٤/ ٣٧٨، ٣٧٩؛ ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورة فاتحة الكتاب، ٢٩٥٣ وسنده حسن۔

❷ ٢/ البقرة:٩٠۔ ❸ ٥/ المآئدة:٦٠۔ ❹ ٥/ المآئدة:٧٨۔

❺ صحيح بخاری، كتاب مناقب الأنصار، باب حديث زيد بن عمرو بن نفيل: ٣٨٢٧۔

مسئلہ

ض اور ظ کی قراءت میں فرق: ''ضادؔ'' اور ''ظا'' کی قراءت میں بہت باریک فرق ہے اور یہ فرق ہر ایک کے بس میں نہیں۔ اس لئے علمائے کرام کا صحیح مذہب یہ ہے کہ یہ فرق معاف ہے۔ ضاد کا صحیح مخرج تو یہ ہے کہ زبان کے اول کنارہ اور اس کے پاس کی داڑھیں۔ اور ''ظا'' کا مخرج زبان کا ایک طرف اور سامنے والے اوپر کے دو دانت کے کنارے۔ دوسرے یہ کہ یہ دونوں حرف مجہورہ اور رخوہ اور مطبقہ ہیں۔ پس اس شخص کو جسے ان دونوں میں تمیز کرنا مشکل معلوم ہوا سے معاف ہے کہ ضاد کو ''ظا'' کی طرح پڑھ لے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ''ضادؔ'' کو سب سے زیادہ صحیح پڑھنے والا میں ہوں' لیکن یہ حدیث بالکل بے اصل اور لا پتہ ہے۔

فصل

سورۂ فاتحہ کا خلاصہ: یہ مبارک سورت نہایت کارآمد مضامین کا مجموعہ ہے۔ ان سات آیات میں اللہ تعالیٰ کی حمد اس کی بزرگی اس کی ثناء وصفت اور اس کے پاکیزہ ناموں کا اور اس کی بلند و بالا صفتوں کا بیان ہے۔ ساتھ ہی قیامت کے دن کا ذکر ہے اور بندوں کو ارشاد ہے کہ وہ اس مالک سے سوال کریں' اس کی طرف تضرع وزاری کریں' اپنی مسکینی اور بے کسی کا اقرار کریں اور اسکی عبادت خلوص کے ساتھ کریں اور اسکی توحید الوہیت کا اقرار کریں اور اسے شریک' نظیر اور مثل سے پاک اور برتر جانیں۔ صراط مستقیم کی اور اس پر ثابت قدمی کی اس سے مدد طلب کریں اور یہی ہدایت انہیں قیامت والے دن پل صراط سے بھی پار اتارے اور نبیوں' صدیقوں' اور صالحوں کے پڑوس میں جنت الفردوس میں جگہ دلوائے۔ ساتھ ہی اس سورت میں نیک اعمال کی ترغیب ہے تاکہ قیامت کے دن نیکوں کا ساتھ ملے اور باطل راہوں پر چلنے سے ڈراوا ہے تاکہ قیامت کے دن بھی ان کی جماعتوں سے دوری ہو۔ یہ باطل پرست یہود ونصاریٰ ہیں۔

اس باریک نکتہ پر بھی غور کیجئے کہ انعام کی اسناد تو اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی اور ﴿اَنْعَمْتَ﴾ کہا گیا اور غضب کی اسناد نہیں کی گئی۔ یہاں فاعل حذف کر دیا اور ﴿مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ﴾ کہا گیا اس میں پروردگار عالم کی جناب میں ادب کیا گیا ہے۔ دراصل حقیقی فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ ❶ اور اسی طرح ضلالت کی اسناد بھی ان کی طرف کی گئی جو گمراہ ہیں۔ حالانکہ اور جگہ ہے ﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ﴾ ❷ الخ یعنی ''جس کو اللہ تعالیٰ راہ دکھادے وہ راہ یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے اسکا ولی اور مرشد کوئی نہیں۔'' اور جگہ فرمایا ﴿مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ﴾ ❸ الخ یعنی ''اللہ جسے گمراہ کر دے اس کا ہادی کوئی نہیں وہ تو اپنی سرکشی میں بہکے رہتے ہیں۔'' اسی طرح اور بھی بہت سی آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ راہ دکھانے والا اور گمراہ کرنے والا صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ہے۔

قدریہ فرقہ جو ادھر ادھر کی متشابہ آیات کو دلیل بنا کر کہتا ہے کہ بندے خود مختار ہیں وہ خود پسند کرتے ہیں' یہ غلط ہے۔ صریح اور صاف صاف آیات ان کے رد کی موجود ہیں لیکن باطل پرست فرقوں کا یہی قاعدہ ہے کہ صراحت کو چھوڑ کر متشابہ کے پیچھے لگا کرتے ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہ آیات کے پیچھے لگتے ہیں تو سمجھ لو کہ انہی لوگوں کا اللہ تعالیٰ نے نام لیا ہے تم ان کو چھوڑ دو۔ ❹ حضور ﷺ کا اشارہ اس فرمان میں اس آیت مبارکہ کی طرف ہے ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ﴾ ❺ یعنی جن لوگوں کے

❶ ٤٨/ الفتح:٦۔ ❷ ١٧/ الاسرآء:٩٧۔ ❸ ٧/ الاعراف:١٨٦۔

❹ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورة آل عمران، ٤٥٤٧؛ صحیح مسلم: ٢٦٦٥۔ ❺ ٣/ آل عمران:٧۔

دل میں کجی ہے وہ متشابہ کے پیچھے لگتے ہیں فتنوں اور تاویل کو ڈھونڈنے کے لئے۔ پس الحمدللہ بدعتیوں کے لیے قرآن کریم میں صحیح دلیل کوئی نہیں قرآن کریم تو حق وباطل ہدایت وضلالت میں فرق کرنے کے لیے آیا ہے۔ اس میں تناقض اور اختلاف نہیں۔ یہ تو حکیم وحمید اللہ کا نازل کردہ ہے۔

فصل

آمین کہنے کی فضیلت اور امام کے پیچھے بلند آواز سے آمین کہنا: سورۂ فاتحہ کو ختم کر کے آمین کہنا مستحب ہے۔ اٰمِیْنَ مثل یاسین کے ہے۔ اور أَمِینَ بھی کہا گیا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! تو قبول فرما۔ آمین کہنے کے مستحب ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جو مسند احمد' ابوداوٗد' اور ترمذی میں وائل بن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے' وہ کہتے ہیں میں نے سنا ''رسول اللہ ﷺ سے کہ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہہ کر آمین کہتے تھے اور آواز دراز کرتے تھے۔'' ابوداوٗد میں ہے ''آواز بلند کرتے تھے'' امام ترمذی اس حدیث کو حسن کہتے ہیں۔ ❶ حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی آمین پہلی صف والے لوگ جو آپ ﷺ کے قریب ہوتے سن لیتے۔ ابوداوٗد' اور ابن ماجہ میں یہ حدیث ہے۔ ابن ماجہ میں یہ بھی ہے کہ آمین کی آواز سے مسجد گونج اٹھتی تھی۔ ❷ دار قطنی میں بھی یہ حدیث ہے اور دار قطنی اسے حسن بتاتے ہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے کہتے تھے مجھ سے پہلے آمین نہ کہا کیجئے (ابوداوٗد) ❸ حسن بصری اور جعفر صادق رحمہم اللہ سے آمین کہنا مروی ہے جیسے کہ ﴿آمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ﴾ ❹ قرآن کریم میں ہے۔

ہمارے اصحاب وغیرہ کہتے ہیں جو نماز میں نہ ہو اسے بھی آمین کہنا چاہیے۔ ہاں جو نماز میں ہو اس پر تاکید زیادہ ہے۔ نمازی خواہ اکیلا ہو خواہ مقتدی ہو خواہ امام ہو ہر حالت میں آمین کہے۔ بخاری ومسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب امام آمین کہے تم بھی آمین کہو۔ جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل جائے اس کے تمام اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔'' ❺ مسلم میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی اپنی نماز میں آمین کہتا ہے اور فرشتے آسمان میں آمین کہتے ہیں اور ایک کی آمین دوسرے کی آمین سے موافقت کر جاتی ہے تو اس کے تمام اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔'' ❻ مطلب یہ ہے کہ اس کی آمین کا اور فرشتوں کی آمین کا وقت ایک ہی ہو جائے یا موافقت سے مراد قبولیت میں موافق ہونا ہے یا اخلاص میں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوموسیٰ

---

❶ احمد، ٤/ ٣١٨؛ ابوداود، کتاب الصلاة، باب التأمین وراء الامام، ٩٣٢؛ وھو صحیح۔ ترمذی: ٢٤٨۔ شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سند کو جید قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الصحیحة، رقم/١ ٨٣٣) ❷ ابوداود، کتاب الصلاة، باب التأمین وراء الامام، ٩٣٤ وسنده ضعیف وابن ماجة، ٨٥٣، اس کی سند میں بشر بن رافع ضعیف (المیزان ١/ ٣١٧، رقم: ١١٩٤) اور ابن عم أبي ھریرة مجھول ہے اور شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الصحیحة، رقم: ١/ ٨٣٢)

❸ ابوداود، کتاب الصلاة، باب التأمین وراء الامام: ٩٣٧؛ احمد: ٦/ ١٢، ١٥۔ وھو صحیح، دیکھئے نیل المقصود: ٩٣٧۔

❹ ٥/ المآئدة: ٢۔ ❺ صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب جھر الامام بالتأمین، ٧٨٠، ٧٨٧، ٧٨٢ وانظر ٦٤٠٢؛ ابوداود، رقم ٩٣٥؛ نسائی، ٩٢٦۔

❻ صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب التسمیع والتحمید والتأمین، رقم ٤٠٩۔

اشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جب امام ﴿وَلَا الضَّآلِّیْنَ﴾ کہے تو آمین کہو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔ ❶

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضور ﷺ سے دریافت کیا آمین کے کیا معنی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! تو قبول کر۔'' ❷

جوہری رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کا معنی ہے ''اسی طرح ہو'' ترمذی کہتے ہیں اس کے معنی ہیں کہ ''ہماری امیدوں کو نہ توڑ'' اکثر علما فرماتے ہیں اس کے معنی ''اے اللہ! تو ہماری دعا کو قبول فرما'' کے ہیں۔ مجاہد، جعفر صادق، ہلال بن سیاف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آمین اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً بھی یہ مروی ہے لیکن صحیح نہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ کے اصحاب کا مذہب ہے کہ امام آمین نہ کہے مقتدی آمین کہیں کیونکہ موطا امام مالک رحمہ اللہ کی حدیث میں ہے کہ جب امام ﴿وَلَا الضَّآلِّیْنَ﴾ کہے تو تم آمین کہو۔ ❸ اسی طرح ان کی دلیل کی تائید میں صحیح مسلم والی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی آتی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''جب امام ﴿وَلَا الضَّآلِّیْنَ﴾ کہے تو تم آمین کہو۔'' ❹ لیکن بخاری ومسلم کی حدیث پہلے بیان ہو چکی کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو ❺ اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ﴿وَلَا الضَّآلِّیْنَ﴾ پڑھ کر آمین کہتے تھے۔ جہری نمازوں میں آمین بلند آواز سے جہری نمازوں میں مقتدی اونچی آواز سے آمین کہے یا نہ کہے اس میں ہمارے ساتھیوں کا اختلاف ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر امام آمین کہنی بھول گیا ہو تو مقتدی باآواز بلند آمین کہیں۔ اگر امام نے خود اونچی آواز سے آمین کہی تو نیا قول یہ ہے کہ مقتدی باآواز بلند نہ کہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے۔ اور ایک روایت میں امام مالک رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے اس لئے کہ نماز کے اور اذکار کی طرح یہ بھی ایک ذکر ہے تو نہ وہ بلند آواز سے پڑھے جاتے ہیں نہ یہ بلند آواز سے پڑھا جائے۔ لیکن پہلا قول یہ ہے کہ آمین بلند آواز سے کہی جائے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا بھی دوسری روایت کے اعتبار سے یہی مذہب ہے اور اس کی دلیل وہی حدیث ہے جو پہلے بیان ہو چکی کہ ''آمین کی آواز سے مسجد گونج اٹھتی تھی۔'' ❻ ہمارے یہاں ایک تیسرا قول بھی ہے کہ اگر مسجد چھوٹی ہو تو مقتدی باآواز بلند آمین نہ کہیں اس لئے کہ وہ امام کی قراءت سنتے ہیں اور اگر بڑی ہو تو اونچی آواز سے آمین کہیں تا کہ مسجد کے کونے کونے میں آمین پہنچ جائے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ (صحیح مسئلہ یہ ہے کہ جن نمازوں میں اونچی آواز سے قراءت کی جاتی ہے ان میں اونچی آواز سے ہی آمین کہنی چاہیے خواہ مقتدی ہو خواہ امام خواہ منفرد، مترجم)

مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ کے پاس یہودیوں کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''ہماری تین چیزوں پر یہودیوں کو اتنا بڑا حسد ہے کہ کسی اور چیز پر نہیں۔ ایک تو جمعہ کہ باری تعالیٰ نے ہمیں اس کی ہدایت کی اور یہ بہک گئے دوسرے قبلہ، تیسرے ہمارا امام کے پیچھے آمین کہنا۔'' ابن ماجہ کی حدیث میں یوں ہے کہ ''یہودیوں کو سلام پر اور آمین پر جتنی چڑ ہے اتنی کسی اور چیز پر نہیں۔'' ❼ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''یہودی جتنا حسد تمہارے آمین کہنے پر

❶ صحیح مسلم، كتاب الصلاة، باب التشهد فی الصلاة، ٤٠٤؛ ابوداود، ٩٧٢۔ ❷ اس کی سند میں جویبر بن سعید متروک (المیزان ١/ ٤٢٧، رقم: ١٥٩٣) اور ضحاک کی ابن عباس سے ملاقات ثابت نہیں۔ یعنی یہ روایت سخت مردود ہے۔

❸ مؤطا امام مالك، كتاب الصلاة، باب ماجاء فی التأمين خلف الامام، ٤٥ وهو صحيح۔

❹ صحیح مسلم، كتاب الصلاة، باب التشهد فی الصلاة، ٩٠٤۔ ❺ صحیح بخاری، كتاب الأذان، باب جهر الامام بالتأمين، رقم ٧٨٠، ٧٨١، ٧٨٢؛ صحیح مسلم، ٤٠٤۔ ❻ ابوداود، كتاب الصلاة، باب التأمين وراء الامام، رقم ٩٣٤؛ ابن ماجة، ٨٥٣۔ وسنده ضعيف بشر بن رافع ضعیف اور ابوعبداللہ ابن عم ابی ہریرہ مجہول ہے۔

❼ احمد، ٦/ ١٣٤، ١٣٥؛ ابن ماجة، كتاب اقامة الصلاة، باب الجهر بآمين، ٨٥٦ وسنده صحيح ابن خزيمه، ١٥٨٥ "الترغيب" ٧١٩ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔ دیکھئے (صحيح الترغيب، ٥١٥)

کرتے ہیں اتنا حسد کسی اور کام پر نہیں کرتے، تم بھی آمین بکثرت کہا کرو۔" اس کی اسناد میں طلحہ بن عمرو راوی ضعیف ہیں۔ ❶ ابن مردویہ میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آمین اللہ تعالیٰ کی مہر ہے اپنے مومن بندوں پر۔" ❷ حضرت انس رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے "کہ نماز میں آمین کہنی اور دعا پر آمین کہنی رب تعالیٰ کی طرف سے مجھے عطا کی گئی ہے جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئی۔ ہاں اتنا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی خاص دعا پر حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے تھے تم اپنی دعاؤں کو آمین پر ختم کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے حق میں قبول فرمایا کرے گا۔" ❸

اس حدیث کو پیش نظر رکھ کر قرآن کریم کے ان الفاظ کو دیکھئے جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا ﴿رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ﴾ ❹ الخ ہے یعنی "اے اللہ! تو نے فرعون اور فرعونیوں کو دنیا کی زینت اور مال دنیا کی زندگانی میں عطا فرمایا ہے جس سے وہ تیری راہ سے دوسروں کو بہکا رہے ہیں۔ یا رب ان کے مال برباد کر اور ان کے دل سخت کر' یہ نہ ایمان لائیں جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔" حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کی قبولیت کا اعلان ان الفاظ میں ہوتا ہے: ﴿قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا﴾ ❺ الخ یعنی "تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔ تم مضبوط رہو اور بے علموں کی راہ نہ جاؤ۔" دعا صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کرتے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام صرف آمین کہتے تھے لیکن قرآن نے دعا کی نسبت دونوں کی طرف کی۔ اس سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ جو شخص کسی دعا پر آمین کہے اس نے گویا خود دعا کی۔ اب اس استدلال کو سامنے رکھ کر پھر وہ قیاس کرتے ہیں کہ مقتدی قراءت نہ کرے اس لئے کہ اس کا سورۂ فاتحہ پر آمین کہنا قائم مقام پڑھنے کے ہے۔ اس حدیث کو بھی دلیل میں لاتے ہیں کہ جس کا امام ہو تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے ❻ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! آمین میں مجھ سے سبقت نہ کیا کیجئے۔ ❼ اس کھینچا تانی سے مقتدی پر جہری نمازوں میں اَلْحَمْدُ کا نہ پڑھنا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ (یہ یاد رہے کہ اس کی مفصل بحث پہلے گزر چکی ہے) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۝﴾ ❽ کہہ کر آمین کہتا ہے اور آسمان والوں کی آمین زمین والوں کی آمین سے مل جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بندے کے تمام پہلے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ ❾ آمین نہ کہنے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک قوم کے ساتھ مل کر غزوہ کیا۔ غالب آئے' مال غنیمت جمع کیا۔ اب قرعہ ڈال کر حصہ لینے لگے تو اس شخص کے نام کا قرعہ نکلا ہی نہیں اور کوئی حصہ نہ ملے وہ کہے یہ کیوں؟ تو جواب ملے کہ تیرے آمین نہ کہنے کی وجہ سے۔"

---

❶ ابن ماجة، كتاب الصلاة، باب الجهر بآمين: ۸۵۷، وسنده ضعيف جداً حدیث کا اوائل حصہ سابقہ شواہد سے صحیح ہے اور آخری حصہ میں کلام ہے۔ اس کی سند میں طلحہ بن عمرو ضعیف راوی ہے۔ جس کے ضعف پر محدثین کا اتفاق ہے (الميزان ۲/ ۳۴۰، رقم: ۴۰۰۸) شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے سخت ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (ضعيف الترغيب، ۲۷۰) ❷ الدعاء للطبرانی: ۲۱۹ وسنده ضعيف؛ الدر المنثور: ۱/ ۴۴ اس کی سند میں مؤمل بن عبدالرحمٰن الثقفی اور اسماعیل بن یعلیٰ الثقفی دونوں ضعیف ہیں۔ (الميزان ٤/ ۲۲۹، رقم: ۸۹۵۳، ۱/ ۲۵٤ رقم: ۹۷۱) شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الضعيفة، ۱٤۸۷) ❸ ابن خزيمه رقم ۱۵۸۶ وسنده ضعيف؛ الضعفاء لابن عدی: ۳/ ۲۴۰ اس حدیث کا مدار زربی بن عبداللہ ضعیف پر ہے جو صاحب مناکیر ہے۔ (الميزان ۱/ ۶۹، رقم: ۲۸۵۲) اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (ضعيف الترغيب، ۲۶۷) ❹ ۱۰/ یونس: ۸۸۔

❺ ۱۰/ یونس: ۸۹۔ ❻ احمد ۳/ ۳۳۹؛ ابن ماجة، كتاب اقامة الصلوات، باب اذا قرأ الامام فأنصتوا ...... ۸۵۰ سند میں حسن بن صالح ہے جس کا ابوزبیر سے سماع ثابت نہیں۔ اور متصل سند میں جابر، جعفر اور لیث بن ابی سلیم ضعیف ہیں۔ یہ روایت اپنے تمام شواہد کے ساتھ ضعیف ہی ہے۔ ❼ ابو داود، كتاب الصلاة، باب التأمين وراء الامام ۹۳۷ یہ روایت صحیح ہے۔ ❽ ۱/ الفاتحة: ۷۔

❾ مسند ابی یعلی ٦٤۱۱ وسنده ضعيف اس کی وسنده ضعیف سند میں لیث بن ابی سلیم مختلط (التقریب، ۲/ ۱۳۸) اور کعب المدنی مجہول راوی ہے اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (ضعيف الترغيب: ۲۶۹)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر سورۂ بقرہ

سورۂ بقرہ کے فضائل: حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سورۂ بقرہ قرآن کی کوہان ہے اور اس کی بلندی ہے کہ اس کی ایک ایک آیت کے ساتھ اسی فرشتے نازل ہوتے تھے اور بالخصوص آیت الکرسی تو خاص عرش تلے سے نازل ہوئی اور اس سورت کے ساتھ ملائی گئی۔ سورۂ یٰس قرآن کا دل ہے۔ جو شخص اسے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور آخرت طلبی کے لئے پڑھے اسے بخش دیا جاتا ہے۔ اس سورت کو مرنے والوں کے سامنے پڑھا کرو۔'' ❶ اس حدیث کی سند میں ایک جگہ عن رجل ہے تو یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اس سے مراد کون ہیں؟ لیکن مسند احمد ہی کی دوسری روایت میں ان کا نام ابوعثمان آ گیا ہے۔ یہ حدیث اسی طرح ابوداوٗد' نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ ❷ ترمذی کی ایک ضعیف سند والی حدیث میں ہے کہ ہر چیز کی ایک بلندی ہوتی ہے اور قرآن کریم کی بلندی سورۂ بقرہ ہے۔ اس سورت میں ایک آیت ہے جو تمام آیات کی سردار ہے اور وہ آیت الکرسی ہے۔ ❸ مسند احمد' صحیح مسلم' ترمذی اور نسائی میں حدیث ہے کہ ''اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے وہاں شیطان داخل نہیں ہو سکتا۔'' ❹ امام ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ''جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔'' ❺ اس حدیث کے ایک راوی کو امام یحییٰ بن معین تو ثقہ بتلاتے ہیں لیکن احمد رحمہ اللہ وغیرہ ان کی حدیث کو منکر کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کا قول منقول ہے اسے نسائی نے ''عمل الیوم واللیل'' میں اور حاکم نے ''مستدرک'' میں روایت کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ ❻

ابن مردویہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تم سے کسی کو ایسا نہ پاؤں کہ وہ پیر پر پیر چڑھائے پڑھتا چلا جائے لیکن سورۂ بقرہ نہ پڑھے۔ سنو جس گھر میں یہ مبارک سورت پڑھی جاتی ہے وہاں سے شیطان بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ سب گھروں میں بدترین اور ذلیل ترین گھر وہ ہے جس میں کتاب اللہ کی تلاوت نہ کی جائے۔'' امام نسائی رحمہ اللہ نے ''عمل الیوم واللیلہ'' میں بھی اسے نقل کیا ہے۔ ❼ مسند دارمی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے اس گھر سے شیطان گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے۔ ہر چیز

---

❶ احمد، ۵/ ۲۶، وسندہ ضعیف اس کی سند میں ابوعثمان اور اس کے والد غیر معروف ہیں اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (ضعیف الترغیب، ۸۷۸) ❷ ابوداود، کتاب الجنائز، باب القراءة عندالمیت ۳۱۲۱ وسندہ ضعیف ابوعثمان مجہول الحال اور اس کا والد مجہول و غیر معروف راوی ہے۔ وابن ماجة، ۱۴۴۸، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (الارواء، ۶۸۸)

❸ ترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی سورة البقرة وآیة الکرسی، ۲۸۷۸، وسندہ ضعیف حکیم بن جبیر راوی ضعیف ہے۔

❹ صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین باب استحباب صلاة النافلة فی بیته......: ۷۸۰؛ احمد، ۷/ ۳۷۸؛ ترمذی، ۲۸۷۷؛ السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۰۸۰۱۔ ❺ فضائل القرآن لأبی عبید، ۹/ ۳۴، اس کی سند میں ابن لہیعۃ مختلط راوی ہے۔ (التقریب ۱/ ۱۴۴، رقم: ۵۷۴) لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔ ❻ السنن الکبریٰ للنسائی، کتاب عمل الیوم واللیلة: ۹۶۴؛ وسندہ صحیح حاکم: ۲/ ۲۰۹، ۲۶۰۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (السلسلة الصحیحة: ۴/ ۲۶)

❼ السنن الکبریٰ للنسائی، کتاب عمل الیوم واللیلة: ۹۶۳ ہیثمی مجمع الزوائد، ۶/ ۳۱۳ میں فرماتے ہیں کہ طبرانی نے اسے الاوسط میں بیان کیا ہے۔ اور اس میں ایسے رواۃ ہیں جنہیں میں نہیں جانتا۔ اس کی سند ابواسحاق اور محمد بن عجلان کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

کی اونچائی ہوتی ہے اور قرآن کی اونچائی سورۂ بقرہ ہے۔ ہر چیز کا لباب ہوتا ہے اور قرآن کا لباب مفصل کی سورتیں ہیں۔“ ❶
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ جو شخص سورۂ بقرہ کی چار پہلی آیات اور آیت الکرسی اور دو آیات اس کے بعد کی اور تین آیات سب سے آخر کی یہ جملہ دس آیات رات کے وقت پڑھ لے اس گھر میں شیطان اس رات نہیں جا سکتا اور اسے اس کے گھر والوں کو اس دن شیطان یا کوئی اور بری چیز ستا نہیں سکتی۔ یہ آیات مجنون پر پڑھی جائیں تو اس کا دیوانہ پن بھی دور ہو جاتا ہے۔ ❷
حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”جس طرح ہر چیز کی بلندی ہوتی ہے قرآن کی بلندی سورۂ بقرہ ہے۔ جو شخص رات کے وقت اسے اپنے گھر میں پڑھ لے تو تین دن تک شیطان اس گھر میں قدم نہیں رکھ سکتا۔“ ❸ (طبرانی۔ ابن حبان۔ ابن مردویہ) ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا سا لشکر ایک جگہ بھیجا اور اس کی سرداری آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو دی جس نے کہا تھا کہ مجھے سورۂ بقرہ یاد ہے۔ اس وقت ایک شریف شخص نے کہا میں بھی اسے یاد کر لیتا لیکن مجھے ڈر لگا کہ ایسا نہ ہو میں اس پر عمل نہ کر سکوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قرآن سیکھو، قرآن کو پڑھو۔ جو شخص اسے سیکھتا ہے پڑھتا ہے پھر اس پر عمل بھی کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے مشک بھرا ہوا برتن جس کی خوشبو ہر طرف مہک رہی ہے۔ اسے سیکھ کر سو جانے والے کی مثال اس برتن کی سی ہے جس میں مشک تو بھرا ہوا ہے لیکن اوپر سے منہ بند کر دیا گیا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن کہتے ہیں اور مرسل روایت بھی ہے۔ ❹ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ رات کو سورۂ بقرہ کی تلاوت شروع کی۔ ان کا گھوڑا جوان کے پاس ہی بندھا ہوا تھا اس نے اچھلنا کودنا بدکنا شروع کیا۔ انہوں نے قرأت چھوڑ دی گھوڑا بھی سیدھا ہو گیا۔ انہوں نے پھر پڑھنا شروع کیا گھوڑے نے بھی پھر بدکنا شروع کیا انہوں نے پھر پڑھنا موقوف کیا گھوڑا بھی ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔ تیسری مرتبہ بھی یہی ہوا۔ چونکہ ان کے صاحبزادے یحییٰ گھوڑے کے پاس ہی لیٹے ہوئے تھے اس لئے ڈر محسوس ہوا کہ کہیں بچے کو چوٹ نہ آ جائے، قرآن پڑھنا بند کر کے اسے اٹھا لیا۔ آسمان کی طرف دیکھا کہ جانور کے بدکنے کی کیا وجہ ہے؟ صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر واقعہ بیان کرنے لگے۔ آپ سنتے جاتے ہیں اور فرماتے جاتے ہیں، اسید پڑھتے چلے جاؤ۔ حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے کہا حضور! تیسری مرتبہ کے بعد تو یحییٰ کی وجہ سے میں نے پڑھنا بالکل بند کر دیا۔ اب جو نگاہ اٹھی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نورانی چیز سایہ دار ابر کی طرح کی ہے اور اس میں چراغوں کی طرح کی روشنی ہے۔ بس میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ اوپر کو اٹھ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جانتے ہو یہ کیا چیز تھی؟ یہ فرشتے تھے جو تمہاری آواز کو سن کر قریب آ گئے تھے۔ اگر تم پڑھنا موقوف نہ کرتے تو وہ صبح تک یونہی رہتے اور ہر شخص انہیں دیکھ لیتا، کسی سے نہ چھپتے۔“ ❺ یہ حدیث کئی کتابوں میں کئی سندوں کے ساتھ موجود ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

---

❶ مسند الدارمی، ۳٤۱۸ یہ روایت ابو اسحاق کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔
❷ دارمی، کتاب فضائل القرآن، باب فی فضل سورۃ البقرۃ: ۳۳۷۵، ۳۳۷۷، ۳۳۸۲، ۳۳۸۳ ضعیف ہے۔
❸ مسند ابی یعلی، ۷۵۵٤ وسندہ ضعیف طبرانی، ۵۸٦٤؛ ابن حبان، ۷۸۰ اس کی سند میں خالد بن سعید المدنی ہے۔ عقیلی کہتے ہیں لا یتابع علی حدیثہ (المیزان ۱/ ٦۳۰۱، رقم: ۲٤۲۵)
❹ ترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی سورۃ البقرۃ وآیۃ الکرسی، ۲۸۷٦؛ ابن ماجۃ، ۲۱۷؛ ابن حبان، ۷۱۷٦؛ ابن خزیمہ، ۱۵۰۹ وسندہ حسن۔
❺ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب نزول السکینۃ والملائکۃ ...... ۵۰۱۸۔ تعلیقًا؛ صحیح مسلم، ۷۹٦۔

اس کے قریب قریب واقعہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کا ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے حضور ﷺ سے کہا کہ گزشتہ رات ہم نے دیکھا ساری رات حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کا گھر نور کا بقعہ بنا رہا اور چمکدار روشن چراغوں سے جگمگا تا رہا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''شاید انہوں نے رات کو سورۂ بقرہ پڑھی ہوگی۔'' جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا سچ ہے رات کو میں سورۂ بقرہ کی تلاوت میں مشغول تھا۔ اس کی اسناد تو بہت عمدہ ہے مگر اس میں ابہام ہے اور یہ مرسل بھی ہے۔ ❶ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کی فضیلت: نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''سورۂ بقرہ سیکھو اور اس کا حاصل کرنا برکت ہے اور اسکا چھوڑنا حسرت ہے۔ جادوگر اس کی طاقت نہیں رکھتے۔'' پھر کچھ دیر چپ رہنے کے بعد فرمایا: ''سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران سیکھو۔ یہ دونوں نورانی سورتیں ہیں اپنے پڑھنے والے پر سائبان یا بادل یا پرندوں کے جھنڈ کی طرح قیامت کے روز سایہ کریں گی۔ قرآن پڑھنے والا جب قبر سے اٹھے گا تو دیکھے گا کہ ایک نوجوان نورانی چہرے والا شخص اس کے پاس کھڑا ہوا کہتا ہے کہ کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ یہ کہے گا نہیں تو وہ جواب دے گا کہ میں قرآن ہوں جس نے دنوں کو تجھے بھوکا پیاسا رکھا تھا اور راتوں کو بستر سے دور بیدار رکھا تھا۔ ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہے لیکن آج سب تجارتیں تیرے پیچھے ہیں۔ اب اسے ملک داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اور ہمیشگی بائیں ہاتھ میں اس کے سر پر وقار وعزت کا تاج رکھا جائے گا۔ اس کے ماں باپ کو دو ایسے عمدہ قیمتی حلے پہنائے جائیں گے کہ ساری دنیا بھی اس کی قیمت کے سامنے ہیچ ہو۔ وہ حیران ہو کر کہیں گے کہ آخر اس رحم وکرم کی اس انعام واکرام کی کیا وجہ ہے؟ تو انہیں جواب دیا جائے گا کہ تمہارے بچے کی قرآن خوانی کی وجہ سے تم پر یہ نعمت انعام کی گئی۔ پھر اسے کہا جائے گا پڑھتا جا اور جنت کے درجے چڑھتا جا۔ چنانچہ وہ پڑھتا جائے گا اور درجے چڑھتا جائے گا۔ خواہ ترتیل سے پڑھے یا خواہ بے ترتیل کے۔'' ❷

ابن ماجہ میں بھی اس حدیث کا بعض حصہ مروی ہے ❸ اس کی اسناد حسن ہے اور شرط مسلم پر ہے۔ اس کے راوی بشر ابن ماجہ سے امام مسلم رحمہ اللہ بھی روایت لیتے ہیں اور امام ابن معین رحمہ اللہ اسے ثقہ کہتے ہیں۔ نسائی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں امام احمد رحمہ اللہ اسے منکر الحدیث بتلاتے ہیں اور فرماتے ہیں میں نے تلاش کی تو دیکھا کہ وہ عجب عجب احادیث لاتا ہے۔ امام بخاری کا فیصلہ ہے کہ اسکی احادیث لکھی جاتی ہیں لیکن دلیل نہیں پکڑی جاسکتی۔ ابن عدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ انکی ایسی روایتیں بھی ہیں جن کی متابعت نہیں کی جاتی۔ دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ قوی نہیں ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی اس روایت میں بعض مضمون دوسری سندوں سے بھی آئے ہیں۔

مسند احمد میں ہے ''قرآن پڑھا کرو یہ اپنے پڑھنے والوں کی قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ دونورانی سورتوں بقرہ اور آل عمران کو پڑھتے رہا کرو۔ یہ دونوں قیامت کے دن اس طرح آئیں گی کہ گویا دو سائبان ہیں یا دو ابر ہیں یا پر کھولے پرندوں کی دو جماعتیں ہیں۔ اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے رب تعالیٰ سے سفارش کریں گی۔'' پھر حضور ﷺ نے فرمایا: ''سورۂ بقرہ پڑھا کرو

---

❶ فضائل القرآن لأبی عبید، ۱۲/ ۳٤ (وسندہ ضعیف) عن جریر بن زید عن اشیاخ اهل المدینة سند میں شیوخ مدینہ مجہول اور یہ سند مرسل ہے کیونکہ جریر کی صحابہ سے روایت ثابت نہیں ہے لہٰذا یہ واقعہ اُسید بن حضیر ہی کا صحیح ہے۔ جیسا کہ گزر چکا۔

❷ احمد، ۵/ ۳٤۸؛ دارمی، کتاب فضائل القرآن، باب فی فضل سورة البقرة وآل عمران، ۳۳۹٤۔ وسندہ حسن۔

❸ ابن ماجة، کتاب الأدب، باب ثواب قراءة القرآن، رقم: ۳۷۸۱۔ وسندہ حسن۔

اس کا لینا برکت ہے اور چھوڑنا حسرت ہے۔ اسکی طاقت باطل والوں کو نہیں۔ صحیح مسلم میں بھی حدیث ہے۔ ❶ مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے "قرآن اور قرآن پڑھنے والوں کو قیامت کے دن بلوایا جائے گا۔ آگے آگے سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران ہوں گی۔ بادل کی طرح یا سایہ اور سائبان کی طرح یا پر کھولے پرندوں کے جھرمٹ کی طرح یہ دونوں پروردگار سے ڈٹ کر سفارش کریں گی۔" مسلم اور ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے ❷ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن غریب کہتے ہیں۔

ایک شخص نے اپنی نماز میں سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھی۔ اس کے فارغ ہونے کے بعد حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ان میں اللہ کا وہ نام ہے کہ اس نام کے ساتھ جب کبھی اسے پکارا جائے وہ قبول فرماتا ہے۔ اب اس شخص نے حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی کہ مجھے بتائیے کہ وہ نام کونسا ہے؟ حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے انکار کیا اور فرمایا اگر میں بتادوں تو خوف ہے کہ کہیں تو اس نام کی برکت سے ایسی دعا نہ مانگ لے جو میری اور تیری ہلاکت کا سبب بن جائے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تمہارے بھائی کو خواب میں دکھایا گیا کہ گویا لوگ ایک بلند و بالا پہاڑ پر چڑھ رہے ہیں۔ پہاڑ کی چوٹی پر دو سرسبز درخت ہیں اور ان میں سے آوازیں آرہی ہیں کہ کیا تم میں سے کوئی سورۂ بقرہ کا پڑھنے والا ہے؟ کیا تم میں کوئی سورۂ آل عمران پڑھنے والا ہے؟ جب کوئی کہتا ہے کہ ہاں تو وہ دونوں درخت اپنے پھلوں سمیت اس کی طرف جھک آتے ہیں اور یہ اس کی شاخوں پر بیٹھ جاتا ہے اور وہ اسے اوپر اٹھا لیتے ہیں۔

حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک قرآن پڑھے ہوئے شخص نے اپنے پڑوسی کو مار ڈالا پھر قصاص میں وہ بھی مارا گیا۔ پس قرآن کریم ایک ایک سورت ہو ہو کر الگ ہونا شروع ہوا یہاں تک کہ اس کے پاس سورۂ آل عمران اور سورۂ بقرہ رہ گئیں۔ ایک جمعہ کے بعد سورۂ آل عمران بھی چلی گئی۔ پھر ایک جمعہ اور گزرا تو آواز آئی کہ "میری باتیں نہیں بدلا کرتیں اور میں اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔" چنانچہ یہ مبارک سورت یعنی سورۂ بقرہ بھی اس سے الگ ہوگئی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں اس کی طرف سے بلاؤں اور عذابوں کی آڑ بنی رہیں اور اس کی قبر میں اس کی دلجوئی کرتی رہیں اور سب سے آخر بوجہ اس کی گناہوں کی زیادتی کے ان کی سفارش بھی نہ چلی۔ یزید بن اسود جرشی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان دونوں سورتوں کو دن میں پڑھنے والا دن بھر نفاق سے بری رہتا ہے اور رات کو پڑھنے والا ساری رات نفاق سے بری رہتا ہے۔ خود حضرت یزید رحمۃ اللہ علیہ اپنے معمول کے وظیفہ قرآن کے علاوہ ان دونوں سورتوں کو ہر صبح و شام پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص ان دونوں سورتوں کو رات کو پڑھتا رہے گا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ فرمانبرداروں میں شمار ہوگا۔ اس کی سند منقطع ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سورتوں کو ایک رکعت میں پڑھا۔" ❸

سات بڑی سورتوں کی فضیلت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "میں سات لمبی سورتوں کو تورات کی جگہ دیا گیا ہوں اور انجیل کی جگہ مجھ کو دو دو سو آیات والی سورتیں ملی ہیں اور زبور کے قائم مقام میں دو سو سے کم آیات والی سورتیں دیا گیا ہوں اور پھر مجھے فضیلت میں خاص سورۂ ق سے لے کر آخر تک کی سورتیں ملی ہیں۔ ❹ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے ایک راوی سعید بن ابو بشیر میں کچھ کلام

❶ احمد، ٥/ ٢٤٩۔٣٦/ ٤٦٤؛ صحيح مسلم، كتاب فضائل القرآن، باب فضل قراءة القرآن و سورة البقرة، ٨٠٤۔

❷ احمد، ٤/ ١٨٣۔١٨٦؛ صحيح مسلم، كتاب الصلاة المسافرين، باب فضل قراءة القرآن وسورة البقرة، ٨٠٥؛ ترمذی، ٢٨٨٣۔

❸ صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب تطويل قراءة فی صلاة الليل، ٧٧٢؛ ابوداود، ٧٨١؛ ترمذی، ٢٦٢۔

❹ فضائل القرآن لأبی عبيد، ١/ ٣٤ اس کی سند میں سعید بن بشیر الأزدی متکلم فیہ راوی ہے۔ (الميزان ٢/ ١٢٨، رقم: ٣١٤٣) اور ابوعبید نے اسے مرسلاً بھی روایت کیا ہے ٢/ ٣٤ لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

ہے۔ ابوعبید رحمہ اللہ نے اسے دوسری سند سے بھی وارد کیا ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ ایک اور حدیث میں ہے ''جو شخص ان سات سورتوں کو حاصل کر لے وہ بہت بڑا عالم ہے۔'' [1] یہ روایت بھی غریب ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے۔ ''ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور ان کا امیر انہیں بنایا جنہیں سورۂ بقرہ یاد تھی حالانکہ وہ ان سب سے چھوٹی عمر کے تھے۔'' [2] حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ تو ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ﴾ [3] کی تفسیر میں بھی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہی سات سورتیں ہیں سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، سورۂ نساء، سورۂ مائدہ، سورۂ انعام، سورۂ اعراف اور سورۂ یونس۔ حضرت مجاہد، مکحول، عطیہ بن قیس، ابومحمد فارسی، شداد بن اوس، یحییٰ بن حارث ذماری سے بھی یہی منقول ہے۔

فصل

مقام نزول اور مزید معلومات: سورۂ بقرہ ساری کی ساری مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے اور شروع شروع میں جو سورتیں نازل ہوئیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے البتہ اس کی ایک آیت ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ﴾ [4] الخ سب سے آخر میں نازل ہونے والی ہے یعنی قرآن کریم میں سب سے آخر یہ آیت نازل ہوئی۔ ممکن ہے کہ نازل بعد میں ہوئی ہو لیکن ہے اسی میں سے اور اسی طرح سود کی حرمت کی آیات بھی سب سے آخر میں نازل ہوئی ہیں۔ حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ سورۂ بقرہ کو فسطاط القرآن یعنی قرآن کا خیمہ کہا کرتے تھے۔ بعض علما کا فرمان ہے کہ اس میں ایک ہزار خبریں ہیں اور ایک ہزار احکام ہیں اور ایک ہزار کاموں سے ممانعت ہے۔ اس کی آیات دو سو ستاسی ہیں۔ اس کے کلمات چھ ہزار دو سو اکیس ہیں۔ اس کے حروف ساڑھے پچیس ہزار ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ سورت مدنی ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور بہت سے علما اور مفسرین سے بھی بلا اختلاف یہی مروی ہے۔ ابن مردویہ کی ایک حدیث میں ہے کہ سورۃ البقرہ، سورۂ آل عمران اور سورۃ النساء وغیرہ نہ کہا کرو بلکہ یوں کہو کہ وہ سورت جس میں بقرہ کا ذکر ہے وہ سورہ جس میں آل عمران کا بیان ہے اور اسی طرح قرآن کی تمام سورتوں کا نام لیا کرو۔ [5] لیکن یہ حدیث غریب ہے بلکہ اس کا فرمان رسول ہونا ہی صحیح نہیں۔ اس کے راوی عیسیٰ بن میمون ابوسلمہ خواص ضعیف ہیں۔ ان کی روایت سے سند نہیں لی جا سکتی۔ اس کے برخلاف بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بطن وادی سے شیطان پر کنکر پھینکے۔ بیت اللہ ان کی بائیں جانب تھا اور منیٰ دائیں طرف اور فرمایا اسی جگہ سے کنکر پھینکتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن پر سورۂ بقرہ اتری ہے۔ [6] گو اس حدیث سے صاف ثابت ہو گیا کہ سورۂ بقرہ وغیرہ کہنا جائز ہے۔ لیکن مزید سنیے ابن مردویہ میں ہے =

---

[1] احمد، ٦/ ٧٢، ٧٣ دیکھئے مشکل الآثار، ٢/ ١٥٣؛ حاکم، ١/ ٥٦٤ وسنده حسن وصححه الحاكم ووافقه الذهبي۔

[2] ترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ما جاء فی سورة البقرة: ٢٨٧٦، وسنده حسن فقال الترمذی حسن؛ وصححه ابن خزیمه، ١٥٠٩؛ ابن حبان، ١٧٨٩ والحاكم على شرط الشيخين ١/ ٤٤٣ ووافقه الذهبي۔

[3] ١٥/ الحجر: ٨٧۔ [4] ٢/ البقرة: ٢٨١۔ [5] مجمع الزوائد، ٧/ ١٥٧؛ ابن الجوزی فی الموضوعات، ١/ ٢٥٠، ٢٥١ اس کی سند میں عیسیٰ بن میمون مجروح ہے۔ (المیزان ٣/ ٣٢٦، رقم: ٦٦١٨)

[6] صحیح بخاری، کتاب الحج، باب رمی الجمار من بطن الوادی، ١٧٤٧؛ صحیح مسلم ١٢٩٦۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الۗمّۗ ①

ترجمہ: الۗمّۗ [۱]

= کہ جب آنحضرت ﷺ نے اپنے اصحاب میں کچھ سستی دیکھی تو انہیں ((یَا اَصْحَابَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ)) کہہ کر پکارا۔ غالباً یہ حنین والے دن کا ذکر ہے جب لشکر کے قدم اکھڑ گئے تھے تو حضور ﷺ کے حکم سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اے درخت والو یعنی اے بیعت الرضوان کرنے والو اور اے سورۂ بقرہ والو کہہ کر پکارا تھا تا کہ انہیں خوشی اور دلیری پیدا ہو۔ چنانچہ اس آواز کے ساتھ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم ہر طرف سے جمع ہو گئے۔ مسیلمہ جس نے نبوت کا جھوٹا دعوی کیا تھا اس کے ساتھ لڑنے کے وقت بھی جب قبیلہ بنو حنفیہ کی چیرہ دستیوں نے پریشان کر دیا اور قدم ڈگمگا گئے۔ صحابہ نے اسی طرح لوگوں کو (یَا اَصْحَابَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ) یعنی اے سورۂ بقرہ والو! کہہ کر پکارا۔ اور اس آواز پر سب کے سب جمع ہو گئے اور جم کر لڑے یہاں تک کہ ان مرتدوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے لشکر کو فتح دی‘ ❶ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے خوش ہو۔

حروف مقطعات‘ اور ان کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف: [آیت:۱] ﴿الۗمّۗ﴾ جیسے حروف مقطعات جو سورتوں کے شروع میں آتے ہیں ان کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض تو کہتے ہیں کہ ان کے معنی صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں کسی اور کو معلوم نہیں اس لئے وہ ان حروف کی کوئی تفسیر نہیں کرتے۔ قرطبی رحمہ اللہ نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے یہی نقل کیا ہے۔ عامر شعبی، سفیان ثوری، ربیع بن خثیم رحمہ اللہ بھی یہی کہتے ہیں۔ ابو حاتم، ابن حبان رحمہم اللہ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں۔ بعض لوگ ان حروف کی تفسیر بھی کرتے ہیں لیکن ان کی تفسیر میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ سورتوں کے نام ہیں۔ علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر زمخشری رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں اکثر لوگوں کا اسی پر اتفاق ہے۔ سیبویہ نے بھی یہی کہا ہے اور اس کی دلیل بخاری و مسلم کی وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں ﴿الۗمّۗ السَّجْدَة﴾ اور ﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ﴾ پڑھتے تھے۔ ❷ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿الۗمّۗ ۝﴾ اور ﴿حٰمۗ ۝﴾ اور ﴿الۗمّۗصۗ ۝﴾ اور ﴿صۗ﴾ یہ سب سورتوں کی ابتدا ہے جن سے یہ سورتیں شروع ہوتی ہیں۔ انہی سے یہ بھی منقول ہے کہ ﴿الۗمّۗ ۝﴾ قرآن کے ناموں سے ایک نام ہے۔ حضرت قتادہ، اور حضرت زید بن اسلم رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے اور شائد اس قول کا مطلب بھی وہی ہے جو حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سورتوں کے نام ہیں‘ اس لئے کہ ہر سورت کو قرآن کہہ سکتے ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کہ سارے قرآن کا نام ﴿الۗمّۗصۗ ۝﴾ ہو کیونکہ جب کوئی شخص کہے کہ میں نے سورۂ ﴿الۗمّۗصۗ﴾ پڑھی تو ظاہر یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس نے سورۂ اعراف پڑھی نہ کہ پورا قرآن۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ حضرت شعبی‘ سالم بن عبداللہ‘ اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن‘ سدی کبیر رحمہم اللہ یہی کہتے

❶ طبرانی، ۱۷/ ۱۳۳ اس کی سند میں علی بن قتیبہ ضعیف راوی ہے دیکھئے (مجمع الزوائد، ۵/ ۳۲۷) لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب ما یقرأ فی صلاة الفجر یوم الجمعة، ۸۹۱؛ صحیح مسلم، ۸۷۹۔

ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ الٓمٓ اللہ تعالیٰ کا بڑا نام ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ﴿حٰمٓ﴾ ﴿طٰسٓ﴾ اور ﴿الٓمٓ﴾ یہ سب اللہ تعالیٰ کے بڑے نام ہیں۔ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما دونوں سے یہ مروی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے اور اس کا نام بھی ہے۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قسم ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کے معنی اَنَا اللّٰهُ اَعْلَمُ ہیں یعنی میں ہوں اللہ زیادہ جاننے والا۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہ مروی ہے۔

ابن عباس، ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور بعض دیگر صحابہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں کے الگ الگ حروف ہیں۔ ❶ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تین حروف الف اور لام اور میم انتیس حروف میں سے ہیں جو تمام زبانوں میں آتے ہیں۔ ان میں سے ہر ہر حرف اللہ تعالیٰ کے ایک ایک نام کے شروع کا حرف ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کی بلا کا ہے اور اس میں قوموں کی مدت اور ان کے وقت کا بیان ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تعجب کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ لوگ کیسے کفر کریں گے ان کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کے نام ہیں اس کی روزیوں پر وہ پلتے ہیں۔ الف سے اللہ کا نام اللہ شروع ہوتا ہے اور لام سے اس کا نام لطیف شروع ہوتا ہے اور میم سے اس کا نام مجید شروع ہوتا ہے اور الف سے مراد الاء یعنی نعمتیں ہیں اور لام سے مراد اللہ تعالیٰ کا لطف ہے اور میم سے مراد اللہ تعالیٰ کا مجد یعنی بزرگی ہے۔ الف سے مراد ایک سال ہے اور لام سے تیس سال ہے اور میم سے چالیس سال (ابن ابی حاتم)۔ ❷

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب مختلف اقوال میں تطبیق دی ہے یعنی ثابت کیا ہے کہ ان میں ایسا اختلاف نہیں جو ایک دوسرے کے خلاف ہو۔ ہوسکتا ہے کہ یہ سورتوں کے نام بھی ہوں اور اللہ تعالیٰ کے نام بھی ہوں اور سورتوں کے شروع کے الفاظ بھی ہوں اور ان میں سے ہر ہر حرف سے اللہ تعالیٰ کے ایک ایک نام کی طرف اشارہ بھی ہو اور اسکی صفتوں کی طرف بھی اور مدت وغیرہ کی طرف بھی۔ ایک ایک لفظ کئی کئی معانی میں آتا ہے جیسے لفظ اُمَّةٌ کہ اس کے ایک معنی ہیں دین جیسے قرآن میں ہے: ﴿اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ﴾ ❸ یعنی ”ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی دین پر پایا۔“ دوسرے معنی ہیں اللہ کا اطاعت گزار بندہ جیسے فرمایا: ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً﴾ ❹ یعنی ”حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار اور مخلص بندے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔“ تیسرے معنی ہیں جماعت جیسے فرمایا: ﴿وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً﴾ ❺ الخ یعنی ایک جماعت کو اس کنویں پر پانی پلاتے ہوئے پایا۔ دوسری جگہ ہے: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا﴾ ❻ یعنی ”ہم نے ہر جماعت میں رسول بھیجا۔“ چوتھے معانی ہیں مدت اور زمانہ۔ فرمان ہے: ﴿وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ﴾ ❼ یعنی ”ایک مدت کے بعد اسے یاد آیا۔“ پس جس طرح یہاں ایک لفظ کے کئی معانی ہوئے اسی طرح ممکن ہے کہ ان حروف مقطعات کے بھی کئی معانی ہوں۔

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرمان پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابو العالیہ نے جو تفسیر کی ہے اس کا مطلب تو یہ ہے کہ یہ ایک لفظ ایک ساتھ ایک ہی جگہ ان سب معانی میں ہے اور لفظ امت وغیرہ جو کئی کئی معنی میں آتے ہیں جنہیں اصطلاح میں الفاظ مشترکہ کہتے ہیں ان کے معنی ہر جگہ جدا جدا تو ضرور ہوتے ہیں لیکن ہر جگہ ایک ہی معنی ہوتے ہیں' جو عبارت کے قرینے سے معلوم ہو جاتے ہیں ایک ہی جگہ سب کے

---

❶ الطبری، ۱/ ۸۸ یہ روایت باذام ابوصالح کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے۔

❷ طبری، ۱/ ۸۸ عن أبی العالیه وسنده ضعیف جداً یہ سند مسلسل بالضعفاء ہے۔ ❸ ٤٣/ الزخرف:۲۲۔

❹ ١٦/ النحل:١٢٠۔ ❺ ٢٨/ القصص:٢٣۔

❻ ١٦/ النحل:٣٦۔ ❼ ١٢/ یوسف:٤٥۔

سب معنی مراد نہیں ہوتے اور سب پر ایک جگہ محمول کرنے کے مسئلہ میں علمائے اصول کا بڑا اختلاف ہے اور ہمارے تفسیری موضوع سے اس کا بیان خارج ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

دوسرے یہ کہ امت وغیرہ الفاظ کے جو معانی ہیں وہ بہت سارے ہیں اور یہ الفاظ اسی لیے بنائے گئے ہیں۔ اور بندش کلام اور نشست الفاظ سے ایک معنی ٹھیک بیٹھ جاتے ہیں لیکن ایک حرف کی دلالت ایک ایسے نام پر ممکن ہے کہ وہ دوسرے ایسے نام پر بھی دلالت کرتا ہو اور ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہ ہو تو مقدر ماننے سے نہ ضمیر دینے سے نہ وضع کے اعتبار سے اور نہ اور اعتبار سے تو ایسی بات علمی طور پر نہیں سمجھی جا سکتی البتہ اگر منقول ہو تو اور بات ہے لیکن یہاں تو اختلاف ہے اور اجماع نہیں اس لئے یہ فیصلہ قابل غور ہے۔ اب بعض اشعار عرب کے جو اس بات کی دلیل میں پیش کئے جاتے ہیں کہ کلمہ کو بیان کرنے کے لئے صرف اس کا پہلا حرف بول دیتے ہیں یہ ٹھیک ہے لیکن ان شعروں میں خود عبارت ایسی ہوتی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے۔ ایک حرف کے بولتے ہی پورا کلمہ سمجھ آ جاتا ہے لیکن یہاں ایسا بھی نہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں ایک حدیث میں ہے کہ جو مسلمان کے قتل پر آدھے کلمہ سے بھی مدد کرے [1] مطلب یہ ہے کہ اُقْتُلْ پورا نہ کہے بلکہ صرف اق کہے۔

مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سورتوں کے شروع میں جو یہ حروف ہیں مثلاً ﴿قٓ، صٓ، حٰمٓ، طٰسٓمٓ، الٓرٰ﴾ وغیرہ سب حروف ہجا ہیں۔ بعض عربی دان کہتے ہیں کہ یہ حروف الگ الگ جو اٹھائیس ہیں ان میں سے چند ذکر کر کے باقی کو چھوڑ دیا گیا ہے جیسے کوئی کہے کہ میرا بیٹا اب ت ث لکھتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ تمام اٹھائیس حروف لکھتا ہے لیکن ابتدا کے چند حروف ذکر کر دیئے باقی کو چھوڑ دیا۔ سورتوں کے شروع میں اس طرح کے کل چودہ حرف آئے ہیں۔ ا ل م ص ر ك ہ ی ع ط س ح ق ن ان سب کو اگر ملا لیا جائے تو یہ عبارت بنتی ہے۔ نَصٌّ حَكِيْمٌ قَاطِعٌ لَهٗ سِرٌّ تعداد کے لحاظ سے یہ حروف چودہ ہیں اور جملہ حروف چونکہ اٹھائیس ہیں اس لئے یہ پورے آدھے ہوئے۔ جو حروف بیان کیے گئے یہ ان حروف سے جو نہیں لائے گئے زیادہ فضیلت والے ہیں اور یہ صناعت تصریف ہے۔ ایک حکمت اس میں یہ بھی ہے کہ جتنی قسم کے حرف تھے اتنی قسمیں باعتبار اکثریت کے ان میں آ گئیں۔ یعنی مہموسہ مجہورہ وغیرہ۔ سبحان اللہ! ہر چیز میں اس مالک کی حکمت نظر آتی ہے۔ یہ یقینی بات ہے کہ اللہ کا کلام لغو بیہودہ بے کار اور بے معنی الفاظ سے پاک ہے۔ جو جاہل لوگ کہتے ہیں کہ سرے سے ان حروف کے کچھ معنی ہی نہیں۔ وہ بالکل خطا پر ہیں۔ اس کے کچھ نہ کچھ معنی یقیناً ہیں۔

اگر نبی معصوم ﷺ سے اس کے معنی کچھ ثابت ہوں تو ہم وہ معنی کریں گے اور سمجھیں گے ورنہ جہاں کہیں حضور ﷺ نے کچھ معنی بیان نہیں کئے ہم بھی نہ کریں گے اور ایمان لائیں گے کہ یہ اللہ کریم کی طرف سے ہے۔ حضور ﷺ سے تو اس میں ہمیں کچھ نہیں ملا۔

علما کا اس میں بے حد اختلاف ہے۔ اگر کسی پر کسی قول کی دلیل کھل جائے تو خیر وہ اسے مان لے ورنہ بہتر یہ کہ ان حروف کے کلام الٰہی ہونے پر ایمان لائے اور یہ جانے کہ اس کے معنی ضرور ہیں جو رب علیم ہی کو معلوم ہیں اور ہم پر ظاہر نہیں ہوئے دوسری حکمت ان حروف کے لانے میں یہ بھی ہے کہ ان سے سورتوں کی ابتدا معلوم ہو جائے لیکن یہ وجہ ضعیف ہے اس لیے کہ اس کے بغیر ہی سورتوں کی جدائی معلوم ہو جاتی ہے جن سورتوں میں ایسے حروف ہی نہیں، کیا ان کی ابتدا انتہا معلوم نہیں؟ پھر سورتوں سے پہلے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ الخ کا پڑھنے

---

[1] ابن ماجة، ابواب الديات، باب التغليظ في قتل مسلم ظلمًا، ٢٦٢٠ اس کی سند میں یزید بن ابی زیاد ہے۔ جسے بخاری نے منکر الحدیث اور نسائی نے متروک الحدیث کہا ہے (الميزان ٤/ ٤٢٥، رقم: ٩٦٩٦) اس روایت کے ضعیف شواہد بھی ہیں جن کے ساتھ یہ ضعیف ہی ہے۔

اور لکھنے کے اعتبار سے موجود ہونا کیا ایک سورت کو دوسری سے جدا نہیں کرتا؟ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ایک حکمت یہ بھی بیان کی ہے کہ چونکہ مشرکین کتاب اللہ کو سنتے ہی نہ تھے اس لئے انہیں سنانے کے لئے ایسے حروف لائے گئے تا کہ جب وہ متوجہ ہو جائیں تب باقاعدہ تلاوت شروع ہو۔ لیکن یہ وجہ بھی ناقص ہے اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو تمام سورتوں کی ابتدا ان ہی حروف سے کی جاتی حالانکہ ایسا نہیں ہوا بلکہ اکثر سورتیں اس سے خالی ہیں۔ پھر جب کبھی مشرکین سے کلام شروع ہوتو یہی حروف ہونے چاہئیں نہ کہ صرف سورتوں کے شروع میں ہی یہ حروف ہوں۔ پھر اس پر بھی غور کر لیجئے کہ یہ سورت یعنی سورۂ بقرہ اور اس کے بعد کی سورت یعنی سورۂ آل عمران یہ تو مدینہ میں نازل ہوئی ہیں اور مشرکین مکہ ان کے اترنے کے وقت وہاں تھے ہی نہیں پھر ان میں یہ حروف کیوں آئے؟

حروف مقطعات اور اعجاز قرآن: ہاں یہاں پر ایک اور حکمت بھی بیان کی گئی ہے کہ ان حروف کے لانے میں قرآن کریم کا ایک معجزہ ہے جس سے تمام مخلوق عاجز ہے باوجودیکہ یہ حروف بھی روزمرہ کے استعمالی حروف سے ترکیب دیئے گئے ہیں لیکن مخلوق کے کلام سے بالکل نرالے ہیں۔ مبرد اور محققین کی ایک جماعت اور فراء اور قطرب سے بھی یہی منقول ہے۔ زمخشری نے کشاف میں اس قول کو نقل کر کے اس کی بہت تائید کی ہے۔ زمخشری، ابن تیمیہ اور حافظ مزی رحمۃ اللہ علیہم نے بھی یہی حکمت بیان کی ہے۔ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ تمام حروف اکٹھے نہیں آئے۔

ہاں ان حروف کو مکرر لانے کی یہ وجہ ہے کہ بار بار مشرکین کو عاجز اور لاجواب کیا جائے اور انہیں ڈانٹا اور دھمکایا جائے جس طرح قرآن کریم میں اکثر قصے کئی کئی مرتبہ لائے گئے ہیں اور بار بار کھلے الفاظ میں بھی قرآن کے مثل لانے میں ان کی عاجزی کا بیان کیا گیا ہے۔ بعض جگہ تو صرف ایک ایک حرف آیا ہے جیسے ﴿صٓ﴾ ﴿نٓ﴾ ﴿قٓ﴾ کہیں دو حروف آئے ہیں جیسے ﴿حٰمٓ﴾ کہیں تین حروف آئے ہیں جیسے ﴿الٓمّٓ ۝﴾ کہیں چار آئے ہیں جیسے ﴿الٓمّٓرٰ ۝﴾ اور ﴿الٓمّٓصٓ ۝﴾ اور کہیں پانچ آئے ہیں جیسے ﴿كٓهٰيٰعٓصٓ ۝﴾ اور ﴿حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ ۝﴾ اس لئے کہ کلمات عرب تمام کے تمام اسی طرح پر ہیں یا تو ان میں ایک حرفی لفظ ہیں یا دو حرفی لفظ یا سہ حرفی یا چار حرفی یا پانچ حرفی سے زیادہ کے کلمات نہیں۔ جب یہ بات ہے کہ یہ حروف قرآن شریف میں بطور معجزے کے آئے ہیں تو ضروری تھا کہ جن سورتوں کے شروع میں یہ حروف آئے ہیں وہاں ذکر بھی قرآن کریم کا ہو اور قرآن کی بزرگی و بڑائی کا بیان ہو چنانچہ انتیس سورتوں میں ایسا ہی ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ ❶ یہاں بھی ان حروف کے بعد ذکر ہے کہ اس قرآن کے باری تعالیٰ کا کلام ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اور جگہ فرمایا: ﴿الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ ❷ ''وہ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو زندہ اور دوام والا ہے جس نے تم پر حق کے ساتھ کتاب تھوڑی تھوڑی نازل فرمائی ہے جو کتاب پہلی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے۔'' یہاں بھی ان حروف کے بعد قرآن کریم کی عظمت کا اظہار کیا گیا۔ اور جگہ فرمایا ﴿الٓمّٓصٓ ۝ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ ❸ الخ یعنی یہ کتاب تیری طرف اتاری گئی ہے تو اپنا دل تنگ نہ رکھ۔ اور جگہ فرمایا ﴿الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ﴾ ❹ الخ اس کتاب کو ہم نے تیری طرف نازل کیا تا کہ تو لوگوں کو اپنے رب کے حکم سے اندھیروں سے نکال کر اجالے میں لائے۔

ارشاد ہوتا ہے: ﴿الٓمّٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ ❺ ''اس کتاب کے رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔'' فرماتا ہے ﴿حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝﴾ ❻ ''بخششوں اور مہربانیوں والے

❶ ٢/ البقرة:١، ٢۔ ❷ ٣/ آل عمران:١، ٣۔ ❸ ٧/ الاعراف:١۔٢۔
❹ ١٤/ ابراهيم:١۔ ❺ ٣٢/ السجدة:٢، ١۔ ❻ ٤١/ حٰمٓ السجدة:١، ٢۔

مالک نے اسے نازل فرمایا ہے" ﴿حٰمٓ ○ عٓسٓقٓ ○ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ﴾ ❶ الخ "یعنی اس طرح وحی کرتا ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمتوں والا تیری طرف اور ان نبیوں کی طرف جو تجھ سے پہلے تھے۔" اسی طرح اور ایسی سورتوں کے شروع کو بغور دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان حروف کے بعد کلام اللہ کی عظمت اور عزت کا ذکر ہے جس سے یہ بات قوی معلوم ہوتی ہے کہ یہ حروف اس لئے لائے گئے ہیں کہ لوگ اس کے معارضے اور مقابلے سے عاجز ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ان حروف سے مدت معلوم کرائی گئی ہے اور فتنوں لڑائیوں اور دوسرے ایسے ہی کاموں کے اوقات بتائے گئے ہیں۔ لیکن یہ قول بھی ضعیف معلوم ہوتا ہے۔ اس کی دلیل میں ایک حدیث بھی بیان کی جاتی ہے لیکن اول تو وہ ضعیف ہے دوسرے اس حدیث اور اس قول کی پختگی تو ایک طرف اس کا باطل ہونا زیادہ ثابت ہوتا ہے۔ وہ حدیث محمد بن اسحاق بن یسار نے نقل کی ہے جو تاریخ کے مصنف ہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ ابو یاسر بن اخطب یہودی اپنے چند ساتھیوں کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت سورۂ بقرہ کی شروع آیت ﴿الٓمٓ ○ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ ❷ تلاوت فرما رہے تھے وہ اسے سن کر اپنے بھائی حُیَي بن اخطب کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے آج حضور ﷺ کو اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا ہے۔ وہ پوچھتا ہے تو نے خود سنا؟ اس نے کہا ہاں میں نے خود سنا ہے۔ حُیَي ان سب یہودیوں کو لے کر پھر حضور کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ حضور! کیا یہ سچ ہے کہ آپ اس آیت کو پڑھ رہے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں سچ ہے۔" اس نے کہا سنئے! آپ سے پہلے جتنے نبی آئے کسی کو بھی نہیں بتایا گیا تھا کہ اس کا ملک اور مذہب کب تک رہے گا لیکن آپ ﷺ کو بتا دیا گیا۔ پھر کھڑا ہو کر لوگوں سے کہنے لگا سنو! الف کا عدد ہوا ایک' لام کے تیس' میم کے چالیس جملہ اکہتر ہوئے' کیا تم اس نبی ﷺ کی اطاعت کرنی چاہتے ہو جسکے ملک اور امت کی مدت کل اکہتر سال ہو؟ پھر حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر دریافت کیا کہ کیا کوئی اور آیت بھی ایسی ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں ﴿الٓمٓصٓ ○﴾ کہنے لگا یہ بڑی بھاری اور بہت لمبی ہے الف کا ایک' لام کے تیس' میم کے چالیس' صاد کے نوے۔ یہ سب ایک سو اکسٹھ سال ہوئے۔ کہا اور کوئی بھی ایسی آیت ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں ﴿الٓرٰ﴾ کہنے لگا یہ بھی بہت بھاری اور لمبی ہے۔ الف کا ایک لام کے تیس اور را کے دوسو۔ جملہ دوسو اکتیس برس ہوئے۔ کیا اس کے ساتھ کوئی اور ایسی آیت بھی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں ﴿الٓمّٓرٰ﴾ کہا یہ بہت ہی بھاری ہے۔ الف کا ایک' لام کے تیس' میم کے چالیس' ر کے دوسو۔ سب مل کر دوسو اکہتر ہو گئے۔ اب تو کام مشکل ہو پڑا اور بات خلط ملط ہو گئی لوگو! چلو اٹھ چلو۔

ابو یاسر نے اپنے بھائی سے اور دوسرے علمائے یہود سے کہا کیا تعجب کہ ان سب حروف کا مجموعہ۔ (حضرت) محمد ﷺ کو ملا ہو۔ اکہتر ایک' ایک سو اکسٹھ ایک' دوسو اکتیس ایک' دوسو اکہتر ایک' یہ سب مل کر سات سو چار برس ہوئے۔ انہوں نے کہا اب کام خلط ملط ہو گیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیات انہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئیں۔ ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ﴾ ❸ الخ "یعنی وہ اللہ تعالیٰ جس نے تجھ پر کتاب نازل فرمائی جس میں محکم آیات ہیں جو اصل کتاب ہیں اور دوسری آیات متشابہت والی بھی ہیں۔"

اس حدیث کا دارو مدار محمد بن سائب کلبی پر ہے اور جس حدیث کا اکیلا راوی ہو محدثین اس سے حجت نہیں پکڑتے اور پھر اس طرح اگر مان لیا جائے اور ہر ایسے حرف کے عدد نکالے جائیں تو جن چودہ حروف کو ہم نے بیان کیا ان کے عدد بہت سارے ہو جائیں گے اور =

❶ ٤٢/ الشوریٰ: ١، ٢، ٣۔ ❷ ٢/ البقرۃ: ١، ٢۔ ❸ ٣/ آل عمران: ١٧۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾

ترجمہ: اس کتاب (کے اللہ تعالیٰ کی کتاب ہونے) میں کوئی شک نہیں پرہیزگاروں کو راہ دکھانے والی ہے۔ [۲]

== جو حروف ان میں سے کئی کئی بار آئے ہیں اگر ان کے عدد کا شمار بھی کئی کئی بار لگایا جائے تب تو بہت بڑی گنتی ہو جائے گی۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

قرآن مجید بلاشک کلام الٰہی ہے: [آیت: ۲] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہاں ﴿ذٰلِكَ﴾ معنی میں ھٰذَا کے ہے۔ مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، سدی، مقاتل بن حیان، زید بن اسلم اور ابن جریج رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے، یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے قائم مقام عربی زبان میں اکثر آتے رہتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابوعبیدہ رحمہ اللہ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ﴿ذٰلِكَ﴾ اصل میں ہے تو دور کے اشارے کے لئے جس کے معنی ہیں ''وہ'' لیکن کبھی نزدیک کے لئے بھی لاتے ہیں اس وقت اس کے معنی ہوتے ہیں ''یہ'' یہاں بھی اسی معنی میں ہے۔ زمخشری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس سے اشارہ ﴿الٓمّٓ﴾ کی طرف ہے۔ جیسے اس آیت میں ہے ﴿لَا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذٰلِكَ﴾ ❶ یعنی ''نہ تو وہ گائے بڑھیا ہے نہ بچی ہے بلکہ اس کے درمیانی عمر کی جوان ہے۔'' اور جگہ فرمایا: ﴿ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ﴾ ❷ ''یہ ہے اللہ کا حکم جو تمہارے درمیان حکم کرتا ہے۔'' اور جگہ فرمایا: ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ﴾ ''یہ ہے اللہ تعالیٰ۔'' اور اس کی مثال اور مواقع پہلے گزر چکے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے اشارہ ہے قرآن کریم کی طرف جس کے اتارنے کا وعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تھا۔ بعض نے تورات کی طرف کسی نے انجیل کی طرف بھی اشارہ بتایا ہے اور اسی طرح کے دس اقوال ہیں لیکن ان کو اکثر مفسرین نے ضعیف کہا ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

کتاب سے مراد قرآن کریم ہے۔ جن لوگوں نے کہا ہے کہ ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ﴾ کا اشارہ تورات اور انجیل کی طرف ہے انہوں نے نہایت دور کا راستہ لیا اور بڑی تکلیف اٹھائی اور خواہ مخواہ بلا وجہ وہ بات کہی جس کا انہیں علم نہیں ﴿رَيْبَ﴾ کے معنی ہیں شک اور شبہ۔ ابن عباس، ابن مسعود اور کئی ایک صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہی معنی مروی ہیں۔ ابو درداء، ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد، سعید بن جبیر، ابو مالک نافع رحمہ اللہ جو ابن عمر رضی اللہ عنہ کے مولا ہیں عطاء، ابو عالیہ، ربیع بن انس، مقاتل بن حیان سدی، قتادہ، اسمٰعیل بن ابو خالد رحمہ اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں مفسرین کا اس میں اختلاف نہیں۔ ﴿رَيْبَ﴾ کا لفظ عرب شاعروں کے شعروں میں تہمت کے معنی میں بھی آیا ہے اور حاجت کے معنی میں بھی اس کا استعمال ہوا ہے۔ اس جملہ کے معنی یہ ہوئے کہ اس قرآن کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہونے میں کچھ شک نہیں۔ جیسے سورۂ سجدہ میں ہے: ﴿الٓمّٓ ۞ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞﴾ ❸ یعنی ''بے شک یہ قرآن کریم تمام جہانوں کے پالنے والے پروردگار کی طرف سے اترا ہے۔'' بعض نے کہا ہے، گو یہ خبر ہے مگر معنی میں نہی کے ہے یعنی اس میں شک نہ کرو۔

بعض قاری ﴿لَا رَيْبَ﴾ پر وقف کرتے ہیں ﴿فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ کو الگ جملہ پڑھتے ہیں لیکن ﴿لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ پر ٹھہرنا بہت بہتر ہے کیونکہ یہی مضمون اسی طرح سورۂ سجدہ کی آیت میں گزر چکا ہے اور اس میں بہ نسبت ﴿فِيْهِ هُدًى﴾ کے زیادہ مبالغہ ہے ﴿هُدًى﴾ نحوی اعتبار سے صفت ہو کر مرفوع ہو سکتا ہے اور حال کی بنا پر منصوب بھی ہو سکتا ہے اس جگہ ہدایت کو متقین کے ساتھ خاص کیا۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ﴾ ❹ الخ یعنی ''یہ قرآن ہدایت و شفا ہے ایمان والوں کے لئے

❶ ۲/ البقرة:٦٨۔ ❷ ٦٠/ الممتحنة:١٠۔ ❸ ٣٢/ السجدة:١، ٢۔ ❹ ٤١/ فصلت:٤٤۔

اور بے ایمانوں کے کان بوجھل ہیں اور آنکھیں اندھی ہیں' یہ بہت دور کی جگہ سے پکارے جاتے ہیں' ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ❶ الخ یعنی "یہ قرآن ایمان والوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالم لوگ تو اپنے خسارے میں ہی بڑھتے جاتے ہیں۔" اس مضمون کی اور آیات بھی ہیں اور ان سب کا مطلب یہ ہے کہ گو قرآن کریم خود ہدایت اور محض ہدایت ہے اور سب کے لئے ہے لیکن اس ہدایت سے نفع اٹھانے والے صرف نیک بخت لوگ ہیں جیسے فرمایا ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ ❷ الخ "لوگو! تمہارے پاس رب تعالیٰ کی نصیحت اور سینے کی بیماریوں کی شفا آ چکی ہے جو مؤمنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے۔" ابن عباس ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ہدایت سے مراد نور ہے۔

متقی کون لوگ ہیں؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں متقین وہ ہیں جو ایمان لا کر شرک سے دور رہ کر اللہ تعالیٰ کے احکام بجالائیں۔ ایک اور روایت میں ہے متقی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے ڈر کر ہدایت کو نہیں چھوڑتے اور اس کی رحمت کی امید رکھ کر اس کی طرف سے جو نازل ہوا اسے سچا جانتے ہیں۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں متقی وہ ہے جو حرام سے بچے اور فرائض بجالائے۔ اعمش حضرت ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ متقی کون ہے؟ آپ یہی جواب دیتے ہیں۔ پھر میں نے کہا ذرا حضرت کلبی سے تو دریافت کرلو وہ کہتے ہیں متقی وہ ہیں جو کبیرہ گناہوں سے بچیں۔ اس پر دونوں کا اتفاق ہوتا ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں متقی وہ ہے جس کا وصف اللہ تعالیٰ نے خود اس آیت کے بعد بیان فرمایا کہ ﴿اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ﴾ الخ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سب اوصاف متقین میں جمع ہوتے ہیں۔ ترمذی اور ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "بندہ حقیقی متقی نہیں ہوسکتا جب تک کہ ان چیزوں کو نہ چھوڑ دے جن میں حرج نہیں اس خوف سے کہ کہیں وہ حرج میں گرفتار نہ ہو جائے۔" ترمذی اسے حسن غریب کہتے ہیں۔ ❸ ابن ابی حاتم میں ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب لوگ ایک میدان میں قیامت کے دن روک لئے جائیں گے اس وقت ایک پکارنے والا پکارے گا کہ متقی کہاں ہیں؟ اس آواز پر وہ کھڑے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنے بازو میں لے لے گا اور بے حجاب انہیں اپنے دیدار سے مشرف فرمائے گا۔ ابوعفیف نے پوچھا حضرت! متقی کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا جو لوگ شرک سے اور بت پرستی سے بچیں اور باری تعالیٰ کی خالص عبادت کریں وہ اسی عزت کے ساتھ جنت میں پہنچائے جائیں گے۔

ہدایت کی وضاحت: ہدایت کے معنی کبھی تو دل میں ایمان پیوست ہو جانے کے آتے ہیں اس ہدایت پر تو سوائے رب تعالیٰ کے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ فرمان ہے ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ﴾ ❹ یعنی "اے نبی! جسے تو چاہے ہدایت نہیں دے سکتا۔" فرماتا ہے ﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ﴾ ❺ "تجھ پر ان کی ہدایت لازم نہیں۔" فرماتا ہے: ﴿مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ﴾ ❻ "جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت پر لانے والا نہیں۔" فرمایا ﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ﴾ ❼ الخ یعنی "جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی ہدایت والا ہے اور جسے وہ گمراہ کرے تم ہرگز اس کا نہ کوئی ولی پاؤ گے نہ مرشد۔" اس قسم کی اور آیات بھی ہیں۔ اور ہدایت کے معنی کبھی حق کے اور حق کو واضح کردینے اور حق پر دلالت کرنے اور حق کی طرف راہ دکھانے کے بھی آئے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے =

❶ ١٧/ الاسرآء:٨٢۔ ❷ ١٠/ یونس:٥٧۔ ❸ ترمذی، ابواب صفة القيامة، باب علامة التقوى، ٢٤٥١؛ ابن ماجة، ٤٢١٥ وسنده حسن وحسنه الترمذی وصححه الحاكم والذهبی عبدالله بن يزيد الدمشقی حسن الحديث وثقه الجمهور۔

❹ ٢٨/ القصص:٥٦۔ ❺ ٢/ البقرة:٢٧٢۔

❻ ٧/ الاعراف:١٨٦۔ ❼ ١٨/ الكهف:١٧۔

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ

ترجمہ: جولوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں

=﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝﴾ ❶ یعنی ”تو یقیناً سیدھی راہ کی رہبری کرتا ہے۔“ اور فرمایا: ﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ۝﴾ ❷ یعنی ”تو صرف ڈرانے والا ہے اور ہر قوم کے لئے ہادی ہے۔“ اور جگہ فرمان ہے: ﴿وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ﴾ ❸ الخ یعنی ”ہم نے ثمود کو ہدایت دکھائی لیکن انہوں نے اندھے پن کو ہدایت پر پسند کر لیا۔“ فرماتا ہے: ﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ۝﴾ ❹ ”ہم نے اسے دونوں راہیں دکھائیں یعنی بھلائی اور برائی کی۔ تقویٰ کے اصل معنی بری چیزوں سے بچ رہنے کے ہیں۔ اصل میں یہ وقوی ہے وقایت سے ماخوذ ہے۔ نابغہ وغیرہ کے اشعار میں بھی آیا ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تقویٰ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کبھی کانٹوں دار راستے میں چلے ہو؟ جیسے وہاں کپڑوں کو اور جسم کو بچاتے ہوئے ایسے ہی گناہوں سے بال بال بچنے کا نام تقویٰ ہے۔ ابن المعتز شاعر کا قول ہے۔

خَلِّ الذُّنُوْبَ صَغِيْرَهَا وَكَبِيْرَهَا ذَاكَ التُّقٰى
وَاصْنَعْ كَمَاشٍ فَوْقَ اَرْضِ الشَّوْكِ يَحْذِرُ مَا يَرٰى
لَا تَحْقِرَنَّ صَغِيْرَةً اِنَّ الْجِبَالَ مِنَ الْحِصٰى

یعنی ”چھوٹے اور بڑے اور سب گناہوں کو چھوڑ دو یہی تقوی ہے۔ ایسے رہو جیسے کانٹوں والی راہ پر چلنے والا انسان ' چھوٹے گناہ کو بھی ہلکا نہ جانو' دیکھو پہاڑ کنکروں سے ہی بن جاتے ہیں۔“ ابو درداء رضی اللہ عنہ اپنے اشعار میں فرماتے ہیں انسان اپنی تمناؤں کے پورا ہونے کا خواہاں ہوتا ہے اور رب تعالیٰ کے ارادوں پر نگاہ نہیں رکھتا حالانکہ ہوتا وہی ہے جو اللہ کا ارادہ ہو۔ وہ اپنے دنیوی فائدے اور مال کے پیچھے پڑا ہوا ہے حالانکہ اس کا بہترین فائدہ اور عمدہ مال اللہ کا تقوی ہے۔ ابن ماجہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”سب سے عمدہ فائدہ جو انسان حاصل کر سکتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے اس کے بعد نیک بیوی ہے کہ خاوند جب اس کی طرف دیکھے وہ اسے خوش کر دے اور جو حکم دے اسے بجالائے اور اگر قسم دیدے تو پوری کر دکھائے اور جب وہ موجود نہ ہو تو اس کے مال کی اور اپنے نفس کی حفاظت کرے۔“ ❺

ایمان کے معانی اور مفہوم: [آیت:٣] حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایمان کہتے ہیں تصدیق کو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی یہی فرماتے ہیں۔ زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایمان کہتے ہیں عمل کو۔ ربیع بن انس رحمہ اللہ کہتے ہیں یہاں مراد ایمان لانے سے ڈرنا ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ سب اقوال مل سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ زبان سے دل سے اور عمل سے غیب پر ایمان لاتے ہیں اور رب تعالیٰ کا ڈر (اپنے دلوں میں) رکھتے ہیں۔ ایمان کا لفظ شامل ہے اللہ تعالیٰ پر' اس کی کتابوں پر' اس کے رسولوں پر' ایمان لانے کو

---

❶ ٤٢/ الشوریٰ:٥٢۔ ❷ ١٣/ الرعد:٧۔ ❸ ٤١/ حم السجدة:١٧۔ ❹ ٩٠/ البلد:١٠۔

❺ ابن ماجة، كتاب النكاح، باب افضل النسآء، ١٨٥٧ وسنده ضعيف جدًا اس کی سند میں علی بن یزید منکر الحدیث (المیزان ٣/ ١٦١، رقم: ٥٩٦٦) اور عثمان بن أبی عاتکہ مختلف فیہ راوی ہے۔ (المیزان ٣/ ٤٠، رقم: ٥٥٢٢) شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الضعيفة، ٤٤٢١)

اور عمل کے ساتھ اس اقرار کی تصدیق عمل کے ساتھ کرنے کو۔ میں کہتا ہوں لغت میں ایمان کہتے ہیں صرف سچا مان لینے کو۔ قرآن کریم میں بھی اس معنی میں استعمال ہوا ہے جیسے فرمایا ﴿يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ❶ یعنی "اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اور ایمان والوں کو سچا جانتے ہیں۔" حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے باپ سے کہا تھا: ﴿وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ﴾ ❷ یعنی "تو ہمارا یقین نہیں کرے گا اگر چہ ہم سچے ہوں۔" اسی طرح ایمان یقین کے معنی میں آتا ہے جب اعمال کے ذکر کے ساتھ ملا ہوا ہو جیسے فرمایا: ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ❸ ہاں جس وقت اس کا استعمال مطلق ہو تو ایمان شرعی جو اللہ کے ہاں مقبول ہے وہ اعتقاد قول اور عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ اکثر ائمہ کا یہی مذہب ہے۔ بلکہ امام شافعی، امام احمد اور ابوعبیدہ رحمہم اللہ وغیرہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ ایمان نام ہے زبان سے کہنے اور عمل کرنے کا اور ایمان بڑھتا گھٹتا رہتا ہے۔ اور اس کے ثبوت میں بہت سے آثار اور احادیث بھی آئی ہیں جو ہم نے بخاری کی شرح میں نقل کر دی ہیں۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

بعض لوگوں نے ایمان کے معنی اللہ کے ڈر اور خوف کے بھی کئے ہیں جیسے فرمان ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ﴾ ❹ "جو لوگ اپنے رب سے درپردہ ڈرتے رہتے ہیں۔" اور جگہ فرمایا: ﴿مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ﴾ ❺ الخ یعنی "جو شخص اللہ تعالیٰ سے بغیر دیکھے ڈرے اور جھکنے والا دل لے کر آئے ہے۔" حقیقت میں باری تعالیٰ کا خوف ایمان کا اور علم کا خلاصہ ہے جیسے فرمایا ﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ ❻ "رب تعالیٰ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو ذی علم ہیں۔" بعض کہتے ہیں وہ غیب پر بھی ایسا ہی ایمان رکھتے ہیں جیسا حاضر پر اور ان کا حال منافقوں جیسا نہیں کہ جب ایمان والوں کے سامنے ہوں تو اپنا ایمان دار ہونا ثابت کریں' لیکن جب اپنے والوں میں ہوتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں' ہم تو انکا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان منافقین کا حال سورۂ منافقون میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ ﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ ❼ الخ "یعنی منافق جب تیرے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تہ دل سے شہادت دیتے ہیں کہ تو اللہ کا رسول ہے اللہ خوب جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے لیکن اللہ کی گواہی ہے کہ یہ منافق تجھ سے جھوٹ کہتے ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے ﴿بِالْغَيْبِ﴾ حال ٹھہرے گا یعنی وہ ایمان لاتے ہیں' درآں حالیکہ لوگوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔" غیب کا لفظ جو یہاں ہے اس کے معنی میں بھی مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں اور وہ سب صحیح ہیں اور جمع ہو سکتے ہیں۔

ابوالعالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد اللہ تعالیٰ پر فرشتوں پر' کتابوں پر' رسولوں پر' قیامت پر' جنت و دوزخ پر' ملاقات الٰہی پر' مرنے کے بعد جی اٹھنے پر ایمان لانا ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن عباس' ابن مسعود اور بعض دیگر اصحاب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ مراد اس سے وہ پوشیدہ چیزیں ہیں جو نظروں سے اوجھل ہیں جیسے جنت' دوزخ وغیرہ وہ امور جو قرآن میں مذکور ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ کی طرف سے جو آیا ہے وہ سب غیب میں داخل ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مراد اس سے قرآن ہے۔ عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والا غیب پر ایمان لانے والا ہے۔ اسماعیل بن ابو خالد رحمہ اللہ فرماتے ہیں مراد اسلام کی تمام پوشیدہ چیزیں ہیں' زید بن اسلم رحمہ اللہ کہتے ہیں مراد تقدیر پر ایمان لانا ہے۔ پس یہ تمام اقوال معنی کی رو سے ایک ہی ہیں اس لئے کہ یہ سب چیزیں پوشیدہ ہیں اور غیب کی تفسیر ان سب کو شامل ہے اور سب پر ایمان لانا واجب ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ایک مرتبہ صحابہ کے فضائل بیان ہوتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے

---

❶ ٩/ التوبة:٦١۔ ❷ ١٢/ يوسف:١٧۔ ❸ ٨٤/ الانشقاق:٢٥۔ ❹ ٦٧/ الملك:١٢۔
❺ ٥٠/ ق:٣٣۔ ❻ ٣٥/ فاطر:٢٨۔ ❼ ٦٣/ المنافقون:١۔

والوں نے تو آپ ﷺ پر ایمان لانا ہی تھا لیکن اللہ کی قسم ایمانی حیثیت سے وہ لوگ افضل ہیں جو بن دیکھے ایمان لاتے ہیں۔ پھر آپ نے ﴿الٓمّٓ﴾ سے لے کر ﴿مُفْلِحُوْنَ o﴾ تک آیات پڑھیں (ابن ابی حاتم۔ مردویہ، مستدرک حاکم) امام حاکم رحمہ اللہ اس روایت کو صحیح بتاتے ہیں۔ مسند احمد میں بھی اس مضمون کی ایک حدیث ہے۔ ابو جمعہ صحابی رضی اللہ عنہ سے ابن محیریز رحمہ اللہ نے کہا کہ کوئی ایسی حدیث سناؤ جو تم نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو۔ فرمایا: اچھا میں تمہیں ایک بہت ہی عمدہ حدیث سناتا ہوں۔ ہم نے حضور ﷺ کے ساتھ ایک مرتبہ ناشتہ کیا۔ ہمارے ساتھ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ! کیا ہم سے بہتر بھی کوئی اور ہے؟ ہم آپ ﷺ کے ساتھ اسلام لائے' آپ کے ساتھ جہاد کئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں وہ لوگ جو تمہارے بعد آئیں گے مجھ پر ایمان لائیں گے حالانکہ انہوں نے مجھے دیکھا بھی نہ ہوگا۔'' ❶ تفسیر ابن مردویہ میں ہے صالح بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابو جمعہ انصاری رضی اللہ عنہ ہمارے پاس بیت المقدس میں آئے۔ رجاء بن حیوہ رضی اللہ عنہ بھی ہمارے ساتھ ہی تھے۔ جب وہ واپس جانے لگے تو ہم انہیں الوداع کرنے کے لئے ساتھ چلے۔ جب جدا ہونے لگے تو فرمایا تمہاری ان مہربانیوں کا بدلہ اور حق مجھے ادا کرنا چاہیے۔ سنو! میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں جسے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے ضرور سناؤ۔ انہوں نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے ہم دس آدمی تھے۔ ان میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ہم نے کہا یارسول اللہ! کیا ہم سے بڑے اجر کا مستحق بھی کوئی ہوگا؟ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ کی تابعداری کی۔ آپ نے فرمایا ''تم کیوں نہ کرتے؟ اللہ تعالیٰ کا رسول تم میں موجود ہے' وحی الٰہی آسمان سے تمہارے سامنے نازل ہو رہی ہے۔ ایمان تو ان لوگوں کا ہے جو تمہارے بعد آئیں گے۔ دو گتوں کے درمیان کتاب پائیں گے اس پر ایمان لائیں گے اور اس پر عمل کریں گے۔ یہ لوگ اجر میں تم سے دگنے ہیں۔'' ❷ اس حدیث میں وجادہ کی قبولیت کی دلیل ہے جس میں محدثین کا اختلاف ہے۔ میں نے اس مسئلہ کو بخاری کی شرح میں خوب واضح کر دیا' اس لئے کہ بعد والوں کی تعریف اسی بنا پر ہو رہی ہے اور ان کا بڑے اجر والا ہونا' اسی حیثیت سے ہے ورنہ علی الاطلاق ہر طرح سے بہتر اور افضل تو صحابہ رضی اللہ عنہم ہی ہیں۔

ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا: ''تمہارے نزدیک ایمان لانے میں کون زیادہ افضل ہیں؟ انہوں نے کہا فرشتے' فرمایا وہ ایمان کیوں نہ لاتے وہ تو اپنے رب کے پاس ہی ہیں۔ صحابہ نے کہا پھر انبیا۔ فرمایا انبیا ایمان کیوں نہ لائیں ان پر تو وحی نازل ہوتی ہے۔ کہا پھر ہم۔ فرمایا تم ایمان کو قبول کیوں نہ کرتے' حالانکہ میں تم میں موجود ہوں۔ سنو! میرے نزدیک سب سے زیادہ افضل ایمان والے وہ لوگ ہوں گے جو تمہارے بعد آئیں گے۔ صحیفوں میں کتاب لکھی پائیں گے اس پر ایمان لے آئیں گے۔'' ❸ اس کی سند میں مغیرہ بن قیس ہیں۔ ابو حاتم رازی رحمہ اللہ نے انہیں منکر الحدیث بتایا ہے لیکن اسی مضمون =

---

❶ احمد، ٤/ ١٠٦ وسنده صحيح؛ مسند ابی یعلیٰ، ١٥٥٩؛ طبرانی، ٣٥٣٧، ٣٥٣٨، ٣٥٥٩؛ حاکم ٢/ ٢٦٠؛ مجمع الزوائد، ١٠/ ١٦٦٩٣ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الصحيحة: ٧/ ٩٠٧)

❷ المعجم الکبیر، ٣٥٤٠ اس کی سند میں عبداللہ بن صالح ہے جو روایات میں نکارت وندرت کی وجہ سے اکثر محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ (المیزان ٢/ ٤٤٠، رقم: ٤٣٨٢) لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

❸ علامہ ابن کثیر کی بیان کردہ علت کے علاوہ اس کی سند میں اسماعیل بن عیاش ہے جس کی غیر شامیوں سے روایت ضعیف ہوتی ہے (المیزان ١/ ٢٤٠، رقم: ٩٣٣) لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿٣﴾

ترجمہ: اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے دیتے رہتے ہیں۔[۳]

= کی ایک اور حدیث ضعیف سند سے مسند ابویعلیٰ، تفسیر ابن مردویہ، مستدرک حاکم میں مروی ہے۔ ❶ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کے مثل مرفوعاً مروی ہے ❷ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ (کی روایت) میں ہے حضرت بدیلہ بنت اسلم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بنو حارثہ کی مسجد میں ہم ظہر یا عصر کی نماز میں تھے اور بیت المقدس کی طرف ہمارا منہ تھا۔ دو رکعت ادا کر چکے تھے کہ کسی نے آ کر خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر لیا ہے۔ ہم سنتے ہی گھوم گئے۔ عورتیں مردوں کی جگہ آ گئیں اور مرد عورتوں کی جگہ چلے گئے اور باقی دو رکعتیں ہم نے بیت اللہ کی طرف منہ کر کے ادا کیں۔ جب حضور کو یہ خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔" یہ حدیث اس اسناد سے غریب ہے۔ ❸

اقامت صلوٰۃ اور انفاق سے کیا مراد ہے؟ [آیت:۳] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں فرائض نماز بجالاتے ہیں، رکوع سجدہ، تلاوت، خشوع اور توجہ کو قائم کرتے ہیں۔ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں وقتوں کا خیال رکھنا، وضو اچھی طرح کرنا، رکوع سجدہ پوری طرح کرنا اقامت صلوۃ ہے۔ مقاتل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وقت کا خیال کرنا، کامل طہارت کرنا، رکوع سجدہ پورا کرنا، تلاوت اچھی طرح کرنا، التحیات اور درود شریف پڑھنا اقامت صلوۃ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ﴿مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ﴾ ❹ کے معنی زکوٰۃ ادا کرنے کے ہیں۔ ابن عباس، ابن مسعود اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ اس سے مراد آدمی کا اپنے بال بچوں کو کھلانا پلانا ہے۔ یہ زکوٰۃ کے حکم سے پہلے کی آیت ہے حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کی سات آیات جو سورۂ برأت میں ہیں، ان کے نازل ہونے سے پہلے یہ حکم تھا کہ اپنی اپنی طاقت کے مطابق تھوڑا بہت جو میسر ہو دیتے رہیں۔

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ مال تمہارے پاس اللہ کی امانت ہے عنقریب تم سے جدا ہو جائے گا، اپنی زندگی میں اسے اللہ کی راہ میں لگا دو۔ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت عام ہے زکوٰۃ کو، اہل وعیال کے خرچ کو، اور جن لوگوں کو دینا ضروری ہو ان سب کے دینے کو شامل ہے اس لئے پروردگار نے ایک عام وصف بیان فرمایا ہے اور عام تعریف کی ہے تو ہر طرح کے خرچ کو شامل ہوگی۔ میں کہتا ہوں قرآن کریم میں اکثر جگہ نماز کا اور مال خرچ کرنے کا ذکر ملا جلا آتا ہے اس لئے نماز اللہ کا حق اور اس کی عبادت ہے جو اس کی توحید اور اس کی ثنا اس کی بزرگی، اس کی طرف جھکنے، اس پر توکل کرنے اس سے دعا کرنے کا نام ہے اور خرچ کرنا مخلوق کی طرف احسان کرنا ہے جس سے انہیں نفع پہنچے۔ اس کے زیادہ حقدار اہل وعیال اور غلام ہیں، پھر دور والے، اجنبی، پس تمام واجب خرچ اخراجات اور فرض زکوٰۃ اس میں داخل ہیں۔ بخاری ومسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا =

---

❶ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے سخت ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الضعيفة: ٦٤٨) ❷ مسند البزار الكشف، ٢٨٤٠ وسنده ضعيف، سعيد بن بشير ضعيف قتادہ مدلس وعنعن ان صح السند اليه۔ ❸ ابن ابی حاتم والطبرانی فی الكبير، ٢٤/ ٢٠٧، ح ٥٣٠، ایک سند میں اسحاق بن ادریس دوسری سند میں مصعب بن ابراہیم الزبیری ہیں لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔ ❹ ٢/ البقرة: ٣۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا اور آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔[۴]

= ''اسلام کی بنائیں پانچ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی دینا' نماز قائم رکھنا' زکوٰۃ دینا' رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا۔'' ❶ اس بارے میں اور بہت سی احادیث ہیں۔

صلوٰۃ کے لغوی و شرعی معانی: عربی لغت میں صلوۃ کے معنی دعا کے ہیں۔ عرب شاعروں کے شعر اس پر شاہد ہیں۔ پھر شریعت میں اس کا استعمال نماز پر ہے جو رکوع' سجود اور دوسرے خاص افعال کا نام ہے' جو مخصوص اوقات میں جملہ شرائط اور صفات اور اقسام کے ساتھ بجالائی جاتی ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز کو صلوۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ نمازی اللہ تعالیٰ سے اپنے عمل کا ثواب طلب کرتا ہے اور اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ جو دو رگیں پیٹھ سے لے کر ریڑھ کی ہڈی کی دونوں طرف آتی ہیں انہیں عربی میں صلوین کہتے ہیں چونکہ نماز میں یہ ہلتی ہیں اس لئے نماز کو صلوۃ کہا گیا ہے۔ لیکن یہ قول ٹھیک نہیں۔ بعض نے کہا یہ ماخوذ ہے صلی سے جس کے معنی ہیں چپک جانا اور لازم ہو جانا' جیسے قرآن میں ہے: ﴿لَا يَصْلٰىهَآ﴾ ❷ الخ یعنی ''جہنم میں ہمیشہ نہ رہے گا مگر بدبخت۔'' بعض علما کا قول ہے کہ جب لکڑی کو درست کرنے کے لئے آگ پر رکھتے ہیں تو عرب تَصْلِيَة کہتے ہیں۔ چونکہ نمازی بھی اپنے نفس کی کجی کو نماز سے درست کرتا ہے اس لئے اسے صلوۃ کہتے ہیں جیسے قرآن میں ہے ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ ❸ الخ ''یعنی نماز ہر بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔'' لیکن اس کا دعا کے معنی میں ہونا ہی زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ لفظ زکوٰۃ کی بحث ان شاء اللہ اور جگہ آئے گی۔

مؤمنین کی چند دیگر صفات: [آیت:۴] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر نازل ہوا اور تم سے پہلے کے انبیا پر نازل ہوا وہ ان سب کی تصدیق کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ کسی کو مانیں اور کسی کا انکار کریں بلکہ اپنے رب کی سب باتوں کو مانتے ہیں اور آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں یعنی بعث و قیامت' جنت و دوزخ' حساب و میزان سب کو مانتے ہیں۔ قیامت چونکہ دنیا کے فنا ہونے کے بعد آئے گی اس لئے اسے آخرت کہتے ہیں۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جن کی پہلے ایمان بالغیب وغیرہ کے ساتھ صفت بیان کی گئی تھی' ان ہی کی دوبارہ یہ صفتیں بیان کی گئی ہیں یعنی ایماندار خواہ عرب مؤمن ہوں خواہ اہل کتاب وغیرہ۔ مجاہد' ابو العالیہ' ربیع بن انس اور قتادہ رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ دونوں ہیں تو ایک' مگر مراد اس سے صرف اہل کتاب ہی ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں واؤ عطف کا ہوگا اور صفتوں کا عطف صفتوں پر ہوگا' جیسے ﴿سَبِّحِ اسْمَ﴾ الخ میں صفتوں کا عطف صفتوں پر ہے' اور شعرا کے شعروں میں بھی آیا ہے۔ بعض کا قول یہ ہے کہ پہلی صفتیں تو ہیں عرب مؤمنوں کی اور ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ الخ سے اہل کتاب کے مؤمنوں کی صفتیں مراد ہیں۔

سدی رحمہ اللہ نے ابن عباس' ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے اور ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے اور اس کی شہادت میں یہ آیت لائے ہیں ﴿وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ﴾ ❹ الخ یعنی ''اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ

❶ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب دعاؤکم ایمانکم، ۸؛ صحیح مسلم، ۱۱۔

❷ ۹۲/ اللیل:۱۵۔ ❸ ۲۹/ العنکبوت:۴۵۔ ❹ ۳/ آل عمران:۱۹۹۔

پر اور اس وحی پر جو اس سے پہلے تمہاری طرف نازل کی گئی اور اس وحی پر جو ان کی طرف اتاری گئی ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔'' اور جگہ ارشاد ہے ﴿اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ﴾ ❶ الخ یعنی جنہیں اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں' اور جب ان پر (یہ قرآن) پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم اس پر بھی ایمان لائے اور اسے اپنے رب کی طرف سے حق جانا۔ ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان تھے۔ انہیں ان کے صبر کرنے اور برائی کے بدلے بھلائی کرنے اور راہ للہ میں خرچ کرنے کی وجہ سے دوہرا اجر ملے گا۔

بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''تین شخصوں کو دوہرا اجر ملے گا۔ ایک اہل کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لائیں اور مجھ پر بھی ایمان رکھیں۔ دوسرا وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرے اور اپنے مالک کا بھی۔ تیسرا وہ شخص جو اپنی لونڈی کو اچھا ادب سکھائے پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے۔'' ❷ ابن جریر رحمہ اللہ کے اس فرق کی مناسبت اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ اس سورت کے شروع میں مؤمنوں اور کافروں کا بیان ہوا ہے تو جس طرح کفار کی دو قسمیں ہیں' کافر اور منافق' اسی طرح مؤمنوں کی بھی دو قسمیں کیں عربی مؤمن اور کتابی مؤمن۔ میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ مجاہد رحمہ اللہ کا یہ قول ٹھیک ہے کہ سورۂ بقرہ کی پہلی چار آیات مؤمنوں کے اوصاف کے بارے میں ہیں اور ان کے بعد کی تیرہ آیات منافقوں کے حق میں ہیں۔ عربی ہو یا عجمی' کتابی ہو یا غیر کتابی ہو' انسانوں میں سے ہو یا جنات میں سے اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک وصف دوسرے کو لازم اور شرط ہے' ایک بغیر دوسرے کے نہیں ہو سکتا۔

غیب پر ایمان لانا' نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اس وقت تک صحیح نہیں جب تک کہ رسول اللہ ﷺ پر اور سابقہ انبیا پر جو کتابیں اتری ہیں ان پر ایمان نہ ہو اور ساتھ ہی آخرت کا یقین کامل نہ ہو۔ جس طرح پہلی تین چیزیں بغیر پچھلی تین چیزوں کے غیر معتبر ہیں اسی طرح پچھلی تینوں بغیر پہلی تینوں کے صحیح نہیں' اسی لئے ایمان والوں کو حکم الٰہی ہے ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْکِتٰبِ﴾ ❸ الخ یعنی اے ایمان والو! اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کتاب ان پر اتری ہے اس پر اور جو کتابیں ان سے پہلے اتری ہیں ان پر ایمان لاؤ۔ اور جگہ فرمایا: ﴿وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَھْلَ الْکِتٰبِ﴾ ❹ الخ یعنی ''اہل کتاب سے جھگڑنے میں بہترین طریقہ اختیار کرو اور کہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے اور جو تمہاری طرف اتارا گیا ہے۔ ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے۔'' اور جگہ ارشاد ہے ''اے اہل کتاب! جو ہم نے اتارا ہے اس پر ایمان لاؤ یہ اس کو سچا کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے۔ اور جگہ فرمایا اے اہل کتاب! تم کسی چیز پر نہیں ہو جب تک کہ تورات اور انجیل کو جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اتارا گیا ہے قائم نہ رکھو۔'' ایک اور جگہ تمام ایمان والوں کی طرف سے خبر دیتے ہوئے قرآن کریم نے فرمایا ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ﴾ ❺ الخ ''یعنی رسول ایمان لائے اس پر جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا اور تمام ایمان والے بھی' ہر ایک ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر' ہم رسولوں میں فرق اور جدائی نہیں کرتے۔ اسی طرح ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور رسولوں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے۔'' اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں تمام ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے تمام رسولوں پر اور سب کتابوں پر ایمان لانے کا ذکر کیا گیا ہے۔

یہ اور بات ہے کہ اہل کتاب کے ایمانداروں میں ایک خاص خصوصیت ہے کیونکہ ان کا ایمان اپنے ہاں کی کتابوں پر تفصیل کے ==

---

❶ ۲۸/ القصص: ۵۲۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب تعلیم الرجل امته واهله، ۹۷؛ صحیح مسلم، ۱۵٤۔
❸ ٤/ النسآء: ۱۳٦۔ ❹ ۲۹/ العنکبوت: ٤٦۔ ❺ ۲/ البقرة: ۲۸۵۔

أُولَٰٓئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

ترجمہ: یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں۔[۵]

= ساتھ ہوتا ہے اور پھر جب حضور ﷺ کے ہاتھ پر وہ اسلام قبول کرتے ہیں تو قرآن کریم پر بھی تفصیل کے ساتھ ایمان لاتے ہیں اس لئے ان کو دوہرا اجر ملتا ہے۔ اور اس امت کے لوگ بھی سابقہ کتابوں پر ایمان لاتے ہیں لیکن ان کا ایمان اجمالی طور پر ہوتا ہے۔ جیسے صحیح حدیث میں ہے کہ "جب تم سے اہل کتاب کوئی بیان کریں تو تم نہ اسے سچ کہو اور نہ جھوٹ بلکہ کہہ دیا کرو کہ ہم تو جو کچھ ہم پر اترا اسے بھی مانتے ہیں اور جو کچھ تم پر اترا ہے اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔" ❶ بعض مواقع پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو لوگ حضور ﷺ پر ایمان لاتے ہیں ان کا ایمان بہ نسبت اہل کتاب کے ایمان کے زیادہ پورا زیادہ کمال والا' زیادہ راسخ اور زیادہ مضبوط ہوتا ہے اس حیثیت سے ممکن ہے کہ انہیں اہل کتاب سے بھی زیادہ اجر ملے گو وہ بہ سبب اپنے پیغمبر اور پیغمبر آخر زمان پر ایمان لانے کے دوہرا اجر پائے ہوئے ہوں' لیکن یہ لوگ بسبب کمال ایمان کے اجر میں ان سے بھی بڑھ جاتے ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

ہدایت پانے والے خوش نصیب کون ہیں؟ [آیت:۵] یعنی وہ لوگ جن کے اوصاف پہلے بیان ہوئے مثلاً غیب پر ایمان لانا' نماز قائم رکھنا' اللہ کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرنا' حضور ﷺ پر جو اترا ہے اس پر ایمان لانا' آپ ﷺ سے پہلے جو کتابیں اتری ان کو ماننا' دار آخرت پر یقین رکھ کر وہاں کام آنے والے نیک عمل کرنا' برائیوں اور حرام کاریوں سے بچنا۔ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور ملا ہے اور بیان وبصیرت حاصل ہوا ہے اور انہی لوگوں کے لئے دنیا اور آخرت میں فلاح اور نجات ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ہدایت کی تفسیر نور اور استقامت سے کی ہے اور فلاح کی تفسیر اپنی چاہت کو پالینے اور برائیوں سے بچ جانے سے کی ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے رب کی طرف سے نور اور دلیل اور ثابت قدمی اور سچائی اور توفیق حق پر ہیں اور یہی لوگ اپنے پاکیزہ اعمال کی وجہ سے نجات ثواب اور جنت کی ہمیشگی کو پانے کے مستحق ہیں اور عذابوں سے دور ہیں۔ ابن جریر رحمہ اللہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ دوسرے ﴿أُولَٰٓئِكَ﴾ کا اشارہ اہل کتاب کی طرف ہے جن کی صفت اس سے پہلے بیان ہو چکی ہے جیسے پہلے گزر چکا اس اعتبار سے ﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ﴾ ❷ الخ پہلے کی آیت سے جدا ہوگا اور مبتدا بن کر مرفوع ہوگا اور اس کی خبر ﴿أُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ ہوگی' لیکن پسندیدہ قول یہی ہے کہ اس کا اشارہ پہلے کے سب اوصاف والوں کی طرف ہے اہل کتاب ہوں یا عرب ہوں۔ ابن عباس ابن مسعود اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ﴿يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ﴾ سے مراد عرب ایماندار ہیں اور اس کے بعد کے جملہ سے مراد اہل کتاب ایماندار ہیں پھر دونوں کے لئے یہ بشارت ہے کہ یہ لوگ ہدایت اور فلاح والے ہیں اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ آیات عام ہیں اور یہ اشارہ بھی عام ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ مجاہد' ابو العالیہ' ربیع بن انس اور قتادہ رحمہم اللہ سے یہی مروی ہے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوتا ہے کہ حضور قرآن کریم کی بعض آیات تو ہمیں ڈھارس دیتی ہیں اور امید قائم کرا دیتی =

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر سورة البقرة، ٤٤٨٥ بلفظ ((لاتصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبوهم)) ﴿وقولوا آمنا بالله﴾؛ ابو داود، ٣٦٤٤۔ بلفظ ((ما حدثكم أهل الكتاب فلا تصدقوهم ولا تكذبوهم)) سنن ابی داود والی روایت نملة بن ابی نملة مجہول کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ❷ ٢/ البقرة:٤۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶﴾

ترجمہ: کافروں کو آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔[۶]

= ہیں اور بعض آیات کمر توڑ دیتی ہیں اور قریب ہوتا ہے کہ ہم ناامید ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا: لو میں تمہیں جنتی اور جہنمی کی پہچان صاف صاف بتلا دوں، پھر آپ نے ﴿الٓمّٓ﴾ سے ﴿مُفْلِحُوْنَ﴾ تک پڑھ کر فرمایا ''یہ تو جنتی ہیں۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے خوش ہو کر فرمایا: الحمد للہ، ہمیں امید ہے کہ ہم انہی میں سے ہوں۔ پھر ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا﴾ سے ﴿عَظِیْمٌ﴾ تک تلاوت کی اور فرمایا ''یہ جہنمی ہیں۔'' صحابہ نے کہا: ہم ایسے نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔'' (ابن ابی حاتم)۔ ❶

بدنصیب لوگ: [آیت:۶] یعنی جو لوگ حق کو پوشیدہ کرنے یا چھپا لینے کے عادی ہیں اور ان کی قسمت میں یہی ہے نہ تو انہیں آپ ﷺ کا ڈرانا سود مند ہو اور نہ ہی نہ ڈرانا۔ یہ کبھی اللہ تعالیٰ کی اس وحی کی تصدیق نہ کریں گے جو آپ ﷺ پر نازل ہوئی ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ ❷ الخ یعنی ''جن لوگوں پر اللہ کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے اگرچہ تمام آیات دیکھ لیں یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھیں۔'' اور ایسے ہی سرکش اہل کتاب کی نسبت فرمایا: ﴿وَلَئِنْ اَتَیْتَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰیَةٍ﴾ ❸ الخ یعنی ''ان اہل کتاب کے پاس اگرچہ تمام دلائل لے آؤ تاہم وہ تمہارے قبلہ کو نہیں مانیں گے'' یعنی ان بدنصیبوں کو سعادت حاصل ہی نہیں ہونے کی ان گمراہوں کو ہدایت کہاں؟ ''تو اے نبی (ﷺ!) ان پر افسوس نہ کر تیرا کام صرف رسالت کا حق ادا کر دینا اور پہنچا دینا ہے۔ ماننے والے نصیب دار ہیں وہ مالا مال ہو جائیں گے اور اگر کوئی نہ مانے تو نہ سہی تیرا فرض ادا ہو گیا۔ ہم خود ان سے حساب لے لیں گے۔ تو صرف ڈرانے والا ہے اور ہر چیز پر اللہ تعالیٰ ہی وکیل ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کو اس بات کی بڑی ہی حرص تھی کہ تمام لوگ ایمان دار ہو جائیں اور ہدایت کو قبول کر لیں، لیکن پروردگار نے فرما دیا کہ یہ سعادت ہر ایک کے حصہ کی نہیں۔ یہ نعمت بٹ چکی ہے جس کے حصہ میں آئی ہے وہ آپ کی مانے گا اور جو بدقسمت ہیں وہ ہرگز ہرگز آپ (ﷺ) کی اطاعت کی طرف نہ جھکیں گے۔ پس مطلب یہ ہے کہ جو قرآن سے انکاری ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اگلی کتابوں کو مانتے ہیں، انہیں ڈراوے کا کوئی فائدہ نہیں اس لئے کہ وہ تو خود اپنی کتاب کو بھی حقیقتاً نہیں مانتے کیونکہ اس میں تیرے ماننے کا عہد موجود ہے، تو جب وہ اس کتاب کو اور اس نبی (ﷺ) کی نصیحت کو نہیں مانتے جس کے ماننے کے اقراری ہیں تو بھلا وہ اے نبی! تمہاری باتوں کو کیا مانیں گے؟ ابو العالیہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ آیت جنگ احزاب کے ان سرداروں کے بارے میں اتری ہے جن کی نسبت فرمان باری تعالیٰ ہے۔ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ﴾ ❹ الخ لیکن جو معنی ہم نے پہلے بیان کئے ہیں وہ زیادہ ظاہر ہیں اور دوسری آیات کے مطابق ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ اس حدیث پر جو ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کے حوالے سے ابھی بیان ہوئی ہے دوبارہ نظر ڈالیے۔ ﴿لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ پہلے جملے کی تاکید ہے ان کا کفر نہ ٹوٹے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ﴿لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ خبر ہو اس لئے کہ تقدیر کلام اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا یُؤْمِنُوْنَ ہے اور ﴿سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ﴾ جملہ معترضہ ہو جائے گا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

❶ اس کی سند میں ابن لهيعه مختلط (التقريب ١/ ٤٤٤ ، رقم: ٥٧٤) اور عثمان بن صالح لین راوی ہے۔ (الميزان: ٣/ ٣٩ ، رقم: ٥٥١٩) لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔ ❷ ١٠/ يونس: ٩٦۔ ❸ ٢/ البقرة: ١٤٥۔ ❹ ١٤/ ابراهيم: ٢٨۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۫ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۟ۧ

ع ١

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔[٧]

دلوں اور کانوں پر مہر لگانے کا مطلب: [آیت: ٧] حضرت سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ختم سے مراد طبع ہے یعنی مہر لگا دینا۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی ان پر شیطان غالب آ گیا وہ اسی کی ماتحتی میں لگ گئے یہاں تک کہ مہر الٰہی ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر لگ گئی اور آنکھوں پر پردہ پڑ گیا۔ ہدایت کو نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گناہ لوگوں کے دلوں پر چڑھتے جاتے اور اسے ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں، بس یہی طبع اور ختم یعنی مہر ہے۔ دل اور کان کے لئے محاورہ میں مہر آتی ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں قرآن میں ﴿ران﴾ کا لفظ ہے ﴿طَبَعَ﴾ کا لفظ ہے اور ﴿اقفال﴾ کا لفظ ہے رَانَ ، طَبَعَ سے کم ہے اور طبع، اقفال سے کم ہے، اقفال سب سے زیادہ ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ نے اپنا ہاتھ دکھا کر کہا کہ دل ہتھیلی کی طرح ہے اور بندے کے گناہوں کی وجہ سے وہ سمٹ جاتا ہے اور بند ہو جاتا ہے اس طرح کہ ایک گناہ کیا تو گویا چھنگلیا بند ہو گئی، پھر دوسرا گناہ کیا دوسری انگلی بند ہو گئی۔ یہاں تک کہ تمام انگلیاں بند ہو گئیں، اور اب مٹھی بالکل بند ہو گئی جس میں کوئی چیز داخل نہیں ہو سکتی۔ اس طرح گناہوں سے دل پر پردے پڑ جاتے ہیں مہر لگ جاتی ہے پھر اس پر حق اثر نہیں کرتا، اسے زین بھی کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ ان کا تکبر ان کا حق سے منہ پھیر لینا بیان ہو رہا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اس بات کے سننے سے بہرا بن گیا۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ تکبر اور بے پرواہی کر کے اس نے اس بات کی طرف کان نہ لگایا۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں لیکن یہ مطلب ٹھیک نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہاں تو خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے ان کے دلوں پر مہر کر دی۔

زمخشری رحمہ اللہ نے اس کی تردید کی ہے اور پانچ تاویلیں کی ہیں لیکن سب کی سب بالکل بودی اور واہی ہیں اور صرف اپنے معتزلی ہونے کی وجہ سے اسے یہ تکلفات کرنے پڑے کیونکہ ان کے نزدیک یہ بات بہت بری ہے کہ کسی کے دل پر اللہ تعالیٰ مہر کر دے لیکن افسوس انہوں نے دوسری صاف اور صریح آیات پر غور نہیں کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ ❶ یعنی ”جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے۔“ اور فرمایا: ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ﴾ ❷ الخ ”ہم ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو الٹ دیتے ہیں گویا وہ سرے سے ایمان ہی نہ لائے تھے، اور ہم انہیں ان کی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے ہی چھوڑ دیتے ہیں۔“ اس قسم کی آیات بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی اور ہدایت کو ان سے دور کر دیا ہے، ان کے حق کو ترک کرنے اور باطل پر جم رہنے کی وجہ سے اور یہ سراسر عدل و انصاف ہے اور عدل اچھی چیز ہے نہ کہ بری۔ اگر زمخشری بھی بغور ان آیات پر نظر ڈالتے تو تاویل نہ کرتے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں امت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک صفت مہر کرنا بھی بیان کی ہے جو کفار کے کفر کا بدلہ ہے۔ فرماتا ہے: ﴿بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ﴾ ❸ ”بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر مہر لگا دی۔“ حدیث میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کو الٹ پلٹ کرتا ہے۔ ❹ دعا میں ہے: ((يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰى دِيْنِكَ)) یعنی ”اے دلوں

❶ ٦١/ الصف: ٥۔ ❷ ٦/ الانعام: ١١١۔ ❸ ٤/ النسآء: ١٥٥۔

❹ شیخ البانی رحمہ اللہ نے "ظلال الجنة"، ٢٢٧ میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور اس کے الفاظ ہیں۔ ((مثل القلب مثل ريشة يقلبها......)) لیکن تحقیق یہ ہے یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہی ہے اور اسے صحیح قرار دینا غلط ہے۔

کے پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنے دین پر قائم رکھ۔'' ❶

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دلوں پر فتنے اس طرح پیش ہوتے ہیں جیسے ٹوٹے ہوئے بوریے کا ایک ایک تنکا۔ جو دل انہیں قبول کر لیتا ہے اس میں ایک سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے اور جس دل میں یہ فتنے اثر نہیں کرتے اس میں ایک سفید نقطہ ہو جاتا ہے۔ جس کی سفیدی بڑھتے بڑھتے بالکل صاف سفید ہو کر سارے دل کو منور کر دیتی ہے پھر اسے کبھی کوئی فتنہ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور اس دوسرے دل کی سیاہی بھی پھیلتی جاتی ہے یہاں تک کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اب وہ الٹے کوزے کی طرح ہو جاتا ہے نہ اچھی بات اسے اچھی لگتی ہے' نہ برائی بری معلوم ہوتی ہے۔ ❷ الخ' ابن جریر رحمہ اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ حدیث میں آ چکا ہے کہ مومن جب گناہ کرتا ہے اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے۔ اگر وہ باز آ گیا توبہ کر لی رک گیا تو وہ نقطہ ہٹ جاتا ہے اور اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ گناہ میں بڑھ گیا تو وہ سیاہی بھی پھیلتی جاتی ہے یہاں تک کہ سارے دل پر چھا جاتی ہے۔ یہی وہ ران ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ ❸ الخ یعنی یقیناً ان کے دلوں پر ''ران'' ہے ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے۔'' ❹ (ترمذی' نسائی' ابن جریر) امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ گناہوں کی زیادتی دلوں پر غلاف ڈال دیتی ہے اور اس کے بعد مہر الٰہی ہو جاتی ہے جسے ختم اور طبع کہا جاتا ہے۔ اب اس دل میں ایمان کے جانے اور کفر کے نکلنے کی کوئی راہ باقی نہیں رہتی۔

اسی مہر کا ذکر اس آیت ﴿خَتَمَ اللّٰهُ﴾ الخ میں ہے یہ نظیر ہے۔ ہماری آنکھوں دیکھی چیزوں کی کہ جب کسی چیز کا منہ بند کر کے اس پر مہر لگا دیں تو جب تک وہ مہر نہ ٹوٹے گی نہ اس میں کوئی چیز داخل ہو سکتی ہے نہ اس میں سے کوئی چیز نکل سکتی ہے۔ اسی طرح جن کفار کے دلوں اور کانوں پر مہر الٰہی لگ چکی ہے ان میں بھی بغیر اس کے ہٹنے یا ٹوٹنے کے نہ ہدایت جائے' نہ کفر آئے۔ ﴿سَمْعِهِمْ﴾ پر پورا وقف ہے غشاوۃ کا معنیٰ اور اعراب اور ﴿عَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ الگ پورا جملہ ہے ختم اور طبع دلوں اور کانوں پر ہوتی ہے اور غشاوۃ یعنی پردہ آنکھوں پر پڑتا ہے جیسے کہ حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ قرآن میں ہے: ﴿فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ﴾ ❺ دوسری جگہ ہے: ﴿وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشَاوَةً﴾ ❻ ان آیات میں دل اور کان پر ختم (مہر) کا ذکر ہے اور آنکھ پر پردے کا۔ بعض نے یہاں ﴿غِشَاوَةً﴾ زبر کے ساتھ بھی پڑھا ہے تو ممکن ہے کہ ان کے نزدیک فعل ﴿جَعَلَ﴾ مقدر ہو اور ممکن ہے کہ نصب محل کی اتباع سے ہو جیسے ﴿وَحُوْرٌ عِيْنٌ ○﴾ ❼ میں شروع سورت کی چار آیات میں مومنین کے اوصاف بیان ہوئے پھر ان دو آیات میں کفار کا حال بیان ہوا۔ اب منافقوں کا ذکر ہوتا ہے جو بظاہر ایماندار بنتے ہیں لیکن حقیقت میں کفار ہیں۔ چونکہ ان لوگوں کی چالاکیاں عموماً پوشیدہ رہ جایا کرتی ہیں اس لئے ان کا بیان ذرا تفصیل سے ہوا اور بہت کچھ ان کی نشانیاں بیان کی گئیں۔ انہی کے بارے میں سورۂ براءت اتری اور انہی کا ذکر سورۂ نور وغیرہ میں کیا گیا تا کہ ان سے پورا بچاؤ ہو اور ان مذموم خصلتوں سے مسلمان دور رہیں۔ پس فرمایا۔

---

❶ ابن ماجة، المقدمة، باب فيما انكرت الجهمية، ١٩٩ وسنده صحيح؛ احمد، ٣/ ١٨٢۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الصحيحة، ٢٠٩١) ❷ صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب رفع الامانة والايمان من بعض القلوب، ١٤٤؛ ترمذی، ٢١٧٩؛ ابن ماجة، ٤٠٥٣۔ ❸ ٨٣/ المطففين:١٤۔ ❹ ترمذی، ابواب التفسير، باب ومن سورة ويل للمطففين، ٣٣٣٤ وهو حسن؛ اليوم والليلة للنسائی:٤١٨؛ ابن ماجة، ٤٢٤٤، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ (صحيح الترغيب، ٣١٤١) ❺ ٤٢/ الشوری:٢٤۔ ❻ ٤٥/ الجاثية:٢٣۔ ❼ ٥٦/ الواقعة:٢٢۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۸ يُخٰدِعُوْنَ

اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹

ترجمہ: بعض لوگ کہتے تو ہیں ہم اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں لیکن درحقیقت وہ ایماندار نہیں ہوتے۔[۸] وہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں لیکن دراصل خود اپنے تئیں دھوکہ دے رہے ہیں مگر سمجھتے نہیں۔[۹]

منافقت کی ابتدا اور اس کی اقسام: [آیت:۸-۹] دراصل نفاق کہتے ہیں بھلائی کے ظاہر کرنے اور برائی کے پوشیدہ رکھنے کو۔ نفاق کی دو قسمیں ہیں اعتقادی اور عملی۔ پہلی قسم کے منافق تو ابدی جہنمی ہیں اور دوسری قسم کے بدترین مجرم ہیں۔ اس کا بیان تفصیل کے ساتھ ان شاءاللہ کسی مناسب جگہ ہوگا۔ ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں منافق کا قول اس کے فعل کے خلاف اس کا باطن ظاہر کے خلاف۔ اس کا آنا جانے کے خلاف اس کی موجودگی عدم موجودگی کے خلاف ہوا کرتی ہے۔ نفاق مکہ میں تو تھا ہی نہیں بلکہ اس کا خلاف تھا۔ بعض لوگ ایسے تھے جو زبردستی سے بظاہر کافروں کا ساتھ دیتے تھے مگر دل میں مسلمان ہوتے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مکہ چھوڑ کر مدینہ میں تشریف لائے اور یہاں اوس اور خزرج کے قبائل نے انصار بن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا اور جاہلیت کے زمانے کی مشرکانہ بت پرستی ترک کر کے دونوں قبیلوں میں سے خوش نصیب مشرف بہ اسلام ہوگئے، لیکن یہودی اب تک اللہ تعالیٰ کی اس نعمت سے محروم تھے۔ ان میں سے صرف حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اس سچے دین کو قبول کیا تھا۔ تب تک بھی منافقوں کا خبیث گروہ قائم نہ ہوا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودیوں سے اور عرب کے بعض بعض اور قبائل سے صلح کر لی تھی۔

غرض اس جماعت کے قیام کی ابتدا یوں ہوئی کہ مدینہ کے یہودیوں کے تین قبیلے تھے بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ۔ بنوقینقاع تو خزرج کے حلیف اور بھائی بند بنے ہوئے تھے اور باقی دو قبیلوں کا بھائی چارہ اوس سے تھا۔ جب جنگ بدر ہوگئی اور اس میں پروردگار نے اپنے دین والوں کو غالب کیا اور اسلام کی شان و شوکت ظاہر ہوئی، مسلمانوں کا سکہ جم گیا اور کفر کا زور ٹوٹ گیا تو اس وقت یہ ناپاک گروہ قائم ہوا۔ عبداللہ بن ابی بن سلول تھا تو خزرج کے قبیلے میں سے، لیکن اوس اور خزرج دونوں اسے اپنا بڑا مانتے تھے بلکہ اس کی باقاعدہ سرداری اور بادشاہت کے اعلان کا پختہ ارادہ ہو چکا تھا کہ ان دونوں قبیلوں کا رخ اسلام کی طرف ہوگیا اور اس کی سرداری یوں ہی رہ گئی۔ ❶ یہ خار تو اس کے دل میں تھا ہی، ادھر اسلام کی روز افزوں ترقی، ادھر لڑائی میں کامیابی نے اسے مخبوط الحواس کر دیا۔ اب اس نے دیکھا کہ یوں کام نہیں چلے گا۔ فوراً بظاہر اسلام قبول کر لینے اور بہ باطن کافر رہنے کی ٹھان لی اور جس قدر جماعت اس کے زیر اثر تھی سب کو یہی ہدایت کی اور اس طرح منافقین کی ایک جمعیت مدینہ میں اور مدینہ کے آس پاس قائم ہوگئی۔ ان منافقین میں بحمد اللہ مکی مہاجر ایک بھی نہ تھا بلکہ یہ بزرگ تو اپنے اہل و عیال مال و متاع کو اللہ کے نام پر قربان کر کے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دے کر آئے تھے فَرَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ. حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ منافق اوس اور خزرج کے قبیلوں میں سے تھے اور یہودی بھی جو ان کے طریقے پر تھے۔ قبیلہ اوس اور خزرج کے نفاق کا ان آیات میں بیان ہے۔ ابوالعالیہ، حسن، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ نے بھی یہی بیان کیا ہے۔

❶ صحيح بخاري، كتاب التفسير، تفسير سورة آل عمران، باب لتسمعن من الذين...... ٤٥٦٦؛ صحيح مسلم، ١٧٩٨۔

پروردگار عالم نے منافقوں کی بہت سی بدخصلتوں کا یہاں ذکر فرمایا تا کہ ان کے ظاہر حال سے مسلمان دھوکہ میں نہ آ جائیں اور انہیں مسلمان خیال کر کے اپنا نہ سمجھ بیٹھیں جس کی وجہ سے کوئی بڑا افساد پھیل جائے۔ یہ یاد رہے کہ بدکاروں کو نیک سمجھنا بھی بجائے خود بہت برا اور نہایت خوفناک امر ہے۔ جس طرح اس آیت میں فرمایا ہے کہ ''یہ لوگ زبانی اقرار تو ضرور کرتے ہیں مگر دل میں ان کے ایمان نہیں۔'' اسی طرح سورۂ منافقوں میں بھی کہا گیا ہے کہ ﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ ❶ یعنی ''منافق تیرے پاس آ کر کہتے ہیں کہ ہماری گواہی ہے کہ آپ ﷺ رسول اللہ ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے'' لیکن چونکہ حقیقت میں منافقوں کا قول ان کے عقیدے کے مطابق نہ تھا اس لئے باوجود ان لوگوں کے شان دار اور تاکیدی الفاظ کے اللہ تعالیٰ نے انہیں جھٹلا دیا اور فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَكَاذِبُوْنَ ۝﴾ ❷ یعنی ''اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بالیقین منافق جھوٹے ہیں۔''

اور یہاں بھی فرمایا: ﴿وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ یعنی ''دراصل وہ ایمان دار نہیں'' وہ اپنے ایمان کو ظاہر کر کے اور اپنے کفر کو چھپا کر اپنی جہالت سے اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں اور اسے نفع دینے والی اور اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینے والی کاریگری خیال کرتے ہیں۔ جیسے کہ بعض مؤمنوں پر ان کا یہ مکر چل جاتا ہے۔ قرآن میں ہے: ﴿يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ﴾ ❸ یعنی ''قیامت والے دن جب کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو کھڑا کرے گا تو جس طرح وہ یہاں ایمان والوں کے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی قسمیں کھائیں گے اور سمجھتے ہیں کہ وہ بھی کچھ ہیں۔ خبردار! یقیناً وہ جھوٹے ہیں۔'' یہاں بھی ان کے اس غلط عقیدے کے مقابلے میں فرمایا کہ دراصل وہ اپنے اس کام کی برائی کو جانتے ہی نہیں۔ یہ دھوکہ خود اپنی جانوں کو دے رہے ہیں۔ جیسے کہ اور جگہ ارشاد ہوا: ﴿اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ يُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾ ❹ یعنی ''منافق اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ انہیں دے رہا ہے۔'' بعض قاریوں نے ﴿يَخْدَعُوْنَ﴾ پڑھا ہے اور بعض نے ﴿يُخَادِعُوْنَ﴾ اور دونوں قراءتوں کے معنی کا مطلب ایک ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو منافق دھوکہ کیسے دیں گے؟ وہ جو اپنے دل کے خلاف ظاہر کرتے ہیں وہ تو صرف بچاؤ کے لئے ہوتا ہے تو جواباً کہا جائے گا کہ اس طرح کی بات کرنے والے کو بھی جو کسی خوف سے بچنا چاہتا ہے عربی زبان میں مُخَادِع کہا جاتا ہے چونکہ منافق بھی قتل' قید اور دنیاوی عذابوں سے محفوظ رہنے کے لئے یہ چال چلتے تھے اور باطن کے خلاف ظاہری الفاظ کہتے تھے اس لئے انہیں دھوکہ باز کہا گیا۔

ان کا یہ فعل گو کسی کو دنیا میں کچھ دھوکہ بھی دے۔ لیکن درحقیقت وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اس میں بھلائی اور کامیابی سمجھتے ہیں اور دراصل یہ سبب ہوگا ان کے لئے عذاب اور غضب الٰہی کا جس کے سہنے کی ان میں طاقت نہیں۔ پس یہ دھوکہ حقیقتاً ان پر خود وبال ہوگا۔ وہ جس کام کو انجام کا اچھا سمجھتے ہیں وہ ان کے حق میں برا اور بہت برا ہوگا۔ ان کے کفر' شک اور تکذیب کی وجہ سے ان کا رب ان پر ناراض ہوگا لیکن افسوس انہیں اس کا شعور ہی نہیں اور یہ اپنے اندھے پن میں ہی مست ہیں۔ ابن جریج رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) کا اظہار کر کے وہ اپنی جان مال کا بچاؤ کرنا چاہتے ہیں یہ کلمہ ان کے دلوں میں جاگزیں نہیں ہوتا۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منافقوں کی یہی حالت ہے کہ زبان پر کچھ' دل میں کچھ' عمل کچھ' عقیدہ کچھ' صبح کچھ' شام کچھ۔ کشتی کی طرح جو ہوا کے جھونکے سے کبھی ادھر جاتی ہے کبھی ادھر۔

---

❶ ٦٣/ المنافقون:١۔ ❷ ٦٣/ المنافقون:١۔

❸ ٥٨/ المجادلة:١٨۔ ❹ ٤/ النسآء:١٤٢۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ⑩

ترجمہ: ان کے دلوں میں بیماری تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں بیماری میں بڑھا دیا اور ان کے جھوٹ کی وجہ سے ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔[۱۰]

بیماری سے کیا مراد ہے؟ [آیت:۱۰] بیماری سے مراد یہاں شک وشبہ ہے۔ابن عباس،ابن مسعود،اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے۔حضرت مجاہد،عکرمہ،حسن بصری،ابو العالیہ،ربیع بن انس،اور قتادہ رحمہ اللہ علیہم کا بھی یہی قول ہے۔عکرمہ،اور طاؤس رحمہما اللہ نے اس کی تفسیر ریا سے کی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر نفاق بھی مروی ہے۔زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں دینی بیماری مراد ہے نہ کہ جسمانی۔انہیں اسلام میں شک کی بیماری تھی اور ان کی ناپاکی میں اللہ نے اور اضافہ کر دیا جیسے قرآن میں اور جگہ ہے:﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ﴾ ❶ یعنی ”ایمان والوں کو ایمان میں زیادہ کرتی ہے اور وہ خوشیاں مناتے ہیں لیکن بیماری والوں کی ناپاکی اور پلیدی کو اور زیادہ کر دیتی ہے۔“یعنی ان کی بدی اور گمراہی بڑھ جاتی ہے۔یہ بدلہ بالکل ان کے عمل کے مشابہ ہے۔یہ تفسیر اچھی ہے۔ٹھیک اسی کے مثل یہ فرمان بھی ہے:﴿وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ○﴾ ❷ یعنی ”ہدایت والوں کو ہدایت میں بڑھا دیتا ہے اور ان کو تقویٰ عطا فرماتا ہے۔“﴿يَكْذِبُوْنَ﴾ کو ﴿يُكَذِّبُوْنَ﴾ بھی قاریوں نے پڑھا ہے۔یہ دونوں بد خصلتیں ان میں تھیں جھٹلاتے بھی تھے اور جھوٹے بھی تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض منافقوں کو اچھی طرح جاننے کے باوجود پھر بھی قتل نہ کرنے کی وجہ وہ ہے جو بخاری ومسلم کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:”میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ لوگوں میں یہ چرچے ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں۔“ ❸ مطلب یہ ہے کہ جو اعرابی آس پاس ہیں انہیں یہ تو معلوم نہ ہوگا کہ ان منافقوں کے پوشیدہ کفر کی بنا پر انہیں قتل کیا گیا ان کی نظریں تو صرف ظاہر داری پر ہوں گی۔جب ان میں یہ بات مشہور ہو جائے گی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں تو ڈر ہے کہ کہیں وہ اسلام کے قبول کرنے سے رک نہ جائیں۔قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے علماء وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ٹھیک اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مؤلفۃ القلوب کو جن کے دل اسلام کی جانب مائل ہو جاتے تھے ان کو مال عطا فرمایا کرتے تھے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ ان کے اعتقاد بد ہیں۔امام مالک رحمہ اللہ بھی منافقوں کو قتل نہ کرنے کی یہی وجہ بیان فرماتے ہیں۔جیسے محمد بن جہم‘ قاضی اسماعیل اور ابہری نے نقل کیا ہے۔امام مالک رحمہ اللہ سے بقول ابن ماجشون ایک وجہ یہ بھی نقل کی گئی ہے کہ یہ اس لئے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو معلوم ہو جائے کہ حاکم اپنے علم پر فیصلہ نہیں کر سکتا۔قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں گو علما میں تمام مسائل میں اختلاف ہو لیکن اس مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے کہ قاضی صرف اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر کسی کو قتل نہیں کر سکتا۔امام شافعی رحمہ اللہ نے ایک اور وجہ بیان کی ہے آپ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منافقین کو قتل کرنے سے باز رہنے کا سبب ان کا اپنے ایمان کو اپنی زبان سے ظاہر کرنا تھا گو اس کا علم تھا کہ ان کے دل اس کے خلاف ہیں۔لیکن ظاہری کلمہ اس پہلی بات کو ہٹا دیتا تھا۔اس کی تائید میں بخاری ومسلم وغیرہ کی یہ حدیث بھی پیش کی جا سکتی ہے۔جس میں ہے کہ ”مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہیں۔جب وہ اسے کہہ دیں تو انہوں نے مجھ سے اپنی جانیں اور مال

❶ ۹/ التوبة:۱۲٤،۱۲۵۔ ❷ ٤۷/ محمد:۱۷۔

❸ صحيح بخاری، كتاب المناقب، باب ماينهى من دعوى الجاهلية، ۳۵۱۸؛ صحيح مسلم، ۲۵۸٤۔

بچالیا اور ان کا حساب اللہ عزوجل پر ہے۔" ❶ مطلب یہ ہے کہ اس کلمہ کے کہتے ہی ظاہری احکام اسلام ان پر جاری ہو جائیں گے۔ اب اگر ان کا عقیدہ بھی اس کے مطابق ہے تو آخرت والے دن نجات کا سبب ہوگا ورنہ وہاں کچھ بھی نفع نہ ہوگا۔ لیکن دنیا میں تو مسلمانوں کے احکام ان پر جاری رہیں گے گو یہ لوگ یہاں مسلمانوں کی صفوں میں اور ان کی فہرست میں نظر آئیں لیکن آخرت میں عین پل صراط پر ان سے دور کر دیئے جائیں گے اور اندھیروں میں حیران و پریشان ہوتے ہوئے بآواز بلند مسلمانوں کو پکار کر کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ لیکن وہاں سے جواب ملے گا کہ تھے تو سہی مگر تم فتنوں میں پڑ گئے اور انتظار ہی میں رہ گئے اور اپنی من مانی خواہشوں کے پھیر میں پڑ گئے یہاں تک کہ امر الٰہی آ پہنچا۔

غرض دار آخرت میں بھی مسلمانوں کے پیچھے لگے لپٹے رہیں گے لیکن بالآخر ان سے الگ کر دیئے جائیں گے اور ان کی امیدوں پر پانی پھر جائے گا۔ وہ چاہیں گے کہ مسلمانوں کے ساتھ سجدے میں گر پڑیں لیکن سجدہ نہیں کر سکیں گے ❷ جیسے کہ احادیث میں مفصل بیان آ چکا ہے۔ بعض محققین نے کہا ہے کہ ان کے قتل نہ کئے جانے کی یہ وجہ تھی کہ اللہ کے رسول کی موجودگی میں ان کی شرارتیں نہیں چل سکتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنی وحی کے ذریعہ ان کی برائیوں سے محفوظ رکھ لیتا تھا لیکن حضور کے بعد اگر اللہ نہ کرے ایسے لوگ ہوں کہ ان کا نفاق کھل جائے اور مسلمان بخوبی معلوم کر لیں تو قتل کر دیئے جائیں گے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے کہ نفاق حضور ﷺ کے زمانے میں تھا لیکن آج کل تو وہ بے دینی اور زندیقیت ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ زندیق کے بارے میں بھی علما کا اختلاف ہے کہ جب وہ کفر ظاہر کرے تو اس کے قتل سے پہلے اس پر توبہ پیش کی جائے یا نہیں؟ اور وہ زندیق جو لوگوں کو بھی اس کی تعلیم دیتا ہو اور وہ زندیق جو معلم نہ ہو ان دونوں میں فرق کیا جائے گا یا نہیں؟ اور یہ ارتداد کئی مرتبہ ہوا ہو تب یہ حکم ہے یا صرف ایک مرتبہ ہونے پر بھی؟ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ اسلام لانا اور یہ رجوع کرنا خود اس کی اپنی طرف سے ہو یا اس پر غلبہ پا لینے کے بعد بھی یہی حکم ہے؟ غرض ان سب باتوں میں اختلاف ہے لیکن اس کے بیان کی جگہ احکام کی کتابیں ہیں نہ کہ تفاسیر۔

چودہ آدمیوں کے نفاق کا تو آپ ﷺ کو قطعی علم تھا۔ ❸ یہ وہ بد باطن لوگ تھے جنہوں نے غزوہ تبوک میں مشورہ کر کے یہ امر طے کر لیا تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ دغا بازی کریں۔ آپ ﷺ کے قتل کی پوری سازش کر چکے تھے کہ رات کے اندھیرے میں جب حضور اکرم ﷺ فلاں گھاٹی کے قریب پہنچیں تو آپ ﷺ کی اونٹنی کو بدکا دیں' وہ بھڑک کر بھاگے گی اور حضور گھاٹی میں گر پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی طرف اسی وقت وحی بھیج کر ان کی اس ناپاک سازش کو بے نقاب کر دیا۔ حضور نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر اس واقعہ کی خبر دی اور ان غداروں کے نام بھی بتا دیئے پھر بھی آپ ﷺ نے ان کے قتل کے احکام صادر نہ فرمائے۔ ❹ ان کے سوا اور منافقوں کے ناموں کا آپ ﷺ کو علم نہ تھا۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے: ﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ﴾ ❺ یعنی "تمہارے آس پاس کے بعض اعرابی منافق ہیں اور بعض سرکش منافق مدینہ میں ==

❶ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب ﴿فان تابوا......﴾ ۲۵؛ صحیح مسلم...... ۲۱۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب فضل السجود، ۸۰۶؛ کتاب التوحید، باب قول الله تعالیٰ ﴿وجوه یومئذ ناظرة......﴾ ۷۴۳۹؛ صحیح مسلم، ۱۸۲۔۱۸۳۔ ❸ صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین و احکامهم، باب صفات المنافقین، ۲۷۷۹۔

❹ صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین واحکامهم، باب صفات المنافقین، ۲۷۷۹۔ ❺ ۹/ التوبة: ۱۰۱۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿١١﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿١٢﴾

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں‘[۱۱] خبردار یقیناً یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن شعور سمجھ نہیں (رکھتے)۔[۱۲]

== بھی ہیں تم انہیں نہیں جانتے لیکن ہم جانتے ہیں۔‘‘ اور جگہ فرمایا: ﴿لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ ❶ ’’اگر یہ منافق گندے دل والے اور فساد و تکبر والے اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو ہم بھی انہیں نہ چھوڑیں گے اور مدینہ میں بہت کم باقی رہ سکیں گے بلکہ ان پر لعنت کی جائے گی جہاں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے۔‘‘

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کو ان منافقوں کا علم نہ تھا کہ کون کون ہیں؟ ہاں ان کی مذموم خصلتیں جو بیان ہوئی تھیں‘ یہ جس میں پائی جاتی تھیں اس پر نفاق صادق آتا تھا۔ جیسے اور جگہ ارشاد فرمایا: ﴿وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ﴾ ❷ یعنی ’’اگر ہم چاہیں تو ہم تمہیں ان کو دکھا دیں لیکن تم ان کی نشانیوں اور ان کے انداز گفتگو سے ہی ان کو پہچان لو گے۔‘‘ ان منافقوں میں سب سے زیادہ مشہور عبد اللہ بن ابی بن سلول تھا۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اس کی منافقانہ خصلتوں پر حضور اکرم ﷺ کے سامنے گواہی بھی دی تھی۔ ❸ باوجود اس کے جب یہ مرتا ہے تو حضور ﷺ اس کے جنازے کی نماز پڑھاتے ہیں اور اس کے دفن میں اسی طرح شرکت کرتے ہیں ❹ جس طرح اور مسلمان صحابیوں کے جنازہ میں شرکت کرتے تھے۔ بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضور کو ذرا زور سے یاد دلایا تو آپ ﷺ نے فرمایا ’’میں نہیں چاہتا کہ لوگ چہ میگوئیاں کریں کہ محمد ﷺ اپنے صحابیوں کو مار ڈالا کرتے ہیں۔‘‘ ❺ ایک صحیح روایت میں ہے کہ ’’مجھے اختیار دیا گیا استغفار کرنے نہ کرنے کا تو میں نے کرنے کو پسند کیا۔‘‘ ❻ ایک اور روایت میں ہے کہ ’’اگر ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے میں بھی میں اس کی بخشش جانتا تو یقیناً اس سے زیادہ استغفار کرتا۔ ❼

فساد کے بانی منافقین: [آیت:۱۱-۱۲] حضرت ابن عباس‘ حضرت ابن مسعود‘ اور نبی ﷺ کے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ یہ بیان بھی منافقوں کا ہی ہے۔ ان کا فساد کفر اور معصیت الٰہی تھی۔ ❽ مطلب یہ ہے کہ زمین میں اللہ کی نافرمانی کرنا یا نافرمانی کرنے کا حکم دینا زمین میں فساد کرنا ہے اور زمین و آسمان کی اصلاح اطاعت الٰہی میں ہے۔ ❾ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہیں جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روکا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو ہدایت اور اصلاح پر ہیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس خصلت کے لوگ اب تک نہیں آئے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں ==

❶ ۳۳/ الأحزاب: ٦٠۔ ❷ ٤٧/ محمد: ٣٠۔ ❸ صحیح بخاري، کتاب التفسیر، سورة المنافقون، ٤٩٠٠؛ صحیح مسلم، ٢٧٧٢۔ ❹ صحیح بخاري، کتاب الجنائز، باب الکفن القمیص......، ١٢٦٩؛ صحیح مسلم، ٢٧٧٣، ٢٧٧٤۔

❺ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب ما ینھی من دعوی الجاھلیة، ٣٥١٨؛ صحیح مسلم، ٢٥٨٤۔

❻ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب مایکره من الصلاة علی المنافقین، ١٣٦٦۔

❼ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب مایکره من الصلاة علی المنافقین، ١٣٦٦۔

❽ الطبری، ١/ ٢٨٨۔ ❾ ابن ابی حاتم، ١/ ٥٠۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۗ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ ﴿١٣﴾

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں (یعنی صحابہ) کی طرح تم بھی ایمان لاؤ تو جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا بیوقوف لاتے ہیں۔ خبردار ہو جاؤ یقیناً یہی بے وقوف ہیں لیکن جانتے نہیں۔[۱۳]

= یہ بدخصلت لوگ تھے تو سہی لیکن اب جو آئیں گے وہ ان سے بھی بدتر ہوں گے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اس وصف کا کوئی حضور ﷺ کے زمانے میں تھا ہی نہیں۔ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان منافقوں کا فساد برپا کرنا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے تھے۔ جس کام سے اللہ تعالیٰ منع فرماتا تھا اسے کرتے تھے فرائض الٰہی ضائع کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے سچے دین میں شک وشبہ کرتے اس کی حقیقت اور صداقت پر یقین کامل نہیں رکھتے تھے مومنوں کے پاس آ کر اپنی ایمانداری کی ڈینگیں لیتے تھے حالانکہ دل میں طرح طرح کے وسواس ہوتے تھے۔ موقع پا کر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی امداد و اعانت کرتے تھے اور اللہ کے نیک بندوں کے مقابلہ میں ان کی پاسداری کرتے تھے اور باوجود اس مکاری اور مفسدانہ چال کے اپنے آپ کو مصلح اور صلح جو قرار دیتے تھے۔ ❶

قرآن کریم نے کفار سے موالات اور دوستی رکھنے کو بھی زمین میں فساد برپا کرنے سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ ❷ یعنی ”کفار آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اگر تم نے ایسا کیا یعنی ان کفار سے دوستی کی تو زمین میں بھاری فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا۔“ اس آیت نے مسلمان اور کفار کے دوستانہ تعلقات منقطع کر دیئے۔ اور جگہ فرمایا ”اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی تم پر واضح حجت ہو جائے“ یعنی تمہاری دلیل نجات کٹ جائے۔ پھر فرمایا ”منافق لوگ تو جہنم کے نچلے طبقہ میں ہوں گے اور ہرگز تم ان کے لئے کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔“

چونکہ منافقوں کا ظاہر اچھا ہوتا ہے اس لئے مسلمانوں پر حقیقت پوشیدہ رہ جاتی ہے وہ ایمانداروں کو اپنی چکنی چپڑی باتوں سے دھوکہ دے دیتے ہیں اور ان کے بے حقیقت کلمات سے اور ان کی کفار کی پوشیدہ دوستیوں سے مسلمانوں کو خطرناک مصائب جھیلنے پڑتے ہیں۔ پس یہ منافقین فساد کے بانی ہوئے۔ اگر یہ اپنے کفر پر ہی رہتے تو ان کی خوفناک سازشوں اور گہری چالوں کا مسلمانوں کو اتنا نقصان ہرگز نہ پہنچتا اور اگر مکمل طور پر مسلمان ہو جاتے اور ظاہر باطن یکساں کر لیتے تب تو دنیا کے امن وامان کے ساتھ آخرت کی نجات وفلاح بھی پا لیتے۔ باوجود اس خطرناک پالیسی کے جب انہیں یکسوئی کی نصیحت کی جاتی تو جھٹ بول لتے کہ ہم تو صلح جو ہیں ہم کسی سے بگاڑنا نہیں چاہتے ہم فریقین کے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ کہتے تھے کہ ہم ان دونوں جماعتوں یعنی مومنوں اور اہل کتاب کے درمیان صلح کرنے والے ہیں۔ ❸ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ سراسر ان کی جہالت ہے جسے یہ صلح جانتے ہیں وہ عین فساد ہے لیکن انہیں شعور ہی نہیں۔

حقیقی بے وقوف کون؟ [آیت:۱۳] مطلب یہ ہے کہ جب ان منافقوں کو صحابہ کی طرح اللہ تعالیٰ پر اس کے فرشتوں کتابوں اور =

❶ الطبری، ۱/ ۲۸۹۔ ❷ ۸/ الانفال:۷۳۔ ❸ ابن ابی حاتم، ۱/ ۵۲۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: اور جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم بھی ایماندار ہیں اور جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ان سے صرف مذاق کرتے ہیں۔[۱۴] اللہ تعالیٰ بھی ان سے مذاق کرتا ہے اور انہیں ان کی سرکشی اور بہکاوے میں اور بڑھا دیتا ہے۔[۱۵]

= رسولوں پر ایمان لانے کو موت کے بعد جی اٹھنے اور جنت اور دوزخ کی حقانیت کے تسلیم کرنے کو اللہ اور رسول ﷺ کی تابعداری کر کے نیک اعمال بجالانے اور برائیوں سے باز رہنے کو کہا جاتا ہے تو یہ ملعون فرقہ ایسے ایمان کو بیوقوف کا ایمان بتاتا ہے۔ ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ اور ربیع بن انس، عبدالرحمن بن زید رضی اللہ عنہم وغیرہ نے یہی تفسیر بیان کی ہے ❶ سفهاء سفيه کی جمع ہے جیسے حکما، حکیم کی اور حلما، حلیم کی، جاہل کم عقل اور نفع نقصان کے پوری طرح نہ جاننے والے کو سفیہ کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ﴾ ❷ ''بیوقوفوں کو اپنے وہ مال نہ دے بیٹھو جو تمہارے قیام کا سبب ہیں۔'' عام مفسرین کا قول ہے کہ اس آیت میں سفهاء سے مراد عورتیں اور بچے ہیں ان منافقوں کے جواب میں یہاں بھی خود پروردگار عالم نے جواب دیا اور تاکیداً حصر کے ساتھ فرمایا، بیوقوف تو یہی ہیں لیکن ساتھ ہی جاہل بھی ایسے ہیں کہ اپنی بیوقوفی کو جان بھی نہیں سکتے۔ نہ اپنی جہالت وضلالت کو سمجھ سکتے ہیں اس سے زیادہ ان کی برائی اور کمال اندھاپن اور ہدایت سے دوری اور کیا ہوگی؟

منافقانہ رویہ: [آیت:۱۴۔۱۵] مطلب یہ ہے کہ یہ بد باطن مسلمانوں کے پاس آ کر اپنا ایمان اور دوستی اور خیر خواہی ظاہر کر کے انہیں دھوکے میں ڈالنا چاہتے ہیں تاکہ مال و جان کا بچاؤ بھی ہو جائے اور بھلائی اور غنیمت کے مال میں حصہ بھی قائم ہو جائے اور جب اپنی جماعت (شیطانوں کی) میں ہوتے ہیں تو ان کی سی کہنے لگتے ہیں۔ خَلَوْا کے معنی یہاں ہیں اِنْصَرَفُوْا اور ذَهَبُوْا اور خَلَصُوْا اور مَضَوْا کے یعنی لوٹتے ہیں اور پہنچتے ہیں اور تنہائی میں ہوتے ہیں اور جاتے ہیں۔ پس خلوا جو کہ اِلٰی کے ساتھ متعدی ہے یہ معنی میں لوٹ جانے کے ہے۔ فعل مضمر اور ملفوظ دونوں پر یہ دلالت کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں اِلٰی معنی میں مع کے مترادف ہے۔ مگر پہلا معنی ہی ٹھیک ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ کے کلام کا خلاصہ بھی یہی ہے شیاطین سے مراد رؤسا بڑے اور سردار ہیں جیسے علمائے یہود اور سرداران کفار قریش و منافقین۔

ابن عباس، ابن مسعود اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ یہ شیاطین ان کے امیر امرا اور سرداران کفر تھے اور ان کے ہم عقیدہ لوگ بھی۔ یہ شیاطین یہود بھی انہیں پیغمبری کے جھٹلانے اور قرآن کی تکذیب کرنے کا مشورہ دیا کرتے تھے۔ مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں شیاطین سے مراد ان کے وہ ساتھی ہیں جو یا تو مشرک تھے یا منافق۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو برائیوں میں اور شرک میں ان کے سردار تھے۔ ابوالعالیہ، سدی، ربیع بن انس رحمہم اللہ بھی یہی تفسیر کرتے ہیں۔ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر بہکانے اور سرکشی کرنے والے کو شیطان کہتے ہیں وہ جنوں میں سے ہوں یا انسانوں میں سے۔ قرآن میں بھی ﴿شَيَاطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ﴾ ❸ آیا ہے۔

حدیث میں ہے ''کہ ہم جنوں اور انسانوں کے شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔'' ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ!

---

❶ الطبری، ۱/ ۲۹۳۔۲۹۴۔ ❷ ٤/ النسآء:٥۔ ❸ ٦/ الانعام:١١٢۔

کیا انسان کے شیطان بھی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں۔ ❶ جب یہ منافق مسلمانوں سے ملتے تو کہتے' ہم تمہارے ساتھ ہیں'' یعنی جیسے تم ہو ویسے ہی ہم ہیں' اور اپنوں سے کہتے ہم تو ان کے ساتھ ہنسی کھیل کرتے ہیں۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما' ربیع بن انس اور قتادہ رحمہم اللہ کی یہی تفسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جواب دیتے ہوئے ان کے اس مکروہ فعل کے مقابلہ میں فرماتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ بھی ان سے ٹھٹھا کرے گا اور انہیں ان کی سرکشی میں بھٹکنے دے گا۔'' جیسے اور جگہ ہے کہ ''قیامت کے روز منافق مرد وعورت ایمان والوں سے کہیں گے' ذرا ٹھہر جاؤ' ہم بھی تمہارے نور سے فائدہ اٹھائیں۔ کہا جائے گا اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور نور کی تلاش کرو۔ ان کے لوٹتے ہی درمیان میں ایک اونچی دیوار حائل کردی جائے گی۔ جس میں دروازہ ہوگا۔ اس طرف تو رحمت ہوگی اور دوسری طرف عذاب ہوگا۔'' اور جگہ فرمان الٰہی ہے ''کافر ہماری ڈھیل کو اپنے حق میں بہتر نہ جانیں اس تاخیر میں وہ اپنی بدکرداریوں میں اور بڑھ جاتے ہیں۔'' پس قرآن میں جہاں استہزاء' مسخریت یعنی مذاق' مکر' خدیعت یعنی دھوکہ کے الفاظ آئے ہیں وہاں یہی مراد ہے۔

ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ الفاظ صرف ڈانٹ ڈپٹ اور تنبیہ کے طور پر استعمال کئے گئے ہیں۔ ان کی بدکرداریوں اور ان کے کفر و شرک پر انہیں ملامت کی گئی ہے۔ اور مفسرین کہتے ہیں یہ الفاظ صرف جواب میں لائے گئے ہیں جیسے کوئی بھلا آدمی کسی مکار کے فریب سے بچ کر اس پر غالب آ کر کہتا ہے کہو میں نے کیسا فریب دیا حالانکہ اس کی طرف سے فریب نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ﴾ ❷ اور ﴿اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ﴾ ورنہ اللہ کی ذات مکر اور مذاق سے پاک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا فن فریب ان ہی کو برباد کرتا ہے۔ ان الفاظ کا یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اللہ ان کی ہنسی' دھوکہ' تمسخر اور بھول کا ان کو بدلہ دے گا تو بدلے میں بھی وہی الفاظ استعمال کئے گئے۔ معنی دونوں لفظوں کے دونوں جگہ جدا جدا ہیں۔ دیکھئے قرآن کریم میں ہے: ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ ❸ یعنی ''برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے'' ﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ﴾ ❹ ''جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو۔'' تو ظاہر ہے کہ برائی کا بدلہ لینا حقیقتاً برائی نہیں۔ زیادتی کے مقابلہ میں بدلہ لینا زیادتی نہیں لیکن لفظ دونوں جگہ ایک ہی ہے حالانکہ پہلی برائی اور زیادتی ظلم ہے اور دوسری برائی اور زیادتی عدل ہے لیکن لفظ دونوں جگہ ایک ہے۔ اسی طرح جہاں جہاں کلام اللہ میں ایسی عبارتیں ہیں وہاں یہی مطلب ہے۔ ایک اور مطلب بھی سنیے! دنیا میں یہ منافق اپنی اس پلید پالیسی سے مسلمانوں کے ساتھ مذاق کرتے تھے اللہ نے بھی ان کے ساتھ یہی کیا کہ دنیا میں انہیں امن وامان مل گیا اب یہ مست بن گئے حالانکہ یہ عارضی امن ہے قیامت والے دن انہیں کوئی امن نہیں۔ یہاں گو ان کے مال اور ان کی جانیں بچ گئیں لیکن اللہ کے ہاں یہ دردناک عذابوں کا شکار بنیں گے۔ ابن جریر رحمہ اللہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور اس کی بہت کچھ تائید کی ہے۔ اس لئے کہ مکر' دھوکہ اور مذاق جو بلاوجہ ہو اس سے تو اللہ کی ذات پاک ہے ہاں انتقام' مقابلے اور بدلے کے طور پر یہ الفاظ اللہ کی نسبت کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ ان سے بدلہ ہے اور ان کی سزا ہے۔ ﴿يَمُدُّهُمْ﴾ کا مطلب ڈھیل دینا اور بڑھانا بیان کیا گیا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ﴾ ❺ الخ ''یعنی کیا یہ یوں سمجھ بیٹھے ہیں کہ ان کے مال' اولاد کا زیادہ ہونا ان کے لئے کوئی بھلی چیز ہے؟ نہیں نہیں' انہیں صحیح شعور ہی نہیں ہے۔'' اور فرمایا: ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ ❻ ''اس طرح ہم انہیں آہستہ آہستہ پکڑیں گے کہ انہیں پتہ بھی نہ چلے۔'' تو مطلب یہ ہوا کہ ادھر یہ گناہ=

---

❶ احمد، ٥/ ١٧٨؛ نسائی، کتاب الاستعاذۃ، باب الاستعاذۃ من شر شیاطین الانس، ٥٥٠٩، وسندہ ضعیف ابو عمر دمشقی اور عبید بن خشخاش ضعیف و مجروح راوی ہیں۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (ضعیف نسائی، ٤٢٤) ❷ ٣/ آل عمران: ٥٤۔
❸ ٤٢/ الشوریٰ: ٤٠۔ ❹ ٢/ البقرۃ: ١٩٤۔ ❺ ٢٣/ المؤمنون: ٥٥۔ ❻ ٦٨/ القلم: ٤٤۔

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے میں مول لے لیا۔ پس نہ تو ان کی تجارت نے ان کو فائدہ پہنچایا اور نہ یہ ہدایت والے ہوئے۔[۱۶]

= کرتے ہیں ادھر دنیوی نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں یہ خوش ہو جاتے ہیں حالانکہ دراصل وہ عذاب ہی ہے۔ قرآن کریم نے اور جگہ فرمایا: ﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ؀ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؀﴾ ❶ یعنی ''جب ان لوگوں نے نصیحت بھلا دی تو ہم نے ان پر تمام چیزوں کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ وہ اپنی چیزوں پر اترانے لگے تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا۔ اب گھبرا گئے ظالموں کی بربادی ہوئی اور کہہ دیا گیا کہ تعریفیں رب العالمین کے لئے ہی ہیں۔'' ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہیں ڈھیل دینے اور انہیں اپنی سرکشی اور بغاوت میں بڑھنے کے لئے ان کو زیادتی دی جاتی ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا: ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ﴾ ❷ ''طُغْيَان'' کہتے ہیں کسی چیز میں گھس جانے کو جیسے فرمایا: ❸ ﴿اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ﴾ ❹ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں وہ اپنے کفر میں گرے جاتے ہیں۔ عَمَهٌ کہتے ہیں گمراہی کو۔ تو اس جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ ضلالت و کفر میں یہ ڈوب گئے اور اس ناپاکی نے انہیں گھیر لیا۔ اب یہ اسی دلدل میں اترے جاتے ہیں اور اسی ناپاکی میں پھنسے جاتے ہیں اور چھٹکارے کی تمام راہیں ان پر بند ہو گئی ہیں۔ بھلا ایسے دلدل میں جو ہو اور پھر اندھا بہرا اور بیوقوف ہو وہ کیسے نجات پا سکتا ہے۔ آنکھوں کے اندھے کے لئے عربی میں عمی کا لفظ آتا ہے اور دل کے اندھے کے لئے عمہ کا لیکن کبھی دل کے اندھے کے لئے عمی کا لفظ آتا ہے جیسے قرآن میں ہے ﴿وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ؀﴾ ❺ ''لیکن دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔''

ہدایت کے بدلہ میں گمراہی: [آیت:۱۶] ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انہوں نے ہدایت چھوڑ دی اور گمراہی لے لی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انہوں نے ایمان کے بدلے کفر قبول کیا۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایمان لائے پھر کافر ہو گئے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہدایت پر گمراہی کو یہ پسند کرتے ہیں جیسے ثمود کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى﴾ ❻ یعنی ''باوجودیکہ ہم نے ثمودیوں کو راہ دکھا دی مگر پھر بھی انہوں نے اس رہنمائی پر اندھے پن کو پسند کیا۔'' مطلب یہ ہوا کہ منافقین ہدایت سے ہٹ کر گمراہی پر آ گئے اور ہدایت کے بدلے گمراہی لے لی گویا ہدایت کو بیچ کر گمراہی لی۔ اب ایمان لا کر پھر کافر ہوئے ہوں خواہ سرے سے ایمان ہی نصیب نہ ہوا ہو اور ان منافقین میں دونوں قسم کے لوگ تھے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ ❼ ''یہ اس لئے ہے کہ یہ لوگ ایمان لا کر پھر کافر ہو گئے۔ پس ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی۔'' اور ایسے بھی منافق تھے جنہیں ایمان نصیب ہی نہ ہوا پس نہ تو انہیں اس سودے میں فائدہ ہوا نہ راہ ملی بلکہ ہدایت کے چمنستان سے نکل کر گمراہی کے خارزار میں اور جماعت کے مضبوط قلعہ سے نکل کر فرقت کے تنگ جیل خانہ میں اور امن کے وسیع میدان سے نکل کر خوف کی اندھیر کوٹھڑی میں اور سنت کے پاکیزہ گلشن سے نکل کر بدعت کے سنسان جنگل میں آ گئے۔ ❽

---

❶ ٦/ الانعام:٤٤، ٤٥۔ ❷ ٦/ الانعام:١١١۔ ❸ الطبری، ١/ ٣٠٧۔ ❹ ٦٩/ الحآقة:١١۔
❺ ٢٢/ الحج:٤٦۔ ❻ ٤١/ حٰمٓ السجدة:١٧۔ ❼ ٦٣/ المنٰفقون:٣۔ ❽ الطبری، ١/ ٣١٦۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ

وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَٰتٍ لَّا يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾

ترجمہ: ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی۔ پس آس پاس کی چیزیں روشنی میں آ ئی ہی تھیں جو اللہ ان کے نور کو لے گیا اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا جو نہیں دیکھتے' [۱۷] بہرے گونگے اندھے ہیں۔ پس وہ نہیں لوٹتے۔ [۱۸]

منافقین کی مثال: [آیت:۱۷۔۱۸] مثال کو عربی میں مثیل بھی کہتے ہیں۔ اس کی جمع امثال آتی ہے جیسے قرآن میں ہے: ﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ﴾ ❶ یعنی ''یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں جنہیں صرف عالم ہی سمجھتے ہیں۔'' آیت کا مطلب یہ ہے کہ منافق جو گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور اندھے پن کو بینائی کے بدلے مول لیتے ہیں ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جو اندھیرے میں آگ جلائے' اس سے دائیں بائیں کی چیزیں اسے نظر آنے لگیں' اسکی پریشانی دور ہو اور فائدے کی امید بندھے کہ دفعتاً آگ بجھ جائے اور یک لخت اندھیرا چھا جائے' نہ تو نگاہ کام کرے نہ راستہ معلوم ہو سکے اور باوجود اس کے وہ شخص خود بہرا ہو' کسی کی بات کو نہ سن سکتا ہو' گونگا ہو کسی سے دریافت نہ کر سکتا ہو' اندھا ہو جو روشنی سے کام نہ چلا سکتا ہو۔ اب بھلا یہ کیسے راہ پا سکے گا'' ٹھیک اسی طرح یہ منافق بھی ہیں کہ ہدایت کو چھوڑ کر یہ راہ گم کر بیٹھے اور بھلائی کو چھوڑ کر برائی کو چاہنے لگے۔ اس مثال سے پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں نے ایمان قبول کر کے کفر کیا تھا جیسے قرآن کریم میں کئی جگہ بصراحت موجود ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں سدی رحمہ اللہ سے یہی نقل کیا ہے' پھر کہا ہے کہ یہ تشبیہ بہت ہی درست اور صحیح ہے اس لئے کہ پہلے تو ان منافقوں کو نور ایمان حاصل ہوا پھر ان کے نفاق کی وجہ سے وہ بجھ گیا اور یہ حیرت میں پڑ گئے اور دین کی حیرت سے بڑی حیرت اور کیا ہو گی؟

ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن کی یہ مثال بیان کی گئی ہے انہیں کسی وقت بھی ایمان نصیب ہی نہ ہوا تھا کیونکہ پہلے فرمان باری تعالیٰ گزر چکا ہے ﴿وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ﴾ ❷ یعنی ''گو یہ زبان سے اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان لانے کا اقرار کرتے ہیں مگر حقیقتاً یہ ایماندار نہیں۔'' لیکن ٹھیک بات یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں ان کے کفر و نفاق کے وقت کی خبر دی گئی ہے' اس سے اس کا انکار نہیں ہوتا کہ اس حالت کفر و نفاق سے پہلے کبھی انہیں ایمان حاصل ہی نہیں ہوا۔ ممکن ہے ایمان لائے ہوں پھر اس سے ہٹ گئے اور اب دلوں پر مہریں لگ گئی ہوں۔ دیکھئے اور جگہ قرآن کریم میں ہے: ﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا﴾ ❸ یعنی ''یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے ایمان کے بعد کفر کیا پھر ان کے دلوں پر مہر لگ گئی اب وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مثال میں روشنی اور اندھیرے کا ذکر ہے۔ یعنی کلمہ ایمان کے ظاہر کرنے کی وجہ سے دنیا میں کچھ نور ہو گیا لیکن کفر کے چھپانے کی وجہ سے پھر آخرت کے اندھیروں نے گھیر لیا۔

ایک جماعت کی مثال شخص واحد سے اکثر آیا کرتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے: ﴿رَأَيْتَهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ﴾ ❹ ''تو دیکھے گا کہ وہ تیری طرف آنکھیں پھیر پھیر کر اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح وہ شخص جو سکرات موت میں ہو۔'' اور اس آیت کو بھی دیکھیے ﴿مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾ ❺ ''تم سب کا پیدا کرنا اور

---

❶ ۵۹/ الحشر:۲۱۔ ❷ ۲/ البقرۃ:۸۔ ❸ ۶۳/ المنفقون:۳۔
❹ ۳۳/ الاحزاب:۱۹۔ ❺ ۳۱/ لقمان:۲۷۔

مار ڈالنے کے بعد پھر زندہ کر دینا ایسا ہی ہے جیسے ایک جان کا دوبارہ زندہ کرنا۔" تیسری جگہ توراۃ کو سیکھ کر عملی عقیدہ اس کے مطابق نہ رکھنے والوں کی مثال میں کہا گیا ہے ﴿كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا﴾ ❶ گدھے کی مانند ہیں جو کتابیں لادے ہوئے ہے۔ ان سب آیات میں جماعت کی مثال ایک سے دی گئی ہے۔ اسی طرح مذکورہ بالا آیات میں منافقوں کی جماعت کی مثال ایک شخص سے دی گئی۔ بعض کہتے ہیں تقدیر کلام یوں ہے مَثَلُ قِصَّتِهِمْ كَمَثَلِ قِصَّةِ الَّذِيْنَ اسْتَوْقَدُوْا نَارًا یعنی ان کے واقعہ کی مثال ان لوگوں کے واقعہ کی طرح ہے جو آگ روشن کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ آگ جلانے والا تو ایک ہے لیکن جلاتا ہے ایک جماعت کے لئے جو اس کے ساتھ ہے۔ اور لوگ کہتے ہیں اَلَّذِیْ یہاں معنی میں اَلَّذِيْنَ کے ہے جیسے کہ شاعروں کے شعروں میں بھی آتا ہے۔ میں کہتا ہوں خود مثال میں بھی واحد کے صیغہ کے بعد ہی جمع کے صیغے بھی ہیں' بِنُوْرِهِمْ اور تَرَكَهُمْ اور لَا يَرْجِعُوْنَ ملاحظہ ہوں اور اسطرح کلام میں اعلیٰ فصاحت اور بہترین خوبی آ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی روشنی لے گیا' اس سے مطلب یہ ہے کہ جو نور نفع دینے والا تھا وہ تو ان سے ہٹا لیا اور جس طرح آگ کے بجھ جانے کے بعد تپش اور دھواں اور اندھیرا رہ جاتا ہے اسی طرح ان کے پاس نقصان پہنچانے والی چیز یعنی شک و کفر و نفاق رہ گیا۔ نہ تو راہ راست کو خود دیکھ سکیں' نہ دوسرے کی بھلی بات سن سکیں' نہ کسی سے بھلائی کا سوال کر سکیں۔ اب پھر لوٹ کر ہدایت پر آنا محال ہو گیا۔ اس کی تائید میں مفسرین کے اقوال سنئے۔

ابن عباس' ابن مسعود' اور بعض اور صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد کچھ لوگ اسلام لے آئے مگر پھر منافق بن گئے' ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جو اندھیرے میں ہو پھر آگ جلا کر روشنی حاصل کرے اور آس پاس بھلائی برائی دیکھنے لگے اور معلوم کرے کہ کس راہ میں کیا ہے؟ کہ اچانک آگ بجھ جائے روشنی جاتی رہے اب معلوم نہیں ہو سکتا کہ کس راہ میں کیا کیا ہے؟ اسی طرح منافق شرک و کفر کی ظلمت میں تھے پھر اسلام لا کر بھلائی برائی یعنی حلال حرام وغیرہ سمجھنے لگے مگر پھر کافر ہو گئے اور حرام و حلال خیر و شر میں کچھ تمیز نہ رہی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نور سے مراد ایمان اور ظلمت سے مراد ضلالت و کفر ہے۔ یہ لوگ ہدایت پر تھے لیکن پھر سرکشی کر کے بہک گئے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایمانداری اور ہدایت کی طرف رخ کرنے کو مثال میں آس پاس کی چیز کے روشن کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ منافق کبھی کبھی بھلائی کو دیکھ لیتا ہے اور پہچان بھی لیتا ہے لیکن پھر اس کے دل کا اندھاپن اس پر غالب آ جاتا ہے۔ عکرمہ' عبدالرحمٰن' حسن' سدی' اور ربیع رحمۃ اللہ علیہم سے بھی یہی منقول ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں منافقوں کی یہی حالت ہے کہ ایمان لاتے ہیں اور اس کی پاکیزہ روشنی سے ان کے دل جگمگا اٹھتے ہیں جس طرح آگ کے جلانے سے آس پاس کی چیزیں روشن ہو جاتی ہیں لیکن کفر پھر اس روشنی کو کھو دیتا ہے جس طرح آگ کا بجھ جانا پھر اندھیرا کر دیتا ہے۔ یہ سب اقوال تو ہماری اس تفسیر کی تائید میں تھے کہ جن منافقوں کی یہ مثال بیان کی گئی ہے وہ ایمان لا چکے تھے' پھر کفر کیا۔ اب ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی تائید میں جو تفسیر ہے اسے بھی سنئے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ مثال منافقوں کی ہے کہ وہ اسلام کی وجہ سے عزت پا لیتے ہیں۔ مسلمانوں میں نکاح' ورثہ اور تقسیم مال غنیمت میں شامل ہونے لگتا ہے لیکن مرتے ہی یہ عزت چھن جاتی ہے جس طرح آگ کی روشنی آگ بجھتے ہی جاتی رہتی ہے۔ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب منافق لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتا ہے دل میں نور پیدا ہوتا ہے پھر جہاں شک کیا نور گیا جس طرح لکڑیاں جب ==

❶ ٦٢/ الجمعة:٥۔

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِىٓ ءَاذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللّٰهُ مُحِيطٌۢ بِالْكٰفِرِينَ ﴿١٩﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَآ أَضَآءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَآ أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾ ع

ترجمہ: یا آسمانی برسات کی طرح جس میں اندھیریاں اور گرج اور بجلی ہو'موت سے ڈر کر کڑاکے کی وجہ سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیتے ہیں۔اور اللہ کافروں کو گھیرنے والا ہے۔[١٩] قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھیں اچک لے جائے جب ان کے لئے روشنی کرتی ہے تو اس میں چلتے پھرتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا کرتی ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں۔اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کی سماعت و بصارت لے جائے۔بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں۔[٢٠]

= تک جلتی رہیں روشنی رہی' جہاں جب بجھ گئیں تو روشنی ختم ہوگئی۔ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نور سے مراد یہاں ایمان ہے جو ان کی زبانوں پر تھا۔ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) ان کے لئے روشنی کر دیتا تھا۔امن و امان اور کھانا پینا بیوی بچے سب مل جاتے تھے لیکن شک و نفاق اس سے یہ راحتیں چھین لیتا ہے جس طرح آگ کا بجھ جانا روشنی دور کر دیتا ہے۔قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) کہنے سے منافق کو دنیوی نفع مثلاً مسلمانوں میں لڑکے لڑکی کا لین دین' ورثہ کی تقسیم جان مال کی حفاظت وغیرہ مل جاتا ہے لیکن چونکہ اس کے دل میں ایمان کی جڑ اور اس کے کاموں میں حقیقت نہیں ہوتی اس لئے موت کے وقت وہ سب منافع سلب ہو جاتے ہیں جیسے آگ کی روشنی جو بجھ جائے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اندھیروں میں چھوڑ دینا مرنے کے بعد عذاب ہونا ہے۔یہ لوگ حق کو دیکھتے ہیں' زبان سے کہتے ہیں اور ظلمت کفر سے نکل جاتے ہیں لیکن پھر اپنے کفر و نفاق کی وجہ سے ہدایت کا دیکھنا اور حق پر قائم رہنا ان سے چھن جاتا ہے۔سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اندھیرے سے مراد ان کا نفاق ہے۔حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں موت کے وقت منافق کی بداعمالیاں اندھیروں کی طرح اس پر چھا جاتی ہیں اور کوئی بھلائی کی روشنی اس کے لئے باقی نہیں رہتی جس سے اس کی توحید کی تصدیق ہو۔وہ بہرے ہیں حق کے سننے سے اندھے ہیں' راہ راست کو دیکھنے اور سمجھنے سے ہدایت کی طرف لوٹ نہیں سکتے۔نہ تو انہیں توبہ نصیب ہوتی ہے نہ نصیحت حاصل کر سکتے ہیں۔

مؤمن' کافر اور منافق: [آیت:١٩۔٢٠] یہ دوسری مثال ہے جو دوسری قسم کے منافقوں کے لئے بیان کی گئی ہے یہ وہ قوم ہے جن پر کبھی حق ظاہر ہو جاتا ہے اور کبھی پھر شک میں پڑ جاتے ہیں۔تو شک کے وقت ان کی مثال برسات کی سی ہے۔صیب کے معنی مینہ اور بارش کے ہیں بعض نے بادل کے معنی بھی بیان کئے لیکن زیادہ مشہور معنی بارش کے ہی ہیں جو اندھیرے میں برسے۔ظلمات سے مراد شک اور کفر و نفاق ہے اور رعد یعنی گرج جو اپنی خوفناک آواز سے دل ہلا دیتی ہے۔یہی حال منافق کا ہے کہ اسے ہر وقت ڈر' خوف' گھبراہٹ اور پریشانی ہی رہتی ہے' جیسے اور جگہ ہے: ﴿يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ﴾ ❶ یعنی "ہر آواز کو اپنے

❶ ٦٣/ المنٰفقون:٤۔

او پر ہی سمجھتے ہیں۔" اور جگہ ارشاد ہے کہ "یہ منافقین اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں لیکن دراصل وہ ڈرپوک لوگ ہیں۔ اگر وہ کوئی جائے پناہ یا راستہ پالیں تو یقیناً وہ اس میں سمٹ کر گھس جائیں۔" بجلی سے مثال دی ہے اس نور ایمان کی جوان کے دلوں میں کسی وقت چمک اٹھتا ہے تو وہ اس وقت اپنی انگلیاں موت کے ڈر سے کانوں میں ڈال لیتے ہیں لیکن ایسا کرنا انہیں کوئی نفع نہ دے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور اس کے ارادہ کے ماتحت ہیں' یہ بچ نہیں سکتے۔ جیسے اور جگہ فرمایا ﴿هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ○ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ○﴾ ❶ یعنی "کیا تمہیں لشکر کی' فرعون اور ثمود کی روایات نہیں پہنچیں۔ پہنچی تو ہیں لیکن یہ کافر جھٹلانے میں ہی ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی انہیں ان کے پیچھے سے گھیر رہا ہے۔" بجلی کا آنکھوں کو اچک لینا اس کی قوت اور سختی کا اظہار ہے۔ اور ان منافقین کی بینائی کی کمزوری اور ان کا ضعف ایمان ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ قرآن کی مضبوط آیات ان منافقوں کی قلعی کھول دیں گی اور ان کے چھپے ہوئے عیوب ظاہر کردیں گی اور اپنی نورانیت سے انہیں مبہوت کردیں گی ❷ جب ان پر اندھیرا ہو جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں یعنی ایمان جب ان پر ظاہر ہو جاتا ہے تو ذرا روشن دل ہو کر پیروی بھی کرنے لگتے ہیں لیکن پھر بھی جہاں شک وشبہ آیا کہ دل میں کدورت اور ظلمت بھر گئی اور بھونچکے ہو کر کھڑے رہ گئے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ اسلام کو ذرا عروج ملا تو ان کے دل میں قدرے اطمینان پیدا ہوا لیکن جہاں اس کے خلاف نظر آیا کہ یہ الٹے پیروں کفر کی طرف لوٹنے لگے۔ ❸ جیسے ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ﴾ ❹ یعنی "بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کنارے پر ٹھہر کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اگر بھلائی ملی تو مطمئن ہوئے اور اگر برائی پہنچی تو اسی وقت پھر گئے" الخ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان کا روشنی میں چلنا حق کو جان کر کلمہ اسلام پڑھنا ہے اور اندھیرے میں ٹھہر جانا کفر کی طرف لوٹ جانا ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین کا یہی قول ہے اور زیادہ صحیح اور ظاہر بھی یہی قول ہے ❺ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ روز قیامت بھی ان کا یہی حال رہے گا کہ جب لوگوں کو ان کے ایمان کے اندازے کے مطابق نور ملے گا۔ بعض کو کئی کئی میلوں تک کا بعض کو اس سے بھی زیادہ کسی کو اس سے کم یہاں تک کہ کسی کو اتنا نور ملے گا کہ کبھی روشن ہوا اور کبھی اندھیرا۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو ذرا سی دور چل سکیں گے پھر ٹھہر جائیں گے پھر ذرا سی دور کا نور ملے گا پھر بجھ جائے گا اور بعض وہ بے نصیب بھی ہوں گے کہ ان کا نور بالکل بجھ جائے گا۔ یہ پورے منافق ہوں گے جن کے بارے میں فرمان ربانی ہے ﴿يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا﴾ ❻ یعنی "جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں کو پکاریں گے اور کہیں گے کہ ذرا رکو' ہمیں بھی آ لینے دو تا کہ ہم بھی تمہارے نور سے فائدہ اٹھائیں تو کہا جائے گا کہ اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور نور ڈھونڈ لاؤ الخ۔" اور مؤمنوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ﴾ ❼ یعنی "اس دن تو دیکھے گا کہ مؤمن مردوں اور عورتوں کے آگے آگے اور دائیں جانب نور ہوگا اور کہا جائے گا تمہیں آج کے دن جنتوں کی خوشخبریاں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔" اور فرمایا: "جس دن نہ رسوا کرے گا اللہ تعالیٰ نبی کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے۔ ان کا نور ان کے آگے اور دائیں جانب ہوگا۔ وہ کہہ رہے ہوں گے "اے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارا نور پورا کرا اور ہمیں بخش' یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔" ان آیات کے بعد اب اس مضمون کی احادیث بھی سن لیجئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "بعض مؤمنوں کو مدینہ سے لے کر عدن تک نور ملے گا' بعض کو اس سے کم یہاں تک کہ بعض کو اتنا کم کہ صرف

---

❶ ۸۵/ البروج: ۱۷، ۱۸۔ ❷ الطبری، ۱/ ۳۴۹۔ ❸ الطبری، ۱/ ۳۴۹۔ ❹ ۲۲/ الحج: ۱۱۔
❺ ابن ابی حاتم، ۱/ ۷۵۔ ❻ ۵۷/ الحدید: ۱۳۔ ❼ ۵۷/ الحدید: ۱۲۔

پاؤں رکھنے کی جگہ ہی روشن ہوتی ہوگی' ❶ (ابن جریر) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایمان والوں کو ان کے اعمال کے مطابق نور ملے گا، بعض کو کھجور کے درخت کے برابر کسی کو قد آدم کے برابر کسی کو صرف اتنا ہی کہ اس کا انگوٹھا ہی روشن ہو کبھی بجھ جاتا ہو کبھی روشن ہو جاتا ہو (ابن ابی حاتم) ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انہیں نور ملے گا ان کے اعمال کے مطابق جس کی روشنی میں وہ پل صراط سے گزریں گے۔ بعض لوگوں کا نور پہاڑ کے برابر ہوگا بعض کا کھجور کے برابر اور سب سے کم نور والا وہ ہوگا جس کا نور اس کے انگوٹھے پر ہوگا کبھی چمک اٹھے گا اور کبھی بجھ جائے گا (ابن ابی حاتم) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سب توحید والوں کو قیامت کے دن نور ملے گا جب منافقوں کا نور بجھ جائے گا تو موحد ڈر کر کہیں گے ﴿رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا﴾ ❷ ''اے اللہ! ہمارے نور کو پورا کر'' (ابن ابی حاتم) ضحاک رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ خالص مؤمن وہ جن کا بیان اگلی چار آیات میں ہوا۔ خالص کفار جن کا ذکر اس کے بعد کی دو آیات میں ہے اور منافق جن کی دو قسمیں ہیں، ایک تو خالص منافق جن کی مثال آگ کی روشنی سے دی گئی' دوسرے وہ منافق جو تردد میں ہیں۔ کبھی تو ایمان چمک اٹھتا ہے' کبھی بجھ جاتا ہے۔ ان ہی کی مثال بارش سے دی گئی ہے' یہ پہلی قسم کے منافقوں سے کچھ کم ہیں۔

اسی طرح سورۂ نور میں بھی اللہ تعالیٰ نے مؤمن کی اور اس کے دل کے نور کی مثال اس منور چراغ سے دی ہے جو روشن فانوس میں ہو اور خود فانوس بھی چمکتے ہوئے تارے کی طرح ہو۔ چنانچہ ایمان دار کا ایک تو خود دل روشن دوسرے خالص شریعت کی اسے امداد، پس روشنی پر روشنی نور پر نور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دوسری جگہ کافروں کی مثال بھی بیان کی جو اپنی نادانی کی وجہ سے اپنے آپ کو کچھ سمجھتے ہیں اور حقیقت میں وہ کچھ نہیں ہوتے۔ فرمایا کافروں کے اعمال کی مثال ریت کے چمکیلے ٹیلوں کی طرح ہے جنہیں پیاسا پانی سمجھتا ہے یہاں تک کہ پاس آ کر دیکھتا ہے لیکن کچھ بھی نہیں پاتا۔ پھر اور موقع پر ان جاہل کافروں کی مثال بیان کی جو سخت جہالت میں گرفتار ہیں ان کی مثال میں فرمایا' مانند سخت اندھیروں کے جو گہرے سمندر میں ہوں جو موجوں پر موجیں مار رہا ہو پھر ابر سے ڈھکا ہوا ہو اور اندھیروں پر اندھیرے چھائے ہوں، ہاتھ نکالے تو دیکھ بھی نہیں سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس کے لئے اللہ کی طرف سے نور نہ ہو، اس کے پاس نور کہاں سے آئے؟ پس کفار کی بھی دو قسمیں کیں۔ ایک تو دوسروں کو کفر کی طرف بلانے والے، دوسرے ان کی تقلید کرنے والے جیسے سورۂ حج کے شروع میں ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ﴾ ❸ ''بعض وہ لوگ ہیں جو اللہ کے بارے میں علم کے بغیر جھگڑتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں'' اور جگہ فرمایا: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتَابٍ مُّنِيْرٍ﴾ ❹ ''بعض لوگ علم اور ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر اللہ کے بارے میں لڑتے جھگڑتے ہیں۔'' سورۂ واقعہ کے شروع میں اور آخر میں سورۂ النساء میں مؤمنوں کی بھی دو قسمیں بیان کی ہیں' سابقین، اور اصحاب یمین یعنی مقرب بارگاہ الٰہی اور اور پرہیزگار و نیک کار لوگ۔ پس ان آیات سے معلوم ہوا کہ مؤمنوں کی دو جماعتیں ہیں' مقرب اور ابرار۔ اور کافروں کی بھی دو قسمیں ہیں' کفر کی طرف بلانے والے اور ان کی تقلید کرنے والے۔ اور منافقوں کی بھی دو قسمیں ہیں خالص اور پکے منافق اور وہ منافق جن میں نفاق کی ایک آدھ شاخ ہے۔

بخاری و مسلم میں حدیث ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین خصلتیں ہیں جس میں تینوں ہوں وہ پختہ منافق ہے اور جس میں ایک ہو اس میں ایک خصلت نفاق کی ہے جب تک اسے نہ چھوڑے' بات کرنے میں جھوٹ بولنا' وعدہ خلافی کرنا' امانت میں خیانت کرنا۔'' ❺ اس سے ثابت ہوا کہ انسان میں کبھی نفاق کا کچھ حصہ ہوتا ہے خواہ وہ منافق عملی ہو یا اعتقادی جیسے کہ آیت و حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ سلف کی ایک جماعت اور علمائے کرام کے ایک گروہ کا یہی مذہب ہے اس کا بیان پہلے بھی گزر چکا =

❶ یہ حدیث مرسل (یعنی ضعیف) ہے۔ ❷ ٦٦/ التحريم:٨۔ ❸ ٢٢/ الحج:٣۔ ❹ ٢٢/ الحج:٨۔

❺ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب علامات المنافق، ٣٤؛ صحیح مسلم، ٥٨۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۲۱ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۠ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۲۲

ترجمہ: اے لوگو اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کے سب کو پیدا کیا۔ یہی تمہارا بچاؤ ہے۔[۲۱] جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت' اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی۔ خبردار باوجود جاننے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو۔[۲۲]

== ہے اور آئندہ بھی آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دل چار قسم کے ہیں ایک تو صاف دل جو روشن چراغ کی طرح چمک رہا ہو دوسرے وہ دل جو غلاف آلود ہیں' تیسرے وہ دل جو الٹے ہیں' چوتھے وہ دل جو مخلوط ہیں۔ پہلا دل تو مؤمن کا ہے جو پوری طرح نورانی ہے۔ دوسرا کافر کا دل ہے جس پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ تیسرا دل خالص منافقوں کا ہے جو جانتا ہے اور انکار کرتا ہے۔ چوتھا دل اس منافق کا ہے جس میں ایمان و نفاق دونوں جمع ہیں۔ ایمان کی مثال اس سبزے کی طرح ہے جو پاکیزہ پانی سے بڑھ رہا ہو اور منافق کی مثال اس پھوڑے کی طرح ہے جس میں پیپ اور خون بڑھتا ہی جاتا ہو۔ اب جو مادہ بڑھ جائے وہ دوسرے پر غالب آ جاتا ہے۔'' ❶ اس حدیث کی اسناد بہت ہی عمدہ ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''اگر اللہ چاہے تو ان کے کان اور آنکھیں برباد کر دے۔'' مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے حق کو جان کر اسے چھوڑ دیا تو اللہ ہر چیز پر قادر ہے یعنی اگر چاہے تو عذاب و سزا کرے اگر چاہے تو معاف کر دے۔ ❷ یہاں قدرت کا بیان اس لئے کیا کہ پہلے منافقوں کو اپنے عذاب اور اپنی جبروت سے ڈرایا ہے اور کہہ دیا کہ وہ انہیں گھیر لینے اور ان کے کانوں کو بہرہ اور آنکھوں کو اندھا کرنے پر قادر ہے۔ ❸ قدیر کے معنی قادر کے ہیں جیسے علیم کے معنی عالم کے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ دو مثالیں ایک ہی قسم کے منافقوں کی ہیں۔ ''او'' معنی میں ''و'' کے ہے یعنی اور جیسے فرمایا ﴿وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۝﴾ ❹ یا لفظ ''او'' اختیار کے لئے ہے یعنی خواہ یہ مثال بیان کرو خواہ وہ مثال بیان کرو اختیار ہے۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں او یہاں پر تساوی یعنی برابری کے لئے ہے جیسے عربی زبان کا محاورہ ہے جَالِسَ الْحَسَنَ اَوِ ابْنَ سِيْرِيْنَ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی توجیہ کرتے ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ان دونوں مثالوں میں سے جونسی مثال چاہو بیان کرو' دونوں ان کے حال کے مطابق ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ باعتبار منافقوں کی قسموں کے ہے۔ ان کے احوال و صفات طرح طرح کے ہیں جیسے سورۂ براءت میں وَمِنْهُمْ وَمِنْهُمْ وَمِنْهُمْ کر کے انکی بہت سی قسمیں بہت سے افعال اور بہت سے اقوال بیان کئے ہیں۔ تو یہ دونوں مثالیں دو قسم کے منافقوں کی ہیں جو ان کے احوال اور صفات سے بالکل مشابہ ہیں' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ سورۂ نور میں دو قسم کے کفار کی مثالیں بیان کیں ایک کفر کی طرف بلانے والے' دوسرے مقلد' فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَعْمَالُهُمْ ==

❶ احمد، ۳/ ۱۷، وسنده ضعيف اس کی سند میں لیث بن اَبی سلیم مختلط (التقريب ۲/ ۱۳۸) اور ابو البختری الطائی کا حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے اور شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الضعيفة، ۵۱۵۸)

❷ ابن ابی حاتم، ۱/ ۷٦۔ ❸ الطبری، ۱/ ۳٦۱۔ ❹ ۷٦/ الدهر: ۲٤۔

= كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ ﴾ ❶ پھر فرمایا: ﴿ اَوْ كَظُلُمٰتٍ ﴾ ❷ پس پہلی مثال یعنی ریت کے تودے کی کفر کی طرف بلانے والوں کی ہے جو جہل مرکب میں پھنسے ہوئے ہیں' دوسری مثال مقلدوں کی ہے جو سخت جہالت میں مبتلا ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

توحید الوہیت: [آیت: ۲۱-۲۲] یہاں سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اسکی الوہیت کا بیان شروع ہوتا ہے۔ وہی اپنے بندوں کو عدم سے وجود میں لایا۔ اسی نے ہر طرح کی ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا فرمائیں۔ اسی نے زمین کا فرش بنایا اور اس میں مضبوط پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں اور آسمان کو چھت بنایا جیسے دوسری آیت میں آیا کہ ﴿ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ﴾ ❸ یعنی ''آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔ باوجود اس کے وہ نشانیوں سے منہ موڑ لیتے ہیں۔'' پانی آسمان سے اتارنے کا مطلب بادل سے نازل فرمانا ہے اس وقت جب کہ لوگ اس کے پورے محتاج ہوں۔ پھر اس پانی سے طرح طرح کے پھل پھول پیدا کرتا ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں اور ان کے جانور بھی۔ جیسے قرآن مجید میں جا بجا اس کا بیان آیا ہے۔ ایک جگہ فرمان ہے: ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا ﴾ ❹ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہیں پیاری پیاری صورتیں عطا فرمائیں اور پاکیزہ روزیاں پہنچائیں' یہی اللہ ہے جو برکتوں والا اور تمام عالم کو پالنے والا ہے۔ پس سب کا خالق' سب کا رازق' سب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اسی وجہ سے وہی مستحق ہے ہر قسم کی عبادات کا اور شریک نہ کئے جانے کا۔ اسی لئے فرمایا اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہراؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔

یہ کہنا شرک ہے کہ جو اللہ چاہے اور اس کا رسول چاہے: بخاری و مسلم میں حدیث ہے' ابن مسعود رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں' حضور ﷺ! سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ فرمایا ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو خالق ہے شریک ٹھہرانا۔'' ❺ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ ''کیا جانتے ہو کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ یہ کہ اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ کریں۔'' ❻ دوسری حدیث میں ہے کہ ''تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے بلکہ یوں کہے کہ جو کچھ اللہ اکیلا چاہے۔'' ❼

طفیل بن سخبرہ رضی اللہ عنہ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوتیلے بھائی) فرماتے ہیں میں نے خواب میں چند یہودیوں کو دیکھا۔ میں نے ان سے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم یہود ہیں۔ میں نے کہا افسوس تم میں بڑی خرابی ہے کہ تم حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا تم بھی اچھے لوگ ہو لیکن افسوس تم کہتے ہو جو اللہ چاہے اور محمد ﷺ چاہیں۔ پھر میں نصرانیوں کی جماعت کے پاس گیا اور ان سے بھی اسی طرح پوچھا۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ میں نے ان سے کہا افسوس تم بھی مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا جانتے ہو۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ میں نے صبح اپنے اس خواب کا ذکر کچھ لوگوں سے کیا۔ پھر دربار نبوی میں حاضر ہو کر آپ ﷺ سے بھی واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا کسی اور سے بھی تم نے اس کا ذکر کیا ہے؟'' میں نے کہا ہاں۔ حضور اکرم ﷺ اب کھڑے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا: ''طفیل نے ایک خواب دیکھا اور تم میں سے بعض سے بیان بھی کیا۔ میں چاہتا تھا کہ تمہیں اس کلمہ کے کہنے سے روک دوں لیکن فلاں فلاں کاموں کی وجہ سے میں اب تک نہ کہہ سکا۔ یاد رکھو اب ہرگز ہرگز ''اللہ چاہے اور اس کا رسول'' نہ کہنا بلکہ یوں کہو کہ

---

❶ ۲۴/ النور: ۳۹۔ ❷ ۲۴/ النور: ۴۰۔ ❸ ۲۱/ الانبیآء: ۳۲۔ ❹ ۴۰/ المؤمن: ۶۴۔

❺ صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب قتل الولد خشیة ان یأکل معه، ۶۰۰۱؛ صحیح مسلم، ۸۶۔

❻ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب اسم الفرس والحمار، ۲۸۵۶، ۶۵۰۰، ۷۳۷۳؛ صحیح مسلم، ۳۰۔

❼ ابوداود، کتاب الأدب، باب لا یقال خبث نفسی، ۴۹۸۰ وسنده صحیح؛ الیوم واللیلة للنسائی، ۹۸۵۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الصحیحة: ۱۳۷)

صرف اللہ تعالیٰ اکیلا جو چاہے'' (ابن مردویہ)۔ ❶

ایک شخص نے رسول ﷺ سے کہا جو اللہ تعالیٰ چاہے اور آپ چاہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تو مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے۔'' یوں کہہ ''جو اللہ تعالیٰ اکیلا چاہے۔'' (ابن مردویہ) ❷ یہ تمام کلمات توحید کے سراسر خلاف ہیں توحید باری کے بچاؤ کے لئے یہ سب احادیث بیان ہوئی ہیں' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ تمام کفار اور منافقوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دیا اور فرمایا اللہ کی عبادت کرو یعنی اس کی توحید کے پابند بن جاؤ۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو جو نہ نفع دے سکے نہ نقصان پہنچا سکے اور تم جانتے ہو کہ اس کے سوا کوئی رب نہیں جو تمہیں روزی پہنچا سکے اور تم جانتے ہو کہ اللہ کے رسول ﷺ تمہیں اس توحید کی طرف بلا رہے ہیں جس کے حق اور سچ ہونے میں کوئی شک نہیں ۔شرک اس سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے جیسے چیونٹی جورات کے اندھیرے میں کسی صاف پتھر پر چل رہی ہو۔ انسان کا یہ کہنا کہ ''قسم ہے اللہ کی اور قسم ہے آپ کی حیات کی'' یہ بھی شرک ہے۔ انسان کا یہ کہنا کہ ''اگر یہ کتیا نہ ہوتی تو چور رات کو ہمارے گھر میں گھس آتے'' یہ بھی شرک ہے۔ آدمی کا یہ قول کہ اگر بطخ گھر میں نہ ہوتی تو چوری ہو جاتی' یہ بھی شرک کا کلمہ ہے۔ کسی کا یہ قول کہ جو اللہ چاہے اور آپ' یہ بھی شرک ہے۔ کسی کا یہ کہنا کہ اگر اللہ نہ ہوتا اور فلاں نہ ہوتا' یہ سب کلمات شرک ہیں۔

صحیح حدیث میں ہے کہ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: ''جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو آپ ﷺ چاہیں'' تو آپ نے فرمایا: ''کیا تو مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے؟'' دوسری حدیث میں ہے: ''تم اچھے لوگ ہو اگر تم شرک نہ کرتے' تم کہتے ہو جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے۔'' ❸ ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ﴿اَنْدَادًا﴾ کے معنی شریک اور برابر کے ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں تم توراۃ وانجیل پڑھتے ہو اور جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ایک اور لاشریک ہے' پھر جانتے ہوئے کیوں اللہ تعالیٰ کا شریک کرتے ہو؟

اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ پانچ احکام: مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ عزوجل نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پانچ چیزوں کا حکم دیا کہ ان پر عمل کرو اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دو۔ قریب تھا کہ وہ اس میں ڈھیل کریں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں یاد دلایا کہ آپ کو پروردگار عالم کا حکم تھا کہ ان پانچ چیزوں پر خود کار بند ہو کر دوسروں کو بھی حکم دو۔ پس یا تو خود آپ کہہ دیجئے یا میں پہنچا دوں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ اگر آپ سبقت کر گئے تو کہیں مجھے عذاب نہ کیا جائے یا زمین میں دھنسانہ دیا جائے۔ پس حضرت یحییٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس کی مسجد میں جمع کیا۔ جب مسجد پر ہو گئی تو اونچی جگہ پر بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کر کے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں کا حکم کیا ہے کہ خود عمل کر کے تم سے بھی ان پر عمل کراؤں۔''

یہ کہ ایک اللہ کی عبادت کرو' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص خاص اپنے مال سے کسی غلام کو خریدے۔ غلام کام کاج کرے اور جو کچھ پائے اسے کسی اور کو دیدے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا غلام ایسا ہو؟ ٹھیک اسی طرح تمہارا پیدا کرنے والا' تمہیں روزیاں دینے والا تمہارا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ ہی ہے پس تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

---

❶ احمد، ٥/ ٧٢؛ ابن ماجة، كتاب الكفارات، باب النهى عن يقال ماشاء الله وشئت، ٢١١٨؛ دارمی، ٢٦٩٩۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ دیکھئے (الموسوعة الحديثية ٣٤/ ٢٩٧) نیز شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الصحيحة: ١٣٨)

❷ احمد، ١/ ٢١٤، ٣/ ٣٣٩۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھیے (السلسلة الصحيحة، ١٣٩) وسنده حسن۔

❸ ابن ماجة، كتاب الكفارات، باب النهى عن يقال ما شاء الله وشئت، ٢١١٨ وسنده ضعيف؛ احمد، ١/ ٣٩٤، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الصحيحة، ١/ ٢٦٤) لیکن یہ روایت عبدالملک بن عمیر کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

یہ کہ نماز کو ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ کا منہ بندے کے منہ کی طرف ہوتا ہے جب تک کہ وہ نماز میں ادھر ادھر التفات نہ کرے جب تم نماز میں ہو تو خبردار ادھر ادھر التفات نہ کرنا۔

یہ کہ روزے رکھا کرو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے پاس مشک کی تھیلی بھری ہوئی ہو جس سے اس کے تمام ساتھیوں کے دماغ معطر رہیں۔ یاد رکھو روزے دار کے منہ کی خوشبو اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسند ہے۔

یہ کہ صدقہ دیتے رہا کرو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کو دشمنوں نے قید کر لیا اور گردن کے ساتھ اس کے ہاتھ باندھ دیئے اور گردن مارنے کے لئے لے چلے، تو وہ کہنے لگا کہ تم مجھ سے فدیہ لے لو اور مجھے چھوڑ دو چنانچہ جو کچھ تھا کم زیادہ دے دلا کر اپنی جان چھڑا لی۔

اور پانچواں حکم یہ ہے کہ اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے پیچھے تیزی کے ساتھ دشمن دوڑا آتا ہے اور وہ ایک مضبوط قلعہ میں گھس جاتا ہے اور وہاں امن وامان پا لیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ذکر کے وقت شیطان سے بچا ہوا ہوتا ہے۔ یہ فرما کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اب میں بھی تمہیں پانچ باتوں کا حکم کرتا ہوں جن کا حکم جناب باری تعالیٰ نے مجھے دیا ہے۔ مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑے رہنا (اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مسلمان حاکم وقت کے احکام) سننا اور ماننا، ہجرت کرنا اور جہاد کرنا۔ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر نکل گیا اس نے اسلام کے پٹے کو اپنے گلے سے اتار پھینکا، ہاں یہ اور بات ہے کہ رجوع کر لے۔ جو شخص جاہلیت کی پکار پکارے وہ جہنم کا کوڑا کرکٹ ہے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اگرچہ وہ روزے دار اور نمازی ہو۔ فرمایا اگرچہ نماز پڑھتا ہو اور روزے رکھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو۔ مسلمانوں کو ان کے ان ناموں کے ساتھ پکارتے رہو جو خود اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں، مسلمین مؤمنین اور عباد اللہ۔'' یہ حدیث حسن ہے۔ [1]

اس آیت میں بھی یہی بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے وہی تمہیں روزیاں دیتا ہے پس عبادت بھی اسی کی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ عبادت میں توحید باری تعالیٰ کا پورا خیال رکھنا چاہئے، کسی اور کی عبادت نہ کرنی چاہئے۔ ہر قسم کی عبادات کے لائق صرف وہی ہے۔

وجود باری تعالیٰ کے دلائل: امام رازی رحمہ اللہ وغیرہ نے اللہ تعالیٰ کے وجود پر بھی اس آیت سے استدلال کیا ہے اور فی الواقع یہ آیت بہت بڑی دلیل ہے اللہ تعالیٰ کے وجود پر۔ زمین اور آسمان کی مختلف شکل وصورت، مختلف رنگ، مختلف مزاج اور مختلف نفع کی موجودات، ان میں سے ہر ایک کا نفع والا ہونا اور ان کے خالق کا وجود کا خاص حکمت کا حاصل ہونا اور اس کی عظیم الشان قدرت اور حکمت اور زبردست سطوت اور سلطنت کا ثبوت ہے۔

کسی بدوی سے پوچھا گیا کہ اللہ کے ہونے پر کیا دلیل ہے؟ تو اس نے کہا یا سُبْحَانَ اللّٰهِ إِنَّ الْبَعْرَ لَيَدُلُّ عَلَى الْبَعِيْرِ. وَإِنَّ أَثَرَ الْأَقْدَامِ لَتَدُلُّ عَلَى الْمَسِيْرِ. فَسَمَآءٌ ذَاتُ أَبْرَاجٍ. وَأَرْضٌ ذَاتُ فِجَاجٍ. وَبِحَارٌ ذَاتُ أَمْوَاجٍ. أَلَا يَدُلُّ ذٰلِكَ عَلَى وُجُوْدِ اللَّطِيْفِ الْخَبِيْرِ یعنی ''مینگنی سے اونٹ معلوم ہو سکے اور پاؤں کے نشان کو زمین پر دیکھ کر معلوم ہو جائے کہ کوئی آدمی گیا ہے، تو کیا یہ برجوں

---

[1] احمد، ٤/ ١٣٠، ٢٠٢؛ ترمذی، ابواب الامثال، باب ما جاء فی مثل الصلاة والصوم والصدقة، ٢٨٦٣، ٢٨٦٤۔ وسندہ صحیح؛ مسند ابی یعلیٰ، ١٥٧١؛ ومسند الطیالسی، ١١٦١، ١١٦٢؛ ابن خزیمة، ١٨٩٥؛ ابن حبان، ٦٢٠٠؛ حاکم، ١/ ١١٧، ١١٨، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (صحیح الترغیب: ٥٥٢)

والا آسمان، یہ راستوں والی زمین اور موجیں مارنے والے سمندر اللہ تعالیٰ باریک بین اور خبردار کے وجود پر دلیل نہیں بن سکتے؟'' (1)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ہارون الرشید نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود پر کیا دلیل ہے۔ آپ نے فرمایا: ''زبانوں کا مختلف ہونا' آوازوں کا جداگانہ ہونا' نغموں کا الگ ہونا ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہے۔''

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی سوال ہوتا ہے تو آپ جواب دیتے ہیں کہ ''چھوڑ دو میں ابھی کسی اور سوچ میں ہوں لوگوں نے مجھ سے کہا ہے کہ ایک بہت بڑی کشتی جس میں طرح طرح کی تجارتی چیزیں ہیں نہ کوئی اس کا نگہبان ہے نہ چلانے والا ہے باوجود اس کے وہ برابر آ جا رہی ہے اور بڑی بڑی موجوں کو خود بخود چیرتی پھاڑتی گزر جاتی ہے' ٹھہرنے کی جگہ پر ٹھہر جاتی ہے چلنے کی جگہ چلتی رہتی ہے اور نہ کوئی ملاح ہے نہ منتظم' سوال کرنے والے دہریوں نے کہا آپ کیسی بات کرتے ہیں کوئی ایسی بات کہہ سکتا ہے کہ اتنی بڑی کشتی اتنے ساز و سامان نظام کے ساتھ تلاطم والے سمندر میں آئے جائے اور کوئی اس کا چلانے والا نہ ہو؟ آپ نے فرمایا ''افسوس تمہاری عقلوں پر ایک کشتی تو بغیر چلانے والے کے نہ چل سکے لیکن یہ ساری دنیا اور آسمان و زمین کی سب چیزیں ٹھیک اپنے کام پر لگی رہیں اور ان کا مالک حاکم خالق کوئی نہ ہو؟ یہ جواب سن کر وہ لوگ لاجواب ہو گئے اور حق معلوم کر کے مسلمان ہو گئے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی سوال ہوا تو آپ نے جواب دیا کہ توت کے پتے ایک ہی ہیں' ایک ہی ذائقہ کے ہیں۔ کیڑے اور شہد کی مکھی اور گائیں بکریاں ہرن وغیرہ سب اس کو کھاتے اور چرتے چگتے ہیں' اسی کو کھا کر کیڑے میں سے ریشم نکلتا ہے' مکھی شہد دیتی ہے' ہرن میں مشک پیدا ہوتا ہے اور گائے بکریاں مینگنیاں دیتی ہیں۔ کیا یہ اس امر کی صاف دلیل نہیں کہ ایک پتے میں یہ مختلف خواص پیدا کرنے والا کوئی ہے؟ اور اسی کو ہم اللہ تعالیٰ مانتے ہیں۔ وہی موجد اور صانع ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک مرتبہ وجود باری تعالیٰ پر دلیل طلب کی جاتی ہے تو آپ فرماتے ہیں: ''سنو یہاں ایک نہایت مضبوط قلعہ ہے جس میں کوئی دروازہ نہیں نہ کوئی راستہ ہے بلکہ سوراخ تک نہیں' باہر سے چاندی کی طرح چمک رہا ہے اور اندر سے سونے کی طرح دمک رہا ہے اور اوپر نیچے دائیں بائیں چاروں طرف سے بالکل بند ہے ہوا تک اس میں نہیں جا سکتی' اچانک اس کی ایک دیوار گرتی ہے اور ایک جاندار آنکھوں' کانوں والا بولتا چالتا خوبصورت شکل اور پیاری بولی والا چلتا پھرتا نکل آتا ہے' کہو اس بند اور محفوظ مکان میں اسے پیدا کرنے والا کوئی ہے یا نہیں اور وہ ہستی انسانی ہستیوں سے بالاتر اور اس کی قدرت غیر محدود ہے یا نہیں'' مطلب آپ کا یہ تھا کہ انڈے کو دیکھو چاروں طرف سے بند ہے پھر اس میں پروردگار خالق یکتا جاندار بچہ پیدا کر دیتا ہے۔ یہی دلیل ہے اللہ کے وجود پر اور اس کی توحید پر۔

ابونواس سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو کہا' آسمان سے بارش کا برسنا اور اس سے درختوں کا پیدا ہونا اور ان ہری ہری شاخوں پر خوش ذائقہ میووں کا لگنا ہی اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کی کافی دلیل ہے۔

ابن المعتز کا قول ہے' افسوس اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اسکی ذات کے جھٹلانے پر لوگ کیسی دلیری کر جاتے ہیں حالانکہ ہر ہر چیز اس پروردگار کی ہستی اور لاشریک ہونے پر گواہ ہے۔

اور بزرگوں کا مقولہ ہے کہ آسمانوں کو دیکھو ان کی بلندی' ان کی وسعت' ان کے چھوٹے بڑے چمکیلے اور روشن ستاروں پر نظر ڈالو۔ ان کے چمکنے دمکنے ان کے چلنے پھرنے اور ٹھہر جانے ظاہر ہونے اور چھپ جانے کا مطالعہ کرو۔ پھر سمندروں کو دیکھو جو موجیں مارتے ہوئے زمین کو گھیرے ہوئے ہیں۔ پھر اونچے نیچے مضبوط پہاڑوں کو دیکھو جو زمین میں گڑے ہوئے ہیں اور اسے ہلنے نہیں دیتے' جن کے رنگ =

---

(1) الرازی، ۲/ ۹۱۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَاۗءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ښ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝

ترجمہ: ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر اتارا ہے اس میں اگر تمہیں شک ہو اور تم سچے ہو تو تم اس جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ! تمہیں اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو۔ [۲۳] پس اگر تم نے نہ کیا اور تم ہرگز نہیں کر سکتے تو اسے سچا مان کر اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر' جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ [۲۴]

= جن کی صورتیں مختلف ہیں۔ پھر قسم قسم کی اور مخلوقات پر نظر ڈالو پھر ادھر سے ادھر پھر جانے والی کھیتیوں اور باغوں کو شاداب کرنے والی خوشنما نہروں کو دیکھو' کھیتوں اور باغوں کی سبزیوں اور ان کے طرح طرح کے پھل پھول مزے مزے کے میووں پر غور کرو۔ زمین ایک' پانی ایک' لیکن شکلیں صورتیں اور خوشبو میں' رنگت' ذائقہ اور فائدہ میں الگ الگ ہیں۔ کیا یہ تمام مصنوعات تمہیں نہیں بتاتیں کہ ان کا صانع کوئی ہے؟ کیا یہ تمام موجودات بآواز بلند نہیں کہہ رہی ہیں کہ ان کا موجد کوئی ہے؟ کیا یہ ساری مخلوق اپنے خالق کی ہستی اس کی ذات اور اس کی توحید پر دلالت نہیں کرتی؟ یہ ہیں وہ زوردار دلائل جو اللہ عزوجل نے اپنی ذات کے منوانے کے لئے ہر نگاہ کے سامنے پیش کر دیئے ہیں جو اس کی زبردست قدرتوں' اس کی پرزور حکمتوں' اس کی لاثانی رحمتوں' اس کے بے نظیر انعاموں' اس کے لازوال احسانوں پر دلالت کرنے کے لئے کافی وافی ہیں۔

ہمارا اقرار ہے کہ نہ اس کے سوا کوئی پالنے پوسنے والا' نہ اس کے سوا کوئی پیدا کرنے اور حفاظت کرنے والا' نہ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہ اس کے سوا کوئی مسجود لاشک' ہاں دنیا کے لوگو! سن لو میرا توکل اور بھروسہ اسی پر ہے' میری انابت اور التجا اسی کی طرف ہے' میرا جھکنا اور پست ہونا اسی کے سامنے ہے' میری تمناؤں کا مرکز میری امیدوں کا آسرا میرا ماوی اور ملجا وہی ایک ہے۔ اسی کے دست رحمت کو دیکھتا ہوں اور ہر وقت اسی کا نام لیتا ہوں۔

محمد ﷺ کی نبوت کا اثبات: [آیت: ۲۳۔۲۴] توحید کے بیان کے بعد اب نبوت کی تصدیق ہو رہی ہے' کفار کو خطاب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے جو قرآن پاک اپنے بندے (حضرت محمد ﷺ) پر اتارا ہے اسے اگر تم ہمارا کلام نہیں مانتے تو تم اور تمہارے مددگار سب مل کر پورا قرآن تو نہیں صرف ایک سورت تو اس جیسی بنا لاؤ' جب تم اسے نہیں کر سکتے اور اس سے عاجز ہو تو پھر اس قرآن کے کلام اللہ ہونے میں کیوں شک کرتے ہو؟ ﴿شُهَدَاۗءَ﴾ سے مراد مددگار اور رفیق ہیں ❶ جو ان کی مدد کیا کرتے تھے تو مطلب یہ ہوا کہ جنہیں تم نے اپنا معبود بنا رکھا ہے انہیں بھی بلا لو اور ان سے بھی مدد چاہو۔ پھر اس جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تم اپنے حاکموں اور اپنے زبان دان فصیح و بلیغ لوگوں سے بھی امداد لے لو۔ ❷

---

❶ الطبری، ۱/ ۳۷۶۔ ❷ ابن ابی حاتم، ۱/ ۸۵۔

قرآن کریم کا اعجاز: قرآن کریم کے اس معجزے کا اظہار اور اس طرز کا کلام کئی جگہ ہے۔ سورۂ قصص میں ہے ﴿فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ ❶ یعنی ''اگر تم سچے ہو تو ان دونوں سے (یعنی توریت وقرآن سے) زیادہ ہدایت والی کوئی اور اللہ کی کتاب لاؤ تو میں بھی اس کی تابعداری کروں گا۔'' سورۂ سبحان میں فرمایا: ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾ ❷ یعنی ''اگر تمام جن اور انسان جمع ہو کر اور ہر ایک دوسرے کی مدد کر کے یہ چاہیں کہ اس جیسا قرآن بنائیں تو بھی ان کے امکان میں نہیں۔'' سورۂ ہود میں فرمایا: ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ ❸ یعنی ''کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس قرآن کو خود اس پیغمبر ﷺ نے گھڑ لیا۔ تم کہو کہ اگر تم سچے ہو تو تم سب مل کر اور اللہ کے سوا جنہیں تم بلا سکتے ہو بلا کر اس جیسی دس سورتیں بنالاؤ۔'' سورۂ یونس میں ہے: ﴿وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ ❹ یعنی ''یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے سوا اور کی طرف سے گھڑا ہوا نہیں' بلکہ یہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا اور کتاب کی تفصیل ہے جس کے اللہ کی کلام ہونے میں کوئی شک نہیں' جو رب العالمین کی طرف سے ہے۔ کیا یہ لوگ اسے خود ساختہ بتاتے ہیں؟ ان سے کہو کہ اللہ کے سوا ہر شخص کو بلا کر (اس قرآن کی سینکڑوں سورتوں میں سے) ایک چھوٹی سی سورت جیسی کوئی ایک سورت تو بنالاؤ' تاکہ تمہارا سچ ظاہر ہو۔''

یہ تمام آیات تو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں اور اہل مکہ کو اس کے مقابلے میں عاجز ثابت کر کے پھر مدینہ منورہ میں بھی اس مضمون کو دہرایا گیا جیسے اوپر کی آیت میں مثلہ کی ضمیر کو بعض نے تو قرآن کی طرف لوٹایا ہے یعنی کوئی سورت اس جیسی بنالاؤ۔ بعض نے یہ ضمیر محمد ﷺ کی طرف لوٹائی ہے یعنی آپ ﷺ جیسا کوئی امی ایسا ہو ہی نہیں سکتا ہے کہ باوجود کچھ پڑھا ہوا نہ ہونے کے وہ کلام کہے جس کا مثل کسی سے نہ بن سکے۔ لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے۔ عمر، ابن مسعود' ابن عباس رضی اللہ عنہم ' مجاہد' قتادہ' حسن بصری اور اکثر محققین رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ ابن جریر' طبری' زمخشری' رازی رحمہم اللہ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے۔ اس کی ترجیح کی بہت سی وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس میں سب کو ڈانٹ ڈپٹ ہے اجتماعی اور انفرادی طور پر' خواہ وہ امی اور ان پڑھ ہوں' خواہ اہل کتاب اور پڑھے لکھے لوگ ہوں۔ پھر اس میں اس معجزے کا کمال ہے اور بہ نسبت اس کے کہ صرف ان پڑھ لوگوں کو عاجز کیا جائے اس میں زیادہ مبالغہ ہے۔ پھر دس سورتوں کا مطالبہ کرنا' اس کی مثل نہ لاسکنے کی پیش گوئی کرنا بھی اسی حقیقت کو ثابت کرتا ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے نہ کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات۔ پس اس عام اعلان سے جو بار بار کیا گیا اور ساتھ ہی پیشین گوئی بھی کر دی گئی کہ یہ لوگ اس پر قادر نہیں' مکہ میں اور مدینہ میں بارہا اس کا اعادہ کیا گیا اور وہ لوگ جن کی مادری زبان عربی تھی' جنہیں اپنی فصاحت اور بلاغت پر ناز تھا' جو لوگ آپ کی اور آپ ﷺ کے دین کی دشمنی پر ادھار کھائے بیٹھے تھے وہ درحقیقت اس سے عاجز آ گئے' نہ پورے قرآن کا جواب دے سکے نہ دس سورتوں کا' بلکہ نہ ایک سورۃ کا۔

پس ایک معجزہ تو یہ ہے کہ اس جیسی ایک چھوٹی سی سورت بھی وہ نہ بنا سکے۔ دوسرا معجزہ یہ کہ یہ پیشین گوئی بھی سچ ثابت ہوئی کہ یہ ہرگز اس جیسا نہیں بنا سکتے گو سب جمع ہو جائیں اور قیامت تک محنت کریں اور ایسا ہی ہوا نہ تو اس زمانے میں کسی کی یہ جرأت ہوئی نہ اس کے بعد سے آج تک اور نہ قیامت تک کسی سے یہ ہو سکے گا' اور بھلا کیسے ہو سکتا ہے؟ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل اسی طرح اس کا کلام بھی بے مثل حقیقت بھی یہی ہے کہ قرآن کریم کو ایک نظر دیکھنے سے اس کے ظاہری اور باطنی لفظی ومعنوی' وہ وہ

❶ ۲۸/ القصص:۴۹۔ ❷ ۱۷/ الاسراء:۸۸۔ ❸ ۱۱/ ہود:۱۳۔ ❹ ۱۰/ یونس:۳۷۔

کمالات ظاہر ہوتے ہیں جو مخلوق کے بس کے نہیں۔ خود رب العالمین فرماتا ہے: ﴿الٓرٰ کِتَابٌ اُحْکِمَتْ اٰیَاتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ﴾ ❶ یعنی ''اس کتاب کی آیات جو حکمت والے' خبر دار' اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے' محکم مضبوط اور مفصل الگ الگ ہیں۔'' پس الفاظ محکم اور معانی مفصل یا الفاظ مفصل اور معانی محکم' پس قرآن اپنے الفاظ میں اور اپنے مضامین میں بے نظیر ہے جس کے مقابلے اور معارضے سے جس کی نظر اور مثل سے دنیا عاجز اور بے بس ہے۔

اس پاکیزہ کلام میں سابقہ خبریں جو دنیا سے پوشیدہ تھیں' وہ ہو بہو بیان کی گئیں۔ آنے والے امور کے تذکرے ہوئے جو لفظ بہ لفظ پورے اترے۔ تمام بھلائیوں کے احکام اس میں' تمام برائیوں سے ممانعت اس میں ہے۔ سچ ہے ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾ ❷ یعنی ''خبروں میں صداقت اور احکام میں عدل تیرے رب کے کلام میں پورا پورا ہے۔'' یہ پاکیزہ قرآن سارے کا سارا حق و صداقت' عدالت و ہدایت سے پر ہے۔ نہ اس میں واہی تباہی باتیں نہ اس میں ہنسی' مذاق' کذب و افترا ہے جو شاعروں کے کلام میں عموماً پایا جاتا ہے بلکہ ان کے اشعار کی قدر و قیمت ہی اسی پر ہے۔ مقولہ مشہور ہے کہ اَعْذَبُهٗ اَکْذَبُهٗ جتنا جھوٹ زیادہ' اتنا ہی مزے دار۔ تم دیکھو گے کہ لمبے لمبے پر زور قصیدے مبالغہ اور کذب آمیز یا تو عورتوں کی تعریف توصیف میں ہوں گے' یا گھوڑوں کی اور شراب کی ستائش میں ہوں گے یا کسی انسان کی بڑھی چڑھی مدح و تعریف میں ہوں گے یا اونٹنیوں کی آرائش و زیبائش یا بہادری کے پر مبالغہ گیت یا لڑائیوں کی چالبازیوں یا ڈر خوف کے خیالی منظروں کے بیان میں ہوں گے جن سے کوئی فائدہ نہیں' نہ دین کا نہ دنیا کا۔ صرف شاعر کی زبان دانی اور اس کی قدرت کلام ظاہر ہوتی ہے اور بس۔ نہ تو اخلاق پر ان سے کوئی عمدہ اثر نہ اعمال پر' پھر نفس مضمون کے بھی پورے قصیدے میں بمشکل دو ایک شعر ہوتے ہیں باقی سب بھرتی کے اور ادھر ادھر کی لایعنی اور فضول بکواس کے۔

اس کے مقابلہ میں قرآن کریم پر نظر ڈالو تو تم دیکھو گے کہ اس کا ایک ایک لفظ فصاحت و بلاغت' دین و دنیا کے نفع اور خیر و برکت سے پر ہے۔ پھر کلام کی ترتیب و تہذیب' الفاظ کی بندش' عبارت کی روانی' معانی کی نورانیت' مضمون کی پاکیزگی سونے پر سہاگہ ہے۔ اس کی خبروں کی حلاوت' اس کے بیان کردہ واقعات کی سلاست مردہ دلوں کی زندگی ہے۔ اس کا اختصار اعلیٰ کمال کا نمونہ اور اس کی تفصیل معجزے کی جان ہے۔ اس کا کسی چیز کو دہرانا قند مکرر کا مزہ دیتا ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا سچے موتیوں کی بارش برس رہی ہے۔ بار بار پڑھو اور دل نہ اکتائے' مزے لیتے جاؤ اور ہر وقت نیا مزہ پاؤ' مضامین سمجھتے جاؤ اور ختم نہ ہوں' یہ قرآن کریم کا ہی خاصہ ہے اس چاشنی کا ذائقہ اس مٹھاس کا مزہ کوئی ان سے پوچھے جنہیں عقل و حواس علم و فضل کا کچھ حصہ قدرت نے عطا فرمایا ہو۔ اس کا عذابوں سے ڈرانا اور پکڑ دھکڑ کا بیان مضبوط پہاڑوں کو ہلا دے' انسانی دل تو چیز کیا ہیں۔ اس کے وعدے اور خوشخبریاں نعمتوں اور رحمتوں کا بیان دلوں کی پژمردہ کلی کو کھلا دینے والا شوق و تمنا کے دبے بجھے جذبات کو ابھار دینے والا' جنتوں اور راحتوں کے پیارے پیارے مناظر کو آنکھوں کے سامنے کر دینے والا ہے۔ دل کھل جاتے ہیں' کان لگ جاتے ہیں اور آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

رغبت دیتے ہوئے وہ فرماتا ہے: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ﴾ ❸ ''کوئی کیا جانے کہ اس کے نیک اعمال کے بدلے اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان چپکے چپکے تیار کیا جا رہا ہے۔'' فرماتا ہے: ﴿وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْاَنْفُسُ﴾ ❹ اس ہمیشگی والی جنت میں ہر وہ چیز ہے جو دل کو بھائے اور آنکھوں میں اتر جائے۔'' ڈراتے اور دھمکاتے ہوئے

---

❶ ۱۱/ ھود:۱۔ ❷ ٦/ الانعام:۱۱۵۔ ❸ ۳۲/ السجدۃ:۱۷۔ ❹ ٤٣/ الزخرف:۷۱۔

فرماتا ہے: ﴿اَفَاَمِنۡتُمۡ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِکُمۡ جَانِبَ الۡبَرِّ﴾ ❶ اور فرمایا: ﴿ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِکُمُ الۡاَرۡضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوۡرُ ۝﴾ ❷ ''کیا تم اپنے دھنسائے جانے یا آسمان سے پتھر برسائے جانے سے نڈر ہو گئے ہو؟ کیا آسمان والا اس پر قادر نہیں؟'' اسے محض دھمکی ہی نہ سمجھو بلکہ اس کی حقیقت عنقریب تم پر کھل جائے گی۔ زجر و توبیخ ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے ﴿فَکُلًّا اَخَذۡنَا بِذَنۡۢبِهٖ﴾ ❸ ایک ایک کو ہم نے اس کی بدکرداریوں میں پکڑ لیا۔ بطور وعظ و نصیحت بیان ہوتا ہے ﴿اَفَرَءَیۡتَ اِنۡ مَّتَّعۡنٰهُمۡ سِنِیۡنَ ۝﴾ ❹ یعنی ''اور ہم نے کچھ سال انہیں فائدہ بھی دیا تو کیا ہوا؟ آخر وعدے کی گھڑی آ پہنچی اور اس جاہ وجلال نے کوئی نفع نہ بخشا۔'' غرض کوئی کہاں تک بیان کرے' جس مضمون کو لیا اسے کمال تک پہنچا کر چھوڑا ہے اور طرح طرح کی فصاحت و بلاغت' حلاوت و حکمت سے معمور کر دیا ہے۔ حکم' احکام' روک ٹوک کو دیکھئے' ہر حکم اچھائی بھلائی' نفع اور پاکیزگی کا جامع' ہر ممانعت' قباحت' رذالت' دنائت اور خباثت کی قاطع ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ اسلاف امت کا قول ہے کہ جب قرآن میں ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا﴾ سنو تو کان لگا دو کہ یا تو کسی اچھائی کا حکم ہوگا' یا کسی برائی سے منع کیا جائے گا۔ خود پروردگار عالم فرماتا ہے: ﴿یَاۡمُرُهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡهٰهُمۡ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ کَانَتۡ عَلَیۡهِمۡ﴾ ❺ یعنی ''بھلائیوں کا حکم دیتا ہے برائیوں سے روکتا ہے' پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتا ہے' خبیث چیزیں حرام کرتا ہے' وہ بوجھل بیڑیاں جو پاؤں میں تھیں' وہ سخت طوق جو گلے میں تھے اتار پھینکتا ہے'' الخ۔ قیامت کے بیان کی آیات وہاں کے ہولناک منظر جنت دوزخ کا بیان' رحمتوں اور زحمتوں کا پورا پورا وصف' اولیاء اللہ کے لئے طرح طرح کی نعمتیں' اللہ کے دشمنوں کے لئے طرح طرح کے عذاب' کہیں بشارت ہے' کہیں ڈراوا ہے' کہیں نیکیوں کی طرف رغبت ہے' کہیں بدکاریوں سے ممانعت ہے' کہیں دنیا کی طرف زہد کرنے کی' کہیں آخرت کی طرف رغبت کرنے کی تعلیم ہے۔ یہی وہ تمام آیات ہیں جو راہ راست دکھاتی' بہترین رہنمائی کرتی ہیں اور اللہ کی پسندیدہ شریعت کی طرف جھکاتی ہیں اور دلوں کو جلا (فرحت) دیتی ہیں اور شیطانی دروازوں کو بند کر دیتی ہیں اور برے اثرات زائل کرتی ہیں۔

قرآن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سب سے بڑا معجزہ ہے: صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر نبی کو ایسے معجزے دیئے گئے کہ جنہیں دیکھ کر لوگ ان پر ایمان لائے اور میرا معجزہ اللہ کی وحی یعنی قرآن پاک ہے۔ اس لئے مجھے امید ہے کہ میرے متبعین بہ نسبت اور نبیوں کے بہت زیادہ ہوں گے۔'' ❻ (اس لئے کہ اور انبیا کے معجزے ان کے ساتھ چلے گئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ قیامت تک باقی رہے گا۔ لوگ اسے دیکھتے جائیں گے اور اسلام میں داخل ہوتے جائیں گے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ ''میرا معجزہ وحی ہے جو میں دیا گیا ہوں سے مطلب یہ ہے کہ میں اس کے ساتھ خاص کیا گیا ہوں'' اور یہ قرآن کریم مجھی کو ملا ہے جو اپنے معارضے اور مقابلہ سے تمام دنیا کو عاجز کر دینے والا ہے بخلاف دوسری آسمانی کتابوں کے کہ وہ اکثر علما کے نزدیک اس وصف سے خالی ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور دین اسلام کی حقانیت پر علاوہ اس معجزے کے بھی اس قدر دلائل ہیں جو

---

❶ ۱۷/ الاسرآء:۶۸۔ ❷ ۶۷/ الملك:۱۶۔ ❸ ۲۹/ العنكبوت:۴۰۔

❹ ۲۶/ الشعرآء:۲۰۵۔ ❺ ۷/ الاعراف:۱۵۷۔

❻ صحيح بخاری، كتاب فضائل القرآن، باب كيف نزل الوحی واول مانزل، ۴۹۸۱۔۷۲۷۴؛ صحيح مسلم، ۱۵۲۔

گنے بھی نہیں جا سکتے' وللّٰہ الحمد والمنة۔ بعض متکلمین نے قرآن کریم کے اعجاز کو ایسے طریقہ پر بیان کیا ہے جو اہل سنت کے اور معتزلہ کے قول پر مشترک ہے وہ کہتے ہیں کہ یا تو یہ قرآن فی نفسہ معجزہ ہے' انسان کے امکان میں ہی نہیں کہ وہ اس جیسا بنا سکے' انہیں اس کا معارضہ کرنے کی قدرت و طاقت ہی نہیں یا یہ کہ گو اس کا معارضہ ممکن ہے اور انسانی طاقت سے باہر نہیں' لیکن باوجود اس کے انہیں معارضہ کا چیلنج دیا جاتا ہے وہ عداوت اور دشمنی میں بڑھے ہوئے ہیں' وہ دین حق کو مٹانے کے لئے ہر وقت ہر طاقت کے خرچ کرنے اور ہر چیز کے برباد کرنے کے لئے تیار ہیں' لیکن تاہم قرآن کا معارضہ اور مقابلہ ان سے نہیں کیا جا سکتا۔ یہ دلیل ہے اس بات پر کہ یہ قرآن کریم اللہ کی جانب سے ہے کہ باوجود قدرت و طاقت ہونے کے وہ انہیں روک دیتا ہے اور وہ قرآن کا مثل پیش کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں۔ گو یہ دوسری وجہ اتنی پسندیدہ نہیں تاہم اگر اسے بھی مان لیا جائے تو اس سے بھی قرآن کا معجزہ ہونا ثابت ہے جو بطریق تنزل حمایت حق اور مناظرے کی خاطر صلاحیت رکھتا ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ نے بھی چھوٹی چھوٹی سورتوں کے سوال کے جواب میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

وقودًا اور حجارۃ سے کیا مراد ہے: ﴿وَقُوْدٌ﴾ کے معنی ایندھن کے ہیں جس سے آگ جلائی جائے جیسے لکڑیاں وغیرہ۔ قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا٥﴾ ❶ ''ظالم لوگ جہنم کی لکڑیاں ہیں۔'' اور جگہ فرمایا: ''تم اور تمہارے وہ معبود جو اللہ کے سوا ہیں جہنم کی لکڑیاں ہیں تم سب اس میں وارد ہو گے' اگر وہ سچے معبود ہوتے تو وہاں وارد نہ ہوتے۔ در اصل یہ سب کے سب اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ﴿حِجَارَةٌ﴾ کہتے ہیں پتھر کو۔ یہاں مراد گندھک کے سخت سیاہ اور بڑے بڑے اور بدبودار پتھر ہیں جن کی آگ بہت تیز ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ آمین۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان پتھروں کی زمین و آسمان کی پیدائش کے ساتھ ہی آسمان اول پر پیدا کیا گیا ہے۔ ❷ (ابن جریر۔ ابن ابی حاتم۔ مستدرک) ابن عباس' ابن مسعود اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم سے سدی نے نقل کیا ہے کہ جہنم میں یہ سیاہ گندھک کے پتھر بھی ہیں جن کی سخت آگ سے کافروں کو عذاب کیا جائے گا۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان پتھروں کی بدبو مردار کی بو سے بھی زیادہ ہے۔ محمد بن علی اور ابن جریج بھی کہتے ہیں کہ مراد گندھک کے بڑے بڑے اور سخت پتھر ہیں۔ بعض نے کہا ہے مراد وہ پتھر ہیں جن کی تصویریں وغیرہ بنائی جاتی تھیں اور پھر ان کی پرستش کی جاتی تھی جیسے اور جگہ ہے: ﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ ❸ ''تم اور تمہارے وہ معبود جو اللہ کے سوا ہیں جہنم کی لکڑیاں ہیں۔'' قرطبی اور رازی رحمہما اللہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ گندھک کے پتھر کو آگ لگنا کوئی نئی بات نہیں۔ اس لئے مراد یہی اصنام و انداد بت اور جو پتھر کسی شکل میں بھی اللہ تعالیٰ کے سوا پوجے جاتے ہوں' ہیں۔ لیکن یہ وجہ کوئی قوی وجہ نہیں اس لئے کہ جب آگ گندھک کے پتھروں سے سلگائی جائے تو ظاہر ہے کہ اس کی تیزی اور حرارت معمولی آگ سے بہت زیادہ ہو گی اس کا بھڑکنا اور جلنا اور سوزش اور شعلے بھی بہت زیادہ ہوں گے۔ علاوہ اسکے پھر سلف سے بھی اس کی تفسیر یہی مروی ہے۔ اسی طرح ان پتھروں میں آگ کا لگنا بھی ظاہر ہے اور آیت میں مقصود آگ کی تیزی اور اسکی سوزش کا بیان کرنا ہے اور اسکے بیان کے لئے بھی یہاں پتھر سے مراد گندھک کے پتھر لینا ہی زیادہ مناسب ہے تاکہ وہ آگ تیز ہو اور اس سے بھی عذاب میں سختی ہو۔ قرآن کریم میں ہے: ﴿كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا٥﴾ ❹ ''جہاں شعلے ہلکے ہوئے کہ ہم نے اور بھڑکا دیا۔'' ایک

---

❶ ۷۲/ الجن:۱۵۔ ❷ المستدرك، ۲/ ۲٦۱ وسنده صحيح وصححه الحاكم والذهبي شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (صحيح الترغيب:۳٦۷۵) ❸ ۲۱/ الانبيآء:۹۸۔ ❹ ۱۷/ الاسرآء:۹۷۔

حدیث میں ہے "ہر موذی آگ میں ہے" ❶ لیکن یہ حدیث محفوظ و معروف نہیں۔ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے دو معنی ہیں' ایک یہ کہ ہر وہ شخص جو دوسروں کو ایذا دے جہنمی ہے۔ دوسرے یہ کہ ہر ایذا دہندہ چیز جہنم کی آگ میں موجود ہوگی جو جہنمیوں کو عذاب دے گی۔ ﴿اُعِدَّتْ﴾ یعنی تیار کی گئی سے مراد بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ آگ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراد پتھر ہوں یعنی وہ پتھر جو تیار کئے گئے ہیں کافروں کے لئے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے اور فی الحقیقت دونوں معنوں میں کوئی اختلاف نہیں اس لئے کہ پتھروں کا تیار کیا جانا آگ جلانے کے لئے ہے اور آگ کے پتھروں کا تیار کیا جانا ضروری ہے لہٰذا ایک دوسرے کے ساتھ لازم ملزوم ہو گیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہر وہ شخص جو کفر پر ہو اس کے لئے وہ آگ تیار ہے۔ اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ جہنم اب موجود اور پیدا شدہ ہے کیونکہ ﴿اُعِدَّتْ﴾ کا لفظ ہے اور اس کی دلیل میں بہت سی احادیث بھی ہیں۔

جہنم اب بھی موجود ہے: ایک مطول حدیث میں ہے جنت اور دوزخ میں جھگڑا ہوا...... ❷ دوسری حدیث میں ہے جہنم نے اللہ تعالیٰ سے دو سانس لینے کی اجازت چاہی اور اسے سردی میں ایک سانس لینے کی اور گرمی میں دوسرا سانس لینے کی اجازت دی گئی۔ ❸ تیسری حدیث میں ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں ہم نے ایک مرتبہ بڑے زور کی ایک آواز سنی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یہ کس چیز کی آواز ہے؟ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ستر سال پہلے ایک پتھر جہنم میں پھینکا گیا تھا آج وہ پہنچا۔" ❹ چوتھی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گہن کی نماز پڑھتے ہوئے جہنم کو دیکھا۔ ❺ پانچویں حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں جہنم کو اور اس کے عذابوں کو ملاحظہ فرمایا۔ اسی طرح کی اور بہت سی صحیح متواتر احادیث مروی ہیں۔ معتزلہ اپنی جہالت کی وجہ سے اسے نہیں مانتے اور اس کے خلاف کہتے ہیں اور قاضی اندلس منذر بن سعید بلوطی نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔

فاتوا بسورۃٍ سے کونسی سورۃ مراد ہے: یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں اور سورۂ یونس میں جو کہا گیا ہے کہ ایک ہی سورت اس کے مانند لاؤ یہ شامل ہے چھوٹی بڑی ہر سورت کو اس لئے کہ عربی کے قواعد کے مطابق جو اسم نکرہ ہو اور شرط کے طور پر لایا گیا ہو وہ عمومیت کا فائدہ دیتا ہے جیسے کہ نکرہ نفی کے تحت میں استغراق کا فائدہ دیتا ہے۔ پس بڑی اور چھوٹی سورتوں' ہر ایک میں اعجاز ہے اور اس بات پر سلف و خلف کا اتفاق ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ سورۃ کا لفظ سورۂ کوثر اور سورۂ العصر اور سورۂ ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ ❻ جیسی چھوٹی سورتوں کو بھی شامل ہے' اور یہ بھی یقین ہو کہ اس جیسی یا اس کے قریب قریب کسی سورت کو بنا لینا ممکن ہے اسے انسانی طاقت سے خارج کہنا نری ہٹ دھرمی اور بیجا طرفداری ہے تو ہم جواب دیں گے کہ ہم نے اس کے معجزہ نما ہونے کے دو طریقے بیان کر کے دوسرے طریقہ کو اسی لئے پسند کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں اگر یہ چھوٹی سورتیں بھی فصاحت و بلاغت میں اسی پایہ کی ہیں کہ وہ معجزہ کہی جا سکیں اور ان کا تعارض ممکن نہ ہو تو مقصود حاصل اس لئے کہ باوجود ان جیسی سورتوں کے بنا لانے پر انسانی قدرت ہونے کے پھر =

❶ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الضعيفة: ٤٢٣٣) تاريخ بغداد، ١١/ ٢٩٩ وفيه عثمان بن الخطاب الاشج المعمر: كذاب۔ ❷ صحيح بخاری، كتاب التفسير باب قوله ﴿وتقول هل من مزيد﴾، ٤٨٥٠؛ صحيح مسلم، ٢٨٤٦۔

❸ صحيح بخاری، كتاب مواقيت الصلاة، باب الابراد بالظهر فی شدة الحر، ٥٣٨؛ صحيح مسلم، ٦٢١۔

❹ صحيح مسلم، كتاب الجنة، باب جهنم اعاذنا الله منها، ٢٨٤٤۔

❺ صحيح بخاری، كتاب الكسوف، باب صلاة الكسوف جماعة، ١٠٥٢؛ صحيح مسلم، ٩٠٧۔

❻ ١٠٩/ الكافرون:١۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ایمانداروں اور نیک عمل کرنے والوں کو ان جنتوں کی خوش خبریاں دو جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ جب کبھی پھلوں کی روزیاں دیئے جائیں گے تو کہیں گے یہ وہی ہے جو ہم اس سے پہلے دیئے گئے تھے اور ہم شکل لائے جائیں گے اور ان کے لئے بیویاں ہیں صاف ستھری اور وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔[۲۵]

= لوگوں کا نہ بنا سکنا باوجود سخت تر دشمنی اور ہر طرح کی زبردست کوشش کے اس بات پر دلیل ہے کہ یہ قرآن مع اپنی چھوٹی چھوٹی سورتوں کے سراسر معجزہ ہے۔ یہ تو ہے کلام رازی رحمہ اللہ کا۔ لیکن صحیح تر قول یہ ہے کہ قرآن کریم کی ہر چھوٹی بڑی سورت فی الواقع معجزہ ہے اور انسان اس کی نظیر بنانے سے محض عاجز اور بالکل ناطاقت ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر لوگ غور و تدبر اور عقل و ہوش سے صرف سورۂ ﴿وَالْعَصْرِ﴾ کو سمجھ لیں تو سب کو کافی ہو جائے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جب وفد میں مسیلمہ کذاب کے پاس گئے اور ابھی یہ خود بھی مسلمان نہ ہوئے تو مسیلمہ نے ان سے پوچھا کہ مکہ سے تم آ رہے ہو بتاؤ تو آج کل کوئی تازہ وحی بھی نازل ہوئی ہے؟ اس نے کہا ابھی ابھی ایک مختصر سی سورت نازل ہوئی جو بے حد فصیح و بلیغ اور جامع اور مانع ہے۔ پھر سورۂ والعصر پڑھ کر سنائی تو مسیلمہ نے کچھ دیر سوچ کر اس کے مقابلہ میں کہا کہ مجھ پر بھی ایک ایسی ہی سورت نازل ہوئی ہے اس نے کہا ہاں تم بھی سناؤ تو اس نے کہا یَا وَبَرُ یَا وَبَرُ اِنَّمَا اَنْتَ اُذُنَانِ وَصَدْرٌ وَسَآئِرُكَ حَقَرٌ فَقَرٌ یعنی اے جنگلی چوہے اے جنگلی چوہے تیرا وجود سوا دو کانوں اور سینے کے اور کچھ بھی نہیں باقی تو تو سراسر بالکل ناچیز ہے۔ پھر فخریہ کہنے لگا کہو اے عمرو! کیسی کہی؟ اس نے کہا مجھ سے کیا پوچھتے ہو اسے تو تو خود جانتا ہے کہ سراسر کذب و بہتان ہے۔ بھلا کہاں یہ فضول کلام اور کہاں وہ حکمتوں سے بھرپور کلام۔

ایمان والوں کے لئے خوشخبری اور جنت کی چند نعمتوں کا تذکرہ: [آیت:۲۵] چونکہ پہلے کافروں اور دشمنان دین کی سزا عذاب اور رسوائی کا ذکر ہوا تھا اس لئے یہاں ایمانداروں اور نیک صالح لوگوں کی جزا ثواب اور سرخروئی کا بیان کیا گیا ہے قرآن کے مثانی ہونے کے ایک معنی یہ بھی ہیں اور صحیح تر قول بھی یہی ہے کہ اس میں ہر مضمون تقابلی جائزے کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کا مفصل بیان بھی کسی مناسب جگہ آئے گا۔ مطلب یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ کفر کا' کفر کے ساتھ ایمان کا' نیکوں کے ساتھ بروں کا اور بروں کے ساتھ نیکوں کا ذکر ضرور آتا ہے۔ جس چیز کا بیان ہوتا ہے ساتھ ہی اس کے مقابلہ کی چیز کا بھی ذکر ہو جاتا ہے۔ کسی چیز کو ذکر کر کے اسکی نظیر کو بھی کہیں بیان کیا گیا ہے۔ یہ معنی ہیں مُتَشَابِه ہونے کے اور یہ دونوں لفظ قرآن کے اوصاف میں وارد ہوئے ہیں اسے مثانی بھی کہا گیا ہے اور متشابہ بھی فرمایا گیا ہے۔ جنتوں کے نیچے نہریں بہنا اس کے درختوں اور بالاخانوں کے نیچے بہنا ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ ''نہریں بہتی ہیں لیکن گڑھا نہیں'' حدیث میں ہے' نہر کوثر کے دونوں کنارے سچے موتیوں کے قبے ہیں =

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ

بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ﴿۲۶﴾

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ

يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ کسی مثال کے بیان کرنے سے نہیں شرماتا خواہ مچھر کی ہو یا اس سے بھی ہلکی چیز کی' ایماندار تو اسے اپنے رب کی جانب سے صحیح سمجھتے ہیں۔ اور کفار کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ نے کیا مراد لی؟ اس کے ساتھ بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر لوگوں کو راہ راست پر لاتا ہے اور گمراہ تو صرف فاسقوں کو ہی کرتا ہے۔[۲۶] جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مضبوط عہد کو توڑ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں توڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں' یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔[۲۷]

= اس کی مٹی مشک خالص ہے اور اس کی کنکریاں لؤلؤ اور جواہر ہیں۔ ❶ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں بھی یہ نعمتیں عطا فرمائے وہ احسان کرنے والا اور بڑا رحیم ہے۔ حدیث میں ہے جنت کی نہریں مشکی پہاڑوں کے نیچے سے جاری ہوتی ہیں (ابن ابی حاتم) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ❷

متشابہ سے کیا مراد ہے: جنتیوں کا یہ قول کہ پہلے بھی ہم یہ دیئے گئے تھے اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں بھی یہ میوے ہمیں ملے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ابن جریر رحمہ اللہ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہم اس سے پہلے یعنی کل بھی یہی دیئے گئے تھے' یہ اس لئے کہیں گے کہ ظاہری صورت وشکل میں وہ بالکل مشابہ ہوں گے۔ یحییٰ بن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک پیالہ آئے گا کھائیں گے پھر دوسرا آئے گا تو کہیں گے یہ تو ابھی کھایا ہے۔ فرشتے کہیں گے کہ کھایئے اگرچہ شکل وصورت میں یکساں ہے لیکن مزہ اور ہی ہے۔ فرماتے ہیں جنت کی گھاس زعفران ہے اس کے ٹیلے مشک کے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے خوبصورت غلمان ادھر ادھر سے میوے لا لا کر پیش کر رہے ہیں وہ کھا رہے ہیں وہ پھر پیش کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں اسے تو ابھی کھایا ہے۔ وہ جواب دیتے ہیں حضرت رنگ روپ ایک ہے لیکن ذائقہ اور ہی ہے' چکھ کر دیکھئے۔ کھاتے ہیں تو اور ہی لطف پاتے ہیں۔ یہی معنی ہیں کہ ہم شکل لائیں گے۔ دنیا کے میووں سے بھی نام اور شکل وصورت میں ملتے جلتے ہوں گے لیکن مزہ کچھ دوسرا ہی ہوگا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ صرف نام میں مشابہت ہے ورنہ کہاں دنیا کی چیزیں اور کہاں جنت کے خوان نعمت؟ یہاں تو فقط نام ہی ہے۔ عبدالرحمن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ دنیا کے پھلوں جیسے پھل دیکھ کر کہہ دیں گے کہ یہ تو دنیا میں کھا چکے ہیں مگر جب چکھیں گے تو =

❶ صحيح بخاری، كتاب الرقاق، باب فی الحوض، ٦٥٨١۔

❷ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (صحيح الترغيب: ٣٧٢١) جبکہ اس کی سند اعمش کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

= لذت کچھ اور ہی ہوگی ۔ وہاں جو بیویاں انہیں ملیں گی وہ گندگی ناپاکی حیض ونفاس پیشاب پاخانہ تھوک رینٹ منی وغیرہ سے پاک صاف ہوں گی ۔ ایک قول ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام بھی پہلے حیض سے پاک تھیں لیکن نافرمانی سرزد ہوتے ہی یہ بلا آ گئی ۔ لیکن یہ قول سنداً غریب ہے ۔ ❶ ایک غریب مرفوع حدیث میں ہے کہ ''حیض پاخانہ تھوک رینٹ سے وہ پاک ہیں ۔'' حاکم اس حدیث کو صحیح اور شرط شیخین پر بتاتے ہیں لیکن یہ دعویٰ صحیح نہیں اس کے ایک راوی عبدالرزاق بن عمر بزیعی ہیں جنہیں ابوحاتم رحمہ اللہ نے احتجاج کے قابل نہیں سمجھا ۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرفوع حدیث نہیں بلکہ قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے ' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ ۔ ان تمام نعمتوں کے ساتھ اس زبردست نعمت کو دیکھئے کہ یہ نہ نعمتیں فنا ہوں نہ نعمتوں والے فنا ہوں نہ نعمتیں ان سے چھنیں نہ یہ نعمتوں سے الگ کئے جائیں ۔ نہ موت سے خاتمہ ہے نہ آخر ہے نہ ٹوٹنا اور کم ہونا ہے ۔ اللہ رب العالمین جواد وکریم برورحیم سے التجا ہے کہ وہ مالک ہمیں بھی اہل جنت کے زمرے میں شامل کرے اور انہیں کے ساتھ ہمارا حشر کرے آمین ۔

دنیا کی وقعت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں: [آیت:۲۶ ۔ ۲۷] ابن عباس' ابن مسعود' اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ جب اوپر کی تین آیات میں دو مثالیں منافقوں کی بیان ہوئیں یعنی آگ کی اور پانی کی تو وہ کہنے لگے کہ ایسی چھوٹی چھوٹی مثالیں اللہ تعالیٰ ہرگز بیان نہیں کرتا ۔ اس پر یہ دونوں آیات نازل ہوئیں ۔ ❷ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب قرآن کریم میں مکڑی اور مکھی کی مثال بیان ہوئی تو مشرک کہنے لگے بھلا ایسی حقیر چیزوں کے بیان کی قرآن جیسی اللہ کی کتاب میں کیا ضرورت؟ تو جواباً یہ آیات اتریں ❸ اور کہا گیا کہ حق کے بیان سے اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا خواہ وہ کم ہو یا زیادہ' لیکن اس سے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی حالانکہ ایسا نہیں ' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ ۔ اور بزرگوں سے بھی اسی طرح کا شان نزول مروی ہے ۔ ربیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ خود ایک مستقل مثال ہے جو دنیا کی بیان کی گئی ہے ۔ مچھر جس وقت تک بھوکا ہوتا ہے زندہ رہتا ہے جہاں موٹا تازہ ہوا مرا ۔ اسی طرح یہ لوگ ہیں کہ جب دنیاوی نعمتیں دل کھول کر حاصل کر لیتے ہیں وہیں اللہ کی پکڑ آ جاتی ہے جیسے اور جگہ فرمایا: ﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ﴾ ❹ جب یہ ہماری نصیحت بھول جاتے ہیں ہم ان پر تمام چیزوں کے دروازے کھول دیتے ہیں ۔ یہاں تک کہ اترانے لگتے ہیں ۔ اب دفعتاً ہم انہیں پکڑ لیتے ہیں ❺ (ابن جریر' ابن ابی حاتم) ابن جریر رحمہ اللہ نے پہلے قول کو پسند کیا ہے اور مناسبت بھی اسی کی زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہے ' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ ۔ تو مطلب یہ ہوا کہ کوئی سی مثال چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ نہ رکتا ہے نہ شرماتا ہے ۔ لفظ ما یہاں پر کمی کے معنی بتانے کے لئے ہے' اور ﴿بَعُوْضَةً﴾ کا زبر بدلیت کی بنا پر عربی کے قاعدہ کے مطابق ہے جو ادنیٰ چیز پر صادق آ سکتا ہے ۔ یا نکرہ موصوفہ ہے اور ﴿بَعُوْضَةً﴾ صفت ہے ۔ ابن جریر رحمہ اللہ ما کا موصولہ ہونا اور بعوض کا اسی کے اعراب سے معرب ہونا پسند فرماتے ہیں ۔ اور کلام عرب میں یہ بکثرت شائع ہے کہ وہ ما اور من کے صلہ کو انہی دونوں کا اعراب دیدیا کرتے ہیں اس لئے کہ کبھی یہ نکرہ ہوتے ہیں اور کبھی معرفہ ۔ جیسے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے شعروں میں ہے ۔

يَكْفِيْ بِنَا فَضْلًا عَلٰى مَنْ غَيْرِنَا ۔۔۔ حُبُّ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ اِيَّانَا

''ہمیں غیروں پر صرف یہی فضیلت کافی ہے کہ ہمارے دل حب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پر ہیں ۔''

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ﴿بَعُوْضَةً﴾ منصوب ہو حرف جار کی بنا پر اور اس سے پہلے ﴿بَيْنَ﴾ کا لفظ مقدر مانا جائے ۔ کسائی اور

---

❶ یہ اسرائیلیات سے ہے ۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم (ضعیف) بکثرت اہل کتاب سے نقل کرتے ہیں ۔ ❷ الطبری، ۱/ ۳۹۸ ۔

❸ الطبری، ۱/ ۳۹۹ ۔ ❹ ٦/ الانعام:۴۴ ۔ ❺ الطبری، ۱/ ۳۹۸ ۔

فراءاسی کو پسند کرتے ہیں۔ضحاک رحمہ اللہ اور ابراہیم بن عبلہ ﴿بَعُوْضَةٌ﴾ پڑھتے ہیں۔ابن جنی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ ما کا صلہ ہوگا اور عائد حذف مانی جائے گی جیسے ﴿تَمَامًا عَلَى الَّذِيْ اَحْسَنَ﴾ میں ﴿فَمَا فَوْقَهَا﴾ کے دو معنی بیان کئے ہیں۔ایک تو یہ کہ اس سے بھی ہلکی اور ردی چیز جیسے کسی شخص کی بخیلی وغیرہ کا ذکر کرے اور دوسرا کہے کہ وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے تو مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ اس سے بھی زیادہ گرا ہوا ہے۔کسائی اور ابوعبید یہی کہتے ہیں۔ایک حدیث میں آتا ہے"اگر دنیا کی قدر و منزلت اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا۔" ❶ دوسرے معنی یہ ہیں کہ اس سے زیادہ بڑی اس لئے کہ بھلا مچھر سے ہلکی اور چھوٹی چیز کیا ہوگی؟ قتادہ رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔ابن جریر رحمہ اللہ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ "کسی مسلمان کو کانٹا چبھے یا اس سے زیادہ تو اس پر بھی اس کے درجے بڑھتے ہیں اور گناہ مٹتے ہیں۔" ❷ اس حدیث میں بھی یہی لفظ فما فوقھا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ان چھوٹی بڑی چیزوں کے پیدا کرنے سے شرماتا نہیں اور نہ رکتا ہے اسی طرح انہیں مثال کے طور پر بیان کرنے سے بھی اسے کوئی عار نہیں۔ایک جگہ قرآن میں کہا گیا ہے کہ"اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے کان لگا کر سنو جنہیں اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ سارے کے سارے جمع ہو جائیں تو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے' بلکہ اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے جائے تو یہ اس سے واپس نہیں لے سکتے' عابد اور معبود دونوں ہی بے حد کمزور ہیں۔" دوسری جگہ فرمایا ان لوگوں کی مثال جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو مددگار بناتے ہیں مکڑی کے جالے جیسی ہے جس کا گھر تمام گھروں سے زیادہ بودا اور کمزور ہے۔اور جگہ فرمایا"اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی مثال دی۔پاک درخت سے جس کی جڑ مضبوط ہو اور جس کی شاخیں آسمان میں ہوں جو بحکم اللہ تعالیٰ ہر وقت پھل دیتا ہو۔ان مثالوں کو اللہ تعالیٰ لوگوں کے غور و تدبر کے لئے بیان فرماتا ہے اور ناپاک کلام کی مثال ناپاک درخت جیسی ہے جو زمین کے اوپر اوپر ہی ہو اور جڑیں مضبوط نہ ہوں۔اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو مضبوط بات کے ساتھ دنیا اور آخرت میں برقرار رکھتا ہے اور ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اللہ جو چاہے کرے۔" اور جگہ فرمایا اللہ تعالیٰ"اس مملوک غلام کی مثال پیش کرتا ہے جسے کسی چیز پر اختیار نہیں۔" اور جگہ"دو شخصوں کی مثال اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے' جن میں سے ایک تو گونگا اور بالکل گرا پڑا بے طاقت ہے جو اپنے آقا پر بوجھ ہے۔جہاں جائے برائی ہی لے کر آئے' اور دوسرا وہ جو عدل و حق کا حکم کرے کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟" دوسری جگہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے خود تمہاری مثال بیان فرماتا ہے۔"کیا تم اپنی چیزوں میں اپنے غلاموں کو بھی اپنا شریک اور برابر کا حصہ دار سمجھتے ہو؟" اور جگہ ارشاد ہے"اس شخص کی مثال اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے جس کے بہت سے برابر کے شریک ہوں؟" اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے"ان مثالوں کو ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں اور انہیں (پوری طرح) صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں۔" ان کے علاوہ اور بھی بہت سی مثالیں قرآن کریم میں بیان ہوئی ہیں بعض سلف صالحین رحمہم اللہ فرماتے ہیں جب میں قرآن میں کسی مثال کو سنتا ہوں اور سمجھ نہیں سکتا تو مجھے رونا آتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ ان مثالوں کو صرف عالم ہی سمجھ سکتے ہیں۔حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں مثالیں خواہ چھوٹی ہوں خواہ بڑی ایماندار ان پر ایمان لاتے ہیں اور انہیں حق جانتے ہیں اور ان سے ہدایت

---

❶ ترمذی، ابواب الزهد، باب ما جاء في هوان الدنيا...... ٢٣٢٠؛ وهو حسن؛ ابن ماجة، ٤١١٠ یہ حدیث بشواہد حسن ہے۔ دیکھئے (مختصر منهاج القاصدين" رقم: ٢٤٨ تحقیق عبدالرزاق المهدیٰ السلسلة الصحيحة للألبانی، ٩٤٣)

❷ صحیح بخاری، کتاب المرضی، باب ماجاء فی کفارة المرض، ٥٦٤٠؛ صحیح مسلم، ٦٥٦١؛ ترمذی، ٩٦٥۔

پاتے ہیں۔ قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ وہ انہیں اللہ کا کلام سمجھتے ہیں۔ ﴿انه﴾ کی ضمیر کا مرجع مثال ہے یعنی مؤمن اس مثال کو اللہ کی جانب سے اور حق سمجھتے ہیں اور کافر باتیں بناتے ہیں جیسے سورۂ مدثر میں ہے ﴿وَمَا جَعَلْنَا اَصْحٰبَ النَّارِ﴾ ❶ یعنی ''ہم نے آگ والے فرشتوں کی گنتی کو کفار کی آزمائش کا سبب بنایا ہے' اہل کتاب یقین کرتے ہیں' ایماندار ایمان میں بڑھ جاتے ہیں۔ ان دونوں جماعتوں کو کوئی شک نہیں رہتا لیکن بیمار دل اور کفار کہہ اٹھتے ہیں کہ اس مثال سے کیا مراد ہے؟'' اسی طرح اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہاں بھی اسی ہدایت وضلالت کو بیان کیا۔

اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو توڑنے والے کون ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اس سے گمراہ منافق ہوتے ہیں اور راہ مؤمن پاتے ہیں وہ اپنی گمراہی میں بڑھ جاتے ہیں کیونکہ باوجود اس علم کے کہ مثال حق ہے درست اور صحیح ہے پھر بھی اسے جھٹلاتے ہیں اور یہ اقرار کر کے ہدایت وایمان کو بڑھا لیتے ہیں۔ فاسقین سے مراد منافق ہیں۔ بعض نے کہا ہے کافر مراد ہیں جو پہچانتے ہیں اور انکار کرتے ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مراد خوارج ہیں۔ اگر اس قول کی سند حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تک صحیح ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ تفسیر معنوی ہے یہ نہیں کہ اس سے مراد خوارج ہیں بلکہ یہ کہ یہ فرقہ بھی فاسقوں میں داخل ہے جنہوں نے نہروان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر چڑھائی کی تھی یہ لوگ گو نزول آیت کے وقت موجود نہ تھے لیکن اپنے بدترین وصف کی وجہ سے معنوی طور پر یہ بھی فاسقوں میں داخل ہیں۔ انہیں خارجی اس لئے کہا گیا ہے کہ امام برحق کی اطاعت سے نکل گئے تھے اور شریعت اسلام کی پابندی سے آزاد ہو گئے تھے۔ لغت میں فسق کہتے ہیں اطاعت اور فرمانبرداری سے نکل جانے کو۔ جب چھلکا ہٹا کر خوشہ نکلتا ہے تو عرب کہتے ہیں فَسَقَتْ چوہے کو بھی فُوَیْسِقَه کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے بل سے نکل کر فساد کرتا ہے۔ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پانچ جانور فاسق ہیں۔ حرم میں اور باہر قتل کر دیئے جائیں' کوا' چیل' بچھو' چوہا' اور کالا کتا۔'' ❷ پس لفظ فسق کافر کو اور ہر نافرمان کو شامل ہے لیکن کافر کا فسق زیادہ سخت اور زیادہ برا ہے۔ ایک آیت میں فاسق سے مراد کافر ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ بعد میں ان کا وصف یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا عہد توڑتے ہیں' اس کے فرمان کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور یہ سب اوصاف کفار کے ہیں۔

مؤمنوں کے اوصاف تو اس کے برخلاف ہوتے ہیں جیسے سورۂ رعد میں بیان ہے کہ ﴿اَفَمَنْ یَّعْلَمُ﴾ ❸ ''کیا پس وہ شخص جو جانتا ہے کہ جو کچھ تیرے رب کی طرف سے تجھ پر اترا وہ حق ہے کیا اس شخص جیسا ہو سکتا ہے کہ جو اندھا ہو؟ نصیحت تو صرف عقلمند حاصل کرتے ہیں جو اللہ کے وعدوں کو پورا کرتے ہیں اور میثاق توڑتے نہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں جوڑتے ہیں اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور حساب کی برائی سے کانپتے رہتے ہیں۔ آگے چل کر فرمایا: جو لوگ اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دیں اور جس چیز کے ملانے کا اللہ کا حکم ہو وہ اسے نہ ملائیں اور زمین میں فساد پھیلائیں' ان کے لئے لعنتیں ہیں اور ان کے لئے برا گھر ہے یہاں عہد سے مراد وہ وصیت ہے جو اللہ نے بندوں کو کی تھی جو اس کے تمام احکام بجالانے اور تمام نافرمانیوں سے بچنے کو شامل ہے اس کا توڑ دینا اس پر عمل نہ کرنا ہے۔

---

❶ ۷۴/ المدثر: ۳۱۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب إذا وقع الذباب فی شراب أحدکم...... ۳۳۱۴؛ صحیح مسلم، ۱۱۹۸۔ ❸ ۱۳/ الرعد: ۱۹۔

بعض کہتے ہیں توڑنے والے اہل کتاب کے کافر اور ان کے منافق ہیں اور عہد وہ ہے جو ان سے تورات میں لیا گیا تھا کہ وہ اس کی تمام باتوں پر عمل کریں اور محمد ﷺ کی اتباع کریں جب بھی آپ تشریف لے آئیں آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار کریں اور جو کچھ آپ ﷺ اللہ کی جانب سے لے کر آئیں اس کی تصدیق کریں اور اس عہد کو توڑ دینا یہ ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کی نبوت اور اطاعت سے انکار کر دیا اور عہد کا علم ہونے کے باوجود اسے چھپایا اور دنیاوی مصلحتوں کی بنا پر اس کے خلاف کیا۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ اس قول کو پسند کرتے ہیں اور مقاتل بن حیان رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد کوئی خاص جماعت نہیں بلکہ شرک و کفر و نفاق والے سب کے سب مراد ہیں۔ عہد سے مراد اپنی توحید کا اور اپنے نبی کی نبوت کا اقرار کرانا ہے جس پر کھلی ہوئی نشانیاں اور بڑے بڑے معجزے موجود ہیں اور اس کا توڑ دینا توحید و سنت سے منہ موڑنا اور انکار کرنا ہے۔ یہ قول اچھا ہے زمخشری رحمہ اللہ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں عہد سے مراد اللہ تعالیٰ کی توحید ماننے کا اقرار ہے جو فطرت انسان میں داخل ہونے کے علاوہ روز میثاق میں بھی منوایا گیا ہے۔ فرمایا گیا تھا کہ ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ ❶ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب نے جواب دیا تھا بے شک تو ہمارا رب ہے۔ پھر جو کتابیں دی گئیں ان میں بھی اقرار کرایا گیا ہے جیسے فرمایا: ﴿اَوْفُوْا بِعَهْدِیْ﴾ ❷ "میرے عہد کو نبھاؤ میں بھی اپنے وعدے پورے کروں گا۔" بعض کہتے ہیں مراد وہ عہد ہے جو روحوں سے کیا گیا تھا جب انہیں حضرت آدم علیہ السلام پیٹھ سے نکالا تھا۔ جیسے فرماتا ہے: ﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ﴾ ❸ "جب تیرے رب نے اولاد آدم سے وعدہ لیا کہ میں ہی تمہارا رب ہوں اور ان سب نے اقرار کیا۔" اور اس کا توڑنا اس کا چھوڑنا ہے یہ تمام اقوال تفسیر ابن جریر میں منقول ہیں۔ ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں عہد اللہ تعالیٰ کو توڑنا جو منافقوں کا کام تھا وہ یہ چھ خصلتیں ہیں۔ بات کرنے میں جھوٹ بولنا' وعدہ خلافی کرنا' امانت میں خیانت کرنا' اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دینا' اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے ملائے جانے کا حکم دیا ہے انہیں نہ ملانا' زمین میں فساد پھیلانا۔ یہ چھ خصلتیں ان کی اس وقت ظاہر ہوتی ہیں جب کہ ان کا غلبہ ہو اور جب وہ مغلوب ہوتے ہیں تو پہلے تین کاموں کو چھوڑ کر بعد والے تین کام کرتے ہیں۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں قرآن کے احکام کو پڑھنا جاننا سچ کہنا پھر نہ ماننا بھی عہد کو توڑنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے ان سے مراد صلہ رحمی کرنا قرابت کے حقوق ادا کرنا وغیرہ ہے۔ جیسے اور جگہ قرآن مجید میں ہے: ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ﴾ ❹ قریب ہے کہ تم اگر لوٹو تو زمین میں فساد کرو اور رشتے ناتے توڑ دو۔ ابن جریر رحمہ اللہ اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیت عام ہے جس کے ملانے ادا کرنے کا حکم باری تھا انہوں نے اسے توڑا اور نہ کیا ﴿خَاسِرُوْنَ﴾ سے مراد آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں۔ ❺ جیسے فرمان باری ہے ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ﴾ ❻ "ان لوگوں پر لعنت ہے اور ان کے لئے برا گھر ہے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ اہل اسلام کے علاوہ دوسروں کو جہاں قرآن نے خَاسِر کہا ہے وہاں مراد کافر ہے اور اہل اسلام کے لئے جہاں یہ لفظ آیا ہے وہاں مراد گنہگار ہیں ❼ خَاسِرُوْنَ جمع ہے خَاسِر کی چونکہ ان لوگوں نے نفسانی خواہشوں اور دنیوی لذتوں میں پڑ کر اپنے آپ کو رحمت ربانی سے دور کر لیا اس لئے انہیں نقصان یافتہ کہا گیا ہے جیسے وہ شخص جسے اپنی تجارت میں نقصان ہو جائے اسی طرح یہ کافر و منافق ہیں کہ جب رحم و کرم کی بہت زیادہ ضرورت ہوگی یعنی قیامت والے دن تو اس دن رحمت ربانی سے یہ محروم رہ جائیں گے۔

❶ ٧/ الاعراف:١٧٢۔ ❷ ٢/ البقرة:٤٠۔ ❸ ٧/ الاعراف:١٧٢۔ ❹ ٤٧/ محمد:٢٢۔
❺ ابن ابی حاتم، ١/ ١٠١۔ ❻ ١٣/ الرعد:٢٥۔ ❼ الطبری، ١/ ٤١٧۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مار ڈالے گا پھر زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔[۲۸]

عدم سے وجود میں لانے والا کون؟ [آیت:۲۸] اس بات کا ثبوت دیتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے وہ قدرتوں والا ہے وہی پیدا کرنے والا ہے اور اختیار والا ہے اس آیت میں فرمایا: ''تم اللہ تعالیٰ کے وجود کا کیسے انکار کر سکتے ہو یا اس کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت کیسے کر سکتے ہو؟ جب کہ تم کو عدم سے وجود میں لانے والا وہی ایک ہے۔'' جیسے اور جگہ فرمایا ''کیا یہ بغیر کسی چیز کے پیدا کئے گئے؟ یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟ یا انہوں نے زمین و آسمان بھی پیدا کیا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ بے یقین لوگ ہیں۔'' اور جگہ ارشاد ہوتا ہے ﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ﴾ ❶ ''یقیناً انسان پر وہ زمانہ بھی آیا ہے کہ جس وقت یہ قابل ذکر چیز ہی نہ تھا۔ اور بھی اسی طرح کی بہت سی آیات ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کفار جو کہیں گے ﴿رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ﴾ ❷ ''اے اللہ تعالیٰ! دو دفعہ تو نے ہمیں مارا اور دو دفعہ جلایا ہمیں اپنے گناہوں کا اقرار ہے۔'' اس سے مراد یہی ہے جو اس آیت ﴿وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا﴾ میں ہے مطلب یہ ہے کہ تم اپنے باپوں کی پیٹھ میں مردہ تھے یعنی کچھ بھی نہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مار ڈالے گا یعنی موت ایک دن ضرور آئے گی پھر وہ تمہیں قبروں سے اٹھائے گا۔ پس ایک حالت مردہ پن کی دنیا میں آنے سے پہلے پھر دوسری دنیا میں مرنے کی اور قبروں کی طرف جانے کی پھر روز قیامت میں اٹھ کھڑے ہونے کی، دو زندگیاں اور دو موتیں۔ ❸ ابو صالح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قبر میں انسان کو زندہ کر دیا جاتا ہے۔

عبدالرحمٰن بن زید رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں انہیں پیدا کیا پھر ان سے عہد و پیمان لے کر بے جان کر دیا پھر ماں کے پیٹ میں انہیں پیدا کیا پھر دنیوی موت ان پر آئی، پھر قیامت والے دن انہیں زندہ کرے گا۔ لیکن یہ قول غریب ہے پہلا قول ہی ٹھیک ہے۔ ابن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہ اللہ کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے قرآن میں اور جگہ ہے ﴿قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ ❹ ''اللہ ہی تمہیں پیدا کرتا ہے پھر مارتا ہے پھر تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا الخ۔ ان پتھروں اور تصویروں کو جنہیں مشرکین پوجتے تھے قرآن نے مردہ کہا ہے فرماتا ہے: ﴿اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ﴾ ❺ ''وہ سب مردہ ہیں زندہ نہیں۔'' زمین کے بارے میں فرمایا: ﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ﴾ ❻ ''ان کے لئے مردہ زمین بھی ہماری صداقت کی نشانی ہے جسے ہم زندہ کرتے ہیں اور اس سے دانے نکالتے ہیں جسے یہ کھاتے ہیں۔''

❶ ٧٦/ الانسان:١۔ ❷ ٤٠/ غافر:١١۔ ❸ الطبری، ١/ ٤١٩۔
❹ ٤٥/ الجاثية:٢٦۔ ❺ ٢٧/ النمل:٢١۔ ❻ ٣٦/ يسين:٣٣۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۖ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَھُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: وہ ذات جس نے تمہارے لئے زمین کی کل چیزوں کو پیدا کیا' پھر آسمان کی طرف قصد کیا اور ان ساتوں کو ٹھیک ٹھاک کیا۔ اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔[۲۹]

زمین و آسمان وغیرہ کی تخلیق: [آیت:۲۹] اوپر کی آیت میں ان دلائل قدرت کا بیان تھا جو خود انسان کے اندر ہیں۔ اس لئے اس مبارک آیت میں ان دلائل کا بیان ہو رہا ہے جو روزمرہ آنکھوں کے سامنے ہیں اِسْتِوَاء یہاں قصد کرنے اور متوجہ ہونے کے معنی میں ہے اس لئے کہ اس کا صلہ اِلٰی ہے ﴿سَوّٰىهُنَّ﴾ کے معنی درست کرنے اور ساتوں آسمان بنانے کے ہیں ﴿سَمَآء﴾ اسم جنس ہے۔ پھر بیان فرمایا کہ اس کا علم محیط کل ہے۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے: ﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ﴾ ❶ ''کیا وہ بے علم ہو سکتا ہے جو خالق ہو؟ سورۂ حٰمٓ سجدہ (فصلت) کی آیت ﴿قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ﴾ ❷ گویا اس آیت کی تفصیل ہے جس میں فرمایا ہے'' کیا تم اس اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہو جس نے زمین کو صرف دو دن میں پیدا کیا؟ تم اس کے لئے شریک ٹھہراتے ہو؟ جو رب العالمین ہے؟ جس نے زمین میں مضبوط پہاڑ اوپر سے گاڑ دیئے ہیں جس نے اس زمین میں برکتیں اور روزیاں رکھیں اور چار دن میں زمین کی سب چیزیں درست کر دیں جس میں دریافت کرنے والوں کی تشفی ہے پھر آسمانوں کی طرف متوجہ ہو کر جو دھوئیں کی شکل میں تھے فرمایا کہ اے زمین و آسمانو! خوشی یا ناخوشی سے آؤ تو دونوں نے کہا باری تعالیٰ ہم تو خوشی خوشی حاضر ہیں۔ دو دن میں ان ساتوں آسمانوں کو پورا کر دیا اور ہر آسمان میں اس کا کام بانٹ دیا اور دنیا کے آسمان کو ستاروں کے ساتھ مزین کر دیا اور انہیں (شیطانوں سے) بچاؤ بنایا۔ یہ ہے اندازہ اس اللہ کا جو بہت بڑا غالب اور بہت بڑے علم والا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے زمین پیدا کی پھر ساتوں آسمانوں کو بنایا۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہر عمارت کا یہی قاعدہ ہے کہ پہلے نیچے کا حصہ بنایا جاتا ہے پھر اوپر کا۔ مفسرین نے بھی اس کی تصریح کی ہے جس کا بیان آگے آتا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ قرآن کریم میں اور جگہ ہے: ﴿ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ﴾ ❸ ''تمہاری پیدائش مشکل ہے یا آسمانوں کی؟ اللہ تعالیٰ نے اس کی موٹائی بلند کر کے انہیں ٹھیک ٹھاک کیا اور ان میں سے رات دن پیدا کیا پھر اس کے بعد زمین پھیلائی اس سے پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو گاڑا جو سب تمہارے اور تمہارے جانوروں کے کام کی چیزیں ہیں۔'' اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ زمین کی پیدائش آسمان کے بعد ہے تو بعض بزرگوں نے تو فرمایا ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں ﴿ثُمَّ﴾ صرف عطف خبر کے لئے ہے عطف فعل کے لئے نہیں یعنی یہ مطلب نہیں کہ زمین کے بعد آسمان کی پیدائش شروع کی بلکہ صرف خبر دینا مقصود ہے کہ آسمانوں کو بھی پیدا کیا اور زمینوں کو بھی۔ عرب شاعروں کے شعر میں یہ موجود ہے کہ کہیں ثُمَّ صرف خبر کا خبر پر عطف ڈالنے کے لئے ہوتا ہے تقدیم تاخیر مراد نہیں ہوتی۔ اور بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ آیت ﴿ءَاَنْتُمْ﴾ میں آسمانوں کی پیدائش کے بعد زمین کا پھیلانا اور بچھانا وغیرہ بیان ہوا ہے نہ کہ پیدا کرنا تو ٹھیک ہے کہ پہلے زمین کو پیدا کیا پھر آسمان کو پھر زمین کو ٹھیک ٹھاک کیا تو دونوں آیات ایک دوسرے کے مخالف نہ رہیں۔ اس عیب سے اللہ کا کلام بالکل محفوظ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی معنی بیان فرمائے ہیں (یعنی پہلے زمین کی پیدائش پھر آسمانوں کی البتہ زمین کی درستی وغیرہ یہ بعد کی چیز ہے) ابن مسعود، ابن عباس اور

❶ ۶۷/ الملك:۱۴۔ ❷ ۴۱/ حٰمٓ السجدة:۹۔ ❸ ۷۹/ النازعات:۲۷۔

دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے ❶ کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا اور کسی چیز کو پیدا نہیں کیا تھا۔ جب اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو پانی سے دھواں بلند کیا۔ وہ اونچا چڑھا اور اس سے آسمان بنائے پھر پانی خشک ہو گیا اور اس کی زمین بنائی پھر اسی کو الگ الگ کر کے سات زمینیں بنائیں۔ اتوار اور سوموار کے دو دن میں یہ ساتوں زمینیں بن گئیں۔ زمین مچھلی پر ہے۔ مچھلی وہ ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے ﴿نٓ وَالْقَلَمِ﴾ مچھلی پانی میں ہے اور پانی صفاۃ پر ہے اور صفاۃ فرشتے پر اور فرشتہ پتھر پر اور یہ پتھر وہ ہے جس کا ذکر لقمان نے کیا ہے۔ یہ پتھر ہوا پر ہے مچھلی کے ہلنے سے زمین کانپنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو گاڑ دیا اور زمین ٹھہر گئی۔ یہی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ﴾ ❷ "زمین نہ ہلے اس لئے ہم نے اس میں پہاڑ جما دیئے ہیں۔ پہاڑ زمین کی پیداوار درخت وغیرہ زمین کی کل چیزیں منگل اور بدھ کے دو دنوں میں پیدا کیں اسی کا بیان ﴿قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ﴾ ❸ والی آیت میں ہے پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی جو دھواں تھا اسے آسمان بنایا پھر اسی میں سے سات آسمان بنائے جمعرات اور جمعہ کے دو دنوں میں۔ جمعہ کے دن کو اسی لئے جمعہ کہا جاتا ہے کہ اس میں زمین و آسمان کی پیدائش جمع ہو گئی۔ ہر آسمان میں اس نے فرشتوں کو پیدا کیا اور ان ان چیزوں کو جن کا علم اس کے سوا کسی کو نہیں۔ آسمان دنیا کو ستاروں کے ساتھ زینت دی اور انہیں شیطان سے حفاظت کا سبب بنایا۔ ان تمام چیزوں کو پیدا کر کے پروردگار نے عرش عظیم پر قرار پکڑا جیسے فرمایا: ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ﴾ ❹ "یعنی چھ دن میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کر کے پھر عرش پر مستوی ہو گیا۔ اور جگہ فرمایا: ﴿كَانَتَا رَتْقًا﴾ ❺ یعنی "یہ دونوں دھواں سے تھے ہم نے انہیں پھاڑا اور پانی سے ہر چیز کی زندگی کی (تفسیر سدی) (یہ موقوف قول جس میں کئی قسم کا احتمال ہے بظاہر ایسی اہم بات میں حجت تامہ نہیں ہو سکتا' وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔ ابن جریر میں ہے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اتوار سے مخلوق کی پیدائش شروع ہوئی۔ دو دن میں زمینیں پیدا ہوئیں دو دن میں ان کی تمام چیزیں پیدا کیں اور دو دن میں آسمانوں کو پیدا کیا جمعہ کے دن آخری وقت ان کی پیدائش ختم ہوئی اور اسی وقت حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اسی وقت میں قیامت قائم ہو گی۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کیا۔ اس سے جو دھواں اوپر چڑھا اس کے آسمان بنائے جو ایک پر ایک اس طرح سات ہیں' اور زمینیں ایک کے نیچے ایک اس طرح سات ہیں۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی پیدائش آسمانوں سے پہلے ہے جیسے سورۂ حٰم سجدہ کی آیت میں ہے۔ علما بھی اس پر متفق ہیں۔ صرف قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آسمان زمین سے پہلے پیدا ہوئے ہیں۔ قرطبی اس میں توقف کرتے ہیں ﴿والنازعات﴾ کی آیت کی وجہ سے یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہاں آسمان کی پیدائش کا ذکر زمین سے پہلے ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جب یہ سوال ہوا تو آپ نے جواب دیا کہ زمین پیدا تو آسمانوں سے پہلے کی گئی ہے لیکن پھیلائی بعد میں گئی ❻ یہی جواب اگلے پچھلے علما کا ہے۔ سورۂ والنازعات کی تفسیر میں بھی اس کا بیان آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حاصل امر یہ ہے کہ زمین کا پھیلانا اور بچھانا بعد میں ہے اور ﴿دَحٰهَا﴾ کا لفظ قرآن میں ہے اور اس کے بعد جو پانی چارہ پہاڑ وغیرہ کا ذکر ہے یہ گویا اس لفظ کی تشریح ہے۔ جن جن چیزوں کی نشوونما کی قوت اس زمین میں رکھی تھی ان سب کو ظاہر کر دیا اور زمین کی پیداوار اور طرح طرح کی مختلف شکل اور مختلف قسموں کی نکل آئی اسی طرح آسمان میں بھی ٹھہرے =

---

❶ اس کی سند میں ابو صالح باذام ضعیف راوی ہے لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

❷ ۲۱/ الانبیآء: ۳۱۔ ❸ ٤١/ حمٓ السجدة: ٩۔ ❹ ٧/ الاعراف: ٥٤۔

❺ ۲۱/ الانبیآء: ۳۰۔ ❻ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة حمٓ السجدة۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں تو انہوں نے کہا ایسے شخص کو کیوں پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے اور ہم تیری تسبیح، حمد اور پاکیزگی بیان کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔[۳۰]

= رہنے والے چلنے والے ستارے وغیرہ بنائے وَاللّٰہُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ۔ صحیح مسلم اور نسائی میں حدیث ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: ''مٹی کو اللہ تعالیٰ نے ہفتہ والے دن پیدا کیا اور پہاڑوں کو اتوار کے دن اور درختوں کو پیر کے دن اور برائیوں کو منگل کے دن اور نور کو بدھ کے دن اور جانوروں کو جمعرات کے دن اور آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن عصر کے بعد جمعہ کی آخری ساعت میں عصر کے بعد سے رات تک پیدا کیا۔'' ❶ یہ حدیث غرائب مسلم میں سے ہے امام ابن مدینی، امام بخاری رحمہم اللہ وغیرہ نے اس میں کلام کیا ہے اور فرمایا ہے کہ کعب احبار رحمہ اللہ کا اپنا قول ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کعب رحمہ اللہ کا یہ کلام سنا ہے اور بعض راویوں نے اسے غلطی سے مرفوع حدیث قرار دے لیا ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ بھی یہی کہتے ہیں۔

خلیفہ کے معانی اور مقاصد: [آیت:۳۰] اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو دیکھو کہ اس نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے سے پہلے فرشتوں میں ان کا ذکر کیا جس کا بیان اس آیت میں ہے فرماتا ہے کہ اے نبی! تم یاد کرو اور اپنی امت کو یہ خبر پہنچاؤ۔ ابوعبیدہ رحمہ اللہ تو کہتے ہیں کہ لفظ اذ یہاں زائد ہے لیکن ابن جریر رحمہ اللہ وغیرہ مفسرین اس کا رد کرتے ہیں ﴿خَلِیْفَةً﴾ سے مراد یہ ہے کہ ان کے بعض بعض کے جانشین ہوں گے یکے بعد دیگرے اور ایک دور کے بعد دوسرے دور میں یونہی قرنوں تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے۔ ﴿هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ﴾ ❷ اور فرمایا: ﴿وَیَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ﴾ ❸ یعنی ''تمہیں اس نے زمین کا خلیفہ بنایا۔'' اور جگہ فرمایا ہے کہ ''اگر ہم چاہتے تو فرشتوں کو اس زمین میں تمہارا خلیفہ بنا دیتے۔'' اور جگہ ارشاد ہے کہ ''ان کے بعد ان کے خلیفہ یعنی جانشین برے لوگ ہوئے۔'' ایک شاذ قراءت میں خَلِیْقَةً بھی ہے بعض مفسرین کہتے ہیں کہ خلیفہ سے مراد صرف حضرت آدم علیہ السلام ہیں لیکن اس میں تامل ہے۔ تفسیر رازی وغیرہ میں اس اختلاف کو ذکر کیا گیا ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مطلب نہیں اس کی ایک دلیل تو فرشتوں کا یہ قول ہے کہ وہ زمین میں فساد کریں گے اور خون بہائیں گے تو ظاہر ہے کہ انہوں نے اولاد آدم کی نسبت یہ فرمایا تھا نہ کہ خاص حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت یہ اور بات ہے کہ اس کا علم فرشتوں کو کس طرح ہوا؟ یا تو کسی خاص طور سے انہیں یہ

❶ صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب ابتداء الخلق وخلق آدم علیہ السلام ۲۷۸۹۔

❷ ٦/ الانعام:١٦٥۔ ❸ ٢٧/ النمل:٦٢۔

معلوم ہوگا یا بشری طبیعت کے اقتضا کو دیکھ کر انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہوگا۔ کیونکہ یہ فرمادیا گیا تھا کہ اس کی پیدائش مٹی سے ہوگی اس کی ایک وجہ تو یہ ہوسکتی ہے کہ لفظ خلیفہ کے مفہوم سے انہوں نے سمجھ لیا ہوگا کہ وہ فیصلہ کرنے والا مظالم کی روک تھام کرنے والا اور حرام کاموں اور گناہوں کی باتوں سے روکنے والا ہوگا۔ اور دوسری وجہ یہ کہ انہوں نے چونکہ زمین کی پہلی مخلوق کو دیکھا تھا اسی پر اسے قیاس کیا ہوگا۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ فرشتوں کی یہ غرض بطور اعتراض نہ تھی اور نہ ہی بنی آدم کے حسد کے طور پر تھی لیکن جن لوگوں کا یہ خیال ہے وہ قطعی غلطی کر رہے ہیں۔ فرشتوں کی شان میں قرآن فرماتا ہے ﴿لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ﴾ ❶ یعنی ''جس بات کے دریافت کرنے کی انہیں اجازت نہ ہو اس میں وہ لب نہیں ہلاتے'' (اور یہ بھی ظاہر ہے کہ فرشتوں کی طبیعت حسد سے پاک ہے۔) بلکہ صحیح مطلب یہ ہے کہ یہ سوال صرف اس حکمت کے معلوم کرنے اور اس راز کے ظاہر کرانے کے لئے تھا جو ان کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ یہ تو جانتے تھے کہ اس مخلوق میں فسادی لوگ بھی ہوں گے تو اب ادب کے ساتھ سوال کیا کہ پروردگار ایسی مخلوق کے پیدا کرنے میں کونسی حکمت ہے؟ اگر عبادت مقصود ہے تو عبادت تو ہم کرتے ہی ہیں۔ تسبیح وتقدیس وتحمید ہر وقت ہماری زبانوں پر ہے پھر فساد وغیرہ سے پاک ہیں تو پھر اور مخلوق جن میں فسادی اور خونی بھی ہوں گے کس مصلحت پر پیدا کی جارہی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کا جواب دیا کہ باوجود اس فساد کے پھر بھی اسے جن مصلحتوں اور حکمتوں کی بنا پر میں پیدا کر رہا ہوں انہیں میں ہی جانتا ہوں تمہارا علم ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ ان میں انبیا اور رسول ہوں گے، ان میں صدیق اور شہید ہوں گے ان میں عابد، زاہد، اولیا، ابرار، نیک کار، مقرب بارگاہ، علما، صلحا، متقی، پرہیزگار، خوف الٰہی اللہ تعالیٰ کی محبت رکھنے والے ہوں گے، میرے احکام کی بسر وچشم تعمیل کرنے والے، میرے نبیوں کے ارشاد پر لبیک کہنے والے ہوں گے۔

بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ ''دن کے فرشتے صبح صادق کے وقت آتے ہیں اور عصر کو چلے جاتے ہیں اور اس وقت رات کے فرشتے آتے ہیں وہ پھر صبح کو جاتے ہیں۔ آنے والے جب آتے ہیں اس وقت اور جب جاتے ہیں صبح کی اور عصر کی نماز میں لوگوں کو پاتے ہیں اور دربار الٰہی میں پروردگار کے سوال کے جواب میں دونوں جماعتیں یہی کہتی ہیں کہ گئے تو نماز میں پایا اور آئے تو نماز میں چھوڑ کر آئے'' ❷ یہی ہے وہ مصلحت الٰہی جسے فرشتوں سے فرمایا تھا کہ میں جانتا ہوں اور تم نہیں جانتے۔ ان فرشتوں کو اسی چیز کے دیکھنے کے لئے بھیجا جاتا ہے اور دن کے اعمال رات سے پہلے اور رات کے دن سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں۔ ❸ غرض تفصیلی حکمت جو پیدائش انسان میں تھی، اس کی نسبت فرمایا کہ یہ میرے مخصوص علم میں ہے تمہیں معلوم ہی نہیں۔ بعض کہتے ہیں یہ جواب ہے ان کے اس قول کا کہ ہم تیری تسبیح وغیرہ بیان کرتے رہتے ہیں تو انہیں فرمایا گیا کہ میں ہی جانتا ہوں یعنی تم جیسا سمجھ رہے ہو اور سب کو یکساں کر رہے ہو ایسا نہیں بلکہ تم میں ایک ابلیس بھی ہے۔ ایک تیسرا قول یہ ہے کہ فرشتوں کا یہ سب کہنا دراصل یہ مطلب رکھتا تھا کہ ہمیں زمین میں بسایا جائے تو جواباً کہا گیا تمہاری آسمانوں میں رہنے کی مصلحت میں ہی جانتا ہوں اور مجھے علم ہے کہ تمہارے لائق جگہ یہی ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

حسن، قتادہ رحمہم اللہ وغیرہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو خبر دی۔ سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مشورہ لیا۔ لیکن اس کے معنی بھی خبر دینے کے ہوسکتے ہیں۔ اگر نہ ہوں تو پھر یہ بات بے وزن ہوجاتی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب مکہ

---

❶ ۲۱/ الانبیآء: ۲۷۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب فضل صلاۃ العصر، ۵۵۵؛ صحیح مسلم، ۱۳۲۔

❸ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب فی قولہ ﷺ، ان اللہ لاینام، ۱۷۹۔

سے زمین پھیلائی اور بچھائی گئی تو بیت اللہ کا طواف سب سے پہلے فرشتوں نے کیا اور زمین میں خلیفہ بنانے سے مراد مکہ میں خلیفہ بنانا ہے۔ ❶ یہ حدیث مرسل ہے پھر اس میں ضعف ہے اور مدرج ہے یعنی زمین سے مراد مکہ لینا راوی کا اپنا خیال ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین سے مراد ساری زمین مراد ہے۔ فرشتوں نے جب یہ سنا تو پوچھا تھا کہ وہ خلیفہ کیا ہوگا؟ اور جواب میں کہا گیا تھا کہ اس کی اولاد میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو زمین میں فساد کریں گے' حسد' بغض' قتل وخون ریزی کریں گے۔ وہ خلیفہ ان میں وہ عدل وانصاف کرے گا اور میرے احکام جاری کرے گا تو اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں جو ان کے قائم مقام ہیں' اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور مخلوق میں عدل وانصاف کرنے میں' لیکن فساد پھیلانے اور خون بہانے والے خلیفہ نہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہاں مراد خلافت سے ایک زمانہ والوں کو دوسرے زمانہ والوں کے بعد آنا ہے۔ **خليفة فعيلة** کے وزن پر ہے۔ جب ایک کے بعد دوسرا اس کے قائم مقام ہو تو عرب کہتے ہیں خَلَفَ فُلَانٌ فُلَانًا (فلاں شخص فلاں کا خلیفہ ہوا) جیسے قرآن کریم میں ہے کہ ہم ان کے بعد تمہیں زمین کا خلیفہ بنا کر دیکھتے ہیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ اور اسی لیے سلطان اعظم کو خلیفہ کہتے ہیں اس لئے کہ وہ اگلے بادشاہ کا جانشین ہوتا ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ زمین کا ساکن اس کی آبادی کرنے والا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ❷ کہ پہلے زمین میں جنات بستے تھے۔ انہوں نے اس میں فساد کیا اور خون بہایا اور قتل وغارت کی' پھر ابلیس کو بھیجا گیا اس نے اور اس کے ساتھیوں نے انہیں مار مار کر جزیروں اور پہاڑوں میں بھگا دیا پھر حضرت آدم علیہ السلام پیدا کر کے زمین میں بسایا تو گویا یہ ان پہلے والوں کے خلیفہ اور جانشین ہوئے۔ پس فرشتوں کے قول سے مراد اولاد آدم ہیں۔ جس وقت ان سے کہا گیا کہ میں زمین کو اور اس میں بسنے والی مخلوق کو پیدا کرنا چاہتا ہوں اس وقت زمین تو تھی لیکن اس میں آبادی نہ تھی۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ بھی مروی ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معلوم کرایا تھا کہ اولاد آدم ایسے ایسے کام کرے گی تو انہوں نے یہ پوچھا۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ جنات کے فساد پر انہوں نے بنی آدم کے فساد کو قیاس کر کے یہ سوال کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے سے جنات زمین میں آباد تھے۔ ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرشتے بدھ کے دن پیدا کئے گئے اور جنات کو جمعرات کے دن پیدا کیا اور جمعہ کے دن آدم پیدا ہوئے۔ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی تھی کہ ابن آدم ایسا ایسا کریں گے اس بنا پر انہوں نے سوال کیا۔

ابوجعفر محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سجل نامی ایک فرشتہ ہے جس کے ساتھی ہاروت وماروت تھے۔ اسے ہر روز تین مرتبہ لوح محفوظ پر نظر ڈالنے کی اجازت تھی۔ ایک مرتبہ اس نے آدم علیہ السلام کی پیدائش وغیرہ امور کا جب مطالعہ کیا تو چپکے سے اپنے دونوں ساتھیوں کو بھی خبر کر دی۔ اب جو اللہ تعالیٰ نے اپنا ارادہ ظاہر فرمایا تو ان دونوں نے یہ سوال کیا۔ لیکن یہ روایت غریب ہے اور صحیح مان لینے پر بھی ممکن ہے کہ ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اہل کتاب یہود ونصاریٰ سے لیا ہو۔ بہر حال یہ ایک فضول روایت ہے اور قابل تردید ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ پھر اس میں ہے کہ دو فرشتوں نے یہ سوال کیا یہ قرآن کی روانی عبارت کے بھی خلاف ہے یہ روایت بھی مروی ہے کہ یہ کہنے والے فرشتے دس ہزار تھے اور وہ سب کے سب جلا دیئے گئے۔ یہ بھی اسرائیلی روایت ہے اور بہت ہی غریب۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سوال کی انہیں

❶ الطبری، ۱/ ۱۹۹ عن عطاء بن السائب عن ابن سابط مرسلاً اس کی سند میں عطاء مختلط راوی ہے۔ (التقریب ۲/ ۲۲، رقم: ۱۹۰)

❷ اس کی سند میں بشر بن عمارہ ضعیف راوی ہے المیزان، ۱/ ۳۲۱، رقم: ۱۲۰۹ جبکہ ضحاک کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ملاقات ثابت نہیں۔ لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

اجازت دی گئی تھی اور یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ یہ مخلوق نافرمان بھی ہوگی تو انہوں نے تعجب کے ساتھ مصلحت الٰہی معلوم کرنے کے لئے یہ سوال کیا نہ کہ کوئی مشورہ دیا' انکار کیا یا اعتراض کیا ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کی پیدائش شروع ہوئی تو فرشتوں نے کہا ناممکن ہے کہ کوئی مخلوق ہم سے زیادہ بزرگ اور عالم ہو تو ان پر یہ امتحان الٰہی آیا اور کوئی مخلوق امتحان سے نہیں چھوٹی۔ زمین اور آسمان کا بھی امتحان ہوا تھا اور انہوں نے سرخم کر کے اطاعت الٰہی کے لئے آمادگی ظاہر کی۔ فرشتوں کی تسبیح وتقدیس سے مراد اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا' نماز پڑھنا' بے ادبی سے بچنا' بڑائی عظمت وغیرہ کرنا' نافرمانی نہ کرنا' (سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ) وغیرہ پڑھنا ہے قدوس کے معنی پاک کے ہیں۔ پاک زمین کو مقدس کہتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوتا ہے کہ کونسا کلام افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواباً فرماتے ہیں وہ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے لئے پسند فرمایا ہے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ [1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج والی رات آسمانوں میں فرشتوں کی یہ تسبیح سنی (سُبْحَانَ الْعَلِيِّ الْاَعْلٰى سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى .)[2]

خلیفہ کا انتخاب اور اس کے وجوب کی شرعی حیثیت: قرطبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس آیت سے استدلال کیا کہ خلیفہ کا مقرر کرنا واجب ہے تاکہ وہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کرے' ان کے جھگڑے چکائے' مظلوم کا بدلہ ظالم سے لے حدود قائم کرے' برائیوں کے کرنے سے لوگوں کو ڈانٹے ڈپٹے' وغیرہ وغیرہ وہ بڑے بڑے کام جو بغیر امام کے انجام نہیں پا سکتے۔ چونکہ یہ کام واجب ہیں اور یہ بغیر امام کے پورے نہیں ہو سکتے اور جس چیز کے بغیر واجب پورا نہ ہو وہ بھی واجب ہو جاتی ہے اس لئے خلیفہ کا مقرر کرنا واجب ثابت ہوا۔

امامت یا تو قرآن وحدیث کے ظاہری لفظوں سے ملے گی جیسے کہ اہل سنت کی ایک جماعت کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت خیال ہے کہ ان کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے لئے لیا تھا یا قرآن وحدیث سے اس کی جانب اشارہ ہو' جیسے اہل سنت ہی کی دوسری جماعت کا خلیفہ اول کی بابت یہ خیال ہے کہ اشارۃً ان کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے لئے کیا ہے' یا ایک خلیفہ اپنے بعد دوسرے کو نامزد کر جائے جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ یا وہ صالح لوگوں کی ایک کمیٹی بنا کر انتخاب کا کام ان کے سپرد کر جائے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا' یا اہل حل وعقد (یعنی بااثر سرداران لشکر' علما' صلحا وغیرہ) اس کی بیعت پر اجماع کر لیں یا ان میں سے کوئی بیعت کر لے تو جمہور کے نزدیک اس کا لازم پکڑنا واجب ہو جائے گا امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ یا کوئی شخص لوگوں کو بزور وجبر اپنی ماتحتی پر بے بس کر دے تو بھی واجب ہو جاتا ہے کہ اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں تاکہ پھوٹ اور اختلاف نہ پھیلے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے صاف لفظوں میں اس کا فیصلہ کیا ہے۔ اس بیعت کے وقت گواہوں کی موجودگی کے واجب ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض تو کہتے ہیں یہ شرط نہیں' بعض کہتے ہیں شرط' اور دو گواہ کافی ہیں۔ جبائی کا قول ہے بیعت کرنے والے اور جس کے ہاتھ پر بیعت ہوئی ہے ان دونوں کے علاوہ چار گواہ اور چاہئیں' جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شوریٰ کے چھ ارکان مقرر کئے تھے پھر انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اختیار دیا اور آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر باقی چاروں کی موجودگی میں بیعت کی۔ اس استدلال میں کلام ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ امام کا مرد ہونا' آزاد ہونا' بالغ ہونا' عقلمند ہونا' مسلمان ہونا' عادل ہونا' مجتہد ہونا' آنکھوں والا ہونا' ==

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل سبحان اللّٰه وبحمده، ۲۷۳۱۔

[2] مجمع الزوائد، ۱/ ۷۸، ہیثمی کہتے ہیں: مسکین بن میمون کی حدیث منکر ہے۔ شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (کتاب الإسراء والمعراج، ص ۷۱)

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۳۱ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۳۲ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝۳۳

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام نام سکھا کر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔[۳۱] ان سب نے کہا اے اللہ! تیری ذات پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا ہے پورے علم و حکمت والا تو تو ہی ہے۔[۳۲] اللہ تعالیٰ نے (حضرت) آدم علیہ السلام سے فرمایا تم ان کے نام بتا دو۔ جب انہوں نے بتا دیئے تو فرمایا کیا میں نے تمہیں (پہلے ہی سے) نہ کہا تھا کہ زمین اور آسمان کا غیب میں ہی جانتا ہوں اور میرے علم میں ہے جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو تم چھپاتے تھے۔[۳۳]

= صحیح سالم اعضاء والا ہونا' فنون جنگ سے اور رائے سے خبردار ہونا' قریشی ہونا واجب ہے اور یہی صحیح ہے۔ ہاں ہاشمی ہونا اور خطا سے معصوم ہونا شرط نہیں۔ یہ دونوں شرطیں کٹر رافضی لگاتے ہیں۔ امام اگر فاسق ہو جائے تو اسے معزول کر دینا چاہئے یا نہیں اس میں اختلاف ہے' اور صحیح بات یہ ہے کہ معزول نہ کیا جائے۔ کیونکہ حدیث میں آ چکا ہے کہ جب تک ایسا کھلا کفر نہ دیکھ لو جس کے کفر ہونے کی ظاہر دلیل اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ہو۔ ❶ اسی طرح امام خود اپنے آپ معزول ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں بھی اختلاف ہے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ خود بخود آپ ہی معزول ہو گئے تھے اور امر امامت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سونپ دیا تھا' لیکن یہ عذر کے باعث تھا جس پر ان کی تعریف کی گئی ہے۔

روئے زمین پر ایک سے زیادہ امام ایک وقت میں نہیں ہو سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''کہ جب تمہارا کام جمع ہو اور کوئی آ کر تم میں جدائی ڈالنی چاہے تو اسے قتل کر دو خواہ کوئی بھی ہو۔'' ❷ جمہور کا یہی مذہب ہے اور بہت سے بزرگوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے جن میں سے ایک امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ کرامیہ (شیعہ) کا قول ہے کہ دو اور زیادہ بھی ایک وقت میں امام ہو سکتے ہیں جیسے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں اطاعت کے لائق تھے۔ یہ گروہ کہتا ہے کہ جب ایک وقت میں دو دو اور زیادہ نبیوں کا ہونا جائز ہے تو اماموں کا ہونا جائز کیوں نہ ہو؟ نبوت کا مرتبہ تو یقیناً امامت کے مرتبے سے بہت زیادہ ہے (لیکن صحیح مسلم والی حدیث آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ دوسرے کو قتل کر ڈالو۔ اس لئے صحیح مذہب وہی ہے جو پہلے بیان ہوا) امام الحرمین نے استاذ ابو اسحاق سے بھی حکایت کی ہے کہ وہ =

❶ صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ سترون بعدی اموراً تنکرونها، ۷۰۵۶؛ صحیح مسلم، ۱۷۰۹۔

❷ صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب حکم من فرق أمر المسلمین...... ۱۸۵۲؛ ابو داود، ۴۷۶۲؛ نسائی، ۴۱۹۶۔

= دو اور زیادہ اماموں کا مقرر کرنا اس وقت جائز جانتے ہیں جب مسلمانوں کی سلطنت بہت بڑی وسیع ہو اور چوطرف پھیلی ہوئی ہو اور دو اماموں کے درمیان کئی ملکوں کا فاصلہ ہو۔ امام الحرمین اس میں تردد میں ہیں۔ خلفاء بنی عباس کا عراق میں اور خلفاء بنی فاطمہ کا مصر میں اور خاندان بنی امیہ کا مغرب میں میرے خیال سے یہی حال تھا۔ اس کی بسط وتفصیل ان شاء اللہ کتاب الاحکام کی کسی مناسب جگہ ہم کریں گے۔

فرشتوں پر آدم علیہ السلام کی فضیلت کی وجہ: [آیت:۳۱۔۳۳] یہاں اس بات کا بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص علم میں حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر بھی فضیلت دی۔ یہ واقعہ فرشتوں کے سجدہ کرنے کے بعد کا ہے لیکن حکمت الٰہی جو آدم کے پیدا کرنے میں تھی اور جس کا علم فرشتوں کو نہ تھا جس کا اجمالی بیان اوپر کی آیت میں گزرا ہے اس کی مناسبت کی وجہ سے اس واقعہ کو پہلے بیان کیا اور فرشتوں کا سجدہ کرنا جو اس سے پہلے واقعہ ہوا تھا' بعد میں بیان کیا تا کہ خلیفہ کے پیدا کرنے کی مصلحت اور حکمت ظاہر ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ یہ شرافت اور فضیلت حضرت آدم علیہ السلام کو ملی کہ انہیں وہ علم حاصل ہے جس سے یہ فرشتے خالی ہیں۔

فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام نام بتائے یعنی ان کی تمام اولاد کے سب جانوروں کے زمین' آسمان' پہاڑ' تری' خشکی' گھوڑے گدھے' برتن' بھانڈے' چرند' پرند' فرشتے' ستارے وغیرہ تمام چھوٹی بڑی چیزوں کے۔ ❶ امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرشتوں اور انسانوں کے نام معلوم کرائے گئے تھے کیونکہ اس کے بعد لفظ ﴿عَرَضَهُمْ﴾ آتا ہے اور یہ ذی عقل لوگوں کے لئے آتا ہے لیکن یہ کوئی ایسی معقول وجہ نہیں جہاں ذی عقل اور غیر ذی عقل جمع ہوتے ہیں وہاں جو لفظ لایا جاتا ہے وہ عقل و ہوش رکھنے والوں کا ہی لایا جاتا ہے۔ جیسے قرآن میں ہے: ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ﴾ ❷ ''اللہ تعالیٰ نے تمام جانوروں کو پانی سے پیدا کیا ہے جن میں سے بعض تو پیٹ کے بل گھسٹتے ہیں بعض دو پیروں پر چلتے ہیں بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' پس اس آیت میں ظاہر ہے کہ غیر ذی عقل بھی داخل ہیں مگر صیغے سب ذی عقل کے ہیں۔

علاوہ ازیں ﴿عَرَضَهُنَّ﴾ بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ﴿عَرَضَهَا﴾ بھی ہے۔ صحیح قول یہی ہے کہ تمام چیزوں کے نام سکھائے تھے ذاتی نام بھی صفاتی نام بھی اور کاموں کے نام بھی' جیسے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ گوز کا نام بھی بتایا گیا تھا۔

صحیح بخاری کتاب التفسیر میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام بخاری رحمہ اللہ یہ حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایماندار قیامت کے دن جمع ہوں گے اور کہیں گے کیا اچھا ہوتا اگر کسی کو ہم اپنا سفارشی بنا کر اللہ کے پاس بھیجتے چنانچہ یہ سب کے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے کہیں گے کہ آپ ہم سب کے باپ ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا' اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہماری سفارش کریں تا کہ ہم اس سے راحت پائیں۔ حضرت آدم علیہ السلام یہ سن کر جواب دیں گے کہ میں اس قابل نہیں' انہیں اپنا گناہ یاد آ جائے گا۔ تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا۔ سب لوگ یہ جواب سن کر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے آپ بھی یہی جواب دیں گے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف اپنے بیٹے کے لئے اپنا دعا مانگنا یاد کر کے شرما جائیں گے اور فرمائیں گے تم خلیل الرحمٰن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ یہ سب آپ کے پاس آئیں گے لیکن یہاں سے بھی یہی جواب پائیں گے۔ آپ فرمائیں گے تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جن سے اللہ نے کلام کیا اور جنہیں تورات عنایت فرمائی یہ سن کر سب کے سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور آپ

❶ الطبری، ۱/ ۴۵۸۔ ❷ ۲۴/ النور: ۴۵۔

سے بھی یہی درخواست کریں گے لیکن یہاں سے بھی یہی جواب پائیں گے۔ آپ کو بھی ایک شخص کو بغیر قصاص کے مار ڈالنا یاد آ جائے گا اور شرمندہ ہو جائیں گے اور فرمائیں گے تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ اللہ کے بندے اس کے رسول اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ یہ سب یہاں آئیں گے لیکن یہاں سے بھی یہی جواب ملے گا کہ میں اس لائق نہیں۔ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ جن کے تمام اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے ہیں۔ اب وہ سارے کے سارے میرے پاس آئیں گے میں آمادہ ہو جاؤں گا اور اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا۔ مجھے اجازت دی جائے گی، میں اپنے رب کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑوں گا۔ جب تک اللہ کو منظور ہوگا سجدے میں پڑا رہوں گا۔ پھر آواز آئے گی کہ سر اٹھایئے سوال کیجئے پورا کیا جائے گا' کہیے سنا جائے گا' شفاعت کیجئے قبول کی جائے گی۔ اب میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کی وہ وہ تعریفیں بیان کروں گا جو اسی وقت اللہ تعالیٰ مجھے سکھائے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا۔ میرے لئے حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں انہیں جنت میں پہنچا کر پھر آؤں گا پھر اپنے رب کو دیکھ کر اسی طرح سجدہ میں گر پڑوں گا پھر شفاعت کروں گا پھر حد مقرر ہوگی۔ انہیں بھی جنت میں پہنچا کر تیسری مرتبہ آؤں گا پھر چوتھی بار حاضر ہوں گا یہاں تک کہ جہنم میں صرف وہی رہ جائیں گے جنہیں قرآن نے روک رکھا ہو اور جن کے لئے جہنم کی ہمیشگی واجب ہو گئی ہو'' [1] (یعنی شرک و کفر کرنے والے) صحیح مسلم شریف' نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ میں بھی یہ حدیث شفاعت موجود ہے۔

غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے: یہاں حدیث میں یہ جملہ بھی ہے کہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے' پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور ان سے فرمایا کہ لو اگر تم اپنے اس قول میں کہ تم ساری مخلوق سے زیادہ علم والے ہو یا اس قول میں کہ اللہ تعالیٰ زمین میں خلیفہ نہ بنائے گا سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ یہ بھی مروی ہے کہ اگر اپنی اس بات میں کہ بنی آدم فساد کریں گے اور خون بہائیں گے' سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ لیکن بہترین قول پہلا ہی ہے۔ گویا اس میں انہیں ڈانٹا گیا کہ بتاؤ تمہارا قول کہ تم ہی خلافت زمین کے لائق ہو اور انسان نہیں تم ہی میرے تسبیح خواں اور اطاعت گزار ہو اور انسان نہیں' اگر سچے ہو تو لو یہ چیزیں جو تمہارے سامنے موجود ہیں انہی کے نام بتاؤ اور اگر تم نہیں بتا سکتے تو سمجھ لو کہ موجودہ چیزوں کے نام بھی تمہیں نہیں معلوم تو آئندہ آنے والی چیزوں کی نسبت تمہیں علم کیسے ہوگا؟ فرشتوں نے یہ سنتے ہی اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور بڑائی اور اپنے علم کی کمی بیان کرنی شروع کر دی اور کہہ دیا کہ جسے جتنا کچھ اے اللہ تو نے سکھا دیا اتنا ہی اسے علم ہے۔ تمام چیزوں پر احاطہ رکھنے والا علم تو صرف تجھی کو ہے تو ہر چیز کا جاننے والا اور اپنے تمام احکام میں حکمت رکھنے والا ہے۔ جسے جو کچھ سکھائے وہ بھی حکمت ہے اور جسے نہ سکھائے وہ بھی حکمت ہے تو حکمتوں والا اور عدل والا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سبحان اللہ کے معنی اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی کے ہیں کہ وہ ہر برائی سے منزہ ہے۔ حضرت عمر نے حضرت علی اور دوسرے اصحاب رضی اللہ عنہم سے ایک مرتبہ سوال کیا کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو ہم جانتے ہیں لیکن سُبْحَانَ اللّٰهِ کیا کلمہ ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس کلمہ کو باری تعالیٰ نے اپنے نفس کے لئے پسند فرمایا ہے اور اس سے وہ خوش ہوتا ہے اور اس کا کہنا اسے محبوب ہے۔ حضرت میمون بن مہران رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور تمام برائیوں سے پاکیزگی کا بیان ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے نام بتا دیئے کہ تمہارا نام جبرائیل ہے' تمہارا نام میکائیل ہے' تم اسرافیل ہو یہاں تک کہ چیل' کوے وغیرہ سب کے نام جب ان سے پوچھے =

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة البقرة، ٤٤٧٦، ٦٥٦٥، ٧٤١٠، ٧٥١٦؛ صحیح مسلم، ١٩٣؛ السنن الکبری للنسائی، ٦/ ٢٨٤؛ ابن ماجة، ٤٣١٧۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ٭ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ تھا ہی کافروں میں۔ [۳۴]

= گئے تو انہوں نے بتا دیئے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کی یہ فضیلت فرشتوں کو معلوم ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھو میں نے تم سے پہلے ہی نہ کہا تھا کہ میں ہر کھلے چھپے کا جاننے والا ہوں۔ جیسے اور جگہ ہے: ﴿وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى﴾ ❶ ''تم بلند آواز سے کہو (یا نہ کہو) اللہ تعالیٰ پوشیدہ سے پوشیدہ چیز کو جانتا ہے اور جگہ ہے ﴿اَلَّا يَسْجُدُوْا﴾ ❷ ''کیوں یہ لوگ اس اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزوں کو نکالتا ہے اور جو تمہاری ہر پوشیدگی اور ظاہر کو جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی معبود ہے اور وہی عرش عظیم کا رب ہے۔ جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو اسے میں جانتا ہوں۔'' مطلب یہ ہے کہ ابلیس کے دل میں جو تکبر اور غرور تھا اسے میں جانتا تھا۔

فرشتوں کا قول کہ زمین میں اسے کیوں پیدا کرتا ہے جو فساد کرے اور خون بہائے۔ یہ تو وہ قول تھا جسے انہوں نے ظاہر کیا تھا۔ ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اور سعید بن جبیر، مجاہد، سدی، ضحاک اور ثوری رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں اور ابوالعالیہ، ربیع بن انس، حسن اور قتادہ رحمہم اللہ کا قول ہے کہ ان کی چھپی ہوئی بات ان کا یہ کہنا تھا کہ جس مخلوق کو بھی اللہ پیدا کرے گا ہم اس سے زیادہ عالم اور زیادہ بزرگ ہوں گے لیکن بعد میں ثابت ہو گیا اور خود انہوں نے بھی جان لیا کہ آدم علیہ السلام کو علم اور کرم دونوں میں ان پر فوقیت حاصل ہے۔ عبدالرحمن بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا جس طرح تم ان چیزوں کے ناموں سے بے خبر ہو اسی طرح تم یہ بھی نہیں جان سکتے کہ ان میں بھلے برے ہر طرح کے ہوں گے فرمانبردار بھی ہوں گے اور نافرمان بھی اور میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ مجھے جنت و دوزخ دونوں کو بھرنا ہے۔ لیکن تمہیں میں نے اس کی خبر نہیں کی اب جب کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو دیا ہوا علم دیکھا تو ان کی بزرگی کا اقرار کر لیا۔

ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں سب سے اولیٰ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے کہ آسمان و زمین کے غیب کا علم تمہارے ظاہر باطن کا علم مجھے ہے۔ ان کے ظاہری قول کو اور ابلیس کے باطنی عجب و غرور کو بھی اللہ جانتا تھا۔ اس میں چھپانے والا صرف ایک ابلیس ہی تھا لیکن صیغہ جمع کا لایا گیا ہے اس لئے کہ عرب میں یہ دستور ہے اور ان کے کلام میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ ایک کے یا بعض کے ایک کام کو سب کی طرف نسبت کر دیا کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ لشکر مار ڈالا گیا یا انہیں شکست ہوئی حالانکہ شکست اور قتل ایک کا یا بعض کا ہوتا ہے اور صیغہ جمع کا لاتے ہیں۔ بنو تمیم کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے کے پیچھے سے پکارا تھا ❸ لیکن قرآن کریم میں اسکا بیان ان لفظوں میں ہے کہ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ﴾ ❹ ''جو لوگ تمہیں اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں'' تو دیکھئے کہ پکارنے والا ایک تھا اور صیغہ جمع کا لایا گیا۔ اسی طرح ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ﴾ میں بھی اپنے دل میں بدی کو

❶ ٢٠/ طٰه:٧۔ ❷ ٢٧/ النمل:٢٥۔

❸ أحمد، ٣/ ٤٨٨، ح١٥٩٩١ وسنده ضعيف لانقطاعه۔ ❹ ٤٩/ الحجرات:٤۔

چھپانے والا صرف ایک ابلیس ہی تھا لیکن صیغہ جمع کا لایا گیا۔

فرشتوں کا آدم علیہ السلام کو سجدہ: [آیت:۳۴] حضرت آدم علیہ السلام کی اس بہت بڑی بزرگی کو ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنا بہت بڑا احسان ظاہر کیا اور خبر دی کہ اس نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام سجدہ کریں۔ اس کی دلالت میں بہت سی احادیث ہیں۔ ایک تو حدیث شفاعت جو ابھی بیان ہوئی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے اللہ میری ملاقات (حضرت) آدم علیہ السلام سے کرا دے۔ خود بھی جنت سے نکلے اور ہم سب کو بھی نکالا۔ جب دونوں پیغمبر جمع ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تم وہ آدم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح تم میں پھونکی اور اپنے فرشتوں سے تمہیں سجدہ کرایا۔'' ❶ (آخر تک) پوری حدیث عنقریب بیان ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ابلیس کا تعارف اور اس کا سجدہ کرنے سے انکار کرنا: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ابلیس فرشتوں کے ایک قبیلہ میں سے تھا جو آگ کے شعلوں سے پیدا ہوئے تھے۔ ابلیس کا نام حارث تھا اور جنت کا خازن تھا۔ اس قبیلے کے سوا باقی تمام کے تمام فرشتے نوری تھے۔ قرآن نے بھی ان جنوں کی پیدائش کا بیان کیا ہے اور فرمایا ہے ﴿مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ﴾ ❷ آگ کے شعلے کی جو تیزی بلند ہوتی ہے اسے مارج کہتے ہیں جس سے جن پیدا کئے گئے تھے اور انسان مٹی سے پیدا کیا گیا۔ روئے زمین پر پہلے جن بستے تھے۔ انہوں نے فساد اور خونریزی شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو فرشتوں کا لشکر دے کر بھیجا' ان کو جن کہا جاتا تھا۔ ابلیس نے لڑ بھڑ کر مارتے اور قتل کرتے ہوئے انہیں سمندروں کے جزیروں اور پہاڑوں کے دامن میں پہنچا دیا۔ اور ابلیس کے دل میں یہ تکبر سما گیا کہ میں نے وہ کام کیا ہے جو کسی اور سے نہ ہو سکا۔ چونکہ دل کی اس بدی اور اس پوشیدہ خودی کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو تھا۔ جب پروردگار نے فرمایا کہ زمین میں میں خلیفہ پیدا کرنا چاہتا ہوں تو ان فرشتوں نے عرض کیا کہ پھر ایسوں کو کیوں پیدا کرتا ہے جو اگلی قوم کی طرح فساد و خونریزی کریں تو انہیں جواب دیا گیا کہ میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے یعنی ابلیس کے دل میں جو کبر و غرور ہے اس کا مجھے ہی کو علم ہے تمہیں خبر نہیں۔ پھر آدم علیہ السلام کی مٹی اٹھائی گئی جو چکنی اور اچھی تھی۔ جب اس کا خمیر اٹھا تب اس سے حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور چالیس دن تک وہ یونہی پتلے کی شکل میں رہے۔ ابلیس آتا تھا اور اس پر لات مار کر دیکھتا تھا کہ وہ بجتی مٹی تھی جیسے کوئی کھوکھلی چیز ہو پھر منہ کے سوراخ سے گھس کر پیچھے کے سوراخ سے اور اس کے خلاف آتا جاتا رہا اور کہتا رہا کہ درحقیقت یہ کوئی چیز نہیں اور اگر میں اس پر مسلط کیا گیا تو اسے برباد کر کے چھوڑوں گا اور اگر اسے مجھ پر مسلط کیا گیا تو میں ہرگز تسلیم نہ کروں گا۔

حضرت آدم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کے احسانات: پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان میں روح پھونکی اور وہ سر کی طرف سے نیچے کی طرف آئی تو جہاں جہاں تک پہنچتی رہی خون گوشت بنتا گیا۔ جب ناف تک روح پہنچی تو آدم علیہ السلام اپنے جسم کو دیکھ کر خوش ہوئے اور جھٹ سے اٹھنا چاہا لیکن نیچے کے دھڑ میں روح نہیں پہنچی تھی اس لئے اٹھ نہ سکے۔ اسی جلدی کا بیان اس آیت میں ہے ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا۝﴾ ❸ یعنی ''انسان بے صبرا اور جلد باز ہے'' تو نہ خوشی میں صبر نہ رنج میں۔ جب روح جسم میں پہنچی اور چھینک آئی تو کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا يَرْحَمُكَ اللّٰهُ پھر صرف ابلیس کے ساتھی فرشتوں سے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرو تو ان سب نے تو سجدہ کیا لیکن ابلیس کا وہ غرور و تکبر ظاہر ہو گیا۔ اس نے نہ مانا اور سجدہ سے انکار کر دیا اور کہنے لگا میں اس

---

❶ صحیح مسلم، کتاب القدر، باب حجاج آدم وموسیٰ علیہما السلام، ۲٦٥۲؛ ابوداود، ٤٧٠٢۔

❷ ٥٥/ الرحمٰن:١٥۔ ❸ ١٧/ الاسراء:١١۔

سے بہتر ہوں اس سے بڑی عمر والا ہوں اور اس سے قوی اور مضبوط ہوں یہ مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور میں آگ سے بنا ہوں اور آگ مٹی سے قوی ہے۔ اس انکار پر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت سے ناامید کر دیا اور اسی لئے اسے ابلیس کہا جاتا ہے۔ اس کی نافرمانی کی سزا میں اسے راندہ درگاہ شیطان بنا دیا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کو انسان، جانور، زمین، سمندر، پہاڑ وغیرہ کے نام بتا کر ان کو ان فرشتوں پر پیش کیا جو ابلیس کے ساتھ تھے اور آگ سے پیدا شدہ تھے اور ان سے فرمایا کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ میں اس کو زمین میں خلیفہ نہ بناؤں تو ذرا مجھے ان چیزوں کے نام تو بتا دو۔ جب ان فرشتوں نے دیکھا کہ ہماری اگلی بات سے اللہ تعالیٰ ناراض ہے تو وہ کہنے لگے کہ اے اللہ تو اس بات سے پاک ہے کہ تیرے سوا کوئی اور غیب کو جانے، ہماری توبہ ہے اور اقرار ہے کہ ہم غیب داں نہیں۔ ہم تو صرف وہی جان سکتے ہیں کہ جو تو ہمیں معلوم کرا دے جیسے تو نے ان کے نام صرف حضرت آدم علیہ السلام کو ہی سکھائے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ تم انہیں ان تمام چیزوں کے نام بتا دو۔ چنانچہ انہوں نے بتا دیئے تو فرمایا: اے فرشتو! کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمان و زمین کے غیب کا جاننے والا صرف میں اکیلا ہی ہوں اور کوئی نہیں۔ میں ہر پوشیدگی کو بھی ویسا ہی جانتا ہوں جیسے ہر ظاہر کو یعنی ابلیس کا اندرونی کبر و غرور بھی میں جانتا تھا اور تم سب اس سے بے خبر تھے لیکن یہ قول بھی غریب ہے اور اس میں بہت سی خامیاں ہیں۔ ہم اگر انہیں الگ الگ بیان کریں تو مضمون بہت لمبا ہو جائے گا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما تک اس اثر کی سند بھی وہی ہے جس سے ان کی مشہور تفسیر مروی ہے۔ ایک اور اثر بھی اسی طرح کا مروی ہے اس میں کچھ کمی زیادتی بھی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ زمین کی مٹی لینے کے لئے جب حضرت جبریل علیہ السلام گئے تو زمین نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتی ہوں کہ تو مجھ میں سے کچھ گھٹائے۔ وہ واپس چلے گئے پھر ملک الموت کو بھیجا زمین نے ان سے بھی یہی کہا لیکن انہوں نے جواب دیا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں اللہ کا حکم پورا کئے بغیر واپس چلا جاؤں۔ چنانچہ انہوں نے تمام روئے زمین سے ایک مٹھی مٹی کی لی چونکہ مٹی کا رنگ کہیں سرخ تھا اور کہیں سفید کہیں سیاہ اسی وجہ سے انسانوں کی رنگتیں بھی طرح طرح کی ہوئیں۔ لیکن یہ روایت بھی اسرائیلی روایات میں سے ہے۔ غالباً اس میں بہت سی باتیں بعد کے لوگوں کی ملائی ہوئی ہیں۔ صحابی کا بیان ہے ہی نہیں اور اگر صحابی کا قول بھی ہو تو بھی انہوں نے بعض پہلی کتابوں سے لیا ہوگا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

امام حاکم اپنی مستدرک میں بہت سی ایسی روایات لائے ہیں اور ان کی سند کو شرط بخاری پر کہا ہے۔ (1) مقصد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو اس خطاب میں ابلیس بھی داخل تھا اس لئے کہ گو وہ ان میں سے نہ تھا لیکن انہی جیسا اور انہی جیسے کام کرنے والا تھا اس لئے اس خطاب میں داخل تھا اور پھر نافرمانی کی سزا بھگتی۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ﴾ کی تفسیر میں آئے گی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نافرمانی سے پہلے وہ فرشتوں میں تھا۔ عزازیل اس کا نام تھا، زمین پر اس کی رہائش تھی اجتہاد اور علم میں بہت بڑا تھا اور اسی وجہ سے دماغ میں رعونت تھی اور اسکی جماعت کا اور اس کا تعلق جنوں سے تھا۔ (2) اس کے چار پر تھے۔ جنت کا خازن تھا۔ زمین اور آسمان دنیا کا سلطان تھا۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابلیس کبھی فرشتہ نہ تھا، اس کی اصل جنات سے ہے جیسے کہ آدم علیہ السلام کی اصل انس سے ہے۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور شہر بن حوشب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ سعد بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ فرشتوں نے جنات کو جب مارا تب اسے قید کیا تھا اور آسمان پر لے گئے تھے وہاں عبادت کی وجہ سے رہ پڑا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ پہلے ایک مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔ انہیں حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کو کہا، انہوں نے انکار

(1) حاکم، ۲/ ۲٦۱ وسندہ صحیح وصححہ الحاکم ووافقه الذهبي۔ (2) الطبري، ۱/ ۵۰۲۔

کیا جس پر وہ جلا دیئے گئے پھر دوسری مخلوق پیدا کی ان کا بھی یہی حشر ہوا پھر تیسری مخلوق پیدا کی انہوں نے تعمیل ارشاد کی لیکن یہ اثر بھی غریب ہے اور اس کی اسناد بھی غالباً صحیح نہیں ہیں۔ اس میں ایک راوی مبہم ہے اس وجہ سے یہ روایت قابل حجت نہیں ﴿كَافِرِيْنَ﴾ سے مراد نافرمان ہے ابلیس کی ابتدا آفرینش ہی کفر و ضلالت پر تھی۔ کچھ دن ٹھیک ٹھاک رہا لیکن پھر اپنی اصلیت پر آ گیا۔ سجدہ کرنے کا حکم بجالانا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور آدم علیہ السلام کا اکرام تھا۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ یہ سجدہ سلام اور عزت و اکرام تھا۔ جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمان ہے کہ انہوں نے اپنے باپ کو تخت پر بٹھا لیا اور وہ سب کے سب سجدہ میں گر پڑے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا ابا! یہی میرے اس خواب کی تعبیر ہے جسے میرے رب نے سچا کر دکھایا۔ سابقہ امتوں میں تعظیمی سجدہ جائز تھا لیکن ہمارے دین میں یہ منسوخ ہو گیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے شامیوں کو اپنے سرداروں اور علما کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ حضور! آپ اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اگر میں کسی انسان کو کسی انسان کے سامنے سجدہ کرنے کی اجازت دینے والا ہوتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں کیونکہ ان کا ان پر بہت بڑا حق ہے۔'' ❶ امام رازی رحمہ اللہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سجدہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام بطور قبلہ کے ساتھ تھے جیسے قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ﴾ ❷ لیکن اس میں نظر ہے اور پہلے قول کا ہی زیادہ ظاہر ہونا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ یہ سجدہ حضرت آدم علیہ السلام کے اکرام، بڑائی، احترام اور سلام کے طور پر تھا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ماتحت تھا کیونکہ اس کا حکم تھا جس کی بجا آوری ضروری تھی۔ امام رازی رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو قوی بتایا ہے اور اس کے سوا دونوں اقوال کو ضعیف قرار دیا ہے ایک تو حضرت آدم علیہ السلام کا بطور قبلہ کے ہونا جس میں کوئی بڑا شرف ظاہر نہیں ہوتا، دوسرے سجدے سے مراد پست عاجز ہونا نہ کہ زمین پر ماتھا ٹکا کر حقیقی سجدہ کرنا لیکن یہ دونوں تاویلیں ضعیف ہیں۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا گناہ یہی تکبر ہے جو ابلیس سے سرزد ہوا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ ''جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا اسی تکبر کفر و عناد کی وجہ سے ابلیس کے گلے میں طوق لعنت پڑا اور رحمت سے مایوس ہو کر جناب باری تعالیٰ سے دھتکارا گیا۔'' ❸ ''یہاں كَانَ صَارَ کے معنی میں بھی بتایا گیا ہے جیسے کہ ﴿فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ﴾ ❹ اور ﴿فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ ❺ شاعروں کے شعروں میں بھی اس کا ثبوت ہے تو معنی یہ ہوئے کہ وہ کافر ہو گیا۔ ابن فورک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں کافروں میں سے تھا۔

قرطبی رحمہ اللہ اسی کو ترجیح دیتے ہیں اور یہاں ایک مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ کسی شخص کے ہاتھ سے کچھ کرامتیں سرزد ہو جانا اس کے ولی اللہ ہونے کی دلیل نہیں گو بعض صوفی اور رافضی اس کے خلاف بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ ہم کسی بات کا کسی کے لئے فیصلہ نہیں کر سکتے کہ وہ ایمان ہی کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔ اسی شیطان کو دیکھئے ولی کیا بلکہ فرشتہ بنا ہوا تھا لیکن آخر سردار کفر و کفار ہو گیا علاوہ ازیں ایسی خلاف عادت و عقل باتیں جو بظاہر کرامات نظر آتی ہیں اولیاء اللہ کے سوا اور لوگوں کے ہاتھوں بھی سرزد ہوتی ہیں بلکہ فاسق فاجر مشرک کافر سے بھی ظاہر ہو جاتی ہیں۔ رسول اللہ نے اپنے دل میں ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ﴾ ❻ کی آیت پوشیدہ کر کے =

❶ ابن ماجة، کتاب النکاح، باب حق الزوج علی المرأة، ۱۸۵۳۔ وسنده حسن وصححه ابن حبان (الموارد: ۱۲۹۰) والحاکم (٤/ ۱۷۲) ووافقه الذهبی۔ ❷ ۱۷/ الاسرآء:۷۸۔ ❸ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر وبیانه۔۹۱۔
❹ ۱۱/ هود:۴۳۔ ❺ ۲/ البقرة:۳۵۔ ❻ ٤٤/ الدخان:۱۰۔

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝

ترجمہ: اور ہم نے کہہ دیا کہ اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں کہیں سے چاہو بافراغت کھاؤ پیؤ لیکن اس درخت کے قریب بھی نہ جانا ورنہ ظالم ہو جاؤ گے۔[۳۵] لیکن شیطان نے بہکا کر وہاں سے نکلوا ہی دیا اور ہم نے کہہ دیا کہ اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور ایک وقت مقرر تک تمہارے لئے زمین میں ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے۔[۳۶]

= جب ابن صیاد کافر سے پوچھا کہ ''میں نے دل میں کیا چھپا رکھا ہے؟'' تو اس نے کہا تھا دخ۔ ❶ بعض آیات میں ہے کہ غصہ کے وقت اسکا جسم اتنا پھول جاتا تھا کہ اس کے جسم سے تمام راستہ رک جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے مارا۔ ❷ دجال کی تو ایسی بہت سی باتیں احادیث میں وارد ہیں مثلاً اس کا آسمان سے بارش برسانا' زمین سے پیداوار اگانا' زمین کے خزانوں کا اس کے پیچھے لگنا' ایک نوجوان کو قتل کر کے پھر زندہ کر دینا وغیرہ۔ ❸ حضرت لیث بن سعد اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر تم کسی کو پانی پر چلتے ہوئے اور ہواؤں میں اڑتے ہوئے دیکھو تو اسے ولی نہ سمجھ بیٹھنا جب تک کہ اس کے تمام اعمال وافعال قرآن وحدیث کے مطابق نہ پاؤ۔
اس سجدہ کا حکم زمین وآسمان کے تمام فرشتوں کو تھا۔ گو ایک جماعت کا قول یہ بھی ہے کہ صرف زمین کے فرشتوں کو یہ حکم تھا لیکن یہ ٹھیک نہیں قرآن کریم میں ہے: ﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّآ اِبْلِيْسَ﴾ ❹ یعنی ''ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔'' لہٰذا اول تو جمع کا صیغہ لانا پھر ﴿كُلُّهُمْ﴾ سے تاکید کرنا پھر ﴿اَجْمَعُوْنَ﴾ پھر صرف ابلیس کا استثنا کرنا' ان چاروں وجوہات کی بنا پر صاف ظاہر ہے کہ یہ حکم عام تھا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

حضرت آدم علیہ السلام کا اعزاز اور پیدائش حوا علیہا السلام: [آیت: ۳۵-۳۶] حضرت آدم علیہ السلام کی یہ ایک اور بزرگی بیان ہو رہی ہے کہ فرشتوں سے سجدہ کرانے کے بعد انہیں جنت میں رکھا اور ہر چیز کی رخصت دیدی۔ ابن مردویہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابوذر نے ایک مرتبہ حضور اکرم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں نبی بھی اور رسول بھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے آمنے سامنے بات چیت کی اور انہیں فرمایا کہ تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔'' ❺ عام مفسرین کا خیال ہے کہ آسمانی جنت میں انہیں بسایا گیا تھا لیکن معتزلہ اور قدریہ کہتے ہیں کہ یہ جنت زمین پر تھی۔ سورۂ اعراف میں اس کا بیان آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب اذا أسلم الصبی فمات...... ۱۳۵٤؛ صحیح مسلم، ۲۹۳۰۔
❷ صحیح مسلم: کتاب الفتن، باب ذکر ابن صیاد، ۲۹۳۲۔ ❸ صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب ذکر الدجال، ۷۱۲۲؛ صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب ذکر الدجال، ۲۹۳۷۔ ❹ ۱۵/ الحجر: ۳۰۔
❺ صحیح ابن حبان (الاحسان: ٦١٥٧ دوسرا نسخہ: ٦١٩٠) وسندہ صحیح۔

اس عبارت قرآنی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں رہنے سے پہلے حضرت حوا پیدا کی گئی تھیں۔ محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب وغیرہ علما سے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابلیس کی ڈانٹ ڈپٹ کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کا علم ظاہر کر کے پھر ان پر اونگھ ڈال دی گئی اور ان کی بائیں پسلی سے حضرت حوا کو پیدا کیا۔ جب آنکھ کھول کر حضرت آدم علیہ السلام نے انہیں دیکھا تو اپنے خون اور گوشت کی وجہ سے انس ومحبت دل میں پیدا ہوگئی۔ پھر پروردگار نے انہیں ان کے نکاح میں دیا اور جنت میں رہائش کا حکم عطا ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے جنت میں داخل ہو جانے کے بعد حضرت حوا پیدا کی گئیں۔ ابن عباس، ابن مسعود وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ابلیس کو جنت سے نکالنے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں جگہ دی گئی لیکن تن تنہا تھے اس وجہ سے ان کی نیند میں حضرت حوا کو ان کی پسلی سے پیدا کیا گیا۔ جاگ کر انہیں دیکھ کر پوچھنے لگے کہ تم کون ہو؟ اور کیوں پیدا کی گئی ہو؟ حضرت حوا نے فرمایا میں ایک عورت ہوں اور آپ کے ساتھ رہنے اور تسکین کا سبب بننے کے لئے پیدا کی گئی ہوں تو جھٹ سے فرشتوں نے پوچھا فرمایئے ان کا نام کیا ہے؟ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا حوا۔ انہوں نے کہا اس نام کی کیا وجہ؟ فرمایا اس لئے کہ یہ ایک زندہ سے پیدا کی گئی ہیں۔ وہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ اے آدم! اب تم اور تمہاری بیوی جنت میں آرام واطمینان سے رہو اور جو چاہو کھاؤ پیو۔

ایک خاص درخت سے روکنا یہ امتحان تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ انگور کی بیل تھی۔ کوئی کہتا ہے کہ گندم کا درخت تھا کسی نے سنبلہ کہا ہے کسی نے کھجور بتائی ہے کسی نے انجیر کہا ہے۔ کوئی کہتا ہے اس درخت کے کھانے سے انسانی حاجت ہوتی تھی جو جنت کے لائق نہیں۔ کوئی کہتا ہے اس درخت کا پھل کھا کر فرشتے ہمیشگی کی زندگی والے ہو جاتے تھے۔ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کوئی ایک درخت تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے روک دیا نہ قرآن سے تعیین ثابت ہوتی ہے نہ کسی صحیح حدیث سے اور مفسرین میں اختلاف ہے اور اس کے معلوم کر لینے سے کوئی اہم فائدہ اور نہ معلوم ہونے سے کوئی نقصان نہیں لہٰذا ہمیں اس میں محنت کی کیا ضرورت؟ اللہ تعالیٰ ہی کو اس کا بہتر علم ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ وغیرہ نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے اور ٹھیک بات بھی یہی معلوم ہوتی ہے ﴿عَنْهَا﴾ کی ضمیر کا مرجع بعض نے جنت کہا ہے اور بعض نے شجرہ ایک قراءت ﴿فَأَزَالَهُمَا﴾ بھی ہے تو معنی یہ ہوئے کہ اس جنت سے ان دونوں کو یک سو اور الگ کر دیا اور دوسرے معنی یہ ہوئے کہ اسی درخت کی وجہ سے شیطان نے انہیں بہلایا۔

زمین پر انسانی زندگی کا آغاز: لفظ عن سبب کے معنی میں بھی آیا ہے ﴿يُؤْفَكُ عَنْهُ﴾ [1] اس نافرمانی کی وجہ سے جنتی لباس وہ پاک مکان وہ نفیس روزی وغیرہ سب چھن گئے اور دنیا میں اتار دیئے گئے اور کہہ دیا گیا کہ اب تو زمین میں ہی تمہارے رزق وغیرہ ہیں قیامت تک یہیں پڑے رہو گے اور یہاں کا فائدہ حاصل کرتے رہو گے۔ سانپ کا اور ابلیس کا قصہ، ابلیس کس طرح جنت میں پہنچا، کس طرح وسوسہ ڈالا وغیرہ لمبے چوڑے قصے یہاں پر مفسرین نے نقل کئے ہیں لیکن وہ سب اسرائیلی روایات کا ڈھیر ہیں۔ تاہم ہم انہیں سورۂ اعراف میں بیان کریں گے کیونکہ اس واقعہ کا بیان وہاں کسی قدر تفصیل کے ساتھ ہے۔

ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ درخت چکھتے ہی جنتی لباس اتر گیا۔ اپنے آپ کو ننگا دیکھ کر ادھر ادھر دوڑنے لگے لیکن چونکہ قد طویل تھا اور سر کے بال لمبے تھے وہ ایک درخت میں اٹک گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! کیا مجھ سے بھاگتے ہو؟ عرض کیا نہیں، اے اللہ! میں تو شرمندگی سے منہ چھپائے پھرتا ہوں۔ [2] اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! میرے پاس سے چلے جاؤ۔ مجھے میری عزت کی قسم میرے پاس میرے نافرمان نہیں رہ سکتے۔ اگر اتنی مخلوق میں تم جیسی پیدا کروں کہ زمین بھر =

---

[1] ٥١/ الذاریات: ٩۔ [2] ابن ابی حاتم، ١/ ١٣٩۔ اس روایت میں قتادہ اور حسن مدلس راوی ہیں۔ لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

ترجمہ: (حضرت) آدم نے اپنے رب سے چند باتیں سیکھ لیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔[۳۷]

= جائے اور پھر وہ میری نافرمانی کریں تو یقیناً میں انہیں بھی نافرمانوں کے گھر میں پہنچا دوں۔ یہ روایت غریب ہے اور ساتھ ہی اس میں انقطاع بلکہ معضل بھی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام عصر کے بعد سے لے کر سورج کے غروب ہونے تک کی ایک ساعت ہی جنت میں رہے۔ ❶ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک ساعت ایک سوتیس سال کی تھی۔ ربیع بن انس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نویں یا دسویں ساعت میں حضرت آدم کا اخراج ہوا' ان کے ساتھ جنت کی ایک شاخ تھی اور جنت کے درخت کا ایک تاج سر پر تھا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہند میں اترے آپ کے ساتھ حجر اسود تھا اور جنتی درخت کے پتے تھے جو ہند میں پھیلا دیئے اور اس سے خوشبودار درخت پیدا ہوئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہند کے شہر دحنا میں اترے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ مکہ اور طائف کے درمیان اترے تھے۔ ❷ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام ہند میں اور مائی حوا جدہ میں اتریں اور ابلیس بصرہ سے چند میل کے فاصلہ پر دست میسان میں پھینکا گیا اور سانپ اصبہان میں۔ ❸ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حضرت آدم صفا پر اور حضرت حوا مروہ پر اترے۔ اترنے کے وقت ہاتھ گھٹنوں پر تھے اور سر جھکا ہوا تھا اور ابلیس انگلیوں میں انگلیاں ڈالے آسمان کی طرف نظریں جمائے اترا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام طریقے سکھا دیئے اور پھلوں کا توشہ دیا۔ ❹ ایک حدیث میں ہے کہ "تمام دنوں میں بہتر دن جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن حضرت آدم پیدا کئے گئے' اسی دن جنت میں داخل کئے گئے اور اسی دن نکالے گئے۔" ملاحظہ ہو صحیح مسلم اور نسائی۔ ❺

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ کی ناراضگی کی کئی وجوہ سے ڈانٹ ڈپٹ ہے۔ اول تو یہ سوچنا چاہیے کہ ذرا سی لغزش پر حضرت آدم علیہ السلام کو کس قدر سزا ہوئی کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ تم گناہوں پر گناہ کئے جاتے ہو اور جنت کے طالب ہو کیا تم بھول گئے کہ تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو محض ایک ہلکے سے گناہ پر جنت سے نکال دیا گیا۔ ہم تو یہاں دشمن کی قید میں ہیں۔ دیکھیں کب صحت وسلامتی کے ساتھ اپنے وطن پہنچیں۔ فتح موصلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں' ہم جنتی تھے ابلیس کی قید میں دنیا میں آ پڑے۔ اب سوائے غم ورنج کے یہاں کیا رکھا ہے؟ یہ قید و بند اسی وقت ٹوٹے گی جب کہ ہم وہیں پہنچ جائیں جہاں سے نکالے گئے ہیں۔

اگر کوئی معترض اعتراض کرے کہ جب آدم علیہ السلام آسمانی جنت میں تھے اور ابلیس راندہ درگاہ ہو چکا تھا تو پھر وہ وہاں کیسے پہنچا؟ تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ جنت زمین میں تھی لیکن اس کے علاوہ اور بھی بہت سے جواب ہیں کہ بطور اکرام کے اس کا داخل ہونا منع تھا نہ کہ بطور اہانت اور چوری کے۔ چنانچہ توراۃ میں ہے کہ وہ سانپ کے منہ میں بیٹھ کر جنت میں گیا اور یہ بھی جواب

---

❶ حاکم، ۲/ ۵٤۲، وسندہ حسن وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی۔ ❷ ابن ابی حاتم، ۱/ ۱۳۱۔ ❸ ابن ابی حاتم، ۱/ ۱۳۱۔ ❹ حدیث ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ حاکم، ۲/ ۵٤۳ واتحاف المہرۃ: ۱۰/ ۱۱۱، ح ۱۲۳۷۲ وسندہ حسن وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی۔ ❺ صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ، باب فضل یوم الجمعۃ، ۸۵٤؛ ترمذی، ٤۸۸؛ نسائی، ۱۳۷۳۔

ہے کہ وہ جنت میں نہیں گیا تھا بلکہ باہر ہی سے اس نے وسوسہ ڈالا تھا اور بعض نے کہا ہے کہ زمین سے ہی وسوسہ ان کے دل میں ڈالا۔ قرطبی رحمہ اللہ نے یہاں پر سانپوں کے بارے کی اور ان کے مار ڈالنے کے حکم کی احادیث بھی نقل کی ہیں جو بہت مفید اور باموقع ہیں۔

معافی کے کلمات: [آیت:۳۷] جو کلمات حضرت آدم علیہ السلام نے سیکھے تھے ان کا بیان خود قرآن میں موجود ہے: ﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ ❶ یعنی ''ان دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو یقیناً ہم نقصان والے ہو جائیں گے۔ اکثر بزرگوں کا یہی قول ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے احکام حج سیکھنا بھی مروی ہے۔ ❷ عبید بن عمیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ کلمات یہ تھے کہ انہوں نے کہا اے اللہ! جو خطا میں نے کی' آیا وہ میرے پیدا کرنے سے پہلے میری تقدیر میں لکھ دی گئی تھی یا میں نے خود اس کی ایجاد کی؟ جواب ملا کہ ایجاد نہیں کی بلکہ پہلے ہی لکھ رکھی تھی۔ اسے سن کر آدم علیہ السلام نے کہا اے اللہ! پھر مجھے بخشش اور معافی مل جائے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا اے اللہ کیا تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا اور مجھ میں اپنی روح نہیں پھونکی؟ میرے چھینکنے پر يَرْحَمُكَ اللّٰهُ نہیں کہا؟ کیا تیری رحمت غضب پر سبقت نہیں لے گئی؟ کیا میری پیدائش سے پہلے یہ خطا میری تقدیر میں نہیں تھی؟ جواب ملا کہ ہاں۔ یہ سب میں نے کیا ہے تو کہا پھر اے اللہ! میری توبہ قبول کر کے مجھے پھر جنت مل سکتی ہے یا نہیں؟ جواب ملا کہ ہاں۔ ❸ یہی وہ کلمات یعنی چند باتیں تھیں جو آپ علیہ السلام نے اللہ سے سیکھ لیں۔ ابن ابی حاتم کی ایک اور مرفوع روایت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا اے اللہ اگر میں توبہ کروں اور رجوع کروں تو کیا جنت میں پھر بھی جا سکتا ہوں؟ جوب ملا کہ ہاں۔ یہی معنی ہیں اللہ سے کلمات کی تلقین حاصل کرنے کے۔ لیکن یہ حدیث علاوہ غریب ہونے کے منقطع بھی ہے۔ بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ کلمات کی تفسیر ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا﴾ الخ کو اور ان سب باتوں کو شامل ہے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ وہ کلمات یہ ہیں: (اَللّٰهُمَّ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ اِنَّكَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ. اَللّٰهُمَّ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ. اَللّٰهُمَّ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَتُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ) قرآن کریم میں اور فرمایا ''کہ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے؟ اور جگہ ہے ''جو شخص کوئی برا کام کر گزرے یا اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے پھر توبہ استغفار کرے تو وہ دیکھ لے گا کہ اللہ اس کی توبہ کو قبول کرے گا اور اسے اپنے رحم و کرم میں لے لے گا۔'' اور ایک مقام پر فرمایا ﴿وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ ❹ ان سب آیات میں بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی فرمان ہے کہ وہ اللہ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرنے والا اور بہت بڑے رحم و کرم والا ہے۔'' اللہ تعالیٰ کے اس عام لطف و کرم۔ اس کے اس فضل و رحم کو دیکھو کہ وہ اپنے گنہگار بندوں کو بھی اپنے در سے محروم نہیں کرتا۔ سچ ہے اس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔ نہ اس سے زیادہ کوئی مہربان کرم کرنے والا' نہ اس سے زیادہ کوئی خطا بخشنے والا اور رحم و بخشش عطا فرمانے والا ہے۔

---

❶ ۷/ الاعراف:۲۳۔ ❷ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت نہیں۔
❸ الطبری، ۱/ ۵۴۳۔ ❹ ۲۵/ الفرقان:۷۱۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾

ع

ترجمہ: ہم نے کہا تم سب یہاں سے چلے جاؤ جب کبھی تمہارے پاس میری ہدایت پہنچے اس کی تابعداری کرنے والوں پر کوئی خوف وغم نہیں ہوگا۔[۳۸] اور جو انکار کر کے ہماری آیات کو جھٹلائیں وہ جہنمی ہیں اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔[۳۹] اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا مجھ ہی سے ڈرو۔[۴۰] اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جسے میں نے تمہاری کتابوں کی تصدیق میں نازل فرمایا ہے اور اس کے ساتھ تم ہی پہلے کافر نہ بنو اور میری آیات کو تھوڑی تھوڑی قیمت پر نہ بیچو اور صرف مجھ سے ڈرتے رہا کرو۔[۴۱]

انبیا کی پیروی سے ہی جنت ملے گی: [آیت:۳۸۔۴۱] جنت سے نکالتے ہوئے جو ہدایت حضرت آدم علیہ السلام حضرت حوا اور ابلیس کو دی گئی اس کا بیان یہاں ہو رہا ہے کہ کتابیں' انبیا اور رسول بھیجے جائیں گے' معجزات ظاہر کئے جائیں گے دلائل بیان فرمائے جائیں گے' راہ حق واضح کر دی جائے گی۔ آنحضرت محمد ﷺ بھی آئیں گے آپ ﷺ پر قرآن کریم بھی نازل فرمایا جائے گا اور جو اپنے زمانے کی کتابوں اور نبی کی تابعداری کرے گا اسے آخرت کے میدان میں کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ دنیا کے مال ومتاع نہ ہونے پر کوئی غم ہوگا۔ سورۂ طہٰ میں بھی یہی فرمایا گیا ہے کہ میری ہدایت کی پیروی کرنے والے نہ گمراہ ہوں گے نہ بد بخت و بے نصیب اور میری یاد سے منہ موڑنے والے دنیا کی تنگی اور آخرت کے اندھے پن کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ یہاں بھی فرمایا کہ انکار اور تکذیب کرنے والے ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ ابن جریر رحمہ اللہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''جو اصلی جہنمی ہیں انہیں تو جہنم میں نہ موت آئے گی اور نہ ہی زندگی ملے گی۔'' ہاں جن موحد متبع سنت لوگوں کو ان کی بعض خطاؤں پر جہنم میں ڈالا جائے گا یہ جل کر کوئلہ ہو کر مر جائیں گے اور پھر شفاعت سے نکال لیئے جائیں گے۔ صحیح مسلم میں بھی یہ حدیث ہے۔ ❶ دوسری دفعہ جو جنت سے نکل جانے کے حکم کو ذکر کیا گیا تو یہ اس لئے کہ یہاں دوسرے احکام بیان کرنے تھے اور بعض کہتے ہیں پہلی مرتبہ جنت سے آسمان اول پر اتار دیا گیا تھا دوبارہ آسمان اول سے زمین کی طرف اتارا گیا لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

بنی اسرائیل سے خطاب کہ کافر نہ بنو: ان آیات میں بنی اسرائیل کو اسلام قبول کرنے اور حضور ﷺ کی تابعداری کرنے کا حکم

❶ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب اثبات الشفاعة، ۱۸۵؛ ابن ماجة، ۴۳۰۹۔

ہو رہا ہے اور کس لطیف پیرایہ میں انہیں سمجھایا جاتا ہے کہ تم ایک پیغمبر کی اولاد میں سے ہو اور تمہارے ہاتھوں میں کتاب اللہ موجود ہے اور قرآن اس کی تصدیق کر رہا ہے پھر تمہیں نہ چاہیے کہ سب سے پہلے انکار تم ہی سے شروع ہو۔ اسرائیل نام تھا حضرت یعقوب علیہ السلام کا تو گویا ان سے کہا جاتا ہے کہ تم میرے صالح اور فرمانبردار بندے کی اولاد ہو۔ تمہیں چاہیے کہ اپنے جدامجد کی طرح حق کی تابعداری میں لگ جاؤ۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ تم سخی کے لڑکے ہو سخاوت میں آگے بڑھو' تم پہلوان کی اولاد ہو داد شجاعت دو' تم عالم کے بچے ہو علم میں کمال پیدا کرو۔ دوسری جگہ اس طرز کلام کو اسی طرح ادا کیا گیا ہے ﴿ذُرِّیَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا﴾ ❶ یعنی ''ہمارے شکر گزار بندے (حضرت) نوح علیہ السلام کے ساتھ جنہیں ہم نے ایک عالم گیری طوفان سے بچایا تھا یہ ان کی اولاد ہے۔''

ایک حدیث میں ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت سے حضور ﷺ نے دریافت کیا کہ ''تم نہیں جانتے کہ اسرائیل نام تھا (حضرت) یعقوب علیہ السلام کا؟'' وہ سب قسم کھا کر کہتے ہیں کہ واللہ یہ سچ ہے تو حضور ﷺ نے کہا ''اے اللہ تو گواہ رہ۔'' ❷ اسرائیل کے لفظی معنی عبداللہ کے ہیں۔ ❸ ان نعمتوں کو یاد دلایا جا رہا ہے جو قدرت کاملہ کی بڑی بڑی نشانیاں تھیں' مثلاً پتھر میں سے نہروں کا جاری کرنا من وسلوی اتارنا' فرعونیوں سے آزاد کرنا' ❹ انہی میں سے انبیا اور رسولوں کو مبعوث کرنا' ان میں سلطنت اور بادشاہی عطا فرمانا وغیرہ میرے وعدوں کو پورا کرو یعنی جو عہد میں نے تم سے لیا تھا کہ جب محمد ﷺ آئیں اور آپ ﷺ پر میری کتاب قرآن کریم اترے تو تم اس پر اور آپ ﷺ کی ذات پر ایمان لانا وہ تمہارے بوجھ ہلکے کریں گے اور تمہاری زنجیریں توڑ دیں گے اور تمہارے طوق اتار دیں گے اور میرا وعدہ بھی پورا ہو جائے گا کہ میں اس دین کے سخت احکام کے بدلے میں تمہیں اس آخرالزمان پیغمبر ﷺ کے ذریعہ تمہیں ایک آسان دین دوں گا۔ دوسری جگہ اس کا بیان اس طرح ہوتا ہے ﴿وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ﴾ ❺ یعنی ''اگر تم نمازوں کو قائم کرو گے' زکوۃ دیتے رہو گے' مجھے اچھا قرضہ دیتے رہو گے تو میں تمہاری برائیاں دور کر دوں گا اور تمہیں بہتی ہوئی نہروں والی جنت میں داخل کروں گا۔'' یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ توراۃ میں وعدہ کیا گیا تھا کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک ایسا عظیم الشان پیغمبر پیدا کروں گا جس کی تابعداری تمام مخلوق پر فرض کروں گا اور ان کے تابعداروں کو بخشوں گا۔ انہیں جنت میں داخل کروں گا اور بڑا اجر دوں گا۔ امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں بڑے بڑے انبیا علیہم السلام سے آپ ﷺ کے بارے میں پیشین گوئی نقل کی ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ بندوں کا عہد اسلام کو ماننا اور اس پر عمل کرنا تھا۔ ❻ اللہ تعالیٰ کا اپنے عہد کو پورا کرنا ان سے خوش ہونا اور جنت عطا فرمانا ہے۔ ❼ اور مجھ سے ڈرو کہ ایسا نہ ہو جو عذاب تم سے پہلے لوگوں پر نازل ہوئے کہیں تم پر بھی نہ آ جائے۔ اس لطیف پیرایہ کو بھی ملاحظہ فرمائیے کہ ترغیب کے بیان کے ساتھ ہی کس طرح ترہیب کے بیان کو ملا دیا۔ ترغیب وترہیب دونوں کو جمع کر کے اتباع حق اور نبوت محمد ﷺ کی دعوت دی گئی قرآن کریم کے ساتھ نصیحت حاصل کرنے اس کے بتائے ہوئے احکام کو ماننے اور اس کے منع کردہ کاموں سے رک جانے کی ہدایت کی گئی۔

اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ تم اس قرآن پر ایمان لاؤ جو تمہاری اپنی کتاب کی بھی تصدیق اور تائید کرتا ہے' جسے لے کر وہ

❶ ١٧/ الاسرآء:٣۔ ❷ مسند الطیالسی، ٢٧٣١ دوسرا نسخہ ٢٨٥٤، وسندہ حسن۔ ❸ الطبری، ١/ ٥٥٣۔
❹ الطبری، ١/ ٥٥٦۔ ❺ ٥/ المآئدۃ:١٢۔ ❻ الطبری، ١/ ٥٥٨۔ ❼ ابن ابی حاتم، ١/ ١٤٣۔

نبی آئے ہیں جو امی ہیں' جو عربی ہیں' جو بشیر ہیں' جو نذیر ہیں' سراج منیر ہیں' جن کا اسم مبارک محمد ﷺ ہے۔ جو توراۃ وانجیل کی تصدیق کرنے والے اور حق کو پھیلانے والے ہیں۔ چونکہ تورات وانجیل میں بھی آپ ﷺ کا ذکر تھا تو آپ ﷺ کا تشریف لانا توراۃ کی سچائی کی دلیل تھی' اس لئے کہا گیا کہ وہ تمہارے ہاتھوں کی چیزوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ باوجودیکہ تمہیں علم ہے پھر تم ہی اس کے پہلے منکر نہ بنو۔ بعض کہتے ہیں ﴿بِهٖ﴾ کی ضمیر کا مرجع قرآن ہے اور پہلے آ بھی چکا ہے۔ ﴿بِمَآ اَنْزَلْتُ﴾ اور دونوں قول درحقیقت سچے اور ایک ہی ہیں۔ قرآن کو ماننا رسول کو ماننا ہے اور رسول کی تصدیق قرآن کی تصدیق ہے۔ پہلے کافر کا مطلب بنی اسرائیل کے پہلے کافر ہیں' کیونکہ کفار قریش بھی انکار اور کفر کر چکے تھے تو اب بنی اسرائیل کا انکار اہل کتاب میں سے پہلی جماعت کا انکار تھا اس لئے انہیں اول کافر کہا گیا ان کے پاس وہ علم تھا جو دوسروں کے پاس نہ تھا۔ میری آیات کے بدلے تھوڑا مول نہ لو یعنی دنیا کے بدلے جو قلیل اور فانی ہے میری آیات پر ایمان لانا اور میرے رسول ﷺ کی تصدیق کرنا نہ چھوڑو اگرچہ ساری کی ساری دنیا بھی مل جائے پھر بھی وہ آخرت کے مقابلہ میں تھوڑی اور بہت تھوڑی ہے اور یہ خود ان کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔

دینی تعلیم پر اجرت لینا کیسا ہے؟ سنن ابوداود میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''جو شخص اس علم کو جس سے اللہ کی رضامندی حاصل ہوتی ہے اس لئے سیکھے کہ اس سے دنیا کمائے وہ قیامت کے روز جنت کی خوشبو تک نہ پائے گا۔'' ❶ علم سکھانے کی اجرت بغیر مقرر کئے ہوئے لینا جائز ہے۔ اس طرح علم سکھانے والے علما کو بیت المال سے لینا بھی جائز ہے تاکہ وہ خوش حال رہ سکیں اور اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ اگر بیت المال سے کچھ مال نہ ملتا ہو اور علم سکھانے کی وجہ سے کوئی کام دھندا بھی نہ کر سکتے ہوں تو پھر اجرت مقرر کر کے لینا بھی جائز ہے۔ امام مالک' امام شافعی' امام احمد' اور جمہور علما رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اجرت مقرر کر کے لی اور ایک سانپ کے کاٹے ہوئے شخص پر قرآن پڑھ کر دم کیا۔ جب حضور ﷺ کے سامنے یہ قصہ پیش ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ)) یعنی ''جن چیزوں پر تم اجرت لو ان سب میں زیادہ حقدار چیز کتاب اللہ ہے۔'' ❷ دوسری مطول حدیث میں ہے کہ ایک شخص کا نکاح ایک عورت سے آپ ﷺ کر دیتے ہیں اور فرماتے ہیں: ((زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ)) ''میں نے اس کو تیری زوجیت میں دیا اس مہر پر کہ جو قرآن تجھے یاد ہے تو اسے یاد کرا دے۔'' ❸

ابوداود رحمہ اللہ کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اہل صفہ میں سے کسی کو کچھ قرآن سکھایا۔ اس نے اسے ایک کمان بطور ہدیہ کے دی۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تجھے آگ کی کمان لینی ہے تو اسے لے' چنانچہ اس نے اسے چھوڑ دیا۔'' ❹ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی ایک مرفوع حدیث مروی ہے۔ ❺ ان دونوں =

---

❶ ابوداود، کتاب العلم، باب فی طلب العلم لغیر اللّٰه، ٣٦٦٤؛ ابن ماجة، ٢٥٢۔ وسنده حسن وصححه ابن حبان (٨٩) والحاکم (١/ ٨٥) والذهبی۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب الطب، باب الشروط فی الرقیة بفاتحة الکتاب، ٥٧٣٧۔

❸ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الصداق وجواز کونه تعلیم القرآن، ٥١٤٩؛ صحیح مسلم، ١٤٢٥۔

❹ ابوداود، کتاب البیوع، باب فی کسب المعلم، ٣٤١٦ وسنده حسن، بیهقی، ٦/ ١٧٥؛ حاکم، ٢/ ٤١، ٤٢۔

❺ ابن ماجه، ٢١٥٨ وسنده ضعیف۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۝

ترجمہ: حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کیا کرو اور نہ حق کو چھپاؤ، تمہیں تو خود اس کا علم ہے۔[۴۲] اور نمازوں کو قائم رکھا کرو اور زکوۃ دیتے رہا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیا کرو۔[۴۳]

= احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے خالص اللہ کے واسطے کی نیت سے سکھایا پھر اس پر تحفہ ہدیہ لے کر اپنے ثواب کو ختم کرنے کی کیا ضرورت ہے اور جب کہ شروع ہی سے اجرت پر تعلیم دی ہے تو پھر بلا شک وشبہ جائز ہے جیسے اوپر کی دونوں احادیث میں بیان ہو چکا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

صرف اللہ سے ڈرنے کا کیا مقصد: صرف اللہ ہی سے ڈرنے کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کی رحمت کی امید پر اس کی عبادت واطاعت میں لگا رہے اور اس کے عذابوں سے ڈر کر اس کی نافرمانیوں کو چھوڑ دے اور دونوں حالتوں میں اپنے رب کی طرف سے دیئے گئے نور پر گامزن رہے۔ غرض اس جملہ سے انہیں خوف دلایا گیا کہ وہ دنیاوی لالچ میں آ کر حضور کی نبوت کی تصدیق کو جو ان کی کتابوں میں ہے نہ چھپائیں اور دنیوی ریاست کے طمع پر آپ ﷺ کی مخالفت پر آمادہ نہ ہوں بلکہ رب سے ڈر کر حق کا اظہار کرتے رہیں۔

حق کو چھپانا یہود کی خصلت ہے: [آیت: ۴۲۔۴۳] یہودیوں کی اس بدخصلت پر ان کو تنبیہ ہو رہی ہے کہ وہ باوجود جاننے کے کبھی تو حق وباطل کو گڈمڈ کر دیا کرتے تھے کبھی حق کو چھپا لیا کرتے تھے، کبھی باطل کو ظاہر کیا کرتے تھے تو انہیں ان کی ان ناپاک عادتوں کو چھوڑنے کا کہا گیا ہے اور حق کو ظاہر کرنے اور اسے کھول کھول کر بیان کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے کہ حق وباطل اور سچ اور جھوٹ کو آپس میں نہ ملاؤ اور اللہ کے بندوں کی خیر خواہی کرو۔ یہودیت ونصرانیت کی بدعات کو اسلام کی تعلیم کے ساتھ نہ ملاؤ۔ رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئیاں جو تم اپنی کتابوں میں پاتے ہو انہیں عوام الناس سے نہ چھپاؤ۔ ﴿تَكْتُمُوْا﴾ مجزوم بھی ہو سکتا ہے اور منصوب بھی، یعنی اسے اور اسے جمع نہ کرو۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں تَكْتُمُوْنَ بھی ہے، یہ حال ہو گا اور اس کے بعد کا جملہ بھی حال ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ حق کو حق جانتے ہوئے ایسی بے حیائی نہ کرو۔ اور یہ بھی معنی ہیں کہ باوجود علم کے کہ اس کو چھپانے اور باطل کے ساتھ ملانے کا کیسا عذاب ہو گا پھر بھی افسوس کہ تم اس بدکرداری پر آمادہ نظر آتے ہو۔ پھر انہیں حکم دیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ نمازیں پڑھو اور آپ ﷺ کو زکوۃ بھی دیا کرو اور امت محمد (ﷺ) کے ساتھ رکوع وسجود میں شامل رہا کرو، انہی میں مل جاؤ اور خود بھی آپ ﷺ ہی کی امت بن جاؤ۔ ❶ اطاعت واخلاص کو بھی زکوۃ کہتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں۔ زکوۃ دو سو درہم پر پھر اس سے زیادہ رقم پر واجب ہوتی ہے۔ نماز وزکوۃ فرض وواجب ہیں، ان کے بغیر اعمال غارت ہیں۔ زکوۃ سے بعض لوگوں نے فطرہ بھی مراد لیا ہے۔ رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو، سے مراد یہ ہے کہ اچھے اعمال میں ایمانداروں کا ساتھ دو اور ان میں بہترین چیز نماز ہے۔ اس آیت سے اکثر علما نے نماز باجماعت کے فرض ہونے پر بھی استدلال کیا ہے اور یہاں پر امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے مسائل جماعت کو بسط سے بیان فرمایا ہے۔

❶ الکشاف، ۱/ ۱۳۳۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: کیا لوگوں کو بھلائیوں کا حکم کرتے ہو؟ اور خود اپنے تئیں بھول جاتے ہو باوجودیکہ تم کتاب کو پڑھتے ہو کیا اتنی بھی تم میں سمجھ نہیں؟[۴۴]

دوسروں کو نصیحت اور خود میاں فضیحت: [آیت:۴۴] یعنی اے اہل کتاب! باوجود اس علم کے جو " کہے اور نہ کرے " اس پر کتنا عذاب ہے پھر تم خود ایسا کیوں کرنے لگے ہو؟ جیسا دوسروں کو تقویٰ طہارت اور پاکیزگی سکھاتے ہو خود بھی تو اس کے عامل بن جاؤ۔ لوگوں کو روزے نماز کا حکم دینا اور خود اس کے پابند نہ ہونا یہ تو بڑی شرم کی بات ہے۔ دوسروں کو کہنے سے پہلے انسان کو خود عامل ہو جانا چاہیے یہ بھی معنی ہیں کہ تم دوسروں کو تو اپنی کتاب کے ساتھ کفر کرنے سے روکتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے اس نبی ﷺ کو جھٹلا کر تم خود اپنی ہی کتاب کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو؟ یہ بھی مطلب ہے کہ دوسروں کو اس دین اسلام کے قبول کرنے کے لئے کہتے ہو مگر دنیاوی ڈر اور خوف سے خود قبول نہیں کرتے۔

واعظین اور مبلغین کے لئے ہدایات: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انسان پورا سمجھدار نہیں ہو سکتا جب تک کہ لوگوں کو اللہ کے خلاف کرتے ہوئے دیکھ کر ان کا دشمن نہ بن جائے اور اپنے نفس کا ان سے بھی زیادہ۔ ان لوگوں کو اگر رشوت وغیرہ نہ ملتی تو حق بتا دیتے لیکن خود عامل نہ تھے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی۔ یہاں پر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اچھی چیز کا حکم دینے پر انکی برائی نہیں کی گئی بلکہ خود نہ کرنے پر برائی بیان کی گئی ہے۔

اچھی بات کو کہنا تو خود اچھائی بلکہ یہ تو واجب ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ انسان کو خود بھی اس پر عمل کرنا چاہیے جیسے حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ﴾ ❶ یعنی " میں ایسا نہیں ہوں کہ تمہیں روکوں اور خود کروں۔ میرا ارادہ تو اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کا ہے میری توفیق اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہے میرا بھروسہ اسی پر ہے اور میری رغبت و رجوع بھی اسی کی طرف ہے۔" پس نیک کاموں کا حکم کرنا بھی واجب اور خود کرنا بھی واجب ہے ایک واجب نہ کرنے سے دوسرا واجب چھوڑنا نہیں چاہیے۔ علمائے سلف وخلف کا بھی قول یہی ہے گو بعض لوگوں کا ایک قول یہ بھی ہے کہ برائیاں کرنے والا دوسروں کو اچھائیوں کا حکم نہ دے' لیکن یہ قول صحیح نہیں پھر ان حضرات کا اس آیت سے دلیل پکڑنا تو بالکل ہی درست نہیں بلکہ صحیح یہی ہے کہ بھلائی کا حکم کرے' برائی سے روکے' اور خود بھی کرے اور رکے۔ اگر دونوں چھوڑے گا تو دوہرا گنہگار ہوگا اور ایک کے ترک پر اکہرا۔

طبرانی کی معجم کبیر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " جو عالم لوگوں کو بھلائی سکھائے اور خود عمل نہ کرے اس کی مثال چراغ جیسی ہے کہ لوگ اس کی روشنی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں لیکن وہ خود جل رہا ہے۔" ❷ یہ حدیث غریب ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: " معراج والی رات میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ تو کہا گیا کہ یہ آپ ﷺ کی امت کے خطیب اور واعظ و عالم ہیں جو لوگوں کو بھلائی سکھاتے تھے مگر خود نہیں کرتے تھے' باوجود علم کے سمجھ نہیں رکھتے تھے۔" دوسری حدیث میں ہے کہ " ان کی زبانیں اور ہونٹ دونوں کاٹے

❶ ۱۱/ ھود:۸۸۔ ❷ المعجم الکبیر للطبرانی، ۱/ ۱٦٦، ۱٦۸۱؛ مجمع الزوائد، ۱/ ۱۸٤، الترغیب، ۱/ ۱۰۳، ۷۱۸، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو جید قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الصحيحة، ۷/ ۱۱۳۳) اس کی سند اعمش کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے اور اس کے ضعیف شواہد بھی ہیں۔

جار ہے تھے‘‘ ❶ یہ حدیث صحیح ہے۔ ابن حبان‘ ابن ابی حاتم‘ ابن مردویہ وغیرہ میں یہ حدیث موجود ہے۔

ابووائل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کچھ کہتے نہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ کیا میں ان کو لوگوں کے سامنے علی الاعلان کہوں تب ہی کہنا ہوگا میں تو انہیں پوشیدہ طور سے ہر وقت کہتا رہتا ہوں لیکن میں کسی کام کو پھیلانا نہیں چاہتا‘ اللہ کی قسم میں کسی شخص کو سب سے افضل نہیں کہوں گا اس لئے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ’’ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈالا جائے گا اس کی آنتیں نکل آئیں گی اور وہ اس کے اردگرد چکر کھاتا رہے گا اور جہنمی جمع ہو کر اس سے پوچھیں گے کہ حضرت! آپ تو ہمیں اچھی باتوں کا حکم کرنے والے اور برائیوں سے روکنے والے تھے‘ یہ آپ کی کیا حالت ہے؟ وہ کہے گا افسوس میں تمہیں کہتا تھا اور خود نہیں کرتا تھا میں تمہیں روکتا تھا لیکن خود نہیں رکتا تھا۔‘‘ مسند احمد ❷ بخاری و مسلم میں بھی یہ روایت ہے۔ ❸

مسند کی ایک اور حدیث ہے کہ ’’اللہ تعالیٰ ان پڑھ لوگوں سے اتنا درگزر کرے گا جتنا اہل علم سے نہیں کرے گا۔‘‘ ❹ بعض آثار میں یہ بھی وارد ہے کہ عالم کو ایک دفعہ بخشا جائے تو عامی کو ستر دفعہ بخشا جاتا ہے۔ ❺ عالم جاہل یکساں نہیں ہو سکتے۔ قرآن کریم میں ہے: ﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ ❻ ’’جاننے والے اور انجان برابر نہیں‘ نصیحت صرف عقل مند لوگ ہی حاصل کر سکتے ہیں۔‘‘ ابن عساکر میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ’’جنتی لوگ جہنمیوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ تمہاری نصیحتیں سن سن کر ہم تو جنتی ہو گئے۔ یہ تم جہنم میں کیوں آ پڑے؟ وہ کہیں گے افسوس ہم تمہیں کہتے تھے لیکن خود نہیں کرتے تھے۔‘‘ ❼

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے کہا کہ حضرت میں لوگوں کو بھلائیوں کا حکم کرنا اور برائیوں سے روکنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا تم اس درجہ تک پہنچ گئے ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا اگر تم ان تین آیات کی فضیحت سے نڈر ہو گئے ہو تو شوق سے وعظ شروع کرو۔ اس نے پوچھا وہ تین آیات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک تو ﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾ کیا تم لوگوں کو بھلائیوں کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھولے جا رہے ہو؟ دوسری آیت ﴿لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝﴾ ❽ ’’کیوں تم وہ کہتے ہو جو خود نہیں کرتے؟ اللہ کے نزدیک یہ بڑی ناپسندیدہ بات ہے کہ تم وہ کہو جو خود نہ کرو۔‘‘ تیسری آیت حضرت شعیب علیہ السلام کا فرمان ﴿وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ﴾ ❾ یعنی ’’میں جن کاموں سے تمہیں منع کرتا ہوں ان میں تمہاری مخالفت کرنا نہیں چاہتا‘ میرا ارادہ صرف اپنی طاقت بھر اصلاح کرنا ہے۔‘‘ کہو تم ان تینوں آیات سے بے خوف ہو؟ اس نے کہا نہیں فرمایا پھر تم اپنے نفس سے شروع کرو (تفسیر ابن مردویہ) ایک ضعیف حدیث طبرانی میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ’’جو لوگوں کو کسی قول و فعل کی طرف بلائے اور خود نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے غضب و غصہ میں رہتا ہے یہاں تک =

---

❶ احمد، ۳/ ۱۲۰، وسندہ ضعیف وللحدیث شواهد۔ ❷ احمد، ۵/ ۲۰۵، وهو صحیح۔

❸ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة النار وانها مخلوقة، ۳۲۶۷؛ صحیح مسلم، ۲۹۸۹۔

❹ حلیة الاولیاء، ۹/ ۲۲۲ والسند ظاهره الصحة ولکنه منکر قال الامام احمد۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے منکر روایت قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الضعیفة، ۳۱۵٤) ❺ مرفوعات میں اس کی کوئی اصل نہیں، بے اصل ہے۔ ❻ ۳۹/ الزمر: ۹۔

❼ طبرانی، ۲۲/ ۱۵۰ اس کی سند میں عبداللہ بن حکیم الداھری ضعیف (المیزان ۲/ ٤۱۰، رقم: ٤۲۷٦) جبکہ شعبی اور ولید کے درمیان انقطاع ہے اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (ضعیف الترغیب، ۱۳۹٦) لہٰذا یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

❽ ٦۱/ الصف: ۲، ۳۔ ❾ ۱۱/ هود: ۸۸۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَي الْخٰشِعِيْنَ ۝ۙ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّھُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ۧ

ترجمہ: اور صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو یہ بڑی چیز ہے مگر ڈر رکھنے والوں پر۔[۴۵] جو جانتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے اور اسکی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔[۴۶]

= کہ وہ خود بھی عمل کرنے لگ جائے۔" ❶ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما والی ان تینوں آیات کو پیش کر کے فرمایا ہے کہ میں ان کی وجہ سے قصہ گوئی پسند نہیں کرتا۔

صبر کیا ہے؟ [آیت: ۴۵-۴۶] اس آیت میں حکم فرمایا جاتا ہے کہ تم دنیا اور آخرت کے کاموں پر نماز اور صبر کے ساتھ مدد طلب کیا کرو' فرائض کو بجالاؤ اور نماز کو ادا کرتے رہو۔ روزہ رکھنا بھی صبر کرنا ہے اور اسی لئے رمضان کو صبر کا مہینہ کہا گیا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: "روزہ آدھا صبر ہے۔" ❷ صبر سے مراد گناہوں سے رک جانا بھی ہے اس آیت میں اگر صبر سے یہ مراد لی جائے تو برائیوں سے رکنا اور نیکیاں کرنا دونوں کا بیان ہو گیا' نیکیوں میں سب سے اعلیٰ چیز نماز ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صبر کی دو قسمیں ہیں' مصیبت کے وقت صبر اور گناہوں کے کرنے سے صبر اور یہ صبر پہلے صبر سے زیادہ اچھا ہے۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انسان کا ہر چیز کو اللہ کی طرف سے ہونے کا اقرار کرنا' ثواب کی طلب کرنا اللہ تعالیٰ کے پاس مصیبتوں کے اجر کا ذخیرہ سمجھنا یہ صبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے کام پر صبر کرو اور اسے بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سمجھو۔ نیکیوں کے کاموں پر نماز سے بڑی مدد ملتی ہے۔ خود قرآن میں ہے ﴿اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ ❸ "نماز کو قائم رکھ یہ تمام برائیوں اور بدیوں سے روکنے والی ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔"

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو کوئی کام مشکل اور غم میں ڈال دیتا تو آپ ﷺ نماز پڑھا کرتے فوراً نماز میں لگ جاتے۔ ❹ چنانچہ خندق کے موقعہ پر رات کے وقت جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوتے ہیں تو آپ ﷺ کو نماز میں پاتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر کی رات میں نے دیکھا کہ ہم سب سو گئے تھے مگر اللہ کے رسول اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ ساری رات نماز میں مشغول رہے اور صبح تک نماز اور دعا میں لگے رہے۔ ❺ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ بھوک کے مارے پیٹ کے درد سے بیتاب ہو رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان سے (فارسی

---

❶ مجمع الزوائد، ۷/ ۲۷٦، وهو ضعيف اس کی سند میں عبداللہ بن خراش جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔ دیکھئے (المیزان ۲/ ٤۱۳، رقم: ٤۲۸۷) ❷ ترمذی، کتاب الدعوات، باب التسبيح نصف؛ الميزان، ۳۵۱۹؛ احمد ٤/ ۲٦۰؛ ابن ماجه ۱۷٤۵ وسنده ضعيف اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ الربذی ضعیف راوی ہے (المیزان ٤/ ۲۱۳ رقم: ۸۸۹۵) اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (ضعیف الترغیب، ۹٤٤) ❸ ۲۹/ العنكبوت: ٤۵۔ ❹ ابوداود، کتاب الصلاة، باب وقت قيام النبی ﷺ من الليل، ۱۳۱۹ وسنده ضعيف اس کی سند میں محمد بن عبداللہ مجہول الحال ہے مگر اس کا شاہد صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ کی صحیح سند والی حدیث مسند احمد، ۳۱/ ۷٦۸، عمل اليوم والليلة للنسائی ٦۱٤، ابن حبان، ۱۹۸۵، میں موجود ہے اور اس سے بے نیاز کر دیتی ہے۔
❺ احمد، ۱/ ۱۲۵، وسنده صحيح ۱۳۸؛ ابن حبان، ۱٤۰۸؛ ابن خزيمه، ۸۹۹۔

زبان میں)'' دریافت فرمایا کہ ''درد شکم داری'' کیا تمہارے پیٹ میں درد ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اٹھو نماز شروع کردو اس میں شفا ہے۔'' ❶ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو سفر میں اپنے بھائی حضرت قثم رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر ملتی ہے تو آپ اِنَّا لِلّٰهِ پڑھ کر راستے سے ایک طرف ہٹ کر اونٹ بٹھا کر نماز شروع کر دیتے ہیں اور بہت لمبی نماز ادا کرتے ہیں پھر اپنی سواری کی طرف جاتے ہیں اور اس آیت کو پڑھتے ہیں۔ غرض ان دونوں چیزوں صبر وصلوٰۃ سے اللہ کی رحمت میسر ہوتی ہے۔

﴿اِنَّهَا﴾ کی ضمیر کا مرجع بعض لوگوں نے تو صلوٰۃ یعنی نماز کو کہا ہے بعض کہتے ہیں کہ مدلول کلام یعنی وصیت اس کا مرجع ہے جیسے قارون کے قصہ میں ﴿وَلَا يُلَقّٰهَا﴾ کی ضمیر اور برائی کے بدلے بھلائی کرنے کے حکم میں ﴿وَمَا يُلَقّٰهَا﴾ کی ضمیر۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کام صبر وصلوٰۃ ہر شخص کے بس کی چیز نہیں یہ حصہ ڈر اور خوف رکھنے والی جماعت کا ہے یعنی قرآن کے ماننے والے سچے مؤمن کا پنے والے متواضع اطاعت کی طرف جھکنے والے وعدے وعید کو سچا ماننے والے ہی اس وصف سے موصوف ہوتے ہیں' جیسے حدیث میں ایک سائل کے سوال پر حضور ﷺ نے فرمایا تھا: ''یہ بڑی چیز ہے لیکن جس پر اللہ کی مہربانی ہو آسان ہے۔'' ❷ ابن جریر رحمہ اللہ نے آیت کے معنی کرتے ہوئے اسے بھی یہودیوں کے خطاب میں رکھا ہے۔ لیکن ظاہر بات یہ ہے کہ گو یہ بیان میں انہی کے ہے لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ آگے چل کر ﴿خَاشِعِيْنَ﴾ کی صفت ہے اس میں ظن معنی میں یقین کے ہے گو ظن شک کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے کہ سدفہ اندھیرے کے معنی میں بھی آتا ہے اور روشنی کے معنی میں بھی۔ اور صارخ کا لفظ فریاد رس اور فریاد کن دونوں پر بولا جاتا ہے۔ اور اسی طرح کے بہت سے نام ہیں جو ایسی دو مختلف چیزوں پر بولے جاتے ہیں۔ ظن یقین کے معنی میں عرب شعرا کے شعروں میں بھی آیا ہے۔ خود قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿وَرَاَى الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا﴾ ❸ یعنی ''گنہگار جہنم کو دیکھ کر یقین کر لیں گے کہ اب ہم اس میں جھونک دیئے جائیں گے'' یہاں بھی ظن یقین کے معنی میں ہے بلکہ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں ایسی ہر جگہ ظن کا لفظ یقین اور علم کے معنی میں ہے۔ ابو العالیہ رحمہ اللہ بھی یہاں ظن کے معنی یقین کے کرتے ہیں۔ حضرت مجاہد، سدی ربیع بن انس، قتادہ' ابن جریج رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ قرآن میں اور جگہ ﴿اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ۝﴾ ❹ یعنی ''مجھے یقین تھا کہ مجھے حساب سے دوچار ہونا ہے۔''

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ ''قیامت کے دن ایک گنہگار بندے سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں نے تجھے بیوی بچے نہیں دیئے تھے؟ کیا تجھ پر طرح طرح کے انعامات نہیں کیے تھے؟ کیا تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کیے تھے؟ کیا تجھے راحت و آرام' کھانا پینا میں نے نہیں دیا تھا؟ یہ کہے گا ہاں پروردگار یہ سب کچھ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تیرا علم و یقین اس بات پر نہ تھا کہ تو مجھ سے ملنے والا ہے؟ یہ کہے گا ہاں اے اللہ! میں اسے نہیں مانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ بس تو جیسا مجھے بھول گیا تھا ایسا ہی آج میں تجھے بھلا دوں گا۔'' ❺ اس حدیث میں بھی لفظ ظن کا ہے اور معنی میں یقین کے ہے۔ اس کی مزید تحقیق و تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ ﴿نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ﴾ ❻ (سورۂ حشر) کی تفسیر میں آگے آئے گی۔

---

❶ احمد، ۲/ ۴۰۳؛ ابن ماجة، ۳۴۵۸، وسنده ضعیف اس کی سند میں ذواد بن علیہ ضعیف (المیزان ۲/ ۳۲، رقم: ۲۶۹۷) اور لیث بن ابی سلیم مختلط راوی ہے۔ (التقریب: ۲/ ۱۳۸) ❷ ترمذی، ابواب الایمان، باب ما جاء فی حرمة الصلاة، ۲۶۱۶؛ ابن ماجة، ۳۹۷۳، وهو حسن وقال الترمذی: حسن صحیح شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (صحیح ترمذی، ۲۱۱۰)

❸ ۱۸/ الکهف:۵۳۔ ❹ ۶۹/ الحاقة:۲۰۔

❺ صحیح مسلم، کتاب الزهد، باب الدنیا سجن المؤمن...... ۷۴۳۸۔ ❻ ۵۹/ الحشر:۱۹۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۷

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَـيْــــًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا ھُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝۴۸

ترجمہ: اے اولاد یعقوب! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی۔[۴۷] اس دن سے ڈرتے رہو جب کوئی کسی کو نفع نہ دے سکے گا اور نہ شفاعت اور نہ سفارش قبول ہوگی اور نہ کوئی بدلہ اور فدیہ لیا جائے گا اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے۔[۴۸]

بنی اسرائیل اور ان کے آباء واجداد پر انعامات: [آیت:۴۷۔۴۸] بنی اسرائیل کے آباؤ اجداد کو جو نعمتیں دی گئی تھیں۔ اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان میں سے رسول ہوئے ان پر کتابیں اتریں اور ان کے زمانے کے اور لوگوں پر انہیں مرتبہ دیا جیسے فرمایا ﴿وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰي عِلْمٍ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ ❶ یعنی ''انہیں ان کے زمانہ کے (اور لوگوں پر) ہم نے علم میں فضیلت دی۔'' ❷ اور جگہ فرمایا ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَاۗءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ڰ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ ❸ یعنی ''موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر انعام کی ہے۔ تم میں اس نے پیغمبر بنائے تمہیں بادشاہ بنایا اور وہ دیا جو تمام زمانہ کو نہیں دیا۔'' تمام لوگوں پر فضیلت ملنے سے مراد ان کے زمانہ کے تمام دوسرے لوگ ہیں اس لئے کہ امت محمد یہ ان سے یقیناً افضل ہے۔ اس امت کی نسبت فرمایا گیا ہے ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ﴾ ❹ تم بہتر امت ہو جو لوگوں کے لئے بنائی گئی ہو تم بھلائیوں کا حکم کرنے والے اور برائیوں سے روکنے والے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔ مسانید اور سنن میں مروی ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں ''تم سترویں امت ہو اور سب سے بہتر اور بزرگ ہو۔'' ❺ اس قسم کی اور بہت سی احادیث کا ذکر ان شاءاللہ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ﴾ ❻ کی تفسیر میں آئے گا اور کہا گیا ہے کہ تمام لوگوں پر ایک خاص قسم کی فضیلت مراد ہے جس سے ہر قسم کی فضیلت لازم نہیں آتی۔ رازی رحمہ اللہ نے یہی کہا ہے مگر یہ غور طلب بات ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی فضیلت اور تمام امتوں پر ہے اس لیے کہ انبیائے کرام علیہم السلام انہی میں سے ہوتے چلے آئے۔ لیکن اس میں بھی غور وخوض کی ضرورت ہے اس لئے کہ اس طرح کا عموم ان سے اگلے لوگوں کو بھی شامل ہے اور حقیقت میں پہلے انبیا ان میں سے نہ تھے جیسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جو ان سب کے بعد تھے جو تمام مخلوق سے افضل تھے اور جو تمام اولاد آدم کے سردار ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ۔

حشر میں کوئی سفارش اور فدیہ وغیرہ قبول نہیں ہوگا: نعمتوں کو بیان کر کے اب عذابوں سے ڈرایا جاتا ہے کہ کوئی کسی کو کچھ بھی

❶ ٤٤/ الدخان:٣٢۔ ❷ ابن ابی حاتم، ١/ ١٥٨۔ ❸ ٥/ المآئدۃ:٢٠۔ ❹ ٣/ آل عمران:١١٠۔

❺ احمد، ٤/ ٤٤٧؛ ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورۃ آل عمران، ٣٠٠١؛ ابن ماجة، ٤٢٨٨۔ وھو حدیث حسن وحسنه الترمذی شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھئے (صحیح ترمذی، ٢٣٩٩) ❻ ٣/ آل عمران:١١٠۔

فائدہ نہ دے گا۔ جیسے فرمایا ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ ❶ یعنی ''کسی کا بوجھ کسی پر نہ پڑے گا۔'' ایک مقام پر ہے۔ ﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ﴾ ❷ یعنی ''اس دن ہر شخص اپنی فکر میں پڑا ہوا ہوگا۔'' فرمایا اے لوگو! اپنے رب کا خوف کھاؤ اور اس دن سے ڈرو جس دن باپ بیٹے کو اور بیٹا باپ کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔ ﴿وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ﴾ ❸ یعنی ''کسی کافر کی نہ کوئی سفارش کرے نہ اس کی سفارش قبول ہے ان کفار کو سفارش کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہ دے گی۔'' اور جگہ اہل جہنم کا یہ مقولہ نقل کیا گیا ہے کہ افسوس آج ہمارا نہ کوئی سفارشی ہے اور نہ کوئی دوست۔ ایک اور مقام پر ہے فدیہ بھی نہ لیا جائے گا۔ ایک اور مقام پر ہے کہ جو لوگ کفر پر مر جاتے ہیں وہ اگر زمین بھر کر سونا دیں اور ہمارے عذابوں سے چھوٹنا چاہیں تو یہ بھی نہیں ہوسکتا۔ ایک اور مقام پر ہے کافروں کے پاس اگر تمام زمین کی چیزیں اور اسکے مثل اور بھی ہوں اور قیامت کے دن وہ اسے فدیہ دے کر عذابوں سے بچنا چاہیں تو بھی قبول نہ ہوگا اور دردناک عذابوں میں مبتلا رہیں گے۔ اور جگہ ہے گو وہ زبردست فدیہ دیں پھر بھی قبول نہیں ایک اور مقام پر ہے آج نہ تم سے بدلہ لیا جائے نہ کافروں سے۔ تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اسی کی آگ تمہاری وارث ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایمان بغیر صرف سفارش اور شفاعت کا آسرا بے کار محض ہے۔ قرآن کریم میں ہے ''اس دن سے پہلے نیکیاں کرلو جس دن نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی اور شفاعت۔'' اور جگہ ہے ﴿لَا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلَالٌ﴾ ❹ ''اس دن نہ بیع ہے نہ دوستی۔'' عدل کے معنی یہاں بدلے کے ہیں اور بدلہ اور فدیہ ایک ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ والی روایت میں شفاعت کے معنی نفل اور عدل کے معنی فریضہ مروی ہیں لیکن یہ قول یہاں غریب ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ یارسول اللہ! عدل کے کیا معنی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''فدیہ۔'' ❺ ''ان کی مدد بھی نہ کی جائے گی یعنی کوئی حمایتی نہ ہوگا' قرابتیں کٹ جائیں گی' جاہ و حشم جاتا رہے گا' کسی کے دل میں ان کی طرف سے رحم نہ رہے گا نہ خود ان میں کوئی قدرت و قوت رہے گی۔'' ایک اور مقام پر ہے ﴿وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ﴾ ❻ ''وہ پناہ دیتا ہے اور اس کی پکڑ سے نجات دینے والا کوئی نہیں۔'' اور جگہ ہے ''آج کے دن نہ اللہ کا سا کوئی عذاب کر سکے نہ اس کی سی قید و بند۔'' اور جگہ ہے ﴿مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ۝ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ﴾ ❼ ''تم آج کیوں ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟ بلکہ وہ سب کے سب آج گردن جھکائے تابع فرمان بنے کھڑے ہیں۔'' آیت میں ہے ﴿فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً﴾ ❽ الخ ''جن کی وہ اللہ کے سوا اللہ کی نزدیکی کے لئے پوجا پاٹ کرتے تھے آج وہ معبودان عابدوں کی مدد کیوں نہیں کرتے بلکہ وہ تو گم ہوگئے۔''

مطلب یہ ہے کہ محبتیں فنا ہوگئیں' رشوتیں کٹ گئیں' شفاعتیں مٹ گئیں' آپس کی امداد و نصرت ہٹ گئی۔ معاملہ اس عادل حاکم جبار و قہار اللہ تعالیٰ مالک الملک سے پڑا ہے جس کے ہاں سفارشیوں کی سفارشیں اور مددگاروں کی مدد کچھ کام نہ آئے بلکہ اپنی تمام برائیوں کا بدلہ بھگتنا پڑے' ہاں یہ اس کی کمال بندہ پروری اور رحم و کرم' انعام و اکرام ہے کہ گناہ کا بدلہ برابر دے اور نیکی کا بدلہ کم از کم دس گنا بڑھا دے۔ قرآن کریم میں ایک مقام پر ارشاد فرمایا ہے کہ انہیں ذرا ٹھہرا تا کہ ان سے ایک سوال کرلیا جائے کہ آج یہ ایک دوسرے کی مدد سے ہٹ کر اپنی فکر میں کیوں مشغول ہیں؟ بلکہ ہمارے سامنے گردن جھکائے اور تابع فرمان بنے کھڑے ہیں۔ ❾

---

❶ ۵۳/ النجم:۳۸۔ ❷ ۸۰/ عبس:۳۸۔ ❸ ۲/ البقرۃ:۴۸۔ ❹ ۱۴/ ابراھیم:۳۱۔
❺ الطبری، ۱/ ۷۶۹ اس کی سند مرسل یا معضل ہے یعنی ضعیف ہے۔ ❻ ۲۳/ المؤمنون:۸۸۔
❼ ۳۷/ الصافات:۲۵، ۲۶۔ ❽ ۴۶/ الاحقاف:۲۸۔ ❾ الطبری، ۱/ ۳۵۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ

يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ

فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

ترجمہ: اور جب ہم نے تمہیں فرعونوں سے نجات دی جو تمہیں بدترین عذاب کرتے تھے جو تمہارے لڑکوں کو مار ڈالتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ اس نجات دینے میں تمہارے رب کی بڑی مہربانی تھی۔ [۴۹] اور جب ہم نے تمہارے لئے دریا چیر دیا اور تمہیں اس سے پار کر دیا اور فرعونیوں کو تمہاری نظروں کے سامنے اس میں ڈبو دیا۔ [۵۰]

بنی اسرائیل پر مزید انعامات کا تذکرہ: [آیت: ۴۹۔۵۰] ان آیات میں فرمان باری تعالیٰ ہے کہ اے اولاد یعقوب! میری اس مہربانی کو بھی یاد رکھو کہ میں نے تمہیں فرعونیوں کے بدترین عذابوں سے چھٹکارا دیا۔ فرعون نے ایک خواب دیکھا تھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ بھڑکی جو مصر کے ہر قبطی کے گھر میں گھس گئی اور بنی اسرائیل کے مکانات میں وہ نہیں گئی، جس کی تعبیر یہ تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں فرعون کا غرور ٹوٹے گا اور اسے خدائی دعوے کی بدترین سزا ملے گی اس لئے اس ملعون نے چاروں طرف احکام جاری کر دیئے کہ بنی اسرائیل میں جو بچہ ہو سرکاری طور سے اس بات کا خیال رکھا جائے اگر لڑکا ہو تو فوراً مار ڈالا جائے اور اگر لڑکی ہو تو چھوڑ دی جائے اور بنی اسرائیل سے سخت بیگار لی جائے اور مشقت کے کاموں کا بوجھ ان پر ڈال دیا جائے۔

یہاں عذاب کی تفسیر لڑکوں کے مار ڈالنے سے کی گئی اور سورۂ ابراہیم میں ایک کا دوسرے پر عطف ڈالا جس کی پوری تشریح ان شاء اللہ تعالیٰ سورۂ ق کے شروع میں بیان کی جائے گی' اللہ تعالیٰ مضبوطی دے ہماری مدد فرمائے اور تائید کرے آمین۔ ﴿يَسُوْمُوْنَكُمْ﴾ کے معنی لگا دینے اور ہمیشگی کرنے کے آتے ہیں یعنی وہ برابر رکھ دیتے جاتے تھے۔ چونکہ اس آیت میں پہلے یہ فرمایا تھا میری انعام کی ہوئی نعمت کو یاد کرو اس لیے فرعونیوں کے عذاب کو تفسیر کے طور پر لڑکوں کے قتل کرنے سے بیان فرمایا۔ اور سورۂ ابراہیم کے شروع میں فرمایا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اس لئے وہاں عطف کے ساتھ بیان فرمایا تاکہ نعمتوں کی تعداد زیادہ ہو۔ یعنی متفرق عذابوں سے اور بچوں کے قتل ہونے سے تمہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں نجات دلوائی۔ مصر کے جتنے بادشاہ عمالیق وغیرہ کفار میں سے ہوئے تھے ان سب کو فرعون کہا جاتا تھا جیسے روم کے کافر بادشاہ کو قیصر اور فارس کے کافر بادشاہ کو کسریٰ اور یمن کے کافر بادشاہ کو تبع اور حبشہ کے کافر بادشاہ کو نجاشی اور ہند کے کافر بادشاہ کو بطلیموس۔ اس فرعون کا نام ولید بن مصعب بن ریان تھا۔ بعض نے مصعب بن ریان بھی کہا ہے۔ یہ عملیق بن اود بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد میں سے تھا۔ اس کی کنیت ابومرہ تھی۔ اصل میں اصطخر کے فارسیوں کی نسل میں سے تھا' اللہ کی پھٹکار اور لعنت اس پر نازل ہو۔

پھر فرمایا اس نجات دینے میں ہماری طرف سے ایک بڑی بھاری نعمت تھی۔ بَلَآءٌ کے اصل معنی آزمائش کے ہیں لیکن یہاں پر ابن عباس رضی اللہ عنہما' مجاہد' ابوالعالیہ' سدی رحمہم اللہ وغیرہ سے نعمت کے معنی منقول ہیں [1] امتحان اور آزمائش بھلائی برائی دونوں کے ساتھ ہوتی ہے لیکن بَلَوْتُهٗ بَلَاءً کا لفظ عموماً برائی کی آزمائش کے لئے [2] اور اُبْلِيْهِ اِبْلَاءً وَبَلَاءً لفظ بھلائی کے ساتھ آزمائش کے لئے آتا ہے۔ یہ کہا گیا

[1] الطبری، ۱/ ۴۸۔ [2] الطبری، ۱/ ۴۹۔

ہے کہ اس میں تمہاری آزمائش تھی یعنی اس عذاب میں اور اس بچوں کے قتل ہونے میں۔

قرطبی رحمہ اللہ اس دوسرے مطلب کو جمہور کا قول کہتے ہیں تو اس میں اشارہ ذبح وغیرہ کی طرف ہوگا اور ﴿وَبَلَاءٌ﴾ کے معنی برائی کے ہوں گے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے فرعونیوں سے بچالیا' تم موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے اور فرعون تمہیں پکڑنے کو نکلا تو ہم نے تمہارے لئے پانی کھڑا کر دیا اور تمہیں اس میں سے پار اتار کر تمہارے سامنے فرعون کو اس کے لشکروں سمیت ڈبو دیا۔ اس کی پوری تفصیل سورہ شعراء میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

عمرو بن میمون اودی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر نکلے اور فرعون کو خبر ہوئی تو اس نے کہا کہ مرغ جب بولے تب سب نکلو اور انہیں پکڑ کر قتل کر ڈالو۔ لیکن اس رات قدرت الٰہی سے صبح تک مرغ نہ بولا' مرغ کی آواز سنتے ہی فرعون نے ایک بکری ذبح کی اور کہا کہ اس سے پہلے کہ اس کی کلیجی سے میں فارغ ہولوں اس سے پہلے چھ لاکھ قبطیوں کا لشکر جرار میرے پاس حاضر ہو جانا چاہیے چنانچہ حاضر ہو گیا' اور یہ ملعون اتنی بڑی جمعیت کو لے کر بنی اسرائیل کی ہلاکت کے لئے بڑے کرّ وفرّ سے نکلا اور دریا کے کنارے انہیں پالیا اب بنی اسرائیل پر دنیا تنگ ہو گئی' پیچھے ہٹیں تو فرعونیوں کی تلواروں کی بھینٹ چڑھیں آگے بڑھیں تو مچھلیوں کا لقمہ بنیں۔ اس وقت حضرت یوشع علیہ السلام نے کہا کہ اے اللہ کے نبی! اب کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا امر رب آگے آگے ہے۔ یہ سنتے ہی انہوں نے اپنا گھوڑا پانی میں ڈال دیا لیکن گہرے پانی میں جب غوطے کھانے لگا تو پھر کنارے کی طرف لوٹ آئے اور پوچھا اے موسیٰ! رب کی مدد کہاں ہے؟ ہم نہ آپ کو جھوٹا جانتے ہیں نہ رب تعالیٰ کو۔ تین مرتبہ ایسا ہی کیا یا کہا۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی آئی کہ اپنی لکڑی دریا پر مارو۔ لکڑی لگتے ہی پانی نے راستہ دے دیا اور پہاڑوں کی طرح سخت ہو گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ماننے والے ان راستوں سے گزر گئے۔ انہیں اس طرح پار اترتے دیکھ کر فرعون اور فرعونیوں نے بھی اپنے گھوڑے اسی راستے پر ڈال دیئے۔ جب فرعون کا سارا لشکر دریا میں اتر گیا تو پانی کو مل جانے کا حکم ہوا اور چاروں طرف ریل پیل ہو گئی اور سارے کے سارے ڈوب مرے۔ بنی اسرائیل نے قدرت الٰہی کا یہ نظارہ اپنی آنکھوں کنارے پر کھڑے دیکھا جس سے وہ بہت ہی خوش ہوئے اپنی آزادی اور فرعون کی بربادی ان کے لئے خوشی کا سبب بنی۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ دن عاشورہ کا تھا یعنی محرم کی دسویں تاریخ۔

مسند احمد میں حدیث ہے کہ جب حضور ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں۔ پوچھا کہ ''تم اس دن کا روزہ کیوں رکھتے ہو؟'' انہوں نے کہا اس لئے کہ اس مبارک دن میں بنی اسرائیل فرعون کے ہاتھوں سے آزاد ہوئے اور ان کا دشمن غرق ہوا جس کے شکریہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ روزہ رکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تم میں سے بہت زیادہ حقدار موسیٰ کا میں ہوں۔ پس حضور ﷺ نے خود بھی اس دن روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ ❶ بخاری' مسلم' نسائی ابن ماجہ وغیرہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ ❷

ایک اور ضعیف حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لئے پانی کو کھڑا کر دیا تھا۔ اس حدیث کے راوی زید العمی ضعیف ہیں اور ان کے شیخ یزید رقاشی ان سے بھی زیادہ ضعیف ہیں۔ ❸

---

❶ احمد، ١/ ٢٩١؛٤/ ٣٩٣۔ اس کی سند بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ نیز دیکھئے (الموسوعة الحديثية: ٤/ ٣٩٣)

❷ صحيح بخاری، كتاب الصوم، باب صوم يوم عاشوراء، ٢٠٠٤؛ صحيح مسلم، ١١٣٠؛ ابوداود، ٢٤٤٤؛ ابن ماجه، ١٧٣٤۔

❸ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الضعيفة، ١٤٩٩) اور یہ سخت ضعیف روایت ہے۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ ۭ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

ترجمہ: ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا پھر تم نے اس کے بعد بچھڑا پوجنا شروع کر دیا اور ظالم بن گئے۔[۵۱] لیکن ہم نے باوجود اس کے پھر بھی تمہیں معاف کر دیا تاکہ تم شکر کرو۔[۵۲] اور ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو تمہاری ہدایت کے لئے کتاب اور معجزے عطا فرمائے۔[۵۳] جب (حضرت) موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم بچھڑے کو معبود بنا کر تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اب تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرو اپنے آپس میں قتل کرو۔ تمہاری بہتری اللہ کے نزدیک اسی میں ہے وہ تمہاری توبہ قبول کرے گا۔ وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہے۔[۵۴]

چالیس راتوں کا وعدہ اور بچھڑے کی پوجا: [آیت:۵۱-۵۴] یہاں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے احسانات یاد دلا رہا ہے کہ جب تمہارے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے وعدے پر تمہارے پاس سے گئے اور پیچھے سے تم نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی پھر ان کے آنے پر تم نے اس شرک سے توبہ کی تو ہم نے تمہارے اتنے بڑے کفر کے باوجود بھی بخش دیا۔ اور جگہ قرآن میں ہے ﴿وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ﴾ ❶ یعنی ''ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور دس بڑھا کر پوری چالیس راتوں کا کیا۔'' کہا جاتا ہے کہ یہ وعدے کا زمانہ ذوالقعدہ کا پورا مہینہ اور دس دن ذوالحجہ کے تھے۔ یہ واقعہ فرعونیوں سے نجات پا کر دریا سے بچ کر نکل جانے کے بعد پیش آیا تھا کتاب سے مراد توراۃ ہے اور فرقان ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو حق و باطل ہدایت و ضلالت میں فرق کرے۔ یہ کتاب بھی اس واقعہ کے بعد ملی جیسے کہ سورۂ اعراف کے اس واقعہ کے طرز بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ دوسری جگہ ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى﴾ ❷ بھی آیا ہے یعنی ''ہم نے سابقہ لوگوں کو ہلاک کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ کتاب دی جو سب لوگوں کے لئے بصیرت افزا اور ہدایت و رحمت ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔'' یہ بھی کہا گیا ہے کہ واؤ زائد ہے اور خود کتاب کو فرقان کہا گیا ہے لیکن یہ غریب ہے۔ بعض نے کہا ہے کتاب پر فرقان کا عطف ہے یعنی کتاب بھی دی اور معجزہ بھی دیا۔ دراصل معنی کے اعتبار سے دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے اور ایسی ایک چیز دو ناموں سے بطور عطف کلام عرب میں آیا کرتی ہے۔ شعرائے عرب کے بہت سے اشعار اس کے شاہد ہیں۔ =

---

❶ ۷/ الاعراف:۱٤۲۔

❷ ۲۸/ القصص:٤۳۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ

وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿٥٥﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٥٦﴾

ترجمہ: (تم اسے بھی یاد کرو کہ) تم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ جب تک ہم اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں ہرگز ایمان نہ لائیں گے (جس گستاخی کی سزا میں) تم پر تمہارے دیکھتے ہوئے بجلی گری۔[۵۵] لیکن پھر اس لئے کہ تم شکر گزاری کرو اس موت کے بعد بھی ہم نے تمہیں زندہ کر دیا۔[۵٦]

= یہاں ان کی توبہ کا طریقہ بیان ہو رہا ہے۔ انہوں نے بچھڑے کو پوجا اور اس کی محبت نے ان کے دلوں میں گھر کر لیا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سمجھانے سے ہوش آیا اور نادم ہوئے اور اپنی گمراہی کا یقین کر کے توبہ و استغفار کرنے لگے تب انہیں حکم ہوا کہ تم آپس میں قتل کرو۔ چنانچہ انہوں نے یہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی اور قاتل و مقتول دونوں کو بخش دیا۔ اس کا پورا بیان سورۂ طٰہٰ کی تفسیر میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان کہ اپنے خالق سے توبہ کرو بتا رہا ہے کہ اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہوگا کہ تمہیں پیدا اللہ تعالیٰ کرے اور تم پوجو غیروں کو۔ ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں حکم الٰہی سنایا اور جن جن لوگوں نے بچھڑا پوجا تھا انہیں بٹھا دیا اور دوسرے لوگ کھڑے ہو گئے اور قتل کرنا شروع کیا۔ قدرتی طور پر اندھیرا چھایا ہوا تھا جب اندھیرا ہٹا انہیں روک دیا گیا۔ شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ ستر ہزار آدمی قتل ہو چکے ہیں اور ساری قوم کی توبہ قبول ہوئی۔ ❶

یہ ایک سخت فرمان تھا جسے ان لوگوں نے پورا کیا اور اپنوں اور غیروں کو یکساں تہ تیغ کیا یہاں تک کہ رحمت الٰہی نے انہیں بخشا اور موسیٰ علیہ السلام سے فرما دیا کہ اب بس کرو۔ مقتول کو شہید کا اجر دیا قاتل کی اور باقی ماندہ تمام لوگوں کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں جہاد کا ثواب عطا فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے جب اس طرح اپنی قوم کا قتل دیکھا تو دعا کرنا شروع کی کہ اے اللہ! اب تو بنی اسرائیل مٹ جائیں گے چنانچہ انہیں معاف فرما دیا گیا اور پروردگار عالم نے فرمایا کہ اے میرے پیغمبر! مقتولوں کا غم نہ کرو وہ ہمارے پاس شہیدوں کے درجہ میں ہیں وہ یہاں زندہ ہیں اور روزیاں پا رہے ہیں اب موسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی قوم کو صبر آیا اور عورتوں اور بچوں کی گریہ و زاری موقوف ہوئی تلواریں' نیزے چھرے اور چھریاں چلنی بند ہوئیں' آپس میں باپ بیٹوں بھائیوں بھائیوں میں قتل و خون موقوف ہوا اور رب تواب و رحیم نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

[آیت: ۵۵-۵٦] موسیٰ علیہ السلام جب اپنے ساتھ بنی اسرائیل کے ستر آدمیوں کو لے کر اللہ کے وعدے کے مطابق کوہ طور پر گئے اور ان لوگوں نے کلام الٰہی سنا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے ہم تو جب مانیں جب اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں۔

اس گستاخانہ سوال پر ان پر آسمان سے ان کے دیکھتے ہوئے بجلی گری اور ایک سخت ہولناک آواز بلند ہوئی جس سے سب کے سب مر گئے۔ موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر گریہ و زاری کرنے لگے اور رو رو کر جناب باری تعالیٰ میں عرض کرنے لگے کہ اے اللہ! بنی اسرائیل کو میں کیا جواب دوں گا یہ جماعت تو ان کے سرداروں اور بہترین لوگوں کی تھی۔ پروردگار اگر یہی چاہت تھی تو انہیں اور مجھے اس سے پہلے ہی مار ڈالتا۔ اے اللہ! بیوقوفوں کی بیوقوفی کے کام پر ہمیں نہ پکڑ۔ یہ دعا مقبول ہوئی اور آپ کو بتایا گیا کہ یہ بھی دراصل بچھڑا پوجنے والوں میں سے تھے انہیں سزا مل گئی پھر انہیں زندہ کر دیا اور ایک کے بعد ایک کر کے سب زندہ کیے گئے۔ ❷ ایک دوسرے کے زندہ ہونے کو ایک دوسرا دیکھتا رہا۔

❶ ابن ابی حاتم، ١/ ١٢٧-١٢٨؛ الطبری، ١٨/ ٣٠٦۔ ❷ ابن ابی حاتم، ١/ ١٧٣۔

اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا احمقانہ سوال اور اسکا انجام: محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے پاس آئے اور انہیں بچھڑا پوجتے ہوئے دیکھا اور اپنے بھائی کو اور سامری کو تنبیہ کی بچھڑے کو جلا دیا اور اس کی راکھ دریا میں بہا دی۔ اس کے بعد ان میں سے بہترین لوگوں کو چن کر اپنے ساتھ لیا جن کی تعداد ستر تھی اور کوہ طور پر توبہ کرنے کے لئے چلے۔ ان سے کہا کہ تم توبہ کرو اور روزہ رکھو پاک صاف ہو جاؤ کپڑوں کو پاک کر لو۔ جب بحکم الٰہی طور سینا پہنچے تو ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے پیغمبر! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ اپنا کلام ہمیں بھی سنائے۔ جب موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کے پاس پہنچے تو ایک بادل نے آ کر سارے پہاڑ کو ڈھک لیا اور آپ اسی کے اندر اندر اللہ تعالیٰ کے قریب ہو گئے۔ جب کلام الٰہی شروع ہوا تب موسیٰ علیہ السلام کی پیشانی نور سے چمکنے لگی اس طرح کی کوئی اس طرف نظر اٹھانے کی تاب نہیں رکھتا تھا۔ بادل کی اوٹ ہو گئی اور سب لوگ سجدے میں گر پڑے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے آپ کے ساتھ آنے والے بھی اللہ کا کلام سننے لگے کہ انہیں حکم احکام ہو رہے ہیں۔ جب کلام الٰہی ختم ہوا تو ابر ہٹ گیا اور موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کے پاس آئے تو یہ لوگ کہنے لگے کہ موسیٰ! ہم تو ایمان نہ لائیں گے جب تک اپنے رب کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں۔ اس گستاخی کی وجہ سے ان پر ایک زلزلہ آیا اور سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

اب موسیٰ علیہ السلام نے خلوص دل کے ساتھ دعائیں شروع کیں اور کہنے لگے کہ اس سے تو یہی اچھا تھا کہ ہم سب اس سے پہلے ہی ہلاک ہو جاتے۔ بیوقوفوں کے کاموں پر ہمیں ہلاک نہ کر یہ لوگ ان کے چیدہ اور پسندیدہ لوگ تھے جب میں تنہا بنی اسرائیل کے پاس جاؤں گا تو انہیں کیا جواب دوں گا کون میری اس بات کو سچا سمجھے گا اور اس کے بعد کون مجھ پر ایمان لائے گا؟ اے اللہ ہماری توبہ ہے تو قبول فرما اور ہم پر فضل و کرم کر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یونہی خشوع و خضوع سے دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ پروردگار نے ان کی اس دعا کو قبول فرمایا اور ان مردوں کو زندہ کر دیا۔ اب سب نے یک زبان ہو کر بنی اسرائیل کی طرف سے توبہ شروع کی ان سے فرمایا گیا کہ جب تک وہ اپنی جانوں کو ہلاک نہ کریں اور ایک دوسرے کو قتل نہ کریں میں ان کی توبہ قبول نہ فرماؤں گا۔ سدی رحمہ اللہ وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل کے آپس میں لڑ چکنے کے بعد کا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ خطاب گو عام ہے لیکن حقیقت میں اس سے مراد یہی ستر شخص ہیں۔

رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ان ستر شخصوں کے قصہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے جینے کے بعد کہا کہ اے نبی اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں نبی بنا دے۔ آپ نے دعا کی اور وہ قبول ہوئی لیکن یہ قول غریب ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سوائے حضرت ہارون علیہ السلام کے اور ان کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے اور کی نبوت ثابت نہیں۔ اہل کتاب کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی دعا کے مطابق اللہ کو اپنی آنکھوں سے اسی جگہ دیکھا یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دیدار باری تعالیٰ کا سوال کیا تو انہیں منع کر دیا گیا پھر بھلا یہ ستر اشخاص دیدار باری تعالیٰ کی تاب کیسے لاتے؟ اس آیت کی تفسیر میں ایک دوسرا قول بھی ہے کہ موسیٰ توراۃ لے کر آئے جو احکام کا مجموعہ تھی اور ان سے کہا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے اس پر عمل کرو اور مضبوطی کے ساتھ اس کے پابند ہو جاؤ تو وہ کہنے لگے کہ حضرت! ہمیں کیا خبر اللہ تعالیٰ خود آ کر ظاہر ہو کر ہم سے کیوں نہیں کہتا؟ کیا وجہ ہے کہ وہ آپ سے باتیں کرے اور ہم سے نہ کرے؟ جب تک ہم اللہ کو خود نہ دیکھ لیں ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ اس قول پر ان کے اوپر غضب الٰہی نازل ہوا اور ہلاک کر دیئے گئے پھر زندہ کئے گئے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا کہ اب تو اس توراۃ کو تھام لو۔ انہوں نے پھر انکار کیا اب کی مرتبہ فرشتے پہاڑ اٹھا کر لائے اور ان کے سروں کے اوپر معلق کر دیا کہ اگر نہ مانو گے تو یہ پہاڑ گرا دیا جائے گا اور تم سب پیس ڈالے جاؤ گے [1] اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد یہ جی اٹھے اور پھر بھی مکلف رہے یعنی احکام الٰہی ان پر پھر بھی جاری رہے۔

---

[1] الطبری، ۲/ ۸۸۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

ترجمہ: ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور تم پر من وسلویٰ اتارا (اور کہہ دیا) کہ ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاتے رہو اور انہوں نے ہم پر تو ظلم نہیں کیا البتہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔[۵۷]

ماوردی رحمہ اللہ نے کہا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی یہ زبردست نشانی دیکھ لی مرنے کے بعد زندہ ہوئے تو پھر تکلیف شرعی ان پر سے ہٹ گئی۔ اس لئے کہ اب تو یہ مجبور تھے کہ سب کچھ مان لیں۔ خود ان پر یہ واردات پیش آئی اب تصدیق ایک بے اختیار امر ہو گیا۔ دوسری جماعت کہتی ہے کہ نہیں بلکہ باوجود اس کے وہ احکام شرع کے مکلف رہے کیونکہ ہر عاقل مکلف ہے۔

قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں ٹھیک قول یہی ہے۔ یہ امور ان پر قدرتی طور سے آئے تھے جو انہیں پابندی شرع سے آزاد نہیں کر سکتے۔ خود بنی اسرائیل نے بھی بڑے بڑے معجزات دیکھے خود ان کے ساتھ ایسے ایسے کام ہوئے کہ جو بالکل نادر خلاف قیاس اور زبردست معجزات تھے باوجود اس کے وہ بھی مکلف رہے اسی طرح یہ بھی۔ ٹھیک قول یہی ہے اور واضح امر بھی یہی ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

بنی اسرائیل پر بادلوں کا سایہ: [آیت: ۵۷] اوپر بیان ہوا تھا کہ فلاں بلائیں ہم نے تم پر سے دفع کر دیں۔ اب بیان ہو رہا ہے کہ فلاں فلاں نعمتیں بھی ہم نے تمہیں عطا فرمائیں غَمَامٌ غَمَامَةٌ کی جمع ہے چونکہ یہ آسمان کو چھپا لیتا ہے اس لئے اسے غمامہ کہتے ہیں۔ یہ ایک سفید رنگ کا بادل تھا جو وادی تیہ میں ان کے سروں پر سایہ کئے رہتا تھا جیسے نسائی وغیرہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک لمبی حدیث میں مروی ہے۔ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابن عمر، ربیع بن انس، ابو مجلز، ضحاک اور سدی نے بھی یہی کہا ہے حسن اور قتادہ رحمہما اللہ نے بھی اسکی تائید کی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بادل معمول کے بادلوں سے زیادہ ٹھنڈک والا اور زیادہ عمدہ تھا۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ وہی بادل تھا جس میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آئے گا۔ ابو حذیفہ کا قول بھی یہی ہے ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ﴾ [1] الخ اس آیت میں اس کا ذکر ہے کہ ”کیا ان لوگوں کو اس کا انتظار ہے کہ اللہ تعالیٰ بادل میں آئے اور اس کے فرشتے۔“ یہی وہ بادل ہے جس میں بدر والے دن فرشتے نازل ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمت خاص من وسلویٰ: جو من ان پر اترا وہ درختوں پر اترا تھا۔ یہ صبح جاتے تھے اور جمع کر کے کھا لیا کرتے تھے۔ وہ گوند کی قسم کا تھا کوئی کہتا ہے شبنم کی طرح کا تھا۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اولوں کی طرح من ان کے گھروں میں اترتا تھا جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ صبح صادق سے لے کر سورج نکلنے تک اترتا رہتا تھا ہر شخص اپنے گھر بار کے لئے اتنی مقدار میں لے لیتا تھا جتنا اس دن کافی ہو جائے اگر کوئی زیادہ لے تو خراب ہو جاتا تھا۔ جمعہ کے دن وہ دو دن کا لے لیتے تھے۔ جمعہ اور ہفتہ کا اس لئے کہ ہفتہ ان کا بڑا دن تھا۔ ربیع بن انس رحمہ اللہ کہتے ہیں من شہد جیسی چیز تھی جس میں پانی ملا کر پیتے تھے۔ شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں تمہارا یہ شہد اس من کا سترواں حصہ ہے۔ شعروں میں بھی من شہد کے معنی میں آیا ہے یہ سب اقوال قریب قریب ہیں۔ غرضیکہ ایک چیز تھی انہیں بلا تکلیف وتکلف ملتی تھی اگر صرف اسے کھایا جائے تو وہ کھانے کی چیز تھی اور اگر پانی میں ملا لی جائے تو پینے کی چیز تھی اور اگر دوسری چیزوں کے ساتھ مرکب کر دیا جائے تو اور چیز ہو جاتی تھی لیکن یہاں من سے مراد یہی من مشہور نہیں۔

---

[1] ۲/ البقرة: ۲۱۰۔

صحیح بخاری کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ”کھنبی من میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا ہے۔“ ❶ ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ ترمذی میں ہے کہ ”عجوہ جو مدینہ کی کھجوروں کی ایک قسم ہے وہ جنتی چیز ہے اور اس میں زہر کا تریاق ہے اور کھنبی من میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے درد کی دوا ہے۔“ ❷ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ دوسرے بہت سے طریقوں سے بھی مروی ہے ابن مردویہ کی حدیث میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس درخت کے بارے میں اختلاف کیا جو زمین کے اوپر ہوتا ہے جس کی جڑیں مضبوط نہیں ہوتیں۔ بعض کہنے لگے کھنبی کا درخت ہے۔ آپ نے فرمایا ”کھنبی تو من میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا ہے۔“ ❸ سلویٰ ایک قسم کا پرندہ ہے چڑیا سے کچھ بڑا ہوتا ہے سرخی مائل رنگ کا۔ جنوبی ہوائیں چلتی تھیں اور ان پرندوں کو وہاں لا کر جمع کر دیتی تھیں۔ بنی اسرائیل اپنی ضرورت کے مطابق انہیں پکڑ لیتے تھے اور ذبح کر کے کھاتے تھے اور اگر دوسرے دن کے لئے رکھتے تو خراب ہو جاتا اور جمعہ کے دن دو دن کے لئے جمع کر لیتے تھے کیونکہ ہفتہ کا دن ان کے لئے عید کا دن ہے اس دن عبادات میں مشغول رہنے کا اور شکار وغیرہ سے بچنے کا حکم تھا۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ پرند کبوتر کے برابر ہوتے تھے۔ ایک میل کی لمبائی چوڑائی میں ایک نیزے کے برابر اونچا ڈھیر ان پرندوں کا ہو جاتا تھا۔ یہ دونوں چیزیں ان پر وادی تیہ میں اتری تھیں جہاں انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا تھا کہ اس جنگل میں ہمارے کھانے کا بندوبست کیسے ہوگا؟ تب ان پر من وسلویٰ اتارا گیا۔

اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانی کے لئے درخواست کی تو پروردگار عالم نے فرمایا کہ اس پتھر پر اپنی لکڑی مارو لکڑی لگتے ہی اس سے بارہ چشمے جاری ہو گئے اور بنی اسرائیل کے بارہ ہی قبیلے تھے۔ ہر قبیلہ نے ایک ایک چشمہ اپنے لئے بانٹ لیا۔ پھر سایہ کے طالب ہوئے کہ اس چٹیل میدان میں سایہ کے بغیر گزر مشکل ہے تو اللہ تعالیٰ نے طور پہاڑ کا ان پر سایہ کر دیا۔ رہ گیا لباس وہ قدرت الٰہی سے جو لباس وہ پہنے ہوئے تھے وہ ان کے قد کے بڑھنے کے ساتھ بڑھتا رہتا تھا۔ ایک سال کے بچہ کا لباس جوں جوں اس کا قد وقامت بڑھتا جاتا نہ وہ پھٹتا نہ خرابی پڑتی نہ میلا ہوتا۔ ان تمام نعمتوں کا ذکر مختلف جگہ قرآن کریم میں موجود ہے جیسے یہ آیت اور ﴿اِذِ اسْتَسْقٰى﴾ والی آیت وغیرہ۔

ہذلی رحمہ اللہ کہتے ہیں سلویٰ شہد کو کہتے ہیں لیکن ان کا یہ قول غلط ہے۔ مؤرج نے اور جوہری نے بھی یہی کہا ہے اور اس کی شہادت میں عرب شاعروں کے شعر اور بعض لغوی محاورے بھی پیش کئے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ایک دوا کا نام ہے۔ نسائی یا کسائی رحمہ اللہ کہتے ہیں سلویٰ واحد کا لفظ ہے اور اس کی جمع سلاوی آتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جمع میں اور مفرد میں یہی صیغہ رہتا ہے یعنی لفظ سلویٰ۔ الغرض اللہ تعالیٰ کی دو نعمتیں تھیں جن کا کھانا ان کے لیے مباح کیا گیا لیکن ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی ناشکری کی اور یہی ان کا اپنی جانوں پر ظلم کرنا تھا باوجودیکہ اس سے پہلے بھی بہت ساری اللہ کی نعمتیں ان پر نازل ہو چکی تھیں۔

صحابہ کرام کا ایمان اور بنی اسرائیل' ایک موازنہ: بنی اسرائیل کی حالت کا یہ نقشہ آنکھوں کے سامنے رکھ کر پھر اصحاب رسول اللہ ﷺ کی حالت پر نظر ڈالو کہ باوجود سخت سے سخت مصیبتیں جھیلنے کے اور بے انتہا تکلیفیں برداشت کرنے کے وہ اتباع رسول پر اور =

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ﴿وظَلَّلْنَا علیکم الغمام......﴾ ٤٤٧٨، وانظر ٤٦٣٩، ٥٧٠٨؛ صحیح مسلم، ٢٠٤٩؛ ترمذی، ٢٠٦٧؛ نسائی، ١٠٩٨٨؛ ابن ماجة، ٣٤٥٤۔ ❷ ترمذی، کتاب الطب، باب ما جاء فی الکمأة...... ٢٠٦٦۔ وسندہ حسن شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (صحیح سنن الترمذی، ١٦٨٧) ❸ اس کی سند بالشواہد حسن ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: ہم نے تم سے کہا کہ اس بستی میں جاؤ اور جو کچھ جہاں کہیں سے چاہو بافراغت کھاؤ پیو اور دروازے میں سے سجدے کرتے ہوئے گزرو اور زبان سے ﴿حِطَّةٌ﴾ کہو ہم تمہاری خطائیں معاف فرما دیں گے اور بھلے لوگوں کو اور زیادہ دیں گے۔[۵۸] پھر ان ظالموں نے اس بات کو جو ان سے کہی گئی تھی بدل ڈالا ہم نے بھی ان ظالموں پر ان کے فسق و نافرمانی کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل کیا۔[۵۹]

ع ۶

= عبادت الٰہی پر جمے رہے۔ نہ معجزات طلب کیے نہ دنیا کی راحتیں مانگیں نہ اپنے عیش کے لئے کوئی نئی چیز پیدا کرنے کی خواہش کی۔ جنگ تبوک میں جبکہ بھوک کے مارے بیتاب ہو گئے اور موت کا مزہ آنے لگا تب صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ سے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! اس کھانے میں برکت کی دعا کیجئے اور جس کے پاس جو کچھ بچا کھچا تھا جمع کر کے حاضر کر دیا جو سب مل کر بھی نہ ہونے کے برابر ہی تھا۔ حضور ﷺ نے دعا کی اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے قبول فرما کر اس میں برکت دی' انہوں نے خوب کھایا بھی اور تمام توشے دان بھر لیے۔ پانی کے قطرے قطرے سے جب ترسنے لگے تو اللہ کے رسول ﷺ کی دعا سے ایک بادل آیا اور ریل پیل کر دی' پیا پلایا اور مشکیں اور مشکیزے سب بھر لیے۔ پس صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس ثابت قدمی' اولوالعزمی' کامل اتباع اور سچی توحید نے ان کی اصحاب موسیٰ علیہ السلام پر قطعی فضیلت ثابت کر دی۔

[آیت:۵۸-۵۹] جب موسیٰ علیہ السلام مصر سے بنی اسرائیل کو لے کر آئے اور انہیں ارض مقدس میں جانے کا حکم ہوا جو زمین ان کی موروثی تھی' ان سے کہا گیا کہ یہاں جو عمالیق ہیں ان سے جہاد کرو' تو ان لوگوں نے نامردی دکھائی جس کی سزا میں انہیں میدان تیہ میں ڈال دیا گیا جیسے کہ سورۂ مائدہ میں ذکر ہے۔ قریہ سے مراد بیت المقدس ہے۔ ❶ سدی' ربیع' قتادہ' ابومسلم رحمہم اللہ وغیرہ نے یہی کہا ہے۔ قرآن میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! اس پاک زمین میں جاؤ جو تمہارے لیے لکھ دی ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد اریحاء ہے۔ بعض نے کہا ہے مصر مراد ہے لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے کہ مراد اس سے بیت المقدس ہے۔ یہ واقعہ تیہ سے نکلنے کے بعد کا ہے جمعہ کے دن شام کو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس پر فتح عطا فرمائی بلکہ سورج کو ان کے لیے ذرا سی دیر ٹھہرا دیا تا کہ فتح ہو جائے۔ فتح کے بعد انہیں یہ حکم ہوا کہ اس شہر میں سجدہ کرتے ہوئے جاؤ جو اس فتح کی شکرگزاری کے لئے ہوگا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سجدہ سے مراد رکوع لیا ہے۔ ❷ راوی کہتے ہیں کہ سجدہ سے مراد یہاں پر خشوع و خضوع ہے کیونکہ حقیقت پر اسے محمول کرنا ناممکن ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں یہ دروازہ قبلہ کی جانب تھا اس کا نام باب الحطہ تھا۔ رازی نے یہ بھی کہا ہے کہ دروازے سے مراد جہت قبلہ ہے۔ بجائے سجدے کے اس قوم نے اپنی رانوں پر کھسکنا شروع کیا۔ کروٹ کے بل داخل ہونے لگے سروں کو جھکانے کی

❶ ابن ابی حاتم، ۱/ ۱۸۱۔ ❷ الطبری، ۲/ ۱۱۳۔

بجائے اور اونچا کرلیا۔ ❶ حِطَّةٌ کے معنی بخشش کے ہیں۔ ❷ بعض نے کہا ہے کہ یہ امر حق ہے۔ عکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں اس میں گناہوں کا اقرار ہے۔ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں اس کے معنی ہیں اے اللہ! ہماری خطاؤں کو ہم سے دور کردے۔ ❸ پھر ان سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ اگر تم اسی طرح یہی کہتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے اور اس فتح کے وقت بھی اپنی پستی اور اللہ کی نعمت اور اپنے گناہوں کا اقرار کیا اور مجھ سے بخشش طلب کی تو چونکہ یہ چیزیں مجھے بہت ہی پسند ہیں میں بھی تمہاری خطاؤں سے درگزر کرلوں گا۔

فتح مکہ کے موقع پر فرمان الٰہی سورۂ ﴿اِذَا جَآءَ﴾ الخ نازل ہوئی تھی اور اس میں بھی یہی حکم دیا گیا تھا کہ "جب اللہ کی مدد آجائے۔ مکہ فتح ہو اور لوگ دین ربانی میں فوج درفوج آجائیں تو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! تم اپنے رب کی تسبیح اور حمد وثنا بیان کرو اس سے استغفار کرو بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔" اس سورت میں جہاں ذکر واستغفار کا ذکر ہے وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری وقت کی خبر بھی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اس سورت کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا تھا جسے آپ نے پسند فرمایا تھا۔ ❹ جب مکہ فتح ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہر میں داخل ہوئے تو انتہائی تواضع اور مسکینی کے آثار آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عیاں تھے یہاں تک سر جھکائے ہوئے تھے کہ اونٹنی کے پالان سے سر لگ گیا تھا۔ شہر میں جاتے ہی غسل کر کے ضحیٰ کے وقت آٹھ رکعت نماز ادا کی ❺ جو ضحیٰ کی نماز بھی تھی اور فتح کے شکریہ کی بھی، اور دونوں طرح کے قول محدثین کے ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جب ملک ایران فتح کیا اور کسریٰ کے شاہی محلات میں پہنچے تو اسی سنت کے مطابق آٹھ رکعت پڑھیں۔ دو دو رکعت ایک سلام سے پڑھنے کا بعض کا مذہب ہے اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آٹھ ایک ساتھ ایک ہی سلام سے پڑھیں، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "بنی اسرائیل کو حکم کیا گیا کہ وہ سجدے کرتے ہوئے اور حِطَّةٌ کہتے ہوئے دروازے سے داخل ہوں لیکن انہوں نے بدل دیا اور اپنی رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور حِطَّةٌ کی بجائے حَبَّةٌ فِيْ شَعْرَةٍ کہتے ہوئے داخل ہوئے" ❻ نسائی، عبدالرزاق، ابوداؤد، مسلم اور ترمذی میں بھی یہ حدیث بہ اختلاف الفاظ موجود ہے اور سنداً صحیح ہے۔ ❼ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے، ذات الحنظل نامی گھاٹی کے قریب پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اس گھاٹی کی مثال بھی بنی اسرائیل کے اس دروازے جیسی ہے جہاں انہیں سجدہ کرتے ہوئے اور حِطَّةٌ کہتے ہوئے داخل ہونے کو کہا گیا تھا، ❽ اور ان کے گناہوں کی معافی کا وعدہ کیا گیا تھا۔" حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ﴿سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ﴾ میں سُفَهَآءُ یعنی بیوقوفوں سے مراد یہود ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی بات کو بدل دیا تھا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ﴿حِطَّةٌ﴾ کے بدلے انہوں نے حِنْطَةٌ حَبَّةٌ حَمْرَآءُ فِيْهَا شَعِيْرَةٌ کہا تھا، ان کی اپنی زبان میں ان کے الفاظ یہ تھے هطا سمعانا ازب مزبا، ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی ان کی اس تبدیلی کو بیان فرماتے ہیں کہ رکوع کرنے کے بدلے وہ رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور حِطَّةٌ کے بدلے حنطة کہتے ہوئے داخل ہونے لگے۔ حضرت عطاء، مجاہد، عکرمہ، ضحاک، حسن، قتادہ، ربیع، یحییٰ رحمہم اللہ نے =

❶ ابن ابی حاتم، ۱/ ۱۸۳۔ ❷ ابن ابی حاتم، ۱/ ۱۸۳۔ ❸ ابن ابی حاتم، ۱/ ۱۸۵۔

❹ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب، ۵۲ حدیث رقم: ۴۲۹۴، وانظر، ۴۹۸۰۔

❺ صحیح بخاری، کتاب التقصیر، باب من تطوع فی السفر، ۱۱۰۳؛ صحیح مسلم، ۷۱۹۔

❻ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة البقرہ، باب رقم: ۵، حدیث رقم ۴۴۷۹۔

❼ صحیح مسلم، کتاب التفسیر، باب فی آیات متفرقة، ۳۰۱۵؛ ترمذی، ۲۹۵۶؛ السنن الکبریٰ للنسائی، ۱۰۹۸۹۔

❽ اس کی سند میں ابراہیم بن مہدی متروک راوی ہے (المیزان ۱/ ۶۸) لہٰذا یہ سند سخت ضعیف ومردود ہے۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾

ترجمہ: اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے کہا اپنی لکڑی پتھر پر مارو، جس سے بارہ چشمے بہہ نکلے اور ہر گروہ نے اپنا چشمہ پہچان لیا اور ہم نے کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کا رزق کھاتے پیتے رہو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔[۶۰]

= بھی یہی بیان کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس قول وفعل کا انہیں حکم دیا گیا تھا انہوں نے اسے مذاق میں اڑایا جو صریح مخالفت اور معاندت تھی اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب نازل فرمایا۔ فرماتا ہے کہ ہم نے ظالموں پر ان کے فسق کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل فرمایا۔ رجز سے مراد عذاب ہے، کوئی کہتا ہے غضب ہے، کسی نے طاعون کہا ہے ایک مرفوع حدیث میں ہے "طاعون رجز ہے اور یہ عذاب تم سے پہلے لوگوں پر اتارا گیا تھا۔" ❶ بخاری ومسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں "جب تم سنو کہ فلاں جگہ طاعون ہے تو وہاں نہ جاؤ الخ۔" ❷ ابن جریر میں ہے کہ "یہ دکھ اور بیماری رجز ہے جس سے تم سے پہلے لوگ عذاب دیئے گئے تھے۔"

بنی اسرائیل پر احسانات کا مزید تذکرہ: [آیت:۶۰] یہ ایک اور نعمت یاد دلائی جا رہی ہے کہ جب تمہارے نبی نے تمہارے لیے پانی طلب کیا تو ہم نے اس پتھر سے چشمے بہا دیئے جو تمہارے ساتھ رہا کرتا تھا اور تمہارے ہر ہر قبیلے کے لیے اس میں سے ایک ایک چشمہ ہم نے جاری کر دیا اور ہم نے کہہ دیا کہ من وسلویٰ کھاتے رہو اور ان چشموں کا پانی پیتے رہو اور اس بے محنت کی روزی کھا پی کر ہماری عبادت میں لگے رہو، نافرمانی کر کے زمین میں فساد مت پھیلاؤ ورنہ یہ نعمتیں چھن جائیں گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ ایک چار کونوں والا پتھر تھا جو ان کے ساتھ ہی تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحکم الٰہی اس پر لکڑی ماری چاروں طرف سے تین تین نہریں بہہ نکلیں۔ یہ پتھر بیل کے سر جتنا تھا جو بیل پر لاد دیا جاتا تھا۔ جہاں اترتے رکھ دیتے اور لکڑی لگتے ہی اس میں سے نہریں بہہ نکلتیں۔ جب کوچ کرتے اٹھا لیتے نہریں بند ہو جاتیں اور پتھر کو ساتھ رکھ لیتے۔ یہ پتھر طور پہاڑ کا تھا، ایک ہاتھ لمبا اور ایک ہاتھ چوڑا۔

بعض کہتے ہیں یہ جنتی پتھر تھا۔ دس دس ہاتھ لمبا چوڑا تھا دو شاخیں تھیں، جو چمکتی رہتی تھیں۔ ایک اور قول میں ہے کہ یہ پتھر حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت سے آیا تھا اور یونہی ہاتھوں ہاتھ پہنچتا ہوا حضرت شعیب علیہ السلام کو ملا تھا انہوں نے لکڑی اور یہ پتھر دونوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے تھے۔ بعض کہتے ہیں یہ وہی پتھر ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے کپڑے رکھ کر نہا رہے تھے اور بحکم الٰہی یہ پتھر آپ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگا تھا۔ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بمشورہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اٹھا لیا تھا جس سے یہ معجزہ آپ کا ظاہر ہوا۔

زمخشری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حجر پر الف لام جنس کے لیے ہے عہد کے لیے نہیں یعنی کسی ایک پتھر پر لکڑی مارو یہ نہیں کہ فلاں پتھر ہی پر مارو۔ حسن سے بھی یہی مروی ہے اور یہی معجزے کا کمال اور قدرت کا پورا اظہار ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی لکڑی لگتے ہی وہ بہنے لگتا اور پھر دوسری لکڑی لگتے ہی خشک ہو جاتا۔ بنی اسرائیل آپس میں کہنے لگے کہ اگر یہ پتھر گم ہو گیا تو ہم پیاسے مرنے لگیں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم =

❶ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب الطاعون والطیرة ۲۲۱۸؛ السنن الکبریٰ للنسائی ۷۵۲۳؛ احمد، ۵/ ۲۱۳۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الطب، باب ما یذکر فی الطاعون، ۵۷۲۸، وانظر، ۳۴۷۳، ۶۹۷۳؛ صحیح مسلم، ۲۲۱۸۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۚ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ ع

ترجمہ: اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ! ہم سے ایک ہی قسم کے کھانے پر ہرگز صبر نہ ہو سکے گا' پس اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں زمین کی پیداوار' ساگ' ککڑی' گیہوں' مسور اور پیاز دے۔ آپ نے فرمایا' بہتر چیز کے بدلے یہ ادنیٰ چیز کیوں طلب کرتے ہو؟ اچھا شہر میں جاؤ وہاں تمہیں تمہاری چاہت کی یہ سب چیزیں ملیں گی۔ ان پر ذلت اور مسکینی ڈالی گئی اور اللہ کا غضب لے کر وہ لوٹے یہ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا نتیجہ ہے۔[۶۱]

= لکڑی نہ مارو صرف زبانی کہو کہ انہیں یقین آ جائے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

ہر ایک قبیلہ اپنی اپنی نہر کو اس طرح جان لیتا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی پتھر کے پاس کھڑا رہ جاتا اور لکڑی لگتے ہی اس میں سے چشمے جاری ہو جاتے۔ جس شخص کی طرف جو چشمہ جاتا وہ اپنے قبیلہ کو بلا کر کہہ دیتا کہ یہ چشمہ تمہارا ہے۔ یہ واقعہ میدان تیہ کا ہے۔ سورۂ اعراف میں بھی اس واقعہ کا بیان ہے لیکن چونکہ وہ سورۂ مکی ہے اس لیے وہاں ان کا بیان غائب کی ضمیر سے کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو احسانات ان پر نازل فرمائے تھے وہ اپنے رسول ﷺ کے سامنے دہرائے ہیں' اور یہ سورت مدنی ہے اس لیے یہاں خود انہیں خطاب کیا گیا ہے۔ سورۂ اعراف میں ﴿فَانْۢبَجَسَتْ﴾ ❶ کہا اور یہاں ﴿فَانْفَجَرَتْ﴾ کہا اس لیے کہ وہاں اول اول جاری ہونے کے معنی میں ہے اور یہاں آخری حال کا بیان ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ اور ان دونوں جگہ کے بیان میں دس وجہ سے فرق ہے جو فرق لفظی بھی ہے اور معنوی بھی۔ زمخشری رحمہ اللہ نے اپنے طور پر ان سب وجوہ کو بیان کیا ہے اور حقیقت اس میں قریب ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

اچھی چیز کے بدلے گھٹیا کے طلبگار: [آیت:۶۱] یہاں بنی اسرائیل کی بے صبری اور نعمت الٰہی کی ناقدری کا بیان ہو رہا ہے کہ من وسلویٰ جیسے پاکیزہ طعام پر ان سے صبر نہ ہو سکا اور ردی چیزیں مانگنے لگے۔ ایک طعام سے مراد ایک قسم کا طعام ہے یعنی من وسلویٰ۔ فُوْم کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ثُوْم ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ نے فُوْم کی تفسیر ثوم کے ساتھ کی ہے' یعنی لہسن۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ ❷ اگلی لغت کی سابقہ کتابوں میں فَوِّمُوْا لَنَا کے معنی اِخْتَبِزُوْا یعنی ہماری روٹی پکاؤ کے

❶ ۷/ الاعراف:۱۶۰۔ ❷ ابن ابی حاتم، ۱/ ۱۹۳۔

ہیں۔ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر یہ صحیح ہو تو یہ حروف مبدلہ میں سے ہیں جیسے عَاثُوْرِ شر' عَافُوْرِ شر' اثافی' اثاثی' مَغَافِیْر' مَغَاثِیْر وغیرہ جن میں ف سے ث اور ث سے ف بدلا گیا ہے' کیونکہ یہ دونوں مخرج کے اعتبار سے بہت قریب ہیں' ❶ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ اور لوگ کہتے ہیں ﴿ فُوْم ﴾ کے معنی گیہوں کے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ اوراحیحہ کے شعر میں بھی ﴿ فُوْم ﴾ گیہوں کے معنی میں آیا ہے۔ بنو ہاشم کی زبان میں فوم گیہوں کے معنی میں مستعمل تھا۔ فوم کے معنی روٹی کے بھی ہیں۔ بعض نے سنبلہ کے معنی کیے ہیں۔ قتادہ اور عطاء رحمہما اللہ فرماتے ہیں جس اناج کی روٹی پکتی ہے اسے فوم کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں فوم ہر قسم کے اناج کو کہتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈانٹا کہ تم بہتر چیز کو ردی چیز کے بدلے کیوں طلب کرتے ہو؟ پھر فرمایا جاؤ شہر میں یہ سب چیزیں پاؤ گے۔ جمہور کی قراءت ﴿ مِصْرًا ﴾ ہی ہے اور تمام قراءتوں میں یہی لکھا ہوا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شہروں میں سے کسی شہر میں چلے جاؤ۔ ❷ ابی بن کعب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے ﴿ مِصْرَ ﴾ کی قراءت بھی ہے اور اس کی تفسیر مصر شہر سے کی گئی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مِصْرًا سے بھی مراد مخصوص شہر مصر لیا جائے۔ اور یہ الف مِصْرًا کا ایسا ہی ہے جیسا قَوَارِيْرَا قَوَارِيْرَا میں ہے۔ مصر سے مراد عام شہر لینا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ جو چیز تم طلب کرتے ہو یہ تو آسان چیز ہے جس شہر میں جاؤ گے یہ تمام چیزیں پالو گے میری دعا کی بھی کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ ان کا یہ قول محض تکبر' سرکشی اور بڑائی کے طور پر تھا اس لیے انہیں کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

شامت اعمال: [آیت:۶۱] مطلب یہ ہے کہ ذلت اور مسکینی ان پر مسلط کی گئی' اہانت و پستی ان پر ڈال دی گئی۔ جزیہ ان سے وصول کیا گیا مسلمانوں کے قدموں تلے انہیں ڈالا گیا' فاقہ کشی اور بھیک کی نوبت پہنچی اللہ کا غضب و غصہ ان پر اترا ﴿ بَآءُ وْا ﴾ کے معنی لوٹے اور رجوع کیا کے ہیں باء کبھی بھلائی کے صلہ کے ساتھ اور کبھی برائی کے صلہ کے ساتھ آتا ہے۔ یہاں برائی کے صلہ کے ساتھ ہے۔ یہ تمام عذاب ان کے تکبر' عناد' حق کی قبولیت سے انکار اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر اور انبیا اور ان کے تابعداروں کی اہانت اور ان کے قتل کی بنا پر تھا۔ اس سے زیادہ بڑا کفر اور کونسا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر کرتے ہیں اور اس کے انبیا کو بلاوجہ قتل کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''تکبر کے معنی حق کو چھپانے اور لوگوں کو ذلیل سمجھنے کے ہیں۔'' ❸

مالک بن مرارہ رہاوی رضی اللہ عنہ ایک روز رسول اللہ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں خوب صورت آدمی ہوں میرا دل نہیں چاہتا کہ کسی کے جوتے کا تسمہ بھی مجھ سے اچھا ہو تو کیا یہ تکبر اور سرکشی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نہیں بلکہ تکبر اور سرکشی حق کو رد کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔'' ❹ چونکہ بنی اسرائیل کا تکبر کفر و قتل انبیا علیہم السلام تک پہنچ گیا تھا اس لئے اللہ کا غضب ان پر لازم ہو گیا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل ایک ایک دن میں تین تین سو انبیا کو قتل کر ڈالتے تھے پھر بازاروں میں جا کر اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاتے تھے۔ (ابوداود وطیالسی) ❺ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''سب سے زیادہ سخت عذاب قیامت کے دن اس شخص کو ہوگا جسے نبی نے قتل کیا ہو یا اس نے کسی نبی کو مار ڈالا ہو اور گمراہی کا امام اور تصویریں بنانے والا۔'' یہ بدلہ تھا ان کی نافرمانیوں اور ظلم و زیادتی کا یہ دوسرا سبب ہے کہ وہ منع کیے ہوئے کاموں کو کرتے تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ ❻

---

❶ الطبری، ۲/ ۱۳۰۔ ❷ ابن ابی حاتم، ۱/ ۱۹۴۔ ❸ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر وبیانه، ۹۱۔

❹ احمد، ۱/ ۳۸۵؛ حاکم، ۴/ ۱۸۲ یہ حدیث صحیح ہے۔ دیکھئے (الموسوعة الحدیثیة، ۶/ ۱۵۵) ❺ ابن جریر، ۳/ ۱۴۴، ۱۴۵؛ تفسیر ابن ابی حاتم، ۱/ ۱۲۶، ح۶۳۲، والسند ضعیف شیخ البانی رحمہ اللہ اسے منکر قرار دیتے ہیں۔ (السلسلة الضعیفة، ۵۴۶۱)

❻ احمد، ۱/ ۴۰۷؛ وسنده حسن مسند البزار، ۱۶۰۳؛ الطبرانی، ۱۰۵۱۵۔ الترغیب، ۳/ ۱۳۶ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو جید قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الصحیحة، ۲۸۱)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

ترجمہ: مسلمان ہوں یہودی ہوں نصاری ہوں یا صابی ہوں جوکوئی بھی اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے ان کے اجر ان کے رب کے پاس ہیں اور ان پر نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ اداسی۔[۶۲]

اپنے نبی کا تابعدار ایماندار ہے: [آیت:۶۲] اوپر چونکہ نافرمانیوں کے عذاب کا ذکر تھا تو یہاں ان میں جو لوگ نیک تھے ان کے ثواب کا بیان ہو رہا ہے۔ نبی ﷺ کی تابعداری کرنے والوں کے لئے یہ بشارت تا قیامت ہے کہ نہ مستقبل کا خوف اور نہ یہاں نہ ملنے والی چیزوں کا افسوس اور نہ حسرت اور جگہ ہے ﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ ❶ یعنی ''اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر کوئی خوف وغم نہیں۔'' اور وہ فرشتے جو مسلمان کی روح نکلنے کے وقت آتے ہیں یہی کہتے ہیں ﴿أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ﴾ ❷ ''تم ڈرو نہیں' تم اداس نہ ہو' تمہیں ہم اس جنت کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔''

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے جن دینداروں سے ملا تھا ان کی عبادت اور نماز وروزے وغیرہ کا ذکر کیا تو یہ آیت اتری (ابن ابی حاتم) ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے ان کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ نمازی روزہ دار ایماندار اور اس بات کے معتقد تھے کہ آپ مبعوث ہونے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''وہ جہنمی ہیں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو اس سے بڑا رنج ہوا'' وہیں یہ آیت نازل ہوئی لیکن یہ واضح رہے کہ یہودیوں میں سے ایماندار وہ ہے جو توراۃ کو مانتا ہو اور سنت موسیٰ علیہ السلام کا عامل ہو لیکن جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آ جائیں تو ان کی تابعداری کرے اور ان کی نبوت کو برحق سمجھے۔ اگر وہ اب بھی توراۃ اور سنت موسیٰ علیہ السلام پر جما رہا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا اور تابعداری نہ کی تو پھر بے دین ہو جائے گا۔

اسی طرح نصرانیوں میں سے ایماندار وہ ہے جو انجیل کو کلام اللہ مانے' شریعت عیسوی پر عمل کرے اور اگر اپنے زمانہ میں پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کو پالے تو آپ ﷺ کی تابعداری اور آپ کی نبوت کی تصدیق کرے۔ اگر اب بھی اس نے انجیل کو اور اتباع عیسوی کو نہ چھوڑا اور آپ کے طریقے پر عمل نہ کیا تو ہلاک ہوگا (ابن ابی حاتم) سدی اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ بھی یہی فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہر نبی کا تابعدار اس کا ماننے والا ایماندار اور صالح ہے اور اللہ کے ہاں نجات پانے والا لیکن جب دوسرا نبی آیا اور اس نے اس کا انکار کیا تو کافر ہو جائے گا۔ قرآن کی ایک تو یہ آیت جو آپ کے سامنے ہے اور دوسری وہ آیت جس میں بیان ہے ﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ ❸ یعنی ''جو شخص اسلام کے سوا اور دین ڈھونڈے اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ نقصان اٹھانے والا ہوگا۔'' ان دونوں آیات میں یہی تطبیق ہے۔ کسی شخص کا کوئی عمل کوئی طریقہ مقبول نہیں تاوقتیکہ وہ

❶ ١٠/ یونس:٦٢۔ ❷ ٤١/ حٰمٓ السجدة:٣١۔ ❸ ٣/ آل عمران:٨٥۔

شریعت محمدیہ ﷺ کے مطابق نہ ہو مگر یہ اس وقت ہے جب کہ آپ مبعوث ہو کر دنیا میں آ گئے۔ آپ ﷺ سے پہلے جس نبی کا جو زمانہ تھا اور جو لوگ اس زمانہ میں تھے ان کے لئے ان کے زمانہ کے نبی کی تابعداری اور اسکی شریعت کے مطابق عمل کرنا شرط ہے۔

یہود کے لغوی معنی اور وجہ تسمیہ؟ لفظ یہود ہوادۃ سے ماخوذ ہے جس کے معنی مودۃ اور دوستی کے ہیں یا یہ ماخوذ ہے تہود سے جس کے معنی توبہ کے ہیں۔ جیسے قرآن میں ہے ﴿اِنَّا هُدْنَا اِلَيْكَ﴾ ❶ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں ''ہم اے اللہ تیری طرف توبہ کرتے ہیں۔ پس انہیں ان انہی دو وجوہات کی بنا پر یہود کہا گیا ہے توبہ کی وجہ سے اور آپس کی دوستی کی وجہ سے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ یہودا کی اولاد میں سے تھے اس لئے انہیں یہود کہا گیا ہے۔ یہودا حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے لڑکے کا نام تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ توراۃ پڑھتے وقت ہلتے تھے اس بنا پر انہیں یہود یعنی حرکت کرنے والا کہا گیا ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا زمانہ آیا تو بنی اسرائیل پر آپ کی نبوت کی تصدیق اور آپ کے فرمان کی اتباع واجب ہوئی اور ان کا نام نصاریٰ ہوا کیونکہ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کی نصرت یعنی تائید اور مدد کی تھی۔ انہیں انصار بھی کہا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے: ﴿مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ﴾ ❷ یعنی ''اللہ کے دین میں میرا مددگار کون ہے؟'' حواریوں نے کہا ہم ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لوگ جہاں اترے تھے اس زمین کا نام ناصرہ تھا اس لئے انہیں نصاریٰ کہا گیا۔ قتادہ اور ابن جریج رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ مروی ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

نصاریٰ نَصْرَان کی جمع ہے جیسے نشوان کی جمع نشاویٰ اور سکران کی جمع سکاریٰ اس کا مونث نَصْرَانَةٌ آتا ہے۔ اب جب کہ خاتم النبیین کا زمانہ آیا اور آپ ﷺ تمام دنیا کی طرف رسول و نبی بنا کر بھیجے گئے تو ان پر اور ان پر سب پر آپ ﷺ کی تصدیق و اتباع واجب ہوئی اور آپ ﷺ کی امت کا نام مؤمن رکھا گیا ان کے ایمان و یقین کی پختگی کی وجہ سے اور اس لئے بھی کہ ان کا ایمان تمام اگلے انبیاء علیہم السلام پر بھی ہے اور تمام آنے والی باتوں پر بھی۔

صابی کون ہیں؟ صابی کے معنی ایک تو بے دین اور لامذہب کے کئے گئے ہیں اور اہل کتاب کے ایک فرقہ کا نام بھی یہ تھا جو زبور پڑھا کرتے تھے اسی بنا پر ابوحنیفہ اور اسحاق رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ ہمارے لئے حلال ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا بھی جائز ہے۔ حضرت حسن اور حضرت حکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ گروہ مانند مجوسیوں کے ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ لوگ فرشتوں کے پجاری تھے۔ زیاد نے جب یہ سنا تھا کہ یہ لوگ پنج وقتہ نماز قبلہ کی جانب پڑھا کرتے ہیں تو ارادہ کیا کہ انہیں جزیہ معاف کر دے لیکن ساتھ ہی معلوم ہوا کہ وہ مشرک ہیں تو زیاد اپنے ارادہ سے باز رہے۔

ابوالزناد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ لوگ عراقی ہیں' بکوثی کے رہنے والے' سب انبیا کو مانتے ہیں' ہر سال میں تیس روزے رکھتے ہیں اور یمن کی طرف منہ کر کے ہر دن میں پانچ نمازیں پڑھتے ہیں۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ لوگ جانتے ہیں لیکن کسی شریعت کے پابند نہیں اور کفار بھی نہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ بھی ایک مذہب ہے جزیرہ موصل میں یہ لوگ تھے لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتے تھے اور کسی کتاب یا نبی کو نہیں مانتے تھے اور نہ کوئی خاص شرع کے عامل تھے۔

مشرکین اسی بنا پر آنحضور ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو صابی کہتے تھے یعنی لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے کی بنا پر ان کا دین نصرانیوں سے ملتا جلتا تھا۔ ان کا قبلہ جنوب کی طرف تھا یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت نوح علیہ السلام کے دین پر بتاتے تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے =

❶ ٧/ الاعراف:١٥٦۔ ❷ ٦١/ الصف:١٤۔

وَ اِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَکُمۡ وَ رَفَعۡنَا فَوۡقَکُمُ الطُّوۡرَ ؕ خُذُوۡا مَاۤ اٰتَیۡنٰکُمۡ بِقُوَّۃٍ وَّ اذۡکُرُوۡا مَا فِیۡہِ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّیۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ ۚ فَلَوۡ لَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَ رَحۡمَتُہٗ لَکُنۡتُمۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ: اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تم پر طور پہاڑ لا کر کھڑا کر دیا (اور کہا) جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی سے تھام لو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد کرو تا کہ تم بچ سکو۔[۶۳] لیکن تم اس کے بعد بھی پھر گئے پس اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم نقصان والے ہو جاتے۔[۶۴]

= کہ یہود مجوس کے دین کا خلط ملط یہ مذہب تھا۔ ان کا ذبیحہ کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا ممنوع ہے۔ مجاہد، حسن اور ابن ابی نجیح رحمۃ اللہ علیہم کا یہی فتویٰ ہے۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے جہاں تک معلوم ہوا ہے کہ یہ لوگ موحد تھے لیکن تاروں کی تاثیر اور نجوم کے معتقد تھے۔ ابوسعید اصطخری نے ان پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔

رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ ستارہ پرست لوگ تھے کشرانیین میں سے تھے جن کی جانب حضرت ابراہیم علیہ السلام بھیجے گئے تھے حقیقت حال کا علم تو محض اللہ تعالیٰ کو ہے مگر بظاہر یہی قول اچھا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نہ یہودی تھے نہ نصرانی نہ مجوسی نہ مشرک بلکہ یہ لوگ فطرت پر تھے کسی خاص مذہب کے پابند نہ تھے اور اسی معنی پر مشرکین اصحاب رسول اللہ کو صابی کہا کرتے تھے یعنی ان لوگوں نے تمام مذاہب ترک کر دیئے۔ بعض علما کا قول ہے کہ صابی وہ ہیں جنہیں کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی۔ وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ۔

یہود اور عہد شکنی: [آیت: ۶۳-۶۴] ان آیات میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو ان کے عہد و پیمان یاد دلا رہا ہے کہ میری عبادت اور میرے نبی کی اطاعت کا وعدہ میں تم سے لے چکا ہوں اور اس وعدے کو پورا کرنے اور منوانے کے لئے میں نے طور پہاڑ کو تمہارے سروں پر لا کھڑا کر دیا تھا۔ اور جگہ ہے ﴿وَ اِذۡ نَتَقۡنَا الۡجَبَلَ فَوۡقَہُمۡ﴾ ❶ الخ ''جب ہم نے ان کے سروں پر سائبان کی طرح پہاڑ لا کھڑا کیا اور یہ یقین کر چکے کہ وہ اب گر کر انہیں کچل ڈالے گا اس وقت ہم نے کہا ہماری دی ہوئی چیز کو مضبوط تھام لو اور اس میں جو کچھ ہے اسے یاد کرو تو بچ جاؤ گے۔'' طور سے مراد پہاڑ ہے جیسے سورۂ اعراف کی آیت میں ہے اور جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم نے اس کی تفسیر کی ہے ❷ اور یہی ظاہر ہے کہ طور اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر روئیدگی ہوتی ہو۔ ❸ حدیث فتون میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما مروی ہے کہ جب انہوں نے اطاعت سے انکار کیا اس وقت یہ پہاڑ ان کے سروں پر لا کھڑا کیا کہ اب تو احکامات سنیں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ان کے سجدے سے انکار کرنے کے باعث ان کے سر پر پہاڑ آ گیا لیکن اسی وقت یہ سب سجدے میں گر پڑے اور مارے ڈر کے کنکھیوں سے اوپر کو دیکھتے رہے اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور پہاڑ ہٹا لیا۔ اسی وجہ سے وہ اسی سجدے کو پسند کرتے ہیں کہ آدھا دھڑ سجدے میں ہو اور دوسری طرف سے اونچے دیکھ رہے ہوں۔ جو ہم نے دیا اس سے مراد تو توراۃ ہے۔ قوت سے مراد اطاعت ہے یعنی تورات پر مضبوطی سے جم کر عمل کرنے کا وعدہ کرو ورنہ تم پر پہاڑ گرا دیا جائے گا۔ اور اس میں جو ہے اسے یاد کرو یعنی توراۃ پڑھتے پڑھاتے رہو ❹ لیکن ان لوگوں نے اتنے پختہ میثاق اتنے اعلیٰ عہد اور اس قدر زبردست وعدے کی بھی کچھ پروانہ کی اور عہد شکنی کی اب اگر اللہ تعالیٰ کی کرم فرمائی اور رحمت نہ ہوتی اگر وہ توبہ قبول نہ فرماتا اور انبیا کے سلسلہ کو برابر جاری نہ رکھتا تو =

❶ ۷/ الاعراف: ۱۷۱۔ ❷ ابن ابی حاتم، ۱/ ۲۰۳۔ ❸ ایضاً۔ ❹ ایضاً۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾

ترجمہ: یقیناً تمہیں ان لوگوں کا علم بھی ہے جو تم میں سے ہفتے کے بارے میں حد سے بڑھ گئے اور ہم نے بھی کہہ دیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ۔[٦٥] اسے ہم نے اگلوں پچھلوں (پہلے اور بعد کے آنے والوں) کے لئے عبرت کا سبب بنایا اور پرہیزگاروں کے لئے وعظ ونصیحت کا۔[٦٦]

= یقیناً تمہیں زبردست نقصان پہنچتا' اس وعدہ کو توڑنے کی بنا پر دنیا اور آخرت میں تم برباد ہو جاتے۔

یہودیوں کا عبرتناک انجام؟ [آیت: ٦٥-٦٦] اس واقعہ کا بیان پوری تفصیل کے ساتھ سورۂ اعراف میں ہے جہاں فرمایا ہے ﴿وَاسْأَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي﴾ ❶ الخ وہیں اس کی تفسیر بھی پوری بیان ہوگی' ان شاء اللہ تعالیٰ یہ ایلہ بستی کے باشندے تھے ان پر ہفتہ کے دن کی تعظیم ضروری کی گئی تھی اس دن کا شکار منع کیا گیا تھا اور حکم باری تعالیٰ سے مچھلیاں اسی دن بکثرت آیا کرتی تھیں تو انہوں نے حیلہ کیا گڑھے کھود لئے' رسیاں اور کانٹے ڈال دیئے۔ ہفتہ والے دن وہ آگئیں یہاں پھنس گئیں اتوار کی رات کو جا کر پکڑ لیا' اس جرم پر اللہ نے ان کی شکلیں بدل دیں۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں صورتیں نہیں بدلی تھیں بلکہ دل مسخ ہو گئے تھے یہ صرف بطور مثال کے ہے جیسے عمل نہ کرنے والے علما کو گدھوں سے مثال دی ہے لیکن یہ قول غریب ہے اور قرآن کریم کے واضح الفاظ کے بھی خلاف ہے۔ اس آیت پر پھر سورۂ اعراف کی آیت ﴿وَاسْأَلْهُمْ﴾ ❷ الخ پر اور ﴿وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ﴾ ❸ الخ پر نظر ڈالو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان کے جوان بندر بن گئے اور بوڑھے سور ہو گئے۔ ❹ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ تمام مرد وعورت دم والے بندر ہو گئے تھے ❺ آسمانی آواز آئی کہ تم سب بندر بن جاؤ چنانچہ سب کے سب بندر بن گئے جو لوگ انہیں اس مکر وحیلہ سے روکتے تھے وہ اب آئے اور کہنے لگے دیکھو ہم پہلے ہی سے تمہیں منع کرتے تھے؟ تو وہ سر ہلاتے تھے یعنی ہاں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں تھوڑی مدت میں وہ سب ہلاک ہو گئے اور ان کی نسل نہیں ہوئی ❻ تین دن سے زیادہ کوئی مسخ شدہ قوم زندہ نہیں رہتی یہ سب بھی تین دن میں ہی یونہی ناک رگڑتے رگڑتے مر گئے' کھانا پینا اور نسل سب منقطع ہو گئی۔ یہ تو جانور ہیں جو اسی طرح پیدا کئے گئے تھے اللہ تعالیٰ جو چاہے اور جس طرح چاہے پیدا کرتا ہے اور جسے جس طرح کا چاہے بنا دیتا ہے ❼ (اللہ تعالیٰ اپنے غضب وغصہ سے اور اپنی پکڑ دھکڑ سے اور اپنے دنیوی اور اخروی عذابوں سے ہمیں نجات دے (آمین) ﴿خَاسِئِيْنَ﴾ کا معنی ذلیل اور کمینہ ہے۔ ان کا واقعہ تفصیل کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے جو بیان کیا ہے وہ بھی سن لیجئے۔ ان پر جمعہ کی عزت وادب کو فرض کیا گیا لیکن انہوں نے جمعہ کے دن کو پسند نہ کیا اور ہفتہ کا دن رکھا اس دن کی عزت کے طور پر ان کا شکار کھیلنا وغیرہ اس دن حرام کر دیا گیا۔ ادھر اللہ کی آزمائش کی بنا پر ہفتہ والے دن تمام مچھلیاں اوپر آ جایا کرتی تھیں اور اچھلتی کودتی رہتی تھیں باقی دنوں میں کوئی نظر بھی نہیں آتی تھی ایک مدت تک تو یہ لوگ خاموش رہے اور شکار کرنے سے رکے رہے۔ اس کے بعد ان میں سے ایک شخص نے یہ حیلہ نکالا کہ ہفتہ والے دن مچھلی کو پکڑ لیا اور پھندے میں پھانس کر ڈوری کو کنارے پر کسی چیز سے باندھ دیا۔ اتوار والے دن جا کر نکال

❶ ٧/ الاعراف: ١٦٣۔ ❷ ٧/ الاعراف: ١٦٣۔ ❸ ٥/ المآئدة: ٦٠۔ ❹ ابن ابی حاتم، ١/ ٢١٠۔
❺ ایضا، ١/ ٢٠٩۔ ❻ ابن ابی حاتم، ١/ ٢٠٩۔ ❼ الطبری، ٢/ ١٦٧۔

لایا اور پکا کر کھائی لوگوں نے خوشبو پا کر پوچھا تو اس نے کہا میں نے تو آج اتوار کو شکار کیا ہے آخر یہ راز کھلا تو اور لوگوں نے بھی اس حیلہ کو پسند کیا اور اس طرح وہ سب مچھلیوں کا شکار کرنے لگے پھر تو بعض نے دریا کے آس پاس گڑھے کھود لئے ۔ ہفتہ والے دن جب مچھلیاں اس میں آ جاتیں تو اسے بند کر دیتے اور اتوار والے دن پکڑ لاتے ۔ کچھ لوگ جو ان میں نیک دل اور سچے مسلمان تھے وہ انہیں روکتے اور منع کرتے رہے لیکن ان کا جواب یہی ہوتا تھا کہ ہم ہفتہ کو شکار ہی نہیں کھیلتے ہم تو اتوار والے دن پکڑتے ہیں ۔ ان شکار کھیلنے والوں اور ان منع کرنے والوں کے سوا ایک گروہ ان میں اور ہو گیا جو مصلحت وقت برتنے والے اور دونوں فرقوں کو راضی رکھنے والے تھے وہ نہ تو ان کا پورا ساتھ دیتے نہ ان کا شکار کھیلتے تھے نہ شکاریوں کو روکتے تھے بلکہ روکنے والوں سے کہتے تھے کہ اس قوم کو کیوں وعظ ونصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ تعالیٰ ہلاک کرے گا یا سخت عذاب کرے گا اور تم اپنا فرض بھی ادا کر چکے انہیں منع کر چکے جب نہیں مانتے تو اب انہیں چھوڑو ۔ منع کرنے والے جواب دیتے کہ ایک تو اللہ کے ہاں ہم معذور ہو جائیں اس لئے اور دوسرے اس لئے بھی کہ شاید آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں یہ مان جائیں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائیں ۔

بالآخر اس مسلم جماعت نے اس حیلہ ساز فرقہ کا بالکل بائیکاٹ کر دیا اور ان سے بالکل الگ ہو گئے ۔ بستی کے درمیان ایک دیوار کھینچ لی اور ایک دروازہ اپنے آنے جانے کا رکھا اور ایک دروازہ ان حیلہ جو نافرمانوں کے لئے اس پر بھی ایک مدت اسی طرح گزر گئی ۔ ایک دن جب یہ مسلمان سو کر اٹھے دن چڑھ گیا لیکن اب تک ان لوگوں نے اپنا دروازہ نہیں کھولا تھا اور نہ ان کی آوازیں آ رہی تھیں ۔ یہ لوگ حیران تھے کہ آج کیا بات ہے؟ آخر جب زیادہ دیر ہو گئی تو ان لوگوں نے دیوار پر چڑھ کر دیکھا تو وہاں عجب منظر نظر آیا دیکھا کہ وہ تمام لوگ عورتوں اور بچوں سمیت بندر بن گئے ہیں ان کے گھر جو راتوں کو بند تھے اسی طرح بند ہیں اور اندر وہ تمام انسان بندر کی صورتوں میں ہیں جن کی دمیں نکلی ہوئی ہیں ۔ بچے چھوٹے بندروں کی شکل میں مرد بڑے بندروں کی صورت میں عورتیں بندریاں بنی ہوئی ہیں اور ہر ایک پہچانا جاتا ہے کہ یہ فلاں مرد ہے یہ فلاں عورت ہے یہ فلاں بچہ ہے وغیرہ یہ بھی یاد رہے کہ جب یہ عتاب آیا تو نہ صرف وہی ہلاک ہوئے جو شکار کھیلتے تھے بلکہ ان کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہوئے جو مصلحت پسند انہیں منع نہ کرتے تھے اور خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور میل جول ترک نہ کیا تھا صرف وہی لوگ باقی بچے جو منع کرتے رہے اور ان سے الگ تھلگ ہو گئے تھے یہ تمام اقوال اور قرآن کریم کی کئی ایک آیات وغیرہ شاہد ہیں کہ صحیح بات یہی ہے کہ انکی صورتیں بدل دی گئیں تھیں سچ مچ بندر بنا دیئے گئے تھے نہ یہ کہ معنوی مسخ تھا یعنی ان کے دل بندروں جیسے ہو گئے جیسے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ٹھیک تفسیر یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سور اور بندر بنا دیا تھا اور ظاہری صورتیں بھی ان کی ان بد جانوروں جیسی ہو گئیں ۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ ۔

﴿فَجَعَلْنَاهَا﴾ میں هَا کی ضمیر کا مرجع قِرَدَة ہے یعنی ہم نے ان بندروں کو عبرت کا سامان بنایا یا اس کا مرجع حِيْتَان ہے یعنی ان مچھلیوں کو یا اس کا مرجع عُقُوْبَة ہے یعنی اس سزا کو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا مرجع قَرْيَة ہے یعنی اس بستی کو ہم نے اگلے پچھلوں کے لئے عبرتناک امر بنایا اور صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ قریہ مراد ہے اور قریہ سے مراد اہل قریہ ہیں ۔

﴿نکالاً﴾ کہتے ہیں عذاب وسزا کو جیسے اور جگہ ہے ﴿فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ۝﴾ ❶ ”اس کو عبرت کا سبب بنایا آگے پیچھے والی بستیوں کے لیے ۔“ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى﴾ ❷ الخ ”ہم نے تمہارے آس پاس کی بستیوں کو ہلاک کیا اور اپنی نشانیاں بیان فرمائیں تاکہ وہ لوگ لوٹ آئیں“ اور ارشاد ہے ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ﴾ ❸ الخ اور =

❶ ۷۹/ النّازعات:۲۵ ۔ ❷ ٤٦/ الاحقاف:۲۷ ۔ ❸ ۱۳/ الرعد:٤١ ۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٦٧﴾

ترجمہ: (حضرت) موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے تو انہوں نے کہا آپ ہم سے مذاق کیوں کرتے ہیں؟ جواب دیا کہ میں ایسا جاہل ہونے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑتا ہوں۔[٦٧]

= یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اس وقت کے موجود لوگوں کے لئے اور بعد میں آنے والوں کے لئے عبرت ناک واقعہ دلیل راہ بن جائے گو بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگلوں پچھلوں کے لئے یہ ایک سبق ہے لیکن ظاہر ہے گزرے ہوئے اگلے لوگوں کے لئے یہ واقعہ گو کتنا ہی زبردست عبرت ناک ہو دلیل نہیں بن سکتا اس لئے کہ وہ تو گزر چکے تو صحیح قول یہی ہے کہ یہاں مراد مکان اور جگہ ہے یعنی آس پاس کی بستیاں اور یہی تفسیر ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کی وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ اور یہ بھی معنی بیان کئے ہیں کہ ان کے اگلے گناہ اور ان کے بعد آنے والے لوگوں کے ایسے گناہوں کے لئے ہم نے اس سزا کو عبرت کا سبب بنایا لیکن صحیح قول وہی ہے جس کی صحت ہم نے بیان کی آس پاس کی بستیاں جیسا کہ قرآن فرماتا ہے ﴿وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ﴾ ❶ الخ اور فرمان ہے ﴿وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ❷ الخ اور فرمان ہے ﴿اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ﴾ ❸ الخ۔

امت محمدیہ ﷺ کے لیے تنبیہ: الغرض یہ عذاب ان کے آنے والوں کے لئے اور بعد میں آنے والوں کے لئے ایک سبق ہے اور اسی لئے فرمایا ﴿وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ یعنی "یہ بعد کے آنے والے پرہیز گاروں کے لئے عبرت کا سامان ہے۔" یہاں تک کہ امت محمدیہ ﷺ کے لئے بھی کہ یہ لوگ ڈرتے رہیں کہ جو عذاب و سزا ان پر ان کے حیلوں کی وجہ سے اور ان کے مکر و فریب سے حرام کو حلال کر لینے کے باعث نازل ہوئی اب جو ایسا کرے گا ایسا نہ ہو کہ وہی سزا اور وہی عذاب ان پر بھی آ جائیں۔ ایک صحیح حدیث امام ابو عبداللہ ابن بطہ رحمہ اللہ نے وارد کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ((لَا تَرْتَكِبُوْا مَا ارْتَكَبَتِ الْيَهُوْدُ فَتَسْتَحِلُّوْا مَحَارِمَ اللّٰهِ بِاَدْنَى الْحِيَلِ)) یعنی "تم وہ نہ کرو جو یہودیوں نے کیا حیلے حوالوں سے اللہ کے حرام کو حلال نہ کر لیا کرو" یعنی شرعی احکام میں حیلہ جوئی سے بچو۔ ❹ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

گائے ذبح کرنے کا قصہ: [آیت:٦٧] اس کا پورا واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص بہت بڑا مال دار اور تونگر تھا اس کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی صرف ایک لڑکی تھی اور ایک بھتیجا تھا۔ بھتیجے نے جب دیکھا کہ بوڑھا مرتا ہی نہیں تو ورثہ کی دھن میں اسے خیال آیا کہ میں ہی اسے کیوں نہ مار ڈالوں؟ تاکہ اس کی لڑکی سے نکاح بھی کر لوں اور قتل کی تہمت دوسروں پر رکھ کر دیت بھی وصول کروں اور مقتول کے مال کا مالک بھی بن جاؤں۔ اس شیطانی خیال میں وہ پختہ ہو گیا اور ایک دن موقعہ پا کر اپنے چچا کو قتل کر ڈالا۔ بنی اسرائیل کے بھلے لوگ ان کے جھگڑوں بکھیڑوں سے تنگ آ کر یکسو ہو کر ان سے الگ ایک اور شہر میں رہتے تھے شام کو اپنے قلعہ کا پھاٹک بند کر دیا کرتے تھے اور صبح کھولتے تھے۔ کسی مجرم کو اپنے ہاں گھسنے بھی نہیں دیتے تھے۔ اس بھتیجے نے اپنے اس چچا کی لاش کو لے جا کر اس قلعہ کے پھاٹک کے سامنے ڈال دیا اور یہاں آ کر اپنے چچا کو ڈھونڈنے لگا پھر دہائی مچا دی کہ میرے چچا کو کسی نے مار ڈالا اور ان قلعہ

---

❶ ٤٦/ الاحقاف:٢٨۔ ❷ ٢٢/ الحج:٥٥۔ ❸ ٢١/ الانبیآء:٤٤۔

❹ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (ارواء الغلیل، ٥/ ٣٧٥:١٥٣٥، غایة المرام، ١١) اس حدیث کا بنیادی راوی ابن بطہ بذاتِ خود سخت ضعیف ہے لہٰذا یہ کہنا کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں بالکل غلط ہے۔

والوں پر تہمت رکھی اور ان سے دیت کا روپیہ طلب کرنے لگا۔ انہوں نے اس قتل سے اور اس کے علم سے بالکل انکار کیا لیکن یہ سر ہو گیا یہاں تک کہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ان سے لڑائی کرنے پر تل گیا۔ یہ لوگ عاجز آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ شخص خواہ مخواہ ہم پر ایک قتل کی تہمت لگا رہا ہے حالانکہ ہم بری الذمہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی وہاں سے وحی نازل ہوئی کہ ایک گائے ذبح کر لو۔ انہوں نے کہا اے اللہ تعالیٰ کے نبی! کہاں قاتل کی تحقیق اور کہاں آپ کا گائے کے ذبیحہ کا حکم؟ کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اعوذ باللہ (مسائل شرعیہ کے موقعہ پر) مذاق جاہلوں کا کام ہے اللہ عزوجل کا حکم یہی ہے اب اگر یہ لوگ جا کر کسی گائے کو ذبح کر دیتے تو کافی تھا لیکن انہوں نے سوالات کا دروازہ کھولا اور کہا وہ گائے کیسی ہونی چاہئے؟ اس پر حکم ہوا کہ وہ نہ بہت بڑھیا ہے نہ بچی ہے جوان عمر کی ہے۔ انہوں نے کہا حضرت! ایسی گائیں تو بہت ہیں یہ بیان فرمایئے کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ وحی اتری کہ اس کا رنگ بالکل صاف زردی مائل ہے ہر دیکھنے والے کی آنکھوں میں بھلی لگتی ہے۔ پھر کہنے لگے حضرت! ایسی گائیں بھی بہت ہیں' کوئی اور ممتاز وصف بیان فرمایئے۔ وحی نازل ہوئی کہ وہ کبھی ہل میں نہیں جوتی گئی' کھیتوں کو پانی نہیں پلایا ہر عیب سے پاک ہے' یک رنگی ہے' کوئی داغ دھبہ نہیں۔ جوں جوں وہ سوالات بڑھاتے گئے حکم میں سختی ہوتی گئی۔ اب نکلے ایسی گائے ڈھونڈنے کو وہ صرف ایک لڑکے کے پاس سے ملی۔ یہ بچہ اپنے ماں باپ کا نہایت فرمانبردار تھا ایک مرتبہ جب کہ اس کا باپ سویا ہوا تھا اور نقدی والی پیٹی کی کنجی اس کے سرہانے تھی ایک سوداگر ایک قیمتی ہیرا بیچتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ میں اسے بیچنا چاہتا ہوں لڑکے نے کہا میں خریدوں گا قیمت ستر ہزار طے ہوئی لڑکے نے کہا ذرا ٹھہرو جب میرے والد جاگیں گے تو میں ان سے کنجی لے کر آپ کو قیمت ادا کروں گا۔ اس نے کہا نہیں ابھی قیمت دو تو دس ہزار کم کر دیتا ہوں۔ اس نے کہا نہیں حضرت میں اپنے والد کو نہیں جگاؤں گا تم اگر ٹھہر جاؤ تو میں بجائے ستر ہزار کے اَسّی ہزار دوں گا۔ یونہی ادھر سے کمی ادھر سے زیادتی ہونی شروع ہوتی ہے یہاں تک کہ تاجر تیس ہزار قیمت لگا دیتا ہے کہ اگر تم اب جگا کر مجھے روپیہ دے دو تو میں تیس ہزار میں دیتا ہوں۔ لڑکا کہتا ہے کہ اگر تم ٹھہر جاؤ یا ٹھہر کر آؤ جب میرے والد جاگ جائیں تو میں تمہیں ایک لاکھ دوں گا۔ آخر وہ ناراض ہو کر اپنا ہیرا واپس لے کر چلا گیا۔ باپ کی اس بزرگی کو جاننے اور انکی راحت رسانی کی کوشش کرنے اور انکا ادب و احترام کرنے سے پروردگار اس لڑکے سے خوش ہو جاتا ہے اور اسے یہ گائے عطا فرماتا ہے۔ جب بنی اسرائیل اس قسم کی گائے ڈھونڈنے نکلتے ہیں تو سوا اس لڑکے کے اور کسی کے پاس نہیں پاتے اسی سے کہتے ہیں کہ اس ایک گائے کے بدلے دو گائیں لے لو یہ انکار کرتا ہے' پھر کہتے ہیں کہ تین لے لو چار لے لو لیکن یہ راضی نہیں ہوتا دس تک کہتے ہیں مگر پھر بھی نہیں مانتا یہ آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں جو یہ مانگے دو اور اسے راضی کر کے گائے خریدو۔ آخر گائے کے وزن کے برابر سونا دیا گیا تب اس نے اپنی گائے بیچی۔ یہ برکت اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کی خدمت کی وجہ سے اسے عطا فرمائی جب کہ یہ بہت محتاج تھا اسکے والد کا انتقال ہو گیا تھا اور اسکی بیوہ ماں غربت اور تنگی کے دن بسر کر رہی تھی۔ غرض اب یہ گائے خرید لی گئی اور اسے ذبح کیا گیا اور اس کے جسم کا ایک ٹکڑا لے کر مقتول کے جسم سے لگایا گیا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ مردہ جی اٹھا اس سے پوچھا گیا کہ تمہیں کس نے قتل کیا ہے؟ اس نے کہا میرے بھتیجے نے اس لئے کہ وہ میرا مال لے لے میری لڑکی سے نکاح کر لے۔ بس اتنا کہہ کر وہ پھر مر گیا اور قاتل کا پتہ لگ گیا اور بنی اسرائیل میں جو جنگ و جدال ہونے والی تھی وہ رک گئی اور یہ فتنہ دب گیا اس بھتیجے کو لوگوں نے پکڑ لیا اس کی عیاری اور مکاری کھل گئی اور اسے اس کے بدلے میں قتل کر ڈالا گیا۔ یہ قصہ مختلف الفاظ سے مروی ہے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ہاں کا واقعہ ہے جس کی تصدیق یا تکذیب ہم نہیں کر سکتے ہاں روایت جائز ہے تو اس آیت میں یہی بیان ہو رہا ہے کہ اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو بھی نہ بھولو کہ میں نے عادت کے خلاف بطور معجزے کے ایک گائے کے جسم کو لگانے سے ایک مردے کو زندہ کر دیا اور اس مقتول نے اپنے قاتل کا پتہ بتا دیا اور ایک ابھرنے والا فتنہ دب گیا۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۭ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ۭ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاۗءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۭ وَاِنَّآ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۭ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۭ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

ع ۸

ترجمہ: انہوں نے کہا اے موسیٰ! دعا کیجئے کہ اللہ ہمارے لئے اس کی ماہیت بیان کر دے۔ آپ نے فرمایا سنو وہ گائے نہ تو بالکل بوڑھی ہے نہ بچی۔ بلکہ درمیانی عمر کی نوجوان ہے۔ پس اب جو تمہیں حکم دیا گیا بجالاؤ۔[۶۸] وہ پھر کہنے لگے کہ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ بیان کرے کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ فرمایا وہ کہتا ہے کہ وہ گائے زرد رنگ ہے۔ چمکیلا اور دیکھنے والوں کو بھلا لگنے والا اس کا رنگ ہے۔[۶۹] وہ کہنے لگے کہ اپنے رب سے اور دعا کیجئے کہ ہمیں اس کی مزید ماہیت بتائے' اس قسم کی گائیں تو بہت ساری ہیں پتہ نہیں چلتا اگر اللہ نے چاہا تو ہم ہدایت والے ہو جائیں گے۔[۷۰] آپ نے فرمایا اللہ کا فرمان ہے کہ وہ گائے کام کرنے والی' زمین میں ہل جوتنے والی اور کھیتوں کو پانی پلانے والی نہیں' وہ تندرست اور بے داغ ہے۔ انہوں نے کہا اب آپ نے حق واضح کر دیا۔ گو وہ حکم برداری کے قریب نہ تھے لیکن اسے مانا اور وہ گائے ذبح کر دی۔[۷۱]

بنی اسرائیل کی سرکشی: [آیت: ۶۸۔۷۱] بنی اسرائیل کی سرکشی سرتابی اور حکم الٰہی امر الٰہی میں وضاحت کا یہاں بیان ہو رہا ہے کہ حکم پاتے ہی اس پر عمل نہ کر ڈالا' بلکہ شقیں نکالنے اور بار بار سوال کرنے لگے۔ ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے''کہ حکم ملتے ہی وہ اگر کسی گائے کو بھی ذبح کر ڈالتے تو کافی تھا لیکن انہوں نے پے در پے سوالات شروع کئے اور کام میں سختی بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ آخر میں وہ اگر ان شاء اللہ نہ کہتے تو کبھی بھی یہ سختی نہ ہٹتی اور اظہار ان پر نہ ہوتا۔'' ❶ پہلے سوال کے جواب میں کہا گیا نہ تو وہ بڑھیا ہے نہ بالکل کم عمر ہے بلکہ درمیانی عمر کی ہے پھر دوسرے سوال کے جواب میں اس کا رنگ بیان کیا گیا کہ وہ زرد رنگ کی ہے اور چمکدار رنگ ہے جو دیکھنے والوں کے من بھائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جو زرد جوتی پہنے وہ ہر وقت خوش و خرم رہے گا اور اس جملہ سے استدلال کیا ہے ﴿تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ﴾ ❷ بعض نے کہا ہے کہ مراد سخت سیاہ رنگ ہے لیکن اول قول ہی صحیح ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ ہم یوں کہیں کہ اس کی شوخی اور چمکیلے پن سے وہ مثل کالے رنگ کے لگتا تھا۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں اس کا رنگ اس قدر شوخ اور گہرا تھا کہ یہ معلوم ہوتا تھا گویا سورج کی شعائیں اس سے اٹھ رہی ہیں تورات میں اس کا رنگ سرخ بیان کیا گیا ہے

❶ الطبری، ۱/ ۳۴۸۔ یہ روایت معضل یعنی ضعیف ہے۔ ❷ تفسیر ابن ابی حاتم، ۱/ ۱۳۸، ح ۷۰۵ وعلل الحدیث، ۲/ ۳۱۹، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ (السلسلة الضعيفة، ۷۱۶) اور یہی راجح ہے۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۚ﴿۷۲﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾

ترجمہ: جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا پھر اس میں اختلاف کرنے لگے اور تمہاری پوشیدگی کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا۔[۷۲] ہم نے کہا اس گائے کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر لگا دو (وہ جی اٹھے گا) اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر کے تمہیں تمہاری عقلمندی کے لئے اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔[۷۳]

= ہے لیکن شاید یہ عربی کرنے والوں کی غلطی ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ چونکہ اس رنگ اور اس عمر کی گائیں بھی انہیں بکثرت نظر آئیں تو انہوں نے پھر کہا کہ اے اللہ کے نبی! کوئی اور نشانی بھی پوچھئے تاکہ شبہ مٹ جائے ان شاء اللہ اب ہمیں رستہ مل جائے گا۔ اگر یہ ان شاء اللہ نہ کہتے تو انہیں قیامت تک پتہ نہ چلتا اور اگر یہ سوالات ہی نہ کرتے تو اتنی سختی ان پر نہ ہوتی بلکہ جس گائے کو ذبح کر دیتے کفایت ہو جاتی۔ یہ مضمون ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے لیکن اس کی سند غریب ہے صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا کلام ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ اب کی مرتبہ اس کے اوصاف بیان کئے گئے کہ وہ ہل میں نہیں جتی' پانی نہیں سینچا' اس کے چمڑے پر کوئی داغ دھبہ نہیں' یک رنگی ہے' سارے بدن میں کہیں دوسرا رنگ نہیں' اس کے ہاتھ پاؤں اور کل اعضاء بالکل درست اور توانا ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ گائے کام کرنے والی نہیں ہاں کھیتی کا کام کرتی ہے لیکن پانی نہیں پلاتی۔ مگر یہ قول غلط ہے اس لئے کہ ﴿ذَلُوْلٌ﴾ کی تفسیر یہ ہے کہ وہ ہل نہیں جوتی اور نہ پانی پلاتی ہے نہ اس میں کوئی داغ دھبہ ہے۔ اب اتنی بڑی کدوکاوش کے بعد بادل ناخواستہ وہ اس کی قربانی کی طرف متوجہ ہوئے اسی لئے فرمایا کہ ذبح کرنے کے قریب نہ تھے اور ذبح نہ کرنے کے بہانے ٹٹولتے تھے کسی نے تو کہا ہے اس لئے کہ انہیں اپنی رسوائی کا خیال تھا کہ نہ جانیں کون قاتل ہو۔ بعض کہتے ہیں اس کی قیمت سن کر گھبرا گئے تھے لیکن بعض روایتوں میں آیا ہے کہ کل تین دینار اس کی قیمت لگی تھی لیکن یہ تین دینار والی اور گائے کے وزن کے برابر سونے والی دونوں روایتوں میں اسرائیلی روایتیں ہیں۔ ٹھیک بات یہی ہے کہ ان کا ارادہ بجا آوری حکم کا تھا ہی نہیں لیکن اب اس قدر وضاحت کے بعد اور قتل کا مقدمہ ہونے کی وجہ سے انہیں یہ حکم ماننا ہی پڑا' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ اس آیت سے اس مسئلہ پر بھی استدلال ہوسکتا ہے کہ جانوروں کو بلا دیکھے ادھار دینا جائز ہے اس لئے کہ صفات کا حصر کر دیا گیا کہ اوصاف پورے بیان کر دیئے گئے جیسے کہ حضرت امام مالک امام اوزاعی، امام لیث' امام شافعی' امام احمد، اور جمہور علما رحمہم اللہ کا مذہب ہے اگلوں کا اور پچھلوں کا اور اسکی دلیل بخاری و مسلم کی یہ حدیث بھی ہے کہ ''کوئی عورت کسی اور عورت کے اوصاف اس طرح اپنے خاوند کے سامنے بیان نہ کرے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے۔'' ❶ اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت کے اونٹوں کے اوصاف بھی بیان فرمائے ہیں قتل خطا میں اور اس قتل میں جو مشابہ عمد کے ہے۔ ❷ ہاں امام ابوحنیفہ اور دوسرے کوفی اور امام ثوری رحمہم اللہ وغیرہ بیع سلم کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ جانوروں کے اوصاف واحوال پوری طرح ضبط نہیں ہوسکتے' اسی طرح =

❶ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب لا تباشر المرأة المرأة...... ۵۲۴۰، ۵۲۴۱؛ صحیح مسلم، ۳۳۸۔ مختصرا

❷ ابوداود، کتاب الدیات، باب فی دیة الخطأ شبه العمد، ۴۵۴۷؛ وهو صحیح، نسائی، ۴۷۹۵؛ ابن ماجه، ۲۶۲۷۔

= ابن مسعود، حذیفہ بن یمان، اور عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے بھی منقول ہے۔

[آیت:۲:۷۲۔۷۳] صحیح بخاری میں ﴿اِدّٰرَئْتُمْ﴾ کے معنی تم نے اختلاف کیا کے ہیں۔ ❶ مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ❷ مسیّب بن رافع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جو شخص سات گھروں میں چھپ کر بھی کوئی نیک عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی نیکی کو ظاہر کر دے گا اسی طرح اگر کوئی سات گھروں میں گھس کر بھی کوئی برائی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے بھی ظاہر کر دے گا۔ پھر یہ آیت تلاوت کی ﴿وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ﴾ یہاں وہی واقعہ چچا بھتیجے کا بیان ہو رہا ہے جس کے باعث انہیں ذبیحہ گائے کا حکم ہوا تھا اور کہا جاتا ہے کہ اس کا کوئی ٹکڑا لے کر مقتول کے جسم پر لگاؤ' وہ ٹکڑا کونسا تھا؟ اس کا بیان نہ تو قرآن میں ہے نہ کسی صحیح حدیث میں اور نہ ہمیں اس کے معلوم ہونے سے کوئی فائدہ ہے نہ معلوم نہ ہونے سے کوئی نقصان ہے سلامت روی اسی میں ہے کہ جس چیز کا بیان نہیں ہم بھی اس کی تلاش و تفتیش میں نہ پڑیں گو بعض نے کہا ہے کہ وہ غضروف کی ہڈی نرم تھی۔ کوئی کہتا ہے کہ ہڈی نہیں بلکہ ران کا گوشت تھا۔ کوئی کہتا ہے دونوں شانوں کے درمیان کا گوشت تھا۔ کوئی کہتا ہے زبان کا گوشت کوئی کہتا ہے دم کا گوشت وغیرہ لیکن ہماری بہتری اسی میں ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے مبہم رکھا ہے ہم بھی مبہم رکھیں۔ اس ٹکڑے کے لگتے ہی وہ مردہ جی اٹھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے جھگڑے کا فیصلہ بھی اسی سے کیا اور قیامت کے دن جی اٹھنے کی دلیل بھی اسی کو بنایا۔ اس سورت میں پانچ جگہ مرنے کے بعد جینے کا بیان ہوا ہے ایک تو آیت ﴿ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ﴾ ❸ میں اور دوسرے اس قصے میں اور تیسرے ان کے قصے میں جو ہزاروں کی تعداد میں نکلے تھے اور ایک اجاڑ بستی پر ان کا گزر ہوا تھا۔ چوتھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چار پرندوں کے مار ڈالنے کے بعد زندہ ہو جانے میں۔ پانچویں زمین کی مردنی کے بعد روئیدگی کو موت و زیست سے تشبیہ دینے میں۔ ابوداؤد طیالسی رحمہ اللہ کی ایک حدیث میں ہے کہ ابورزین عقیلی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مردوں کو اللہ تعالیٰ کس طرح جلائے گا؟ فرمایا ''کبھی تم اجاڑ زمین پر گزرے ہو؟'' کہا ہاں فرمایا ''پھر کبھی اسے سر سبز و شاداب بھی دیکھا ہے؟'' کہا ہاں فرمایا ''اسی طرح موت کے بعد زیست ہے۔'' ❹ قرآن میں اور جگہ ہے ﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ﴾ ❺ یعنی ''ان منکرین کے لئے مردہ زمین بھی ایک نشانی ہے جسے ہم زندہ کرتے ہیں اور اس میں سے دانے نکالتے ہیں جسے یہ کھاتے ہیں اور جس میں ہم کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کرتے ہیں اور چاروں طرف نہروں کی ریل پیل کر دیتے ہیں اور وہ ان پھلوں کو مزے مزے سے کھاتے ہیں حالانکہ یہ ان کے ہاتھوں کا بنایا ہوا یا پیدا کیا ہوا نہیں۔ کیا پھر بھی یہ شکر گزاری نہ کریں گے؟'' کوئی زخمی شخص اگر کہے کہ فلاں شخص نے مجھے برانگیختگی کے باعث قتل کیا ہے تو اس کا یہ قول ثبوت سمجھا جائے گا اس مسئلہ پر اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کو اس سے تقویت پہنچائی گئی ہے اس لئے کہ مقتول کے جی اٹھنے کے بعد اس نے دریافت کرنے پر جسے قاتل بتایا اسے قتل کیا گیا اور مقتول کا قول باور کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ دم آخر ایسی حالت میں انسان عموماً سچ ہی بولتا ہے اور اس وقت اس پر تہمت نہیں لگائی جاتی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک لونڈی کا سر پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے کچل ڈالا اور اس کے کڑے اتار لے گیا جب اس کا پتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس لونڈی سے پوچھو کہ اسے کس نے مارا ہے۔'' لوگوں نے پوچھنا شروع کیا کہ کیا تجھے فلاں =

---

❶ صحیح بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قوله تعالیٰ ﴿وإذ قال موسیٰ لقومه......﴾

❷ ابن ابی حاتم، ۱/ ۲۲۹۔ ❸ ۲/ البقرة:۵۶۔ ❹ مسند الطیالسی، ۱۰۸۹؛ وسنده حسن، وأخطأ من ضعفه۔

❺ ۳۶/ یٰسین:۳۳۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

ترجمہ: پھر اس کے بعد تمہارے دل پتھر جیسے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ بعض پتھروں سے تو نہریں بہہ نکلتی ہیں اور بعض پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے اور بعض اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں' تم اللہ تعالیٰ کو اپنے اعمال سے غافل نہ جانو۔ [۷۴]

= نے مارا؟ فلاں نے مارا؟ وہ اپنے سر کے اشارے سے انکار کرتی جاتی تھی یہاں تک کہ جب اسی یہودی کا نام آیا تو اس نے سر کے اشارے سے کہا ہاں۔ چنانچہ اس یہودی کو گرفتار کیا گیا اور اس سے باصرار پوچھنے پر اس نے اقرار کیا تو حضور ﷺ نے حکم دیا کہ ''اس کا سر بھی اسی طرح دو پتھروں کے درمیان کچل دیا جائے۔'' [1] اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب یہ برانگیختگی کے باعث ہو تو مقتول کے وارثوں کو قسم کھلائی جائے گی بطور قسامۃ کے لیکن جمہور اس کے مخالف ہیں اور مقتول کے قول کو اس بارے میں ثبوت نہیں جانتے۔

پتھر دل لوگ کون ہیں؟ [آیت:۷۴] اس آیت میں بنی اسرائیل کو زجر و توبیخ کی گئی ہے کہ اس قدر زبردست معجزے اور قدرت کی نشانیاں دیکھ کر پھر بھی بہت جلد تمہارے دل سخت پتھر جیسے بن گئے۔ اسی لیے ایمان والوں کو اس طرح سختی سے روکا گیا اور کہا گیا ہے ﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝﴾ [2] یعنی ''کیا اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ جب ایمان والوں کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اللہ کے نازل کردہ حق سے کانپ اٹھیں؟ اور اگلے اہل کتاب کی طرح نہ ہو جائیں جن کے دل زمانہ گزرنے کے بعد سخت ہو گئے اور ان میں کے اکثر فاسق ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس مقتول کے بھتیجے نے بھی اپنے چچا کے دوبارہ مرنے کے بعد اس کی تکذیب کی اور کہا کہ اس نے جھوٹ کہا اور پھر کچھ وقت گزر جانے کے بعد بنی اسرائیل کے دل بھی پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے کیونکہ پتھروں سے تو نہریں نکلتی ہیں اور بہنے لگتی ہیں بعض پتھر پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکلتا ہے گو وہ بہنے کے قابل نہ ہو' بعض پتھر اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں لیکن ان کے دل کسی وعظ و نصیحت سے کسی پند و موعظت سے نرم ہی نہیں ہوتے۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پتھروں میں ادراک اور سمجھ ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے ﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝﴾ [3] یعنی ''ساتوں آسمان اور زمینیں اور ان کی تمام مخلوق اور ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں وہ اللہ تعالیٰ حلم و بردباری اور بخشش و عفو والا ہے۔'' ابو علی جبائی نے پتھر کے خوف سے گر پڑنے کی تاویل اولوں کے برسنے سے کی ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں۔ رازی رحمۃ اللہ علیہ بھی غیر درست بتاتے ہیں اور فی الواقع یہ تاویل صحیح بھی نہیں کیونکہ اس میں دلیل کے بغیر لفظی معنی کو چھوڑنا لازم آتا ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ نہریں بہہ نکلنا زیادہ رونا ہے، پھٹ جانا اور پانی کا نکلنا اس سے کم رونا ہے' گر پڑنا دل سے ڈرنا ہے بعض کہتے ہیں یہ

[1] صحیح بخاری، کتاب الخصومات، باب ما یذکر فی الاشخاص والخصومۃ بین المسلم والیھود ۲۴۱۳؛ صحیح مسلم، ۱۶۷۲۔ [2] ۵۷/ الحدید:۱۶۔ [3] ۱۷/ الاسراء:۴۴۔

مجازاً کہا گیا۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿يُرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ﴾ ❶ یعنی "دیوار گر پڑنا چاہ رہی تھی۔" ظاہر ہے کہ یہ مجاز ہے حقیقتاً دیوار کا ارادہ ہی نہیں ہوتا۔ رازی اور قرطبی رحمہما اللہ کہتے ہیں ایسی تاویلوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ جو صفت جس چیز میں چاہے پیدا کر سکتا ہے۔

دیکھئے اس کا فرمان ہے ﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ﴾ ❷ الخ یعنی "ہم نے امانت کو آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کیا' انہوں نے اس کے اٹھانے سے مجبوری ظاہر کی اور ڈر گئے۔" اوپر آیت گزر چکی کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہیں۔ اور جگہ ہے ﴿وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝﴾ ❸ یعنی "ستارے اور درخت اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں۔" اور فرمایا ﴿يَتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ﴾ ❹ الخ۔ اور فرمایا ﴿قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ﴾ ❺ یعنی "زمین و آسمان نے کہا کہ ہم خوشی خوشی حاضر ہیں۔" اور جگہ ہے کہ پہاڑ بھی قرآن سے متاثر ہو کر ڈر کے مارے پھٹ جاتے ہیں اور جگہ فرمان ہے ﴿وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ﴾ ❻ یعنی "گنہگار لوگ اپنے جسموں سے کہیں گے تم نے ہمارے خلاف شہادت کیوں دی؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم کو اس اللہ نے بولنے کی طاقت دی جو ہر چیز کو بولنے کی طاقت عطا فرماتا ہے۔" ایک صحیح حدیث میں ہے کہ احد پہاڑ کی نسبت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "یہ پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم بھی اس سے محبت رکھتے ہیں۔" ❼ ایک اور حدیث میں ہے کہ جس کھجور کے تنے پر ٹیک لگا کر حضور اکرم ﷺ جمعہ کا خطبہ پڑھا کرتے تھے جب منبر بنا اور وہ تنا ہٹا دیا گیا تو وہ تنا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ❽ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں "میں مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری نبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔" ❾ حجر اسود کے بارے میں ہے کہ جس نے اسے حق کے ساتھ بوسہ دیا ہو گا یہ اس کے ایمان کی گواہی قیامت کے دن دے گا۔ ❿ اور اس طرح کی بہت سی آیات و احادیث ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں میں ادراک و حس ہے اور یہ تمام حقیقت پر محمول ہیں نہ کہ مجاز پر۔ آیت میں لفظ "او" کے بارے میں اس کی بابت قرطبی اور رازی رحمۃ اللہ علیہ تو کہتے ہیں کہ یہ تخییر کے لیے ہے۔ یعنی اس کے دلوں کو خواہ پتھر جیسے سخت سمجھ لو خواہ اس سے بھی زیادہ سخت۔ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک وجہ یہ بھی بیان کی ہے کہ یہ ابہام کے لیے ہے گویا مخاطب کے سامنے باوجود ایک بات کا پختہ علم ہونے کے دو چیزیں بطور ابہام پیش کی جا رہی ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ مطلب یہ ہے کہ بعض دل پتھر جیسے اور بعض اس سے بھی زیادہ سخت' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ اس لفظ کے جو معنی یہاں پر ہیں' وہ بھی سن لیجیے۔ اس پر تو اجماع ہے کہ "او" شک کے لیے نہیں' یا تو یہ معنی میں واؤ کے ہے یعنی ان کے دل پتھر جیسے اور اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ جیسے ﴿لَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا﴾ ⓫ میں اور ﴿عُذْرًا اَوْ نُذْرًا﴾ ⓬ میں۔ شاعروں کے اشعار میں بھی "او" واؤ کے معنی میں جمع کے لیے آیا ہے۔ یا او یہاں پر معنی میں بل یعنی بلکہ کے ہے جیسے ﴿كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً﴾ ⓭ میں اور ﴿وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ۝﴾ ⓮ میں اور ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝﴾ ⓯ میں بعض کا قول ہے کہ مطلب یہ ہے کہ وہ پتھر جیسے ہیں یا سختی میں تمہارے نزدیک اس سے =

❶ ۱۸/ الکهف:۷۷۔ ❷ ۳۳/ الاحزاب:۷۲۔ ❸ ۵۵/ الرحمن:٦۔ ❹ ١٦/ النحل:٤٨۔

❺ ٤١/ فصلت:١١۔ ❻ ٤١/ فصلت:٢١۔ ❼ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب فضل الخدمة فی الغزو، ۲۸۸۹؛ صحیح مسلم، ۱۳۹۲۔ ❽ صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب الخطبة علی المنبر، ۹۱۸۔

❾ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضل نسب النبی، ۲۲۷۷؛ ترمذی، ۳٦۲٤۔

❿ ترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء فی الحجر الأسود، ۹٦۱؛ ابن ماجة، ۲۹٤٤، وھو حسن شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (صحیح الترغیب، ۱۱٤٤) ⓫ ۷٦/ الدھر:۲٤۔ ⓬ ۷۷/ المرسلت:٦۔

⓭ ٤/ النسآء:۷۷۔ ⓮ ۳۷/ الصافات:۱٤۷۔ ⓯ ۵۳/ النجم:۹۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝

ترجمہ: (مسلمانو!) کیا تمہاری خواہش ہے کہ یہ لوگ ایماندار بن جائیں' حالانکہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو کلام اللہ کو سن کر عقل وعلم والے ہوتے ہوئے پھر بھی بدل ڈالا کرتے ہیں۔[۷۵] ایمان والوں سے ملتے ہیں تو اپنی ایمان داری ظاہر کرتے ہیں' اور جب آپس میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کیوں وہ باتیں پہنچاتے ہو جو اللہ نے تمہیں سکھائی ہیں۔ کیا جانتے نہیں کہ یہ تو اللہ کے پاس تم پر ان کی حجت ہو جائے گی۔[۷٦] کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدگی اور ظاہرداری سب کو جانتا ہے۔[۷۷]

= بھی زیادہ۔ بعض کہتے ہیں صرف مخاطب پر ابہام ڈالا گیا ہے اور یہ شاعروں کے شعروں میں بھی پایا جاتا ہے کہ باوجود پختہ علم و یقین کے صرف مخاطب پر ابہام ڈالنے کے لیے ایسا کلام کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾ ❶ یعنی ''ہم یا تم صاف ہدایت یا کھلی گمراہی پر ہیں'' تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا ہدایت پر ہونا اور کفار کا گمراہی پر ہونا یقینی چیز ہے لیکن مخاطب کے ابہام کے لیے اس کے سامنے کلام مبہم بولا گیا۔ یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ تمہارے دل ان دو سے خارج نہیں یا تو وہ پتھر جیسے ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت' یعنی بعض ایسے اور بعض ایسے۔ اس قول کے مطابق یہ قول بھی ہے ﴿كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا﴾ پھر فرمایا ﴿اَوْ كَصَيِّبٍ﴾ الخ اور فرمان ہے ﴿كَسَرَابٍ﴾ الخ پھر فرمایا ﴿اَوْ كَظُلُمٰتٍ﴾ الخ مطلب یہی ہے کہ بعض ایسے اور بعض ایسے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

تفسیر ابن مردویہ میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا زیادہ باتیں نہ کیا کرو ایسے کلام کی کثرت دل کو سخت کر دیتی ہے اور سخت دل والا اللہ سے بہت دور ہو جاتا ہے۔'' ❷ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کو بیان فرمایا ہے اس کے ایک طریق کو غریب کہا ہے۔ بزار میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ چار چیزیں بدبختی اور شقاوت کی ہیں اللہ تعالیٰ کے خوف سے آنکھوں سے آنسو کا نہ بہنا' دل کا سخت ہونا' امیدوں کا بڑھ جانا' لالچی بن جانا۔ ❸

کلام اللہ میں تحریف یہود کا شیوہ ہے: [آیت:۷۵۔۷۷] اس گمراہ قوم یہود کے ایمان سے اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ اور آپ

❶ ۳٤/ سبا:۲٤۔ ❷ ترمذی، کتاب الزھد، باب رقم، ۲٤۱۱:٦۱۔ وسندہ حسن اس کی سند میں ابراھیم بن عبداللہ بن حاطب صدوق ہے۔ ❸ مسند البزار کشف الاستار، ۳۲۳۰، وسندہ ضعیف جداً وللحدیث شواھد ضعیفة؛ مجمع الزوائد، ۱۰/ ۲۲٦ اور شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔(السلسلة الضعیفة، ۱۵۲۲)

کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو نا امیدی دلا رہا ہے کہ جب ان لوگوں نے اتنی بڑی بڑی پریشانیاں دیکھتے ہوئے اپنے دلوں کو سخت پتھر جیسے بنالیا' اللہ کے کلام کو سن کر سمجھ کر پھر بھی اس کی تحریف اور تبدیلی کر ڈالی تو ان سے تم کیا امید رکھتے ہو؟ ٹھیک اس آیت کی طرح اور جگہ فرمایا ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ﴾ ❶ الخ یعنی ''ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت نازل کی اور ان کے دل سخت کر دیئے کیونکہ یہ اللہ کے کلام میں ردو بدل کرتے تھے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہاں اللہ تعالیٰ نے کلام اللہ سننے کو فرمایا۔ اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحابیوں کی وہ جماعت ہے جنہوں نے آپ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا کلام اپنے کانوں سے سننے کی درخواست کی تھی اور جب وہ پاک صاف ہو کر روزہ رکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ طور پہاڑ پر جا کر سجدے میں گر پڑے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا کلام سنایا۔ جب یہ واپس آئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا یہ کلام بنی اسرائیل میں بیان کرنا شروع کیا تو ان لوگوں نے اس کی تحریف اور تبدیلی شروع کر دی۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان لوگوں نے توارۃ میں تحریف کی تھی یہی عام معنی ٹھیک ہیں جس میں وہ لوگ بھی شامل ہو جائیں گے اور اس بدخصلت والے دوسرے یہودی بھی۔ قرآن میں اور جگہ ہے ﴿فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ﴾ ❷ یعنی ''مشرکوں میں سے کوئی اگر تجھ سے پناہ طلب کرے تو تو اسے پناہ دے یہاں تک کہ وہ کلام اللہ سن لے'' تو اس سے یہ مراد نہیں کہ اللہ کا کلام اپنے کانوں سے سنے بلکہ قرآن سنے' تو یہاں بھی کلام اللہ سے مراد توراۃ ہے۔ یہ تحریف کرنے والے اور چھپانے والے ان کے علما تھے۔ ❸ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف ان کی کتاب میں تھے ان سب میں انہوں نے تاویلیں کر کے اصل مطلب سے دور کر دیا تھا۔ اسی طرح حلال کو حرام' حرام کو حلال' حق کو باطل' باطل کو حق کر دیا کرتے تھے۔ رشوتیں لینے اور غلط مسائل بتانے کی عادت ڈال لی تھی' ہاں کبھی کبھی جب رشوت ملنے کا امکان نہ ہوتا' ریاست کے جانے کا خوف نہ ہوتا' مریدوں سے الگ ہوتے تو حق بات بھی کہہ دیا کرتے۔ مسلمانوں سے ملتے تو کہہ دیا کرتے کہ تمہارے نبی سچے ہیں' یہ برحق رسول ہیں صلی اللہ علیہ وسلم ❹ لیکن پھر آپس میں بیٹھ کر کہتے کیوں عرب سے یہ باتیں کہتے ہو پھر تو یہ تم پر چھا جائیں گے اللہ کے ہاں بھی تمہیں لاجواب کر دیں گے۔ تو ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان بیوقوفوں کو کیا اتنا علم نہیں کہ ہم تو پوشیدگی اور ظاہر داری سب کو جانتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مدینہ میں ہمارے پاس سوائے ایمان والوں کے اور کوئی نہ آئے'' تو ان کافروں اور یہودیوں نے کہا جاؤ کہہ دو ہم بھی ایمان لاتے ہیں'' اور یہاں آئے تو پھر ویسے ہی رہے جیسے تھے۔ پس یہ لوگ صبح آ کر ایمان کا دعویٰ کرتے تھے اور شام کو جا کر کفار میں شامل ہو جاتے تھے۔ قرآن میں ہے ﴿وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ﴾ ❺ الخ یعنی ''اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا کہ ایمان والوں پر جو اترا ہے اس پر دن کے ایک حصہ میں ایمان لاؤ پھر دوسرے میں کفر کرو تاکہ خود ایمان والے بھی اس دین سے پھر جائیں۔'' یہ لوگ اس فریب سے یہاں کے راز معلوم کرنا اور انہیں اپنے گروہ کو بتانا چاہتے تھے اور مسلمانوں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے تھے مگر ان کی یہ چالاکی نہ چلی اور یہ راز اللہ تعالیٰ نے کھول دیا۔ جب یہ یہاں ہوتے اور اپنا ایمان اسلام ظاہر کرتے تو صحابہ رضی اللہ عنہم ان سے پوچھتے کہ کیا تمہاری کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت وغیرہ نہیں؟ تو وہ اقرار کرتے۔ جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے تو وہ انہیں ڈانٹتے اور کہتے اپنی باتیں ان سے کہہ کر کیوں ان کے ہاتھوں =

❶ ٥/ المآئدۃ:١٣۔ ❷ ٩/ التوبۃ:٦۔ ❸ الطبری، ٢/ ٢٤٥۔
❹ الطبری، ٢/ ٢٥٠۔ ❺ ٣/ آل عمران:٧٢۔

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ﴿۷۸﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ﴿۷۹﴾

ترجمہ: ان میں سے بعض ان پڑھ ایسے بھی ہیں کہ جو کتاب کے صرف ظاہری الفاظ کو ہی جانتے ہیں اور صرف گمان اور اٹکل ہی پر ہیں۔[۷۸] ان لوگوں کے لیے ویل ہے جو اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی کتاب کو اللہ تعالیٰ کی طرف کی کہتے ہیں اور اس طرح دنیا کماتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں کی لکھائی کو اور ان کی کمائی کو ویل اور افسوس ہے۔[۷۹]

= میں ہتھیار دے رہے ہو۔ ❶ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریظہ والے دن یہودیوں کے قلعہ تلے کھڑے ہو کر فرمایا ''اے بندر اور خنزیر اور طاغوت کے عابدوں کے بھائیو'' ❷ تو وہ آپس میں کہنے لگے یہ ہماری گھر کی باتیں انہیں کس نے بتا دیں؟ خبردار اپنی آپس کی خبریں انہیں نہ دو ورنہ انہیں اللہ کے سامنے حجت ہو جائے گی۔ اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''گو تم چھپاؤ لیکن مجھ سے تو کوئی چیز چھپ نہیں سکتی، تم یہ جو چپکے چپکے اپنے گروہ سے کہتے ہو کہ اپنی باتیں ان تک نہ پہنچاؤ اور تم جو اپنی کتاب کی باتوں کو چھپاتے ہو تو تمہارے اس برے کام سے میں بخوبی آگاہ ہوں اور تم جو اپنا ایمان ظاہر کرتے ہو اس تمہارے اعلان کی حقیقت کا علم بھی مجھے اچھی طرح حاصل ہے۔''

لفظ اُمّی کی وضاحت: [۷۸۔۷۹] اُمی کے معنی وہ شخص جو اچھی طرح لکھنا نہ جانتا ہو اُمِّيُّوْنَ اس کی جمع ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتوں میں سے ایک صفت امی بھی آئی ہے اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی لکھنا نہیں جانتے تھے۔ قرآن کہتا ہے: ﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ﴾ ❸ الخ تو اے نبی اس سے پہلے نہ تو پڑھ سکتا تھا نہ لکھ سکتا تھا اگر ایسا ہوتا تو شاید ان باطل پرستوں کے شبہ کی گنجائش ہو جاتی۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''ہم امی اور ان پڑھ لوگ ہیں نہ لکھنا جانیں نہ حساب، مہینہ کبھی اتنا ہوتا ہے اور کبھی اتنا اتنا۔'' پہلی بار تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں کی تمام انگلیوں کو تین بار نیچے کی طرف جھکایا یعنی تیس دن کا اور دوبارہ پھر ایسے ہی کیا، لیکن تیسری مرتبہ میں انگوٹھے کا حلقہ کر لیا یعنی انتیس دن کا۔ ❹ مطلب یہ ہے کہ ہماری عبادتیں اور ان کے وقت حساب کتاب پر موقوف نہیں۔ قرآن کریم نے اور جگہ فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا۔'' ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس لفظ میں ان پڑھ آدمی کو ماں کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ یہاں پر امی انہیں کیا گیا ہے جنہوں نے نہ تو کسی رسول کی تصدیق کی تھی نہ کسی کتاب کو مانا تھا اور اپنی لکھی ہوئی کتابوں کو اوروں سے کتاب اللہ کی

❶ الطبری، ۱۳۵۲ یہ روایت معضل (ضعیف) ہے۔ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن زید ضعیف راوی ہے۔ (المیزان: ۲/ ۵٦٤، رقم: ٤۸٦۸)

❷ الطبری، ۱۳٤۸، ۱۳٤۹، ۱۳۵۰، یہ روایت مرسل (ضعیف) ہے۔ دیکھئے (فقه السيرة ص ۳۲۳)

❸ ۲۹/ العنکبوت: ٤۸۔

❹ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب قول النبی لا نکتب ولا نحسب، ۱۹۱۳؛ صحیح مسلم، ۱۰۸۰؛ ابوداود، ۲۳۱۹؛ نسائی، ۲۱٤۲۔

طرح منوانا چاہتے تھے۔ لیکن اول تو یہ قول محاورات عرب کے خلاف ہے' دوسرا یہ کہ اس قول کی سند ٹھیک نہیں۔ ﴿اَمَانِیَّ﴾ کے معنی باتیں اور اقوال۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ''کذب'' ''آرزو'' ''جھوٹ'' باندھ لینے کے معنی بھی کئے گئے ہیں تلاوت اور ظاہری الفاظ کے معنی بھی مروی ہیں جیسے قرآن مجید میں اور جگہ ہے ﴿اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓی﴾ ❶ الخ یہاں تلاوت کے معنی صاف ہیں۔ شعرا کے شعروں میں بھی یہ لفظ تلاوت کے معنی میں ہے۔ اور وہ صرف گمان ہی پر ہیں یعنی حقیقت کو نہیں جانتے اور ناحق کا گمان کرتے ہیں اور اوٹ پٹانگ (فضول) باتیں بناتے ہیں۔ پھر یہودیوں کی ایک دوسری قسم کا بیان ہو رہا ہے جو پڑھے لکھے لوگ تھے اور اللہ پر جھوٹ باندھتے تھے اور مریدوں کا مال ڈکارتے (ہڑپ کرتے) تھے۔

ویل کیا چیز ہے؟ ویل کے معنی ہلاکت اور بربادی کے ہیں' اور جہنم کے گڑھے کا نام بھی ہے۔ جس کی آگ تیز ہے کہ اگر اس میں پہاڑ ڈالے جائیں تو پگھل جائیں۔ ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جہنم کی ایک وادی کا نام ویل ہے جس میں کافر ڈالے جائیں گے' اس کی گہرائی اتنی ہے کہ متواتر چالیس سال گرتے چلے جانے کے بعد نیچے تہہ تک پہنچیں گے۔'' ❷ لیکن سند کے اعتبار سے یہ حدیث غریب بھی ہے' منکر بھی اور ضعیف بھی۔ اور ایک غریب حدیث میں ہے کہ ''جہنم کے ایک پہاڑ کا نام ویل ہے۔'' یہودیوں نے توراۃ کی تحریف کر دی اس میں کمی زیادتی کی۔ آنحضرت ﷺ کا نام نکال ڈالا اس لئے اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا توراۃ اٹھالی گئی اور اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ ان کے ہاتھوں کے لکھے کو اور ان کی کمائی کو بربادی اور ہلاکت ہے۔ ❸ ویل کے معنی سخت عذاب' سخت برائی' ہلاکت' افسوس' درد دکھ' رنج و ملال وغیرہ کے بھی آتے ہیں۔ ویل' ویح' ویس' ویه' ویك' ویب سب ایک ہی معنی میں ہیں' گو بعض نے ان الفاظ کے جدا جدا معنی بھی کئے ہیں۔ لفظ ویل نکرہ ہے اور نکرہ مبتدا نہیں بن سکتا لیکن چونکہ یہ معنی میں بددعا کے ہے اس لیے اسے مبتدا بنا دیا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے اسے نصب دینا بھی جائز لکھا ہے لیکن ویلا کی قرأت نہیں۔ یہاں پر یہودیوں کے علما کی مذمت ہو رہی ہے کہ وہ اپنی باتوں کو اللہ کا کلام کہتے تھے اور اپنے گروہ کو خوش کر کے دنیا کماتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تم اہل کتاب سے کچھ بھی کیوں پوچھو؟ اللہ تعالیٰ کی تازہ کتاب تمہارے ہاتھوں میں ہے' اہل کتاب نے تو کتاب اللہ میں تحریف کی' اپنی ہاتھ کی لکھی ہوئی باتوں کو اللہ کی طرف منسوب کر کے پھیلایا' پھر تمہیں اپنی محفوظ کتاب کو چھوڑ کر ان کی تحریف شدہ کتاب کی کیا ضرورت؟ افسوس کہ وہ تم سے نہ پوچھیں اور تم ان سے دریافت کرتے پھرو۔ ❹ تھوڑے مول سے مراد تمام دنیا کا مال مل جائے تو بھی آخرت کے مقابلہ میں اس کی قدر و قیمت کچھ نہیں۔ لیکن جنت کے مقابلہ میں وہ بے حد حقیر چیز ہے پھر فرمایا کہ ان کے اس فعل کی وجہ سے کہ وہ اپنی باتوں کو اللہ کی باتوں کی طرح لوگوں سے منواتے ہیں اور اس پر دنیا کماتے ہیں' ہلاکت اور بربادی ہے۔

❶ ٢٢/ الحج:٥٢۔ ❷ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة الانبیآء، ٣١٦٤، اس کی سند میں دراج ہے جس کی ابو الھیثم سے روایت ضعیف ہوتی ہے دیکھئے (التقریب: ١/ ٢٣٥، رقم: ٥٤) لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔ اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (ضعیف الترغیب، ٢١٣٦)

❸ الطبری، ١٣٨٩، ١٣٩٨، کنانہ عدوی کا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے لقاء ثابت نہیں اور اس کے علاوہ علی بن جریر مجہول اور عبدالحمید بن جعفر متکلم فیہ راوی ہے۔ (المیزان: ٢/ ٥٣٩، رقم: ٤٧٦٧) یہ سند ضعیف ہے۔

❹ صحیح بخاری، کتاب الشهادات، باب لا یسئل أهل الشرك عن الشهادة، ٢٦٨٥۔

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّآ أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٠﴾ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّأَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَأُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٨١﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٨٢﴾

ع ۹

ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف چند روز آگ میں رہیں گے۔ ان سے کہو کہ کیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا کوئی پروانہ ہے؟ اگر ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا ہرگز نہیں بلکہ تم تو بے علمی سے اللہ تعالیٰ کے ذمہ باتیں گھڑ لیا کرتے ہو۔[۸۰] یقیناً جس نے بھی برے کام کئے اور اس کی نافرمانیوں نے اسے گھیر لیا وہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہے۔[۸۱] اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں وہ جنتی ہیں، جو جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔[۸۲]

جہنم کا عذاب چالیس دن: [آیت:۸۰۔۸۲] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہودی لوگ کہا کرتے تھے کہ دنیا کی کل مدت سات ہزار سال ہے۔ ہر ہزار سال کے بدلے ایک دن ہمیں عذاب ہوگا تو صرف سات دن ہمیں جہنم میں رہنا پڑے گا۔ اس قول کی تردید میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ بعض کہتے ہیں یہ لوگ چالیس دن اپنا آگ میں رہنا مانتے تھے کیونکہ یہ دھوکا انہیں اس سے لگا تھا کہ وہ کہتے تھے کہ توراۃ میں ہے کہ جہنم کے دونوں طرف زقوم کے درخت تک چالیس سال کا راستہ ہے، تو وہ کہتے تھے کہ اس مدت کے بعد عذاب اٹھ جائیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر کہا کہ چالیس دن تک تو ہم جہنم میں رہیں گے پھر دوسرے لوگ ہماری جگہ آ جائیں گے یعنی آپ کی امت۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سروں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا ''نہیں بلکہ تم ہی ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں پڑے رہو گے۔'' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں فتح خیبر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت میں بطور ہدیہ کے بکری کا پکا ہوا زہر آلود گوشت آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہاں کے یہودیوں کو جمع کر لو۔'' پھر ان سے پوچھا' تمہارا باپ کون ہے؟'' انہوں نے کہا فلاں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جھوٹے ہو بلکہ تمہارا باپ فلاں ہے۔'' انہوں نے کہا بجا ارشاد ہوا وہی ہمارا باپ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دیکھو اب میں کچھ اور پوچھتا ہوں سچ سچ بتانا'' انہوں نے کہا اے ابو القاسم اگر جھوٹ بھی کہیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہ چل سکے گا ہم تو آزما چکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بتاؤ جہنمی کون لوگ ہیں؟'' انہوں نے کہا کچھ دن تو ہم ہیں پھر آپ کی امت۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دور ہو جاؤ ہرگز نہیں۔ پھر فرمایا اچھا بتاؤ اس گوشت میں تم نے زہر ملایا ہے؟'' انہوں نے کہا ہاں حضور نے فرمایا ''کیوں؟'' کہا اگر آپ سچے ہیں تو یہ زہر آپ کو ہرگز نقصان نہ دے گا اور اگر جھوٹے ہیں تو ہم آپ سے نجات حاصل کر لیں گے۔ [1] (مسند احمد، بخاری، نسائی۔)

[1] صحیح بخاری، کتاب الجزیة، باب اذا غدر المشرکون بالمسلمین، ۳۱۶۹، ۴۲۴۹، ۵۷۷۷۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ: اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ بھلا سلوک کرنا اسی طرح قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی اور لوگوں کو اچھی باتیں کہنا نمازیں قائم رکھنا اور زکوۃ دیتے رہا کرنا، لیکن تھوڑے سے لوگوں کے علاوہ تم سب پھر گئے اور منہ موڑ لیا۔[۸۳]

جنتی اور جہنمی کون؟ مطلب یہ ہے کہ جس کے اعمال سراسر برے ہیں، جو نیکیوں سے خالی ہاتھ ہے، وہ جہنمی ہے اور جو شخص اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان لائے اور سنت کے مطابق عمل کرے وہ جنتی ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ﴾ ❶ الخ یعنی ''نہ تو تمہارے منصوبے چل سکیں اور نہ اہل کتاب کے، ہر برائی کرنے والا اپنی برائی کا بدلہ دیا جائے گا اور ہر بھلائی والا اپنی نیک کاری کا، برے کا کوئی مددگار نہ ہوگا اور بھلے کا کوئی عمل برباد نہ ہوگا، نہ مرد کا نہ عورت کا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہاں برائی سے مطلب کفر ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ مراد شرک ہے۔ ❷ ابووائل، ابوالعالیہ، مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ، ربیع بن انس رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مراد کبیرہ گناہ ہیں جو پے در پے ہو کر دل کو گندہ کر دیں۔ ❸ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ فرماتے ہیں مراد شرک ہے جس کے دل پر قابض ہو جائے۔ ربیع بن خثیم کا قول ہے جو گناہوں پر ہی مرے اور توبہ نصیب نہ ہو۔ مسند احمد میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''گناہوں کو حقیر نہ سمجھا کرو وہ جمع ہو کر انسان کی ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں۔ دیکھتے نہیں ہو کہ اگر کئی آدمی ایک ایک لکڑی لے آئیں تو انبار لگ جاتا ہے۔ پھر اگر اس میں آگ لگائی جائے تو بڑی بڑی چیزوں کو وہ جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔'' ❹ پھر ایمانداروں کا حال بیان فرمایا کہ ''جو تم ایسے عمل نہیں کرتے بلکہ تمہارے کفر کے مقابلہ میں ان کا ایمان پختہ ہے اور تمہاری بداعمالیوں کے مقابلہ میں ان کے پاکیزہ اعمال مستحکم ہیں، انہیں ابدی راحتیں اور ہمیشہ والی جنتیں ملیں گی۔ اللہ کے عذاب اور ثواب دونوں پائیدار ہیں۔''

صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کے لائق ہے: [آیت:۸۳] بنی اسرائیل کو جو احکام دیئے گئے اور ان سے جن چیزوں پر عہد لیا گیا ان کا بیان ہو رہا ہے اور ان کی عہد شکنی کا ذکر ہو رہا ہے۔ انہیں حکم دیا تھا کہ وہ توحید کو تسلیم کریں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں۔ نہ صرف بنو اسرائیل کو بلکہ تمام مخلوق کو یہی حکم ہوا ہے، فرمان ہے ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ ❺ یعنی ''اور تمام رسولوں کو ہم نے یہی حکم دیا کہ وہ اعلان کر دیں کہ قابل عبادت میرے سوا اور کوئی نہیں سب لوگ میری ہی عبادت کیا کریں'' اور فرمایا ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ ❻ یعنی ''ہم نے ہر

❶ ٤/ النسآء:١٢٣۔ ❷ ابن ابی حاتم، ١/ ٢٥٢۔ ❸ ابن ابی حاتم، ١/ ٢٥٣۔

❹ احمد، ١/ ٤٠٢، ٤٠٣، ح٣٨١٨ وسنده ضعيف، قتادة عنعن۔

❺ ٢١/ الانبيآء:٢٥۔ ❻ ١٦/ النحل:٣٦۔

امت میں رسول بھیجا کہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا دوسرے معبودان باطل سے بچو۔'' سب سے بڑا حق اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اس کے تمام حقوق میں بڑا حق یہی ہے کہ اسکی عبادت کی جائے اور دوسرے کسی کی عبادت نہ کی جائے۔ پھر حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کا بیان ہو رہا ہے۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم: بندوں کے حقوق میں ماں باپ کا حق چونکہ بہت بڑا ہے اسی لئے پہلے ان کا حق بیان ہوا۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ﴾ ❶ ''میرا شکر کرو اور اپنے ماں باپ کا بھی احسان مانو۔'' اور جگہ فرمایا ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ﴾ ❷ الخ تیرے رب کا یہ فیصلہ ہے کہ اسکے سوا دوسرے کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان اور اچھا سلوک کرتے رہو۔'' بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کونسا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نماز کو وقت پر ادا کرنا پوچھا کہ اس کے بعد۔'' فرمایا ''ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کرنا۔'' پوچھا پھر کونسا؟ فرمایا ''اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔'' ❸ ایک اور صحیح حدیث میں ہے کسی نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم! میں کس کے ساتھ سلوک اور بھلائی کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنی ماں کے ساتھ۔'' تو پوچھا پھر کس کے ساتھ؟ ''فرمایا اپنی ماں کے ساتھ۔'' پوچھا پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا ''اپنے باپ کے ساتھ' پھر اور قریب والے کے ساتھ' پھر اور قریب والے کے ساتھ۔'' ❹

ہر ایک کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم: آیت میں ﴿لَا تَعْبُدُوْنَ﴾ فرمایا اس لئے کہ اس میں بہ نسبت لَا تَعْبُدُوْا کے مبالغہ زیادہ ہے' یہ خبر ہے معنی میں طلب کے۔ بعض لوگوں نے ﴿اَنْ لَا تَعْبُدُوْا﴾ بھی پڑھا ہے۔ اُبی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے بھی یہ مروی ہے کہ وہ ﴿لَا تَعْبُدُوْا﴾ پڑھتے تھے۔ یتیم ان چھوٹے بچوں کو کہتے ہیں جن کا سرپرست باپ نہ ہو۔ مسکین ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو اپنی اور اپنے بال بچوں کی پرورش اور دیگر ضروریات پوری طرح مہیا نہ کر سکتے ہوں' اس کی مزید تشریح ان شاء اللہ سورۂ نساء کی اس معنی کی آیت میں آئے گی۔ پھر فرمایا لوگوں کو اچھی باتیں کہا کرو۔ یعنی ان کے ساتھ نرم کلامی اور کشادہ پیشانی کے ساتھ پیش آیا کرو۔ بھلی باتوں کا حکم دو' برائی سے روکو۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' بھلائی کا حکم دو' برائی سے روکو' بُردباری' درگزر اور خطاؤں کی معافی کو اپنا شیوہ بنالو' یہی اچھا خلق ہے جسے اختیار کرنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''اچھی چیز کو حقیر نہ سمجھو اگر اور کچھ نہ ہو سکے تو اپنے بھائیوں سے ہنستے ہوئے چہرے سے ملاقات ہی کر لیا کرو۔'' ❺

پس قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنی عبادت کا حکم دیا' پھر لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے کا' پھر اچھی باتیں کہنے کا' پھر بعض اہم چیزوں کا ذکر بھی کر دیا کہ نماز پڑھو زکوۃ دو۔ پھر خبر دی کہ ان لوگوں نے عہد شکنی کی اور عموماً نافرمان بن گئے مگر تھوڑے سے اپنے وعدے پر قائم رہے۔ اس امت کو بھی یہی حکم دیا گیا۔ فرمایا ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا﴾ ❻ الخ ''اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' ماں باپ کے ساتھ رشتہ داروں کے ساتھ' یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ قرابت دار' پڑوسیوں کے ساتھ' اجنبی پڑوسیوں کے ساتھ' ساتھ والوں کے ساتھ' مسافروں کے ساتھ' لونڈی غلاموں کے ساتھ حسن سلوک احسان اور بھلائی کیا کرو۔ =

---

❶ ٣١/ لقمان:١٤۔ ❷ ١٧/ الاسرآء:٢٣۔ ❸ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب البر والصلة، ٥٩٧٠، ٥٢٧، ٧٥٣٤؛ صحیح مسلم، ٢٥٢؛ ترمذی، ١٧٣، ١٨٩٨؛ نسائی، ٢١١۔ ❹ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من أحق الناس بحُسنِ الصحبة، ٥٩٧١؛ صحیح مسلم، ٢٥٤٨۔ ❺ احمد، ٥/ ٢١٠؛ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء، ٢٦٢٦؛ ترمذی، ١٨٣٣۔ ❻ ٤/ النسآء:٣٦۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿٨٤﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۭ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْھُمْ وَھُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۭ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٨٥﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٨٦﴾ ع

ترجمہ: اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا کہ آپس میں قتل نہ کرنا اور آپس والوں کو جلا وطن نہ کرنا تم نے اس کا اقرار کیا اور تم اس کے شاہد بنے۔[۸۴] لیکن پھر بھی تم نے آپس میں قتل کیا اور آپس کے ایک فرقے کو جلا وطن بھی کیا اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ان کے خلاف دوسروں کی طرف داری کی ہاں جب وہ قیدی بن کر تمہارے پاس آئے تو تم نے ان کے فدیے دیئے' لیکن ان کا نکالنا جو تم پر حرام تھا (اس کا کچھ خیال نہ کیا) کیا بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ تم میں سے جو بھی ایسا کرے اس کی سزا اس کے سوا کیا ہو کہ دنیا میں رسوائی اور قیامت کے دن سخت عذابوں کی مار اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔[۸۵] یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے مول لیا ہے۔ ان سے نہ تو عذاب ہلکے ہوں گے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔[۸۶]

= یاد رکھو تکبر اور فخر کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔" الحمد للہ کہ یہ امت بہ نسبت دوسری امتوں کے ان فرمانوں کے ماننے میں اور ان پر عمل پیرا ہونے میں زیادہ مضبوط ثابت ہوئی۔ اسد بن وداعہ سے مروی ہے کہ وہ یہودیوں اور نصرانیوں کو سلام کیا کرتے تھے اور دلیل یہ دیتے تھے کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ ﴿وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾ ❶ لیکن یہ اثر غریب ہے اور حدیث کے خلاف ہے۔ حدیث میں صاف موجود ہے کہ یہود و نصاریٰ کو ابتداءً سلام نہ کیا کرو ❷ 'وَاللّٰهُ اَعْلَمُ'۔

اللہ تعالیٰ کے بعض احکامات کو ماننا اور بعض کو چھوڑنا کیسا ہے؟ [آیت:۸۴-۸۶] اوس اور خزرج' انصار مدینہ کے دو قبیلے تھے۔ اسلام سے پہلے ان دونوں قبیلوں کا آپس میں کبھی اتفاق نہ ہوتا تھا۔ ہمیشہ آپس میں جنگ و جدال رہتا تھا۔ مدینہ کے یہودیوں کے تین قبیلے تھے۔ بنو قینقاع' بنو نضیر' بنو قریظہ۔ بنو قینقاع اور بنو نضیر تو خزرج کے طرفدار اور ان کے بھائی بند بنے ہوئے تھے اور بنو قریظہ کا بھائی چارہ بنو اوس کے ساتھ تھا۔ جب اوس اور خزرج میں جب کبھی جنگ ہوتی تو یہودیوں کے یہ تینوں گروہ بھی اپنے اپنے حلیف کا ساتھ دیتے اور ان سے مل کر ان کے دشمن سے لڑتے۔ دونوں طرف کے یہودی یہودیوں کے ہاتھ سے مارے بھی جاتے اور =

❶ ۲/ البقرة:۸۳۔ ❷ صحيح مسلم، كتاب السلام، باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام، ۲۱۶۷۔

ترجمہ: ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی اور ان کے بعد اور رسول بھی بھیجے۔ اور ہم نے (حضرت) عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو روشن دلیلیں دیں اور روح القدس سے اس کی تائید کرائی۔ لیکن جب کبھی تمہارے پاس رسول وہ چیز لائے جو تمہاری طبیعتوں کے خلاف تھی تم نے جھٹ سے تکبر کیا، بعض کو تو جھٹلا دیا اور بعض کو قتل بھی کر ڈالا۔ [۸۷]

= موقعہ پا کر ایک دوسرے کے گھروں کو بھی اجاڑ ڈالتے اور دیس نکالا بھی دیدیا کرتے تھے اور مال و دولت پر بھی قبضہ کر لیا کرتے تھے جب لڑائی موقوف ہوتی تو فریق مغلوب کے قیدیوں کا فدیہ دے کر چھڑا لیتے اور کہتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ہم میں سے جب کوئی قید ہو جائے تو ہم فدیہ دے کر چھڑا لیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ میرے اس حکم کو تم نے مان لیا، لیکن میں نے کہا تھا کہ آپس میں کسی کو قتل بھی نہ کرو، نہ گھروں سے نکالو، اسے کیوں نہیں مانتے؟ کسی حکم پر ایمان لانا اور کسی کے ساتھ کفر کرنا یہ کہاں کی ایمانداری ہے؟ آیت میں فرمایا کہ اپنے خون نہ بہاؤ اور اپنے آپ کو اپنے گھروں سے نہ نکالو، یہ اس لئے کہ ہم مذہب سارے کے سارے مانند ایک جان کے ہیں۔

یہ حدیث میں بھی ہے کہ ''تمام ایماندار دوستی، صلہ رحمی اور رحم و کرم میں مثل ایک جسم کے ہیں کسی ایک عضو کے درد سے تمام جسم بیتاب ہو جاتا ہے، بخار چڑھ جاتا ہے، راتوں کی نیند اچاٹ ہو جاتی ہے۔'' [1] اسی طرح ایک ادنیٰ مسلم کے لئے سارے جہان کے مسلمانوں کو تڑپ اٹھنا چاہیے۔

عبد خیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، ہم سلمان بن ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ کی ماتحتی میں بلنجر میں جہاد کر رہے تھے۔ محاصرہ کے بعد ہم نے اس شہر کو فتح کیا جس میں بہت سے قیدی بھی ملے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک یہودیہ لونڈی کو سات سو میں خریدا۔ راس الجالوت کے پاس جب ہم پہنچے تو عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے اور فرمایا، یہ لونڈی تیری ہم مذہب ہے میں نے اسے سات سو میں خریدا ہے، اب تم اسے مجھ سے خرید لو اور آزاد کر دو، اس نے کہا بہت اچھا میں چودہ سو دیتا ہوں، آپ نے فرمایا میں تو چار ہزار سے کم میں نہیں بیچوں گا۔ اس نے کہا پھر میں نہیں خریدتا۔ آپ نے کہا سن! یا تو تو اسے خرید ورنہ تیرا دین جاتا رہے گا۔ توراۃ میں لکھا ہوا ہے کہ بنو اسرائیل کا کوئی بھی شخص گرفتار ہو جائے تو اسے خرید کر آزاد کیا کرو۔ اگر وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آئیں تو فدیہ دے کر چھڑا لیا کرو اور انہیں ان کے گھروں سے بے گھر بھی نہ کیا کرو۔ اب یا تو توراۃ کو مان کر تو اسے خرید یا توراۃ کا منکر بن۔ وہ سمجھ گیا اور کہنے لگا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم شاید عبداللہ بن سلام ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ چنانچہ وہ چار ہزار لے آیا۔ آپ نے دو ہزار لے لئے اور دو ہزار لوٹا دیئے۔

بعض روایات میں ہے کہ ''راس الجالوت کوفہ میں تھا، یہ ان لونڈیوں کا فدیہ نہیں دیتا تھا جو عرب سے نہ بچی ہوں۔'' اس پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسے توراۃ کی یہ آیت سنائی۔ غرض اس آیت میں یہودیوں کی مذمت ہے کہ وہ احکام ربانی کو جانتے ہوئے پھر بھی پس =

[1] صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، ۶۰۱۱؛ صحیح مسلم، ۲۵۸۶۔

= پشت ڈال دیا کرتے تھے۔ امانت داری اور ایمان داری ان سے اٹھ چکی تھی۔ نبی ﷺ کی صفات، آپ ﷺ کی نشانیاں، آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق، آپ کی جائے پیدائش، جائے ہجرت وغیرہ سب چیزیں انکی کتاب میں موجود تھیں لیکن یہ ان سب کو چھپائے ہوئے تھے اور اتنا ہی نہیں بلکہ حضور ﷺ کی مخالفت کرتے تھے۔ اسی باعث ان پر دنیوی رسوائی آئی اور کم نہ ہونے والے اور ہمیشگی والے اُخروی عذاب بھی۔

انبیا علیہم السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کا سلوک: [آیت:۸۷] بنی اسرائیل کے عناد و تکبر اور ان کی خواہش پرستی کا بیان ہو رہا ہے کہ توراۃ کی تحریف و تبدیلی کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد انہی کی شریعت پر آنے والے انبیا علیہم السلام آئے ان کی بھی مخالفت کی۔ چنانچہ فرمایا ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ﴾ ❶ الخ یعنی "ہم نے توراۃ نازل فرمائی جس میں ہدایت تھی اور نور تھا جس پر انبیا خود بھی عمل کرتے اور یہودیوں کو حکم دیتے رہے۔ ان کے علما اور درویش بھی اس کے ماننے کا حکم کرتے تھے۔" الغرض پے در پے یکے بعد دیگرے انبیائے کرام بنی اسرائیل میں آتے رہے یہاں تک کہ یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہوا۔ انہیں انجیل ملی جس میں بعض احکام توراۃ کے خلاف بھی تھے اسی لئے انہیں نئے معجزات بھی ملے جیسے مردوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ کر دینا، مٹی سے پرند بنا کر اس میں پھونک مار کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اڑا دینا، بیماروں کو اپنے دم جھاڑنے سے اللہ کے حکم سے اچھا کر دینا، بعض غیب کی خبریں (اللہ کے معلوم کرانے سے) دینا وغیرہ، پھر آپ کی تائید پر روح القدس یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کو لگا دیا۔

لیکن بنی اسرائیل اپنی تکذیب اور کفر و تکبر میں اور بڑھ گئے اور زیادہ حسد کرنے لگے اور ان تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ برے سلوک سے پیش آئے۔ کہیں جھٹلاتے تھے کہیں مار ڈالتے تھے، محض اس بنا پر کہ انبیا علیہم السلام کی تعلیم ان کی طبیعتوں کے خلاف ہوا کرتی تھی۔ ان کی رائے اور ان کے قیاسات اور ان کے بنائے ہوئے اصول و احکام اس کی قبولیت سے مانع ہوتے تھے۔ اس لئے دشمنی پر اتر آتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، محمد بن کعب، اسمٰعیل بن خالد، سدی، ربیع بن انس، عطیہ عوفی اور قتادہ رحمہم اللہ وغیرہ کا قول یہی ہے کہ روح القدس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جیسے قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ﴾ ❷ الخ یعنی "اسے لے کر روح امین اترتے ہیں۔"

صحیح بخاری میں تعلیقاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ شاعر کے لئے مسجد میں منبر رکھوایا وہ مشرکین کی ہجو کا جواب دیتے تھے اور آپ ﷺ ان کے لئے دعا کرتے تھے کہ "اے اللہ! حسان کی مدد روح القدس سے کر جیسے کہ یہ تیرے نبی ﷺ کی طرف سے جواب دیتے ہیں۔" ❸ صحیح کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ خلافت فاروقی کے زمانے میں ایک مرتبہ مسجد نبوی ﷺ میں کچھ اشعار پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی طرف تیز نگاہیں اٹھائیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تو اس وقت بھی ان شعروں کو یہاں پڑھتا تھا جب یہاں تم سے بہتر شخص موجود تھے۔ پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا 'ابوہریرہ! تمہیں اللہ کی قسم کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے نہیں سنا کہ "حسان! تو مشرکوں کے اشعار کا جواب دے' اے اللہ! تو حسان کی تائید روح القدس سے کر۔" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم میں نے حضور ﷺ سے یہ سنا ہے۔ ❹

❶ ٥/ المآئدة:٤٤۔ ❷ ٢٦/ الشعرآء:١٩٣۔ ❸ ابوداود، کتاب الأدب، باب ماجاء فی الشعر، ٥٠١٥؛ وسنده حسن ترمذی، ٢٨٤٦، شیخ البانی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (السلسلة الصحیحة، ١٦٥٧) اس معنی کی حدیث صحیح بخاری، ٦١٥٠؛ صحیح مسلم، ٢٤٨٩۔ میں بھی موجود ہے۔ ❹ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکة صلوات الله علیهم، ٣٢١٢۔ وانظر، ٤٥٣، ٢١٥٢؛ صحیح مسلم، ٢٤٨٥۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل غلاف والے ہیں، نہیں نہیں بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے انہیں اللہ تعالیٰ نے ملعون کر دیا ہے ان کا ایمان بہت ہی تھوڑا ہے۔[۸۸]

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''حسان! تم ان مشرکوں کی ہجو کرو جبرئیل تمہارے ساتھ ہے۔'' ❶ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے شعر میں بھی جبرائیل علیہ السلام کو روح القدس کہا گیا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جب یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے روح کی بابت پوچھا تو آپ نے فرمایا ''تمہیں اللہ کی قسم اللہ کی نعمتوں کو یاد کر کے کہو کیا خود تمہیں معلوم نہیں کہ وہ جبرائیل علیہ السلام ہیں اور وہی میرے پاس بھی وحی لاتے ہیں۔'' ان سب نے کہا ہاں بے شک ❷ (ابن اسحاق)۔ ابن حبان میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''جبرائیل علیہ السلام نے میرے دل میں کہا کہ کوئی شخص اپنی روزی اور زندگی پوری کئے بغیر نہیں مرتا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور دنیا کمانے میں دین کا خیال رکھو۔'' ❸ بعض نے روح القدس سے مراد اسم اعظم لیا ہے بعض نے کہا ہے فرشتوں کا ایک سردار فرشتہ ہے۔ بعض کہتے ہیں قدس سے مراد اللہ تعالیٰ اور روح سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہے۔ کسی نے کہا ہے قدس یعنی برکت، کسی نے کہا پاک، کسی نے کہا ہے روح سے مراد انجیل ہے جیسے فرمایا ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا﴾ ❹ یعنی ''اسی طرح ہم نے تیری طرف روح کی وحی اپنے حکم سے کی۔'' امام ابن جریر رحمہ اللہ کا فیصلہ یہی ہے کہ یہاں مراد روح القدس سے حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں، جیسے اور جگہ ہے ﴿اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾ ❺ الخ اس آیت میں روح القدس کی تائید کے ذکر کے ساتھ کتاب و حکمت تورات و انجیل کے سکھانے کا بیان بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ اور چیز ہے اور وہ اور چیز اور روانی عبارت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ قدس سے مراد مقدس ہے، جیسے حَاتِمُ جُوْدٍ اور رَجُلُ صِدْقٍ میں۔ روح القدس کہنے میں اور رُوْحٌ مِّنْهُ کہنے میں قربت اور بزرگی کی ایک خصوصیت پائی جاتی ہے، یہ اس لئے بھی کہا گیا ہے۔

بعض مفسرین نے اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح لی ہے کیونکہ ان کی روح انسانی پیٹھ وغیرہ سے پاک صاف اور الگ تھلگ رہی تھی۔ پھر فرمایا کہ ایک فرقے کو تم نے جھٹلایا اور ایک فرقہ کو قتل کرتے ہو۔ جھٹلانے میں ماضی کا صیغہ لائے لیکن قتل میں مستقبل کا اس لئے کہ ان لوگوں کی حالت آیت کے نزول کے بعد بھی یہی رہی چنانچہ حضور ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا ''کہ اس زہر آلود لقمہ کا اثر برابر مجھ پر رہا جو میں نے خیبر میں کھایا تھا اور اس وقت تو اس نے رگ کاٹ دی۔'' ❻

غلف (غلاف) کے معانی ومفہوم: [آیت:۸۸] یہودیوں کا ایک قول یہ بھی تھا کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں یعنی یہ علم سے بھرپور ہیں، اب ہمیں نئے علم کی کوئی ضرورت نہیں ❼ اس لئے جواب ملا کہ یوں نہیں بلکہ اللہ کی لعنت کی مہر لگ گئی ہے، ایمان نصیب ہی نہیں ہوتا۔ غُلُفٌ کو غُلُفٌ بھی پڑھا گیا ہے یعنی یہ علم کے برتن ہیں۔ اور جگہ قرآن کریم میں ہے ﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ﴾ ❽ الخ یعنی ''جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس چیز سے ہمارے دل پردے اور آڑ میں ہیں ان پر مہر لگی ہوئی ہے وہ اسے نہیں سمجھتے =

❶ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ صلوات اللہ علیہم، ۳۲۱۳؛ صحیح مسلم، ۲۴۸۲۔
❷ الطبری، ۱۴۹۲، مرسلاً ضعیف ہے۔ ❸ ابن ماجہ، ۲۱۴۴ وصحیح ابن حبان (الموارد، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵) وھو صحیح۔
❹ ۴۲/ الشوریٰ:۵۲۔ ❺ ۵/ المآئدۃ:۱۱۰۔ ❻ صحیح بخاری ۴۴۲۸ تعلیقاً اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (صحیح الجامع، ۵۶۲۹)
❼ قرطبی، ۲/ ۲۵۔ ❽ ۴۱/ فصلت:۵۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

ترجمہ: ان کے پاس جب اللہ تعالیٰ کی کتاب ان کی کتاب کو سچا کرنے والی آئی جس کے پہلے یہ خود اس کے ساتھ کافروں پر فتح چاہتے تھے تو باوجود آ جانے اور باوجود پہچان لینے کے پھر کفر کرنے لگے' اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کافروں پر۔[۸۹]

= اور نہ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں' نہ اسے یاد رکھتے ہیں۔'' ایک حدیث میں بھی ہے کہ ''بعض دل والے ہوتے ہیں' جن پر غضب الٰہی ہوتا ہے یہ دل کفار کے ہوتے ہیں۔'' ❶ سورۂ نساء میں بھی ایک آیت اسی معنی کی ہے ﴿وَقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ﴾ ❷ الخ۔ تھوڑا ایمان لانے کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ان میں سے بہت کم لوگ ایماندار ہیں اور دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ ان کا ایمان بہت کم ہے یعنی قیامت' ثواب عذاب وغیرہ کے قائل' حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھنے والے' توراۃ کو کتاب اللہ مانتے ہیں مگر اس پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو مان کر اپنا ایمان پورا نہیں کرتے' بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کر کے اس تھوڑے ایمان کو بھی غارت اور برباد کر دیتے ہیں' تیسرے معنی یہ ہیں کہ یہ سرے سے بے ایمان ہیں کیونکہ عربی زبان میں ایسے موقع پر بالکل نہ ہونے کی صورت میں بھی ایسے الفاظ بولے جاتے ہیں مثلاً میں نے اس جیسا بہت ہی کم دیکھا مطلب یہ ہے کہ دیکھا ہی نہیں' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

یہود کا انکار حسد کی وجہ سے تھا: [آیت:۸۹] جب کبھی یہودیوں اور عرب کے مشرکین کے درمیان لڑائی ہوتی تو یہود کہا کرتے تھے کہ عنقریب اللہ کی سچی کتاب لے کر اللہ کے ایک عظیم الشان پیغمبر تشریف لانے والے ہیں ہم ان کے ساتھ ہو کر تمہیں ایسا قتل و غارت کریں گے کہ تمہارا نام و نشان مٹا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیا کرتے تھے کہ اے اللہ تو اس نبی کو جلد بھیج جس کی صفات ہم توراۃ میں پاتے ہیں تاکہ ہم ان پر ایمان لا کر ان کے ساتھ ہو کر اپنا بازو مضبوط کر کے تیرے دشمن سے انتقام لیں۔ مشرکوں سے کہا کرتے تھے کہ اس نبی کا زمانہ اب بالکل قریب آ گیا ہے۔ لیکن جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تمام نشانیاں آپ میں دیکھ لیں' پہچان لیا' دل سے قائل ہو گئے مگر چونکہ آپ عرب میں سے تھے' حسد کر کے آپ کی نبوت کا انکار کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی لعنت میں آ گئے۔ بلکہ وہ مشرکین مدینہ جو ان سے یہ سنتے چلے آتے تھے انہیں ایمان نصیب ہوا اور بالآخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر وہ یہود پر غالب آ گئے۔ ❸

ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبل' حضرت بشر بن براء' حضرت داؤد بن سلمہ رضی اللہ عنہم نے ان یہود مدینہ سے کہا بھی کہ تم تو ہماری شرک کی حالت میں ہم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ ہمیں ڈرایا کرتے تھے اور جو اوصاف تم آپ کے بیان کرتے تھے وہ تمام اوصاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں پھر تم خود ایمان کیوں نہیں لاتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ کیوں نہیں دیتے؟ تو سلام بن مشکم نے جواب دیا کہ ہم ان کے بارہ میں نہیں کہتے تھے۔ ❹ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے کہ پہلے سے مانتے تھے' منتظر تھے =

❶ احمد، ۳/ ۱۷ اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم مختلط (التقریب:۲/ ۱۳۸) ابوالبختری کا ابوسعید سے سماع ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔ ❷ ٤/ النسآء:۱۵۵۔ ❸ صحیح ابن حبان، الموارد، ۲۱۰۷ وسندہ حسن شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (صحیح السیرۃ النبویۃ ص۷۵) ❹ الطبری، ۲/ ۳۳۳۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٩٠﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۤ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۭ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩١﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿٩٢﴾

ترجمہ: بہت بری ہے وہ چیز جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا' وہ ان کا کفر کرنا ہے' اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ چیز کے ساتھ محض اس بات سے جل کر کہ اللہ نے اپنا فضل اپنے جس بندہ پر چاہا نازل فرمایا' اس باعث یہ لوگ غضب پر غضب کے مستحق ہو گئے' اور ان کافروں کے لئے رسوا کرنے والے عذاب ہیں۔[۹۰] اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب پر ایمان لاؤ تو کہہ دیتے ہیں جو ہم پر اتاری گئی اس پر ہمارا ایمان ہے حالانکہ اس کے بعد والی کے ساتھ جو ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے کفر کرتے ہیں' اچھا ان سے یہ تو دریافت کرو کہ اگر تمہارا ایمان پہلی کتابوں پر ہے تو پھر تم نے پہلے انبیاء کو کیوں قتل کیا؟[۹۱] تمہارے پاس تو موسیٰ علیہ السلام یہ دلیلیں لے کر آئے لیکن تم نے پھر بھی بچھڑا پوجا۔ تم ہو ہی ظالم۔[۹۲]

= لیکن آنے کے بعد حسد اور تکبر سے اپنی ریاست کے کھوئے جانے کے خیال سے صاف انکار کر بیٹھے۔ ❶

یہودیوں کے حسد اور تکبر کی سزا: [آیت: ۹۰-۹۲] مطلب یہ ہے کہ ان یہودیوں نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے بدلے تکذیب کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بدلے کفر کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و امداد کی بجائے مخالفت اور دشمنی کی اور اس سے اپنے آپ کو جس غضب الٰہی کا سزاوار بنایا' یہ بدترین چیز ہے جو بہترین چیز کے بدلے انہوں نے لی اور اس کی وجہ سوا حسد و بغض' تکبر و عناد کے اور کچھ نہیں۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے نہ تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں سے تھے' اس لئے یہ منہ چڑھا کر بیٹھ گئے' حالانکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی حاکم نہیں۔ وہ رسالت کے حقدار کو خوب جانتا ہے' وہ اپنا فضل و کرم اپنے جس بندے کو چاہے عطا فرماتا ہے۔

پس ایک تو توراۃ کے احکام کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے ان پر غضب تھا اور اب دوسرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کرنے سے نازل ہوا' یوں سمجھ لیجئے کہ پہلا غضب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیغمبری نہ ماننے کا اور دوسرا غضب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری نہ ماننے کا' ❷ یا پہلا غضب وہ جو بچھڑے کے پوجنے کی بابت تھا' دوسرا غضب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی بنا پر۔

چونکہ یہ حسد و بغض کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے انکاری ہوئے تھے اور اس حسد و بغض کا اصلی باعث ان کا تکبر تھا اس لئے انہیں ذلیل عذابوں میں مبتلا کیا تا کہ گناہ کا بدلہ پورا ہو جائے' جیسے فرمان ہے۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ =

❶ ابن ابی حاتم، ۱/ ۲۷٦۔ ❷ ابن ابی حاتم، ۱/ ۲۷۸۔

جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ﴾ ❶ ''میری عبادت سے جو بھی تکبر کرے گا' وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوگا۔'' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''متکبر لوگوں کا حشر قیامت کے دن انسانی صورت میں چیونٹیوں کی طرح ہوگا۔ جنہیں تمام چیزیں روندتی ہوئی چلیں گی اور جہنم کے بوس نامی قید خانے میں ڈال دیئے جائیں گے' جہاں کی آگ سے تیز ہوگی اور جہنمیوں کا لہو پیپ وغیرہ انہیں پلایا جائیگا۔'' ❷

خواہش کے بندے نفس کے غلام: یعنی جب ان سے قرآن کریم پر اور نبی آخر الزماں پر ایمان لانے کو کہا جاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں توراۃ انجیل پر ایمان رکھنا کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ اس میں بھی جھوٹے ہیں قرآن تو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور خود ان کی کتابوں میں بھی حضور ﷺ کی تصدیق موجود ہے۔ جیسے فرمایا ﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾ ❸ یعنی ''اہل کتاب آپ ﷺ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح کوئی اپنی اولاد کو پہچانتا ہو۔'' پس آپ ﷺ کے انکار سے توراۃ وانجیل پر بھی ان کا ایمان نہ رہا۔ اس حجت کو قائم کر کے اب دوسری طرح حجت قائم کی جاتی ہے کہ اچھا توراۃ وانجیل پر تو تمہارا ایمان ہے پھر اگلے انبیا جو ان کی تصدیق اور تابعداری کرتے ہوئے نئی شریعت اور نئی کتاب کے آئے بغیر تم نے انہیں کیوں قتل کیا؟ معلوم ہوا کہ تمہارا ایمان نہ تو اس کتاب پر ہے نہ اس کتاب پر' تم محض خواہش کے بندے نفس کے غلام اپنی رائے قیاس کے ماتحت ہو۔ پھر فرمایا کہ اچھا (حضرت) موسیٰ علیہ السلام سے تم نے بڑے بڑے معجزات دیکھے' طوفان ٹڈیاں' جوئیں' مینڈک' خون وغیرہ ان کی بددعا سے بطور معجزے کے ظاہر ہوئے' لکڑی کا سانپ بن جانا' ہاتھ کا روشن چاند بن جانا' دریا کو چیر دینا اور پانی کو پتھر کی طرح بنا دینا' بادلوں کا سایہ کرنا' من وسلویٰ اتارنا' پتھر سے نہریں جاری کرنا وغیرہ تمام بڑے بڑے معجزات جو ان کی نبوت کی اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی روشن دلیلیں تھیں سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا' لیکن ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پہاڑ پر گئے' ادھر تم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا' اب بتاؤ کہ خود توراۃ پر اور خود (حضرت) موسیٰ علیہ السلام پر بھی تمہارا ایمان کہاں رہا؟ کیا یہ بدکاریاں تمہیں ظالم کہلوانے والی نہیں؟ مِنْۢ بَعْدِهٖ سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے طور پہاڑ پر جانے کے بعد ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى﴾ ❹ الخ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جانے کے بعد آپ کی قوم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا اور اپنی جانوں پر اس گوسالہ پرستی سے صریح ظلم کیا' جس کا احساس بعد میں خود انہیں بھی ہوا' جیسے فرمایا ﴿وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ﴾ ❺ الخ یعنی ''جب انہیں ہوش آیا' نادم ہوئے اور اپنی گمراہی کو محسوس کرنے لگے۔ اس وقت کہا کہ اے اللہ! اگر تو ہم پر رحم نہ کرے گا اور ہماری خطا نہ بخشے گا' تو ہم انتہائی نقصان اٹھانے والے ہو جائینگے۔''

یہود کا سب سے بڑا کفر: اللہ تبارک وتعالیٰ بنی اسرائیل کی خطائیں' مخالفتیں' سرکشی اور حق سے روگردانی بیان فرما رہا ہے کہ طور پہاڑ جب سروں پر دیکھا تو اقرار کیا لیکن جب وہ ہٹ گیا تو پھر منکر ہو گئے' اس کی تفسیر پہلے بیان ہو چکی ہے۔ بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں رچ گئی جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ''کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا بہرا بنا دیتی ہے۔'' ❻ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا کر اس کی راکھ کو ہوا میں اڑا کر دریا میں ڈال دیا تھا جس کے پانی کو بنی اسرائیل نے پی لیا اور اس کا اثر ان پر ظاہر ہوا' گو بچھڑا نیست ونابود کر دیا گیا لیکن ان کے دلوں کا تعلق اب بھی اس معبود باطل سے لگا رہا۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ =

---

❶ ٤٠/ المؤمن:٦٠۔ ❷ ترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی شدۃ الوعید للمتکبرین، ٢٤٩٢۔ وھو حسن شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھئے (صحیح الترغیب، ٢٩٨٣) ❸ ٢/ البقرۃ:١٤٦۔ ❹ ٧/ الاعراف:١٤٨۔

❺ ٧/ الاعراف:١٤٩۔ ❻ ابوداود، کتاب الأدب، باب فی الھوی، ٥١٣٠۔ وسندہ ضعیف ابو بکر بن ابی مریم راوی ضعیف ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلۃ الضعیفۃ، ١٨٦٨)

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ط خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا ط قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ق وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ط قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُم بِهِ إِيمَانُكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٩٣﴾ قُلْ إِن كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِندَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٩٤﴾ وَلَن يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ط وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٩٥﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَىٰ حَيَاةٍ ج وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا ج يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ ج وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَن يُعَمَّرَ ط وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾

ع

ترجمہ: جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تم پر طور کو کھڑا کر دیا (اور کہہ دیا) کہ ہماری دی ہوئی چیز کو مضبوط تھامو اور سنو۔ تو انہوں نے کہا ہم نے سنا اور نافرمانی کی' اور ان کے دلوں میں انکے کفر کی وجہ سے بچھڑے کی محبت (گویا) پلا دی گئی ان سے کہہ دو کہ تمہارا ایمان تمہیں برا حکم دے رہا ہے اگر تم ایماندار ہو۔[۹۳] کہہ دو کہ اگر آخرت کا گھر صرف تمہارے ہی لئے ہے اور کسی کے لئے نہیں تو آؤ اپنی سچائی کے ثبوت میں موت طلب کرو'[۹۴] لیکن اپنی کرتوتوں کو دیکھتے ہوئے کبھی بھی موت نہیں مانگیں گے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔[۹۵] بلکہ اے نبی تو انہیں سب سے زیادہ دنیا کی زندگی کا حریص پائے گا' یہ حرص زندگی میں مشرکوں سے بھی زیادہ ہیں' ان میں سے تو ہر شخص ایک ایک ہزار سال کی عمر چاہتا ہے گو یہ عمر دیا جانا بھی انہیں عذابوں سے نہیں چھڑا سکتا' اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کو بخوبی دیکھ رہا ہے۔[۹۶]

= تم ایمان کا دعویٰ کس طرح کرتے ہو؟ اپنے ایمان پر نظر نہیں ڈالتے! بار بار کی عہد شکنیاں کئی مرتبہ کے کفر کیا سب بھول گئے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تم نے کفر کیا ان کے بعد کے پیغمبروں کے ساتھ تم نے سرکشی کی یہاں تک کہ افضل الانبیا خاتم الانبیاء سلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بھی نہ مانا جو سب سے بڑا کفر ہے۔

یہود کو مباہلہ کی دعوت: [آیت: ۹۳۔۹۶] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان یہودیوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی پیغام دیا گیا کہ "اگر تم سچے ہو تو مقابلہ میں آؤ ہم تم مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہم میں سے جھوٹے کو ہلاک کر دے" لیکن ساتھ ہی پیشین گوئی بھی کر دی کہ یہ لوگ ہرگز اس پر آمادہ نہیں ہونے گے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ یہ لوگ مقابلہ پر نہ آئے اس لئے کہ وہ دل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آسمانی کتاب قرآن کریم کو سچا جانتے تھے اگر یہ لوگ اس اعلان کے تحت مقابلہ میں نکلتے تو سب کے سب ہلاک ہو جاتے' روئے زمین پر ایک یہودی بھی باقی نہ رہتا۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی آیا ہے کہ "اگر یہودی مقابلہ پر آتے اور جھوٹے کے لئے موت طلب کرتے تو سب کے سب مرجاتے اور اپنی جگہ جہنم میں دیکھ لیتے۔" اسی طرح جو نصرانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے وہ بھی اگر مباہلہ کے لئے تیار ہوتے تو وہ لوٹ کر اپنے اہل وعیال اور مال ودولت کا نام ونشان بھی نہ پاتے۔ ❶

❶ احمد، ۱/ ۲۴۸۔ وھو صحیح شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الصحيحة، ۳۲۹۶)

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾

ترجمہ: (اے نبی) اتم کہہ دو کہ جو جبرئیل کا دشمن ہو جس نے تیرے دل پر پیغام باری تعالیٰ اتارا ہے جو پیغام ان کے پاس کی کتاب کو سچا بتانے والا اور ایمان والوں کو ہدایت وخوشخبری دینے والا ہے۔[۹۷] (تو اللہ تعالیٰ بھی اس کا دشمن ہے) جو شخص اللہ کا اور اسکے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرئیل اور میکائیل کا دشمن ہوایسے کافروں کا دشمن خود اللہ ہے۔[۹۸]

سورہ جمعہ میں بھی اسی طرح کی دعوت انہیں دی گئی ہے آیت ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا﴾ ❶ آخر تک پڑھیے ان کا دعویٰ تھا کہ ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ ❷ ”ہم تو اللہ کی اولاد اور اس کے پیارے ہیں یہ کہا کرتے تھے“ ﴿لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى﴾ ❸ ”جنت میں صرف یہودی اور نصاریٰ ہی جائیں گے“ اس لئے انہیں کہا گیا کہ آؤ اس کا فیصلہ اس طرح کر لیں کہ دونوں فریق میدان میں نکل کر اللہ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم میں سے جھوٹے کو ہلاک کر ڈالے لیکن چونکہ اس جماعت کو اپنے جھوٹ کا علم تھا یہ اسکے لئے تیار نہ ہوئے اور ان کا کذب سب پر کھل گیا۔ اسی طرح جب نجران کے نصرانی حضور ﷺ کے پاس آئے، بحث مباحثہ ہو چکا تو ان سے بھی یہی کہا گیا کہ ﴿تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ﴾ ❹ الخ ”آؤ ہم تم دونوں اپنی اپنی اولادوں اور بیویوں کو لے کر نکلیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ جھوٹوں پر اپنی لعنت نازل فرمائے“، لیکن وہ آپس میں کہنے لگے کہ ہرگز اس نبی ﷺ سے مباہلہ نہ کرو ورنہ فوراً برباد ہو جاؤ گے۔ چنانچہ مباہلہ سے انکار کر دیا اور جھک کر صلح کر لی اور دب کر جزیہ دینا منظور کر لیا۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ امین بنا کر بھیج دیا۔

اسی طرح مشرکین عرب سے بھی کہا گیا ﴿قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا﴾ ❺ یعنی ”ہم میں سے جو گمراہ ہو اللہ تعالیٰ اس کی گمراہی بڑھا دے“ اس کی پوری تفصیل اس آیت کے تحت بیان ہوگی ان شاء اللہ۔ مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں ایک مرجوح قول یہ بھی ہے کہ تم خود اپنی جانوں کے لئے موت طلب کرو کیونکہ بقول تمہارے آخرت کی بھلائیاں صرف تمہارے لئے ہی ہیں۔ انہوں نے اس کا انکار کیا لیکن یہ قول کچھ دل کو نہیں لگتا اس لئے کہ بہت سے اچھے اور نیک آدمی بھی زندگی چاہتے ہیں بلکہ حدیث میں ہے ”کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جس کی لمبی عمر ہوئی ہو اور اعمال اچھے ہوں۔“ ❻ علاوہ ازیں یہی قول یہودی بھی کہہ سکتے تھے تو بات فیصلہ کن نہ ہوتی ٹھیک تفسیر وہی ہے جو پہلے بیان ہوئی کہ دونوں فریق مل کر جھوٹے کی ہلاکت اور اسکی موت کی دعا کریں اس اعلان کے سنتے ہی یہودی تو ٹھنڈے پڑ گئے اور تمام لوگوں پر ان کا جھوٹ کھل گیا اور وہ پیشینگوئی بھی سچی ثابت ہوئی کہ یہ لوگ ہرگز طلب موت نہیں کریں گے۔

اس مباہلہ کا نام اصطلاح میں تمنی رکھا گیا کیونکہ ہر فریق باطل پرست کی موت کی آرزو کرتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ تو مشرکین سے =

❶ ٦٢/ الجمعة:٦۔ ❷ ٥/ المآئدة:١٣۔ ❸ ٢/ البقرة:١١١۔

❹ ٣/ آل عمران:٦١۔ ❺ ١٩/ مريم:٧٥۔ ❻ ترمذی، کتاب الزهد، باب ماجاء فی طول العمر للمؤمن، ٢٣٢٩، ٢٣٣٠۔ وسندہ حسن شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح الترغیب، ٣٣٦٤)

= بھی زیادہ طویل عمر کے خواہاں ہیں کیونکہ ان کفار کے لئے دنیا جنت ہے اور ان کی تمنا اور کوشش ہے کہ یہاں زیادہ رہیں، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں منافق کو حیات دنیوی کی حرص کافر سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یہودی تو ایک ایک ہزار سال کی عمریں چاہتے ہیں حالانکہ یہ لمبی عمر بھی انہیں عذابوں سے نجات نہیں دے سکتی، چونکہ کفار کو تو آخرت پر یقین ہی نہیں ہوتا اور انہیں تھا، پھر ان کی سیاہ کاریاں بھی سامنے تھیں اسلئے موت سے بہت زیادہ ڈرتے تھے، لیکن ابلیس کے برابر بھی عمر پالیں تو کیا ہوا عذاب سے تو نہیں بچ سکتے ❶ اللہ تعالیٰ انکے اعمال سے بے خبر نہیں، تمام بندوں کے تمام اچھے برے اعمال کو وہ بخوبی جانتا ہے اور ویسا ہی بدلہ دے گا۔

یہودیوں کی حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دشمنی: [آیت: ۹۷-۹۸] امام جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اس پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ جب یہودیوں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اپنا دشمن اور حضرت میکائیل علیہ السلام کو اپنا دوست بتایا تھا اس وقت ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ❷ لیکن بعض تو کہتے ہیں کہ امر نبوت کے بارے میں جو گفتگو ان کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی تھی اس میں انہوں نے یہ کہا تھا۔ بعض کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کا جو مناظرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں ہوا تھا اس میں انہوں نے یہ کہا تھا۔

یہودیوں کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، یہودیوں کی ایک جماعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چند سوال کرتے ہیں، جن کے صحیح جواب نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ان کے جوابات دیجئے۔ آپ نے فرمایا ''بہتر ہے جو چاہو پوچھو۔ مگر عہد کرو کہ اگر میں ٹھیک ٹھیک جواب دوں، تو تم میری نبوت کا اقرار کرو گے اور میری فرمانبرداری میں لگ جاؤ گے۔'' انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا اور عہد دیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح اللہ کی شہادت کے ساتھ ان سے پختہ وعدہ لے کر انہیں سوال کرنے کی اجازت دی۔ انہوں نے کہا پہلے تو یہ بتایئے کہ تورات نازل ہونے سے پہلے حضرت اسرائیل علیہ السلام نے اپنے نفس پر کس چیز کو حرام کیا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سنو! جب (حضرت) یعقوب علیہ السلام عرق النساء کی بیماری میں سخت بیمار ہوئے تو نذر مانی کہ اگر اللہ مجھے اس مرض سے شفا دے گا تو میں اپنی سب سے زیادہ مرغوب چیز کھانے کی اور سب سے زیادہ محبوب چیز پینے کی چھوڑ دوں گا۔ جب تندرست ہو گئے تو اونٹ کا گوشت کھانا اور اونٹنی کا دودھ پینا جو آپ علیہ السلام کے پسند خاطر تھا چھوڑ دیا۔ تمہیں اللہ کی قسم جس نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام پر تورات اتاری بتاؤ یہ سچ ہے۔'' ان سب نے قسم کھا کر کہا کہ ہاں حضور! سچ ہے، بجا ارشاد ہوا۔

یہودیوں نے کہا کہ اب ہمارا سوال یہ ہے کہ عورت اور مرد کے پانی کی کیا کیا کیفیت ہے؟ اور کیوں کبھی لڑکا پیدا ہوتا ہے اور کبھی لڑکی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سنو مرد کا پانی گاڑھا اور سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی پتلا اور زردی مائل ہوتا ہے۔ ان میں سے جو بھی غالب آجائے اسی کے مطابق پیدائش ہوتی ہے اور شکل بھی اس کے مطابق ہوتی ہے، جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آجائے تو حکم ربانی سے اولاد نرینہ ہوتی ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آجائے حکم ربانی سے اولاد لڑکی ہوتی ہے۔ تمہیں اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، سچ بتاؤ میرا جواب صحیح ہے؟'' سب نے قسم کھا کر قبول کیا کہ بے شک آپ نے بجا ارشاد فرمایا۔ آپ نے ان دو باتوں پر اللہ کو گواہ کیا۔

---

❶ الطبری، ۲/ ۳۷۶۔ ❷ الطبری، ۲/ ۳۷۷۔

انہوں نے کہا اچھا اب یہ فرمایئے کہ توراۃ میں جس نبی امی کی خبر ہے اس نبی کی خاص نشانی کیا ہے اور اس کے پاس کونسا فرشتہ وحی لے کر آتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اس کی خاص نشانی یہ ہے کہ اس کی آنکھیں جب سوئی ہوئی ہوں اس وقت میں اس کا دل جاگتا رہتا ہے' تمہیں اس رب کی قسم جس نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ دی بتاؤ میں نے ٹھیک جواب دیا؟'' سب نے قسم کھا کر کہا کہ آپ نے بالکل صحیح جواب دیا۔ اب ہمارے اس سوال کی دوسری شق کا جواب بھی عنایت فرما دیجئے اس پر بحث کا خاتمہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرا ولی جبرئیل علیہ السلام ہے وہی میرے پاس وحی لاتا ہے اور وہی تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس اللہ رب العزت کا پیغام لاتا رہا۔ سچ کہو اور قسم کھا کر کہو کہ میرا یہ جواب بھی درست ہے؟'' انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ جواب تو درست ہے لیکن چونکہ جبرائیل علیہ السلام ہمارا دشمن ہے وہ سختی وخونریزی وغیرہ لے کر آتا رہتا ہے اس لئے ہم اس کی نہیں مانیں گے نہ آپ کی مانیں گے ہاں اگر آپ ﷺ کے پاس (حضرت) میکائیل علیہ السلام وحی لے کر آتے جو رحمت' بارش' پیداوار وغیرہ لے کر آتے ہیں جو ہمارے دوست ہیں تو ہم آپ ﷺ کی تابعداری اور تصدیق کرتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ❶

بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے یہ بھی سوال کیا تھا کہ ''رعد'' کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق انہیں ادھر ادھر لے جاتا ہے۔'' انہوں نے کہا کہ یہ گرج کی آواز کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ اسی فرشتے کی آواز ہے۔'' ملاحظہ ہو مسند احمد وغیرہ۔ ❷

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا: صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ جب حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے اس وقت حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں تھے اور یہودیت پر قائم تھے۔ انہوں نے جب یہ خبر سنی تو حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ حضور اکرم! تین باتیں پوچھتا ہوں جن کا جواب نبیوں کے سوا کسی کو معلوم نہیں' یہ فرمایئے کہ قیامت کی پہلی شرط کیا ہے؟ اور جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہے؟ اور کونسی چیز بچہ کو کبھی ماں کی طرف کھینچتی ہے اور کبھی باپ کی طرف؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان تینوں سوالوں کے جواب ابھی ابھی جبرائیل علیہ السلام نے مجھے بتائے ہیں' سنو!'' حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا' وہ تو ہمارا دشمن ہے۔ آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی پھر فرمایا'' پہلی نشانی قیامت کی ایک آگ ہے جو لوگوں کے پیچھے لگے گی اور انہیں مشرق سے مغرب کی طرف اکٹھا کر دے گی۔ جنتیوں کی پہلی خوراک مچھلی کی کلیجی کی بطور ضیافت ہوگی۔ جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت کر جاتا ہے تو لڑکا پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت لے جاتا ہے تو لڑکی پیدا ہوتی ہے۔'' یہ جواب سنتے ہی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوگئے اور پکار اٹھے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ پھر کہنے لگے حضور اکرم ﷺ! یہودی بڑے بیوقوف لوگ ہیں اگر انہیں پہلے سے میرا اسلام لانا معلوم ہو جائے گا تو وہ مجھے برا کہنے لگیں گے۔ آپ ﷺ پہلے انہیں ذرا قائل کر لیجئے۔

آپ کے پاس جب یہودی آئے تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ عبداللہ بن سلام تم میں کیسے شخص ہیں؟ کہا بڑے بزرگ اور باخبر آدمی ہیں بڑے بزرگوں کی اولاد میں سے ہیں' وہ تو ہمارے سردار ہیں اور سرداروں کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اچھا

---

❶ مسند الطيالسى، ٢٧٣١، وسنده حسن أحمد، ١/ ٢٧٣، ٢٧٨، دیکھئے (السلسلة الصحيحة، ٧/ ١٥١٦)

❷ أحمد، ١/ ٢٧٤؛ ترمذى، كتاب تفسير القرآن، باب ومن سورة الرعد، ٣١١٧، وهو حسن شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الصحيحة، ١٨٧٢)۔

اگر وہ مسلمان ہو جائیں پھر تو تمہیں اسلام کے قبول کرنے میں تامل نہ ہوگا؟'' وہ کہنے لگے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ' اَعُوْذُ بِاللّٰہِ وہ مسلمان ہی کیوں ہونے لگے؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جو اب تک چھپے ہوئے تھے باہر آ گئے اور زور سے کلمہ پڑھنے لگے پھر یہ یہودی شور مچانے لگے کہ یہ خود بھی برا ہے اور اس کے باپ دادا بھی برے تھے۔ یہ بڑا نیچے درجے کا آدمی ہے اور خاندانی کمینہ ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! اس چیز کا مجھے ڈر تھا۔ ❶

صحیح بخاری میں ہے عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جبْر' مِیْك' اِسْرَاف کے معنی عبد یعنی بندے کے ہیں ❷ اور ایل کے معنی اللہ کے ہیں تو جبرئیل وغیرہ کے معنی عبداللہ ہوئے۔ بعض لوگوں نے اس کے خلاف معنی بھی کئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ایل کے معنی عبد کے ہیں اور ان سے پہلے کے الفاظ اللہ کے نام ہیں' جیسے عربی میں عبداللہ' عبدالرحمٰن' عبدالمالک' عبدالقدوس' عبدالسلام' عبدالکافی' عبدالجلیل وغیرہ' لفظ عبد ہر جگہ باقی رہا اور اللہ کے نام بدلتے رہے' اسی طرح ایل ہر جگہ باقی رہا اور اللہ کے اسماحسنیٰ بدلتے رہتے ہیں۔ غیر عربی زبان میں مضاف الیہ پہلے آتا ہے اور مضاف بعد میں اسی قاعدہ کے مطابق ان ناموں میں بھی ہے' جیسے جبرائیل' میکائیل' اسرافیل' عزرائیل وغیرہ

پتھر کے پاس نماز پڑھنے پر عمر رضی اللہ عنہ کی ناراضگی: اب مفسرین کی دوسری جماعت کی دلیل سنئے جو لکھتے ہیں کہ یہ گفتگو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی۔ شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ روحاء میں آئے دیکھا کہ لوگ دوڑ بھاگ کر پتھروں کے ایک تودے کے پاس جا کر نماز ادا کر رہے ہیں۔ پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ جواب ملا کہ اس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی ہے۔ آپ بہت ناراض ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں کہیں نماز کا وقت آتا تھا پڑھ لیا کرتے پھر چلے جایا کرتے تھے۔ اب ان مقامات کو متبرک سمجھ کر خواہ مخواہ وہاں جا کر نماز ادا کرنا کس نے بتایا؟ پھر آپ اور باتوں میں لگ گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہودیوں سے مکالمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں یہودیوں کے مجمع میں کبھی کبھی چلا جایا کرتا اور یہ دیکھتا رہتا تھا کہ کس طرح قرآن تورات کی اور تورات قرآن کی تصدیق کر رہی ہے۔ یہودی بھی مجھ سے محبت ظاہر کرنے لگے اور اکثر بات چیت ہوا کرتی تھی۔ ایک دن میں ان سے باتیں کر ہی رہا تھا کہ راستے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے' انہوں نے مجھ سے کہا تمہارے نبی وہ جا رہے ہیں۔ میں نے کہا خیر میں جاتا ہوں لیکن یہ تو بتاؤ تمہیں اللہ واحد کی قسم' رب کے حق یاد کرو اور رب کی نعمتوں پر نظر رکھ کر' اللہ کی کتاب تم میں موجود ہونے کا خیال رکھ کر اسی رب کی قسم کھا کر کہو کہ کیا تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول نہیں مانتے اب سب خاموش ہو گئے' ان کے بڑے عالم نے جو ان سب میں علم میں بھی کامل تھا اور سب کا سردار بھی تھا ان سے کہا کہ اس نے اتنی سخت قسم دی ہے تم صاف اور سچا جواب کیوں نہیں دیتے انہوں نے کہا حضرت آپ ہی ہمارے بڑے ہیں ذرا آپ ہی جواب دیجئے' اس بڑے پادری نے کہا سنیئے جناب آپ نے زبردست قسم دی ہے سچ تو یہ ہے کہ ہم دل سے جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں۔

میں نے کہا افسوس جب جانتے ہو تو مانتے کیوں نہیں ہو۔ کہا صرف اس وجہ سے کہ ان کے پاس وحی آسمانی لے کر آنیوالے جبرئیل ہیں وہ نہایت سخت' تنگی' شدت' عذاب اور تکلیف کے فرشتے ہیں ہم ان کے اور وہ ہمارے دشمن ہیں۔ اگر وحی لے کر (حضرت) میکائیل علیہ السلام آتے جو رحمت ورافت' تخفیف وراحت والے فرشتے ہیں تو ہمیں ماننے میں بھی تامل نہ ہوتا۔ میں نے کہا

---

❶ صحیح بخاری، کتاب أحادیث الانبیاء، باب خلق آدم وذریته، ۳۳۲۹۔

❷ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة البقرة باب من کان عدوًا لجبریل قبل حدیث ۴۴۸۰۔

اچھا بتاؤ تو ان دونوں کی اللہ کے نزدیک کیا کچھ قدر و منزلت ہے؟ انہوں نے کہا ایک تو جناب باری تعالیٰ کے دائیں بازو ہے اور دوسرا دوسری طرف۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں جو ان میں سے کسی کا دشمن ہو اس کا دشمن اللہ بھی ہے اور دوسرا فرشتہ بھی، جبرئیل علیہ السلام کے دشمن سے میکائیل علیہ السلام دوستی نہیں رکھ سکتے اور میکائیل کا دشمن جبرئیل کا دوست نہیں ہو سکتا' نہ ان میں سے کسی کا دشمن اللہ کا دوست ہو سکتا ہے نہ ان دونوں میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر زمین پر آ سکتا ہے نہ کوئی کام کر سکتا ہے' واللہ مجھے نہ تم سے لالچ ہے نہ خوف ہے۔ سنو جو شخص اللہ تعالیٰ کا دشمن ہو' اس کے فرشتوں اس کے رسولوں اور جبرئیل و میکائیل علیہما السلام کا دشمن ہو تو ایسے کافر کا اللہ بھی دشمن ہے۔ اتنا کہہ کر میں چلا آیا۔

حضور کے پاس پہنچا تو آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا ''اے ابن خطاب! مجھ پر تازہ وحی نازل ہوئی ہے۔'' میں نے کہا حضور! سنائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت پڑھ کر سنائی۔ میں نے کہا حضور! آپ پر میرے ماں باپ قربان یہی باتیں ابھی ابھی یہودیوں سے میری ہو رہی تھیں۔ میں تو چاہتا ہی تھا بلکہ اسی لئے حاضر خدمت ہوا تھا کہ آپ کو خبر کروں مگر میرے آنے سے پہلے لطیف و خبیر سننے دیکھنے والے اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچا دی۔ ملاحظہ ہو ابن ابی حاتم ❶ وغیرہ' مگر یہ روایت منقطع ہے سند متصل نہیں۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔

فرشتوں میں بھی رسول ہیں: آیت کا مطلب یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام اللہ کے امین فرشتے ہیں اللہ کے حکم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اللہ کی وحی پہنچانے پر مقرر ہیں وہ فرشتوں میں سے اللہ کے رسول ہیں۔ کسی ایک رسول سے عداوت رکھنے والا سب رسولوں سے عداوت رکھنے والا ہے جیسے ایک رسول پر ایمان سب رسولوں پر ایمان لانے کا نام ہے اور ایک رسول کے ساتھ کفر تمام انبیا کے ساتھ کفر کرنے کے برابر ہے۔ خود اللہ تعالیٰ بعض رسولوں کے ماننے والوں کو کافر بتاتا ہے' فرماتا ہے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ﴾ ❷ یعنی ''جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اسکے رسولوں کے درمیان تفریق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے'' دوسری آیت کے آخر تک۔ پس ان آیات میں صراحتاً ان لوگوں کو کافر کہا جو کسی رسول کو نہ مانیں اسی طرح جبرائیل علیہ السلام کا دشمن اللہ کا دشمن ہے کیونکہ وہ اپنی مرضی سے نہیں آتے' قرآن فرماتا ہے ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ﴾ ❸ اور فرماتا ہے ﴿وَاِنَّہٗ لَتَنْزِیْلُ﴾ ❹ یعنی ''ہم اللہ کے حکم کے سوا نہیں اترتے۔ یہ نازل کیا ہوا رب العالمین کا ہے جسے لے کر روح الامین آتے ہیں اور تیرے دل میں ڈالتے ہیں تاکہ تو لوگوں کو ہوشیار کر دے۔''

صحیح بخاری کی حدیث قدسی میں ہے میرے دوستوں سے دشمنی کرنے والا مجھ سے لڑائی کا اعلان کرنیوالا ہے۔ ❺ قرآن کریم کی یہ بھی ایک صفت ہے کہ وہ اپنے سے پہلے کے تمام ربانی کلام کی تصدیق کرتا ہے اور ایمانداروں کے دلوں کی ہدایت اور ان کے لئے جنت کی خوشخبری دیتا ہے جیسے فرمایا ﴿ھُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھُدًی وَّشِفَآءٌ﴾ ❻ فرمایا ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا ھُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ ❼ یعنی ''یہ قرآن ایمان والوں کے لئے ہدایت اور شفا ہے۔'' رسولوں میں انسانی رسول اور ملکی رسول سب شامل ہیں۔ جیسے

---

❶ ابن ابی حاتم، ص ۲۹۰، اس کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ❷ ٤/ النسآء:١٥٠۔

❸ ١٩/ مریم:٦٤۔ ❹ ٢٦/ الشعرآء:١٩٢۔ ❺ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، ٦٥٠٢۔

❻ ٤١/ فصلت:٤٤۔ ❼ ١٧/ الاسرآء:٨٢۔

فرمایا﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ﴾ [1] ''اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے انسانوں میں سے اپنے رسول چھانٹ لیتا ہے۔'' جبرئیل اور میکائیل بھی فرشتوں میں ہیں لیکن ان کا خصوصی طور پر نام لیا تاکہ مسئلہ بالکل صاف ہو جائے اور یہودی جان لیں کہ ان میں سے ایک کا دشمن دوسرے کا دشمن ہے بلکہ اللہ بھی اس کا دشمن ہے۔

حضرت میکائیل علیہ السلام بھی کبھی کبھی انبیا علیہم السلام کے پاس آتے رہے ہیں جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شروع شروع میں تھے لیکن اس کام پر مقرر حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں جیسے حضرت میکائیل علیہ السلام روئیدگی اور بارش وغیرہ پر اور حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکنے پر۔ ایک صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جب جاگتے تب یہ دعا پڑھتے ((اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَائِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ. اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ)) ''اے اللہ! اے جبرائیل' میکائیل' اسرافیل کے رب' اے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے' اے چھپے کھلے کے جاننے والے۔ اپنے بندوں کے اختلاف کا فیصلہ تو ہی کرتا ہے' اے اللہ اختلافی امور میں اپنے حکم سے حق کی طرف میری رہبری کر تو جسے چاہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ [2] لفظ جبرائیل وغیرہ کی تحقیق اور اسکے معانی پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

حضرت عبدالعزیز بن عمر رحمہ اللہ فرماتے ہیں فرشتوں میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کا نام خادم اللہ ہے۔ ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ یہ سن کر بہت ہی خوش ہوئے اور فرمانے لگے یہ ایک روایت میری روایات کے ایک دفتر سے مجھے زیادہ محبوب ہے' جبرائیل اور میکائیل کے الفاظ میں بہت سی لغات اور قراءتیں ہیں جن کی تفصیل لغت کی کتب میں موجود ہے ہم انہیں یہاں بیان کر کے کتاب کا حجم بڑھانا نہیں چاہتے۔ کیونکہ کسی معنی کی سمجھ یا کسی حکم کا مفاد ان پر موقوف نہیں' اللہ تعالیٰ مدد کرے' ہمارا بھروسہ اور توکل اسی کی پاک ذات پر ہے۔

آیت کے خاتمہ میں یہ نہیں فرمایا کہ اللہ بھی ان لوگوں کا دشمن ہے بلکہ فرمایا اللہ کافروں کا دشمن ہے اس میں ایسے لوگوں کا حکم بھی معلوم ہو گیا۔ اسے عربی میں مضمر کی جگہ مظہر کہتے ہیں اور کلام عرب میں اکثر اس کی مثالیں شعروں میں بھی پائی جاتی ہیں' گویا یوں کہا جاتا ہے کہ جس نے اللہ کے دوست سے دشمنی کی اس نے اللہ سے دشمنی کی اور جو اللہ کا دشمن اللہ بھی اس کا دشمن اور جس کا دشمن خود اللہ ہو جائے اس کے کفر و بربادی میں کیا شبہ رہ گیا؟ صحیح بخاری کی حدیث پہلے گزر چکی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے دوستوں سے دشمنی رکھنے والے کو میں اعلان جنگ دیتا ہوں۔ [3] ایک حدیث میں ہے کہ میں اپنے دوستوں کا بدلہ لے لیا کرتا ہوں۔ [4] ایک اور حدیث میں ہے جس کا دشمن میں ہو جاؤں وہ برباد ہو کر ہی رہتا ہے۔ [5]

---

[1] ۲۲/ الحج:۷۵۔ [2] صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب الدعاء فی صلاۃ اللیل وقیامہ، ۷۷۰۔

[3] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، ۶۵۰۲۔

[4] شرح السنۃ للبغوی، ۱۲۴۹؛ بلفظ آخر وسندہ ضعیف جداً کنز العمال، ۱۱۶۰ اس کی سند میں حسن بن یحییٰ الخشنی اور صدقۃ الدقیقی پر محدثین کا کلام ہے دیکھئے (المیزان ۱/ ۵۲۴، رقم: ۱۹۵۸، ۲/ ۳۱۲، رقم: ۳۸۷۹)۔

[5] ابن ماجۃ، کتاب الرھن، باب اجر الاجراء ۲۴۴۷ وسندہ حسن، وصحیح البخاری، ۴۱۲۲۷۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا

عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُھُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَاۗءَھُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ

عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ڎ كِتٰبَ اللّٰهِ

وَرَاۗءَ ظُهُوْرِھِمْ كَاَنَّھُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰي مُلْكِ

سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ق

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَي الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ ھَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى

يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ

وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا ھُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّھُمْ

وَلَا يَنْفَعُھُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ڟ

وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَھُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ

مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع

ع ۱۲ / ۱۲

ترجمہ: یقیناً ہم نے تیری طرف روشن دلیلیں اتاری ہیں' جن کا انکار سوائے بدکاروں کے کوئی نہیں کرتا۔[۹۹] یہ لوگ جب کبھی کوئی عہد کرتے ہیں تو ان کی ایک نہ ایک جماعت اسے توڑ دیتی ہے' بلکہ ان میں سے اکثر ایمان سے خالی ہیں۔[۱۰۰] جب کبھی ان کے پاس اللہ کا کوئی رسول ان کی کتاب کی تصدیق کرنیوالا آیا ان اہل کتاب کے ایک فرقہ نے اللہ کی کتاب کو اس طرح پیٹھ پیچھے ڈال دیا گویا جانتے ہی نہ تھے' [۱۰۱] اور اس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیاطین سلیمان علیہ السلام کی حکومت میں پڑھتے تھے۔ سلیمان علیہ السلام نے تو یہ کفر نہ کیا تھا بلکہ یہ کفر شیطانوں کا تھا' وہ لوگوں کو جادو سکھلایا کرتے تھے' اور بابل میں ہاروت اور ماروت دو فرشتوں پر جو اتارا گیا تھا' وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں تو کفر نہ کر۔ پھر لوگ ان سے وہ سیکھتے جس سے مرد وعورت میں جدائی ڈال دیں' اور دراصل وہ بغیر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے' یہ لوگ وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان پہنچائے اور نفع نہ پہنچا سکے' اور وہ بالیقین جانتے ہیں کہ اس کے لینے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں' اور وہ بدترین چیز ہے جس کے بدلے وہ اپنے آپ کو فروخت کر رہے ہیں' کاش کہ یہ جانتے ہوتے۔[۱۰۲] اور اگر یہ لوگ ایماندار متقی بن جاتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہترین ثواب انہیں ملتا' اگر یہ جانتے ہوتے۔[۱۰۳]

[آیت: ۹۹-۱۰۳] یعنی اے محمد (ﷺ) ہم نے ایسی نشانیاں جو آپ (ﷺ) کی نبوت کی صریح دلیل بن سکیں نازل فرما دی ہیں۔ یہودیوں کی مخصوص معلومات کا ذخیرہ' ان کی کتاب کی پوشیدہ باتیں ان کی تحریف وتبدیل احکام وغیرہ سب ہم نے اپنی معجزنما

کتاب قرآن کریم میں بیان فرما دیئے ہیں جنہیں سن کر ہر زندہ ضمیر آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی طرف مجبور ہو جاتا ہے' ہاں یہ اور بات ہے کہ یہودیوں کو انکا حسد و بغض روک دے' ورنہ ہر شخص جان سکتا ہے کہ ایک امی شخص سے ایسا پاکیزہ خوبیوں والا اور حکمتوں والا کلام بن نہیں سکتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ابن صوریا قطوینی نے حضور ﷺ سے کہا تھا کہ آپ کوئی ایسی چیز نہیں لائے جسے ہم پہچان لیں نہ آپ کے پاس کوئی روشن دلائل ہیں' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ چونکہ یہودیوں نے اس بات سے انکار کر دیا تھا کہ ہم سے پیغمبر آخر الزماں کی بابت کوئی عہد لیا گیا ہو' اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ تو ان کی عادت ہی ہے کہ عہد کیا اور توڑا بلکہ ان کی اکثریت تو ایمان سے بالکل خالی ہے۔ ''نبذ'' کے معنی پھینک دینا ہے چونکہ ان لوگوں نے کتاب اللہ کو عہد باری تعالیٰ کو اس طرح چھوڑ رکھا تھا گویا پھینک دیا تھا اس لئے ان کی مذمت میں یہی لفظ لایا گیا۔

دوسری جگہ صاف بیان ہے کہ ان کی کتابوں میں حضور ﷺ کا ذکر موجود تھا۔ فرمایا ﴿يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ﴾ ❶ یعنی ''یہ لوگ توراۃ وانجیل میں حضور کا ذکر موجود پاتے ہیں۔'' یہاں بھی فرمایا ہے کہ جب ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا ہمارا پیغمبر ان کے پاس آیا تو ان کے ایک فریق نے اللہ کی کتاب سے بے پرواہی کر کے اس طرح اسے چھوڑ دیا گویا کوئی علم ہی نہیں بلکہ جادو کے پیچھے پڑ گئے اور خود حضور اکرم ﷺ پر جادو کیا جس کی اطلاع آپ ﷺ کو جناب باری تعالیٰ نے دی اور اس کا اثر زائل ہوا اور آپ ﷺ کو شفا ملی۔ توراۃ سے تو حضور ﷺ کا مقابلہ کر نہیں سکتے تھے اس لئے کہ وہ تو اس کی تصدیق کرنے والی تھی' تو اسے چھوڑ کر دوسری کتابیں لے لیں ان کے پیچھے لگ گئے اور اللہ کی کتاب کو اس طرح چھوڑ دیا کہ گویا کبھی جانتے ہی نہ تھے۔ نفسانی خواہشات تو سامنے رکھ لیں اور کتاب اللہ کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ راگ باجے کھیل تماشے اور اللہ کے ذکر سے روکنے والی ہر چیز ﴿مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ﴾ میں داخل ہے۔

یہود کا سلیمان علیہ السلام کو جادوگر کہنا جھوٹ ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک انگوٹھی تھی جب آپ پاخانے کے لئے جاتے تو اپنی بیوی حضرت جرادہ کو وہ دے جاتے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی آزمائش کا وقت آیا تو اس وقت ایک شیطان جن آپ کی صورت میں آپ کی بیوی کے پاس آیا اور انگوٹھی طلب کی جو انہوں نے دے دی' اس نے پہن لی اور تخت سلیمانی پر بیٹھ گیا۔ تمام جنات وغیرہ حاضر خدمت ہو گئے وہ حکومت کرنے لگا۔ ادھر جب حضرت سلیمان علیہ السلام واپس آئے اور انگوٹھی طلب کی تو جواب ملا تو جھوٹا ہے انگوٹھی تو حضرت سلیمان علیہ السلام لے گئے۔ آپ نے سمجھ لیا کہ یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے۔ ان دنوں شیاطین نے جادو' نجوم' کہانت' شعر اشعار اور غیب کی جھوٹی سچی خبروں کی کتابیں لکھ لکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی تلے دفن کرنی شروع کر دیں۔ آپ کی آزمائش کا یہ زمانہ ختم ہو گیا۔ آپ پھر سے تخت وتاج کے مالک ہوئے عمر طبعی کو پہنچ کر جب رحلت فرمائی تو شیاطین نے انسانوں سے کہنا شروع کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا خزانہ اور وہ کتابیں جن کے ذریعہ سے وہ ہواؤں اور جنات پر حکمرانی کرتے تھے ان کی کرسی تلے دفن ہیں چونکہ جنات اس کرسی کے پاس نہیں جا سکتے تھے اس لیے انسانوں نے اسے کھودا تو وہ کتابیں برآمد ہوئیں' بس ان کا چرچا ہو گیا اور ہر شخص کی زبان پر چڑھ گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کا راز یہی تھا بلکہ لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت سے انکاری ہو گئے اور آپ کو جادوگر کہنے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے اس بات کی عقدہ کشائی کی اور فرمان باری نازل ہوا کہ جادوگری کا یہ کفر تو شیاطین کا پھیلایا ہوا ہے' حضرت سلیمان علیہ السلام اس سے بری الذمہ ہیں۔

❶ ۷/ الاعراف: ۱۵۷۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص آیا۔ آپ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا عراق سے۔ فرمایا عراق کے کس شہر سے؟ اس نے کہا کوفہ سے۔ پوچھا وہاں کیا خبریں ہیں؟ اس نے کہا وہاں باتیں ہو رہی ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ انتقال نہیں کر گئے بلکہ زندہ روپوش ہیں اور عنقریب آئیں گے۔ آپ کانپ اٹھے اور فرمانے لگے اگر ایسا ہوتا تو ہم ان کی میراث تقسیم نہ کرتے اور نہ ان کی عورتیں اپنا دوسرا نکاح کرتیں' سنو! شیاطین آسمانی باتیں چرالایا کرتے تھے اور ان میں اپنی باتیں ملا کر لوگوں میں پھیلایا کرتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ تمام کتابیں جمع کر کے اپنی کرسی تلے دفن کر دیں۔ آپ کے انتقال کے بعد جنات نے وہ پھر نکال لیں' وہی کتابیں عراقیوں میں پھیلی ہوئی ہیں اور ان ہی کتابوں کی باتیں وہ بیان کرتے اور پھیلاتے رہتے ہیں۔ اسی کا ذکر اس آیت ﴿وَاتَّبَعُوْا﴾ میں ہے۔ ❶

اس زمانے میں یہ بھی مشہور ہو گیا تھا کہ شیاطین علم غیب جانتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کتابوں کو صندوق میں بھر کر دفن کر دینے کے بعد یہ حکم جاری کر دیا کہ جو یہ کہے گا اس کی گردن ماری جائے گی۔ بعض روایات میں ہے کہ جنات نے ان کتابوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے انتقال کے بعد آپ کی کرسی تلے دفن کر دیا تھا اور ان کے شروع صفحہ پر لکھ دیا تھا کہ یہ علمی خزانہ آصف بن برخیا کا جمع کیا ہوا ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر اعظم' مشیر خاص اور دلی دوست تھے۔ یہودیوں میں مشہور تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نبی نہ تھے بلکہ جادوگر تھے۔ اس بنا پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کے سچے نبی نے ایک سچے نبی کی براءت کا اعلان کیا اور یہودیوں کے اس عقیدے کو باطل قرار دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام انبیا کے زمرے میں سن کر بہت بدکتے تھے اس لئے تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کا بیان کر دیا۔ ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تمام موذی جانوروں سے عہد لیا تھا جب انہیں وہ عہد یاد کرایا جاتا تھا تو وہ ستاتے نہ تھے پھر لوگوں نے اپنی طرف سے عبارتیں بنا کر جادو کی قسم کے منتر وغیرہ بنا کر ان سب کو آپ کی طرف منسوب کر دیا۔ یہ یاد رہے کہ "عَلٰی" یہاں پر "فِیْ" کے معنی میں ہے یا تَتْلُوْا متضمن ہے تَکْذِیْبُ کا اور یہی اولیٰ اور احسن ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جادو حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے بھی تھا اور یہ بالکل سچ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آئے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگروں کا ہونا قرآن سے ثابت ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہونا بھی قرآن سے ظاہر ہے۔ داؤد اور جالوت کے قصے میں ہے ﴿مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی﴾ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی پہلے حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی قوم نے کہا تھا ﴿اِنَّمَا اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ﴾ ❷ یعنی "تو جادو کئے گئے لوگوں میں سے ہے۔" پھر فرماتا ہے ﴿وَمَآ اُنْزِلَ﴾ الخ بعض تو کہتے ہیں یہاں پر "مَا" نافیہ ہے یعنی انکار کے معنی میں ہے اور اس کا عطف ﴿مَا کَفَرَ سُلَیْمٰنُ﴾ پر ہے۔ یہودیوں کا دوسرا اعتقاد کہ جادو فرشتوں پر نازل ہوا ہے اس آیت میں اس کی تردید ہے۔

ہاروت ماروت لفظ شیاطین کا بدل ہے تثنیہ پر بھی جمع کا اطلاق ہوتا ہے جیسے ﴿فَاِنْ کَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ﴾ ❸ میں ❹ یا اس لئے جمع کیا گیا کہ ان کے ماننے والوں کو بھی شامل کر لیا گیا ہے اور ان کا نام ان کی زیادہ سرکشی کی وجہ سے واضح کر دیا گیا ہے۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ تو کہتے ہیں کہ اس آیت کا یہی ٹھیک مطلب ہے اس کے سوا کسی اور مفتی کی طرف التفات بھی نہ کرنا چاہیے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جادو اللہ کا نازل کیا ہوا نہیں ❺ ربیع بن انس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان پر کوئی جادو نہیں اترا ❻ اس بنا پر آیت کا ترجمہ اس طرح پر ہو گا کہ ان

---

❶ اخرجه الحاکم فی کتاب التفسیر، ٢/ ٢٦٥، وسنده حسن اور حاکم نے اس پر سکوت فرمایا۔ لیکن علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے التلخیص میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ❷ ٢٦/ الشعرآء:١٥٣۔ ❸ ٤/ النسآء:١١۔ ❹ القرطبی، ٢/ ٥٠۔ ❺ الطبری ٢/ ٤١٩۔ ❻ الطبری، ٢/ ٤١٩۔

یہودیوں نے اس چیز کی تابعداری کی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں شیطان پڑھا کرتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا نہ اللہ تعالیٰ نے جادو کو ان دو فرشتوں پر اتارا ہے (جیسے اے یہودیو! تمہارا خیال جبرئیل و میکائیل کی طرف ہے) بلکہ یہ کفر شیطانوں کا ہے جو بابل میں لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور ان کے سردار دو آدمی تھے جن کا نام ہاروت و ماروت تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابزی رضی اللہ عنہ اسے اس طرح پڑھتے تھے وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلِكَيْنِ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ یعنی داؤد و سلیمان دونوں بادشاہوں پر بھی جادو نہیں اتارا گیا یا یہ کہ وہ اس سے روکتے تھے کیونکہ یہ کفر ہے۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا زبردست رد کیا ہے وہ فرماتے ہیں مَا معنی میں الَّذِیْ کے ہے اور ہاروت و ماروت دو فرشتے ہیں جنہیں اللہ نے زمین کی طرف اتارا ہے اور اپنے بندوں کی آزمائش اور امتحان کے لئے انہیں جادو کی تعلیم کی اجازت دی ہے لہٰذا ہاروت و ماروت اس فرمان باری کو پورا کر رہے ہیں۔

ایک غریب قول یہ بھی ہے کہ یہ جنوں کے دو قبیلے ہیں مَلَكَيْنِ یعنی بادشاہوں کی قراءت پر اِنْزَال خَلْق کے معنی میں ہوگا جیسے فرمایا ﴿وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ﴾ ❶ اور فرمایا ﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ﴾ ❷ اور کہا ﴿وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا﴾ ❸ یعنی "ہم نے تمہارے لیے آٹھ قسم کے چوپائے پیدا کیے" ❹ "لوہا بنایا" "آسمان سے روزیاں اتاریں۔ حدیث میں ((مَاأَنْزَلَ اللّٰهُ دَاءً)) یعنی "اللہ تعالیٰ نے جتنی بیماریاں پیدا کی ہیں ان سب کے علاج بھی پیدا کیے ہیں۔" مثل مشہور ہے کہ بھلائی برائی کا نازل کرنے والا اللہ ہے۔ یہاں سب جگہ انزال خلق یعنی پیدائش کے معنی میں ہے ایجاء یعنی لانے اور اتارنے کے معنی میں نہیں۔ اسی طرح اس آیت میں بھی۔ اکثر سلف کا مذہب یہ ہے کہ یہ دونوں فرشتے تھے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ مضمون تفصیل کے ساتھ ہے جو ابھی بیان ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ فرشتے تو معصوم ہیں وہ گناہ کرتے ہی نہیں چہ جائیکہ لوگوں کو جادو سکھائیں جو کفر ہے اس لئے کہ یہ دونوں بھی عام فرشتوں میں سے خاص ہو جائیں گے جیسے کہ ابلیس کی بابت آپ ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ﴾ ❺ کی تفسیر میں پڑھ چکے ہیں۔ حضرت علی حضرت ابن مسعود حضرت ابن عباس حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم حضرت کعب احبار حضرت سدی اور کلبی رحمۃ اللہ علیہم یہی فرماتے ہیں۔ اب اس حدیث کو سنیے۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اتارا اور ان کی اولاد پھیلی اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہونے لگی تو فرشتوں نے کہا کہ دیکھو یہ کس قدر بدلوگ ہیں کیسے نافرمان سرکش ہیں ہم اگر ان کی جگہ ہوتے تو ہرگز اللہ کی نافرمانی نہ کرتے۔" "اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا تم اپنے میں سے دو فرشتوں کو پسند کرلو میں ان میں انسانی خواہشات کو پیدا کرتا ہوں اور انہیں میں بھیجتا ہوں پھر دیکھتا ہوں کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ہاروت و ماروت کو پیش کیا اللہ تعالیٰ نے ان میں انسانی طبیعت پیدا کی اور ان سے کہہ دیا کہ دیکھو بنی آدم کو تو میں اپنے انبیا کی معرفت اپنے حکم احکام پہنچاتا ہوں لیکن تم سے بلاواسطہ خود کہہ رہا ہوں کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا زنا نہ کرنا شراب نہ پینا۔ اب یہ دونوں زمین پر اترے اور زہرہ کو ان کی آزمائش کیلئے حسین و جمیل عورت کی صورت میں انکے پاس بھیجا جسے دیکھ کر یہ دیوانے ہو گئے اور اس سے زنا کرنا چاہا۔ اس نے کہا اگر تم شرک کرو تو میں منظور کرتی ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو ہم سے نہ ہو سکے گا وہ چلی گئی پھر آئی اور کہنے لگی اچھا اس بچے کو قتل کر ڈالو تو میں تمہاری خواہش پوری کر دیتی ہوں۔ انہوں نے اسے بھی نہ مانا اور پھر آئی اور کہا کہ اچھا یہ شراب پی لو۔ انہوں نے اسے ہلکا گناہ سمجھ کر اسے منظور کر لیا اب نشہ میں مست ہو کر زنا کاری بھی کی اور اس بچے

---

❶ ۳۹/ الزمر:٦۔ ❷ ٥٧/ الحديد:٢٥۔ ❸ ٤٠/ غافر:١٣۔

❹ صحيح بخاری، كتاب الطب، باب ماأنزل الله داء...... ، ٥٦٧٨؛ ابن ماجة، ٣٤٣٨۔ ❺ ٢/ البقرة:٣٤۔

کو بھی قتل کر ڈالا۔ جب ہوش وحواس درست ہوئے تو اس عورت نے کہا جن جن کاموں کا تم پہلے انکار کرتے تھے وہ تمام کام تم نے کر ڈالے۔ یہ نادم ہوئے' پھر انہیں اختیار دیا گیا کہ یا تو عذاب دنیا کو اختیار کر دیا عذاب اخروی کو۔ انہوں نے دنیا کے عذاب پسند کیے۔" صحیح ابن حبان' مسند احمد' ابن مردویہ' ابن جریر' عبدالرزاق میں یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ ❶ مسند احمد کی یہ روایت غریب ہے اس میں ایک راوی موسیٰ بن جبیر انصاری سلمی حذاء کو ابن ابی حاتم نے مستور الحال لکھا ہے۔

ابن مردویہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک رات کو دوران سفر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت نافع رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا زہرہ ستارہ نکلا؟ اس نے کہا نہیں۔ دو تین مرتبہ کے سوال کے بعد کہا اب زہرہ طلوع ہوا' تو فرمانے لگے اسے نہ خوشی ہو نہ بھلائی ملے۔ حضرت نافع رحمہ اللہ نے کہا حضرت ایک ستارہ جو حکم اللہ سے طلوع وغروب ہوتا ہے آپ اسے برا کہتے ہیں؟ فرمایا سن میں وہی کہتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے' پھر اسکے بعد مندرجہ بالا حدیث (باختلاف الفاظ) سنائی' لیکن یہ بھی غریب ہے۔ ❷ حضرت کعب رحمہ اللہ والی روایت مرفوع سے زیادہ صحیح موقوف ہے' اور ممکن ہے کہ وہ اسرائیلی روایت ہو وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ صحابہ اور تابعین سے بھی اس قسم کی روایات بہت کچھ منقول ہیں۔ بعض میں ہے کہ زہرہ ایک عورت تھی اس نے ان فرشتوں سے یہ شرط کی تھی کہ تم مجھے وہ دعا سکھا دو جسے پڑھ کر تم آسمان پر چڑھ جاتے ہو۔ انہوں نے سکھا دی' یہ پڑھ کر چڑھ گئی اور وہاں تارے کی شکل میں بنا دی گئی۔ ❸ بعض مرفوع روایات میں بھی یہی ہے لیکن وہ منکر اور غیر صحیح ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس واقعہ سے پہلے تو فرشتے صرف ایمان والوں کی بخشش کی دعا مانگتے تھے لیکن اسکے بعد تمام اہل زمین کے لئے دعا شروع کر دی۔ بعض روایات میں ہے کہ جب ان دونوں فرشتوں سے یہ نافرمانیاں سرزد ہوئیں تب اور فرشتوں نے اقرار کر لیا کہ بنی آدم جو اللہ تعالیٰ سے دور ہیں اور بن دیکھے ایمان لاتے ہیں ان سے خطاؤں کا سرزد ہو جانا کوئی ایسی انوکھی چیز نہیں۔ ان دونوں فرشتوں سے کہا گیا کہ اب یا تو دنیا کا عذاب پسند کر لو یا آخرت کے عذابوں کے لئے تیار ہو جاؤ۔ دونوں نے آپس میں مشورہ کر کے دنیا کے عذاب کو اختیار کیا کیونکہ یہ فنا ہو جانے والا ہے اور آخرت کے عذاب دائمی ہیں چنانچہ انہیں بابل میں عذاب ہو رہا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیئے تھے ان میں قتل اور مال حرام سے ممانعت بھی تھی اور یہ حکم بھی تھا کہ فیصلہ انصاف کے ساتھ کریں۔ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ یہ تین فرشتے تھے لیکن ایک نے آزمائش سے انکار کر دیا اور واپس چلا گیا' پھر دو کی آزمائش ہوئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے کا ہے۔ یہاں بابل سے مراد بابل دنیاوند ہے۔ اس عورت کا نام عربی میں زہرہ تھا اور نبطی زبان میں اس کا نام بیدخت تھا اور فارسی میں ناہید تھا۔ یہ عورت اپنے خاوند کے خلاف ایک مقدمہ لائی تھی' جب انہوں نے اس سے برائی کا ارادہ کیا تو اس نے کہا پہلے مجھے میرے خاوند کے خلاف فیصلہ کر دو تو پھر میں تیار ہوں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا' پھر اس نے کہا مجھے یہ بھی بتا دو کہ تم کیا پڑھ کر آسمان پر چڑھ جاتے ہو اور کیا پڑھ کر اترتے ہو؟ انہوں نے یہ بھی بتا دیا۔ چنانچہ وہ اسے پڑھ کر آسمان پر چڑھ گئی لیکن اترنے کا وظیفہ بھول گئی اور وہیں ستارے کی صورت میں مسخ کر دی گئی۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب کبھی ستارے

---

❶ احمد، ٢/ ١٣٤؛ مسند البزار، ٢٩٣٨؛ ابن حبان، ٦١٨٦، وهو معلول والله اعلم۔

❷ معلول شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے مرفوعاً باطل قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الضعيفة، ٩١٢)۔

❸ حاكم، ٢/ ٢٦٥، ٢٦٦؛ وهو ضعيف لم يصح عن علي رضي الله عنه الطبری، ٢/ ٤٧٨ والعجاب في بيان الاسباب، لابن حجر، ١/ ٣٢٢۔

کو دیکھتے تو لعنت بھیجا کرتے تھے۔ اب ان فرشتوں نے جب چڑھنا چاہا تو نہ پڑھ سکے، سمجھ گئے کہ اب ہم ہلاک ہوئے۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پہلے پہل چند دنوں تک تو یہ فرشتے ثابت قدم رہے صبح سے شام تک عدل کے ساتھ فیصلے کرتے رہتے شام کو آسمان پر چڑھ جاتے پھر زہرہ کو دیکھ کر اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکے۔ زہرہ ستارے کو ایک خوبصورت عورت کی شکل میں بھیجا گیا تھا۔

الغرض ہاروت و ماروت کا یہ قصہ تابعین میں سے بھی اکثر لوگوں نے بیان کیا ہے، جیسے مجاہد، سدی، حسن بصری، قتادہ، ابوالعالیہ، زہری، ربیع بن انس، مقاتل بن حیان وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم اور متقدمین اور متاخرین مفسرین نے بھی اپنی اپنی تفاسیر میں اسے نقل کیا ہے لیکن اس کا زیادہ تر دار و مدار بنی اسرائیل کی کتابوں پر ہے۔ کوئی صحیح مرفوع متصل حدیث اس باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں اور نہ قرآن کریم میں اس قدر بسط و تفصیل ہے پس ہمارا ایمان ہے کہ جس قدر قرآن میں ہے صحیح اور درست ہے اور حقیقت حال کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے (قرآن کریم کے ظاہری الفاظ مسند احمد، ابن حبان، بیہقی وغیرہ کی مرفوع حدیث، حضرت علی، حضرت ابن عباس، ابن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ کی موقوف روایات تابعین وغیرہ کی تفاسیر وغیرہ مل ملا کر اس واقعہ کی بہت کچھ تقویت ہو جاتی ہے نہ اس میں کوئی محال عقلی ہے نہ اس میں کسی اصول اسلامی کا خلاف ہے۔ پھر ظاہر سے ہٹا کر بے جا تکلفات اٹھانے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ (فتح البیان)۔

ابن جریر میں ایک غریب اثر اور ایک عجیب واقعہ ہے اسے بھی سنئے! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دومۃ الجندل کی ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے تھوڑے ہی عرصے بعد آپ کی تلاش میں آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی خبر پا کر بے چین ہو کر رونے پیٹنے لگی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ آخر کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا کہ مجھ میں اور میرے شوہر میں ہمیشہ ناچاقی رہا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ وہ مجھے چھوڑ کر کہیں چلا گیا۔ ایک بڑھیا سے میں نے یہ ذکر کیا، اس نے کہا جو میں کہوں وہ کر، وہ خود بخود تیرے پاس آ جائے گا میں تیار ہو گئی۔ وہ رات کے وقت دو کتے لے کر میرے پاس آئی ایک پر وہ خود سوار ہوئی دوسرے پر میں بیٹھ گئی، تھوڑی ہی دیر میں ہم دونوں بابل گئیں۔ میں نے دیکھا کہ دو شخص ادھر لٹکے ہوئے ہیں اور لوہے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اس عورت نے مجھ سے کہا، ان کے پاس جا اور ان سے کہہ کہ میں جادو سیکھنے آئی ہوں۔ میں نے ان سے کہا، انہوں نے کہا سن ہم تو آزمائش میں ہیں تو جادو نہ سیکھ اس کا سیکھنا کفر ہے۔

میں نے کہا میں تو سیکھوں گی۔ انہوں نے کہا اچھا پھر جا اور اس تنور میں پیشاب کر کے آ۔ میں گئی ارادہ کیا لیکن کچھ دہشت سی طاری ہوئی، میں واپس گئی اور کہا میں فارغ ہو آئی۔ انہوں نے پوچھا کیا دیکھا؟ میں نے کہا کچھ نہیں۔ انہوں نے کہا تو غلط کہتی ہے ابھی تک کچھ نہیں بگڑا تیرا ایمان ثابت ہے اب بھی لوٹ جا اور کفر نہ کر۔ میں نے کہا مجھے تو جادو سیکھنا ہے۔ انہوں نے پھر کہا جا اور اس تنور میں پیشاب کر آ۔ میں پھر گئی لیکن اب کی مرتبہ بھی دل نہ چلا واپس آئی۔ پھر اسی طرح سوال جواب ہوئے۔ میں تیسری مرتبہ پھر تنور کے پاس گئی اور دل کڑا کر کے پیشاب کرنے کو بیٹھ گئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک گھوڑا سوار منہ پر نقاب ڈالے نکلا اور آسمان پر چڑھ گیا۔ میں واپس چلی آئی ان سے ذکر کیا، انہوں نے کہا ہاں اب کی مرتبہ تو سچ کہتی ہے وہ تیرا ایمان تھا جو تجھ میں سے نکل گیا اب چلی جا۔ میں آئی اور اس بڑھیا سے کہا کہ انہوں نے تو مجھے کچھ بھی نہیں سکھایا۔ اس نے کہا بس تجھے سب کچھ آ گیا، اب تو جو کہے گی ہو جائے گا۔ میں نے آزمائش کے لئے ایک دانہ گیہوں کا لیا اسے زمین پر ڈال کر کہا اگ جا، وہ فوراً اگ گیا۔ میں نے کہا تجھ میں بالی پیدا ہو جائے چنانچہ ہو گئی۔ میں نے کہا سوکھ جا، وہ بالی سوکھ گئی۔ میں نے کہا الگ الگ دانہ ہو جا۔ وہ بھی ہو گیا۔ پھر میں نے کہا ''سوکھ جا'' تو سوکھ گیا۔ پھر میں نے کہا آٹا بن جا تو آٹا بن گیا۔ میں نے کہا روٹی پک جا، تو روٹی پک گئی۔ یہ دیکھتے ہی میرا دل نادم ہونے لگا اور مجھے اپنے بے ایمان ہو جانے کا صدمہ ہونے لگا۔ اے

ام المومنین! قسم اللہ کی نہ میں نے اس جادو سے کوئی کام لیا نہ کسی پر کیا۔ میں یونہی روتی پیٹتی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ حضور ﷺ سے کہوں، لیکن افسوس بدقسمتی سے آپ ﷺ کو بھی میں نے نہ پایا، اب میں کیا کروں؟ اتنا کہہ کر پھر اس نے بین وبکا شروع کی اور اس قدر روئی کہ ہر ایک کو اس پر ترس آنے لگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی حیران تھے کہ اسے کیا فتویٰ دیں۔ آخر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا اب سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ تم اس فعل کو نہ کرو تو بہ استغفار کرو اور اپنے ماں باپ کی خدمت گزاری کرتی رہو۔ ❶

اس کی اسناد بالکل صحیح ہیں۔ یہاں یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فتویٰ دینے میں بہت احتیاط کرتے تھے کہ چھوٹی سی بات بتانے میں بھی تامل ہوتا تھا۔ آج ہم بڑی سے بڑی بات بھی اٹکل اور رائے وقیاس سے گھڑ گھڑا کر بتا دیتے ہیں بالکل نہیں رکتے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ عین چیز جادو کے زور سے پلٹ جاتی ہے اور بعض کہتے ہیں نہیں صرف دیکھنے والے کو ایسا خیال پڑتا ہے اصل چیز جیسی ہوتی ہے ویسی ہی رہتی ہے، جیسے قرآن میں ہے ﴿سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ﴾ ❷ یعنی ''انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا'' اور فرمایا ﴿يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۝﴾ ❸ ''حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف خیال ڈالا جاتا تھا کہ گویا وہ سانپ وغیرہ ان کے جادو کے زور سے چل پھر رہے ہیں۔'' اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں لفظ بابل سے مراد بابل عراق ہے بابل دنیاوند نہیں۔ ابن ابی حاتم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بابل کی سرزمین پر جا رہے تھے عصر کی نماز کا وقت آ گیا لیکن آپ نے وہاں نماز ادا نہ کی بلکہ اس زمین کی سرحد سے نکل جانے کے بعد نماز پڑھی، اور فرمایا میرے حبیب ﷺ نے مجھے قبرستان میں نماز پڑھنے سے روک دیا ہے اور بابل کی زمین میں نماز پڑھنے سے ممانعت فرمائی ہے یہ زمین ملعون ہے۔ ❹ ابوداؤد میں بھی یہ حدیث مروی ہے اور ابوداؤد رحمہ اللہ نے اس پر کوئی کلام نہیں کی اور جس حدیث کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ اپنی کتاب میں لائیں اور اس کی سند پر خاموش رہیں تو وہ حدیث ان کے نزدیک حسن ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بابل کی سرزمین پر نماز مکروہ ہے، جیسے کہ ثمودیوں کی سرزمین کی بابت حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ان لوگوں کی منزلوں میں نہ جاؤ اگر اتفاقاً جانا پڑے تو خوف ربانی سے روتے ہوئے جاؤ۔ ❺ ہیئت داں لوگوں کا قول ہے کہ بابل کی دوری بحر غربی اوقیانوس سے ستر درجہ لمبی اور وسط زمین سے جنوب کی جانب بخط استواء تینتیس درجہ ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ چونکہ ہاروت وماروت کو اللہ تعالیٰ نے خیر وشر کفر وایمان کا علم دے رکھا ہے اس لئے ہر ایک کفر کی طرف جھکنے والے کو نصیحت کرتے ہیں اور ہر طرح روکتے ہیں جب نہیں مانتا تو وہ کلمات اس سے کہہ دیتے ہیں، اس کا نور ایمان جاتا رہتا ہے، ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور جادو آ جاتا ہے، شیطان اس کا رفیق کار بن جاتا ہے۔ ایمان کے نکل جانے کے بعد غضب الٰہی اس کے رونگٹے میں گھس جاتا ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں سوائے کافر کے اور کوئی جادو سیکھنے کی جرأت نہیں کرتا۔ فتنہ کے معنی یہاں پر بلا آزمائش اور امتحان کے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول قرآن حکیم میں مذکور ہے ﴿اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ﴾ ❻ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جادو سیکھنا کفر ہے۔ حدیث میں بھی ہے ''جو شخص کسی کاہن یا جادوگر کے پاس جائے اور اسکی بات کو سچ سمجھے اس نے (حضرت) محمد ﷺ پر اتری ہوئی

---

❶ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الضعيفة، ۲/ ۵ (۳)) اور یہی راجح ہے۔

❷ ۷/ الاعراف:۱۱۶۔ ❸ ۲۰/ طٰہٰ:۶۶۔ ❹ ابوداود، كتاب الصلاة، باب في المواضع التي لا تجوز فيها الصلاة، ۴۹۰، ۴۹۱۔ وسنده ضعيف ابوصالح غفاری کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل ہوتی ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (ضعيف ابی داود، ۹۳) ❺ صحيح بخاري، كتاب الصلاة، باب الصلاة في مواضع الخسف والعذاب، ۴۳۳؛ صحيح مسلم، ۲۹۸۰۔

❻ ۷/ الاعراف:۱۵۵۔

وحی کے ساتھ کفر کیا'' ❶ (بزار)۔ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی تائید میں اور احادیث بھی ہیں۔

پھر فرمایا کہ لوگ ہاروت و ماروت سے جادو سیکھتے ہیں جس کے ذریعے سے برے کام کرتے ہیں۔ عورت مرد کی محبت اور موافقت کو بغض اور مخالفت سے بدل دیتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''شیطان اپنا عرش پانی پر رکھتا ہے پھر اپنے لشکروں کو لوگوں کے بہکانے کے لئے بھیج دیتا ہے اور سب سے زیادہ مرتبہ والا اس کے نزدیک وہ ہے جو فتنے میں سب سے زیادہ بڑھا ہوا ہو، یہ جب واپس آتے ہیں تو اپنے بدترین کاموں کا ذکر کرتے ہیں' کوئی کہتا ہے کہ میں نے فلاں کو اس طرح بے راہ کر دیا' کوئی کہتا ہے کہ میں نے فلاں کو اس طرح بے راہ کر دیا۔ کوئی کہتا ہے میں نے فلاں شخص سے یہ گناہ کرایا۔ شیطان ان سے کہتا ہے کچھ نہیں کیا یہ تو معمولی کام ہے' یہاں تک کہ ایک آ کر کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کے اور اس کی بیوی کے درمیان جھگڑا ڈال دیا یہاں تک کہ جدائی ہو گئی۔ شیطان اسے گلے لگا لیتا ہے اور کہتا ہے ہاں تو نے بڑا کام کیا' اسے اپنے پاس بٹھا لیتا ہے اور اس کا مرتبہ بڑھا دیتا ہے۔ ❷ پس جادوگر بھی اپنے جادو سے یہ کام کرتا ہے جس سے میاں بیوی میں جدائی ہو جائے مثلاً اس کی شکل صورت اسے بری معلوم ہونے لگے یا اس کے عادات و اطوار سے جو غیر شرعی نہ ہوں یہ نفرت کرنے لگے یا دل میں عداوت آ جائے وغیرہ وغیرہ' آہستہ آہستہ یہ باتیں بڑھتی جائیں اور میاں بیوی کے درمیان علیحدگی ہو جائے۔ ''مَرْءٌ'' کہتے ہیں آدمی کو' اس کا مذکر مونث اور تثنیہ تو ہے جمع نہیں بنتا۔ پھر فرمایا یہ کسی کو بھی بغیر اللہ کی مرضی کے ایذا نہیں پہنچا سکتے یعنی ان کے اپنے بس کی بات نہیں اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر اور اس کے ارادے کے ماتحت یہ نقصان بھی پہنچتا ہے اگر اللہ نہ چاہے تو اس کا جادو محض بے اثر اور بے فائدہ ہو جاتا ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جادو اسی شخص کو نقصان دیتا ہے جو اسے حاصل کرے اور اس میں داخل ہو۔ پھر ارشاد ہوتا ہے وہ ایسا علم سیکھتے ہیں جو ان کے لئے سراسر نقصان دہ ہے جس میں کوئی نفع نہیں اور یہ یہودی جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تابعداری چھوڑ کر جادو کے پیچھے لگنے والوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں نہ ان کی کوئی قدر و وقعت اللہ کے پاس ہے' نہ وہ دیندار سمجھے جاتے ہیں۔ پھر فرمایا اگر یہ اس کام کی برائی محسوس کرتے اور ایمان و تقویٰ اختیار کرتے تو یقیناً ان کے لئے بہت ہی بہتر تھا مگر یہ بے علم لوگ ہیں۔ اور فرمایا کہ اہل علم نے کہا تم پر افسوس ہے اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ثواب ایمانداروں اور نیک اعمال والوں کے لئے بہت ہی بہتر ہے لیکن اسے صبر کرنے والے ہی پا سکتے ہیں۔ بزرگان دین نے اس آیت سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ جادوگر کافر ہے کیونکہ آیت میں ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا﴾ فرمایا ہے۔ حضرت امام احمد رحمہ اللہ علیہ اور سلف کی ایک جماعت بھی جادو سیکھنے والے کو کافر کہتی ہے' بعض کافر تو نہیں کہتے لیکن فرماتے ہیں کہ جادوگر کی حد یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔

بجالہ بن عبید رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک فرمان میں لکھا تھا کہ ہر ایک جادوگر مرد عورت کو قتل کر دو۔ چنانچہ ہم نے تین جادوگروں کی گردن ماری۔ ❸ صحیح بخاری میں ہے کہ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پر ان کی ایک لونڈی نے جادو کیا جس پر اسے قتل کیا گیا۔ ❹ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں تین صحابہ رضی اللہ عنہم سے جادوگر کے قتل کا فتویٰ ثابت ہے۔ ترمذی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''جادوگر کی حد تلوار سے قتل کر دینا ہے۔'' ❺ اس حدیث کے ایک راوی اسماعیل بن مسلم ضعیف ہیں۔ صحیح

---

❶ كشف الاستار، ۲/ ٤٤٣۔ وسنده ضعيف۔

❷ صحيح مسلم، كتاب صفات المنافقين، باب تحريش الشيطان، ۲۸۱۳۔ ❸ احمد، ۱/ ۱۹۰، ۱۹۱، وهو صحيح اس کی اصل صحيح بخاری، كتاب الذمة، باب الجزية والموادعة مع اهل الذمة والحرب، ۳۱۵٦، میں موجود ہے لیکن اس میں سحر اور قتل کا ذکر نہیں ہے۔ ❹ الموطا امام مالك، كتاب العقول، باب ما جاء فی الغيلة والسحر، ۲/ ۸۷۱ ح ۱٦۸۹ وهو صحيح بالشواهد۔ ❺ ترمذی، كتاب الحدود، باب ما جاء فی حد الساحر، ۱٤٦۰۔ وسنده ضعيف اس کی سند میں اسماعیل بن مسلم راوی ضعیف ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ علیہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (السلسلة الضعيفة، ۱٤٤٦)

بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ غالباً یہ حدیث موقوف ہے لیکن طبرانی میں ایک دوسری سند سے بھی یہی حدیث مرفوع مروی ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

ولید بن عقبہ کے پاس ایک جادوگر تھا جو اپنے کرتب دکھایا کرتا تھا بظاہر ایک شخص کا سر کاٹ لیتا پھر آواز دیتا تو سر جڑ جاتا اور وہ موجود ہو جاتا مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک بزرگ صحابی نے یہ دیکھا اور دوسرے دن تلوار باندھے ہوئے آئے۔ جب ساحر نے اپنا کھیل شروع کیا آپ نے اپنی تلوار سے خود اس کی گردن اڑا دی اور فرمایا لے اب اگر سچا ہے تو خود زندہ ہو کر دکھا' پھر قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھ کر لوگوں کو سنائی ﴿اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ﴾ ❶ ''کیا تم دیکھتے بھالتے جادو کے پاس جاتے ہو؟ چونکہ اس بزرگ صحابی نے ولید کی اجازت اسکے قتل میں نہیں لی تھی اس لئے اس نے ناراض ہو کر انہیں گرفتار کر کے پھر چھوڑ دیا۔ ❷ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ کے متعلق یہ کہا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب جادو شرکیہ الفاظ سے ہو۔

جادو کا وجود: معتزلہ جادو کے وجود کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں جادو کوئی چیز نہیں' بلکہ بعض لوگ تو بعض دفعہ اتنا بڑھ جاتے ہیں کہ کہتے ہیں جو جادو کا وجود مانتا ہو وہ کافر ہے لیکن اہل سنت جادو کے وجود کے قائل ہیں۔ یہ مانتے ہیں کہ جادوگر اپنے جادو کے زور سے ہوا پر اڑ سکتے ہیں اور انسان کو بظاہر گدھا اور گدھے کو بظاہر انسان بنا ڈالتے ہیں مگر کلمات اور منتر وغیرہ کے وقت ان چیزوں کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے' آسمان کو اور تاروں کو تاثیر پیدا کرنے والا اہل سنت نہیں مانتے۔ فلسفے اور نجوم والے اور بے دین لوگ تو تاروں کو اور آسمان کو ہی اثر پیدا کرنے والا جانتے ہیں۔ اہل سنت کی ایک دلیل تو آیت ﴿وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ﴾ ہے اور دوسری دلیل خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا جانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اثر ہونا ہے' تیسرے اس عورت کا واقعہ جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے اور بھی بیسیوں ایسے ہی واقعات وغیرہ ہیں۔

کیا جادو سیکھنا جائز ہے؟ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جادو کا حاصل کرنا برا نہیں۔ محققین کا یہی قول ہے' اسلئے کہ وہ بھی ایک علم ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ ❸ یعنی علم والے اور بے علم برابر نہیں ہوتے'' اور اس لئے بھی کہ یہ معلوم ہوگا تو اس سے معجزے اور جادو میں پوری طرح فرق واضح ہو جائے گا' اور معجزے کا علم واجب ہے اور وہ موقوف ہے جادو کے سیکھنے پر جس سے فرق معلوم ہو پس جادو کا سیکھنا بھی واجب ہوا۔ رازی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بالکل غلط ہے' اگر عقلاً وہ اسے برا نہ بتائیں تو معتزلہ موجود ہیں جو عقلاً بھی اس کی برائی کے قائل ہیں اور اگر شرعاً برا نہ بتاتے ہوں تو قرآن کی یہ آیت شرعی برائی بتانے کے لئے کافی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے جو شخص کسی جادوگر یا کاہن کے پاس جائے وہ کافر ہوا۔ ❹ سنن میں حدیث ہے کہ ''جس نے گرہ لگائی اور اس میں پھونکا' اس نے جادو کیا۔'' ❺ پس رازی کا یہ قول غلط ہے' ان کا یہ کہنا کہ محققین کا قول یہی ہے' یہ بھی ٹھیک نہیں آخر ان محققین کے ایسے اقوال کہاں ہیں؟ ائمہ اسلام میں سے کس نے یہ کہا ہے پھر ﴿هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ﴾ کی آیت کو پیش کرنا بھی سوائے جرأت کے اور کچھ نہیں کیونکہ آیت میں علم سے مراد دینی علم ہے' آیت میں شرعی علم والے علما کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ پھر ان کا یہ قول کہ اسی سے معجزے کا علم حاصل ہوتا ہے یہ تو بالکل واہی' محض غلط اور فاسد ہے اس لئے کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ قرآن حکیم ہے جو باطل سے سراسر محفوظ ہے لیکن اس معجزے کے ماننے کے لئے جادو کا علم جاننے

---

❶ ۲۱/ الانبیآء:۳۔ ❷ سنن الدار قطنی، ۳/ ۱۱٤، ح ۳۱۸۰ وسندہ صحیح، نیز دیکھئے (السلسلة، الضعيفة، ۳/ ٦٤٢ وقال الالبانی: "ھذا اسناد صحیح") ❸ ۳۹/ الزمر:۹۔ ❹ البزار، ٤٠٦٧ وسندہ ضعیف۔

❺ نسائی، کتاب المحاربة، باب الحکم فی السحرة، ٤٠٨٤۔ شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (ضعیف الترغیب، ۱۷۸۸) اس کی سند حسن بصری کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

پر موقوف نہیں' وہ لوگ جنہیں جادو سے دور کا بھی تعلق نہیں وہ بھی اسے معجزہ مان گئے' صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین' ائمۃ المسلمین بلکہ عام مسلمان بھی اسے معجزہ مانتے ہیں حالانکہ ان تمام میں سے کبھی ایک بھی جادو جاننا تو کیا جادو کے پاس تک نہیں پھٹکا نہ سیکھا نہ سکھایا نہ کیا نہ کرایا بلکہ ان سب کاموں کو کفر کہتے رہے۔ پھر یہ دعویٰ کرنا کہ معجزہ کا جاننا واجب ہے اور جادو اور معجزے کا فرق جادو کے جاننے پر موقوف ہے لہٰذا جادو کا سیکھنا واجب یہ کس قدر مہمل دعویٰ ہے۔

جادو کی اقسام: اب جادو کی قسمیں سنئے جنہیں ابو عبداللہ رازی نے بیان کیا ہے۔

ایک جادو تو ستارہ پرست فرقہ کا ہے وہ سات ستاروں کی نسبت عقیدہ رکھتے ہیں کہ بھلائی برائی انہیں کے باعث ہوتی ہے اس لئے ان کی طرف خطاب کر کے مقررہ الفاظ پڑھا کرتے ہیں اور انہی کی پرستش کرتے ہیں' اسی قوم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے اور انہیں ہدایت کی۔ رازی نے اس فن میں ایک خاص کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام ''اَلسِّرُّ الْمَكْتُوْمُ فِي مُخَاطَبَةِ الشَّمْسِ وَالنُّجُوْمِ'' رکھا ہے' ملاحظہ ہو ابن خلکان وغیرہ۔ بعض تو کہتے ہیں کہ پھر اس سے توبہ کر لی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ صرف معلوم کرانے کے لئے اور اپنے اس علم کو ظاہر کرنے کے لئے یہ کتاب لکھی تھی نہ کہ ان کا اعتقاد بھی یہی ہو جو کہ سراسر کفر ہے۔ اس کتاب میں ان لوگوں کے طور طریقے لکھے ہیں۔

دوسرا جادو قوی نفس اور قوت واہمہ والے طاقت ور لوگوں کا ہے' وہم اور خیال کا زندگی میں بڑا اثر ہوتا ہے۔ دیکھئے اگر تنگ پل زمین پر رکھ دیا جائے تو اس پر انسان با آسانی چلا جائے گا لیکن یہی تنگ پل اگر کسی دریا پر ہو تو نہیں گزر سکے گا' اس لئے کہ اس وقت خیال ہوتا ہے کہ اب گرا اور اب گرا' تو واہمہ کی کمزوری کے باعث جتنی جگہ پر زمین میں چل پھر سکتا تھا اتنی جگہ پر ایسے ڈر کے وقت نہیں چل سکتا۔ حکیموں اور طبیبوں نے بھی مرعوف (جس شخص کو نکسیر کی بیماری ہو) کو سرخ چیزوں کے دیکھنے سے روک دیا ہے اور مرگی والوں کو زیادہ روشنی والی اور تیز حرکت کرنے والی چیزوں کے دیکھنے سے منع کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ قوت واہمہ کا ایک خاص اثر طبیعت پر پڑتا ہے۔ عقلمند لوگوں کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ نظر لگتی ہے' صحیح حدیث میں بھی آیا ہے کہ ''نظر کا لگنا حق ہے' اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت کرنے والی ہوتی تو نظر ہوتی۔'' [1] اب اگر نفس قوی ہے تو ظاہری سہاروں اور ظاہری کاموں کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر اتنا قوی نہیں تو پھر ان آلات کی بھی ضرورت پڑتی ہے' جس قدر نفس کی قوت بڑھتی جائے گی وہ روحانیات میں ترقی کرتا جائے گا اور تاثیر میں بڑھتا جائے گا اور جس قدر یہ قوت کم ہوتی جائے گی اسی قدر یہ کم ہوتا چلا جائے گا۔ یہ کیفیت غذا کی کمی لوگوں کے میل جول کے ترک وغیرہ سے بھی ہو جاتی ہے کبھی تو اسے حاصل کر کے انسان نیکی کے کام شریعت کے مطابق اس سے لیتا ہے' اس حال کو شریعت کی اصطلاح میں کرامت کہتے ہیں جادو نہیں کہتے اور کبھی اس حال سے باطل میں اور خلاف شرع کاموں میں مدد لیتا ہے اور دین سے دور ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے یہ خلاف شرع کاموں سے کسی کو دھوکا کھا کر انہیں ولی نہ سمجھ لینا چاہیے کیونکہ شریعت کے خلاف چلنے والا ولی اللہ نہیں ہو سکتا۔ آپ دیکھتے نہیں کہ صحیح احادیث میں دجال کے بارے میں کیا کچھ آیا ہے؟ وہ کیسے کیسے خلاف عادت کام کر کے دکھائے گا لیکن ان کی وجہ سے وہ اللہ کا ولی نہیں بلکہ وہ ملعون و مردود ہے۔

تیسری قسم کا جادو جنات کے ذریعہ زمین والوں کی روحوں سے امداد و اعانت طلب کرنے کا ہے۔ معتزلہ اور فلاسفہ اس کے قائل نہیں' ان روحوں سے بعض مخصوص الفاظ اور اعمال سے تعلق پیدا کرتے ہیں اسے سحر بالعزائم اور عمل تسخیر بھی کہتے ہیں۔

چوتھی قسم خیالات کا بدل دینا' آنکھوں پر اندھیرا ڈال دینا اور شعبدہ بازی کرنا ہے جس سے حقیقت کے خلاف کچھ کا کچھ دکھائی دینے لگتا ہے' تم نے دیکھا ہو گا کہ شعبدہ باز پہلے ایک کام شروع کرتا ہے جب لوگ دلچسپی کے ساتھ اس طرف نظریں جما دیتے ہیں اور اسکی

[1] صحیح مسلم، کتاب السلام، باب الطب والمرض والرقی، ۲۱۸۸؛ ترمذی، ۲۰۹۲۔

باتوں کی طرف متوجہ ہو کر ہمہ تن اس میں مصروف ہو جاتے ہیں' تو وہ پھرتی سے ایک دوسرا کام کر ڈالتا ہے جو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہتا ہے اور اسے دیکھ کر وہ حیران رہ جاتے ہیں۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ فرعون کے جادوگروں کا جادو بھی اسی قسم کا تھا اسی لئے قرآن میں ہے ﴿سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ﴾ ❶ ''لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان کے دلوں میں ڈر بٹھا دیا۔'' اور جگہ ہے ﴿يُخَيَّلُ اِلَيْهِ﴾ ❷ ''حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں وہ سب لکڑیاں اور رسیاں سانپ بن کر دوڑتی ہوئی نظر آنے لگیں' حالانکہ درحقیقت ایسا نہ تھا۔'' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

بعض چیزوں کی ترکیب دے کر کوئی عجیب کام اس سے لینا' مثلاً گھوڑے کی شکل بنا دی اس پر ایک سوار بنا کر بٹھا دیا اس کے ہاتھ میں ناقوس ہے جہاں ایک ساعت گزری اور اس ناقوس میں سے آواز نکلی حالانکہ کوئی اسے نہیں چھیڑتا۔ اسی طرح انسانی صورت اس کاری گری سے بنائی کہ گویا اصلی انسان ہنس رہا ہے یا رو رہا ہے۔ فرعون کے جادوگروں کا جادو بھی اسی قسم میں سے تھا کہ وہ بنائے ہوئے سانپ وغیرہ زئبق کے باعث زندہ حرکت کرنے والے دکھائی دیتے تھے۔ گھڑی اور گھنٹے اور چھوٹی چھوٹی چیزیں جن سے بڑی بڑی وزنی چیزیں کھنچی آتی ہیں سب اسی قسم میں داخل ہیں۔ حقیقت میں اسے جادو ہی نہ کہنا چاہیے کیونکہ یہ تو ایک ترکیب اور کاریگری ہے جس کے اسباب بالکل ظاہر ہیں جو انہیں جانتا ہو وہ ان فنون سے یہ کام لے سکتا ہے۔ اسی طرح کا وہ حیلہ بھی ہے کہ جو بیت المقدس کے نصرانی کرتے تھے کہ پراسرار طریقہ سے گرجے کی قندیلیں جلا دیں اور اسے گرجے کی کرامت مشہور کر دی اور لوگوں کو اپنے دین کی طرف جھکا لیا۔ بعض کرامیہ صوفیوں کا بھی خیال ہے کہ اگر ترغیب و ترہیب کی حدیثیں گھڑ لی جائیں اور لوگوں کو عبادت کی طرف مائل کیا جائے تو کوئی حرج نہیں' لیکن یہ بڑی غلطی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے وہ اپنی جگہ جہنم میں مقرر کر لے ❸ اور فرمایا میری حدیثیں بیان کرتے رہو لیکن مجھ پر جھوٹ نہ باندھو' مجھ پر جھوٹ بولنے والا قطعاً جہنمی ہے۔'' ❹

ایک نصرانی پادری نے ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک پرندکا چھوٹا سا بچہ جسے اڑنے اور چلنے پھرنے کی طاقت نہیں ایک گھونسلے میں بیٹھا ہے جب وہ اپنی ضعیف اور پست آواز نکالتا ہے تو پرندے اسے سن کر رحم کھا کر زیتون کا پھل اسکے گھونسلے میں لا لا کر رکھ جاتے ہیں۔ اس پادری نے اسی صورت کا ایک پرندہ کسی چیز کا بنایا اور نیچے سے اسے کھوکھلا رکھا اور ایک سوراخ اس کی چونچ کی طرف رکھا جس سے ہوا اس کے اندر گھستی تھی پھر جب نکلتی تھی تو اسی طرح کی آواز اس سے پیدا ہوتی تھی اسے لا کر اپنے گرجے میں ہوا کے رخ رکھ دیا۔ چھت میں ایک چھوٹا سا سوراخ کر دیا تاکہ ہوا اس سے جائے۔ اب جب ہوا چلتی اور اس کی آواز نکلتی تو اس قسم کے پرندے جمع ہو جاتے اور زیتون کے پھل لا لا کر رکھ جاتے۔ اس نے لوگوں میں شہرت دینی شروع کی کہ اس گرجے میں یہ کرامت ہے یہاں ایک بزرگ کا مزار ہے اور یہ کرامت ان ہی کی ہے۔ لوگوں نے بھی جب اپنی آنکھوں یہ ان ہونی عجیب بات دیکھی تو معتقد ہو گئے اور اس قبر پر نذر نیاز چڑھانے لگے اور یہ کرامت دور دراز تک مشہور ہو گئی حالانکہ نہ کوئی کرامت تھی نہ معجزہ' صرف ایک پوشیدہ فن تھا جسے اس ملعون شخص نے پیٹ بھرنے کے لئے پوشیدہ طور پر کر رکھا تھا اور وہ لعنتی فرقہ اس پر رجھا ہوا تھا۔

بعض دواؤں کے مخفی خواص معلوم کر کے انہیں کام میں لانا ہے' اور یہ ظاہر ہے کہ دواؤں میں عجیب عجیب خاصیتیں ہیں۔ مقناطیس ہی

---

❶ ٧/ الاعراف:١١٦۔ ❷ ٢٠/ طه:٦٦۔ ❸ صحيح بخاری، كتاب العلم، باب اثم من كذب على النبی ﷺ، ١١٠؛ صحيح مسلم، ٤۔ ❹ احمد، ٣/ ٣٩، ٥٦؛ صحيح بخاری، كتاب العلم، باب اثم من كذب على النبی ﷺ، ١١٦؛ صحيح مسلم ٣٠٠٤؛ ترمذی، ٢٦٦٠۔

کو دیکھو لو ہا کس طرح اس کی طرف چلا آتا ہے اکثر صوفی اور فقیر اور درویش انہی حیلہ سازیوں کو کرامت کے طور پر لوگوں کو دکھاتے ہیں اور انہیں مرید بناتے پھرتے ہیں۔

دل پر ایک خاص قسم کا اثر ڈال کر اس سے جو چاہے منوالینا ہے مثلاً اس سے کہہ دیا کہ مجھے اسم اعظم یاد ہے یا جنات میرے قبضہ میں ہیں اب اگر سامنے والا کمزور دل کچے کانوں اور بودے عقیدے والا ہے تو وہ اسے سچ سمجھ لے گا اس کو ایک قسم کا خوف اور ڈر ہیبت اور رعب اس کے دل پر بیٹھ جائے گا جو حواس کو ضعیف بنا دے گا۔ اب اس وقت وہ جو چاہے گا کرے گا اور اس کا کمزور دل اسے عجیب عجیب باتیں دکھاتا جائے گا' اسی کو تنبلہ (عام زبان میں اسے معمول) کہتے ہیں اور یہ اکثر کم عقل لوگوں پر ہو جایا کرتا ہے اور علم فراست سے کامل عقل والا اور کم عقل والا انسان معلوم ہو سکتا ہے اور اس حرکت کا کرنے والا اپنا یہ فعل قیافے سے کم عقل شخص کو پہچان کر ہی کرتا ہے۔

آٹھویں قسم چغلی کرنا جھوٹ سچ ملا کر کسی کے دل میں اپنا گھر کر لینا اور خفیہ چالوں سے اسے اپنا گرویدہ کر لینا۔ یہ چغل خوری اگر لوگوں کو بھڑکانے بدکانے اور ان کے درمیان عداوت و دشمنی ڈالنے کے لئے ہو تو شرعاً حرام ہے۔ جب اصلاح کے طور پر اور آپس میں ایک دوسرے مسلمان کو ملانے کے لئے کوئی ایسی ظاہری بات کہہ دی جائے جس سے یہ دونوں آپس میں صلح کر لیں یا کوئی آنے والی مصیبت مسلمانوں پر سے ٹل جائے یا کفار کی قوت زائل ہو جائے' ان میں بد دلی پھیل جائے اور مخالفت و پھوٹ پڑے تو یہ جائز ہے۔ حدیث میں ہے کہ وہ شخص جھوٹا نہیں جو بھلائی کے لئے ادھر ادھر لے جاتا ہے' ❶ اور جیسے حدیث میں ہے کہ لڑائی مکر کا نام ہے' ❷ اور جیسے حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جنگ احزاب کے موقعہ پر عرب کے کافروں اور یہود کے کافروں کے درمیان کچھ ادھر ادھر کی اوپری باتیں کہہ کر جدائی ڈلوادی تھی اور انہیں مسلمانوں کے مقابلہ میں شکست ہوئی' یہ کام بڑے عالی دماغ' زیرک اور معاملہ فہم شخص کا ہے۔

یہ یاد رہے کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے جادو کی جو یہ آٹھ قسمیں کی ہیں یہ صرف باعتبار لفظ کے ہیں کیونکہ عربی زبان میں سحر یعنی جادو ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو بہت لطیف اور باریک ہو اور ظاہر میں انسان کی نگاہوں سے اس کے اسباب پوشیدہ رہ جائیں' اسی لئے ایک حدیث میں ہے کہ بعض بیان بھی جادو ہوتا ہے ❸ اور اسی لئے صبح کے اول وقت کو سحور کہتے ہیں کہ وہ مخفی ہوتا ہے اور اس رگ کو بھی سحر کہتے ہیں جو غذا کی نالی ہے۔ ابوجہل نے بدر کے دن یہی کہا تھا کہ اس کی سحر یعنی رگ طعام خوف کے مارے پھول گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میرے سحر و نحر کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے ❹ تو نحر سے مراد سینہ اور سحر سے مراد رگ غذا۔ قرآن میں بھی ہے ﴿سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ﴾ ❺ یعنی "لوگوں کی نگاہوں سے اپنا کام مخفی کر کے انجام دیا۔"

ابوعبداللہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ جادو ہے اور مانتے ہیں کہ جب اللہ کو منظور ہوتا ہے وہ جادو کے وقت جو چاہتا ہے کر دیتا ہے' گو معتزلہ اور ابو اسحاق اسفرائنی شافعی رحمۃ اللہ علیہ اسکے قائل نہیں اور جادو کبھی ہاتھ کی چالاکی سے بھی ہوتا ہے اور کبھی ڈوروں دھاگوں سے بھی' کبھی اللہ کا نام پڑھ کر دم کرنے سے کہ اس میں بھی ایک خاص اثر ہوتا ہے' کبھی شیاطین کا نام لے کر شیطانی کاموں سے بھی لوگ

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب لیس الکاذب الذی یصلح بین الناس، ۲۶۹۲؛ صحیح مسلم، ۲۶۰۵؛ ابوداود، ۴۹۲۰؛ ترمذی، ۱۹۳۸۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب الحرب خدعة، ۳۰۳۰؛ صحیح مسلم، ۱۷۳۹۔

❸ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الخطبة، ۵۱۴۵۔

❹ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ووفاته، ۴۴۴۹۔ ❺ ۷/ الاعراف:۱۱۶۔

کرتے ہیں، کبھی دواؤں وغیرہ کے ذریعہ سے۔ حضور ﷺ کے اس فرمان کے کہ ''بعض بیان جادو ہے'' دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک تو یہ کہ بطور تعریف کے آپ ﷺ نے فرمایا ہو اور ممکن ہے کہ بطور مذمت کے یہ ارشاد ہوا ہو کہ وہ اپنی غلط بات اس طرح بیان کرتا ہے کہ سچ معلوم ہوتی ہے، جیسے ایک اور حدیث میں ہے کہ ''کبھی میرے پاس تم مقدمہ لے کر آتے ہو اور ایک شخص اپنی چرب زبانی سے اپنے غلط دعوے کو صحیح ثابت کر دیتا ہے۔'' ❶

وزیر ابوالمظفر یحییٰ بن محمد بن ہبیرہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''اَلْاِشْرَاف عَلٰی مَذَاهِبِ الْاَشْرَاف'' میں سحر کے باب میں کہا ہے کہ اجماع ہے کہ جادو کی حقیقت ہے لیکن ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل نہیں۔ جادو کے سیکھنے والے اور اسے استعمال میں لانے والے کو امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کافر بتاتے ہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعض شاگردوں کا قول ہے کہ اگر جادو کو بچاؤ کے لئے سیکھے تو کافر نہیں ہوتا، ہاں جو اس کا اعتقاد رکھے اور اسے نفع دینے والا سمجھے وہ کافر ہے، اور اسی طرح جو یہ خیال کرتا ہے کہ شیاطین یہ کام کرتے ہیں اور اتنی قدرت رکھتے ہیں وہ بھی کافر ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جادوگر سے دریافت کیا جائے اگر وہ بابل والوں کا سا عقیدہ رکھتا ہو اور سات ستاروں کو تاثیر پیدا کرنے والا جانتا ہو تو کافر ہے، اگر یہ نہ ہو اور جادو کو جائز جانتا ہو تو بھی کافر ہے۔ امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کا قول یہ بھی ہے کہ جادوگر جب جادو کرے اور جادو کو استعمال میں لائے اسے وہیں قتل کر دیا جائے۔ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں جب تک بار بار نہ کرے یا کسی معین شخص کے بارے میں خود اقرار نہ کرے تب تک قتل نہ کیا جائے۔ تینوں امام فرماتے ہیں کہ اس کا قتل بوجہ حد کے ہے مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ بوجہ قصاص کے ہے۔ امام مالک، امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ، اور ایک مشہور قول میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ جادوگر سے توبہ بھی نہ کرائی جائے کیونکہ اس کی توبہ سے اس پر سے حد نہیں ہٹے گی، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کی توبہ مقبول ہوگی۔ ایک روایت میں امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔ اہل کتاب کا جادوگر بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قتل کر دیا جائے گا لیکن امام مالک، شافعی، احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا مذہب اس کے برخلاف ہے۔ لبید بن اعصم یہودی نے حضرت محمد ﷺ پر جادو کیا تھا اور آپ نے اس کے قتل کرنے کو نہیں فرمایا۔ ❷ اگر کوئی مسلمان عورت جادوگرنی ہو اسکے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسے قید کر دیا جائے اور احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ اسے بھی مرد کی طرح قتل کر دیا جائے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مسلمان جادوگر قتل کر دیا جائے اور مشرک قتل نہ کیا جائے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر ذمی کے جادو سے کوئی مر جائے تو ذمی کو بھی مار ڈالنا چاہیے، یہ بھی آپ ﷺ سے مروی ہے کہ پہلے تو اسے کہا جائے کہ توبہ کر اگر وہ توبہ کر لے اور اسلام قبول کرے تو خیر ورنہ قتل کر دیا جائے، اور یہ بھی آپ سے مروی ہے کہ اگرچہ اسلام قبول کر لے تاہم قتل کر دیا جائے، اس جادوگر کو جسکے جادو میں شرکیہ الفاظ ہوں ائمہ اربعہ وغیرہ کافر کہتے ہیں کیونکہ قرآن میں ہے ﴿فَلَا تَكْفُرْ﴾

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب اس پر غلبہ پالیا جائے پھر وہ توبہ کرے تو توبہ قبول نہیں جیسے زندیق، ہاں اس سے پہلے اگر توبہ کر لے تو قبول ہوگی۔ اگر اسکے جادو سے کوئی مر گیا پھر تو بہر صورت مارا جائے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر وہ کہے کہ مار ڈالنے کے لئے میں نے اس پر جادو نہیں کیا تو قتل خطا کی دیت (جرمانہ) لے لی جائے۔

❶ صحيح بخاری، كتاب المظالم، باب إثم من خاصم فی باطل وهو يعلمه، ۲٤٥٨، ۲٦٨٠؛ صحيح مسلم، ۱۷۱۳۔

❷ صحيح بخاری، كتاب الطب، باب السحر، ۵۷٦۳؛ صحيح مسلم، ۲۱۸۹۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

ترجمہ: اے ایمان والو! تم راعنا نہ کہا کرو بلکہ انظرنا کہو یعنی ہماری طرف دیکھئے اور سنتے رہا کرو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہیں۔[۱۰۴] نہ تو اہل کتاب کے کافر چاہتے ہیں نہ مشرکین چاہتے ہیں کہ تم پر تمہارے رب کی کوئی بھلائی نازل ہو (ان کے اس حسد سے کیا ہوا) اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت خصوصیت سے عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔[۱۰۵]

جادوگر سے اس کے جادو کو اتروانے کی حضرت سعید بن میسب رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت دی ہے جیسے صحیح بخاری میں ہے۔ ❶ عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس میں کوئی حرج نہیں بتاتے۔ لیکن حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اسے مکروہ بتاتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ آپ کیوں جادو کھلواتے نہیں؟ تو ''آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے تو اللہ تعالیٰ نے شفا دیدی اور میں لوگوں پر برائی کھلوانے سے ڈرتا ہوں۔'' ❷ حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بیری کے سات پتے لے کر سل بٹے پر مالیدہ بنا کر پانی ملا لیا جائے پھر آیت الکرسی پڑھ کر اس پر دم کر دیا جائے اور جس پر جادو کیا گیا ہے اسے تین گھونٹ پلا دیا جائے اور باقی پانی سے غسل کرا دیا جائے ان شاء اللہ جادو کا اثر جاتا رہے گا۔ یہ عمل خصوصیت سے اس شخص کے لئے بہت ہی اچھا ہے جو اپنی بیوی سے روک دیا گیا ہو۔ جادو کو دور کرنے اور اس کے اثر کو زائل کرنے کے لئے سب سے اعلیٰ چیز ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ ❸ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ ❹ کی سورتیں ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ان جیسا کوئی تعویذ (استعاذہ) نہیں' ❺ اسی طرح آیت الکرسی بھی شیطان کو دفع کرنے میں اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔ ❻

غیر مسلموں کی مشابہت اختیار کرنا کیسا ہے: [آیت:۱۰۴-۱۰۵] اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو کافروں کی بول چال اور ان کے کاموں کی مشابہت سے روک رہا ہے۔ یہودی بعض الفاظ زبان دبا کر بولتے تھے اور مطلب برا لیتے تھے جب انہیں یہ کہنا ہوتا کہ ہماری سنئے تو کہتے تھے راعنا اور مراد اس سے رعونت اور سرکشی لیتے تھے' جیسے اور جگہ بیان ہے ﴿مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ ❼ الخ یعنی ''یہودیوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو باتوں کو اصلیت سے ہٹا دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم سنتے ہیں لیکن مانتے نہیں' اپنی زبانوں کو موڑ توڑ کر دین میں طعنہ زنی کے لئے ﴿رَاعِنَا﴾ کہتے ہیں اگر یہ کہتے کہ ہم نے سنا اور مانا ہماری بات سنئے اور ہماری طرف توجہ کیجئے تو یہ ان کے لئے بہتر اور مناسب ہوتا لیکن ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ ان میں ایمان بہت ہی کم ہے۔''

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الطب، باب هل یستخرج السحر تعلیقًا۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الطب، باب السحر، ٥٧٦٦؛ صحیح مسلم، ٢١٨٩۔

❸ ١١٣/ الفلق:١۔ ❹ ١١٤/ الناس:١۔ ❺ نسائی، کتاب الاستعاذة، باب ماجاء فی سورتی المعوذتین، ٥٤٤٠ وهو حسن۔ شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (صحیح نسائی، ٥٠٧٦)

❻ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فضل سورۃ البقرة، ٥٠١٠۔ ❼ ٤/ النسآء:٤٦۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۰۷﴾

ترجمہ: جس آیت کو ہم منسوخ کر دیں یا بھلا دیں اس سے بہتر یا اس جیسی اور لاتے ہیں۔ کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔[۱۰۶] کیا تجھے علم نہیں کہ زمین و آسمان کا ملک اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی ولی اور مددگار نہیں۔[۱۰۷]

احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جب یہ لوگ سلام کرتے ہیں تو اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ کہتے ہیں اور سَام کے معنی موت کے ہیں تو تم ان کے جواب میں وَعَلَیْکُمْ کہا کرو ہماری دعا ان کے حق میں قبول ہوگی اور ان کی بددعا ہمارے حق میں قبول نہیں ہوگی۔ ❶ الغرض قول وفعل میں ان سے مشابہت کرنی منع ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے ''میں قیامت کے قریب تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہوں میری روزی حق تعالیٰ نے میرے نیزے تلے رکھی ہے ذلت اور پستی اس کے لئے ہے جو میرے احکام کا خلاف کرے اور جو شخص کسی (غیر مسلم) قوم سے مشابہت کرے وہ انہیں میں سے ہے۔'' ❷ ابوداؤد میں بھی یہ مشابہت والا حصہ مروی ہے۔ ❸ اس آیت اور حدیث سے ثابت ہوا کہ کفار کے اقوال وافعال' لباس' عید اور عبادت میں ان کی مشابہت کرنا جو ہمارے لئے مشروع اور مقرر نہیں سخت منع ہے اور اس پر شریعت میں عذاب کی دھمکی اور سخت ڈراوا اور حرمت کی اطلاع دی گئی ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم قرآن کریم میں ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ سنو تو کان لگا دو اور دل سے متوجہ ہو جایا کرو کیونکہ یا تو کسی برائی سے ممانعت ہوگی یا کسی نیکی کا حکم ہوگا۔ حضرت خیثمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تورا ۃ میں بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یَآ اَیُّهَا الْمَسَاکِیْنُ فرمایا ہے لیکن امت محمد یہ کو ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ کے معزز خطاب سے سرفراز فرمایا ہے۔ رَاعِنَا کے معنی ہماری طرف کان لگانے کے ہیں جیسے عَاطِنَا ❹ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کے معنی مخالفت کے ہیں ❺ یعنی خلاف نہ کہا کرو' ان سے یہ بھی مروی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ آپ ہماری سنئے اور ہم آپ کی۔ انصار نے بھی یہی لفظ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہنا شروع کر دیا تھا' جس سے قرآن کریم نے انہیں روک دیا۔ ❻ حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں راعن کہتے ہیں مذاق کی بات کو یعنی تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں اور اسلام سے مذاق نہ کیا کرو۔ ابوصخر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جانے لگتے تو جنہیں کوئی بات کہنی ہوتی تو وہ کہتے اپنا کان ادھر کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بے ادبی کے کلمہ سے روک دیا اور اپنے نبی کی عزت کرنے کی تعلیم فرمائی۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں رفاعہ بن زید یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرتے ہوئے یہ لفظ کہا کرتا تھا۔ مسلمانوں نے بھی یہ خیال کر کے کہ یہ لفظ ادب کے ہیں یہی لفظ بولنے شروع کر دیئے' جس پر انہیں روک دیا گیا جیسے سورہ نساء میں بھی ہے۔ =

❶ صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، باب کیف الرد علی اهل الذمة بالسلام، ٦٢٥٧؛ صحیح مسلم، ٢١٦٤، ٢١٦٦۔

❷ احمد، ٢/ ٥٠۔ وسنده حسن شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (صحیح الجامع، ٢٨٣١)

❸ ابوداود، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة، ٤٠٣١ وهو حسن، مشکل الآثار للطحاوی، ١/ ٨٨۔ شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (الإرواء، ١٢٦٩) ❹ الطبری، ٢/ ٤٦١۔ ❺ ابن ابی حاتم، ١/ ٣١٨۔ ❻ ابن ابی حاتم، ١/ ٣١٨۔

= مقصد یہ ہے کہ اس کلمہ کو اللہ تعالیٰ نے برا جانا اور اس کے استعمال سے مسلمانوں کو روک دیا۔ جیسے حدیث میں آیا ہے کہ انگور کو کرم اور غلام کو عبد نہ کہو' ❶ وغیرہ۔ اب اللہ تعالیٰ ان بد باطن لوگوں کے حسد و بغض کو بیان فرماتا ہے کہ اے مسلمانو! تمہیں جو اس کامل نبی ﷺ کے ذریعہ کامل شریعت ملی ہے' اس سے یہ تو جل بھن رہے ہیں' ان سے کہہ دو کہ یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عنایت فرمائے' وہ بڑے ہی فضل و کرم والا ہے۔

ناسخ اور منسوخ کی بحث: [آیت:۱۰۶۔۱۰۷] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نسخ کے معنی بدل کے ہیں۔ ❷ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مٹانے کے معنی ہیں ❸ جو کبھی لکھنے میں باقی رہتی ہے اور حکم بدل جاتا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور ابو العالیہ اور محمد بن کعب قرظی رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ❹ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بھلا دینے کے معنی ہیں۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چھوڑ دینے کے معنی ہیں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اٹھا لینے کے معنی ہیں جیسے آیت (اَلشَّیْخُ وَالشَّیْخَةُ اِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْهُمَا اَلْبَتَّةَ) یعنی زانی مرد اور عورت کو سنگسار کر دیا کرو' اور جیسے حدیث ((لَوْ كَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِیَانِ مِنْ ذَهَبٍ لَا بْتَغٰی لَهُمَا ثَالِثًا)) یعنی ابن آدم کو اگر دو جنگل سونے کے مل جائیں تو پھر بھی وہ تیسرے کی جستجو میں رہے گا۔ ❺ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احکام میں تبدیلی ہم کر دیا کرتے ہیں حلال کو حرام' حرام کو حلال' جائز کو ناجائز' ناجائز کو جائز وغیرہ۔ حکم کرنا' روکنا اور رخصت جائز اور ممنوع کاموں میں نسخ ہوتا ہے۔ ہاں جو خبریں دی گئی ہیں' واقعات بیان کئے گئے ہیں ان میں رد و بدل اور ناسخ و منسوخ نہیں ہوتا۔

نسخ کے لفظی معنی نقل کرنے کے ہیں جیسے کتاب کے ایک نسخے سے دوسرا نقل کر لینا۔ اسی طرح یہاں بھی چونکہ ایک حکم کے بدلے دوسرا حکم ہوتا ہے اس لئے اسے نسخ کہتے ہیں خواہ حکم کا بدل جانا ہو خواہ الفاظ کا۔ علمائے اصول کی عبارتیں اس مسئلہ میں گو مختلف ہیں مگر معنی کے لحاظ سے سب قریب قریب ایک ہی ہیں۔ نسخ کے معنی کسی شرعی حکم کا بعد والی دلیل کی وجہ سے ہٹ جانا ہے' کبھی ہلکی چیز کے بدلے بھاری ہوتی ہے' کبھی بھاری کے بدلے ہلکی اور کبھی کوئی بدل ہی نہیں ہوتا۔ رہے نسخ کے احکام اس کی قسمیں اس کی شرائط وغیرہ کے لئے اس فن کی کتابوں کو دیکھنا چاہئے۔ یہاں تفسیر کے احکام کے بیان کرنے کی جگہ نہیں۔ طبرانی میں ایک روایت ہے کہ دو آدمیوں نے نبی ﷺ سے ایک سورت یاد کی تھی اسے وہ پڑھتے رہے' ایک مرتبہ رات کی نماز میں ہر چند اسے پڑھنا چاہا لیکن قوت حافظہ نے ساتھ نہ دیا' گھبرا کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور سے اس کا ذکر کیا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ منسوخ ہو گئی اور بھلا دی گئی' دلوں میں سے نکال لی گئی تم غم نہ کرو بے فکر ہو جاؤ۔'' ❻

زہری نون خفیفہ پیش کے ساتھ پڑھتے تھے' اسکے ایک راوی سلیمان بن ارقم ضعیف ہیں۔ ابوبکر انباری نے بھی دوسری سند سے اسے مرفوع روایت کیا ہے' جیسے قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے نُنْسِهَا کو نَنْسَاْهَا بھی پڑھا گیا ہے نَنْسَاْهَا کے معنی مؤخر کرنے پیچھے ہٹا دینے کے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں یعنی ہم اسے چھوڑ دیتے ہیں' منسوخ نہیں کرتے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد کہتے ہیں

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الألفاظ من الأدب، باب کراهیة تسمیة العنب کرمًا، ۲۲٤۸، ۲۲٤۹؛ صحیح بخاری، ۲۵۵۲۔

❷ الطبری، ۲/ ٤۷۳۔ ❸ ابن ابی حاتم، ۱/ ۳۲۔ ❹ ابن ابی حاتم، ۱/ ۳۲۲۔

❺ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب ما یتقی من فتنة المال، ٦٤۳٦؛ صحیح مسلم، ۱۰٤۸۔

❻ مجمع الزوائد، ٦/ ۳۱۵ اس کی سند میں سلیمان بن ارقم متروک راوی ہے۔ (المیزان ۲/ ۱۹٦، رقم: ۳٤۲۷) لہٰذا یہ روایت باطل ہے۔

یعنی ہم اس کے الفاظ کو باقی رکھتے ہیں اور حکم کو بدل دیتے ہیں۔ ❶ عبد بن عمیر، مجاہد اور عطاء رحمۃ اللہ علیہم سے مروی ہے ہم اسے مؤخر کرتے ہیں اور پیچھے ہٹا دیتے ہیں۔ عطیہ عوفی، سدی اور ربیع رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں یعنی منسوخ نہیں کرتے۔ ❷ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی ناسخ کو منسوخ کے پیچھے رکھتے ہیں۔ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اپنے پاس اسے روک لیتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں نُنسِأْهَا پڑھا اور اس کے معنی مؤخر ہونے کے بیان کئے۔ نُنَسِّهَا جب پڑھیں تو یہ مطلب ہوگا کہ ہم اسے بھلا دیں۔ اللہ تعالیٰ جس حکم کو اٹھا لینا چاہتا تھا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھلا دیتا تھا اس طرح وہ آیت اٹھ جاتی تھی۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نُنْسِهَا پڑھتے تھے تو ان سے قاسم بن ربیعہ نے کہا کہ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ تو نَنْسَأْهَا پڑھتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا سعید پر یا سعید کے خاندان پر تو قرآن نہیں اترا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى﴾ ❸ ہم تجھے پڑھائیں گے جسے تو نہ بھولے گا۔ اور فرماتا ہے ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ﴾ ❹ "جب بھول جا اپنے رب کو یاد کر۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے اور ابی رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ قاری قرآن ہیں اور ہم ابی رضی اللہ عنہ کا قول چھوڑ دیتے ہیں اس لئے کہ ابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے تو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اسے نہیں چھوڑوں گا' اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿مَا نَنْسَخْ﴾ ❺ یعنی "ہم جو منسوخ کر دیں یا بھلا دیں اس سے بہتر لاتے ہیں یا اس جیسا یا اس سے بہتر ہوتا ہے" ❻ (بخاری ومسند احمد)۔ یعنی بندوں کی سہولت اور ان کے آرام کے لحاظ سے یا اس جیسا ہوتا ہے لیکن مصلحت الٰہی اس پچھلی چیز میں ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ حاکم مطلق اور مختار کل ہے مخلوق میں ہیر پھیر کرنے والا' پیدائش اور حکم کا اختیار رکھنے والا ایک اللہ تعالیٰ ہی ہے جس طرح جسے چاہتا ہے بناتا ہے۔ جسے چاہے نیک بختی دے جسے چاہے بدبختی دے' جسے چاہے تندرستی دے جسے چاہے بیماری دے' توفیق دے جسے چاہے بے نصیب کر دے' بندوں میں جو حکم چاہے جاری کرے' جسے چاہے حلال کرے' جسے چاہے حرام فرما دے' جسے چاہے رخصت دے' جسے چاہے روک دے' وہ حاکم مطلق ہے جو چاہے احکام جاری فرمائے کوئی اس کے حکموں کو رد نہیں کر سکتا جو چاہے کرے کوئی اس سے باز پرس نہیں کر سکتا وہ بندوں کو آزماتا ہے اور دیکھتا ہے کہ وہ نبیوں اور رسولوں کے کیسے تابعدار ہیں' کسی چیز کا کسی مصلحت کی وجہ سے حکم دیا پھر مصلحت کی وجہ سے ہی اس حکم کو ہٹا دیا' اب آزمائش ہو جاتی ہے نیک لوگ تو اس وقت بھی اطاعت کے لئے کمربستہ تھے اور اب بھی ہیں' لیکن بدباطن لوگ باتیں بناتے ہیں اور ناک بھوں چڑھاتے ہیں' حالانکہ تمام مخلوق کو اپنے خالق کی تمام باتیں ماننی چاہئیں اور ہر حال میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنی چاہئے اور جو وہ کہے اسے دل سے سچا ماننا چاہیے جو حکم دے بجالانا چاہیے' جس سے روکے رک جانا چاہیے۔

اس مقام میں بھی یہودیوں کا زبردست رد ہے اور ان کے کفر کا بیان ہے کہ وہ نسخ کے قائل نہ تھے۔ بعض تو کہتے تھے اس میں محال عقلی لازم آتا ہے اور بعض محال نقلی بھی مانتے تھے۔ اس آیت میں گو خطاب فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر دراصل یہ کلام یہودیوں کو سنانا ہے جو انجیل کو اور قرآن کو اس وجہ سے نہیں مانتے تھے کہ ان میں بعض احکام توراۃ کے منسوخ ہو گئے تھے اور اسی وجہ سے وہ ان نبیوں کی نبوت کے بھی صرف عناد و تکبر کی بنا پر منکر ہو گئے تھے ورنہ عقلاً نسخ محال نہیں اس لئے کہ جس طرح وہ اپنے کاموں میں بااختیار ہے اسی طرح حکموں میں بھی بااختیار ہے جو چاہے اور جب چاہے پیدا کرے' جسے چاہے اور جس طرح چاہے اور جس وقت چاہے رکھے' اسی طرح جو چاہے اور جس وقت چاہے حکم دے' اس حاکموں کے حاکم کا حاکم کون؟ اسی طرح نقلاً بھی یہ ثابت شدہ امر ہے جو کہ پہلی کتابوں اور پہلی شریعتوں میں موجود ہے۔

---

❶ الطبری، ۲/ ۴۷۳۔ ❷ الطبری، ۲/ ۴۷۷۔ ❸ ۸۷/ الاعلی: ۶۔ ❹ ۱۸/ الکهف: ۲۴۔ ❺ ۲/ البقرة: ۱۰۶۔

❻ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة البقرة، باب قوله ﴿ما ننسخ من آية......﴾، ۴۴۸۱؛ احمد، ۵/ ۱۱۳۔

اَمۡ تُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَسۡـَٔلُوۡا رَسُوۡلَكُمۡ كَمَا سُئِلَ مُوۡسٰى مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَمَنۡ يَّتَبَدَّلِ الۡكُفۡرَ بِالۡاِيۡمَانِ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ﴿۱۰۸﴾

ترجمہ: کیا تم اپنے رسول سے وہی پوچھنا چاہتے ہو جو اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا تھا؟ (سنو) ایمان کو کفر سے بدلنے والا سیدھی راہ سے بھٹک جاتا ہے۔[۱۰۸]

حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹیاں بیٹے آپس میں بھائی بہن ہوتے تھے لیکن نکاح جائز تھا' پھر اسے حرام کر دیا۔ نوح علیہ السلام جب کشتی سے اترتے ہیں تو اس وقت تمام حیوانات کا کھانا حلال تھا لیکن پھر بعض کی حلت منسوخ ہو گئی۔ دو بہنوں کا نکاح اسرائیل اور ان کی اولاد پر حلال تھا لیکن پھر توراۃ میں اور اس کے بعد حرام ہو گیا۔ ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا پھر قربانی کرنے سے پہلے ہی منسوخ کر دیا۔ بنو اسرائیل کو حکم دیا جاتا ہے کہ بچھڑا پوجنے میں جو شامل تھے سب اپنی جانوں کو قتل کر ڈالیں لیکن ابھی بہت سے باقی ہیں جو منسوخ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کے اور بہت سے واقعات موجود ہیں اور خود یہودی بھی ان کا اقرار کرتے ہیں لیکن پھر بھی قرآن اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہہ کر نہیں مانتے کہ اس سے اللہ کے کلام میں نسخ لازم آتا ہے اور وہ محال ہے۔

بعض لوگ جو اس کے جواب میں لفظی بحثوں میں پڑ جاتے ہیں وہ یاد رکھیں کہ اس سے دلالت نہیں بدلتی اور مقصود وہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت یہ لوگ اپنی کتابوں میں پاتے تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کا حکم بھی دیکھتے تھے' یہ بھی معلوم تھا کہ آپ کی شریعت کے مطابق جو عمل نہ ہو وہ مقبول نہیں' یہ اور بات ہے کہ کوئی کہے وہ اگلی شریعتیں صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے تک ہی تھیں اس لئے یہ شریعت ان کی ناسخ نہیں یا کہے کہ ناسخ ہے۔ بہرصورت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کے بغیر کوئی چارہ نہیں اس لئے کہ آپ آخری کتاب کو اللہ کے پاس سے ابھی ابھی لے کر آئے ہیں' پس اس آیت میں اللہ نے نسخ کے جواز کو بیان فرما کر اس ملعون گروہ یہود کا رد کیا۔

سورہ آل عمران میں بھی بنی اسرائیل کو خطاب کیا گیا ہے' نسخ کے واقع ہونے کا ذکر موجود ہے۔ فرمان ہے ﴿كُلُّ الطَّعَامِ﴾ یعنی کل کھانے بنی اسرائیل پر حلال تھے مگر جس چیز کو حضرت اسرائیل علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اس کی مزید تفسیر وہیں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ احکام باری تعالیٰ میں نسخ کا ہونا جائز ہے' بلکہ واقع بھی ہے اور اسی پر پروردگار کی حکمت بالغہ ہے۔ ابو مسلم اصبہانی مفسر نے لکھا ہے کہ قرآن میں نسخ واقع نہیں ہوتا لیکن اس کا یہ قول ضعیف اور مردود اور محض غلط اور جھوٹ ہے۔ جہاں جہاں نسخ قرآن میں موجود ہے اس کے جواب میں گو ابو مسلم نے بہت محنت کی لیکن محض بے سود ہے۔ جس عورت کا خاوند مر جائے پہلے اس کی عدت ایک سال تھی پھر چار مہینے دس دن کر دی گئی اور دونوں آیات قرآن پاک میں موجود ہیں' قبلہ پہلے بیت المقدس تھا پھر کعبۃ اللہ ہوا۔ دوسری آیت صاف اور پہلا حکم بھی ضمناً مذکور ہے پہلے مسلمانوں کو حکم تھا کہ ایک ایک مسلمان دس دس کافروں سے لڑے اور ان کے مقابلے سے نہ ہٹے لیکن پھر یہ حکم منسوخ ہو کر دو دو کے مقابلہ میں صبر کرنے کا حکم ہوا اور دونوں آیات کلام اللہ میں موجود ہیں۔ پہلے حکم تھا کہ نبی سے سرگوشی کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو لیکن پھر یہ حکم منسوخ ہوا اور دونوں آیات قرآن کریم میں موجود ہیں' وغیرہ وغیرہ۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

بے فائدہ سوالات کی ممانعت: [آیت:۱۰۸] اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو روکتا ہے کہ کسی واقعہ کے ہونے سے پہلے میرے نبی سے فضول سوال نہ کیا کرو' یہ کثرت سوال کی عادت بہت بری ہے جیسے ارشاد ہے ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَسۡـَٔلُوۡا

عَنْ اَشْيَآءَ﴾ ❶ ''اے ایمان والو! ان چیزوں کا سوال نہ کیا کرو جو اگر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں برا لگے گا اور اگر تم قرآن کے نازل ہونے کے زمانہ میں ایسی پوچھ گچھ جاری رکھو گے تو یہ چیزیں ظاہر کر دی جائیں گی۔ کسی چیز کے واقع ہونے سے پہلے اس کی نسبت سوال کرنے کی وجہ سے وہ حرام نہ ہو جائے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جو اس چیز کے بارے میں سوال کرے جو حرام نہ تھی پھر اس کے سوال سے حرام ہو گئی۔'' ❷ ایک مرتبہ حضور ﷺ سے سوال ہوا کہ ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد کو پائے تو کیا کرے؟ اگر لوگوں کو خبر کرے تو یہ بھی بڑی بے شرمی کی بات ہے اور اگر چپ ہو جائے تو بڑی بے غیرتی کی بات ہے۔ حضور ﷺ کو یہ سوال بہت برا معلوم ہوا۔ آخر اسی شخص پر ایسا واقعہ پیش آیا اور لعان کا حکم نازل ہوا۔ ❸ بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ ''نبی ﷺ فضول بکواس سے اور مال کو ضائع کرنے سے اور زیادہ پوچھ گچھ سے منع فرمایا کرتے تھے۔'' ❹ صحیح مسلم میں ہے کہ ''میں جب تک کچھ نہ کہوں تم بھی نہ پوچھو تم سے پہلے لوگوں کو اسی بدخصلت نے ہلاک کر دیا کہ وہ بکثرت سوال کیا کرتے تھے اور اپنے نبیوں سے اختلاف کرتے تھے۔ جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو اپنی طاقت کے مطابق بجا لاؤ اور اگر منع کروں تو رک جایا کرو۔'' یہ آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا تھا جب لوگوں کو خبر دی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے' تو کسی نے کہا حضور ہر سال؟ آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ اس نے پھر پوچھا۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے تیسری دفعہ پھر یہی سوال کیا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہر سال نہیں۔ لیکن اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا اور پھر تم کبھی بھی اس حکم کو بجا نہ لا سکتے۔'' ❺ پھر آپ ﷺ نے مندرجہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب ہمیں آپ ﷺ سے سوال کرنے سے روک دیا گیا تو ہم حضور سے پوچھنے میں ہیبت کھاتے تھے چاہتے تھے کہ کوئی بادیہ نشین ناواقف شخص آ جائے وہ پوچھے تو ہم بھی سن لیں۔ ❻ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں کوئی سوال حضور ﷺ سے کرنا چاہتا تھا تو سال بھر گزر جاتا تھا کہ مارے ہیبت کے پوچھنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی ہم تو خواہش رکھتے تھے کہ کوئی اعرابی آئے اور حضور ﷺ سے سوال کر بیٹھے پھر ہم بھی سن لیں۔ ❼ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اصحاب محمد (ﷺ) سے بہتر کوئی جماعت نہیں' انہوں نے حضور ﷺ سے صرف بارہ مسائل ہی پوچھے جو سب سوال مع جواب کے قرآن میں مذکور ہیں' جیسے شراب وغیرہ کا سوال' حرمت والے مہینوں کی بابت سوال' یتیموں کی بابت سوال وغیرہ وغیرہ۔ ❽

یہاں پر ''ام'' یا تو بل کے معنی میں ہے یا اپنے اصلی معنی میں ہے یعنی سوال کے بارے میں جو یہاں پر انکاری ہے۔ یہ حکم مؤمن کافر سب کو ہے کیونکہ حضور ﷺ کی رسالت سب کی طرف تھی۔ قرآن میں اور جگہ ہے ﴿يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ﴾ ❾ ''اہل کتاب =

---

❶ ٥/ المآئدة: ١٠١۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب و السنة، باب ما یکرہ من کثرة السؤال، ٧٢٨٩؛ صحیح مسلم، ٢٣٥٨۔ ❸ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب سورة النور، ٤٧٤٥۔٥٢٥٩۔

❹ صحیح بخاری، کتاب الاستقراض، باب ماینهی عن اضاعة المال، ٢٤٠٨، ١٤٧٧؛ صحیح مسلم، ١٧١٥۔

❺ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ، ٧٣٨٨ بدون قصة ومسلم، ١٣٣٧۔

❻ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب السؤال من ارکان الاسلام، ١٢؛ ترمذی، ٦١٩؛ نسائی، ٢٦٢٠۔

❼ اس کی سند شرط مسلم کے مطابق ہے۔ ❽ مجمع الزوائد ١/ ١٥٩ اس کی سند میں عطاء بن السائب مختلط راوی ہے۔ (التقریب ٢/ ٢٢، رقم: ١٩٠) لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔ ❾ ٤/ النسآء: ١٥٣۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٩﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١٠﴾

ترجمہ: ان اہل کتاب کے اکثر لوگ باوجود حق کھل جانے کے محض حسد و بغض کی بناء پر تمہیں بھی ایمان سے ہٹا دینا چاہتے ہیں' تم بھی معاف کرو اور چھوڑ دو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لائے' یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔[۱۰۹] تم نمازیں قائم رکھو زکوۃ دیتے رہا کرو اور جو کچھ بھلائی تم اپنے لئے آگے بھیجو گے سب کچھ اللہ کے پاس پالو گے' اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔[۱۱۰]

= تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو ان پر کوئی آسمانی کتاب اتارے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا کہ اللہ کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں' جس ظلم کی وجہ سے انہیں ایک تند آواز سے ہلاک کر دیا۔'' رافع بن حریملہ اور وہب بن زید نے کہا تھا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کوئی آسمانی کتاب ہم پر نازل کیجئے جسے ہم پڑھیں اور ہمارے شہروں میں دریا جاری کر دیں تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مان لیں' اس پر یہ آیت اتری۔

ابو العالیہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور سے کہا' یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کاش ہمارے گناہوں کا کفارہ بھی اسی طرح ہو جاتا جس طرح بنی اسرائیل کے گناہوں کا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنتے ہی تین دفعہ جناب باری تعالیٰ میں عرض کی کہ ''نہیں اے اللہ! نہیں' ہم یہ نہیں چاہتے۔ پھر فرمایا سنو بنو اسرائیل میں سے جہاں کوئی گناہ کرتا اس کے دروازے پر قدرتاً لکھا ہوا پایا جاتا اور ساتھ ہی اس کا کفارہ بھی لکھا ہوا ہوتا تھا اب یا تو دنیاوی رسوائی کو منظور کر کے کفارہ ادا کر دے اور اپنے پوشیدہ گناہوں کو ظاہر کرے یا کفارہ نہ دے اور آخرت کی رسوائی کو منظور کرے'' لیکن تم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ ❶ یعنی ''جس سے کوئی برا کام ہو جائے یا وہ اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے پھر استغفار کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت بڑا بخشش اور مہربانی کرنے والا پائے گا۔'''' اسی طرح ایک نماز دوسری نماز تک گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے' پھر جمعہ دوسرے جمعہ تک کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ سنو جو شخص برائی کا ارادہ کرے لیکن برائی نہ کرے تو برائی لکھی نہیں جاتی اور اگر کر گزرے تو ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے اور اگر بھلائی کا ارادہ کرے' گو نہ کرے لیکن بھلائی لکھ لی جاتی ہے اور اگر کر بھی لے تو دس بھلائیاں لکھی جاتی ہیں اب بتاؤ تم اچھے رہے یا بنی اسرائیل؟ نہیں تم بنی اسرائیل سے بہت ہی اچھے ہو' باوجود اتنے کرم اور رحم کے پھر بھی کوئی ہلاک ہو تو سمجھو کہ یہ خود ہلاک ہونیوالا ہی تھا'' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ❷

قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اگر صفا پہاڑ سونے کا ہو جائے تو ہم ایمان لاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اچھا لیکن مائدہ (آسمانی دسترخوان) مانگنے والوں کا جو انجام ہوا وہی تمہارا بھی ہوگا'' اس پر وہ انکاری ہو گئے اور اپنے سوال کو چھوڑ دیا۔ ❸ مراد یہ ہے کہ تکبر =

❶ ٤/ النسآء: ١١٠۔ ❷ یہ روایت مرسل (ضعیف) ہے۔

❸ الطبری، ١٧٨٣م ١٧٨٤، یہ حدیث مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے ارسال کی وجہ سے ضعیف ہے۔

= عناد سرکشی کے ساتھ نبیوں سے سوال کرنا نہایت مذموم حرکت ہے۔ جو کفر کو ایمان کے بدلے مول لے اور آسانی کو سختی سے بدلے وہ سیدھی راہ سے ہٹ کر جہالت وضلالت میں گھر جاتا ہے' اسی طرح غیر ضروری سوال کرنے والا بھی' جیسے اور جگہ ہے ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا﴾ ❶ ''کیا تو انہیں نہیں دیکھتا جو اللہ کی نعمت کو کفر سے بدلتے ہیں اور اپنی قوم کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں وہ جہنم میں داخل ہوں گے اور وہ بڑی بری قرار گاہ ہے۔''

قومی عصبیت بدبختی کا باعث ہے: [آیت:۱۰۹۔۱۱۰] ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حیی بن اخطب اور ابو یاسر بن اخطب یہ دونوں یہودی سب سے زیادہ مسلمانوں سے حاسد تھے لوگوں کو اسلام سے روکتے تھے اور عرب سے جلتے تھے' ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کعب بن اشرف کا بھی یہی شغل تھا۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اسکے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ یہ بھی یہودی تھا اور اپنے شعروں میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہجو کیا کرتا تھا۔ ❷ گو انکی کتاب میں حضور کی تصدیق موجود تھی اور یہ بخوبی حضور کی صفتیں جانتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی طرح پہچانتے تھے پھر یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ قرآن ان کی کتاب کی تصدیق کر رہا ہے۔ ایک امی اور ان پڑھ وہ کتاب پڑھتا ہے جو سراسر معجزہ ہے لیکن صرف حسد کی بنا پر کہ عرب میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیوں مبعوث ہوئے کفر و انکار پر آمادہ ہو گئے بلکہ اور لوگوں کو بھی بہکانا شروع کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو حکم دیا کہ تم درگزر کرتے رہو اور اللہ کے حکم اور اسکے فیصلے کا انتظار کرو' جیسے اور جگہ فرمایا تمہیں مشرکوں اور اہل کتاب سے بہت کڑوی باتیں سننا پڑیں گی۔ بالآخر حکم نازل فرمادیا کہ ان مشرکوں سے اب دب کر نہ رہو ان سے لڑائی کرنے کی تمہیں اجازت ہے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم مشرکین اور اہل کتاب سے درگزر کرتے تھے اور ان کی ایذا اور تکلیف سہتے تھے ❸ اور اس آیت پر عمل پیرا تھے یہاں تک کہ دوسری آیات اتریں اور یہ حکم ہٹ گیا اب ان سے بدلہ لینے اور اپنا بچاؤ کرنے کا حکم ملا' اور پہلی ہی لڑائی جو بدر کے میدان میں ہوئی اس میں کفار کو شکست فاش ہوئی اور ان کے بڑے بڑے سرداروں کی لاشیں میدان میں ڈھیر ہو گئیں۔ ❹ پھر مؤمنوں کو رغبت دلائی جاتی ہے کہ تم نماز اور زکوۃ وغیرہ کی حفاظت کرو یہ تمہیں آخرت کے عذابوں سے بچانے کے علاوہ دنیا میں بھی غلبہ اور نصرت دے گی۔

پھر فرمایا کہ اللہ تمہارے ہر نیک و بد عمل کا بدلہ دونوں جہاں میں دے گا اس سے کوئی چھوٹا بڑا' ظاہر' پوشیدہ' اچھا برا عمل پوشیدہ نہیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ لوگ اطاعت کی طرف توجہ کریں اور نافرمانی سے بچیں۔ مُبْصِر کے بدلے بَصِيْر کہا جیسے مُبْدِع کے بدلے بَدِيْع اور مُؤْلِم کے بدلے اَلِيْم۔ ابن ابی حاتم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت میں سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ پڑھتے تھے اور فرماتے تھے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے۔ ❺

---

❶ ١٤/ ابراهيم:٢٨۔ ❷ ابن ابی حاتم، ١/ ٣٣١۔ ❸ صحيح بخاری، كتاب التفسير، باب ولتسمعن من الذين...... ٤٥٦٦؛ صحيح مسلم، ١٧٩٨۔ ❹ ابن ابی حاتم، ١/ ٣٣٣۔

❺ اس کی سند میں عبداللہ بن لهيعة مختلط راوی ہے۔ (التقريب ١/ ٤٤٤، رقم: ٥٧٤) لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١١١﴾ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١١٢﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ ۗ كَذَٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١١٣﴾

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ جنت میں یہود ونصاریٰ کے سوا اور کوئی نہ جائے گا' یہ صرف ان کی امنگیں ہیں' ان سے کہو کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی دلیل تو پیش کرو۔[۱۱۱] سنو جو بھی اپنے آپ کو خلوص کے ساتھ اللہ کے سامنے جھکا دے بیشک اسے اس کا رب پورا بدلہ دے گا اس پر نہ تو کوئی خوف ہوگا نہ غم اور نہ اداسی۔[۱۱۲] یہود کہتے ہیں کہ نصرانی حق پر نہیں اور نصرانی کہتے ہیں کہ یہودی نہیں حالانکہ یہ پڑھے لکھے لوگ ہیں' اسی طرح ان ہی جیسی بات بے علم بھی کہتے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ ان کے اس اختلاف کا فیصلہ ان میں کر دے گا۔[۱۱۳]

اعمال کی قبولیت کے لئے اتباع سنت شرط ہے: [آیت:۱۱۱۔۱۱۳] یہاں پر یہودیوں اور نصرانیوں کے غرور کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ اپنے سوا کسی کو کچھ بھی نہیں سمجھتے اور صاف کہتے ہیں کہ ہمارے سوا جنت میں کوئی نہیں جائے گا۔ سورۂ مائدہ میں ان کا ایک قول یہ بھی بیان ہوا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اولاد اور اس کے محبوب ہیں۔ جس کے جواب میں قرآن نے کہا کہ پھر تم پر قیامت کے دن عذاب کیوں ہوگا؟ اسی طرح پہلے گزرا کہ ان کا دعویٰ یہ بھی تھا کہ ہم چند دن جہنم میں رہیں گے جس کے جواب میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ یہ دعویٰ بھی محض بے دلیل ہے۔ اسی طرح یہاں ان کے ایک دعوے کی تردید کی اور کہا کہ لاؤ دلیل پیش کرو انہیں عاجز ثابت کر کے پھر فرمایا کہ ہاں جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہو جائے اور خلوص وتوحید کے ساتھ نیک عمل کرے اسے پورا پورا اجر وثواب ملے گا' جیسے اور جگہ فرمایا کہ یہ اگر جھگڑیں تو ان سے کہہ دو کہ میں نے اور میرے ماننے والوں نے اپنے چہرے رب کی طرف متوجہ کر دیئے ہیں' الغرض اخلاص اور سنت کے مطابق ہر عمل کی قبولیت کے لئے شرط ہے تو ﴿أَسْلَمَ وَجْهَهُ﴾ سے مراد خلوص (1) اور ﴿وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ سے مراد اتباع سنت ہے' نرا خلوص بھی عمل کو مقبول نہیں کرا سکتا جب تک کہ سنت کی تابعداری نہ ہو۔ حدیث مبارکہ میں ہے جو شخص ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو وہ مردود ہے'' (مسلم)۔ (2)

پس رہبانیت کا عمل گو خلوص پر مبنی ہو لیکن تاہم اتباع سنت نہ ہونے کی وجہ سے وہ مردود ہے۔ ایسے ہی اعمال کی نسبت قرآن حکیم کا ارشاد ہے ﴿وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا﴾ (3) یعنی ''انہوں نے جو اعمال کئے تھے ہم نے سب رد کر دیئے۔'' اور جگہ ہے ''کافروں کے اعمال ریت کے چمکیلے تودوں کی طرح ہیں جنہیں پیاسا پانی سمجھتا ہے لیکن جب اس کے پاس جاتا ہے =

(1) ابن ابی حاتم، ۱/۱۰۷۱۔۳۳۷۱۔ (2) صحیح مسلم، کتاب الأقضیة، باب نقض الاحکام الباطلة، ۱۷۱۸؛ صحیح بخاری، ۲۶۹۷؛ ابوداود، ۴۶۰۶؛ ابن ماجة، ۱۴۰۔ (3) ۲۵/ الفرقان: ۲۳۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

ترجمہ: اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی مساجد میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کیے جانے کو روکے اور ان کی بربادی کی کوشش کرے۔ ایسے لوگوں کو خوف کھاتے ہوئے ہی اس میں جانا چاہئے۔ ان کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی بڑے بڑے عذاب ہیں۔[۱۱۴]

= تو کچھ نہیں پاتا۔" اور جگہ ہے قیامت کے دن بہت سے چہروں پر ذلت برستی ہوگی جو عمل کرنے والے تکلیفیں اٹھانے والے ہوں گے اور بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے اور گرم کھولتا ہوا پانی انہیں پلایا جائے گا۔ حضرت امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں یہود و نصاریٰ کے علما اور عابد مراد لئے ہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ کوئی عمل گو بظاہر سنت کے مطابق ہو لیکن عمل میں اخلاص نہ ہو مقصود رب کی خوشنودی نہ ہو تو وہ عمل بھی مردود ہے۔ ریاکار اور منافق لوگوں کے اعمال کا یہی حال ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "منافق رب کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ انہیں دھوکہ دیتا ہے اور نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں صرف لوگوں کو دکھانے کے لئے عمل کرتے ہیں اور اللہ کا ذکر بہت ہی کم کرتے ہیں۔" اور فرمایا ﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝﴾ ❶ "ان نمازیوں کے لئے ویل ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں جو ریاکاری کرتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی روکتے پھرتے ہیں۔" اور جگہ ارشاد ہے ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا﴾ ❷ "جو شخص اپنے رب کی ملاقات کا آرزومند ہو اسے نیک عمل کرنا چاہیے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا چاہیے۔" پھر فرمایا انہیں ان کا رب اجر دے گا اور ڈر خوف سے بچائے گا' آخرت میں انہیں ڈر نہیں اور دنیا کے چھوڑنے کا ملال نہیں۔ پھر یہود و نصاریٰ کی آپس کی بغض و عداوت کا ذکر فرمایا۔

نجران کے نصرانیوں کا وفد جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ کے پاس یہودیوں کے علما بھی آئے۔ اس وقت ان لوگوں نے انہیں اور انہوں نے ان کو گمراہ بتایا حالانکہ دونوں اہل کتاب ہیں تورات میں انجیل کی تصدیق اور انجیل میں تورات کی تصدیق موجود ہے پھر ان کا یہ قول کس قدر لغو ہے۔ ❸ اگلے یہود و نصاریٰ دین حق پر قائم تھے لیکن پھر بدعتوں اور فتنہ پردازیوں کی وجہ سے دین ان سے چھن گیا اب نہ یہود ہدایت پر تھے نہ نصرانی۔ پھر فرمایا کہ نہ جاننے والوں نے بھی اسی طرح کہا' اس میں بھی اشارہ انہیں کی طرف ہے اور بعض نے کہا اس سے مراد یہود و نصاریٰ سے پہلے کے لوگ ہیں۔ بعض کہتے ہیں عرب لوگ مراد ہیں۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اس سے عام مراد لیتے ہیں جو سب کو شامل ہے اور یہی ٹھیک بھی ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ پھر فرمایا ان کے اختلاف کا فیصلہ قیامت کو خود اللہ تعالیٰ کرے گا جس دن کوئی ظلم و زور نہیں ہوگا۔ اور جگہ بھی یہ مضمون آیا ہے' سورہ حج میں ارشاد ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ﴾ ❹ (پوری آیت) یعنی مؤمنوں اور یہودیوں اور صابیوں اور نصرانیوں اور مجوسیوں اور مشرکوں میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا' اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ اور موجود ہے۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا﴾ ❺ "کہہ دے کہ ہمارا رب ہمیں جمع کرے گا پھر حق کے ساتھ فیصلے کرے گا وہ باخبر فیصلے کرنے والا ہے۔"

❶ ١٠٧/ الماعون:٤۔ ❷ ١٨/ الكهف:١١٠۔ ❸ الطبری، ١٨١٣، اس کی سند میں محمد بن ابی محمد مجہول راوی ہے۔ (الضعفاء والمتروکین ٣/ ٩٦، رقم: ٣١٧٩) لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔ ❹ ٢٢/ الحج:١٧۔ ❺ ٣٤/ سبا:٢٦۔

مساجد کو بے آباد کرنے والے سب سے بڑے ظالم ہیں: [آیت:۱۱۴] اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ اس سے مراد نصاریٰ ہیں دوسرا یہ کہ اس سے مراد مشرکین ہیں۔ نصرانی بھی بیت المقدس کی مسجد میں پلیدی ڈال دیتے تھے اور لوگوں کو اس میں نماز ادا کرنے سے روکتے تھے۔ بخت نصر نے جب بیت المقدس کی بربادی کے لئے چڑھائی کی تھی تو ان نصرانیوں نے اس کا ساتھ دیا اور مدد کی تھی۔ بخت نصر بابل کا رہنے والا مجوسی تھا اور یہودیوں کے شہ دینے پر نصرانیوں نے بھی اس کا ساتھ دیا تھا' اور اس لئے بھی کہ بنی اسرائیل نے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کو قتل کر ڈالا تھا اور مشرکین نے بھی رسول اللہ ﷺ کو حدیبیہ والے سال کعبۃ اللہ سے روکا تھا یہاں تک کہ ذی طویٰ میں آپ ﷺ کو قربانی کا فریضہ ادا کرنا پڑا اور مشرکین سے صلح کر کے آپ ﷺ وہیں سے واپس آ گئے حالانکہ یہ امن کی جگہ تھی' باپ اور بھائی کے قاتل کو بھی یہاں کوئی نہیں چھیڑتا تھا اور اس کے اجاڑنے کی کوشش انکی یہی تھی کہ ذکر اللہ اور حج وعمرہ کرنے والی مسلم جماعت کو انہوں نے روک دیا۔ ❶ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے قول کو پسند کیا ہے اور کہا ہے کہ مشرکین کعبۃ اللہ کو برباد کرنے کی سعی نہیں کرتے تھے یہ سعی نصاریٰ کی تھی کہ وہ بیت المقدس کی ویرانی کے درپے ہو گئے تھے' لیکن حقیقت میں دوسرا قول زیادہ صحیح ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی یہی ہے یاد رہے کہ جب نصرانیوں نے یہودیوں کو بیت المقدس سے روکا تھا اس وقت یہودی بھی تو محض بے دین ہو چکے تھے ان پر تو حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی زبانی لعنتیں نازل ہو چکی تھیں وہ نافرمان اور حد سے متجاوز ہو چکے تھے اور نصرانی حضرت مسیح علیہ السلام کے دین پر تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے مراد مشرکین مکہ ہیں اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اوپر یہود و نصاریٰ کی مذمت بیان ہوئی تھی اور یہاں مشرکین عرب کی اس بدخصلت کا بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مسجد حرام سے روکا مکہ سے نکالا پھر حج وعمرہ سے بھی روک دیا۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ مکہ والے بیت اللہ کی ویرانی میں کوشاں نہ تھے' اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو وہاں سے روکنے اور نکال دینے اور بیت اللہ میں بت رکھ دینے سے بڑھ کر اس کی ویرانی کیا ہو سکتی ہے؟ خود قرآن میں موجود ہے: ﴿وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ ❷ یعنی ''یہ لوگ مسجد حرام سے روکتے ہیں'' مشرکوں سے اللہ تعالیٰ کی مسجد آباد نہیں ہو سکتیں' جو اپنے کفر کے خود گواہ ہیں' جن کے اعمال غارت ہیں اور جو ہمیشہ کے لئے جہنمی ہیں۔ مساجد کی آبادی ان لوگوں سے ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے اور نماز و زکوٰۃ کے پابند اور صرف اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرنے والے ہیں اور یہی لوگ راہ راست والے ہیں۔ اور جگہ فرمایا ﴿هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ ❸ ''ان لوگوں نے کفر بھی کیا اور تمہیں مسجد حرام سے روکا اور قربانیوں کو ذبح ہونے کی جگہ تک نہ پہنچنے دیا'' اگر ہمیں ان مؤمن مردوں عورتوں کا خیال نہ ہوتا جو اپنی ضعیفی اور کم قوتی کے باعث مکہ سے نہیں نکل سکے جنہیں تم جانتے بھی نہیں تو ہم تمہیں ان سے لڑ کر ان کے غارت کر دینے کا حکم دے دیتے لیکن یہ بے گناہ مسلمان نہ پیس دیئے جائیں اس لئے ہم نے سردست یہ حکم نہیں دیا۔ لیکن اگر یہ کفار اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو وہ وقت دور نہیں جب ان پر ہمارے دردناک عذاب برس پڑیں۔ پس جب وہ مسلمان ہستیاں جن سے مساجد کی آبادی حقیقی معنی میں ہے وہ ہی روک دیئے گئے تو مساجد کے اجاڑنے میں کونسی کمی رہ گئی؟'' مساجد کی آبادی صرف ظاہری زیب و زینت رنگ و روغن سے نہیں ہوتی بلکہ اس میں ذکر اللہ ہونا' اس میں شریعت کا قائم رہنا' انہیں شرک و ظاہری میل کچیل سے پاک رکھنا' یہ ان کی حقیقی آبادی ہے۔

❶ الطبری، ۲/ ۵۲۱۔ ❷ ۸/ الانفال:۳۴۔ ❸ ۴۸/ الفتح:۲۵۔

پھر فرمایا کہ انہیں لائق نہیں کہ بے خوف ہو کر یہ مسجد میں آئیں' مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! انہیں بے خوفی اور بے باکی کے ساتھ بیت اللہ میں نہ آنے دو جب ہم تمہیں غالب کر دیں تو اس وقت یہی کرنا۔ چنانچہ مکہ فتح ہو گیا آپ ﷺ نے اگلے سال ۹ ھ میں اعلان کرا دیا کہ ''اس سال کے بعد حج میں کوئی مشرک نہ آنے پائے' اور بیت اللہ کا طواف کوئی ننگا ہو کر نہ کرے۔ جن لوگوں کے درمیان صلح کی کوئی مدت مقرر ہوئی ہے وہ قائم ہے۔'' ❶ یہ حکم دراصل تصدیق اور عمل ہے اس آیت پر ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾ ❷ یعنی ''مشرک لوگ نجس ہیں اس سال کے بعد انہیں مسجد حرام میں نہ آنے دو۔'' اور یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ چاہئے تو یہ تھا کہ یہ مشرک کانپتے ہوئے اور خوفزدہ مسجد میں آئیں لیکن اس کے برعکس الٹا یہ مسلمانوں کو روک رہے ہیں۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ ایمان داروں کو بشارت دیتا ہے کہ عنقریب میں تمہیں غلبہ دوں گا اور یہ مشرک اس مسجد کی طرف رخ کرنے سے بھی کپکپانے لگیں گے' چنانچہ یہی ہوا اور حضور ﷺ نے وصیت کی کہ جزیرہ عرب میں دو دین باقی نہ رہنے پائیں ❸ اور یہود و نصاریٰ کو وہاں سے نکال دیا جائے۔ ❹ الحمد للہ کہ اس امت کے بزرگوں نے اس وصیت رسول اکرم ﷺ پر عمل بھی کر دکھایا۔ اس سے مساجد کی فضیلت اور بزرگی بھی ثابت ہوئی' بالخصوص اس جگہ کی اور اس مسجد کی جہاں سب سے بڑے اور کل جن و انس کے رسول حضرت محمد ﷺ بھیجے گئے تھے۔ ان گنہگاروں پر دنیا کی رسوائی بھی آئی اور جس طرح انہوں نے مسلمانوں کو روکا جلاوطن کیا' اسی طرح اس کا پورا بدلہ انہیں ملا یہ بھی روکے گئے اور جلاوطن کئے گئے اور ابھی اخروی عذاب باقی ہیں کیونکہ انہوں نے بیت اللہ کی حرمت توڑی' وہاں بت رکھ دیئے' غیر اللہ سے دعائیں اور مناجات شروع کر دیں ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا وغیرہ' اور اگر اس سے مراد نصرانی لئے جائیں تو بھی ظاہر ہے کہ وہ بھی بیت المقدس کی مسجد میں ڈرتے ہوئے جاتے ہیں' انہوں نے بھی بیت المقدس کی بے حرمتی کی تھی بالخصوص اس صحرہ (پتھر) کی جس کی طرف یہود نماز پڑھتے تھے۔ اسی طرح جب یہودیوں نے بے حرمتی کی اور نصرانیوں سے بھی بڑھ گئے تو ان پر ذلت بھی اس وجہ سے زیادہ نازل ہوئی۔ دنیا کی رسوائی سے مراد امام مہدی علیہ السلام کے زمانے کی رسوائی بھی ہے اور جزیہ کی ادائیگی بھی ہے۔ حدیث میں ایک دعا وارد ہوئی ہے ((اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْاُمُوْرِ كُلِّهَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَةِ)) ''اے اللہ! تو ہمارے تمام کاموں کا انجام اچھا کر اور دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے نجات دے۔'' ❺ یہ حدیث حسن ہے' مسند احمد میں موجود ہے' صحاح ستہ میں نہیں' اس کے راوی بُسر بن ابی اَرطاۃ صحابی رضی اللہ عنہ ہیں' ان سے ایک تو یہ حدیث مروی ہے اور دوسری وہ حدیث مروی ہے جس میں ہے کہ غزوے اور جنگ کے موقعہ پر وہیں ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔ ❻

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب ما یستر من العورۃ، ۳۶۹؛ صحیح مسلم، ۱۳۴۷، مختصرًا؛ نسائی، ۲۹۶۱۔

❷ ۹/ التوبۃ:۲۸۔ ❸ أحمد، ۶/ ۲۷۵؛ مؤطا امام مالك، کتاب الجامع، باب ماجاء فی اجلاء الیھود من المدینۃ، ۱۷، ۱۸، مرسلاً صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے موصولاً مروی ہے؛ صحیح بخاری کتاب الجنائز، باب مایکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور ۱۲۳۰؛ صحیح مسلم، ۵۲۹۔

❹ صحیح مسلم، کتاب الجھاد، باب اخراج الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب، ۱۷۶۷۔

❺ احمد، ۴/ ۱۸۱۔ وسندہ ضعیف شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (السلسلۃ الضعیفۃ، ۲۹۰۸) یہ روایت ایوب بن میسرہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ❻ ابوداود، کتاب الحدود، باب السارق یسرق فی الغزو أیقطع......، ۴۴۰۸؛ ترمذی، ۱۴۵۰؛ نسائی، ۴۹۸۲۔ وسندہ صحیح شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح ترمذی، ۱۱۷۴)

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ: اور مشرق اور مغرب کا مالک اللہ ہی ہے تم جدھر بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ تعالیٰ کا منہ ہے اللہ تعالیٰ کشادگی اور وسعت والا اور بڑے علم والا ہے۔ [۱۱۵]

کعبۃ اللہ کو قبلہ بنایا جانا: [آیت:۱۱۵] اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو تسلی دی جا رہی ہے جو مکہ سے نکالے گئے اور اپنی مسجد سے روکے گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے تو کعبۃ اللہ بھی سامنے ہی ہوتا تھا جب مدینہ تشریف لائے تو سولہ یا سترہ ماہ تک تو ادھر ہی منہ کر کے نماز پڑھتے رہے مگر پھر اللہ تعالیٰ نے کعبۃ اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا۔ ❶ ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ناسخ ومنسوخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ قرآن میں سب سے پہلا منسوخ کا حکم یہی قبلہ کا ہے ﴿لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ﴾ والی آیت نازل ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتے پھر آیت ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ﴾ ❷ الخ نازل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز ادا کرنا شروع کی۔ ❸

مدینہ میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے تو یہ یہودی بہت خوش ہوئے لیکن جب یہ حکم چند ماہ کے بعد منسوخ ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چاہت اور دعا اور انتظار کے مطابق کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنے کا حکم دیئے گئے تو ان یہودیوں نے طعنے دینے شروع کر دیئے کہ اب اس قبلہ سے کیوں ہٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ مشرق و مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے الخ، پھر یہ اعتراض کیا؟ جدھر اس کا حکم ہو پھر جانا چاہیئے ❹ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ مشرق و مغرب میں تم جہاں کہیں بھی ہو منہ کعبہ کی طرف کرو۔ ❺ بعض بزرگوں کا بیان ہے کہ یہ آیت کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کے حکم سے پہلے اتری ہے اور مطلب یہ ہے کہ مشرق و مغرب جدھر چاہو منہ پھیرو سب جہتیں اللہ ہی کی ہیں اور سب طرف اللہ موجود ہے اس سے کوئی جگہ خالی نہیں جیسے فرمایا: ﴿وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا﴾ ❻ ''تھوڑے بہت جو بھی ہوں اللہ ان کے ساتھ ہے۔''

پھر یہ حکم منسوخ ہو کر کعبۃ اللہ کی طرف متوجہ ہونا فرض ہوا۔ اس قول میں جو یہ لفظ ہیں کہ اللہ سے کوئی جگہ خالی نہیں اگر اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ہو تو صحیح ہے کوئی اللہ کے علم سے خالی نہیں اور اگر ذات باری مراد ہو تو ٹھیک نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات اس سے بہت بلند و بالا ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں سے کسی چیز میں حاضر ہو۔ نیز مطلب آیت کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیت سفر اور رہ روی اور خوف کے وقت کے لئے ہے کہ ان وقتوں میں نفل نماز کو جس طرف منہ ہوا ادا کیا کرو۔ ❼

سواری پر اور تاریکی میں نماز پڑھنے کی تفصیل: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انکی اونٹنی کا منہ جس طرف ہوتا تھا نماز

---

❶ صحیح بخاري، کتاب الصلاة، باب التوجه نحو القبلة حيث كان، ۳۹۹؛ صحيح مسلم، ۵۲۵۔

❷ ۲/ البقرة:۱۴۹۔ ❸ حاكم، ۲/ ۲۶۷، ۲۶۸۔

❹ الطبري، ۲/ ۵۲۷۔ ❺ ابن أبي حاتم، ۱/ ۳۴۷۔

❻ ۵۸/ المجادلة:۷۔ ❼ الطبري، ۲/ ۵۳۰۔

پڑھ لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ حضور ﷺ کا طریقہ یہی تھا اور اس آیت کا مطلب بھی یہی ہے۔ آیت کا ذکر کئے بغیر یہ حدیث مسلم' ترمذی' نسائی' ابن ابی حاتم' ابن مردویہ وغیرہ میں مروی ہے اور اصل اس کی صحیح بخاری' صحیح مسلم میں بھی موجود ہے۔ ❶ صحیح بخاری میں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جب نماز خوف کے بارے میں پوچھا جاتا تو نماز خوف کو بیان فرماتے اور کہتے کہ جب اس سے بھی زیادہ خوف ہو تو پیدل اور سوار کھڑے کھڑے پڑھ لیا کرو منہ خواہ قبلہ کی جانب ہو خواہ نہ ہو۔ حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما میرے خیال سے اسے مرفوع بیان کرتے تھے۔ ❷ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور فرمان اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ سفر خواہ پرامن ہو خواہ خوف ڈر اور لڑائی کا ہو سواری پر نفل ادا کر لینے جائز ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کی جماعت اس کے خلاف ہے۔ امام ابو یوسف اور ابوسعید اصطخری رحمہما اللہ بغیر سفر کے بھی اسے جائز کہتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی یہ روایت ہے' امام ابوجعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ بھی اسے پسند فرماتے ہیں یہاں تک کہ وہ تو پیدل چلنے والے کو بھی رخصت دیتے ہیں۔

بعض اور مفسرین کے نزدیک یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہیں قبلہ معلوم نہ ہو سکا اور انہوں نے اندازے سے مختلف جہتوں کی طرف نماز پڑھی جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان کی اس نماز کو ادا شدہ بتایا گیا۔ حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے ایک جگہ پڑاؤ کیا' رات اندھیری تھی لوگوں نے پتھر لے لے کر بطور نشان کے قبلہ رخ رکھ کر نماز پڑھنی شروع کر دی' صبح اٹھ کر روشنی میں دیکھا تو نماز قبلہ کی طرف ادا نہیں ہوئی تھی۔ ہم نے حضور ﷺ سے ذکر کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ حدیث ترمذی میں ہے' ❸ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن کہا ہے اس کے دو راوی ضعیف ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس وقت گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا اور ہم نے نماز پڑھ کر اپنے اپنے سامنے خط کھینچ دیے تھے تاکہ صبح کی روشنی میں معلوم ہو جائے کہ نماز قبلہ کی طرف ادا ہوئی ہے یا نہیں' صبح معلوم ہوا کہ قبلہ کی سمت متعین کرنے میں ہم نے غلطی کی لیکن حضور ﷺ نے ہمیں وہ نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ اس روایت کے بھی دو راوی ضعیف ہیں یہ روایت دارقطنی وغیرہ میں موجود ہے۔ ❹ ایک روایت میں ہے کہ انکے ساتھ حضور اکرم ﷺ نہ تھے یہ سند بھی ضعیف ہے۔ ایسی نماز کے لوٹانے کے بارے میں علما کے دو قول ہیں ٹھیک قول یہی ہے کہ دوہرائی نہ جائے اور اسی قول کی تائید کرنے والی یہ احادیث ہیں جو اوپر بیان ہوئیں۔

غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کا بیان: بعض مفسرین رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ اس کے نازل ہونے کا باعث نجاشی ہے۔ جب نبی ﷺ نے ان کی موت کی خبر دی اور فرمایا ''ان کے جنازہ کی غائبانہ نماز پڑھو'' تو بعض نے کہا کہ وہ تو مسلمان نہ تھا نصرانی تھا اس پر آیت نازل ہوئی کہ ﴿وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ﴾ ❺ یعنی ''بعض اہل کتاب اللہ تعالیٰ پر' اس چیز پر جو اے مسلمانو! تمہاری طرف نازل ہوئی اور اس چیز پر جو ان پر نازل کی گئی ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔'' انہوں نے کہا یا

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التقصیر، باب الصلاة علی الدواب، ۱۰۹۵؛ صحیح مسلم، ۷۰۰۔

❷ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة البقرة، باب فی قوله، ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا﴾ ۴۵۳۵؛ صحیح مسلم، ۸۳۹۔

❸ ترمذی، کتاب الصلاة، باب ما جاء فی الرجل یصلی لغیر القبلة فی الغیم، ۳۴۵؛ ابن ماجة، ۱۰۲۰، وسنده ضعیف عاصم بن عبیداللہ راوی ضعیف ہے۔

❹ دار قطنی ۱/ ۲۷۱؛ حاکم ۱/ ۲۵۶ وسنده ضعیف۔

❺ ۳/ آل عمران:۱۱۹۔

رسول اللہ ﷺ وہ قبلہ کی طرف تو نماز نہیں پڑھتا تھا۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی‘لیکن یہ روایت غریب ہے۔ ❶ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔اس کے معنی میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ بیت المقدس کی طرف اس لئے نمازیں پڑھتے رہے کہ انہیں اس کے منسوخ ہو جانے کا علم نہیں ہوا تھا۔

قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انکے جنازے کی نماز حضور ﷺ نے پڑھی اور یہ دلیل ہے کہ جنازے کی نماز غائبانہ ادا کرنی چاہئے۔

اور اس کے نہ ماننے والے اس کو مخصوص جانتے ہیں اور اس کی تین تاویلیں کرتے ہیں ایک تو یہ کہ آپ ﷺ نے اس کے جنازے کو دیکھ لیا زمین آپ کے لئے لپیٹ لی گئی تھی‘دوسری یہ کہ چونکہ وہاں ان کے پاس ان کے جنازہ کی نماز پڑھنے والا اور کوئی نہ تھا اس لئے آپ ﷺ نے یہاں غائبانہ نماز جنازہ ادا کی۔ابن عربی اسی جواب کو پسند کرتے ہیں۔قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ ایک بادشاہ مسلمان ہو اور اس کی قوم کا کوئی شخص اس کے پاس مسلمان نہ ہو۔ابن عربی اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ شاید ان کے نزدیک جنازے کی نماز کی شریعت نہ ہو۔یہ جواب بہت اچھا ہے‘تیسری یہ کہ آپ نے غائبانہ نماز جنازہ ادا کی تاکہ لوگوں کو رغبت ہو اور اس جیسے دوسرے بادشاہ دین اسلام کی طرف مائل ہوں۔

(لیکن یہ تینوں تاویلیں ظاہر کے خلاف ہونے کے علاوہ صرف احتمالات کی بنا پر ہیں اور انہیں مان لینے کے بعد بھی مسئلہ یہی ہے کہ جنازہ غائبانہ پڑھنا چاہیے کیونکہ گو حضور ﷺ نے اس جنازے کا مشاہدہ کر لیا ہو لیکن پھر بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی نماز تو غائبانہ ہی رہی۔اگر ہم دوسرا جواب مان لیں تو بھی جنازہ تو غائبانہ ہی ہوا جو لوگ سرے سے نماز جنازہ غائبانہ کے قائل ہی نہیں وہ تو اس صورت میں بھی قائل ہیں‘اور یہ بات تو دل کو لگتی ہی نہیں کہ ان کے نزدیک نماز جنازہ مشروع نہ ہو شریعت بھی اسلام تھی نہ کہ اور۔تیسرا جواب بھی کچھ ایسا ہی ہے اور بر تقدیر تسلیم اب بھی وہ وجہ باقی ہے کہ جنازہ غائبانہ ادا کیا کریں تاکہ دوسرے لوگوں کی رغبت اسلام کا باعث ہو۔وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔مترجم)

ابن مردویہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:”اہل مدینہ‘اہل شام‘اہل عراق کا قبلہ مشرق و مغرب کے درمیان ہے۔“ ❷ یہ روایت ترمذی میں بھی دوسرے الفاظ سے مروی ہے اور اس کے ایک راوی ابو معشر کے حافظہ پر بعض اہل علم نے کلام کیا ہے۔امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک اور سند سے بھی نقل کیا ہے اور اسے حسن صحیح کہا ہے۔ ❸ حضرت عمر بن خطاب‘حضرت علی بن ابی طالب‘حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب تو مغرب کو اپنی دائیں جانب اور مشرق کو بائیں جانب کر لے تو تیرے سامنے کی جہت قبلہ ہو جائے گا۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اوپر کی طرح حدیث مروی ہے کہ مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے‘ ❹ ملاحظہ ہو دار قطنی‘بیہقی وغیرہ۔امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ مطلب بھی اس آیت کا ہو سکتا ہے کہ تم مجھ سے دعائیں مانگنے میں اپنا منہ جس طرف بھی کرو میرا منہ بھی اسی طرف پاؤ گے اور میں تمہاری دعاؤں کو قبول فرماؤں گا۔حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت ﴿اُدْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ ❺ ”مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا“ اتری تو لوگوں نے کہا کس طرف دعا کریں؟ اس کے جواب میں یہ آیت ﴿فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا﴾ نازل ہوئی۔پھر فرماتا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ تمام وسعتوں پر غالب اور گنجائش والا اور علم والا ہے“ جس کی کفایت سخاوت اور فضل و کرم نے تمام مخلوق کا احاطہ کر رکھا ہے‘وہ سب چیزوں کو جانتا بھی ہے‘کوئی چھوٹی سے =

---

❶ الطبری، ١٨٤٦، عن قتادة مرسلاً وهو ضعيف۔ ❷ ترمذی، کتاب الصلاة، باب ما جاء أن ما بین المشرق والمغرب قبلة، ٣٤٦؛ ابن ماجة، ١٠١١؛ نسائی، ٢٢٤٥ تعليقًا، وهو صحيح مزید دیکھئے (الإرواء، ١/ ٣٢٥)

❸ ترمذی، کتاب الصلاة، باب ماجاء ان مابین المشرق والمغرب قبلة، ٣٤٤۔ وهو صحیح شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے بشواہد صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (الإرواء، ٢٩٢) ❹ ایضاً۔ ❺ ٤٠/ المؤمن: ٦٠۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

ترجمہ: یہ کہتے ہیں اللہ کی اولاد ہے (نہیں بلکہ) وہ پاک ہے زمین و آسمان کی تمام مخلوقات اس کی ملکیت میں ہے اور ہر ایک اس کا فرمانبردار ہے[۱۱۶] وہ زمین و آسمان کا ابتداءً پیدا کرنے والا ہے وہ جس کام کو کرنا چاہے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا بس وہ وہیں ہو جاتا ہے۔[۱۱۷]

= چھوٹی چیز بھی اس کے علم سے باہر نہیں بلکہ وہ تمام چیزوں کا عالم ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی مقتدر اعلیٰ ہے: [آیت:۱۱۶۔۱۱۷] یہ اور اس کے ساتھ کی آیت نصرانیوں کے رد میں ہے اور اسی طرح ان جیسے یہود و مشرکین کے رد میں بھی جو کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔ ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین و آسمان وغیرہ تمام چیزوں کا تو اللہ تعالیٰ مالک ہے ان کا پیدا کرنے والا انہیں روزیاں دینے والا ان کے اندازے مقرر کرنے والا انہیں قبضہ میں رکھنے والا ان میں رد و بدل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے پھر بھلا اس مخلوق میں سے کوئی اس کی اولاد کیسے ہو سکتا ہے۔ نہ عزیر علیہ السلام اور نہ ہی عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے بن سکتے ہیں جیسے کہ یہود و نصاریٰ کا خیال تھا نہ فرشتے اس کی بیٹیاں بن سکتے ہیں جیسے مشرکین عرب کا خیال تھا اس لئے کہ دو برابر کے مناسبت رکھنے والے ہم جنس سے اولاد ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی نظیر نہ اس کی عظمت و کبریائی میں اس کا کوئی شریک۔ نہ اس کی جنس کا کوئی اور وہ تو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے اسکی اولاد کیسے ہوگی؟ اس کی کوئی بیوی بھی نہیں وہ ہر چیز کا خالق اور ہر چیز کا عالم ہے۔

تم رحمٰن کی اولاد بتاتے ہو یہ کتنی بے ہودہ اور لغویات تم کہتے ہو یہ اتنی بری بات زبان سے نکالتے ہو کہ اس سے آسمانوں کا پھٹ جانا اور زمین کا شق ہو جانا اور پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہو جانا ممکن ہے تمہارا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اولاد تو کوئی ہو ہی نہیں سکتی اس کے سوا جو بھی ہے اس کی ملکیت ہے زمین و آسمان کی کل ہستیاں اس کی غلامی میں حاضر ہونے والی ہیں جنہیں ایک ایک کر کے اس نے گھیر رکھا ہے اور شمار کر رکھا ہے ان میں سے ہر ایک اس کے پاس قیامت کے دن تنہا تنہا پیش ہونے والا ہے پس غلام اولاد نہیں بن سکتا ملکیت اور ولدیت دو مختلف اور متضاد حیثیتیں ہیں اور سورہ اخلاص میں اس کی نفی فرمائی ارشاد ہوا ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ○ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ○﴾ ❶ ''کہہ دو کہ اللہ ایک ہی ہے اللہ بے نیاز ہے اس کی کوئی اولاد ہے نہ ماں باپ اس کا ہم جنس کوئی نہیں۔'' ان آیات اور ان جیسی اور آیات میں اس خالق کائنات نے اپنی تسبیح و تقدیس بیان کی اپنا بے نظیر بے مثل اور لاشریک ہونا ثابت کیا اور ان مشرکین کے اس گندے عقیدے کا بطلان کیا اور بتایا کہ وہ تو سب کا خالق و رب ہے پھر اس کی اولاد اور بیٹے بیٹیاں کہاں سے ہونگی؟

سورۂ بقرہ کی اس آیت کی تفسیر میں صحیح بخاری کی ایک حدیث قدسی میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے ابن آدم جھٹلاتا ہے اسے یہ لائق نہ تھا مجھے وہ گالیاں دیتا ہے اسے یہ نہیں چاہئے تھا۔ اس کا جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ خیال کر بیٹھتا ہے کہ میں اسے مار ڈالنے کے بعد

❶ ۱۱۲/ الاخلاص: ۱، ۴۔

پھر زندہ کرنے پر قادر نہیں ہوں اور اس کا گالیاں دینا یہ ہے کہ وہ میری اولاد بتاتا ہے' حالانکہ میں پاک ہوں اور بلند و بالا ہوں اس سے کہ میری اولاد اور بیوی ہو۔'' ❶ یہی حدیث دوسری سندوں سے اور کتابوں میں بھی باختلاف الفاظ مروی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''بری باتیں سن کر صبر کرنے میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی کامل نہیں' لوگ اس کی اولاد یں بتائیں اور وہ انہیں رزق و عافیت دیتا رہے۔ ❷ پھر فرمایا ہر چیز اس کی اطاعت گزار ہے اس کی غلامی کی اقراری ہے اس کے لئے اخلاص کرنے والی ہے' اس کی سرکار میں قیامت کے روز دست بستہ کھڑی ہونے والی اور دنیا میں عبادت گزار ہے' جس کو کہے یوں ہو' اس طرح بن! وہ اسی طرح ہو جاتی ہے اور بن جاتی ہے' اسی طرح ہر ایک اس کے سامنے پست و مطیع ہے' کفار بھی گو نہ چاہیں لیکن ان کے سائے اللہ کے سامنے جھکتے رہتے ہیں۔'' قرآن نے اور جگہ فرمایا ﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ﴾ ❸ ''آسمان و زمین کی کل چیزیں خوشی و ناخوشی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہیں' ان کے سینے صبح و شام جھکتے رہتے ہیں۔

ایک حدیث میں مروی ہے کہ جہاں کہیں قرآن میں قنوت کا لفظ ہے وہاں مراد اطاعت ہے ❹ لیکن اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں' ممکن ہے صحابی کا یا اور کسی کا کلام ہو' اس سند سے اور آیات کی تفسیر بھی مرفوعاً مروی ہے لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ یہ ضعیف ہے کوئی شخص اس سے دھوکے میں نہ پڑے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

پھر فرمایا وہ آسمان و زمین کو بغیر کسی سابقہ نقشے کے پہلی ہی بار کی پیدائش میں پیدا کرنے والا ہے۔ لغت میں بدعت کے معنی تو پیدا کرنے نیا بنانے کے ہیں۔ حدیث میں ہے ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ ❺ یہ تو ہوئی شرعی بدعت' کبھی بدعت کا اطلاق صرف لغتاً ہوتا ہے شرعاً مراد نہیں ہوتی۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز تراویح پر جمع کر کے پھر اسے اسی طرح جاری دیکھ کر فرمایا تھا اچھی بدعت ہے۔ ❻ بدیع' مبدع سے پھیرا گیا ہے جیسے مولم سے الیم اور مسمع سے سمیع معنی مبدع کے انشاء اور نو پید کرنے والے کے ہیں' بغیر مثال کے اور بغیر نمونے کے اور بغیر پہلی پیدائش کے پیدا کرنے والے۔ بدعتی کو اس لیے بدعتی کہا جاتا ہے کہ وہ بھی دین الٰہی میں وہ کام یا وہ طریقہ ایجاد کرتا ہے جو اس سے پہلے شریعت میں نہ ہو' اسی طرح کسی نئی بات کے پیدا کرنے والے کو عربی زبان میں مبتدع کہتے ہیں۔ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے وہ آسمان و زمین کی تمام چیزوں کا مالک ہے ہر چیز اس کی وحدانیت کی دلیل ہے ہر چیز اس کی اطاعت گزاری کی اقراری ہے' سب کا پیدا کرنیوالا' بنانے والا' موجود کرنے والا' بغیر اصل اور مثال کے انہیں وجود میں لانے والا ایک وہی رب العالمین ہے اس کی گواہی ہر چیز دیتی ہے' خود مسیح علیہ السلام بھی اس کے گواہ اور بیان کرنے والے ہیں۔ جس رب نے ان تمام چیزوں کو بغیر نمونے کے اور بغیر مادے اور اصل کے پیدا کیا' اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی بغیر باپ کے پیدا کر دیا۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ تم انہیں خواہ مخواہ اللہ کا بیٹا مان لو۔ پھر فرمایا کہ اس اللہ کی قدرت و سلطنت سطوت و شوکت ایسی ہے کہ جس چیز کو جس طرح کی بنانا اور پیدا کرنا چاہے اسے کہہ دیتا ہے کہ اس طرح اور ایسی ہو جا' وہ اسی وقت ہو جاتی ہے' جیسے =

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ﴿وقالوا اتخذ اللّٰه ولدا سبحانه﴾ ٤٤٨٢، ٤٩٧٤۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب الصبر فی الأذی، ٦٠٩٩؛ صحیح مسلم، ٢٨٠٤۔

❸ ١٣/ الرعد:١٥۔ ❹ أحمد، ٣/ ٧٥، ح ١١٧١١ وسنده ضعيف شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الضعيفة، ٤١٠٥) ❺ ابوداود، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ٤٦٠٧ وسنده صحیح ترمذی، ٢٦٧٦؛ ابن ماجة، ٤٢، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (صحیح الجامع، ١٣٥٣)

❻ صحیح بخاری، کتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان، ٢٠١٠۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿١١٨﴾

ترجمہ: اسی طرح بے علم لوگوں نے بھی کہا کہ خود اللہ ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتا' ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی' اسی طرح ایسی ہی بات ان کے اگلوں نے بھی کہی تھی ان کے اور ان کے دل یکساں ہو گئے' ہم نے تو یقین والوں کے لئے نشانیاں بیان کر دیں۔ [۱۱۸]

= فرمایا ﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ ❶ دوسری جگہ فرمایا ﴿اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ ❷ اور ارشاد ہوتا ہے ﴿وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ﴾ ❸ شاعر کہتا ہے

اِذَا مَا اَرَادَ اللّٰهُ اَمْرًا فَاِنَّمَا — يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ قَوْلَةً فَيَكُوْنُ

مطلب سب کا یہ ہے کہ ادھر اللہ کا ارادہ کسی چیز کا ہوا اور اس نے کہا ہو جا' وہیں وہ ہو گیا۔ اس کے ارادہ سے مراد جدا نہیں پس مندرجہ بالا آیت میں عیسائیوں کو نہایت لطیف پیرایے سے یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اسی کن کے کہنے سے پیدا ہوئے ہیں۔ دوسری جگہ صاف صاف فرمادیا ﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ ❹ یعنی ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام جیسی ہے' جنہیں مٹی سے پیدا کیا' پھر فرمایا ہو جا' وہ ہو گئے۔''

[آیت: ۱۱۸] رافع بن خُریملہ نے حضور ﷺ سے کہا تھا کہ اگر آپ (ﷺ) سچے ہیں تو اللہ تعالیٰ خود ہم سے کیوں نہیں کہتا؟ ہم خود بھی تو اس سے اس کا کلام سنیں' اس پر یہ آیت اتری۔ ❺ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ بات نصرانیوں نے کہی تھی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہی ٹھیک بھی معلوم ہوتا ہے' اس لئے کہ آیت انہیں کے بیان کے دوران میں ہے' لیکن یہ قول سوچنے کے قابل ہے۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے کہا تھا کہ آپ ﷺ کی نبوت کی اطلاع خود جناب باری تعالیٰ ہمیں کیوں نہیں دیتا؟ اور یہی بات ٹھیک ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ مفسرین کہتے ہیں یہ قول کفار عرب کا تھا اور پھر یہ جو فرمایا کہ اسی طرح بے علم لوگوں نے بھی کہا تھا' اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ ❻ قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ﴾ ❼ ''ان کے پاس جب کبھی کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں ہم اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک کہ وہ نہ دیئے جائیں' جو اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو دیا جاتا ہے۔'' اور جگہ فرمایا ﴿وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ﴾ ❽ یعنی ''انہوں نے کہا کہ ہم آپ ﷺ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپ ہمارے لئے ہماری ان زمینوں میں چشمے جاری نہ کر دیں۔ اور جگہ فرمایا ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا﴾ ❾ یعنی ''ہماری ملاقات کے منکر کہتے ہیں ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے؟ اللہ تعالیٰ ہمارے سامنے کیوں نہیں آتا؟'' الخ اور جگہ فرمایا ﴿بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ﴾ ❿ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ خود کوئی کتاب دیا جائے' وغیرہ وغیرہ۔

یہ آیات صاف بتاتی ہیں کہ مشرکین عرب نے حضور ﷺ سے صرف تکبر و عناد کی بنا پر ایسی ایسی چیزیں طلب کیں' اسی طرح یہ =

❶ ٣٦/ یٰس:٨٢۔ ❷ ١٦/ النحل:٤٠۔ ❸ ٥٤/ القمر:٥٠۔ ❹ ٣/ آل عمران:٥٩۔

❺ ابن ابی حاتم، ١/ ٣٥٢۔ ❻ ابن ابی حاتم، ١/ ٣٥٣۔ ❼ ٦/ الانعام:١٢٥۔

❽ ١٧/ الاسرآء:٩٠۔ ❾ ٢٥/ الفرقان:٢١۔ ❿ ٧٤/ المدثر:٥٣۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾

ترجمہ: ہم نے تجھے حق کے ساتھ خوشخبری دینے اور ڈراوا دینے والا بنا کر بھیجا ہے جہنمیوں کے بارے میں تجھ سے نہیں پوچھا جائے گا۔[۱۱۹]

= مطالبہ بھی انہی مشرکین کا تھا اور ان سے پہلے اہل کتاب نے بھی ایسے ہی فضول سوالات کئے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ﴾ ❶ الخ ''اہل کتاب تم سے چاہتے ہیں کہ تم ان پر کوئی آسمانی کتاب اتارو اور جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انہوں نے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا' ان سے تو کہا تھا کہ ہمیں اللہ کو آمنے سامنے دکھا۔'' اور جگہ فرمان ہے کہ جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں۔ پھر فرمایا کہ ان کے اور ان کے دل یکساں اور مشابہ ہو گئے یعنی ان مشرکین کے دل کفار جیسے ہو گئے اور جگہ فرمایا لوگوں نے بھی اپنے انبیا کو جادوگر اور دیوانہ کہا تھا انہوں نے بھی ان کی موافقت کی پھر فرمایا ہم نے یقین والوں کے لئے اپنی آیات بیان کر دیں جن سے رسول کی تصدیق عیاں ہے کسی اور چیز کی طلب کی حاجت باقی نہیں رہی یہی نشانیاں ایمان لانے کے لئے کافی ہیں' ہاں جن کے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہو انہیں کسی آیت سے کوئی فائدہ نہ ہوگا' جیسے فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ﴾ ❷ الخ ''جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے گو ان کے پاس تمام آیات آ جائیں جب تک کہ وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔''

آپ کا کام نصیحت کرنا ہے: [آیت:۱۱۹] حدیث میں ہے خوشخبری جنت کی اور ڈراوا جہنم سے۔ ﴿لَا تُسْـَٔلُ﴾ کی دوسری قراءت ﴿مَاتُسْـَٔلُ﴾ بھی ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ﴿لَنْ تُسْـَٔلَ﴾ بھی ہے یعنی تجھ سے کفار کی بابت سوال نہیں کیا جائے گا' جیسے فرمایا ﴿فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾ ❸ یعنی ''تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے حساب تو ہمارے ذمہ ہے۔'' اور فرمایا ﴿فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ○ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ○﴾ ❹ ''تو نصیحت کرتا رہ' تو صرف نصیحت کرنیوالا ہے ان پر داروغہ نہیں۔'' اور جگہ فرمایا ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ﴾ ❺ ''ہم ان کی باتیں بخوبی جانتے ہیں تم ان پر جبر کرنیوالے نہیں ہو تم قرآن کی نصیحتیں انہیں سنا دو جو قیامت سے ڈرتے ہوں۔'' اسی مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ ایک قراءت اسکی ﴿وَلَا تَسْـَٔلْ﴾ بھی ہے یعنی ان جہنمیوں کے بارے میں اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔

تفسیر عبدالرزاق میں ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کاش کہ میں اپنے ماں باپ کا حال جان لیتا' کاش کہ میں اپنے ماں باپ کا حال جان لیتا' کاش کہ میں اپنے ماں باپ کا حال جان لیتا'' اس پر یہ فرمان نازل ہوا۔ پھر آخری دم تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین کا ذکر نہ فرمایا۔ ❻ ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسے بروایت موسیٰ بن عبیدہ رحمہ اللہ وارد کیا ہے لیکن اس راوی پر کلام ہے۔ قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جہنمیوں کا حال اتنا بد اور برا ہے کہ تم کچھ نہ پوچھو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا تذکرہ: قرطبی رحمہ اللہ نے تذکرہ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین =

❶ ٤/ النسآء:١٥٣۔ ❷ ١٠/ یونس:٩٦۔ ❸ ١٣/ الرعد:٤٠۔ ❹ ٨٨/ الغاشیة:٢١، ٢٢۔

❺ ٥٠/ ق:٤٥۔ ❻ اخرجه عبدالرزاق فی تفسیره ١/ ٢٦؛ الطبری، ١٨٧٧، ١٨٧٨۔ یہ روایت مرسل (ضعیف) ہے اور اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدۃ الربذی ضعیف راوی ہے۔ (المیزان ٤/ ٢١٣، رقم: ٨٨٩٥)

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١٢٠﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٢١﴾

ترجمہ: تجھ سے یہود ونصاریٰ ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ تو ان کے مذہب کا تابع نہ بن جائے' تو کہہ دے کہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اور اگر تو نے باوجود اپنے پاس علم آ جانے کے پھر ان کی خواہش کی پیروی کی تو اللہ تعالیٰ کے پاس نہ تو تیرا کوئی ولی ہوگا اور نہ مدد گار' [۱۲۰] جنہیں ہم نے کتاب دی ہے اور وہ اسے پڑھنے کے حق کے ساتھ پڑھتے ہیں' وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں' اور جو اس کے ساتھ کفر کرے وہ نقصان والا ہے۔ [۱۲۱]

ع ۱۴

= زندہ کئے گئے اور ایمان لے آئے ❶ اور صحیح مسلم میں جو حدیث ہے جس میں '' آپ ﷺ نے کسی کے سوال پر فرمایا کہ میرا باپ اور تیرا باپ آگ میں ہیں'' اس کا جواب بھی وہاں ہے ❷ لیکن یاد رہے کہ آپ ﷺ کے ماں باپ کے زندہ ہونے کی روایت کتب صحاح ستہ وغیرہ میں نہیں اور اس کی اسناد ضعیف ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

ابن جریر کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک دن پوچھا کہ میرے ماں باپ کہاں ہیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ محال ہے کہ حضور ﷺ اپنے ماں باپ کے بارے میں شک کریں۔ پہلی ہی قرأت ٹھیک ہے لیکن ہمیں امام ہمام پر تعجب آتا ہے کہ انہوں نے اسے محال کیسے کہہ دیا؟

ممکن ہے یہ واقعہ اس وقت کا ہو جب آپ ﷺ اپنے ماں باپ کے لئے استغفار کرتے تھے اور انجام معلوم نہ تھا' پھر جب ان دونوں کی حالت معلوم ہوگئی تو آپ ﷺ اس سے ہٹ گئے اور بیزاری ظاہر فرمائی اور صاف بتا دیا کہ وہ دونوں جہنمی ہیں جیسے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہو چکا ہے۔ اسکی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی صفت وثنا توراۃ میں کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں اللہ کی قسم جو صفتیں آپ ﷺ کی قرآن میں ہیں وہی توراۃ میں بھی ہیں' توراۃ میں ہے کہ اے نبی! ہم نے تجھے گواہ اور خوشخبریاں دینے والا اور ڈرانے والا اور ان پڑھوں کا بچاؤ بنا کر بھیجا ہے تو میرا بندہ اور میرا رسول (ﷺ) ہے' میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے تو نہ بدزبان ہے' نہ سخت گو نہ بدخلق' نہ بازاروں میں شور غل کرنے والا ہے' نہ برائی کے بدلے برائی کرنے والا ہے۔ بلکہ معاف اور درگزر کرنے والے ہیں' اللہ تعالیٰ انہیں دنیا سے نہ اٹھائے گا جب تک کہ ٹیڑھے دین کو ان کی وجہ سے بالکل ٹھیک اور درست نہ کر دے اور لوگ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہ کر لیں اور ان کی اندھی آنکھیں کھل نہ جائیں اور ان کے بہرے کان سننے نہ لگ

❶ سورہ توبۃ، ۱۱۴ میں حافظ ابن کثیر نے فرمایا کہ اس کی سند میں مجاہیل ہیں۔ لہٰذا یہ روایت باطل ہے۔
❷ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان أن من مات علی الکفر...... ، ۲۰۳۔

جائیں اور ان کے زنگ آلود دل صاف نہ ہو جائیں۔ بخاری کی کتاب البیوع میں بھی یہ حدیث ہے اور کتاب التفسیر میں بھی۔ ❶ ابن مردویہ میں اس روایت کے بعد ہے' عطاء کہتے ہیں کہ میں نے پھر جا کر حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ سے یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔

[آیت:۱۲۰۔۱۲۱] آیت بالا کا مطلب یہ ہے کہ لوگ تجھ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے لہٰذا تو بھی انہیں چھوڑ اور رب کی رضا پر چل۔ انہیں دعوت رسالت پہنچادے دین حق وہی ہے جو اللہ نے تجھے دیا ہے تو اس پر قائم رہ۔ حدیث میں ہے میری امت کی ایک جماعت حق پر جم کر دوسروں کے مقابلہ میں رہے گی اور غلبہ کے ساتھ رہے گی یہاں تک کہ قیامت آئے۔ ❷ پھر اپنے نبی کو خطاب کر کے خبردار کیا کہ ہرگز ان کی رضامندی اور ان سے صلح جوئی کے لئے اپنے دین میں سست نہ ہونا' ان کی طرف نہ جھکنا' نہ ان کا کہا ماننا' فقہائے کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ کفر ایک ہی مذہب ہے خواہ وہ یہود ہوں نصرانی ہوں یا کوئی اور ہوں اس لئے کہ ملت کا لفظ یہاں مفرد ہی رکھا' جیسے اور جگہ ہے ﴿لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ﴾ ❸ ''تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے۔'' اس استدلال پر اس مسئلہ کی بنا ڈالی ہے کہ مسلمان اور کفار آپس میں وارث نہیں ہو سکتے اور کافر آپس میں ایک دوسروں کے وارث ہو سکتے ہیں گو وہ دونوں ایک ہی قسم کے کافر ہوں یا دو الگ الگ کفروں کے کافر ہوں۔ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کا یہی مذہب ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت میں یہی قول ہے۔ اور دوسری روایت میں امام احمد اور امام مالک رحمہما اللہ کا یہ قول مروی ہے کہ دو مختلف مذہب والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں' ایک صحیح حدیث میں بھی یہی مضمون ہے۔ ❹ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

تلاوت کا حق کیا ہے؟ پھر فرمایا کہ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ حق تلاوت ادا کرتے ہوئے پڑھتے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ اس سے مراد اصحاب رسول ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حق تلاوت یہ ہے کہ جنت کے ذکر کے وقت سوال جنت ہو اور جہنم کے ذکر کے وقت اس سے پناہ مانگی جائے۔ ❺ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حلال و حرام کو جاننا' کلمات کو ان کی جگہ رکھنا ہیر پھیر نہ کرنا وغیرہ یہی تلاوت کا حق ادا کرنا ہے۔ ❻ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں واضح آیات پر عمل کرنا' متشابہ آیات پر ایمان لانا' مشکلات کو علما کے سامنے پیش کرنا حق تلاوت کے ساتھ پڑھنا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا مطلب حق اتباع بجالانا بھی مروی ہے۔ پس تلاوت بمعنی اتباع ہے جیسے ﴿وَالْقَمَرِ اِذَا تَلَاهَا﴾ ❼ میں ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی اسکے یہی معنی مروی ہیں لیکن اس کے بعض راوی مجہول ہیں گو معنی ٹھیک ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قرآن کی اتباع کرنے والا جنت کے باغیچوں میں اترنے والا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تفسیر کے مطابق یہ بھی مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی رحمت کے ذکر کی آیت پڑھتے تو ٹھہر جاتے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت طلب کرتے اور جب کبھی کسی عذاب کی آیت تلاوت فرماتے تو رک کر اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب فرماتے۔ ❽ پھر فرمایا اس پر ایمان یہی لوگ رکھتے ہیں'==

❶ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب کراهیة السخب فی السوق، ۲۱۲۵؛ کتاب التفسیر، باب ﴿إنا أرسلناك شاهدًا ومبشرًا ونذيرًا﴾، ۴۸۳۸۔ ❷ صحیح مسلم، ۱۹۲۲ مزید دیکھئے صحیح الجامع الصغیر، ۷۲۸۹۔ ❸ ۱۰۹/ الکافرون:۶۔

❹ ابن ماجة، کتاب الفرائض، باب میراث أهل الاسلام من أهل الشرك، ۲۷۳۱۔ وهو صحيح وصححه ابن الجارود (۹۶۷) شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھئے (الإرواء، ۶/ ۱۷۰) ❺ القرطبی، ۲/ ۹۵۔ ❻ الطبری، ۲/ ۵۶۷۔

❼ ۹۱/ الشمس:۲۔ ❽ ابن ماجه، ۱۳۵۱ نحو المعنى وهو صحيح شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح الجامع، ۴۷۸۲ میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ حدیث کی اصل صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين، باب استحباب تطويل القراءة في صلاة الليل، ۱۸۱۴ میں موجود ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢٢﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـــًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا ھُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿١٢٣﴾

ترجمہ: اے اولاد یعقوب! میں نے جو نعمتیں تم پر انعام کی ہیں انہیں یاد کرو اور میں نے تو تمہیں تمام جہان پر فضیلت دے رکھی ہے۔[۱۲۲] اس دن سے ڈرو جس دن کوئی نفس کسی نفس کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے گا نہ کسی شخص سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا نہ اسے کوئی شفاعت نفع دے گی نہ انکی مدد کی جائے گی۔[۱۲۳]

= یعنی جو اہل کتاب اپنی کتاب کو سوچ سمجھ کر تلاوت کرتے ہیں وہ قرآن پر ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے ہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿لَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرَاةَ﴾ ❶ اور فرمایا ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ط﴾ ❷ ''اگر یہ توراۃ وانجیل پر اور اللہ کی انکی طرف نازل کردہ چیز پر قائم رہتے تو ان کے اوپر سے اور پیروں تلے سے انہیں کھانا ملتا'' الخ۔ فرمایا اے اہل کتاب! ''جب تک تم توراۃ اور انجیل کو اور جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اترا اس کا قائم نہ کرلو تب تک تم کسی چیز پر نہیں ہو'' ان کا قائم کرنا لازم ہے کہ اس میں جو ہے اسے سچا جانو اور اس میں حضور کا ذکر' آپ کی صفت' آپ کی تابعداری کا حکم' آپ ﷺ کی ہمرکابی کی رغبت سب کچھ موجود ہے۔

اور جگہ فرمایا جو لوگ نبی امی ﷺ کی تابعداری کرتے ہیں جس رسول کا ذکر اور تصدیق اپنی کتاب توراۃ وانجیل میں بھی وہ لکھا دیکھتے ہیں۔ اور جگہ فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ﴾ ❸ یعنی ''تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا ہے ان پر جب اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ منہ کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہمارے رب کا وعدہ بالکل سچا اور صحیح ہے۔'' اور جگہ ہے جنہیں ہم نے اس سے پہلے کتاب دی ہے وہ بھی اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان پر یہ پڑھی جاتی ہے تو اپنے ایمان کا اقرار کر کے کہتے ہیں کہ ہم تو پہلے ہی سے ماننے والوں میں ہیں۔ انہیں ان کے صبر کا دوہرا اجر دیا جائے گا' یہ لوگ برائی کو بھلائی سے ہٹاتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے دیتے رہتے ہیں۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ﴾ ❹ یعنی ''پڑھے لکھے اور ان پڑھ لوگوں سے کہہ دو کہ کیا تم اسلام قبول کرتے ہو؟ اگر مان لیں تو راہ پر ہیں اور اگر نہ مانیں تو تجھ پر تو صرف تبلیغ ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔'' اسی لئے یہاں فرمایا' اس کے ساتھ کفر کرنے والے خسارے والے ہیں' جیسے فرمایا ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ﴾ ❺ ''جو بھی اس کے ساتھ کفر کرے اس کے وعدے کی جگہ آگ ہے۔'' صحیح حدیث میں ہے ''اسکی قسم جسکے ہاتھ میں میری جان ہے اس امت میں سے جو بھی مجھے سنے خواہ یہودی ہو خواہ نصرانی ہو پھر مجھ پر ایمان نہ لائے تو وہ جہنم میں جائے گا۔'' ❻

خبردار: [آیت:۱۲۲۔۱۲۳] پہلے بھی تقریباً اس موضوع کی آیت گزر چکی ہے اور اس کی مفصل تفسیر بھی بیان ہو چکی ہے یہاں صرف =

❶ ۵/المآئدۃ:٦٦۔ ❷ ۵/ المآئدۃ:٦٨۔ ❸ ١٧/ الاسرآء:١٠٧۔ ❹ ٣/ ال عمران:٢٠۔
❺ ١١/ ھود:١٧۔ ❻ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا......، ١٥٣۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾

ترجمہ: جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے رب نے کئی کئی باتوں سے آزمایا اور انہوں نے سب کو پورا کر دیا‘ تو اللہ نے فرمایا کہ میں تمہیں لوگوں کا امام بنا دوں گا‘ عرض کرنے لگے میری اولاد کو؟ فرمایا میرا وعدہ ظالموں سے نہیں۔ [۱۲۴]

= تاکید کے طور پر ذکر کی گئی اور انہیں نبی امی ﷺ کی تابعداری کی رغبت دلائی گئی‘ جن کی صفتیں وہ اپنی کتابوں میں پاتے تھے‘ جن کا نام اور کام بھی اس میں لکھا ہوا تھا بلکہ آپ ﷺ کی امت کا ذکر بھی اس میں موجود ہے‘ پس انہیں اس کے چھپانے اور اللہ کی دوسری نعمتوں کو پوشیدہ کرنے سے ڈرایا جا رہا ہے اور دینی اور دنیوی نعمتوں کا ذکر کرنے کو کہا جا رہا ہے اور عرب میں جو نسلی طور پر بھی ان کے چچازاد بھائی ہیں اللہ کی جو نعمت آئی‘ ان میں سے خاتم النبیین ﷺ کو اللہ نے مبعوث فرمایا ان سے حسد کر کے نبی کی مخالفت اور تکذیب پر آمادہ نہ ہونے کی ہدایت ہو رہی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش اور ان کا انعام: [آیت:۱۲۴] اس آیت میں خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بزرگی کا بیان ہو رہا ہے جو توحید میں دنیا کے امام ہیں جنہوں نے تکالیف پر صبر کر کے احکام الٰہی کی بجا آوری میں ثابت قدمی اور جواں مردی دکھائی۔ فرماتے ہیں اے نبی! تم ان مشرکین اور اہل کتاب کو جو ملت ابراہیمی کے دعوے دار ہیں ذرا ابراہیم علیہ السلام کی فرماں برداری اور اطاعت گزاری کے واقعات تو سناؤ تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ دین حنیف پر‘ اسوۂ ابراہیمی پر کون قائم ہے؟ وہ تو آپ اور آپ کے اصحاب ہیں۔ اور جگہ قرآن کریم کا ارشاد ہے ﴿وَاِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤی﴾ ❶ ”ابراہیم علیہ السلام وہ ہیں جنہوں نے پوری طرح وفاداری دکھائی۔“ اور جگہ فرمایا ﴿اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ﴾ ❷ ”ابراہیم علیہ السلام لوگوں کے پیشوا اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار مخلص اور نعمت کے شکر گزار تھے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے پسند فرما کر راہ راست پر لگا دیا تھا جنہیں ہم نے دنیا میں بھی بھلائی دی تھی اور آخرت میں بھی صالح اور نیک کار بنایا تھا۔ پھر ہم نے تیری طرف اے نبی! وحی کی کہ تو بھی ابراہیم حنیف کی ملت کی پیروی کر جو مشرکین میں سے نہ تھے۔ اور جگہ ارشاد ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے‘ نہ نصرانی‘ اور نہ مشرک تھے۔ بلکہ خالص مسلمان تھے ان سے قربت اور نزدیکی والا وہ شخص ہے جو ان کی تعلیم کا تابع ہوا اور یہ نبی ابتلا اور ایمان والے‘ ان ایمان والوں کا دوست اللہ تعالیٰ خود ہے۔ ابتلا کے معنی امتحان اور آزمائش کے ہیں۔

کلمات سے کیا مراد تھے؟ کلمات سے مراد شریعت کا حکم اور ممانعت وغیرہ ہے‘ کلمات سے مراد کلمات تقدیریہ بھی ہوتی ہے‘ جیسے حضرت مریم علیہا السلام کی بابت ارشاد ہے ﴿صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا﴾ ❸ یعنی انہوں نے اپنے رب کے کلمات کی تصدیق کی اور اس کے لکھے ہوئے کی بھی‘ اور کلمات سے مراد کلمات شرعیہ بھی ہوتے ہیں ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾ ❹ یعنی ”اللہ تعالیٰ کے شرعی کلمات سچائی اور عدل کے ساتھ پورے ہوئے“ یہ کلمات یا تو سچی خبریں ہیں یا طلب عدل ہے۔ غرض ان کلمات کو پورا کرنے کی جزا میں انہیں امامت کا درجہ ملا۔ ان کلمات کی نسبت بہت سے اقوال ہیں مثلاً احکام حج‘ مونچھوں کو کم کرنا‘ کلی کرنا‘ ناک صاف کرنا‘ مسواک کرنا‘ سر کے بال منڈوانا یا رکھنا تو مانگ نکالنا‘ ناخن لینا‘ زیر ناف کے بال لینا‘ ختنہ کرانا‘ بغل کے بال لینا‘ پیشاب پاخانہ کے بعد استنجا کرنا‘ جمعہ کے دن غسل کرنا‘ طواف کرنا‘ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا‘ رمی جمار کرنا‘ طواف افاضہ کرنا۔

---

❶ ۵۳/ النجم:۳۷۔ ❷ ۱۶/ النحل:۱۲۰۔ ❸ ۶۶/ التحریم:۱۲۔ ❹ ۶/ الانعام:۱۱۵۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد پورا اسلام ہے۔ جس کے تیس حصے ہیں دس کا بیان سورۂ براءت میں ہے اَلتَّـآئِبُوْنَ سے مُؤْمِنِیْنَ تک یعنی توبہ کرنا' عبادت کرنا' حمد کرنا' اللہ کی راہ میں پھرنا' رکوع کرنا' سجدہ کرنا' بھلائی کا حکم دینا' برائی سے روکنا' اللہ تعالیٰ کی حدوں کی حفاظت کرنا' ایمان لانا' دس کا بیان سورہ مؤمنون کے شروع اور سورہ معارج میں ﴿قَدْ اَفْلَحَ﴾ سے ﴿یُحَافِظُوْنَ﴾ تک ہے یعنی نماز کو خشوع خضوع سے ادا کرنا' لغو اور فضول باتوں اور کاموں سے منہ پھیر لینا' زکوۃ دیتے رہا کرنا' شرمگاہ کی حفاظت کرنا' امانت داری کرنا' وعدہ وفائی کرنا' نماز پر ہیشگی اور حفاظت کرنا' قیامت کو سچا جاننا' عذابوں سے ڈرتے رہنا' سچی شہادت پر قائم رہنا' باقی اور دس کا بیان سورہ احزاب میں ﴿اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ سے ﴿عَظِیْمًا﴾ تک ہے یعنی اسلام لانا' ایمان رکھنا' قرآن پڑھنا' سچ بولنا' صبر کرنا' عاجزی کرنا' خیرات دینا' روزہ رکھنا' بدکاری سے بچنا' اللہ تعالیٰ کا ہر وقت بکثرت ذکر کرنا' ان تیس احکام کا جو عامل ہو وہ پورے اسلام کا پابند ہے' اور اللہ کے عذابوں سے بری ہے۔

کلمات ابراہیمی میں اپنی قوم سے علیحدگی کرنا' بادشاہ وقت سے نڈر ہو کر اسے بھی تبلیغ کرنا' پھر اللہ کی راہ میں جو مصیبت آئے اس پر صبر و سہار کرنا پھر وطن اور گھر بار کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں چھوڑ کر ہجرت کرنا' مہمانداری کرنا' جانی اور مالی مصیبت اللہ تعالیٰ کی راہ میں برداشت کرنا' یہاں تک کہ بچہ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنا اور وہ بھی اپنے ہی ہاتھ سے' یہ کل احکام خلیل الرحمٰن علیہ السلام بجالائے۔ سورج' چاند ستاروں سے بھی آپکی آزمائش ہوئی' امامت کے ساتھ' بیت اللہ بنانے کا حکم کے ساتھ' احکام حج کے ساتھ مقام ابراہیم کے ساتھ بیت اللہ کے رہنے والوں کی روزیوں کے ساتھ' حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے دین پر بھیجنے کے ساتھ بھی آزمائش ہوئی۔ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے خلیل! میں تمہیں آزماتا ہوں' دیکھتا ہوں تم کیا ہو؟ تو آپ نے فرمایا مجھے لوگوں کا امام بنادے' کعبہ کو لوگوں کے ثواب اور اجتماع کا مرکز بنادے یہاں کے لوگوں کو امن دے' ہمیں مسلمان فرمانبردار بنالے' ہماری اولاد میں اپنی اطاعت گزار ایک جماعت رکھ' یہاں کے لوگوں کو پھلوں کی روزیاں دے' یہ تمام باتیں اللہ عزوجل نے پوری کر دیں اور یہ سب نعمتیں آپ کو عطا ہوئیں' صرف ایک آرزو پوری نہ ہوئی' کہا تھا کہ میری اولاد کو بھی امامت ملے تو جواب ملا ظالموں کو میرا عہد نہیں پہنچتا۔'' کلمات سے مراد آیات بھی ہیں۔

مؤطا وغیرہ میں ہے کہ سب سے پہلے ختنہ کرانے والے سب سے پہلے مہمان نوازی کرنیوالے سب سے پہلے ناخن کٹوانے والے سب سے پہلے مونچھیں ہلکی کرنے والے سب سے پہلے سفید بال دیکھنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی ہیں۔ سفید بال دیکھ کر پوچھا کہ اے اللہ! یہ کیا ہے؟ جواب ملا وقار و عزت ہے۔ کہنے لگے پھر تو اے اللہ! اسے اور زیادہ کر۔ ❶ سب سے پہلے منبر پر خطبہ دینے والے' سب سے پہلے قاصد بھیجنے والے' سب سے پہلے تلوار چلانے والے' سب سے پہلے مسواک کرنیوالے' سب سے پہلے پانی کے ساتھ استنجا کرنے والے' سب سے پہلے پائجامہ پہننے والے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں۔ ایک غیر ثابت حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر میں منبر بناؤں تو میرے باپ ابراہیم نے بھی بنایا تھا اور اگر لکڑی ہاتھ میں رکھوں تو یہ بھی میرے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔'' ❷ مختلف صحابہ و تابعین وغیرہ سے کلمات کی تفسیر میں جو کچھ انہوں نے کہا تھا ہم نے نقل کر دیا اور ٹھیک بھی یہی ہے کہ یہ سب باتیں ان کلمات میں تھیں' کسی خاص تخصیص کی کوئی قوی وجہ ہمیں نہیں ملی۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''دس باتیں فطرت کی اور اصل دین کی ہیں' مونچھیں کم کرنا' داڑھی بڑھانا' مسواک کرنا۔ ناک میں پانی دینا' ناخن لینا' پوریاں دھونی' بغل کے بال لینا' زیرناف کے بال لینا' استنجا کرنا۔'' راوی کہتا ہے میں دسویں بات =

❶ المؤطا ۲/ ۹۲۲، ح ۱۷۷۵ عن سعید بن المسیب وسندہ صحیح، نیز دیکھئے (السلسلة الصحیحة، ۷۲۵)

❷ البزار، ۶۳۳ وسندہ ضعیف جداً منکر شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے منکر قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الضعیفة، ۱۶۸۰)

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ

ترجمہ: ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے ثواب کی اور امن و امان کی جگہ بنائی۔ تم مقام ابراہیم کو قبلہ مقرر کرلو۔

= بھول گیا۔ شاید کلی کرنا تھی ❶ بخاری و مسلم میں ہے' حضور ﷺ فرماتے ہیں' 'پانچ باتیں فطرت کی ہیں' ختنہ کرنا' موئے (بال) زہار لینا' مونچھیں کم کرانا' ناخن لینا' ❷ بغل کے بال لینا۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وفا کرنے والا اس لئے فرمایا ہے کہ وہ ہر صبح کے وقت پڑھتے تھے ❸ ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ٥ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ٥ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ٥﴾ ❹ ایک روایت میں ہے کہ ہر دن چار رکعتیں پڑھتے تھے' ❺ لیکن یہ دونوں احادیث ضعیف ہیں اور ان میں کئی کئی راوی ضعیف ہیں اور ضعف کی بہت سی وجوہات ہیں بلکہ ان کی روایت ضعف کا ذکر کئے بغیر بیان کرنی جائز نہیں' متن بھی ضعف پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی امامت کی خوشخبری سن کر اپنی اولاد کے لئے بھی یہی دعا کرتے ہیں جو قبول تو کی جاتی ہے لیکن ساتھ ہی خبر دی جاتی ہے کہ آپ کی اولاد میں ظالم بھی ہونگے جنہیں اللہ تعالیٰ کا عہد نہ پہنچے گا وہ امام نہ بنائے جائیں گے نہ انکی اقتدا اور پیروی کی جائیگی۔ سورۂ عنکبوت کی آیت اس مطلب کو اور واضح کر دیتی ہے کہ خلیل اللہ کی یہ دعا بھی قبول ہوئی وہاں ہے ﴿وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾ ❻ یعنی' 'ہم نے انکی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی۔'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے انبیا اور رسول آئے وہ سب آپ ہی کی اولاد میں سے تھے اور جتنی کتابیں نازل ہوئیں سب آپ ہی کی اولادوں میں ہوئیں' صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ یہاں یہ بھی خبر دی گئی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ظلم کرنے والے بھی ہوں گے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ میں ظالم کو امام نہیں بناؤں گا۔ ظالم سے مراد بعض نے مشرک بھی لیے ہے۔ عہد سے مراد امر ہے' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ظالم کو کسی چیز کا والی اور بڑا نہ بنانا چاہئے گو وہ اولاد ابراہیم میں سے ہو' حضرت خلیل علیہ السلام کی دعا ان کی نیک اولاد کے حق میں قبول ہوئی ہے۔ یہ بھی معنے کئے گئے ہیں کہ ظالم کا کوئی عہد نہیں کہ اسکی اطاعت کی جائے۔ اس کا عہد توڑ دیا جائے پورا نہ کیا جائے۔ اور یہ بھی مطلب ہے کہ قیامت کے دن اللہ کا وعدہ اس سے کچھ نہیں' دنیا میں تو خیر کھا پی رہا ہے اور عیش و عشرت کر رہا ہے۔ عہد سے مراد دین بھی ہے' یعنی تیری تمام اولاد دیندار نہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ٥﴾ ❼ یعنی' 'انکی اولاد میں بھلے بھی ہیں اور برے بھی۔'' اور اطاعت کے معنی بھی کئے گئے ہیں یعنی اطاعت صرف معروف اور بھلائی میں ہے۔ اور عہد کے معنی نبوت کے بھی آئے ہیں۔ ابن خویز منداد مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ظالم شخص نہ تو خلیفہ بن سکتا ہے نہ حاکم نہ مفتی نہ گواہ اور نہ راوی۔

بیت اللہ امن و امان کی جگہ: [آیت: ۱۲۵] ﴿مَثَابَةً﴾ سے مراد بار بار آنا' حج کر کے گو چلے جائیں لیکن سب کے دل میں لگن لگی رہتی

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، ۲٦۱؛ ابوداود، ۵۳؛ ترمذی، ۲۷۵۸؛ نسائی، ۵۰٤۳۔

❷ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب قص الشوارب، ۵۸۸۹؛ صحیح مسلم، ۲۵۷۔

❸ الطبری، ۱۹٤۰ وسنده ضعيف شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الضعيفة، ٤۰۲٦)

❹ ۳۰/ الروم: ۱۷، ۱۹۔ ❺ الطبری، ۱۹٤۱، وسنده ضعيف جداً شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے سخت ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الضعيفة، ۹/ ۲۹)

❻ ۲۹/ العنكبوت: ۲۷۔ ❼ ۳۷/ الصّٰفّٰت: ۱۱۳۔

ہے' ہر ہر جگہ سے لوگ بھاگے دوڑے اسکی طرف جوق در جوق چلے آ رہے ہیں' یہی جمع ہونے کی جگہ ہے' یہی امن کا مقام ہے۔ جس میں ہتھیار نہیں اٹھایا جاتا۔ جاہلیت کے زمانہ میں بھی اسکے آس پاس تو لوٹ مار ہوتی رہتی لیکن یہاں امن وامان رہتا ہے۔ کسی کو کوئی گالی بھی نہ دیتا' یہ جگہ ہمیشہ متبرک اور شریف رہی' نیک روحیں اس کی طرف مشتاق رہتی ہیں' گو ہر سال زیارت کریں لیکن تاہم خیال ادھر ہی رہتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا اثر ہے' آپ نے دعا مانگی تھی کہ ﴿فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ﴾ ❶ ''تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف جھکا دے'' یہاں باپ اور بھائی کے قاتل کو بھی کوئی دیکھتا تو خاموش ہو جاتا۔ سورہ مائدہ میں ہے ﴿قِيٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ ❷ یعنی ''یہ لوگوں کے قیام کا باعث ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اگر لوگ حج کرنا چھوڑ دیں تو آسمان زمین پر گرا دیا جائے۔ اس گھر کے شرف کو دیکھ کر پھر اسکے بانی اول حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے شرف کو خیال فرمائے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ﴾ ❸ ''ہم نے بیت اللہ کی جگہ ابراہیم کو دی (اور کہہ دیا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا'' اور جگہ ہے ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ﴾ ❹ اللہ کا پہلا گھر مکہ ہے جو برکت وہدایت والا' مقام ابراہیم والا' امن وامان والا' نشانیوں والا ہے۔''

مقام ابراہیم کا تذکرہ؟ مقام ابراہیم سے مراد کل حرم ہے' اور خاص مقام ابراہیم بھی ہے' اور پورا حج بھی ہے' مثلاً عرفات' مشعر الحرام منیٰ' رمی جمار' صفا مروہ کا طواف۔ مقام ابراہیم دراصل وہ پتھر ہے جسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی صاحبہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نہانے کیلئے ان کے پاؤں کے نیچے رکھا تھا ❺ لیکن حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ غلط ہے' دراصل یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ بناتے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی لمبی حدیث ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کر لیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقام ابراہیم کی طرف اشارہ کر کے کہا' کیا یہی ہمارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا مقام ہے؟ آپ نے فرمایا ''ہاں۔'' کہا پھر ہم اسے قبلہ کیوں نہ بنالیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے سوال پر تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ یہ حکم نازل ہوا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ فتح مکہ کے دن مقام ابراہیم کے پتھر کی طرف اشارہ کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہی ہے جسے قبلہ بنانے کا ہمیں حکم ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا ''ہاں یہی ہے۔'' ❻

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت: صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اپنے رب سے تین باتوں میں موافقت کی' جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھا وہی میری زبان سے نکلا۔ میں نے کہا حضور! کاش ہم مقام ابراہیم کو قبلہ بنالیتے تو حکم ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ ❼ نازل ہوا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! کاش آپ صلی اللہ علیہ وسلم امہات المؤمنین کو پردے کا حکم دیں' اس پر پردے کی آیت اتری۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں سے خفا ہیں تو میں نے جا کر ان سے کہا کہ اگر تم باز نہ آ ؤ گی تو اللہ تعالیٰ تم سے اچھی بیویاں تمہارے بدلے اپنے نبی کو دے گا' اس پر بھی فرمان باری نازل ہوا کہ ﴿عَسٰى رَبُّهٗٓ﴾ ❽ اس حدیث کی بہت سی اسناد ہیں اور بہت سی کتابوں میں مروی ہے۔ ایک روایت میں بدر کے قیدیوں کے بارے میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت مروی ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ ''ان سے فدیہ نہ لیا جائے بلکہ انہیں قتل کر دیا جائے۔'' اللہ تعالیٰ کو بھی یہی منظور تھا ❾ عبداللہ ==

❶ ١٤/ ابراهيم:٣٧۔ ❷ ٥/ المآئدة: ٩٧۔ ❸ ٢٢/ الحج:٢٦۔ ❹ ٣/ آل عمران:٩٦۔

❺ الطبری، ٣/ ٣٥۔ ❻ ابن أبی حاتم، ١/ ٣٧١؛ السنن الکبریٰ للنسائی، ١٠٩٩٨۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (صحیح نسائی، ٢٧٧٣) یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے۔ ❼ ٢/ البقرة:١٢٥۔

❽ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة البقرة، باب ﴿واتخذوا من مقام ابراهیم مصلی﴾ ٤٤٨٣، ٤٧٩٠؛ ترمذی، ٢٩٥٩۔

❾ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر رضی اللہ عنہ، ٢٣٩٩۔

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿١٢٥﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٢٦﴾ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٢٧﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٢٨﴾

ترجمہ: ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں اعتکاف کرنیوالوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کیلئے پاک صاف رکھو۔[۱۲۵] جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے پروردگار! تو اس جگہ کو امن والا شہر بنا اور یہاں کے باشندوں کو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں' پھلوں کی روزیاں دے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں کافروں کو بھی تھوڑا فائدہ دوں گا' پھر انہیں آگ کے عذاب کی طرف بے بس کردوں گا' اور یہ پہنچنے کی جگہ بری ہے۔[۱۲۶] ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کعبہ کی بنیادیں اور دیواریں اٹھائے جاتے تھے اور کہتے جا رہے تھے کہ ہمارے پروردگار تو ہم سے قبول فرما' تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔[۱۲۷] اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرماں بردار بنا لے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت اپنی اطاعت گزار رکھ اور ہمیں اپنی عبادتیں سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما' تو توبہ قبول فرمانے والا اور رحم و کرم کرنیوالا ہے۔[۱۲۸]

= بن ابی بن سلول منافق جب مر گیا اور حضور ﷺ اسکے جنازے کی نماز ادا کرنے کے لئے تیار ہوئے تو میں نے کہا تھا کہ کیا آپ اس منافق کافر کا جنازہ پڑھیں گے؟ آپ نے مجھے ڈانٹ دیا اس پر آیت ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ ❶ نازل ہوئی اور آپ کو ایسوں کے جنازے سے روک دیا گیا۔

ابن جریج کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پہلے طواف میں تین مرتبہ رمل کیا یعنی دُڑکی چال چلے اور چار چکر چل کر کئے۔ پھر مقام ابراہیم کے پیچھے آ کر دو رکعت نماز ادا کی اور یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ مقام ابراہیم کو آپ ﷺ نے اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کر لیا تھا۔ ❷ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی عمارت بنا رہے تھے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام آپ کو پتھر دیتے جاتے تھے اور کعبہ کی بنا کرتے جاتے تھے اور اس پتھر کو سرکاتے جاتے تھے جہاں دیوار اونچی کرنی ہوتی تھی وہاں لے جاتے تھے اسی طرح کعبہ کی دیواریں پوری کیں۔ اس کا پورا بیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اس پتھر پر آپ کے دونوں قدموں کے نشان ظاہر تھے' جو عرب کی جاہلیت کے زمانہ کے لوگوں نے بھی دیکھے تھے۔

❶ ۹/ التوبة: ۸٤۔ ❷ صحيح مسلم، كتاب الحج، باب حجة النبي ﷺ، ۱۲۱۸۔

ابو طالب نے اپنے مشہور قصیدہ میں کہا ہے۔

وَمَوْطِـــیءُ اِبْـرَاهِیْمَ فِـــی الصَّخْرِ رَطْبَةً   عَـلٰـی قَـدَمَیْــهِ حَـافِیًـا غَیْـرَ نَـاعِـلِ

یعنی اس پتھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں پیروں کے نشان تازہ بتازہ ہیں جن میں جوتے نہیں۔ بلکہ مسلمانوں نے بھی اسے دیکھا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مقام ابراہیم میں حضرت خلیل اللہ کے پیروں کی انگلیاں اور آپ کے تلوے کا نشان دیکھے تھے پھر لوگوں کے چھونے سے وہ نشان مٹ گئے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حکم اس کی جانب نماز ادا کرنے کا ہے تبرک کے طور پر چھونے اور ہاتھ لگانے کا نہیں' اس امت نے بھی اگلی امتوں کی طرح بلا حکم الٰہی بعض کام اپنے ذمہ لازم کر لئے جو نقصان دہ ہیں۔ وہ نشان لوگوں کے ہاتھ لگانے سے مٹ گئے۔ یہ مقام ابراہیم پہلے دیوار کعبہ سے متصل تھا کعبہ کے دروازے کی طرف حجر اسود کی جانب دروازے سے جانے والے کے دائیں جانب مستقل جگہ پر تھا جو آج بھی لوگوں کو معلوم ہے۔ خلیل اللہ نے یا تو اسے یہاں رکھوا دیا تھا یا بیت اللہ بناتے ہوئے آخری حصہ یہی بنایا ہوگا اور اسی جگہ وہ پتھر رکھا ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں اسے پیچھے ہٹا دیا۔ اس کے ثبوت میں بہت سی روایات ہیں۔ پھر ایک مرتبہ پانی کے بہاؤ میں یہ پتھر یہاں سے بھی ہٹ گیا تھا۔ خلیفہ ثانی نے اسے پھر اپنی جگہ رکھوا دیا۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے نہیں معلوم کہ جب یہ اصلی جگہ سے ہٹایا گیا اس سے پہلے دیوار کعبہ سے کتنی دور تھا' ایک روایت میں ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسکی جگہ سے ہٹا کر وہاں رکھا تھا جہاں اب ہے' لیکن یہ روایت مرسل ہے' ٹھیک بات یہی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے پیچھے رکھا' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

احکام بیت اللہ: [آیت:۱۲۵۔۱۲۸] یہاں عہد سے وہ حکم مراد ہے جس میں کہا گیا ہے پاک رکھنا گندی اور نجس اور بری چیزوں سے ❶ عہد کا تعدیہ "الی" سے ہو تو معنی ہم نے وحی کی اور پہلے سے کہہ دیا' کے ہیں پاک رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے بتوں سے بچانا' غیر اللہ کی عبادت وہاں نہ ہونے دینا' لغو کاموں' فضول بکواس' جھوٹی باتوں' شرک و کفر ہنسی مذاق سے اسے محفوظ رکھنا بھی شامل ہے۔ طائف کے ایک معنی تو طواف کرنے والوں کے ہیں' دوسرے معنی باہر سے آنے والوں کے ہیں اس تقدیر پر ﴿عَاكِفِيْنَ﴾ کے معنی مکہ کے باشندے ہوں گے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے کہا کہ امیر وقت سے کہنا چاہئے کہ لوگوں کو بیت اللہ میں سونے سے منع کریں کیونکہ ممکن ہے کسی وقت جنبی ہو جائیں ممکن ہے کبھی آپس میں فضول باتیں کریں' تو ہم نے سنا کہ انہیں نہ روکنا چاہئے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما انہیں بھی عَاكِفِيْنَ کہتے تھے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ مسجد نبوی میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سویا کرتے تھے وہ جوان اور کنوارے تھے۔ ❷ ﴿الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴾ سے مراد نمازی ہیں ❸ یہ پاک رکھنے کا حکم اس واسطے دیا گیا کہ اس وقت بھی بت پرستی رائج تھی' دوسرے اس لیے کہ یہ بزرگ اپنی نیتوں میں یہ بات رکھیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ ﴿وَاِذْ بَوَّاْنَا﴾ ❹ الخ اس آیت میں یہی حکم ہے کہ "میرے ساتھ شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو پاک صاف رکھنا۔" فقہا کا اس میں اختلاف ہے کہ بیت اللہ کی نماز افضل ہے یا طواف۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں باہر والوں کے لئے طواف افضل ہے اور جمہور کا قول ہے کہ ہر ایک کے لئے نماز افضل ہے' اسکی تفصیل کی جگہ تفسیر نہیں۔

❶ ابن أبی حاتم، ۱/ ۳۷۳۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب الصلاة، باب نوم الرجل فی المسجد، ٤٤٠؛ صحیح مسلم، ۲٤۷۹۔

❸ ابن أبی حاتم، ۱/ ۳۷٦۔ ❹ ۲۲/ الحج:۲٦۔

مقصد اس سے مشرکین کو تنبیہ اور تردید ہے کہ بیت اللہ تو خاص اللہ کی عبادت کے لئے بنایا گیا ہے اس میں اوروں کی عبادت کرنی اور خالص اللہ کے پجاریوں کو اس سے روکنا کس قدر صریح ناانصافی ہے اس لئے اور جگہ قرآن میں فرمایا کہ "ایسے ظالموں کو ہم دردناک عذاب چکھائیں گے۔" مشرکین کی اس کھلی تردید کے ساتھ ہی یہود و نصاریٰ کی بھی اس میں تردید ہوگئی کہ جب وہ ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی افضلیت بزرگی اور نبوت کے قائل ہیں جب وہ جانتے اور مانتے ہیں کہ یہ شریف گھر انہیں کے متبرک ہاتھوں کا بنا ہوا ہے جب وہ اسکے بھی قائل ہیں کہ یہ محض نماز و طواف و دعا اور عبادت رب کے لئے بنایا گیا ہے حج و عمرے اور اعتکاف وغیرہ کے لئے مخصوص کیا گیا ہے تو پھر باوجود ان نبیوں کی تابعداری کے دعویٰ کے کیوں حج و عمرے سے رکے ہوئے ہیں کیوں بیت اللہ میں حاضری نہیں دیتے۔ بلکہ خود موسیٰ علیہ السلام نے اس بیت اللہ کا حج کیا جیسا کہ حدیث میں صاف موجود ہے۔ ❶ اس آیت کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اور مساجد کو بھی پاک صاف رکھنا چاہئے۔ اور جگہ قرآن میں ہے ﴿فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ﴾ ❷ "اللہ تعالیٰ نے مساجد کو بلند کرنے کی اجازت دی ہے ان میں ان کا نام ذکر کیا جائے ان میں صبح شام اس کی تسبیح اسکے نیک بندے کرتے ہیں۔"

حدیث میں بھی ہے کہ مسجدیں جس کام کیلئے ہیں اسی کیلئے ہیں ❸ اور احادیث میں بہت ہی تاکید کے ساتھ مساجد کی پاکیزگی کا حکم آیا ہے (امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں ایک خاص رسالہ تصنیف فرمایا ہے) بعض لوگ تو کہتے ہیں سب سے پہلے کعبۃ اللہ فرشتوں نے بنایا تھا لیکن یہ سند غریب ہے بعض کہتے ہیں آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے بنایا تھا حرا طور سینا طور زیتا جبل لبنان اور جودی ان پانچ پہاڑوں سے بنایا تھا لیکن یہ بھی سند غریب ہے۔ ❹ بعض کہتے ہیں شیث علیہ السلام نے سب سے پہلے بنایا تھا لیکن یہ بھی اہل کتاب کی بات ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے "حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا میں مدینہ کو حرم کرتا ہوں اس کا شکار نہ کھیلا جائے یہاں کے درخت نہ کاٹے جائیں یہاں ہتھیار نہ اٹھائے جائیں۔" ❺ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ لوگ تازہ پھل لیکر خدمت نبوی میں حاضر ہوا کرتے تھے حضور ﷺ اسے لیکر دعا کرتے کہ "اے اللہ ہمارے پھلوں میں ہمارے شہر میں ہماری ناپ تول میں برکت دے اے اللہ! ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے تیرے خلیل اور تیرے رسول تھے میں بھی تیرا بندہ اور تیرا رسول ہوں انہوں نے تجھ سے مکہ کیلئے دعا کی تھی میں بھی تجھ سے مدینہ کیلئے دعا کرتا ہوں جیسے انہوں نے مکہ کیلئے کی تھی بلکہ ایسی ہی ایک اور بھی پھر آپ ﷺ کسی چھوٹے بچہ کو بلا کر وہ پھل اسے عطا فرما دیا کرتے تھے۔" ❻

مکہ مکرمہ کی حرمت: انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جاؤ اپنے بچوں میں سے کوئی بچہ میری خدمت کیلئے لے آؤ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مجھے لے چلے میں اب سفر و حضر میں حاضر خدمت رہنے لگا ایک مرتبہ آپ باہر سے آرہے تھے جب احد پہاڑ نظر آیا تو آپ نے فرمایا "یہ پہاڑ ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں" جب مدینہ نظر آیا تو فرمانے لگے یا اللہ! میں اسکے دو کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم مقرر کرتا ہوں جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا اے اللہ ان کے مد اور صاع میں

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللہ ﷺ، ۱۶۶۔ ❷ ۲۴/ النور:۳۶۔

❸ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النهی عن نشد الضالة فی المسجد......۵۶۹۔

❹ ثابت نہیں ہے۔ دیکھئے (ضعیف الترغیب والترهیب، ۶۹۵) ❺ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل المدینة، ۱۳۶۳۔

❻ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل المدینة، ۱۳۷۳؛ الترمذی، ۲۴۵۴؛ ابن ماجة، ۳۳۲۹۔

اور ناپ میں برکت دے ❶ ''دوسری روایت میں ہے۔ یا اللہ! جتنی برکت تو نے مکہ میں دی ہے اس سے دگنی برکت مدینہ میں دے۔ ❷ اور روایت میں ہے مدینہ میں قتل نہ کیا جائے اور چارے کے سوا یہاں کے درختوں کے پتے بھی نہ جھاڑے جائیں۔ ❸ اسی مضمون کی دوسری بھی بہت سی احادیث ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ میں بھی مثل مکہ کے حرم ہے۔

یہاں ان احادیث کے وارد کرنے سے ہماری غرض مکہ مکرمہ کی حرمت اور یہاں کا امن بیان کرنا ہے۔ بعض تو کہتے ہیں کہ یہ شروع سے حرم اور امن ہے' بعض کہتے ہیں خلیل اللہ علیہ السلام کے زمانہ سے' لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ والے دن فرمایا'' جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین پیدا کئے تب سے اس شہر کو حرمت و عزت والا بنایا ہے اب یہ قیامت تک حرمت و عزت والا ہی رہے گا۔ اس میں جنگ و قتال کسی کو حلال نہیں میرے لئے بھی صرف آج کے دن ہی ذرا سی دیر کے لئے حلال ہوا تھا اب وہ حرام ہی حرام ہے' سنو! اسکے کانٹے نہ کاٹے جائیں' اس کا شکار نہ بھگایا جائے' اس میں کسی کی گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے' ہاں جو اس کے مالک تک پہنچانا چاہے اس کے لئے اٹھانا جائز ہے' اس کی گھاس نہ کاٹی جائے'' دوسری روایت میں ہے کہ یہ حدیث آپ نے خطبہ کے دوران بیان فرمائی تھی' اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سوال پر آپ ﷺ نے اذخر نامی گھاس کے کاٹنے کی اجازت دی تھی۔ ❹

حضرت ابن شریح عدوی رضی اللہ عنہ نے عمرو بن سعید سے اس وقت کہا جبکہ وہ مکہ کی طرف لشکر بھیج رہا تھا کہ اے امیر سن! فتح مکہ والے دن صبح ہی صبح رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا جسے میرے کانوں نے سنا دل نے یاد رکھا اور میں نے آنکھوں سے حضور ﷺ کو اس وقت دیکھا آپ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ'' مکہ کو اللہ تعالیٰ نے حرم کیا ہے لوگوں نے نہیں کیا کسی ایماندار کو اس میں خون بہانا یا اس کا درخت کاٹنا حلال نہیں اگر کوئی میری اس لڑائی کو دلیل بنائے تو کہہ دینا کہ میرے لئے صرف آج ہی کے دن کی اس ساعت یہاں جہاد حلال تھا پھر اس شہر کی حرمت آ گئی ہے جیسے کل تھی' خبردار ہر حاضر غائب کو یہ پہنچا دے۔'' لیکن عمرو نے یہ حدیث سن کر صاف جواب دیا کہ میں تجھ سے زیادہ اس حدیث کو جانتا ہوں' حرم نافرمان کو اور خونی کو اور بربادی کرنے والے کو نہیں بچاتا۔ ❺

کوئی ان دونوں احادیث میں تعارض نہ سمجھے' تطبیق یوں ہے کہ مکہ روز اول سے حرمت والا تھا لیکن اس حرمت کی تبلیغ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے کی' جس طرح آنحضرت ﷺ نبی تو اس وقت سے تھے جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر گوندھ رکھا تھا بلکہ آپ اس وقت بھی خاتم النبیین ﷺ لکھے ہوئے تھے ❻ لیکن تاہم حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ ﷺ کی نبوت کی دعا کی کہ ﴿وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ﴾ ❼ الخ انہی میں سے ایک رسول ان میں بھیج'' جسے اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اور تقدیر کی لکھی ہوئی وہ بات ظاہر و واضح ہوئی۔ ایک حدیث میں ہے کہ لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ اپنی ابتدائے نبوت کا تو کچھ ذکر کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:'' میرے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی بشارت اور میری ماں کا خواب' وہ دیکھتی ہیں کہ ان میں سے گویا ایک نور نکلا جس نے شام کے محلات کو روشن کر دیا اور

❶ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب من غزا بصبیّ للخدمة، ۲۸۹۳؛ صحیح مسلم، ۱۳۶۵۔
❷ صحیح بخاری، کتاب فضائل المدینة، ۱۸۸۵؛ صحیح مسلم، ۱۳۶۹۔
❸ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب الترغیب فی سکنی المدینة......، ۱۳۷۴۔
❹ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الإذخر و الحشیش فی القبر، ۱۳۴۹؛ صحیح مسلم، ۱۳۵۳۔
❺ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب لیبلغ الشاهد الغائب، ۱۰۴؛ صحیح مسلم، ۱۳۵۴۔
❻ أحمد، ۴/ ۱۲۷ وسنده حسن۔ ❼ ۲/ البقرة:۱۲۹۔

وہ نظر آنے لگے۔“ ❶

اس بات کا بیان کہ آیا مکہ افضل ہے جیسا کہ جمہور کا قول ہے‘ یا مدینہ افضل ہے مکہ سے جیسے کہ امام مالک رحمہ اللہ اور ان کے تابعین کا مذہب ہے اسے دونوں طرف کے دلائل کے ساتھ عنقریب ہم بیان کریں گے‘ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ اس جگہ کو امن والا شہر بنا یعنی یہاں کے رہنے والوں کو نڈر اور بے خوف رکھ۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے جیسے کہ فرمایا ﴿وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا﴾ ❷ ”اس میں جو آیا وہ امن والا ہو گیا“ اور جگہ ارشاد ہے ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا﴾ ❸ الخ ”کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن والا بنایا لوگ اسکے پاس سے اچک لئے جاتے ہیں اور یہاں وہ پر امن رہتے ہیں۔“ اسی قسم کی اور آیات بھی ہیں اور اس مضمون کی بہت سی احادیث بھی اوپر گزر چکی ہیں کہ مکہ مکرمہ میں قتال حرام ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کسی کو حلال نہیں کہ مکہ میں ہتھیار اٹھائے (صحیح مسلم)۔ ❹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا حرمت کعبۃ اللہ کی بنا سے پہلے تھی اس لئے کہا کہ ”اے اللہ! اس جگہ کو امن والا شہر بنا۔“ سورۂ ابراہیم میں یہی دعا ان لفظوں میں ہے ﴿رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا﴾ ❺ شاید یہ دعا دوبارہ کی تھی‘ جب بیت اللہ تیار ہو گیا اور شہر بس گیا اور حضرت اسحاق علیہ السلام جو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے تیرہ سال چھوٹے تھے تولد ہو چکے‘ اسی لئے اس دعا کے آخر میں انکی پیدائش کا شکریہ بھی ادا کیا۔

کافروں کے لئے صرف دنیاوی فائدہ ہے: ﴿وَمَنْ كَفَرَ﴾ سے آخر تک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے‘ بعض نے اسے بھی دعا میں داخل کیا ہے‘ تو اس تقدیر پر مطلب یہ ہو گا کہ کفار کو بھی تھوڑا سا فائدہ دے پھر انہیں عذاب کی طرف بے بس کر‘ اس میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلت ظاہر ہوتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کے بھی مخالف ہیں‘ اور اسے کلام اللہ ماننے پر یہ مطلب ہو گا کہ چونکہ امامت کا سوال جب اپنی اولاد کے لئے کیا اور ظالموں کی محرومی کا اعلان سن چکے اور معلوم ہو گیا کہ آپ کے پیچھے آنے والوں میں بھی اللہ کے نافرماں ہوں گے تو اب مارے ڈر کے ادب کے ساتھ بعد میں آنے والوں کی روزی کی طلب بھی صرف ایمان دار اولاد کے لئے کی‘ تو ارشاد باری ہوا کہ دنیاوی فائدہ تو کفار کو بھی میں دیتا ہوں۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ﴾ ❻ الخ یعنی ”ہم انہیں اور ان کو فائدہ دیں گے‘ تیرے رب کی عطاء رکی ہوئی محدود نہیں۔“ اور جگہ ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے دنیا کا کچھ فائدہ گو اٹھا لیں لیکن ہماری طرف آ کر اپنے کفر کے بدلے سخت عذاب چکھیں گے۔ اور جگہ ہے کافروں کا کفر تجھے غمگین نہ کرے ہماری طرف یہ لوٹیں گے اور ان کے اعمال پر ہم انہیں تنبیہ کریں گے اللہ تعالیٰ سینوں کی چھپی باتوں کو بخوبی جانتا ہے‘ ہم انہیں تھوڑا سا فائدہ پہنچا کر سخت عذاب کی طرف بیقرار کریں گے۔ اور جگہ ہے ﴿لَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ﴾ ❼ الخ ”اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ ایک ہی امت ہو جائیں تو ہم کافروں کو چھتیں اور سیڑھیاں چاندی کی بنا دیتے اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت جن پر تکیے لگائے بیٹھے رہے اور سونا بھی دیتے‘ لیکن یہ سب دنیاوی فوائد ہیں آخرت کا بھلا گھر تو صرف پرہیزگاروں کے لئے ہے۔“

یہی اس آیت میں بھی ہے کہ ان کا انجام برا ہے‘ یہاں عیش کر لیں پھر وہاں سخت پکڑ ہو گی‘ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ﴾ ❽

---

❶ أحمد، ٤/ ١٢٧، ١٢٨، وسنده حسن شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الصحيحة، ٤/ ٦٢)

❷ ٣/ آل عمران:٩٧۔ ❸ ٢٩/ العنكبوت:٦٧۔ ❹ صحيح مسلم، كتاب الحج، باب النهى عن حمل السلاح بمكة...... ١٣٥٦۔ ❺ ١٤/ ابراهيم:٣٥۔ ❻ ١٧/ الاسرآء:٢٠۔ ❼ ٤٣/ الزخرف:٣٣۔ ❽ ٢٢/ الحج:٤٨۔

الخ ''بہت سی ظالم بستیوں کو ہم نے مہلت دی پھر پکڑ لیا' انجام کو تو ہمارے ہی پاس لوٹنا ہے۔'' بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ ''گندی باتوں کو سن کر صبر کرنے میں اللہ سے بڑھ کر کوئی نہیں' لوگ اس کی اولاد بتاتے ہیں لیکن تاہم وہ انہیں رزق و عافیت دے رہا ہے۔'' ❶ اور حدیث میں ہے ''اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے پھر انہیں اچانک پکڑ لیتا ہے۔'' ❷ پھر حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ﴾ ❸ الخ اس جملہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں شامل کرنا شاذ قراءت کی بنا پر ہے جو سات قراء کی قراءت کے خلاف ہے' اور ترکیب سیاق و سباق بظاہر اس کا انکار کرتی ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ اس لئے کہ ﴿قَالَ﴾ کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور اس شاذ قراءت کی بنا پر اس کے فاعل اور قائل بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی ہوتے ہیں جو نظم کلام سے بظاہر مخالف ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

قواعد جمع ہے قَاعِدَةٌ کی ترجمہ اس کا پایہ اور نیو ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے نبی ﷺ اپنی امت کو بناء ابراہیمی کی خبر دو ایک قراءت میں وَاِسْمٰعِيْلُ کے بعد وَيَقُوْلَانِ بھی ہے اسی کی دلالت میں آگے لفظ مُسْلِمَيْنِ بھی ہے ❹ دونوں نبی نیک کام میں مشغول ہیں اور قبول نہ ہونے کا کھٹکا ہے تو اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرتے ہیں۔ حضرت وہیب رحمہ اللہ جب اس آیت کی تلاوت کرتے ہیں تو بہت روتے اور فرماتے آہ خلیل الرحمٰن جیسے اللہ کے مقبول پیغمبر الٰہی کا کام اللہ کے حکم سے کرتے ہیں' اس کا گھر اسکے فرمان سے بناتے ہیں اور پھر خطرہ ہے کہ کہیں یہ قبولیت سے گر نہ جائے' سچ ہے مخلص مؤمنوں کا یہی حال ہے ﴿يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ﴾ ❺ ''وہ نیک کام کرتے ہیں' صدقے خیرات کرتے ہیں لیکن پھر بھی خوف الٰہی سے کانپتے رہتے ہیں'' (کہ ایسا نہ ہو قبول نہ ہوں)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوال پر اس آیت کا یہی مطلب زبان رسالت مآب ﷺ سے بیان ہوا ہے۔ ❻ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ بنیادیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اٹھاتے تھے اور دعا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کرتے تھے لیکن صحیح یہی ہے کہ دونوں ہر ایک کام میں شریک تھے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت اور بعض اور آثار بھی اس واقعہ کے متعلق یہاں ذکر کئے جانے کے قابل ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کمر بند باندھنا عورتوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ محترمہ سے سیکھا ہے' انہوں نے اسے باندھا تھا کہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو ان کا نقش قدم نہ ملے۔ انہیں اور ان کے جگر کے ٹکڑے اپنے اکلوتے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نکلے جب کہ یہ پیارا بچہ دودھ پیتا تھا۔

اب جہاں پر بیت اللہ بنا ہوا ہے یہاں ایک ٹیلہ تھا اور سنسان بیابان پڑا ہوا تھا کوئی رہنے سہنے والا وہاں نہ تھا' یہاں لا کر ماں بیٹے کو بٹھا کر پاس تھوڑی سی کھجوریں اور ایک مشکیزہ پانی کا رکھ کر آپ چلے گئے۔ جب خلیل اللہ واپس جانے کے لئے پلٹے تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا آوازیں دینے لگیں کہ اے خلیل اللہ! ہمیں اس دہشت و وحشت والے بیابان میں اکیلا و تنہا چھوڑ کر جہاں ہمارا کوئی مونس و ہمدم نہیں آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ اس طرف توجہ تک نہ کی' پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بار بار کہنے پر بھی جب آپ علیہ السلام نے التفات نہ فرمایا تو آپ فرمانے لگیں اللہ کے خلیل! آپ ہمیں کسے

❶ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب الصبر فی الأذی، ٦٠٩٩؛ صحیح مسلم، ٢٨٠٤۔

❷ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة هود، باب قوله تعالیٰ ﴿وكذلك أخذ ربك......﴾ ٤٦٨٦؛ صحیح مسلم، ٢٥٨٣۔

❸ ١١/ هود:١٠٢۔ ❹ القرطبی، ٢/ ١٢٦۔ ❺ ٢٣/ المؤمنون:٦٠۔

❻ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة المؤمنون، ٣١٧٥؛ ابن ماجة، ٤١٩٨۔ وهو حسن۔

سونپ چلے؟ آپ نے کہا اللہ تعالیٰ کو۔ کہا اے خلیل اللہ! کیا اللہ تعالیٰ کا آپ کو یہ حکم ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں مجھے اللہ کا یہی حکم ہے۔ یہ سن کر مائی صاحبہ کو تسکین ہو گئی اور فرمانے لگیں، پھر تشریف لے جائیے وہ اللہ ہمیں ہرگز ضائع نہ کرے گا اسی کا بھروسہ اور اسی کا سہارا ہے۔ حضرت ہاجرہ لوٹ گئیں اور اپنے کلیجہ کی ٹھنڈک، اپنی آنکھوں کے نور، ابن نبی اللہ کو گود میں لے کر اس سنسان بیابان میں اس ہو کے عالم میں لاچار اور مجبور ہو کر بیٹھ رہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب ثنیہ کے پاس پہنچے اور یہ معلوم کر لیا کہ اب حضرت ہاجرہ پیچھے نہیں ہیں اور یہاں تک ان کی نگاہ کام بھی نہیں کر سکتی تو بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور کہا ﴿ رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ﴾ 1 الخ "یا اللہ! میں نے اپنے بال بچوں کو ایک غیر آباد جنگل میں تیرے برگزیدہ گھر کے پاس چھوڑا ہے تاکہ وہ نماز قائم کریں۔ تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف جھکا دے اور انہیں پھلوں کی روزیاں دے، شاید وہ شکر گزاری کریں، آپ تو یہ دعا کر کے اللہ تعالیٰ کا حکم مان کر، اپنی بیوی اور بچے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے چل دیئے۔"

ادھر مائی صاحبہ صبر و شکر کے ساتھ بچے سے دل بہلانے لگیں، وہ تھوڑی سی کھجوریں اور ذرا سا پانی ختم ہو گیا اب نہ کھانے کو کچھ ہے اور نہ پینے کو پانی کا ایک قطرہ خود بھی بھوکی پیاسی ہیں اور بچہ بھی بھوک پیاس سے بیتاب ہے یہاں تک کہ اس معصوم نبی زادے کا پھول سا چہرہ کملانے لگا اور وہ تڑپنے اور بلکنے لگا۔ ماما بھری ماں کبھی اپنی تنہائی اور بے کسی کا خیال کرتی ہے، کبھی اپنے ننھے سے اکلوتے بچے کا یہ حال دیکھتی ہے اور سہمی جاتی ہے، معلوم ہے کہ کسی انسان کا گزر اس بھیانک جنگل میں نہیں، میلوں تک آبادی کا نام و نشان نہیں، کھانا تو کہاں؟ پانی کا ایک قطرہ بھی میسر نہیں آ سکتا۔

صفا اور مروہ کی سعی کی ابتدا: آخر اس ننھی سی جان کا یہ ابتر حال دیکھا نہ جاتا تو اٹھ کر چلی جاتی ہیں اور صفا پہاڑ جو پاس ہی تھا اس پر چڑھ جاتی ہیں اور میدان کی طرف نظریں دوڑاتی ہیں کہ کوئی آتا جاتا نظر آ جائے، لیکن نگاہیں مایوسی کے ساتھ چاروں طرف سے واپس آتی ہیں، تو اتر کر وادی میں پہنچ کر دامن اٹھا کر دوڑتی ہوئی مروہ پہاڑ کی طرف جاتی ہیں، اس پر چڑھ کر نگاہیں چاروں طرف ڈالتی ہیں اور کسی کو بھی نہ دیکھ کر پھر وہاں سے اتر آتی ہیں اور اسی طرح ان دونوں پہاڑیوں کا درمیانی تھوڑا سا حصہ دوڑ کر باقی حصہ جلدی جلدی طے کر کے پھر صفا پر چڑھتی ہیں اسی طرح سات مرتبہ کرتی ہیں ہر چکر کے بعد آ کر بچہ کو دیکھ جاتی ہیں کہ اس کی حالت لحہ بہ لحہ بگڑتی جا رہی ہے۔ (رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں "صفا و مروہ کی سعی جو حاجی کرتے ہیں اس کی ابتدا یہی ہے۔") ساتویں مرتبہ جو مائی صاحبہ مروہ پر آتی ہیں تو کچھ آواز کانوں میں پڑتی ہے تو آپ خاموش ہو کر احتیاط سے اس کی طرف متوجہ ہوتی ہیں کہ یہ آواز کیسی؟ آواز پھر آتی ہے اور اب کی مرتبہ صاف سنائی دیتی ہے تو آپ آواز کی طرف لپک کر آتی ہیں اور (اب جہاں زمزم ہے) وہاں حضرت جبرائیل علیہ السلام کو پاتی ہیں۔

زم زم کا کنواں: حضرت جبرائیل علیہ السلام پوچھتے ہیں کہ تم کون ہو؟ آپ جواب دیتی ہیں کہ میں ہاجرہ ہوں، میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لڑکے کی ماں ہوں۔ جبرائیل علیہ السلام نے پوچھا (ابراہیم) تمہیں اس سنسان بیابان میں کسے سونپ گئے ہیں؟ آپ فرماتیں ہیں اللہ کو۔ فرمایا پھر تو وہ کافی ہے۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے غیبی شخص! آواز تو میں نے سن لی کیا کچھ میرا کام بھی نکلے گا؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنی ایڑی زمین پر رگڑی، وہیں زمین میں سے ایک چشمہ پانی کا ابلنے لگا۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے ہاتھوں سے اس پانی کو مشک میں بھرنا شروع کیا، مشک پر کر کے پھر اس خیال سے کہ پانی ادھر ادھر بہہ کر نکل نہ جائے آس پاس باڑ باندھنی شروع کر

1 ۱٤/ ابراھیم:۳۷۔

دی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ ام اسماعیل علیہا السلام پر رحم کرے اگر وہ اس طرح پانی کو نہ روکتیں تو زمزم کنویں کی شکل میں نہ ہوتا بلکہ وہ ایک جاری نہر کی صورت میں ہوتا۔ اب حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے پانی پیا اور بچے کو بھی پلایا اور دودھ پلانے لگیں۔ فرشتے نے کہا کہ تم بے فکر رہو اللہ تمہیں ضائع نہ کرے گا' جہاں تم بیٹھی ہو یہاں اللہ کا ایک گھر اس بچے اور اس کے باپ کے ہاتھوں بنے گا۔

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اب یہیں رہائش اختیار کر لی' زمزم کا پانی پیتیں اور بچہ سے دل بہلاتیں' بارش کے موسم میں پانی کے سیلاب چاروں طرف سے آتے لیکن یہ جگہ ذرا اونچی تھی ادھر ادھر سے پانی گزر جاتا اور یہاں امن رہتا۔ کچھ مدت کے بعد جرہم کا قبیلہ کداء کے راستہ کی طرف سے اتفاقاً گزرا اور مکہ مکرمہ کے نیچے کے حصہ میں پڑاؤ کیا' ان کی نظریں ایک آبی پرندہ پر پڑیں' آپس میں کہنے لگے یہ پرندہ تو پانی کا ہے' اور یہاں پانی کبھی نہ تھا' ہماری آمدورفت یہاں سے کئی مرتبہ ہوئی' یہ تو خشک جنگل اور چٹیل میدان ہے' یہاں پانی کہاں؟ چنانچہ انہوں نے اپنے آدمی حقیقت معلوم کرنے کے لئے بھیجے' انہوں نے واپس آ کر خبر دی کہ وہاں تو بہترین اور بہت سا پانی ہے' اب وہ سب آئے اور حضرت ام اسماعیل سے عرض کرنے لگے کہ مائی صاحبہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم بھی یہاں ٹھہر جائیں' پانی کی جگہ ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں شوق سے رہو لیکن پانی پر قبضہ میرا ہی رہے گا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا تو چاہتی ہی تھیں کہ کوئی ہم جنس مل جائے'' چنانچہ اس قافلہ نے یہیں پڑاؤ کر لیا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا پہلا نکاح: حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی بڑے ہو گئے ان سب کو آپ سے بڑی ہی محبت ہو گئی۔ یہاں تک کہ جب آپ بالغ ہوئے تو انہی میں نکاح بھی کیا' اور انہیں سے عربی زبان بھی سیکھی' حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا انتقال یہیں ہوا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملی' تو آپ اپنے لخت جگر کی ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ کا یہ آنا جانا براق پر ہوتا تھا۔ ملک شام سے آتے تھے اور پھر واپس چلے جاتے تھے۔ یہاں تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام گھر پر نہ ملے' اپنی بہو سے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟ تو جواب ملا کہ کھانے پینے کی تلاش میں یعنی شکار کو گئے ہیں۔ آپ نے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ کہا برا حال ہے؟ بڑی تنگی اور سختی ہے' فرمایا اچھا جب تمہارا خاوند آئے انہیں سلام کہنا اور کہہ دینا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل ڈالیں۔

حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام واپس آئے تو گویا آپ کو کچھ انس سا معلوم ہوا۔ پوچھا کیا کوئی صاحب تشریف لائے تھے؟ بیوی نے کہاں ہاں ایسی ایسی شکل و شباہت کے ایک عمر رسیدہ بزرگ آئے تھے' آپ کی نسبت پوچھا' میں نے کہا وہ شکار کی تلاش میں باہر گئے ہیں' پھر پوچھا کہ گزران کیسی چلتی ہے؟ میں نے کہا بڑی سختی اور تنگی سے گزر اوقات ہوتی ہے۔ پوچھا کچھ مجھ سے کہنے کو بھی فرما گئے ہیں؟ بیوی نے کہا ہاں کہہ گئے ہیں کہ جب وہ آئیں میرا سلام کہنا' اور کہہ دینا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل ڈالیں' آپ فرمانے لگے بیوی سنو! یہ میرے والد صاحب تھے اور جو فرما گئے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تم کو الگ کر دوں' (چونکہ تم نے ناشکری کی) جاؤ میں نے طلاق دی۔ انہیں طلاق دے کر آپ نے اسی قبیلہ میں اپنا دوسرا نکاح کر لیا۔

ایک مدت کے بعد پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام باجازت الٰہی یہاں آئے اس مرتبہ بھی اتفاقاً حضرت ذبیح سے ملاقات نہ ہوئی' بہو سے پوچھا تو جواب ملا کہ ہمارے لئے روزی کی تلاش میں شکار کو گئے ہیں' آپ آیئے تشریف رکھیے جو کچھ حاضر ہے وہ تناول فرمایئے' آپ نے فرمایا یہ تو بتاؤ گزر بسر کیسی ہوتی ہے؟ کیا حال ہے؟ جواب ملا کہ الحمدللہ ہم خیریت سے ہیں اور بفضل اللہ کشادگی اور راحت ہے' اللہ کا بڑا شکر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تمہاری خوراک کیا ہے؟ کہا گوشت۔ پوچھا تم پیتے کیا ہو؟ جواب ملا پانی۔ آپ

نے دعا کی کہ پروردگار انہیں گوشت اور پانی میں برکت دے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''اگر اناج ان کے پاس ہوتا اور یہ کہتیں تو حضرت خلیل علیہ السلام ان کے لئے اناج کی برکت کی دعا بھی کرتے'' اب اس دعا کی برکت سے اہل مکہ صرف گوشت اور پانی پر گزارہ کر سکتے ہیں دوسرے لوگ نہیں کر سکتے۔ آپ نے فرمایا اچھا میں جا رہا ہوں تم اپنے میاں کو میرا اسلام کہنا اور کہہ دینا کہ وہ اپنی چوکھٹ کو ثابت اور آباد رکھیں' ازاں بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام آئے سارا واقعہ معلوم ہوا۔ آپ نے فرمایا یہ میرے والد مکرم تھے' مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تمہیں الگ نہ کروں (تم شکر گزار رہو)۔

بیت اللہ کی تعمیر: پھر ایک مدت کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اجازت ملی اور آپ تشریف لائے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کو زمزم کے پاس ایک ٹیلے پر تیر سیدھے کرتے ہوئے پایا' حضرت اسماعیل علیہ السلام باپ کو دیکھتے ہی کھڑے ہوئے اور باادب ملے۔ جب باپ بیٹا مل کر فارغ ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا' اے اسماعیل! مجھے اللہ کا ایک حکم ہوا ہے' آپ نے فرمایا ابا جان جو حکم ہوا ہو اس کی تعمیل کیجئے۔ کہا بیٹا تمہیں بھی میرا ساتھ دینا پڑے گا۔ عرض کرنے لگے۔ میں حاضر ہوں' کہا اس جگہ اللہ کا ایک گھر بنانا ہے کہنے لگے بہت بہتر۔ اب باپ بیٹے نے بیت اللہ کی نیو رکھی اور دیواریں اونچی کرنی شروع کیں' حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر لا لا کر دیتے جاتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام چنتے جاتے تھے' جب دیواریں قدرے اونچی ہو گئیں تو حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام یہ پتھر یعنی مقام ابراہیم کا پتھر لائے' اس اونچے پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کے پتھر رکھتے جاتے تھے اور دونوں باپ بیٹے یہ دعا مانگتے جاتے تھے کہ باری تعالیٰ تو ہماری اس ناچیز خدمت کو قبول فرما' تو سننے اور جاننے والا ہے۔ (1) یہ روایت اور کتب حدیث میں بھی ہے کہیں مختصر اور کہیں مفصلاً' ایک صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام کے بدلے جو دنبہ ذبح ہوا تھا اس کے سینگ بھی کعبۃ اللہ میں تھے۔ (2)

اوپر کی لمبی روایت' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب بیت اللہ کے قریب پہنچے تو آپ نے اپنے سر پر ایک بادل سا ملاحظہ فرمایا' جس میں سے آواز آئی کہ اے ابراہیم! جہاں جہاں تک اس بادل کا سایہ ہے وہاں تک کی زمین بیت اللہ میں لے لو کمی زیادتی نہ ہو۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ بیت اللہ بنا کر وہاں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو چھوڑ کر آپ تشریف لے گئے۔ لیکن پہلی ہی روایت ٹھیک ہے اور اسی طرح تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ بنا پہلے رکھدی تھی لیکن بنایا بعد میں' اور بنانے میں بیٹا اور باپ دونوں شامل تھے جیسے کہ قرآن کریم کے الفاظ بھی ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بناء بیت اللہ کی ابتدائی کیفیت دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ میرا گھر بناؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام گھبرائے کہ مجھے کہاں بنانا چاہئے کس طرح اور کتنا بڑا بنانا چاہئے (وغیرہ) اس پر سکینہ نازل ہوا اور حکم ہوا کہ جہاں یہ ٹھہرے وہاں تم میرا گھر بناؤ۔ آپ نے بنانا شروع کیا' جب حجر اسود کی جگہ پہنچے تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے کہا بیٹا کوئی اچھا سا پتھر ڈھونڈھ لاؤ' آپ پتھر ڈھونڈھ لائے تو دیکھا کہ ابا جان اور پتھر وہاں لگا چکے ہیں' پوچھا یہ کون لایا؟ آپ نے فرمایا اللہ کے حکم سے یہ پتھر حضرت جبرائیل علیہ السلام آسمان سے لے آئے۔ (3) حضرت کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب جہاں بیت اللہ ہے وہاں زمین کی پیدائش سے پہلے پانی پر بلبلوں کے ساتھ جھاگ سی تھی یہیں سے زمین پھیلائی گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ

(1) صحیح بخاری، کتاب أحادیث الانبیاء باب یزفون النسلان فی المشی، ۳۳٦٤۔ (2) مسند احمد، ٤/ ٦٨، ح ١٦٦٣٧ واللفظ له؛ سنن ابی داود، ۲۰۳۰ وهو حدیث حسن وهذا من قول سفیان بن عیینة رحمه الله ولم أجده فی الصحیح والله اعلم شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح ابی داود، ١٧٨٦) (3) حاکم، ٢/ ٢٩٢، ٢٩٣ وابن جریر فی تفسیره وسنده حسن۔

فرماتے ہیں کعبۃ اللہ بنانے کے لئے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام آرمینیہ سے تشریف لائے تھے۔ حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حجر اسود حضرت جبرائیل علیہ السلام ہند سے لائے تھے اس وقت وہ سفید چمکدار یاقوت تھا جو حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت سے آیا تھا پورے لوگوں کے خطا کار ہاتھوں سے اس کا رنگ سیاہ ہوگیا۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ بنیادیں پہلے سے موجود تھیں' انہی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر شروع کی۔ عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہند میں اترے تھے اس وقت ان کا قد لمبا تھا زمین پر آنے کے بعد فرشتوں کی تسبیح نماز ودعا وغیرہ سنتے تھے' جب قد گھٹ گیا اور وہ پیاری آوازیں آنی بند ہوگئیں تو گھبرانے لگے' حکم ہوا کہ مکہ کی طرف جاؤ۔ آدم علیہ السلام چلے جہاں جہاں آدم علیہ السلام کا قدم پڑا وہاں آبادی ہوئی اللہ تعالیٰ نے جنت سے ایک یاقوت اتارا اور بیت اللہ کی جگہ رکھا اور اسے اپنا گھر قرار دیا' حضرت آدم علیہ السلام یہاں طواف کرنے لگے اور مانوس ہوئے' گھبراہٹ جاتی رہی۔ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے زمانہ میں یہ پھر اٹھ گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں پھر اللہ تعالیٰ نے بنوایا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے یہ گھر حراء' طور زیتا' طور سینا' اور جودی ان پانچ پہاڑوں سے بنایا تھا۔ لیکن ان تمام روایات میں تضاد ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ بعض روایات میں ہے کہ زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے بیت اللہ بنایا گیا تھا' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بیت اللہ کے نشان بنانے کے لئے حضرت جبرائیل علیہ السلام چلے تھے تو اس وقت یہاں جنگلی درختوں کے سوا کچھ نہ تھا' دور عمالیق کی آبادی تھی یہاں آپ اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام اور اپنی بیوی ہاجرہ علیہا السلام کو ایک چھپر تلے بٹھا گئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ بیت اللہ کے چار ارکان ہیں اور ساتویں زمین تک وہ نیچے ہوتے ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ ذوالقرنین جب یہاں پہنچے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ بناتے ہوئے دیکھا تو پوچھا یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہم اللہ کے حکم سے اس کا گھر بنا رہے ہیں۔ پوچھا کیا دلیل؟ کہا یہ بھیڑیے گواہی دیں گے۔ پانچ بھیڑیوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ دونوں اللہ کے مامور ہیں۔ ذوالقرنین خوش ہوگئے اور کہنے لگے میں نے مان لیا۔ ارزقی کی تاریخ مکہ میں ہے کہ ذوالقرنین نے خلیل اللہ علیہ السلام اور ذبیح اللہ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ صحیح بخاری میں ہے کہ قواعد بنیاں اور اساس کو کہتے ہیں یہ قَاعِدَةٌ کی جمع ہے قرآن میں اور جگہ ﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ﴾ 1 اس کا مفرد بھی قاعد ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کیا ''تم نہیں دیکھتیں کہ تمہاری قوم نے جب بیت اللہ بنایا تو قواعد ابراہیم علیہ السلام سے گھٹا دیا'' میں نے کہا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بڑھا کر اصلی بنا پر کردیں۔ فرمایا کہ ''اگر تیری قوم کا اسلام تازہ اور ان کا زمانہ کفر قریب کا نہ ہوتا تو میں ایسا کرلیتا۔'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو جب یہ حدیث پہنچی تو فرمانے لگے شاید یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجر اسود کے پاس کے دوستونوں کو چھوتے نہ تھے۔ 2 صحیح مسلم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' اے عائشہ!'' اگر تیری قوم کا جاہلیت کا زمانہ نیا نہ ہوتا تو میں کعبہ کے خزانہ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیرات کر ڈالتا اور دروازے کو زمین دوز کر دیتا 3 اور حطیم کو بیت اللہ میں داخل کر دیتا۔'' صحیح بخاری کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ اس کا دوسرا دروازہ بھی بنا دیتا ایک آنے کے لئے اور دوسرا جانے کے لئے۔ چنانچہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایسا ہی کیا۔ 4 اور ایک روایت میں ہے کہ اسے میں دوبارہ بناء ابراہیمی پر بناتا 5 اور روایت میں ہے کہ ایک دروازہ مشرق رخ کرتا اور دوسرا مغرب رخ اور چھ ہاتھ حطیم کو اس میں داخل کر لیتا جسے قریش نے

1 ٢٤/ النور:٦٠۔ 2 صحيح بخاری، كتاب التفسير، سورة البقرة، باب ﴿وإذ يرفع ابراهيم القواعد﴾ ٤٤٨٤؛ صحيح مسلم، ١٣٣٣۔ 3 صحيح مسلم، كتاب الحج، باب نقض الكعبة...... ، ١٣٣٣۔

4 صحيح بخاری، كتاب العلم، باب من ترك بعض الاختيار مخافة، ١٢٦؛ صحيح مسلم، ١٣٣٣۔

5 صحيح بخاری، كتاب الحج، باب فضل مكة وبنيانها، ١٥٨٥؛ صحيح مسلم، ١٣٣٣۔

باہر کر دیا ہے۔ 1

قریش مکہ اور بیت اللہ کی تعمیر میں کمی: نبی ﷺ کی نبوت سے پانچ سال پہلے قریش نے نئے سرے سے کعبہ بنایا تھا' اس کا مفصل ذکر ملاحظہ ہو۔ اس بنا میں خود حضور ﷺ بھی شریک تھے پینتیس سال آپ کی عمر تھی اور پتھر آپ ﷺ بھی اٹھاتے تھے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب رسول مقبول ﷺ کی عمر مبارک پینتیس سال کی ہوئی اس وقت قریش نے کعبہ کو نئے سرے سے بنانے کا ارادہ کیا ایک تو اس لئے کہ اس کی دیواریں بہت چھوٹی تھیں' چھت نہ تھی دوسرے اس لئے بھی کہ بیت اللہ کا خزانہ چوری ہو گیا تھا جو بیت اللہ کے درمیان میں ایک گہرے گڑھے میں رکھا ہوا تھا۔ یہ مال ''دویک'' نامی آدمی سے برآمد ہوا تھا جو خزاعہ کے قبیلے بنی ملیح بن عمرو کا مولی تھا' ممکن ہے چوروں نے یہاں لا رکھا ہو لیکن اس کے ہاتھ اس چوری کی وجہ سے کاٹے گئے' ایک اور قدرتی سہولت بھی ان کے لئے ہو گئی تھی کہ روم کے تاجروں کی ایک کشتی جس میں بہت اعلیٰ درجہ کی لکڑیاں تھیں وہ طوفان کی وجہ سے جدہ کے کنارے آ لگی تھی یہ لکڑیاں چھت میں کام آ سکتی تھیں اس لئے قریشیوں نے انہیں خرید لیا اور مکہ کے ایک بڑھئی کو جو قبطی قبیلے میں سے تھا چھت کا کام سونپا۔

یہ سب تیاریاں تو ہو رہی تھیں لیکن بیت اللہ کو گرانے کی ہمت نہیں پڑتی تھی' اس کے قدرتی اسباب بھی مہیا ہو گئے' بیت اللہ کے خزانہ میں ایک بہت بڑا اژدھا تھا جب کبھی لوگ اس کے قریب بھی جاتے تو وہ منہ پھاڑ کر ان کی طرف لپکتا تھا۔ یہ سانپ ہر روز اس کنویں سے نکل کر بیت اللہ کی دیواروں پر آ بیٹھتا تھا۔ ایک روز وہ بیٹھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑا پرندہ بھیجا' وہ اسے پکڑ کر لے اڑا۔ قریشیوں نے سمجھ لیا کہ ہمارا ارادہ مرضی مولا کے مطابق ہے لکڑیاں بھی ہمیں مل گئیں' بڑھئی ہمارے پاس موجود ہے' سانپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے دفع کیا۔

اب انہوں نے مستقل ارادہ کر لیا کہ کعبۃ اللہ کو گرا کر نئے سرے سے بنائیں۔ سب سے پہلے ابن وہب کھڑا ہوا اور ایک پتھر کعبۃ اللہ کا اتارا جو اس کے ہاتھ سے اڑ کر پھر وہیں جا کر نصب ہو گیا۔ اس نے تمام قریش کو خطاب کر کے کہا' سنو بیت اللہ کے بنانے میں ہر شخص اپنا طیب اور پاک مال ہی خرچ کرے' اس میں زنا کاری کا روپیہ' سودی بیوپار کا روپیہ' ظلم سے حاصل کیا ہوا مال نہ لگانا۔ بعض لوگ کہتے ہیں یہ مشورہ ولید بن مغیرہ نے دیا تھا۔ 2 اب بیت اللہ کے حصے بانٹ لئے گئے دروازہ کا حصہ بنو عبد مناف اور بنو زہرہ بنائیں' حجر اسود اور رکن یمانی کا حصہ بنو مخزوم بنائیں قریش کے اور قبائل بھی ان کا ساتھ دیں۔ کعبہ کا پچھلا حصہ بنو جمح اور بنو سہم بنائیں' حطیم کے پاس کا حصہ بنو عبد الدار بن قصی اور بنو اسد بن عبد العزی اور بنو عدی بن کعب بنائیں۔ یہ معاملہ طے پا جانے کے بعد بیت اللہ کی پہلی عمارت گرانے کا مسئلہ پیش آیا۔ لیکن کسی کی ہمت نہیں پڑتی کہ اسے گرانا شروع کرے۔

آخر ولید بن مغیرہ نے کہا لو میں شروع کرتا ہوں۔ کدال لے کر اوپر چڑھ گئے اور کہنے لگے' اے اللہ! تجھے خوب علم ہے کہ ہمارا ارادہ برا نہیں ہم تیرے گھر کو اجاڑنا نہیں چاہتے بلکہ اس کے آباد کرنے کی فکر میں ہیں' یہ کہہ کر کچھ حصہ دونوں رکن کے کناروں کا گرایا۔ قریشیوں نے کہا بس اب چھوڑ دو اور رات بھر انتظار کرو اگر اس شخص پر کوئی وبال آ جائے تو یہ پتھر اسی جگہ پر لگا دینا اور خاموش ہو جانا اور اگر کوئی عذاب نہ آئے تو سمجھ لینا کہ اس کا گرانا رب کو ناپسند نہیں پھر کل سب مل کر اپنے اپنے کام میں شروع ہو جانا۔ چنانچہ صبح ہوئی اور ہر طرح خیریت رہی' اب سارے آ گئے اور بیت اللہ کی اگلی عمارت کو گرا دیا۔ یہاں تک کہ اصلی نیو یعنی بناء ابراہیمی تک پہنچ گئے' یہاں سبز رنگ کے پتھر تھے اور ایک دوسرے میں گویا پیوست تھے' ایک شخص نے دو پتھروں کو الگ کرنا چاہا اس میں کدال ڈال کر زور لگایا تو پتھر کے ہلنے کے ساتھ ہی

---

1 صحیح مسلم، کتاب الحج، باب نقض الکعبة، ١٣٣٣۔ 2 ابن ہشام، ١/ ٢٠٤۔

تمام زمین ہلنے لگی تو انہوں نے سمجھ لیا کہ انہیں جدا کر کے اور پتھر انکی جگہ لگانا اللہ کو منظور نہیں اس لئے ہمارے بس کی بات نہیں۔ اس ارادے سے باز رہے اور ان پتھروں کو اسی طرح رہنے دیا۔ ❶

حجر اسود نصب کرنے کا قصہ: پھر ہر قبیلے نے اپنے اپنے حصہ کے مطابق علیحدہ علیحدہ پتھر جمع کیے اور عمارت بنی شروع ہوئی یہاں تک کہ حجر اسود رکھنے کی جگہ تک پہنچے۔ اب ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ شرف اسے ملے' آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے یہاں تک کہ باقاعدہ جنگ کی نوبت آ گئی قبیلے آپس میں کھچ گئے اور لڑائی کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے۔ بنوعبدالدار اور بنوعدی نے ایک برتن میں خون بھر کر اس میں ہاتھ ڈبو کر حلف اٹھایا کہ سب کٹ مریں گے لیکن حجر اسود کسی کو نہیں رکھنے دیں گے' اسی طرح چار پانچ دن گزر گئے۔ پھر قریش مسجد میں جمع ہوئے کہ آپس میں مشورہ اور انصاف کریں' تو ابوامیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے زیادہ عمر اور عقلمند تھے کہا: سنو! لوگو! تم اپنا منصف کسی کو بنا لو وہ جو فیصلہ کرے سب منظور کر لو' لیکن پھر منصف بنانے میں اختلاف ہوگا اس لئے ایسا کرو کہ اب جو سب سے پہلے یہاں مسجد میں آئے وہی ہمارا منصف۔ اس رائے پر سب نے اتفاق کر لیا۔ اب منتظر ہیں کہ دیکھیں سب سے پہلے کون آتا ہے؟

پس سب سے پہلے حضرت محمد ﷺ آئے۔ آپ کو دیکھتے ہی یہ لوگ خوش ہو گئے اور کہنے لگے ہمیں آپ کا فیصلہ منظور ہے ہم آپ کے حکم پر رضامند ہیں یہ تو امین ہیں یہ تو محمد ﷺ ہیں۔ پھر سب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ آپ کو کہہ سنایا۔ آپ نے فرمایا'' جاؤ کوئی موٹی اور بڑی سی چادر لاؤ''! وہ لے آئے۔ آپ نے حجر اسود اٹھا کر اپنے دست مبارک سے اس میں رکھا۔ پھر فرمایا ہر قبیلے کا سردار آئے اور اس کپڑے کا کونہ پکڑ لے اور اس طرح ہر ایک حجر اسود کے اٹھانے کا حصہ دار بنے' اس پر سب لوگ بہت ہی خوش ہوئے اور تمام سرداروں نے اسے تھام کر اونچا کیا۔ جب اسکے رکھنے کی جگہ تک پہنچے تو اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ نے اسے لے کر اپنے ہاتھ سے اس کی جگہ رکھ دیا اور وہ نزاع' اختلاف بلکہ جدال و قتال رفع ہو گیا۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ہاتھوں اپنے گھر میں اس مبارک پتھر کو نصب کرایا' (حضور پر وحی نازل ہونے سے پہلے قریش' آپ ﷺ کو ''امین'' کہا کرتے تھے)۔ اب پھر اوپر کا حصہ بنا اور کعبۃ اللہ کی عمارت تمام ہوئی۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں کعبہ اٹھارہ ہاتھ کا تھا' قباطی کا پردہ چڑھایا جاتا تھا' پھر چادر کا پردہ چڑھنے لگا۔ ریشمی پردہ سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے چڑھایا۔ ❷

کعبہ کی یہی عمارت رہی یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں ساٹھ سال کے بعد یہاں آگ لگی اور کعبہ جل گیا۔ یہ یزید بن معاویہ کی ولایت کا آخری زمانہ تھا اور اس نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا مکہ میں محاصرہ کر رکھا تھا۔ ان دنوں میں خلیفہ مکہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی خالہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جو حدیث سنی تھی اسی کے مطابق حضور ﷺ کی تمنا پر بیت اللہ کو گرا کر ابراہیمی قواعد پر بنایا' حطیم اندر شامل کر دیا' مشرق مغرب دو دروازے رکھے ایک اندر آنے کا اور دوسرا باہر جانے کا' اور دروازوں کو زمین کے برابر رکھا۔ آپ کی امارت کے زمانہ تک کعبۃ اللہ یونہی رہا' یہاں تک کہ ظالم حجاج کے ہاتھوں آپ شہید ہوئے' اب حجاج نے عبدالملک بن مروان کے حکم سے کعبہ کو پھر توڑ کر پہلے کی طرح بنالیا۔

صحیح مسلم شریف میں ہے یزید بن معاویہ کے زمانہ میں جبکہ شامیوں نے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی اور جو ہونا تھا وہ ہوا اس وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیت اللہ کو یونہی چھوڑ دیا' موسم حج کے موقعہ پر لوگ جمع ہوئے انہوں نے یہ سب کچھ دیکھا اس کے بعد آپ نے لوگوں

---

❶ ابن هشام، ۱/ ۲۰۷۔ ❷ ابن هشام، ۱/ ۲۱۱۔

سے مشورہ کیا کہ کیا کعبہ سارے کو گرا کر نئے سرے سے بناؤں یا جو ٹوٹا ہوا ہے اسکی اصلاح کرلوں؟ تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا میری رائے ہے کہ آپ جو ٹوٹا ہوا ہے اس کی مرمت کر دیں باقی سب پرانا ہی رہنے دیں' آپ نے فرمایا اگر تم میں سے کسی کا گھر جل جائے تو کیا وہ خوش نہ ہوگا کہ اسے نئے سرے سے بنائے' پھر تم اپنے رب عزوجل کے گھر کی نسبت اتنی کمزور رائے کیوں رکھتے ہو۔ اچھا میں تین دن تک اپنے رب سے استخارہ کروں گا پھر جو سمجھ میں آئے گا وہ کروں گا۔ تین دن کے بعد آپ کی رائے یہی ہوئی کہ باقی ماندہ دیواریں بھی توڑ دیجائیں اور از سر نو کعبہ کی تعمیر کیا جائے' چنانچہ یہ حکم دیدیا۔ لیکن کعبے کو توڑنے کی کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی ڈر تھا کہ جو پہلے توڑنے کے لئے چڑھے گا اس پر عذاب نازل ہوگا' لیکن ایک باہمت شخص چڑھ گیا اور ان نے ایک پتھر توڑا' جب لوگوں نے دیکھا کہ اسے کچھ ایذا نہیں پہنچی تو پھر سب نے گرانا شروع کیا اور زمین تک برابر یکساں صاف کر دیا اس وقت چاروں طرف ستون کھڑے کر دیئے تھے اور ایک کپڑا تان دیا تھا۔ ❶

اب بیت اللہ کی تعمیر شروع ہوئی' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا وہ کہتی تھیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''اگر لوگوں کا کفر کا زمانہ قریب نہ ہوتا اور میرے پاس خرچ بھی ہوتا جس سے میں بنا سکوں تو حطیم میں سے پانچ ہاتھ بیت اللہ میں لے لیتا اور کعبہ کے دو دروازے بناتا ایک آنے کا اور ایک جانے کا۔'' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ روایت بیان کر کے فرمایا اب لوگوں کے کفر کا زمانہ قریب کا نہیں رہا ان سے خوف جاتا رہا اور خزانہ بھی معمور ہے میرے پاس کافی روپیہ ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ میں حضور ﷺ کی تمنا پوری نہ کروں' چنانچہ پانچ ہاتھ حطیم میں سے اندر لے لیا اور اب جو کھدائی کی ابراہیمی بنیاد نظر آنے لگی جو لوگوں نے اپنی آنکھوں دیکھ لی اور اسی پر دیوار کھڑی کی بیت اللہ کا طول اٹھارہ ہاتھ کا تھا اب اس میں پانچ ہاتھ اور بڑھ گیا تو طول چھوٹا ہو گیا اس لئے طول میں دس ہاتھ اور بڑھایا گیا اور دو دروازے بنائے گئے ایک اندر آنے کا دوسرا باہر جانے کا' ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حجاج نے عبدالملک کو لکھا اور ان سے مشورہ لیا کہ اب کیا کیا جائے' یہ بھی لکھ بھیجا کہ مکہ مکرمہ کے عادلوں نے دیکھا ہے ٹھیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نیو پر کعبہ تیار ہوا ہے۔ لیکن عبدالملک نے جواب دیا کہ طول کو تو باقی رہنے دو حطیم کو باہر کر دو اور دوسرا دروازہ بند کر دو۔ حجاج نے اس حکم کے مطابق کعبہ کو گرا کر پھر عبدالملک کے کہنے کے مطابق بنا دیا' لیکن سنت طریقہ یہی تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بنا کو باقی رکھا جاتا' اس لئے کہ حضور ﷺ کی چاہت یہی تھی لیکن اس وقت آپ ﷺ کو یہ خوف تھا کہ لوگ بدگمانی نہ کریں ابھی نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔

لیکن یہ حدیث عبدالملک بن مروان کو نہیں پہنچی تھی اس لئے اس نے اسے تڑوا دیا' جب اسے حدیث پہنچی تو رنج کرتے تھے اور کہتے تھے کاش کہ ہم اسے یونہی رہنے دیتے اور نہ تڑواتے' چنانچہ صحیح مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حارث بن عبداللہ جب ایک وفد میں عبدالملک بن مروان کے پاس پہنچے تو عبدالملک نے کہا میرا خیال ہے کہ ابو حبیب یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے (اپنی خالہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث نہ سنی ہوگی۔ حارث نے کہا ضرور سنی تھی خود میں نے بھی مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہے۔ پوچھا تم نے کیا سنا ہے؟ کہا میں نے سنا ہے آپ فرماتی تھیں کہ ''رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا کہ عائشہ! تیری قوم نے بیت اللہ کو تنگ کر دیا اگر تیری قوم کا زمانہ شرک قریب کا نہ ہوتا تو میں نئے سرے سے انکی کمی کو پورا کر دیتا لیکن آؤ میں تجھے اصلی نیو بتادوں شاید کسی وقت تیری قوم پھر اسے اسکی اصلیت پر بنانا چاہے' تو آپ ﷺ نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حطیم میں قریباً سات ہاتھ اندر

❶ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب نقض الکعبۃ، ۱۳۳۳۔

داخل کرنے کو فرمایا اور فرمایا میں اسکے دو دروازے کر دیتا ایک اندر آنے کا اور ایک جانے کا اور دونوں دروازے زمین کے برابر رکھتا ایک مشرق رخ رکھتا دوسرا مغرب رخ، جانتی بھی ہو کہ تمہاری قوم نے دروازے کو اتنا اونچا کیوں رکھا ہے آپ نے فرمایا حضور مجھے خبر نہیں۔ فرمایا محض اپنی اونچائی اور بڑائی کے لئے کہ جسے چاہیں اندر جانے دیں اور جسے چاہیں داخل نہ ہونے دیں جب کوئی شخص اندر جانا چاہتا تو اسے اوپر سے دھکا دیدیتے وہ گر پڑتا اور جسے داخل کرنا چاہتے اس کا ہاتھ تھام کر اندر لے لیتے۔'' عبدالملک نے کہا اے حارث! تم نے خود اس حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہے انہوں نے کہا ہاں میں نے خود سنا ہے تو تھوڑی دیر تک تو عبدالملک اپنی لکڑی ٹکائے سوچتے رہے، پھر کہنے لگے، کاش کہ میں اسے یونہی چھوڑ دیتا۔ ❶ صحیح مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے کہ عبدالملک بن مروان نے ایک مرتبہ طواف کرتے ہوئے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو کوس کر کہا کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اس حدیث کا بہتان باندھتا تھا تو حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے روکا اور شہادت دی کہ وہ سچے تھے میں نے بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ سنا ہے۔ اب عبدالملک افسوس کرنے لگے اور کہنے لگے اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا تو میں ہرگز اسے نہ توڑتا۔ ❷ قاضی عیاض اور امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تھا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں پھر کعبہ کو حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے بنائے ہوئے کے مطابق بنا دوں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آپ ایسا نہ کیجئے ایسا نہ ہو کہ کعبہ بھی بادشاہوں کا ایک کھلونا بن جائے جو آئے اپنی طبیعت کے مطابق توڑ پھوڑ کرتا رہے۔ چنانچہ خلیفہ اپنے ارادے سے باز رہے۔ یہی بات ٹھیک بھی معلوم ہوتی ہے کہ کعبہ کو بار بار چھیڑنا ٹھیک نہیں۔

بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کعبہ کو دو چھوٹی پنڈلیوں والا ایک حبشی پھر خراب کریگا۔ ❸ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں وہ سیاہ فام ایک ایک پتھر الگ الگ کر دیگا' ❹ اسکا غلاف لے جائے گا اور اسکا خزانہ بھی، وہ ٹیڑھے ہاتھ پاؤں والا اور گنجا ہوگا' میں دیکھ رہا ہوں کہ گویا وہ کدال بجا رہا ہے اور برابر ٹکڑے کر رہا ہے۔ ❺ غالباً یہ ناشدنی واقعہ (جس کے دیکھنے سے اللہ ہمیں محفوظ رکھے) یاجوج ماجوج کے نکل چکنے کے بعد ہوگا۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تم یاجوج ماجوج کے نکلنے کے بعد بھی ❻ بیت اللہ کا حج و عمرہ کرو گے۔''

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعائیں: حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اپنی دعا میں کہتے ہیں کہ ہمیں مسلمان بنا لے یعنی مخلص بنا لے، مطیع بنا لے، موحد بنا، شرک سے بچا، ریاکاری سے محفوظ رکھ، خشوع و خضوع عطا فرما۔ حضرت سلام بن ابی مطیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مسلمان تو تھے ہی لیکن اسلام کی ثابت قدمی طلب کرتے ہیں، جس کے جواب میں ارشاد باری ہوا؟ ((قَدْ فَعَلْتُ)) میں نے تمہاری یہ دعا قبول فرمائی، پھر اپنی اولاد کیلئے بھی یہی دعا کرتے ہیں جو قبول ہو جاتی ہے۔ بنی اسرائیل بھی آپ کی اولاد میں ہیں اور عرب بھی، قرآن میں ہے ﴿وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ۝﴾ ❼ یعنی موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں ایک =

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب نقض الکعبة، ١٣٣٣۔ ❷ ایضا۔
❸ صحیح بخاری، کتاب الحج، باب هدم الکعبة، ١٥٩٥۔ ❹ صحیح بخاری، کتاب الحج، باب هدم الکعبة، ١٥٩٦۔
❺ احمد، ٢/ ٢٢٠، وسنده ضعیف ابن اسحاق وابن ابی نجیم مدلسان وعنعن۔ ❻ صحیح بخاری، کتاب الحج، باب قول الله تعالیٰ ﴿جعل الله الکعبة البیت......﴾، ١٥٩٣۔ ❼ ٧/ الاعراف: ١٥٩۔

وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾

ترجمہ: اے ہمارے رب! ان میں انہی میں سے رسول بھیج جو ان کے پاس تیری آیات پڑھے انہیں کتاب وحکمت سکھائے اور انہیں پاک کرے یقیناً تو غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔[۱۲۹]

= جماعت حق وعدل پر تھی۔ لیکن روانی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کیلئے یہ دعا ہے گو عام طور پر دوسروں کو بھی شامل ہو اس لئے کہ اسکے بعد دوسری دعا میں ہے کہ ان میں ایک رسول بھیج اور اس رسول سے مراد حضرت محمد مصطفی ﷺ ہیں چنانچہ یہ دعا بھی پوری ہوئی جیسے فرمایا ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ﴾ ❶ لیکن اس سے آپ کی رسالت خاص نہیں ہوئی بلکہ آپ ﷺ کی رسالت عام ہے عرب عجم سب کیلئے جیسے فرمایا ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ ❷ ''کہہ دو کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔''

ان دونوں نبیوں کی یہ دعا جیسی ہے ایسی ہی ہر متقی کی دعا ہونی چاہیے۔ جیسے قرآنی تعلیم ہے کہ مسلمان یہ دعا کریں ﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾ ❸ اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اولادوں سے ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیز گاروں کا امام بنا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کی دلیل ہے کہ انسان یہ چاہے کہ میری اولاد میرے بعد بھی اللہ کی عابد رہے۔ اور جگہ اس دعا کے الفاظ یہ ہیں ﴿وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ﴾ ❹ اے اللہ! مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''انسان کے مرتے ہی اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر تین کام جاری صدقہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے اور نیک اولاد جو دعا کرتی رہے۔'' ❺ پھر آپ دعا کرتے ہیں کہ ہمیں مناسک دکھا یعنی احکام حج و ذبح وغیرہ سکھا۔ کعبہ کی عمارت پوری ہو جانے کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کو لے کر صفا پر آتے ہیں اور پھر مروہ پر جاتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ شعائر اللہ ہیں پھر منی کی طرف لے چلے عقبہ پر شیطان درخت کے پاس کھڑا ہوا ملا تو فرمایا تکبیر کہہ کر اسے کنکر مارو ابلیس یہاں سے بھاگ کر جمرہ وسطی کے پاس جا کھڑا ہوا یہاں بھی اسے کنکریاں ماریں تو یہ خبیث ناامید ہو کر چلا گیا اس کا ارادہ تھا کہ حج کے احکام میں کچھ دخل دے لیکن موقعہ نہ ملا اور مایوس ہو گیا یہاں سے آپ کو مشعر الحرام میں لائے پھر عرفات میں پہنچایا پھر تین مرتبہ پوچھا کہو سمجھ لیا۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ ❻ دوسری روایت میں تین جگہ شیطان کو کنکریاں مارنی مروی ہیں اور ہر شیطان کو سات سات کنکریاں ماری ہیں۔

دعائے ابراہیمی کا ظہور: [آیت:۱۲۹] اہل حرم کے لئے یہ اور دعا ہے کہ آپ کی اولاد میں سے ہی رسول ان میں آئے چنانچہ یہ بھی پوری ہوئی۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین اس وقت سے ہوں جب کہ آدم علیہ السلام ابھی مٹی کی صورت میں تھے میں تمہیں ابتدائی امر بتاؤں میں اپنے باپ (حضرت) ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور اپنی ماں کا خواب ہوں۔ انبیا کی والدہ کو ایسے ہی خواب آتے ہیں۔ ❼ ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ =

❶ ٦٢/ الجمعة:٢۔ ❷ ٧/ الاعراف:١٥٨۔ ❸ ٢٥/ الفرقان:٧٤۔ ❹ ١٤/ ابراهيم:٣٥۔
❺ صحيح مسلم، كتاب الوصية، باب مايلحق الإنسان من الثواب...... ، ١٦٣١۔ ❻ ابن ابی حاتم، ١/ ٣٩٠۔
❼ مسند احمد، ٤/ ١٢٧، ١٢٨ وسنده حسن۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

ترجمہ: دین ابراہیمی سے وہی بے رغبتی کرے گا جو محض بیوقوف ہو ہم نے تو اسے دنیا میں بھی برگزیدہ کیا تھا' اور آخرت میں بھی وہ نیک کاروں سے ہے' [۱۳۰] جب کبھی انہیں ان کے رب نے کہا مان لے' انہوں نے کہا میں نے رب العالمین کی مان لی' [۱۳۱] اسی کی وصیت ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو کی کہ اے ہمارے بچو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس دین کو پسند فرمالیا ہے' خبردار تم مسلمان ہی مرنا۔ [۱۳۲]

= سوال کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! اپنے نبوت کے ابتدائی حالات تو ہمیں بتایئے۔ آپ نے فرمایا میرے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور میری خوشخبری جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی اور میری ماں نے دیکھا کہ گویا ان میں سے ایک نور نکلا جس نے شام کے محل چمکا دیئے۔ ❶ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں شہرت کا ذریعہ یہ چیزیں ہوئیں۔ آپ ﷺ کی والدہ صاحبہ کا خواب بھی عرب میں پہلے ہی سے مشہور ہو گیا تھا اور وہ کہتے تھے کہ بطن آمنہ سے کوئی بڑا شخص پیدا ہو گا۔ بنی اسرائیل کے انبیا کے خاتم حضرت روح اللہ نے تو بنی اسرائیل میں خطبہ پڑھتے ہوئے آپ کا نام بھی بتا دیا اور فرمایا' لوگو! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں' مجھ سے پہلی کتاب توراۃ کی تصدیق میں کرتا ہوں اور میرے بعد آنے والے نبی کی میں تمہیں بشارت دیتا ہوں جن کا نام احمد ہے ﷺ اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے' خواب میں نور سے شام کے محلات کا چمک اٹھنا اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ دین وہاں جم جائیگا۔

بلکہ روایتوں سے ثابت ہے کہ آخر زمانہ میں شام اسلام اور اہل اسلام کا مرکز بن جائیگا۔ شام کے مشہور شہر دمشق ہی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام شرقی سفید منارہ پر نازل ہوں گے۔ بخاری و مسلم میں ہے ''میری امت کی ایک جماعت حق پر قائم رہے گی ان کے مخالفین انہیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے۔'' ❷ صحیح بخاری میں اتنا اضافہ اور ہے کہ وہ شام میں ہوں گے۔ ❸ ابو العالیہ سے مروی ہے کہ اس دعا کے جواب میں کہا گیا کہ یہ بھی مقبول ہے اور یہ پیغمبر آخر زمانے میں مبعوث ہوں گے۔ کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت و حدیث ہے۔ حسن اور قتادہ اور مقاتل بن حیان اور ابو مالک رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کا بھی یہی فرمان ہے۔ اور حکمت سے مراد دین کی سمجھ بوجھ بھی ہے۔ پاک کرنا یعنی اطاعت و اخلاص سکھانا' بھلائیاں کرنا' برائیوں سے بچانا' اطاعت الٰہی کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا' اللہ عزیز ہے جسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی' جو ہر چیز پر غالب ہے' وہ حکیم ہے یعنی اس کا کوئی قول و فعل حکمت سے خالی نہیں' وہ ہر چیز کو اپنے محل پر ہی حکمت و عدل و علم کے ساتھ رکھتا ہے۔

دین ابراہیمی کے دعویدار مشرکین کا ذکر: [آیت: ۱۳۰-۱۳۲] ان آیات میں بھی مشرکین کا رد ہے کہ وہ اپنے آپ کو دین

---

❶ سندہ ضعیف وھو حسن بالشاھد السابق دیکھئے (سابقہ صفحہ، حاشیہ: ۷)

❷ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب قولہ ﷺ: ((لا تزال طائفۃ من امتی......)) ۱۹۲۰۔

❸ صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قولہ تعالیٰ ﴿انما قولنا لشیء......﴾ ۷۴۶۰۔

ابراہیمی کا پیروکار بتاتے تھے حالانکہ وہ مکمل طور پر مشرک تھے اور جبکہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام تو موحدوں کے امام تھے توحید کو شرک سے ممتاز کرنے والے تھے' عمر بھر میں ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا' بلکہ ہر مشرک سے اور ہر قسم کے شرک سے اوران سب سے بیزار تھے اسی پر قوم سے الگ ہوئے' وطن چھوڑا بلکہ باپ تک کی مخالفت کی پرواہ نہ کی' اور صاف کہہ دیا کہ ﴿اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ ❶ الخ ''میں بیزار ہوں اس چیز سے جسے تم شریک کرتے ہو' میں نے تو یکسو ہو کر اپنی تمام تر توجہ اس پاک ذات کی طرف کر دی ہے' جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے' میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں۔'' اور جگہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے صاف کہہ دیا کہ میں تمہارے معبودوں سے بری ہوں' میں تو اپنے خالق ہی کا گرویدہ ہوں' وہی مجھے راہ راست دکھائے گا۔ اور جگہ ہے ﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ﴾ ❷ الخ ''ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کے لئے بھی صرف ایک وعدے کی بنا پر استغفار کرتے تھے لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے۔''

ابراہیم علیہ السلام بڑے ہی رجوع کرنے والے اور بردبار تھے۔ اور جگہ ہے ابراہیم علیہ السلام مخلص اور مطیع امت تھے مشرک ہرگز نہ تھے' رب کی نعمتوں کے شکر گزار تھے' اللہ کے پسندیدہ تھے اور راہ راست پر لگے ہوئے تھے' دنیا کے اچھے لوگوں میں سے تھے اور آخرت میں بھی صالح لوگوں میں ہوں گے۔ ان آیات کی طرح یہاں بھی فرمایا کہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے بے تدبیر اور گمراہ لوگ ہی ملت ابراہیمی کو ترک کرتے ہیں' کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے ہدایت کیلئے چن لیا تھا اور بچپن سے ہی توفیق حق دے رکھی تھی' خلیل جیسا معزز خطاب انہی کو دیا تھا' آخرت میں بھی سعید بخت لوگوں میں ہونگے' ان کے مسلک وملت کو چھوڑ کر ضلالت و گمراہی میں پڑنے والے سے زیادہ بیوقوف اور ظالم اور کون ہوگا؟ اس آیت میں یہودیوں کا بھی رد ہے' جیسے اور جگہ ہے ﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا﴾ ❸ الخ ''ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی نہ مشرک بلکہ موحد مسلمان اور مخلص تھے ان کے قریب وہی ہیں جو ان کی مانیں اور یہ نبی اور ایماندار' اللہ بھی مؤمنوں کا ولی ہے۔ جب کبھی اللہ فرماتا کہ یہ مان لو وہ جواب دیتے کہ اے رب العالمین میں نے مان لیا' اسی ملت وحدانیت کی وصیت ابراہیم و یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو کی۔ ﴿هَا﴾ کی مرجع یا تو ملت ہے یا کلمہ۔

ملت سے مراد اسلام اور کلمہ سے مراد ﴿اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ہے دیکھیے ان کے دل میں اسلام کی کس قدر محبت وعزت تھی کہ خود بھی اس پر مدت العمر عامل رہے اپنی اولاد کو بھی اس کی وصیت کی جیسے اور جگہ ہے ﴿وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ﴾ ❹ ''ہم نے اسے ان کی اولاد میں بھی باقی رکھا۔'' بعض سلف نے ﴿وَيَعْقُوْبَ﴾ بھی پڑھا تو ﴿بَنِيْهِ﴾ پر عطف ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی اولاد کو اور اولاد کی اولاد میں سے حضرت یعقوب علیہ السلام کو جو اس وقت موجود تھے دین اسلام کی استقامت کی وصیت کی۔ قشیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے انتقال کے بعد پیدا ہوئے تھے لیکن یہ صرف دعویٰ ہے' جس پر کوئی صحیح دلیل نہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ بلکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اسحاق علیہ السلام کے ہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں پیدا ہوئے تھے کیونکہ قرآن کی آیت میں ہے ﴿فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ﴾ ❺ یعنی ''ہم نے انہیں اسحاق علیہ السلام کی اور اسحاق علیہ السلام کے پیچھے یعقوب علیہ السلام کی خوشخبری دی۔'' اور اس کا نصب خفض کا ہٹا کر بھی پڑھا گیا ہے' پس اگر حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات میں موجود نہ ہوں تو پھر ان کا نام لینے میں کوئی زبردست فائدہ باقی نہیں رہتا۔ سورۂ عنکبوت میں بھی ہے =

❶ ٦/ الانعام:٧٩۔ ❷ ٩/ التوبة:١١٤۔ ❸ ٣/ ال عمران:٦٧۔
❹ ٤٣/ الزخرف:٢٨۔ ❺ ١١/ هود:٧١۔

أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي ۖ قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَآئِكَ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ إِلَٰهًا وَٰحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿١٣٣﴾ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْـَٔلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٤﴾

ترجمہ: کیا (حضرت) یعقوب علیہ السلام کے انتقال کے وقت تم موجود تھے جب انہوں نے اپنی اولاد کو کہا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو سب نے جواب دیا کہ آپ کے معبود کی اور آپ کے باپ دادوں ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی جو معبود ایک ہی ہے' اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے' [۱۳۳] یہ جماعت تو گزر چکی جو انہوں نے کیا وہ ان کے لئے ہے اور جو تم کرو گے تمہارے لئے ہے۔ ان کے اعمال سے تم نہ پوچھے جاؤ گے۔ [۱۳۴]

= کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق حضرت یعقوب عطا فرمائے اور اس کی اولاد میں ہم نے نبوت و کتاب دی۔ اور آیت میں ہے ہم نے اسے اسحاق (علیہ السلام) دیا اور یعقوب (علیہ السلام) زائد عطا فرمایا۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں ہی تھے۔ اگلی کتابوں میں بھی ہے کہ وہ بیت المقدس میں آئیں گے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ پوچھتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کونسی مسجد پہلے تعمیر کی گئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" مسجد حرام۔" پوچھا پھر؟ فرمایا" مسجد بیت المقدس۔" میں نے کہا دونوں کے درمیان کس قدر مدت تھی؟ فرمایا" چالیس سال" الخ۔ ❶ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے درمیان کے فاصلے کا یہ بیان ہے حالانکہ یہ قول بالکل مخالف ہے' ان دونوں انبیا کے درمیان تو ہزاروں سال کی مدت تھی' بلکہ مطلب حدیث کا کچھ اور ہی ہے اور شاہ زماں حضرت سلیمان الرحمٰن تو اس مسجد کے مجدد تھے موجد نہ تھے انہوں نے اس کی مرمت کرائی تھی' اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی وصیت کی تھی جس کا ذکر بھی آ رہا ہے۔ وصیت اس امر کی ہوئی ہے کہ زندگی میں مسلمان رہو تا کہ موت بھی اسی پر آئے۔

عموماً انسان زندگی میں جس چیز پر رہتا ہے اسی پر موت بھی آتی ہے اور جس پر مرتا ہے اسی پر اٹھے گا بھی' اللہ کی عادت اسی طرح ہے کہ بھلائی کے قصد کرنے والے کو بھلائی کی توفیق بھی دی جاتی ہے بھلائی اس پر آسان بھی کر دی جاتی ہے اور اسے ثابت قدم بھی رکھا جاتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ" انسان جنتیوں کے کام کرتے کرتے جنت سے ایک ہاتھ دور رہ جاتا ہے کہ اس کی تقدیر غالب آ جاتی ہے اور جہنمیوں کے کام کر کے جہنمی بن جاتا ہے۔ ❷ اور کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے" لیکن اس سے مطلب یہ ہے کہ یہ کام اچھے یا برے ظاہری طور پر ہوتے ہیں حقیقی طور پر نہیں' چنانچہ بعض روایات میں یہ لفظ بھی ہے۔ ❸ قرآن کہتا ہے سخاوت' تقویٰ اور لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی تصدیق کرنے والے کے لئے ہم آسانی کا راستہ آسان کر دیتے ہیں اور بخل و بے پرواہی اور بھلی بات کی تکذیب کرنے والوں کے لئے ہم سختی کی راہ آسان کر دیتے ہیں۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب أحادیث الانبیاء، باب رقم، ۱۰، ۳۳٦٦؛ صحیح مسلم، ۵۲۰؛ نسائی، ٦۹۱؛ ابن ماجة، ۷۵۳۔

❷ صحیح بخاری، کتاب القدر، باب رقم، ۱، ح ٦۵۹٤؛ صحیح مسلم، ۲٦٤۳۔

❸ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب لا یقال فلان شهید، ۲۸۹۸؛ صحیح مسلم، ۱۱۲۔

توحید الوہیت کا ثبوت: [آیت:۱۳۳۔۱۳۴] مشرکین عرب پر جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے اور کفار بنی اسرائیل پر جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے دلیل لاتے ہوئے اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے تو اپنی اولاد کو اپنے آخری وقت بھی اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی وصیت کی تھی۔ ان سے پہلے تو پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ سب نے جواب دیا کہ آپ کے اور آپ کے بزرگوں کے معبود برحق کی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسحٰق علیہ السلام کے لڑکے اور حضرت اسحٰق علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا نام باپ دادوں کے ذکر میں بطور تغلیب کے آ گیا ہے کیونکہ آپ حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا ہیں اور یہ بھی واضح رہے کہ عرب میں چچا کو بھی باپ کہہ دیتے ہیں۔ ❶

اس آیت سے استدلال کر کے دادا کو بھی باپ کے حکم میں رکھ کر دادا کی موجودگی میں بہن بھائی کو ورثہ سے محروم کیا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ یہی ہے جیسے کہ صحیح بخاری میں موجود ہے۔❷ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذہب بھی یہی ہے حسن بصری، طاؤس اور عطاء رحمۃ اللہ علیہم بھی یہی کہتے ہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے سلف و خلف کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور ایک مشہور روایت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ دو بھائیوں بہنوں کو بھی وارث کہتے ہیں، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور سلف و خلف کی ایک جماعت کا مذہب یہی ہے، قاضی ابو یوسف اور محمد بن حسن رحمہما اللہ بھی یہی کہتے ہیں اور یہ دونوں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید ہیں۔ اس مسئلہ کی صفائی کا یہ مقام نہیں اور نہ تفسیر کا یہ موضوع ہے۔

ان سب بچوں نے اقرار کیا کہ ہم ایک ہی معبود کی عبادت کریں گے یعنی اس اللہ کی الوہیت میں کسی کو شریک نہ کریں گے، اور ہم اس کی اطاعت گزاری، فرمانبرداری اور خشوع و خضوع میں مشغول رہا کریں گے جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَهٗٓ اَسْلَمَ﴾ ❸ الخ زمین و آسمان کی ہر چیز خوشی اور ناخوشی سے اسکی مطیع ہے اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین یہی اسلام رہا ہے، اگرچہ احکام میں جدائی رہی ہے جیسے فرمایا ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۝﴾ ❹ یعنی تجھ سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے سب کی طرف وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تم سب میری ہی عبادت کرتے رہو۔ اور آیات بھی اس مضمون کی بہت سی ہیں اور احادیث میں بھی یہ مضمون بکثرت وارد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''ہم علاتی بھائی ہیں ہمارا دین ایک ہی ہے۔'' ❺ پھر فرماتا ہے یہ امت ہے جو گزر چکی تمہیں ان کی طرف کی نسبت نفع نہ دے گی ہاں اگر عمل ہوں تو اور بات ہے، انہوں نے جو کچھ کیا وہ ان کے ساتھ ہے اور تمہاری کرنی تم جو کچھ کرو گے وہ تمہارے ساتھ، تم انکے کاموں کے بارہ میں نہیں پوچھے جاؤ گے۔ حدیث مبارکہ میں ہے جس کا عمل دیر لگائے اس کا نسب جلدی نہ کرے گا۔ ❻

عبداللہ بن صوریا اعور نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ ہدایت پر ہم ہیں تم ہماری مانو تو تمہیں بھی ہدایت ملے گی۔ نصرانیوں نے بھی یہی کہا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ ہم تو ابراہیم حنیف علیہ السلام کے متبع ہیں جو استقامت والے، اخلاص والے، حج والے، بیت اللہ کی طرف منہ کرنے والے، استطاعت کے وقت حج کو فرض جاننے والے، اللہ کی فرمانبرداری کرنیوالے، تمام رسولوں پر ایمان لانے والے، لا الہ الا اللہ کی شہادت دینے والے، ماں بیٹی خالہ پھوپھی کو حرام جاننے والے اور تمام حرام کاریوں سے بچنے والے تھے=

❶ القرطبی، ۲/ ۱۳۸۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب أحادیث الانبیاء باب قول اللہ تعالیٰ ﴿واذکر فی الکتاب مریم﴾ ۳٤٤۳؛ صحیح مسلم، ۲۳٦۵۔ ❸ ۳/ آل عمران:۸۳۔ ❹ ۲۱/ الانبیآء:۲۵۔
❺ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن، ۲٦۹۹۔ ❻ ابن أبی حاتم، ۱/ ۳۹۷۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

ترجمہ: یہ کہتے ہیں۔ یہودی یا نصاریٰ بن جاؤ تو راہ پاؤ گے۔ تم کہو بلکہ راہ پر ملت ابراہیمی والے ہیں اور (حضرت) ابراہیم علیہ السلام مشرک نہ تھے۔[۱۳۵] (اے مسلمانو) تم سب کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر بھی جو ہماری طرف اتاری گئی اور جو چیز ابراہیم اسماعیل اسحاق یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد پر اتاری گئی اور جو کچھ اللہ کی جانب سے موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام اور دوسرے انبیا علیہم السلام دیے گئے ہم ان میں سے کسی کے درمیان جدائی نہیں ڈالتے ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں۔[۱۳۶]

= یہ سب معنے حنیف کے مختلف حضرات نے بیان کئے ہیں۔ ❶

[آیت:۱۳۵۔۱۳۶] اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ جو کچھ حضرت محمد ﷺ پر اترا اس پر تفصیل وار ایمان لائیں اور جو آپ ﷺ سے پہلے انبیا علیہم السلام پر اترا اس میں بھی اجمالاً ایمان لائیں' ان اگلے انبیائے کرام علیہم السلام میں سے بعض کے نام بھی لے دیئے اور باقی نبیوں کا مجمل ذکر کر دیا' ساتھ ہی فرمایا کہ یہ کسی نبی کے درمیان تفریق نہ کریں کہ ایک کو مانیں اور دوسرے سے انکار کر جائیں' جو عادت اوروں کی تھی کہ وہ انبیا میں تفریق کرتے تھے کسی کو مانتے تھے کسی سے انکاری تھے۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نصرانی حضرت محمد ﷺ کو حجازی' عرب موسیٰ' عیسیٰ اور محمد علیہم السلام تینوں کو نہیں مانتے تھے ان سب کو فتویٰ ملا کہ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا﴾ ❷ ''یہ لوگ بالیقین کافر ہیں۔'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اہل کتاب توراۃ کو عبرانی میں پڑھتے تھے اور عربی میں تفسیر کر کے اہل اسلام کو سناتے تھے'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''کہ اہل کتاب کی سچائی یا تکذیب نہ کرو' کہہ دیا کرو کہ اللہ پر اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں پر ہمارا ایمان ہے۔'' ❸ نبی ﷺ صبح کو دو سنتوں میں پہلی رکعت یہ آیت ﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا﴾ پوری آیت اور دوسری رکعت میں آل عمران آیت ﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ ❹ پڑھا کرتے تھے۔ ❺

اسباط کی تشریح: اسباط حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کو کہتے ہیں جو بارہ تھے جن میں سے ہر ایک کی نسل میں بہت سے انسان ہوئے۔ بنی اسماعیل کو قبائل کہتے تھے اور بنی اسرائیل کو اسباط کہتے تھے۔ ❻ زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پوتے تھے جو ان کے بارہ لڑکوں کی اولاد تھی۔ بخاری میں ہے کہ مراد قبائل سے بنی اسرائیل ہیں' ان میں بھی نبی ہوئے تھے جن پر وحی نازل ہوئی تھی' جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ﴾ ❼ الخ ''اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد =

❶ ابن أبي حاتم، ١/ ٣٩٧۔ ❷ ٤/ النسآء:١٥١۔
❸ صحيح بخاري، كتاب التفسير، سورة البقرة، باب قول الله ﴿قولوا آمنا بالله......﴾، ٤٤٨٥۔
❹ ٣/ آل عمران:٥٢۔ ❺ صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب ركعتي سنة الفجر، ٧٢٧۔
❻ ابن أبي حاتم، ١/ ٣٩٩۔ ❼ ٥/ المآئدة:٢٠۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٣٧﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿١٣٨﴾

ترجمہ: اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو راہ پائیں' اور اگر منہ موڑیں تو خلاف میں ہیں' اللہ تعالیٰ ان سے عنقریب کفایت کرے گا' وہ خوب سننے جاننے والا ہے'[١٣٧] رنگ دیا اللہ تعالیٰ نے اپنے رنگ میں اور اللہ سے اچھا رنگ کس کا ہوگا ہم تو اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔[١٣٨]

= کرو کہ اس نے تم میں انبیا اور بادشاہ بنائے۔'' اور جگہ ہے ﴿وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا﴾ ❶ ''ہم نے ان کے بارہ گروہ کر دیئے۔'' سَبْط کہتے ہیں تابع کو یہ بھی ایک کے پیچھے ایک تھے۔ بعض کہتے ہیں یہ ماخوذ ہے سَبَط سے سَبْط کہتے ہیں درخت کو' یعنی یہ مثل درخت کے ہیں جس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کل انبیا علیہم السلام بنی اسرائیل میں سے ہی ہوئے ہیں سوائے دس کے' نوح' ہود' صالح' شعیب' ابراہیم' اسحاق' یعقوب' اسماعیل' محمد علیہم السلام۔ سبط کہتے ہیں اس جماعت اور قبیلہ کو جن کا مورث اعلیٰ اوپر جا کر ایک ہو۔ ❷ ابن ابی حاتم میں ہے ہمیں توراۃ و انجیل پر ایمان رکھنا ضروری ہے لیکن عمل کے لئے صرف قرآن و حدیث ہی ہے' ابن ابی حاتم میں ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''توراۃ' زبور' انجیل' پر ایمان رکھو لیکن (عمل کے لئے) قرآن کافی ہے۔'' ❸

نجات پانے کی شرط: [آیت: ١٣٧-١٣٨] یعنی اے ایماندار صحابیو! اگر یہ کفار بھی تم جیسا ایمان لائیں یعنی تمام کتابوں اور رسولوں کو مان لیں تو حق و رشد ہدایت و نجات پائیں گے' اور اگر باوجود قیام حجت کے پھر بھی باز رہیں تو یقیناً حق کے خلاف ہیں' اللہ تعالیٰ تجھے ان پر غالب کر کے تجھے کفایت کرے گا وہ سننے جاننے والا ہے۔ نافع بن ابی نعیم کہتے ہیں کہ کسی خلیفہ کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تلاوت والا قرآن بھیجا گیا زیاد نے یہ سن کر کہا کہ لوگوں میں مشہور ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے شہید کیا اس وقت یہ کلام اللہ انکی گود میں تھا اور آپ کا خون ٹھیک ان الفاظ پر پڑا تھا ﴿فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ کیا یہ صحیح ہے؟ حضرت نافع (بن ابی نعیم رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا بالکل ٹھیک ہے میں نے خود اس آیت پر ذوالنورین کا خون دیکھا تھا۔ ❹ رنگ سے مراد دین ہے ❺ اور اس کا زبر بطور اغراء کے ہے جیسے فطرة اللہ میں' مطلب یہ ہے کہ اللہ کے دین کو لازم پکڑ لو اس پر چمٹ جاؤ۔ بعض کہتے ہیں یہ بدل ہے ﴿مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ﴾ سے جو اس سے پہلے موجود ہے۔ سیبویہ کہتے ہیں یہ مصدر مؤکد ہے ﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ کی وجہ سے منصوب ہے جیسے ﴿وَعْدَ اللّٰهِ﴾ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ بنی اسرائیل نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہمارا رب رنگ بھی کرتا ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ آواز آئی ان سے کہہ دو کہ تمام رنگ میں ہی تو پیدا کرتا ہوں۔'' یہی مطلب اس آیت کا بھی ہے لیکن اس روایت کا موقوف ہونا ہی صحیح ہے اور یہ بھی اس وقت جبکہ اس کی اسناد صحیح ہو۔

---

❶ ٧/ الاعراف: ١٦٠۔ ❷ القرطبی، ٣/ ١٤١۔ ❸ اس کی سند میں عبیداللہ بن ابی حمید منکر الحدیث ہے۔ (المیزان ٣/ ٥، رقم: ٥٣٥٤) لہٰذا یہ روایت مردود ہے۔ ❹ ابن أبی حاتم، ١/ ٤٠٢۔ وسندہ صحیح شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (ضعیف موارد الظمآن، ٣/ ١٦٦) ❺ ابن أبی حاتم، ١/ ٤٠٢۔ وسندہ ضعیف۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿١٣٩﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۗ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤٠﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤١﴾

ترجمہ: کہہ دو کیا تم ہم سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہو جو ہمارا اور تمہارا رب ہے' ہمارے لئے ہمارے عمل ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال' ہم تو اسی کے لئے خلوص کرنے والے ہیں' [١٣٩] کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے؟ کہہ دو کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟ اللہ کے پاس کی شہادت چھپانے والے سے زیادہ ظالم اور کون ہے' اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے غافل نہیں' [١٤٠] یہ امت ہے جو گزر چکی' جو انہوں نے کیا ان کے لئے ہے اور جو تم نے کیا تمہارے لئے' تم ان کے اعمال سے سوال نہ کئے جاؤ گے۔ [١٤١]

حقیقی دین' دین اسلام ہے: [آیت: ١٣٩۔١٤١] مشرکوں کے جھگڑے کو دفع کرنے کا حکم رب العالمین اپنے نبی (ﷺ) کو دے رہا ہے کہ تم ان کو کہو کہ ہم سے اللہ کی توحید' اخلاص' اطاعت وغیرہ کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟ وہ صرف ہمارا ہی نہیں بلکہ تمہارا رب بھی تو ہے' ہم پر اور تم پر قابض و متصرف بھی وہی اکیلا ہے' ہمارے عمل ہمارے ساتھ ہیں اور تمہارے عمل تمہیں کام آئیں گے' ہم تم سے اور تمہارے شرک سے بیزار ہیں۔ اور جگہ فرمایا ﴿وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ﴾ ❶ الخ یعنی "اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو' تو کہہ دے کہ میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے۔ تم میرے (نیک) کام سے اور میں تمہارے اعمال سے بیزار ہوں۔" اور جگہ ارشاد ہے ﴿فَاِنْ حَآجُّوْكَ﴾ ❷ "یہ تجھ سے جھگڑیں تو' تو کہہ دے "میں نے اور میرے ماننے والوں نے اپنے منہ اللہ کی طرف کر دیئے" الخ"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے یہی فرمایا تھا ﴿اَتُحَآجُّوْنِّيْ فِي اللّٰهِ﴾ ❸ اللہ کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو؟ اور جگہ ہے ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ﴾ ❹ 'تو نے اسے بھی دیکھا جو ابراہیم علیہ السلام سے اسکے رب کے بارے میں جھگڑنے لگا' پس یہاں ان جھگڑالو لوگوں سے کہا گیا کہ ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے' ہم تم سے بیزار تم ہم سے الگ' ہم عبادت اور توجہ میں اخلاص اور یک سوئی کرنے والے لوگ ہیں۔ پھر ان لوگوں کے دعوے کی تردید ہو رہی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی' تم اے یہودیو! اور اے نصرانیو! کیوں یہ باتیں بنا رہے ہو' کیا تمہارا علم اللہ سے بڑھ گیا' اللہ نے تو

❶ ١٠/ یونس:٤١۔ ❷ ٣/ آل عمران:٢٠۔ ❸ ٦/ الانعام:٨١۔ ❹ ٢/ البقرة:٢٥٨۔

صاف فرمادیا ﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ ❶ ''ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی نہ مشرک بلکہ خالص مسلمان تھے۔'' ان کا اللہ کی شہادت کو چھپا کر بڑا ظلم کرنا یہ تھا کہ اللہ کی کتاب جو ان کے پاس آئی اس میں انہوں نے پڑھا کہ حقیقی دین اسلام ہے' محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ ابراہیم' اسماعیل' اسحاق اور یعقوب علیہم السلام وغیرہ یہودیت اور نصرانیت سے الگ تھے' لیکن پھر نہ مانا اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس بات کو بھی چھپا دیا۔ پھر فرمایا تمہارے اعمال اللہ پر پوشیدہ نہیں اس کا محیط علم سب چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے وہ ہر بھلائی اور برائی کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ یہ تنبیہہ کرنے کے بعد پھر فرمایا کہ یہ پاکباز جماعت تو اللہ کے پاس پہنچ چکی تم جب تک ان کے نقش قدم پر نہ چلو' صرف ان کی اولاد میں سے ہونا تمہیں اللہ کے ہاں کوئی عزت اور نفع نہیں دے سکتا ہے' ان کے نیک اعمال میں تمہارا کوئی حصہ نہیں اور تمہاری بداعمالیوں کا ان پر کوئی بوجھ نہیں۔ ''جو کرے وہی بھرے''۔ تم نے جب ایک نبی کی تکذیب کی تو گویا تمام انبیا علیہم السلام کو جھٹلایا' بالخصوص اے وہ لوگو! جو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں ہو تم تو بڑے ہی وبال میں آ گئے' تم نے اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا جو سید الانبیا ہیں' جو ختم المرسلین ہیں' جو رسول رب العالمین ہیں۔ جن کی رسالت تمام انسانوں اور جنوں کی طرف ہے' جن کی رسالت کے ماننے کا ہر ایک شخص مکلف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بے شمار درود و سلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر بھی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ تفسیر ابن کثیر اردو کا پہلا پارہ ختم ہوا۔

❶ ۳/ آل عمران:٦٧۔

فہرست

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

ترجمہ: عنقریب نادان لوگ کہیں گے کہ جس قبلہ پر یہ تھے اس سے انہیں کس چیز نے ہٹایا؟ تو کہہ دے (اے نبی) کہ مشرق و مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے، وہ جسے چاہے سیدھی راہ کی ہدایت کر دے۔[۱۴۲] ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہو جائیں؛ جس قبلہ پر تم پہلے سے تھے اسے ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں کہ رسول کا سچا تابعدار کون ہے اور کون ہے جو اپنی ایڑیوں پر جاتا ہے، گو یہ کام مشکل ہے مگر جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے (ان پر کوئی مشکل نہیں) اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان ضائع نہ کریگا اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے۔[۱۴۳]

قبلہ کی تبدیلی کا حکم: [آیت:۱۴۲-۱۴۳] کہا جاتا ہے کہ یہ ''بیوقوف'' لوگوں سے عرب کے مشرکین مراد ہیں ایک قول ہے کہ علمائے یہود مراد ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ منافقین مراد ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، لیکن خود آپ ﷺ کی خواہش یہ تھی کہ آپ کا قبلہ خانہ کعبہ ہو'' چنانچہ حکم ملنے کے بعد آپ نے اس طرف منہ کر کے پہلی نماز عصر کی پڑھی۔ جن لوگوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی تھی ان میں سے ایک شخص ایک مسجد کے پاس سے گزرا وہاں لوگ رکوع میں تھے۔ اس نے کہا ''اللہ کی قسم میں نے مکہ کی طرف رخ کر کے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی ہے'' یہ سن کر وہ لوگ اسی حالت میں کعبہ کی طرف گھوم گئے اور ایسے لوگ جو تبدیلی قبلہ سے قبل انتقال کر گئے اور بہت سے تھے جو شہید ہوئے۔ لوگوں کو معلوم نہ تھا ان کی نمازوں کے بارے میں کیا کہیں؟ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ﴾ نازل فرمائی ''یعنی اللہ تعالیٰ تم لوگوں کے ایمان ضائع نہ کرے گا'' صحیح مسلم میں یہ روایت دوسری طرح سے ہے۔ ❶ ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے اور اکثر آسمان کی جانب نظریں اٹھا کر حکم کا انتظار کرتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ﴾ الخ اور کعبۃ اللہ قبلہ مقرر رہوا۔ اس موقع پر مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں نے کہا کاش ہم کو ان لوگوں کا حال معلوم ہوتا جو سمت قبلہ بدلنے سے قبل وفات پا گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ﴾ نازل فرمائی۔ ❷

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ البقرۃ، باب۱۷ ح۴۴۸۶؛ صحیح مسلم، ۵۲۵۔

❷ ابن اسحاق بسندہ، اس کی سند اسماعیل بن ابی خالد کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

اہل کتاب میں سے بعض بیوقوفوں نے اس تبدیلی قبلہ پر اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي﴾ نازل فرمائی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی تو بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا حکم ہوا تھا۔ اس سے یہودی بہت خوش تھے، مگر آپ قبلہ ابراہیمی کو پسند کرتے تھے۔ چنانچہ جب قبلہ کی تبدیلی کا حکم ہوا تو یہودیوں نے حسد کی بنا پر اعتراضات کئے جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ "مشرق اور مغرب سب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔" ❶ الخ اس بارے میں دیگر کافی احادیث بھی مروی ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ آپ مکہ میں دو رکنوں کے درمیان صخرہ بیت المقدس کو سامنے رکھ کر نماز پڑھتے تھے۔ جب آپ ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو ان دونوں کو جمع کرنا ناممکن ہو گیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف نماز میں منہ کرنے کا حکم دیا۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ آپ کو اس بات کا حکم قرآن کے ذریعہ سے دیا گیا یا کسی دوسرے ذریعہ سے؟ بعض کہتے ہیں کہ یہ آپ کا اجتہادی امر تھا اور مدینہ آنے کے کئی ماہ بعد تک آپ اسی پر عامل رہے اگرچہ آپ اللہ تعالیٰ سے تبدیلی قبلہ کے خواستگار تھے بالآخر دعا قبول کی گئی۔ بیت اللہ کی طرف پہلی نماز عصر پڑھی۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ نماز ظہر تھی۔

حضرت ابوسعید ابن مُعلّی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اور میرے ساتھی نے پہلی نماز جو کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھی وہ ظہر کی نماز تھی۔ بعض مفسرین وغیرہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ پر جب قبلہ بدلنے کی آیت نازل ہوئی تو اس وقت آپ ﷺ مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے اور دو رکعت ادا کر چکے تھے پھر باقی کی دو رکعتیں آپ نے بیت اللہ کی طرف پڑھیں، اسی وجہ سے اس مسجد کا نام ہی مسجد القبلتین یعنی دو قبلے والی مسجد ہے۔ حضرت نویلہ بنت مسلم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم ظہر کی نماز میں تھے جب ہمیں یہ خبر ملی اور ہم نماز ہی میں گھوم گئے۔ مرد عورتوں کی جگہ آ گئے اور عورتیں مردوں کی جگہ جا پہنچیں۔ ہاں اہل قبا کو دوسرے دن صبح کی نماز کے وقت یہ خبر پہنچی۔ بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لوگ مسجد قبا میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے، کہ اچانک کسی آنے والے نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ پر رات کو حکم قرآنی نازل ہوا اور کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہو گیا چنانچہ ہم لوگ بھی شام کی طرف سے منہ ہٹا کر کعبہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ❷ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ناسخ کے حکم کا لازم ہونا اس وقت ہوتا ہے جب اس کا علم ہو جائے۔ گو وہ حکم پہلے ہی نازل ہو چکا ہو کیونکہ اس لئے کہ ان حضرات کو عصر مغرب اور عشا کے لوٹانے کا حکم نہیں ہوا، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

اب باطل پرست کمزور عقیدے والے باتیں بنانے لگے کہ اس کی کیا وجہ ہے، کبھی اسے قبلہ کہتا ہے کبھی اسے۔ انہیں جواب ملا کہ حکم اور تصرف اور امر اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جدھر منہ کرو اسی طرف اس کا منہ ہے۔ بھلائی سب کچھ اسی میں نہیں آ گئی بلکہ اصلیت تو ایمان کی مضبوطی ہے جو ہر حکم کے ماننے پر مجبور کر دیتی ہے اور اس میں گویا مؤمنوں کو ادب سکھایا گیا ہے کہ ان کا کام صرف حکم کی بجا آوری ہے۔ جدھر انہیں متوجہ ہونے کا حکم دیا جائے یہ متوجہ ہو جاتے ہیں اطاعت کے معنی اس کی حکم برداری کے ہیں۔ اگر وہ ایک دن میں سو مرتبہ ہر طرف گھمائے تو ہم بخوشی گھوم جائیں گے ہم اس کے غلام ہیں ہم اس کے ماتحت ہیں اس کے فرمانبردار اور اس کے خادم ہیں۔ جدھر وہ حکم دے گا منہ پھیر لیں گے۔ امت محمد یہ پر یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اکرام ہے کہ انہیں خلیل الرحمن علیہ السلام کے قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا جو اسی اللہ وحدہ ہو لا شریک کے نام پر بنایا گیا ہے اور جسے تمام تر فضیلتیں حاصل ہیں۔ مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث

---

❶ الطبری، ۳/ ۱۳۸۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی القبلۃ...... ، ۴۰۳؛ صحیح مسلم، ۵۲۶؛ ترمذی، ۳۴۱؛ نسائی، ۷۴۳۔

میں ہے کہ ''یہودیوں کو ہم سے اس بات پر بڑا حسد ہے کہ اللہ نے ہمیں جمعہ کے دن کی توفیق دی اور یہ اس سے بھٹک گئے اور اس پر کہ ہمارا قبلہ یہ ہے اور وہ اس سے گمراہ ہو گئے اور بڑا حسد ان کو ہماری آمین کہنے پر بھی ہے جو ہم امام کے پیچھے کہتے ہیں۔'' ❶

امت وسط کا مطلب: پھر فرمایا ہے کہ ''اس پسندیدہ قبلہ کی طرف تمہیں متوجہ کرنا اس لئے ہے کہ تم خود بھی پسندیدہ امت ہو اور تم دوسری امتوں پر قیامت کے دن گواہ بنے رہو گے کیونکہ وہ سب تمہاری فضیلت مانتے ہیں۔'' وسط کے معنی یہاں پر بہتر اور عمدہ کے ہیں جیسے کہا جاتا ہے کہ قریش نسب کے اعتبار سے وسط عرب ہیں' اور کہا گیا ہے کہ حضور ﷺ اپنی قوم میں وسط تھے یعنی اشرف نسب والے اور صلوٰۃ وسطیٰ یعنی افضل تر نماز جو عصر ہے جیسے صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ اور چونکہ تمام امتوں میں یہ امت بہتر' افضل اور اعلیٰ ہے اس لئے انہیں شریعت بھی کامل راستہ بھی بالکل درست ملا اور دین بھی بہت واضح دیا گیا جیسے فرمان ہے۔ ﴿هُوَ اجْتَبٰكُمْ﴾ الخ اس اللہ نے تمہیں چن لیا اور تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں کی۔ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تم ہو اسی نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے اس سے پہلے بھی اور اس میں بھی تاکہ رسول ﷺ تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر۔

مسند احمد میں ہے ''رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں نوح علیہ السلام کو قیامت کے دن بلایا جائے گا اور ان سے دریافت کیا جائے گا کہ کیا تم نے میرا پیغام میرے بندوں کو پہنچا دیا تھا، وہ کہیں گے کہ ہاں یا اللہ پہنچا دیا تھا۔ اس کے بعد ان کی امت کو بلایا جائیگا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا نوح علیہ السلام نے میری باتیں تمہیں پہنچائیں تھیں؟ وہ صاف انکار کریں گے اور کہیں گے ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ نوح علیہ السلام سے کہا جائے گا کہ تمہاری امت انکار کرتی ہے، تم گواہ پیش کرو۔ وہ کہیں گے کہ ہاں محمد ﷺ اور آپ کی امت میری گواہ ہے۔'' یہی مطلب اس آیت ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ﴾ کا ہے۔ وسط کے معنی عدل کے ہیں۔ ''اب تمہیں بلایا جائے گا اور تم گواہی دو گے اور میں تم پر گواہی دوں گا'' (بخاری' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ)۔ ❷ مسند احمد کی ایک اور روایت میں ہے قیامت کے دن نبی آئیں گے اور ان کے ساتھ ان کی امت کے صرف دو ہی شخص ہوں گے اور اس سے زیادہ بھی۔ اس کی امت کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا اس نبی نے تمہیں تبلیغ کی تھی؟ وہ انکار کریں گے۔ نبی سے پوچھا جائے گا تم نے تبلیغ کی وہ کہیں گے ہاں۔ کہا جائے گا تمہارا گواہ کون ہے؟ وہ کہیں گے کہ محمد ﷺ اور آپ کی امت۔ پس محمد ﷺ اور آپ کی امت بلائی جائے گی۔ ان سے یہی سوال ہو گا کہ کیا اس پیغمبر نے تبلیغ کی؟ یہ کہیں گے ہاں۔ ان سے کہا جائے گا کہ تمہیں کیسے علم ہوا؟ یہ جواب دیں گے کہ ہمارے پاس ہمارے نبی آئے اور آپ نے خبر دی کہ انبیاء علیہم السلام نے تیرا پیغام اپنی اپنی امتوں کو پہنچایا۔ یہی مطلب ہے' اللہ عزوجل کے اس فرمان ﴿وَ كَذٰلِكَ﴾ کا۔ ❸ مسند احمد کی ایک اور حدیث میں وَسَطًا بمعنی عَدْلًا آیا ہے۔ ❹ ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم میں ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اور میری امت قیامت کے دن ایک اونچے ٹیلے پر ہوں گے، تمام مخلوق میں نمایاں ہوں گے اور سب کو دیکھ رہے ہوں گے۔ اس روز تمام دنیا تمنا کرے گی کہ کاش وہ بھی ہم میں سے ہوتے۔ جس جس نبی کی قوم نے اسے جھٹلایا ہے ہم دربار رب العالمین میں شہادت دیں گے کہ ان تمام انبیاء علیہم السلام نے حق رسالت ادا کیا تھا۔'' ❺

❶ احمد، ۱/ ۱۳۵، ۱۳۶، وسندہ ضعیف وھو حسن بالشواھد دیکھئے میری کتاب القول المتین فی الجھر بالتامین ص ٤٦، ٤٧ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔ دیکھئے (صحیح الترغیب، ٥١٥) ❷ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ البقرۃ، باب ١٣، ح ٤٤٨٧، وانظر، ٣٣٣٩، ترمذی، ٢٩٦١؛ ابن ماجۃ، ٤٢٨٤۔ ❸ صحیح، احمد، ٣/ ٥٨؛ ابن ماجۃ، کتاب الزھد، باب صفۃ امۃ محمد ﷺ، ٤٢٨٤؛ صحیح بخاری، ٣٣٣٩ بلفظ آخر۔ ❹ احمد، ٣/ ٩؛ ترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ البقرۃ، ٢٩٦١ وصحیح بخاری، ٧٣٤٩۔ ❺ اس کی سند ضعیف ہے۔

مستدرک حاکم میں ایک حدیث میں ہے کہ بنی مسلمہ کے قبیلے کے ایک شخص کے جنازے میں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ لوگ کہنے لگے حضور! یہ بڑا نیک آدمی بڑا متقی پارسا اور سچا مسلمان تھا' اور بھی بہت سی تعریفیں کیں۔ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم یہ کس طرح کہہ رہے ہو؟ اس شخص نے کہا حضور! پوشیدگی کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔ لیکن ظاہر میں تو اس کی ایسی ہی حالت تھی۔ آپ نے فرمایا اس کے لئے واجب ہوگئی۔" "پھر بنو حارثہ کے ایک شخص کے جنازے میں تھے۔ لوگ کہنے لگے حضرت! یہ برا آدمی تھا' بڑا بدزبان اور کج خلق تھا۔ آپ نے اس کی برائیاں سن کر پوچھا تم کیسے یہ کہہ رہے ہو۔ اس شخص نے بھی یہی کہا۔ آپ نے فرمایا اس کے لئے واجب ہوگئی۔" محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو سن کر فرمانے لگے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں' دیکھو قرآن بھی کہہ رہا ہے" ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ ❶ الخ مسند احمد میں ہے۔ ابوالاسود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' میں مدینہ میں آیا یہاں بیماری تھی، لوگ بکثرت مر رہے تھے۔ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو ایک جنازہ نکلا اور لوگوں نے مرحوم کی نیکیاں بیان کرنی شروع کیں۔ آپ نے فرمایا اس کے لئے واجب ہوگئی۔ اتنے میں دوسرا جنازہ نکلا لوگوں نے اس کی برائیاں بیان کیں۔ آپ نے فرمایا اس کے لئے واجب ہوگئی۔ میں نے کہا امیر المؤمنین! کیا واجب ہوگئی؟ آپ نے فرمایا میں نے وہی کہا جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے" کہ جس مسلمان کی بھلائی کی شہادت چار آدمی دیں اللہ اسے جنت میں داخل کرتا ہے۔" ہم نے کہا' حضور اگر تین دیں؟ آپ نے فرمایا" تین بھی۔" ہم نے کہا اگر دو ہوں؟ آپ نے فرمایا" دو بھی۔" پھر ہم نے ایک کی بابت سوال نہ کیا۔ ❷ ابن مردویہ کی ایک حدیث میں ہے' قریب ہے کہ تم اپنے بھلوں اور بروں کو پہچان لیا کرو۔ لوگوں نے کہا حضور! کس طرح؟ آپ نے فرمایا "اچھی تعریف اور بری شہادت سے۔" "تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔ ❸

پھر فرماتا ہے کہ پہلا قبلہ صرف امتحان کے طور پر تھا یعنی پہلے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کر کے پھر کعبۃ اللہ کی طرف پھیرنا صرف اس لئے تھا تاکہ معلوم ہو جائے کہ سچا تابعدار کون ہے؟ اور جہاں آپ توجہ کریں وہیں اپنی توجہ کرنے والا کون ہے؟ اور کون ہے جو ایک دم کروٹ لیتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے۔ یہ کام فی الحقیقت بہت اہم کام تھا لیکن جن کے دلوں میں ایمان و یقین ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے پیروکار ہیں' جو جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو فرمائیں سچ ہے' جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے' اپنے بندوں کو جس طرح چاہے حکم دے جو چاہے مٹائے جو چاہے باقی رکھے' اس کا ہر کام ہر حکم حکمت سے پر ہے اور ان پر اس حکم کی بجا آوری کچھ بھی مشکل نہیں۔

قبلہ کی تبدیلی امتحان کیلئے تھی ہاں بیمار دل والے تو جہاں نیا حکم آیا اور انہیں فوراً نیا درد اٹھا۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ﴾ ❹ یعنی' جب کبھی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض پوچھتے ہیں اس سے کس کا ایمان بڑھا؟" حقیقت یہ ہے کہ ایمان داروں کے ایمان بڑھتے ہیں اور ان کی دلی خوشی بھی اور بیمار دل والے اپنی پلیدی میں اور بڑھ جاتے ہیں۔ اور جگہ فرمان ہے ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى﴾ ❺ یعنی "ایمان والوں کے لئے یہ ہدایت اور شفا ہے اور بے ایمان لوگوں کے لئے کانوں میں بوجھ اور آنکھوں پر اندھاپن ہے۔" اور جگہ =

❶ حاکم، ٢/ ٢٦٨، بدون قول محمد بن کعب' علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ تلخیص میں فرماتے ہیں" کہ مصعب قوی نہیں ہے۔" اس روایت کی سند مصعب بن ثابت (ضعیف) کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ثناء الناس علی المیت، ١٣٦٨؛ ترمذی، ١٠٥٩؛ نسائی، ١٩٣٦؛ أحمد، ١/ ٢١۔٤٥۔ ❸ ابن ماجة، کتاب الزهد، باب الثناء الحسن، ٤٢٢١۔ وسنده حسن وصححه ابن حبان، (٢٠٥٩) والحاکم (١/ ١٢٠، ٤/ ٤٣٦) والذهبی۔ ❹ ٩/ التوبة: ١٢٤۔ ❺ ٤١/ فصلت: ٤٤۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤٤﴾

ترجمہ: ہم نے تیرے چہرے کا آسمان کی طرف پھرنا دیکھا' اب ہم تجھے اس قبلہ کی جانب متوجہ کریں گے جس سے تو خوش ہو جائے تو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے اور تم جہاں کہیں ہو اپنا چہرہ اسی طرف پھیرا کرو۔ اہل کتاب کو اس کے اللہ کی طرف سے اور حق ہونے کا قطعی علم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان اعمال سے غافل نہیں جو یہ کرتے ہیں۔ [۱۴۴]

= فرمان ہے ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا﴾ ❶ یعنی ''ہمارا اتارا ہوا قرآن مؤمنوں کے لئے سراسر شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کا نقصان ہی بڑھتا رہتا ہے۔'' اس واقعہ میں بھی تمام بزرگ صحابہ ثابت قدم رہے۔ اول اول سبقت کرنے والے مہاجر اور انصار دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھنے والے ہیں۔ چنانچہ اوپر حدیث بیان ہو چکی کہ کس طرح وہ نماز پڑھتے ہوئے یہ خبر سن کر گھوم گئے۔ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رکوع کی حالت میں تھے اسی میں کعبہ کی طرف پھر گئے ❷ جس سے ان کی کمال اطاعت اور اعلیٰ درجہ کی فرماں برداری ثابت ہوئی۔

اللہ تعالیٰ بندوں پر بہت شفیق ومہربان ہے: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا یعنی تمہاری بیت المقدس کی طرف پڑھی ہوئی نمازیں رد نہیں ہوں گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بلکہ ان کی اعلیٰ ایمانداری ثابت ہوئی۔ انہیں دو قبلوں کی طرف نماز پڑھنے کا ثواب عطا ہوگا۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کے ساتھ تمہارے گھوم جانے کو ضائع نہ کرے گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ رؤف ورحیم ہے۔ ❸

صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قیدی عورت کو دیکھا جس سے اس کا بچہ چھوٹ گیا تھا وہ اپنے بچے کو پاگلوں کی طرح تلاش کر رہی تھی اور جب وہ نہیں ملتا تو قیدیوں میں سے جس بچہ کو دیکھتی اسی کو گلے لگا لیتی یہاں تک کہ اس کا اپنا بچہ مل گیا۔ خوشی خوشی سے لپک کر اسے گود میں اٹھا لیا' سینے سے لگا کر پیار کیا اور اس کے منہ میں دودھ دیا۔ یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا بتاؤ تو کیا یہ اپنا بس چلتے ہوئے اس بچہ کو آگ میں ڈال دے گی؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہرگز نہیں۔ آپ نے فرمایا ''اللہ کی قسم جس قدر یہ ماں اپنے بچہ پر مہربان ہے اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رؤف ورحیم ہے۔''

قبلہ ابراہیمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت تھی: [آیت:۱۴۴] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ قرآن میں پہلا نسخ حکم قبلہ کا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ یہاں کے اکثر باشندے یہود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھنے کا حکم دیا۔ یہود اس سے بہت خوش ہوئے۔ آپ کئی ماہ تک اسی طرف نماز پڑھتے رہے لیکن خود آپ کی چاہت قبلہ ابراہیمی کی تھی۔ آپ اللہ سے دعائیں مانگا کرتے تھے اور نگاہیں آسمان کی طرف اٹھایا کرتے تھے۔ بالآخر آیت ﴿قَدْ نَرٰى﴾ الخ نازل

---

❶ ۱۷/ الاسرآء:۸۲۔ ❷ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب تحویل القبلة......، ۵۲۷۔

❸ صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب رحمة الولد، وتقبيله ومعانقته، ۵۹۹۹؛ صحیح مسلم، ۲۷۵۴۔

ہوئی۔ اس پر یہود کہنے لگے کہ اس قبلہ سے یہ کیوں ہٹ گئے؟ جس کے جواب میں کہا گیا کہ مشرق اور مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور فرمایا جدھر تمہارا منہ ہو ادھر ہی اللہ کا منہ ہے اور فرمایا کہ پہلا قبلہ بطور امتحان کے تھا۔ ❶ اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نماز کے بعد اپنا سر آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھے اس پر یہ آیت اتری اور حکم ہوا کہ مسجد حرام کی طرف کعبہ کی طرف میزاب کی طرف منہ کرو۔ جبرائیل علیہ السلام نے امامت کرائی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مسجد حرام میں میزاب کے سامنے بیٹھے ہوئے اس آیت مبارکہ کی تلاوت کی اور فرمایا میزاب کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہے۔ ❷ امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی ایک قول یہ ہے کہ عین کعبہ کی طرف توجہ مقصود ہے اور دوسرا قول آپ کا یہ ہے کہ جہت کعبہ کی ہونا کافی ہے' اور یہی مذہب اکثر ائمہ کرام کا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مراد اس کی طرف ہے۔ ابوالعالیہ' مجاہد' عکرمہ' سعید بن جبیر' قتادہ' ربیع بن انس رحمہ اللہ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے ❸ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔ ❹

ابن جریج میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں بیت اللہ قبلہ ہے مسجد حرام والوں کا اور مسجد قبلہ ہے اہل حرم کا اور حرم قبلہ ہے تمام زمین والوں کا خواہ مشرق میں ہوں خواہ مغرب میں۔ میری تمام امت کا قبلہ یہی ہے۔ ❺ ابونعیم میں بروایت براء رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے سولہ سترہ مہینے تک تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی لیکن آپ کو پسند یہ امر تھا کہ بیت اللہ کی طرف پڑھیں' چنانچہ اللہ کے حکم سے آپ نے بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر عصر کی نماز ادا کی۔ پھر نمازیوں میں سے ایک شخص مسجد والوں کے پاس گیا وہ رکوع میں تھے اس نے کہا میں حلفیہ گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی۔ یہ سن کر وہ جس حالت میں تھے اسی حالت میں بیت اللہ کی طرف پھر گئے۔ ❻ عبدالرزاق میں بھی یہ روایت قدرے اضافے کے ساتھ مروی ہے۔ ❼ نسائی میں ابوسعید بن مُعلّی سے مروی ہے کہ ہم صبح کے وقت مسجد نبوی میں حضور ﷺ کے زمانہ میں جایا کرتے تھے اور وہاں کچھ نوافل پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن ہم گئے تو دیکھا کہ نبی ﷺ منبر پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا آج کوئی نئی بات ضرور ہوئی ہے۔ میں بھی بیٹھ گیا تو حضور ﷺ نے یہ آیت ﴿قَدْ نَرٰى﴾ الخ تلاوت فرمائی۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا آؤ نبی ﷺ فارغ ہوں اس سے پہلے ہی ہم اس نئے حکم میں تعمیل کریں اور اول فرماں بردار بن جائیں۔ چنانچہ ہم ایک طرف ہو گئے اور سب سے پہلے بیت اللہ کی طرف نماز پڑھی۔ پھر حضور ﷺ بھی منبر سے اتر آئے اور اس قبلہ کی طرف پہلی نماز ظہر ادا کی گئی۔ ❽

ابن مردویہ میں بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما مروی ہے کہ پہلی نماز جو حضور ﷺ نے کعبہ کی طرف ادا کی وہ ظہر کی نماز ہے اور یہی نماز صلوٰۃ وسطی ہے۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ پہلی نماز کعبہ کی طرف عصر کی ادا ہوئی اسی وجہ سے اہل قبا کو دوسرے دن صبح کے وقت اطلاع پہنچی۔ ابن مردویہ میں بروایت نویلہ بنت مسلم رضی اللہ عنہا موجود ہے کہ ہم مسجد بنو حارثہ میں ظہر یا عصر کی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے ادا

---

❶ ابن ابی حاتم، ۱/ ۱۰۳۔ ❷ حاکم، ۲/ ۲۶۹۔ ❸ ابن ابی حاتم، ۱/ ۱۰۷۔۱۰۹۔

❹ ترمذی، کتاب الصلاة، باب ما جاء ان بين المشرق والمغرب قبلة، ٣٤٤ وهو صحيح؛ ابن ماجة، ١٠١١؛ نسائی، ٢٢٤٥۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے بالشواہد صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (الارواء، ٢٩٢)

❺ قرطبی، ۲/ ۱۵۹؛ البيهقی، ۲/ ۹، ۱۰۔ وقال: تفرد به عمر بن حفص المكی وهو ضعيف لا يحتج به۔

❻ صحيح بخاری، كتاب التفسير، سورة البقرة، باب ١٢، ح٤٤٨٦۔

❼ عبدالرزاق فی التفسير، ۱۱۲؛ صحيح البخاری، ٣٩٩۔ ❽ السنن الكبرىٰ للنسائی، ١١٠٠٤؛ مجمع الزوائد، ۲/ ۱۲، اس کی سند میں مروان بن عثمان ضعیف راوی ہے۔ (الميزان، ٤/ ٩٢، رقم: ٨٤٣٣) لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

گزر رہے تھے اور رکعت پڑھ چکے تھے کہ کسی نے آ کر قبلہ کے بدل جانے کی خبر دی۔ چنانچہ ہم نماز ہی میں بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو گئے اور باقی نماز اسی طرف ادا کی۔ اس گھومنے میں مرد عورتوں کی جگہ اور عورتیں مردوں کی جگہ آ گئیں۔ آپ کے پاس جب یہ خبر پہنچی تو خوش ہو کر فرمایا یہ ہیں ایمان بالغیب رکھنے والے۔ ❶ ابن مردویہ میں بروایت عمارہ بن اوس رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رکوع کی حالت میں ہمیں اطلاع ملی اور ہم سب مرد عورت بچے اسی حالت میں اس قبلہ کی طرف گھوم گئے۔ ❷

مسافر، لاعلم اور مجاہد کا قبلہ رخ ہونا: پھر ارشاد ہوتا ہے ''تم جہاں بھی ہو مشرق مغرب شمال جنوب میں نماز کے وقت منہ کعبہ کی طرف کرو۔'' ہاں البتہ سفر میں سواری پر نفل پڑھنے والا جدھر سواری جا رہی ہو ادھر ہی نفل ادا کرے اس کے دل کی توجہ کعبہ کی طرف ہونا کافی ہے۔ اسی طرح میدان جنگ میں نماز پڑھنے والا جس طرح اور جس طرف ہو سکے نماز ادا کر لے اور اسی طرح وہ شخص جسے قبلہ کی جہت کا قطعی علم نہیں' اور وہ اندازہ سے جس طرف زیادہ دل جھکے نماز ادا کر لے پھر گو اس کی نماز فی الواقع قبلہ کی طرف نہ بھی ہوئی ہو تو بھی وہ اللہ کے ہاں معاف ہے۔

نماز کی حالت میں نظر کہاں رکھیں؟ مسئلہ مالکیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نمازی حالت نماز میں اپنے سامنے اپنی نظریں رکھے نہ کہ سجدے کی جگہ جیسے شافعی، احمد اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ کا مذہب ہے اس لئے کہ آیت کے الفاظ یہ ہیں کہ منہ مسجد حرام کی طرف کرو اور اگر سجدے کی جگہ نظر جمانا چاہے گا تو قدرے جھکنا پڑے گا اور یہ تکلف کمال خشوع کے خلاف ہوگا۔ بعض مالکیہ کا یہ قول بھی ہے کہ قیام کی حالت میں اپنے سینہ کی طرف نظر رکھے۔

قاضی شریح کہتے ہیں کہ قیام کے وقت سجدے کی جگہ نظر رکھے جیسے کہ جمہور علما کا قول ہے اس لئے کہ یہ پورا پورا خشوع وخضوع ہے اور ایک حدیث بھی اس مضمون کی آئی ہے۔ اور رکوع کی حالت میں اپنے قدموں کی جگہ پر نظر رکھے اور سجدے کے وقت ناک کی جگہ اور التحیات کے وقت اپنی گود کی طرف۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہودی جو چاہیں باتیں بنائیں لیکن ان کے دل جانتے ہیں کہ قبلہ کی تبدیلی اللہ کی جانب سے ہے اور برحق ہے کیونکہ یہ خود ان کی کتابوں میں بھی موجود ہے لیکن یہ لوگ کفر وعناد اور تکبر وحسد کی وجہ سے اسے چھپاتے ہیں۔ مگر اللہ بھی ان کی ان کرتوتوں سے بے خبر نہیں۔

حق چھوڑ کر باطل کی پیروی کرنا ظلم ہے: یہودیوں کے کفر وعناد اور مخالفت اور سرکشی کا بیان ہو رہا ہے کہ باوجودیکہ شان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں علم ہے لیکن پھر بھی یہ حالت ہے کہ ہر قسم کی دلیلیں پیش ہو چکنے کے بعد بھی حق کی پیروی نہیں کرتے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰیَةٍ حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ﴾ ❸ یعنی ''جن لوگوں پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے گو ان کے پاس تمام آیات آ جائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔'' پھر اپنے نبی کی استقامت بیان فرماتا ہے کہ جس طرح وہ ناحق پر اڑے ہوئے ہیں اور وہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے تو وہ بھی سمجھ لیں کہ ہمارے نبی ایسے نہیں کہ ان کی باتوں میں آ جائیں اور ان کی راہ لگ جائیں وہ ہمارے تابع فرمان اور ہماری مرضی کے عامل ہیں وہ ان کی باطل خواہش کی تابعداری ہرگز نہیں کریں گے نہ ان سے یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارا حکم آ جانے کے بعد ان کے قبلہ کی =

---

❶ طبرانی، ۲۴/ ۵۳۰۔ یہ روایت مرفوع ہے۔ اس کا راوی اسحاق بن ادریس الاسواری البصری کذاب ہے، دیکھئے تاریخ ابن معین روایۃ الدوری، ٤٦٧٧۔

❷ مسند أبی یعلی، ۱۵۰۹؛ مجمع الزوائد، ۲/ ۱۳ اس کی سند قیس بن ربیع کی وجہ سے ضعیف ہے۔

❸ ۱۰/ یونس: ۹۶، ۹۷۔

وَلَىِٕنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

ع

ترجمہ: تو اگر چہ اہل کتاب کو تمام دلیلیں دے دے لیکن وہ تیرے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ تو ان کے قبلے کا ماننے والا ہے اور نہ یہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے والے ہیں اور اگر تو باوجود یکہ تیرے پاس علم آ چکا پھر بھی انکی خواہشوں کے پیچھے لگ جائے تو بالیقین تو بھی ظالموں میں سے ہے۔[۱۴۵] جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ تو اسے ایسا پہچانتے ہیں جیسے کوئی اپنے بچوں کو پہچانے ان کی ایک جماعت حق کو پہچان کر پھر چھپاتی ہے۔[۱۴۶] تیرے رب کی طرف سے یہ سراسر حق ہے خبردار تو شک والوں میں سے نہ ہونا۔[۱۴۷]

= طرف توجہ کریں۔ پھر اپنے نبی ﷺ کو خطاب کر کے دراصل علما کو دھمکایا گیا کہ حق کے واضح ہو جانے کے بعد کسی کے پیچھے لگ جانا اور اپنی یا دوسروں کی خواہش پرستی کرنا یہ صریح ظلم ہے۔

حق اور یہودی علما کا کردار: [آیت:۱۴۵۔۱۴۷] ارشاد ہوتا ہے کہ علمائے اہل کتاب رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی باتوں کی حقانیت کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح باپ اپنے بیٹوں کو پہچانے۔ یہ ایک مثال تھی جو کامل یقین کے وقت عرب بولا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں ہے ایک شخص کے ساتھ ایک چھوٹا بچہ تھا' آپ نے اس سے پوچھا یہ تیرا لڑکا ہے؟ اس نے کہا ہاں حضور! آپ بھی گواہ رہئے۔ آپ نے فرمایا نہ یہ تجھ پر پوشیدہ رہے نہ تو اس پر۔ ❶

قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے جو یہودیوں کے زبردست علامہ تھے پوچھا' کیا تو حضرت محمد ﷺ کو ایسا ہی جانتا ہے جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتا ہے؟ جواب دیا ہاں بلکہ اس سے بھی زیادہ اس لئے کہ آسمانوں کا امین فرشتہ زمین کے امین شخص پر نازل ہوا اور اس نے آپ کی صحیح تعریف بتا دی یعنی حضرت جبرائیل، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور پھر پروردگار عالم نے آپ کی صفتیں بیان کیں جو سب کی سب آپ میں موجود ہیں پھر ہمیں آپ کے نبی برحق ہونے میں کیا شک رہا؟ ہم آپکو بیک نگاہ کیوں نہ پہچان لیں؟ بلکہ ہمیں اپنی اولاد کے بارے میں شک ہے اور آپ کی نبوت میں کچھ شک نہیں۔ ❷ غرض یہ ہے کہ جس طرح لوگوں کے ایک بڑے مجمع میں ایک شخص اپنے لڑکے کو پہچان لیتا ہے اسی طرح حضور ﷺ کے اوصاف جو اہل کتاب کی آسمانی کتابوں میں ہیں وہ آپ میں اس طرح نمایاں ہیں کہ بیک نگاہ ہر شخص آپ کو جان جاتا ہے۔

❶ ابوداود، کتاب الترجل، باب فی الخضاب، ۴۲۰۸؛ نسائی، ۴۸۳۶؛ مسند الحمیدی بتحقیقی: ۸۶۸ وسندہ صحیح۔

❷ قرطبی، ۲/ ۱۶۳۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٤٨﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٩﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾

ترجمہ: ہر شخص ایک نہ ایک طرف متوجہ ہو رہا ہے تم نیکیوں کی طرف دوڑو۔ جہاں کہیں بھی تم ہو گے اللہ تمہیں لے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔[۱۴۸] تو جہاں سے نکلے اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیا کر' یہی حق ہے اور تیرے رب کا حکم ہے' جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں۔[۱۴۹] اور جس جگہ سے تو نکلے اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے' اور جہاں کہیں تم ہو وا اپنے چہرے اسی طرف کیا کرو تا کہ لوگوں کی کوئی حجت تم پر باقی نہ رہ جائے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا ہے' تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرتے رہو اور تا کہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں اور اس لئے بھی کہ تم راہ راست پاؤ۔[۱۵۰]

پھر فرمایا کہ باوجود اس علم حق کے پھر بھی یہ لوگ اسے چھپاتے ہیں۔ پھر اپنے نبی اور مسلمانوں کو ثابت قدمی کا حکم دیا کہ خبردار تم ہرگز حق کے حق ہونے میں شک نہ کرنا۔

ہدایت والا قبلہ: [آیت: ۱۴۸۔۱۵۰] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہر مذہب والوں کا ایک قبلہ ہے لیکن سچا قبلہ وہ ہے جس پر مسلمان ہیں۔ ❶ ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہود کا بھی قبلہ ہے نصرانیوں کا بھی قبلہ ہے اور تمہارا بھی قبلہ ہے لیکن ہدایت والا قبلہ وہی ہے جس پر اے مسلمانو تم ہو۔ ❷ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی مروی ہے کہ ہر ایک وہ قوم جو کعبہ کو قبلہ مانتی ہے وہ بھلائیوں میں سبقت کرے۔ مُوَلِّيهَا کی دوسری قراءت مُوَلَّاهَا ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً﴾ ❸ یعنی ہر شخص کو اپنے اپنے قبلہ کی پڑی ہوئی ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی راہ لگا ہوا ہے فرمایا کہ گو تمہارے جسم اور بدن مختلف ہو جائیں۔ گو تم ادھر ادھر بکھر جاؤ لیکن اللہ تمہیں اپنی قدرت کاملہ سے اسی زمین سے جمع کر لے گا۔

یہودیوں کے بے جا اعتراضات کی پرواہ نہ کرو: یہ تیسری مرتبہ حکم ہو رہا ہے کہ روئے زمین کے مسلمانوں کو نماز کے وقت مسجد حرام کی طرف منہ کرنا چاہئے۔ تین مرتبہ تاکید اس لئے کی گئی کہ یہ تبدیلی کا حکم پہلی ہی بار واقع ہوا تھا۔ فخر الدین رازی نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ پہلا حکم تو ان کے لئے ہے جو کعبہ کو دیکھ رہے ہیں۔ دوسرا حکم ان کے لئے ہے جو مکہ میں ہیں لیکن کعبہ ان کے سامنے نہیں۔ تیسری بار انہیں حکم دیا جو مکہ کے باہر روئے زمین پر ہیں قرطبی نے ایک توجیہ یہ بھی بیان کی ہے کہ پہلا حکم مکہ والوں کے لئے ہے دوسرا شہر والوں کیلئے تیسرا مسافروں کیلئے۔ بعض کہتے ہیں تینوں احکامات کا تعلق اگلی پچھلی عبارت سے ہے۔ پہلے حکم میں تو =

❶ الطبری، ۳/ ۱۹۳۔ ❷ ابن ابی حاتم، ۱/ ۱۲۱۔ ❸ ٥/ المآئدۃ:٤٨۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ

وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٥١﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا

تَكْفُرُوْنِ ﴿١٥٢﴾ ع ۱۸

ترجمہ: جس طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے رسول بھیجا جو ہماری آیات تمہارے سامنے تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور حکمت اور وہ چیزیں سکھاتا ہے جن سے تم بے علم تھے۔[۱۵۱] پس تم میرا ذکر کرو میں بھی تمہیں یاد کروں گا میری شکرگزاری کرو اور ناشکری سے بچو۔[۱۵۲]

= آنحضور ﷺ کی طلب کا اور پھر اس کی قبولیت کا ذکر ہے اور دوسرے حکم میں اس بات کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کی یہ چاہت بھی ہماری چاہت کے مطابق تھی اور حق امر یہی تھا اور تیسرے حکم میں یہودیوں کی حجت کا جواب ہے کہ ان کے کتابوں میں پہلے سے موجود تھا کہ آپ کا قبلہ کعبہ ہو گا تو اس حکم سے وہ پیش گوئی بھی پوری ہوئی' ساتھ ہی مشرکین کی حجت بھی ختم ہوئی کہ وہ کعبہ کو متبرک اور مشرف مانتے تھے اور اب حضور ﷺ کی توجہ بھی اسی کی طرف ہو گئی۔ رازی وغیرہ نے اس حکم کو بار بار لانے کی حکمتوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ پھر فرمایا تاکہ اہل کتاب کو کوئی حجت تم پر باقی نہ رہے وہ جانتے تھے کہ اس امت کی صفت کعبہ کی طرف نماز پڑھنا ہے۔ جب وہ یہ صفت نہ پائیں گے تو انہیں شک کی گنجائش ہو سکتی ہے لیکن جب انہوں نے اس قبلہ کی طرف پھرتے ہوئے آپ کو دیکھ لیا تو اب انہیں کسی طرح کا شک نہ رہنا چاہیے۔ اور یہ بات بھی ہے کہ جب وہ تمہیں اپنے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہوئے دیکھیں گے تو ان کے ہاتھ ایک بہانہ لگ جائے گا لیکن جب تم ابراہیمی قبلہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ گے تو وہ خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔ حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہود کی یہ حجت تھی کہ آج یہ ہمارے قبلہ کی طرف پلٹے ہیں کل ہمارا مذہب بھی مان لیں گے لیکن جب آپ نے اللہ کے حکم سے اصلی قبلہ اختیار کر لیا تو ان کی اس ہوس پر پانی پڑ گیا۔

پھر فرمایا مگر جو ان میں سے ظالم اور حجت باز جو مشرکین اعتراضاً کہتے تھے کہ یہ شخص ملت ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن ابراہیمی قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھتا تو گویا انہیں جواب مل گیا کہ یہ نبی ہمارے احکام کا متبع ہے۔ پہلے ہم نے اپنے کمال حکمت سے اپنے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا جسے یہ بجا لائے پھر ابراہیمی قبلے کی طرف پھر جانے کو کہا جسے جان و دل سے بجا لائے۔ پس آپ ہر حال میں ہمارے احکام کے ماتحت ہیں (صلی اللہ علیہ و اصحابہ و اتباعہ وسلم)۔ پھر فرمایا ان ظالموں کے شبہ ڈالنے سے تم شک میں نہ پڑو۔ ان باغیوں کی سرکشی سے تم خوف نہ کرو' ان کے بیجا اعتراضات کی مطلق پرواہ نہ کرو' ہاں میری ذات سے خوف کیا کرو' صرف مجھ ہی سے ڈرتے رہا کرو۔ قبلہ بدلنے میں جہاں یہ مصلحت تھی کہ لوگوں کی زبانیں بند ہو جائیں وہاں یہ بھی بات تھی کہ میں چاہتا تھا کہ اپنی نعمت تم پر پوری کر دوں' اور قبلہ کی طرح تمہاری ہر شریعت کامل کر دوں' اور تمہارے دین کو ہر طرح مکمل کر دوں۔ اور اس میں یہ ایک راز بھی تھا کہ جس قبلہ سے اگلی امتیں بہک گئیں تم اس سے نہ ہٹو۔ ہم نے اس قبلہ کو خصوصیت کے ساتھ تمہیں عطا فرما کر تمہارا اشرف اور تمہاری فضیلت و بزرگی تمام امتوں پر ثابت کر دی۔

انسانیت پر بیش بہا نعمت کا ذکر: [آیت:۱۵۱-۱۵۲] یہاں اللہ تعالیٰ اپنی بہت بڑی نعمت کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے ہم میں ہماری جنس کا ایک نبی مبعوث فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی روشن اور نورانی کتاب کی آیتیں ہمارے سامنے تلاوت فرماتا ہے اور رذیل عادتوں

اور نفس کی شرارتوں اور جاہلیت کے کاموں سے ہمیں روکتا ہے اور ظلمت کفر سے نکال کر نور ایمان کی طرف رہبری کرتا ہے اور کتاب و حکمت یعنی قرآن و حدیث ہمیں سکھاتا ہے اور وہ وہ راز ہم پر کھولتا ہے جو آج تک ہم پر نہیں کھلے تھے۔ پس آپ کی وجہ سے وہ لوگ جن پر صدیوں سے جہالت چھائی ہوئی تھی جنہیں صدیوں سے تاریکی نے گھیر رکھا تھا جن پر مدتوں سے بھلائی کا پرتو بھی نہیں پڑا تھا' وہ دنیا کی زبردست علامہ ہستیوں کے استاد بن گئے۔ وہ علم میں گہرے' تکلف میں تھوڑے' دلوں کے پاک اور زبان کے سچے بن گئے۔ دنیا کی حالت کا یہ انقلاب بجائے خود حضور ﷺ کی رسالت کی تصدیق کا ایک شاہد عدل ہے۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ❶ یعنی ایسے اولوالعزم پیغمبر کی بعثت مؤمنوں پر اللہ کا ایک زبردست احسان ہے۔ اس نعمت کی قدر نہ کرنے والوں کو قرآن کہتا ہے۔ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا﴾ ❷ کیا تو انہیں نہیں دیکھتا جنہوں نے اللہ کی اس نعمت کے بدلے کفر کیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈالا۔ یہاں اللہ کی نعمت سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ ❸ اسی لئے اس آیت میں بھی اپنی نعمت کا ذکر فرما کر لوگوں کو اپنی یاد اور اپنے شکر کا حکم دیا کہ جس طرح میں نے یہ احسان تم پر کیا تم بھی میرے ذکر اور میرے شکر سے غفلت نہ کرو۔ موسیٰ علیہ السلام رب العزت سے عرض کرتے ہیں کہ اللہ تیرا شکر کس طرح ادا کروں۔ ارشاد ہوتا ہے' مجھے یاد رکھ بھول نہیں۔ یاد رکھنا شکر ہے اور بھولنا کفر ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا قول ہے کہ جو شخص اللہ کو یاد کرے اللہ بھی اسے یاد کرتا ہے اور جو اس کا شکر کرے اس کو وہ زیادہ دیتا ہے اور ناشکرے کو عذاب کرتا ہے۔ بزرگ سلف سے مروی ہے کہ اللہ سے پورا ڈرنا یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی جائے اس کا ذکر کیا جائے' غفلت نہ برتی جائے۔ اس کا شکر کیا جائے ناشکری نہ کی جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال ہوتا ہے کہ کیا زانی' شرابی' چور اور قاتل نفس کو بھی اللہ یاد کرتا ہے؟ فرمایا ہاں برائی سے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے یاد کرو یعنی میرے ضروری احکام بجالاؤ میں تمہیں یاد کروں گا یعنی اپنی نعمتیں عطا فرماؤں گا۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' میں تمہیں بخش دوں گا اور اپنی رحمتیں تم پر نازل فرماؤں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ کو یاد کرنا بہت بڑی چیز ہے۔ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ "جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں جو مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ ❹ مسند احمد میں ہے کہ وہ جماعت فرشتوں کی ہے جو شخص میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور اگر تو اے بنی آدم میری طرف ایک ہاتھ بڑھے گا تو میں تیری طرف دو ہاتھ بڑھوں گا اگر تو میری طرف چلتا ہوا آئے گا تو میں تیری طرف دوڑتا ہوا آؤں گا۔" صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث ہے۔ ❺

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے بھی زیادہ قریب ہے پھر فرمایا میرا شکر کرو ناشکری نہ کرو۔ اور جگہ ہے ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ ❻ یعنی تیرے رب کی طرف سے یہ اعلان ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں برکت دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو یاد رکھو میرا عذاب سخت ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ عمران بن حصین رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ نہایت قیمتی حلہ پہنے ہوئے آئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی پر انعام کرتا ہے تو اس کا اثر اس پر دیکھنا چاہتا ہے۔ ❼

❶ ٣/ آل عمران:١٦٤۔ ❷ ١٤/ ابراهيم:٢٨۔ ❸ صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب قتل ابى جهل، ٣٩٧٧۔

❹ صحيح بخاري، كتاب التوحيد، باب ١٥ ح٧٤٠٥؛ صحيح مسلم، ٢٦٧٥۔

❺ احمد، ٣/ ١٣٨؛ صحيح بخاري، كتاب التوحيد، باب ذكر النبى...... ، ٧٥٣٦، مختصرًا۔

❻ ١٤/ ابراهيم:٧۔ ❼ أحمد، ٤/ ٤٣٨، وسنده صحيح۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝

ترجمہ: اے ایمان والو صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو اللہ تعالیٰ صبر والوں کا ساتھ دیتا ہے۔[۱۵۳] اور اللہ کی راہ کے شہیدوں کو مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے۔[۱۵۴]

بہترین وسیلہ، صبر اور نماز ہے: [آیت:۱۵۳۔۱۵۴] شکر کے بعد صبر کا بیان ہو رہا ہے اور ساتھ ہی نماز کا ذکر کر کے ان بڑے بڑے نیک کاموں کو ذریعہ نجات بنانے کا حکم ہو رہا ہے‘ ظاہر بات ہے کہ انسان اگر بھلائی کرتا ہوگا تو یہ موقعہ شکر ہے اگر برائی کرتا ہوگا تو یہ موقعہ صبر کا ہے۔ حدیث میں ہے ”مؤمن کی کیا ہی اچھی حالت ہے کہ ہر کام میں اس کے لئے سراسر بھلائی ہی بھلائی ہے۔ اسے راحت ملتی ہے شکر کرتا ہے تو اجر پاتا ہے‘ ❶ رنج پہنچتا ہے صبر کرتا ہے تو اجر پاتا ہے۔“ آیت میں اس کا بھی بیان ہو گیا کہ مصیبتوں پر تحمل کرے اور انہیں ٹالنے کا ذریعہ صبر و صلوٰۃ ہے جیسے اس سے پہلے گزر چکا کہ ﴿وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَ﴾ ❷ ”صبر و صلوٰۃ کے ساتھ استعانت چاہو یہ ہے تو اہم کام لیکن رب کا خوف رکھنے والوں پر بہت آسان ہے۔“ حدیث میں ہے ”جب کوئی کام حضور ﷺ کو غم میں ڈال دیتا تو آپ نماز شروع کر دیتے۔“ ❸ صبر کی دو قسمیں ہیں‘ حرام اور گناہ کے کاموں کے ترک کرنے پر‘ اطاعت اور نیکی کے کاموں کے کرنے پر۔ یہ صبر پہلے صبر سے بڑا ہے۔ تیسری قسم صبر کی مصیبت درد اور دکھ پر‘ یہ بھی واجب ہے جیسے عیبوں سے استغفار کرنا واجب ہے۔ حضرت عبدالرحمن رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری میں استقلال سے لگے رہنا چاہئے گو نفس پر شاق گزرے‘ طبیعت کے خلاف پڑے‘ جی نہ چاہے‘ ایک صبر تو یہ ہے۔ دوسرا صبر اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ کے کاموں سے رک جانا گو طبعی میلان اس طرف ہو‘ خواہش نفس اکسا رہی ہو۔ امام زین العابدین رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں قیامت کے دن ایک منادی ندا کرے گا کہ صبر کرنے والے کہاں ہیں؟ وہ بغیر حساب کتاب کے جنت میں چلے جائیں۔ کچھ لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور جنت کی طرف بڑھیں گے۔ فرشتے انہیں دیکھ کر پوچھیں گے کہ کہاں جا رہے ہو؟ یہ کہیں گے جنت میں‘ وہ کہیں گے ابھی تو حساب بھی نہیں ہوا۔ کہیں گے ہاں‘ حساب سے بھی پہلے۔ پوچھیں گے آخر آپ لوگ کون ہیں؟ جواب دیں گے ہم صابر لوگ ہیں‘ اللہ کی فرماں برداری میں لگے رہے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہے‘ مرتے دم تک اس پر اور اس پر صبر کیا اور جمے رہے۔ فرشتے کہیں گے پھر تو ٹھیک ہے بے شک تمہارا یہی بدلہ ہے اور اسی لائق تم ہو جاؤ جنت میں مزے کرو‘ اچھے کام والوں کا اچھا ہی انجام ہے یہی قرآن فرماتا ہے ﴿اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾ ❹ صابروں کو ان کا پورا پورا بدلہ بے حساب دیا جائے گا۔ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں صبر کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرے‘ اور مصیبتوں کا بدلہ اللہ کے ہاں ملنے کا یقین رکھے‘ ان پر ثواب طلب کرے۔ ہر گھبراہٹ پریشانی اور کٹھن موقعہ پر استقلال اور نیکی کی امید پر وہ خوش نظر آئے۔

❶ صحیح مسلم، کتاب الزھد، باب المؤمن امرہ کلہ خیر، ۲۹۹۹۔ ❷ ۲/ البقرۃ:۴۵۔

❸ ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب وقت قیام النبی ﷺ من اللیل، ۱۳۱۹ وسندہ ضعیف وحدیث احمد (۴/ ۳۳۳) یغنی عنہ۔

❹ ۳۹/ الزمر:۱۰۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٥٥﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿١٥٦﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿١٥٧﴾

ترجمہ: ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش کر ہی لیا کریں گے دشمن کے ڈر سے بھوک پیاس سے مال جان اور پھلوں کی کمی سے۔ صبر کرنے والوں کو خوشخبری دیدے۔[۱۵۵] انہیں جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔[۱۵۶] ان پر ان کے رب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔[۱۵۷]

شہدا کی زندگی: پھر فرمایا کہ شہیدوں کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ ایسی زندگی میں ہیں جسے تم نہیں سمجھ سکتے۔ انہیں حیات برزخی حاصل ہے اور وہاں وہ روزیاں پا رہے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ شہیدوں کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں ہیں اور جنت میں جس جگہ چاہیں چرتی چگتی پھرتی ہیں پھر ان قندیلوں میں آ کر بیٹھ جاتی ہیں جو عرش کے نیچے لٹک رہی ہیں۔ ان کے رب نے ایک مرتبہ انہیں دیکھا اور ان سے دریافت کیا کہ اب تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا اے اللہ ہمیں تو' تو نے وہ دے رکھا ہے جو کسی کو نہیں دیا' پھر ہمیں کس چیز کی ضرورت ہو گی؟ ان سے پھر یہی سوال ہوا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اب ہمیں نہیں چھوڑا جاتا تو کہا اے اللہ ہم چاہتے ہیں کہ تو ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج' ہم تیری راہ میں پھر جنگ کریں' پھر شہید ہو کر تیرے پاس آئیں اور شہادت کا دگنا درجہ پائیں۔ رب جل جلالہ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا' یہ تو میں لکھ چکا ہوں کہ کوئی بھی مرنے کے بعد دنیا کی طرف پلٹ کر نہیں جائے گا۔ ❶ مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ ''مومن کی روح ایک پرندہ ہے جو جنتی درختوں پر رہتی ہے اور قیامت کے دن وہ اپنے جسم کی طرف لوٹ آئے گی۔'' ❷ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مومن کی روح وہاں زندہ ہے لیکن شہیدوں کی روح کو ایک طرح کی شرافت' کرامت' عزت اور عظمت حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے: [آیت:۱۵۵-۱۵۷] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کی آزمائش ضرور کر لیتا ہے' کبھی ترقی اور بھلائی سے اور کبھی تنزل اور برائی سے' جیسے فرماتا ہے ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِيْنَ﴾ ❸ یعنی ''ہم آزما کر مجاہدوں اور صبر کرنے والوں کو معلوم کر لیں گے۔'' اور جگہ ہے ﴿فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ﴾ ❹ مطلب یہ ہے کہ تھوڑا سا خوف کچھ بھوک کچھ مال کی کمی کچھ جانوں کی یعنی اپنوں اور غیروں کی خویش واقارب کی موت' کبھی پھلوں اور پیداوار کے نقصان وغیرہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے اور صبر کرنے والوں کو نیک اجر اور اچھا بدلہ عنایت فرماتا ہے اور بے صبرے جلد باز اور ناامیدی کرنے والوں پر اس کے عذاب اتر آتے ہیں۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ یہاں خوف سے مراد اللہ تعالیٰ

❶ صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب بیان أرواح الشهداء فی الجنة، ١٨٨٧۔ ❷ أحمد، ٣/ ٤٥٥؛ ابن ماجة، کتاب الزهد، باب ذكر القبر والبلىٰ، ٤٢٧١ وهو صحيح بالشواهد عند احمد (٦/ ٤٢٤، ٤٢٥) وغیرہ۔

❸ ٤٧/ محمد: ٣١۔ ❹ ١٦/ النحل: ١١٢۔

کا ڈر ہے۔ بھوک سے مراد روزوں کی بھوک ہے۔ مال کی کمی سے مراد زکوٰۃ کی ادائیگی ہے۔ جان کی کمی سے مراد بیماریاں ہیں پھلوں سے مراد اولاد ہے۔ لیکن یہ تفسیر ذرا غور طلب ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

صابر کون لوگ ہیں؟ اب بیان ہو رہا ہے کہ جن صبر کرنے والوں کی اللہ کے ہاں قدر ہے' وہ کون لوگ ہیں؟ پس فرماتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو تنگی اور مصیبت کے وقت ﴿اِنَّا لِلّٰهِ﴾ الخ پڑھ لیا کرتے ہیں اور اس بات سے اپنے دل کو تسلی دے لیا کرتے ہیں کہ ہم اللہ کی ملکیت ہیں اور جو ہمیں نقصان پہنچا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور ان میں جس طرح وہ چاہے تصرف کرتا رہتا ہے۔ اور پھر اللہ کے ہاں اس کا بدلہ ہے جہاں بالآخر انہیں جانا ہے۔ ان کے اس قول کی وجہ سے اللہ کی نوازشیں اور الطاف ان پر نازل ہوتے ہیں عذاب سے نجات ملتی ہے اور ہدایت بھی نصیب ہوتی ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دو برابر کی چیزیں صلوات اور رحمت اور ایک درمیان کی چیز ہے یعنی ہدایت، ان صبر کرنے والوں کو ملتی ہے۔

مصیبت زدہ کی دعا رد نہیں ہوتی: مسند احمد میں ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' میرے خاوند حضرت ابوسلمہ ایک روز میرے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے ہو کر آئے اور خوشی خوشی فرمانے لگے آج تو میں نے ایک ایسی حدیث سنی ہے کہ میں بہت ہی خوش ہوا ہوں۔ وہ حدیث یہ ہے کہ جس کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچے اور وہ کہے ((اَللّٰهُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْهَا)) یعنی اے اللہ مجھے اس مصیبت میں اجر دے اور اور مجھے اس سے بہتر بدلہ عطا فرما تو اللہ تعالیٰ اسے اجر اور بدلہ ضرور ہی دیتا ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے اس دعا کو یاد کر لیا۔

جب حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو میں نے ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ پڑھ کر پھر یہ دعا بھی پڑھ لی لیکن مجھے خیال آیا کہ بھلا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر شخص مجھے کون مل سکتا ہے؟ جب میری عدت گزر چکی تو میں ایک روز ایک کھال کو دباغت دے رہی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ میں نے اپنے ہاتھ دھوئے کھال رکھ دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اندر تشریف لانے کی درخواست کی' اور آپ کو ایک گدی پر بٹھا دیا آپ نے مجھ سے اپنا نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے کہا حضور! یہ تو میری خوش قسمتی کی بات ہے لیکن اول تو میں بڑی باغیرت عورت ہوں' ایسا نہ ہو کہ آپ کی طبیعت کے خلاف کوئی بات مجھ سے سرزد ہو جائے اور اللہ کے ہاں عذاب ہو۔ دوسرے یہ کہ میں عمر رسیدہ ہوں۔ تیسرے بال بچوں والی ہوں۔ آپ نے فرمایا "سنو! ایسی بے جا غیرت اللہ تعالیٰ تمہاری دور کر دے گا اور عمر کے لحاظ سے میں بھی چھوٹی عمر کا نہیں اور تمہارے بال بچے میرے ہی بال بچے ہیں۔" میں نے یہ سن کر کہا پھر حضور! مجھے کوئی عذر نہیں۔ چنانچہ میرا نکاح اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی برکت سے میرے میاں سے بہت ہی بہتر یعنی اپنا رسول عطا فرمایا' [1] فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ صحیح مسلم میں بھی یہ حدیث باختلاف الفاظ مروی ہے۔ [2]

مسند احمد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس کسی مسلمان کو کوئی رنج و مصیبت پہنچے اس پر گو زیادہ وقت گزر جائے پھر اسے یاد آئے اور وہ اِنَّا لِلّٰهِ پڑھے تو مصیبت کے صبر کے وقت جو اجر ملا تھا وہی اب بھی ملے گا۔" [3] ابن ماجہ میں ہے حضرت ابوسنان رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے اپنے ایک بچے کو دفن کیا۔ ابھی اس کی قبر میں سے نکلا تھا کہ ابوطلحہ خولانی رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے نکالا اور کہا سنو! میں تمہیں ایک خوشخبری سناؤں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اللہ ملک الموت سے =

[1] احمد، ٤/ ٢٧، وسنده ضعيف وحديث ابى داود (٣١١٩) ومسلم (٩١٨) يغنى عنه۔

[2] صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب ما يقال عن المصيبة، ٩١٨۔

[3] احمد، ١/ ٢٠١ ح، ١٧٣٦؛ ابن ماجة، ١٦٠٠ وسنده ضعيف جداً۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾

ترجمہ: صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں' بیت اللہ کا حج وعمرہ کرنے والے پر ان کا طواف کر لینے میں بھی کوئی گناہ نہیں اور اپنی خوشی سے بھلائی کرنیوالوں کا اللہ قدردان ہے اور انہیں خوب جاننے والا ہے۔[۱۵۸]

= دریافت فرماتا ہے کہ تو نے میرے بندے کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور اس کے کلیجہ کا ٹکڑا چھین لیا تو اس کا ردعمل کیا تھا؟ ملک الموت کہتے ہیں اے اللہ اس نے تیری تعریف کی اور انا للہ پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسکے لئے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔" ❶

صفا اور مروہ کی سعی اور اسکا طریقہ: [آیت:۱۵۸] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ دریافت کرتے ہیں کہ اس آیت سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طواف نہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ آپ نے فرمایا' بھتیجے تم صحیح نہیں سمجھے۔ اگر یہ بیان مدنظر ہوتا تو اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا ہوتا۔ سنو آیت مبارکہ کا شان نزول یہ ہے کہ مشلل (ایک جگہ کا نام ہے) کے پاس مناۃ بت تھا اسلام سے پہلے انصار اسے پوجتے تھے اور جو اس کے نام لبیک پکار لیتا وہ صفا مروہ کے طواف میں حرج سمجھتا تھا۔ اب بعد از اسلام ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صفا اور مروہ کے طواف کے حرج کے بارے میں سوال کیا تو یہ آیت اتری کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا اور مروہ کا طواف کیا اس لئے مسنون ہو گیا اور کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ اسے ترک کر دے۔ (بخاری و مسلم)۔ ❷ ابوبکر بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ روایت سنی تو وہ کہنے لگے کہ بے شک یہ علمی بات ہے' میں نے تو اس سے پہلے یہ سنی ہی نہ تھی۔ بعض اہل علم فرمایا کرتے تھے کہ انصار رضی اللہ عنہم نے کہا تھا کہ ہمیں بیت اللہ کے طواف کا حکم ہے' صفا اور مروہ کے طواف کا نہیں' اس پر یہ آیت اتری۔ ممکن ہے اسکے شان نزول یہ دونوں ہوں۔ ❸ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم صفا اور مروہ کے طواف کو جاہلیت کا کام جانتے تھے' اور اسلام کی حالت میں اس سے بچتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ ❹

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان بہت سے بت تھے اور شیاطین رات بھر اس کے درمیان گھومتے رہتے تھے۔ اسلام کے بعد لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہاں کے طواف کی بابت مسئلہ دریافت کیا جس پر یہ آیت اتری۔ ❺ اساف بت صفا پر تھا اور نائلہ مروہ پر مشرک لوگ انہیں چھوتے اور چومتے تھے۔ اسلام کے بعد لوگ اس سے الگ ہو گئے لیکن یہ آیت اتری جس سے یہاں کا طواف ثابت ہوا۔ سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ اساف اور نائلہ دو مرد وعورت تھے۔ ان بدکاروں نے کعبہ میں زنا کیا' اللہ نے انہیں پتھر بنا دیا۔ قریش نے انہی کعبہ کے باہر رکھ دیا تا کہ عبرت ہو لیکن کچھ زمانے کے بعد ان کی عبادت شروع ہو گئی اور صفا و مروہ پر لا کر نصب کر دیئے گئے اور ان کا طواف شروع ہو گیا۔

❶ احمد، ٤/ ٤١٥؛ ترمذی، کتاب الجنائز، باب فضل المصیبة إذا احتسب، ۱۰۲۱ وسنده ضعیف۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الحج، باب وجوب الصفا والمروة......، ۱۶۴۳؛ صحیح مسلم، ۱۲۷۷۔

❸ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب بیان ان السعی بین الصفا والمروة رکن، ۱۲۷۷۔

❹ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة البقرة، باب قوله تعالیٰ ﴿إن الصفا والمروة من شعائر الله﴾، ٤٤٩٦، مسلم، ۱۲۷۸۔

❺ حاکم، ۲/ ۲۷۱۔

صحیح مسلم کی ایک لمبی حدیث میں ہے کہ رسول کریم ﷺ جب بیت اللہ کا طواف کر چکے تو رکن کو چھوڑ کر باب الصفا سے نکلے اور یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے۔ پھر فرمایا ''میں بھی شروع کروں گا اس سے جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا۔'' ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''تم شروع کرو اس سے جس سے اللہ نے شروع کیا۔'' یعنی صفا سے چل کر مروہ جاؤ۔ ❶ حضرت حبیبہ بنت تجزاۃ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ صفا مروہ کا طواف کر رہے تھے۔ لوگ آپ کے آگے آگے تھے اور آپ ان کے پیچھے تھے۔ آپ قدرے دوڑ لگا رہے تھے اور اس کی وجہ سے آپ کا تہبند آپ کے ٹخنوں کے درمیان ادھر ادھر ہو رہا تھا اور زبان مبارک سے فرماتے جاتے تھے ''لوگو دوڑ کر چلو' اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی لکھ دی ہے'' (مسند احمد) ❷ اسی کی ہم معنی ایک اور روایت بھی ہے۔ ❸ یہ حدیث دلیل ہے ان لوگوں کی جو صفا اور مروہ کی سعی کو حج کا رکن جانتے ہیں جیسے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے موافقین کا مذہب ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت اسی طرح کی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔ بعض اسے واجب تو کہتے ہیں لیکن حج کا رکن نہیں کہتے اگر عمداً یا سہواً کوئی شخص اسے چھوڑ دے تو ایک جانور ذبح کرنا پڑے گا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت اسی طرح مروی ہے اور ایک اور جماعت بھی یہی کہتی ہے' اور ایک قول میں یہ مستحب ہے۔ امام ابوحنیفہ' ثوری' شعبی' ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہم یہی کہتے ہیں۔ حضرت انس، ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے عتبیہ میں بھی روایت ہے۔ ان کی دلیل ہے ﴿فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا﴾ لیکن پہلا قول ہی زیادہ راجح ہے کیوں کہ آنحضرت ﷺ نے خود صفا مروہ کا طواف کیا اور فرمایا احکام حج مجھ سے سیکھ لو۔ ❹ پس آپ نے اپنے اس حج میں جو کچھ کیا ہے وہ واجب ہو گیا اس کا کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی کام کسی خاص دلیل سے وجوب سے ہٹ جائے تو اور بات ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

علاوہ ازیں حدیث میں آیا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی لکھ دی'' یعنی فرض کر دی۔ غرض یہاں بیان ہو رہا ہے کہ صفا اور مروہ کا طواف بھی اللہ تعالیٰ کے شرعی احکام میں سے ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بجا آوری حج کے لئے سکھایا تھا۔ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس کا اصل سبب حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا یہاں سات پھیرے کرنا ہے جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں ان کے چھوٹے بچے سمیت یہاں چھوڑ کے چلے گئے تھے اور ان کے پاس کھانا پینا ختم ہو چکا تھا اور بچے کی جان پر آ بنی تھی۔ تب مائی صاحبہ نہایت بے قراری بے بسی' ڈر' خوف اور اضطراب کے ساتھ ان پاک پہاڑوں کے درمیان اپنا دامن پھیلائے اللہ سے بھیک مانگتی پھر رہی تھیں۔ یہاں تک کہ آپ کا غم و ہم' رنج و کرب' تکلیف و دکھ دور ہوا۔

سعی کے دوران: یہاں طواف کرنے والے حاجی کو بھی چاہئے کہ نہایت ذلت و مسکنت خشوع و خضوع سے یہاں طواف کرے اور اپنی فقیری' حاجت اور ذلت اللہ کے سامنے پیش کرے اور اپنے دل کی صلاحیت اور اپنے حال کی ہدایت اور اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرے اور نقائص اور عیبوں سے پاکیزگی اور نافرمانیوں سے نفرت چاہے اور ثابت قدمی' نیکی' فلاح اور بہبودی کی دعا مانگے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرے کہ گناہوں اور برائیوں کی تنگی کی راہ سے ہٹا کر کمال و غفران اور نیکی کی توفیق بخشے جیسے کہ حضرت ہاجرہ کی تکالیف کو اللہ تعالیٰ نے دور کر دیا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص اپنی خوشی سے نیکی میں زیادتی کرے یعنی بجائے سات چکروں کے آٹھ یا نو چکر لگائے یا نفلی حج و عمرے میں بھی صفا مروہ کا طواف کرے اور بعض نے اسے عام رکھا ہے یعنی ہر نیکی میں زیادتی کرے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجة النبی، ۱۲۱۸۔ ❷ احمد، ٦/ ٤٢١-٤٢٢؛ البیهقی، ٥/ ٩٧ وسنده حسن شیخ البانی نے اسے بالشواہد صحیح قرار دیا ہے دیکھئے (الارواء، ۱۰۷۲) ❸ احمد، ٦/ ٤٣٧ وصحیح ابن خزیمه، ۲۷٦٥ وهو حسن۔
❹ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب رمی حجرة العقبة، ۱۲۹۷۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ﴿١٥٩﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١٦١﴾ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿١٦٢﴾

ترجمہ: جولوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایات کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لئے بیان کر چکے ہیں ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنیوالوں کی لعنت ہے۔[۱۵۹] مگر وہ لوگ جو توبہ کرلیں اور اصلاح کریں اور بیان کردیں (تو) میں انکی توبہ قبول کرلیا کرتا ہوں اور میں تو توبہ قبول کرنیوالا اور رحم وکرم کرنیوالا ہوں۔[۱۶۰] جو کفار اپنے کفر میں ہی مرجائیں ان پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔[۱۶۱] جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے' اور ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائیگا اور نہ انہیں ڈھیل دی جائے گی۔[۱۶۲]

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ قدر دان اور علم والا ہے یعنی تھوڑے سے کام پر بڑا ثواب دیتا ہے اور جزا کی صحیح مقدار کو جانتا ہے۔ نہ تو وہ کسی کے ثواب کو کم کرے نہ کسی پر ذرہ برابر ظلم کرے۔ ہاں نیکیوں کا ثواب بڑھا کر عطا فرماتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتا ہے۔ فَالْحَمْدُ وَالشُّكْرُ لِلّٰهِ۔

حق بات کو چھپانے والے ملعون ہیں: [آیت: ۱۵۹۔۱۶۲] ان آیات میں ان لوگوں کیلئے زبردست دھمکی ہے جو اللہ تعالیٰ کی باتیں اور شرعی مسائل چھپالیا کرتے ہیں۔ اہل کتاب نے نعت نبی ﷺ کو چھپالیا تھا جس پر ارشاد ہوا کہ حق کے چھپانے والے ملعون لوگ ہیں۔ ❶ جس طرح اس عالم کے لئے جو لوگوں میں رب کی باتیں پھیلائے ہر چیز استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں اور ہوا کے پرند بھی' اسی طرح ان لوگوں پر جو حق بات کو جانتے ہوئے گونگے اور بہرے بن جاتے ہیں' ہر چیز لعنت بھیجتی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ ''حضور ﷺ نے فرمایا جس شخص سے کسی شرعی امر کی نسبت سوال کیا جائے اور وہ اسے چھپالے اسے قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔'' ❷ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر یہ آیت نہ ہوتی تو میں ایک حدیث بھی بیان نہ کرتا۔ ❸

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم حضور ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ میں تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ''قبر میں کافر کی پیشانی پر اس زور سے ہتھوڑا مارا جاتا ہے کہ تمام جاندار اس کا دھما کا سنتے ہیں سوائے جن وانس کے پھر وہ سب اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔'' یہی معنی ہیں کہ ان پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے یعنی تمام جانداروں کی۔ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں =

❶ ابو داود، کتاب العلم، باب فی فضل العلم، ٣٦٤١ وسنده ضعيف ترمذی، ٢٨٨٢؛ ابن ماجة، ٢٢٣۔

❷ ابو داود، کتاب العلم، باب كراهية منع العلم، ٣٦٨٥ وهو حسن ترمذی، ٢٦٤٩؛ ابن ماجة، ٢٦١۔

❸ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب حفظ العلم، ١١٨؛ صحیح مسلم، ٢٤٩٢۔

ع ١٩

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿١٦٣﴾

ترجمہ: تم سب کا معبود ایک اللہ ہی ہے اسکے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ بہت بڑا بخشش کرنیوالا اور بڑا مہربان ہے۔[١٦٣]

=لَا عِنُوْنَ سے مراد تمام جانور اور تمام جن وانس ہیں۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب خشک سالی ہوتی ہے بارش نہیں برستی تو چوپائے جانور کہتے ہیں یہ بنی آدم کے گنہگاروں کی شومی سے ہے۔ اللہ تعالیٰ بنی آدم کے گنہگاروں پر لعنت نازل کرے۔ ❶ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد فرشتے اور مؤمن لوگ ہیں۔ حدیث میں ہے ''عالم کے لئے ہر چیز استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں بھی۔'' ❷ اس آیت میں ہے کہ علم چھپانے والے کو اللہ لعنت کرتا ہے اور فرشتے اور تمام لوگ اور تمام لعنت کرنے والے یعنی ہر باز بان اور ہر بے زبان' چاہے زبان سے کہے چاہے قرائن سے اور قیامت کے دن بھی سب چیزیں ان پر لعنت کریں گی' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ پھر ان میں سے ان لوگوں کو خاص کر لیا جو اپنے اس فعل سے باز آ جائیں اور اپنے اعمال کی پوری اصلاح کر لیں اور جو چھپایا تھا اسے ظاہر کر دیں تو ان لوگوں کی توبہ وہ رب تواب رحیم قبول فرما لیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص کفر و بدعت کی طرف لوگوں کو بلانے والا ہو وہ بھی جب سچے دل سے رجوع کرے تو اس کی توبہ بھی قبول ہے۔

بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اگلی امتوں میں ایسے زبردست بدکاروں کی توبہ قبول نہ تھی لیکن نبی التوبہ اور نبی الرحمہ حضرت محمد ﷺ کی امت کے ساتھ یہ مہربانی مخصوص ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کا بیان ہو رہا ہے جو کفر کریں' توبہ نصیب نہ ہو اور کفر کی حالت میں ہی مر جائیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ یہ لعنت ان پر چپک جاتی ہے اور قیامت تک ساتھ رہے گی اور دوزخ کی آگ میں لے جائے گی اور عذاب میں بھی ہمیشہ یہی رہے گا نہ تو عذاب میں کبھی کمی ہو نہ کبھی موقوف ہو بلکہ ہمیشہ دوام کے ساتھ سخت سے سخت عذاب ہوتے رہیں گے' نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ۔ حضرت ابو العالیہ اور حضرت قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں قیامت کے دن کافر کو روک لیا جائے گا پھر اس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے گا پھر فرشتے پھر سب لوگ۔

کافروں پر لعنت بھیجنے کے مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور آپ کے بعد کے ائمہ کرام سب کے سب قنوت وغیرہ میں کفار پر لعنت بھیجتے تھے۔ لیکن کسی معین کافر پر لعنت بھیجنے کے بارے میں علمائے کرام کا ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ جائز نہیں اس لئے کہ اس کے خاتمہ کا کسی کو علم نہیں' اور آیت کی یہ قید کہ مرتے دم تک وہ کافر رہے معین کافر دلیل ہے کسی معین کافر پر لعنت نہ بھیجنے کی۔ اور دوسری جماعت اس کی بھی قائل ہے جیسے فقیہ ابو بکر بن عربی مالکی لیکن ان کی دلیل ایک ضعیف حدیث ہے۔ بعض نے اس حدیث سے بھی دلیل لی ہے کہ حضور ﷺ کے پاس ایک شخص بار بار نشہ کی حالت میں لایا گیا اور اس پر بار بار حد لگائی گئی تو ایک شخص نے کہا کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو بار بار شراب پیتا ہے۔ یہ سن کر ''حضور ﷺ نے فرمایا اس پر لعنت نہ بھیجو۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے۔'' ❸ اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص اللہ رسول سے دوستی نہ رکھے اس پر لعنت بھیجنی جائز ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

معبود برحق: [آیت:١٦٣] یعنی الوہیت میں وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' اور نہ اس جیسا کوئی ہے اور واحد اور احد ہے اور فرد=

❶ ابن ابی حاتم، ١/ ١٧٥۔

❷ ابوداود، کتاب العلم، باب فضل العلم، ٣٦٤١ وسندہ ضعیف ترمذی، ٢٨٨٢؛ ابن ماجة، فی المقدمه، ٢٢٣۔

❸ صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب ما یکرہ من لعن شارب الخمر، ٦٧٨٠۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

ترجمہ: آسمان اور زمین کی پیدائش' رات دن کا ہیر پھیر کشتیوں کا لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں کو لئے ہوئے سمندروں میں چلنا' آسمان سے پانی اتار کر' مردہ زمین کو زندہ کر دینا' اس میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلا دینا' ہواؤں کے رخ بدلنا تابع فرمان بادلوں کو آسمان و زمین کے درمیان ادھر ادھر پھیرنا عقلمندوں کے لئے قدرت الٰہی کی نشانیاں ہیں۔[۱۶۴]

= اور صمد ہے' اس کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں' وہ رحمٰن اور رحیم ہے۔ سورہ فاتحہ کے شروع میں ان دونوں ناموں کی پوری تفسیر گزر چکی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے۔'' ایک یہ آیت اور دوسری آیت ﴿الٓمّٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ﴾ ❶ اس کے بعد اس کی توحید کی دلیل بیان ہو رہی ہے' اسے بھی توجہ سے سنئے' فرماتا ہے۔

علامات قدرت سے صاحب عقل سبق حاصل کرتے ہیں: [آیت:۱۶۴] مطلب یہ ہے کہ اس رب کی ربوبیت اور اس کی توحید پر ایک دلیل تو یہ آسمان ہے جس کی بلندی لطافت کشادگی جس کے ٹھہرے ہوئے اور چلنے پھرنے والے اور روشن ستارے تم دیکھ رہے ہو۔ پھر زمین کی پیدائش جو کثیف چیز ہے جو تمہارے قدموں تلے بچھی ہوئی ہے جس میں بلند بلند چوٹیوں کے سر بفلک پہاڑ ہیں' جس میں موجیں مارنے والے بے پایاں سمندر ہیں، جس میں انواع و اقسام کے خوش رنگ بیل بوٹے ہیں' جس میں طرح طرح کی پیداوار ہوتی ہے جس پر تم رہتے سہتے ہو اور اپنی مرضی کے مطابق آرام دہ مکان بنا کر بستے ہو اور جس سے صدہا طرح کا نفع اٹھاتے ہو' پھر رات دن کا آنا جانا' رات گئی دن آیا' دن گیا رات آ گئی نہ وہ اس پر سبقت کرے نہ یہ اس پر' ہر ایک اپنے صحیح اندازے سے آئے اور جائے کبھی دن بڑے' کبھی راتیں' کبھی دن کا کچھ حصہ رات میں جائے کبھی رات کا کچھ حصہ دن میں آ جائے' پھر کشتیوں کو دیکھو جو خود تمہیں اور تمہارے مال و اسباب اور تجارتی چیزوں کو لے کر سمندر میں ادھر سے ادھر آتی جاتی رہتی ہیں' جن کے ذریعہ مختلف ممالک سے رابطہ اور لین دین کر سکتے ہو' یہاں کہ چیزیں وہاں اور وہاں کی یہاں پہنچ سکتی ہیں۔

''پھر اللہ تعالیٰ کا اپنی رحمت کاملہ سے بارش برسانا اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دینا' اس سے اناج اور کھیتیاں پیدا کرنا' ہر طرف ریل پیل کر دینا' زمین میں مختلف قسم کے چھوٹے بڑے کار آمد جانوروں کو پیدا کرنا' ان سب کی حفاظت کرنا' ان کے لئے روزی پہنچانا' ان کے لئے سونے بیٹھنے چرنے چگنے کی جگہ تیار کرنا' ہواؤں کو پروا پچھوا چلانا' کبھی ٹھنڈی کبھی گرم' کبھی کم کبھی زیادہ' بادلوں کو آسمان اور زمین کے درمیان مسخر کرنا' انہیں ایک طرف سے دوسری طرف لے جانا' ضرورت کی جگہ برسانا وغیرہ یہ سب اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جن سے عقلمند اپنے اللہ کے وجود کو اور اس کی وحدانیت کو پا لیتے ہیں۔'' جیسے اور جگہ فرمایا کہ ''آسمان و =

❶ ۳/ آل عمران:۱-۲۔ ابو داود، کتاب الصلاۃ، (ابواب الوتر) باب الدعاء، ۱۴۹۶ وسندہ حسن؛ ترمذی، ۳۴۷۸؛ ابن ماجۃ، ۳۸۵۵۔

وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾

ترجمہ: بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی اللہ سے، ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں کاش کہ مشرک لوگ جانتے کہ اللہ کے عذابوں کو دیکھ کر (جان لیں گے) کہ تمام طاقت اللہ ہی کو ہے اور اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب ہیں۔[۱۶۵] (تو ہرگز شرک نہ کرتے)۔ جس وقت پیشوا لوگ اپنے تابعداروں سے بیزار ہو جائیں گے اور عذابوں کو (اپنی آنکھوں) دیکھ لیں گے اور کل رشتے ناتے ٹوٹ جائینگے۔[۱۶۶] اور تابعدار لوگ کہنے لگیں گے کاش ہم پھر دنیا کی طرف دوبارہ جائیں تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے یہ ہم سے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ انہیں انکے اعمال دکھائے گا ان پر حسرت وافسوس ہے یہ ہرگز جہنم سے نہ نکلیں گے۔[۱۶۷]

= زمین کی پیدائش اور رات دن کے ہیر پھیر میں عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ جو اٹھتے بیٹھے لیٹتے یعنی ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ہی نام لیتے ہیں اور زمین وآسمان کی پیدائش میں غور وفکر سے کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے رب تو نے انہیں بے کار نہیں بنایا' تیری ذات پاک ہے تو ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دے۔ ہم اس سے گھوڑے اور ہتھیار وغیرہ خریدیں اور تیرا ساتھ دیں اور ایمان بھی لائیں۔'' آپ نے فرمایا یہ پختہ وعدہ کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں پختہ وعدہ ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی' حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور فرمایا تمہاری دعا تو قبول ہے لیکن اگر یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لائے تو ان پر اللہ کا وہ عذاب آئے گا جو آج سے پہلے کسی پر نہ آیا ہو۔ آپ کانپ اٹھے اور عرض کرنے لگے نہیں اے اللہ! تو انہیں یونہی رہنے دے میں انہیں تیری طرف بلاتا رہوں گا۔ کیا عجب کہ آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں ان میں سے کوئی نہ کوئی تیری طرف جھک جائے۔'' اس پر یہ آیت اتری کہ اگر انہیں قدرت کی نشانیاں دیکھنی ہیں تو کیا یہ نشانیاں کچھ کم ہیں؟ ایک اور شان نزول بھی مروی ہے کہ جب آیت ﴿وَاِلٰـهُكُمْ﴾ الخ اتری تو مشرکین کہنے لگے کہ ایک اللہ تمام جہاں کا بندوبست کیسے کریگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ اللہ اتنی بڑی قدرت والا ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اللہ کا ایک ہونا سن کر انہوں نے دلیل طلب کی جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور نشان ہائے قدرت ان پر ظاہر کئے گئے۔

اللہ تعالیٰ جیسی محبت دوسروں سے؟ [آیت: ۱۶۵-۱۶۷] اس آیت میں مشرکین کا دنیوی اور اُخروی حال بیان ہو رہا ہے۔ یہ اللہ کا شریک مقرر کرتے ہیں' اس جیسا اوروں کو ٹھہراتے ہیں اور پھر ان کی محبت اپنے دل میں ایسی جماتے ہیں جیسے اللہ کی ہونی

چاہئے۔ حالانکہ وہ معبود برحق صرف ایک ہی ہے' وہ شریک اور ساتھی سے پاک ہے۔ بخاری و مسلم میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے پوچھا یارسول اللہ! سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟'' آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا حالانکہ پیدا اسی اکیلے نے کیا ہے۔'' ❶ پھر فرمایا ''ایماندار اللہ تعالیٰ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔ ان کے دل عظمت الٰہی اور توحید ربانی سے معمور ہوتے ہیں' وہ اللہ کے سوا دوسرے سے ایسی محبت کریں نہ دوسروں سے ایسی محبت کریں نہ کسی اور کی طرف التجا کریں نہ دوسروں کی طرف جھکیں نہ اس کی پاک ذات کے ساتھ کسی کو شریک کریں۔ پھر ان مشرکین کو جو اپنی جانوں پر بوجہ شرک کے ظلم کرتے ہیں' عذابوں کی خبر پہنچاتا ہے کہ اگر یہ لوگ عذابوں کو دیکھ لیتے تو یقین ہو جاتا کہ قدرتوں والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تمام چیزیں اسی کے ماتحت اور زیر فرمان ہیں اور اس کے عذاب بھی بڑے بھاری ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے کہ اس دن نہ تو اس کے عذاب جیسا کوئی عذاب کر سکتا ہے نہ اس کی پکڑ جیسی کسی کی پکڑ ہو سکتی ہے۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ اگر انہیں اس منظر کا علم ہوتا تو یہ اپنی گمراہی اور شرک و کفر پر ہرگز نہ اڑتے۔''

اس دن جن جن کو ان لوگوں نے اپنا پیشوا بنا رکھا تھا' وہ سب ان سے الگ ہو جائیں گے' فرشتے کہیں گے کہ اے اللہ! ہم ان سے بیزار ہیں یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ اے اللہ! تو پاک ذات ہے تو ہی ہمارا ولی ہے' یہ لوگ تو جنات کی عبادت کرتے تھے انہی پر ایمان رکھتے تھے۔ اسی طرح جنات بھی ان سے بیزاری کا اعلان کریں گے اور صاف صاف ان کے دشمن ہو جائیں گے اور عبادت سے انکار کریں گے۔ اور جگہ قرآن کریم میں ہے کہ جن جن کی یہ لوگ عبادت کرتے تھے وہ سب کے سب قیامت کے دن ﴿سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا﴾ ❷ انکی عبادت سے انکار کریں گے اور ان کے دشمن بن بیٹھیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرمان ہے ﴿اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا﴾ ❸ ''تم نے اللہ کے سوا بتوں کی محبت دل میں بٹھا کر ان کی پوجا شروع کر دی ہے۔ قیامت کے دن وہ تمہاری عبادت کا انکار کریں گے اور آپس میں ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا اور تمہارا مددگار کوئی نہ ہوگا۔'' اسی طرح اور جگہ ہے ﴿وَلَوْ تَرٰى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ❹ الخ یعنی ''یہ ظالم رب کے سامنے کھڑے ہوئے ہوں گے اور اپنے پیشواؤں سے کہہ رہے ہوں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایماندار بن جاتے۔ وہ جواب دیں گے کیا ہم نے تمہیں اللہ پرستی سے روکا۔ حقیقت یہ ہے کہ تم خود مجرم تھے۔ وہ کہیں گے تمہاری دن رات کی مکاریاں تمہارے کفریہ احکام' تمہاری شرک کی تعلیم نے ہمیں پھانس لیا۔ اب سب کو اندرونی ندامت ہوگی اور ان کی گردنوں میں ان کے برے اعمال کے طوق ہوں گے۔'' اور جگہ ہے کہ اس دن شیطان بھی کہے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ﴾ ❺ یعنی ''اللہ کا وعدہ تو سچا تھا اور میں نے تمہیں جو سبز باغ دکھا رکھا تھا وہ محض دھوکا تھا۔ تم پر میرا کوئی زور تو تھا نہیں مگر میں نے تمہیں صرف کہا تم نے منظور کر لیا۔ اب مجھے ملامت کرنے سے کیا فائدہ؟ اپنی جانوں کو لعنت ملامت کرو نہ میں تمہاری فریاد رسی کروں نہ تم میری۔ میں تمہارے اگلے شرک سے انکاری ہوں' جان لو کہ ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہیں۔'' پھر فرمایا کہ وہ عذاب دیکھ لیں گے اور تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے نہ کوئی بھاگنے کی جگہ رہے گی نہ چھٹکارے کی کوئی صورت نظر آئے گی' دوستیاں کٹ جائیں گی اور رشتے ٹوٹ جائیں گے۔

بلا دلیل باتیں ماننے والے اور بے وجہ اعتقاد رکھنے والے اور پوجا پاٹ اور اطاعت کرنے والے جب اپنے پیشواؤں کو اس طرح بری الذمہ ہوتے ہوئے دیکھیں گے تو نہایت حسرت سے کہیں گے کہ اگر اب ہمیں دنیا میں ایک بار لوٹ جانے کا موقع مل جائے تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے یہ ہم سے ہوئے' نہ ان کی طرف التفات کریں نہ ان کی باتیں مانیں' نہ انہیں اللہ =

❶ صحیح بخاري، کتاب التوحید، باب قول الله تعالیٰ ﴿فلا تجعلوا لله اندادًا﴾ ۷۵۲۰؛ صحیح مسلم، ۲۵۷۔
❷ ۱۹/ مریم:۸۲۔ ❸ ۲۹/ العنکبوت:۲۵۔ ❹ ۳۴/ سبا:۳۱۔ ❺ ۱۴/ ابراهیم:۲۲۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿١٦٨﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦٩﴾

ترجمہ: لوگو! زمین میں جتنی بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں سے کھاؤ پیو اور شیطانی راہ نہ چلو وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔[۱۶۸] وہ تمہیں صرف برائی اور بے حیائی کا اور اللہ تعالیٰ پر ان باتوں کے کہنے کا حکم کرتا ہے جنکا تمہیں علم نہیں۔[۱۶۹]

= کا شریک سمجھیں بلکہ اللہ واحد کی خالص عبادت کریں۔ حالانکہ درحقیقت اگر بالفرض یہ لوٹائے بھی جائیں تو وہی کریں گے جو اس سے پہلے کرتے تھے جیسے فرمایا ﴿لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ﴾ ❶ اسی لئے یہاں فرمایا انہیں اللہ ان کے کرتوت اسی طرح دکھائے گا ان پر حسرت وافسوس ہے یعنی اعمال نیک جو تھے وہ بھی ضائع ہو گئے جیسے اور جگہ ہے ﴿وَقَدِمْنَا اِلٰی مَا عَمِلُوْا﴾ ❷ اور جگہ ہے ﴿اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ﴾ ❸ اور جگہ ہے ﴿اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ﴾ ❹ یعنی ''انکے اعمال برباد ہیں ان کے اعمال کی مثال راکھ کی طرح ہے جسے تند ہوائیں اڑا دیں انکے اعمال ریت کی طرح ہیں جو دور سے پانی دکھائی دیتا ہے مگر پاس جاؤ تو ریت کا تو دہ ہوتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ لوگ آگ سے نکلنے والے نہیں۔''

رزق حلال کی تلقین: [آیت:۱۶۸۔۱۶۹] اوپر چونکہ توحید کا بیان ہوا تھا اس لئے یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ تمام مخلوق کا روزی رساں بھی وہی ہے۔ فرماتا ہے کہ میرا یہ احسان بھی نہ بھلاؤ کہ میں نے تم پر پاکیزہ چیزیں حلال کیں جو تمہیں لذیذ اور مرغوب ہیں جو نہ جسم کو ضرر پہنچائیں نہ صحت کو نہ عقل و ہوش کو ضرر دیں۔ میں تمہیں روکتا ہوں کہ شیطان کی راہ نہ چلو جس طرح اور لوگوں نے اس کی چال چل کر بعض حلال چیزیں اپنے اوپر حرام کر لیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ پروردگار عالم فرماتا ہے میں نے جو مال اپنے بندوں کو دیا ہے اسے ان کے لئے حلال کر دیا ہے۔ میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا مگر شیطان نے اس دین حنیف سے انہیں ہٹا دیا اور میری حلال کردہ چیزوں کو ان پر حرام کر دیا۔'' ❺

حضور ﷺ کے سامنے جس وقت اس آیت کی تلاوت ہوئی تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا حضور میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری دعاؤں کو قبول فرمایا کرے۔'' آپ نے فرمایا اے سعد پاک چیزیں اور حلال لقمہ کھاتے رہو اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول فرماتا رہے گا۔ قسم ہے اس اللہ کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے حرام لقمہ جو انسان اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے اس کی نحوست کی وجہ سے چالیس دن کی اسکی عبادت قبول نہیں ہو گی۔ جو گوشت پوست حرام سے پلا وہ جہنمی ہے۔'' ❻

پھر فرمایا کہ ''شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے جیسے اور جگہ ہے کہ شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن سمجھو۔ اس کی اور اس کے گروہ کی تو یہ عین چاہت ہے کہ لوگوں کو عذاب میں جھونکیں۔'' ایک اور جگہ فرمایا ﴿اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ﴾ ❼ ''کیا تم شیطان =

---

❶ ٦/ الانعام:٢٨۔ ❷ ٢٥/ الفرقان:٢٣۔ ❸ ١٤/ ابراهيم:١٨۔ ❹ ٢٤/ النور:٣٩۔

❺ صحيح مسلم، كتاب الجنة، باب الصفات التى يعرف بها فى الدنيا...... ٢٨٦٥۔ ❻ الطبرانى فى الاوسط، ٦٤٩١ وابن مردويه، اس کی سند حسن بن عبدالرحمٰن الاحتیاطی کی وجہ سے سخت ضعیف وم دود ہے۔ ❼ ١٨/ الكهف:٥٠۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۗ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٧٠﴾ وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ۚ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٧١﴾

ترجمہ: اور ان سے جب کبھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کی تابعداری کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس طریقے کی پیروی کرینگے جن پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا گو ان کے باپ دادے بے عقل اور گم کردہ راہ ہوں۔[۱۷۰] اور کفار کی مثال ان جانوروں کی طرح ہے جو اپنے چرواہے کی صرف پکار اور آواز ہی کو سنتے ہیں (سمجھتے نہیں) بہرے گونگے اور اندھے ہیں' انہیں عقل نہیں۔[۱۷۱]

= اور اس کی اولاد کو اپنا دوست جانتے ہو حالانکہ حقیقتاً وہ تمہارا دشمن ہے۔ ظالموں کے لئے برا بدلہ ہے۔"

خطوات الشیطان سے کیا مراد ہے: ﴿خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ﴾ ❶ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ہر معصیت ہے ❷ جس میں شیطان کا بہکاوا شامل ہوتا ہے۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ اپنے لڑکے کو ذبح کرے گا۔ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ کے علم میں جب یہ واقعہ پہنچا تو آپ نے فتویٰ دیا کہ وہ شخص مینڈھا ذبح کر دے۔ یہ نذر لڑکے کا ذبح کرنا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ سے ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک دن بکری کے کھر کو نمک لگا کر کھا رہے تھے۔ ایک شخص جو آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا وہ ہٹ کر دور جا بیٹھا۔ آپ نے فرمایا کھاؤ۔ اس نے کہا نہیں' میں نہیں کھاؤں گا۔ آپ نے پوچھا کیا روزے سے ہو؟ کہا نہیں میں تو اسے اپنے اوپر حرام کر چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ شیطان کی راہ چلنا ہے اپنی قسم کا کفارہ دو اور کھا لو۔

ابورافع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ایک دن میں اپنی بیوی پر ناراض ہوا تو وہ کہنے لگی کہ میں ایک دن یہودیہ ہوں' ایک دن نصرانیہ ہوں اور میرے تمام غلام آزاد ہیں اگر تو اپنی بیوی کو طلاق نہ دے۔ اب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس مسئلہ پوچھنے آیا کہ اس صورت میں کیا کیا جائے؟ تو آپ نے فرمایا یہ شیطان کے قدموں کی پیروی ہے۔ پھر میں زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کے پاس گیا اور اس وقت مدینہ بھر میں ان سے زیادہ فقیہ عورت کوئی نہ تھی' میں نے ان سے بھی یہی مسئلہ پوچھا۔ یہاں سے بھی یہی جواب ملا۔ عاصم اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی یہی فتویٰ دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ ہے کہ جو قسم غصہ کی حالت میں کھائی جائے اور جو نذر ایسی حالت میں مانی جائے وہ شیطانی قدم کی تابعداری ہے۔ اس کا کفارہ قسم کے کفارے کے برابر دیدے۔ پھر فرمایا کہ شیطان تمہیں برے کاموں اور اس سے بھی بڑھ کر زناکاری اور اس سے بڑھ کر اللہ پر ان باتوں کے جوڑ لینے کو کہتا ہے جن کا تمہیں علم نہ ہو۔ ان باتوں کو اللہ سے متعلق کرنا جن کا اسے علم بھی نہیں ہوتا پس ہر کافر اور بدعتی اس میں داخل ہے' جو برائی کا حکم کرے اور بدی کی طرف رغبت دلائے۔

گمراہی اور جہالت کیا ہے؟ [آیت: ۱۷۰-۱۷۱] یعنی ان کافروں اور مشرکوں سے جب کہا جاتا ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو اور اپنی ضلالت و جہالت کو چھوڑ دو' تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے بڑوں کی راہ لگے ہوئے ہیں۔ جن چیزوں کی وہ پوجا پاٹ کرتے تھے ہم بھی کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے جس کے جواب میں قرآن کہتا ہے کہ وہ تو فہم و ہدایت سے غافل تھے۔ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں اتری ہے۔ پھر ان کی مثال دی کہ جس طرح چرنے چگنے والے جانور اپنے چرواہے کی =

❶ ۲۴/ النور: ۲۱۔ ❷ ابن ابی حاتم، ۱/ ۲۲۱۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿١٧٢﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٧٣﴾

ترجمہ: ایمان والو جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں انہیں کھاؤ پیو اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو اگر تم خاص اسی کی عبادت کرتے ہو۔[۱۷۲] تم پر صرف مردہ اور (بہا ہوا) خون اور سور کا گوشت اور ہر وہ چیز جو اللہ کے سوا دوسروں کے نام پر مشہور کی جائے حرام ہے پھر جو مجبور ہو جائے اور وہ حد سے بڑھنے والا اور زیادتی کرنے والا نہ ہو اس پر (انکے کھانے میں) کوئی گناہ نہیں اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے۔[۱۷۳]

= کوئی بات صحیح طور سے نہیں سمجھ سکتے' صرف آواز کانوں میں پڑتی ہے اور کلام کی بھلائی برائی سے بے خبر رہتے ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ ہیں۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جن جن کو یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں اور ان سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہیں وہ نہ سنتے ہیں نہ جانتے ہیں نہ دیکھتے ہیں' نہ ان میں زندگی ہے نہ انہیں کچھ احساس ہے۔ کافروں کی یہ جماعت حق کی باتوں کے سننے سے بہری ہے' حق کہنے سے بے زبان ہے۔ حق کی راہ چلنے سے اندھی ہے' عقل و فہم سے دور ہے' جیسے اور جگہ ہے ﴿صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ﴾ ❶ یعنی ہماری باتوں کو جھٹلانے والے بہرے گونگے اور اندھیرے میں ہیں۔ جسے اللہ چاہے گمراہ کرے اور جسے وہ چاہے سیدھی راہ لگا دے۔

رزق حلال اور حرام میں فرق؟ [آیت:۲/۱۷۲-۱۷۳] اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ تم پاک صاف اور حلال طیب چیزیں کھایا کرو اور میری شکر گزاری کرو حلال کا لقمہ دعا اور عبادت کی قبولیت کا سبب ہے اور حرام کا لقمہ عدم قبولیت کا سبب۔ مسند احمد میں حدیث ہے' "رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ پاک چیز کو قبول فرماتا ہے۔ اس نے رسولوں اور ایمان والوں کو حکم دیا ہے کہ وہ پاک چیزیں کھائیں اور نیک اعمال کریں۔" فرمان ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ﴾ ❷ اور فرمایا ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ﴾ ❸ پھر آپ نے فرمایا ایک شخص لمبا سفر کرتا ہے وہ پراگندہ بالوں والا اور غبار آلود ہوتا ہے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرتا ہے اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے لیکن اس کا کھانا پینا لباس اور غذا سب حرام کی ہیں اس لئے اس کی ایسے وقت کی ایسی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔ ❹ حلال چیزوں کا ذکر کرنے کے بعد پھر حرام چیزوں کا بیان ہو رہا ہے کہ تم پر مردار جانور جو اپنی موت آپ مر گیا ہو جسے شرعی طور پر ذبح نہ کیا گیا ہو حرام ہے' خواہ کسی نے اس کا گلا گھونٹ دیا ہو یا لکڑی اور لٹھ لگنے سے مر گیا ہو یا کہیں سے گر کر مر گیا ہو یا دوسرے جانوروں نے اپنے سینگ سے اسے ہلاک کیا ہو یا درندوں نے اسے مار ڈالا ہو۔ یہ سب میتہ میں داخل ہیں اور حرام ہیں لیکن اس میں سے پانی کے جانور مخصوص ہیں وہ اگرچہ خود بخود مر جائیں تاہم حلال ہیں۔" قرآن کہتا ہے ﴿اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ﴾ ❺ اس کا پورا بیان اس آیت کی تفسیر میں آئے گا' انشاءاللہ تعالیٰ۔ عنبر نامی جانور کا مرا ہوا ملنا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس کو کھانا پھر حضور ﷺ کو اس کی خبر ہونا اور آپ کا اسے جائز قرار دینا یہ سب حدیث میں

❶ ٦/ الانعام: ٣٩۔ ❷ ٢٣/ المؤمنون: ٥١۔ ❸ ٢/ البقرة: ١٧٢۔ ❹ احمد، ٢/ ٣٢٨؛ صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب، ١٠١٥ ١٣٤٦۔ ❺ ٥/ المآئدة: ٩٩۔

ہے۔ ❶ ایک حدیث میں ہے کہ ''سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے۔'' ❷ ایک اور حدیث میں ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دو مردے اور دو خون ہم پر حلال ہیں۔ مچھلی اور ٹڈی' کلیجی اور تلی۔'' ❸ سورہ مائدہ میں اس کا بیان تفصیل سے آئے گا' ان شاء اللہ۔

مسئلہ: مردار جانور کا دودھ اور اس کے انڈے جو اس میں ہوں نجس ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہی ہے اس لئے کہ وہ بھی میت کا ایک جزو ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں ہے کہ ہے تو وہ پاک لیکن میت کے ملنے کی وجہ سے نجس ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مردار کی کھیس (کھیری) بھی۔ مشہور مذہب میں ان بزرگوں کے نزدیک ناپاک ہے گو اس میں اختلاف بھی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجوسیوں کا پنیر کھانا گو ان پر بطور اعتراض کے وارد ہو سکتا ہے مگر اس کا جواب قرطبی نے یہ دیا ہے کہ دودھ بہت ہی کم ہوتا ہے اور کوئی بہنے والی ایسی تھوڑی سی چیز جب زیادہ میں پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں۔

نبی ﷺ سے گھی پنیر اور گورخر کے بارے میں سوال ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال بتایا اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس کا بیان نہیں وہ سب معاف ہیں۔'' ❹ پھر فرمایا: ''تم پر سور کا گوشت بھی حرام ہے خواہ اسے ذبح کیا ہو خواہ وہ خود مر گیا ہو۔ سور کی چربی کا بھی یہی حکم ہے۔'' اس لئے کہ چونکہ اکثر گوشت ہی ہوتا ہے اور چربی گوشت کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ پس جب گوشت حرام ہوا تو چربی بھی حرام ہوئی۔ دوسرے اس لئے بھی کہ گوشت میں ہی چربی ہوتی ہے اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔ '' پھر فرمایا کہ وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام پر مشہور کی جائے وہ بھی حرام ہے۔'' جاہلیت کے زمانے میں کافر لوگ اپنے معبودان باطلہ کے نام پر جانور ذبح کیا کرتے تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا۔

ایک مرتبہ ایک عورت نے گڑیا کے نکاح پر ایک جانور ذبح کیا تو حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا کہ اسے نہ کھانا چاہئے اس لئے کہ وہ ایک تصویر کے لئے ذبح کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ عجمی لوگ جو اپنے تہوار اور عید کے موقعہ پر جانور ذبح کرتے ہیں اور مسلمانوں کو بھی اس میں سے ہدیہ بھیجتے ہیں ان کا گوشت کھانا چاہئے یا نہیں تو فرمایا اس دن کی عظمت کے لئے جو جانور ذبح کیا جائے اسے نہ کھاؤ' ہاں ان کے درختوں کے پھل کھاؤ۔ ❺

پھر اللہ تعالیٰ نے ضرورت اور حاجت کے وقت جب کہ کچھ اور کھانے کو نہ ملے ان حرام چیزوں کا کھا لینا مباح کیا ہے۔ ارشاد فرمایا جو شخص بے بس ہو جائے اور وہ باغی سرکش اور حد سے بڑھ جانے والا نہ ہو تو اس پر ان چیزوں کے کھانے میں گناہ نہیں اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے۔ باغٍ اور عادٍ کی تفسیر میں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ڈاکو یا رہزن' مسلمان بادشاہ پر چڑھائی کرنے والا' سلطنت اسلام کا مخالف اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں سفر کرنے والا مراد ہے۔ ایسے لوگوں کیلئے اس اضطرار کے وقت بھی حرام چیزیں حرام ہی رہتی ہیں۔ غیر بَاغٍ کی تفسیر مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی کرتے ہیں کہ وہ اسے حلال سمجھنے والا نہ ہو ❻ اور اس میں لذت =

---

❶ صحیح بخاری، کتاب المغازي، باب غزوة سیف البحر، ٤٣٦٢؛ صحیح مسلم، ١٩٣٥۔

❷ ابوداود، کتاب الطھارة، باب الوضوء بماء البحر، ٨٣ وسنده صحیح ترمذی، ٦٩؛ نسائی، ٣٣٦۔ شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الصحیحة، ٤٨٠) ❸ ابن ماجة، کتاب الأطعمة، باب الکبد والطحال، ٣٣١٤، ٣٢١٨ وسنده ضعیف، وروی البیھقی ١/ ٢٥٤ بسند صحیح عن ابن عمر قال: أحلت لنامیتان ودمان: الجراد والحیتان والکبد والطحال وقال: ھذا إسناد صحیح شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے موقوفاً جو کہ بحکم مرفوع ہے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الصحیحة، ١١١٨) ❹ ترمذی، کتاب اللباس، باب ما جاء فی لبس الفراء ١٧٢٦؛ ابن ماجة، باب اکل الجبن والسمن، ٣٣٦٧؛ المستدرك، ٢/ ٣٧٥ وھو حدیث حسن۔ ❺ القرطبی، ٢/ ٢٢٤۔ ❻ ابن ابی حاتم، ١/ ٢٣٦۔

ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب چھپاتے ہیں اور اسے تھوڑی سی قیمت پر بیچتے ہیں یقین مانو کہ یہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں۔ قیامت کے دن ان سے اللہ تعالیٰ بات بھی نہ کرے گا، نہ انہیں پاک کرے گا، بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔[۱۷۴] یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور عذاب کو مغفرت کے بدلے مول لے لیا ہے، یہ لوگ عذاب کی آگ کو کیسے برداشت کرنیوالے ہیں۔[۱۷۵] ان عذابوں کا باعث یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی سچی کتاب کو انہوں نے چھپالیا۔ اس کتاب میں اختلاف کرنیوالے یقیناً دور کے خلاف میں ہیں۔[۱۷۶]

= اور مزہ کا خواہشمند نہ ہو، اسے بھون بھان کر لذیذ بنا کر اچھا پکا کر نہ کھائے بلکہ جیسا تیسا صرف جان بچانے کے لئے کھائے اور اگر ساتھ لینا چاہے اتنا لے لے کہ زندہ رہ سکے اور حلال چیز کے ملنے تک باقی نہ رہے۔ جب حلال چیز مل گئی تو اسے پھینک دے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اسے خوب پیٹ بھر کر نہ کھائے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس کے کھانے کے لئے مجبور کر دیا جائے اور بے اختیار کر دیا جائے اس کا بھی یہی حکم ہے۔

مسئلہ: ایک شخص بھوک کی شدت سے بے بس ہو گیا اور اسے ایک مردار جانور نظر آ گیا اور ساتھ ہی کسی دوسرے کی حلال چیز بھی نظر آ گئی جس میں نہ رشتہ کا ٹوٹنا ہے نہ ایذا دہی تو اسے اس دوسرے کی چیز کو کھا لینا چاہئے مردار نہ کھائے پھر آیا اس چیز کی قیمت یا وہ چیز اس کے ذمہ رہے گی یا نہیں، اس میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ رہے گی دوسرے یہ کہ نہ رہے گی۔ نہ رہنے والوں کے قول کی تائید میں یہ حدیث جو ابن ماجہ میں ہے۔ حضرت عباد بن شرحبیل غبری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہمارے ہاں ایک سال قحط سالی پڑی۔ میں مدینہ گیا اور ایک کھیت میں سے کچھ بالیاں توڑ کر چھیل کر چبانے لگا اور تھوڑی سی بالیاں اپنی چادر میں باندھ کر چل پڑا۔ کھیت والے نے دیکھ لیا اور مجھے پکڑ کر مارا پیٹا اور میری چادر چھین لی۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ سے واقعہ عرض کیا تو آپ نے اس شخص کو کہا اس بھوکے کو نہ تو تو نے کھانا کھلایا نہ اس کے لئے کوئی اور کوشش کی نہ اسے کچھ سمجھایا سکھایا۔ یہ بے چارہ بھوکا تھا نادان تھا، جاؤ اس کا کپڑا واپس کرو اور ایک وسق یا آدھا وسق غلہ اسے دے دو (ایک وسق چار من کے قریب ہوتا ہے)۔ (1) ایک اور حدیث میں ہے کہ درختوں میں لگے ہوئے پھلوں کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا "جو حاجت مند شخص یہیں کچھ کھا لے لیکن =

(1) ابوداود، کتاب الجهاد، باب فی ابن السبیل یأکل من التمر، ۲۶۲۰ وسنده صحیح، نسائی، ۵٤۱۱؛ ابن ماجة، ۲۲۹۸۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الصحیحة، ۲۲۲۹)

= ساتھ لے کر نہ جائے اس پر کچھ جرم نہیں' الخ۔ ❶ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلب آیت کا یہ ہے کہ اضطرار اور بے بسی کے وقت اتنا کھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں جس سے بے بسی اور اضطرار ہٹ جائے۔ یہ بھی مروی ہے کہ تین لقموں سے زیادہ نہ کھائے۔ غرض ایسے وقت میں اللہ کی مہربانی اور نوازش سے یہ حرام اس کے لئے حلال ہے۔ حضرت مسروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں اضطرار کے وقت بھی جو شخص حرام چیز نہ کھائے اور مر جائے' وہ جہنمی ہے۔ ❷ اس سے معلوم ہوا کہ ایسے وقت میں ایسی چیز کھانی ضروری ہے نہ کہ صرف رخصت ہی ہے۔ یہی بات زیادہ صحیح ہے جیسے کہ بیمار کا روزہ چھوڑ دینا وغیرہ۔

بدترین علما حق چھپانے والے ہیں: [آیت:۱۷۴۔۱۷۶] یعنی جو یہود نبی ﷺ کی صفات کی آیتوں کو جو توراۃ میں ہیں چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے اپنی آؤ بھگت عرب سے کراتے ہیں اور عوام سے تحفے اور نقدی سمیٹتے رہتے ہیں اور اس دنیائے فانی کے بدلے اپنی آخرت خراب کر رہے ہیں انہیں ڈر لگا ہوا ہے' کہ اگر حضور ﷺ کی نبوت کی سچائی اور آپ کے دعوے کی تصدیق کی آیتیں (جو تورات میں ہیں) لوگوں پر ظاہر ہو گئیں تو لوگ آپ کے ماتحت ہو جائیں گے اور انہیں چھوڑ دیں گے۔ اس خوف سے ہدایت و مغفرت کو چھوڑ بیٹھے اور ضلالت و عذاب پر خوش ہو گئے اس لئے دنیا اور آخرت کی بربادی ان پر نازل ہوئی۔ آخرت کی رسوائی تو ظاہر ہے لیکن دنیا میں بھی لوگوں پر ان کا مکر کھل گیا' وقتاً فوقتاً وہ آیتیں جنہیں یہ بدترین علما چھپاتے رہے تھے ظاہر ہو گئیں۔ علاوہ ازیں خود حضور ﷺ کے معجزات اور آپ کی پاکیزہ عادات نے لوگوں کو آپ کی تصدیق پر آمادہ کر دیا اور ان کی وہ جماعت جس کے ہاتھ سے نکل جانے کے ڈر نے انہیں کلام اللہ چھپانے پر آمادہ کیا تھا بالآخر ہاتھ سے جاتی رہی۔ ان لوگوں نے حضور ﷺ سے بیعت کر لی ایمان لے آئے اور آپ کے ساتھ مل کر ان حق کے چھپانے والوں کی جانیں لیں اور ان سے باقاعدہ جہاد کیا۔ قرآن کریم میں ان کی ایسی پوشیدگیاں جگہ جگہ بیان کی گئیں۔ یہاں بھی فرمایا کہ یہ مال جو اللہ کی باتوں کو چھپا کر تم کماتے ہوئے یہ دراصل آگ کے انگارے ہیں جنہیں تم پیٹ میں بھر رہے ہو۔

یتیموں کا مال کھانے والے؟ قرآن کریم نے ان لوگوں کے بارے میں جو یتیموں کا مال ظلم سے کھا جائیں ان کے لئے بھی یہی فرمایا ہے کہ وہ بھی اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہے ہیں اور قیامت کے دن بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ "رسول اللہ ﷺ فرماتے ہی جو شخص سونے چاندی کے برتن میں کھاتا پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔" ❸ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن بات چیت بھی نہ کرے گا' نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ المناک عذابوں میں مبتلا رہیں گے۔ اس لئے کہ ان کے اس کرتوت کی وجہ سے اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا ہے اور اب ان پر سے رحمت کی نظر ہٹ گئی ہے اور یہ ستائش اور تعریف کے قابل نہ رہے بلکہ سزایاب ہوں گے اور وہاں تلملاتے ہی رہیں گے۔

تین قسم کے بدنصیب لوگ: حدیث میں ہے "تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ بات چیت نہ کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہیں۔ بوڑھا زانی' جھوٹا بادشاہ' متکبر فقیر۔" ❹ پھر فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی لے لی۔ انہیں چاہیے تھا کہ توراۃ میں جو خبریں حضور ﷺ کی نسبت تھیں انہیں ان پڑھوں تک پہنچاتے =

---

❶ ابوداود، کتاب اللقطة، باب التعریف باللقطة، ۱۷۱۰ وھو حسن ترمذی، ۱۲۸۹؛ نسائی، ٤٩٦١۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھئے (الإرواء، ۲٤۱۳) ❷ بیھقی، ۹/ ۳۵۷ وسندہ ضعیف، الأعمش مدلس وعنعن۔

❸ صحیح بخاری، کتاب الأشربة، باب آنیة الفضة، ٥٦٣٤؛ صحیح مسلم، ۲۰٦٥۔

❹ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان غلظ اسبال الازار......، ۱۰۷۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

ترجمہ: ساری بھلائی مشرق ومغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں بلکہ حقیقتاً بھلا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر قیامت کے دن پر فرشتوں پر کتاب اللہ پر اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو جو اس کی محبت میں مال خرچ کرے۔ قرابت داروں یتیموں مسکینوں مسافروں اور سوال کرنے والے کو دے' غلاموں کو آزاد کرے' نماز کی پابندی اور زکوۃ کی ادائیگی کرے' جب وعدہ کرے تب اسے پورا کرے۔ تنگدستی دکھ درد اور لڑائی کے وقت صبر کرے۔ یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں۔ [۱۷۷]

= لیکن اس کے بدلے انہوں نے انہیں چھپا لیا اور خود بھی آپ کے ساتھ کفر کیا اور آپ کی تکذیب کی۔ ان کے اظہار پر جو نعمتیں اور مغفرتیں انہیں ملنے والی تھیں' ان کے بدلے زحمتیں اور عذاب اپنے سر لے لئے۔

عذاب کے مستحق لوگ: پھر فرماتا ہے انہیں وہ دردناک اور حیرت انگیز عذاب ہوں گے کہ دیکھنے والا ششدر رہ جائے اور یہ بھی معنی ہیں کہ انہیں آگ کے عذاب کی برداشت پر کس چیز نے آمادہ کیا جو یہ اللہ کی نافرمانیوں میں مشغول ہو گئے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس عذاب کے مستحق یوں ہوئے کہ انہوں نے اللہ کی باتوں کو ہنسی کھیل سمجھا اور جو کتاب اللہ حق کو ظاہر کرنے اور باطل کو ختم کرنے کے لئے اتری تھی انہوں نے اس کی مخالفت کی' ظاہر کرنے کی جو باتیں چھپائیں' اللہ کے نبی سے دشمنی کی' آپ کی صفتوں کو ظاہر نہ کیا حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کے بارے میں اختلاف کرنے والے دور کی گمراہی میں جا پڑے۔

بھلائی، نیکی کیا ہے؟ [آیت:۱۷۷] اس آیت میں صحیح عقیدہ اور راہ مستقیم کی تعلیم ہو رہی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جب حضور ﷺ سے ایمان کے بارے میں سوال کیا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ تو حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ انہوں نے پھر سوال کیا حضور نے پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ پھر یہی سوال کیا۔ آپ نے فرمایا ''سنو! نیکی سے محبت اور برائی سے عداوت ایمان ہے'' (ابن ابی حاتم) لیکن اس روایت کی سند منقطع ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں' حالانکہ ابوذر سے ان کی ملاقات ثابت نہیں۔ ایک شخص نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ تو آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ اس نے کہا حضرت میں آپ سے بھلائی کے بارے میں سوال نہیں کرتا' میرا سوال ایمان کے بارے میں ہے تو آپ نے فرمایا سنو ایک شخص نے یہی سوال حضور ﷺ سے کیا۔ آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ وہ بھی تمہاری طرح راضی نہ ہوا تو آپ نے فرمایا ''مومن جب نیک کام کرتا ہے تو اس کا جی خوش ہو جاتا ہے اور اسے ثواب کی امید ہوتی ہے اور جب گناہ کرتا ہے تو اس کا دل غمگین ہو جاتا ہے اور وہ عذاب سے ڈرنے لگتا ہے'' (ابن مردویہ)۔ یہ روایت بھی منقطع ہے۔ اب اس آیت کی تفسیر سنئے

مؤمنوں کو پہلے تو حکم ہوا کہ وہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں پھر انہیں کعبہ کی طرف گھما دیا گیا جو اہل کتاب پر اور بعض ایمان والوں پر بھی شاق گزرا پس اللہ تعالیٰ نے اس کی حکمت بیان فرمائی کہ اس کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کے فرمان کی اطاعت ہے وہ جدھر منہ کرنے کو کہے کر لو۔ اصل تقویٰ اصل بھلائی اور کامل ایمان یہی ہے کہ مالک کے زیر فرمان رہے۔ اگر کوئی مشرق کی طرف منہ کرے یا مغرب کی طرف منہ پھیر لے اور اللہ کا حکم نہ ہو تو وہ اس توجہ سے ایماندار نہیں ہو جائے گا بلکہ حقیقت میں باایمان وہ ہے جس میں وہ اوصاف ہوں جو اس آیت میں بیان ہوئے۔

قرآن کریم نے ایک اور جگہ فرمایا ہے ﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآءُهَا﴾ ❶ یعنی تمہاری قربانیوں کے گوشت اور خون اللہ کو نہیں پہنچتے بلکہ اس تک تقوی پہنچتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تم نمازیں پڑھو اور دوسرے اعمال نہ کرو یہ کوئی بھلائی نہیں۔ یہ حکم اس وقت تھا جب مکہ سے مدینہ کی طرف لوٹے تھے لیکن پھر اس کے بعد اور فرائض اور مزید احکام بھی نازل ہوئے اور ان پر عمل کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ مشرق و مغرب کو اس لئے خاص کیا گیا کہ یہود مغرب کی طرف اور نصاریٰ مشرق کی طرف منہ کیا کرتے تھے۔ پس غرض یہ ہے کہ یہ تو صرف ایمان کا کلام ہے اور حقیقت ایمان کا عمل ہے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بھلائی یہ ہے کہ اطاعت کا مادہ دل میں پیدا ہو جائے، فرائض پابندی کے ساتھ ادا ہوں، تمام بھلائیوں کا عامل ہو۔ حق تو یہ ہے کہ جس نے اس آیت پر عمل کر لیا، اس نے کامل اسلام لے لیا اور دل کھول کر بھلائی سمیٹ لی۔ اس کا ذات باری پر ایمان ہے۔ یہ وہ جانتا ہے کہ معبود برحق وہی ہے۔ فرشتوں کے وجود کو اور اس بات کو کہ وہ اللہ کا پیغام اللہ کے مخصوص بندوں پر لاتے ہیں، یہ مانتا ہے۔ تمام آسمانی کتابوں کو برحق جانتا ہے اور سب سے آخری کتاب قرآن کریم کو جو کہ اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی تمام بھلائیوں کی جامع اور دین و دنیا کی سعادت کو شامل ہے وہ مانتا ہے۔ اسی طرح اول سے آخر تک کے تمام انبیاء پر بھی اس کا ایمان ہے بالخصوص خاتم الانبیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی۔ مال کو باوجود مال کی محبت کے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔

بہترین صدقہ: صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "افضل صدقہ یہ ہے کہ تو اپنی صحت اور مال کی محبت کی حالت میں اللہ کے نام پر دے باوجودیکہ تجھے مال کی کمی کا اندیشہ ہو اور زیادتی کی رغبت ہو۔" ❷ (بخاری و مسلم) مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ﴾ پڑھ کر فرمایا کہ "اس کا مطلب یہ ہے کہ تم صحت میں اور مال کی چاہت کی حالت میں فقیری سے ڈرتے ہوئے اور امیری کی خواہش رکھتے ہوئے صدقہ کرو۔" لیکن اس روایت کا موقوف ہونا زیادہ صحیح ہے، اصل میں یہ فرمان حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے۔ قرآن کریم میں سورۂ دہر میں فرمایا ﴿وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ﴾ ❸ "مسلمان باوجود کھانے کی چاہت کے مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم تمہیں اللہ کی خوشنودی کے لئے کھلاتے ہیں، نہ تم سے اس کا بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ۔" اور جگہ فرمایا ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ ❹ جب تک تم اپنی چاہت کی چیزیں اللہ کے نام پر نہ دو، تم حقیقی بھلائی نہیں پا سکتے۔ اور جگہ فرمایا۔ ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ ❺ یعنی "باوجود اپنی حاجت اور ضرورت کے بھی وہ دوسروں کو اپنے نفس پر مقدم کرتے ہیں۔" پس یہ لوگ بڑے پایہ کے ہیں کیونکہ پہلی قسم کے لوگوں نے تو اپنی پسندیدہ چیز باوجود اس کی محبت کے دوسروں کو دی لیکن ان بزرگوں نے اپنی چاہت کی وہ چیز جس کے وہ خود محتاج

❶ ۲۲/ الحج:۳۷۔ ❷ صحيح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب فضل الصدقة الشحيح الصحيح، ۱۴۱۹؛ صحيح مسلم ۱۰۳۲۔ ❸ ۷۶/ الدهر:۸۔ ❹ ۳/ آل عمران:۹۲۔ ❺ ۵۹/ الحشر:۹۔

تھے دوسروں کو دیدی اور اپنی حاجتمندی کا خیال بھی نہ کیا۔

ذوی القربیٰ کا مطلب: ﴿ذَوِی الْقُرْبٰی﴾ انہیں کہتے ہیں جو رشتہ دار ہوں صدقہ دینے کے وقت یہ دوسروں سے زیادہ مقدم ہیں۔ حدیث میں ہے مسکین کو دینا اکہرا ثواب ہے اور قرابتدار مسکین کو دینا دوہرا ثواب ہے' ایک ثواب صدقہ کا دوسرا صلہ رحمی کا ❶ تمہاری بخشش اور خیراتوں کے زیادہ مستحق یہ ہیں۔ قرآن کریم میں ان کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم کئی جگہ ہے۔

یتامیٰ: یتیم سے مراد وہ چھوٹے بچے ہیں جن کے والد فوت گئے ہوں اور کوئی ان کا کمانے والا نہ ہو' نہ خود انہیں اپنی روزی حاصل کرنے کی قوت اور طاقت ہو۔ حدیث میں ہے بلوغت کے بعد یتیمی نہیں رہتی۔ ❷

مساکین: مساکین وہ ہیں جن کے پاس اتنا ہو جو ان کے کھانے پینے پہننے اوڑھنے رہنے سہنے کو کافی ہو سکے ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا جائے جس سے ان کی حاجت پوری ہو اور فقر و فاقہ اور قلت و ذلت کی حالت سے بچ سکیں۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''مسکین صرف وہی لوگ نہیں جو مانگتے پھرتے ہوں اور ایک ایک دو دو کھجوریں یا ایک ایک دو دو لقمے روٹی کے لے جاتے ہوں بلکہ مسکین وہ بھی ہیں جن کے پاس اتنا نہ ہو کہ انکی ضروریات پوری ہو سکیں اور نہ وہ اپنی حالت ایسی بنائیں جس سے لوگوں کو علم ہو جائے اور لوگ انہیں کچھ دیدیں۔'' ❸

ابن السبیل: ابن السبیل مسافر کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد وہ مسافر ہیں جن کے پاس سفر خرچ ختم ہو چکا ہو انہیں اتنا دیا جائے جس سے یہ آسانی سے اپنے وطن پہنچ جائیں۔ اسی طرح وہ شخص بھی جو اطاعت الٰہی میں سفر کر رہا ہو' اسے جانے آنے کا خرچ دینا۔ مہمان بھی اسی حکم میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مہمان کو بھی ابن السبیل میں داخل کرتے ہیں اور دوسرے بزرگ سلف بھی۔

سائلین: سائلین وہ لوگ ہیں جو اپنی حاجت ظاہر کر کے لوگوں سے کچھ مانگیں انہیں بھی صدقہ زکوٰۃ دینا چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''سائل کا حق ہے اگر چہ وہ گھوڑے پر سوار آئے'' (ابوداوٗد) ❹

رقاب: فی الرقاب سے مراد غلاموں کی آزادی ہے خواہ یہ وہ غلام ہوں جنہوں نے اپنے مالکوں کو مقررہ قیمت کی ادائیگی کا لکھ دیا ہو کہ اتنا ہم تمہیں دیدیں تو ہم آزاد ہیں' لیکن اب ان بیچاروں کے پاس مالکوں کو دینے کیلئے کچھ بھی نہیں تو ان کی امداد کر کے انہیں آزاد کرانا۔ الرقاب اور اس قسم کے دوسرے لوگوں کی باقی تفسیر سورہ براءۃ میں انما الصدقات کی تفسیر میں بیان ہو گی ان شاء اللہ۔ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مال میں زکوٰۃ کے سوا اللہ تعالیٰ کا کچھ اور حق بھی ہے'' پھر آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ اس حدیث کا ایک راوی ابوحمزہ میمون اعور ضعیف ہے۔

نماز اور زکوٰۃ: پھر فرمایا نماز کو وقت پر پورے رکوع سجود اطمینان اور آرام خشوع اور خضوع کے ساتھ ادا کرے جس طرح کہ ادائیگی کا شریعت میں حکم ہے اور زکوٰۃ بھی ادا کرے' یا یہ معنی کہ اپنے نفس کو واہی باتوں اور رذیل اخلاقوں سے پاک کرے۔ جیسے فرمایا=

---

❶ ترمذی، کتاب الزکاۃ، باب ما جاء فی الصدقۃ علی ذوی القرابۃ، ٦٥٨ وھو صحیح؛ نسائی، ٢٥٨٣؛ ابن ماجۃ، ١٨٤٤۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (صحیح الترغیب، ٨٩٢)

❷ ابوداود، کتاب الوصایا، باب ما جاء متی ینقطع الیتیم، ٢٨٧٣ وسندہ ضعیف۔

❸ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب، ٥٣ ح١٤٧٩؛ صحیح مسلم، ١٠٣٩۔

❹ ابوداود، کتاب الزکاۃ، باب حق السائل، ١٦٦٥ وھو حدیث حسن۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ

وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ

بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۷۸ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۱۷۹

ترجمہ: ایمان والو! تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے' آزاد آزاد کے بدلے غلام غلام کے بدلے عورت عورت کے بدلے' جس کسی کو اسکے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دیدی جائے اسے بھلائی کے پیچھے لگنا چاہئے اور آسانی کے ساتھ دیت ادا کرنی چاہئے' تمہارے رب کی طرف سے یہ تخفیف اور رحمت ہے اس کے بعد بھی جو سرکشی کرے اسے دردناک عذاب ہوگا۔[۱۷۸] عقلمندو! قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے اس باعث تم (قتل ناحق سے) بچے رہو گے۔[۱۷۹]

= ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا﴾ ❶ یعنی ''اپنے نفس کو پاک کرنے والا فلاح پا گیا اور اسے گندگی سے آلودہ کرنے والا تباہ ہو گیا۔'' موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے بھی یہی فرمایا تھا کہ ﴿هَلْ لَّكَ اِلٰۤى اَنْ تَزَكّٰى﴾ ❷ اور جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ ❸ یعنی ''ان مشرکوں کیلئے ویل ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے یا یہ کہ جو اپنے آپ کو شرک سے پاک نہیں کرتے''۔ پس یہاں مندرجہ بالا آیت میں زکوٰۃ سے مراد زکوٰۃ نفس یعنی اپنے آپ کو گندگیوں اور شرک و کفر سے پاک کرنا ہے' اور ممکن ہے مال کی زکوٰۃ مراد ہو اگر ایسا ہو تو پھر باقی اور احکام نفلی صدقہ سے متعلق سمجھے جائیں گے' جیسے اوپر حدیث بیان ہوئی کہ مال میں زکوٰۃ کے سوا اور حق بھی ہیں۔ پھر فرمایا وعدے پورے کرنے والے' جیسے اور جگہ ہے ﴿يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ﴾ ❹ الخ ''یہ لوگ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور وعدے نہیں توڑتے۔''

منافق کی تین نشانیاں: وعدے توڑنا نفاق کی خصلت ہے' جیسے حدیث میں ہے'' منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ بات کرتے ہوئے جھوٹ بولنا وعدہ خلافی کرنا' امانت میں خیانت کرنا۔'' ❺ ایک اور حدیث میں ہے جھگڑے کے وقت گالیاں بکنا۔ ❻ پھر فرمایا فقر و فاقہ میں مال کی کمی کے وقت بدن کی بیماری کے وقت لڑائی کے موقعہ پر دشمنان دین کے سامنے میدان جنگ میں جہاد کے وقت صبر و سہار کرنے والے اور لوہے کی لاٹھی کی طرح جم جانے والے۔ ﴿صَابِرِيْنَ﴾ کا نصب بطور مدح کے ہے۔ ان سختیوں اور مصیبتوں کے وقت صبر کی تعلیم اور تلقین ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے۔ ہمارا بھروسہ اسی پر ہے۔ پھر فرمایا ان اوصاف والے لوگ ہی سچے ایمان والے ہیں۔ ان کا ظاہر و باطن قول و فعل یکساں ہے اور متقی بھی یہی لوگ ہیں کیونکہ اطاعت گزار ہیں اور نافرمانیوں سے دور ہیں۔

قصاص کا مسئلہ: [آیت:۱۷۸-۱۷۹] یعنی اے مسلمانو! قصاص کے وقت عدل سے کام لیا کرو' آزاد کے بدلے آزاد' غلام کے بدلے غلام' عورت کے بدلے عورت' اس کے بارے میں حد سے نہ بڑھو' جیسے کہ اگلے لوگ حد سے بڑھ گئے اور اللہ کا حکم بدل دیا۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں بنو قریظہ اور بنو نضیر کی جنگ ہوئی تھی جس میں بنو نضیر غالب آئے تھے۔ اب یہ دستور

---

❶ ۹۱/ الشمس:۹۔ ❷ ۷۹/ النازعات:۱۸۔ ❸ ۴۱/ فصلت:۶،۷۔ ❹ ۱۳/ الرعد:۲۰۔

❺ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب علامات المنافق، ۳۳؛ صحیح مسلم، ۵۹۔

❻ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب علامات المنافق، ۳۴؛ صحیح مسلم، ۵۸۔

ہو گیا تھا کہ جب نضری کسی قرظی کو قتل کرے تو اس کے بدلے اسے قتل نہ کیا جاتا تھا بلکہ ایک سووسق کھجور بطور دیت میں لی جاتی تھی اور جب بنو قریظہ کا کوئی آدمی بنو نضیر کے آدمی کو قتل کر دیتا تو قصاص میں اس کو قتل کر دیا جاتا یا اور اگر دیت لی جائے تو ڈبل یعنی دوسووسق کھجور لی جاتی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی اس رسم کو مٹادیا اور عدل ومساوات کا حکم دیا۔ ابو حاتم کی روایت میں اس آیت کا شان نزول اس طرح بیان ہوا کہ عرب کے دو قبیلوں میں جدال وقتال ہوا تھا اسلام کے بعد اس کا بدلہ لینے کی ٹھانی اور کہا کہ ہمارے غلام کے بدلے ان کا آزاد قتل ہو اور عورت کے بدلے مرد قتل ہو تو ان کے ردّ میں آیت نازل ہوئی اور یہ حکم بھی منسوخ ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔ ﴿اَلنَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ پس ہر قاتل مقتول کے بدلے مار ڈالا جائے گا خواہ آزاد نے کسی غلام کو قتل کیا ہو خواہ اس کے برعکس ہو۔ خواہ مرد نے عورت کو قتل کیا ہو خواہ اس کے برعکس ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ لوگ مرد کو عورت کے بدلے قتل نہیں کرتے تھے۔ جس پر ﴿اَلنَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ﴾ ❶ نازل ہوئی۔

پس آزاد لوگ سب برابر ہیں' جان کے بدلے جان لی جائیگی خواہ قاتل مرد ہو خواہ عورت ہو۔ اسی طرح مقتول خواہ مرد ہو خواہ عورت ہو جبکہ ایک آزاد انسان نے ایک آزاد انسان کو مار ڈالا ہے تو اسے بھی مار ڈالا جائیگا۔ اسی طرح یہی حکم غلاموں اور لونڈیوں میں بھی جاری ہوگا اور جو کوئی جان لینے کے ارادہ سے دوسرے کو قتل کرے گا وہ قصاص میں قتل کیا جائے گا اور یہی حکم قتل کے علاوہ اور زخموں کا اور دوسرے اعضاء کی بربادی کا بھی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی اس آیت کو ﴿اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ﴾ سے منسوخ بتلاتے ہیں۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ' ثوری' ابن ابی لیلیٰ اور داود رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب ہے کہ آزاد نے اگر غلام کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلے وہ بھی قتل کیا جائے گا۔ حضرت علی' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما' حضرت سعید بن جبیر حضرت ابراہیم نخعی، حضرت قتادہ اور حضرت حکم رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام بخاری' علی بن مدینی' ابراہیم نخعی اور ایک اور روایت کی رو سے حضرت ثوری کا بھی یہی مذہب ہے کہ اگر کوئی آقا اپنے غلام کو مار ڈالے تو اسکے بدلے اسکی جان لی جائے گی۔ ❷ دلیل میں یہ حدیث بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے ہم اسے قتل کریں گے جو کوئی اپنے علام کی ناک کاٹے ہم بھی اسکی ناک کاٹ دیں گے اور جو اسے خصی کرے اس سے بھی یہی بدلہ لیا جائے گا۔'' لیکن جمہور کا مذہب ان بزرگوں کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں آزاد غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ غلام مال ہے اگر وہ خطا سے قتل ہو جائے تو دیت یعنی جرمانہ نہیں دینا پڑتا صرف اس کے مالک کو اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور اسی طرح اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کے نقصان پر بدلے کا حکم نہیں آیا۔

کیا مسلمان کو کافر کے بدلے قتل کیا جائے؟ اس بارے میں جمہور علمائے امت کا مذہب تو یہ ہے کہ قتل نہیں کیا جائے گا اور دلیل صحیح بخاری کی یہ حدیث ہے کہ ((لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ)) ''مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے'' ❸ اس حدیث کے خلاف نہ تو کوئی صحیح حدیث ہے نہ کوئی ایسی تاویل ہو سکتی ہے جو اس کے خلاف ہو لیکن تاہم صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے قتل کر دیا جائے۔

---

❶ ٥/ المآئدة:٤٥۔ ❷ ابوداود، كتاب الديات، باب من قتل عبده أومثل به، ٤٥١٥ وهو حديث حسن، ترمذى، ١٤١٤؛ نسائى، ٤٧٤٠؛ ابن ماجة، ٢٦٦٣۔

❸ صحيح بخارى، كتاب العلم، باب كتابة العلم، ١١١، ٦٩١٥۔

مسئلہ: حضرت حسن بصری اور حضرت عطاء رحمہما اللہ کا قول ہے کہ مرد عورت کے بدلے قتل نہ کیا جائے اور دلیل میں مندرجہ بالا آیت کو پیش کرتے ہیں لیکن جمہور علمائے اسلام اس کے خلاف ہیں کیونکہ سورہ مائدہ کی آیت عام ہے جس میں ﴿اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ﴾ موجود ہے علاوہ ازیں حدیث میں بھی ہے ((اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَاءُ هُمْ)) ❶ یعنی ''مسلمانوں کے خون آپس میں یکساں ہیں۔'' حضرت لیث رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ خاوند اگر اپنی بیوی کو مار ڈالے تو خاص کر اس کے بدلے اس کی جان نہیں لی جائے گی۔

مسئلہ: چاروں ائمہ اور جمہور امت کا مذہب ہے کہ کئی لوگوں نے مل کر ایک مسلمان کو قتل کیا ہو تو وہ سارے اس ایک کے بدلے قتل کر دیئے جائیں گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں سات آدمیوں نے مل کر ایک آدمی کو قتل کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان ساتوں کو ایک کے بدلے میں قتل کرا دیا اور فرمایا اگر صنعاء بستی کے سب لوگ اس قتل میں شریک ہوتے تو میں سب کو قتل کرا دیتا۔ ❷ آپ کے اس فرمان کا خلاف آپ کے زمانے میں کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے نہیں کیا۔ پس اس بات پر گویا اجماع ہو گیا' لیکن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں ایک کے بدلے صرف ایک ہی قتل کیا جائے زیادہ قتل نہ کئے جائیں۔ حضرت معاذ' حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما عبدالملک بن مروان' زہری' ابن سیرین' حبیب بن ابی ثابت رحمہم اللہ سے بھی یہ قول مروی ہے۔ ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہی زیادہ صحیح ہے اور ایک جماعت کو ایک مقتول کے بدلے قتل کرنے کی کوئی دلیل نہیں اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے یہ ثابت ہے کہ وہ اس مسئلہ کو نہیں مانتے تھے۔ پس جب صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف ہوا تو اب مسئلہ غور طلب ہو گیا۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ اور بات ہے کہ کسی قاتل کو مقتول کا کوئی وارث کچھ حصہ معاف کر دے یعنی قتل کے بدلے وہ دیت قبول کر لے یا دیت بھی اپنے حصہ کی چھوڑ دے اور صاف معاف کر دے۔ اگر وہ دیت پر راضی ہو گیا ہے تو قاتل پر مشکل نہ ڈالے بلکہ اچھائی سے وصول کرے اور قاتل کو بھی چاہئے کہ بھلائی کے ساتھ اسے ادا کر دے حیل و حجت نہ کرے

مسئلہ: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب اور امام ابوحنیفہ اور آپ کے شاگردوں کا اور امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا ایک روایت کی رو سے یہ مذہب ہے کہ مقتول کے اولیا کا قصاص چھوڑ کر دیت پر راضی ہونا اس وقت جائز ہے جب خود قاتل بھی اس پر آمادہ ہو لیکن اور بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اس میں قاتل کی رضامندی شرط نہیں۔

مسئلہ: سلف کی ایک جماعت کہتی ہے کہ عورتیں قصاص سے درگزر کر کے دیت پر اگر رضامند ہوں تو ان کا اعتبار نہیں۔ حسن' قتادہ' زہری' ابن شبرمہ' لیث اور اوزاعی رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے لیکن باقی علمائے دین ان کے مخالف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی عورت نے بھی دیت پر رضامندی ظاہر کی تو قصاص جاتا رہے گا۔

پھر فرماتا ہے کہ قتل عمد میں دیت لینا یہ اللہ کی طرف سے تخفیف اور مہربانی ہے۔ اگلی امتوں کو یہ اختیار نہ تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بنی اسرائیل پر قصاص فرض تھا انہیں قصاص سے درگزر کرنے اور دیت لینے کی اجازت نہ تھی لیکن اس امت پر یہ مہربانی ہوئی کہ دیت لینی بھی جائز کی گئی تو یہاں تین چیزیں ہوئیں' قصاص' دیت' اور معافی۔ اگلی امتوں میں صرف قصاص اور معافی ہی تھی' دیت نہ تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اہل تورات کے ہاں صرف قصاص اور معافی تھی اور اہل انجیل کے ہاں صرف معافی ہی تھی۔ پھر فرمایا جو شخص دیت یعنی جرمانہ لینے کے بعد یا دیت قبول کر لینے کے بعد بھی زیادتی پر تل جائے اس کے لئے سخت دردناک عذاب =

❶ ابوداود، کتاب الجهاد، باب فی السرية ترد علی أهل العسكر، ٢٧٥١ وهو حديث حسن۔

❷ الموطا، ٢/ ٨٧١ ح ١٦٨٨ وهو صحيح۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖۚ اِلْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٨٠﴾ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٨١﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٨٢﴾

ترجمہ: تم پر فرض کر دیا گیا کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑے تو اپنے ماں باپ اور قرابتداروں کے لئے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے پرہیزگاروں پر یہ حق اور ثابت ہے'[١٨٠] اب جو شخص اسے سننے کے بعد بدل دے اسکا گناہ بدلنے والے پر ہی ہوگا' اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔[١٨١] ہاں جو شخص وصیت کرنیوالے کے ایک طرف مائل ہو جانے یا گناہ کے وصیت کر دینے سے ڈرے اور ان کی آپس میں اصلاح کرا دے اس پر گناہ نہیں اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔[١٨٢]

= ہے۔ مثلاً دیت بھی لے لی اور پھر قتل کے درپے ہو وغیرہ۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''جس شخص کا کوئی مقتول یا مجروح ہو تو اسے تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے یا قصاص یعنی بدلہ لے یا درگزر کرے اور معاف کر دے یا دیت یعنی جرمانہ لے لے اور اگر کچھ اور کرنا چاہے تو اسے روک دو' ان میں سے کسی ایک چیز پر رضامندی کے بعد بھی جو زیادتی کرے وہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہو جائے گا'' (احمد) ❶ دوسری حدیث میں ہے'' کہ جس نے دیت لے لی پھر قاتل کو قتل کیا تو اب میں اس سے دیت بھی نہ لوں گا بلکہ اسے قتل ہی کراؤں گا۔ ❷

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اے عقلمندو قصاص میں نسل انسانی کی بقا ہے اس میں حکمت عظیمہ ہے گو بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک کے بدلے ایک قتل ہوا تو دو مرے لیکن دراصل اگر سوچو تو پتہ چلے گا کہ یہ سبب زندگی ہے۔ قاتل کو خود خیال ہوگا کہ میں اسے قتل نہ کروں ورنہ خود بھی قتل کر دیا جاؤں گا تو وہ اس فعل بد سے رک جائے گا تو دو آدمی قتل و خون سے بچ گئے۔ اگلی کتابوں میں بھی یہ بات تو بیان فرمائی تھی کہ اَلْقَتْلُ اَنْفٰی لِلْقَتْلِ قتل' قتل کو روک دیتا ہے' لیکن قرآن میں بہت ہی فصاحت و بلاغت کے ساتھ اس مضمون کو بیان کیا گیا۔ پھر فرمایا یہ تمہارے بچاؤ کا سبب ہے کہ ایک تو اللہ کی نافرمانی سے محفوظ رہو گے' دوسرے نہ کوئی کسی کو قتل کرے گا نہ وہ قتل کیا جائے گا۔ زمین پر امن و امان سکون و سلامتی رہے گی تقویٰ تمام نیکیوں کے کرنے اور تمام برائیوں کے چھوڑنے کا نام ہے۔

وصیت کا مطلب اور تفصیل: [آیت: ١٨٠۔١٨٢] اس آیت میں ماں باپ اور قرابت داروں کے لئے وصیت کرنے کا حکم ہو رہا ہے صحیح اقوال کے مطابق میراث کے حکم سے پہلے یہ واجب تھا۔ لیکن میراث کے احکام نے اس وصیت کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ ہر وارث اپنا مقررہ حصہ بغیر وصیت کے لے لے گا۔ سنن وغیرہ میں حضرت عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ سے حدیث ہے' کہتے ہیں میں نے رسول

❶ ابوداود، کتاب الدیات، باب الإمام یأمر بالعفو فی الدم ٤٤٩٦ وسنده ضعیف، ابن ماجة، کتاب الدیات، باب من قتل له قتیل فهو...... ٢٦٢٣۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (الإرواء ٧/ ٢٧٩)

❷ ابوداود، کتاب الدیات، باب من قتل بعد أخذ الدیة، ٤٥٠٧ وسنده ضعیف۔

اللہ ﷺ کو خطبہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق پہنچا دیا ہے۔ اب کسی وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں۔“ ❶ ابن عباس رضی اللہ عنہما سورۂ بقرہ کی تلاوت کرتے ہیں' جب اس آیت پر پہنچتے ہیں تو فرماتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے (مسند احمد)۔ ❷ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ پہلے ماں باپ کے ساتھ اور کوئی رشتہ دار وارث نہ تھا باقی اقربا کے لئے صرف وصیت ہوتی تھی پھر میراث کی آیات نازل ہوئیں اور ایک تہائی مال میں وصیت کا اختیار باقی رہا۔ اس آیت کے حکم کو منسوخ کرنے والی آیت ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ﴾ الخ ہے۔ حضرت ابن عمر' حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما' سعید بن مسیب' حسن' مجاہد' عطاء' سعید بن جبیر' محمد بن سیرین' عکرمہ' زید بن اسلم' ربیع بن انس' قتادہ' سدی' مقاتل بن حیان' طاؤس' ابراہیم نخعی' شریح' ضحاک اور زہری رحمۃ اللہ علیہم یہ سب حضرات بھی اس آیت کو منسوخ بتاتے ہیں لیکن باوجود اس کے تعجب ہے کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کبیر میں ابومسلم اصفہانی سے یہ کیسے نقل کر دیا کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ آیت میراث اس کی تفسیر ہے۔

اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ تم پر وہ وصیت فرض کی گئی جس کا بیان آیت ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ ❸ میں ہے اور یہی قول اکثر مفسرین اور معتبر فقہا کا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وصیت کا حکم وارثوں کے حق میں منسوخ ہے لیکن جن کا ورثہ مقرر نہیں ان کے حق میں ثابت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما' حسن' مسروق' طاؤس' ضحاک' مسلم بن یسار اور علاء بن زیاد رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب بھی یہی ہے۔ میں کہتا ہوں سعید بن جبیر' ربیع بن انس' قتادہ اور مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہم بھی یہی کہتے ہیں لیکن ان حضرات کے اس قول کی بنا پر بعد کے فقہا کی اصلاح میں یہ آیت منسوخ نہیں ٹھہرتی اس لئے کہ میراث کی آیت سے وہ لوگ تو اس حکم سے مخصوص ہو گئے جن کا حصہ شریعت نے خود مقرر کر دیا ہے اور جو اس سے پہلے اس آیت کے حکم کی رو سے وصیت میں داخل تھے کیونکہ قرابت دار عام ہیں خواہ ان کا ورثہ مقرر ہو یا نہ ہو تو اب وصیت ان کے لئے رہی جو وارث نہیں اور جو وارث ہیں ان کے حق میں نہ رہی۔ یہ قول اور بعض دیگر حضرات کا یہ قول کہ وصیت کا حکم ابتدائے اسلام میں تھا اور وہ بھی غیر ضروری' دونوں کا مطلب قریباً ایک ہو گیا۔

لیکن جو لوگ وصیت کے اس حکم کو واجب کہتے ہیں اور روانی عبارت اور سیاق کلام سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے ان کے نزدیک تو یہ آیت منسوخ ہی ٹھہرے گی۔ جیسے کہ اکثر مفسرین اور معتبر فقہائے کرام کا قول ہے پس والدین اور وراثت پانے والے قرابت داروں کے لئے وصیت کرنا بالا جماع منسوخ ہے بلکہ ممنوع ہے۔ حدیث میں آ چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے' اب وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں۔ آیت میراث کا حکم مستقل ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ واجب اور فرض ہے ذوی الفروض اور عصبات کا حصہ مقرر ہے اور اس سے اس آیت کا حکم کلیتہً اٹھ گیا' باقی رہ گئے وہ قرابت دار جن کا ورثہ مقرر نہیں ان کے لئے تہائی مال میں وصیت کرنا مستحب ہے کچھ تو اس کا حکم اس آیت سے بھی نکلتا ہے اور دوسرا یہ کہ حدیث میں صاف آ چکا ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ”کسی مرد مسلمان کو لائق نہیں کہ اس کے پاس کوئی چیز ہو اور وہ وصیت کرنی چاہتا ہو تو دو راتیں بھی بغیر وصیت لکھے گزار دے۔“ راوی حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے فرماتے ہیں اس فرمان کے سننے کے بعد میں نے تو ایک رات بھی بلا وصیت نہیں گزاری۔ ❹ قرابت داروں اور رشتہ داروں سے

---

❶ ترمذی، کتاب الوصایا، باب ما جاء لا وصیة لوارث، ۲۱۲۱ وھو حسن؛ نسائی، ۳٦۷۱۔ شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھئے (الإرواء، ٦/ ۸۸) ❷ حاکم، ۲/ ۲۷۳ ح ۳۰۸۳، ۲/ ۲۸۱ ح ۳۱۱۰ وسنن ابی داود، ۲۸٦۹ وسندہ حسن۔

❸ ٤/ النساء: ۱۱۔ ❹ صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب الوصایا، ۲۷۳۸؛ صحیح مسلم، ۱٦۲۷۔

سلوک کرنے کے بارے میں بہت سی آیات اور حدیثیں آئی ہیں۔ایک حدیث میں ہے "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم تو جو مال میری راہ میں خرچ کرے گا میں اس کی وجہ سے تجھے پاک وصاف کروں گا اور تیرے انتقال کے بعد بھی اپنے نیک بندوں کی دعاؤں کا سبب بناؤں گا۔" ❶

﴿خیرا﴾ سے مراد یہاں مال ہے اکثر جلیل القدر مفسرین کی یہی تفسیر ہے۔بعض مفسرین کا تو یہ قول ہے کہ مال خواہ تھوڑا ہو خواہ زیادہ وصیت مشروع ہے جیسے میراث تھوڑے مال میں بھی ہے اور زیادہ میں بھی۔بعض کہتے ہیں وصیت کا حکم اس وقت ہے جب زیادہ مال ہو۔حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ذکر ہوتا ہے ایک قریشی مرگیا ہے اور تین چار سو دینار اس کے ورثہ میں تھے اس نے وصیت کچھ نہیں کی۔ آپ نے فرمایا یہ رقم وصیت کے قابل ہی نہیں اللہ تعالیٰ نے ﴿اِنْ تَـرَكَ خَيْـرًا﴾ فرمایا ہے۔ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک بیمار کی بیمار پرسی کو گئے۔اس سے کسی نے کہا وصیت کرو تو آپ نے فرمایا وصیت خیر میں ہوتی ہے اور تو تو کم مال چھوڑ رہا ہے اسے اپنی اولاد کے لئے ہی چھوڑ جا۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ساٹھ دینار جس نے نہیں چھوڑے اس نے خیر نہیں چھوڑی یعنی اس کے ذمہ وصیت کرنا نہیں۔طاؤس اسی دینار بتاتے ہیں۔قتادہ ایک ہزار بتاتے ہیں۔

معروف سے مراد نرمی اور احسان ہے۔حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں وصیت کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے وصیت جائز کرے ناجائز نہیں اور وارثوں کو نقصان نہ پہنچائے اسراف اور فضول خرچی بھی نہ کرے۔بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مالدار ہوں اور میری وارث صرف میری ایک لڑکی ہی ہے تو آپ اجازت دیجئے کہ میں اپنے دو تہائی مال کی وصیت کروں۔آپ نے فرمایا نہیں۔کہا آدھے کی اجازت دیجئے۔فرمایا نہیں۔کہا ایک تہائی کی اجازت دیجئے۔فرمایا "خیر تہائی مال کی وصیت کرو گو یہ بھی بہت ہے۔تم اپنے پیچھے اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ کر جاؤ یہ بہتر ہے اس سے کہ تم انھیں فقیر اور تنگدست چھوڑ کر جاؤ کہ وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔" ❷

صحیح بخاری میں ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کاش کہ لوگ تہائی سے ہٹ کر چوتھائی پر آجائیں اس لئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تہائی کی رخصت دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ تہائی بہت ہے۔ ❸ مسند احمد میں ہے کہ حنظلہ بن جزیم بن حنفیہ کے دادا حنفیہ نے ایک یتیم بچے کے لئے جوان کے ہاں پلتے تھے سو اونٹوں کی وصیت کی۔ان کی اولاد پر یہ بہت گراں گزرا۔معاملہ حضور تک پہنچا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں نہیں نہیں صدقہ میں پانچ دو دس دو پندرہ دو بیس دو پچیس دو تیس دو پینتیس دو اگر اس پر بھی نہ مانو تو پھر زیادہ سے زیادہ چالیس دو" ❹ الخ۔پھر فرماتا ہے جو شخص وصیت کو بدل دے اس میں کمی بیشی کر دے یا وصیت کو چھپا لے اس کا گناہ بدلنے والے کے ذمہ ہے میت کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہو گا اللہ تعالیٰ وصیت کرنیوالے کی وصیت کی اصلیت کو بھی جانتا ہے اور بدلنے والے کی تبدیلی کو بھی نہ اس سے کوئی آواز پوشیدہ ہے نہ کوئی راز۔جـنـف کے معنی خطا اور غلطی کے ہیں۔مثلاً کسی وارث کو کسی طرح زیادہ دلوا دینا مثلاً کہہ دیا کہ فلاں چیز فلاں کے ہاتھ اتنے اتنے میں بیچ دی جائے وغیرہ۔اب خواہ بطور غلطی اور خطا کے ہو یا زیادتی محبت وشفقت کی وجہ بغیر کسی ارادہ کے ایسی حرکت سرزد ہو گئی ہو یا گناہ کے طور پر ہو تو وصی کو اس کے ردو بدل میں کوئی گناہ نہیں۔وصیت کو شرعی احکام کے مطابق کر کے جاری کر دے تا کہ میت بھی عذاب الٰہی سے بچ جائے اور =

❶ عبد بن حمید فی مسنده، ٧٦٩؛ ابن ماجة، ٢٧١٠ وسنن الدار قطنی، ٤/ ١٤٨ اس کی سند مبارک بن حسان کی وجہ سے ضعیف ہے۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب ان یترك ورثته اغنیاء، ٢٧٤٢؛ صحیح مسلم، کتاب الوصية، ١٦٢٨۔

❸ صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب ان یترك ورثته اغنیاء، ٢٧٤٣۔ ❹ أحمد، ٥/ ٦٧، ٦٨ وسنده حسن۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٨٣﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٤﴾

ترجمہ: ایمان والوتم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے اگلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم بچ جاؤ۔[۱۸۳] گنتی کے چند ہی دن ہیں' لیکن تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اور دنوں میں اس گنتی کو پورا کر لے۔ طاقت رکھنے والے فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا دیں' اور جو شخص نیکی میں سبقت کرے وہ اسی کے لئے بہتر ہے' لیکن تمہارے حق میں افضل کام روزے رکھنا ہی ہے اگر تم باعلم ہو۔[۱۸۴]

= حقداروں کو حق بھی مل جائے تاکہ شرعی وصیت پوری ہو جائے ایسی حالت میں بدلنے والے پر کوئی گناہ یا حرج نہیں' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔
ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں'' زندگی میں ظلم کر کے صدقہ دینے والے کا صدقہ اسی طرح لوٹا دیا جائے گا جس طرح موت کے وقت خطا کاری کرنے والے کا صدقہ لوٹا دیا جاتا ہے۔'' یہ حدیث ابن مردویہ سے بھی مروی ہے۔

ابن ابی حاتم فرماتے ہیں ولید بن یزید جو اس حدیث کا راوی ہے اس نے اس میں غلطی کی ہے۔ دراصل یہ کلام حضرت عروہ کا ہے' ولید بن مسلم نے اسے اوزاعی سے روایت کیا ہے اور عروہ سے آگے سند نہیں لے گئے۔ ابن مردویہ بھی ایک مرفوع حدیث میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وصیت کی کمی بیشی کبیرہ گناہ ہے ❶ لیکن اس حدیث کے مرفوع ہونے میں بھی کلام ہے۔
اس بارے میں سب سے صحیح حدیث وہ ہے جو مسند عبدالرزاق میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' آدمی ستر سال نیک لوگوں جیسے اعمال کرتا رہتا ہے اور وصیت میں ظلم کرتا ہے اور برائی کے عمل پر خاتمہ ہونے کی وجہ سے جہنمی بن جاتا ہے اور بعض لوگ ستر برس تک بداعمالیاں کرتے رہتے ہیں لیکن وصیت میں عدل و انصاف کرتے ہیں اور آخری عمل ان کا بھلا ہوتا ہے اور وہ جنتی بن جاتے ہیں۔'' پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر چاہو تو قرآن کی اس آیت کو پڑھ لو ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا﴾ ❷ یعنی'' یہ اللہ تعالیٰ کی (مقرر کردہ) حدود ہیں' ان سے آگے نہ بڑھو۔'' ❸

فرضیت روزہ اور اس کے مقاصد: [آیت: ۱۸۳۔۱۸۴] اللہ تعالیٰ اس امت کے ایمان داروں کو مخاطب کر کے انہیں حکم دے رہا ہے کہ روزے رکھو۔ روزہ کے معنی اللہ تعالیٰ کے فرمان کی بجا آوری کی خالص نیت کے ساتھ کھانے پینے اور جماع سے رک جانے کے ہیں۔ اس سے فائدہ یہ ہے کہ نفس انسان پاک صاف اور طیب و طاہر ہو جاتا ہے' ردی اخلاط اور واہی اخلاق سے انسان بچ جاتا ہے۔ اس حکم کے ساتھ ہی فرماتا ہے کہ اس حکم کے ساتھ تم تنہا نہیں بلکہ تم سے اگلوں کو بھی روزوں کا حکم تھا۔ اس بیان سے یہ بھی مقصد ہے کہ یہ امت اس فریضہ کی بجا آوری میں اگلی امتوں سے پیچھے نہ رہ جائے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ ❹

❶ النسائی فی الکبریٰ، ٦/ ٣٢٠ ح ١١٠٩٢ بسند صحیح عن ابن عباس موقوفًا والبیهقی (٦/ ٢٧١) وغیره مرفوعًا وسنده ضعیف من أجل عمر بن المغیرة۔ ❷ ٢/ البقرة: ٢٢٩۔
❸ سنن ابی داود، ٢٨٦٧ وغیره وسنده حسن شهر بن حوشب حسن الحدیث۔ ❹ ٥/ المآئدة: ٤٨۔

یعنی ہر ایک کے لئے ایک طریقہ اور راستہ ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا' لیکن وہ تمہیں آزما رہا ہے۔ تمہیں چاہئے کہ نیکیوں میں سبقت کرتے رہو۔ یہی یہاں بھی فرمایا کہ تم پر بھی روزے اسی طرح فرض ہیں جس طرح تم سے اگلوں پر تھے۔ روزے سے بدن کی پاکیزگی ہے اور شیطانی کاموں سے بچنا بھی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں'' اے جوانو! تم میں سے جس میں نکاح کی طاقت ہو وہ نکاح کر لے اور جسے طاقت نہ ہو وہ روزے رکھے۔ اس لئے کہ یہ جوش کو سرد کر دے گا۔'' ❶

پھر روزوں کی مقدار بیان ہو رہی ہے کہ یہ چند ہی دن ہیں تاکہ کوئی اکتا نہ جائے اور ادائیگی سے قاصر نہ ہو بلکہ ذوق و شوق سے اللہ کے اس فریضہ کو بجا لائے۔ پہلے تو ہر ماہ میں تین روزوں کا حکم ہوا پھر اگلا حکم منسوخ ہوا۔ اس کا مفصل بیان آ رہا ہے' ان شاء اللہ۔

حضرت معاذ، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم' عطاء' قتادہ اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہم کا فرمان ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے ہر مہینہ میں تین روزوں کا حکم تھا پھر حضور ﷺ کی امت کے لئے اس کو بدل دیا اور ان پر اس مبارک مہینہ رمضان کے روزے فرض ہوئے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگلی امتوں پر بھی ایک مہینہ کامل کے روزے فرض تھے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ رمضان کے روزے تم سے اگلی امتوں پر فرض تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگلی امتوں کو یہ حکم تھا کہ جب وہ عشاء کی نماز ادا کر لیں اور سو جائیں تو ان پر کھانا پینا عورتوں سے مباشرت کرنا حرام ہو جاتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اگلے لوگوں سے مراد اہل کتاب ہیں۔ پھر بیان ہو رہا ہے کہ تم میں سے جو شخص ماہ رمضان میں بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اس حالت میں روزے چھوڑ دے' مشقت نہ اٹھائے اور اس کے بعد دوسرے دنوں میں جب کہ وہ عذر ہٹ جائیں قضا کر لیں۔ ہاں ابتدائے اسلام میں جو شخص تندرست ہو اور مسافر بھی نہ ہو اسے بھی اختیار تھا خواہ روزہ رکھے' خواہ نہ رکھے اور فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دے اگر ایک سے زیادہ کو کھلائے تو افضل تھا' گو روزہ رکھنا فدیہ دینے سے زیادہ بہتر تھا۔ ابن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد طاؤس اور مقاتل رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔

نماز کی تبدیلی کی تین حالتیں: مسند احمد میں ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز اور روزے کی تین حالتیں بدلی گئیں۔

پہلی تبدیلی یہ ہوئی کہ سولہ سترہ مہینہ تک مدینہ میں آ کر حضور ﷺ نے بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی۔ پھر ﴿قد نری﴾ الخ والی آیت اتری اور مکہ کی طرف آپ نے منہ پھیرا۔

دوسری تبدیلی یہ ہوئی کہ نماز کے لئے ایک آدمی دوسرے کو بلاتا تھا اور جمع ہو جاتے تھے لیکن اس سے آخر عاجز ہو گئے پھر ایک انصاری حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ میں نے خواب میں دیکھا لیکن وہ خواب گویا بیداری کی سی حالت میں تھا کہ ایک شخص سبز رنگ کا حلہ پہنے ہوئے ہے اور قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر کہہ رہا ہے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دو مرتبہ' غرض یونہی اذان پوری کی پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے تکبیر کہی جس میں قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ بھی دو مرتبہ کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بلال کو یہ سکھاؤ وہ اذان کہیں گے چنانچہ سب سے پہلے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی آ کر اپنا یہی خواب بیان کیا تھا لیکن ان سے پہلے حضرت

---

❶ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب من لم یستطع الباءۃ فلیصم، ٥٠٦٦؛ صحیح مسلم، ١٤٠٠۔

زید رضی اللہ عنہ آ چکے تھے۔

تیسری تبدیلی یہ ہوئی کہ پہلے یہ دستور تھا کہ حضور ﷺ نماز پڑھا رہے ہیں، کوئی آیا کچھ رکعتیں ہو چکی ہیں تو وہ کسی سے دریافت کرتا کہ کتنی رکعتیں ہو چکی ہیں؟ وہ جواب دیتا کہ اتنی رکعتیں پڑھ لی ہیں، وہ اتنی رکعتیں ادا کرتا پھر حضور ﷺ کے ساتھ مل جاتا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ آئے اور کہنے لگے کہ میں تو حضور ﷺ کو جس حال میں پاؤں گا اسی میں مل جاؤں گا اور جو نماز رہ گئی ہے اسے حضور ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کرلوں گا۔ چنانچہ انہیں نے یہی کیا اور آنحضرت ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی رہی ہوئی رکعتیں ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا ''معاذ نے تمہارے لئے یہ اچھا طریقہ نکالا ہے، تم بھی اب یونہی کیا کرو۔'' یہ تین تبدیلیاں تو نماز کی ہوئیں، روزوں کی تبدیلیاں سنئے۔

روزوں کی تبدیلی: پہلی تبدیلی، نبی ﷺ جب مدینہ میں آئے تو ہر مہینہ میں تین روزے رکھتے تھے اور عاشورے کا روزہ رکھا کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ نازل فرما کر رمضان کے روزے فرض کئے۔

دوسری تبدیلی، ابتداءً یہ حکم تھا کہ جو چاہے روزہ رکھے، جو چاہے روزہ نہ رکھے اور فدیہ دے دے۔ پھر یہ آیت اتری ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ تم میں سے جو شخص رمضان کے مہینے میں قیام کی حالت میں ہو، وہ روزہ رکھا کرے پس جو شخص مقیم ہو مسافر نہ ہو، تندرست ہو بیمار نہ ہو، اس پر روزہ رکھنا ضروری ہو گیا۔ ہاں بیمار اور مسافر کے لئے رخصت ملی اور ایسا بوڑھا معذور جو روزے کی طاقت ہی نہ رکھتا ہو اسے بھی رخصت دی گئی۔

تیسری تبدیلی، تیسری حالت یہ کہ ابتدا میں کھانا پینا عورتوں کے پاس آنا سونے سے پہلے پہلے جائز تھا۔ سو گیا تو پھر گو رات ہی کو جاگے لیکن کھانا پینا اور جماع اس کے لئے منع تھا۔

پھر ابو قیس صرمہ نامی ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ دن بھر کام کاج کر کے رات کو تھکے ہارے گھر آئے۔ عشاء کی نماز ادا کی اور نیند آ گئی دوسرے دن کچھ کھائے پئے بغیر روزہ رکھا لیکن حالت بہت نازک ہو گئی۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ ''یہ کیا بات ہے؟'' تو انہوں نے سارا واقعہ سنا دیا۔ ادھر یہ واقعہ تو ان کے ساتھ ہوا، ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سو جانے کے بعد اپنی بیوی سے جماع کر لیا اور حضور ﷺ کے پاس آ کر حسرت و افسوس کے ساتھ اپنے اس قصور کا اقرار کیا، جس پر یہ آیت ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ﴾ ❶ ﴿ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ﴾ تک نازل ہوئی اور مغرب کے بعد سے لے کر صبح صادق کے طلوع ہونے تک رمضان کی راتوں میں کھانے پینے اور اپنی بیوی سے جماع کرنے کی رخصت دی گئی۔ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ پہلے عاشورہ کا روزہ رکھا جاتا تھا، جب رمضان کی فرضیت نازل ہوئی تو اب ضروری نہ رہا، جو چاہتا رکھ لیتا، جو نہ چاہتا نہ رکھتا۔ یہ حضرت ابن عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ ❷

انتہائی بوڑھا، حاملہ یا دودھ پلانے والی کے روزوں کا حکم؟ ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ﴾ کا مطلب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں جو چاہتا روزہ رکھتا جو چاہتا نہ رکھتا اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے بھی صحیح بخاری میں ایک روایت آئی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جو شخص چاہتا افطار کرتا اور فدیہ =

---

❶ ۲/ البقرۃ:۱۸۷۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ البقرۃ، باب ﴿یایھا الذین امنوا کتب علیکم......﴾، ۴۵۰۱، ۴۵۰۳؛ صحیح مسلم، ۱۱۲۵۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۗ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

ترجمہ: ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔ جو لوگوں کو ہدایت کرنیوالا ہے اور جس میں ہدایت کی اور حق و باطل کی تمیز کی نشانی ہے۔ تم میں سے جو شخص اس مہینہ میں مقیم ہو اسے روزہ رکھنا چاہئے۔ ہاں جو بیمار ہو یا مسافر ہو اُسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمھارے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کرلو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان کرو اور اس کا شکر کرو۔[۱۸۵]

= دے دیتا یہاں تک کہ اس کے بعد کی آیت ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ﴾ اتری اور یہ آیت ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ﴾ منسوخ ہوگئی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی اس کو منسوخ کہتے ہیں۔ ❶ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ منسوخ نہیں مراد اس سے بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جسے روزے کی طاقت نہ ہو۔ ❷ ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ عطاء رحمۃ اللہ علیہ کے پاس میں رمضان میں گیا' دیکھا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر فرمانے لگے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس آیت نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا اب یہ حکم صرف بہت زیادہ کمزور بوڑھے بڑے کے لئے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص مقیم ہو اور تندرست ہو اس کے لئے یہ حکم نہیں بلکہ اسے روزہ ہی رکھنا ہوگا' ہاں ایسے بوڑھے' بڑے معمر اور کمزور آدمی جنہیں روزے کی طاقت ہی نہ ہو' وہ روزہ نہ رکھیں اور نہ ان پر قضا ضروری ہے۔ لیکن اگر وہ مالدار ہوں تو کیا انہیں کفارہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول تو یہ ہے کہ چونکہ اس میں روزے کی طاقت نہیں لہٰذا یہ بھی مثل بچے کے ہے اور اس پر کفارہ بھی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ دوسرا قول حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ہے کہ اس کے ذمہ کفارہ ہے اور اکثر علمائے کرام کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کی تفسیروں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا پسندیدہ مسئلہ بھی یہی ہے وہ فرماتے ہیں کہ بہت بڑی عمر والا بوڑھا جسے روزے کی طاقت نہ ہو تو وہ فدیہ دیدے' جیسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنی بڑی عمر میں' بڑھاپے کے آخری وقتوں میں سال دو سال تک روزہ نہ رکھا اور ہر روزے کے بدلے روٹی گوشت تیار کر کے تیس مسکینوں کو بلا کر کھلا دیا۔ ❸

اسی طرح حمل والی اور دودھ پلانے والی عورت جب اسے اپنی جان کا یا اپنے بچے کی جان کا خوف ہو ان کے بارے میں علما میں سخت اختلاف ہے۔ بعض تو کہتے ہیں وہ روزہ نہ رکھیں فدیہ دے دیں اور جب خوف ہٹ جائے تو قضا بھی کرلیں۔ بعض کہتے ہیں =

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ البقرۃ، باب ﴿فمن شهد منكم الشهر......﴾، ۴۵۰۷؛ صحیح مسلم، ۱۱۴۵۔

❷ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ البقرۃ، باب قوله تعالىٰ ﴿اياما معدودات﴾، ۴۵۰۵۔

❸ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ البقرۃ، باب قوله تعالىٰ ﴿اياما معدودات﴾، ۴۵۰۵، تعلیقاً۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (الارواء، ۴/ ۲۱)

= صرف فدیہ کافی ہے قضا نہ کریں۔ بعض کہتے ہیں قضا کرلیں فدیہ نہیں اور بعض کا قول ہے کہ نہ روزہ رکھیں' نہ فدیہ دیں' نہ قضا کریں۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو اپنی کتاب الصیام میں تفصیل کے ساتھ واضح کیا ہے' فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ (بظاہر یہی بات دلائل سے زیادہ قریب نظر آتی ہے کہ یہ دونوں ایسی حالت میں روزہ نہ رکھیں اور بعد میں قضا کرلیں' فدیہ نہ دیں۔ مترجم)

رمضان المبارک میں قرآن کریم کا نزول: [آیت:۱۸۵] ماہ رمضان کی فضیلت و بزرگی کا بیان ہو رہا ہے کہ اسی ماہ مبارک میں قرآن کریم اترا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ابراہیمی صحیفہ رمضان کی پہلی رات اترا اور توراۃ چھٹی تاریخ' انجیل تیرھویں تاریخ اور قرآن چوبیسویں تاریخ کو نازل ہوا۔'' ❶ ایک اور روایت میں ہے کہ زبور بارہویں کو اور انجیل اٹھارویں کو۔ سابقہ تمام صحائف اور توراۃ' انجیل اور زبور وغیرہ جس جس پیغمبر پر نازل ہوئیں ایک ساتھ ایک ہی مرتبہ اتریں' لیکن قرآن کریم بیت العزۃ سے آسمان دنیا تک تو ایک ساتھ ایک مرتبہ نازل ہوا اور پھر وقتاً فوقتاً حسب ضرورت زمین پر نازل ہوتا رہا۔ یہی مطلب ہے ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ﴾ ❷ اور ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾ ❸ اور ﴿اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم ایک ساتھ آسمان اول پر رمضان المبارک کے مہینے میں لیلۃ القدر کو نازل ہوا اور اسی (لیلۃ القدر) کو لیلہ مبارکہ بھی کہا ہے' ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ آپ سے جب یہ سوال ہوا کہ قرآن کریم تو مختلف مہینوں میں' برسوں میں جا کر مکمل ہوا تو پھر رمضان میں اور وہ بھی لیلۃ القدر میں اترنے کے کیا معنی؟ تو آپ نے یہی مطلب بیان کیا ابن مردویہ وغیرہ۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ آدھے رمضان میں قرآن کریم آسمان دنیا کی طرف اترا' بیت العزۃ میں رکھا گیا' پھر حسب ضرورت واقعات اور سوالات پر تھوڑا تھوڑا اترتا رہا اور بیس سال میں اس کا نزول مکمل ہوا۔ اس میں بہت سی آیات کفار کے جواب میں بھی اتریں۔ کفار کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ قرآن کریم ایک ساتھ سارے کا سارا کیوں نہیں اترا' جس کے جواب میں فرمایا گیا ﴿لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا﴾ ❹ یہ اس لئے کہ تیرے دل کو برقرار اور مضبوط رکھیں وغیرہ۔

پھر قرآن کریم کی تعریف میں بیان ہو رہا ہے کہ یہ لوگوں کے دلوں کی ہدایت ہے اور اس میں واضح اور روشن دلیلیں ہیں۔ تدبر اور غور و فکر کرنے والا اس سے صحیح راستے پر پہنچ سکتا ہے۔ یہ حق و باطل' حرام و حلال میں فرق ظاہر کرنے والا ہے۔ ہدایت و گمراہی اور رشد و برائی میں جدائی کرنے والا ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ صرف رمضان کہنا مکروہ ہے' شہر رمضان یعنی رمضان کا مہینہ کہنا چاہئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رمضان نہ کہو یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے' شہر رمضان یعنی رمضان کا مہینہ کہا کرو۔ حضرت مجاہد اور محمد بن کعب رحمہما اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ رمضان نہ کہنے کے بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی ہے لیکن سنداً وہ صحیح نہیں ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کے رد میں باب باندھ کر بہت سی حدیثیں بیان فرمائیں ہیں۔ ایک میں ہے جو شخص رمضان کے روزے ایمان اور نیک نیتی کے ساتھ رکھے اس کے سب اگلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں وغیرہ۔ ❺

بیمار اور مسافر کے لئے روزہ کی رخصت: غرض اس آیت سے ثابت ہوا کہ جب رمضان کا چاند نظر آ جائے تو کوئی شخص اپنے

---

❶ احمد، ٤/ ١٠٧ وسندہ ضعیف، قتادہ مدلس وعنعن۔

❷ ٩٧/ القدر:١۔ ❸ ٤٤/ الدخان:٣۔ ❹ ٢٥/ الفرقان:٣٢۔

❺ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب صوم رمضان احتسابًا من الایمان، ٣٨؛ صحیح مسلم، ٧٦٠۔

گھر میں ہو سفر میں نہ ہو اور تندرست بھی ہو اسے روزے رکھنا لازمی اور ضروری ہیں۔ پہلے اس قسم کے لوگوں کو بھی جو رخصت تھی وہ ختم ہو گئی۔ اس کا بیان فرما کر پھر بیمار اور مسافر کی رخصت کا بیان کیا کہ یہ لوگ روزہ ان دنوں میں نہ رکھیں بعد میں قضا کر لیں یعنی جس کے بدن میں کوئی تکلیف ہو جس کی وجہ سے روزے میں مشقت پڑے یا تکلیف بڑھ جائے یا سفر میں ہو تو افطار کر لے اور جتنے روزے رہ جائیں بعد میں قضا کر لے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان حالتوں میں رخصت عطا فرما کر تمہیں مشقت سے بچا لینا یہ سراسر ہماری رحمت کا ظہور ہے اور احکام اسلام میں آسانی ہے۔ اب یہاں چند مسائل بھی سنئے۔

(۱) سلف کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ جو شخص اپنے گھر میں مقیم ہو اور رمضان المبارک کا چاند نظر آ جائے' پھر رمضان میں سفر کرنا پڑے تو اسے روزہ ترک کرنا جائز نہیں' کیوں کہ ایسے لوگوں کو روزہ رکھنے کا صاف حکم قرآن میں موجود ہے۔ ہاں ان لوگوں کا بحالت سفر روزہ چھوڑنا جائز ہے جو سفر میں ہوں اور رمضان کا مہینہ آ جائے۔ لیکن یہ قول غریب ہے۔ ابومحمد ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب (المحلّٰی) میں صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کا یہی مذہب نقل کیا ہے لیکن اس میں کلام ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں فتح مکہ کے غزوہ کے لئے نکلے' روزے سے تھے' کدید میں پہنچ کر روزہ افطار کیا اور لوگوں کو بھی حکم دیا کہ روزہ توڑ دیں (بخاری ومسلم)۔ ❶

(۲) صحابہ اور تابعین کی ایک اور جماعت نے کہا ہے کہ سفر میں روزہ توڑ دینا واجب ہے کیونکہ قرآن کریم میں ہے ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ لیکن صحیح قول جو جمہور کا مذہب ہے' یہ ہے کہ آدمی کو اختیار ہے خواہ رکھے خواہ نہ رکھے' اس لئے کہ ماہ رمضان میں لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلتے تھے' بعض روزے سے ہوتے تھے' بعض روزے سے نہیں ہوتے تھے۔ پس وہ ایک دوسرے پر کوئی قدغن نہیں لگاتے تھے۔ ❷ اگر افطار واجب ہوتا تو روزہ رکھنے والوں پر انکار کیا جاتا' بلکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بحالت سفر روزہ رکھنا ثابت ہے۔ بخاری ومسلم میں ہے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رمضان المبارک میں سخت گرمی کے موسم میں ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ گرمی کی شدت کی وجہ سے سر پر ہاتھ رکھے رکھے پھر رہے تھے۔ ہم میں سے کوئی بھی روزے سے نہ تھا سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے۔ ❸

مسئلہ: علما کی ایک جماعت کا خیال ہے (جس میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں) کہ سفر میں روزہ رکھنا' نہ رکھنے سے افضل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بحالت سفر روزہ رکھنا ثابت ہے۔ ایک دوسری جماعت کا خیال ہے کہ روزہ نہ رکھنا افضل ہے کیونکہ اس میں رخصت پر عمل ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر کے روزے کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا ''جو روزہ توڑ دے اس نے اچھا کیا اور جو نہ توڑے اس پر کوئی گناہ نہیں۔'' ❹ ایک اور حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ کی رخصتوں کو جو اس نے تمہیں دی ہیں تم لے لو۔'' ❺ تیسری جماعت کا قول ہے کہ رکھنا' نہ رکھنا دونوں برابر ہیں۔ ان کی دلیل حضرت

❶ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب من أفطر فی السفر لیراہ الناس، ۱۹۴۸؛ صحیح مسلم، ۱۱۱۳۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب لم یعب أصحاب النبی بعضهم بعضًا فی الصوم والإفطار، ۱۹۴۷؛ صحیح مسلم، ۱۱۱۶۔

❸ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب رقم، ۳۵ ح ۱۹۴۵؛ صحیح مسلم، ۱۱۲۲۔

❹ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب التخییر فی الصوم والفطر فی السفر، ۱۱۲۱۔

❺ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب جواز الصوم والفطر فی شهر رمضان...... ۱۱۱۵۔

عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے کہ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ روزے اکثر رکھا کرتا ہوں تو کیا اجازت ہے کہ سفر میں بھی روزے رکھ لیا کروں' فرمایا اگر چاہو رکھو اور چاہو نہ رکھو (بخاری و مسلم)۔ ❶

بعض لوگوں کا قول ہے کہ اگر روزہ بھاری پڑتا ہو تو افطار کرنا افضل ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس پر سایہ کیا گیا ہے۔ پوچھا یہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا حضور! یہ روزے سے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں'' (بخاری و مسلم)۔ ❷ یہ خیال رہے کہ جو شخص سنت سے منہ پھیرے اور روزہ چھوڑنا سفر کی حالت میں بھی مکروہ جانے تو اس پر افطار ضروری ہے اور روزہ رکھنا حرام ہے۔ مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رخصت کو قبول نہ کرے اس پر عرفات کے پہاڑوں برابر گناہ ہوگا۔ ❸

روزہ اور چند متفرق مسائل: چوتھا مسئلہ آیا قضا روزوں کے لئے متواتر روزے رکھنے ضروری ہیں یا جدا جدا بھی رکھ لئے جائیں تو کوئی حرج تو نہیں؟ ایک مذہب بعض لوگوں کا یہ ہے کہ قضا کو مثل ادا کے پورا کرنا چاہئے' جدا جدا نہیں بلکہ لگا تار روزے رکھنے چاہئیں۔ جبکہ بعض اور لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ قضا روزے متواتر رکھنے ضروری نہیں جس طرح چاہے رکھ سکتا ہے' چاہے متواتر رکھے یا وقفہ دے کر۔ جمہور سلف وخلف کا بھی یہی قول ہے اور دیگر دلائل سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ رمضان میں متواتر روزے رکھنا اس لئے ہے کہ وہ مہینہ ہی ادائیگی کا ہے اور رمضان کے نکل جانے کے بعد تو صرف وہ گنتی پوری کرنی ہے خواہ کوئی دن ہو' اسی لئے قضا کے حکم کے بعد اللہ کی آسانی کی نعمت کا بیان ہوا ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بہتر دین وہی ہے جو آسانی والا ہو۔'' ❹

مسند ہی کی ایک اور حدیث میں ہے' ابو عروہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ تشریف لائے۔ آپ کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وضو یا غسل کر کے تشریف لا رہے ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے آپ سے سوالات کرنے شروع کر دیئے کہ یا رسول اللہ! کیا فلاں کام میں کوئی حرج ہے؟ فلاں کام میں کوئی حرج ہے؟ آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ کا دین آسانیوں والا ہے'' تین مرتبہ یہی فرمایا۔ ❺ مسند ہی کی ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''لوگو آسانی کرو سختی نہ کرو' تسکین دو نفرت نہ دلاؤ۔'' ❻ بخاری و مسلم کی حدیث میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما کو جب یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا ''تم دونوں خوشخبریاں دینا' نفرت نہ دلانا' آسانیاں کرنا سختیاں نہ کرنا آپس میں اتفاق سے رہنا اختلاف نہ کرنا۔'' ❼ سنن اور مسانید میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب الصوم فی السفر والافطار، ۱۹۴۳؛ مسلم، ۱۱۲۱۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب قول النبی ﷺ، ((لمن ظُلِّلَ علیه......)) ۱۹۴۶؛ صحیح مسلم، ۲۶۱۲۔

❸ احمد، ۲/ ۷۱ وسندہ ضعیف شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے منکر قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الضعیفة، ۱۹۴۹)

❹ احمد، ۳/ ۴۷۹ وھو حدیث حسن، وله طریق آخر عند احمد ۴/ ۳۳۸ وسندہ حسن شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (صحیح الجامع، ۳۳۰۹) ❺ احمد، ۵/ ۶۹ وسندہ ضعیف۔ ❻ احمد، ۳/ ۱۳۱؛ صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب قول النبی ﷺ: ((یسروا ولا تعسروا)) ۶۱۲۵؛ صحیح مسلم، ۱۷۳۴۔

❼ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب بعث ابی موسیٰ ومعاذ......، ۴۳۴۴۔۴۳۴۵؛ صحیح مسلم، ۱۷۳۳۔

''میں یک طرفہ نرمی اور آسانی والے دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔'' ❶

محجن بن ادرع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ آپ اسے غور سے دیکھتے رہے پھر فرمایا'' کیا تم اسے سچائی کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہے ہو۔''لوگوں نے کہا یا رسول اللہ یہ تمام اہل مدینہ سے زیادہ نماز پڑھنے والا ہے۔ آپ نے فرمایا'' اسے نہ سناؤ کہیں یہ اس کی ہلاکت کا باعث نہ بن جائے۔ سنو اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس امت کے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں۔'' ❷ پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ مریض اور مسافر وغیرہ کو یہ رخصت دینا اور انہیں معذور جاننا اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ آسانی کا ہے' سختی کا نہیں۔ اور قضا کا حکم گنتی کے پورا کرنے کے لئے ہے اور اس رحمت' نعمت' ہدایت اور عبادت پر تمہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بڑائی اور ذکر کرنا چاہئے۔ جیسے حج کے موقعہ پر فرمایا ﴿فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ﴾ ❸ یعنی'' جب احکام حج ادا کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو۔'' ایک جگہ جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے بعد فرمایا کہ جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ' رزق تلاش کرو اور اللہ کا ذکر زیادہ کرو تا کہ تمہیں فلاح ملے۔ اور جگہ فرمایا ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ ❹ الخ یعنی سورج کے نکلنے سے پہلے' سورج کے غروب سے پہلے' رات کو اور سجدوں کے بعد اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کیا کرو۔ اسی لئے مسنون طریقہ یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح اور تکبیر پڑھنی چاہئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز سے فارغ ہونا صرف اللہ اکبر کی آوازوں سے جانتے تھے۔ ❺ یہ آیت دلیل ہے اس امر کی کہ عید الفطر میں بھی تکبیریں پڑھنی چاہئیں۔ داؤد بن علی اصبہانی ظاہری رحمہ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ اس آیت کی رو سے عید میں تکبیروں کا کہنا واجب ہے کیونکہ اس امر میں صیغہ امر کا ہے ﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ﴾ جبکہ احناف کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس عید میں تکبیریں پڑھنا مسنون نہیں۔ باقی بزرگان دین اسے مستحب بتاتے ہیں' گو بعض تفصیلات میں قدرے اختلاف ہے۔ پھر فرمایا تا کہ تم شکر کرو یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لا کر اس کے فرائض کو ادا کر کے اس کے حرام کردہ کاموں سے بچ کر' اس کی حدوں کی حفاظت کر کے تم شکر گزار بندے بن جاؤ۔ (یہاں تک تفسیر ابن کثیر کے پہلے جزو کا ترجمہ ہے)۔

❶ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب الدین یسر، تحت رقم ۳۹ تعلیقًا؛ ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب معاذ بن جبل، ۳۷۹۳، شیخ البانی رحمہ اللہ علیہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الصحيحة، ۲۹۲٤) وسنده حسن۔

❷ احمد، ٥/ ۳۲۔۳۳ وسنده ضعيف۔ ❸ ۲/ البقرة: ۲۰۰۔ ❹ ٥۰/ ق: ۳۹۔

❺ صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب الذكر بعد الصلاة، ۸٤۲؛ صحیح مسلم، ٥۸۳۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

ترجمہ: جب میرے بندے میرے بارے میں تجھ سے سوال کریں تو کہہ دے کہ میں بہت ہی قریب ہوں۔ ہر پکارنے والے کی پکار کو جب بھی وہ مجھے پکارے میں قبول کرتا ہوں بس لوگوں کو بھی چاہئے کہ وہ میری بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں' یہی انکی بھلائی کا باعث ہے۔[۱۸۶]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر ابن کثیر کے دوسرے جزو کا ترجمہ یہاں سے شروع ہوتا ہے وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ

آداب دعا اور قبولیت کی شروط: [آیت:۱۸۶] ایک اعرابی نے پوچھا تھا کہ یا رسول اللہ کیا ہمارا رب قریب ہے؟ اگر قریب ہو تو ہم اس سے سرگوشیاں کر لیں' یا دور ہے؟ اگر دور ہو تو ہم اونچی اونچی آوازوں سے اسے پکاریں۔ نبی ﷺ خاموش رہے' اس پر یہ آیت اتری (ابن ابی حاتم)۔ ایک روایت میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس سوال پر کہ ہمارا رب کہاں ہے؟ یہ آیت اتری (ابن جریر)۔ حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ جب آیت ﴿اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ ❶ نازل ہوئی یعنی مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کرتا رہوں گا' تو لوگوں نے پوچھا کہ دعا کس وقت کرنی چاہئے اس پر یہ آیت اتری (ابن جریج)۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے۔ ہر اونچائی پر چڑھتے وقت' ہر وادی میں اترتے وقت بلند آوازوں سے تکبیر کہتے جاتے تھے۔ نبی ﷺ ہمارے پاس آ کر فرمانے لگے ''لوگو اپنی جانوں پر رحم کرو' تم کسی کم سننے والے یا دور والے کو نہیں پکار رہے' جسے تم پکارتے ہو وہ تو تم سے تمہاری سواریوں کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اے عبداللہ بن قیس سن جنت کا خزانہ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ہے'' (مسند احمد)۔ ❷ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ میرے ساتھ جیسا عقیدہ رکھتا ہے میں بھی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتا ہوں۔ جب وہ مجھ سے دعا مانگتا ہے میں اس کے قریب ہی ہوتا ہوں'' (مسند احمد)۔ ❸ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ جب مجھے یاد کرتا ہے اور اس کے ہونٹ میرے ذکر میں ہلتے ہیں تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں'' (رواہ الامام احمد)۔ ❹ اس مضمون کی آیت قرآن کریم میں بھی ہے فرمان ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ ❺ جو تقویٰ اور احسان و خلوص والے لوگ ہوں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے فرمایا جاتا ہے ﴿اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى﴾ ❻ میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔

مقصود یہ ہے کہ باری تعالیٰ دعا کرنے والوں کی دعا کو بے کار نہیں کرتا' نہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس دعا سے غافل رہے' نہ سنے۔ اس میں دعا کرنے کی دعوت دی ہے اور اس کے ضائع نہ ہونے کا وعدہ کیا ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ

---

❶ ٤٠/ المؤمن: ٦٠۔ ❷ احمد، ٤/ ٤٠٢؛ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب إذا علا عقبة، ٦٣٨٤؛ صحیح مسلم، ٢٧٠٤۔ ❸ احمد، ٣/ ٢١٠ وسنده صحيح۔

❹ احمد، ٢/ ٥٤٠؛ ابن ماجة، كتاب الأدب، باب فضل الذكر، ٣٧٩٠ وهو حديث صحيح۔

❺ ١٦/ النحل: ١٢٨۔ ❻ ٢٠/ طه: ٢٦۔

نے فرمایا کہ ''بندہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ بلند کر کے دعا مانگتا ہے تو وہ ارحم الراحمین اس کے ہاتھوں کو خالی پھیرتے ہوئے شرماتا ہے'' (مسند احمد)۔ ❶ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جو بندہ اللہ تعالیٰ سے کوئی ایسی دعا کرتا ہے جس میں نہ گناہ ہو نہ رشتے ناتے ٹوٹتے ہوں تو اسے اللہ تعالیٰ تین باتوں میں سے ایک ضرور عطا فرماتا ہے یا تو اس کی دعا اسوقت قبول فرما کر اس کی منہ مانگی مراد پوری کرتا ہے یا اسے ذخیرہ کر کے رکھ چھوڑتا ہے اور آخرت میں عطا فرماتا ہے یا اس کی وجہ سے کوئی آنے والی بلا اور مصیبت کو ٹال دیتا ہے۔'' لوگوں نے یہ سن کر کہا کہ حضور! پھر تو ہم بکثرت دعا مانگا کریں گے۔ آپ نے فرمایا ''پھر اللہ کے ہاں کونسی کمی ہے؟'' (مسند احمد)۔ ❷

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''روئے زمین کا جو مسلمان اللہ عزوجل سے دعا مانگے اسے اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے یا تو اسے اس کی منہ مانگی مراد ملتی ہے یا ویسی ہی برائی ٹل جاتی ہے جب تک کہ گناہ کی اور رشتہ داری کے کٹنے کی دعا نہ ہو'' (مسند احمد)۔ ❸ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تک کوئی شخص دعا میں جلدی نہ کرے اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ جلدی کرنا یہ ہے کہ کہنے لگے میں نے تو ہر چند دعا مانگی لیکن اللہ قبول نہیں کرتا'' (موطا مالک)۔ ❹ بخاری کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اسے ثواب میں جنت عطا فرماتا ہے۔ صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ قبول نہ ہونے کا خیال کر کے وہ ناامیدی کے ساتھ دعا مانگنا ترک کر دے یہ جلدی کرنا ہے۔ ❺ ابوجعفر طبری رحمہ اللہ کی تفسیر میں یہ قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''دل مثل برتنوں کے ہیں بعض بعض سے زیادہ نگرانی کرنیوالے ہوتے ہیں۔ اے لوگو تم جب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرو تو قبولیت کا یقین رکھا کرو۔ سنو غفلت کرنے والے دل کی دعا اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ بھی قبول نہیں فرماتا۔'' (مسند احمد)۔ ❻

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے دعا کی اے اللہ عائشہ کے اس سوال کا کیا جواب ہے۔ جبرائیل علیہ السلام آئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے مراد اس سے وہ شخص ہے جو نیک اعمال کرنے والا ہو اور سچی نیت اور نیک دلی کے ساتھ مجھے پکارے تو میں لبیک کہہ کر اس کی حاجت ضرور پوری کر دیتا ہوں (ابن مردویہ)۔ یہ حدیث اسناد کی رو سے غریب ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی' پھر فرمایا ''اے اللہ! تو نے دعا کا حکم دیا ہے اور اجابت کا وعدہ فرمایا ہے۔ میں حاضر ہوں' الٰہی میں حاضر ہوں' میں حاضر ہوں اے لاشریک اللہ میں حاضر ہوں' حمد و نعمت اور بادشاہی تیرے ہی لئے ہے' تیرا کوئی شریک نہیں میری گواہی ہے کہ تو نرالا' یکتا' بے مثل اور ایک ہی ہے' تو پاک ہے' اہل وعیال سے دور ہے' نہ تیرا ہمسر کوئی' نہ تیری برابری کرنے والا کوئی' نہ تجھ جیسا کوئی' میری گواہی ہے کہ تیرا وعدہ سچا' تیری =

❶ أحمد، ٥/ ٤٣٨؛ ابوداود، کتاب الصلاة، (الوتر) باب الدعاء، ١٤٨٨؛ ترمذی، ٣٥٥٦؛ ابن ماجة ٣٨٦٥۔ یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے۔ ❷ أحمد، ٣/ ١٨ ح ١١١٣٣ وسنده حسن۔

❸ أحمد، ٥/ ٣٢٩؛ ترمذی، کتاب الدعوات، باب فی انتظار الفرج، ٣٥٧٣ وھو حدیث حسن۔

❹ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب یستجاب للعبد ما لم یعجل، ٦٣٤٠۔

❺ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب بیان أنه یستجاب للداعی ما لم یعجل، ٦٣٤٠۔

❻ أحمد، ٢/ ١٧٧ اس کی سند ابو ہلال الراسبی کے ضعف اور قتادہ کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ
لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ
بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۪ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ
الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا
تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِى الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

ترجمہ: روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے ملنا تمہارے لئے حلال کیا گیا۔ وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو۔ تمہاری پوشیدہ خیانتوں کو اللہ تعالیٰ نے معلوم کر لیا ہے اس نے تمہاری توبہ قبول فرما کر تم سے درگزر فرما لیا۔ اب تمہیں ان سے مباشرت کی اور اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی چیز کو تلاش کرنے کی اجازت ہے۔ تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگا' سیاہ دھاگے سے ظاہر ہو جائے پھر رات تک روزے کو پورا کرو اور عورتوں سے اس وقت مباشرت نہ کرو جبکہ تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں تم ان کے قریب بھی نہ بھٹکو۔ اسی طرح اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ بچیں۔[۱۸۷]

= ملاقات حق' جنت دوزخ قیامت اور دوبارہ جینا یہ سب برحق امر ہیں'' (ابن مردویہ)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے' اے ابن آدم ایک چیز تو تیری ہے' ایک میری ہے اور ایک میرے اور تیرے درمیان تقسیم ہے۔ خالص میرا حق تو یہ ہے کہ ایک میری ہی عبادت کر اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کر' میرے لئے مخصوص یہ ہے کہ تیرے ہر ہر عمل کو پورا پورا بدلہ میں تجھے ضرور دوں گا کسی نیکی کو ضائع نہ کروں گا' درمیان کی چیز یہ ہے کہ تو دعا کر اور میں قبول کروں' ایک کام (دعا کرنا) تیرا اور ایک کام (قبول کرنا) میرا'' ❶ (بزار) دعا کی اس آیت کو روزوں کے احکام کی آیتوں کے درمیان لانے کی حکمت یہ ہے کہ روزے ختم ہونے کے بعد لوگوں کو دعا کی ترغیب ہو بلکہ ہر روز افطار کے وقت وہ بکثرت دعائیں کیا کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''روزہ دار افطار کے وقت جو دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے۔'' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما افطار کے وقت اپنے گھر والوں کو اور بچوں کو بلا لیتے اور دعائیں کیا کرتے تھے (ابوداؤد طیالسی)۔ ❷ ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے اور اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ دعا منقول ہے۔ ((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ اَنْ تَغْفِرَ لِیْ)) ❸ یعنی اے اللہ میں تیری اس رحمت کو تجھے یاد دلا کر جس نے تمام چیزوں کو گھیر رکھا ہے' تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میرے گناہ معاف فرما دے۔ اور حدیث میں ہے تین قسم کے لوگوں کی دعا رد نہیں ہوتی۔ عادل بادشاہ' روزے دار شخص اور مظلوم' اسے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ بلند کرے گا۔ مظلوم کی بددعا کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور =

❶ البزار، ۱/ ۱۸ اس کی سند صالح بن بشیر المری کے ضعف اور حسن بصری کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ❷ ابو داود الطیالسی، ۲۲۶۲ اس کی سند المُلیکی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ❸ ابن ماجة، کتاب الصیام، باب فی الصائم لا ترد دعوته، ۱۷۵۳ وھو حدیث حسن۔

=اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے میری عزت کی قسم میں تیری مدد ضرور کروں گا اگر چہ دیر سے کروں (مسند احمد۔ ترمذی۔ نسائی اور ابن ماجہ)۔ ❶

رمضان المبارک میں کھانے پینے اور جماع کا مسئلہ: [آیت:۱۸۷] ابتدائے اسلام میں یہ حکم تھا کہ افطار کے بعد کھانا پینا' جماع کرنا عشاء کی نماز تک جائز تھا اور اگر کوئی اس سے بھی پہلے سو گیا تو اس پر نیند آتے ہی حرام ہو گیا۔ اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو قدرے مشقت ہوئی جس پر رخصت کی یہ آیتیں نازل ہوئیں اور آسانی کے احکام مل گئے۔

﴿رفث﴾ سے مراد یہاں جماع ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما عطاء' مجاہد' سعید بن جبیر' طاؤس' سالم بن عبداللہ' عمرو بن دینار' حسن' قتادہ' زہری' ضحاک' ابراہیم نخعی' سدی' عطاء خراسانی' مقاتل ابن حیان رحمۃ اللہ علیہم بھی یہی فرماتے ہیں۔

لباس سے مراد سکون ہے۔ ربیع بن انس رحمۃ اللہ علیہ لحاف کے معنی بیان کرتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ میاں بیوی کے آپس کے تعلقات اس قسم کے ہیں کہ انہیں ان راتوں میں بھی اجازت دی جاتی ہے۔ پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ اس آیت کا شان نزول کیا ہے جس میں بیان ہو چکا ہے کہ جب یہ حکم تھا کہ افطار سے پہلے اگر کوئی سو جائے تو اب رات کو جاگ کر کھانا پینا اور جماع نہیں کر سکتا تھا' بلکہ یہ رات اور دوسرا دن گزار کر بعد از مغرب کھانا پینا حلال ہوتا تھا۔

حضرت ابو قیس صرمہ بن ابی انس انصاری رضی اللہ عنہ دن بھر کھیتی باڑی کا کام کر کے شام کو گھر آئے۔ بیوی سے کہا کچھ کھانے کو ہے؟ جواب ملا کچھ نہیں' میں جاتی ہوں اور کہیں سے لاتی ہوں' تو وہ گئیں اور یہاں ان کی آنکھ لگ گئی۔ جب آ کر دیکھا تو بڑا افسوس کیا کہ اب یہ رات اور پھر دوسرا دن بھوکے پیٹوں سے کیسے گزرے گا۔ چنانچہ جب آدھا دن ہوا تو حضرت ابو قیس رضی اللہ عنہ بھوک کے مارے بے ہوش ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کا ذکر ہوا تو اسوقت یہ آیت اتری اور مسلمان بہت خوش ہوئے۔ ❷ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم رمضان بھر عورتوں کے پاس نہیں جاتے تھے' لیکن بعض لوگوں سے کچھ قصور ایسے بھی ہو جایا کرتے تھے جس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ ❸ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ قصور کئی حضرات سے ہو گیا تھا' جن میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے جنہوں نے عشاء کی نماز کے بعد اپنی اہلیہ سے مباشرت کر لی تھی' پھر دربار نبوت میں شکایتیں ہوئی اور یہ رحمت کی آیت نازل ہوئی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب آ کر یہ واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا ''عمر تم سے تو ایسی امید نہ تھی'' اسی وقت یہ آیت اتری۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو قیس رضی اللہ عنہ نے عشاء کی نماز کے بعد نیند سے بیدار ہو کر کھا پی لیا تھا اور صبح حاضر ہو کر سرکار محمدی میں اپنا یہ قصور بیان کیا تھا۔ ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب مباشرت کا ارادہ کیا تو بیوی صاحبہ نے فرمایا مجھے نیند آ گئی تھی لیکن انہوں نے اسے بہانہ سمجھا۔ اس رات آپ دیر تک مجلس نبی میں بیٹھے رہے تھے اور بہت رات گئے گھر پہنچے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی قصور ہو گیا تھا۔ ❹

﴿مَا كَتَبَ اللّٰهُ﴾ سے مراد اولاد ہے۔ ❺ بعض نے کہا ہے جماع مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں لیلۃ القدر مراد ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مراد یہ رخصت ہے۔ تطبیق ان سب اقوال میں اس طرح ہو سکتی ہے کہ عموم کے طور پر سب ہی مراد ہیں۔ جماع کی رخصت

❶ احمد، ۲/ ٤٤٥؛ ترمذی، کتاب الدعوات، باب سبق المفردون، ۳۵۹۸؛ ابن ماجۃ، ۱۷۵۲ وسندہ حسن۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿أحل لكم ليلة الصيام......﴾، ۱۹۱۵؛ ابوداود، ۲۳۱٤؛ ترمذی، ۲۹٦۸؛ نسائی، ۲۱۷۰۔ ❸ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ البقرۃ، باب ﴿أحل لكم ليلة الصيام......﴾، ٤٥۰۸۔

❹ احمد، ۳/ ٤٦۰۔ اس کی سند حسن ہے۔ نیز دیکھئے (الموسوعۃ الحدیثیۃ ۲۵/ ۸٦)

❺ ابن ابی حاتم، ۱/ ۳۷۷۔

کے بعد کھانے پینے کی اجازت مل رہی ہے کہ صبح صادق تک اس کی اجازت ہے۔

سحری وافطاری کے متعلقہ مسائل: صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پہلے ﴿من الفجر﴾ کا لفظ نہیں اترا تھا تو چند لوگوں نے اپنے پاؤں میں سفید اور سیاہ دھاگے باندھ لئے اور جب تک ان کی سفیدی اور سیاہی میں تمیز نہ ہوتی کھاتے پیتے رہے۔ اس کے بعد یہ لفظ اترا اور معلوم ہو گیا کہ اس سے مراد رات دن ہے۔ ❶

مسند احمد میں ہے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے کہ میں نے بھی دو دھاگے (سیاہ اور سفید) اپنے تکیئے کے نیچے رکھ لئے اور جب تک ان کے رنگ میں تمیز نہ ہوئی تب تک کھاتا پیتا رہا۔ صبح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ فرمایا" تیرا تکیہ بڑا لمبا چوڑا نکلا' اس سے مراد تو صبح کی سفیدی کا رات کی سیاہی سے ظاہر ہونا ہے۔" یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ ❷ مطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا یہ ہے کہ آیت میں تو دھاگوں سے مراد دن کی سفیدی اور رات کی تاریکی ہے' تو اگر تیرے تکیے کے نیچے یہ دونوں (تاریکی اور سفیدی) آ جاتی ہوں تو گویا اس کی لمبائی مشرق مغرب تک ہے۔ صحیح بخاری میں یہ تفسیر بھی روایتاً موجود ہے۔ ❸ بعض روایتوں میں یہ لفظ بھی ہیں کہ پھر تو تو بڑی لمبی چوڑی گردن والا ہے۔ ❹ بعض لوگوں نے اس کے معنی بیان کئے ہیں کہ کند ذہن ہے' لیکن یہ معنی غلط ہیں بلکہ مطلب دونوں جملوں کا ایک ہی ہے کیونکہ جب تکیہ اتنا بڑا ہے تو گردن بھی اتنی بڑی ہوگی' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ بخاری میں حضرت عدی رضی اللہ عنہ کا اسی طرح کا سوال اور آپ کا اسی طرح کا جواب تفصیلاً موجود ہے۔

آیت کے ان الفاظ سے سحری کھانے کا مستحب ہونا بھی ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ کی رخصتوں پر عمل کرنا اسے پسند ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "سحری کھایا کرو اس میں برکت ہے۔" (بخاری و مسلم)۔ ❺ (۱) " ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں سحری کھانے ہی کا فرق ہے" (مسلم)۔ ❻ (۲) "سحری کا کھانا برکت ہے' اسے نہ چھوڑو' اگر کچھ نہ ملے تو پانی کا گھونٹ ہی سہی۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں" (مسند احمد)۔ ❼ اسی طرح اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ (۳) سحری کو دیر کر کے کھانا چاہئے ایسے وقت کہ فارغ ہونے کے کچھ ہی دیر بعد صبح صادق ہو جائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سحری کھاتے ہی نماز کے لئے کھڑے ہو جایا کرتے تھے' اذان اور سحری کے درمیان اتنا ہی فرق ہوتا تھا کہ پچاس آیتیں پڑھ لی جائیں (بخاری و مسلم)۔ ❽ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں" جب تک میری امت افطار میں جلدی کرے اور سحر میں تاخیر کرے تب تک بھلائی میں رہے گی۔" (مسند احمد)۔ ❾ یہ بھی حدیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام غذاء مبارک رکھا ہے۔ ❿

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة البقرة، باب ﴿وكلوا واشربوا......﴾، ٤٥١١؛ صحیح مسلم، ١٠٩١۔
❷ احمد، ٣/ ٣٧٧؛ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة البقرة، باب ﴿وكلوا واشربوا حتى يتبين لكم......﴾، ٤٥٠٩؛ صحیح مسلم، ١٠٩٠۔
❸ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة البقرة، باب ﴿وكلوا واشربوا......﴾، ٤٥١٠۔
❹ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ﴿وكلوا واشربوا......﴾، ٤٥١٠۔
❺ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب برکة السحور من غير ايجاب، ١٩٢٣؛ صحیح مسلم، ١٠٩٥۔
❻ صحیح مسلم، کتاب الصيام، باب فضل السحور وتاكيد استحبابه، ١٠٩٦۔
❼ أحمد، ٣/ ٤٤ وسنده ضعيف۔
❽ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب قدركم بين السحور وصلاة الفجر، ١٩٢١؛ صحیح مسلم، ١٠٩٧۔
❾ احمد، ٥/ ١٤٧ وسنده ضعيف۔
❿ ابوداود، کتاب الصيام، باب من سمى السحور الغداء، ٢٣٤٤ وسنده حسن، نسائی، ٢١٦٥۔

مسند احمد وغیرہ کی حدیث میں ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی ایسے وقت کہ گویا سورج طلوع ہونے والا ہی تھا۔ ❶ لیکن اس میں ایک راوی عاصم بن ابونجود منفرد ہیں اور مراد اس سے دن کی نزدیکی ہے جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ﴾ یعنی جب وہ عورتیں اپنے وقت کو پہنچ جائیں' مراد یہ ہے کہ جب عدت کا زمانہ ختم ہو جانے کے قریب آ جائے۔ یہی مراد اس حدیث میں بھی ہے کہ انہوں نے سحری کھائی اور صبح صادق ہو جانے کا یقین نہ تھا بلکہ ایسا وقت تھا کہ کوئی کہتا تھا صبح ہوگئی' کوئی کہتا تھا نہیں ہوئی۔ اکثر اصحاب رسول اللہ کا دیر سے سحری کھانا اور آخری وقت تک کھاتے رہنا ثابت ہے جیسے حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت حذیفہ' حضرت ابوہریرہ' حضرت ابن عمر' حضرت ابن عباس' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی بھی ایک بہت بڑی جماعت سے صبح صادق طلوع ہونے کے بالکل قریب ہی سحری کھانا مروی ہے' جیسے محمد بن علی بن حسین' ابومجاز' ابراہیم نخعی' ابوالضحیٰ' ابووائل رحمہم اللہ وغیرہ شاگردان ابن مسعود اور عطاء اور حسن اور حاکم بن عیینہ اور مجاہد اور عروہ بن زبیر اور ابوالشعثاء جابر بن زید رحمہم اللہ' اور یہی مذہب ہے اعمش اور جابر بن راشد کا' اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ ہم نے ان سب کی اسناد اپنی مستقل کتاب ''کتاب الصیام'' میں بیان کردی ہیں' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

ابن جریر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں بعض لوگوں سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ سورج کے طلوع ہونے تک کھانا پینا جائز ہے جیسے غروب ہوتے ہی افطار کرنا' لیکن یہ قول کوئی اہل علم قبول نہیں کرسکتا کیونکہ نص قرآن کے خلاف ہے۔ قرآن میں خیط کا لفظ موجود ہے۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سن کر تم سحری سے رک نہ جایا کرو' وہ رات باقی ہوتے ہوئے اذان دیا کرتے ہیں' تم کھاتے پیتے رہو' جب تک حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی اذان نہ سن لو۔ وہ اذان نہیں کہتے جب تک فجر طلوع نہ ہوجائے۔'' ❷ مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''وہ فجر نہیں جو آسمانوں کے کنارے میں لمبی پھیلتی ہے' بلکہ وہ جو سرخی والی اور کنارے کنارے ظاہر ہونے والی ہوتی ہے۔'' ❸ ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اس میں ہے کہ اس پہلی فجر کو جو طلوع ہو کر اوپر کو چڑھتی ہے دیکھ کر کھانے پینے سے نہ رکو بلکہ کھاتے پیتے رہو' یہاں تک کہ سرخ دھاری پیش ہو جائے۔ ❹ ایک اور حدیث میں صبح کاذب اور اذان بلال رضی اللہ عنہ کو ایک ساتھ بھی بیان فرمایا ہے۔ ❺ ایک اور روایت میں صبح کاذب کو صبح سفیدی' صبح کے ستون کی مانند بتایا گیا ہے۔ ❻ دوسری روایت میں اس پہلی اذان کی جس کے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے' یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ سونے والوں کو جگانے اور نماز (تہجد) پڑھنے والوں کو لوٹانے کے لئے ہوتی ہے۔ فجر اس طرح نہیں ہے جب تک اس طرح نہ ہو (یعنی آسمان میں اونچی چڑھنے والی نہیں بلکہ کناروں میں دھاری کی طرح ظاہر ہونے والی)۔ ❼

ایک مرسل حدیث میں ہے کہ ''فجر دو ہیں۔ ایک تو بھیڑیے کی دم کی طرح ہے اس سے روزے دار پر کوئی چیز حرام نہیں ہوتی ہاں

---

❶ أحمد، ٥/ ٣٩٦؛ نسائی، کتاب الصیام، باب تأخیر السحور، ٢١٥٤؛ ابن ماجة، ١٦٩٥ وهو حدیث حسن۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب الأذان قبل الفجر، ٦٢٢، ١٩١٩؛ صحیح مسلم، ٢٥٣٦۔

❸ أحمد، ٤/ ٢٣۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الصحیحة، ٢٠٣١) وله شاهد عند الطحاوی فی معانی الآثار، ٢/ ٥٤ وسنده حسن۔ ❹ ابوداود، کتاب الصیام، باب وقت السحور، ٢٣٤٨؛ ترمذی، ٧٠٥ وسنده حسن۔

❺ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب بیان أن الدخول فی الصوم......، ١٠٩٤۔ ❻ ایضا۔

❼ صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب الأذان قبل الفجر، ٦٢١؛ صحیح مسلم، ١٠٩٣۔

وہ فجر جو کناروں میں ظاہر ہو وہ نماز صبح کا وقت ہے اور روزے دار کے کھانے پینے کو موقوف کرنے کا۔" ❶ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جو سفیدی آسمان کے نیچے سے اوپر کو چڑھتی ہے اسے نماز کی حلت اور روزے کی حرمت سے کوئی سروکار نہیں' لیکن وہ فجر جو پہاڑوں کی چوٹیوں پر چمکنے لگتی ہے وہ کھانا پینا حرام کرتی ہے۔ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آسمان میں لمبی لمبی چڑھنے والی روشنی نہ تو روزہ رکھنے والے پر کھانا پینا حرام کرتی ہے' نہ اس سے نماز کا وقت ہونا معلوم ہوسکتا ہے' نہ حج فوت ہوتا ہے' لیکن جو صبح پہاڑوں کی چوٹیوں پر پھیل جاتی ہے یہ وہ صبح ہے کہ روزہ دار کے لئے سب چیزیں حرام کر دیتی ہے اور نمازی کے لئے نماز حلال کر دیتی ہے اور حج فوت ہو جاتا ہے۔ ان دونوں روایتوں کی سند صحیح ہے اور بہت سے سلف سے یہ منقول ہے' اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

حالت جنابت میں روزہ رکھنا: چونکہ جماع اور کھانے پینے کا آخری وقت اللہ تعالیٰ نے روزہ رکھنے والے کے لئے صبح صادق مقرر کیا ہے' اس سے اس مسئلہ پر استدلال ہوسکتا ہے کہ صبح کے وقت جو شخص جنبی اٹھا وہ غسل کر لے اور اپنا روزہ پورا کر لے اس پر کوئی حرج نہیں۔ چاروں ائمہ اور سلف وخلف کے جمہور علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مذہب ہے۔ بخاری ومسلم میں حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت جماع کرتے' صبح کے وقت جنبی اٹھتے پھر غسل کر کے روزے سے رہتے۔ آپ کا یہ جنبی ہونا احتلام کے سبب نہ ہوتا تھا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا والی روایت میں ہے پھر آپ نہ افطار کرتے تھے نہ قضا کرتے تھے۔ ❷

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں صبح نماز کے وقت آ جانے تک جنبی ہوتا ہوں تو کیا پھر میں روزہ رکھ لوں؟ آپ نے فرمایا "یہی بات میرے ساتھ بھی ہوتی ہے اور میں روزہ رکھتا ہوں۔" اس نے کہا یا رسول اللہ ہم تو آپ جیسے نہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کے تو سب اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ آپ نے فرمایا "واللہ مجھے تو امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ تقویٰ کی باتوں کو جاننے والا ہوں۔" ❸ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ "جب صبح کی اذان ہو جائے اور تم میں سے کوئی جنبی ہو تو وہ اس دن روزہ نہ رکھے۔" اس کی اسناد بہت عمدہ ہے' اور یہ حدیث شرط شیخین پر ہے جیسے کہ ظاہر ہے۔ یہ حدیث بخاری ومسلم میں بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ ❹ سنن نسائی میں یہ حدیث بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہے' وہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں اور مرفوع بیان نہیں کرتے' اسی لئے بعض علما کا تو قول ہے کہ اس حدیث میں یہ علت ہے کہ وہ مرفوع نہیں اور بعض دیگر علما کے علاوہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' سالم' عطاء' ہشام بن عروہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مذہب ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر جنبی ہو کر سو گیا ہو اور صبح صادق ہونے پر آنکھ کھلی تو اس کے روزے میں کوئی نقصان نہیں۔ حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما والی حدیث کا یہی مطلب ہے۔ اور اگر اس نے عمداً غسل نہیں کیا اور اسی حالت میں صبح ہو گئی تو اس کا روزہ نہیں ہوگا۔ حضرت عروہ' طاؤس اور حسن رحمۃ اللہ علیہم یہی کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اگر فرضی روزہ ہو تو پورا تو کر لے لیکن قضا لازم ہے اور نفلی

---

❶ الطبری فی تفسیرہ: ۳۰۳ وھو حسن بالشاھد الذی فی المستدرک ۱/ ۱۹۱ وسندہ حسن۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب الصائم، یصبح جُنُبًا، ۱۹۲۵۔۱۹۲۶؛ صحیح مسلم، ۱۱۰۹۔

❸ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب صحة صوم من طلع علیه الفجر وھو جنب، ۲۵۹۳۔

❹ احمد، ۲/ ۳۱۴؛ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب الصائم یصبح جنبًا، ۱۹۲۵۔۱۹۲۶؛ صحیح مسلم، ۱۱۵۹۔

روزہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی کہتے ہیں۔ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ بعض کہتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث سے منسوخ ہے لیکن حقیقت میں تاریخ کا پتہ نہیں جس سے نسخ ثابت ہو سکے۔ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی ناسخ یہ آیت قرآنی ہے لیکن یہ بھی دور کی بات ہے اس لئے کہ اس آیت کا بعد میں ہونا تاریخ سے ثابت نہیں بلکہ اس حیثیت سے تو بظاہر یہ حدیث اس آیت کے بعد کی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں لانفی کمال کا ہے یعنی اس شخص کا روزہ کامل نہیں کیونکہ حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما والی حدیث سے جواز صاف طور پر ثابت ہو رہا ہے۔ یہی مسلک ٹھیک بھی ہے اور دوسرے تمام اقوال سے یہ قول عمدہ ہے اور یوں کہنے سے دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت بھی نکل آتی ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

روزہ افطار کرنے کا وقت اور وصال سے ممانعت: پھر فرماتا ہے کہ روزے کو رات تک پورا کرو۔ اس سے ثابت ہوا کہ سورج کے ڈوبتے ہی روزہ افطار کر لینا چاہئے۔ بخاری و مسلم میں امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب ادھر سے رات آ جائے اور ادھر سے دن چلا جائے تو روزہ دار افطار کر لے۔'' ❶ بخاری و مسلم میں حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تک لوگ افطار کرنے میں جلدی کریں گے خیر سے رہیں گے۔'' ❷ مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ مجھے سب سے زیادہ پیارے وہ بندے ہیں جو روزہ افطار کرنے میں جلدی کرنے والے ہیں۔'' امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو حسن غریب کہتے ہیں۔ ❸ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ بشیر بن خصاصیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت لیلیٰ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے دو روزوں کو بغیر افطار کئے ملانا چاہا تو میرے خاوند نے مجھے منع کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ''یہ کام نصرانیوں کا ہے تم تو روزے اس طرح رکھو جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ رات کو روزہ افطار کر لیا کرو۔'' ❹ اور بھی بہت سے حدیثوں میں روزے سے روزے کو ملانے کی ممانعت آئی ہے۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''روزے سے روزہ نہ ملاؤ'' تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! خود آپ تو ملاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ''میں تم جیسا نہیں ہوں۔ میں رات گزارتا ہوں میرا رب مجھے کھلا پلا دیتا ہے۔'' لیکن لوگ پھر بھی اس سے باز نہ رہے تو آپ نے دو دن دو راتوں کا برابر روزہ رکھا پھر چاند نظر آ گیا تو آپ نے فرمایا ''اگر چاند نظر نہ آتا تو میں تو یونہی روزوں کو ملائے جاتا۔'' گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عاجزی ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ بخاری و مسلم میں بھی یہ حدیث ہے ❺ اور اسی طرح روزے کو بغیر افطار کئے اور رات کو کچھ کھائے بغیر دوسرے روزے سے ملا لینے کی ممانعت میں بخاری و مسلم میں حضرت انس حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب متی یحل فطر الصائم، ۱۹۵۴؛ صحیح مسلم، ۱۱۰۰۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب تعجیل الافطار، ۱۹۵۷؛ صحیح مسلم، ۱۰۹۸۔

❸ أحمد، ۲/ ۲۳۷، ۲۳۸؛ ترمذی، کتاب الصوم، باب ما جاء فی تعجیل الأفطار، ۷۰۰، اس روایت کی سند قرہ بن عبدالرحمٰن کے ضعف اور امام زہری کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

❹ أحمد، ۵/ ۲۲۵ وسندہ صحیح؛ مجمع الزوائد، ۳/ ۱۵۸۔

❺ أحمد، ۲/ ۲۸۱؛ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب التنکیل لمن اکثر الوصال، ۱۹۶۵؛ صحیح مسلم، ۱۱۰۳۔

مرفوع حدیثیں مروی ہیں۔ ❶ پس ثابت ہوا کہ امت کو منع ہے اور آپ ﷺ کی ذات اس سے مخصوص تھی۔ آپ کو اس کی طاقت تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر آپ کی مدد کی جاتی تھی۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہ جو آپ نے فرمایا کہ میرا رب مجھے کھلا پلا دیتا ہے اس سے مراد حقیقتاً کھانا پینا نہیں کیونکہ پھر تو روزے سے روزے کا وصال نہ ہوا بلکہ یہ صرف روحانی طور پر مدد ہے جیسے کہ ایک عرب شاعر کا شعر ہے۔

لَهَا اَحَادِيْثُ مِنْ ذِكْرَاكَ تُشْغِلُهَا عَنِ الشَّرَابِ وَتُلْهِيْهَا عَنِ الزَّادِ

یعنی اسے تیرے ذکر اور تیری باتوں میں وہ دلچسپی ہے کہ کھانے پینے سے یک قلم بے پرواہ ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص دوسری سحری تک رک رہنا چاہے تو یہ جائز ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''وصال نہ کرو جو کرنا ہی چاہے تو سحری تک کر لے۔'' لوگوں نے کہا آپ تو وصال کرتے ہیں آپ نے فرمایا ''میں تم جیسا نہیں مجھے تو رات ہی کو کھلانے والا کھلا دیتا ہے اور پلانے والے پلا دیتا ہے'' (بخاری و مسلم)۔ ❷

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک صحابیہ عورت نبی ﷺ کے پاس آئیں آپ سحری کھا رہے تھے۔ فرمایا ''آؤ تم بھی کھا لو۔'' اس نے کہا میں تو روزے سے ہوں آپ نے فرمایا ''تم روزہ کس طرح رکھتی ہو؟'' انھوں نے بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ ''آل محمد کی طرح سحری کے وقت سے دوسری سحری کے وقت تک کا ملا ہوا روزہ کیوں نہیں رکھتیں؟'' (ابن جریر)۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ ایک سحری سے دوسری سحری تک کا روزہ رکھتے تھے۔ ❸ ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما وغیرہ سلف صالحین سے مروی ہے کہ وہ کئی کئی دن تک پے در پے بغیر کچھ کھائے روزہ رکھتے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عبادت کے طور نہ تھا بلکہ نفس کو مارنے کے لئے ریاضت کے طور پر تھا' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ انھوں نے سمجھا ہو کہ حضور ﷺ کا اس سے روکنا صرف شفقت اور مہربانی کے طور پر تھا' نہ کہ ناجائز بتانے کے طور پر جیسے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آپ نے لوگوں پر رحم کھا کر اس سے منع فرمایا تھا۔ پس ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کے صاحبزادے عامر رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی راہ چلنے والے اپنے نفس میں قوت پاتے تھے اور روزے پر روزہ رکھے جاتے تھے۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب وہ افطار کرتے تو پہلے گھی اور کڑوا گوند کھاتے تاکہ پہلے پہل غذا پہنچنے سے آنتیں جل نہ جائیں۔ مروی ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سات سات دن تک برابر روزے سے رہتے۔ اس اثنا میں دن کو یا رات کو کچھ نہ کھاتے اور پھر ساتویں دن خوب تندرست چست و چالاک اور سب سے زیادہ قوی پائے جاتے۔ ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دن کا روزہ فرض کر دیا رہی رات تو جو چاہے کھا لے جو نہ چاہے نہ کھائے۔

اعتکاف کے چند مسائل: پھر فرمان ہوتا ہے کہ اعتکاف کی حالت میں عورتوں سے مباشرت نہ کرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جو شخص مسجد میں اعتکاف بیٹھا ہو خواہ رمضان میں ہو خواہ دوسرے مہینوں میں اس پر دن کے وقت اور رات کے وقت اپنی بیوی سے جماع کرنا حرام ہے جب تک کہ اعتکاف پورا نہ ہو جائے۔ حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پہلے لوگ اعتکاف کی حالت میں بھی جماع کر لیا کرتے تھے جس پر یہ آیت اتری اور مسجد میں اعتکاف کئے ہوئے پر یہ کام حرام کیا گیا۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ بھی یہی کہتے

---

❶ دیکھئے، صحیح بخاری، ۱۹۶۱۔۱۹۶٤؛ صحیح مسلم، ۱۱۰۲، ۱۱۰۵۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب الوصال إلی السحر، ۱۹۶۷؛ ابوداود، ۲۳۲۱۔

❸ احمد، ۱/ ۱٤۱ ح ۱۱۹۵ اس کی سند عبدالاعلیٰ بن عامر الثعلبی کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ہیں۔❶ پس علمائے کرام کا متفقہ فتویٰ ہے کہ اعتکاف والا اگر کسی ضروری حاجت کے لئے گھر میں جائے مثلاً پیشاب یا پاخانہ یا کھانا کھانے کے لئے تو اس کام سے فارغ ہوتے ہی مسجد میں چلا آئے' وہاں ٹھہرنا جائز نہیں نہ اپنی بیوی سے بوس وکنار وغیرہ جائز ہے' نہ کسی اور کام میں سوائے اعتکاف کے مشغول ہونا اس کیلئے جائز ہے' بلکہ بیمار کی بیمار پرسی کے لئے بھی جانا جائز نہیں' ہاں یہ اور بات ہے کہ چلتے چلتے پوچھ لے۔ اعتکاف کے اور بھی بہت سے احکام ہیں بعض میں اختلاف بھی ہے ان سب کو ہم نے اپنی مستقل کتاب (کتاب الصیام) کے آخر میں بیان کیا ہے وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔

چونکہ قرآن میں روزوں کے بیان کے بعد اعتکاف کا ذکر ہے اسی لئے اکثر مصنفین نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں روزے کے بعد ہی اعتکاف کے احکام بیان کئے ہیں۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اعتکاف روزے کی حالت میں کرنا چاہئے یا رمضان کے آخر میں۔ آنحضرت ﷺ بھی رمضان شریف کے آخری دنوں میں اعتکاف کیا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ فوت ہوگئے۔ آپ کے بعد امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن آپ کی بیویاں اعتکاف کیا کرتی تھیں (بخاری ومسلم)۔❷ صحیحین میں ہے کہ (آپ ﷺ کی بیوی) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی نبی ﷺ کی خدمت میں آپ کے اعتکاف کی حالت میں حاضر ہوتی تھیں اور کوئی ضروری بات پوچھنے کی ہوتی وہ دریافت کر کے چلی جاتیں۔ ایک مرتبہ رات کو جب جانے لگیں تو چونکہ مکان مسجد نبوی سے فاصلہ پر تھا اس لئے حضور ﷺ ان کو گھر تک چھوڑنے کیلئے ساتھ چل پڑے۔ راستہ میں دو انصاری صحابی مل گئے اور آپ کے ساتھ آپ کی بیوی صاحبہ کو دیکھ کر شرم کے مارے جلدی جلدی قدم بڑھا کر جانے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ٹھہر جاؤ سنو یہ میری بیوی صفیہ ہیں۔'' وہ کہنے لگے سبحان اللہ (کیا ہمیں کوئی اور خیال بھی ہوسکتا ہے؟) آپ نے فرمایا ''شیطان انسان کی رگ رگ میں خون کی طرح پھرتا رہتا ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ کہیں وہ تمہارے دل میں کوئی بدگمانی نہ پیدا کردے۔''❸

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ اس اپنے واقعہ سے اپنی امت کو گویا سبق سکھا رہے ہیں کہ وہ تہمت کی جگہوں سے بچتے رہیں ورنہ ناممکن ہے کہ وہ پاکباز صحابہ حضور ﷺ کی نسبت کوئی برا خیال بھی دل میں لائیں اور یہ بھی ناممکن ہے کہ آپ ان کی نسبت یہ خیال فرمائیں' وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ آیت میں مراد مباشرت سے جماع اور اس کے اسباب ہیں' جیسے بوس وکنار وغیرہ ورنہ کسی چیز کا لینا دینا وغیرہ یہ سب باتیں جائز ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اعتکاف کی حالت میں میری طرف سر جھکا دیا کرتے تھے۔ میں آپ کے سر میں کنگھی کر دیا کرتی تھی حالانکہ میں حیض سے ہوتی تھی۔ آپ اعتکاف کے دنوں میں ضروری حاجت کے علاوہ گھر میں تشریف نہیں لاتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اعتکاف کی حالت میں' میں تو چلتے چلتے ہی گھر کے بیمار کی بیمار پرسی کر لیا کرتی ہوں۔❹

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ہماری بیان کردہ باتیں اور فرض کئے ہوئے احکام اور مقرر کی ہوئی حدیں ہیں۔ روزے اور روزوں کے احکام اور اس کے مسائل' اس میں جو کام جائز اور جو ناجائز ہیں' یہ سب ہماری حد بندیاں ہیں' خبردار ان کے قریب بھی نہ آنا' نہ ان =

---

❶ الطبری، ۳/ ۵٤۱۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الاعتکاف، باب الاعتکاف فی العشر الأواخر، ۲۰۲٦؛ صحیح مسلم، ۱۱۷۲۔

❸ صحیح بخاری، کتاب الاعتکاف، باب زیارة المراة زوجها فی اعتکافه، ۲۰۳٤؛ صحیح مسلم، ۲۱۷٤۔

❹ صحیح بخاری، کتاب الاعتکاف، باب لا یدخل البیت إلا لحاجة، ۲۰۲۹؛ صحیح مسلم، ۲۹۷؛ ابوداود، ۲٤٦۸؛ ابن ماجة، ۱۷۷٦۔

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

ع ٢٣/٧

ترجمہ: ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو نہ حاکموں کو رشوت پہنچا کر کسی کا کچھ مال ظلم وستم سے اپنا کر لیا کرو حالانکہ تم جانتے ہو۔[۱۸۸]

= سے تجاوز کرنا' نہ ان کے آگے بڑھنا۔ بعض کہتے ہیں یہ حد اعتکاف کی حالت میں مباشرت سے الگ رہنا ہے۔ بعض کہتے ہیں ان آیتوں کے چاروں حکم مراد ہیں۔ پھر فرمایا جس طرح روزے اور اس کے احکام اور اس کے مسائل اور اس کی تفصیل ہم نے بیان کر دی اسی طرح اور احکام بھی ہم اپنے بندے اور رسول ﷺ کی معرفت سب کے سب تمام جہان والوں کے لئے بیان کیا کرتے ہیں تا کہ وہ یہ معلوم کر سکیں کہ ہدایت کیا ہے اور اطاعت کسے کہتے ہیں؟ اور اسی بنا پر وہ متقی بن جائیں جیسے اور جگہ ہے ﴿هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ ❶ ”یعنی وہ اللہ جو اپنے بندے پر روشن آیتیں نازل فرماتا ہے تا کہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائے' اللہ تعالیٰ تم پر رحمت ورافت نازل کرنے والا ہے۔“

مال پر ناجائز قبضہ اور رشوت خوری حرام ہے: [آیت:۱۸۸] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ آیت اس شخص کے بارے میں ہے جو شخص کسی دوسرے کے مال پر ناحق قبضہ کرے اور جو اصل حقدار ہے اس کے پاس کوئی شہادت یا دلیل نہ ہو کہ یہ مال میرا ہے اور ناحق قبضہ کرنے والا اس کا انکار کر دے کہ یہ مال اس (اصل مالک کا) کا ہے اور حاکم کے پاس جا کر بری ہو جائے' حالانکہ وہ (ناحق قبضہ کرنے والا) جانتا ہو کہ اس پر اس کا (اصل مالک کا) حق ہے اور یہ اس کا مال مار رہا ہے اور حرام کھا رہا ہے اور اپنے آپ کو گنہگاروں میں شامل کر رہا ہے۔ ❷ حضرت مجاہد' سعید بن جبیر' عکرمہ' حسن' قتادہ' سدی' مقاتل بن حیان' عبدالرحمن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ باوجود اس علم کے کہ تو ظالم ہے' جھگڑا نہ کر۔ ❸ بخاری ومسلم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”میں انسان ہوں' میرے پاس لوگ جھگڑا لے کر آتے ہیں شاید ایک (شخص) دوسرے سے زیادہ حجت باز ہو' میں اس کی چکنی چپڑی تقریر سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں (حالانکہ درحقیقت میرا فیصلہ واقعہ کے خلاف ہو) تو سمجھ لو کہ جس کے حق میں اس طرح کے فیصلہ سے کسی مسلمان کے حق کو میں دلوا دوں وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے خواہ اٹھا لے یا نہ اٹھائے۔“ ❹ میں کہتا ہوں یہ آیت اور یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ حاکم کا حکم کسی معاملہ کی حقیقت کی شرعی حیثیت کو بدل نہیں سکتا۔ فی الواقع جو حرام ہو وہ قاضی کے فیصلے سے حلال اور اور حلال حرام نہیں ہو سکتا۔ قاضی کا فیصلہ صرف ظاہری ہوتا ہے' باطن میں نافذ نہیں ہوتا۔ اگر وہ فی الواقع بھی نفس الامر کے مطابق ہو تو خیر' ورنہ حاکم کو تو اجر ملے گا' لیکن اس فیصلہ کی بنا پر حق کو ناحق اور ناحق کو حق بنا لینے والا رب کا مجرم ٹھہرے گا اور اس پر وبال باقی رہے گا' جس پر آیت مندرجہ بالا گواہ ہے کہ تم اپنے دعوے کے باطل ہونے کا علم رکھتے ہوئے لوگوں کے مال مار کھانے کیلئے جھوٹے مقدمات بنا کر' جھوٹے گواہ گزار کر' ناجائز طریقوں سے حکام کو چکر دے کر اپنے دعووں کو ثابت نہ کیا کرو۔

---

❶ ٥٧/ الحديد:٩۔ ❷ الطبری، ٣/ ٥٥٠۔ ❸ ابن ابی حاتم، ١/ ٣٩٣۔

❹ صحيح بخاری، كتاب المظالم، باب إثم من خاصم في باطل وهو يعلم، ٢٤٥٨؛ صحيح مسلم، ١٧١٣۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

ترجمہ: لوگ تم سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں' تم کہو کہ یہ لوگوں کے وعدے کے وقتوں میں حج کے موسم کیلئے ہے (احرام کی حالت میں) اور گھروں کے پیچھے سے تمہارا آنا کچھ نیکی نہیں' بلکہ نیکی والا وہ ہے جو متقی ہو۔ گھروں میں تو دروازوں میں سے آیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔[۱۸۹]

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوگو! سمجھ لو کہ قاضی کا فیصلہ تیرے لئے حرام کو حلال نہیں کر سکتا اور نہ باطل کو حق کر سکتا ہے۔ قاضی تو اپنی عقل سمجھ سے گواہوں کی گواہی کے مطابق' ظاہری حالات کو دیکھتے ہوئے فیصلہ صادر کر دیتا ہے اور وہ بھی آخر انسان ہی ہے ممکن ہے خطا کرے اور ممکن ہے خطا سے بچ جائے تو جان لو کہ اگر فیصلہ قاضی کا واقعہ کے خلاف ہو تو تم صرف قاضی کا فیصلہ سمجھ کر اسے جائز مال نہ سمجھ لو' یہ جھگڑا باقی ہی ہے' یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دونوں کو جمع کرے اور باطل والوں پر حق والوں کو غلبہ دے کر ان کا حق ان سے دلوائے اور دنیا میں جو فیصلہ ہوا تھا اس کے خلاف فیصلہ صادر فرما کر اس کی نیکیوں میں سے اسے بدلہ دلوائے۔ ❶

چاند، وقت اور ماہ وسال کے تعین کے لئے ہے: [آیت:۱۸۹] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے چاند کے بارے میں سوال کیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اس سے قرض وغیرہ کے وعدوں کی میعاد معلوم ہو جاتی ہے' عورتوں کی عدت کا وقت معلوم ہوتا ہے' حج کا وقت معلوم ہوتا ہے۔ ❷ مسلمانوں کے روزے کے افطار کا تعلق بھی اسی سے ہے۔ مسند عبدالرزاق میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے چاند کو لوگوں کے وقت معلوم کرنے کے لئے بنایا ہے' اسے دیکھ کر روزے رکھو' اسے دیکھ کر عید مناؤ۔ اگر ابر و باراں کی وجہ سے چاند نہ دیکھ سکو تو تیس دن پورے گن لیا کرو'' ❸ اس روایت کو امام حاکم رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔ ❹ یہ حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک موقوف روایت میں بھی یہ مضمون آیا ہے۔ آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے کہ بھلائی گھروں کے پیچھے سے آنے میں نہیں بلکہ بھلائی تقویٰ میں ہے۔ گھروں میں دروازوں سے آؤ۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ احرام میں ہوتے تو گھروں میں پشت کی جانب سے آتے جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ❺ ابوداؤد طیالسی میں بھی یہ روایت ہے۔ ❻ انصار کا عام دستور تھا کہ سفر سے جب واپس آتے تو گھر کے دروازے سے گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے۔ دراصل یہ بھی جاہلیت کے زمانہ کے قریشیوں نے اپنے لئے ایک امتیاز قائم کر لیا تھا کہ اپنا نام انہوں نے حمس رکھا تھا۔ احرام کی حالت میں یہ تو براہ راست اپنے گھروں میں آ سکتے تھے لیکن باقی کے سب لوگ اس طرح نہیں جاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں تھے' وہاں سے آپ اس کے دروازے میں سے نکلے۔ آپ کے =

❶ الطبری، ۳/ ۵۵۰۔ ❷ الطبری، ۳/ ۵۵٤۔ ❸ مصنف عبدالرزاق، ٤/ ١٥٦، ح ٧٣٠٦؛ صحیح ابن خزیمه، ١٩٠٦ وسنده حسن، بیهقی، ٤/ ٢٠٥۔ ❹ المستدرك للحاكم، ١/ ٤٢٣ ح ١٥٣٩۔

❺ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة البقرة، باب ﴿وليس البر بأن تأتوا......﴾ ٤٥١٢؛ صحیح مسلم، ٣٠٢٦۔

❻ مسند الطیالسی، ٧١٧ وسنده صحیح۔

ترجمہ: لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔[۱۹۰] انہیں مارو جہاں بھی پاؤ اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا (سنو) فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے۔ مسجد حرام کے پاس ان سے لڑائی نہ کرو جب تک کہ یہ خود تم سے وہاں نہ لڑیں۔ اگر یہ تم سے لڑیں تو تم بھی انہیں مارو کافروں کا بدلہ یہی ہے۔[۱۹۱] اگر یہ باز آ جائیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔[۱۹۲] ان سے لڑو جب تک کہ فتنہ نہ مٹ جائے اور اللہ تعالیٰ کا دین غالب نہ آ جائے' اگر یہ رک جائیں (تو تم بھی رک جاؤ) زیادتی تو صرف ظالموں پر ہی ہے۔[۱۹۳]

=ایک انصاری صحابی حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ ہی اسی دروازے سے نکلے۔ اس پر لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ یہ تو ایک تجارت پیشہ شخص ہیں یہ آپ کے ساتھ آپ کی طرح دروازے سے کیوں نکلے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح کرتے دیکھا' کیا۔ مانا کہ آپ حمس میں سے ہیں لیکن میں بھی تو آپ کے دین پر ہی ہوں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن ابی حاتم)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے بھی یہ روایت مروی ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے میں بہت سی قوموں کا یہ رواج تھا کہ جب وہ سفر کے ارادے سے نکلتے' پھر سفر ادھورا چھوڑ کر اگر کسی وجہ سے واپس چلے آتے تو گھر کے دروازے سے گھر میں نہ آتے بلکہ پیچھے کی طرف سے چڑھ کر آتے' جس سے اس آیت میں روکا گیا۔ ❶ محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اعتکاف کی حالت میں بھی یہی دستور تھا جسے اسلام نے مٹایا۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اہل مدینہ کا عیدوں میں بھی یہی دستور تھا جو اسلام نے اٹھا دیا۔ پھر فرمایا اللہ کے حکموں کو بجا لانا' اس کے منع کیے ہوئے کاموں سے رک جانا' اس کا ڈر دل میں رکھنا' یہ چیزیں ہیں جو در اصل اس دن کام آنے والی ہیں' جس دن ہر شخص اللہ کے سامنے پیش ہوگا اور پوری پوری جزا و سزا پائے گا۔

جہاد کا حکم اور متعلقہ مسائل: [آیت: ۱۹۰-۱۹۳] حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں جہاد کا پہلا حکم یہی نازل ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے حکم کی رو سے صرف ان لوگوں سے ہی لڑتے تھے جو آپ سے لڑیں اور جو آپ سے نہ لڑیں خود آپ ان سے لڑائی نہیں کرتے تھے' یہاں تک کہ سورہ برأت نازل ہوئی۔ ❷ بلکہ عبدالرحمن بن زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے' اور ناسخ آیت ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ ❸ ہے یعنی جہاں کہیں مشرکین کو

❶ ابن ابی حاتم، ۱/ ۴۰۱۔ ❷ الطبری، ۳/ ۵۶۱۔ ❸ ۹/ التوبة:۵۔

پاؤ انھیں قتل کرو۔ لیکن اس میں اختلاف ہے' اس لئے کہ یہ تو صرف مسلمانوں کو رغبت دلانا اور انھیں آمادہ کرنا ہے کہ اپنے ان دشمنوں سے کیوں جہاد نہیں کرتے جو تمہارے اور تمہارے دین کے کھلے دشمن ہیں۔ جیسے وہ تم سے لڑتے ہیں تم بھی ان سے لڑو۔ جیسے اور جگہ فرمایا ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً﴾ ❶ یعنی مل جل کر مشرکوں سے جہاد کرو جس طرح وہ تم سے تمام کے تمام مل کر لڑائی کرتے ہیں چنانچہ اس آیت میں بھی فرمایا' انہیں قتل کرو ❷ جہاں پاؤ اور انہیں وہاں سے نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ان کا ارادہ تمہارے قتل کا اور تمہیں جلا وطن کرنے کا ہے تمہارا بھی اس کے بدلے میں یہی ارادہ ہونا چاہئے۔

جہاد میں مثلہ کی ممانعت: پھر فرمایا تجاوز کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو' ناک کان وغیرہ نہ کاٹو' خیانت اور چوری نہ کرو' عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرو' ان بوڑھے کمزور اور ناتواں لوگوں کو بھی نہ مارو' جو نہ لڑنے کے قابل ہیں نہ لڑائی میں دخل دیتے ہیں' درویشوں اور تارک الدنیا لوگوں کو بھی قتل نہ کرو بلکہ بلا مصلحت جنگی نہ درخت کاٹو' نہ حیوانوں کو ضائع کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' حضرت عمر بن عبد العزیز' حضرت مقاتل بن حیان رحمہم اللہ وغیرہ نے اس آیت کی تفسیر میں یہی فرمایا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدین کو فرمان دیا کرتے تھے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو خیانت نہ کرو' بدعہدی سے بچو' ناک کان وغیرہ اعضاء نہ کاٹو' بچوں اور زاہد لوگوں کو جو عبادت خانوں میں پڑے رہتے ہیں قتل نہ کرو۔ ❸ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے اللہ کا نام لے کر نکلو' اللہ کی راہ میں جہاد کرو' کفار سے لڑو' ظلم و زیادتی نہ کرو' دھوکہ بازی نہ کرو' دشمن کے اعضاء بدن نہ کاٹو' درویشوں کو قتل نہ کرو۔ ❹ بخاری و مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک غزوہ میں ایک عورت قتل کی ہوئی پائی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بہت برا منایا اور عورتوں اور بچوں کے قتل کو منع فرما دیا۔ ❺

مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک' تین' پانچ' سات' نو' گیارہ مثالیں دیں۔ ایک تو ظاہر کر دی باقی چھوڑ دیں۔ فرمایا کچھ لوگ کمزور اور مسکین تھے ان پر زور آور مالدار دشمن چڑھ آیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان ضعیفوں کی مدد کی اور ان زور آوروں پر انہیں غالب کر دیا۔ اب لوگوں نے ان پر ظلم و زیادتی شروع کر دی جس کے باعث اللہ تعالیٰ ان پر قیامت تک کے لئے ناراض ہو گیا۔ ❻ یہ حدیث سنداً صحیح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب یہ کمزور قوم غالب آ گئی تو انہوں نے ظلم و زیادتی شروع کر دی' فرمان باری تعالیٰ کا کوئی لحاظ نہ کیا۔ اس باعث پروردگار عالم ان پر ناراض ہو گیا۔ اس بارے میں احادیث اور آثار بکثرت ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ظلم و زیادتی اللہ کو ناپسند ہے اور ایسے لوگوں سے اللہ ناخوش رہتا ہے۔ چونکہ جہاد کے احکام میں بظاہر قتل و خون ہوتا ہے' اس لئے یہ بھی فرما دیا کہ اگر قتل و خون ہے تو ادھر اللہ کے ساتھ کفر و شرک ہے اور اس مالک کی راہ سے اس کی مخلوق کو روکنا ہے اور یہ فتنہ قتل سے بہت زیادہ سخت ہے۔ ابو مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تمہاری یہ خطا کاریاں اور بدکاریاں قتل سے زیادہ نقصان دہ ہیں۔

---

❶ ۹/ التوبة:۳۶۔ ❷ الطبری، ۳/ ۵٦۲۔

❸ صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب تأمیر الامام الأمراء علی البعوث، ۱۷۳۱، بدون، (ولا اصحاب...... الصوامع)

❹ احمد، ۱/ ۳۰۰، وسنده ضعیف والحدیث السابق یغنی عنه۔

❺ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب قتل الصبیان فی الحرب، ۳۰۱٤؛ صحیح مسلم، ۱۷٤٤؛ ابوداود، ۲٦٦۸؛ ترمذی، ۱۵٦۹۔

❻ احمد، ۵/ ٤۰۷، وسنده ضعیف؛ مجمع الزوائد، ۵/ ۲۳۲، ۲۳۳۔

حرم میں قتال کی ممانعت: پھر فرمان ہوتا ہے کہ بیت اللہ میں ان سے لڑائی نہ کرو جیسے بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''یہ شہر حرمت والا ہے' آسمان وزمین کی پیدائش کے زمانہ سے لے کر قیامت تک باحرمت ہی ہے صرف تھوڑے سے وقت کے لئے اللہ تعالیٰ نے میرے لئے اسے حلال کر دیا تھا' لیکن وہ آج اس وقت بھی حرمت والا ہے اور قیامت تک اس کا یہ احترام اور بزرگی باقی رہے گی۔ اس کے درخت نہ کاٹے جائیں اس کے کانٹے نہ اکھیڑے جائیں' اگر کوئی شخص اس میں لڑائی کو جائز کہے اور میری جنگ کو دلیل میں لائے تو تم کہہ دینا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے رسول ﷺ کے لئے اجازت دی تھی لیکن تمہیں اس کی کوئی اجازت نہیں۔'' ❶ مراد آپ کے اس فرمان سے فتح مکہ کا دن ہے جس دن آپ نے مکہ والوں سے جہاد کیا تھا اور مکہ کو فتح کیا تھا' چند مشرکین مارے بھی گئے تھے۔ گو بعض علمائے کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ مکہ صلح سے فتح ہوا۔ حضور ﷺ نے صاف ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے وہ امن میں ہے اور جو مسجد میں چلا جائے امن میں ہے اور جو ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے وہ بھی امن میں ہے۔ ❷ پھر فرمایا کہ ہاں اگر وہ تم سے یہاں لڑائی شروع کر دیں تو تمہیں اجازت ہے کہ تم بھی ان سے یہیں لڑو تاکہ ظلم دفع ہو سکے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ والے دن اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے لڑائی کی بیعت لی جبکہ قریشیوں نے اوران کے ساتھیوں نے مل ملا کر یورش کی تھی اور آپ نے درخت تلے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے بیعت لی پھر اللہ تعالیٰ نے اس لڑائی کو دفع کر دیا۔ چنانچہ اس نعمت کا بیان اس آیت ﴿وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ﴾ ❸ میں ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر یہ کفار حرم میں لڑائی بند کر دیں اور اس سے باز آ جائیں اور اسلام کی طرف جھکیں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرما دے گا۔ گو کہ انہوں نے مسلمانوں کو حرم میں قتل کیا ہو لیکن پھر بھی وہ باری تعالیٰ ایسے بڑے گناہ کو بھی معاف فرما دے گا۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ ان مشرکین سے جہاد جاری رکھو تاکہ یہ شرک کا فتنہ مٹ جائے اور اللہ تعالیٰ کا دین دوسرے تمام ادیان پر غالب اور بلند ہو جائے۔ جیسے بخاری و مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص اپنی بہادری جتانے کے لئے لڑتا ہے ایک شخص قومی حمیت کی بنا پر لڑتا ہے' ایک شخص ریاکاری اور دکھاوے کے طور پر لڑتا ہے' تو بتایئے کہ ان میں کون شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنیوالا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا وہی ہے جو اس لئے لڑے کہ اللہ تعالیٰ کی بات بلند ہو اس کے دین کا بول بالا ہو۔ ❹ بخاری و مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے ''مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہیں جب وہ اسے کہہ لیں تو مجھ سے اپنے خون اور مال بچا لیں گے مگر اسلامی احکام میں اور ان کا باطنی حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔'' ❺ پھر فرمایا ''اگر یہ کفار شرک و کفر سے اور تمہیں قتل کرنے سے باز آ جائیں تو تم بھی ان سے رک جاؤ۔ اس کے بعد جو قتال کرے گا وہ ظالم ہوگا اور ظالموں کو ظلم کا بدلہ دینا ضروری ہے۔'' یعنی مجاہد رحمہ اللہ کے اس قول کے معنی یہ ہوئے کہ جو لڑیں ان سے ہی لڑا جائے یا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ان حرکات سے رک جائیں تو وہ ظلم یعنی شرک سے ہٹ گئے' پھر =

---

❶ صحیح بخاری، کتاب جزاء الصید، باب لا یعضد شجر الحرم، ۱۸۳۲، ۱۸۳٤؛ صحیح مسلم، ۱۳۵۳، ۱۳۵٤۔

❷ صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب فتح مکة، ۱۷۸۰ مختصراً بغیر ذکر المسجد، ابو داود، ۳۰۲۲ وفیه ذکر المسجد وسنده ضعیف۔ ❸ ٤٨/ الفتح: ٢٤۔

❹ صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قوله تعالیٰ ﴿ولقد سبقت کلمتنا......﴾ ۷٤۵۸؛ صحیح مسلم، ۷٤۵۸؛ ابوداود، ۲۵۱۷؛ ترمذی، ۱٦٤٦؛ نسائی، ۳۱۳۸؛ ابن ماجة، ۲۷۸۳۔

❺ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب ﴿فإن تابوا واقاموا الصلاة......﴾ ۲۵؛ صحیح مسلم، ۲۲۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۹۴﴾ وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ ۛۚ وَاَحْسِنُوْا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۹۵﴾

ترجمہ: حرمت والے مہینے حرمت والے مہینوں کے بدلے ہیں اور حرمتیں ادلے بدلے کی ہیں جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اسی کے مثل زیادتی کرو جو تم پر کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔[۱۹۴] اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو اور سلوک واحسان کرو اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔[۱۹۵]

= کوئی وجہ نہیں کہ ان سے جنگ وجدال ہو۔

یہاں لفظ عُدْوَانْ جو کہ زیادتی کے معنی میں ہے وہ زیادتی کے مقابلہ میں زیادتی کے بدلے کے لئے ہے حقیقتاً وہ زیادتی نہیں۔ جیسے فرمایا ﴿فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ﴾ ❶ یعنی ''تم پر جو زیادتی کرے تم بھی اس پر اس جیسی زیادتی کرلو۔'' اور جگہ ہے ﴿فَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ ❷ یعنی ''برائی کا بدلہ اس جیسی برائی ہے۔'' اور جگہ فرمان ہے ﴿فَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ﴾ ❸ یعنی اگر تم سزا اور عذاب دو تو اتنا ہی دو جتنا تم پر کیا گیا ہے۔ پس ان تینوں جگہوں میں زیادتی برائی اور سزا کو بدلہ کے طور پر کہا گیا ہے ورنہ فی الواقع وہ زیادتی برائی اور سزا وعذاب نہیں۔ عکرمہ اور قتادہ رحمہما اللہ کا بیان ہے اصل ظالم وہی ہے جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا انکاری ہو۔ ❹

صحیح بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس دو شخص آئے جب کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پر لوگوں نے چڑھائی کر رکھی تھی اور آ کر کہا کہ لوگ تو مر کٹ رہے ہیں۔ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں کیوں اس لڑائی میں شامل نہیں ہوتے؟ آپ نے فرمایا سنو! اللہ تعالیٰ نے مسلمان بھائی کا خون حرام کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کیا یہ فرمان جناب باری کا نہیں کہ ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہم تو لڑتے رہے یہاں تک کہ فتنہ دب گیا اور اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین غالب آ گیا لیکن اب تم چاہتے ہو کہ تم لڑو تا کہ فتنہ پیدا ہو اور دوسرے مذاہب ابھر آئیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ کسی نے آپ سے کہا کہ اے ابوعبدالرحمن آپ نے اللہ کی راہ کا جہاد کیوں چھوڑ رکھا ہے اور کیا اختیار کر رکھا ہے کہ حج پر حج کر رہے ہو، ہر دوسرے سال حج کو جایا کرتے ہو حالانکہ جہاد کے فضائل آپ سے مخفی نہیں۔

آپ نے فرمایا بھتیجے سنو! اسلام کی بنا پانچ چیزیں ہیں، اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لانا، پانچ وقت کی نماز ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا، زکوٰۃ دینا، بیت اللہ کا حج کرنا۔ اس نے کہا کیا قرآن کا یہ حکم آپ نے نہیں سنا کہ ایمانداروں کی دو جماعتیں اگر آپس میں جھگڑیں تو تم ان میں صلح کرا دو اگر پھر بھی ایک گروہ دوسرے پر بغاوت کرے تو باغی گروہ سے لڑو یہاں تک کہ وہ پھر سے اللہ کا فرمان بردار بن جائے۔ اور جگہ ارشاد ہے ان سے لڑو تاوقتیکہ فتنہ مٹ جائے۔ آپ نے فرمایا ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کی =

❶ ٢/ البقرة: ١٩٤۔ ❷ ٤٢/ الشورى: ٤٠۔ ❸ ١٦/ النحل: ١٢٦۔ ❹ الطبرى، ٣/ ٨٧٣۔

= تعمیل کر لی جب کہ اسلام کمزور تھا اور مسلمان تھوڑے تھے۔ جو اسلام قبول کرتا تھا اس پر فتنہ آپڑتا تھا یا تو قتل کر دیا جاتا یا سخت عذابوں میں پھنس جاتا یہاں تک کہ یہ پاک دین پھیل گیا اور اس کے حلقہ بگوش بہ کثرت ہو گئے اور فتنہ برباد ہو گیا۔ اس نے کہا اچھا تو پھر فرمایئے کہ حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا عثمان رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا گو تم اس معافی سے برا مانو اور علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور آپ کے داماد تھے اور یہ دیکھو ان کا مکان یہ رہا جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔ ❶

حرمت والے مہینے میں لڑائی اور بیعت رضوان کا ذکر: [آیت:۱۹۴۔۱۹۵] ذوالقعدہ ۶ھ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرے کے لئے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمیت مکہ کی طرف چل پڑے لیکن مشرکین نے آپ کو حدیبیہ والے میدان میں روک لیا۔ بالآخر اس بات پر صلح ہوئی کہ آئندہ سال آپ عمرہ کریں اور اس سال واپس تشریف لے جائیں۔ چونکہ ذوالقعدہ کا مہینہ بھی حرمت والا مہینہ ہے اس لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرمت والے مہینوں میں جنگ نہیں کرتے تھے' ہاں اگر کوئی آپ پر چڑھائی کرے تو اور بات ہے بلکہ جنگ کرتے ہوئے اگر حرمت والے مہینے آ جاتے تو آپ لڑائی موقوف کر دیتے۔ ❷ حدیبیہ کے میدان میں بھی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مشرکوں نے قتل کر دیا جو کہ حضور کا پیغام لے کر مکہ میں گئے تھے' تو آپ نے اپنے چودہ سو اصحاب رضی اللہ عنہم سے ایک درخت تلے مشرکوں سے جہاد کرنے کی بیعت لی۔

پھر جب معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے تو آپ نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا اور صلح کی طرف مائل ہو گئے پھر جو واقعہ ہوا وہ ہوا۔ اسی طرح آپ جب کہ ہوازن کی لڑائی سے حنین والے دن فارغ ہوئے اور مشرکین طائف میں جا کر قلعہ بند ہو گئے تو آپ نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ چالیس دن تک یہ محاصرہ رہا بالآخر کچھ صحابہ کی شہادت کے بعد یہ محاصرہ اٹھا کر آپ مکہ کی طرف لوٹ گئے اور جعرانہ سے آپ نے عمرہ کا احرام باندھا۔ یہیں حنین کی غنیمتیں تقسیم کیں اور یہ عمرہ آپ کا ذی القعدہ میں ہوا یہ ۸ھ کا واقعہ ہے' اللہ تعالیٰ آپ پر درود وسلام بھیجے۔ ❸ پھر فرماتا ہے جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کر لو یعنی مشرکین میں بھی عدل کا خیال رکھو۔ یہاں بھی زیادتی کے بدلہ کو زیادتی سے تعبیر کرنا ویسا ہی ہے جیسے ایک مقام پر عذاب وسزا کے بدلہ کو بھی سزا کے لفظ سے ہی تعبیر کیا گیا ہے اور برائی کے بدلے کو بھی برائی کے لفظ سے بیان کیا گیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ آیت مکہ میں اتری جہاں مسلمانوں میں کوئی شوکت وشان نہ تھی نہ جہاد کا حکم تھا۔ پھر یہ آیت مدینہ میں جہاد کے حکم سے منسوخ ہو گئی لیکن ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی تردید کی ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ آیت مدنی ہے عمرہ قضا کے بعد نازل ہوئی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور پرہیزگاری اختیار کرو اور اسے جان لو کہ ایسے ہی لوگوں کے ساتھ دین ودنیا میں اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت رہتی ہے۔

جہاد اور اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنا: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (بخاری) ❹ اور بزرگوں نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی بیان فرمایا ہے۔ حضرت ابو عمران رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

---

❶ صحيح بخاري، كتاب التفسير، باب قوله ﴿وقاتلوهم حتىٰ لا تكون فتنة.....﴾، ٤٥١٣، ٤٥١٤، ٤٥١٥۔

❷ أحمد، ٣/ ٣٤٥ وسنده صحيح على شرط مسلم مجمع الزوائد، ٦/ ٦٦۔

❸ فتح الباري، ٣/ ٧٠١۔

❹ صحيح بخاري، كتاب التفسير، سورة البقرة، باب قوله ﴿وانفقوا في سبيل الله.....﴾ ٤٥١٦۔

ہیں کہ مہاجرین میں سے ایک شخص نے قسطنطنیہ کی جنگ میں کفار کے لشکر پر دلیرانہ حملہ کیا اور ان کی صفوں کو چیرتا ہوا ان میں گھس گیا تو بعض لوگ کہنے لگے کہ دیکھو یہ اپنے ہاتھوں اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا اس آیت کا صحیح مطلب ہم خوب جانتے ہیں۔ سنو! یہ آیت ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی آپ کے ساتھ جنگ و جہاد میں شریک رہے' آپ کی مدد پر تلے رہے یہاں تک کہ اسلام ظاہر ہو گیا اور مسلمان غالب آ گئے تو ہم انصاریوں نے ایک مرتبہ جمع ہو کر آپس میں مشورہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے ساتھ ہمیں مشرف فرمایا۔ ہم آپ کی خدمت میں لگے رہے' آپ کی ہمرکابی میں جہاد کرتے رہے' اب بحمد اللہ اسلام پھیل گیا مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا لڑائی ختم ہو گئی' ان دنوں میں نہ ہم نے اپنی اولاد کی خبر گیری کی' نہ مال کی دیکھ بھال کی' نہ کھیتوں اور باغوں کا کچھ خیال کیا' پس اب ہمیں چاہئے کہ اپنے خانگی معاملات کی طرف توجہ کریں' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ پس جہاد کو چھوڑ کر بال بچوں اور بیوپار و تجارت میں مشغول ہو جانا یہ اپنے ہاتھوں خود کو ہلاک کرنا ہے (ابوداؤد' ترمذی' نسائی وغیرہ)۔ ❶

ایک اور روایت میں ہے کہ قسطنطنیہ کی لڑائی کے وقت مصریوں کے سردار حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ تھے اور شامیوں کے سردار یزید بن فضالہ بن عبید رحمہ اللہ علیہ تھے' ❷ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ اگر میں اکیلا تنہا دشمن کی صف میں گھس جاؤں اور وہ مجھے گھیرے میں لے لیں اور قتل کر دیا جاؤں تو کیا اس آیت کے مطابق میں اپنی جان کو آپ ہی ہلاک کرنے والا بنوں گا؟ آپ نے جواب دیا نہیں اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتا ہے ﴿فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ﴾ ❸ اے نبی اللہ کی راہ میں لڑتا رہ تو اپنی جان کا ہی مالک ہے اسی کو تکلیف دے۔ یہ آیت تو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے رک جانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے (ابن مردویہ وغیرہ)۔ ترمذی کی ایک اور روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ آدمی کا گناہوں پر گناہ کئے چلے جانا اور توبہ نہ کرنا' یہ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاک کرنا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ مسلمانوں نے دمشق کا محاصرہ کیا اور ازدشنوءہ قبیلہ کا ایک آدمی جرأت کر کے دشمنوں میں گھس گیا۔ ان کی صفیں چیرتا پھاڑتا اندر چلا گیا' لوگوں نے اسے برا جانا اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس یہ شکایت کی چنانچہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے انہیں بلا لیا اور فرمایا قرآن میں ہے اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں لڑائی میں اس طرح کی بہادری کرنا' یہ اپنی جانوں کو بربادی میں ڈالنا نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں مال خرچ نہ کرنا ہلاکت میں پڑنا ہے۔ حضرت ضحاک بن ابوجبیرہ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انصار اپنے مال اللہ کی راہ میں کھلے دل سے خرچ کرتے رہتے تھے لیکن ایک سال قحط سالی کے موقع پر انہوں نے وہ خرچ روک لیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد بخل کرنا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر فرماتے ہیں کہ گنہگار کا رحمت باری سے ناامید ہو جانا یہ ہلاک ہونا ہے۔ اور بعض مفسرین بھی فرماتے ہیں کہ گناہ ہو جائیں پھر بخشش سے ناامید ہو کر گناہوں میں مشغول ہو جانا' یہ اپنے ہاتھوں ہلاک ہونا ہے تَهْلُكَة سے مراد اللہ کا عذاب بھی بیان کیا گیا ہے۔ قرطبی رحمہ اللہ علیہ وغیرہ سے روایت ہے کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں جاتے تھے اور اپنے ساتھ کچھ خرچ نہیں لے جاتے تھے۔ اب یا تو وہ بھوکوں مریں یا ان کا بوجھ دوسروں پر پڑے تو ان =

❶ ابوداود، كتاب الجهاد، باب في قوله ﴿ولا تلقوا بأيديكم......﴾ ٢٥١٢ وسنده صحيح ترمذي، ٢٩٧٢۔

❷ ترمذي، كتاب التفسير، باب ومن سورة البقرة، ٢٩٧٢ وسنده صحيح۔

❸ ٤/ النسآء:٨٣۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ ٙ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾

ع ۲۴ ۸

ترجمہ: حج اور عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے لئے پورا کرو' اگر تم روک لئے جاؤ تو جو قربانی میسر ہوا سے کر ڈالو اور اپنے سر نہ منڈ واؤ جب تک قربانی قربان گاہ تک نہ پہنچ جائے' ہاں تم میں سے جو بیمار ہو یا اسکے سر میں کوئی تکلیف ہو تو اس پر فدیہ ہے' خواہ روزے رکھ لے' خواہ صدقہ دیدے' خواہ قربانی کرے' ہاں امن کی حالت میں جو شخص عمرہ سے لے کر حج تک تمتع کرے تو اس کو جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈالے' جسے طاقت ہی نہ ہو وہ تین روزے تو حج کے دنوں میں رکھ لے اور سات واپسی میں۔ یہ پورے دس ہو گئے۔ یہ حکم ان کے لئے ہے جو مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں۔ لوگو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذابوں والا ہے۔[۱۹۶]

= سے اس آیت میں فرمایا جاتا ہے کہ اللہ نے جو تمہیں دیا ہے اسے اس کی راہ کے کاموں میں لگاؤ اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو کہ بھوک پیاس سے یا پیدل چل چل کر مر جاؤ۔ اس کے ساتھ ہی ان لوگوں کو جن کے پاس کچھ ہے۔ حکم ہو رہا ہے کہ تم احسان کرو تا کہ اللہ تمہیں دوست رکھے۔ نیکی کے ہر کام میں خرچ کیا کرو بالخصوص جہاد کے موقعہ پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے نہ رکو یہ دراصل خود تمہاری ہلاکت ہے۔ پس احسان اعلیٰ درجہ کی اطاعت ہے جس کا یہاں حکم ہو رہا ہے اور ساتھ ہی بیان ہو رہا ہے کہ احسان کرنے والے اللہ کے دوست ہیں۔

حج اور عمرہ کا تذکرہ؟ [آیت:۱۹۶] اوپر چونکہ روزوں کا ذکر ہوا تھا' پھر جہاد کا بیان ہوا' اب حج کا ذکر ہو رہا ہے اور حکم ہوتا ہے کہ حج اور عمرہ کو پورا کرو۔ ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حج اور عمرہ کو شروع کرنے کے بعد پورا کرنا چاہئے۔ تمام علما اس پر متفق ہیں کہ حج وعمرہ کو شروع کرنے کے بعد ان کا پورا کرنا لازم ہے گو عمرہ کے واجب اور مستحب ہونے میں علما کے دو اقوال ہیں جنھیں ہم نے پوری تفصیل کے ساتھ کتاب الاحکام میں بیان کر دیا ہے فللّٰہ الحمد و المنة حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پورا کرنا یہ ہے کہ تم اپنے گھر سے احرام باندھو۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا پورا کرنا یہ ہے کہ تم اپنے گھر سے احرام باندھو' تمہارا یہ سفر صرف حج وعمرہ کی غرض سے ہو۔ میقات پہنچ کر لبیک پکارنا شروع کر دو۔ تمہارا ارادہ تجارت یا کسی اور غرض دنیوی کا نہ ہو کہ نکلے تو اپنے کام کو اور مکہ کے قریب پہنچ کر خیال آ گیا کہ آؤ حج وعمرہ بھی کر لیں تا کہ اس طرح حج وعمرہ بھی ہو جائے' لیکن یہ پورا کرنا نہیں۔ پورا کرنا یہ ہے کہ صرف اسی ارادے سے گھر سے نکلو۔ حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا پورا کرنا یہ ہے کہ انہیں میقات سے شروع کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان کا پورا کرنا یہ ہے کہ ان دونوں کو الگ الگ ادا کرے اور عمرہ کو حج کے مہینوں میں نہ کرے اس لئے کہ قرآن شریف میں ہے ﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ﴾ حج کے مہینے مقرر ہیں' ❶ قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا پورا ہونا نہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ محرم میں عمرہ کرنا کیسا ہے؟ کہا لوگ اسے تو پورا کہتے تھے۔ لیکن اس قول میں شبہ ہے اس لئے کہ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کئے اور چاروں ذوالقعدہ میں کئے' ایک ٦ ہجری میں ذوالقعدہ کے مہینے میں' دوسرا ذوالقعدہ سن ٧ ھ میں عمرۃ القضاء' تیسرا ذوالقعدہ سن ٨ ھ میں عمرۃ الجعرانہ' چوتھا ذوالقعدہ ١٠ ھ میں حج کے ساتھ۔ ❷ ان چار عمروں کے سوا ہجرت کے بعد آپ کا اور کوئی عمرہ نہیں ہوا ہاں آپ نے ام ہانی رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔ ❸ یہ آپ نے اس لئے فرمایا تھا کہ اُم ہانی رضی اللہ عنہا نے آپ کے ساتھ حج کے لئے جانے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن سواری کی وجہ سے ساتھ نہ جاسکیں جیسے کہ بخاری میں یہ پورا واقعہ موجود ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ تو صاف فرماتے ہیں کہ یہ اُم ہانی رضی اللہ عنہا کے لئے ہی مخصوص حکم ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہی کہ حج وعمرہ کا احرام باندھنے کے بعد بغیر پورا کئے چھوڑنا جائز نہیں۔ حج اس وقت پورا ہوتا ہے جب کہ قربانی والے دن جمرہ عقبہ کو کنکر مارے اور بیت اللہ کا طواف کرے اور صفا و مروہ کے درمیان دوڑے' اب حج ادا ہو گیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حج عرفات کا نام ہے اور عمرہ طواف ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قرأت یہ ہے ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ اِلَى الْبَيْتِ﴾ عمرہ بیت اللہ تک جاتے ہی پورا ہو گیا۔ ❹ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے جب یہ ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت بھی یہی تھی۔ حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے ﴿وَاَقِيْمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ اِلَى الْبَيْتِ﴾ شعبی رحمۃ اللہ علیہ کی قرأت میں والعمرۃُ ہے' وہ فرماتے ہیں عمرہ واجب نہیں گو اس کے خلاف بھی ان سے مروی ہے۔ بہت سی احادیث میں کئی سندوں کے ساتھ حضرت انس اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج وعمرہ دونوں کو جمع کیا اور صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے فرمایا جس کے ساتھ قربانی کا جانور ہے وہ حج و عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھے۔ ❺ ایک اور حدیث میں ہے عمرہ حج میں قیامت تک کے لئے داخل ہو گیا۔ ❻ ابو محمد ابن ابی حاتم نے اپنی کتاب میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور زعفران کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ اس نے پوچھا یا رسول اللہ میرے احرام کے بارے میں کیا حکم ہے' اس پر یہ آیت اتری۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ''وہ سائل کہاں ہے؟'' اس نے کہا یا رسول اللہ موجود ہوں۔ فرمایا'' اپنے زعفرانی کپڑے اتار دے اور خوب اچھی طرح غسل کر لے اور جو اپنے حج میں کرتا ہے وہی عمرہ میں بھی کر۔'' یہ حدیث غریب ہے اور یہ سیاق عجیب ہے۔ بعض روایتوں میں غسل کا اور اس آیت کے نازل ہونے کا ذکر نہیں۔ ایک روایت میں ان کا نام یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ آیا ہے' دوسری روایت میں صفوان بن

---

❶ ابن ابی حاتم، ١/ ٤٣٧۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب العمرة، باب کم اعتمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ١٧٧٨؛ صحیح مسلم، ١٢٥٣؛ ابوداود، ١٩٩٣؛ ترمذی، ٨١٦؛ ابن ماجة، ٣٠٠٣۔

❸ صحیح بخاری، کتاب العمرة، باب عمرة فی رمضان، ١٧٨٢؛ صحیح مسلم، ١٢٥٦ عن ابن عباس، اس روایت میں ام ہانی کی بجائے ام سنان کا ذکر ہے۔ ❹ الطبری، ٤/ ٧۔

❺ صحیح بخاری، کتاب الحج، باب کیف تهل الحائض والنفساء، ١٥٥٦؛ صحیح مسلم، ١٢١١۔

❻ احمد، ٤/ ١٧٥؛ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ١٢١٨۔ عن جابر رضی اللہ عنہ۔

امیہ رضی اللہ عنہ ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ ❶

اگر صاحب عذر حج یا عمرہ پورا نہ کر سکے؟ پھر فرمایا اگر تم گھیر لئے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو کر ڈالو۔ مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت ٦ھ میں حدیبیہ کے میدان میں اتری جبکہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ جانے سے روکا تھا اور اسی بارے میں پوری سورہ فتح اتری اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو رخصت ملی کہ وہ اپنی قربانیوں کو وہیں ذبح کر ڈالیں۔ چنانچہ ستر اونٹ ذبح کیے گئے سر منڈوائے گئے اور احرام کھول دیئے گئے۔ پہلی مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو سن کر لوگ ذرا جھجکے اور انہیں انتظار تھا کہ شاید کوئی ناسخ حکم اترے یہاں تک کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے اور اپنا سر منڈوایا۔ پھر سب لوگ آمادہ ہو گئے' بعض نے سر منڈوالیا بعض نے بال کتروالئے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ سر منڈوانے والوں پر رحم کرے۔'' لوگوں نے کہا حضور! بال کتروانے والوں کے لئے بھی دعا کیجئے۔ آپ نے پھر سر منڈوانے والوں ہی کے لئے دعا کی۔ ❷ تیسری مرتبہ کتروانے والوں کے لئے بھی دعا کر دی۔ سات سات شخص ایک اونٹ میں شریک تھے۔ کل تعداد صحابہ رضی اللہ عنہم کی چودہ سو تھی۔ ❸ حدیبیہ کے میدان میں ٹھہرے ہوئے تھے جو حد حرم سے باہر تھا۔ گو یہ بھی مروی ہے کہ حد حرم کے کنارے پر تھے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

علما کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ حکم صرف ان لوگوں کے لئے ہی ہے جنہیں دشمن گھیر لے یا کسی بیماری وغیرہ سے بھی کوئی مجبور ہو جائے تو اس کے لئے بھی رخصت ہے کہ وہ اسی جگہ احرام کھول ڈالے اور سر منڈوالے اور قربانی کر دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تو صرف پہلی قسم کے لوگوں کے لئے ہی بتاتے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما' طاؤس' زہری اور زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں لیکن مسند احمد میں ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ جس شخص کا ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائے یا بیمار ہو جائے یا لنگڑا لولا ہو جائے تو وہ حلال ہو گا' وہ اگلے سال حج کر لے۔ اس حدیث کا راوی کہتا ہے کہ میں نے اسے ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا انھوں نے بھی فرمایا سچ ہے۔ سنن اربعہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ ❹ حضرت ابن مسعود' ابن زبیر رضی اللہ عنہما' علقمہ' سعید بن مسیب' عروہ بن زبیر' مجاہد' نخعی' عطاء' مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے کہ بیمار ہو جانا اور لنگڑا لولا ہو جانا بھی ایسا ہی عذر ہے۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ہر مصیبت و ایذا کو ایسا ہی عذر بتاتے ہیں۔ بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت زبیر بن عبدالمطلب کی صاحبزادی ضباعہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتی ہیں کہ حضور میرا ارادہ حج کا ہے لیکن میں بیمار رہتی ہوں۔ آپ نے فرمایا ''حج کو چلی جاؤ اور شرط کر لو کہ میرے احرام سے فارغ ہونے کے وہی جگہ ہو گی جہاں میں مرض سے روک دی جاؤں۔'' ❺ اس حدیث کی بنا پر بعض علمائے کرام کا فتویٰ ہے کہ حج میں شرط کرنا جائز ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو میرا قول بھی یہی ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ پس امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہی ہوا' فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

---

❶ صحيح بخاري، كتاب العمرة، باب يفعل بالعمرة ما يفعل بالحج، ١٧٨٩؛ صحيح مسلم، ١١٨٠۔

❷ صحيح بخاري، كتاب الحج، باب الحلق والتقصير عندالاحلال، ١٧٢٧؛ صحيح مسلم، ١٣٠١۔

❸ صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة حديبية "٤١٥١۔

❹ احمد، ٣/ ٤٥٠؛ ابوداود، كتاب المناسك، باب الاحصار، ١٨٦٢، ١٨٦٣؛ ترمذي، ٩٤٠؛ نسائي، ٦٨٦٣؛ ابن ماجة، ٣٠٧٧ وهو حديث صحيح شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (صحيح الجامع: ٦٥٢١)

❺ صحيح بخاري، كتاب النكاح، باب الاكفاء في الدين، ٥٠٨٩؛ صحيح مسلم، ١٢٠٧۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو قربانی میسر ہوا سے قربان کر دے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یعنی ایک بکری ذبح کر دے۔ ❶ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اونٹ' گائے' بکری' بھیڑ یا ان کے نر ہوں' ان آٹھوں قسموں میں جسے چاہے ذبح کرے۔ ❷ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صرف بکری بھی مروی ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی فرمایا ہے اور چاروں اماموں کا بھی یہی مذہب ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صرف اونٹ اور گائے ہی ہے۔ غالباً ان کی دلیل حدیبیہ کا واقعہ ہوگا۔ اس میں کسی صحابی سے بکری کا ذبح کرنا منقول نہیں' گائے اور اونٹ ہی ان بزرگوں نے قربان کئے ہیں۔ بخاری ومسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں اللہ کے نبی نے حکم دیا کہ ہم سات سات آدمی گائے اور اونٹ میں شریک ہو جائیں۔ ❸ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ جس جانور کے ذبح کرنے کی وسعت ہو اسے ذبح کر ڈالے۔ اگر مالدار ہے تو اونٹ اس سے کم حیثیت والا ہے تو گائے ورنہ پھر بکری۔ ❹ حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مہنگے سستے داموں پر موقوف ہے۔ جمہور کے اس قول کی کہ بکری کافی ہے یہ دلیل ہے کہ قرآن نے آسانی ہونے کا ذکر فرمایا ہے یعنی کم سے کم وہ چیز جس پر قربانی کا اطلاق ہو سکے۔ اور قربانی کے جانور اونٹ گائے بکریاں اور بھیڑیں ہیں جیسے ترجمان قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے۔

بخاری ومسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ بکری کی قربانی کی' ❺ پھر فرمایا "جب تک قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ لے تم اپنے سروں کو نہ منڈواؤ۔" اس کا عطف ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ﴾ الخ پر ہے نہ کہ ﴿فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ﴾ پر۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ سے یہاں سہو ہو گیا ہے' وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ والے سال جب کہ مشرکین حائل ہو گئے اور آپ کو حرم میں نہ جانے دیا تو حرم سے باہر ہی سب نے سر بھی منڈوائے اور قربانیاں بھی کر دیں ❻ لیکن امن کی حالت میں جب کہ حرم میں پہنچ سکتے ہوں تو جائز نہیں جب تک کہ قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے اور حاجی حج وعمرہ کے تمام احکام سے فارغ نہ ہو لے۔ اگر وہ حج وعمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھے ہوئے ہو تو یا ان میں سے ایک کا کرنے والا ہو یا اس نے صرف حج کا احرام باندھا ہو' یا خواہ تمتع کی نیت کی ہو۔ بخاری ومسلم میں ہے کہ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ سب نے تو احرام کھول ڈالے لیکن آپ تو احرام سے ہی ہیں۔ آپ فرمایا "ہاں میں نے اپنا سر منڈوالیا ہے اور اپنے قربانی کے جانور کے گلے میں علامت ڈال دی ہے جب تک یہ ذبح نہ ہو جائے میں احرام نہیں اتار سکتا۔" ❼ پھر حکم ہوتا ہے کہ بیمار اور سر کی تکلیف والا شخص فدیہ دیدے۔ اگر عذر کی وجہ سے حالت احرام میں سر منڈوائے تو کیا فدیہ دے؟ صحیح بخاری میں ہے عبداللہ بن مغفل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں کوفہ کی مسجد میں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے ان سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ مجھے لوگ اٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے' جوئیں میرے منہ پر چل رہی تھیں۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا "میں نہیں خیال کرتا

❶ موطا امام مالك، كتاب الحج، باب ما استيسر من الهدى، ١/ ٣٨٥ ح ٨٨٦ وسنده ضعيف۔ ❷ ايضا۔
❸ صحيح مسلم، كتاب الحج، باب جواز الاشتراك فى الهدى، ١٣١٨۔ ❹ الطبرى، ٤/ ٣٠۔
❺ صحيح بخارى، كتاب الحج، باب جواز الاشتراك فى الهدى، ١٧٠١؛ صحيح مسلم، ١٢٣١۔
❻ صحيح بخارى، كتاب المحصر، باب إذا احصر المعتمر، ١٨٠٧؛ مسلم، ١٢٣١۔
❼ صحيح بخارى، كتاب الحج، باب التمتع والقران، ١٥٦٦؛ صحيح مسلم، ١٢٢٩۔

تھا کہ تمہاری حالت یہاں تک پہنچ گئی ہو گی۔ کیا تمہیں اتنی طاقت نہیں کہ ایک بکری ہی ذبح کر ڈالو۔'' میں نے کہا حضور! میں تو مفلس آدمی ہوں۔ آپ نے فرمایا ''اچھا جاؤ اپنا سر منڈ وا دو اور تین روزے رکھ لینا۔ یا چھ مسکینوں کو آدھا آدھا صاع (تقریباً سوا سیر سوا چھٹانک) اناج دے دینا۔'' پس یہ آیت میرے بارے میں اتری ہے اور حکم کے اعتبار سے ہر ایک ایسے معذور شخص کو شامل ہے۔ ❶ ایک اور روایت میں ہے کہ ہنڈیا تلے آگ سلگا رہا تھا جو حضور ﷺ نے میری یہ حالت دیکھ کر مجھے یہ مسئلہ بتایا۔ ❷ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ حدیبیہ کا ہے اور میرے، سر پر بڑے بڑے بال تھے جن میں بکثرت جوئیں ہو گئی تھیں۔ ❸ ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ پھر میں نے سر منڈوا دیا اور ایک بکری ذبح کر دی۔ ایک اور حدیث میں ہے نُسُکُ یعنی قربانی ایک بکری ہے' اور روزے اگر رکھے تو تین ہیں' اور صدقہ اگر دے تو ایک فرق (پیمانہ) چھ مسکینوں کے درمیان تقسیم کر دینا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ محمد بن کعب' علقمہ' ابراہیم' مجاہد' عطاء' سدی اور ربیع بن انس رحمہم اللہ کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ ابن ابی حاتم میں حدیث ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کو تینوں مسئلے بتا کر فرما دیا تھا کہ اس میں سے جس پر تم چاہو عمل کر لو کافی ہے۔ ❹ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جہاں دو تین طریقے لفظ ''او'' کے ساتھ بیان ہوئے ہوں وہاں اختیار ہوتا ہے جسے چاہے کر لے۔ حضرت مجاہد' عکرمہ' عطاء' طاؤس' حسن' حمید' اعرج' ابراہیم نخعی اور ضحاک رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ائمہ اربعہ اور اکثر علما کا بھی یہی مذہب ہے کہ اگر چاہے روزے رکھ لے' اگر چاہے صدقہ کر دے اگر چاہے قربانی کر لے۔ روزے تین ہیں' صدقہ ایک فرق یعنی تین صاع (یعنی آٹھ سیر سے آدھی چھٹانک کم) ہے چھ مسکینوں پر تقسیم کرے اور قربانی ایک بکری کی ہے۔ ان تینوں صورتوں میں سے جو چاہے کر لے۔ پروردگار رحمٰن ورحیم کو چونکہ یہاں رخصت دینا تھی اس لئے سب سے پہلے روزے بیان فرمائے جو سب سے آسان صورت ہے پھر صدقہ کا ذکر کیا' پھر قربانی کا اور حضور ﷺ کو چونکہ افضلیت پر عمل کرانا تھا اس لئے پہلے بکری کی قربانی کا ذکر کیا' پھر چھ مسکینوں کو کھلانے کا' پھر تین روزے رکھنے کا۔ سبحان اللہ دونوں مقام کے اعتبار سے دونوں ترکیبیں کس قدر درست اور برمحل ہیں' فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے اس آیت کا مطلب پوچھا جاتا ہے تو فرماتے ہیں کہ غلہ کا حکم لگایا جائے گا' اگر اس کے پاس ہے تو ایک بکری خرید لے ورنہ بکری کی قیمت درہموں سے لگائی جائے اور اس کا غلہ خریدا جائے اور صدقہ کر دیا جائے' ورنہ ہر آدھے صاع کے بدلے ایک روزہ رکھے۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب محرم کے سر میں تکلیف ہو تو بال منڈوا دے اور ان تین میں سے ایک فدیہ ادا کر دے۔ روزے دس ہیں۔ صدقہ دس مسکینوں پر تقسیم کرنا پڑے گا ہر ہر مسکین کو ایک مکوک کھجور اور ایک مکوک گیہوں اور قربانی میں بکری۔ حسن اور عکرمہ رحمہما اللہ بھی دس مسکینوں کا کھانا بتاتے ہیں لیکن یہ اقوال ٹھیک نہیں' اس لئے کہ مرفوع حدیث میں آ چکا ہے کہ روزے تین ہیں اور کھانا چھ مسکینوں کا ہے اور ان تینوں صورتوں میں اختیار ہے کہ بکری کی قربانی کرے خواہ تین روزے رکھ لے خواہ چھ فقیروں کو کھانا کھلا دے۔ ہاں یہ ترتیب احرام کی حالت میں شکار کرنے والے پر ہے' جیسے کہ قرآن کریم کے الفاظ ہیں اور فقہا کا اجماع ہے لیکن یہاں ترتیب ضروری نہیں' اختیار ہے۔ طاؤس فرماتے ہیں یہ قربانی اور یہ صدقہ مکہ ہی میں کرے ہاں روزے جہاں

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة البقرة، باب قوله تعالىٰ ﴿فمن كان منكم مريضًا......﴾ ٤٥١٧؛ صحيح مسلم، ١٢٠١؛ ترمذی، ٢٩٧٣۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب المرضی، باب ما رخص للمريض......، ٥٦٦٥؛ صحيح مسلم، ١٢٠١۔

❸ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة حديبية، ٤١٩١۔

❹ ابوداود، كتاب المناسك، باب في الفدية، ١٨٦١؛ نسائی، ٢٨٥٤ وهو صحيح۔

چاہے رکھ لے۔ ایک اور روایت میں ہے ابواسماء جو ابن جعفر کے مولیٰ ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ حج کو نکلے۔ آپ کے ساتھ حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ میں ابن جعفر کے ساتھ تھا۔ ہم نے دیکھا کہ ایک شخص سویا ہوا ہے اور اس کی اونٹنی اس کے سرہانے بندھی ہوئی ہے۔ میں نے اسے جگایا دیکھا تو وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ تھے۔ ابن جعفر انہیں دیکھ کر چلے یہاں تک کہ ہم سقیا میں پہنچے وہاں بیس دن تک ہم ان کی تیمارداری میں رہے۔ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا حال ہے؟ جناب حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے سر کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے حکم دیا کہ سر منڈوا لو پھر اونٹ منگوا کر ذبح کر دیا۔ تو اگر اس اونٹ کا قربان کرنا احرام سے حلال ہونے کے لئے تھا تو خیر اور اگر یہ فدیہ کے لئے تھا تو ظاہر ہے کہ مکہ کے باہر یہ قربانی ہوئی۔

حج تمتع کے احکام: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ حج تمتع کرنے والا شخص بھی قربانی کرے' خواہ حج و عمرے کا ایک ساتھ احرام باندھا ہو یا پہلے عمرہ کا احرام باندھا ہو اور اس سے فارغ ہو کر حج کا احرام باندھ لیا ہو۔ اصل تمتع یہی ہے اور فقہا کے کلام میں مشہور بھی یہی ہے اور عام تمتع ان دونوں قسموں کو شامل ہے جیسے کہ اس پر صحیح احادیث دلالت کرتی ہیں۔ بعض راوی تو کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حج تمتع کیا تھا۔ بعض کہتے ہیں آپ قارن تھے اور یہ بات تمام راوی کہتے ہیں کہ قربانی کے جانور آپ کے ساتھ تھے۔ پس اس آیت میں یہ حکم ہے کہ تمتع کرنے والا جس قربانی پر قادر ہو وہ کر ڈالے جس کا ادنیٰ درجہ ایک بکری کو قربان کرنا ہے گو گائے کی قربانی بھی کر سکتا ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی تھی جو سب تمتع والی تھیں۔ ❶ اس سے ثابت ہوا کہ تمتع بھی مشروع ہے۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمتع کی آیت بھی قرآن میں نازل ہو چکی ہے اور ہم نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمتع کیا پھر نہ تو قرآن میں اس کی ممانعت نازل ہوئی نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روکا' لیکن لوگوں نے اپنی رائے سے اسے ممنوع قرار دیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد غالباً حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ❷ حضرت امام المحدثین کی یہ بات بالکل صحیح ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ لوگوں کو اس سے روکتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر ہم کتاب اللہ کو لیں تو اس میں بھی حج و عمرہ کے پورا کرنے کا حکم موجود ہے ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ ❸ لیکن یاد رہے کہ یہ ممانعت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بطور حرام کہنے کے نہ تھی بلکہ اس لئے تھی کہ لوگ بکثرت بیت اللہ کا قصد حج و عمرہ کے ارادے سے کریں جیسے کہ آپ رضی اللہ عنہ سے صراحتاً مروی ہے۔

پھر فرماتا ہے جو شخص قربانی نہ پائے' وہ تین روزے حج میں رکھ لے اور سات روزے اس وقت رکھ لے جب حج سے لوٹے' یہ پورے دس روزے ہو جائیں گے۔ یعنی قربانی کی طاقت جسے نہ ہو' وہ روزے رکھ لے تین تو ایام حج میں اور باقی سات بعد میں' علما کا فرمان ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ یہ روزے عرفے سے پہلے پہلے ذی الحج کے دنوں میں رکھ لے۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ کا قول یہی ہے' یا احرام باندھتے ہی رکھ لے حضرت ابن عباس وغیرہ کا قول یہی ہے کہ کیونکہ فی الحج کا لفظ ہے۔ حضرت طاؤس' مجاہد رحمہم اللہ وغیرہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اول شوال میں بھی یہ روزے جائز ہیں۔ حضرت شعبی رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ان روزوں کو اگر عرفہ کے دن کا روزہ شامل کر کے ختم کرے تو بھی اختیار ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ اگر عرفہ سے پہلے دو دنوں میں دو روزے رکھ

❶ ابوداود، كتاب المناسك، باب في هدى البقر، ١٧٥١؛ ابن ماجة، ٣١٣٣ وسنده ضعيف۔
❷ صحيح بخارى، كتاب التفسير، سورة البقرة، باب ﴿فمن تمتع بالعمرة الى الحج﴾ ٤٥١٨؛ صحيح مسلم، ١٢٢٦۔
❸ ٢/ البقرة: ١٩٥۔

لے اور تیسرا عرفہ کے دن ہو تو بھی جائز ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی فرماتے ہیں ایک روزہ یوم الترویہ سے پہلے ایک یوم الترویہ کا ایک عرفہ کا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان بھی یہی ہے۔ ❶ اگر کسی شخص سے یہ تینوں روزے یا ایک دو چھوٹ گئے ہوں اور ایام تشریق یعنی بقرہ عید کے بعد کے تین دن آ جائیں تو حضرت عائشہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا فرمان ہے کہ وہ ان دنوں میں بھی یہ روزے رکھ سکتا ہے (بخاری)۔ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کا بھی پہلا قول یہی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عکرمہ، حسن بصری اور عروہ بن زبیر رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ❷ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ فی الحج عام ہے اور ان دنوں کو بھی شامل ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کا پہلا قول بھی یہی ہے کہ ان دنوں میں یہ روزے ناجائز ہیں کیونکہ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں ❸ پھر سات روزے لوٹتے وقت، اس سے مراد تو یہ ہے کہ جب لوٹ کر اپنی قیام گاہ پر پہنچ جاؤ، پس لوٹتے وقت راستہ میں بھی یہ سات روزے رکھ سکتا ہے۔ مجاہد اور عطاء رحمہما اللہ یہی کہتے ہیں۔ یا مراد وطن میں پہنچ جانا ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی یہی فرماتے ہیں۔ اور بھی بہت سے تابعین کا یہی مذہب ہے بلکہ ابن جریر رحمہ اللہ علیہ تو اس پر اجماع بتاتے ہیں۔

صحیح بخاری کی ایک مطول حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں عمرہ کا حج کے ساتھ تمتع کیا اور قربانی دی۔ ذوالحلیفہ سے آپ نے قربانی ساتھ لے لی تھی۔ عمرہ کی پھر حج کی تہلیل کی۔ لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ تمتع کیا، بعض لوگوں نے تو قربانی ساتھ ہی رکھ لی تھی، بعض کے ساتھ قربانی کے جانور نہ تھے۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر آپ نے فرمایا کہ ''جس کے ساتھ قربانی ہے وہ حج ختم ہونے تک احرام میں رہے اور جس کے ساتھ قربانی نہیں وہ بیت اللہ کا طواف کر کے صفا و مروہ کی سعی کر کے احرام کھول ڈالے، سر کے بال منڈوالے یا کتروالے، پھر حج کا احرام باندھے۔ اگر قربانی کی طاقت نہ ہو تو تین روزے تو حج میں رکھ لے اور سات روزے جب اپنے وطن پہنچے تب رکھ لے'' الخ (بخاری ومسلم)۔ ❹ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سات روزے وطن میں جانے کے بعد ہیں۔

پھر فرمایا ''یہ پورے دس ہیں۔'' یہ فرمان تاکید کیلئے ہے جیسے عربوں میں کہا جاتا ہے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کانوں سے سنا، ہاتھ سے لکھا۔ اور قرآن میں بھی ہے ﴿وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ﴾ ❺ نہ کوئی پرند جو اپنے دونوں پروں سے اڑتا ہو۔ اور جگہ ہے ﴿وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ﴾ ❻ تو اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتا نہیں۔ اور جگہ ہے ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تیس راتوں کا وعدہ دیا اور مزید دس کے ساتھ پورا کیا اور اس کے رب کا وقت مقررہ چالیس راتوں کو پورا ہوا۔ پس جیسے ان سب جگہوں میں صرف تاکید ہے، ایسے ہی یہ جملہ بھی تاکید کے لئے ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حکم ہے تمام وکمال کرنے کا۔ كَامِلَةٌ کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ قربانی کے بدلے کافی ہیں۔

حج تمتع کن کیلئے ہے: اس کے بعد فرماتا ہے یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جن کے گھر والے مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں۔ اس پر تو اجماع ہے کہ حرم والے تمتع نہیں کر سکتے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما یہی فرماتے ہیں بلکہ آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اے مکہ =

---

❶ الطبری، ٤/ ٩٤ تا ٩٧۔ ❷ أیضا، ٤/ ٩٨، ٩٩۔

❸ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب تحریم صوم أیام التشریق...... ، ١١٤١؛ ابوداود، ٢٨١٣۔

❹ صحیح بخاری، کتاب الحج، باب من ساق البدن معه، ١٦٩١؛ صحیح مسلم، ١٢٢٧۔

❺ ٦/ الانعام: ٣٨۔ ❻ ٢٩/ العنکبوت: ٤٨۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

ترجمہ: حج کے مہینے مقرر ہیں۔ جو شخص ان میں حج مقرر کرے وہ اپنی بیوی سے میل ملاپ کرنے گناہ کرنے اور لڑائی جھگڑے کرنے سے بچتا رہے۔ تم جو نیکی کرو گے اس سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے اور اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو۔ سب سے بہتر توشہ اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے اور اے عقلمندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو۔[۱۹۷]

= والو تم تمتع نہیں کر سکتے تمتع باہر والوں کے لئے ہے تم کو ذرا سی دور جانا پڑتا ہے تھوڑا سا فاصلہ طے کیا پھر عمرہ کا احرام باندھ لیا' طاؤس کی تفسیر بھی یہی ہے۔ ❶ لیکن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میقات یعنی جو لوگ احرام باندھنے کے مقامات سے نزدیک ہوں وہ بھی اسی حکم میں ہیں کہ ان کے لئے بھی تمتع کرنا جائز نہیں۔ مکحول رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ تو عرفات' مزدلفہ' عرفہ اور رجیع کے رہنے والوں کیلئے بھی یہی حکم ہے۔

زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مکہ سے ایک دن کی راہ کے فاصلہ پر ہو یا اس کے قریب وہ تو تمتع کر سکتا ہے اور لوگ نہیں کر سکتے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ دو دن بھی فرماتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اہل حرم اور جو اتنے فاصلے پر ہوں کہ وہاں کی لوگوں کے لئے نماز قصر کرنا جائز نہ ہو' ان سب کے لئے یہی حکم ہے۔ اس لئے کہ سب حاضر کہے جائیں گے۔ ان کے علاوہ تمام مسافر' ان سب کے لئے حج میں تمتع کرنا جائز ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو جو اس کے احکام ہیں بجالاؤ جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے رک جاؤ اور یقین رکھو کہ اپنے نافرمانوں کو وہ سخت سزا کرتا ہے۔

حج کا احرام اور سفر خرچ کی تلقین: [آیت:۱۹۷] عربی دان حضرات کہتے ہیں کہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے۔ کہ حج' حج ہے ان مہینوں کا جو معلوم اور مقرر ہیں۔ پس حج کے مہینوں میں احرام باندھنا' دوسرے مہینوں کے احرام سے زیادہ کامل ہے گو اور ماہ کا احرام بھی صحیح ہے۔ امام مالک' امام ابوحنیفہ' امام احمد' اسحق' ابراہیم نخعی' ثوری' لیث رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ سال بھر میں جس مہینہ میں چاہے حج کا احرام باندھ سکتا ہے۔ ان بزرگوں کی دلیل ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ﴾ ❷ الخ ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حج اور عمرہ دونوں کو ''نسک'' کہا گیا ہے اور عمرہ کا احرام ہر مہینے میں باندھ سکتا ہے تو حج کا احرام بھی جب باندھے گا صحیح ہوگا۔

جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حج کا احرام حج کے مہینوں میں ہی باندھنا صحیح ہوگا۔ بلکہ اگر دوسرے مہینہ میں حج کا احرام باندھا تو غیر صحیح ہے۔ لیکن اس سے عمرہ بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں۔ حضرت ابن عباس' حضرت جابر رضی اللہ عنہما' عطاء اور مجاہد رحمہما اللہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ حج کا احرام حج کے مہینوں کے سوا باندھنا غیر صحیح ہے اور اس پر دلیل ﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ﴾ ہے۔ ❸ جبکہ عربی دان حضرات کی ایک جماعت کہتی ہے کہ آیت کے ان الفاظ سے مطلب یہ ہے کہ حج کا وقت خاص مقرر کردہ مہینے ہیں تو ثابت ہوا کہ ان مہینوں سے پہلے جو احرام حج کا باندھے گا وہ صحیح نہ ہوگا' جس طرح نماز کے وقت سے پہلے کوئی نماز پڑھ لے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں مسلم بن خالد نے خبر دی' انہوں نے ابن جریج سے سنا' انہیں عمر بن عطاء

❶ الطبری، ٤/ ١١١۔ ❷ ۲/ البقرۃ:۱۸۹۔ ❸ الطبری، ٤/ ١١٥۔

نے کہا' ان سے عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ کسی شخص کو لائق نہیں کہ حج کے مہینوں کے سوا بھی حج کا احرام باندھے کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ﴾ اس روایت کی اور بھی بہت سی سندیں ہیں۔ایک سند میں ہے کہ سنت یہی ہے۔صحیح ابن خزیمہ میں بھی یہ روایت منقول ہے۔اصول کی کتابوں میں یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ صحابی کا یہ فرمان کہ سنت یوں ہے' حکم میں مرفوع حدیث کے ہوتا ہے۔

پس یہ حکم رسول ہو گیا اور صحابی بھی یہاں وہ صحابی ہیں جو مفسر قرآن اور ترجمان القرآن ہیں۔علاوہ ازیں ابن مردویہ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''حج کا احرام باندھنا کسی کو سوائے حج کے مہینوں کے لائق نہیں۔'' اس کی اسناد بھی اچھی ہیں لیکن شافعی اور بیہقی رحمہم اللہ نے روایت کی ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا حج کے مہینوں سے پہلے حج کا احرام باندھ لیا جائے تو آپ نے فرمایا نہیں۔ ❶ یہ موقوف حدیث ہی زیادہ ثابت اور زیادہ صحیح ہے اور صحابی کے اس فتوے کی تقویت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ سنت یوں ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ ﴿اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ﴾ سے مراد' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں شوال' ذوالقعدہ اور دس دن ذی الحجہ کے ہیں۔(بخاری)۔ ❷ یہ روایت ابن جریر اور مستدرک حاکم میں بھی ہے اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اسے صحیح بتلاتے ہیں۔ ❸ حضرت عمر' حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت عبداللہ بن زبیر' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔حضرت عطاء' حضرت مجاہد' حضرت ابراہیم نخعی' حضرت شعبی' حضرت حسن' حضرت ابن سیرین' حضرت مکحول' حضرت قتادہ' حضرت ضحاک بن مزاحم' حضرت ربیع بن انس' حضرت مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہم بھی یہی کہتے ہیں ❹ اور امام شافعی' امام ابوحنیفہ' امام احمد بن حنبل' ابو یوسف اور ابوثور رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی مذہب ہے۔امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ بھی اس قول کو پسند فرماتے ہیں۔

اَشْهُرٌ کا لفظ جمع ہے تو اس کا اطلاق دو پورے مہینوں اور تیسرے کے بعض حصے پر بھی ہو سکتا ہے جیسے عربی میں کہا جاتا ہے میں نے اس سال یا آج کے دن اسے دیکھا ہے۔پس حقیقت میں سارا سال اور پورا دن تو دیکھتا نہیں رہتا بلکہ دیکھنے کا وقت تھوڑا سا ہی ہوتا ہے مگر تغلیباً ایسا بول دیا کرتے ہیں۔اسی طرح یہاں بھی تغلیباً تیسرے مہینے کا ذکر ہے۔قرآن میں بھی ہے ﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ﴾ ❺ حالانکہ وہ جلدی ڈیڑھ دن کی ہوتی ہے مگر گنتی میں دو دن کہے گئے۔امام مالک' امام شافعی رحمہم اللہ کا پہلا قول یہ بھی ہے کہ شوال' ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کا پورا مہینہ ہے۔ابن عمر رضی اللہ عنہما' ابن شہاب' عطاء رحمہم اللہ' جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ' طاؤس' مجاہد' عروہ' ربیع اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہم سے بھی یہی مروی ہے۔ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ آیا ہے لیکن وہ موضوع ہے کیوں کہ اس کا راوی حصین بن مخارق ہے جس پر احادیث کو وضع کرنے کی تہمت ہے بلکہ اس کا مرفوع ہونا ثابت نہیں' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو مان لینے کے بعد یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذوالحجہ کے مہینہ میں عمرہ کرنا صحیح نہ ہوگا یہ مطلب نہیں کہ دس ذی الحجہ کے بعد بھی حج ہو سکتا ہے۔چنانچہ حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ درست نہیں۔امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ بھی ان اقوال کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں کہ حج کا زمانہ تو منیٰ کے دن گزرتے ہی جاتا رہا۔محمد بن سیرین کا بیان ہے کہ میرے علم میں

❶ كتاب الأم، ۲/ ۱۳۲؛ بيهقى، ٤/ ۳٤٣ وسنده ضعيف، ابن جريج عنعن۔ ❷ صحيح بخارى، كتاب الحج، باب قوله تعالىٰ: ﴿الحج اشهر معلومات﴾ تعليقًا قبل حديث، ۱٥٦۰ وصحيح ابن خزيمه، ۲٥٩٦۔
❸ حاكم، ۲/ ۲۷٦ وسنده صحيح۔ ❹ ابن ابى حاتم، ۲/ ٤٨٦ تا ٤٨٨۔ ❺ ۲/ البقرة: ۲۰۳۔

تو کوئی اہل علم ایسا نہیں جو حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کرنے کو ان مہینوں کے اندر عمرہ کرنے سے افضل ماننے میں شک کرتا ہو۔ قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ابن عون نے حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ اسے لوگ پورا عمرہ نہیں جانتے۔ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما بھی حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کرنا پسند فرماتے تھے بلکہ ان مہینوں میں عمرہ کرنے کو منع کرتے تھے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ (اس سے پہلی آیت کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالقعدہ میں چار عمرے ادا فرمائے ہیں اور ذوالقعدہ بھی حج کا مہینہ ہے۔ پس حج کے مہینوں میں عمرہ ادا فرماتے ہیں اور ذوالقعدہ بھی حج کا مہینہ ہے پس حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز ٹھہرا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ مترجم) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص ان مہینوں میں حج مقرر کر لے یعنی حج کا احرام باندھ لے تو اسے پورا کرنا لازم ہے۔

فرض سے مراد یہاں واجب و لازم کر لینا ہے۔ ❶ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حج اور عمرہ کا احرام باندھنے والا مراد ہے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فرض سے مراد احرام ہے۔ ابراہیم اور ضحاک رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ ❷ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں احرام باندھ لینے اور لبیک پکارنے کے بعد کہیں ٹھہر رہنا ٹھیک نہیں۔ اور بزرگوں کا بھی یہی قول ہے۔ بعض بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ فرض سے مراد لبیک پکارنا ہے۔

حالت احرام میں جماع کرنے کی ممانعت: رفث سے مراد جماع ہے جیسے اور جگہ قرآن میں ہے ﴿اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ﴾ ❸ یعنی روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے جماع کرنا تمہارے لئے حلال کیا گیا ہے۔ احرام کی حالت میں جماع اور اس کے تمام کام بھی حرام ہیں، جیسے مباشرت کرنا بوسہ لینا' ان باتوں کا عورتوں کی موجودگی میں ذکر کرنا گو کہ بعض نے مردوں کے مجمعوں میں بھی ایسی باتیں کرنے کو رفث میں داخل کیا ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف مروی ہے۔ انہوں نے ایک مرتبہ کوئی ایسا ہی شعر پڑھا اور دریافت کرنے پر فرمایا کہ عورتوں کے سامنے اس قسم کی باتیں کرنی رفث ہے۔ رفث کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ جماع وغیرہ کا ذکر کیا جائے۔ فحش باتیں کرنا' دبی زبان سے ایسے ذکر کرنا' اشاروں کنایوں میں جماع کا ذکر کرنا' اپنی بیوی سے کہنا کہ احرام کھل جائے تو جماع کریں گے' چھیڑ چھاڑ' مساس کرنا وغیرہ یہ سب رفث میں داخل ہیں اور احرام کی حالت میں یہ سب باتیں حرام ہیں۔

مختلف مفسروں کے مختلف اقوال کا مجموعہ یہ ہے کہ فسوق کے معنی عصیان و نافرمانی' شکار' گالی گلوچ وغیرہ بدزبانی ہے' جیسے حدیث میں ہے مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کا قتل کرنا کفر ہے۔ ❹ اللہ کے سوا دوسروں کے تقرب کے لئے جانوروں کو ذبح کرنا بھی فسق ہے جیسے قرآن کریم میں ہے ﴿اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ ❺ بدالقاب سے یاد کرنا بھی فسق ہے۔ قرآن فرماتا ہے ﴿لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ﴾ ❻ مختصر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی فسق میں داخل ہے گو یہ فسق ہر وقت حرام ہے لیکن حرمت والے مہینوں میں اس کی حرمت اور بڑھ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾ ❼ ان حرمت والے مہینوں میں اپنی جان پر ظلم نہ کرو۔ اسی طرح حرم میں بھی اس کی حرمت بڑھ جاتی ہے۔ ارشاد ہے ﴿وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ ❽ یعنی ''حرم میں جو الحاد اور بے دینی کا ارادہ کرے اسے ہم المناک عذاب چکھائیں گے۔'' امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہاں مراد فسق سے وہ کام ہیں جو احرام کی حالت میں منع ہیں جیسے شکار کھیلنا' بال منڈوانا یا کتروانا' ناخن لینا وغیرہ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی

---

❶ الطبری، ٤/ ١٢١۔ ❷ أیضا، ٤/ ١٢٣۔ ❸ ٢/ البقرة:١٨٧۔

❹ صحیح بخاری، کتاب الإیمان، باب خوف المؤمن من أن یحبط عمله……٤٨؛ صحیح مسلم، ٦٤۔

❺ ٦/ الانعام:١٤٥۔ ❻ ٤٩/ الحجرات:١١۔ ❼ ٩/ التوبة:٣٦۔ ❽ ٢٢/ الحج:٢٥۔

ہے لیکن بہترین تفسیر وہی ہے جو ہم نے بیان کی یعنی ہر گناہ سے روکا گیا ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ ❶

بخاری و مسلم میں ہے جو شخص بیت اللہ کا حج کرے' نہ رفث کرے' نہ فسق' وہ گناہوں سے ایسا نکل جاتا ہے جیسے اپنے پیدا ہونے کے دن تھا۔ ❷ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ حج میں جھگڑا نہیں یعنی حج کے وقت اور حج کے ارکان میں جھگڑا نہ کرو۔ اس کا پورا بیان اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے۔ حج کے مہینے مقرر ہو چکے ہیں ان میں کمی زیادتی نہ کرو۔ موسم حج کو آگے پیچھے نہ کرو جیسا کہ مشرکین کا وطیرہ تھا جس کی مذمت قرآن کریم میں اور جگہ فرما دی گئی ہے۔ اسی طرح قریش مشعر حرام کے پاس مزدلفہ میں ٹھہر جاتے تھے اور باقی عرب عرفات میں ٹھہرتے تھے' پھر آپس میں جھگڑتے تھے اور ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ ہم صحیح راہ پر اور طریق ابراہیمی پر ہیں جس سے یہاں ممانعت کی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے ہاتھوں وقت حج' ارکان حج اور ٹھہرنے وغیرہ کی جگہیں بیان کر دی ہیں' اب نہ کوئی ایک دوسرے پر فخر کرے' نہ حج کے دن آگے پیچھے کرے' بس یہ جھگڑے اب ختم کر دو' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ حج کے سفر میں آپس میں نہ جھگڑو' نہ ایک دوسرے کو غصہ دلاؤ' نہ کسی کو گالیاں دو۔ بہت سے مفسرین کا یہ قول بھی ہے اور بہت سے مفسرین کا پہلا قول بھی ہے۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی کا اپنے غلام کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا یہ اس میں داخل نہیں' ہاں مارے نہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ غلام کو اگر مار بھی لے تو کوئی ڈر خوف نہیں۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر حج میں تھے اور عرج میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اپنے والد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور آنحضرت ﷺ کے اونٹوں کا سامان حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خادم کے پاس تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کا انتظار کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں وہ آ گیا۔ اس سے پوچھا کہ اونٹ کہاں ہے؟ اس نے کہا حضرت کل رات گم ہو گیا۔ آپ ناراض ہوئے اور فرمانے لگے ایک اونٹ کو بھی تو سنبھال نہ سکا۔ یہ کہہ کر آپ نے اسے مارا۔ نبی ﷺ مسکرا رہے تھے اور فرماتے جا رہے تھے ''دیکھو احرام کی حالت میں یہ کیا کر رہے ہیں؟'' یہ حدیث ابو داؤد اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ ❸ بعض سلف سے یہ بھی مروی ہے کہ حج کے تمام ہونے میں یہ بھی ہے لیکن یہ خیال رہے کہ آنحضرت ﷺ کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس کام پر یہ فرمانا اس میں نہایت لطافت کے ساتھ ایک قسم کا انکار ہے۔ پس مسئلہ یہ ہوا کہ اسے چھوڑ دینا ہی اولیٰ ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

مسند عبد بن حمید میں ہے کہ جو شخص اپنا حج پورا کرے اور مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے ایذا نہ پائیں اس کے تمام اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ❹ پھر فرمایا تم جو بھلائی کرو اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ چونکہ اوپر ہر برائی سے روکا تھا کہ نہ کوئی برا کام کرو نہ بری بات کہو تو یہاں نیکی کی رغبت دلائی جا رہی ہے کہ ہر نیکی کا پورا پورا بدلہ قیامت کے دن پاؤ گے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ توشہ اور سفر خرچ لے لیا کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں لوگ بلا خرچ سفر حج کو نکل کھڑے ہوتے تھے پھر لوگوں سے مانگتے پھرتے جس پر یہ حکم ہوا۔ ❺ حضرت عکرمہ' حضرت ابن عیینہ رحمہما اللہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ بخاری نسائی =

---

❶ ''رفث'' کے متعلق مفسرین کے اقوال کے لیے دیکھیں طبری، ٤/ ١٢٦ تا ١٢٨۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الحج، باب فضل الحج المبرور ١٥٢١؛ صحیح مسلم، ١٣٥٠۔

❸ أحمد، ٦/ ٣٤٤؛ ابوداود، كتاب المناسك، باب المحرم يؤدب غلامه، ١٨١٨؛ ابن ماجة، ٢٩٣٣۔ وسنده ضعيف، ابن اسحاق عنعن۔ ❹ مسند عبد بن حميد: ١١٥٠ وسنده ضعيف، موسیٰ بن عبیدہ ضعیف راوی ہے۔

❺ صحيح بخاری، كتاب الحج، باب قوله تعالىٰ ﴿وتزودوا فإن خير الزاد التقوى﴾، ١٥٢٣۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾

ترجمہ: تم پر اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر الحرام کے پاس ذکر اللہ کرو۔ اس کا ذکر اس طرح کرو جیسے کہ اس نے تمہیں ہدایت دی حالانکہ تم اس سے پہلے راہ بھولے ہوئے تھے۔[۱۹۸]

= وغیرہ میں یہ روایتیں مروی ہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یمنی لوگ ایسا کرتے تھے اور اپنے آپ کو متوکل کہتے تھے۔ ❶ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ جب احرام باندھتے تو جو کچھ توشہ بھنا ہوتا سب پھینک دیتے اور نئے سرے سے نیا سامان کرتے۔ اس پر یہ حکم ہوا کہ ایسا نہ کرو' آٹا ستو وغیرہ توشے میں لے لو۔ ❷ دیگر بہت سے معتبر مفسرین نے بھی اسی طرح کہا ہے بلکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ انسان کی عزت اسی میں ہے کہ وہ عمدہ سامان سفر ساتھ رکھے۔ آپ اپنے ساتھیوں سے دل کھول کر خرچ کرنے کی شرط کر لیا کرتے تھے۔ چونکہ دنیوی توشہ کا حکم دیا تو ساتھ ہی فرماتا ہے کہ آخرت کے توشے کی بھی تیاری کرلو' یعنی اپنی قبر میں اپنے ساتھ خوف الٰہی لے کر جاؤ۔ جیسے اور جگہ لباس کا ذکر کر کے ارشاد فرمایا ﴿وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ ❸ پرہیز گاری کا لباس بہتر ہے یعنی خشوع' خضوع' طاعت وتقویٰ کے باطنی لباس سے بھی خالی نہ رہو بلکہ یہ لباس ظاہری لباس سے کہیں زیادہ بہتر اور نفع دینے والا ہے۔ ایک حدیث میں بھی ہے کہ دنیا میں اگر خرچ کرو گے تو آخرت میں پاؤ گے۔ یہاں کا توشہ وہاں فائدہ دے گا ❹ (طبرانی)۔ اس حکم کو سن کر ایک مسکین صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور سے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تو کچھ ہے ہی نہیں۔ آپ نے فرمایا ''اتنا تو ہونا چاہئے جس سے کسی سے سوال نہ کرنا پڑے اور بہترین خزانہ خوف الٰہی ہے'' (ابن ابی حاتم۔) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ عقلمندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو' یعنی میرے عذابوں سے میری پکڑ دھکڑ سے' میری گرفت سے میری سزاؤں سے ڈرو' دب کر میرے احکام کی تعمیل کرو' میرے ارشاد کا خلاف نہ کرو تا کہ نجات پاسکو' یہی عقلی امتیاز ہے۔

کیا حج کرنے والا تجارت بھی کر سکتا ہے؟ [آیت:۱۹۸] صحیح بخاری میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عکاظ' مجنہ اور ذوالمجاز نام کے بازار تھے۔ اسلام کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حج کے دنوں میں تجارت کو گناہ سمجھ کر ڈرے' جس پر انہیں اجازت دی گئی کہ ایام حج میں تجارت کوئی گناہ کا کام نہیں۔ ❺ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ مسئلہ آں حضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ حج کے دنوں میں احرام سے پہلے یا احرام کے بعد حاجی کو خرید و فروخت حلال ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قراءت میں مِنْ رَّبِّكُمْ کے بعد فِيْ مَوَاسِمَ الْحَجِّ کا لفظ بھی آیا ہے۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے

❶ صحیح بخاری، کتاب الحج، باب قول اللہ تعالیٰ ﴿وتزودوا فان خير الزاد......﴾ ۱۵۲۳؛ ابوداود، ۱۷۳۰۔

❷ الطبری، ۴/ ۱۵۶۔ ❸ ۷/ الاعراف:۲۶۔

❹ الطبرانی فی الکبیر، ۲۲۷۱ وسندہ ضعیف مروان بن معاویہ اور اسماعیل بن ابی خالد دونوں مدلس ہیں۔

❺ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ البقرۃ، باب ﴿ليس عليكم جناح أن تبتغوا......﴾ ۴۵۱۹۔

بھی یہ مروی ہے اور بعض دوسرے مفسرین نے بھی اس کی تفسیر اسی طرح کی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا جاتا ہے کہ ایک شخص حج کو نکلتا ہے اور ساتھ ہی تجارت بھی کرتا جاتا ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے تو آپ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی (ابن جریر)۔ ❶ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ ابوامامہ تیمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ ہم حج میں جانور کرایہ پر دیتے ہیں کیا ہمارا بھی حج ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تم بیت اللہ کا طواف نہیں کرتے؟ کیا تم عرفات میں نہیں ٹھہرتے؟ کیا تم شیطان کو کنکریاں نہیں مارتے؟ کیا تم سر نہیں منڈواتے؟ اس نے کہا یہ سب کام تو ہم کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا سنو! ایک شخص نے یہی سوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا اور اس کے جواب میں حضرت جبرائیل علیہ السلام آیت ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ﴾ الخ لے کر اترے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بلا کر فرمایا کہ تم حاجی ہو تمہارا حج ہو گیا۔ ❷ مسند عبدالرزاق اور تفسیر عبد بن حمید وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے۔ بعض روایتوں میں الفاظ کی کچھ کمی زیادتی بھی ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ کیا تم احرام نہیں باندھتے؟ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سوال ہوتا ہے کہ کیا آپ حضرات حج کے دنوں میں تجارت بھی کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا اور تجارت کا موسم ہی کونسا تھا۔ ❸

میدان عرفات اور مزدلفہ میں دخول: عرفات کو منصرف پڑھا گیا ہے حالانکہ غیر منصرف ہونے کے دو سبب اس میں موجود ہیں یعنی اسم علم اور تانیث اس لئے کہ دراصل یہ جمع ہے جیسے مسلمات اور مؤمنات' ایک خاص جگہ کا نام مقرر کر دیا گیا ہے اس لئے اصلیت کی رعایت کی گئی اور منصرف پڑھا گیا۔ ❹ عرفہ وہ جگہ ہے جہاں کا ٹھہرنا حج کا بہترین کام ہے۔ مسند احمد وغیرہ میں حدیث ہے کہ حج عرفات ہے' تین مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا ''جو سورج نکلنے سے پہلے عرفات میں پہنچ گیا اس نے حج کو پالیا۔'' منیٰ کے تین دنوں میں جلدی یا دیر کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں' ❺ ٹھہرنے کا وقت عرفہ کے دن سورج ڈھلنے کے بعد سے لے کر عید کی صبح صادق کے طلوع ہونے تک ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں ظہر کی نماز کے بعد سے سورج غروب ہونے تک یہاں ٹھہرے رہے تھے اور فرمایا تھا ''مجھ سے حج کے طریقے سیکھ لو۔'' ❻ امام مالک' امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مذہب ہے کہ دس تاریخ کی صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے جو شخص عرفات میں پہنچ گیا اس نے حج پالیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ٹھہرنے کا وقت عرفہ کے دن کے شروع سے ہے۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مزدلفہ میں نماز کے لئے نکلے تو ایک شخص حاضر خدمت ہوا اور اس نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! میں طی کی پہاڑیوں سے آ رہا ہوں' اپنی سواری کو میں نے تھکا دیا اور اپنے نفس پر بڑی مشقت اٹھائی۔ واللہ ہر ہر پہاڑ پر ٹھہرتا ٹھہرتا آیا ہوں کیا میرا حج ہو گیا؟ آپ نے فرمایا ''جو شخص ہمارے یہاں کی اس نماز میں پہنچ جائے اور ہمارے ساتھ چلتے وقت تک ٹھہرا رہے اور اس سے پہلے وہ عرفات میں ٹھہر چکا ہو خواہ رات کو خواہ دن کو' پس اس کا حج پورا ہو گیا اور وہ فریضہ سے فارغ ہو گیا'' (مسند احمد وسنن)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے صحیح کہتے ہیں۔ ❼

امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا اور

---

❶ الطبری، ٤/ ١٦٥۔ ❷ احمد، ٢/ ١٥٥؛ ابوداود، كتاب المناسك، باب الكري، ١٧٣٣ وسنده صحيح۔

❸ الطبری، ٤/ ١٦٨۔ ❹ الطبری، ٤/ ١٧١۔

❺ احمد، ٤/ ٣٠٩؛ ابوداود، كتاب المناسك، باب من لم يدرك عرفة، ١٩٤٩ وسنده صحيح، ترمذی، ٨٨٩؛ نسائی، ٣٠٤٧؛ ابن ماجة، ٣٠١٥۔ ❻ صحيح مسلم، كتاب الحج، باب استحباب رمی الجمرة العقبة...... ١٢٩٧۔

❼ احمد، ٤/ ١٥؛ ابوداود، كتاب المناسك، باب من لم يدرك عرفة، ١٩٥٠ وسنده صحيح، ترمذی، ٨٩١؛ نسائی، ٣٠٤٦؛ ابن ماجة، ٣٠١٦۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (الارواء، ١٠٦٦)

انہوں نے آپ کو حج کرایا۔ جب عرفات میں پہنچے تو پوچھا کہ عَرَفْتَ کیا تم نے پہچان لیا۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے جواب دیا عَرَفْتُ میں نے جان لیا' کیونکہ اس سے پہلے یہاں آ چکے تھے۔ اس لئے اس جگہ کا نام ہی عرفہ ہو گیا۔ ❶ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ' حضرت ابن عباس' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابومجلز رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے' ❷ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ عرفات کا نام مشعرالحرام' مشعرالاقصیٰ اور ''الال'' بھی ہے اور اس پہاڑ کو بھی عرفات کہتے ہیں جس کے درمیان جبل الرحمۃ ہے۔ ابوطالب کے ایک مشہور قصیدے میں بھی ایک شعر ان معنوں کا ہے۔ اہل جاہلیت بھی عرفات میں ٹھہرتے تھے اور جب دھوپ پہاڑ کی چوٹیوں پر ایسی باقی رہ جاتی تھی جیسے آدمی کے سر پر عمامہ ہوتا تو وہ وہاں سے چل پڑتے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے اس وقت چلے جب سورج بالکل غروب ہو گیا' پھر مزدلفہ میں پہنچ کر یہاں قیام کیا اور صبح سویرے بالکل اول وقت' رات کے اندھیرے اور صبح کی چاندنی کے ملے جلے وقت میں آپ نے یہیں نماز فجر ادا کی اور جب روشنی واضح ہو گئی تو فجر کی نماز کے گویا آخری وقت میں آپ نے یہاں سے کوچ کیا۔

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عرفات میں خطبہ سنایا اور حسب عادت حمد وثنا کے بعد امابعد کہہ کر فرمایا کہ ''حج اکبر آج ہی کا دن ہے' دیکھو مشرک وبت پرستی والے تو یہاں سے جب دھوپ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس طرح ہوتی تھی جس طرح لوگوں کے سروں پر عمامہ ہوتا ہے تو لوٹ جاتے تھے سورج غروب ہونے سے پیشتر ہی لیکن ہم سورج غروب ہونے کے بعد یہاں سے واپس چلیں گے اور مشعرالحرام سے وہ سورج نکلنے کے بعد چلتے تھے جبکہ اتنی دھوپ چڑھ جاتی تھی کہ وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس طرح نمایاں ہو جائے جس طرح لوگوں کے سروں پر عمامے ہوتے ہیں لیکن ہم وہاں سے سورج نکلنے سے پہلے ہی پہل چل دیں گے ہمارا طریقہ مشرکین کے طریقے کے خلاف ہے'' (ابن مردویہ ومستدرک حاکم)۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے شرط شیخین پر اور بالکل صحیح بتایا ہے۔ اس سے بھی یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت مسور رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ ان لوگوں کا قول ٹھیک نہیں جو کہتے ہیں کہ حضرت مسور رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے لیکن آپ سے کچھ سنا نہیں۔

حضرت معرور بن سوید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عرفات سے لوٹتے ہوئے دیکھا گویا اب تک بھی وہ منظر میرے سامنے ہے۔ آپ کے سر کے اگلے حصے پر بال نہ تھے اپنے اونٹ پر تھے اور فرما رہے تھے ہم نے لوٹنے کو صاف پایا۔ صحیح مسلم کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ ایک طویل حدیث جس میں حجۃ الوداع کا پورا بیان ہے اس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج غروب ہونے تک عرفات میں ٹھہرے۔ جب سورج غروب ہو گیا اور قدرے زردی ظاہر ہو گئی تو آپ نے اپنی سواری پر اپنے پیچھے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو سوار کیا اور اونٹنی کی نکیل کھینچ لی یہاں تک کہ اس کا سر پالان کے قریب پہنچ گیا اور دائیں ہاتھ سے لوگوں کو اشارہ سے فرماتے جاتے تھے کہ لوگو! آہستہ آہستہ' اطمینان' سکون' نرمی اور دل جمعی کے ساتھ چلو۔ جب کوئی پہاڑی آتی تو نکیل قدرے ڈھیلی کر دیا کرتے تا کہ جانور بہ آسانی اوپر چڑھ جائے۔ مزدلفہ میں آ کر آپ نے مغرب اور عشاء کی نماز (اکٹھی) ادا کی' اذان ایک ہی کہلوائی اور دونوں نمازوں کی تکبیریں الگ الگ کہلوائیں۔ مغرب کے فرضوں اور عشاء کے فرضوں کے درمیان سنت نوافل کچھ نہیں پڑھے' پھر لیٹ گئے۔ صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد نماز فجر ادا کی جس میں اذان واقامت ہوئی پھر قصواء نامی اونٹنی پر سوار ہو کر مشعرالحرام میں آئے۔ قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا میں مشغول ہو گئے اور اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ اور اللہ کی توحید بیان کرنے لگے یہاں تک کہ خوب روشنی ہو گئی۔ طلوع آفتاب سے سورج نکلنے سے پہلے ہی آپ یہاں سے روانہ ہو =

❶ مصنف عبدالرزاق، ٥/ ٩٦۔ ❷ ابن ابی حاتم، ٢/ ٥١٩؛ الطبری، ٤/ ١٨٣، ١٨٤۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾

ترجمہ: پھرتم اس جگہ سے لوٹو جس جگہ سے سب لوگ لوٹتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے رہو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔[۱۹۹]

= گئے۔ ❶ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے سوال ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب یہاں سے چلے تو کس چال چلتے تھے؟ فرمایا درمیانہ دھیمی چال سواری چلا رہے تھے۔ ہاں جب راستے میں کشادگی دیکھتے تو ذرا تیز کر لیتے (بخاری و مسلم)۔ ❷

پھر فرمایا عرفات سے لوٹتے ہوئے مشعر الحرام میں اللہ کا ذکر کرو یعنی یہاں دونوں نمازیں جمع کر لیں۔ عمرو بن میمون' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مشعر الحرام کے بارے میں پوچھا تو آپ خاموش رہے۔ جب قافلہ مزدلفہ میں جا کر اترتا ہے تو فرماتے ہیں سائل کہاں ہے؟ یہ ہے مشعر الحرام۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ مزدلفہ کا تمام علاقہ' پہاڑ اور اس کے اطراف واکناف مشعر الحرام ہے ❸ آپ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ قزح پر بھیڑ بھاڑ کر رہے ہیں تو فرمایا یہ لوگ یہاں کیوں بھیڑ بھاڑ کر رہے ہیں؟ یہاں کی یہ سب جگہ مشعر الحرام ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی فرمایا ہے کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان کی کل جگہ مشعر الحرام ہے۔ ❹ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوتا ہے کہ مزدلفہ کہاں ہے؟ آپ فرماتے ہیں جب عرفات سے چلے اور میدان عرفات کے دونوں کنارے چھوڑ دیئے پھر مزدلفہ شروع ہو گیا' وادی محسر تک جہاں چاہو ٹھہرو لیکن میں تو قزح سے ادھر ہی ٹھہرنا پسند کرتا ہوں تاکہ راستے سے یکسوئی ہو جائے۔ مشاعر کہتے ہیں ظاہری نشانوں کو' مزدلفہ کو مشعر الحرام اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حرم میں داخل ہے۔

سلف صالحین کی ایک جماعت کا اور بعض اصحاب شافعی مثلاً قفال اور ابن خزیمہ کا خیال ہے کہ یہاں کا ٹھہرنا حج کا رکن ہے۔ بغیر یہاں ٹھہرے حج صحیح نہیں ہوتا کیونکہ ایک حدیث حضرت عروہ بن مضرس رضی اللہ عنہ سے اس معنے کی مروی ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ ٹھہرنا واجب ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ بھی ہے اگر کوئی یہاں نہ ٹھہرا تو قربانی دینی پڑے گی۔ امام صاحب کا دوسرا قول یہ ہے کہ مستحب ہے اگر نہ بھی ٹھہرا تو کچھ حرج نہیں' پس یہ تین اقوال ہوئے۔ ہم یہاں اس بحث کو زیادہ طول دینا مناسب نہیں سمجھتے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ (قرآن کریم کے ظاہری الفاظ پہلے قول کی زیادہ تائید کرتے ہیں' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ مترجم)۔ ایک مرسل حدیث میں ہے کہ عرفات کا سارا میدان ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ عرفات سے بھی اٹھو اور مزدلفہ کی کل حد بھی ٹھہرنے کی جگہ ہے ہاں وادی محسر نہیں۔ ❺ مسند احمد کی اس حدیث میں اس کے بعد ہے کہ مکہ کی تمام گلیاں قربانی کی جگہ ہیں اور ایام تشریق سب کے سب قربانی کے دن ہیں۔ ❻ لیکن یہ حدیث بھی منقطع ہے اس لئے کہ سلیمان بن موسیٰ اشدق نے جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا لیکن اس کی اور سندیں بھی ہیں' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

پھر ارشاد باری ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جیسے کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے کہ احکام حج وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیئے اور خلیل اللہ علیہ السلام کی اس سنت کو واضح کر دیا حالانکہ اس سے پہلے تم اس سے بے خبر تھے یعنی اس ہدایت سے پہلے اس قرآن سے پہلے' اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے فی الواقع ان تینوں باتوں سے پہلے دنیا گمراہی میں تھی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

❶ صحيح مسلم، كتاب الحج، باب حجة النبى ﷺ، ١٢١٨۔

❷ صحيح بخارى، كتاب الحج، باب السير إذا دفع من عرفة، ١٦٦٦؛ صحيح مسلم، ١٢٨٦۔

❸ الطبرى، ٤/ ١٧٦۔ ❹ ابن ابى حاتم، ٢/ ٥٢١۔

❺ اس کی سند مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

❻ احمد، ٤/ ٨٢، یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

عرفات ہی سے واپس لوٹو: [آیت:۱۹۹] ثُمَّ یہاں پر خبر کا خبر پر عطف ڈالنے کے لئے ہے تاکہ ترتیب ہو جائے گویا کہ عرفات میں ٹھہرنے والے کو حکم ملا کہ وہ یہاں سے مزدلفہ جائے تاکہ مشعر الحرام کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کر سکے اور یہ بھی فرما دیا کہ وہ تمام لوگوں کے ساتھ عرفات میں ٹھہرے جیسے کہ عام لوگ یہاں ٹھہرتے تھے۔ البتہ قریشیوں نے فخر و تکبر اور نشان امتیاز کے طور پر یہ طریقہ اپنا لیا تھا کہ وہ حد حرم سے باہر نہیں جاتے تھے اور حرم کی آخری حد پر ٹھہر جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اللہ والے ہیں اسی کے شہر کے رئیس ہیں اور اس کے گھر کے مجاور ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ قریش اور ان کے ہم خیال لوگ مزدلفہ میں ہی رک جایا کرتے تھے اور اپنا نام حمس رکھتے تھے۔ باقی تمام عرب عرفات میں جا کر ٹھہرتے تھے اور وہیں سے واپس لوٹتے تھے۔ اسی لئے اسلام نے حکم دیا کہ جہاں سے عام لوگ لوٹتے ہیں تم وہیں سے لوٹا کرو۔ ❶ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عطاء حضرت مجاہد، حضرت قتادہ اور حضرت سدی رحمہم اللہ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ ❷ امام ابن جریر رحمہ اللہ بھی اسی تفسیر کو پسند کرتے ہیں اور اس پر اجماع بتاتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا اونٹ عرفات میں گم ہو گیا میں اسے ڈھونڈنے کے لئے نکلا تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں ٹھہرے ہوئے دیکھا۔ میں کہنے لگا کیا بات ہے کہ یہ حمس ہیں اور پھر یہاں حرم کے باہر آ کر ٹھہرے ہیں۔ ❸ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں افاضہ سے مراد یہاں مزدلفہ سے رمی جمار کے لئے منیٰ کو جانا ہے ❹ (وَاللّٰهُ اَعْلَمُ) اور الناس سے مراد حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام ہیں۔ بعض کہتے ہیں مراد امام ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر اس کے خلاف اجماع کی حجت نہ ہوتی تو یہی قول راجح رہتا۔

استغفار اور دعائے سید الاستغفار: پھر استغفار کا ارشاد ہوتا ہے جو عموماً عبادات کے بعد فرمایا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز سے فارغ ہو کر تین مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے (مسلم) ❺ آپ لوگوں کو سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر تینتیس تینتیس مرتبہ پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے (بخاری و مسلم)۔ ❻ یہ بھی مروی ہے کہ عرفہ کے دن شام کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے استغفار کیا (ابن جریر)۔ آپ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ تمام استغفاروں کا سردار یہ استغفار ہے ((اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ)) حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "جو شخص اسے رات کے وقت پڑھ لے اگر اس رات مر جائے گا تو قطعاً جنتی ہو گا اور جو شخص اسے دن کے وقت پڑھے گا اور اسی دن مرے گا تو وہ بھی جنتی ہے" (بخاری)۔ ❼ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ کہا یا رسول اللہ مجھے کوئی دعا سکھایئے کہ میں نماز میں اسے پڑھا کروں۔ آپ نے فرمایا یہ پڑھو۔ ((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ)) (بخاری و مسلم) ❽ استغفار کے بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة البقرة، باب ﴿ثم افیضوا من حیث افاض الناس﴾ ٤٥٢٠؛ صحیح مسلم، ١٢١٩۔

❷ الطبری، ٤/ ١٨٦۔١٨٧۔ ❸ احمد، ٤/ ٨٠؛ صحیح بخاری، کتاب الحج، باب الوقوف بعرفة، ١٦٦٤؛ صحیح مسلم، ١٢٢٠۔ ❹ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة البقرة، باب ﴿ثم افیضوا من حیث أفاض الناس﴾، ٤٥٢١۔

❺ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلاة، ٥١٩۔

❻ صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب الذکر بعد الصلاة، ٨٤٣؛ صحیح مسلم، ٥٩٥۔

❼ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب افضل الإستغفار، ٦٣٠٦؛ ترمذی، ٣٣٩٣۔ ❽ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب الدعاء قبل السلام، ٨٣٤؛ صحیح مسلم، ٢٧٠٥؛ ترمذی، ٣٥٣١؛ ابن ماجة، ٣٨٣٥۔

فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۗ فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿٢٠٠﴾ وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿٢٠١﴾ أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۚ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٢٠٢﴾

ترجمہ: پھر جب تم ارکان حج ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ پس بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی دے۔ ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔[۲۰۰] اور بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذاب جہنم سے نجات دے۔[۲۰۱] یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے انکے اعمال کا حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے[۲۰۲]

ارکان حج کی تکمیل کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرنے کا حکم: [آیت:۲۰۰۔۲۰۲] یہاں اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے کہ اور ساتھ ہی ذکر کا طریقہ بتا دیا کہ اس طرح ذکر اللہ کرو جس طرح بچہ اپنے ماں باپ کو یاد کرتا رہتا ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ اہل جاہلیت حج کے موقعہ پر تھے' کوئی کہتا تھا میرا باپ بڑا مہمان نواز تھا' کوئی کہتا تھا وہ لوگوں کے کام کاج کر دیا کرتا تھا' سخاوت و شجاعت میں یکتا تھا وغیرہ وغیرہ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ فضول باتیں چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ کی بزرگیاں بڑائیاں عظمتیں اور عزتیں بیان کیا کرو۔ اکثر مفسرین نے یہی بیان کیا ہے۔ غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت کرو اسی لئے اَوْ اَشَدَّ پر زبر تمیز کی بنا پر لائی گئی ہے یعنی اس طرح اللہ کو یاد کرو جس طرح اپنے بڑوں پر فخر کیا کرتے تھے۔

اَوْ سے یہاں خبر کی مثلیت کی تحقیق ہے جیسے اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةٍ اور اَوْ اَشَدُّ خَشْيَةٍ اور اَوْ يَزِيْدُوْنَ اَوْ اَدْنٰى ان تمام مقامات میں لفظ اَوْ ہرگز ہرگز شک کیلئے نہیں ہے' بلکہ مخبر عنہ کی تحقیق کے لئے ہے' یعنی وہ ذکر اتنا ہی ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر اور دین و دنیا کی تمام بھلائیوں کی حامل دعا: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ذکر اللہ بکثرت کر کے دعائیں مانگو کیونکہ یہ موقعہ قبولیت کا ہے۔ ساتھ ہی ان لوگوں کی برائی بیان ہو رہی ہے جو اللہ سے سوال کرتے ہوئے صرف دنیا طلبی کرتے ہیں اور آخرت کی طرف نظریں نہیں اٹھاتے۔ فرمایا ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ بعض اعرابی یہاں آ کر صرف یہی دعائیں مانگتے تھے کہ اے اللہ اس سال بارشیں اچھی برسا' غلے اچھے پیدا ہوں' اولادیں بکثرت ہوں وغیرہ۔ لیکن مومنوں کی دعائیں دونوں جہان کی بھلائیوں کی ہوتی تھیں اس لئے ان کی تعریفیں کی گئی۔ اس دعا میں تمام بھلائیاں دین و دنیا کی جمع کر دی ہیں اور تمام برائیوں سے بچاؤ ہے اس لئے کہ دنیا کی بھلائی میں عافیت، راحت آسانی، تندرستی گھر بار، بیوی بچے، روزی علم عمل، اچھی سواریاں، نوکر چاکر، لونڈی غلام' عزت و آبرو وغیرہ تمام چیزیں آ گئیں اور آخرت کی بھلائی میں حساب کا آسان ہونا' گھبراہٹ سے نجات پانا' نامہ اعمال کا دائیں ہاتھ میں ملنا' سرخ رو ہونا، اور عزت کے ساتھ جنت میں داخل ہونا سب اس میں آ گیا پھر اس کے بعد جہنم کے عذاب سے نجات چاہنا ہے، اس سے یہ مطلب ہے کہ ایسے اسباب اللہ تعالیٰ مہیا کر دے۔ مثلاً حرام کاریوں سے اجتناب' گناہ اور بدیوں کا ترک وغیرہ۔ قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جسے شکر گزار دل اور ذکر کرنے والی زبان ==

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٢٠٣﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی یاد ان گنتی کے چند دنوں میں کرتے رہا کرو۔ دو دن کی جلدی کرنے والے پر بھی کوئی گناہ نہیں اور جو پیچھے رہ جائے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ پرہیزگاروں کے لئے یہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تم سب اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔[۲۰۳]

= اور صبر کرنے والا جسم مل گیا اسے دنیا اور آخرت کی بھلائی مل گئی اور عذاب سے نجات پا گیا۔ ❶ بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اس دعا کو بکثرت پڑھا کرتے تھے، اس حدیث میں رَبَّنَا سے پہلے اَللّٰھُمَّ بھی ہے۔ ❷ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ زیادہ تر کس دعا کو پڑھتے تھے تو آپ نے جواب میں یہی دعا بتائی (احمد)۔ ❸ حضرت انس رضی اللہ عنہ خود بھی جب کبھی دعا مانگتے تو اس دعا کو نہ چھوڑتے' چنانچہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ کہا کہ حضرت آپ کے یہ بھائی چاہتے ہیں کہ آپ ان کے لئے دعا کریں آپ نے یہی ﴿اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا﴾ الخ پڑھی پھر کچھ دیر بیٹھنے اور بات چیت کرنے کے بعد جب وہ جانے لگے تو پھر دعا کی درخواست کی آپ نے فرمایا کیا تم ٹکڑے کرانا چاہتے ہو اس دعا میں تو تمام بھلائیاں آ گئیں۔ (ابن ابی حاتم)

آنحضرت ﷺ ایک مسلمان بیمار کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ وہ بالکل دبلا پتلا ہو رہا ہے، صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے۔ آپ نے پوچھا کیا تم کوئی دعا بھی اللہ تعالیٰ سے مانگا کرتے تھے۔ اس نے کہا ہاں، میری یہ دعا تھی کہ اے اللہ جو عذاب تو مجھے آخرت میں کرنا چاہتا ہے وہ دنیا میں ہی کر ڈال۔ آپ نے فرمایا ''سبحان اللہ، کسی میں ان کے برداشت کی طاقت بھی ہے تو نے یہ دعا ﴿رَبَّنَا اٰتِنَا﴾ (آخر تک) کیوں نہ پڑھی؟'' چنانچہ بیمار نے اب سے اسی دعا کو پڑھنا شروع کیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دے دی (احمد)۔ ❹ رکن بنی جمح اور رکن اسود کے درمیان حضور ﷺ اس دعا کو پڑھا کرتے تھے ❺ (ابن ماجہ وغیرہ)۔ لیکن اس کی سند میں ضعف ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

آپ فرماتے ہیں ''جب کبھی رکن کے پاس سے گزرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ وہاں فرشتہ ہے اور وہ آمین کہہ رہا ہے۔ تم جب کبھی یہاں سے گزرو تو رَبَّنَا اٰتِنَا الخ پڑھا کرو'' (ابن مردویہ)۔ ❻ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے پوچھا کہ میں نے ایک قافلہ کے ساتھ ملازمت کر لی ہے' اس اجرت پر کہ وہ مجھے ساتھ سواری پر سوار کر لیں اور حج کے موقع پر وہ مجھے رخصت دے دیں کہ حج ادا کر لوں اور اس کے علاوہ دوسرے اوقات میں ان کی خدمت میں لگا رہوں تو فرمائیے کہ اس طرح میرا حج ہو جائے گا۔ آپ نے =

---

❶ ابن ابی حاتم، ۲/ ۵۴۲۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة البقرة، باب ﴿ومنهم من يقول ربنا......﴾، ۴۵۲۲۔

❸ احمد، ۳/ ۱۰۱؛ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الدعاء باللّٰھُمّ آتنا فی الدنیا حسنة......، ۲۶۹۰؛ ابوداود، ۱۵۱۹۔ ❹ احمد، ۳/ ۱۰۷؛ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب کراهة الدعاء بتعجیل العقوبة فی الدنیا، ۲۶۸۸؛ ترمذی، ۳۴۸۷۔ ❺ ابوداود، کتاب المناسك، باب الدعاء فی الطواف، ۱۸۹۲ وسنده حسن ابن ماجة، ۲۹۵۷ وسنده ضعیف۔

❻ ابن مردویہ، اس کی سند میں عبداللہ بن مسلم بن ہرمز المکی ضعیف راوی ہے۔ (المیزان، ۲/ ۵۰۳، رقم: ۴۶۰۲) لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

= فرمایا ہاں بلکہ تو توان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں فرمان ہے ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ﴾ الخ (مستدرک حاکم)۔ ❶

ایام تشریق اللہ کا ذکر اور کھانے پینے کے دن ہیں: [آیت:۲۰۳] ﴿اَيَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ﴾ سے مراد ایام تشریق اور ایام معلومات سے مراد ذی الحجہ کے دس دن ہیں۔ ❷ ذکر اللہ سے مراد یہ ہے کہ ایام تشریق میں فرض نمازوں کے بعد اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہیں۔ ❸ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں ''عرفہ کا دن قربانی کا دن اور ایام تشریق ہمارے یعنی اہل اسلام کی عید کے دن ہیں اور یہ دن کھانے پینے کے ہیں'' (احمد)۔ ❹ اور حدیث میں ہے ایام تشریق کھانے پینے اور ذکر اللہ کرنے کے ہیں ❺ (احمد)۔ پہلے یہ حدیث بھی بیان ہو چکی ہے کہ عرفات کل ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایام تشریق سب قربانی کے دن ہیں ❻ اور یہ حدیث بھی پہلے گزر چکی ہے کہ منیٰ کے دن تین ہیں، دو دن کی جلدی کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں۔ ابن جریر کی ایک حدیث میں ہے کہ ایام تشریق کھانے اور ذکر اللہ کرنے کے دن ہیں۔ ❼ حضور ﷺ نے عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ منیٰ میں گھوم کر منادی کر دیں کہ ان دنوں میں کوئی روزہ نہ رکھے، یہ دن کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے ہیں۔ ایک اور مرسل روایت میں اتنی زیادتی ہے کہ مگر جس پر قربانی کے بدلے روزے ہوں اس کے لئے یہ زائد نیکی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ منادی کرنے والے بشیر بن سحیم رضی اللہ عنہ تھے۔ ❽ ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے ان دنوں کے روزوں کی ممانعت فرمائی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو کر شعب انصار میں کھڑے ہو کر یہ حکم سنایا تھا کہ لوگو یہ دن روزوں کے نہیں بلکہ کھانے پینے اور ذکر اللہ کرنے کے ہیں۔ ❾

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایام معدودات ایام تشریق ہیں اور یہ چار دن ہیں۔ دسویں ذی الحجہ اور تین دن اس کے بعد کے یعنی دس سے تیرہ تک۔ ❿ ابن عمر، ابن زبیر، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم عطاء، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابومالک، ابراہیم نخعی، یحییٰ بن ابی کثیر، حسن، قتادہ، سدی، زہری، ربیع بن انس، ضحاک، مقاتل بن حیان، عطاء خراسانی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ ⓫

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ تین دن ہیں دسویں گیارہویں اور بارہویں۔ ان میں جب چاہو قربانی کرو لیکن افضل پہلا دن ہے۔ مگر مشہور قول پہلا ہی ہے اور آیت کریمہ کے الفاظ کی ظاہری دلالت اسی پر ہے کیونکہ دو دن کی جلدی اور دیر معاف ہے تو ثابت ہوا کہ عید کے بعد تین دن ہونے چاہئیں اور ان دنوں میں اللہ کا ذکر کرنا قربانیوں کے ذبح کے وقت ہے اور یہ بھی پہلے بیان ہو چکا ہے کہ راجح مذہب اس میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے کہ قربانی کا وقت عید کے دن سے ایام تشریق کے ختم ہونے تک ہے اور اس سے =

❶ حاکم، ۲/ ۲۷۷ وسندہ ضعیف اعمش مدلس وعنعن۔

❷ قرطبی، ۳/ ۳۔ ❸ ابن ابی حاتم، ۲/ ۵٤٥۔

❹ ابوداود، کتاب الصیام، باب صیام ایام التشریق، ۲٤۱۹ وسندہ حسن؛ ترمذی، ۷۷۳؛ نسائی، ۳۰۰۷ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (الإرواء، ٤/ ۱۳۰)

❺ احمد، ٥/ ۷٥؛ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب تحریم صوم ایام التشریق ۱۱٤۱۔

❻ یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

❼ ابن جریر، اس کی سند ضعیف ہے۔ ❽ یہ حدیث مرسل ہے۔

❾ الطبری، ۳۹۱۹، اس کی سند میں ابن اسحٰق مدلس ہے۔ (التقریب، ۲/ ۱٤٤) لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

❿ الطبری، ٤/ ۲۱۳۔ ⓫ ابن ابی حاتم، ۲/ ٥٤۷۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

ترجمہ: بعض لوگوں کی دنیوی غرض کی باتیں آپ کو خوش کر دیتی ہیں اور وہ اپنے دل کی باتوں پر رب کو گواہ کرتا جاتا ہے حالانکہ دراصل وہ زبردست جھگڑالو ہے۔[۲۰۴] اور جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے اور کھیتی اور نسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔[۲۰۵] اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند رکھتا ہے۔ اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو تکبر اور تعصب اسے گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے۔ ایسے کو جہنم ہی کافی ہے اور یقیناً وہ بدترین جگہ ہے۔[۲۰۶] اور بعض لوگ وہ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی شفقت کرنیوالا ہے۔[۲۰۷]

== مراد نمازوں کے بعد مقررہ ذکر بھی ہے اور ویسے عام طور پر بھی ذکر اللہ مراد ہے اور اس کے مقررہ وقت میں گو علمائے کرام کا اختلاف ہے لیکن زیادہ مشہور قول جس پر عملدرآمد بھی ہے یہ ہے کہ عرفہ کی صبح سے ایام تشریق کے آخر دن کی عصر کی نماز تک۔ اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی دارقطنی میں ہے لیکن اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے خیمے میں تکبیر کہتے اور آپ کی تکبیر پر بازار والے لوگ تکبیر کہتے یہاں تک کہ منیٰ کا میدان گونج اٹھتا۔ ❶ اسی طرح یہ مطلب بھی ہے کہ شیطانوں کو کنکریاں مارتے وقت تکبیر اور ذکر اللہ کیا جائے جو ایام تشریق کے ہر دن ہوگا۔ ابوداود وغیرہ میں حدیث ہے کہ بیت اللہ کا طواف صفا مروہ کی سعی شیطانوں کو کنکریاں مارنا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے ذکر کو قائم کرنے کے لئے ہے۔ ❷ چونکہ اللہ تعالیٰ نے حج کی پہلی اور دوسری واپسی کا ذکر کیا اور اس کے بعد لوگ ان پاک مقامات کو چھوڑ کر اپنے شہروں اور مقامات کو لوٹ جائیں گے اس لئے ارشاد فرمایا کہ اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور یقین رکھو کہ تمہیں اس کے سامنے جمع ہونا ہے۔ اسی نے تمہیں زمین میں پھیلایا پھر وہی سمیٹ لے گا پھر اسی کی طرف حشر ہوگا، پس جہاں کہیں بھی ہو اس سے ڈرتے رہا کرو۔

منافقوں کا طریق کار اور انکی نشانیاں: [آیت: ۲۰۴۔۲۰۷] سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اخنس بن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ منافق شخص تھا ظاہر میں مسلمان تھا لیکن باطن میں مخالف تھا۔ ❸ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی برائیاں بیان کی تھیں جو رجیع میں شہید کئے گئے تھے تو ان شہدا کی تعریف میں مَنْ يَّشْرِيْ الخ والی آیت اتری اور منافقین کی مذمت کے بارے میں مَنْ يُّعْجِبُكَ والی آیت نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت عام ہے۔ تمام منافقوں کے بارے میں پہلی اور دوسری آیت ہے اور تمام مؤمنوں کی

❶ صحیح بخاری، کتاب العیدین، باب التکبیر ایام منی...... تعلیقًا قبل حدیث ۹۷۰۔
❷ ابوداود، کتاب المناسك، باب فی الرمل، ۱۸۸۸ وسندہ حسن، ترمذی، ۹۰۲۔
❸ الطبری، ۴/ ۲۲۹۔

تعریف کے بارے میں تیسری آیت ہے۔ ❶ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا قول یہی ہے اور یہی صحیح ہے۔ حضرت نوف بکالی رحمۃ اللہ علیہ جو توراۃ و انجیل کے بھی عالم تھے فرماتے ہیں کہ میں اس امت کے بعض لوگوں کی برائیاں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب میں پاتا ہوں۔ مرقوم ہے کہ بعض لوگ دین کے حیلے سے دنیا کماتے ہیں'ان کی زبانیں تو شہد سے زیادہ میٹھی ہیں لیکن دل ایلوے (مصبر) سے زیادہ کڑوے ہیں'لوگوں کے لئے بکریوں کی کھالیں پہنتے ہیں لیکن دل ان کے بھیڑیوں جیسے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا وہ مجھ پر جرأت کرتے ہیں اور میرے ساتھ دھوکے بازیاں کرتے ہیں۔ مجھے اپنی ذات کی قسم کہ میں ان پر وہ فتنہ بھیجوں گا کہ بردبار لوگ بھی حیران رہ جائیں گے۔

قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ منافقوں کا وصف قرآن میں بھی موجود ہے۔ پڑھیئے آیت ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ﴾ الخ ❷ حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جب یہ بات اور کتابوں کے حوالے سے بیان کی تو حضرت محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ نے یہی فرمایا تھا کہ یہ قرآن میں بھی ہے اور اسی آیت کی تلاوت کی تھی۔ سعید کہنے لگے میں جانتا ہوں کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا سنیئے آیت شان نزول کے اعتبار سے گو کسی کے بارے میں ہی ہو لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہوتی ہے۔ ابن محیصن رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت میں ﴿يَشْهَدُ اللّٰهُ﴾ ہے معنے یہ ہوں گے کہ گو وہ اپنی زبان سے کچھ ہی کہے لیکن اس کے دل کا حال اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ﴾ ❸ الخ یعنی منافق تیرے پاس آ کر تیری نبوت کی گواہی دیتے ہیں' رب جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے لیکن رب کی گواہی ہے کہ یہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں۔ لیکن جمہور کی قراءت ﴿يُشْهِدُ اللّٰهَ﴾ ہے تو معنی یہ ہوئے کہ لوگوں کے سامنے تو یہ اپنی خباثت کو چھپاتے ہیں لیکن اللہ کے سامنے ان کے دل کا کفر ونفاق ظاہر ہے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ﴾ ❹ الخ یعنی لوگوں سے چھپاتے ہیں لیکن اللہ سے نہیں چھپا سکتے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ لوگوں کے سامنے اسلام ظاہر کرتے ہیں اور ان کے سامنے قسمیں کھا کر باور کراتے ہیں کہ جو ان کی زبان پر ہے وہ ہی ان کے دل میں ہے۔ صحیح معانی آیت کے یہی ہیں کہ عبدالرحمٰن بن زید اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ❺ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔

اَلَدُّ کے معنی لغت میں ہیں سخت ٹیڑھا۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا﴾ ❻ یہی حالت منافق کی ہے کہ وہ اپنی حجت میں جھوٹ بولتا ہے اور حق سے ہٹ جاتا ہے' سیدھی بات چھوڑ دیتا ہے اور افترا اور بہتان بازی کرتا اور گالیاں بکتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں' جب بات کرے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے بیوفائی کرے' جب جھگڑا کرے گالیاں بکے۔ ❼ ایک اور حدیث میں ہے سب سے زیادہ برا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو سخت جھگڑالو ہو۔ ❽ اس کی کئی ایک سندیں ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح یہ برے اقوال والا ہے اسی طرح افعال بھی اس کے بدترین ہیں۔ قول تو یہ ہے لیکن فعل اس کے سراسر خلاف ہے' عقیدہ بالکل فاسد ہے۔

سعی سے مراد یہاں قصد ہے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى﴾ ❾ الخ اور فرمان ہے ﴿فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ

---

❶ الطبری، ٤/ ٢٣٠۔ ❷ ایضًا، ٤/ ٢٣٢۔ ❸ ٦٣/ المنافقون:١۔ ❹ ٤/ النسآء:١٠٨۔ ❺ الطبری، ٤/ ٢٣٣۔

❻ ١٩/ مریم:٩٧۔ ❼ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب علامات المنافق، ٣٣؛ صحیح مسلم، ٥٩۔

❽ صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب قوله تعالیٰ: ﴿وهو الد الخصام﴾ ٢٤٥٧؛ صحیح مسلم، ٢٦٦٨۔ ❾ ٧٩/ النازعات:٢٢۔

اللّٰہِ﴾ ❶ یعنی جمعہ کی نماز کا قصد وارادہ کرو۔ یہاں سعی کے معنی دوڑنے کے نہیں کیونکہ نماز کے لئے دوڑ کر جانا ممنوع ہے۔ حدیث میں ہے جب تم نماز کے لئے آؤ تو دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ سکون ووقار کے ساتھ آؤ۔ ❷

غرض یہ کہ ان منافقوں کا قصد زمین میں فساد پھیلانا' کھیتی باڑی' زمین کی پیداوار اور حیوانوں کی نسل کو برباد کرنا ہی ہوتا ہے۔ یہ بھی معنی مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہیں کہ ان لوگوں کے نفاق اور ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بارش کو روک لیتا ہے جس سے کھیتوں کو اور جانوروں کو نقصان پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو بانی فساد ہوں ناپسند کرتا ہے۔ ان بدکرداروں کو جب وعظ وتذکیر کے ذریعے سمجھایا جائے تو یہ اور بھڑک اٹھتے ہیں اور مخالفت کے جوش میں گناہوں پر اور آمادہ ہو جاتے ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ﴾ ❸ الخ یعنی ''اللہ تعالیٰ کے کلام کی جب ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہے تو ان کافروں کے منہ چڑھ جاتے ہیں اور پڑھنے والوں پر جھپٹتے ہیں۔ سنو اس سے بڑھ کر سنو! کافروں کے لئے ہمارا فرمان جہنم کا ہے جو بدترین جگہ ہے۔'' یہاں بھی یہی فرمایا کہ ان کیلئے جہنم ہی کافی ہے یعنی سزا میں اور وہ بدترین اوڑھنا بچھونا ہے۔

مؤمن کی شان: منافقوں کی مذموم خصلتیں بیان فرما کر اب مؤمنوں کی تعریفیں ہو رہی ہیں۔ یہ آیت حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ یہ مکہ میں مسلمان ہوئے تھے۔ جب مدینہ کی طرف ہجرت کرنا چاہی تو کافروں نے ان سے کہا کہ ہم تمہیں مال لے کر نہیں جانے دیں گے، اگر تم مال چھوڑ کر جانا چاہتے ہو تو تمہیں اختیار ہے۔ آپ نے سب مال چھوڑ دیا اور کفار نے اس پر قبضہ کر لیا اور آپ نے ہجرت کی جس پر یہ آیت اتری۔ حضرت عمر بن خطاب اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت آپ کے استقبال کے لئے حرہ تک آئی اور مبارک بادیاں دیں کہ آپ نے بڑا اچھا بیوپار کیا' بڑے نفع کی تجارت کی۔ آپ یہ سن کر فرمانے لگے اللہ تعالیٰ آپ کی تجارتوں کو بھی نقصان والی نہ کرے۔ آخر بتاؤ تو سہی کہ یہ مبارکبادیاں کیا ہیں؟ ان بزرگوں نے فرمایا آپ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ نے بھی یہی خوشخبری سنائی۔

قریش نے ان سے کہا تھا کہ جب آپ مکہ میں آئے تو ہمارے پاس مال نہ تھا، یہ سب مال یہیں کمایا، اب اس مال کو لے کر ہم جانے نہ دیں گے۔ چنانچہ آپ نے مال کو چھوڑا اور دین لے کر خدمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو گئے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے جب آپ ہجرت کے ارادے سے نکلے اور کفار مکہ کو علم ہوا تو سب نے ان کو گھیر لیا۔ آپ نے اپنے ترکش سے تیر نکال لئے اور فرمایا اے مکہ والو تم خوب جانتے ہو کہ میں کیسا تیرانداز ہوں، میرا ایک نشانہ بھی خطا نہیں جاتا جب تک یہ تیر ختم نہ ہوں گے میں تم کو چھیدتا رہوں گا۔ اس کے بعد تلوار سے میں تم سے لڑوں گا اور اس میں بھی تم میں سے کسی سے کم نہیں ہوں۔ جب تلوار کے بھی ٹکڑے ہو جائیں گے پھر تم میرے پاس آ سکتے ہو پھر جو چاہو کر لو' اگر یہ تمہیں منظور ہے تو بسم اللہ ورنہ سنو میں تمہیں اپنا تمام مال دے دیتا ہوں یہ سب لے لو اور مجھے جانے دو۔ چنانچہ وہ مال لینے پر رضامند ہو گئے اور اس طرح آپ نے ہجرت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے سے پہلے =

---

❶ ٦٢/ الجمعة:٩۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب لا یسعیٰ إلی الصلاة...... ، ٦٣٦؛ صحیح مسلم، ٦٠٢؛ ابو داود، ٥٧٢؛ ترمذی، ٣٢٧؛ نسائی، ٨٦٢؛ ابن ماجة، ٧٧٥۔ ❸ ٢٢/ الحج:٧٢۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾

ترجمہ: ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی تابعداری نہ کرو' وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔[۲۰۸] اگر تم باوجود تمہارے پاس دلیلیں آ جانے کے بھی پھسل جاؤ تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔[۲۰۹]

= ہی وہاں بذریعہ وحی یہ آیت نازل ہو چکی تھی۔ آپ کو دیکھ کر حضور ﷺ نے مبارکباد دی۔ ❶

اکثر مفسرین کا یہ قول بھی ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ ہر مجاہد فی سبیل اللہ کی شان میں ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ ❷ الخ یعنی "اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جانیں اور مال خرید لئے ہیں اور ان کے بدلے جنت دے دی ہے۔ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں' مارتے بھی ہیں اور شہید بھی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ سچا وعدہ توراۃ و انجیل اور قرآن میں موجود ہے اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچے عہد والا اور کون ہوگا۔ تم اے ایمان دار و اس خرید فروخت اور ادلے بدلے سے خوش ہو جاؤ' یہی بڑی کامیابی ہے۔" حضرت ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ نے جب کفار کی دونوں صفوں میں گھس کر ان پر یکہ و تنہا بے پناہ حملہ کر دیا تو بعض لوگوں نے اسے خلاف شرع سمجھا لیکن حضرت عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما وغیرہ نے ان کی تردید کی اور اسی آیت ﴿مَنْ يَّشْرِيْ﴾ کی تلاوت کر کے سنا دی۔

اللہ تعالیٰ کے احکام کو ماننا ہی اسلام ہے: [آیت:۲۰۸-۲۰۹] اللہ تعالیٰ اپنے اوپر ایمان لانے والوں اور اپنے نبی کی تصدیق کرنے والوں سے ارشاد فرماتا ہے کہ وہ تمام احکام کو بجا لائیں' تمام ممنوعات سے بچ جائیں' کامل شریعت پر عمل کریں۔ سِلْم سے مراد اسلام ہے۔ اطاعت اور صلح جوئی بھی مراد ہے۔ كَآفَّةً کے معنی سب کے سب پورے پورے۔ عکرمہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام' اسد بن عبید' ثعلبہ رضی اللہ عنہم وغیرہ جو یہود سے مسلمان ہوئے تھے' انہوں نے حضور ﷺ سے گزارش کی کہ ہمیں ہفتہ کے دن کی عزت اور راتوں کے وقت توراۃ پر عمل کرنے کی اجازت دی جائے جس پر یہ آیت اتری کہ اسلامی احکام پر عمل کرتے رہو' لیکن اس میں حضرت عبداللہ کا نام کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا وہ اعلیٰ درجہ کے عالم تھے اور پورے مسلمان تھے۔ انہی کامل طور پر معلوم تھا کہ ہفتہ کے دن کی عزت منسوخ ہو چکی ہے۔ اس کے بجائے اسلامی عید جمعہ کے دن کی مقرر ہو چکی ہے۔ پھر ناممکن ہے کہ وہ ایسی خواہش میں اوروں کا ساتھ دیں۔

بعض مفسرین نے کافۃ کو حال کہا ہے یعنی تم سب کے سب اسلام میں داخل ہو جاؤ لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے یعنی اپنی طاقت بھر اسلام کے تمام احکام کو مانو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ بعض اہل کتاب باوجود ایمان لانے کے توراۃ کے بعض احکام پر جمے ہوئے تھے۔ ان سے کہا جاتا ہے کہ محمدی دین میں پوری طرح اسلام میں آ جاؤ اس کا کوئی عمل نہ چھوڑو' توراۃ پر صرف ایمان رکھنا کافی ہے۔ پھر فرمان ہے کہ اللہ کی اطاعت کرتے رہو شیطان کی نہ مانو' وہ تو برائیوں اور بدکاریوں کو اور رب پر بہتان باندھنے کو =

❶ شیخ البانی رحمہ اللہ نے فقہ السیرۃ ص۱۶۶ میں اس واقعہ کے بارے میں مستدرک حاکم، ۳/ ۳۹۸ ح ۵۷۰۰ (وھو صحیح) کی روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ ❷ ۹/ التوبۃ:۱۱۱۔

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّآ أَن يَأْتِيَهُمُ ٱللَّهُ فِى ظُلَلٍ مِّنَ ٱلْغَمَامِ وَٱلْمَلَٓئِكَةُ وَقُضِىَ ٱلْأَمْرُ ۚ وَإِلَى ٱللَّهِ تُرْجَعُ ٱلْأُمُورُ ﴿٢١٠﴾

ع ۲۵

ترجمہ: کیا لوگوں کو اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس خود اللہ تعالیٰ ابر کے سائبانوں میں آ جائے اور فرشتے بھی اور کام انتہا تک پہنچا دیا جائے؟ اللہ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جاتے ہیں۔[۲۱۰]

= کہتا ہے۔ اس کی اور اس کے گروہ کی تو خواہش یہ ہے کہ تم جہنمی بن جاؤ وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔ اگر تم دلائل معلوم کرنے کے بعد بھی حق سے ہٹ جاؤ تو جان رکھو کہ رب بھی بدلہ لینے میں غالب ہے' نہ اس سے کوئی بھاگ کر بچ سکے، نہ اس پر کوئی غالب آ سکے۔ وہ اپنے احکام کے جاری کرنے میں حکمتوں والا ہے۔ وہ غالب ہے اپنی پکڑ میں، وہ حکیم ہے اپنے امر میں، ❶ وہ کفار پر غلبہ رکھتا ہے اور عذر و حجت کو کاٹ دینے میں حکمت رکھتا ہے۔

شافع محشر کا تذکرہ: [آیت: ۲۱۰] اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کفار کو دھمکا رہا ہے کہ کیا انہیں قیامت ہی کا انتظار ہے جس دن حق کے ساتھ فیصلے ہو جائیں گے اور ہر شخص اپنے کیے کو بھگت لے گا' جیسے، اور جگہ ارشاد ہے ﴿كَلَّآ إِذَا دُكَّتِ ٱلْأَرْضُ﴾ ❷ الخ یعنی جب زمین کے ریزے ریزے اڑ جائیں گے اور تیرا رب خود آ جائے گا اور فرشتے بھی صف بستہ آ جائیں گے اور جہنم بھی لا کر کھڑی کر دی جائے گی' اس دن یہ لوگ عبرت و نصیحت حاصل کریں گے لیکن اس سے کیا فائدہ؟ اور جگہ فرمایا ﴿هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّآ أَن تَأْتِيَهُمُ ٱلْمَلَٓئِكَةُ﴾ ❸ الخ یعنی ''کیا انہیں اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس فرشتے آ جائیں یا خود اللہ تعالیٰ آ جائے یا اس کی بعض نشانیاں آ جائیں۔ اگر یہ ہو گیا تو پھر نہ ایمان نفع دے نہ نیک اعمال کا وقت رہے۔'' امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پر ایک لمبی حدیث لکھی ہے جس میں صور وغیرہ کا مفصل بیان ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ مسند وغیرہ میں یہ حدیث ہے' اس میں ہے کہ جب لوگ گھبرا اٹھیں گے تو انبیا علیہم السلام سے شفاعت طلب کریں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ایک ایک پیغمبر کے پاس جائیں گے اور وہاں سے صاف جواب پائیں گے۔ یہاں تک کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں گے' آپ جواب دیں گے میں تیار ہوں، میں ہی اس کا اہل ہوں۔ پھر آپ جائیں گے اور عرش تلے سجدے میں گر پڑیں گے اور اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں گے کہ وہ بندوں کا فیصلہ کرنے کے لیے تشریف لائے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا اور بادلوں کے سائبان میں آئے گا۔ آسمان دنیا ٹوٹ جائے گا اور اس کے تمام فرشتے آ جائیں گے۔ پھر دوسرا بھی پھٹ جائے گا اور اس کے فرشتے بھی آ جائیں گے۔ اسی طرح ساتوں آسمان شق ہو جائیں گے اور ان کے فرشتے آ جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا عرش اترے گا اور بزرگ تر فرشتے نازل ہوں گے اور خود وہ جبار اللہ تعالیٰ تشریف لائے گا۔

فرشتے سب کے سب تسبیح خوانی میں مشغول ہوں گے، ان کی تسبیح اس وقت یہ ہوگی (سُبْحَانَ ذِي الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوتِ سُبْحَانَ ذِي الْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوتِ سُبْحَانَ الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ سُبْحَانَ الَّذِي يُمِيتُ الْخَلَائِقَ وَلَا يَمُوتُ سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ، سُبْحَانَ رَبِّنَا الْأَعْلَى۔ سُبْحَانَ ذِي السُّلْطَانِ وَالْعَظَمَةِ سُبْحَانَهُ سُبْحَانَهُ =

❶ ابن ابی حاتم، ۲/ ۵۹۱۔ ❷ ۸۹/ الفجر: ۲۱۔ ❸ ۶/ الانعام: ۱۵۸۔

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢١١﴾ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢١٢﴾

ترجمہ: بنی اسرائیل سے پوچھو تو کہ ہم نے انہیں کس قدر روشن نشانیاں عطا فرمائیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اپنے پاس پہنچ جانے کے بعد بدل ڈالے (وہ جان لے) کہ اللہ تعالیٰ بھی سخت عذابوں والا ہے۔[۲۱۱] کافروں کے لئے دنیا کی زندگی خوب زینت دار کی گئی۔ وہ ایمان داروں سے ہنسی مذاق کرتے ہیں حالانکہ پرہیزگار لوگ قیامت کے دن ان سے اعلیٰ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔[۲۱۲]

= اَبَدًا اَبَدًا) ❶ حافظ ابوبکر ابن مردویہ بھی اس آیت کی تفسیر میں بہت سی احادیث لائے ہیں جن میں غرابت ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ اگلے پچھلے تمام کو اس دن جمع کرے گا جس کا وقت مقرر ہے۔ وہ سب کے سب کھڑے ہوں گے۔ آنکھیں پتھرائی ہوئی اور اوپر کو لگی ہوں گی۔ ہر ایک کو فیصلہ کا انتظار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ابر کے سائبان میں عرش سے کرسی پر نزول فرمائے گا۔'' ❷

ابن ابی حاتم میں ہے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نزول فرمائے گا تو مخلوق اور اس کے درمیان ستر ہزار پردے ہوں گے۔ نور کی چکاچوند کے اور پانی کے اور پانی سے وہ آوازیں آ رہی ہوں گی جس سے دل ہل جائیں۔ زہیر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ بادل کا سائبان یاقوت کا جڑا ہوا اور جوہر و زبرجد والا ہوگا۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ بادل معمولی بادل نہیں بلکہ یہ وہ بادل ہے جو بنی اسرائیل کے سروں پر وادی تیہ میں تھا۔

ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فرشتے بھی بادل کے سائے میں آئیں گے اور اللہ تعالیٰ آئے گا جس میں چاہے چنانچہ بعض قراءتوں میں یوں بھی ہے ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ﴾ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاۗءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰۗىِٕكَةُ تَنْزِيْلًا﴾ ❸ یعنی اس دن آسمان بادل سمیت پھٹ جائے گا اور فرشتے اتر آئیں گے۔

بنی اسرائیل کی احسان فراموشیاں: [آیت:۲۱۱۔۲۱۲] اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ دیکھو بنی اسرائیل کو میں نے بہت سے معجزات دکھلا دیئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں کی لکڑی' ان کے ہاتھ کی روشنی' ان کے لئے دریا کو چیر دینا' ان پر سخت گرمیوں میں ابر کا سایہ کرنا من وسلویٰ اتارنا وغیرہ وغیرہ، جن سے میرا خودمختار فاعل کل ہونا صاف ظاہر تھا اور میرے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی کھلی تصدیق تھی لیکن تاہم ان لوگوں نے میری ان نعمتوں کا کفر کیا اور بجائے ایمان لانے کے کفر پر اڑے رہے اور میری نعمتوں پر بجائے شکر کے ناشکری کی پھر بھلا میرے سخت عذابوں سے یہ کیسے بچ رہیں گے؟ یہی خبر کفار قریش کے بارے میں بھی بیان =

❶ ابن جریر ۴۰۴۲۔ وسندہ ضعیف۔ ❷ الحاکم، ۲/ ۳۷۶، ۳۷۷ وسندہ حسن شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (صحیح الترغیب والترھیب، ۳۵۹۱) ❸ ۲۵/ الفرقان:۲۵۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۗ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۖ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

ترجمہ: دراصل لوگ ایک ہی گروہ تھے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبریاں دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل فرمائیں تاکہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ ہو جائے اور صرف ان ہی لوگوں نے جو اسے دیے گئے تھے اپنے پاس دلائل آ چکنے کے بعد آپس کے بغض و عناد سے اس میں اختلاف کیا پس اللہ پاک نے ایمان والوں کو اس اختلاف میں بھی حق کی طرف اپنے ارادہ سے رہبری کی۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے سیدھی راہ کی طرف رہبری کرتا ہے۔[۲۱۳]

= فرمائی ہے۔ ارشاد ہے ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا﴾ ❶ الخ ''کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم جیسی بدترین قرارگاہ میں پہنچا دیا۔''

پھر بیان ہوتا ہے کہ یہ کفار صرف دنیاوی زندگی پر دیوانے بنے ہوئے ہیں۔ مال جمع کرنا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرنا یہی ان کا رنگ ڈھنگ ہے۔ بلکہ جو ایماندار اس دنیائے فانی سے سیر چشم ہیں اور پروردگار کی رضامندی میں اپنے مال لٹاتے رہتے ہیں یہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ حقیقی نصیب والے یہی لوگ ہیں۔ قیامت کے دن ان کے مرتبے دیکھ کر ان کافروں کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ اس وقت اپنی بدتری اور ان کی برتری دیکھ کر معاملہ کی اونچ نیچ سمجھ میں آ جائے گی۔ روزی دینا جسے اللہ جتنی چاہے دے دے۔ جسے چاہے بے حساب دے بلکہ جسے چاہے یہاں بھی دے اور پھر وہاں بھی دے۔ حدیث شریف میں ہے اے ابن آدم! تو میری راہ میں خرچ کر میں تجھے دیتا ہی چلا جاؤں گا۔ ❷ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے جاؤ اور عرش والے سے تنگی کا خوف نہ کرو۔'' ❸ قرآن میں ہے ﴿وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ﴾ ❹ ''تو جو کچھ خرچ کرو رب اس کا بدلہ دے گا۔''

صحیح حدیث میں ہے ہر صبح دو فرشتے اترتے ہیں۔ ایک دعا کرتا ہے اے اللہ اپنی راہ میں خرچ کرنے والے کو برکت عنایت فرما، دوسرا کہتا ہے اے اللہ بخیل کے مال کو برباد کر۔ ❺ اور حدیث میں ہے انسان کہتا رہتا ہے، میرا مال میرا مال، حالانکہ تیرا مال وہ ہے جسے تو نے کھا لیا وہ تو فنا ہو چکا اور جسے پہن لیا وہ بوسیدہ ہو گیا۔ ہاں جو تو نے صدقہ میں دیا اسے تو نے باقی رکھ لیا۔ اس کے سوا =

❶ ١٤/ ابراهيم:٢٨۔ ❷ صحيح بخاري، كتاب النفقات، باب فضل النفقة على الأهل، ٥٣٥٢؛ صحيح مسلم، ٩٩٣۔

❸ الطبراني، ١٠٢٠ وسنده ضعيف وللحديث شواهد ضعيفه في الصحيحة للألباني، ٢٦٦١۔

❹ ٣٤/ سبا:٣٩۔ ❺ صحيح بخاري، كتاب الزكاة، باب قول الله تعالىٰ ﴿فأما من اعطىٰ واتقىٰ......﴾، ١٤٤٢؛ صحيح مسلم، ١٠١٠۔

= جو کچھ ہے اسے تو دوسروں کے لئے چھوڑ کر یہاں سے چل دے گا۔ (1) مسند احمد کی حدیث میں ہے دنیا اس کا گھر ہے جس کا گھر نہ ہو۔ دنیا اس کا مال ہے جس کا مال نہ ہو۔ دنیا کے لئے جمع وہ کرتا ہے جسے عقل نہ ہو۔ (2)

امت محمدیہ کی سابقہ امتوں پر فضیلت: [آیت:۲۱۳] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ حضرت نوح اور حضرت آدم علیہما السلام کے درمیان دس زمانے تھے۔ ان زمانوں کے لوگ حق اور شریعت کے پابند تھے پھر اختلاف پڑ گیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ بلکہ آپ کی قرأت بھی یوں ہے کہ ﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا فَبَعَثَ﴾ الخ۔ (3) حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت بھی یہی ہے۔ (4) قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ، جب ان میں اختلاف پیدا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنا پہلا پیغمبر بھیجا یعنی حضرت نوح علیہ السلام۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی کہتے ہیں۔ (5) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت مروی ہے کہ پہلے سب کے سب کافر تھے۔ لیکن اول قول معنی اور سند کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے۔ پس ان پیغمبروں نے ایمان والوں کو خوشیاں سنائیں اور ایمان نہ لانے والوں کو ڈرایا ان کے ساتھ اللہ کی کتاب بھی تھی تاکہ لوگوں کے ہر اختلاف کا فیصلہ قانون الٰہی سے ہو سکے' لیکن ان دلائل کے بعد بھی صرف آپس کے حسد و بغض، تعصب وضد اور نفسانیت کی بنا پر پھر اتفاق نہ کر سکے لیکن ایمان دار سنبھل گئے اور اس اختلاف کے چکر سے نکل کر سیدھی راہ لگ گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "ہم دنیا میں آنے کے اعتبار سے تو سب سے پیچھے ہیں لیکن قیامت کے دن جنت میں جانے کے اعتبار سے سب سے آگے (پہلے) ہوں گے۔ اہل کتاب کو کتاب اللہ ہم سے پہلے دی گئی ہمیں ان کے بعد دی گئی لیکن انھوں نے اختلاف کیا اور اللہ نے ہماری رہبری کی۔ جمعہ کے بارے میں بھی ان میں اختلاف رہا لیکن ہمیں یہ ہدایت نصیب ہوئی۔ تمام کے تمام اہل کتاب اس لحاظ سے بھی ہمارے پیچھے ہیں۔ جمعہ ہمارا ہے، ہفتہ یہودیوں کا اور اتوار نصرانیوں کا۔" (6) زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جمعہ کے علاوہ قبلہ کے بارے میں بھی یہی ہوا۔ نصاریٰ نے مشرق کو قبلہ بنایا' یہود نے بیت المقدس کو لیکن امت محمدیہ نے کعبہ کو قبلہ مقرر کیا۔ اس طرح نماز میں بھی' ان میں سے بعض کی نماز میں رکوع ہے اور سجدہ نہیں' بعض کے ہاں سجدہ ہے اور رکوع نہیں' بعض نماز میں بولتے چالتے رہتے ہیں بعض چلتے پھرتے رہتے ہیں لیکن امت محمدیہ کی نماز سکون و وقار والی ہے' نہ یہ بولیں نہ چلیں پھریں۔ روزوں میں بھی اسی طرح اختلاف ہوا اور اس میں بھی امت محمدیہ کو ہدایت نصیب ہوئی۔ ان میں سے کوئی تو دن کے بعض حصے کا روزہ رکھتا ہے' کوئی گروہ بعض قسم کے کھانے چھوڑ دیتا ہے لیکن ہمارا روزہ ہر طرح کامل ہے اور اس میں بھی راہ حق ہمیں سمجھائی گئی ہے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہود نے کہا کہ وہ یہودی تھے۔ نصاریٰ نے انہیں نصرانی کہا لیکن دراصل وہ یکسر مسلمان تھے پس اس بارے میں بھی ہماری رہبری کی گئی اور خلیل اللہ علیہ السلام کی نسبت صحیح خیال تک ہم پہنچا دیئے گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی یہودیوں نے جھٹلایا اور ان کی والدہ ماجدہ کی نسبت بدکلامی کی' نصرانیوں نے انہیں اللہ اور اللہ کا بیٹا کہا لیکن مسلمان اس افراط و تفریط سے بچا لئے گئے اور انہیں روح اللہ اور کلمۃ اللہ اور نبی برحق مانا۔ (7)

---

(1) صحيح مسلم، كتاب الزهد، باب الدنيا سجن المؤمن، ٢٩٥٨۔ (2) أحمد، ٦/ ٧١ وسنده ضعيف شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الضعيفة، ١٩٣٣) (3) حاكم، ٢/ ٥٤٦ وسنده ضعيف، قتاده عنعن۔
(4) الطبری، ٤/ ٧٨۔ (5) عبدالرزاق، ١/ ٨٢۔ (6) صحيح بخاری، كتاب الجمعة، باب فرض الجمعة، ٨٧٦، صحيح مسلم، ٨٥٥۔ (7) الطبری، ٤/ ٢٨٤۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۖ
مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ
مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۗ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿٢١٤﴾

ترجمہ: کیا تم یہ گمان کئے بیٹھے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے؟ حالانکہ اب تک تم پر وہ حالات نہیں آئے جو تم سے اگلے لوگوں پر آئے تھے۔ انہیں بیماریاں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ یہاں تک جھنجوڑے گئے کہ رسول اور اس کے ساتھ کے ایماندار کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سن رکھو کہ اللہ کی مدد قریب ہی ہے۔ [۲۱۴]

ربیع بن انس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مطلب آیت کا یہ ہے کہ جس طرح ابتدا میں سب لوگ رب واحد کی عبادت کرنے والے نیکیوں کے عامل برائیوں سے مجتنب تھے درمیان میں اختلاف رونما ہو گیا تھا' پس اس آخری امت کو اول کی طرح اختلاف سے ہٹا کر صحیح راہ پر لگا دیا۔ یہ امت اور امتوں پر گواہ ہوگی یہاں تک کہ امت نوح پر بھی ان کی شہادت ہوگی' قوم ہود' قوم صالح' قوم شعیب اور آل فرعون کا حساب کتاب بھی انہی کی گواہیوں پر ہوگا۔ یہ کہیں گے کہ ان پیغمبروں نے تبلیغ کی اور ان امتوں نے تکذیب کی۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ﴿وَاللّٰهُ يَهْدِيْ﴾ الخ سے پہلے یہ لفظ بھی ہیں ﴿وَلِيَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس آیت میں گویا حکم ہے کہ شبہ سے، گمراہی سے اور فتنوں سے بچنا چاہئے۔ یہ ہدایت رب کے علم اور اس کی رہبری سے ہوئی وہ جسے چاہے راہ استقامت سمجھا دیتا ہے

صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جب تہجد کے لئے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے ((اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَآئِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ)) ❶ یعنی اے اللہ! اے جبرئیل میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کے رب! اے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے اللہ! اے چھپے اور کھلے کے جاننے والے اللہ! تو ہی اپنے بندوں کے آپس کے اختلافات کا فیصلہ کرتا ہے، میری دعا ہے کہ جس جس چیز میں یہ اختلاف کریں' تو مجھے اس میں حق بات سمجھا۔ تو جسے چاہے راہ راست دکھا دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دعا یہ بھی منقول ہے ((اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ وَلَا تَجْعَلْهُ مُلْتَبِسًا عَلَيْنَا فَنَضِلَّ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا)) اے اللہ! ہمیں حق کو حق دکھا اور اس کی تابعداری نصیب فرما اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچا۔ ایسا نہ ہو کہ حق و باطل ہم پر خلط ملط ہو جائے اور ہم بہک جائیں۔ اے اللہ ہمیں نیک کار پرہیزگار اور لوگوں کا امام بنا۔

تنگی کے بعد آسانی: [آیت:۲۱۴] مطلب یہ ہے کہ آزمائش اور امتحان سے پہلے جنت کی آرزوئیں ٹھیک نہیں۔ سابقہ تمام امتوں کا بھی امتحان لیا گیا' انہیں بھی بیماریاں اور مصیبتیں پہنچیں۔ بَاْسَآءُ کے معنی فقیری ❷ اور ضَرَّآءُ کے معنی سخت بیماری کے بھی

❶ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب الدعاء فی صلاۃ اللیل، ۷۷۰؛ ابوداود، ۷۶۷؛ ترمذی، ۳۴۲۰؛ نسائی، ۱۶۲۶؛ ابن ماجة، ۱۳۵۷۔ ❷ ابن ابی حاتم، ۲/ ۲۱۶۔

کئے گئے ہیں۔ زُلْزِلُوْا ان پر دشمنوں کا خوف اس قدر طاری ہوا کہ بیچارے کانپنے لگے۔ ان تمام سخت امتحانوں میں وہ کامیاب ہوئے اور جنت کے وارث بنے۔ صحیح حدیث میں ہے ایک مرتبہ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہماری امداد کی دعا نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا ''بس ابھی سے گھبرا اٹھے۔ سنو تم سے اگلے موحدوں کو پکڑ کر ان کے سروں پر آرے رکھ دیئے جاتے تھے اور چیر کر ٹھیک دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے لیکن تاہم وہ توحید و سنت سے نہ ہٹتے تھے۔ لوہے کی کنگھیوں سے ان کے گوشت پوست نوچے جاتے تھے لیکن تاہم دین الٰہی کو نہیں چھوڑتے تھے۔ قسم اللہ کی اس میرے دین کو تو میرا رب اس قدر پورا کرے گا کہ بلا خوف و خطر صنعاء سے حضر موت تک کا سفر ایک ایک سوار کرنے لگے گا' اسے سوائے اللہ کے کسی کا خوف نہ ہوگا۔ البتہ دل میں یہ خیال ہونا اور بات ہے کہ کہیں میری بکریوں پر بھیڑیا نہ آ پڑے لیکن افسوس تم جلدی کرتے ہو۔'' ❶

قرآن میں ٹھیک یہی مضمون دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے ﴿الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا﴾ ❷ الخ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ محض ایمان کے اقرار سے ہی چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی ہم نے تو اگلوں کو بھی آزمائش کی۔ سچوں اور جھوٹوں کو یقیناً ہم علیحدہ علیحدہ کر کے رہیں گے۔ چنانچہ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری آزمائش یوم الاحزاب کو یعنی جنگ خندق میں ہوئی جیسے خود قرآن نے اس کا نقشہ کھینچا ہے۔ فرمان ہے ﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ﴾ ❸ الخ' یعنی جبکہ کافروں نے تمہیں اوپر نیچے سے گھیر لیا۔ جب کہ آنکھیں پتھرا گئیں' دل حلقوم تک آ گئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ گمان ہونے لگے۔ اس جگہ مؤمنوں کی پوری آزمائش ہوگئی اور وہ خوب جھنجھوڑ دیئے گئے جب کہ منافق اور کمزور یقین والے لوگ کہنے لگے کہ اللہ اور رسول کے وعدے تو غرور ہی کے تھے۔

ہرقل نے جب ابوسفیان سے ان کے کفر کی حالت میں پوچھا تھا کہ تمہاری کوئی لڑائی بھی اس دعویدار نبوت سے ہوئی ہے۔ ابوسفیان نے کہا ہاں۔ پوچھا پھر کیا رنگ رہا۔ کہا کبھی ہم غالب رہے کبھی وہ غالب رہے تو ہرقل نے کہا انبیا کی اسی طرح آزمائش ہوتی رہتی ہے لیکن انجام کار کھلا غلبہ انہی کا ہوتا ہے۔ ❹ مثل کے معنی طریقہ کے ہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿وَمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ ❺ اگلے مؤمنوں نے مع نبیوں کے ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کی اور سختی اور تنگی سے نجات چاہی' جنہیں جواب ملا کہ اللہ تعالیٰ کی امداد بہت ہی نزدیک ہے۔

جیسے اور جگہ ہے ﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ ❻ یقیناً سختی کے ساتھ آسانی ہے' برائی کے ساتھ بھلائی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ بندہ جب ناامید ہونے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ تعجب کرتا ہے کہ میری فریادرسی تو آ پہنچنے کو ہے اور یہ ناامید ہوتا چلا جا رہا ہے' پس اللہ تعالیٰ ان کی جلد بازی اور اپنی رحمت کے قریب ہونے پر ہنس دیتا ہے۔ ❼

❶ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الإسلام، ٣٦١٢۔
❷ ٢٩/ العنکبوت:٢۔ ❸ ٣٣/ الاحزاب:١٠۔
❹ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب قول الله: ﴿قل هل تربصون بنا......﴾، ٢٨٠٤؛ صحیح مسلم، ١٧٧٣۔
❺ ٤٣/ الزخرف:٨۔ ❻ ٩٤/ الم نشرح:٥۔
❼ بے اصل ہے۔ نیز دیکھئے (السلسلة الصحیحه، ٦/ ٧٣٤ ح ٢٨١٠)

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۥ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾

ع

ترجمہ: تجھ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا کچھ خرچ کریں؟ تو کہہ جو مال تم خرچ کرو وہ ماں باپ کے لئے ہے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے تم جو کچھ بھلائی کرو گے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔[۲۱۵] تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے گو وہ تمہیں دشوار معلوم ہو۔ ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو بری جانو اور دراصل وہی تمہارے لئے بھلی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو اچھی سمجھو حالانکہ وہ تمہارے لئے بری ہو۔ حقیقی علم اللہ ہی کو ہے، تم محض بے خبر ہو۔[۲۱۶]

خیرات کے حقدار: [آیت:۲۱۵۔۲۱۶] مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت نفلی خیرات کے بارے میں ہے۔ ❶ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اسے آیت زکوٰۃ نے منسوخ کر دیا لیکن یہ قول ذرا غور طلب ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے نبی! لوگ تم سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کس طرح خرچ کریں؟ تم انہیں کہہ دو کہ ان لوگوں سے سلوک کریں جن کا بیان ہوا۔ حدیث میں ہے اپنی ماں سے سلوک کر اور اپنے باپ سے اور اپنی بہن سے اور اپنے بھائی سے، پھر درجہ بدرجہ قریبی لوگوں سے۔ ❷ یہ حدیث بیان فرما کر حضرت میمون بن مہران رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ ہیں جن کے ساتھ مالی سلوک کیا جائے اور ان پر مال خرچ کیا جائے نہ کہ طبلوں، باجوں، تصویروں اور دیواروں پر کپڑا چسپاں کرنے میں۔ ❸ پھر ارشاد ہوتا ہے تم جو بھی نیک کام کرو اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اور وہ اس پر بہترین بدلہ عنایت فرمائے گا وہ ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔

جہاد کی فرضیت کا حکم: دشمنان اسلام سے دین اسلام کے بچاؤ کے لئے جہاد کی فرضیت کا اس آیت میں حکم ہو رہا ہے۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جہاد ہر شخص پر فرض ہے خواہ لڑائی میں نکلے خواہ بیٹھا رہے۔ بیٹھے رہنے والوں پر یہ لازم ہے کہ جب ان سے مدد طلب کی جائے وہ امداد کریں، جب ان سے فریاد کی جائے یہ فریاد رسی کریں، جب انہیں میدان میں بلایا جائے یہ نکل کھڑے ہوں۔ صحیح حدیث میں ہے جو شخص مر جائے اور اس نے نہ تو جہاد کیا ہو، نہ اپنے دل میں جہاد کا ارادہ کیا وہ جاہلیت کی موت پر مرے گا۔ ❹ اور حدیث میں ہے فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں رہی، ہاں جہاد اور نیت موجود ہے اور جب تم سے جہاد کے لئے نکلنے کو کہا جائے تو نکل کھڑے ہو جایا کرو۔ یہ حکم آپ نے مکہ کے فتح کے دن فرمایا تھا۔ ❺

---

❶ ابن ابی حاتم، ۲/ ۶۱۹۔ ❷ حاکم، ۳/ ۶۱۱ وسندہ ضعیف۔

❸ ابن ابی حاتم، ۲/ ۶۲۰۔ ❹ صحیح مسلم، کتاب الإمارۃ، باب ذم من مات ولم یغزو، ۱۹۱۰۔ بلفظ ((مات علی شعبۃ من نفاق))؛ ابوداود، ۲۵۰۲؛ نسائی، ۳۰۹۹۔ ❺ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب فضل الجهاد والسیر، ۲۷۸۳؛ صحیح مسلم، ۱۳۵۳، ۱۸٦٤؛ ابوداود، ۲٤۸۰؛ ترمذی، ۱۵۹۰؛ نسائی، ٤۱۷٤۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾

ترجمہ: لوگ تجھ سے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کی بابت سوال کرتے ہیں۔ تو کہہ ان میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے لیکن اللہ کی راہ سے روکنا اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا' یہ اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا ہے۔ یہ فتنہ قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔ یہ لوگ تم سے لڑائی بھڑائی کرتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے مرتد کر دیں' اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے پلٹ جائیں اور اسی کفر کی حالت میں مریں تو ان کے اعمال دنیوی اور اخروی سب غارت ہو جائیں گے۔ یہ لوگ جہنمی ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہیں گے۔[۲۱۷] ایمان لانے والے ہجرت کرنیوالے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت مہربانی کرنیوالا ہے۔[۲۱۸]

پھر فرماتا ہے حکم جہاد گو تم پر بھاری پڑے گا اور اس میں تمہیں مشقت اور تکلیف نظر آئے گی کیونکہ ممکن ہے قتل بھی کیے جاؤ' ممکن ہے زخمی ہو جاؤ' پھر سفر کی تکلیف دشمنوں کی یورش وغیرہ لیکن سمجھو تو ممکن ہے کہ تم برا جانو اور تمہارے لئے اچھا ہو کیونکہ اسی سے تمہارا غلبہ ہے اور دشمن کی پامالی ہے' ان کے مال' ان کے ملک بلکہ انکے بال بچے تک تمہارے قدموں میں گر پڑیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو اپنے لئے اچھا جانو اور وہی تمہارے لئے بری ہو عموماً ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک چیز کو چاہتا ہے لیکن فی الواقع نہ اس میں مصلحت ہوتی ہے' نہ خیر و برکت' اسی طرح گو تم جہاد نہ کرنے میں اچھائی سمجھو لیکن دراصل وہ تمہارے لئے زبردست برائی ہے کیونکہ اس سے دشمن تم پر غالب آ جائے گا اور دنیا میں قدم ٹکانے کو بھی تمہیں جگہ نہ ملے گی۔ تمام کاموں کے انجام کا علم محض پروردگار عالم کو ہی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون سا کام تمہارے لئے انجام کے لحاظ سے اچھا ہے اور کون سا برا ہے۔ وہ اسی کام کے لئے حکم دیتا ہے جس میں تمہارے لئے دونوں جہان کی بہتری ہو' تم اس کے احکام کو دل و جان سے قبول کر لیا کرو اور اس کے ہر حکم کو کشادہ پیشانی سے مان لیا کرو اسی میں تمہاری بھلائی اور عمدگی ہے۔

حرمت والے مہینے اور عمرو بن حضرمی کا قتل: [آیت: ۲۱۷-۲۱۸] رسول اللہ ﷺ نے ایک جماعت کو بھیجا اور ان کا امیر حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ جب وہ جانے لگے تو حضور ﷺ کی جدائی کے صدمہ سے رو دیئے۔ آپ ﷺ نے

انھیں تو روک لیا اور ان کے بدلے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو سردار لشکر مقرر کیا اور انہیں ایک خط لکھوا کر دیا اور فرمایا کہ جب تک بطن نخلہ نہ پہنچو اس خط کو نہ پڑھنا اور وہاں پہنچ کر جب اس مضمون کو پڑھ لو تو اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرنا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اس مختصر سی جماعت کو لے کر چلے۔ جب اس مقام پر پہنچے تو فرمان نبی پڑھا اور انا للہ الخ پڑھ کر کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو پڑھا اور میں فرمانبرداری کیلئے تیار ہوں' پھر اپنے ساتھیوں کو پڑھ کر سنایا اور واقعہ بیان کیا۔ دو شخص تو واپس لوٹ گئے لیکن بقایا تمام ساتھ چلنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ آگے چل کر ابن الحضرمی کا فر کو انہوں نے پایا۔ چونکہ یہ علم نہ تھا کہ جمادی الاخری کا یہ آخری دن ہے یا رجب کا پہلا دن تو انھوں نے اس لشکر پر حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں ابن الحضرمی مارا گیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ جماعت وہاں سے واپس لوٹی۔

اب مشرکین نے مسلمانوں پر اعتراض شروع کیا کہ دیکھو انہوں نے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کی اور قتل بھی کیا۔ اس بارے میں یہ آیت اتری (ابن ابی حاتم)۔ ❶ ایک اور روایت میں ہے کہ اس جماعت میں حضرت عمار بن یاسر' حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت عتبہ بن غزوان سلمی اور حضرت سہیل بن بیضاء اور حضرت عامر بن فہیرہ اور حضرت واقد بن عبداللہ یربوعی تھے۔ بطن نخلہ پہنچ کر حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہم نے صاف فرما دیا تھا کہ جو شخص شہادت کا آرزومند ہو وہی آگے بڑھے' یہاں سے واپس جانے والے حضرت سعد بن ابی وقاص اور عتبہ رضی اللہ عنہما تھے۔ ان کے ساتھ نہ جانے کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ ان کا اونٹ گم ہو گیا تھا جس کے ڈھونڈنے میں وہ رہ گئے۔ مشرکین میں حکم بن کیسان' عثمان بن عبداللہ وغیرہ تھے۔ حضرت واقد کے ہاتھوں عمرو قتل ہوا اور یہ جماعت مال غنیمت لے کر واپس لوٹی۔ یہ پہلی غنیمت تھی جو مسلمان صحابہ رضی اللہ عنہم کو ملی اور یہ جانباز جماعت دو قیدیوں اور مال غنیمت لے کر واپس آئی۔ مشرکین مکہ نے قیدیوں کا فدیہ ادا کرنا چاہا اور انہوں نے اعتراضاً کہا کہ دیکھو حضرت کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ رب کے اطاعت گزار ہیں لیکن حرمت والے مہینوں کی کوئی حرمت نہیں کرتے اور ماہ رجب میں جدال و قتال کرتے ہیں۔ مسلمان کہتے تھے کہ ہم نے رجب میں قتل نہیں کیا بلکہ جمادی الاخری میں لڑائی ہوئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ رجب کی پہلی رات اور جمادی الاخری کی آخری شب تھی۔ رجب شروع ہوتے ہی مسلمانوں کی تلواریں میان میں ہو گئی تھیں۔ مشرکین کے اس اعتراض کا جواب اس آیت میں دیا جا رہا ہے کہ یہ سچ ہے کہ ان مہینوں میں جنگ حرام ہے لیکن اے مشرکو! تمہاری بداعمالیاں تو برائی میں اس سے بھی بڑھ کر ہیں۔ تم اللہ کا انکار کرتے ہو تم میرے نبی اور ان کے ساتھیوں کو میری مسجد سے روکتے ہو۔ تم نے انہیں وہاں سے نکال دیا پس اپنی ان سیاہ کاریوں پر نظر ڈالو کہ یہ کس قدر بدترین کام ہیں۔ انہیں حرمت والے مہینوں میں ہی مشرکین نے مسلمانوں کو بیت اللہ شریف سے روکا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجبوراً واپس ہوئے تھے۔ اگلے سال اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینوں میں ہی مکہ کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر فتح کرایا اور مسلمانوں کا پورا تسلط قائم وہاں ہو گیا۔ اب اعتراض کرنے لگے جس پر انہیں ان میں لاجواب کیا گیا۔ عمرو بن الحضرمی جو قتل کیا گیا یہ طائف سے مکہ کو آ رہا تھا۔ گو رجب کا چاند چڑھ چکا تھا لیکن صحابہ کو معلوم نہ تھا۔ وہ اس رات کو جمادی الاخری کی آخری رات سمجھتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے ساتھ آٹھ آدمی تھے۔ سات تو وہی جن کے نام اوپر بیان ہوئے آٹھویں حضرت رباب اسدی رضی اللہ عنہ تھے' انہیں بدر اولیٰ سے واپسی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا۔ یہ سب مہاجر صحابہ تھے' ان میں ایک بھی انصاری نہ تھا۔ دو دن کے سفر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نامہ مبارک کو پڑھا تھا جس میں تحریر تھا کہ میرے

❶ ابن ابی حاتم، ۲/ ۶۲۸ ح ۲۰۲۲ وسندہ صحیح شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (فقہ السیرۃ: ص ۲۲۷)

اس حکم نامہ کو پڑھ کر مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ میں جاؤ وہاں ٹھہرو اور قریش کے قافلہ کا انتظار کرو اور ان کی خبریں معلوم کر کے مجھے پہنچاؤ۔ جب یہ بزرگ یہاں سے چلے تو سارے کے سارے ہی چلے تھے۔ دو صحابی جو اونٹ کو ڈھونڈنے کے لئے رہ گئے تھے وہ بھی یہاں سے ساتھ ہی تھے لیکن فرغ کے اوپر معدن میں پہنچ کر نجران میں انہیں اونٹوں کی تلاش میں رک جانا پڑا۔ قریشیوں کے اس قافلے میں زیتون وغیرہ تجارتی مال تھا۔ مشرکین میں علاوہ ان لوگوں کے جن کے نام اوپر بیان ہوئے ہیں نوفل بن عبداللہ وغیرہ بھی تھے۔ مسلمان پہلے تو انہیں دیکھ کر گھبرائے لیکن پھر مشورہ کر کے مسلمانوں نے یہ سوچ کر کہ اگر انہیں چھوڑ دیا تو اس رات کے بعد حرمت کا مہینہ آ جائیگا تو ہم پھر کچھ بھی نہ کر سکیں گے انہوں نے شجاعت و مردانگی کے ساتھ حملہ کیا۔

حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی رضی اللہ عنہ نے عمرو بن حضرمی کو ایسا تاک کر تیر لگایا کہ اس کا تو فیصلہ ہی ہو گیا۔ عثمان اور حکم کو قید کر لیا اور مال وغیرہ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ راستہ ہی میں سردار لشکر نے کہہ دیا تھا کہ اس مال میں سے پانچواں حصہ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے چنانچہ یہ حصہ تو الگ کر کے رکھ دیا گیا اور باقی مال صحابہ میں تقسیم کر دیا جبکہ اس وقت تک یہ حکم نازل نہیں ہوا تھا کہ مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ نکالنا چاہیے۔ جب یہ لشکر سرکار نبی کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے واقعہ سن کر ناراضگی ظاہر فرمائی اور فرمایا کہ "میں نے تمہیں حرمت والے مہینوں میں لڑائی کرنے کو کب کہا تھا؟" نہ تو قافلہ کا کچھ مال آپ نے لیا نہ قیدیوں کو قبضہ میں کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول و فعل سے یہ مسلمان سخت نادم ہوئے اور اپنی گنہگاری کا انہیں یقین ہو گیا۔

پھر قریشیوں نے طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم حرمت والے مہینوں میں بھی جدال و قتال سے باز نہیں رہتے۔ دوسری جانب یہودیوں نے ایک بدفال نکالی۔ چونکہ عمرو قتل کیا گیا تھا تو انہوں نے کہا (عَمَّرَتِ الْحَرْبُ) لڑائی پر رونق اور خوب زور و شور سے لمبی مدت تک ہو گی۔ اس کے باپ کا نام حضرمی تھا اس سے انہوں نے فال لی کہ (حَضَرَتِ الْحَرْبُ) وقت لڑائی آ پہنچا۔ قاتل کا نام واقد رضی اللہ عنہ تھا جس سے انھوں نے کہا (وَقَدَتِ الْحَرْبُ) لڑائی کی آگ بھڑک اٹھی۔ لیکن قدرت نے اسے برعکس کر دیا اور نتیجہ تمام تر مشرکین کے خلاف رہا اور ان کے اس اعتراض کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر بالفرض جنگ حرمت والے مہینے میں ہوئی بھی تو اس سے بدترین تمہاری سیاہ کاریاں موجود ہیں۔ تمہارا یہ فتنہ کہ تم اللہ کے دین سے مسلمانوں کو مرتد کرنے کی اپنی تمام تر امکانی کوششیں کر رہے ہو یہ اس قتل سے بھی بڑھ کر ہے اور تم تو اپنے ان کاموں سے رکتے ہو نہ توبہ کرتے ہو نہ اس پر نادم ہوتے ہو۔

ان آیات کے نازل ہونے کے بعد مسلمان اس رنج و افسوس سے آزاد ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلہ اور قیدیوں کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ قریشیوں نے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قاصد بھیجا کہ ان دونوں قیدیوں کا فدیہ لے لیجئے مگر آپ نے فرمایا کہ "میرے دونوں صحابی سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہما جب آ جائیں تب آؤ، مجھے ڈر ہے کہ تم انہیں ایذا نہ پہنچاؤ۔" چنانچہ جب وہ آ گئے تو آپ نے فدیہ لے لیا اور دونوں قیدیوں کو رہا کر دیا۔ حکم بن کیسان رضی اللہ عنہ تو مسلمان ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہی رہ گئے آخر بئر معونہ کی لڑائی میں شہید ہوئے۔ ہاں عثمان بن عبداللہ جو کہ واپس گیا اور وہیں کفر میں ہی مرا۔ ان غازیوں کو یہ آیت سن کر بڑی خوشی حاصل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کی وجہ سے حرمت والے مہینوں کی بے ادبی کی وجہ سے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی چشمک کی بنا پر کفار کے طعنہ کے باعث جو رنج و غم ان کے دلوں پر تھا سب دور ہو گیا لیکن اب یہ فکر پڑی کہ ہمیں اخروی اجر بھی ملے گا یا نہیں، ہم غازیوں میں شمار کئے جائیں گے یا نہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوالات کئے گئے تو اس کے جواب میں یہ آیت ﴿اِنَّ ==

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

ترجمہ: لوگ تجھ سے شراب اور جوئے کا مسئلہ پوچھتے ہیں۔ تو کہہ کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے لوگوں کو اس سے دنیوی فائدہ بھی ہوتا ہے لیکن انکا گناہ انکے نفع سے بہت زیادہ ہے۔ اور تجھ سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں تو کہہ حاجت سے زائد چیز۔ اللہ تعالیٰ اس طرح اپنے احکام صاف صاف تمہارے لئے بیان فرما رہا ہے تا کہ تم سوچ سمجھ سکو۔[۲۱۹] امور دینی اور دنیوی کو اور تجھ سے یتیموں کے بارے میں بھی سوال کرتے ہیں' تو کہہ کہ ان کی خیر خواہی بہتر ہے' تم اگر ان کے مال اپنے مال میں ملا بھی لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ بدنیت اور نیک نیت ہر ایک کو اللہ خوب جانتا ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔[۲۲۰]

= الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ الخ نازل ہوئی ❶ اور انکی بڑی بڑی امیدیں بندھ گئیں رضی اللہ عنہم۔ اسلام اور کفر کے مقابلہ میں سب سے پہلے یہی ابن الحضرمی مارا گیا۔ کفار کا وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ کیا حرمت والے مہینوں میں قتل کرنا جائز ہے۔ اس پر آیت ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ﴾ الخ نازل ہوئی۔ یہی مال غنیمت تھا جو سب سے پہلے مسلمانوں کے ہاتھ لگا اور سب سے پہلے پانچواں حصہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے ہی نکالا جو اسلام میں باقی رہا اور حکم الٰہی بھی اسی طرح نازل ہوا اور یہی دو قیدی تھے جو سب سے پہلے مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہوئے۔ اس واقعہ کو ایک نظم میں بھی ادا کیا گیا ہے بعض تو کہتے ہیں کہ یہ اشعار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہیں لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اشعار خود عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے ہیں جو اس مختصر سے لشکر کے سردار تھے' اللہ ان سے خوش ہو۔

شراب اور جوئے کی حرمت: [آیت:۲۱۹۔۲۲۰] جب شراب کی حرمت کی آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ تو اس کا واضح بیان فرما' اس پر سورۂ بقرہ کی یہ آیت ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ﴾ الخ نازل ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلوایا گیا اور انہیں یہ آیت پڑھ کر سنائی گئی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر بھی یہی دعا کی کہ اے اللہ اسے ہمارے لئے اور زیادہ صاف بیان فرما' اس پر سورۂ نساء کی یہ آیت ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ ❷ الخ نازل ہوئی اور ہر نماز کے وقت پکارا جانے لگا کہ نشے والے لوگ نماز کے قریب بھی نہ آئیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلوایا گیا اور ان کے سامنے اس آیت کی بھی تلاوت کی گئی۔ آپ نے پھر بھی یہی دعا کی کہ اے اللہ ہمارے لئے اس کا بیان اور واضح کر اس پر سورہ مائدہ کی آیت ﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ﴾ الخ اتری۔ جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ آیت بھی سنائی گئی اور جب ان کے کان میں آیت کے آخری الفاظ ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾

❶ ابن هشام، ٢/ ٢٥٢۔ دیکھئے (فقه السيره: ص٢٢٦) ❷ ٤/ النسآء:٤٣۔

پڑے تو آپ بول اٹھے (اِنْتَهَيْنَا اِنْتَهَيْنَا) ہم رک گئے ہم باز آئے۔ ❶ ملاحظہ ہو مسند احمد ابوداؤد ترمذی اور نسائی وغیرہ۔ ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ میں بھی یہ روایت ہے لیکن اس کا راوی ابو میسرہ ہے جن کا نام عمرو بن شرحبیل ہمدانی کوفی ہے۔ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا سماع حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ امام علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی اسناد صالح اور صحیح ہے۔ امام ترمذی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (اِنْتَهَيْنَا اِنْتَهَيْنَا) کے قول کے بعد یہ بھی ہے کہ شراب مال کو برباد کرنے والی اور عقل کو خبط کرنے والی چیز ہے۔ یہ روایت اور اسی کے ساتھ مسند کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی اور سورہ مائدہ کی آیت ﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ﴾ الخ کی تفسیر میں مفصل بیان ہوں گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں خمر ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ لے ❷ اس کا پورا بیان بھی سورہ مائدہ میں ہی آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

میسر کہتے ہیں جوئے بازی کو گناہ ان کا وبال اخروی ہے اور فائدہ صرف دنیوی ہے کہ بدن کو کچھ نفع پہنچے یا غذا ہضم ہو یا فضلے برآمد ہوں یا بعض ذہن تیز ہو جائیں یا ایک طرح کا سرور حاصل ہو جیسے کہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا جاہلیت کے زمانہ کا شعر ہے کہ شراب پی کر ہم بادشاہ اور دلیر بن جاتے ہیں۔ اور اسی طرح اس کی خرید فروخت اور کشید میں بھی تجارتی نفع ممکن ہے۔ اسی طرح جوئے بازی میں ممکن ہے جیت ہو جائے لیکن ان کے فوائد کے مقابلہ میں ان کے نقصانات بکثرت ہیں کیونکہ اس سے عقل کا مارا جانا ہوش و حواس کا بےکار ہونا ضروری ہے ساتھ ہی دین کا برباد ہونا بھی ہے۔

یہ آیت گو شراب کی حرمت کا پیش خیمہ تھی گو اس میں صاف صاف حرمت بیان نہ ہوئی تھی اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی چاہت تھی کہ کھلے لفظوں میں شراب کی حرمت نازل ہو چنانچہ آخر کار سورہ مائدہ کی آیت میں صاف فرما دیا گیا کہ شراب اور جوا اور پانسے اور تیر سے فال لینا سب حرام اور شیطانی کام ہیں اے مسلمانو! اگر نجات کے طالب ہو تو ان سے باز آ جاؤ۔ شیطان کی تمنا ہے کہ شراب اور جوئے کے باعث تمہارے آپس میں عداوت و بغض ڈال دے اور تمہیں ذکر اللہ اور نماز سے روک دے۔ کیا اب تم شیطانی کاموں سے رک جانے والے بن جاؤ گے؟ ان شاء اللہ اس کا پورا بیان سورہ مائدہ میں آئے گا۔ مفسرین تابعی فرماتے ہیں کہ شراب کے بارے میں پہلے یہی آیت نازل ہوئی پھر سورۂ نساء کی آیت نازل ہوئی پھر سورۂ مائدہ کی آیت اتری اور شراب مکمل طور پر حرام ہو گئی۔ ❸

بچے ہوئے مال سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا: ﴿قُلِ الْعَفْوَ﴾ کی ایک قراءت ﴿قُلِ الْعَفْوُ﴾ بھی ہے اور دونوں قراءتیں ٹھیک ہیں معنی قریب قریب اور ایک ہو سکتے ہیں اور بند بھی بیٹھ سکتے ہیں۔ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ حضور! ہمارے غلام بھی ہیں بال بچے بھی ہیں اور ہم مال دار بھی ہیں کیا کچھ اللہ کی راہ میں دیں؟ جس کے جواب میں ﴿قُلِ الْعَفْوَ﴾ کہا گیا یعنی جو اپنے بال بچوں کے خرچ کے بعد بچے۔ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کی یہی تفسیر مروی ہے۔ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ہر چیز میں سے تھوڑا تھوڑا اللہ کی راہ میں بھی دیتے رہا کر۔ ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں افضل اور بہتر

❶ احمد، ١/ ٥٣؛ ابوداود، كتاب الأشربة، باب تحريم الخمر، ٣٦٧٠ وسنده ضعيف، ابواسحاق مدلس راوی ہے اور سماع کی صراحت نہیں۔ ترمذی، ٣٠٤٩؛ نسائی، ٥٥٤٢۔ ❷ صحيح بخاری، كتاب التفسير، باب قوله ﴿انما الخمر والميسر والأنصاب......﴾، ٤٦١٩۔ ❸ الطبری، ٣/ ٣٣١۔

مال اللہ کی راہ میں دو۔ سب اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ ضرورت سے زائد چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسا نہ کرو کہ سب دے ڈالو اور پھر خود سوال کے لئے بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا حضور! میرے پاس ایک دینار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اپنے کام میں لاؤ۔'' اس نے کہا میرے پاس ایک اور ہے۔ آپ نے فرمایا ''اپنی بیوی پر خرچ کرو۔'' اس نے کہا حضرت! ایک اور ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بچوں کی ضروریات میں لگاؤ۔ اس نے کہا ایک اور بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب تو ''خود دیکھ بھال سکتا ہے۔'' ❶

مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا ''اپنے نفس سے شروع کر' پہلے اسی پر صدقہ کر' پھر بچے تو اپنے بال بچوں پر' پھر بچے تو اپنے رشتہ داروں پر' پھر بھی بچے تو اور دوسرے حاجت مندوں پر۔'' ❷ اسی کتاب میں ایک اور حدیث ہے کہ سب سے افضل خیرات وہ ہے جو انسان اپنے خرچ کے مطابق رکھ کر باقی بچی ہوئی چیز کو اللہ کی راہ دے' اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے افضل ہے' پہلے انہیں دے جن کا خرچ تیرے ذمہ ہے۔ ❸ ایک اور حدیث میں ہے کہ اے ابن آدم جو تیرے پاس اپنی ضرورت سے زائد ہوا سے اللہ کی راہ میں دے ڈالنا ہی تیرے لئے بہتر ہے اور اس کا روک رکھنا تیرے لئے برا ہے۔ ہاں اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کرنے میں تجھ پر کوئی ملامت نہیں۔ ❹ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ یہ حکم زکوۃ کے حکم سے منسوخ ہو گیا۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں زکوۃ کی آیت گویا اس آیت کی تفسیر اور اس کا واضح بیان ہے' ٹھیک قول یہی ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ جس طرح یہ احکام واضح کر کے' کھول کھول کر ہم نے بیان فرمائے۔ اسی طرح ہم باقی احکام بھی وضاحت اور تشریح کے ساتھ بیان فرمائیں گے۔ وعدے وعید بھی صاف طور پر کھول دیئے جائیں گے تاکہ تم دنیائے فانی کی طرف سے بے رغبت ہو کر آخرت کی طرف متوجہ ہو جاؤ جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا واللہ جو غور وتدبر کرے گا جان لے گا کہ دنیا بلا کا گھر ہے اور اس کا انجام فنا ہے اور آخرت جزا اور بقا کا گھر ہے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں غور وفکر کرنے سے صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ دنیا پر آخرت کو کس قدر فضیلت ہے۔ پس عقلمند کو چاہئے کہ آخرت کی بھلائی کے جمع کرنے کی کوشش میں لگ جائے۔

یتیم کے مال کو دیکھ بھال کرنے کا حکم: پھر یتیم کے بارے میں احکام نازل ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں پہلے یہ حکم ہوا تھا کہ ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ ❺ یعنی ''یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر اس طریقہ سے جو بہترین طریقہ ہو'' اور فرمایا گیا تھا ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَّسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا﴾ ❻ یعنی ''جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور بھڑکتی ہوئی جہنم میں عنقریب داخل ہوں گے'' تو ان کو سن کر ان لوگوں نے جو یتیموں کے والی تھے' یتیموں کا کھانا ان کا پانی اپنے گھر کے کھانے اور گھر کے پانی سے بالکل جدا کر دیا۔ اب اگر اس کا پکا ہوا کھانا بچ رہا تو اسے یا تو وہی دوسرے وقت کھائے یا خراب ہو جائے' تو یوں ایک طرف تو ان یتیموں کا نقصان ہونے لگا دوسری جانب والیان یتیم بھی تنگ آ گئے کہ کب تک ایک ہی گھر میں اس طرح رکھ رکھاؤ =

---

❶ ابوداود، کتاب الزکاۃ، باب فی صلة الرحم، ۱٦۹۱؛ وھو حسن، مسلم: ۹۹۵ نحو المعنیٰ۔

❷ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب الابتداء فی النفقة بالنفس، ۹۹۷؛ نسائی، ٤٦٥٦۔

❸ صحیح بخاری، کتاب النفقات، باب وجوب النفقة علی الأهل......٥٣٥٥، من حدیث أبی هریرة؛ صحیح مسلم، ۱۰۳٤ عن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ؛ نسائی، ۲٥٤٤۔ ❹ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب بیان أن الید العلیا خیر من الید السفلیٰ، ۱۰۳٦؛ ترمذی، ۲۳٤٤۔ ❺ ٦/ الانعام: ۱٥۱۔ ❻ ٤/ النسآء: ۱۰۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚۖ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾

ع ۵

ترجمہ: شرک کرنے والی عورتوں سے تاوقتیکہ وہ ایمان نہ لائیں تم نکاح نہ کرو۔ ایماندار لونڈی بھی شرک کرنے والی آزاد عورت سے بہت بہتر ہے گو تمہیں مشرکہ ہی اچھی لگتی ہو اور نہ شرک کرنے والے مردوں کے نکاح میں دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔ ایماندار غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے گو مشرک تمہیں اچھا لگے۔ یہ لوگ تمہیں جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کی طرف اور اپنی بخشش کی طرف اپنے حکم سے بلاتا ہے۔ وہ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان فرما رہا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔[۲۲۱]

= کیا کریں تو ان لوگوں نے آ کر حضور ﷺ سے عرض کی جس پر یہ آیت ﴿قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ﴾ الخ نازل ہوئی اور نیک نیتی اور دیانت داری کے ساتھ ان کے مال کو اپنے مال میں ملا لینے کی رخصت دی گئی۔ ابوداؤد و نسائی وغیرہ میں یہ موجود ہیں ❶ اور سلف کی ایک بہت بڑی جماعت نے اس کا شان نزول یہی بیان فرمایا ہے۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں یتیم کے ذرا ذرا سے مال کی اس طرح دیکھ بھال سخت مشکل کام ہے کہ اس کا کھانا الگ ہو اس کا پینا الگ ہو۔ ﴿اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ﴾ سے تو یہی علیحدگی مراد ہے لیکن پھر ﴿وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ﴾ فرما کر کھانا پینا ملا جلا رکھنے کی اجازت دی گئی' اس لئے کہ وہ بھی دینی بھائی ہیں' ہاں نیت نیک ہونی چاہئے۔ قصد اور ارادہ اگر یتیم کو نقصان رسانی کا ہے تو وہ بھی اللہ تبارک و تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں اور اگر مقصود یتیم کی بھلائی اور اس کے مال کی نگہبانی ہے تو اسے بھی وہ علام الغیوب بخوبی جانتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تمہیں تکلیف و مشقت میں مبتلا رکھنا نہیں چاہتا۔ جو تنگی اور مشکل تم پر یتیم کا کھانا پینا بالکل جدا رکھنے میں تھا وہ اللہ تعالیٰ نے دور فرما دیا اور تم پر تخفیف کر دی اور ایک ہنڈیا رکھنا اور ملا جلا کام کرنا تمہارے لئے مباح قرار دے دیا' بلکہ یتیم کا سرپرست اگر فقیر مسکین محتاج ہو تو دستور کے مطابق اپنے خرچ میں لا سکتا ہے اور اگر کسی مال دار نے بوقت ضرورت اس کی کوئی چیز اپنے مصرف میں استعمال کی تو بعد میں ادا کر دے۔ یہ مسائل ان شاء اللہ وضاحت کے ساتھ سورۂ نساء کی تفسیر میں بیان ہوں گے۔

مشرک مرد یا مشرکہ عورت سے نکاح نہ کرو؟ [آیت:۲۲۱] بت پرست مشرکہ عورتوں سے نکاح کی حرمت بیان ہو رہی ہے۔ گو آیت کا عموم تو ہر ایک مشرکہ عورت سے نکاح کرنے کی ممانعت پر ہی دلالت کرتا ہے لیکن دوسری جگہ فرمان ہے ﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ ❷ الخ یعنی تم سے پہلے جو کتاب اللہ دیئے گئے ہیں ان کی پاکدامن عورتوں سے بھی جو زنا کاری سے بچنے والی ہوں ان کے مہر ادا کر کے ان سے نکاح کرنا تمہارے لئے حلال ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی یہی ہے کہ ان

---

❶ ابوداود، کتاب الوصایا، باب مخالطة الیتیم فی الطعام، ۲۸۷۱ وسندہ ضعیف عبدالرحمٰن بن زیاد الافریقی راوی ضعیف ہے۔ نسائی، ۳۶۹۹، ۳۷۰۰۔ ❷ ۵/ المآئدۃ:۵۔

مشرکہ عورتوں میں سے اہل کتاب کی عورتیں مخصوص ہیں۔ ❶ مجاہد عکرمہ سعید بن جبیر مکحول حسن ضحاک قتادہ زید بن اسلم اور ربیع بن انس رحمہم اللہ کا بھی یہی فرمان ہے۔ ❷ بعض کہتے ہیں کہ آیت صرف بت پرست مشرکہ عورتوں ہی کے لئے نازل ہوئی ہے۔اس طرح گویا اس طرح مطلب دونوں کا ایک ہی ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی قسم کی عورتوں سے نکاح کرنے کو ناجائز کیا سوا ایمان دار ہجرت کر کے آنے والی عورتوں کے اور خصوصاً ان عورتوں سے جو کسی دوسرے مذہب کی پابند ہوں نکاح کرنا حرام قرار دیا گیا۔ ❸ قرآن کریم میں اور جگہ ہے:﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ﴾ ❹ یعنی کافروں کے اعمال برباد ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے یہودیہ عورت سے نکاح کر لیا تھا اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے ایک نصرانیہ عورت سے نکاح کر لیا تھا جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سخت ناراض ہوئے یہاں تک کہ قریب تھا کہ انہیں کوڑے لگائیں۔ان دونوں بزرگوں نے کہا اے امیر المؤمنین! آپ ناراض نہ ہوں ہم انہیں طلاق دے دیتے ہیں آپ نے فرمایا اگر طلاق دینی حلال ہے تو پھر نکاح بھی حلال ہونا چاہئے میں انہیں تم سے چھین لوں گا اور اس ذلت کے ساتھ انہیں الگ کر دوں گا لیکن یہ حدیث نہایت غریب ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بالکل ہی غریب ہے۔امام ابن جریر نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کے حلال ہونے پر اجماع نقل کیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ یہ صرف سیاسی مصلحت کی بنا پر تھا تا کہ مسلمان عورتوں سے لوگ بے رغبتی نہ کریں یا کوئی اور حکمت عملی اس فرمان میں تھی۔چنانچہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرمان ملا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ کیا آپ اسے حرام کہتے ہیں؟ خلیفۃ المسلمین نے جواب دیا کہ حرام تو نہیں کہتا مگر مجھے خوف ہے کہ کہیں تم مؤمنہ عورتوں سے نکاح نہ کرو اس روایت کی اسناد بھی صحیح ہے۔ ❺

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مسلمان مرد نصرانی عورت سے نکاح کر سکتا ہے لیکن نصرانی مرد کا نکاح مسلمان عورت سے نہیں ہو سکتا ❻ اس روایت کی سند پہلی روایت سے زیادہ صحیح ہے۔ابن جریر میں تو ایک مرفوع حدیث بھی باسناد مروی ہے کہ ہم اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کر لیں لیکن اہل کتاب مرد مسلمان عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے۔لیکن اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے مگر امت کا اجماع اسی پر ہے۔ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے اہل کتاب کے نکاح کو ناپسند کیا اور اس آیت کی تلاوت فرمادی۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی نقل فرماتے ہیں کہ میں کسی شرک کو اس شرک سے بڑھ کر نہیں پاتا کہ وہ عورت کہتی ہے کہ عیسیٰ اس کے اللہ ہیں۔ ❼ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کا مطلب پوچھا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں مراد اس سے عرب کی وہ مشرکہ عورتیں ہیں جو بت پرست تھیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ایمان والی لونڈی شرک کرنے والی آزاد عورت سے اچھی ہے یہ فرمان حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوتا ہے۔ان کی ایک سیاہ رنگ لونڈی تھی ایک مرتبہ غصہ میں آ کر اسے تھپڑ مار دیا تھا۔پھر گھبرائے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا۔آپ نے پوچھا ”اس کا کیا حال ہے۔“ کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم! وہ روزے رکھتی =

❶ الطبری، ٤/ ٣٥٠۔ ❷ ابن ابی حاتم، ٢/ ٦٦٩۔

❸ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة الاحزاب، ٣٢١٥ وسنده حسن۔ ❹ ٥/ المآئدة:٥۔

❺ ابن جریر، ٢/ ٢٢٢ وسنده صحیح۔ ❻ الطبری، ٤/ ٣٦٦ اس روایت کی سند یزید بن ابی زیاد کی وجہ سے ضعیف ہے۔

❼ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب قول الله تعالىٰ، ﴿ولا تنكحوا المشركات......﴾ ٥٢٨٥۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

ترجمہ: تم سے حیض کے بارے میں سوال ہوتا ہے' کہہ دو کہ وہ گندگی ہے حالت حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں انکے قریب نہ جاؤ' ہاں جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔[۲۲۲] تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو آؤ اور اپنے لئے آگے بھیجو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تم اس سے ملنے والے ہو۔ ایمان والوں کو خوش خبری سنا دے۔[۲۲۳]

= ہے نماز پڑھتی ہے اچھی طرح وضو کرتی ہے اللہ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کی گواہی دیتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اے ابو عبداللہ پھر تو وہ ایماندار ہے۔'' کہنے لگے' یا رسول اللہ! قسم اس اللہ کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اسے آزاد کر دوں گا اور اتنا ہی نہیں بلکہ پھر اس سے نکاح بھی کر لوں گا۔ چنانچہ یہی کیا' جس پر بعض مسلمانوں نے انہیں طعنہ دیا۔ وہ چاہتے تھے کہ مشرکوں میں ان کا نکاح کرا دیں اور انہیں اپنی لڑکیاں بھی دیں تا کہ شرافت نسب قائم رہے۔ اس پر یہ فرمان نازل ہوا کہ مشرک آزاد عورت سے تو مسلمان لونڈی ہزار ہا درجہ بہتر ہے اور اسی طرح مشرک آزاد مرد سے مسلم غلام بھی بڑھ چڑھ کر ہے۔

نکاح کیلئے مال و دولت کی بجائے دینداری دیکھو: مسند عبد بن حمید میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''عورتوں کے محض حسن پر فریفتہ ہو کر ان سے نکاح نہ کر لیا کرو ممکن ہے کہ ان کا حسن انہیں مغرور کر دے۔ عورتوں کے مال دار ہونے کی وجہ سے ان سے نکاح نہ کر لیا کرو ممکن ہے مال انہیں سرکش کر دے' نکاح کرو تو دینداری دیکھا کرو۔ بدصورت سیاہ فام لونڈی بھی اگر وہ دیندار ہو تو بہت افضل ہے۔'' ❶ لیکن اس حدیث کے راویوں میں افریقی ضعیف ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''چار باتیں دیکھ کر عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے۔ ایک تو مال دوسرے حسب نسب تیسرے جمال و خوبصورتی چوتھے دین' تم دینداری کو ترجیح دو۔'' ❷ مسلم شریف میں ہے دنیا کل کی کل ایک متاع ہے اور متاع دنیا میں سب سے افضل چیز نیک بخت عورت ہے۔ ❸ پھر فرمان ہے کہ مشرک مردوں کے نکاح میں مسلمان عورتیں بھی نہ دو جیسے اور جگہ ہے ﴿لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ﴾ ❹ نہ کافر عورتیں مسلمان مردوں کے لئے حلال' نہ مسلمان مرد کافر عورتوں کے لئے حلال۔ =

❶ ابن ماجة، كتاب النكاح، باب تزويج ذات الدين، ١٨٥٩ وسنده ضعيف عبدالرحمن بن زیاد الافریقی راوی ضعیف ہے۔

❷ صحيح بخاری، كتاب النكاح، باب الاكفاء فی الدین، ٥٠٩٠؛ صحیح مسلم، ١٤٦٦۔

❸ صحیح مسلم، كتاب الرضاع، باب خير متاع الدنيا المرأة الصالحة، ١٤٦٩؛ نسائی، ٣٢٣٤۔ ❹ ٦٠/ الممتحنة: ١٠۔

= پھر فرمان ہے کہ مؤمن مرد گو حبشی غلام ہو مگر پھر بھی وہ رئیس اور سردار آزاد کافر سے بہتر ہے۔ ان لوگوں کا میل جول ان کی صحبت محبت دنیا حفاظت دنیا اور دنیا طلبی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا سکھاتی ہے جس کا انجام جہنم ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کی پابندی اس کے حکموں کی تعمیل جنت کی رہبری کرتی ہے گناہوں کی مغفرت کا باعث بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے وعظ ونصیحت اور پند وعبرت کیلئے اپنی آیتیں واضح طور پر بیان فرما دیں۔

حیض اور جماع سے متعلق مسائل کی تفصیل: [آیت:۲۲۲۔۲۲۳] حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہودی لوگ حائضہ عورتوں کو نہ اپنے ساتھ کھلاتے تھے' نہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا جس کے جواب میں یہ آیت اتری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سوائے جماع کے اور سب کچھ حلال ہے۔'' یہودی یہ سن کر کہنے لگے کہ انہیں تو ہمارے مخالفت سے ہی غرض ہے۔ حضرت اسید بن حضیر اور حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہما نے یہودیوں کا یہ کلام نقل کر کے کہا کہ حضور! پھر ہمیں جماع کی بھی اجازت دی جائے۔ یہ سن کر آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا یہاں تک کہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے خیال کیا کہ آپ ان پر ناراض ہو گئے۔ جب یہ بزرگ جانے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی بزرگ تحفتاً دودھ لے کر آئے' آپ نے ان کے پیچھے آدمی بھیج کر انھیں بلایا اور وہ دودھ انھیں پلایا۔ اب معلوم ہوا کہ وہ غصہ جاتا رہا (مسلم)۔ ❶ پس اس فرمان کا کہ حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو یہ مطلب ہوا کہ جماع نہ کرو اس لئے کہ اور سب حلال ہے۔ اکثر علما کا مذہب ہے کہ سوائے جماع کے مباشرت جائز ہے۔

حدیثوں میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسی حالت میں ازواج مطہرات سے ملتے جلتے لیکن وہ تہد باندھے ہوئے ہوتی تھیں (ابوداود)۔ ❷ حضرت عمارہ رحمۃ اللہ علیہ کی پھوپھی صاحبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کرتی ہیں کہ اگر عورت حیض کی حالت میں ہو اور گھر میں میاں بیوی کا ایک ہی بستر ہو تو وہ کیا کرے؟ یعنی ایسی حالت میں اس کے ساتھ اس کا خاوند سو سکتا ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا سنو! ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے' آتے ہی اپنی نماز کی جگہ تشریف لے گئے اور نماز میں مشغول ہو گئے دیر زیادہ لگ گئی اور اس دوران میں مجھے نیند آ گئی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سردی لگنے لگی تو آپ نے مجھ سے فرمایا یہاں آؤ' میں نے کہا حضور! میں تو حیض سے ہوں۔ آپ نے مجھے گھٹنوں کے اوپر سے کپڑا ہٹانے کا حکم دیا اور پھر میری ران پر رخسار اور سینہ رکھ کر لیٹ گئے' میں بھی آپ پر جھک گئی تو سردی کچھ کم ہوئی اور اس گرمی میں آپ کو نیند آ گئی' ❸

حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہا کہ (اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَعَلٰى اَهْلِهٖ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دے کر مَرْحَبًا مَرْحَبًا کہا اور اندر آنے کی اجازت دی۔ آپ نے کہا مائی صاحبہ میں ایک مسئلہ پوچھتا ہوں لیکن شرم معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا' سن میں تیری ماں ہوں تو قائم مقام میرے بیٹے کے ہے جو پوچھنا ہو پوچھ کہا فرمائیے آدمی کو اپنی حائضہ بیوی سے کیا حلال ہے؟ فرمایا سوائے شرمگاہ کے اور سب جائز ہے (ابن جریر)۔ ❹ اور سندوں سے بھی مختلف الفاظ کے ساتھ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کا یہ قول مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' مجاہد' حسن اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہم کا فتویٰ بھی یہی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ لیٹنا، بیٹھنا، اسکے ساتھ کھانا پینا وغیرہ امور بالاتفاق جائز ہیں۔

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها، ۳۰۲۔

❷ ابوداود، کتاب الطهارة، باب فی الرجل یصیب منها ما دون الجماع، ۲۷۲ وسنده حسن۔

❸ ابوداود، کتاب الطهارة، باب فی الرجل یصیب منها ما دون الجماع، ۲۷۰ وسنده ضعیف عبدالرحمٰن بن زیاد الافریقی ضعیف ہے۔

❹ الطبری، ۴/ ۳۷۸۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سر دھویا کرتی۔ آپ میری گود میں ٹیک لگا کر لیٹ کر قرآن شریف کی تلاوت فرماتے حالانکہ میں حیض سے ہوتی تھی۔ ❶ میں ہڈی چوستی تھی اور آپ بھی اسی ہڈی کو وہیں منہ لگا کر چوستے تھے۔ میں پانی پیتی تھی پھر پیالہ آپ کو دیتی' آپ بھی وہیں منہ لگا کر اس پیالہ سے وہی پانی پیتے اور میں اس وقت حائضہ ہوتی تھی۔ ❷ ابوداؤد میں روایت ہے کہ میرے حیض کے شروع دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ ایک ہی لحاف میں سوتے تھے۔ اگر آپ کا کپڑا کہیں سے خراب ہو جاتا تو آپ اتنی ہی جگہ کو دھوڈالتے اگر جسم مبارک پر کچھ لگ جاتا تو اسے بھی دھوڈالتے اور پھر ان ہی کپڑوں میں نماز پڑھتے۔ ❸ ہاں ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' میں جب حیض سے ہوتی تو بستر سے اتر جاتی اور بوریے پر آ جاتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے قریب بھی نہ آتے جب تک کہ میں پاک نہ ہو جاؤں' ❹ تو یہ روایت محمول ہے کہ آپ پرہیز اور احتیاط کرتے تھے نہ یہ کہ یہ محمول ہو حرمت اور ممانعت پر۔

بعض حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ تہہ ہوتے ہوئے فائدہ اٹھائے۔ حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی کسی اہلیہ سے اس کے حیض کی حالت میں اس سے ملنا چاہتے تھے تو انہیں حکم دے دیتے تھے کہ تہہ بند باندھ لیں (بخاری)، ❺ اسی طرح بخاری و مسلم میں بھی یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص سوال کرتا ہے کہ میری بیوی سے مجھے اس کے حیض کی حالت میں کیا کچھ حلال ہے؟ آپ نے فرمایا تہہ بند کے اوپر کا کل (ابوداؤد وغیرہ) ❻ ایک اور روایت میں ہے کہ اس سے بھی بچنا بہتر ہے۔ ❼ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت سعید بن مسیب اور حضرت شریح رحمہم اللہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس بارے میں دو قول ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے۔ اکثر عراقیوں وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ تو متفقہ فیصلہ ہے کہ جماع حرام ہے اس لئے اس کے آس پاس سے بھی بچنا ہی چاہئے تاکہ حرمت میں واقع ہونے کا خطرہ نہ رہے۔

حالت حیض میں جماع کی حرمت اور اس کام کے کرنے والے کا گنہگار ہونا تو یقینی امر ہے جسے توبہ اور استغفار کرنا لازمی ہے لیکن اسے کفارہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں؟ اس میں علمائے کرام کے دو قول ہیں، ایک تو یہ کہ کفارہ بھی ہے۔ چنانچہ مسند احمد اور سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی حائضہ بیوی سے جماع کرے ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ دے۔ ترمذی میں ہے کہ خون اگر سرخ ہو تو ایک دینار اور زرد رنگ ہو تو آدھا دینار۔ ❽ مسند احمد میں ہے کہ اگر خون پیچھے

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب قراءة الرجل فی حجر امراته، ۲۹۷؛ صحیح مسلم، ۳۰۱۔

❷ صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها، ۳۰۱؛ ابوداود، ۲۶۰؛ نسائی، ۲۷۴؛ ابن ماجة، ٦٣٤۔

❸ ابوداود، کتاب الطهارة، باب فی الرجل یصیب منها ما دون الجماع، ۲٦۹ وسنده حسن؛ نسائی، ۲۸۵۔

❹ ابوداود، کتاب الطهارة، باب فی الرجل یصیب منها ما دون الجماع، ۲۷۱ وسنده ضعیف اس کی سند میں ابو الیمان راوی مجہول الحال ہے۔

❺ صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب مباشرة الحائض، ۳۰۲، ۳۰۳؛ صحیح مسلم، ۲۹٤۔

❻ ابوداود، کتاب الطهارة، باب فی المذی، ۲۱۲ وسنده حسن۔

❼ ابو داود، ۲۱۳ وسنده ضعیف سند منقطع ہے۔ عبدالرحمٰن بن عائذ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔

❽ احمد، ۱/ ۳٦۳؛ ابوداود، کتاب الطهارة، باب فی اتیان الحائض، ۲٦٤ وهو صحیح؛ ترمذی، ۲۹۰؛ ابن ماجة، ٦٥۰۔

ہٹ گیا ہو اور ابھی اس عورت نے غسل نہ کیا ہو اور اس حالت میں اس کا خاوند اس سے ملے تو آدھا دینار ورنہ پورا دینار۔ ❶ دوسرا قول یہ ہے کہ کفارہ کچھ بھی نہیں، صرف اللہ عزوجل سے استغفار کرے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی آخری اور زیادہ صحیح یہی مذہب ہے اور جمہور علما بھی اس کے قائل ہیں۔ جو حدیثیں اوپر بیان ہوئی ہیں ان کی نسبت یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ان کا مرفوع ہونا صحیح نہیں بلکہ صحیح یہی ہے کہ موقوف ہیں۔ گو یہ حدیث روایتاً مرفوع اور موقوف دونوں طرح مروی ہے لیکن اکثر ائمہ حدیث کی تحقیق ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ موقوف ہے۔ یہ فرمان کہ جب تک عورتیں پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ' یہ تفسیر ہے اس فرمان کی کہ عورتوں سے ان کی حیض کی حالت میں جدا رہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت حیض ختم ہو جائے پھر نزدیکی حلال ہے۔

حضرت امام ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں' طہر یعنی پاکی دلالت کرتی ہے کہ اب اس سے نزدیکی جائز ہے۔ حضرت میمونہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا کہ ہم میں سے جب کوئی حیض سے ہو جاتی تو تہہ بند باندھ لیتی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی چادر میں سوتی اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ جس نزدیکی سے منع کیا گیا ہے وہ جماع کرنا ہے' ویسے سونا' بیٹھنا وغیرہ سب جائز ہے۔ اس کے بعد یہ فرمان کہ ان کے پاک ہو جانے کے بعد ان کے پاس آؤ' اس میں ارشاد ہے کہ ان کے غسل کر لینے کے بعد ان سے جماع کرو۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر حیض کی پاکیزگی کے بعد جماع کرنا واجب ہے۔ ان کی دلیل لفظ ﴿فَأْتُوْهُنَّ﴾ ہے جس میں حکم ہے لیکن یہ دلیل کوئی پختہ نہیں۔ یہ امر تو صرف حرمت کو ہٹا دینے کا اعلان ہے اور اس کے سوا اس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں۔ علما اصول میں سے بعض تو کہتے ہیں کہ امر یعنی حکم مطلقاً وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے لیے امام ابن حزم کا جواب بہت گراں ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ امر صرف اباحت کے لئے ہے اور چونکہ اس سے پہلے ممانعت وارد ہو چکی ہے' یہ قرینہ ہے جو امر کو وجوب سے ہٹا دیتا ہے۔ لیکن یہ غور طلب بات ہے دلیل سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ ایسے موقع پر یعنی پہلے منع ہو پھر حکم ہو تو پہلا حکم اپنی اصلی حالت پر رہتا ہے یعنی جو بات منع سے پہلے جیسی تھی ویسی ہی اب ہو جائے گی یعنی اگر منع سے پہلے وہ کام واجب تھا تو اب بھی واجب ہی رہے گا' جیسے قرآن کریم میں ہے ﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ﴾ ❷ یعنی جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں سے جہاد کرو۔ اور اگر وہ کام ممانعت سے پہلے مباح تھا تو اب بھی وہ مباح رہے گا جیسے ﴿وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا﴾ ❸ جب تم احرام کھول دو تو شکار کھیلو' اور جگہ ہے ﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ﴾ ❹ یعنی جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ۔

ان علمائے کرام کا یہ فیصلہ ان مختلف اقوال کو جمع بھی کر دیتا ہے جو امر کے وجوب وغیرہ کے بارے میں ہیں۔ غزالی رحمہ اللہ وغیرہ نے بھی اسے بیان کیا ہے اور بعض ائمہ متاخرین نے بھی اسے پسند فرمایا ہے اور یہی صحیح بھی ہے۔ یہ مسئلہ بھی یاد رہے کہ تمام علمائے امت کا اتفاق ہے کہ جب حیض کا خون آنا رک جائے' مدت حیض گزر جائے پھر بھی اس کے خاوند کو اپنی بیوی سے جماع کرنا حلال نہیں جب تک کہ وہ غسل نہ کرے۔ ہاں اگر معذور ہو اور غسل کے عوض تیمم کرنا اسے جائز ہو تو تیمم کر لے۔ اس کے بعد اس کے پاس اسکا خاوند آ سکتا ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان تمام علما کے مخالف ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب حیض زیادہ سے زیادہ دنوں تک کی آخری میعاد یعنی دس دن تک رہ کر بند ہو گیا ہو تو اس کے خاوند کو اس سے صحبت کرنا حلال ہے گو اس نے غسل نہ کیا ہو وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

---

❶ أحمد، ۱/ ۳٦۷ وسنده ضعيف۔

❷ ۹/ التوبة:٥۔ ❸ ٥/ المآئدة:۲۔ ❹ ٦۲/ الجمعة:۱۰۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ تو لفظ ہے ﴿یَطْهُرْنَ﴾ کا اس سے مراد حیض کا خون بند ہونا ہے اور ﴿تَطَهَّرْنَ﴾ سے مراد غسل کرنا ہے۔ حضرت مجاہدؒ حضرت عکرمہؒ حضرت حسنؒ حضرت مقاتل بن حیانؒ حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ ❶ پھر ارشاد ہوتا ہے اس جگہ سے آؤ جہاں کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے مراد اس سے آگے کی جگہ ہے۔ ❷ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ بہت سے مفسرین نے اس کے یہی معنی بیان کئے ہیں کہ مراد اس سے بچوں کے پیدا ہونے کی جگہ ہے۔ اس کے علاوہ اور جگہ یعنی پاخانہ کی جگہ جانا حرام ہے ایسا کرنے والے حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ صحابہ اور تابعین سے یہ بھی مروی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ جس جگہ سے حالت حیض میں تم روکے گئے تھے اب وہ جگہ تمہارے لئے حلال ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ پاخانہ کی جگہ میں وطی کرنا حرام ہے اس کا مفصل بیان بھی آتا ہے' ان شاء اللہ۔ یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ پاکیزگی کی حالت میں آؤ جبکہ حیض سے وہ نکل آئیں۔ اسی لئے اس کے بعد کے جملے میں ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنے والوں کو اس حالت میں جماع سے باز رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور گندگیوں اور ناپاکیوں سے بچنے والوں' حیض کی حالت میں اپنی بیویوں سے نہ ملنے والوں' اسی طرح دوسری جگہ سے محفوظ رہنے والوں کو بھی پروردگار اپنا محبوب بنالیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں یعنی اولاد ہونے کی جگہ۔ تم اپنی کھیتی میں جیسے بھی چاہو آؤ یعنی جگہ وہی ایک ہو طریقہ خواہ کوئی ہو سامنے کر کے یا اس کے خلاف۔

صحیح بخاری میں ہے کہ یہود کہتے تھے کہ جب عورت سے مجامعت سامنے رخ کر کے نہ کی جائے اور حمل ٹھیر جائے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ ❸ ان کی تردید میں یہ جملہ نازل ہوا کہ مردوں کو اختیار ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہودیوں نے یہی بات مسلمانوں سے بھی کہی تھی۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دیا کہ خواہ سامنے سے آئے خواہ پیچھے کی طرف سے لیکن جگہ ایک ہی رہے۔ ❹ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ سے ایک شخص نے پوچھا کہ ہم اپنی عورتوں کے ساتھ کیسے آئیں اور کیا چھوڑیں؟ آپ نے فرمایا وہ تیری کھیتی ہے جس طرح چاہ آ' ہاں اس کے منہ پر نہ مار زیادہ برا نہ کہہ' اس سے روٹھ کر الگ نہ ہو جا' ایک ہی گھر میں رہ الخ (احمد وسنن)۔ ❺ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حمیر کے قبیلہ کے ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ مجھے اپنی بیویوں سے زیادہ محبت ہے تو اس کے بارے میں احکام مجھے بتایئے۔ اس پر یہ حکم نازل ہوا۔ مسند احمد میں ہے کہ چند انصاریوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا تھا۔ ❻ طحاوی کی کتاب مشکل الحدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے اسے الٹا لٹا کر مباشرت کی تھی۔ لوگوں نے اسے برا بھلا کہا' اس لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریر میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سابط' حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور کہا میں ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں لیکن شرم آتی ہے۔ فرمایا بھتیجے تم نہ شرماؤ اور جو پوچھنا ہو پوچھ لو۔ کہا فرمایئے عورتوں کے پیچھے کی طرف سے جماع کرنا جائز ہے؟ فرمایا سنو مجھ سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ انصار عورتوں کو الٹا لٹایا کرتے تھے اور یہود کہتے تھے کہ اس طرح سے بچہ بھینگا ہوتا ہے۔ جب مہاجر مدینہ شریف آئے اور یہاں کی عورتوں سے ان کا نکاح ہوا اور انہوں نے بھی یہی کرنا چاہا تو ایک عورت

---

❶ ابن ابی حاتم، ۲/ ٦٨٢۔ ❷ ایضًا، ۲/ ٦٨٤۔ ❸ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة البقرة، باب ﴿نساؤکم حرث لکم﴾، ٤٥٢٨؛ صحیح مسلم، ١٤٣٥۔ ❹ ابن ابی حاتم، ۲/ ٦٩٣۔ شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (الارواء، ۷/ ٦٢) یعنی یہ شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔ ❺ احمد، ٥/ ٣؛ ابوداود، کتاب النکاح، باب فی حق المراۃ علی زوجها، ٢١٤٣ وسنده حسن۔ ❻ احمد، ١/ ٣٦٨، اس کی سند میں رشدین بن سعد ضعیف راوی ہے جبکہ اس کا شاہد ابو داود ٢١٦٤ میں موجود ہے لہٰذا یہ روایت بشواہد حسن ہے۔ دیکھئے (الموسوعة الحدیثیة: ٤/ ٢٣٧)

نے اپنے خاوند کی یہ بات نہ مانی اور کہا جب تک میں حضور ﷺ کی خدمت میں یہ واقعہ بیان نہ کرلوں تیری بات نہ مانوں گی' چنانچہ وہ دربار نبوت میں حاضر ہوئی۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بٹھایا اور کہا ابھی آنحضرت ﷺ آجائیں گے۔ جب آنحضرت ﷺ آئے تو انصاریہ عورت تو شرمندگی کی وجہ سے نہ پوچھ سکی اور واپس چلی گئی لیکن مائی صاحبہ نے آپ سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا انصاریہ عورت کو بلالو۔ پھر یہ آیت پڑھ کر سنائی اور فرمایا جگہ ایک ہی ہو۔ ❶

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ حضور میں تو ہلاک ہوگیا۔ آپ نے پوچھا کیا بات ہے۔ کہا میں نے رات کو اپنی سواری الٹی کردی۔ آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے فرمایا سامنے سے آیا پیچھے سے تجھے اختیار ہے لیکن حیض کی حالت میں نہ آ اور پاخانہ کی جگہ نہ آ۔ ❷ انصاری والا واقعہ قدرے تفصیل کے ساتھ بھی مروی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اللہ بخشے انھیں کچھ وہم سا ہوگیا' بات یہ ہے کہ انصاریوں کی جماعت پہلے بت پرست تھی اور یہودی اہل کتاب تھے۔ بت پرست لوگ ان کی فضیلت اور علمیت کے قائل تھے اور اکثر افعال میں ان کی بات مانا کرتے تھے۔ یہودی ایک ہی طریقے پر اپنی بیویوں سے ملتے تھے۔ یہی عادت ان انصار کی بھی تھی۔ اس کے برخلاف مکہ والے کسی خاص طریقے کے پابند نہ تھے' وہ جس طرح جی چاہتا ملتے۔ اسلام کے بعد مکہ والے مہاجر بن کر مدینہ میں انصار کے ہاں آ کر جب آباد ہوئے تو ایک مکی مہاجر مرد نے ایک مدنی انصاریہ عورت سے نکاح کیا اور اپنے من بھاتے طریقے برتنے چاہے عورت نے انکار کردیا اور صاف کہہ دیا کہ اسی ایک مقرر طریقہ کے علاوہ میں اجازت نہیں دیتی۔ بات بڑھتے بڑھتے حضور ﷺ تک پہنچی اور یہ فرمان نازل ہوا۔ پس سامنے سے پیچھے کی طرف سے جس طرح چاہے اختیار ہے ہاں جگہ ایک ہی ہو۔ ❸

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قرآن کریم سیکھا' اول سے آخر تک انہیں سنایا' ایک ایک آیت کی تفسیر اور مطلب پوچھا' اس آیت پر پہنچ کر جب میں نے اس کا مطلب پوچھا تو انہوں نے یہی بیان کیا (جو اوپر گزرا)۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا وہم یہ تھا کہ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ قرآن پڑھتے ہوئے کسی سے بولتے چالتے نہ تھے لیکن ایک دن تلاوت کرتے ہوئے جب اس آیت تک پہنچے تو اپنے شاگرد حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا جانتے ہو یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی؟ انہوں نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ عورتوں کی دوسری جگہ کی وطی کے بارے میں اتری ہے ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا ایک شخص نے اپنی بیوی سے پیچھے سے کیا تھا جس پر اس آیت میں رخصت نازل ہوئی۔ ❹

لیکن ایک تو اس میں محدثین نے کچھ علت بھی بیان کی ہے' دوسرا اس کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ پیچھے کی طرف سے آگے کی جگہ میں کیا۔ اور اوپر کی جو احادیث ہیں وہ بھی سنداً صحیح نہیں بلکہ انہی حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ان سے کہا گیا کہ کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے وطی دبر کو جائز کیا ہے تو فرمایا لوگ جھوٹ کہتے ہیں۔ پھر وہی انصاریہ عورت اور مہاجر مرد والا واقعہ بیان کیا اور فرمایا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تو اس آیت کا یہی مطلب ارشاد فرماتے تھے۔ اس روایت کی اسناد بھی بالکل صحیح ہے اور اس

❶ أحمد، ٦/ ٣٠٥؛ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة البقرة، ٢٦-٢٩٧٩ وهو صحيح۔

❷ أحمد، ١/ ٢٩٧؛ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة البقرة، ٢٩٨٠ وسنده حسن۔

❸ ابوداود، کتاب النكاح، باب في جامع النكاح، ٢١٦٤ وسنده ضعيف ابن اسحاق مدلس وعنعن۔

❹ صحيح بخاری، کتاب التفسير، سورة البقرة، باب ﴿نساؤكم حرث لكم......﴾، ٤٥٢٦-٤٥٢٧۔

کے خلاف کی سند صحیح نہیں۔ معنی مطلب بھی اور ہو سکتا ہے اور خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف بھی مروی ہے۔ وہ روایتیں عنقریب بیان ہوں گی' ان شاء اللہ جن میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نہ یہ مباح ہے نہ حلال بلکہ حرام ہے۔

گو یہ قول یعنی جواز کا بعض فقہائے مدینہ وغیرہ کی طرف بھی منسوب ہے اور بعض لوگوں نے تو اسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھی منسوب کیا ہے لیکن اکثر لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہرگز یہ نہیں۔ صحیح روایات بکثرت اس فعل کی حرمت پر وارد ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ لوگو! شرم و حیا کرو! اللہ تعالیٰ حق بات فرمانے سے شرم نہیں کرتا۔ عورتوں کے پاخانہ کی جگہ میں وطی نہ کرو۔ ❶ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے لوگوں کو اس حرکت سے منع فرمایا ❷ (مسند احمد) اور روایت میں ہے کہ جو شخص کسی عورت یا مرد کے ساتھ یہ کام کرے اللہ تعالیٰ اسے رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا (ترمذی)۔ ❸ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص یہ مسئلہ پوچھتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ کیا تو کفر کرنے کی بابت سوال کرتا ہے؟ ❹ ایک شخص نے آپ سے آ کر کہا کہ میں نے ﴿اَنّٰى شِئْتُمْ﴾ کا یہ مطلب سمجھا اور میں نے اس پر عمل کیا تو آپ بہت ناراض ہوئے اسے برا بھلا کہا اور فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ خواہ کھڑے ہو کر خواہ بیٹھ کر خواہ چت خواہ پٹ' لیکن جگہ وہی ایک ہو۔ ایک اور مرفوع حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے پاخانہ کی جگہ میں وطی کرے وہ چھوٹا لوطی ہے ❺ (مسند احمد)۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ کفار کا کام ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا بھی یہی فرمان منقول ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں '' سات قسم کے لوگ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان سے فرمائے گا کہ جہنمیوں کے ساتھ جہنم میں چلے جاؤ' ایک تو اغلام بازی کرنے والا خواہ وہ اوپر کرنے والا (فاعل) ہو خواہ نیچے کرانے والا (مفعول) ہو' اور اپنے ہاتھ سے حاجت روائی (مشت زنی) کرنیوالا' اور چوپائے جانور سے یہ کام کرنیوالا' اور عورت کی دبر میں وطی کرنے والا اور عورت اور اس کی بیٹی سے نکاح کرنیوالا اور اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنیوالا اور ہمسایہ کو تنگ کرنے والا یہاں تک کہ وہ اس پر لعنت کرے۔'' ❻ لیکن اسکی سند میں ابن لہیعہ اور ان کے استاد دونوں ضعیف ہیں۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے دوسرے راستہ میں وطی کرے اس کو اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہیں دیکھتا (مسند)۔ ❼

مسند احمد اور سنن میں مروی ہے کہ جو شخص حائضہ عورت سے جماع کرے یا غیر جگہ (دبر میں) کرے یا کاہن کے پاس جائے اور اسے سچا سمجھے اس نے اس چیز کے ساتھ کفر کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر اتری ہے۔ ❽ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری

---

❶ الحسن بن عرفه وسنده ضعيف۔ ❷ احمد، ٥/ ٢١٥؛ ابن ماجة، كتاب النكاح، باب النهي عن اتيان النسآء في أدبارهن، ١٩٢٤۔ شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (الارواء، ٢٠٠٥) یعنی یہ شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔

❸ ترمذي، كتاب الرضاع، باب ما جاء في كراهية اتيان النسآء في أدبارهن، ١١٦٥ وهو حسن۔

❹ عبد بن حميد وسنده صحيح۔

❺ احمد، ٢/ ٢١٠ وسنده صحيح۔

❻ جعفر الفريابي وسنده ضعيف۔ ❼ احمد، ٢/ ٢٧٢؛ ابن ماجة، كتاب النكاح، باب النهي عن اتيان النسآء في أدبارهن، ١٩٢٣؛ ابوداود، ٢١٦٢ وهو حسن۔ ❽ احمد، ٢/ ٤٠٨، ٤٧٦؛ ابوداود، كتاب الطب، باب في الكهان، ٣٩٠٤؛ ترمذي، ١٣٥؛ ابن ماجة، ٦٣٩ وهو حديث حسن۔

اس حدیث کو ضعیف بتلاتے ہیں۔ ترمذی میں روایت ہے کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بھی دبر کی وطی کو حرام بتاتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لوگوں کا اپنی بیوی سے یہ کام کرنا کفر ہے (نسائی)۔ ایک مرفوع حدیث بھی اس معنی کی مروی ہے لیکن زیادہ صحیح اس کا موقوف ہونا ہی ہے۔ روایت میں ہے کہ یہ جگہ حرام ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جب یہ بات پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا بڑا کمینہ ہے وہ شخص دیکھو قرآن میں ہے کہ لوطیوں سے کہا گیا تم وہ بدکاری کرتے ہو جس کی طرف کسی نے تم سے پہلے توجہ تک نہیں کی۔ پس صحیح احادیث سے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت سی اور سندوں سے اس فعل کی حرمت مروی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی اسے حرام ہی کہتے ہیں۔ چنانچہ دارمی میں ہے کہ آپ سے ایک مرتبہ یہ سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کیا مسلمان بھی ایسا کرسکتا ہے؟ ❶ اس کی اسناد صحیح ہے اور حکم بھی حرمت کا صاف ہے پس غیر صحیح اور مختلف معنے والی روایتوں میں پڑ کر اتنے بڑے جلیل القدر صحابی کی طرف ایک ایسا گندہ مسئلہ منسوب کرنا ٹھیک نہیں' گو روایتیں اس قسم کی بھی ملتی ہیں۔ رہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تو ان کی طرف بھی اس مسئلہ کی نسبت صحیح نہیں بلکہ معمر بن عیسیٰ فرماتے ہیں کہ امام صاحب اسے حرام جانتے تھے۔ اسرائیل بن روح نے امام مالک سے ایک مرتبہ یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا تم بے سمجھ ہو' بوائی کھیت میں ہی ہوتی ہے۔ خبردار شرمگاہ کے سوا اور جگہ سے بچو۔ سائل نے کہا حضرت لوگ تو کہتے ہیں کہ آپ اس فعل کو جائز کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا جھوٹے ہیں' مجھ پر تہمت باندھتے ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی حرمت ثابت ہے۔

امام ابوحنیفہ' شافعی' احمد رحمۃ اللہ علیہم اور ان کے شاگرد اور ساتھی' حضرت سعید بن مسیب' حضرت ابوسلمہ' حضرت عکرمہ' حضرت طاؤس' حضرت عطاء' حضرت سعید بن جبیر' حضرت عروہ بن زبیر' حضرت مجاہد' حضرت حسن وغیرہ سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم سب کے سب اسے حرام کہتے ہیں اور اس بارے میں سخت تشدد کرتے ہیں بلکہ بعض تو اسے کفر کہتے ہیں۔ جمہور علمائے کرام کا بھی اس کی حرمت پر اجماع ہے' گو بعض لوگوں نے فقہائے مدینہ بلکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اس کی حلت نقل کی ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ عبدالرحمٰن بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ کسی دیندار شخص کو میں نے اس کی حرمت میں شک کرنے والا نہیں پایا' پھر ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ﴾ پڑھ کر فرمایا خود یہ لفظ ''حرث'' ہی اس کی حرمت ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے کیونکہ وہ دوسری جگہ کھیتی کی نہیں' کھیتی میں جانے کے طریقے کا اختیار ہے نہ کہ جگہ بدلنے کا۔ گو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے مباح ہونے کی بھی روایتیں منقول ہیں لیکن ان کی اسنادوں میں سخت ضعف ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

ٹھیک اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت لوگوں نے گھڑ لی ہے۔ حالانکہ انہوں نے اپنی چھ کتابوں میں کھلے لفظوں میں اسے حرام لکھا۔

پھر فرماتا ہے اپنے لئے کچھ آگے بھی بھیجو' یعنی ممنوعات سے بچو نیکیاں کرو تا کہ ثواب آگے جائے۔ اللہ سے ڈرو اس سے ملنا ہے وہ حساب کتاب لے گا' ایماندار ہر حال میں خوشیاں منائیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ بھی مطلب ہے کہ جب جماع کا ارادہ کرے یہ دعا پڑھے ((بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطٰنَ وَجَنِّبِ الشَّيْطٰنَ مَا رَزَقْتَنَا)) یعنی اے اللہ تو ہمیں اور ہماری اولاد کو شیطان سے بچالے۔ ❷ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر اس جماع سے نطفہ قرار پکڑ گیا تو اس بچے کو شیطان ہرگز کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔

---

❶ الدارمی، ١١٤٧ وسنده حسن صحیح۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب تسمية على كل حال وعند الوقاع، ١٤١؛ صحیح مسلم، ١٤٣٤۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ بھلائی اور پرہیز گاری اور لوگوں کے درمیان کی اصلاح کو چھوڑ بیٹھو اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔[۲۲۴] اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری ان قسموں پر نہ پکڑے گا جو پختہ نہ ہوں۔ ہاں اسکی پکڑ اس چیز پر ہے جو تمہارے دلوں کا فعل ہو۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور بردبار ہے۔[۲۲۵]

قسم اور متعلقہ مسائل: [آیت:۲۲۴۔۲۲۵] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نیکی اور صلہ رحمی کے چھوڑنے کے لئے اللہ کی قسموں کو نشانہ نہ بناؤ' جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ﴾ ❶ الخ یعنی وہ لوگ جو کشادہ حال اور فارغ البال ہیں' وہ قرابت داروں مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہ دینے پر قسمیں نہ کھا بیٹھیں انہیں چاہئے کہ معاف کرنے اور درگزر کرنے کی عادت ڈالیں۔ کیا تمہاری اپنی خواہش نہیں کہ اللہ تمہیں بخشے۔ ایسی قسم اگر کوئی کھا بیٹھے تو اسے چاہئے کہ اسے توڑ دے اور کفارہ ادا کر دے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ہم پیچھے آنے والے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے آگے بڑھنے والے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی ایسی قسم کھا لے اور کفارہ ادا نہ کرے اور اس پر اڑا رہے وہ بڑا گنہگار ہے۔ ❷ یہ حدیث اور بھی بہت سی سندوں سے بہت سی کتابوں میں مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں۔ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اور بہت سے مفسرین سے بھی یہی مروی ہے۔ ان جمہور کے اس قول کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''اللہ کی قسم ان شاء اللہ میں اگر کوئی قسم کھا بیٹھوں گا اور اس کے توڑنے میں مجھے بھلائی نظر آئے گی تو میں قطعاً اسے توڑ دوں گا اور اس قسم کا کفارہ ادا کر دوں گا۔'' ❸ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''اے عبدالرحمٰن سرداری امارت اور امامت کی طلب نہ کر۔ اگر بغیر مانگے تو دیا جائے گا تو اللہ کی جانب سے تیری مدد کی جائے گی اور اگر تو نے آپ مانگ کر لی ہے تو تجھے اس کی طرف سونپ دیا جائے گا' تو اگر کوئی قسم کھا لے اور اس کے خلاف میں بھلائی دیکھے تو اپنی قسم کا کفارہ دے دے اور اس نیک کام کو کر لے'' (بخاری ومسلم)۔ ❹

صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ جو شخص کوئی قسم کھا لے پھر اس کے سوا خوبی نظر آئے تو اسے چاہئے کہ اس خوبی والے کام کو کر لے اور اپنی اس قسم کو توڑ دے اور اس کا کفارہ دیدے۔ ❺ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ اس کا چھوڑ دینا ہی اس کا کفارہ

❶ ۲۴/ النور:۲۲۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب قول اللّٰہ تعالیٰ: ﴿لا یؤاخذکم اللّٰہ باللغو......﴾، ۶۶۲۴۔۶۶۲۵؛ صحیح مسلم، ۱۶۵۵۔ ❸ صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس، باب ومن الدلیل علی أن الخمس للنوائب المسلمین، ۳۱۳۳؛ صحیح مسلم، ۱۶٤۹؛ ابوداود، ۲۳۷۶؛ نسائی، ۳۸۱۱؛ ابن ماجة، ۲۱۰۷۔

❹ صحیح بخاری، کتاب الکفارات الایمان، باب الکفارة قبل الحنث وبعده، ۶۷۲۲؛ صحیح مسلم، ۶۷۲۲؛ ترمذی، ۱۵۲۹؛ ابوداود، ۳۲۷۷؛ نسائی، ۱۳ ۳۷۔

❺ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب ندب من حلف یمینًا، ۱۶۵۱؛ ترمذی، ۱۵۳۰۔

ہے۔ ❶ ابوداؤد میں ہے نذر اور قسم اس چیز میں نہیں جو انسان کی ملکیت میں نہ ہو اور نہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ہی ہے اور نہ رشتوں ناتوں کو توڑتی ہیں۔ جو شخص کوئی قسم کھالے اور نیکی اس کے کرنے میں نہ ہو تو وہ قسم کو چھوڑ دے اور نیکی کا کام کرلے۔ اس قسم کو چھوڑ دینا ہی اس کا کفارہ ہے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام صحیح احادیث میں یہ لفظ ہیں کہ اپنی ایسی قسم کا کفارہ دے۔ ❷ ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ اپنی ایسی قسم کا پورا کرنا یہی ہے کہ اسے توڑ دے اور اس سے رجوع کرلے۔ ❸ ابن عباس رضی اللہ عنہما سعید بن مسیب مسروق اور شعبی رحمۃ اللہ علیہم بھی اس کے قائل ہیں کہ ایسے شخص کے ذمہ کفارہ نہیں۔ پھر فرماتا ہے جو قسمیں تمہارے منہ سے بغیر قصد اور ارادے کے عادتاً نکل جائیں ان پر پکڑ نہیں۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے جو شخص لات اور عزیٰ کی قسم کھا بیٹھے وہ لا الہ الا اللّٰہ پڑھ لے۔ ❹ یہ ارشاد حضور کا ان لوگوں کو ہوا تھا جو ابھی ابھی اسلام لائے تھے اور جاہلیت کے زمانہ کی یہ قسمیں ان کی زبانوں پر چڑھی ہوئی تھیں تو ان سے فرمایا کہ اگر عادتاً کبھی ایسے شرکیہ الفاظ نکل جائیں تو فوراً کلمہ توحید پڑھ لیا کرو تاکہ بدلہ ہو جائے۔ پھر فرماتا ہے ہاں جو قسمیں پختگی کے ساتھ دل کے ارادے کے ساتھ قصداً کھائی جائیں ان پر پکڑ ہے۔ دوسری آیت کے لفظ ﴿بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ﴾ ❺ ہیں۔ ابوداؤد میں بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک مرفوع حدیث مروی ہے جو اور روایتوں میں موقوف وارد ہوئی ہے کہ یہ لغو قسمیں وہ ہیں جو انسان اپنے گھربار میں بال بچوں میں کہہ دیا کرتا ہے کہ ہاں اللہ کی قسم اور نہیں اللہ کی قسم۔ ❻ غرض بطور تکیہ کلام کے یہ لفظ نکل جاتے ہیں' دل میں اس کی پختگی کا خیال بھی نہیں ہوتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ دو وہ قسمیں ہیں جو ہنسی ہنسی میں انسان کے منہ سے نکل جاتی ہیں ان پر کفارہ نہیں' ہاں جو ارادے کے ساتھ قسم ہو پھر اس کا خلاف کرے تو کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔ آپ کے علاوہ اور بھی بعض صحابہ اور تابعین نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ ایک آدمی اپنی تحقیق پر بھروسہ کرکے کسی معاملہ کی نسبت قسم کھا بیٹھے اور حقیقت میں وہ معاملہ یوں نہ ہو تو یہ قسمیں لغو ہیں۔ یہ معنی بھی دیگر بہت سے حضرات سے مروی ہیں۔

ایک حسن حدیث میں ہے جو مرسل ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیراندازوں کی ایک جماعت کے پاس جاکر کھڑے ہو گئے وہ تیراندازی کر رہے تھے اور ایک شخص کبھی کہتا تھا اللہ کی قسم اس کا تیر نشانہ پر لگے گا کبھی کہتا تھا اللہ کی قسم یہ خطا کرے گا۔ آپ کے صحابی نے کہا دیکھیے حضور! اگر اس کی قسم کے خلاف ہوا۔ آپ نے فرمایا ''یہ قسمیں لغو ہیں ان پر کفارہ نہیں اور نہ کوئی سزا یا عذاب ہے۔'' ❼ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے یہ وہ قسمیں ہیں جو انسان کھا لیتا ہے پھر خیال نہیں رہتا یا کوئی شخص اپنے لئے کسی کام کے نہ کرنے =

---

❶ أحمد، ۲/ ۱۸۵؛ مسند الطیالسی، ۳۲۷٤؛ ابو داود، ۳۲۷٤ وھو حسن۔

❷ ابوداود، کتاب الایمان والنذور، باب الیمین فی قطیعة الرحم، ۳۲۷٤؛ نسائی، ۳۸۲۳، مختصرًا وھو حسن۔

❸ ابن جریر وسندہ ضعیف۔ ❹ صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب لا یحلف باللات والعزی، ٦٦٥٠؛ صحیح مسلم، ١٦٤٧؛ ابوداود، ٣٢٤٧؛ ترمذی، ١٥٤٥۔

❺ ٥/ المآئدة:٨٩۔ ❻ ابوداود، کتاب الایمان والنذور، باب لغو الیمین، ٣٢٥٤۔ عن عائشه مرفوعًا؛ صحیح بخاری، ٦٦٦٣، عن عائشة موقوفًا وھوا الصواب، دیکھئے (صحیح أبی داؤد، ٢٧٨٩)

❼ الطبری، ٤٤٦١ یہ روایت مرسل ہے۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٢٦﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٢٧﴾

ترجمہ: جو لوگ اپنی بیویوں سے قسمیں کھائیں ان کے لئے چار مہینے کی مدت ہے پس اگر وہ لوٹ آئیں تو اللہ تعالیٰ بھی بخشنے والا مہربان ہے۔[٢٢٦] اور اگر طلاق کا ہی قصد کر لیں تو اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔[٢٢٧]

= پر کوئی بد دعا کا کلمہ اپنی زبان سے نکال دیتا ہے وہ بھی لغو میں داخل ہے یا غصے میں غضب کی حالت میں بے ساختہ زبان سے قسم نکل جائے یا حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر لے تو اسے چاہئے کہ ان قسموں کی پرواہ نہ کرے اور اللہ کے احکام کے خلاف نہ کرے۔ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انصار کے دو شخص جو آپس میں بھائی بھائی تھے۔ ان کے درمیان کچھ میراث کا مال تھا تو ایک نے دوسرے سے کہا اب اس مال کی تقسیم کر دو۔ دوسرے نے کہا اگر اب تو نے تقسیم کرنے کی کہی تو میرا تمام مال کعبہ کا خزانہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ سن کر فرمایا کہ کعبہ ایسے مال سے غنی ہے' اپنی قسم کا کفارہ دے اور اپنے بھائی سے بول چال' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی رشتے ناتوں کے کاٹنے میں ہے اور جس چیز کی ملکیت نہ ہو اس میں نہ قسم ہے نہ نذر۔ ❶ پھر فرماتا ہے تمہارے دل جو کریں اس پر گرفت ہے یعنی اپنے جھوٹ کا علم ہو اور پھر قسم کھائے جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ﴾ ❷ یعنی جو تم مضبوط اور تاکید والی قسم کھا لو۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بخشنے والا ہے اور ان پر حلم و کرم کرنے والا ہے۔

ایلاء کی مدت اور اسکی تفصیل: [آیت:٢٢٦۔٢٢٧] ایلاء کہتے ہیں قسم کو۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے مجامعت نہ کرنے کی ایک مدت تک کے لئے قسم کھا لے تو دو صورتیں ہیں' یا تو وہ مدت چار مہینے سے کم ہو گی یا زیادہ ہو گی۔ اگر کم ہو تو وہ مدت پوری کرے اور اس درمیان میں عورت بھی صبر کرے' اس سے مطالبہ اور سوال نہیں کر سکتی۔ پھر میاں بیوی آپس میں ملیں جلیں جیسے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ کے لئے قسم کھالی تھی اور انتیس دن پورے الگ رہے اور فرمایا مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔ ❸ اور اگر چار مہینے سے زائد کی مدت کے لئے قسم کھائی ہو تو چار ماہ کے بعد عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ تقاضہ اور مطالبہ کرے کہ یا تو خاوند میل ملاپ کر لے یا طلاق دیدے' اور حاکم اس خاوند کو ان دو باتوں میں سے ایک کے کرنے پر مجبور کرے گا تا کہ عورت کو ضرر نہ پہنچے۔ یہی بیان یہاں ہو رہا ہے کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلاء کریں یعنی ان سے مجامعت نہ کرنے کی قسم کھائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایلاء خاص ہے بیویوں کے لئے لونڈیوں کے لئے نہیں۔ یہی مذہب جمہور علمائے کرام کا ہے۔ یہ لوگ چار مہینہ تک تو آزاد ہیں اس کے بعد انہیں مجبور کیا جائے گا کہ یا تو وہ اپنی بیویوں سے میل ملاپ کر لیں یا طلاق دیدیں۔ یہ نہیں کہ اب بھی وہ اسی طرح چھوڑے رہیں۔ پھر اگر وہ لوٹ آئیں یہ کنایہ ہے جماع کرنے سے تو اللہ تعالیٰ بھی بخش دے گا اور جو تقصیر عورت کے حق میں ان سے ہوئی ہے اسے اپنی مہربانی سے معاف فرما دے گا۔ ❹ اس میں دلیل ہے ان علما کی جو کہتے ہیں کہ اس صورت میں خاوند کے ذمہ

❶ ابو داود، کتاب الایمان والنذور، باب الیمین فی قطیعة الرحم ٣٢٧٢ وسنده حسن۔ ❷ ٥/ المآئدة: ٨٩۔

❸ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب فی الایلاء: ١٤٧٥؛ صحیح بخاری، عن ام سلمة رضی اللہ عنہا: ١٩١٠۔

❹ الطبری، ٤/ ٤٦٦۔

کوئی کفارہ نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی پہلا قول یہی ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو اس سے پہلی آیت کی تفسیر میں گزر چکی کہ قسم کھانے والا اگر اپنی قسم کے توڑ ڈالنے میں نیکی دیکھتا ہو تو توڑ ڈالے یہی اس کا کفارہ ہے۔ اور علمائے کرام کی ایک دوسری جماعت کا یہ مذہب ہے کہ اس قسم کا کفارہ دینا پڑے گا۔ اس کی حدیثیں بھی اوپر گزر چکی ہیں اور جمہور کا مذہب بھی یہی ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

پھر فرمان ہے کہ اگر چار ماہ گزر جانے کے بعد وہ طلاق دینے کا قصد کرے' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چار مہینے گزرتے ہی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ جمہور متاخرین کا یہی مذہب ہے گو ایک دوسری جماعت یہ بھی کہتی ہے کہ اگر جماع کیے بغیر چار مہینے گزر گئے تو طلاق واقع ہو جائیگی۔ حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عباس' ابن عمر' زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور بعض تابعین سے بھی یہی مروی ہے۔ (لیکن یہ یاد رہے کہ راجح قول اور قرآن کریم کے الفاظ اور صحیح حدیث سے ثابت شدہ قول یہی ہے کہ طلاق واقع نہ ہوگی۔ مترجم) پھر بعض تو کہتے ہیں یہ طلاق رجعی ہوگی' بعض کہتے ہیں بائن ہوگی۔ جو لوگ طلاق واقع ہونے کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اسے عدت بھی گزارنا پڑے گی۔ ہاں ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابوالشعثاء فرماتے ہیں کہ اگر ان مہینوں میں اس عورت کو تین حیض آ گئے ہیں تو اس پر عدت بھی نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول یہی ہے لیکن جمہور متاخرین علما کا فرمان یہی ہے کہ اس مدت کے گزرتے ہی طلاق واقع نہ ہوگی' بلکہ اب ایلاء کرنے والے کو تنگ کیا جائے گا یا تو وہ اپنی قسم سے توڑے یا پھر طلاق دیدے۔ مؤطا امام مالک میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے۔ ❶ صحیح بخاری میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ ❷ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند سے حضرت سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دس سے زیادہ صحابہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ چار ماہ کے بعد ایلاء کرنے والے کو کھڑا کیا جائے گا۔ پس کم سے کم یہ تیرہ صحابی ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں ہمارا مذہب بھی یہی ہے۔ اور حضرت عمر' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' حضرت عثمان' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما اور دس سے اوپر اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔ دارقطنی میں ہے حضرت ابوصالح فرماتے ہیں' میں نے بارہ صحابہ سے یہ مسئلہ پوچھا تو سب نے یہی جواب دیا حضرت عمر، حضرت عثمان حضرت علی' حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم، حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی یہی فرماتے ہیں' اور تابعین میں سے حضرت سعید بن مسیب' حضرت عمر بن عبدالعزیز' حضرت مجاہد' حضرت طاؤس حضرت محمد بن کعب' حضرت قاسم رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی قول ہے' اور حضرت امام مالک' حضرت امام شافعی' حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہم اور ان کے ساتھیوں کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام ابن جریر بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں۔ لیث' اسحاق' ابن راہویہ' ابوعبید' ابوثور' داؤد رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ یہ سب حضرات فرماتے ہیں کہ اگر چار ماہ کے بعد وہ رجوع نہ کرے تو اسے طلاق دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ اگر طلاق نہ دے تو حاکم خود اس کی طرف سے طلاق دیدے گا اور یہ طلاق رجعی ہوگی' عدت کے اندر رجعت کا حق خاوند کو حاصل ہے۔ ہاں صرف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسے رجعت جائز نہیں یہاں تک کہ عدت میں جماع کرے لیکن یہ قول نہایت غریب ہے۔

یہاں جو چار مہینے کی تاخیر کی اجازت دی ہے اس کی مناسبت میں مؤطا امام مالک میں حضرت عبداللہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ عموماً فقہائے کرام ذکر کیا کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عموماً راتوں کو مدینہ کی گلیوں میں گشت لگاتے رہتے' ایک رات کو نکلے تو آپ نے سنا کہ ایک عورت اپنے سفر میں گئے ہوئے خاوند کی یاد میں کچھ اشعار پڑھ رہی ہے =

❶ مؤطا امام مالك، كتاب الطلاق، باب الايلاء، ١٨، وسنده صحيح۔

❷ صحيح بخارى، كتاب الطلاق، باب قول الله: ﴿للذين يؤلون من نسائهم......﴾، ٥٢٩٠۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾

ع ۲۸ / ۷ / ۱۲

ترجمہ: طلاق والی عورتیں اپنے تئیں تین حیض تک روکے رکھیں' انہیں حلال نہیں کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو پیدا کیا ہوا سے چھپائیں اگر انہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہو۔ ان کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹا لینے کے پورے حقدار ہیں اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہو۔ عورتوں کے بھی اسی مثل حق ہیں جیسے ان پر ہیں اچھائی کے ساتھ' ہاں مردوں کے ان پر بڑے درجے ہیں اور اللہ تعالیٰ غالب ہے' حکمت والا۔[۲۲۸]

= جن کا ترجمہ یہ ہے ''افسوس ان کالی کالی اور لمبی راتوں میں میرا خاوند نہیں جس سے میں ہنسوں بولوں۔ قسم اللہ کی اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو اس وقت اس پلنگ کے پائے حرکت میں ہوتے''۔ آپ اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور فرمایا بتاؤ زیادہ سے زیادہ عورت اپنے خاوند کی جدائی پر کتنی مدت صبر کر سکتی ہے؟ فرمایا چھ مہینے یا چار مہینے۔ آپ نے فرمایا اب میں حکم جاری کر دوں گا کہ مسلمان مجاہد سفر میں اس سے زیادہ نہ ٹھہریں۔ بعض میں کچھ زیادتی بھی ہے اور اس کی بہت سی سندیں ہیں اور یہ واقعہ مشہور ہے۔

طلاق اور عدت کے مسائل: [آیت:۲۲۸] ان عورتوں کو جو خاوندوں سے مل چکی ہوں اور بالغہ ہوں حکم ہو رہا ہے کہ طلاق کے بعد تین حیض تک رکی رہیں پھر اگر چاہیں تو اپنا نکاح دوسرا کر سکتی ہیں۔ ہاں ائمہ اربعہ نے اس میں سے لونڈی کو مخصوص کر دیا ہے' وہ دو حیض عدت گزارے۔ کیونکہ لونڈی ان معاملات میں آزاد عورت سے آدھے پر ہے لیکن حیض کی مدت آدھے پر تقسیم نہیں ہو سکتی اس لئے وہ دو حیض گزارے۔ ایک حدیث میں بھی ہے کہ لونڈی کے لئے طلاقیں بھی دو ہیں اور اس کی عدت بھی دو حیض ہیں (ابن جریر) لیکن اس کے راوی مظاہر ضعیف ہیں۔ یہ حدیث ترمذی ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ ❶ امام حافظ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا قول ہے۔ لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت مرفوع مروی ہے۔ ❷ گو اسکی نسبت بھی امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ یہی فرماتے ہیں کہ یہ حضرت عبداللہ کا اپنا قول ہی ہے۔ اسی طرح خود خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے ❸ بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس مسئلہ میں اختلاف ہی نہ تھا۔ ہاں بعض سلف سے یہ بھی مروی ہے کہ عدت کے بارے میں آزاد اور لونڈی برابر ہے کیونکہ آیت اپنی عمومیت کے لحاظ سے دونوں کو شامل ہے اور اس لئے بھی کہ یہ فطری امر ہے۔ لونڈی اور آزاد عورت اس میں یکساں ہیں' محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اور بعض اہل ظاہر کا یہی قول ہے لیکن یہ ضعیف ہے۔ ابن ابی حاتم کی

❶ ابو داود، کتاب الطلاق، باب فی سنة طلاق العبد، ۲۱۸۹ وسنده ضعیف ترمذی، ۱۱۸۲؛ ابن ماجة، ۲۰۸۰۔

❷ ابن ماجه، ۲۰۷۹ وسنده ضعیف۔

❸ ابن ماجة، کتاب الطلاق، باب فی طلاق الأمة وعدتها، ۲۰۷۹ اس کی سند میں عطیہ عوفی مجروح (التقریب: ۲/ ۲۴، رقم: ۲۱۶) اور عمر بن شعیب لین ہے۔ (المیزان ۳/ ۲۰۴، رقم: ۶۱۳۶) لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

ایک غریب سند والی روایت میں ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت یزید بن سکن انصاریہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے طلاق کی عدت نہ تھی سب سے پہلے عدت کا حکم ان ہی کی طلاق کے بعد نازل ہوا۔ ❶

قروء کی وضاحت: قروء کے معنی میں سلف خلف کا برابر اختلاف رہا ہے۔ ایک قول تو یہ ہے کہ اس سے مراد طہر یعنی پاکی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہی فرمان ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بھائی حضرت عبدالرحمٰن کی بیٹی حفصہ کو جب کہ وہ تین طہر گزار چکیں اور تیسرا حیض شروع ہوا تو حکم دیا کہ وہ مکان بدل لیں۔ حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ روایت بیان کی تو حضرت عمرہ رحمۃ اللہ علیہا نے جو صدیقہ رضی اللہ عنہا کی دوسری بھتیجی ہیں اس واقعہ کی تصدیق کی اور فرمایا کہ لوگوں نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا پر اعتراض بھی کیا تو آپ نے فرمایا: قروء سے مراد طہر ہیں (مؤطا امام مالک)۔ ❷ بلکہ مؤطا میں ابوبکر بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کا تو یہ قول بھی مروی ہے کہ میں نے سمجھ دار علما فقہا کو قروء کی تفسیر طہر سے ہی کرتے سنا ہے۔ ❸ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی یہی فرماتے ہیں کہ جب تیسرا حیض شروع ہوا تو یہ اپنے خاوند سے بری ہو گئیں اور خاوند اس سے الگ ہوا (موطا)۔ ❹ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہمارے نزدیک بھی محقق امر یہی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سالم، قاسم، عروہ، سلیمان بن یسار، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، ابان بن عثمان، عطاء بن ابی رباح، قتادہ، زہری رحمۃ اللہ علیہم اور باقی ساتوں فقہا کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک، امام شافعی رحمہما اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ داؤد اور ابوثور رحمہما اللہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت اسی طرح کی مروی ہے۔ اس کی دلیل ان بزرگوں نے قرآن کی اس آیت سے بھی نکالی ہے کہ ﴿فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ یعنی انہیں عدت میں طلاق دو یعنی طہر میں پاکیزگی کی حالت میں۔ چونکہ جس طہر میں طلاق دی جاتی ہے وہ بھی گنتی میں آتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مندرجہ بالا آیت میں بھی قروء سے مراد حیض کے سوا یعنی پاکی کی حالت ہے۔ اسی لئے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جہاں تیسرا حیض شروع ہوا عورت اپنے خاوند کی عدت سے باہر ہو گئی، اور اس کی کم سے کم مدت جس میں اگر عورت کہے کہ اسے تیسرا حیض شروع ہو گیا ہے تو اسے سچا سمجھا جائے وہ بتیس دن اور دو لحظہ میں ہیں۔ عرب شاعروں کے شعر میں بھی یہ لفظ طہر کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد تین حیض ہیں اور جب تک تیسرے حیض سے پاک نہ ہو لے تب تک وہ عدت میں ہی ہے۔ بعض نے غسل کر لینے تک کہا ہے اور اس کی کم سے کم مدت تینتیس دن اور ایک لحظہ ہے۔ اس کی دلیل میں ایک تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ ہے کہ ان کے پاس ایک مطلقہ عورت آئی اور کہا کہ میرے خاوند نے مجھے ایک یا دو طلاقیں دی تھیں پھر وہ میرے پاس اس وقت آیا جب کہ میں اپنے کپڑے اتار کر دروازہ بند کئے ہوئے تھی (یعنی تیسرے حیض سے نہانے کی تیاری میں تھی) تو فرمایئے کیا حکم ہے یعنی رجوع ہو جائے گا یا نہیں؟ آپ نے فرمایا میرا خیال تو یہی ہے کہ رجوع ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی تائید کی۔ حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابودرداء، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ حضرت ابی بن کعب، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔ سعید بن مسیب، علقمہ، اسود، ابراہیم، مجاہد، عطاء، طاؤس، سعید بن جبیر، عکرمہ، محمد بن سیرین، حسن، قتادہ، شعبی، ربیع،

---

❶ ابوداود، كتاب الطلاق، باب عدة المطلقة، ٢٢٨١ وسنده حسن۔

❷ مؤطا امام مالك، كتاب الطلاق، باب ماجاء في الاقراء...... ٥٤ وسنده ضعيف، الزهري عنعن۔

❸ أيضًا، ح ٥٥ وسنده صحيح۔ ❹ أيضًا، ح ٥٨ وسنده صحيح۔

مقاتل بن حیان، سدی، مکحول، ضحاک، عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہم بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ صحیح روایت میں یہی مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے، ثوری، اوزاعی، ابن ابی لیلیٰ، ابن شرمہ، حسن بن صالح، ابوعبید اور اسحٰق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہم کا قول بھی یہی ہے۔ ایک حدیث میں بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا "نماز کو اپنے اقراء کے دنوں میں چھوڑ دو۔ [1] پس معلوم ہوا کہ قروء سے مراد حیض ہے لیکن اس حدیث کا ایک راوی منذر مجہول ہے جو مشہور نہیں۔ ہاں ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اسے ثقہ بتاتے ہیں۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لغۃً قـروء کہتے ہیں ہر اس چیز کے آنے اور جانے کے وقت کو جس کے آنے جانے کا وقت مقرر ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کے دونوں معنی ہیں حیض کے بھی اور طہر کے بھی، اور بعض اصولی حضرات کا یہی مسلک ہے، وَاللّٰـهُ اَعْلَمُ۔ اصمعی بھی فرماتے ہیں کہ قرء کہتے ہیں وقت کو۔ ابوعمرو بن علاء کہتے ہیں عرب میں حیض کو اور طہر دونوں کو قرء کہتے ہیں۔ ابوعمر ابن عبدالبر کا قول ہے کہ زبان عرب کے ماہر اور فقہا کا اس میں اختلاف ہی نہیں کہ طہر اور حیض دونوں معنی قرء کے ہیں۔ ہاں اس آیت کے معنی مقرر کرنے میں ایک جماعت اس طرف گئی اور دوسری اس طرف، (مترجم کی تحقیق میں بھی قرء سے مراد یہاں حیض لینا ہی بہتر ہے)۔ پھر فرمایا ان کے رحم میں جو ہو اس کا چھپانا حلال نہیں یعنی حمل ہو تو اور حیض آئے تو۔ پھر فرماتا ہے اگر انہیں اللہ پر اور قیامت پر ایمان ہو۔ اس میں انہیں دھمکایا جا رہا ہے کہ خلاف حق نہ کہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خبر میں ان کی بات کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ اس پر کوئی بیرونی شہادت قائم نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے انہی ہوشیار کر دیا گیا کہ عدت سے جلد نکل جانے کے لئے حیض نہ آیا ہو اور کہہ نہ دیں کہ انہیں حیض آ گیا یا عدت کو بڑھانے کے لئے (حیض) آیا ہو اور اسے چھپا نہ لیں، اسی طرح حمل کی بھی خبر کر دیں۔ پھر فرمایا کہ عدت کے اندر اس شوہر کو جس نے طلاق دی ہے، لوٹا لینے کا پورا حق حاصل ہے جب کہ طلاق رجعی ہو یعنی ایک طلاق کے بعد بھی اور دو طلاقوں کے بعد بھی۔ باقی رہی طلاق بائن یعنی تین طلاقیں جب ہو جائیں تو یاد رہے کہ جب یہ آیت اتری ہے تب تک طلاق بائن تھی ہی نہیں بلکہ اس وقت تک تو چاہے سو طلاقیں ہو جائیں سب رجعی ہی تھیں۔ طلاق بائن تو پھر اسلام کے احکام میں آئی کہ تین اگر ہو جائیں تو اب رجعت کا حق نہیں رہے گا۔ جب یہ بات خیال میں رہے گی تو علمائے اصول کے اس قاعدے کا ضعف بھی معلوم ہو جائے گا ضمیر کے لوٹانے سے پہلے کی عام لفظ کی خصوصیت ہو جاتی ہے یا نہیں اس لئے کہ اس آیت کے وقت دوسری شکل نہیں تھی۔ طلاق کی ایک ہی صورت تھی، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

میاں بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق: پھر فرماتا ہے کہ جیسے ان عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں ویسے ہی ان عورتوں کے مردوں پر بھی حقوق ہیں، ہر ایک کو دوسرے کا پاس ولحاظ عمدگی سے رکھنا چاہیے۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے اپنے خطبہ میں فرمایا: "لوگو! عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ تم نے اللہ کی امانت سے انہیں لیا ہے اور اللہ کے کلمہ سے ان کی شرمگاہوں کو اپنے لئے حلال کیا ہے۔ عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ تمہارے فرش پہ کسی ایسے کو نہ آنے دے جس سے تم ناراض ہو۔ اگر وہ ایسا کریں تو انہیں مارو لیکن ایسی مار نہ ہو کہ ظاہر ہو۔ ان کا تم پر یہ حق ہے کہ انہیں اپنی =

---

[1] ابوداود، کتاب الطھارۃ، باب فی المرأۃ تستحاض...... ٢٨٠ وسندہ ضعیف؛ نسائی، ٣٥٨؛ ابن ماجة، ٦٢٠ منذر بن مغیرہ مجہول الحال راوی ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّاۤ اَنْ يَّخَافَاۤ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَاۤ اَنْ يَّتَرَاجَعَاۤ اِنْ ظَنَّاۤ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

ترجمہ: یہ طلاقیں دو مرتبہ ہیں پھر یا تو اچھائی سے روکنا ہے یا عمدگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے' اور تمھیں حلال نہیں کہ تم نے انہیں جو دیدیا ہو اس میں سے کچھ بھی لو ہاں یہ اور بات ہے کہ دونوں کو اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکنے کا خوف ہو پس اگر تمھیں ڈر ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت رہائی پانے کے لئے کچھ دے ڈالے' اس میں دونوں پر کچھ گناہ نہیں۔ یہ ہیں حدیں اللہ کی خبردار ان سے آگے نہ بڑھنا اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کر جائیں وہ ظالم ہیں۔[۲۲۹] پھر اگر اس کو طلاق دیدو تو اب اس کے لئے حلال نہیں جب تک کہ وہ عورت اس کے سوا دوسرے سے نکاح نہ کرلے۔ پھر اگر وہ بھی طلاق دیدے تو ان دونوں کو میل جول کر لینے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ یہ جان لیں کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے۔ یہ ہیں اللہ تعالیٰ کی حدیں جنہیں وہ جاننے والوں کے لئے بیان فرما رہا ہے۔[۲۳۰]

= بساط کے مطابق کھلاؤ' پلاؤ' پہناؤ اڑھاؤ۔'' ❶ ایک شخص نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ ہماری عورتوں کے ہم پر کیا حق ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ' جب تم پہنو تو اسے بھی پہناؤ' اس کے منہ پر نہ مارو' اسے گالیاں نہ دو' اس سے روٹھ کر اور کہیں نہ بھیج دو' ہاں گھر میں ہی رکھو۔'' ❷ اسی آیت کو پڑھ کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ میں پسند کرتا ہوں کہ اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لئے میں بھی اپنی زینت کروں جس طرح وہ مجھے خوش کرنے کے لئے اپنا بناؤ سنگھار کرتی ہے۔ ❸ پھر فرمایا کہ مردوں کو ان پر فضیلت ہے' جسمانی حیثیت سے بھی' اخلاقی حیثیت سے بھی' مرتبہ کی حیثیت سے بھی' حکمرانی کی حیثیت سے بھی' خرچ اخراجات کی حیثیت سے بھی' دیکھ بھال اور نگرانی کی حیثیت سے بھی۔ غرض دنیوی اور اخروی فضیلت کے ہر اعتبار سے' جیسے اور جگہ ہے: ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ ❹ الخ یعنی مرد عورتوں کے سردار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک کو ایک پر فضیلت دے رکھی ہے اور اس لئے بھی کہ یہ مال خرچ کرتے ہیں۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں سے بدلہ لینے پر غالب ہے اور اپنے احکام میں حکمت والا ہے۔

طلاق کے متعلقہ بعض مسائل: [آیت:۲۲۹۔۲۳۰] اسلام سے پہلے یہ دستور تھا کہ خاوند جتنی چاہے طلاقیں دیتا چلا جائے

❶ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجة النبی ﷺ، ۱۲۱۸۔

❷ ابوداود، کتاب النکاح، باب فی حق المراۃ علی زوجھا، ۲۱۴۲؛ ابن ماجة، ۱۸۵۰ وسندہ صحیح۔

❸ الطبری، ۴/ ۵۳۲؛ ابن ابی حاتم ۲/ ۷۵۰۔ ❹ ۴/ النسآء:۳۴۔

اور عدت میں رجوع کرتا جائے۔ اس سے عورتوں کی جان شکنجے میں تھی کہ طلاق دی اور عدت گزرنے کے قریب آئی رجوع کر لیا پھر طلاق دیدی' اسی طرح عورتوں کو تنگ کرتے رہتے تھے' پس اسلام نے حد بندی کر دی کہ اس طرح کی طلاقیں صرف دو ہی دے سکتے ہیں' تیسری طلاق کے بعد لوٹانے کا کوئی حق نہیں رہے گا۔

سنن ابوداؤد میں باب ہے کہ تین طلاقوں کے بعد مراجعت منسوخ ہے' پھر یہ روایت لائے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہی فرماتے ہیں۔ ❶ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ نہ تو میں تجھے بساؤں گا نہ چھوڑوں گا۔ اس نے کہا یہ کس طرح؟ کہا طلاق دیدوں گا اور جب عدت ختم ہونے کا وقت آئے گا تو رجوع کر لوں گا' پھر طلاق دوں گا پھر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کرلوں گا یونہی کرتا چلا جاؤں گا۔ وہ عورت حضور ﷺ کے پاس آئی اور اپنا یہ دکھ رونے لگی۔ اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ ❷

ایک اور روایت میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اب لوگوں نے نئے سرے سے طلاقوں کا خیال رکھنا شروع کیا اور وہ سنبھل گئے' ❸ اور تیسری طلاق کے بعد اسے خاوند کو لوٹا لینے کا کوئی حق حاصل نہ رہا اور فرما دیا گیا کہ دو طلاقوں تک تو تمہیں اختیار ہے کہ اصلاح کی نیت سے اپنی بیوی کو لوٹا لو اگر وہ عدت کے اندر ہے' اور یہ بھی اختیار ہے کہ نہ لوٹاؤ اور عدت گزر جانے دو تا کہ دوسرے سے نکاح کرنے کے قابل ہو جائے' اور اگر تیسری طلاق دینا چاہتے ہو تو بھی احسان و سلوک کے ساتھ طلاق دو' نہ اس کا کوئی حق مارو' نہ اس پر کوئی ظلم کرو' نہ اسے ضرر و نقصان پہنچاؤ۔

خلع کے مسائل: ایک شخص نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ دو طلاقیں تو اس آیت میں بیان ہو چکی ہیں' تیسری کا ذکر کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا ﴿اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ﴾ میں۔ جب تیسری طلاق کا ارادہ کرو تو عورت کو تنگ کرنا' اس پر سختی کرنا تا کہ وہ اپنا حق چھوڑ کے طلاق پر آمادگی ظاہر کرے' یہ مردوں پر حرام ہے۔ جیسے اور جگہ ہے: ﴿وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَا اٰتَیْتُمُوْهُنَّ﴾ ❹ یعنی ''عورتوں کو تنگ نہ کرو تا کہ انہیں دیئے ہوئے میں سے کچھ لے لو' ہاں یہ اور بات ہے کہ عورت اپنی خوشی سے کچھ دے کر طلاق طلب کرے'' جیسے فرمایا: ﴿فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا﴾ ❺ یعنی ''اگر عورتیں اپنی راضی خوشی سے کچھ چھوڑ دیں تو بیشک وہ تمہارے لئے حلال طیب ہے۔'' اور جب میاں بیوی میں نا اتفاقی بڑھ جائے عورت اس سے خوش نہ ہو اور خاوند کے حقوق پورے نہ کرتی ہو تو ایسی صورت میں وہ کچھ لے دے کر اپنے خاوند سے طلاق حاصل کر لے' تو خاوند کے دینے اور عورت کے لینے میں کوئی گناہ نہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ اگر عورت بلا وجہ اپنے خاوند سے خلع طلب کرتی ہے تو وہ سخت گنہگار ہے۔ چنانچہ ترمذی وغیرہ میں حدیث ہے کہ جو عورت اپنے خاوند سے بلا وجہ طلاق طلب کرے تو اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے' ❻ اور روایت میں ہے کہ حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی دوری سے آتی ہے' ❼ اور روایت میں ہے کہ ایسی عورتیں منافقہ ہیں۔ ❽ ائمہ سلف

---

❶ ابوداود، کتاب الطلاق، باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، ۲۱۹۵؛ نسائی، ۳۵۸٤ وسنده حسن۔

❷ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے مرسل صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (الإرواء، ۲/ ۱٦۲) یعنی یہ روایت ضعیف ہے۔

❸ ترمذی، کتاب الطلاق، باب رقم، ۱٦ ح ۱۱۹۲ وهو حسن۔

❹ ٤/ النسآء: ۱۹۔ ❺ ٤/ النسآء: ٤۔

❻ ابوداود، کتاب الطلاق، باب فی الخلع، ۲۲۲٦؛ ترمذی، کتاب الطلاق، باب ما جاء فی المختلعات، ۱۱۸۷؛ ابن ماجة، کتاب الطلاق، باب کراهية الخلع للمرأة، ۲۰۵۵ وهو صحيح۔

❼ ابن ماجة، کتاب الطلاق، باب کراهية الخلع للمرأة، ۲۰۵۵ وسنده صحيح۔

❽ ترمذی، کتاب الطلاق، باب ما جاء فی المختلعات، ۱۱۸٦ وهو صحيح۔

وخلف کی ایک بڑی جماعت کا فرمان ہے کہ خلع صرف اسی صورت میں ہے کہ نافرمانی اور سرکشی عورت کی طرف سے ہو اس وقت مرد فدیہ لے کر اس عورت کو الگ کر سکتا ہے۔ جیسے کہ قرآن کی اس آیت میں ہے اس کے سوا کسی صورت میں یہ جائز نہیں بلکہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے ہیں کہ اگر عورت کو تکلیف پہنچا کر اس کے حق میں کمی کر کے اگر اسے مجبور کیا گیا اور اس سے کچھ مال واپس لیا گیا تو اس کا لوٹا دینا واجب ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حالت اختلاف میں جائز ہے تو حالت اتفاق میں بطور اولیٰ جائز ٹھہرے گا۔ بکر بن عبداللہ کہتے ہیں سرے سے خلع منسوخ ہے کیونکہ قرآن میں ہے ﴿وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا﴾ ❶ یعنی اگر تم نے اپنی بیویوں کو ایک خزانہ بھی دے رکھا ہو تو بھی اس میں سے کچھ بھی نہ لو۔ لیکن یہ قول ضعیف اور مردود ہے۔

اب آیت کا شان نزول سنئے۔ مؤطا امام مالک میں ہے کہ حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت سہل انصاریہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن صبح کی نماز کے لئے اندھیرے میں نکلے تو دیکھا کہ دروازے پر حضرت حبیبہ کھڑی ہیں۔ آپ نے پوچھا ''کون ہے؟'' کہا میں حبیبہ بنت سہل ہوں۔ فرمایا: ''کیا بات ہے؟'' کہا حضور! میں ثابت بن قیس کے گھر میں نہیں رہ سکتی' یا وہ نہیں یا میں نہیں۔ آپ سن کر خاموش ہو رہے۔ جب حضرت ثابت رضی اللہ عنہ آئے آپ نے فرمایا: ''تمہاری بیوی صاحبہ کچھ کہہ رہی ہیں۔'' حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا حضور! میرے خاوند نے مجھے جو دیا ہے وہ سب میرے پاس ہے اور میں اسے واپس کرنے پر آمادہ ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ''سب لے لو' چنانچہ انہوں نے لے لیا اور حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا آزاد ہو گئیں۔ ❷ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے انہیں مارا تھا اور اس مار سے کوئی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں یہ فرمایا اس وقت انہوں نے دریافت کیا کہ کیا میں یہ مال لے سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''ہاں'' کہا میں نے اسے دو باغ دئیے ہیں یہ واپس دلوا دیجئے چنانچہ وہ مہر کے دونوں باغ واپس کئے گئے اور جدائی ہو گئی۔ ❸ ایک اور روایت میں ہے کہ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں اس کے اخلاق اور دین داری میں عیب گری نہیں کرتی لیکن اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں۔ چنانچہ مال لے کر حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے طلاق دیدی۔ ❹ بعض روایات میں ان کا نام جمیلہ بھی آیا ہے۔ ❺ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ مجھے اب غیظ وغضب کی برداشت کی طاقت نہیں رہی۔ ❻ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''جو دیا ہے لے لو زیادہ نہ لینا۔'' ❼ ایک روایت میں ہے کہ حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا وہ صورت میں بھی کچھ اچھا نہیں ❽ اور ایک روایت میں ہے کہ یہ عبداللہ بن ابی کی بہن تھیں اور یہ سب سے پہلا خلع تھا جو اسلام میں ہوا۔ ایک وجہ یہ بھی بیان کی تھی کہ حضرت میں نے ایک مرتبہ خیمے کے پردہ کو جو اٹھایا تو دیکھا کہ میرے خاوند چند آدمیوں کے ساتھ آ رہے ہیں' ان تمام میں یہ سیاہ فام چھوٹے قد والے اور بد صورت تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر کہ اس کا باغ واپس کر دو حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا تھا آپ فرمائیں تو میں کچھ اور بھی دینے کو تیار

---

❶ ٤/ النسآء:٢٠۔

❷ مؤطا امام مالك، كتاب الطلاق، باب ما جاء في الخلع، ٣١؛ ابوداود، ٢٢٢٧ وسنده صحيح؛ نسائى، ٣٤٩٢۔

❸ ابوداود، كتاب الطلاق، باب في الخلع، ٢٢٢٨ وسنده حسن۔

❹ صحيح بخاري، كتاب الطلاق، باب الخلع وكيف الطلاق فيه، ٥٢٧٣۔

❺ صحيح بخاري، كتاب الطلاق، باب الخلع وكيف الطلاق فيه، ٥٢٧٧۔

❻ ابن ماجة، كتاب الطلاق، باب المختلعة تأخذ ما اعطاها، ٢٠٥٦ وهو صحيح۔

❼ ابن ماجة، كتاب الطلاق، باب المختلعة تأخذ ما اعطاها، ٢٠٥٦ صحيح۔ ❽ الطبرى، ٤٨١١۔

ہوں۔ اور روایت میں ہے کہ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی کہا تھا کہ حضور! اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو میں اس کے منہ پر تھوک دیا کرتی۔ ❶ جمہور کا مذہب تو یہ ہے کہ خلع میں عورت سے اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لے تو بھی جائز ہے کیونکہ قرآن نے ﴿فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ﴾ فرمایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت اپنے خاوند سے بگڑی ہوئی آئی۔ آپ نے فرمایا اسے گندگی والے گھر میں قید کرو۔ پھر قید خانہ سے اسے بلوایا اور کہا کیا حال ہے۔ اس نے کہا آرام کی راتیں مجھ پر میری زندگی میں یہی گزری ہیں۔ آپ نے اس کے خاوند سے فرمایا اس سے خلع کر لے اگرچہ گوشوارہ کے بدلے ہی ہو۔ ایک روایت میں ہے اسے تین دن وہاں قید رکھا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اگر یہ اپنی چٹیا کی دھجی بھی دے تو لے لے اور اسے الگ کر دے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کے سوا سب کچھ لے کر بھی خلع ہو سکتا ہے۔ ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میرے خاوند اگر موجود ہوتے تو بھی میرے ساتھ سلوک کرنے میں کمی کرتے اور کہیں چلے جاتے تو بالکل محروم کر دیتے۔ ایک مرتبہ جھگڑے کے موقعہ پر میں نے کہہ دیا کہ میری ملکیت میں جو کچھ ہے لے لو اور مجھے خلع دو۔ اس نے ہاں کہا اور یہ معاملہ فیصل ہو گیا۔ مگر میرے چچا معاذ بن عفراء اس قصہ کو لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ حضرت عثمان نے بھی اسے برقرار رکھا اور فرمایا کہ چوٹی کی دھجی چھوڑ کر اور سب کچھ لے لو۔ بعض روایتوں میں ہے یہ بھی اور اس سے چھوٹی چیز بھی غرض سب کچھ لے لو ❷ پس مطلب ان واقعات کا یہ ہے کہ یہ دلیل ہے اس پر کہ عورت کے پاس جو کچھ ہے سب کچھ دے کر وہ خلع کرا سکتی ہے اور خاوند اپنی دی ہوئی چیز سے زائد لے کر بھی خلع کر سکتا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما، ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، ابراہیم نخعی، قبیصہ بن ذویب، حسن بن صالح رحمہم اللہ اور عثمان رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام مالک، لیث، امام شافعی اور ابوثور رحمہم اللہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ ابن جریر بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں اور اصحاب ابوحنیفہ کا قول ہے کہ اگر قصور اور ضرر رسانی عورت کی طرف سے ہو تو خاوند کو جائز ہے کہ جو اس نے دیا ہے واپس لے لے لیکن اس سے زیادہ لینا جائز نہیں گو زیادہ لے لے تو بھی قضا کے وقت جائز ہوگا۔ اگر خاوند کی اپنی جانب سے زیادتی ہو تو اسے کچھ بھی لینا جائز نہیں گو لے لے تو قضاءً جائز ہوگا۔ امام احمد، ابوعبید اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ خاوند کو اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لینا جائز ہی نہیں۔ سعید بن مسیب، عطاء، عمرو بن شعیب، زہری، طاؤس، حسن، شعبی، حماد بن ابوسلیمان اور ربیع بن انس رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ معمر اور حاکم کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی فیصلہ ہے اوزاعی کا فرمان ہے کہ قاضیوں کا فیصلہ ہے کہ وہ دیے ہوئے سے زیادہ کو جائز نہیں جانتے' اس مذہب کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو اوپر بیان ہو چکی جس میں ہے کہ اپنا باغ لے لو اور اس سے زیادہ نہ لو۔ مسند عبد بن حمید میں بھی ایک مرفوع حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خلع لینے والی عورت سے اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لینا مکروہ رکھا ہے ❸ اور اس صورت میں جو کچھ فدیہ وہ دے گا کا لفظ جو قرآن میں ہے اس کے معنی یہ ہوں گے کہ دیئے ہوئے میں سے جو کچھ دے' کیونکہ اس سے پہلے یہ فرمان موجود ہے کہ تم نے جو انہیں دیا ہے' اس میں سے کچھ نہ لو الخ۔ ربیع کی قراءت میں بِهٖ کے بعد مِنْهُ کا لفظ بھی ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ حدود الٰہی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو ورنہ گنہگار ہو گے۔

خلع طلاق ہے یا فسخ نکاح؟ خلع کو بعض حضرات طلاق میں شمار نہیں کرتے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دیدی ہیں' پھر اس عورت نے خلع کرا لیا ہے تو اگر خاوند چاہے تو اس سے پھر بھی نکاح کر سکتا ہے اور اس پر دلیل یہی آیت وارد

❶ ابن ماجة، كتاب الطلاق، باب المختلعة تأخذ ما اعطاها، ٢٠٥٧ وسنده ضعيف حجاج بن ارطاة راوی ضعیف و مدلس ہے۔

❷ صحيح بخاری، كتاب الطلاق، باب الخلع وكيف الطلاق، قبل حديث ٥٢٧٣۔

❸ عبد بن حميد وسنده ضعيف۔

کرتے ہیں۔ یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے۔ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ طلاق نہیں۔ دیکھو اول آخر طلاق کا ذکر ہے، پہلے دو طلاقوں کا پھر آخر میں تیسری طلاق کا اور درمیان میں خلع کا ذکر ہے۔

پس معلوم ہوا کہ خلع طلاق نہیں بلکہ فسخ نکاح ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما، طاؤس، عکرمہ، احمد بن حنبل، اسحاق بن راھویہ، ابوثور، داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی قدیم قول یہی ہے اور آیت کے ظاہری الفاظ بھی یہی ہیں۔ بعض دیگر بزرگ فرماتے ہیں کہ خلع طلاق بائن ہے اور اگر ایک سے زیادہ کی نیت ہوگی تو وہ بھی معتبر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ام بکر اسلمیہ نے اپنے خاوند عبداللہ بن خالد سے خلع لیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا اور ساتھ ہی فرمایا کہ اگر کچھ سامان لیا ہو تو جو کچھ سامان لیا ہو وہ ہے لیکن یہ اثر ضعیف ہے، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سعید بن مسیب، حسن، عطاء، شریح، شعبی، ابراہیم، جابر بن زید، مالک، ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہم اور ان کے ساتھی، ثوری، اوزاعی اور ابوعثمان بتی رحمۃ اللہ علیہم کا یہی قول ہے کہ خلع طلاق ہے، امام شافعی کا بھی جدید قول یہی ہے۔ ہاں حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر دو طلاقوں کی نیت خلع دینے والے کی ہے تو دو ہی ہو جائے گی اگر کچھ لفظ نہ کہے اور مطلق خلع ہو تو ایک طلاق بائن ہوگی، اگر تین کی نیت ہے تو تین ہو جائیں گی۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک اور قول بھی ہے کہ اگر طلاق کا لفظ نہیں اور کوئی دلیل وشہادت بھی نہیں تو وہ بالکل کوئی چیز ہی نہیں۔

خلع کی عدت کا بیان: مسئلہ امام ابوحنیفہ، شافعی، احمد، اسحق بن راھویہ رحمۃ اللہ علیہم کا مسلک ہے کہ خلع کی عدت طلاق کی عدت ہے۔ عمر، علی، ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور سعید بن مسیب، سلیمان بن یسار، عروہ، سالم، عمر بن عبدالعزیز، ابن شہاب، حسن، شعبی، ابراہیم نخعی، ابوعیاض، خلاس بن عمرو، قتادہ، سفیان ثوری، اوزاعی، لیث بن سعد اور ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی فرمان ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اکثر اہل علم اسی طرف گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ خلع چونکہ طلاق ہے پس عدت اس کی مثل عدت طلاق کے ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ صرف ایک حیض اس کی عدت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہی فیصلہ ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما گو تین حیض کا فتویٰ دیتے تھے، لیکن ساتھ ہی فرمادیا کرتے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہم سے بہتر ہیں اور ہم سے بڑے عالم ہیں اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک حیض کی عدت بھی مروی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، ابان بن عثمان رحمہ اللہ اور تمام وہ لوگ جن کے نام اوپر آئے ہیں جو خلع کو فسخ کہتے ہیں ضروری ہے کہ ان سب کا قول بھی یہی ہو۔ ابوداؤد اور ترمذی کی حدیث میں بھی یہی ہے کہ ثابت بن قیس کی بیوی کو آپ نے اس صورت میں ایک حیض عدت گزارنے کا حکم دیا تھا۔ ترمذی میں ہے کہ ربیع بنت معوذ کو بھی خلع کے بعد ایک ہی حیض گزارنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان صادر ہوا تھا۔ ❶ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خلع والی عورت سے فرمایا تھا کہ تجھ پر عدت ہی نہیں۔ ہاں اگر قریب کے زمانہ میں ہی خاوند سے ملی ہو تو ایک حیض آ جانے تک اس کے پاس ٹھہری رہو۔ مریم مغالبہ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو فیصلہ تھا اس کی متابعت حضرت امیر المؤمنین نے کی۔ ❷

کیا خلع والی عورت سے رجوع ہوسکتا ہے؟ مسئلہ جمہور علمائے کرام اور چاروں اماموں کے نزدیک خلع والی عورت سے رجوع

❶ ابوداود، کتاب الطلاق، باب فی الخلع، ۲۲۲۹ وسندہ حسن، ترمذی، ۱۱۸۵۔

❷ نسائی، کتاب الطلاق، باب عدۃ المختلعة، ۳۵۲۸؛ ابن ماجة، ۲۰۵۸ وسندہ حسن۔

کرنے کا حق خاوند کو حاصل نہیں' اس لئے کہ عورت نے مال دے کر اپنے آپ کو آزاد کرا لیا ہے۔ عبداللہ بن ابی اوفی' ماہان حنفی' سعید اور زہری کا قول ہے کہ اگر وہ واپس لیا ہوا واپس کر دے تو رجوع کا حق حاصل ہے' بغیر عورت کی رضامندی کے بھی رجوع کر سکتا ہے۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر خلع میں طلاق کا لفظ نہیں تو وہ صرف جدائی ہے اور رجوع کرنے کا حق نہیں اور اگر طلاق کا نام لیا ہے تو بے شک وہ رجعت کا پورا پورا حقدار ہے۔ داؤد ظاہری بھی یہی فرماتے ہیں۔ ہاں اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر دونوں رضامند ہوں تو نیا نکاح عدت کے اندر اندر کر سکتے ہیں۔ ابن عبدالبر ایک فرقہ کا یہ قول بھی روایت کرتے ہیں کہ عدت کے اندر جس طرح کوئی دوسرا کوئی اس سے نکاح نہیں کر سکتا اسی طرح خلع دینے والا خاوند بھی نہیں کر سکتا' لیکن یہ قول شاذ اور مردود ہے۔

اس عورت پر عدت کے اندر اندر دوسری طلاق بھی واقع ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اس میں علما کے تین قول ہیں' ایک یہ کہ نہیں کیونکہ وہ عورت اپنے نفس کی مالکہ ہے اور اس خاوند سے الگ ہو گئی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما' ابن زبیر رضی اللہ عنہما' عکرمہ' جابر بن زید' حسن بصری' شافعی' احمد' اسحاق' ابوثور رحمۃ اللہ علیہم کا یہی قول ہے۔

دوسرا قول امام مالک کا ہے کہ اگر خلع کے ساتھ ہی بغیر خاموش رہے طلاق دیدے تو واقع ہو جائے گی ورنہ نہیں۔ اس کی تائید اس قول سے ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ عدت میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ ابوحنیفہ ان کے اصحاب' ثوری' اوزاعی' سعید بن مسیب' شریح' طاؤس' ابراہیم زہری' حاکم' حکم اور حماد رحمۃ اللہ علیہم کا یہی قول ہے۔ ابن مسعود اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہما سے بھی یہ مروی تو ہے لیکن ثابت نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ اللہ کی حدیں ہیں الخ۔

صحیح حدیث میں ہے اللہ کی حدوں سے آگے نہ بڑھو فرائض کو ضائع نہ کرو' محارم کی بے حرمتی نہ کرو' جن چیزوں کا ذکر شریعت میں نہیں تم بھی ان سے خاموش رہو کیونکہ اللہ کی ذات بھول چوک سے پاک ہے۔ ❶ اس آیت سے استدلال ہے ان لوگوں کا جو کہتے ہیں کہ تینوں طلاقیں ایک مرتبہ ہی دینا حرام ہیں۔ مالکیہ اور ان کے موافقین کا یہی مذہب ہے' ان کے نزدیک سنت طریقہ یہی ہے کہ طلاق ایک ایک دی جائے کیونکہ ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ کہا پھر فرمایا کہ یہ حدیں ہیں اللہ کی ان سے تجاوز نہ کرو۔ اس کی تقویت اس حدیث سے بھی ہوئی ہے جو سنن نسائی میں ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ یہ معلوم ہوا کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ساتھ دی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کیا میری موجودگی میں کتاب اللہ کے ساتھ کھیل کیا جانے لگا' یہاں تک کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں تو میں اس شخص کو قتل کر دوں ❷ لیکن اس روایت کی سند میں انقطاع ہے۔

طلاق بتہ اور نکاح حلالہ کا صحیح مفہوم: پھر ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے چکنے کے بعد تیسری بھی دیدے تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی یہاں تک کہ دوسرے سے باقاعدہ نکاح ہو' ہمبستری ہو پھر وہ مر جائے یا طلاق دیدے۔ پس اگر بغیر نکاح کے مثلاً لونڈی بنا کر گو وطی بھی کر لے تو بھی اگلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح گو نکاح باقاعدہ ہو لیکن اس دوسرے خاوند نے مجامعت نہ کی ہو تو بھی پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں۔ اکثر فقہا میں مشہور ہے کہ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ مجرد (صرف) عقد

❶ الحاكم في المستدرك، ٤/ ١١٥ وسنده ضعيف۔

❷ نسائی، کتاب الطلاق، باب الثلاث المجموعة وما فيه من التغليظ، ٣٤٣٠ وسنده صحيح۔

کو حلالہ کہتے ہیں گو میل نہ ہوا ہو لیکن یہ بات ان سے ثابت نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص ایک عورت سے نکاح کرتا ہے اور دخول سے پہلے ہی طلاق بتہ دے دیتا ہے وہ دوسرا نکاح کرتی ہے وہ بھی اسی طرح دخول سے پہلے ہی طلاق دے دیتا ہے تو کیا اگلے خاوند کو اب اس سے نکاح کرنا حلال ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں نہیں جب تک کہ یہ اس سے اور وہ اس سے لطف اندوز نہ ہولیں (مسند احمد ابن ماجہ وغیرہ)۔ ❶ اس روایت کے راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے خود امام سعید بن مسیب رحمہ اللہ ہیں۔ پس کیسے ممکن ہے کہ وہ روایت بھی کریں اور پھر مخالفت بھی کریں اور پھر وہ بھی بلا دلیل۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ عورت رخصت ہو کر جاتی ہے ایک مکان میں میاں بیوی جاتے ہی پردہ ڈال دیا جاتا ہے لیکن صحبت نہیں ہوتی جب بھی یہی حکم ہے۔ ❷ خود آپ کے زمانے میں ایسا واقعہ ہوا۔ آپ سے پوچھا گیا مگر آپ نے پہلے خاوند کی اجازت نہ دی (بخاری و مسلم)۔ ❸ ایک روایت میں ہے کہ حضرت رفاعہ قرظی کی بیوی صاحبہ تمیمہ بنت وہب کو جب انہوں نے آخری تیسری طلاق دیدی تو ان کا نکاح حضرت عبدالرحمٰن بن زبیر رضی اللہ عنہما سے ہوا لیکن یہ شکایت لے کر دربار رسالت مآب میں آئیں اور کہا کہ وہ عورت کے مطلب کا نہیں مجھے اجازت ہو تو میں اپنے اگلے خاوند کے گھر چلی جاؤں۔ آپ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ تمہاری کسی اور خاوند سے مجامعت نہ ہو۔ ❹ ان احادیث کی بہت سی سندیں ہیں اور مختلف الفاظ سے مروی ہیں۔

فصل: یہ یاد رہے کہ مقصود دوسرے خاوند سے یہ ہے کہ خود اسے رغبت ہو اور ہمیشہ بیوی بنا کر رکھنے کا خواہشمند ہو کیونکہ نکاح سے مقصود یہی ہے۔ یہ نہیں کہ اگلے خاوند کے لئے محض حلال ہو جائے اور بس بلکہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ شرط بھی ہے کہ یہ مجامعت بھی مباح اور جائز طریق پر ہو مثلاً عورت روزے سے نہ ہو احرام کی حالت میں نہ ہو اعتکاف کی حالت میں نہ ہو حیض یا نفاس کی حالت میں نہ ہو۔ اسی طرح خاوند بھی روزے سے نہ ہو محرم یا معتکف نہ ہو۔ اگر طرفین میں سے کسی کی یہ حالت ہو اور پھر گو وطی بھی ہو جائے پھر بھی پہلے شوہر پر حلال نہ ہو گی۔ اسی طرح اگر دوسرا خاوند ذمی ہو تو بھی اگلے مسلم خاوند کے لئے حلال نہ ہو گی کیونکہ امام صاحب کے نزدیک کفار کے آپس کے نکاح باطل ہیں۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ تو یہ بھی شرط لگاتے ہیں کہ انزال بھی ہو کیونکہ حضور ﷺ کے الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب تک کہ وہ تیرا اور تو اس کا مزہ نہ چکھے اور اگر یہی حدیث ان کے پیش نظر ہو تو چاہیے کہ عورت کی طرف سے بھی یہ شرط معتبر ہو لیکن حدیث کے لفظ (عُسَيْـــلَة) سے منی مراد نہیں یہ یاد رہے کیونکہ مسند احمد اور نسائی میں حدیث ہے کہ عسیلہ سے مراد جماع ہے۔ ❺ حلالہ کی شرعی حیثیت اگر دوسرے خاوند کا ارادہ اس نکاح سے یہ ہے کہ یہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے تو ایسے لوگوں کی مذمت بلکہ ملعون ہونے کی تصریح حدیثوں میں آچکی ہے۔ مسند احمد میں

---

❶ احمد، ۲/ ۸۵؛ نسائی، کتاب الطلاق، باب احلال المطلقة ثلاثا......، ۳٤٤۳؛ ابن ماجة، ۱۹۳۳ وهو صحيح۔

❷ ایضًا۔ ❸ صحيح بخاري، كتاب الطلاق، باب من جوز الطلاق الثلاث، ۵٦۰، ٦۰۸٤؛ صحيح مسلم، ۱٤۳۳۔

❹ یہ روایت جس میں رفاعہ کی اہلیہ تمیمہ کی صراحت ہے۔ اسے امام مالك نے موطا، كتاب النكاح، باب نكاح المحلل وما أشبهه، ۱۷ میں ذکر فرمایا ہے۔ وهو صحيح یاد رہے اس روایت میں دربار رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہونے والے حضرت رفاعہ خود ہیں نہ کہ ان کی بیوی جیسا کہ صحیح مسلم، ۱٤۳۳ میں موجود ہے۔

❺ احمد، ٦/ ٦۲ وسنده ضعيف۔

گودنے والی' گدوانے والی' بال ملانے والی' ملوانے والی عورتیں ملعون ہیں۔ حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جاتا ہے ان پر بھی اللہ کی پھٹکار ہے۔ سود خوار اور سود کھلانے والے بھی لعنتی ہیں۔ ❶ امام ترمذی فرماتے ہیں صحابہ کا عمل اسی پر ہے' عمر' عثمان اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب ہے' تابعین فقہا بھی یہی کہتے ہیں' علی' ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی فرمان ہے۔ اور روایت میں ہے کہ بیاج کی گواہی دینے والوں اور اس کے لکھنے والے پر بھی لعنت ہے۔ زکوٰۃ کے نہ دینے والوں اور لینے میں زیادتی کرنے والوں پر بھی لعنت ہے' ہجرت کے بعد لوٹ کر اعرابی بننے والے پر بھی پھٹکار ہے۔ نوحہ کرنا بھی ممنوع ہے۔ ❷ ایک حدیث میں ہے میں تمہیں بتاؤں کہ ادھار لیا ہوا سانڈ کونسا ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ فرمایا جو حلالہ کرے یعنی طلاق والی عورت سے اس لئے نکاح کرے کہ وہ اگلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جو اپنے لئے ایسا کرائے وہ بھی ملعون ہے (ابن ماجہ) ❸ ایک روایت میں ہے کہ ایسے نکاح کی بابت حضور ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ نکاح ہی نہیں جس میں مقصود اور ہو اور ظاہر اور ہو جس میں اللہ کی کتاب کے ساتھ مذاق اور ہنسی ہو۔ نکاح صرف وہی ہے جو رغبت کے ساتھ ہو۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تیسری طلاق دیدی اس کے بعد اس کے بھائی نے بغیر اپنے بھائی کے کہے از خود اس ارادے سے نکاح کر لیا کہ یہ میرے بھائی کے لئے حلال ہو جائے تو آیا یہ نکاح صحیح ہو گیا۔ آپ نے کہا ہرگز نہیں ہم تو اسے نبی ﷺ کے زمانے میں زنا شمار کرتے تھے' نکاح وہی ہے جس میں رغبت ہو۔ ❹ اس حدیث کے اس پچھلے جملے نے اسے گو یہ موقوف ہے حکم میں مرفوع کے کر دیا' بلکہ ایک اور روایت میں ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر کوئی ایسا کرے گا یا کرائے گا تو میں دونوں کو زنا کی حد لگاؤں گا یعنی رجم کر دوں گا۔ ❺ خلیفہ وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایسے نکاح میں تفریق کر دی' اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔ پھر فرمان ہے کہ اگر دوسرا خاوند نکاح اور وطی کے بعد طلاق دیدے تو پہلے خاوند پر پھر اسی عورت سے نکاح کر لینے میں کوئی گناہ نہیں جب کہ یہ اچھی طرح گزر اوقات کر لیں اور یہ بھی جان لیں کہ وہ دوسرا نکاح صرف دھوکا اور مکر و فریب کا نہ تھا بلکہ حقیقت تھی۔ یہ ہیں احکام شرعی جنہیں علم والوں کے لئے اللہ نے واضح کر دیا۔ ائمہ کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو یا ایک طلاق دے دی پھر چھوڑے رہا' یہاں تک کہ وہ عدت سے نکل گئی پھر اس نے دوسرے سے گھر بسا لیا' اس سے ہم بستری بھی ہوئی پھر اس نے بھی طلاق دیدی اور اس کی عدت ختم ہو چکی پھر اگلے خاوند نے اس سے نکاح کر لیا تو کیا اسے تین میں سے جو طلاقیں یعنی ایک یا دو جو باقی ہیں صرف انہی کا اختیار رہے گا یا پہلے کی تین طلاقیں گنتی سے ساقط ہو جائیں گی اور اس سے از سر نو تینوں طلاقوں کا حق حاصل ہو جائے گا۔ پہلا مذہب تو ہے امام مالک' امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا اور دوسرا مذہب ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھیوں کا۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ جب اس طرح تیسری طلاق ہی گنتی میں نہیں آئی تو پہلی دوسری کیا آئے گی' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

---

❶ احمد، ١/ ٤٤٨؛ ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی المحلل والمحلل له، ١١١٩ وسنده ضعیف نسائی، ٣٤٤٥ ترمذی کی سند میں مجالد راوی ضعیف جبکہ نسائی کی سند میں سفیان ثوری مدلس ہیں۔ ❷ نسائی، کتاب الزینة، باب الموتشمات...... ، ٥١٠٥ وسنده ضعیف جداً۔ ❸ ابن ماجة، کتاب النکاح، باب المحلل والمحلل له، ١٩٣٦ وهو حسن۔
❹ الحاکم، ٢/ ١٩٩ وسنده صحیح۔ ❺ العلبری، ٤/ ٥٩٨۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۘ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾

ترجمہ: جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت ختم کرنے پر آئیں تو اب انہیں اچھی طرح بساؤ یا بھلائی کے ساتھ الگ کر دو اور انہیں تکلیف پہنچانے کی غرض سے ظلم و زیادتی کے لئے نہ روکو۔ جو شخص ایسا کرے اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ تم اللہ کے احکام کو ہنسی کھیل نہ بناؤ اور اللہ کا احسان جو تم پر ہے یاد کرو اور جو کچھ کتاب و حکمت اس نے نازل فرمائی ہے جس سے تمہیں نصیحت کر رہا ہے اسے بھی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔[۲۳۱]

طلاق کے بعد عورتوں کو حسن سلوک سے رخصت کرو: [آیت:۲۳۱] مردوں کو حکم ہو رہا ہے کہ جب وہ اپنی بیویوں کو طلاق دیں جن طلاقوں میں لوٹا لینے کا حق انہیں حاصل ہے اور عدت ختم ہونے کے قریب پہنچ جائے تو یا تو عمدگی کے ساتھ لوٹا لے یعنی رجعت پر گواہ مقرر کرے اور اچھائی سے بسانے کی نیت رکھے یا اسے عمدگی سے چھوڑ دے اور عدت ختم ہونے کے بعد اپنے ہاں سے بغیر اختلاف جھگڑے دشمنی اور بدزبانی کے نکال دے۔ جاہلیت کے اس دستور کو اسلام نے مٹا دیا جو ان میں تھا کہ طلاق دیدی' مدت ختم ہونے کے قریب رجوع کر لیا پھر طلاق دیدی پھر رجوع کر لیا' یونہی اس دکھیا عورت کی عمر برباد کر دیتے تھے کہ نہ وہ سہاگن ہی رہے نہ رانڈ تو اس سے اللہ نے روکا اور فرمایا کہ ایسا کرنے والا ظالم ہے۔ پھر فرمایا اللہ کی آیتوں کو ہنسی نہ بناؤ۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اشعری قبیلہ پر ناراض ہوئے تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حاضر خدمت ہو کر (ان اصلاحات طلاق کے بارہ میں) سبب دریافت کیا آپ نے فرمایا کیوں یہ لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ میں نے طلاق دی' میں نے رجوع کیا' یاد رکھو مسلمانوں کی یہ طلاقیں نہیں' عورتوں کی عدت کے مطابق طلاقیں دو۔ ❶ اس حکم کا یہ بھی مطلب کہا گیا کہ یہ وہ شخص ہے جو بلاوجہ طلاق دے اور عورت کو ضرر پہنچانے کے لئے اور اسکی عدت لمبی کرنے کیلئے رجوع ہی کرتا چلا جائے۔ ❷ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ وہ شخص ہے جو طلاق دے یا آزاد کرے یا نکاح کرے پھر کہہ دے کہ میں نے تو ہنسی ہنسی میں یہ کیا' ایسی صورتوں میں یہ تینوں کام فی الحقیقت واقع ہو جائیں گے۔ ❸ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی پھر کہہ دیا کہ میں نے تو مذاق کیا تھا۔ اس پر یہ آیت اتری اور حضور ﷺ نے فرمایا یہ طلاق ہو گئی (ابن مردویہ)۔ حسن بصری رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں لوگ طلاق دیتے اور آزاد کر دیتے نکاح کر لیتے اور پھر کہہ دیتے کہ ہم نے بطور دل لگی کے یہ کیا تھا۔ اس پر یہ آیت اتری اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جو طلاق دے یا غلام آزاد کرے یا نکاح کرے یا کرادے خواہ پختگی کے ساتھ خواہ ہنسی مذاق میں وہ سب ہو گیا'' (ابن ابی حاتم)۔ یہ حدیث مرسل اور =

❶ الطبری، ٥/ ١٤۔ ❷ الطبری، ٥/ ١٨۔

❸ شیخ البانی رحمہ اللہ علیہ نے اسے مرسل صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔ دیکھئے (الارواء، ٦/ ٢٢٧) یعنی یہ ضعیف ہے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

ترجمہ: اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو انہیں ان کے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ آپس میں دستور کے مطابق رضامند ہوں۔ یہ نصیحت انہیں کی جاتی ہے جنہیں تم میں سے اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر یقین و ایمان ہو۔ اس میں تمہاری بہترین ستھرائی اور پاکیزگی ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ [۲۳۲]

= موقوف کئی سندوں سے مروی ہے' ابوداؤد' ترمذی اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ پکے ارادے سے ہوں یا دل لگی سے تینوں ہی ثابت ہو جائیگی' نکاح' طلاق اور رجعت۔ ❶ ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن غریب کہتے ہیں اللہ کی نعمت یاد کرو کہ اس نے رسول بھیجے' ہدایت اور دلیلیں نازل فرمائیں کتاب اور سنت سکھائی' حکم بھی کیے منع بھی کیے وغیرہ وغیرہ۔ جو کام کرو اور جو نہ کرو ہر ایک میں اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر پوشیدگی اور ہر ظاہرداری کو بخوبی جانتا ہے۔

عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی: [آیت:۲۳۲] اس آیت میں عورتوں کے ولی وارثوں کی ممانعت ہو رہی ہے کہ جب کسی عورت کو طلاق ہو جائے اور عدت بھی گزر جائے پھر میاں بیوی رضامندی سے نکاح کرنا چاہیں تو وہ انہیں نہ روکیں۔ اس آیت میں دلیل ہے اس امر کی بھی کہ عورت خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی اور نکاح بغیر ولی کے نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ابن جریر اور ترمذی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث وارد کی ہے کہ عورت عورت کا نکاح نہیں کر سکتی اور عورت خود اپنا نکاح آپ نہیں کر سکتی اور نکاح بغیر ولی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ابن جریر اور ترمذی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث وارد کی ہے کہ عورت عورت کا نکاح نہیں کر سکتی نہ عورت اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ وہ عورتیں زناکار ہیں جو اپنا نکاح آپ کر لیں۔ ❷ دوسری حدیث میں ہے نکاح بغیر راہ یافتہ ولی کے اور دو عادل گواہوں کے نہیں۔ ❸ گو اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے لیکن اس کے بیان کی جگہ تفسیر نہیں ہم اس کا بیان کتاب الاحکام میں کر چکے ہیں۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ. یہ آیت حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ اور ان کی ہمشیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ صحیح بخاری میں اس آیت کی تفسیر کے بیان میں ہے کہ حضرت معقل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میری بہن کا مانگا میرے پاس آتا تھا۔ میں نے نکاح کر دیا۔ اس نے کچھ دنوں بعد طلاق دیدی پھر عدت گزرنے کے بعد نکاح کی درخواست کی' میں نے انکار کیا اس پر یہ آیت اتری' جسے سن کر حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے باوجودیکہ قسم کھا رکھی تھی کہ میں تیرے نکاح میں نہ دوں گا نکاح پر آمادہ ہو گئے اور کہنے لگے میں نے اللہ کا فرمان سنا اور میں نے مان لیا اور اپنے بہنوئی کو بلا کر دوبارہ نکاح کرا دیا ❹ اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔ ان کا نام جُمل بنت یسار تھا۔ ان کے =

❶ ابودلود، کتاب الطلاق، باب فی الطلاق علی الهزل، ۲۱۹٤ وسنده حسن، ترمذی، ۱۱۸٤؛ ابن ماجة، ۲۰۳۹۔

❷ ابن ماجة، کتاب النکاح، باب لا نکاح إلا بولی، ۱۸۸۲ وسنده ضعیف۔

❸ الأوسط للطبرانی نحو المعنی: ۵۲۵ وسنده ضعیف وحسنه ابن حجر فی فتح الباری ۹/ ۱۹۱ ح ۵۱۳۵۔

❹ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب من قال لا نکاح إلا بولي، ۵۱۳۰؛ ابوداود، ۲۰۸۷؛ ترمذی، ۲۹۸۱۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ ۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ق وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

ترجمہ: مائیں اپنی اولادوں کو دو سال کامل دودھ پلائیں جن کا ارادہ دودھ پلانے کی مدت بالکل پوری کرنے کا ہو۔ جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کا روٹی کپڑا ہے جو مطابق دستور ہو۔ ہر شخص اتنی ہی تکلیف دیا جاتا ہے جتنی اسکی طاقت ہو۔ ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے یا باپ کو اسکی اولاد کی وجہ سے کوئی ضرر نہ پہنچایا جائے۔ وارث پر بھی اسی جیسی ذمہ داری ہے پس اگر دونوں (یعنی ماں باپ) اپنی رضامندی اور باہمی مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تمہارا ارادہ اپنی اولاد کو دودھ پلا لینے کا ہو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ تم دستور کے مطابق جو ان کو دینا ہو وہ ان کے حوالے کر دو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جانتے رہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ بھال رہا ہے۔[۲۳۳]

= خاوند کا نام ابوالبداح تھا۔ بعض نے ان کا نام فاطمہ بنت یسار بتایا ہے۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے چچا کی بیٹی کے بارے میں نازل ہوئی ہے' لیکن پہلی بات ہی زیادہ صحیح ہے۔ پھر فرمایا یہ نصیحت و وعظ ان کے لئے ہے جنہیں شریعت پر ایمان ہو' اللہ کا ڈر ہو' قیامت کا خوف ہو' انہیں چاہیے کہ اپنی ولایت میں جو عورتیں ہوں انہیں ایسی حالت میں نکاح سے نہ روکیں' شریعت کا اتباع کر کے ایسی عورتوں کو ان کے خاوندوں کے نکاح میں دیدینا اور اپنی حمیت و غیرت کو جو خلاف شرع ہو شریعت کے ماتحت کر دینا ہی تمہارے لئے بہتری اور پاکیزگی کا باعث ہے۔ ان مصلحتوں کا علم جناب باری تعالیٰ کو ہی ہے۔ تمہیں نہیں معلوم کہ کس کام کے کرنے میں بھلائی ہے اور کس کے چھوڑنے میں۔ یہ علم حقیقت میں اللہ رب العزت ہی کو ہے۔

بچے کو دودھ پلانے کی مدت کا بیان: [آیت:۲۳۳] یہاں اللہ تعالیٰ بچوں والی عورتوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ دودھ پلانے کی پوری مدت دو سال ہے۔ دو سال کے بعد دودھ پلانے کا کوئی اعتبار نہیں' اس کے بعد دودھ پلانا ثابت نہیں ہوتا اور نہ حرمت ہوتی ہے۔ اکثر ائمہ کرام کا یہی مذہب ہے۔

رضاعت کے احکام: ترمذی میں باب ہے کہ رضاعت جو حرمت ثابت کرتی ہے وہ وہی ہے جو دو سال پہلے کی ہے۔ ❶ پھر حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''وہی رضاعت حرام کرتی ہے جو آنتوں کو پر کر دے اور دودھ چھوٹنے سے پہلے

❶ ترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء ان الرضاعة لا تحرم إلا......، ۱۱۵۲ وهو صحيح۔

ہو۔" یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر اہل علم صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کا اسی پر عمل ہے کہ دو سال سے پہلے کی رضاعت تو معتبر ہے اسکے بعد کی رضاعت معتبر نہیں۔ اس حدیث کے راوی شرط صحیحین پر ہیں۔ حدیث میں (فی الثدی) کا جو لفظ ہے اسکے معنی بھی محل رضاعت کے یعنی دو سال سے پہلے کے ہیں۔ یہی لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بھی فرمائے تھے جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تھا کہ وہ دودھ پلانے کی مدت میں انتقال کر گئے ہیں اور انہیں دودھ پلانے والی جنت میں مقرر ہے۔ ❶ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت ایک سال اور دس مہینے کی تھی۔ دارقطنی میں ایک حدیث دو سال کی مدت کے بعد کی رضاعت کے معتبر نہ ہونے کی ہے۔ ❷ ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی فرماتے ہیں کہ اسکے بعد کوئی چیز نہیں۔ ابوداؤد طیالسی کی روایت میں ہے کہ دودھ چھوٹ جانے کے بعد رضاعت نہیں اور بلوغت کے بعد یتیمی کا حکم نہیں۔ ❸ خود قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿فِصَالُهٗ فِيْ عَامَيْنِ﴾ ❹ الخ دودھ چھڑانے کی مدت دو سال میں ہے۔ اور جگہ ہے ﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ ❺ یعنی حمل اور دودھ "دونوں کی مدت" تیس ماہ ہیں۔ اور یہ قول کہ دو سال کے بعد دودھ پلانے اور پینے سے رضاعت کی حرمت ثابت نہیں ہوتی ان تمام حضرات کا ہے۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، حضرت جابر، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن عمر، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ امام محمد، امام مالک رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ گو ایک روایت میں امام مالک سے دو سال دو ماہ بھی مروی ہیں اور ایک روایت میں دو سال تین ماہ بھی مروی ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ڈھائی سال کی مدت بتاتے ہیں۔ زفر کہتے ہیں جب تک دودھ نہیں چھٹا تو تین سال کی مدت ہے اوزاعی سے بھی یہ روایت ہے۔ امام اوزاعی سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اگر کسی بچہ کا دو سال سے پہلے دودھ چھڑالیا جائے پھر اس کے بعد کسی عورت کا دودھ پیئے تو بھی حرمت ثابت نہ ہوگی اس لئے کہ اب قائم مقام خوراک کے ہوگیا۔ امام اوزاعی سے ایک روایت یہ بھی ہے حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دودھ چھڑا لینے کے بعد رضاعت نہیں۔ اس قول کے دونوں مطلب ہو سکتے ہیں یعنی یا تو یہ کہ دو سال کے بعد یا یہ کہ جب بھی اس سے پہلے دودھ چھوٹ گیا۔ اس کے بعد جیسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

ہاں صحیح بخاری، صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی کہ ہے وہ اس کے بعد کی بلکہ بڑے آدمی کی رضاعت کو حرمت میں موثر جانتی ہیں۔ ❻ عطاء اور لیث رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس شخص کا آنا جانا کہیں ضروری جانتی وہاں حکم دیتیں کہ وہ عورتیں اسے اپنا دودھ پلائیں اور اس حدیث سے دلیل پکڑتی تھیں کہ حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو جو حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے مولیٰ تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ وہ ان کی بیوی صاحبہ کا دودھ پی لیں، حالانکہ وہ بڑی عمر کے تھے اس کی وجہ سے پھر وہ برابر آتے جاتے رہتے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ازواج مطہرات اسکا انکار کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ یہ واقعہ خاص ان ہی کے لئے تھا ہر شخص کے لئے یہ حکم نہیں۔ ❼ یعنی مذہب جمہور کا ہے یعنی چاروں اماموں، ساتوں فقیہوں، کل کے کل بڑے صحابہ کرام اور تمام

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما قیل فی أولاد المسلمین، ۱۳۸۲؛ صحیح مسلم، ۲۳۱۶۔

❷ دارقطنی، ٤/ ١٧٤؛ مؤطا امام مالك، کتاب الرضاع، باب رضاعة الصغیر، ح١٤؛ بیهقی، ٧/ ٤٦٢ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما تک موقوفاً صحیح ہے۔ ❸ الطبرانی فی الکبیر، ٤/ ١٤ ح ٣٥٠٢ وسنده حسن۔

❹ ٣١/ لقمان:١٤۔ ❺ ٤٦/ الاحقاف:١٥۔

❻ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب رضاعة الکبیر، ١٤٥٣۔

❼ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب رضاعة الکبیر، ١٤٥٣؛ ابوداود، ٢٠٦١؛ نسانی، ٣٣٢١؛ ابن ماجة، ١٩٤٣۔

امہات المومنین کا سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اوران کی دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا دیکھ لیا کرو کہ تمہارے بھائی کون ہیں، رضاعت اس وقت ہے جب دودھ بھوک مٹا سکتا ہو۔ ❶ باقی رضاعت کا پورا پورا مسئلہ ﴿وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ﴾ ❷ کی تفسیر میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اجرت رضاعت کا بیان: پھر فرمان ہے کہ بچوں کی ماں کا نان نفقہ بچوں کے والد پر ہے، اپنے اپنے شہروں کی عادت اور دستور کے مطابق ادا کریں نہ تو زیادتی ہو نہ کمی بلکہ حسب طاقت و وسعت درمیانی خرچ دے دیا کریں، جیسے فرمایا: ﴿لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ﴾ ❸ یعنی کشادگی والے اپنی کشادگی کے مطابق اور تنگی والے اپنی طاقت کے مطابق دیں، اللہ تعالیٰ طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، عنقریب اللہ تعالیٰ سختی کے بعد آسانی کر دے گا۔ ضحاک رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کے ساتھ بچہ بھی ہے تو اس کے دودھ پلانے کے زمانہ تک کا خرچ اس مرد پر واجب ہے۔ پھر ارشاد باری ہے کہ عورت اپنے بچے کو دودھ پلانے سے انکار کر کے اس کے والد کو تنگی میں نہ ڈالے بلکہ بچے کو دودھ پلاتی رہے۔ اس لئے کہ یہی اس کی گزران کا سبب ہے دودھ سے جب بچہ بے نیاز ہو جائے تو بے شک بچہ کو دیدے لیکن پھر بھی نقصان رسانی کا ارادہ نہ ہو۔ اسی طرح خاوند اس سے جبراً بچے کو الگ نہ کرے جس سے وہ غریب دکھ میں پڑے۔ وارث کو بھی یہی چاہیے کہ بچے کی والدہ کو خرچ سے تنگ نہ کرے اس کے حقوق کی نگہداشت کرے اور اسے ضرر نہ پہنچائے۔ حنفیہ اور حنبلیہ میں سے جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ رشتہ داروں میں سے بعض کا نفقہ بعض پر واجب ہے انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور جمہور سلف صالحین سے یہی مروی ہے۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ والی مرفوع حدیث سے بھی یہی واضح ہوتا ہے جس میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی محرم رشتہ دار کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ ❹ یہ بھی یاد رہے کہ دو سال کے بعد دودھ پلانا عموماً بچہ کو نقصان دیتا ہے یا تو جسمانی یا دماغی۔ حضرت علقمہ رحمہ اللہ علیہ نے ایک عورت کو دو سال سے بڑے بچے کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھ کر منع فرمایا۔ پھر فرماتا ہے اگر یہ رضامندی اور مشورہ سے دو سال کے اندر اندر جب کبھی بھی دودھ چھڑانا چاہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہاں ایک کی چاہت کے بغیر دوسرے کی رضامندی ناکافی ہوگی۔ یہ بچے کی بچاؤ کی اور اس کی نگرانی کی ترکیب ہے۔ خیال فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر رحیم و کریم ہے کہ چھوٹے بچوں کے والدین کو ان کاموں سے روک دیا جس میں بچوں کی بربادی کا خوف تھا اور وہ حکم دیا جس سے ایک طرف بچے کا بچاؤ ہے، دوسری جانب ماں باپ کی بھی اصلاح ہے۔ سورۂ طلاق میں فرمایا: ﴿فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ﴾ ❺ اگر عورتیں بچے کو دودھ پلایا کریں تو تم ان کی اجرت بھی ادا کر دیا کرو اور آپس میں عمدگی کے ساتھ معاملہ رکھو۔ یہ اور بات ہے کہ تنگی کے وقت کسی اور سے دودھ پلوا دو۔ چنانچہ یہاں بھی فرمایا اگر والدہ اور والد متفق ہو کر کسی عذر کے بنا پر کسی اور سے دودھ شروع کرائیں اور پہلے کی اجرت کامل طور پر والد والدہ کو دیدے تو بھی دونوں پر کوئی گناہ نہیں، اب دوسری کسی دایہ سے اجرت چکا کر دودھ پلوا دیں۔ لوگو! اللہ تعالیٰ سے ہر امر میں ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تمہارے اقوال و افعال کو وہ بخوبی جانتا ہے۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب من قال لا رضاع بعد حولین، ۵۱۰۲؛ صحیح مسلم، ۱۴۵۵؛ ابو داود، ۲۰۵۸؛ نسائی، ۳۳۱۴۔ ❷ ٤/ النساء:۲۳۔ ❸ ٦٥/ الطلاق:۷۔

❹ ابو داود، کتاب العتق، باب فیمن ملك ذا رحم محرم، ۳۹٤۹ وسندہ حسن؛ ترمذی، ۱۳٦۵؛ ابن ماجۃ، ۲۵۲٤۔

❺ ٦٥/ الطلاق:٦۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿٢٣٤﴾

ترجمہ: تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں اپنے تئیں چار مہینے اور دس (دن) عدت میں رکھیں جب مدت ختم کریں پھر جو اچھائی اپنے لئے وہ کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں' اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے خبر دار ہے۔[۲۳۴]

جس کا خاوند مر جائے اسکی عدت کا بیان: [آیت:۲۳۴] اس آیت میں حکم ہو رہا ہے کہ عورتیں اپنے خاوندوں کے انتقال کے بعد چار مہینے دس دن عدت گزاریں خواہ ان سے مجامعت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اس بات پر اجماع ہے۔ دلیل اس کی ایک تو اس آیت کا عموم دوسرے یہ حدیث جو مسند احمد اور سنن میں ہے جسے ترمذی رحمۃ اللہ علیہ صحیح کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال ہوتا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اس سے مجامعت نہیں کی تھی نہ مہر مقرر ہوا تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا' فرمایئے اس کی نسبت کیا فتویٰ ہے۔ جب کئی مرتبہ وہ آئے گئے تو آپ نے فرمایا میں اپنی رائے سے فتوے دیتا ہوں اگر ٹھیک ہو تو اللہ کی طرف سے جانو اور اگر خطا ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے سمجھو' اللہ اور رسول اس سے بری ہیں۔ میرا فتویٰ یہ ہے کہ اس عورت کو پورا مہر ملے گا جو اس کے خاندان کا دستور ہو اس میں کوئی کمی بیشی نہ ہو اور اس عورت کو پوری عدت گزارنی چاہیے اور اسے ورثہ بھی ملے گا۔ یہ سن کر حضرت معقل بن یسار اشجعی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے بروع بنت واشق رضی اللہ عنہا کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فیصلہ کیا تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ سن کر بہت ہی خوش ہوئے۔ بعض روایات میں ہے کہ اشجع سے بہت سے لوگوں نے یہ روایت بیان کی۔ ❶ ہاں جو عورت اپنے خاوند کی دفات کے وقت حمل سے ہو اس کے لئے یہ عدت نہیں۔ اس کی عدت وضع حمل ہے گو انتقال کے ایک ساعت بعد ہی ہو جائے۔ قرآن میں ہے ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ ❷ حمل والیوں کی عدت وضع حمل ہے۔ ہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وضع حمل اور چار مہینے دس دن میں جو دیر کی عدت ہو وہ حاملہ کی عدت ہے۔ یہ قول تو بہت اچھا ہے اور دونوں آیتوں میں اس سے تطبیق بھی عمدہ طور پر ہو جاتی ہے لیکن اس کے خلاف بخاری و مسلم کی ایک صاف اور صریح حدیث موجود ہے جس میں ہے کہ حضرت سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا کے خاوند کا جب انتقال ہوا اس وقت آپ حمل سے تھیں اور چند راتیں ہی گزرنے پائی تھیں تو بچہ تولد ہوا جب نہا دھو چکیں تو لباس وغیرہ اچھا پہن لیا۔ حضرت ابو السنابل ابن بعکک نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ کیا تم نکاح کرنا چاہتی ہو' اللہ کی قسم جب تک چار مہینے دس دن نہ گزر جائیں تم نکاح نہیں کر سکتیں۔ حضرت سبیعہ رضی اللہ عنہا یہ سن کر خاموش ہو گئیں اور شام کو خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں اور مسئلہ پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بچہ ہو گیا اسی وقت تم عدت سے

---

❶ ابوداود، کتاب النکاح، باب فیمن تزوج ولم یسم لها صداقا حتی مات، ۲۱۱۴، ۲۱۱۵ وهو صحيح، ترمذی، ۱۱۴۵؛ نسائی، ۳۳۵۶؛ ابن ماجة، ۱۸۹۱۔

❷ ٦٥/ الطلاق:٤۔

نکل گئیں۔ اب اگر تم چاہو تو بے شک نکاح کر سکتی ہو۔ ❶ یہ بھی مروی ہے کہ جب حضرت عبداللہ کو اس حدیث کا علم ہوا تو آپ نے بھی اپنے قول سے رجوع کر لیا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ کے ساتھی اور شاگرد بھی اس حدیث کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے۔

ام ولد متوفی عنہا کی عدت: اسی طرح لونڈی کی عدت بھی اتنی نہیں اس کی عدت اس سے آدھی ہے یعنی دو مہینے اور پانچ راتیں۔ جمہور کا مذہب یہی ہے جس طرح لونڈی کی حد بنسبت آزاد عورت کے آدھی ہے اسی طرح عدت بھی۔ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اور بعض علمائے ظاہر یہ لونڈی کی اور آزاد عورت کی عدت میں برابری کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل ایک تو آیت کا عموم ہے دوسرے یہ کہ عدت ایک جبلی امر ہے جس میں تمام عورتیں یکساں ہیں۔ سعید بن مسیب، ابوالعالیہ رحمہم اللہ وغیرہ فرماتے ہیں، اس عدت میں حکمت یہ ہے کہ اگر عورت کو حمل ہوگا تو اس مدت میں بالکل ظاہر ہو جائے گا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی صحیحین والی مرفوع حدیث میں ہے کہ انسان کی پیدائش کا یہ حال ہے کہ چالیس دن تک تو رحم مادر میں نطفہ کی شکل میں ہوتا ہے پھر خون بستہ کی شکل چالیس دن تک رہتی ہے پھر چالیس دن تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے اور اس میں روح پھونکتا ہے۔ ❷ تو یہ ایک سو بیس دن ہوئے جس کے چار مہینے ہوئے۔ دس دن احتیاطاً اور رکھ دیئے کیونکہ بعض مہینے انتیس دن کے بھی ہوتے ہیں اور جب روح پھونک دی گئی تو اب بچہ کی حرکت محسوس ہونے لگتی ہے اور حمل بالکل ظاہر ہو جاتا ہے اس لئے اتنی عدت مقرر کی گئی' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دس دن اس لئے ہیں کہ روح ان ہی دنوں میں پھونکی جاتی ہے ربیع بن انس رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے کہ جس لونڈی سے بچہ ہو جائے اس کی عدت بھی آزاد عورت کے برابر ہے اس لئے کہ وہ فراش بن گئی اور اس لئے بھی کہ مسند احمد میں حدیث ہے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگو! سنت نبوی کو ہم پر خلط ملط نہ کرو' اولاد والی لونڈی کی عدت جبکہ اس کا سردار فوت ہو جائے چار مہینے اور دس دن ہے۔ ❸ یہ حدیث ایک اور طریق سے بھی ابوداؤد میں مروی ہے۔ ❹ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو منکر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسکے ایک راوی قبیصہ نے اپنے استاد عمر سے یہ روایت نہیں سنی۔ سعید بن مسیب' مجاہد' سعید بن جبیر' حسن' ابن سیرین' عیاض' زہری اور عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ یزید بن عبدالملک' مروان جو امیر المؤمنین تھے یہی حکم دیتے تھے۔ اوزاعی' اسحق بن راہویہ اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ بھی ایک روایت میں یہی فرماتے ہیں لیکن طاؤس اور قتادہ رحمہما اللہ اس کی عدت بھی آدھی بتاتے ہیں یعنی دو ماہ پانچ راتیں۔ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے ساتھی حسن بن صالح بن حیی فرماتے ہیں تین حیض عدت گزارے۔ حضرت علی' ابن مسعود رضی اللہ عنہما' عطاء رحمۃ اللہ علیہ اور ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے۔ امام مالک' امام شافعی' اور امام احمد رحمہم اللہ کی مشہور روایت میں یہ ہے کہ اس کی عدت ایک حیض ہی ہے' ابن عمر رضی اللہ عنہما' شعبی' مکحول' لیث' ابوعبید' ابوثور رحمہم اللہ اور جمہور کا مذہب یہی ہے۔ لیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر حیض کی حالت میں اس کا سردار فوت ہوا ہے تو اسی حیض کا ختم ہو جانا اس کی عدت کا ختم ہو جانا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے عدت گزارے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور فرماتے ہیں ایک مہینہ اور تین دن مجھے زیادہ پسند ہیں' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ (مترجم کے نزدیک قوی=

---

❶ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب رقم ۱۰، ح ۳۹۹۱؛ صحیح مسلم، ۱۴۸۴۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکة صلوات الله علیهم، ۳۲۰۸؛ صحیح مسلم، ۲۶۴۳؛ نسائی، ۳۵۴۹؛ ابن ماجة، ۲۰۲۸۔

❸ احمد، ۴/ ۲۰۳ وابو داود، ۲۳۰۸ وابن ماجه، ۲۰۸۳ وسنده ضعیف۔ ❹ ابوداود، کتاب الطلاق، باب فی عدة أم الولد، ۲۳۰۸؛ ابن ماجه، ۲۰۸۳ وسنده ضعیف قبیصہ نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کچھ نہیں سنا۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ ۚ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَن تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿٢٣٥﴾

ترجمہ: تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اشارۃً کنایۃً ان عورتوں سے نکاح کی بابت کہو یا اپنے دل میں پوشیدہ ارادہ کرو اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ تم ضرور ان سے ذکر کرو گے لیکن تم ان سے پوشیدہ وعدے نہ کرلو ہاں یہ اور بات ہے کہ تم بھلی بات بولا کرو اور عقد نکاح جب تک کہ عدت ختم نہ ہو جائے پختہ نہ کرلیا کرو۔ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے دلوں کی باتوں کا بھی علم ہے تم اس سے خوف کھاتے رہا کرو اور یہ بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ بخشش اور حلم والا ہے۔[۲۳۵]

ع

= قول پہلا ہے یعنی مثل آزاد عورت کے پوری عدت گزارے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ)۔ ازاں بعد ارشاد فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوگ واجب ہے۔ بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ جو عورت اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو اسے تین دن سے زیادہ کسی میت پر سوگواری کرنا حرام ہے ہاں خاوند پر چار مہینے دس دن سوگوار رہے۔ ❶ ایک عورت نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ میری بیٹی کا خاوند مر گیا ہے اور اس کی آنکھیں دکھ رہی ہیں۔ کیا میں اس کے سرمہ لگا دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ دو تین مرتبہ اس نے اپنا سوال دہرایا' آپ ﷺ نے یہی جواب دیا۔ آخر فرمایا یہ تو چار مہینے اور دس دن ہیں جاہلیت میں تم سال سال بھر بیٹھی رہا کرتی تھیں۔ ❷ حضرت زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پہلے جب کبھی کسی عورت کا خاوند مر جاتا تھا تو اسے کسی جھونپڑے میں ڈال دیتے تھے۔ وہ بدترین کپڑے پہنتی خوشبو وغیرہ سے الگ رہتی اور سال بھر تک ایسی ہی سڑی بھسی رہتی تھی' سال بھر کے بعد نکلتی اور اونٹ کی مینگنی لے کر پھینکتی اور کسی جانور مثلاً گدھا یا بکری یا پرندے کے جسم کے ساتھ اپنے جسم کو رگڑتی بسا اوقات وہ مر ہی جاتا۔ ❸ یہ تھی زمانہ جاہلیت کی رسم۔ پس یہ آیت اس کے بعد کی آیت کے لیے ناسخ ہے جس میں ہے کہ ایسی عورتیں سال بھر تک رکی رہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ یہی فرماتے ہیں لیکن اس میں نظر ہے اور تفصیل اس کی عنقریب آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ میں رانڈ عورت کو زینت اور خوشبو اور بہت بھڑ کیلے کپڑے اور زیور وغیرہ پہننا منع ہے اور یہ سوگواری واجب ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ طلاق رجعی کی عدت میں یہ واجب نہیں' اور جب طلاق بائن ہو تو وجوب اور عدم وجوب کے دونوں قول ہیں۔ فوت شدہ خاوندوں کی زندہ بیویوں پر تو سب پر یہ سوگواری واجب ہے خواہ وہ بالغہ ہوں خواہ وہ عورتیں ہوں جو حیض وغیرہ سے اتر چکی ہوں خواہ آزاد عورتیں ہوں =

❶ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب تحد المتوفی عنها اربعة اشهر وعشرا، ٥٣٣٦، ٥٣٣٧؛ صحیح مسلم، ١٤٨٦؛ ابوداود، ٢٢٩٩؛ ترمذی، ١١٩٥؛ نسائی، ٣٥٦٣۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب تحد المتوفی عنها اربعة اشهر وعشرا، ٥٣٣٦؛ صحیح مسلم، ١٤٨٨؛ ابوداود، ٢٢٩٩؛ ترمذی، ٢٢٩٧۔

❸ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب تحد المتوفی عنها اربعة اشهر و عشراً، ٥٣٣٦، ٥٣٣٧؛ صحیح مسلم، ١٤٨٨۔

= خواہ لونڈیاں ہوں خواہ مسلمان عورتیں ہوں خواہ کافرہ ہوں' کیونکہ آیت میں عام حکم ہے' ہاں ثوری اور ابوحنیفہ رحمہم اللہ کافرہ عورت کی سوگواری کے قائل نہیں۔ اشہب اور ابن نافع کا قول بھی یہی ہے۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ جو عورت اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو الخ۔ پس معلوم ہوا کہ یہ حکم تعبدی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ثوری رحمہم اللہ کم سن نابالغہ عورت کے لیے بھی یہی فرماتے ہیں کیونکہ وہ غیر مکلفہ ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب مسلمان لونڈی کو اس میں ملاتے ہیں لیکن ان مسائل کے تصفیہ کا یہ موقع نہیں' وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ بِالصَّوَابِ۔ پھر فرمایا جب ان کی عدت گزر چکے تو ان کے اولیا پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ عورتیں اپنا بناؤ سنگھار کریں یا نکاح کریں یہ سب ان کے لئے حلال طیب ہے۔ حسن' زہری اور سدی رحمۃ اللہ علیہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

پیغام نکاح کا مسنون طریقہ: [آیت:۲۳۵] مطلب یہ ہے کہ صراحت کے بغیر نکاح کی چاہت کا اظہار کسی اچھے طریق پر عدت کے اندر کرنے میں گناہ نہیں۔ مثلاً یوں کہنا کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں' ❶ میں ایسی عورت کو پسند کرتا ہوں' میں چاہتا ہوں کہ اللہ میرا جوڑا بھی ملا دے' ان شاء اللہ میں تیرے سوا دوسری عورت سے نکاح کا ارادہ نہیں کروں گا' میں کسی نیک دیندار عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ اسی طرح اس عورت سے جسے طلاق بائن مل چکی ہو عدت کے اندر ایسے مبہم الفاظ کہنا بھی جائز ہیں جیسے کہ نبی ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا (جبکہ اس کے خاوند ابوعمرو بن حفص رضی اللہ عنہ نے انہیں آخری تیسری طلاق دیدی تھی) کہ جب تم عدت ختم کرو تو مجھے خبر کر دینا' عدت کا زمانہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے ہاں گزارو۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عدت ختم ہونے کے بعد حضور ﷺ کو اطلاع دی تو آپ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے جن کا مانگا تھا نکاح کرا دیا۔ ❷ ہاں رجعی طلاق کی عدت کے زمانہ میں بجز اس کے خاوند کے کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ اشارۃً یا کنایۃً بھی اپنی رغبت ظاہر کرے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

یہ فرمان کہ تم اپنے نفس میں چھپاؤ یعنی منگنی کی خواہش۔ اور جگہ ہے تیرا رب انکے سینوں کی پوشیدگیوں کو اور ظاہر کو جانتا ہے۔ اور جگہ ہے میں تمہارے چھپے کھلے کا جاننے والا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے کہ تم اپنے دلوں میں ضرور ذکر کرو گے۔ اس واسطے اس نے تنگی ہٹا دی لیکن ان عورتوں سے پوشیدہ وعدے نہ کرو یعنی زنا کاری سے بچو۔ ان سے یوں نہ کہو کہ میں تم پر عاشق ہوں تم بھی وعدہ کرو کہ میرے سوا کسی اور سے نکاح نہ کرو گی وغیرہ۔ ❸ عدت میں ایسے الفاظ کا کہنا حلال نہیں' نہ یہ جائز ہے کہ پوشیدہ طور سے عدت میں کر لے اور عدت گزر جانے کے بعد اس نکاح کا اظہار کرے۔ پس یہ سب اقوال اس آیت کے عموم میں آ سکتے ہیں اسی لئے فرمان ہوا کہ مگر یہ کہ تم ان سے اچھی بات کرو مثلاً ولی سے کہہ دینا کہ جلدی نہ کرنا عدت گزر جانے کی مجھے خبر کرنا وغیرہ۔ جب تک عدت ختم نہ ہو جائے تب تک نکاح منعقد نہ کیا کرو۔ ❹

علما کا اجماع ہے کہ عدت کے اندر نکاح صحیح نہیں' اگر کسی نے کر لیا اور دخول بھی ہو گیا تو بھی ان میں جدائی کرا دی جائے گی۔ اب آیا یہ عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی یا پھر عدت گزر جانے کے بعد وہ نکاح کر سکتا ہے اس میں اختلاف ہے۔ جمہور تو کہتے ہیں کہ کر سکتا ہے لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کیلئے حرام ہو گئی۔ انکی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس عورت کا نکاح عدت کے اندر ہو جائے اگر اس کا خاوند اس سے نہیں ملا تو ان دونوں میں جدائی کرا دی جائے گی اور جب اس کو پہلے خاوند کی عدت گزر جائے تو یہ شخص منجملہ اور لوگوں کی طرح نکاح کا پیغام دے سکتا ہے اور اگر دونوں میں ملاپ بھی ہو =

---

❶ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿ولا جناح علیکم فیما عرضتم......﴾، ۵۱۲۴۔

❷ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقة البائن لا نفقة لها، ۱۴۸۰۔ ❸ الطبری، ۵/۱۰۷۔ ❹ ابن ابی حاتم، ۲/ ۸۳۱۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿۲۳۶﴾

ترجمہ: اگر تم عورتوں کو بغیر ہاتھ لگائے اور بغیر مہر مقرر کئے طلاق دے دو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں۔ ہاں انہیں کچھ نہ کچھ فائدہ دے دیا کرو آسانی والا اپنے انداز سے اور تنگی والا اپنی طاقت کے مطابق دستور کے مطابق اچھا فائدہ دے۔ بھلائی کرنے والوں پر یہ لازم ہے۔[۲۳۶]

= گیا ہے جب بھی جدائی کرادی جائے گی اور پہلے خاوند کی عدت گزار کر پھر اس دوسرے خاوند کی عدت گزارے گی اور پھر یہ شخص اس سے ہرگز نکاح نہیں کرسکتا۔ ❶ اس فیصلہ کا ماخذ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اس شخص نے جلدی کر کے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت کا لحاظ نہ کیا تو اسے اسکے خلاف سزا دی گئی کہ وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام کردی گئی جیسے کہ قاتل اپنے مقتول کے ورثہ سے محروم کردیا جاتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہ اثر روایت کیا ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلا قول تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہی تھا لیکن جدید قول آپ کا یہ ہے کہ اسے بھی نکاح کرنا حلال ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی فتویٰ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ والا یہ اثر سنداً منقطع ہے بلکہ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے رجوع کرلیا ہے اور فرمایا ہے کہ مہر ادا کردے اور عدت کے بعد یہ دونوں آپس میں اگر چاہیں تو نکاح کر سکتے ہیں۔ ❷

پھر فرمایا جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔ اس کا لحاظ اور خوف رکھو اپنے دل میں عورتوں کے متعلق فرمان باری کے خلاف خیال بھی نہ آنے دو ہمیشہ دل کو صاف رکھو برے خیال سے اسے پاک رکھو ڈر خوف کے حکم کے ساتھ ہی اپنی رحمت کی طمع اور لالچ بھی دلائی اور فرمایا کہ رب عالم خطاؤں کو بخشنے والا اور حلم و کرم والا ہے۔

دخول سے قبل طلاق اور مہر کے مسائل: [آیت:۲۳۶] عقد نکاح کے بعد دخول سے پہلے بھی طلاق دینا مباح ہو رہا ہے۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہاں مراد ﴿مَسّ﴾ سے نکاح ہے۔ ❸ دخول سے پہلے طلاق دے دینا جبکہ مہر کا ابھی تقرر نہیں ہوا اور طلاق دے دینا بھی جائز ہے گو اس میں عورت کی بے حد دل شکنی ہے اس لئے حکم ہوا کہ اپنے مقدور بھر اس صورت میں مرد کو عورت کے ساتھ سلوک کرنا چاہیے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کا اعلیٰ حصہ خادم ہے اور اس سے کم چاندی ہے اور اس سے کم کپڑا ہے ❹ یعنی اگر مالدار ہے تو غلام وغیرہ دے اور اگر مفلس ہے تو کم سے کم تین کپڑے دے۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں درمیانہ درجہ اس فائدہ پہنچانے کا یہ ہے کہ کرتا دوپٹہ لحاف اور چادر دے دے۔ شریح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پانچ سو درہم دے۔ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں غلام دے یا خوراک دے یا کپڑے وغیرہ دے۔ حسن بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے دس ہزار دیئے تھے لیکن پھر بھی وہ بیوی صاحبہ فرماتی تھیں کہ اس محبوب مقبول کی جدائی کے مقابلے میں یہ حقیر چیز کچھ بھی نہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر دونوں اس فائدہ کی مقدار میں تنازعہ کریں تو اس کے خاندان کے مہر سے آدھی رقم دلوادی جائے۔

---

❶ الموطا، ۲/ ۵۳٦ ح ۱۱٦۲ وھو صحیح بالشواھد۔ ❷ دیکھئے (الإرواء، ۲۱۲٦)

❸ ابن ابی حاتم، ۲/ ۸۳۱۔ ❹ دیکھئے (الإرواء، ٦/ ۳٦۱) اس کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ کسی خاص چیز پر خاوند کو مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ کم سے کم جس چیز کو متعہ یعنی فائدہ اور اسباب کہا جا سکتا ہے وہ کافی ہوگا۔ میرے نزدیک اتنا کپڑا متعہ ہے جتنے میں نماز پڑھ لینی جائز ہو جائے۔ گو پہلا قول حضرت الامام کا یہ تھا کہ مجھے اس کا کوئی صحیح اندازہ معلوم نہیں لیکن میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ کم سے کم تیس درہم ہونے چاہئیں جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اس بارے میں بھی بہت سے اقوال ہیں کہ ہر طلاق والی عورت کو کچھ نہ کچھ اسباب دینا چاہیے یا صرف اسی عورت کو جس سے میل ملاپ نہ ہوا ہو۔ بعض تو سب کے لئے کہتے ہیں کیونکہ قرآن کریم میں ہے

﴿وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ❶ الخ۔ پس اس آیت کے عموم سے سب کے لئے ثابت کرتے ہیں۔

اسی طرح ان کی دلیل یہ آیت بھی ہے ﴿فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ﴾ ❷ یعنی اے نبی! اپنی بیویوں سے کہو کہ اگر تمہاری چاہت دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کی ہے تو آؤ میں تمہیں کچھ اسباب بھی دوں اور تمہیں اچھائی کے ساتھ چھوڑ دوں الخ۔ پس یہ تمام ازواج مطہرات وہ تھیں جن کا مہر بھی مقرر تھا اور جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ بھی چکی تھیں۔ سعید بن جبیر، ابو العالیہ، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہم کا قول یہی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول یہی ہے اور بعض تو کہتے ہیں کہ ان کا نیا اور صحیح قول یہی ہے، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ بعض کہتے ہیں اسباب کا دینا اس طلاق والی کو ضروری ہے جس سے خلوت نہ ہوئی ہو گو مہر مقرر ہو چکا ہو کیونکہ قرآن کریم میں ہے۔ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ﴾ ❸ یعنی ''اے ایمان والو! تم جب ایمان والی عورت سے نکاح کرلو پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو ان پر تمہاری طرف سے کوئی عدت نہیں جو عدت وہ گزاریں، تم انہیں کچھ مال واسباب دے دو اور اچھے کردار سے چھوڑ دو۔'' سعید بن میتب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ سورۂ احزاب کی یہ آیت سورۂ بقرہ کی آیت سے منسوخ ہو چکی ہے۔

سہل بن سعید اور ابو اسید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیمہ بنت شرجیل رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ جب وہ رخصت ہو کر آئیں اور آپ نے ہاتھ بڑھایا تو گویا اس نے برا مانا۔ آپ نے ابو اسید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اسے دو رنگین کپڑے دے کر رخصت کر دو۔'' ❹

تیسرا قول یہ ہے کہ صرف اسی صورت میں بطور فائدہ کے اسباب و متاع کا دینا ضروری ہے جب کہ عورت کی رخصتی نہ ہوئی ہو اور مہر بھی مقرر نہ ہوا ہو اور اگر دخول ہو گیا ہو تو مہر مثل یعنی خاندان کے دستور کے مطابق دینا پڑے گا اگر مقرر نہ ہوا ہو، اور اگر مقرر ہو چکا ہو اور رخصت سے پہلے طلاق دے دے تو آدھا مہر دینا پڑے گا اور اگر رخصتی بھی ہو چکی ہے تو پورا مہر دینا پڑے گا اور یہی متعہ کا عوض ہوگا۔ ہاں اس مصیبت زدہ عورت کے لئے متعہ ہے جس سے ملاپ ہوا نہ مہر مقرر ہوا اور طلاق مل گئی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔

گو بعض علما اسی کو مستحب بتاتے ہیں کہ ہر طلاق والی عورت کو کچھ نہ کچھ دے دینا چاہیے۔ ان کے سوا جو مہر مقرر کئے ہوئے نہ ہوں اور نہ خاوند بیوی کا میل ہوا ہو۔ یہی مطلب سورۂ احزاب کی اس آیت تخییر کا ہے جو اس سے پہلے اسی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے اور اسی لئے یہاں اس خاص صورت کے لئے فرمایا گیا کہ امیر اپنی وسعت کے مطابق دیں اور غریب اپنی طاقت کے مطابق الخ۔ حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوتا ہے کہ یہ اسباب نہ دینے والا کیا گرفتار کیا جائے گا تو آپ فرماتے ہیں اپنی طاقت کے برابر =

❶ ٢/ البقرة:٢٤١۔ ❷ ٣٣/ الاحزاب:٢٨۔ ❸ ٣٣/ الاحزاب:٤٩۔

❹ صحيح بخاري، كتاب الطلاق، باب من طلق وهل يواجه الرجل امراته بالطلاق؟، ٥٢٥٦، ٥٢٥٧۔

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

ترجمہ: اور اگر تم عورتوں کو اس سے پہلے طلاق دے دو کہ تم نے انہیں ہاتھ لگایا ہو اور تم نے ان کا مہر بھی مقرر کر دیا ہو تو مقررہ مہر کا آدھا مہر دے دو۔ یہ اور بات ہے کہ وہ خود معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ تمہارا معاف کر دینا تقویٰ سے بہت نزدیک ہے۔ آپس کی فضیلت اور بزرگی کو فراموش نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے۔[۲۳۷]

= دے دے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اس بارے میں کسی کو گرفتار نہیں کیا گیا اگر یہ واجب ہوتا تو قاضی لوگ ضرور ایسے شخص کو قید کر لیتے۔

مہر کی مزید تفصیل: [آیت:۲۳۷] آیت میں صاف دلالت ہے اس امر پر کہ پہلی آیت میں جن عورتوں کے لئے متعہ مقرر کیا گیا تھا۔ وہ صرف وہی عورتیں ہیں جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا تھا کیوں کہ اس آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ دخول سے پہلے جب کہ طلاق دے دی گئی اور مہر مقرر ہو چکا تھا تو آدھا مہر دینا پڑے گا۔ اگر یہاں بھی اس کے سوا کوئی اور متعہ واجب ہوتا تو وہ ضرور ذکر کیا جاتا کیونکہ دونوں کی صورتیں یکے بعد دیگرے بیان ہو رہی ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ اس صورت میں جو یہاں بیان ہو رہی ہے آدھے مہر پر علما کا اجماع ہے لیکن تین کے نزدیک پورا مہر اس وقت واجب ہوتا ہے جب کہ خلوت ہو گئی یعنی میاں بیوی تنہائی کی حالت میں کسی مکان میں جمع ہو گئے ہوں گو ہم بستری نہ ہوئی ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی پہلا قول یہی ہے اور خلفائے راشدین کا فیصلہ بھی یہی ہے۔ لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس صورت میں بھی صرف نصف مہر مقرر ہی دینا پڑے گا۔ ❶ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بھی یہی کہتا ہوں اور ظاہر ہے الفاظ کتاب اللہ کے بھی یہی کہتے ہیں۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کے ایک راوی لیث بن ابی سلیم اگرچہ سند پکڑے جانے کے قابل نہیں لیکن ابن ابی طلحہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت مروی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا فرمان یہی ہے۔ ❷

پھر فرماتا ہے کہ اگر عورتیں خود ایسی حالت میں اپنا آدھا مہر بھی خاوند کو معاف کر دیں تو یہ اور بات ہے۔ اس صورت میں خاوند کو سب معاف ہو جائے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ثیبہ عورت اگر اپنا حق چھوڑ دے تو اسے اختیار ہے۔ ❸ بہت سے مفسرین تابعین کا یہی قول ہے۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ اس سے مراد عورتوں کا معاف کرنا نہیں بلکہ مردوں کا معاف کرنا ہے۔ یعنی مرد اپنا آدھا حصہ چھوڑ دے اور پورا مہر دے دے۔ لیکن یہ قول شاذ ہے کیونکہ کوئی اور قول اسکی تائید نہیں کرتا۔ پھر فرماتا ہے کہ یا وہ معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ ایک حدیث میں ہے اس سے مراد خاوند ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ اس سے مراد کیا عورت کے اولیا ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ اس سے مراد خاوند ہے۔ ❹ اور بھی بہت سے مفسرین سے یہی مروی ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا جدید قول بھی یہی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے اس لئے کہ حقیقتاً نکاح کو باقی رکھنا توڑ دینا =

❶ الشافعی، وسندہ ضعیف۔ ❷ ابن ابی طلحہ کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہوتی ہے۔
❸ ابن ابی حاتم، ۲/ ۸۳۹۔ ❹ ابن ابی حاتم، ۲/ ۸۴۲۔ اس کی سند میں ابن لہیعہ مختلط راوی ہے۔(التقریب، ۱/ ۴۴۴، رقم: ۵۷۴) لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿٢٣٨﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٩﴾

ترجمہ: نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص درمیان والی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے لئے باادب کھڑے رہا کرو۔[۲۳۸] اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل ہی سہی یا سوار ہی۔ ہاں جب امن ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کہ اس نے تمہیں وہ تعلیم دی جو تم نہیں جانتے تھے۔[۲۳۹]

= وغیرہ یہ سب خاوند کے ہی اختیار میں ہے اور جس طرح ولی کو اس کی طرف سے جس کا ولی ہے اس کے مال کا دے دینا جائز نہیں۔ اسی طرح اس کے مہر کے معاف کر دینے کا بھی اختیار نہیں۔ دوسرا قول اس بارے میں یہ ہے کہ اس سے مراد عورت کے باپ بھائی اور وہ لوگ ہیں جن کی اجازت کے بغیر عورت نکاح نہیں کر سکتی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما علقمہ' حسن' عطاء' طاؤس' زہری' ربیعہ' زید بن اسلم' ابراہیم نخعی' عکرمہ اور محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہم سے بھی یہی مروی ہے' ان دونوں بزرگوں کا بھی ایک قول یہی ہے۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ولی نے ہی اس حق کا حقدار اسے کیا تھا تو اس میں تصرف کرنے کا بھی اسے اختیار ہے۔ گو دوسرے مال میں تصرف کا اختیار نہ ہو۔

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دینے کی رخصت عورت کو دی اور اگر وہ بخیلی اور تنگ دلی کرے تو اس کا ولی بھی معاف کر سکتا ہے گو وہ عورت سمجھدار ہو۔ حضرت شریح رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں لیکن جب شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے انکار کیا تو آپ نے اس سے رجوع کر لیا اور فرمانے لگے کہ اس سے مراد خاوند ہی ہے بلکہ وہ اس بات پر مباہلہ کو تیار رہتے تھے۔ پھر فرماتا ہے تمہارا معاف کرنا ہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اس سے مراد مرد عورتیں دونوں ہی ہیں یعنی دونوں میں سے اچھا وہی ہے جو اپنا حق چھوڑ دے یعنی عورت یا تو اپنا آدھا حصہ بھی اپنے خاوند کو معاف کر دے یا خاوند ہی اسے بجائے آدھے کے پورا مہر دے دے۔ آپس کی فضیلت یعنی احسان کو نہ بھولو اسے بیکار نہ چھوڑو بلکہ اسے کام میں لاؤ۔

ابن مردویہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایک کاٹ کھانے والا زمانہ آئے گا۔ مؤمن بھی اپنے ہاتھوں کی چیز کو دانتوں سے پکڑ لے گا اور فضیلت و بزرگی کو بھول جائے گا حالانکہ کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اپنے آپس میں کے فضل کو نہ بھولو۔ برے ہیں وہ لوگ جو ایک مسلمان کی بے کسی اور تنگدستی کے وقت اس سے سستے داموں اس کی چیز خریدتے ہیں [1] حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس بیع سے منع فرما دیا ہے۔ اگر تیرے پاس بھلائی ہو تو اپنے بھائی کو بھی وہ بھلائی پہنچا اس کی ہلاکت میں حصہ نہ لے' ایک مسلمان دوسرے کا بھائی ہے' نہ اسے رنج و غم پہنچائے نہ اسے بھلائیوں سے محروم رکھے۔ حضرت عون حدیثیں بیان کرتے ہوئے اتنا روتے کہ آنسو داڑھی سے ٹپکتے رہتے اور فرمایا کہ میں مالداروں کی صحبت میں بیٹھا اور دیکھا کہ ہر وقت دل ملول رہتا ہے کیونکہ جدھر نظر اٹھتی ہر ایک کو اپنے سے اچھے کپڑوں میں اچھی خوشبوؤں میں اور اچھی سواریوں میں دیکھتا ہاں مسکینوں کی محفل میں میں نے بڑی راحت پائی۔ اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتا ہے کہ ایک دوسرے کی فضیلت فراموش نہ کرو' کسی کے پاس جب کبھی کوئی سائل آ جائے اور اس کے پاس کچھ نہ ہو تو وہ اس کے لئے دعائے خیر ہی کر دے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے' اس پر تمہارا کام اور تمہارا حال بالکل روشن ہے اور عنقریب وہ ہر ایک عامل کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔

---

[1] ابن مردویہ' اس کی سند عبید اللہ بن الولید الوصافی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

نمازوں کی حفاظت اور صلوۃ وسطیٰ کی مکمل تفصیل: [آیت:۲۳۸۔۲۳۹] اللہ تعالیٰ کا حکم ہو رہا ہے کہ نمازوں کے وقت کی حفاظت کرو' اس کی حدود کی نگرانی رکھو اور اول وقت ادا کرتے رہو۔ رسول اللہ ﷺ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سوال کرتے ہیں کہ کون سا عمل افضل ہے؟۔ آپ نے فرمایا: ''نماز کو وقت پر پڑھنا۔'' پوچھا پھر کون سا؟ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا۔'' پوچھا پھر کون سا؟ فرمایا: ''ماں باپ سے بھلائی کرنا۔'' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر میں کچھ اور بھی پوچھتا تو آپ ﷺ اور بھی جواب دیتے۔ (بخاری و مسلم)۔ ❶ حضرت ام فروہ رضی اللہ عنہا جو بیعت کرنے والی عورتوں میں سے ہیں۔ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا' آپ اعمال کا ذکر فرما رہے تھے اسی میں آپ نے فرمایا: ''سب سے زیادہ پسندیدہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز کو اول وقت میں ادا کرنے کی جلدی کرنا ہے۔'' (مسند احمد) ❷ امام ترمذی اس حدیث کے ایک راوی عمری کو غیر قوی بتاتے ہیں پھر صلوۃ وسطیٰ کی مزید تاکید ہو رہی ہے۔ سلف و خلف کا اس میں اختلاف ہے کہ صلوۃ وسطیٰ کس نماز کا نام ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا قول ہے کہ اس سے مراد صبح کی نماز ہے۔ ❸ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ نماز صبح پڑھتے ہیں جس میں ہاتھ اٹھا کر قنوت بھی پڑھتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں یہی وہ نماز وسطیٰ ہے جس میں قنوت کا حکم ہوا ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ واقعہ بصرہ کی مسجد کا ہے اور قنوت آپ نے رکوع سے پہلے پڑھی تھی۔ ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بصرہ میں میں نے حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کے پیچھے صبح کی نماز ادا کی پھر میں نے ایک صحابی سے پوچھا کہ صلوۃ وسطیٰ کون سی ہے؟ فرمایا یہی صبح کی نماز ہے اور روایت میں ہے کہ بہت سے اصحاب اس مجمع میں تھے اور سب نے یہی جواب دیا۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں اور بھی بہت سے صحابہ اور تابعین کا یہی مسلک ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک صبح کی نماز میں ہی قنوت ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد نماز مغرب ہے اس لئے کہ اس سے پہلے بھی اور بعد بھی چار رکعت والی نمازیں ہیں اور سفر میں دونوں قصر کی جاتی ہیں۔ لیکن مغرب پوری ہی رہتی ہے' یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے بعد دو نمازیں رات کی یعنی عشا اور فجر وہ ہیں جن میں اونچی آواز سے قراءت پڑھی جاتی ہے اور دو نمازیں اس سے پہلی دن کی وہ ہیں جن میں آہستہ قراءت پڑھی جاتی ہے یعنی ظہر' عصر۔ بعض کہتے ہیں یہ ظہر کی نماز ہے۔ ایک مرتبہ چند لوگ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں یہی مسئلہ چھڑا لوگوں نے ایک آدمی بھیج کر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا یہ ظہر کی نماز ہے جسے حضور ﷺ اول وقت میں پڑھا کرتے تھے (طیالسی) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے زیادہ بھاری نماز صحابہ پر اور کوئی نہ تھی اس لئے یہ آیت نازل ہوئی اور اس سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد بھی دو ہیں ❹

آپ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ قریشیوں کی ایک جماعت کے بھیجے ہوئے دو شخصوں نے آپ سے یہی سوال کیا جس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ عصر ہے۔'' پھر دو اور شخصوں نے پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ ظہر ہے۔'' پھر ان دونوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ نے فرمایا ظہر ہے۔ آپ اسے آفتاب ڈھلتے ہی پڑھا کرتے تھے بمشکل ایک دو صف کے

---

❶ صحیح بخاری، الأدب، باب البر والصلة، ۵۹۷۰؛ صحیح مسلم، ۸۶۔

❷ احمد، ٦/ ۳۷۵؛ ابوداود، کتاب الصلاة، باب المحافظة علی الصلوات، ٤٢٦؛ ترمذی، ۱۷۰ وهو صحیح۔

❸ مؤطا امام مالك، کتاب صلاة الجماعة، باب الصلاة الوسطیٰ ۲۸ بلاغًا سنده ضعیف وهو صحیح عن ابن عباس (ابن ابی شیبة ۲/ ۱۵۰٦ وسنده صحیح)۔

❹ احمد، ۲/ ۱۸۳ وابو داود، ٤۱۱ وسنده صحیح۔

لوگ آتے تھے کوئی نیند میں ہوتا کوئی کاروبار میں مشغول ہوتا جس پر یہ آیت اتری اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ لوگ اس حرکت سے باز آئیں یا میں ان کے گھروں کو جلادوں گا۔'' ❶ لیکن اس کے راوی زبرقان نے صحابی سے ملاقات نہیں کی۔ لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ سے اور روایات سے بھی یہ ثابت ہے کہ اس سے مراد ظہر کی نماز ہی بتاتے تھے اور ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ ہے۔ ❷ حضرت عمر، حضرت ابوسعید، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم۔ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت اسی کی ہے۔

بعض کہتے ہیں اس سے مراد عصر کی نماز ہے۔ اکثر علما صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وغیرہ کا یہی قول ہے اور جمہور تابعین کا بھی یہی قول ہے اور اکثر اہل اثر کا بلکہ جمہور لوگوں کا بھی حافظ ابو محمد عبدالمؤمن دمیاطی نے اس بارے میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے جس کا نام كَشْفُ الْغِطَاءِ فِي تَبْيِيْنِ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ہے۔ اس میں ان کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ عصر کی نماز ہے۔ حضرت عمر، علی، ابن مسعود، ابوایوب، عبداللہ بن عمرو، سمرہ بن جندب، ابوہریرہ، ابوسعید، حفصہ، ام سلمہ، ابن عمر، ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہم کا فرمان بھی یہی ہے اور ان حضرات سے یہی مروی ہے اور بہت سے تابعین سے بھی یہی منقول ہے۔ امام احمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی صحیح مذہب یہی ہے۔ امام ابویوسف، محمد رحمہما اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن حبیب مالکی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں اس قول کی دلیل سنئے رسول اللہ ﷺ نے جنگ احزاب میں فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کے دلوں کو اور گھروں کو آگ سے بھر دے کہ انہوں نے صلوٰۃ وسطیٰ یعنی نماز عصر سے روک دیا۔'' (مسند احمد) ❸

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اس سے مراد صبح کی یا عصر کی نماز لیتے تھے یہاں تک کہ جنگ احزاب میں میں نے حضور ﷺ سے یہ سنا اس میں قبروں کو بھی آگ سے بھرنا وارد ہوا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا: ''یہ عصر کی نماز ہے۔'' ❹ اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں اور بہت سی کتب میں مروی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ اس بارے میں سوال ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے بھی ایک مرتبہ اس میں اختلاف کیا تو ابوہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ مجلس میں سے اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے مکان پر گئے۔ اجازت مانگ کر اندر داخل ہوئے اور آپ سے معلوم کر کے باہر آ کر ہمیں فرمایا کہ یہ نماز عصر ہے (ابن جریر) عبدالعزیز بن مروان رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بھی ایک مرتبہ یہی مسئلہ پیش آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ فلاں صحابی سے پوچھ آؤ تو ایک شخص نے کہا کہ مجھ سے سنیے۔ مجھے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے میرے بچپنے میں یہی مسئلہ پوچھنے کے لئے رسول اللہ کے پاس بھیجا تھا۔ آپ نے میری چھنگلیا یعنی سب سے چھوٹی انگلی پکڑ کر فرمایا: ''دیکھ یہ تو ہے فجر کی نماز۔'' پھر اس کے پاس والی انگلی تھام کر فرمایا: ''یہ ہوئی ظہر کی نماز'' پھر انگوٹھا پکڑ کر فرمایا: ''یہ ہے مغرب کی نماز۔'' پھر شہادت کی انگلی پکڑ کر فرمایا: ''یہ ہوئی عشاء کی نماز'' پھر مجھ سے کہا اب تمہاری کون سی انگلی باقی رہی؟ میں نے کہا بیچ کی۔ فرمایا: ''اور نماز کون سی باقی رہی؟'' کہا عصر فرمایا: ''بس یہی صلوٰۃ وسطیٰ ہے۔'' (ابن جریر) لیکن یہ روایت بہت ہی غریب ہے۔ غرض صلوٰۃ وسطیٰ سے نماز عصر مراد ہونا بہت سی حدیثوں میں وارد ہے جن میں سے کوئی حسن ہے کوئی صحیح ہے کوئی ضعیف اور ترمذی، مسلم ❺ وغیرہ میں یہ موجود ہیں۔

---

❶ احمد، ٥/ ٢٠٦ وسنده ضعيف لانقطاعه۔ ❷ مؤطا امام مالك، كتاب صلاة الجماعة، باب الصلاة الوسطى ٢٧؛ ابوداود، كتاب الصلاة، باب وقت العصر ٤١١ وهو صحيح۔

❸ صحيح بخاري، كتاب الدعوات، باب الدعاء على المشركين، ٦٣٩٦؛ صحيح مسلم، ٦٢٧۔

❹ احمد، ٥/ ٨؛ صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب الدليل لمن قال الصلاة الوسطى هي صلاة العصر ٦٢٨؛ ترمذي ١٨٢۔ مختصراً۔ ❺ دیکھئے صحیح مسلم، ٦٢٨؛ ترمذی، ١٨١۔

پھر اس نماز کے بارے میں حضور ﷺ کی تاکید اور سختی کے ساتھ محافظت بھی ثابت ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے، جس سے عصر کی نماز فوت ہو جائے گویا اس کا گھرانا تباہ ہو گیا اور مال واسباب برباد ہو گیا۔ ❶ ایک حدیث میں ہے ابر والے دن نماز اول وقت پڑھو۔ سنو جس شخص نے عصر کی نماز چھوڑ دی اس کے اعمال غارت ہو جاتے ہیں۔ ❷ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے عصر کی نماز قبیلہ غفار کی ایک وادی میں جس کا نام حمیص تھا ادا کی۔ پھر فرمایا: ''یہی نماز تم سے اگلے لوگوں پر بھی پیش کی گئی تھی لیکن انہوں نے ضائع کر دیا۔ سنو اسے پڑھنے والے کو دوہرا اجر ملتا ہے۔ اس کے بعد کوئی نماز نہیں جب تک کہ تم تارے نہ دیکھ لو'' (مسند احمد) ❸ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آزاد کردہ غلام ابو یونس رحمۃ اللہ علیہ سے فرماتی ہیں کہ میرے لئے ایک قرآن شریف لکھو اور جب اس آیت ﴿حَافِظُوْا﴾ تک پہنچو تو مجھے اطلاع کرنا۔ چنانچہ جب آپ کو اطلاع دی گئی تو آپ نے وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی کے بعد وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ لکھوایا۔ اور فرمایا میں نے خود اسے یونہی رسول اللہ ﷺ سے سنا (مسند احمد) ❹ ایک روایت میں وَهِیَ صَلٰوةُ الْعَصْرِ کا لفظ بھی ہے (ابن جریر) حضور ﷺ کی بیوی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عمرو بن رافع کو جو آپ کے قرآن کے کاتب تھے اسی طرح یہ آیت لکھوائی تھی (مؤطا امام مالک) ❺ اس حدیث کے بھی بہت سے طریقے ہیں اور کئی ایک کتب میں مروی ہے کہ ام المؤمنین نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہی الفاظ سنے ہیں۔ حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے یہ قرآن شریف اپنی آنکھوں سے دیکھا یہی عبارت واؤ کے ساتھ تھی، ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عبید بن عمیر کی قراءت بھی یونہی ہے۔

ان روایات کو مدنظر رکھ کر بعض حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ واؤ عطف کے لئے ہوتا ہے اور عطف معطوف میں مغایرت ہوتی ہے پس ثابت ہوا کہ صَلٰوةُ الْوُسْطٰی اور ہے اور صَلٰوةِ عَصْر اور، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اسے بطور حدیث کے مانا جائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ والی حدیث بہت زیادہ صحیح ہے اور اس میں صراحتاً موجود ہے۔ رہی ''واؤ'' سو ممکن ہے کہ زائد ہو عاطفہ نہ ہو جیسے ﴿وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ ❻ اور ﴿كَذٰلِكَ نُرِیْ اِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ﴾ ❼ میں یا یہ واؤ عطف صفت کے لئے ہو ذات کے لئے نہ ہو جیسے ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ ❽ میں اور جیسے ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰى وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰى وَالَّذِیْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى﴾ ❾ میں اس کی مثالیں اور بھی بہت سی ہیں شاعروں کے شعروں میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے۔ سیبویہ جو نحویوں کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ (مَرَرْتُ بِاَخِيْكَ وَصَاحِبِكَ) کہنا درست ہے حالانکہ صاحب اور اخ سے مراد ایک ہی شخص ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

اور اگر اس قراءت کے ان قرآنی الفاظ کو بطور قرآنی الفاظ کے مانا جائے تو ظاہر ہے کہ اس خبر واحد سے قراءت قرآنی ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ تواتر ثابت نہ ہو اسی لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے قرآن میں اس قراءت کو نہیں لیا اور نہ ساتوں قراء کی قراءت

---

❶ صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاة، باب اثم من فاتته الصلاة، ۵۵۲، صحیح مسلم، ۶۲۶۔

❷ صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاة، باب من ترك العصر، ۵۵۳ میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً وارد ہے۔

❸ احمد، ۶/ ۳۹۷؛ صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب الاوقات التی نهی عن الصلاة فيها، ۸۳۰۔

❹ احمد، ۶/ ۷۳؛ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب الدلیل لمن قال: الصلاة الوسطیٰ هی صلاة العصر، ۶۲۹؛ ابوداود، ۴۱۰؛ ترمذی، ۲۹۸۲۔ ❺ مؤطا امام مالك، كتاب صلاة الجماعة، باب الصلاة الوسطیٰ، ۲۶ وهو صحیح۔

❻ ۶/ الانعام: ۵۵۔ ❼ ۶/ الانعام: ۷۵۔

❽ ۳۳/ الاحزاب: ۴۰۔ ❾ ۸۷/ الاعلیٰ: ۱۔۴۔

میں یہ الفاظ ہیں بلکہ یہ نہ کسی اور ایسے معتبر قاری کی یہ قراءت پائی گئی ہے۔ علاوہ ازیں ایک حدیث اور ہے جس سے اس قراءت کا منسوخ ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ یہ آیت اتری ﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ﴾ تو ہم ایک مدت تک اسی طرح حضور ﷺ کے سامنے اس آیت کو پڑھتے رہے پھر یہ تلاوت منسوخ ہوگئی اور آیت یوں رہی ﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ [1] ایک شخص نے راوی حدیث حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ پھر کیا یہ نماز عصر کی نماز ہی ہے۔ فرمایا میں تو سنا چکا ہوں کہ کس طرح آیت اتری اور کس طرح منسوخ ہوئی۔ [2] پس اس بنا پر یہ قراءت حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کی روایت والی یا تو لفظاً منسوخ کی جائے گی اور اگر واؤ کو مغایرت کے لئے مانا جائے تو لفظ و معنی دونوں کے اعتبار سے منسوخ کی جائے گی بعض کہتے ہیں اس سے مراد مغرب کی نماز ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ مروی ہے لیکن اس کی سند میں کلام ہے۔

بعض اور حضرات کا قول بھی یہی ہے اس کی ایک وجہ تو یہ بیان کی جاتی ہے کہ اور فرض نمازیں یا چار رکعات والی ہیں یا دو رکعت والی اور اس کی تین رکعت ہیں۔ پس یہ درمیانہ نماز ٹھہری اور دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ فرض نمازوں کی یہ وتر ہے اور اس لئے بھی کہ اس کی فضیلت میں بھی بہت کچھ احادیث وارد ہوئی ہیں۔ بعض لوگ اس سے مراد عشاء کی نماز بھی بتاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں پانچ وقتوں میں سے ایک وقت کی نماز ہے لیکن ہم معین نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ اسی طرح مبہم ہے جس طرح لیلة القدر پورے سال میں یا پورے مہینے میں یا پچھلے دس دنوں میں مبہم ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں پانچوں نمازوں کا مجموعہ مراد ہے اور بعض کہتے ہیں یہ عشاء اور صبح ہے اور بعض کا قول ہے یہ جماعت کی نماز ہے۔ بعض کہتے ہیں جمعہ کی نماز ہے کوئی کہتا ہے نماز عید مراد ہے کوئی کہتا ہے صلوٰۃ ضحیٰ مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں صلوٰۃ خوف مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں ہم توقف کرتے ہیں اور کسی قول کے قائل نہیں بنتے اس لئے کہ دلیلیں مختلف ہیں وجہ ترجیح معلوم نہیں، کسی قول پر اجماع ہوا نہیں بلکہ صحابہ کے زمانہ سے لے کر آج تک جھگڑا جاری ہے۔ جس طرح حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اس بارے میں اس طرح مختلف تھے۔ پھر انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر دکھائیں لیکن یہ یاد رہے کہ یہ پچھلے اقوال سب کے سب ضعیف ہیں جھگڑا صرف صبح اور عصر کی نماز میں ہے اور صحیح احادیث سے عصر کی نماز کا صلوٰۃ وسطیٰ ہونا ثابت ہے پس لازم ہوگیا کہ ہم سب اقوال کو چھوڑ کر یہی عقیدہ رکھیں کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے۔ امام ابو محمد عبدالرحمن بن ابوحاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب فضائل شافعی رحمۃ اللہ علیہ میں روایت کی ہے کہ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ (كُلُّ مَاقُلْتُ فَكَانَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِخِلَافِ قَوْلِي مِمَّا يَصِحُّ فَحَدِيْثُ النَّبِيِّ ﷺ اَوْلٰى وَلَا تُقَلِّدُوْنِي) یعنی میرے جس کسی قول کے خلاف کوئی صحیح حدیث مروی ہو تو حدیث ہی اولیٰ ہے خبردار میری تقلید نہ کرنا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرمان کو امام ربیع، امام زعفرانی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی روایت کرتے ہیں اور موسیٰ ابوالولید بن جارود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا (إِذَا صَحَّ الْحَدِيْثُ وَقُلْتُ قَوْلًا فَاِنَّا رَاجِعٌ عَنْ قَوْلِي وَقَائِلٌ بِذٰلِكَ) یعنی میری جو بات حدیث کے خلاف ہو میں اپنی اس بات سے رجوع کرتا ہوں اور صاف کہتا ہوں کہ میرا مذہب وہی ہے جو حدیث میں ہو۔

یہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی امانت اور سرداری ہے اور آپ جیسے ائمہ کرام میں سے بھی ہر ایک نے یہی فرمایا ہے کہ ان کے اقوال کو دین نہ سمجھا جائے رحمهم الله ورضي الله عنهم اجمعين۔ اسی لئے قاضی ماوردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] ۲/ البقرة:۲۳۸۔ [2] صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب الدليل لمن قال: الصلاة الوسطى هي صلاة العصر، ۶۳۰۔

کا صلوٰۃ وسطیٰ کے بارے میں یہی مذہب سمجھنا چاہیے کہ وہ نماز عصر ہے گو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا نیا قول یہ ہے کہ وہ عصر نہیں ہے مگر آپ کے اس فرمان کے مطابق حدیث کے خلاف اس قول کو پا کر ہم نے چھوڑ دیا۔ شافعی مذہب کے بھی اور بہت سے محدثین نے یہی فرمایا ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ بعض فقہائے شافعی تو کہتے ہیں کہ امام صاحب کا صرف ایک ہی قول ہے کہ وہ صبح کی نماز ہے لیکن یہ سب باتیں طے کرنے کے لئے تفسیر مناسب نہیں۔ علیحدہ اس کا بیان میں نے کر دیا ہے فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع وخضوع ذلت اور مسکینی کے ساتھ کھڑے ہوا کرو جس کو یہ لازم ہے کہ انسانی بات چیت نہ ہو۔ اسی لئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سلام کا جواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں نہ دیا اور بعد فراغت فرمایا: ''نماز مشغولیت کی چیز ہے'' ❶ اور حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ سے جب کہ انہوں نے نماز پڑھتے ہوئے بات کی تو فرمایا: ''کہ نماز میں انسانی بات چیت نہ کرنی چاہیے یہ تو صرف تسبیح اور تکبیر اور ذکر اللہ ہے۔'' (مسلم) ❷ مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے لوگ ضروری بات چیت بھی نماز میں کر لیا کرتے تھے۔ جب یہ آیت اتری تو چپ رہنے کا حکم دے دیا گیا۔ ❸ لیکن اس حدیث میں ایک اشکال یہ ہے کہ علمائے کرام کی ایک جماعت کے نزدیک نماز میں بات چیت کرنے کی حرمت حبشہ کی ہجرت کے بعد اور مدینہ شریف کی ہجرت سے پہلے ہی مکہ شریف میں نازل ہو چکی تھی۔

چنانچہ صحیح مسلم میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حبشہ کی ہجرت سے پہلے ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہوتے پھر بھی جواب دیتے۔ جب حبشہ سے ہم واپس آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے آپ کی نماز کی حالت میں ہی سلام کیا آپ نے جواب نہ دیا۔ اب میرے رنج وغم کا کچھ نہ پوچھیے۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا عبداللہ اور کوئی بات نہیں، میں نماز میں تھا۔ اس وجہ سے میں نے جواب نہ دیا۔ اللہ جو چاہے نیا حکم اتارے، اس نے یہ نیا حکم نازل فرمایا ہے کہ نماز میں نہ بولا کرو پس یہ واقعہ ہجرت مدینہ سے پہلے کا ہے۔ ❹

اور یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ اب بعض تو کہتے ہیں کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب جنس کلام سے ہے اور اس کی حرمت پر اس آیت سے استدلال بھی خود ان کا فہم ہے، وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ بعض کہتے ہیں ممکن ہے دو دفعہ حلال ہوا اور دو دفعہ ممانعت ہوئی ہو لیکن پہلا واقعہ زیادہ ظاہر ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت جو مسند ابو یعلی میں ہے اس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب نہ دینے سے مجھے یہ خوف ہوا کہ شائد میرے بارے میں کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔ آپ نے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا (وَعَلَيْكَ السَّلَامُ اَيُّهَا الْمُسْلِمُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ) نماز میں جب تم ہو تو خاموش رہا کرو۔ ❺ چونکہ نمازوں کی پوری حفاظت کرنے کا فرمان صادر ہو چکا تھا اس لئے اب اس حالت کو بیان فرمایا جاتا ہے جس میں تمام ادب وآداب کی پوری رعایت عموماً نہیں رہ سکتی یعنی میدان جنگ میں جب کہ دشمن سر پر ہو تو فرمایا کہ جس طرح ممکن ہو سوار پیدل قبلے کی طرف منہ کر کے نماز ادا کر لیا کرو۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب العمل فی الصلاۃ، باب ما ینھی من الکلام فی الصلاۃ، ۱۱۹۹؛ صحیح مسلم، ۵۳۸۔

❷ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب تحریم الکلام فی الصلاۃ، ۵۳۷۔ ❸ احمد، ۴/ ۳۶۸؛ صحیح بخاری، کتاب العمل فی الصلاۃ، باب ما ینھی من الکلام فی الصلاۃ، ۱۲۰۰؛ صحیح مسلم، ۵۳۹۔

❹ ابو داود، کتاب الصلاۃ، باب ردالسلام فی الصلاۃ، ۹۲۴ وسندہ حسن، نسائی، ۱۲۲۲۔ ❺ اس کی سند میں اسحق بن یحییٰ بن طلحہ ضعیف راوی ہے۔ (المیزان ۱/ ۲۰۴، رقم: ۸۰۲) اور ابن المسیب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما اس آیت کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں بلکہ نافع فرماتے ہیں میں تو جانتا ہوں یہ مرفوع حدیث ہے۔ ❶ مسلم شریف میں ہے سخت خوف کے وقت اشارے سے ہی نماز پڑھ لیا کرو گو سواری پر سوار ہو کر۔ ❷ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو جب حضور ﷺ نے خالد بن سفیان کے قتل کے لئے بھیجا تھا تو آپ نے اسی طرح نماز عصر اشارے سے ادا کی تھی الخ (ابوداؤد) ❸ پس اس میں جناب باری نے اپنے بندوں پر بہت آسانی کر دی اور بوجھ کو ہلکا کر دیا۔

صلوٰۃ خوف کا بیان: صلوٰۃ خوف ایک رکعت پڑھنی بھی آئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کی زبانی حضر کی حالت میں چار رکعت فرض کی ہیں اور سفر کی حالت میں دو اور خوف کی حالت میں ایک (مسلم) ❹ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ اس وقت کی بات ہے جب بہت زیادہ خوف ہو۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور بہت سے دوسرے بزرگ صلوٰۃ خوف ایک رکعت بتاتے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں باب باندھا ہے کہ فتوحات قلعہ کے موقعہ پر اور دشمن کی مڈبھیڑ کے موقعہ پر نماز ادا کرنا۔ ❺ اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر فتح قریب آ گئی ہو اور نماز پڑھنے پر قدرت نہ ہو تو ہر شخص اپنے طور پر اشارے سے نماز پڑھ لے۔ اگر اتنا وقت بھی نہ ملے تو تاخیر کریں یہاں تک کہ لڑائی ختم ہو جائے اور چین نصیب ہو تو دو رکعتیں ادا کر لیں ورنہ ایک رکعت کافی ہے لیکن صرف تکبیر کہہ لینا کافی نہیں بلکہ تاخیر کر دیں یہاں تک کہ امن ملے۔

مکحول رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تستر قلعہ کی لڑائی میں میں بھی فوج میں تھا' صبح صادق کے وقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی' ہمیں وقت ہی نہ ملا کہ ہم نماز ادا کرتے۔ خوب دن چڑھے اس دن ہم نے صبح کی نماز پڑھی۔ اگر اس نماز کے بدلے میں مجھے دنیا اور جو کچھ اس میں ہے مل جائے تاہم میں خوش نہیں ہوں۔ ❻ اس کے بعد حضرت امام المحدثین رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ جنگ خندق میں سورج غروب ہو جانے تک آنحضرت ﷺ عصر کی نماز نہ پڑھ سکے۔ ❼ پھر دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے جب اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بنی قریظہ کی طرف بھیجا تو ان سے فرما دیا تھا کہ تم میں سے کوئی بھی بنو قریظہ سے پہلے نماز عصر نہ پڑھے۔ اب جب کہ نماز عصر کا وقت آ گیا تو بعض نے تو وہیں پڑھ لی اور کہا کہ مطلب حضور ﷺ کا یہ تھا کہ ہم بہت جلد جائیں تا کہ عصر کی نماز کا وقت ہمیں وہاں پہنچ کر ہو اور بعض لوگوں نے نہ پڑھی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اور قریظہ پہنچ کر ہی نماز پڑھی۔ حضور ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے صحابہ کے ان دونوں گروہوں میں سے کسی کو بھی کچھ نہیں کہا' ❽ پس اس سے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ مسئلہ ثابت کرتے ہیں گو جمہور اس کے مخالف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سورہ نساء میں جو نماز خوف کا حکم ہے اور جس نماز کی مشروعیت اور طریقہ احادیث میں وارد ہوا ہے وہ جنگ خندق کے بعد کا ہے جیسے کہ ابوسعید وغیرہ کی روایت میں صراحتاً بیان ہے۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة البقرة، باب قوله: ﴿فإن خفتم فرجالا أو ركبانا......﴾، ٤٥٣٥۔

❷ صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب صلاة الخوف، ٨٣٩۔ ❸ ابو داود، کتاب التطوع باب صلاة الطالب: ١٢٤٩ وهو حسن۔ ❹ صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب صلاة المسافرین وقصرها، ٦٨٧۔

❺ صحیح بخاری قبل حدیث رقم: ٩٤٥۔

❻ صحیح بخاری، کتاب صلاة الخوف باب الصلاة عند مناهضة...... تعليقًا قبل حديث، ٩٤٥۔ ❼ ایضًا۔

❽ صحیح بخاری، کتاب صلاة الخوف، باب الصلاة عند مناهضة الحصون، ......٩٤٦۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾

ع ۳۱ / ۷ / ۱۵

ترجمہ: جولوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں' وہ وصیت کر جائیں کہ ان کی بیویاں سال بھر تک فائدہ اٹھائیں انہیں کوئی نہ نکالے پس اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے لئے اچھائی سے کریں اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکیم ہے۔[۲۴۰] طلاق والیوں کو اچھی طرح فائدہ دینا پرہیزگاروں پر لازم ہے۔[۲۴۱] اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتیں تم پر ظاہر فرما رہا ہے تاکہ تم سمجھو۔[۲۴۲]

لیکن امام بخاری' امام مکحول اور امام اوزاعی رحمہم اللہ کا جواب یہ ہے کہ اس کی مشروعیت بعد میں ہونا اس جواز کے خلاف نہیں ہوسکتا ہے کہ یہ بھی جائز ہو اور وہ بھی طریقہ ہو کیونکہ ایسی حالت شاذ و نادر کبھی کبھی ہی ہوتی ہے اور خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتح تستر میں اس پر عمل کیا اور کسی نے انکار نہیں کیا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

پھر فرمان ہے کہ امن کی حالت میں حکم کی بجا آوری کا پورا خیال رکھو جس طرح میں نے تمہیں ایمان کی راہ دکھائی اور جہل کے بعد علم دیا تو تمہیں بھی چاہیے کہ اس کے شکریہ میں ذکر اللہ باطمینان کیا کرو جیسے کہ نماز خوف کا بیان کر کے فرمایا جب اطمینان ہو جائے تو نمازوں کو اچھی طرح قائم کرو نماز مؤمنوں پر بوقت مقررہ پر فرض ہے۔ صلوٰۃ خوف کا پورا بیان سورۂ نساء کی آیت ﴿وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ﴾ کی تفسیر میں آئے گا۔ ان شاءاللہ۔

بیوہ عورتوں کے متعلقہ مسائل: [آیت: ۲۴۰-۲۴۲] اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت اس سے پہلے کی آیت یعنی چار مہینے دس دن کی عدت والی آیت سے منسوخ ہو چکی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جب یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے تو پھر آپ اسے قرآن کریم میں کیوں لکھوا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا بھتیجے جس طرح اگلے قرآن میں یہ موجود ہے یہاں بھی موجود رہے گی ہم کوئی ہیر پھیر نہیں کر سکتے۔ ❶ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں پہلے تو یہی حکم تھا کہ سال بھر تک نان ونفقہ اس بیوہ عورت کو میت کے مال سے دیا جائے اور اسی کے مکان میں یہ رہے۔ پھر میراث کی آیت نے اسے منسوخ کر دیا اور خاوند کی اولاد ہونے کی صورت میں مال متروکہ کا آٹھواں حصہ اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں چوتھائی مال ورثہ کا مقرر کیا اور عدت چار ماہ دس دن مقرر ہوئی۔ ❷ اکثر صحابہ اور تابعین سے مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ سعید بن مسیب کہتے ہیں سورۂ احزاب کی آیت ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ﴾ ❸ الخ نے اسے منسوخ کر دیا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں سات مہینے بیس دن جو اصلی عدت چار مہینے دس دن کے سوا ہیں۔ اس آیت میں اس مدت کا حکم ہو رہا ہے عدت تو واجب ہے لیکن یہ

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ البقرۃ، باب ﴿والذین یتوفون منکم......﴾ ۴۵۳۰، ۴۵۳۱۔

❷ ابن ابی حاتم، ۲/ ۸۷۱۔ ❸ ۳۳/ الاحزاب:۴۹۔

زیادتی کی مدت کا عورت کو اختیار ہے خواہ وہیں بیٹھ کر یہ زمانہ گزارے خواہ نہ گزارے اور چلی جائے۔ میراث کی آیت نے رہنے سہنے کے مکان کو بھی منسوخ کر دیا۔ وہ جہاں چاہے عدت گزارے مکان کا خرچ خاوند کے ذمہ نہیں۔ ❶

پس ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت نے سال بھر کی عدت کو واجب نہیں کیا پھر منسوخ ہونے کے کیا معنی؟ یہ تو خاوند کی وصیت ہے اور اسے بھی اگر عورت پورا کرنا چاہے تو کرے ورنہ اس پر جبر نہیں۔ وَصِيَّةً سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں وصیت کرتا ہے جیسے ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ﴾ ❷ اس کا نصب فَلْتُوْصُوْا لَهُنَّ کو محذوف مان کر ہے وصیہ کی قراءت یہی ہے یعنی كُتِبَ عَلَيْكُمْ وَصِيَّةٌ پس اگر عورتیں سال بھر تک اپنے فوت شدہ خاوندوں کے مکانوں میں رہیں تو انہیں نہ نکالا جائے اور اگر وہ عدت گزارنا چاہیں تو ان پر کوئی جبر نہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس قول کو اختیار کرتے ہیں۔ اور بھی بہت سے لوگ اسی قول کو اختیار کرتے ہیں جبکہ باقی جماعت اسے منسوخ بتاتی ہے۔ پس اگر ان کا ارادہ اصلی عدت کے بعد زمانہ کے منسوخ ہونے کا ہے تو خیر ورنہ اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں خاوند کے گھر میں عدت گزارنی ضروری ہے اور اس کی دلیل مؤطا امام مالک کی یہ حدیث ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ فریعہ بنت مالک رضی اللہ عنہا رسول اللہ کے پاس آئیں اور کہا: ہمارے غلام بھاگ گئے تھے جنہیں ڈھونڈھنے کے لئے میرے خاوند گئے۔ قدوم میں ان غلاموں سے ملاقات ہوئی لیکن انہوں نے آپ کو قتل کر دیا۔ ان کا کوئی مکان نہیں جس میں میں عدت گزاروں اور نہ کچھ کھانے پینے کو ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے میکے چلی آؤں اور وہیں عدت پوری کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اجازت ہے۔ میں لوٹی، ابھی تو میں حجرے میں ہی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلوایا یا خود بلایا اور فرمایا: تم نے کیا کہا میں نے پھر قصہ بیان کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے گھر میں ہی ٹھہری رہو یہاں تک کہ عدت گزر جائے۔ چنانچہ میں نے وہیں عدت کا زمانہ پورا کیا یعنی چار مہینے دس دن۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں مجھے بلوایا اور مجھ سے یہی مسئلہ پوچھا۔ میں نے اپنا یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سمیت سنایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسی کی پیروی کی اور یہی فیصلہ دیا۔ ❸ اس حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ حسن صحیح کہتے ہیں۔ مطلقہ عورت کو متاع دینے کے بارے میں لوگ کہتے تھے کہ اگر ہم چاہیں دیں چاہیں نہ دیں۔ اس پر یہ آیت اتری۔ ❹ اسی آیت سے بعض لوگوں نے ہر طلاق والی کو کچھ نہ کچھ دینا واجب قرار دیا ہے اور بعض دوسرے بزرگوں نے اسے ان عورتوں کے ساتھ مخصوص مانا ہے جن کا بیان پہلے گزر چکا یعنی جن عورتوں سے صحبت نہ ہوئی ہو اور مہر بھی نہ مقرر ہوا ہو اور طلاق دے دی جائے۔ لیکن پہلی جماعت کا جواب یہ ہے کہ عام میں سے ایک خاص صورت کا ذکر کرنا اسی صورت کے ساتھ اس حکم کو مخصوص نہیں کرتا جیسے کہ مشہور اور منصور مذہب ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی حلال وحرام اور فرائض وحدود اور امر ونہی کے بارے میں واضح اور مفسر بیان کرتا ہے تاکہ کسی قسم کا اجمال اور ابہام باقی نہ رہے کہ ضرورت کے وقت تذبذب میں نہ پڑ جاؤ بلکہ اس قدر صاف بیان ہوتا ہے کہ ہر شخص سمجھ سکے۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ﴿والذین یتوفون منکم......﴾، ٤٥٣١۔ ❷ ٤/ النسآء: ١١۔

❸ مؤطا امام مالك، كتاب الطلاق، باب مقام المتوفى عنها زوجها، ٨٧؛ ابوداود، ٢٣٠٠؛ ترمذي، ١٢٠٤؛ نسائی، ٣٥٥٨؛ ابن ماجة، ٢٠٣١ وهو صحيح۔ ❹ الطبری، ٥/ ٢٦٤۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۠ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۫ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٢٤٣﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٤٤﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٤٥﴾

ترجمہ: کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر کے مارے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا مرجاؤ پھر انہیں زندہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑے فضل والا ہے لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔[۲۴۳] اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہا کرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سنتا جانتا ہے۔[۲۴۴] ایسا بھی کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے۔ اللہ ہی تنگی اور کشادگی کرتا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔[۲۴۵]

زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے: [آیت:۲۴۳۔۲۴۵] وبا والی جگہ میں نہ جاؤ اور وہاں سے نہ نکلو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ لوگ چار ہزار تھے ایک اور روایت میں ہے کہ آٹھ ہزار تھے بعض نو ہزار کہتے ہیں' بعض چالیس ہزار بتاتے ہیں' بعض تیس ہزار سے کچھ اوپر بتاتے ہیں۔ یہ لوگ ذاوردان یا زروروان نامی بستی کے تھے جو واسط کی طرف ہے۔ بعض کہتے ہیں اسی بستی کا نام اذرعات تھا۔ یہ لوگ طاعون کے مارے اپنے شہر کو چھوڑ کے بھاگے تھے۔ ایک بستی میں جب پہنچے وہیں اللہ کے حکم سے سب مر گئے۔ اتفاق سے ایک نبی کا وہاں سے گزر ہوا۔ ان کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر زندہ کر دیا۔ بعض کہتے ہیں ایک چٹیل صاف ہوادار کھلے پر فضا میدان میں ٹھہرے تھے اور دو فرشتوں کی چیخ سے ہلاک کئے گئے تھے جب ایک لمبی مدت گزر چکی ان کی ہڈیوں کا بھی چونا چونا ہو گیا' اس جگہ بستی بس گئی تب حزقیل نامی ایک نبی وہاں سے نکلے۔ انہوں نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور حکم دیا کہ تم کہو کہ اے بوسیدہ ہڈیو اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم سب جمع ہو جاؤ چنانچہ ہر ہر جسم کی ہڈیوں کا ڈھانچہ کھڑا ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کا حکم ہو گیا کہ ندا کرو کہ اے ہڈیو! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم گوشت پوست رگیں پٹھے بھی جوڑ لو۔ چنانچہ اللہ کے اس نبی کے دیکھتے ہوئے یہ بھی ہو گیا۔ پھر آواز لگائی کہ اے روحو اللہ تعالیٰ کا تمہیں حکم ہو رہا ہے کہ ہر ہر روح اپنے قدیم جسم میں آ جائے۔ چنانچہ یہ سب جس طرح ایک ساتھ مرے تھے اسی طرح ایک ساتھ جی اٹھے اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا (سُبْحَانَكَ لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ) اے اللہ! تو پاک ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہ دلیل ہے قیامت کے دن اسی جسم کے ساتھ دوبارہ جی اٹھنے کی۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر بھاری فضل و کرم ہے کہ وہ زبردست ٹھوس نشانیاں اپنی قدرت قاہرہ کی دکھا رہا ہے لیکن باوجود اس کے بھی لوگ ناقدرے اور بے شکرے ہیں۔ ❶ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور جائے پناہ نہیں۔ یہ لوگ وبا سے بھاگے تھے اور زندگی کے حریص تھے تو اس کے خلاف عذاب آیا اور فوراً ہلاک ہو گئے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام کی طرف چلے اور سرغ میں پہنچے تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ وغیرہ سرداران لشکر ملے اور خبر دی کہ شام میں آج کل وبا ہے۔ چنانچہ اس میں اختلاف ہوا کہ اب وہاں جائیں کہ نہ

❶ الطبری، ٥/ ٢٦٦۔

جائیں۔ بالآخر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ جب آئے اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ”جب وبا کسی جگہ آئے اور تم وہاں ہو تو وہاں سے اس کے ڈر سے مت بھاگو اور جب تم کسی جگہ وہاں کی خبر سن لو تو وبا اس حالت میں جاؤ بھی مت۔“ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی پھر وہاں سے واپس چلے گئے۔ (بخاری ومسلم) ❶ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ اللہ کا عذاب ہے جو اگلی امتوں پر ڈالا گیا تھا الخ۔ ❷

پھر فرمایا: جس طرح ان لوگوں کا بھاگنا انہیں موت سے نہ بچا سکا۔ اسی طرح جہاد سے منہ موڑنا بھی بیکار ہے۔ اجل اور رزق دونوں قسمت میں مقرر ہو چکے ہیں رزق نہ بڑھے نہ گھٹے موت نہ پہلے آئے نہ پیچھے ہٹے۔ اور جگہ ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ سے رک کر بیٹھ گئے ہیں اور اپنے ساتھیوں سے بھی کہتے ہیں کہ یہ جہادی شہدا بھی اگر ہماری طرح رہتے تو مارے نہ جاتے' ان سے کہو کہ ذرا اپنی جانوں سے بھی تو موت کو ہٹا دو اگر تم سچے ہو۔ اور جگہ ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں اے اللہ ہم پر لڑائی کیوں لکھ دی کیوں نہ ہمیں ایک وقت تک فرصت دی جسکے جواب میں فرمایا کہ مضبوط برج بھی موت کے سامنے ہیچ ہیں۔

اس موقعہ پر اسلامی لشکروں کے جیوٹ سردار اور بہادروں کے پیشوا اللہ کی تلوار اور اسلام کے پشت پناہ ابوسلیمان خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا وہ فرمان نقل کرنا بالکل مناسب وقت ہوگا جو آپ نے عین انتقال کے وقت فرمایا تھا کہ کہاں ہیں موت سے ڈرنے والے لڑائی سے جی چرانے والے امردوہ دیکھیں کہ میرا جوڑ جوڑ اللہ کی راہ میں زخمی ہو چکا ہے سارے جسم میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں تیر تلوار نیزہ برچھا نہ لگا ہو لیکن دیکھو کہ آج میں اپنے بستر پر فوت رہا ہوں میدان جنگ میں نہ رہا۔

پھر پروردگار عالم اپنے بندوں کو اپنی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دے رہا ہے جو جگہ بہ جگہ دی جاتی ہے۔ حدیث نزول میں بھی ہے کون ہے جو ایسے اللہ کو قرض دے جو نہ مفلس ہے نہ ظالم ❸ اس آیت کو سن کر حضرت ابوالدحداح انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض طلب فرماتا ہے آپ نے فرمایا: ”ہاں۔“ کہا اپنا ہاتھ دیجئے۔ پھر ہاتھ میں ہاتھ لے کر کہا حضور میں نے اپنا باغ جس میں چھ سو کھجور کے درخت ہیں اللہ تعالیٰ کو قرض دیا اور وہاں سے سیدھے اپنے باغ آئے اور باہر کھڑے ہو کر اپنی بیوی صاحبہ کو آواز دی کہ بچوں کو لے کر باہر آ جاؤ میں نے یہ باغ اللہ کی راہ میں دے دیا ہے۔ ❹ (ابن ابی حاتم) قرض حسن سے مراد اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ہے اور بال بچوں پر خرچ کرنا بھی ہے اور تسبیح وتقدیس بھی ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ اسے دوگناہ چارگنا کر کے دے گا جیسے اور جگہ ہے ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ﴾ ❺ الخ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی مثال اس دانہ جیسی ہے جس کی سات بالیں نکلیں اور ہر بالی میں سات دانے ہوں اور اللہ جسے چاہے اس سے بھی زیادہ دیتا ہے الخ۔ اس آیت کی تفسیر بھی عنقریب آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابوعثمان نہدی پوچھتے ہیں میں نے سنا ہے کہ آپ فرماتے ہیں ایک ایک نیکی کا بدلہ ایک ایک لاکھ نیکیوں کا ملتا ہے آپ نے فرمایا اس میں تعجب کیا کرتے ہو۔ میں نے =

---

❶ احمد، ١/ ١٩٤؛ صحيح بخاري، كتاب الطب، باب ما يذكر في الطاعون، ٥٧٢٩؛ صحيح مسلم، ٢٢١٩۔

❷ احمد١/ ١٩٣ وهو صحيح بالشواهد۔

❸ صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب الترغيب في الدعاء...... ، ٧٥٨۔

❹ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الصحيحة، ٦/ ١١٣٢ تخريج مشكلة الفقر: ص٧٦) اور حق بھی یہی ہے کہ یہ روایت حمید بن عطاء الاعرج کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ❺ ٢/ البقرة: ٢٦١۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ۭ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَاۗىِٕنَا ۭ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝

ترجمہ: کیا تو نے حضرت موسیٰ کے بعد والی بنی اسرائیل کی جماعت کو نہیں دیکھا جبکہ انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کسی کو ہمارا بادشاہ بنا دیجئے تا کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ پیغمبر نے کہا ممکن ہے کہ جہاد فرض ہو جانے کے بعد تم جہاد نہ کرو۔ انہوں نے کہا بھلا ہم راہ الٰہی میں جہاد کیوں نہ کریں گے؟ ہم تو اپنے گھروں سے اجاڑے گئے ہیں اور بچوں سے دور کر دیئے گئے ہیں پھر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو سوائے تھوڑے سے لوگوں کے سب پھر گئے اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔[۲۴۶]

= نبی ﷺ سے سنا ہے کہ "ایک نیکی کا بدلہ دو لاکھ کے برابر ملتا ہے۔" (مسند احمد) ❶ لیکن یہ حدیث غریب ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ابوعثمان نہدی فرماتے ہیں مجھ سے زیادہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کوئی نہیں رہتا تھا آپ حج کو گئے پھر پیچھے سے میں بھی گیا۔ بصرہ پہنچ کر میں نے سنا کہ وہ لوگ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مندرجہ بالا حدیث بیان کرتے ہیں میں نے ان سے کہا: اللہ کی قسم تم سب سے زیادہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا صحبت یافتہ ہوں میں نے تو کبھی بھی آپ سے یہ حدیث نہیں سنی۔ پھر میرے جی میں آئی کہ چلو چل کر خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھ لوں' چنانچہ میں وہاں سے چلا آیا یہاں آیا تو معلوم ہوا کہ وہ حج کو گئے ہیں صرف اس ایک حدیث کی خاطر مکہ چل کھڑا ہوا' وہاں آپ سے ملاقات ہوئی میں نے کہا حضرت یہ بصرے والے آپ سے کیسی روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: واہ اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔ پھر یہی آیت پڑھی اور فرمایا کہ ساتھ ہی یہ قول باری بھی پڑھو ﴿وَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾ ❷ یعنی ساری دنیا کا اسباب آخرت کے مقابلہ میں حقیر چیز ہے اللہ کی قسم میں نے تو رسول اللہ سے سنا ہے کہ ایک نیکی کے بدلے اللہ تعالیٰ دو لاکھ نیکیاں عطا فرماتا ہے۔ ❸ اسی مضمون کی ترمذی کی یہ حدیث بھی ہے کہ جو شخص بازار میں جائے ((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ)) پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور ایک لاکھ گناہ معاف فرماتا ہے۔ ❹ الخ ابن ابی حاتم میں ہے۔ ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ﴾ الخ کی آیت جب اتری تو حضور ﷺ نے دعا کی کہ اے اللہ! میری امت کو اور زیادتی عطا فرما پس ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ﴾ الخ کی آیت اتری آپ نے پھر بھی یہی دعا کی تو ﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ ❺، ❻ =

❶ احمد، ۲/ ۲۹٦ وسنده ضعیف۔ ❷ ۹/ التوبة:۳۸۔

❸ ابن ابی حاتم وسنده ضعیف جداً۔

❹ ترمذی، کتاب الدعوات، باب ما یقول إذا دخل السوق، ۳٤۲۸؛ ابن ماجة، ۲۲۳۳ وهو ضعیف اس کی سند میں ازہر بن سنان راوی ضعیف ہے۔

❺ ۳۹/ الزمر:۱۰۔ ❻ ابن ابی حاتم وسنده ضعیف جداً۔

= حضرت کعب احبار سے ایک شخص نے کہا میں نے ایک شخص سے یہ سنا ہے کہ جو شخص سورۂ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ ❶ کو ایک دفعہ پڑھے اس کے لئے موتی اور یاقوت کے دس لاکھ محل جنت میں بنتے ہیں کیا میں اسے سچ مان لوں؟ آپ نے فرمایا: اس میں تعجب کی کونسی بات ہے بلکہ بیس لاکھ محل جنت میں بنتے ہیں بلکہ بیس لاکھ اور بھی اور تیس لاکھ اور بھی اور اس قدر کہ ان کی گنتی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو معلوم ہی نہ ہو پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا: جب اللہ تعالیٰ ﴿اَضْعَافًا كَثِيْرَةً﴾ فرماتا ہے تو پھر اسے مخلوق گنتی کی طاقت کیسے رکھے گی؟ پھر فرمایا برزق کی کمی بیشی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے بخیلی نہ کرو وہ جسے دے اس میں بھی حکمت ہے اور جسے نہ دے اس میں بھی مصلحت ہے تم سب قیامت کے دن اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

احسان فراموش قوم پر اللہ تعالیٰ کا ایک اور احسان: [آیت:۲۴۶] جس نبی کا یہاں ذکر ہے ان کا نام حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب علیہ السلام بتایا ہے لیکن یہ قول کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت بعد کا حضرت داؤد علیہ السلام کے دور کا ہے جیسا کہ صراحۃً منقول ہے اور حضرت داؤد اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال سے زیادہ کا فاصلہ ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

سدی کا قول ہے کہ یہ پیغمبر حضرت شمعون ہیں۔ ❷ مجاہد کہتے ہیں یہ شمویل بن یایالی بن علقمہ بن صفیہ بن علقمہ بن ابو ہاشف بن قارون بن یصہر بن فاحث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں قصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کچھ زمانہ تک تو بنی اسرائیل راہ حق پر رہے پھر شرک و بدعت میں پڑ گئے مگر تاہم ان میں پے در پے انبیا مبعوث ہوتے رہے یہاں تک کہ بنی اسرائیل کی بے باکیاں حد سے گزر گئیں اب اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ان پر غالب کر دیا۔ خوب مار کھائی اجڑے اور لٹے۔ پہلے تو تورات کی موجودگی اور تابوت سکینہ کی موجودگی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے موروثی چلی آتی تھی ان کے لئے باعث غلبہ ہوتی تھی مگر ان کی سرکشی اور بدترین گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت بھی ان کے ہاتھوں سے چھن گئی اور نبوت بھی ان کے گھرانے سے ختم ہوئی۔

لاوی جن کی اولاد میں پیغمبری کی نسل چلی آ رہی تھی وہ سارے کے سارے لڑائیوں میں مرکھپ گئے ان میں صرف ایک حاملہ عورت رہ گئی تھی' ان کے خاوند بھی قتل ہو چکے تھے۔ اب بنی اسرائیل کی نظریں صرف اس عورت پر تھیں' انکی خواہش تھی کہ اللہ اسے لڑکا دے اور وہ لڑکا نبی بنے۔ خود ان بیوی صاحبہ کی دن رات یہی دعا تھی جو اللہ نے قبول فرمائی اور انہیں لڑکا دیا جن کا نام شموئیل یا شمعون رکھا۔ اس کے لفظی معنی ہیں کہ اللہ نے میری دعا قبول فرمالی۔ نبوت کی عمر کو پہنچ کر انہیں بھی نبوت ملی۔ جب آپ نے نبوت کا اعلان کیا تو قوم نے درخواست کی کہ کسی کو آپ ہمارا بادشاہ مقرر کر دیجئے تا کہ ہم اس کی ماتحتی میں جہاد کریں۔ بادشاہ تو ظاہر ہو ہی گیا تھا لیکن پیغمبر نے اپنا کھٹکا بیان کیا کہ کہیں تم جہاد سے جی نہ چراؤ۔ قوم نے جواب دیا کہ حضرت ہمارے ملک ہم سے چھین لئے گئے ہیں ہمارے بال بچے گرفتار کئے گئے اور پھر بھی کیا ہم ایسے بے حمیت ہیں کہ مرنے مارنے سے ڈریں؟ اب جہاد فرض کر دیا گیا اور حکم ہوا کہ اس بادشاہ کے ساتھ اٹھو بس یہ سنتے ہی سن ہو گئے اور سوائے چند لوگوں کے باقی سب نے منہ موڑ لیا ان سے یہ کوئی نئی بات نہ تھی جس کا اللہ کو علم نہ ہو۔

---

❶ ۱۱۲/ الاخلاص:۱۔ ❷ الطبری، ۵/ ۲۹۳۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ ع

ترجمہ: انہیں ان کے نبی نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا دیا ہے تو کہنے لگے بھلا اس کی ہم پر حکومت کیسے ہو سکتی ہے۔ اس سے تو بہت زیادہ حقدار بادشاہت کے ہم ہیں۔ اس کو تو مالی کشادگی بھی نہیں دی گئی۔ نبی نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ نے اسی کو تم پر برگزیدہ کیا ہے اور اسے علمی اور جسمانی بزرگی بھی عطا فرمائی ہے۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنا ملک دے۔ اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔[۲۴۷]
ان کے نبی نے انہیں پھر کہا کہ ان کی بادشاہت کی ظاہری نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آ جائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلجمعی ہے اور آل موسیٰ اور آل ہارون کا بقیہ ترکہ ہے۔ فرشتے اسے اٹھا کر لائیں گے۔ یقیناً یہ تو تمہارے لیے کھلی دلیل ہے اگر تم ایمان دار ہو۔[۲۴۸]

حیلے ساز قوم: [آیت: ۲۴۷۔۲۴۸] مطلب یہ ہے کہ جب بادشاہ بنا دینے کی خواہش انہوں نے اپنے پیغمبر سے کی تو پیغمبر نے بحکم الٰہی حضرت طالوت کو پیش کیا جو شاہی خاندان سے نہ تھے بلکہ ایک لشکری تھے۔ شاہی خاندان یہود کی اولاد تھی اور یہ ان میں سے نہ تھے تو قوم نے اعتراض کیا کہ حقدار بادشاہت کے تو اس سے بہت زیادہ ہم ہیں پھر دوسری بات یہ کہ اس کے پاس مال بھی نہیں مفلس شخص ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ سقے پانی پلانے والے تھے کسی نے کہا یہ دباغ رنگائی کرنے والے تھے۔ پس پہلی سرکشی تو اعتراض کی صورت میں احکام نبوی کے سامنے ان سے یہ ہوئی۔ پیغمبر نے انہیں جواب دیا کہ یہ تعین میری رائے سے نہیں جس میں میں دوبارہ غور کر سکوں یہ تو حکم الٰہی ہے، جس کی بجا آوری ضروری ہے، پھر ظاہراً بھی وہ تم میں بڑے عالم اور قوی طاقتور شکیل وجمیل شجاع و بہادر اور لڑائی کے فنون سے پورے واقف کار ہیں۔

یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بادشاہ شکیل قوی طاقتور بڑے دل و دماغ والا ہونا چاہیے پھر فرمایا کہ اصلی اور حقیقی حاکم اللہ تعالیٰ ہی ہے ملک کا مالک فی الواقع وہی ہے جسے چاہے ملک دے وہ حکمت والا رافت و رحمت والا ہے، اس سے کس کی مجال کہ سوال کرے۔ جو چاہے کرے سب سے سوال کرنے والا کوئی نہ کوئی ہے لیکن پروردگار اس سے مستغنی ہے۔ وہ وسیع فضل والا اپنی نعمتوں سے جسے چاہے مخصوص کرے وہ علم والا ہے خوب جانتا ہے کہ کون کس چیز کا مستحق ہے اور کون مستحق نہیں۔

تابوت سکینہ اور اسکی تفصیل: نبی (شمویل یا شمعون) علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ طالوت کی بادشاہت کی پہلی برکت کی علامت یہ ہے کہ کھویا ہوا تابوت سکینہ تمہیں پھر مل جائے گا جس میں وقار و عزت دل جمعی اور جلالت، رافت و رحمت ہے جس میں اللہ کی نشانیاں ہیں جنہیں تم بخوبی جانتے ہو۔ بعض کا قول ہے کہ سکینہ ایک سونے کا طشت تھا جس میں انبیاء علیہم السلام کے دل دھوئے جاتے تھے جو=

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ ۙ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّيٓ إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۗ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا مَعَهٗ ۙ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهٖ ۗ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِينَ ﴿۲۴۹﴾

ترجمہ: جب حضرت جالوت لشکروں کو لے کر نکلے تو کہا سنو اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے جس نے اس میں پی لیا وہ میرا نہیں اور جو اسے نہ چکھے وہ میرا ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے لیکن سوائے چند کے باقی سب نے وہ پانی پی لیا (حضرت) طالوت ایمانداروں سمیت جب نہر سے گزر گئے تو وہ لوگ کہنے لگے آج تو ہم میں طاقت نہیں کہ جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑیں۔ اللہ کی ملاقات پر یقین رکھنے والوں نے کہا بسا اوقات چھوٹی اور تھوڑی سی جماعتیں بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پا لیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے۔

= حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملا تھا اور جس میں آپ نے تورات کی تختیاں رکھی تھیں۔ کسی نے کہا اس کا منہ بھی تھا جیسے انسان کا منہ ہوتا ہے اور روح بھی تھی ہوا بھی تھی دوسرے تھے دو پر تھے اور دم بھی تھی۔ وہب کہتے ہیں مردہ بلی کا سر تھا۔ جب وہ تابوت میں بولتا تو انہیں نصرت کا یقین ہو جاتا اور لڑائی میں فتح ہو جاتی۔ یہ قول بھی ہے کہ یہ ایک روح تھی اللہ کی طرف سے جب کبھی بنی اسرائیل میں کوئی اختلاف پڑتا یا کسی بات کی اطلاع نہ ہوتی تو وہ کہہ دیا کرتی تھی۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے ورثے کے باقی حصے سے مراد لکڑی اور تورات کی تختیاں اور اون اور کچھ ان کے کپڑے اور جوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فرشتے آسمان و زمین کے درمیان اس تابوت کو اٹھائے ہوئے سب لوگوں کے سامنے لائے اور حضرت طالوت بادشاہ کے سامنے لا رکھا اس تابوت کو ان کے ہاں دیکھ کر انہیں نبی کی نبوت اور طالوت کی بادشاہت کا یقین ہو گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ گائے کے اوپر لایا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ کفار نے جب یہودیوں پر غلبہ پایا تو تابوت سکینہ کو ان سے چھین لیا اور اریحا میں لے گئے اور اپنے بڑے بت کے نیچے رکھ دیا۔ جب اللہ کو اسے واپس بنی اسرائیل تک پہنچانا تھا تب وہ کفار صبح کو جب بت خانے میں گئے تو دیکھا کہ بت نیچے ہے اور تابوت اوپر ہے انہوں نے پھر بت کو اوپر کر دیا لیکن دوسری صبح دیکھا کہ پھر وہی معاملہ ہے۔ انہوں نے پھر بت کو اوپر کر دیا۔ صبح کو جب گئے تو دیکھا کہ بت ایک طرف ٹوٹا پھوٹا پڑا ہے تو یقین ہو گیا کہ یہ قدرت کے کرشمے ہیں چنانچہ انہوں نے تابوت کو یہاں سے اٹھا کر کسی اور چھوٹی سی بستی میں جا کر رکھ دیا۔ وہاں ایک وبائی بیماری پھیلی آخر بنی اسرائیل کی ایک عورت نے جو وہاں قید تھی انہیں کہا اسے واپس بنی اسرائیل کو پہنچا دو تو تمہیں اس سے نجات ملے گی ان لوگوں نے دو گائیوں پر تابوت کو لاد کر بنی اسرائیل کے شہر کی طرف بھیج دیا۔ شہر کے قریب پہنچ کر گائیں تو رسیاں تڑوا کر بھاگ گئیں اور تابوت وہیں رہا جسے بنی اسرائیل لے آئے۔ بعض تو کہتے ہیں دو نوجوان اسے پہنچا گئے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ (لیکن الفاظ قرآن میں یہ موجود ہے کہ اسے فرشتے اٹھا لائیں گے مترجم) یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فلسطین کی بستیوں میں سے ایک بستی میں تھا جس کا نام ازدوہ تھا۔ پھر فرماتا ہے میری نبوت کی دلیل اور طالوت کی بادشاہت کی دلیل یہ بھی ہے کہ تابوت فرشتے پہنچا جائیں گے اگر تمہیں اللہ پر اور قیامت پر ایمان ہو۔

حضرت طالوت کے لشکر کا امتحان: [آیت:۲۴۹] اب واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ جب ان لوگوں نے طالوت کی بادشاہت تسلیم =

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٥٠﴾ فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٢٥١﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٢٥٢﴾

ترجمہ: جب ان کا جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو انہوں نے دعا مانگی کہ اے پروردگار ہمیں صبر دے ثابت قدمی دے اور قوم کفار پر ہماری مدد فرما۔[٢٥٠] چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہوں نے جالوتیوں کو ہرا دیا اور حضرت داؤد کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو مملکت و حکمت اور جتنا کچھ چاہا علم بھی عطا فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑے فضل و کرم کرنے والا ہے۔[٢٥١] یہ ہیں اللہ کی آیتیں جنہیں ہم حقانیت کے ساتھ بخیر تجھ پر پڑھتے ہیں۔ بالیقین تو رسولوں میں سے ہے۔[٢٥٢]

= کرلی اور وہ انہیں لے کر جہاد کو چلے۔ حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ان کی تعداد اسی ہزار تھی۔ ❶ راستے میں طالوت نے کہا اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر کے ساتھ آزمانے والا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق یہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان تھی۔ ❷ اس کا نام نہر الشریعہ تھا۔ طالوت نے انہیں ہوشیار کر دیا کہ اس نہر کا پانی کوئی نہ پئے اگر پی لے گا تو میرے ساتھ نہ چلے۔ ایک آدھ گھونٹ اگر کسی نے پی لیا تو کچھ حرج نہیں۔ لیکن جب وہاں پہنچے پیاس کی شدت تھی نہر پر جھک پڑے اور خوب پیٹ بھر کر پانی پی لیا مگر کچھ لوگ ایسے پختہ ایمان والے بھی تھے کہ جنہوں نے نہ پیا مگر ایک چلو بھر بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک چلو پینے والوں کی تو پیاس بھی بجھ گئی اور وہ جہاد میں شامل رہے لیکن خوب پیٹ بھر کر پینے والوں کی نہ تو پیاس بجھی نہ وہ قابل جہاد رہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسی ہزار میں سے چھہتر ہزار نے پانی پی لیا صرف چار ہزار آدمی حقیقی فرمانبردار نکلے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اصحاب محمد اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بدر کی لڑائی والے دن ہماری تعداد اتنی ہی تھی جتنی تعداد حضرت طالوت بادشاہ کے اس فرمانبردار لشکر کی تھی جو آپ کے ساتھ نہر سے پار ہوا تھا ❸ یعنی تین سو تیرہ۔ یہاں سے پار ہوتے ہی نافرمانوں کے چھکے چھوٹ گئے اور نہایت بزدلانہ پن سے انہوں نے جہاد سے انکار کر دیا اور دشمنوں کی زیادتی نے ان کے حوصلے توڑ دیئے صاف جواب دے بیٹھے کہ آج تو ہم جالوت کے لشکر سے لڑنے کی طاقت اپنے میں نہیں پاتے۔ گو سر فروش مجاہد علمائے کرام نے انہیں ہر طرح ہمت بندھوائی وعظ کیے فرمایا کہ قلت و کثرت پر فتح موقوف نہیں صبر اور نیک نیتی پر ضرور اللہ کی امداد ہوتی ہے۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ مٹھی بھر لوگوں نے بڑی بڑی جماعتوں کو نیچا دکھایا ہے' تم صبر کرو طبیعت میں استقلال اور عزم رکھو اللہ کے وعدوں پر نظریں رکھو اس صبر کے بدلے اللہ تعالیٰ تمہارا ساتھ دے گا لیکن تاہم ان کے سرد دل نہ گرمائے اور ان کی بزدلی دور نہ ہوئی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں جالوت کی موت: [آیت: ٢٥٠-٢٥٢] یعنی جس وقت مسلمانوں کی اس مختصر جماعت نے کفار کے ٹڈی دل لشکر دیکھے تو جناب باری میں گڑگڑا کر دعائیں کرنی شروع کیں کہ اے اللہ! ہمیں صبر و ثبات کا پہاڑ بنا دے اور لڑائی

❶ الطبری، ٥/ ٣٣٩۔ ❷ الطبری، ٥/ ٣٤٠۔ ❸ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب عدة أصحاب بدر، ٣٩٥٧۔

کے وقت ہمارے قدم جما دے، منہ موڑنے اور بھاگنے سے ہمیں بچا لے اور ان دشمنوں پر ہمیں غالب کر چنانچہ ان کی یہ عاجزانہ اور مخلصانہ دعائیں قبول ہوتی ہیں اللہ کی مدد نازل ہوتی ہے اور یہ مٹھی بھر جماعت اس ٹڈی دل لشکر کا تہس نہس کر دیتی ہے۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں مخالفین کا سردار سرتاج جالوت مارا جاتا ہے۔ اسرائیلی روایتوں میں یہ بھی مروی ہے کہ حضرت طالوت نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم جالوت کو قتل کرو گے تو میں اپنی بیٹی تمہارے نکاح میں دے دوں گا اور اپنا مال بھی آدھوں آدھ تمہیں دے دوں گا اور حکومت میں بھی برابر کا شریک کر لوں گا۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے پتھر کو فلاخن میں رکھ کر جالوت پر چلایا اور اسی سے وہ مارا گیا۔ حضرت طالوت نے اپنا وعدہ پورا کیا بالآخر سلطنت کے مستقل سلطان آپ ہی ہو گئے اور پروردگار عالم کی طرف سے بھی نبوت جیسی زبردست نعمت عطا ہوئی اور حضرت شموئیل علیہ السلام کے بعد یہ پیغمبر بھی بنے اور بادشاہ بھی۔ حکمت سے مراد نبوت ہے اور بہت سے مخصوص علم بھی جو اللہ نے چاہے اپنے نبی کو سکھائے۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ یوں پست لوگوں کی پستی نہ بدلتا جس طرح بنی اسرائیل کو طالوت جیسے مدبر بادشاہ اور داؤد علیہ السلام جیسے دلیر سپہ سالار عطا فرما کر بدلی تو لوگ ہلاک ہو جاتے جیسے اور جگہ ہے: ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ط﴾ ❶ یعنی یوں اگر ایک دوسرے کا دفعیہ نہ ہوتا تو عبادت خانے اور وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت ذکر کیا جاتا ہے توڑ دی جاتیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''ایک نیک بخت ایماندار کی وجہ سے اس کے آس پاس کے سو سو گھرانوں سے اللہ تعالیٰ بلاؤں کو دور کر دیتا ہے۔'' پھر راوی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسی آیت کی تلاوت کی (ابن ماجہ) ❷ لیکن اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ ابن جریر کی ایک اور غریب حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک سچے مسلمان کی صلاحیت کی وجہ سے اس کی اولاد کی اولاد کو اس کے گھر والوں کے اور آس پاس کے گھر والوں کو سنوار دیتا ہے اور اس کی موجودگی تک وہ سب اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہتے ہیں۔ ❸ ابن مردویہ کی ایک حدیث میں ہے کہ قیامت تک ہر زمانہ میں سات شخص تم میں ضرور ایسے رہیں گے جن کی وجہ سے تمہاری مدد کی جائے گی اور تم پر بارش برسائی جائے اور تمہیں روزی دی جائے گی۔ ابن مردویہ کی دوسری حدیث میں ہے میری امت میں تیس ابدال ہوں گے جن کی وجہ سے تم روزیاں دیئے جاؤ گے تم پر بارشیں برسائی جائیں گی اور تمہاری مدد کی جائے گی۔ اس حدیث کے راوی حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ بھی انہیں ابدال میں سے تھے۔ ❹ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت اور اس کا احسان ہے کہ وہ ایک کو دوسرے سے دفع کرتا ہے وہی سچا حاکم ہے اور اس کے تمام کام حکمت سے پر ہوتے ہیں وہ اپنی دلیلیں اپنے بندوں پر واضح فرما رہا ہے وہ تمام مخلوق پر فضل و کرم کرتا ہے۔ یہ واقعات اور تمام حق کی باتیں اے نبی ہماری سچی وحی سے تمہیں معلوم ہوئیں، تم میرے سچے رسول ہو میری ان باتوں کی اور خود آپ کی نبوت کی سچائی کا علم ان لوگوں کو بھی ہے جن کے ہاتھوں میں کتاب ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے زوردار اور پرتاکید الفاظ میں قسم کھا کر اپنے نبی ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تفسیر ابن کثیر (اردو) کا دوسرا پارہ مکمل ہوا۔

❶ ٢٢/ الحج: ٤٠۔ ❷ ابن جرير وسنده ضعيف جداً۔ ❸ ابن جرير وسنده ضعيف جداً۔

❹ اس کی سند مجہول راویوں کی وجہ سے ضعیف ہے اور شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے الضعیفۃ، ٢/ ٣٤١ میں ضعیف قرار دیا ہے۔ اسی طرح ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے المنار المنیف: ص١٣٦، (الطبعة المصرية) میں ابدال، اقطاب، اغواث، نقباء، نجباء اور اوتاد کے تذکرے والی احادیث کو رسول اللہ ﷺ پر کذب و افتراء قرار دیا ہے۔

فہرست

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾

ع ۳۳

ترجمہ: یہ رسول ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دے رکھی ہے ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے بات چیت کی ہے اور بعض کے درجے بلند کئے، اور ہم نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو معجزات عطا فرمائے اور روح القدس سے ان کی تائید کی، اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے اپنے پاس دلیلیں آ جانے کے بعد ہرگز آپس میں لڑائی بھڑائی نہ کرتے لیکن ان لوگوں نے اختلاف کیا ان میں سے بعض تو مومن ہوئے اور بعض کافر، اور اگر اللہ چاہتا تو یہ آپس میں نہ لڑتے لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔[۲۵۳]

انبیا علیہم السلام کے درجات اور محمد ﷺ کی تمام انبیا پر فضیلت: [آیت:۲۵۳] یہاں بیان ہو رہا ہے کہ رسولوں میں بھی مراتب ہیں۔ جیسے اور جگہ فرمایا ﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا﴾ ❶ ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی اور حضرت داؤد علیہ السلام کو ہم نے زبور دی یہاں بھی اسی کا بیان کر کے فرماتا ہے۔ ان میں سے بعض کو شرف ہم کلامی بھی نصیب ہوا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ اور حضرت آدم علیہ السلام صحیح ابن حبان میں حدیث ہے جس میں معراج کے بیان کے ساتھ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ اللہ کے نبیوں کو نبی ﷺ نے الگ الگ آسمان میں پایا جو دلیل ہے ان کے مرتبوں کے کم وبیش ہونے کی۔ ہاں ایک حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان اور یہودی کی کچھ بات چیت ہوگئی تو یہودی نے کہا قسم ہے اس اللہ کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔ مسلمان سے ضبط نہ ہو سکا اس نے اٹھا کر ایک تھپڑ مارا اور کہا خبیث! کیا ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ سے بھی وہ افضل ہیں؟ یہودی نے سرکار نبوی ﷺ میں آ کر اس کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے نبیوں پر فضیلت نہ دو قیامت کے دن سب بے ہوش ہوں گے۔ سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو میں دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے عرش کا پایہ تھامے ہوئے ہوں گے۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے پہلے ہی ہوش میں آ گئے؟ یا سرے سے بے ہوش ہی نہیں ہوئے تھے اور طور کی بے ہوشی کے بدلے یہاں کی بے ہوشی سے بچا لئے گئے پس مجھے نبیوں پر فضیلت نہ دو۔'' ❷ ایک اور روایت میں ہے کہ ''پیغمبروں کے درمیان فضیلت نہ دو۔'' ❸ پس یہ حدیث بظاہر قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف معلوم ہوتی ہے لیکن دراصل کوئی تعارض نہیں ممکن ہے کہ حضور ﷺ کا یہ فرمان اس سے پہلے ہو کہ آپ کو فضیلت کا علم ہوا ہو لیکن یہ قول ذرا غور طلب ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے محض تواضع اور فروتنی کے طور پر فرمایا ہے نہ کہ حقیقت کے طور پر تیسرا جواب یہ ہے کہ ایسے جھگڑے

❶ ۱۷/ الاسرآء:۵۵۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ ﴿وان یونس لمن المرسلین﴾، ۳۴۱۴؛ صحیح مسلم: ۲۳۷۳۔ ❸ ایضًا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝

ترجمہ: اے ایمان والو جو ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ تجارت ہے اور نہ دوستی نہ شفاعت' کافر ہی ظالم ہیں۔[۲۵۴] اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' جو زندہ اور سب کا تھامنے والا' جسے نہ اونگھ آئے نہ نیند' اسی کی ملکیت میں آسمان و زمین کی تمام چیزیں ہیں' کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے؟' وہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے' وہ اس کی منشا کے بغیر کسی چیز کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے اس کی کرسی کی وسعت نے آسمان و زمین کو گھیر رکھا ہے' وہ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت سے نہ تھکے نہ اکتائے' وہ تو بہت بلند اور بہت بڑا ہے۔[۲۵۵]

== اور اختلاف کے وقت ایک کو ایک پر فضیلت دینا دوسرے کی شان گھٹانا ہے اس لئے آپ ﷺ نے منع فرما دیا چوتھا جواب یہ ہے کہ تم فضیلت نہ دو یعنی صرف اپنی رائے اپنے خیال اور اپنے ذہنی تعصب سے اپنے نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت نہ دو۔ پانچواں جواب یہ ہے کہ فضیلت و تکریم کا فیصلہ تمہارے بس کا نہیں بلکہ یہ اللہ کی طرف سے ہے وہ جسے جو فضیلت دے تم مان لو تمہارا کام تسلیم کرنا اور ایمان لانا ہے پھر فرماتا ہے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو واضح دلیلیں اور ایسی حجتیں عطا فرمائی تھیں جن سے بنی اسرائیل پر صاف واضح ہو گیا کہ آپ ﷺ کی رسالت بالکل سچی ہے اور ساتھ ہی آپ کی یہ حیثیت بھی واضح ہو گئی کہ مثل اور بندوں کے آپ بھی اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے اور بے کس غلام ہیں اور روح القدس یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام سے ہم نے ان کی تائید کی پھر فرمایا کہ بعد والوں کے اختلاف بھی ہمارے قضاء وقدر کا نمونہ ہیں ہماری شان یہ ہے کہ جو چاہیں کریں ہمارے کسی ارادے سے مراد جدا نہیں۔

شفاعت کے مشرکانہ تصور کا رد: [آیت: ۲۵۴۔۲۵۵] اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم کرتا ہے کہ وہ بھلائی کی راہ میں اپنا مال خرچ کریں تاکہ اللہ کے پاس ان کا ثواب جمع رہے اور فرماتا ہے کہ اپنی زندگی ہی میں خیرات و صدقات کر لو قیامت کے دن نہ تو خرید و فروخت ہے نہ زمین بھر کر سونا دینے سے جان چھوٹ سکتی ہے' نہ کسی کا نسب دوستی اور محبت کچھ کام آ سکتی ہے جیسے اور جگہ ہے۔ ﴿فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۝﴾ ❶ یعنی جب صور پھونکا جائیگا اس دن نہ تو نسب رہے گا نہ کوئی کسی کا پرسان حال ہوگا اور اس دن سفارشیوں کی سفارش بھی کچھ نفع نہ دے گی۔ پھر فرمایا کافر ہی ظالم ہیں یعنی پورے اور پکے ظالم وہ ہیں جو کفر

❶ ۲۳/ المؤمنون: ۱۰۱۔

کی حالت میں ہی اللہ سے ملیں۔ عطاء بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں شکر ہے اللہ نے کافروں کو ظالم فرمایا لیکن ظالموں کو کافر نہیں فرمایا۔ ❶

آیت الکرسی کی فضیلت: یہ آیت آیت الکرسی ہے جو بڑی عظمت والی آیت ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دریافت فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ میں سب سے زیادہ عظمت والی آیت کونسی ہے؟ آپ جواب دیتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول ہی کو اس کا سب سے زیادہ علم ہے۔ آپ پھر یہی سوال کرتے ہیں بار بار کے سوال پر جواب دیتے ہیں کہ آیت الکرسی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''ابوالمنذر اللہ تجھے تیرا علم مبارک کرے اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس کی زبان ہوگی اور ہونٹ ہوں گے اور یہ بادشاہ حقیقی کا تقدس بیان کرے گی اور عرش کے پایہ سے لگی ہوئی ہوگی۔'' ❷ (مسند احمد) صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے لیکن یہ پچھلا قسمیہ جملہ اس میں نہیں ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے ہاں کھجور کی ایک بوری تھی میں نے دیکھا کہ اس میں سے کھجوریں روز بروز گھٹ رہی ہیں ایک رات میں جاگتا رہا اور اس کی نگہبانی کرتا رہا۔ میں نے دیکھا کہ ایک جانور مثل جوان لڑکے کے آیا میں نے اسے سلام کیا اس نے میرے سلام کا جواب دیا' میں نے کہا تو انسان ہے یا جن؟ اس نے کہا میں جن ہوں۔ میں نے کہا ذرا اپنا ہاتھ تو دے۔ اس نے ہاتھ بڑھا دیا۔ میں نے اپنے ہاتھ میں لیا تو کتے جیسا ہاتھ تھا اور اس پر کتے جیسے ہی بال بھی تھے میں نے کہا کیا جنوں کی پیدائش ایسی ہے؟ اس نے کہا تمام جنات میں سب سے زیادہ قوت والا میں ہی ہوں میں نے کہا بھلا تو میری چیز چرانے پر کیسے دلیر ہو گیا؟ اس نے کہا مجھے معلوم ہے کہ تو صدقہ کو پسند کرتا ہے ہم نے کہا پھر ہم کیوں محروم رہیں؟ میں نے کہا تمہارے شر سے بچانے والی کونسی چیز ہے؟ اس نے کہا آیت الکرسی۔ صبح کو جب میں سرکار محمدی میں حاضر ہوا تو میں نے رات کا سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا خبیث نے یہ بات تو بالکل سچ کہی ❸ (ابو یعلی) ایک بار مہاجرین کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم گئے تو ایک شخص نے کہا حضور! قرآن کی آیت کونسی بہت بڑی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت الکرسی پڑھ کر سنائی (طبرانی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک سے پوچھا کیا تم نے نکاح کر لیا؟ اس نے کہا حضرت! میرے پاس مال نہیں اس لئے نکاح نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ ❹ یاد نہیں؟ اس نے کہا وہ تو یاد ہے۔ ''فرمایا چوتھائی قرآن تو یہ ہو گیا۔'' کیا ﴿قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ ❺ یاد نہیں؟ کہا ہاں وہ بھی یاد ہے۔ فرمایا' چوتھائی قرآن یہ ہوا'' پھر پوچھا کیا ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ﴾ ❻ بھی یاد ہے کہا ہاں' فرمایا' چوتھائی قرآن یہ ہوا۔'' کیا ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ﴾ ❼ بھی یاد ہے' کہا ہاں' فرمایا' چوتھائی'' یہ کیا آیت الکرسی یاد ہے؟ کہا ہاں فرمایا' چوتھائی قرآن یہ ہوا'' ❽ (مسند احمد) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے میں آ کر بیٹھ گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم نے نماز پڑھ لی۔ میں نے کہا کہ نہیں فرمایا اٹھو نماز ادا کرلو' میں نے نماز پڑھی پھر آ کر بیٹھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' ابوذر! شیطان انسانوں اور جنوں سے پناہ مانگ'' میں نے کہا حضور! کیا انسانی شیطان بھی ہوتے ہیں فرمایا'' ہاں'' میں نے کہا حضور! نماز کی نسبت کیا ارشاد ہے فرمایا'' وہ سراسر

---

❶ ابن أبي حاتم، ٣/ ٩٦٦۔ ❷ أحمد، ٥/ ١٤١؛ صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب فضل سورة الكهف وآية الكرسي، ٨١٠؛ ابوداود، ١٤٦٠، حدیث کا آخری حصہ ((والذي نفسي بيده إن له لسانا......)) سفیان ثوری کے عن (تدلیس) کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ❸ حاكم، ١/ ٥٦٢؛ عمل اليوم والليلة للنسائي، ٩٦٠، ٩٦٢ وهو حديث حسن، وصحيح ابن حبان الاحسان، ٧٨١ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الصحيحة: ٣٢٤٥)

❹ ١١٢/ الاخلاص: ١۔ ❺ ١٠٩/ الكافرون: ١۔ ❻ ٩٩/ الزلزال: ١۔ ❼ ١١٠/ النصر: ١۔

❽ أحمد، ٣/ ٢٢١؛ ترمذي، كتاب فضائل القرآن، باب ما جاء في إذا زلزلت ٢٨٩٥۔ وسنده ضعيف، سلمة بن وردان راوی ضعیف ہے۔

خیر ہے'' جو چاہے کم حصہ لے جو چاہے زیادہ' میں نے کہا حضور! روزہ فرمایا'' کفایت کرنے والا فرض ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادتی ہے۔'' میں نے کہا صدقہ فرمایا'' بہت زیادہ اور بڑھ چڑھ کر بدلہ دلوانے والا۔'' میں نے کہا سب سے افضل صدقہ کونسا ہے؟ فرمایا'' کم مال والے کا ہمت کرنا یا پوشیدگی سے محتاج کی احتیاج پوری کرنا'' میں نے سوال کیا سب سے پہلے نبی کون ہیں فرمایا ''حضرت آدم علیہ السلام'' میں نے کہا وہ نبی تھے؟ فرمایا نبی'' اور اللہ سے ہم کلام ہونے والے' میں نے پوچھا رسولوں کی تعداد کیا ہے؟'' فرمایا'' سو اور کچھ اوپر دس بہت بڑی جماعت۔'' ایک روایت میں تین سو پندرہ کا لفظ ہے۔ میں نے پوچھا حضور ﷺ آپ پر سب سے زیادہ بزرگی والی آیت کونسی اتری ہے؟ فرمایا'' آیت الکرسی'' ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ ❶ (مسند احمد) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے خزانہ میں سے جنات چرا کر لے جایا کرتے تھے میں نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی' آپ ﷺ نے فرمایا'' جب تو اسے دیکھے تو کہنا ((بِسْمِ اللّٰهِ اَجِيْبِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ)) جب وہ آیا میں نے یہی کہا اور پکڑ لیا اس نے کہا میں اب نہیں آؤں گا' پھر اسے چھوڑ دیا' میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا'' تیرے قیدی نے کیا کیا؟'' میں نے کہا میں نے' اسے پکڑ لیا تھا لیکن اس نے وعدہ کیا کہ اب پھر نہیں آؤں گا' آپ ﷺ نے فرمایا وہ پھر بھی آئے گا۔ میں نے اسے اسی طرح دو تین بار پکڑا اور اقرار لے کر چھوڑ دیا' میں نے حضور ﷺ سے ذکر کیا اور آپ ﷺ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ وہ پھر بھی آئے گا آخری مرتبہ میں نے کہا اب میں تجھے نہ چھوڑوں گا اس نے کہا چھوڑ دے میں تجھے ایک ایسی چیز بتاؤں گا کہ کوئی جن اور شیطان تیرے پاس ہی نہ آ سکے۔ میں نے کہا اچھا بتا تو کہا وہ آیت الکرسی ہے۔ میں نے آ کر حضور سے ذکر کیا آپ ﷺ نے فرمایا'' اس نے سچ کہا گو وہ جھوٹا ہے'' ❷ (مسند احمد) صحیح بخاری میں کتاب فضائل القرآن اور کتاب الوکالۃ اور صفۃ ابلیس کے بیان میں بھی یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں ہے کہ زکوٰۃ رمضان کے مال پر میں پہرہ دے رہا تھا جو یہ شیطان آیا اور سمیٹ سمیٹ کر اپنی چادر میں جمع کرنے لگا۔ تیسری مرتبہ اس نے بتلایا کہ اگر تو رات کو بستر پر جا کر اس آیت کو پڑھ لے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تجھ پر محافظ مقرر ہو گا اور صبح تک شیطان تیرے قریب بھی نہ آ سکے گا ❸ (بخاری) دوسری روایت میں ہے کہ یہ کھجوریں تھیں اور مٹھی بھر وہ لے گیا تھا اور آپ نے فرمایا تھا کہ اگر اسے پکڑنا چاہے تو جب وہ دروازہ کھولے کہنا ((سُبْحَانَ مَنْ سَخَّرَكَ مُحَمَّدًا)) شیطان نے عذر یہ بتلایا تھا کہ ایک فقیر جن کے بال بچوں کیلئے میں یہ لے جا رہا تھا (ابن مردویہ) پس یہ واقعہ تین صحابہ کا ہوا۔ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کا حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا۔

آیت الکرسی کی برکات: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک انسان کی اور جن کی ملاقات ہوئی جن نے کہا مجھ سے کشتی کرے گا؟ اگر مجھے گرا دے تو میں تجھے ایک ایسی آیت سکھاؤں گا کہ جب تو اپنے گھر جائے اور اسے پڑھ لے تو شیطان اس میں نہ آ سکے۔ کشتی ہوئی اور اس آدمی نے اس جن کو گرا دیا اس شخص نے جن سے کہا تو تو نحیف اور ڈرپوک ہے اور تیرے ہاتھ مثل کتے کے ہیں۔ کیا جنات ایسے ہی ہوتے ہیں' یا صرف تو ہی ایسا ہے؟ کہا میں تو ان سب میں قوی ہوں' پھر دوبارہ کشتی ہوئی اور دوسری مرتبہ بھی اس نے گرا دیا تو جن نے کہا جو آیت میں نے سکھانے کے لئے کہا تھا وہ آیت الکرسی ہے جو شخص اپنے گھر میں جاتے ہوئے اسے

---

❶ أحمد، ٥/ ١٧٨؛ نسائی، ٥٥٠٩ مختصراً۔ وسندہ ضعیف ابو عمر دمشقی أور عبید بن خشخاش راوی ضعیف ہیں۔

❷ أحمد، ٥/ ٤٢٣؛ ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب رقم، ٣، حدیث أبی ایوب فی الغول، ٢٨٨٠۔ وھو حسن۔

❸ صحیح بخاری، کتاب الوکالة، باب إذا وکل رجلا فترك الوکیل...... ، ٢٣١١، ٣٢٧٥، ٥٠١٠۔

پڑھ لے تو شیطان اس گھر سے گدھے کی طرح چیختا ہوا بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ جس شخص سے کشتی ہوئی تھی وہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے ❶ (کتاب الغریب) رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''سورۃ بقرہ میں ایک آیت ہے جو قرآن کریم کی تمام آیتوں کی سردار ہے جس گھر میں وہ پڑھی جائے وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ وہ آیت آیت الکرسی ہے'' ❷ (مستدرک حاکم) ترمذی میں ہے کہ ہر چیز کی کوہان اور بلندی ہے اور قرآن حکیم کی بلندی سورۃ بقرہ ہے اور اس میں بھی آیت الکرسی تمام آیتوں کی سردار ہے۔ ❸ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال پر کہ سارے قرآن میں سب سے زیادہ بزرگ آیت کونسی ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے خوب معلوم ہے میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ''وہ آیت آیت الکرسی ہے'' (ابن مردویہ)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے ایک تو آیت الکرسی دوسری آیت ﴿الٓمّٓ ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝﴾ ❹ (مسند احمد)۔ اور حدیث میں ہے کہ وہ اسم اعظم جس نام کی برکت سے جو دعا اللہ تعالیٰ سے مانگی جائے وہ قبول فرمائے ان تین سورتوں میں ہے۔ سورۃ بقرہ سورۃ آل عمران اور سورۃ طٰہٰ ❺ (ابن مردویہ)۔ ہشام بن عمار خطیب دمشق فرماتے ہیں سورۃ بقرہ کی آیت آیت الکرسی ہے اور آل عمران کی پہلی ہی آیت اور طٰہٰ کی آیت ﴿وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ﴾ ❻ ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھ لے اسے جنت میں جانے سے کوئی چیز نہیں روکے گی سوائے موت کے ❼ (ابن مردویہ) اس حدیث کو امام نسائی نے بھی اپنی کتاب ''عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ'' میں وارد کیا ہے اور ابن حبان نے بھی اسے اپنی صحیح میں وارد کیا ہے۔ ❽ اس حدیث کی سند شرط بخاری پر ہے لیکن ابو الفرج ابن جوزی اسے موضوع کہتے ہیں وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ تفسیر ابن مردویہ میں بھی یہ حدیث ہے لیکن اس کی اسناد بھی ضعیف ہے۔ ابن مردویہ کی ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھ لیا کرو جو شخص یہ کرے گا میں اسے شکر گزار دل اور ذکر کرنے والی زبان دوں گا اور اسے نبیوں کا ثواب اور صدیقوں کا عمل دوں گا اس پر ہمیشگی صرف نبیوں سے ہوتی ہے یا صدیقوں سے یا اس بندے سے جس کا دل میں نے ایمان کے لئے آزما لیا ہو یا اسے اپنی راہ میں شہید کرنا چاہتا ہوں لیکن یہ حدیث بہت منکر ہے ❾ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ جو شخص سورۃ مؤمن کی آیات ﴿حٰمٓ ۝﴾ سے ﴿اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ ❿ تک اور آیت الکرسی کو صبح کے وقت پڑھ لے گا وہ شام تک اللہ کی حفاظت میں رہے گا اور شام کو پڑھنے والے کی صبح تک حفاظت ہوگی لیکن یہ حدیث بھی غریب ہے ⓫ اس آیت کی فضیلت میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں لیکن ایک تو اس لئے کہ ان کی سندیں ضعیف ہیں دوسرے اس لئے بھی کہ ہمیں اختصار مد

---

❶ المعجم الکبیر للطبرانی، ۹/ ۱۸۲، ۱۸۴، ح ۸۸۲٤، ۸۸۲٦ وسنده ضعیف وانظر مجمع الزوائد، ۹/ ۷۱۔

❷ حاکم، ۱/ ۵٦۰، ۵٦۱ وسنده ضعیف شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الضعيفة، ۱۳٤۸)

❸ ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی سورة البقرة وآية الكرسی، ۲۸۷۸۔ وسنده ضعیف حکیم بن جبیر ضعیف راوی ہے۔

❹ احمد، ٦/ ٤٦۱؛ ابوداود، کتاب الصلاة، (کتاب الوتر) باب الدعاء، ۱٤۹٦ وسنده حسن؛ ترمذی، ۳٤۷۸؛ ابن ماجة، ۳۸۵۵۔

❺ ابن ماجة، کتاب الدعاء باب اسم الله عظیم، ۳۸۵٦۔ وهو حسن۔

❻ ۲۰/ طهٰ: ۱۱۱۔ ❼ عمل الیوم واللیلة للنسائی، ۱۰۰ وسنده حسن۔

❽ ابن حبان فی الصلاة کما قال الحافظ فی اتحاف المهرة ٦/ ۲۵۹ برقم: ٦٤۸۰۔

❾ اس کی سند نقاش کی وجہ سے ضعیف ہے۔

❿ ٤۰/ المؤمن: ۱، ۳۔ ⓫ ترمذی، کتاب فضائل القرآن، ۲۸۷۹ وسنده ضعیف عبدالرحمٰن الملیکی راوی ضعیف ہے۔

نظر ہے ہم نے انہیں وارد نہیں کیا اس مبارک آیت میں دس مستقل جملے ہیں پہلے جملے میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا بیان ہے کہ کل مخلوق کا وہی ایک اللہ ہے دوسرے جملہ میں ہے کہ وہ خود زندہ ہے جس پر کبھی موت نہیں آئے گی دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے۔ قیوم کی دوسری قراءت قیام بھی ہے پس تمام موجودات اس کی محتاج ہیں اور وہ سب سے بے نیاز ہے کوئی بھی بغیر اس کی اجازت کے کسی چیز کا سنبھالنے والا نہیں جیسے اور جگہ ہے۔ ﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ﴾ ❶ یعنی اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ آسمان وزمین اسی کے حکم سے قائم ہیں۔ پھر فرمایا نہ تو اس پر کوئی نقصان آئے نہ کبھی وہ اپنی مخلوق سے غافل اور بے خبر ہو بلکہ ہر شخص کے اعمال پر وہ حاضر ہر شخص کے احوال پر وہ ناظر دل کے ہر خطرے سے وہ واقف مخلوق کا کوئی ذرہ بھی اس کی حفاظت اور علم سے بھی باہر نہیں یہی پوری قیومیت ہے اونگھ اور غفلت سے نیند اور بے خبری سے اس کی ذات پاک ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ کھڑے ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چار باتیں بتلائیں فرمایا ''اللہ تبارک وتعالیٰ سوتا نہیں نہ نیند اس کی ذات کے لائق ہے وہ ترازو کا حافظ ہے جس کے لئے چاہے جھکا دے جس کے لئے چاہے نہ جھکائے دن کے اعمال رات سے پہلے اور رات کے عمل دن سے پہلے اس کی طرف اٹھائے جاتے ہیں اس کے سامنے نور یا آگ کے پردے ہیں اگر وہ ہٹ جائیں تو اس کے چہرے کی تجلیاں ان تمام چیزوں کو جلا دیں جن تک اس کی نگاہ پہنچتی ہے۔'' ❷ عبدالرزاق نے حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ سوتا بھی ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف وحی بھیجی کہ حضرت موسیٰ کو تین راتوں تک بیدار رکھیں۔ انہوں نے یہی کیا تین راتوں تک سونے نہ دیا اس کے بعد دو بوتلیں ان کے ہاتھوں میں دے دی گئیں اور کہہ دیا گیا کہ انہیں تھامے رہو خبردار یہ گرنے اور ٹوٹنے نہ پائیں۔ آپ نے انہیں تھام لیا لیکن جاگا تھا نیند کا غلبہ ہوا اونگھ آنے لگی آنکھ بند ہو جاتی لیکن پھر ہوشیار ہو جاتے مگر کب تک؟ آخر ایک مرتبہ ایسا جھکولا آیا کہ بوتلیں ٹوٹ گئیں۔ گویا اس سے بتلایا گیا کہ جب ایک اونگھنے اور سونے والا دو بوتلوں کو نہیں سنبھال سکتا تو اللہ تعالیٰ اگر اونگھے یا سوئے تو زمین وآسمان کی حفاظت کس طرح ہو سکے ❸ لیکن یہ بنی اسرائیل کی بات ہے اور کچھ دل کو لگتی بھی نہیں' اس لئے کہ یہ ناممکن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر عارف باللہ اللہ کی اس صفت سے ناواقف ہوں اور انہیں اس میں تردد ہو کہ اللہ جاگتا ہی رہتا ہے یا سو بھی جاتا ہے اور اس سے بھی بہت زیادہ غرابت والی وہ حدیث ہے جو ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس واقعہ کو منبر پر بیان فرمایا۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا فرمان پیغمبر ہونا ثابت نہیں بلکہ بنی اسرائیل کی بات ہے۔ ابن عباس سے یوں مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے یہ سوال کیا تھا اور پھر آپ کو بوتلیں پکڑوائی گئیں اور بوجہ نیند کے نہ سنبھال سکے اور حضور ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی ❹ آسمان وزمین کی تمام چیزیں اس کی غلامی میں اور اس کی ماتحتی میں اور اس کی سلطنت میں ہیں جیسے فرمایا ﴿اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ❺ الخ' یعنی زمین وآسمان کی کل چیزیں رحمٰن کی غلامی میں حاضر ہونے والی ہیں ان سب کو اللہ نے ایک ایک کر کے گن رکھا ہے اور گھیر رکھا ہے ساری مخلوق تنہا تنہا اس کے پاس حاضر ہو گی کوئی نہیں جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے سفارش یا شفاعت کر سکے' جیسے ارشاد ہے ﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ﴾ ❻

---

❶ ۳۰/ الروم:۲۵۔ ❷ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب فی قوله ﷺ ((إن الله لا ینام))، ۱۷۹؛ ابن ماجة، ۱۹۵۔

❸ تفسیر عبدالرزاق، ۳۲۱، وسنده حسن الی عكرمه لكنه من الاسرائیلیات۔ ❹ ابن جریر وسنده ضعیف۔

❺ ۱۹/ مریم:۹۳۔ ❻ ۵۳/ النجم:۲۶۔

شفاعت اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوگی: یعنی آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں لیکن ان کی شفاعت بھی کچھ فائدہ نہیں دے سکتی ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی منشا اور مرضی سے ہو اور جگہ ہے ﴿وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَى﴾ ❶ ''کسی کی وہ شفاعت نہیں کرتے مگر اس کی جس سے اللہ خوش ہو'' پس یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت اس کا جلال اور اس کی کبریائی بیان ہو رہی ہے کہ بغیر اس کی اجازت اور رضامندی کے کسی کی جرأت نہیں کہ اس کے سامنے کسی کی سفارش میں زبان کھولے۔ حدیث مبارکہ میں بھی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے جاؤں گا اور سجدے میں گر پڑوں گا اللہ تعالیٰ مجھے سجدے میں ہی چھوڑ دے گا جب تک چاہے گا پھر کہا جائے گا کہ اپنا سر اٹھاؤ' کہو سنا جائے گا شفاعت کرو منظور کی جائے گی آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''پھر میرے لئے حد مقرر کر دی جائے گی اور میں انہیں جنت میں لے جاؤں گا ❷ وہ اللہ تعالیٰ تمام گزشتہ موجودہ اور آئندہ کا عالم ہے اس کا علم تمام مخلوق کا احاطہ کئے ہوئے ہے'' جیسے اور جگہ فرشتوں کا قول ہے کہ ﴿مَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ﴾ ❸ الخ' ہم تیرے رب کے حکم کے بغیر اتر نہیں سکتے ہمارے آگے پیچھے اور سامنے کی سب چیزیں اسی کی ملکیت ہیں اور تیرا رب بھول چوک سے پاک ہے۔

کرسی کے بارے میں مفسرین کا موقف: کرسی سے مراد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے علم منقول ہے۔ دوسرے بزرگوں سے دونوں پاؤں رکھنے کی جگہ منقول ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات پر بغیر تاویل اور کیفیت جانے ایمان رکھنا ضروری ہے: ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی مروی ہے اور یہ بھی ہے کہ اس کا اندازہ بجز ذات باری تعالیٰ کے اور کسی کو معلوم نہیں خود ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مرفوعاً یہی مروی ہے لیکن رفع ثابت نہیں۔ ❹ حضرت ابو مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کرسی عرش کے نیچے ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آسمان و زمین کرسی کے جوف میں ہے اور کرسی عرش کے سامنے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ساتوں زمینیں اور ساتوں آسمان اگر پھیلا دیئے جائیں اور سب کو ملا کر بسیط کر دیا جائے تاہم کرسی کے مقابلہ میں ایسے ہوں گے جیسے ایک حلقہ کسی چٹیل میدان میں۔ ابن جریر کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ساتوں آسمان کرسی میں ایسے ہی ہیں جیسے سات درہم ڈھال میں۔ اور حدیث میں ہے کہ کرسی عرش کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے ایک لوہے کا حلقہ چٹیل میدان میں۔ ❺ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ کرسی کے بارے میں سوال کیا تو حضور ﷺ نے قسم کھا کر یہی فرمایا اور فرمایا کہ'' پھر عرش کی فضیلت کرسی پر بھی ایسی ہی ہے۔'' ❻ ایک عورت نے آ کر حضور ﷺ سے درخواست کی کہ میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے جنت میں لے جائے۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ''اس کی کرسی نے آسمان و زمین کو گھیر رکھا ہے مگر جس طرح نیا پالان چرچراتا ہے وہ کرسی عظمت پروردگار =

---

❶ ۲۱/ الانبیآء:۲۸۔

❷ صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللّٰہ تعالیٰ ﴿وجوہ یومئذ ناظرۃ﴾، ۷۴۴۰؛ صحیح مسلم، ۱۹۳۔

❸ ۱۹/ مریم:۶۳۔

❹ یہ روایت مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح ضعیف ہے، سفیان ثوری مدلس ہیں۔

❺ موضوع روایت ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اپنے باپ سے موضوع روایتیں بیان کرتا ہے اور سند منقطع بھی ہے۔

❻ یہ روایت قاسم بن محمد الثقفی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٥٦﴾

ترجمہ: دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں' سیدھی راہ ٹیڑھی راہ سے ممتاز اور روشن ہو چکی' جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں سے انکار کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا' جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔[۲۵۶]

== سے چرچرا رہی ہے۔'' ❶ گو یہ حدیث بہت سی سندوں سے بہت سی کتابوں میں مروی ہے لیکن کسی سند میں کوئی راوی غیر مشہور ہے۔ کسی میں ارسال ہے کوئی موقوف ہے کسی میں بہت کچھ غریب زیادتی ہے' کسی میں حذف ہے۔ اور ان سب سے زیادہ غریب حضرت جبیر رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے جو ابوداؤد میں مروی ہے ❷ اور وہ روایات بھی ہیں جن میں قیامت کے روز کرسی کا فیصلوں کے لئے رکھا جانا مروی ہے ظاہر یہ ہے کہ اس آیت میں یہ ذکر نہیں' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ مسلمانوں میں ہیئت داں متکلمین کہتے ہیں کہ کرسی آٹھواں آسمان ہے جسے فلک ثوابت کہتے ہیں اور جس پر نوواں آسمان ہے اور جسے فلک اثیر کہتے ہیں اور اطلس بھی لیکن دوسرے لوگوں نے اس کی تردید کی ہے حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کرسی ہی عرش ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ کرسی اور ہے اور عرش اور ہے جو اس سے بہت بڑا ہے جیسے کہ آثار و احادیث میں وارد ہوا ہے علامہ ابن جریر تو اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی روایت پر اعتماد کئے ہوئے ہیں لیکن میرے نزدیک اس کی صحت میں کلام ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

آسمانوں وزمین کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے: پھر فرمایا کہ اللہ پر ان کی حفاظت بوجھل اور گراں نہیں بلکہ سہل اور آسان ہے وہ ساری مخلوق کے اعمال پر خبردار' تمام چیزوں پر نگہبان' کوئی چیز اس سے پوشیدہ اور انجان نہیں تمام مخلوق اس کے سامنے حقیر متواضع ذلیل پست محتاج اور فقیر۔ وہ غنی و حمید وہ جو کچھ چاہے کر گزرنے والا کوئی اس پر حاکم نہیں' باز پرس کرنے والا نہیں' ہر چیز پر وہ غالب ہر چیز کا حافظ اور مالک وہ علو بلندی اور رفعت والا' وہ عظمت بڑائی اور کبریائی والا' اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں نہ اس کے سوا کوئی خبر گیری کرنے والا اور پالنے پوسنے والا ہے' وہ کبریائی والا اور فخر والا ہے اسی لئے فرمایا ﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝﴾ بلندی اور عظمت والا وہی ہے یہ آیتیں اور ان جیسی اور آیتیں اور صحیح حدیثیں جتنی کچھ ذات و صفات باری میں وارد ہوئی ہیں ان سب پر ایمان لانا بغیر کیفیت معلوم کئے اور بغیر تشبیہ دیئے جن الفاظ میں وہ وارد ہوئی ہیں ضروری ہے اور یہی طریقہ ہمارے سلف صالحین رحمہم اللہ کا تھا۔

اسلام میں داخل کرنے کے لئے کسی پر جبر نہیں کرنا چاہئے: [آیت:۲۵۶] یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ کسی کو جبراً اسلام میں داخل نہ کرو۔ اسلام کی حقانیت واضح اور روشن ہو چکی اس کے دلائل و براہین بیان ہو چکے پھر کسی پر جبر اور زبردستی کرنے کی کیا ضرورت؟ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے گا جس کا سینہ کھلا ہوا دل روشن اور آنکھیں بینا ہوں گی وہ تو خود بخود اس کا والا و شیدا ہو جائے گا ہاں اندھے دل والے بہرے کانوں والے پھوٹی آنکھوں والے اس سے دور رہیں گے پھر انہیں اگر جبراً اسلام میں داخل بھی کیا تو کیا فائدہ۔ کسی پر اسلام کے قبول کرانے کے لئے جبر اور زبردستی نہ کرو۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ مدینہ کی مشرکہ عورتیں جب انہیں

---

❶ السنة لابن ابی عاصم، ٥٧٤۔ وسنده ضعیف۔ ❷ ابوداود، کتاب السُنة، باب فی الجهمیة، ٤٧٢٦ وسنده ضعیف ابن اسحاق مدلس کے سماع کی تصریح نہیں نیز جبیر بن محمد مجہول الحال راوی ہے۔

اولاد نہ ہوتی تھی تو نذر مانتی تھیں اگر ہمارے ہاں اولاد ہوئی تو ہم اسے یہود بنا دیں گے یہودیوں کے سپرد کر دیں گے اسی طرح ان کے بہت سے بچے یہودیوں کے پاس تھے' جب یہ لوگ مسلمان ہوئے اور دین اللہ کے انصار بنے تو ادھر یہودیوں سے جنگ ہوئی اور آخر ان کی اندرونی سازشوں اور فریب کاریوں سے نجات پانے کے لئے سرور رسل علیہ السلام نے یہ حکم جاری فرمایا کہ ''ان بنی نضیر کے یہودیوں کو جلا وطن کر دیا جائے'' اس وقت انصاریوں نے اپنے بچے جو ان کے پاس تھے ان سے طلب کئے تا کہ انہیں اپنے اثر سے مسلمان بنالیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جبر اور زبردستی نہ کرو۔ ❶

ایک روایت یہ بھی ہے کہ انصار کے قبیلے بنو سالم بن عوف کا ایک شخص حصینی رضی اللہ عنہ نامی تھا جس کے دو لڑکے نصرانی تھے اور خود مسلمان تھا اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بار عرض کیا کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں ان لڑکوں کو جبراً مسلمان بنالوں ویسے تو وہ عیسائیت سے ہٹتے نہیں اس پر یہ آیت اتری اور ممانعت کر دی اور روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ نصرانیوں کا ایک قافلہ ملک شام سے تجارت کے لئے کشمش لے کر آیا تھا جن کے ہاتھوں یہ دونوں لڑکے نصرانی ہو گئے تھے جب وہ قافلہ جانے لگا تو یہ بھی جانے پر تیار ہو گئے' ان کے باپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ذکر کیا اور کہا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں تو میں انہیں اسلام لانے کے لئے کچھ تکلیف دوں اور جبراً مسلمان بنالوں ورنہ پھر آپ کو انہیں واپس لانے کے لئے اپنے آدمی بھیجنے پڑیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غلام اسبق نصرانی تھا آپ اس پر اسلام پیش کرتے وہ انکار کرتا آپ کہہ دیتے کہ خیر تیری مرضی اسلام جبر سے روکتا ہے۔ علما کی ایک بڑی جماعت کا یہ خیال ہے کہ یہ آیت ان اہل کتاب کے حق میں ہے جو فسخ و تبدیل توراۃ وانجیل سے پہلے دین مسیحی اختیار کر چکے ہیں جب کہ وہ جزیہ پر رضامند ہو جائیں۔ بعض اور کہتے ہیں کہ آیت قتال نے اسے منسوخ کر دیا تمام انسانوں کو اس پاک دین کی دعوت دینا ضروری ہے اگر کوئی انکار کرے اور مسلمانوں کی ماتحتی بھی اختیار نہ کرے نہ جزیہ دینا قبول کرے تو بیشک مسلمان اس سے جہاد کریں گے جیسے اور جگہ ہے ﴿سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ﴾ ❷ عنقریب تمہیں اس قوم کی طرف بلایا جائے گا جو بڑی لڑاکا ہے یا تو تم اس سے لڑو گے یا وہ اسلام لائیں گے اور جگہ ہے اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو اور جگہ ہے ایماندارو! اپنے آس پاس کے کفار سے جہاد کرو تم میں وہ سختی پائیں اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے صحیح حدیث میں ہے تیرے رب کو ان لوگوں پر تعجب آتا ہے جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے جنت کی طرف گھسیٹے جاتے ہیں' ❸ یعنی وہ کفار جو میدان جنگ سے قیدی ہو کر طوق و سلاسل پہنا کر یہاں لائے جاتے ہیں پھر وہ اسلام قبول کر لیتے ہیں اور ان کا ظاہر باطن اچھا ہو جاتا ہے اور وہ جنت کے لائق بن جاتے ہیں۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان ہو جا اس نے کہا حضرت! میرا دل نہیں مانتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گو دل نہ چاہتا ہو۔ ❹ یہ حدیث ثلاثی ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک اس میں صرف تین راوی ہیں لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مجبور کیا' مطلب یہ ہے کہ تو کلمہ تو پڑھ لے پھر ایک دن وہ بھی آئے گا کہ اللہ تعالیٰ تیرے دل کو کھول دے اور تو دل سے بھی اسلام کا دلدادہ ہو جائے حسن نیت اور اخلاص عمل تجھے نصیب ہو۔ جو شخص بت اور اوثان اور معبودان باطل اور شیطانی کلام کی قبولیت کو چھوڑ دے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقراری اور عامل بن جائے وہ سیدھی اور صحیح راہ پر ہے۔

❶ الطبری، ۵۸۱۳؛ ابوداود، کتاب الجهاد، باب فی الأسیر یکره علی الاسلام، ۲۶۸۲۔ وسنده صحیح۔

❷ ٤٨/ الفتح:١٦۔ ❸ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب الاساري فی السلاسل، ۳۰۱۰۔

❹ أحمد، ۳/ ۱۰۹۔ وسنده ضعیف، حمید الطویل مدلس وعنعن۔

طاغوت کا مفہوم: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جبت سے مراد جادو ہے اور طاغوت سے مراد شیطان ہے۔ دلیری اور نامردی دونوں اونٹ کے دونوں طرف کے برابر کے بوجھ ہیں جو لوگوں میں ہوتے ہیں ایک دلیر آدمی تو انجان شخص کی حمایت میں بھی جان دینے پر تل جاتا ہے لیکن ایک بزدل اور ڈرپوک اپنی سگی ماں کی خاطر بھی قدم آگے نہیں بڑھاتا۔ انسان کا حقیقی کرم اس کا دین ہے انسان کا سچا نسب خلق حسن ہے گو وہ فارسی ہو یا نبطی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طاغوت کو شیطان کے معنی میں لینا بہت ہی اچھا ہے اس لئے کہ یہ ہر اس برائی کو شامل ہے جو اہل جاہلیت میں تھی بت کی پوجا کرنی ان کی طرف حاجتیں لے جانا ان سے سختی کے وقت طلب امداد کرنی وغیرہ۔

عروۃ الوثقی سے مراد: پھر فرمایا اس شخص نے مضبوط کڑا تھام لیا' یعنی دین کے اعلیٰ اور قوی سبب کو لے لیا جو نہ ٹوٹے نہ پھٹے خوب مضبوط مستحکم قوی اور گڑا ہوا عروہ وثقی سے مراد ایمان' اسلام' توحید باری' قرآن اور اللہ کی راہ کی محبت اور اسی کے لئے دشمنی کرنا ہے' یہ کڑا کبھی نہ ٹوٹے گا یعنی اس کے جنت میں پہنچنے تک اور جگہ ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ ❶ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں تھا جو ایک شخص آیا جس کا چہرہ اللہ سے خائف تھا دو ہلکی رکعتیں نماز کی اس نے ادا کیں' لوگ انہیں دیکھ کر کہنے لگے یہ جنتی ہیں۔ جب وہ باہر نکلے تو میں بھی ان کے پیچھے گیا باتیں کرنے لگا جب وہ متوجہ ہوئے تو میں نے کہا جب آپ تشریف لائے تھے تب لوگوں نے آپ کی نسبت یوں کہا تھا۔ کہا سبحان اللہ! کسی کو وہ نہ کہنا چاہئے جس کا علم اسے نہ ہو ہاں البتہ اتنی بات تو ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ایک خواب دیکھا تھا کہ گویا میں ایک لہلہاتے ہوئے سر سبز گلشن میں ہوں اس کے درمیان ایک لوہے کا ستون ہے جو زمین سے آسمان تک چلا گیا ہے اس کی چوٹی پر ایک کڑا ہے مجھ سے کہا گیا کہ اس پر چڑھ جاؤ' میں نے کہا میں تو نہیں چڑھ سکتا۔ چنانچہ ایک شخص نے مجھے تھاما اور میں با آسانی چڑھ گیا اور اس کڑے کو تھام لیا اس نے کہا دیکھو مضبوط پکڑے رکھنا' بس اس حالت میں میری آنکھ کھل گئی کہ وہ کڑا میرے ہاتھ میں تھا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا یہ خواب بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''گلشن باغ اسلام ہے اور ستون ستون دین ہے اور کڑا عروہ وثقی ہے تو مرتے دم تک اسلام پر قائم رہے گا۔'' یہ شخص حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہیں۔ ❷ یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں میں مروی ہے۔ مسند کی اسی حدیث میں ہے کہ اس وقت آپ بوڑھے تھے اور لکڑی پر ٹیک لگائے ہوئے مسجد نبوی میں آئے تھے اور ایک ستون کے پیچھے نماز پڑھی تھی اور سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ جنت اللہ تعالیٰ کی چیز ہے جسے چاہے اس میں لے جائے۔ خواب کے ذکر میں فرمایا کہ ایک شخص آیا مجھے لے چلا جب ہم ایک لمبے چوڑے صاف شفاف میدان میں پہنچے میں نے وہاں بائیں طرف جانا چاہا تو اس نے کہا تو ایسا نہیں میں دائیں جانب چلنے لگا تو اچانک ایک پھسلنا پہاڑ نظر پڑا' اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر اوپر چڑھا لیا اور میں اس کی چوٹی تک پہنچ گیا وہاں میں نے ایک اونچا ستون لوہے کا دیکھا جس کے سرے پر ایک سونے کا کڑا تھا مجھے اس نے اس ستون پر چڑھا دیا یہاں تک کہ میں نے اس کڑے کو تھام لیا اس نے مجھ سے پوچھا خوب مضبوط تھام لیا ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ اس نے زور سے ستون پر اپنا پاؤں مارا وہ نکل گیا اور کڑا میرے ہاتھ میں رہ گیا جب یہ خواب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بہت نیک خواب ہے میدان' میدان محشر ہے' بائیں طرف کا راستہ جہنم کا راستہ ہے تو ان لوگوں میں نہیں دائیں جانب کا راستہ جنتیوں کا راستہ ہے پھسلنا پہاڑ شہدا کی منزل ہے کڑا ==

---

❶ ۱۳/ الرعد: ۱۱۔ ❷ أحمد، ٥/ ٤٥٢؛ صحيح بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب مناقب عبدالله بن سلام، ٣٨١٣؛ صحيح مسلم، ٢٤٨٤۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٥٧﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٥٨﴾

ع ٣٤

ترجمہ: ایمان والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے اور کافروں کے اولیا شیاطین ہیں وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں' یہ لوگ جہنمی ہیں جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے۔ [٢٥٧] کیا تو نے اسے نہیں دیکھا؟ جو سلطنت پا کر ابراہیم علیہ السلام سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑ رہا تھا' جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے' وہ کہنے لگا میں جلاتا اور مارتا ہوں ابراہیم علیہ السلام نے کہا اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق کی طرف سے لے آتا ہے تو اسے مغرب کی جانب سے لے آ اب تو وہ کافر حیران رہ گیا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ [٢٥٨]

= اسلام کا کڑا ہے مرتے دم تک اسے مضبوط تھام رکھو' اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا امید تو مجھے یہی ہے کہ اللہ مجھے جنت میں لے جائے گا۔ ❶

حق ایک ہے باطل کی کئی قسمیں ہیں: [آیت: ٢٥٧۔٢٥٨] لفظ نور کو واحد لانا اور ظلمات کو جمع لانا اس لئے ہے کہ حق اور ایمان اور سچا راستہ ایک ہی ہے اور کفر کی کئی قسمیں ہیں۔ کفر کی بہت سی شاخیں ہیں جو سب کی سب باطل اور ناحق ہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا﴾ ❷ میری سیدھی راہ یہی ہے تم اسی کی تابعداری کرو اور راستوں پر نہ چلو ورنہ راہ سے بھٹک جاؤ گے یہ وصیت تمہارے بچاؤ کے لئے کر دی اور جگہ ہے ﴿وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ﴾ ❸ اور بھی اس قسم کی بہت سی آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حق ایک ہی ہے اور باطل میں تفرق و انتشار ہے۔ حضرت ایوب بن خالد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل ہوا یا اہل فتنہ کھڑے کئے جائیں گے جس کی چاہت صرف ایمان ہی کی ہو وہ تو روشن صاف اور نورانی ہوگا اور جس کی خواہش کفر کی ہو وہ سیاہ اور اندھیریوں والا ہوگا' پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے درمیان مناظرہ: اس بادشاہ کا نام نمرود بن کنعان بن کوس بن سام بن نوح تھا اس کا پایہ تخت بابل تھا۔ اس کے نسب نامہ میں کچھ اختلاف بھی ہے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دنیا کی مشرق و مغرب کی سلطنت رکھنے والے

❶ أحمد، ٥/ ٣؛ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عبدالله بن سلام، ٢٤٨٤۔

❷ ٦/ الانعام:١٥٣۔ ❸ ٦/ الانعام:١۔

چار ہوئے ہیں جن میں سے دو مؤمن ہیں اور دو کافر۔ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام اور حضرت ذوالقرنین اور کافروں میں نمرود اور بخت نصر۔ ❶ فرمان ہوتا ہے کہ اے نبی! تم نے اپنے دل سے اُسے نہیں دیکھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وجود باری تعالیٰ میں مباحثہ کرنے لگا' یہ شخص خود اللہ ہونے کا مدعی تھا جیسے کہ اس کے بعد فرعون نے بھی اپنے والوں میں دعویٰ کیا تھا کہ میں اپنے سوا کسی کو تمہارا اللہ نہیں جانتا' چونکہ ایک مدت مدیداور عرصہ بعید سے یہ بادشاہ چلا آتا تھا اس لئے دماغ میں رعونت اور انانیت آ گئی تھی سرکشی اور تکبر نخوت اور غرور طبیعت میں سما گیا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چار سو (۴۰۰) سال تک حکومت کرتا رہا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جب اس وجود باری پر دلیل مانگی تو آپ نے نیست سے ہست اور ہست سے نیست کرنے کی دلیل دی جو ایک بدیہی اور مثل آفتاب روشن دلیل تھی کہ موجودات کا پہلے کچھ نہ ہونا پھر ہونا پھر مٹ جانا کھلی دلیل ہے موجداور پیدا کرنے والے کے موجود ہونے کی اور وہی اللہ ہے۔ نمرود نے جواباً کہا کہ یہ تو میں کرتا ہوں' یہ کہہ کر دو شخصوں کو اس نے بلوایا جو واجب القتل تھے ایک کو قتل کر دیا اور دوسری کو رہا کر دیا۔ ❷ دراصل یہ جواب اور یہ دعویٰ کس قدر لچر اور پوچ ہے اس کے بیان کی بھی ضرورت نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صفات باری میں سے ایک صفت پیدا کرنا اور پھر نیست کر دینا بیان کی تھی اور اس نے نہ تو انہیں پیدا کیا نہ ان کی یا اپنی موت وحیات پر اسے قدرت۔ لیکن جہلا کو بھڑکانے کے لئے اور اپنی علمیت جتانے کیلئے باوجود اپنی غلطی اور مباحثہ کے اصول سے طریقہ فراری کو جانتے ہوئے صرف ایک بات بنالی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اس کو سمجھ گئے اور آپ نے اس کند ذہن کے سامنے ایسی دلیل پیش کر دی کہ صورتاً بھی اس کی مشابہت نہ کر سکے' چنانچہ فرمایا کہ جب تو پیدائش اور موت تک کا اختیار رکھتا ہے تو مخلوق پر تیرا تصرف پورا ہونا چاہئے۔ میرے اللہ نے تو یہ تصرف کیا ہے کہ سورج کو حکم دے دیا ہے کہ وہ مشرق کی طرف سے نکلا کرے چنانچہ وہ نکل رہا ہے اب تو اسے حکم دے کہ وہ مغرب کی طرف سے نکلے۔ اس کا کوئی ظاہری ٹوٹا پھوٹا جواب بھی اس سے نہ بن پڑا اور بے زبان ہو کر اپنی عاجزی کا اقراری ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی حجت اس پر پوری ہو گئی لیکن چونکہ ہدایت نصیب نہ تھی راہ یافتہ نہ ہو سکا ایسے بد وضع لوگوں کو اللہ تعالیٰ کوئی دلیل نہیں سجھاتا اور وہ حق کے مقابلہ میں بغلیں جھانکتے ہی نظر آتے ہیں' ان پر اللہ کا غضب وغصہ اور اسکی ناراضگی ہوتی ہے اور ان کے لئے اس جہان میں بھی سخت عذاب ہوتے ہیں۔ بعض منطقیوں نے کہا ہے کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے یہاں ایک واضح دلیل کے بعد دوسری اس سے بھی زیادہ واضح دلیل پیش کر دی۔ لیکن درحقیقت یوں نہیں بلکہ پہلی دلیل دوسری کا مقدمہ تھا اور ان دونوں سے نمرود کے دعوے کا بطلان بالکل واضح ہو گیا۔ اصل دلیل پیدائش وموت ہی ہے چونکہ اس کا دعویٰ اس ناسمجھ مشت خاک نے بھی کیا تو لازم تھا کہ جو بنانے بگاڑنے پر نہ صرف قادر ہو بلکہ بناؤ بگاڑ کا بھی خالق ہو اس کی ملکیت پوری طرح اسی کے قبضہ میں ہونی چاہئے اور جس طرح موت وحیات کے احکام اس کے جاری ہو جاتے ہیں اسی طرح دوسرے احکام بھی جاری ہو جائیں پھر کیا وجہ کہ سورج جو کہ ایک مخلوق ہے اس کی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری نہ کرے اور اس کے کہے سے بجائے مشرق کے مغرب سے نہ نکلے؟ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پر اس مباحثہ میں کھلا غلبہ پایا اور اسے بالکل لاجواب کر دیا فَالْحَمْدُلِلّٰہِ۔ حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مناظرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ سے نکل آنے کے بعد ہوا تھا اس سے پہلے آپ کی اس ظالم بادشاہ سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ: زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ قحط سالی تھی لوگ نمرود کے پاس جاتے تھے اور غلہ لے آتے تھے =

❶ الطبری، ۵/ ۴۳۳۔ ❷ الطبری، ۵/ ۴۳۳ تا ۴۳۷۔

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۵۹﴾

ترجمہ: یا مانند اس شخص کے جس کا گزر اس بستی پر ہوا جو منہ کے بل اوندھی پڑی ہوئی تھی کہنے لگا' اسے اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ کس طرح زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے اسے مار دیا سو سال کے بعد اسے اٹھایا' پوچھا کتنی مدت تجھ پر گزری؟ کہنے لگا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ فرمایا' بلکہ تو سو سال تک رہا اب تو اپنے کھانے پینے کو دیکھ کہ بالکل خراب نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ! ہم تجھے لوگوں کے لئے ایک نشانی بناتے ہیں تو دیکھ کہ ہڈیوں کو ہم کس طرح اٹھا بٹھاتے ہیں پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں' جب یہ سب اس پر ظاہر ہو چکا تو کہنے لگا میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔[۲۵۹]

== حضرت خلیل اللہ علیہ السلام بھی گئے وہاں یہ مناظرہ ہو گیا بدبخت نے آپ کو غلہ نہ دیا' آپ خالی ہاتھ واپس آئے۔ گھر کے قریب پہنچ کر آپ نے دونوں بوریوں میں ریت بھر لی کہ گھر والے سمجھیں کچھ لے آئے گھر آتے ہی بوریاں رکھ کر سو گئے آپ کی بیوی صاحبہ حضرت سارہ انھیں بوریوں کو کھولا تو عمدہ اناج سے دونوں پر تھیں کھانا پکا کر تیار کیا آپ کی بھی آنکھ کھلی دیکھا کہ کھانا تیار ہے' پوچھا اناج کہاں سے آیا؟ کہا دو بوریاں جو آپ بھر کر لائے ہیں انہی میں سے یہ اناج نکالا تھا آپ سمجھ گئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت اور اس کی رحمت ہے۔

نمرود پر عذاب الٰہی: اس نابکار بادشاہ کے پاس اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک فرشتہ بھیجا اس نے آکر اسے توحید کی دعوت دی لیکن اس نے قبول نہ کی۔ دوبارہ دعوت دی لیکن انکار کیا تیسری مرتبہ اللہ کی طرف بلایا لیکن پھر بھی یہ منکر ہی رہا اس بار بار کے انکار کے بعد فرشتے نے اس سے کہا اچھا تو اپنا لشکر تیار کر میں بھی اپنا لشکر لے آتا ہوں نمرود نے بڑا بھاری لشکر تیار کیا اور زبردست فوج کو لے کر سورج نکلنے کے وقت میدان میں آڈٹا ادھر اللہ تعالیٰ نے مچھروں کا ایک دروازہ کھول دیا بڑے بڑے مچھر اس کثرت سے آئے کہ لوگوں کو سورج بھی نظر نہ آتا تھا یہ ربانی فوج نمرودیوں پر گری اور تھوڑی دیر میں ان کا خون تو کیا ان کا گوشت پوست سب کھا پی گئی اور سارے کے سارے وہیں ہلاک ہو گئے ہڈیوں کا ڈھانچہ باقی رہ گیا انہی مچھروں میں سے ایک نمرود کے نتھنے میں گھس گیا اور چار سو سال تک اس کا دماغ چاٹتا رہا۔ ایسے سخت عذاب میں وہ رہا کہ اس سے موت ہزاروں درجہ بہتر تھی' اپنا سر دیواروں اور پتھروں پر مارتا پھرتا تھا ہتھوڑوں سے کچلواتا تھا' یونہی رینگ رینگ کر بدنصیب نے ہلاکت پائی۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ۔

قدرت الٰہی کا عجیب کرشمہ: [آیت:۲۵۹] اوپر جو واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مباحثہ کا گزرا اس پر اس کا عطف ہے یہ

گزرنے والے یا تو حضرت عزیر علیہ السلام تھے ❶ جیسا کہ مشہور ہے یا ارمیا بن حلقیا تھے اور یہ نام حضرت خضر علیہ السلام کا ہے یا خرخیل بن بوار تھے یا بنی اسرائیل میں کا ایک شخص تھا' یہ بستی بیت المقدس تھی اور یہی قول مشہور ہے بخت نصر نے جب اسے اجاڑا یہاں کے باشندوں کو تہ تیغ کیا مکانات گرا دیئے اور آباد بستی کو بالکل ویرانہ کر دیا' اس کے بعد یہ بزرگ یہاں سے گزرے' انہوں نے دیکھا کہ ساری بستی تہ و بالا ہوگئی ہے نہ مکان ہیں نہ مکین تو وہاں ٹھہر کر سوچنے لگے کہ بھلا ایسا بڑا پر رونق شہر جو اس طرح اجڑا ہے پھر یہ کیسے آباد ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے خود ان پر موت نازل فرمائی یہ تو اسی حالت میں رہے اور وہاں ستر سال کے بعد بیت المقدس پھر آباد ہوگیا۔ بھاگے ہوئے بنی اسرائیل بھی پھر آ پہنچے اور شہر کھچا کھچ بھر گیا وہی اگلی سی رونق اور چہل پہل ہوگئی اب سو سال کامل کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندہ کیا اور سب سے پہلے روح آنکھوں میں آئی تا کہ اپنا جی اٹھنا خود دیکھ سکیں جب سارے بدن میں روح پھونک دی گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتے کے ذریعہ پچھوایا کہ کتنی مدت تک تم مردہ رہے؟ جس کے جواب میں کہا کہ ابھی تو ایک دن بھی پورا نہیں ہوا۔

وجہ یہ ہوئی کہ صبح کے وقت ان کی روح نکلی تھی اور سو سال کے بعد جب جئے تو شام کا وقت تھا خیال کیا کہ یہ وہی دن ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم ایک سو سال کامل تک مردہ رہے۔ اب ہماری قدرت دیکھو کہ تمہارا توشہ بھتا جو تمہارے ساتھ تھا باوجود سو سال گزر جانے کے بھی ویسا ہی ہے نہ سڑا نہ خراب ہوا ہے یہ توشہ انگور' انجیر اور شیرہ تھا۔ نہ تو یہ شیرہ بگڑا تھا نہ انجیر کھٹے ہوئے تھے نہ انگور خراب ہوئے تھے بلکہ ٹھیک اپنی اصلی حالت پر تھے۔ اب فرمایا یہ تیرا گدھا جس کی بوسیدہ ہڈیاں تیرے سامنے پڑیں ہیں۔ انہیں دیکھ تیرے دیکھتے ہوئے ہم اسے زندہ کرتے ہیں ہم خود تیری ذات کو لوگوں کے لئے دلیل بنانے والے ہیں کہ انہیں قیامت کے دن اپنے دوبارہ جی اٹھنے پر یقین کامل ہو جائے چنانچہ ان کے دیکھتے ہوئے ہڈیاں اٹھیں اور ایک ایک کر کے ساتھ جڑیں مستدرک حاکم میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت ﴿نُنْشِزُهَا﴾ زے کے ساتھ ہی ہے ❷ اور اسے ننشرها رے کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی زندہ کریں گے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت یہی ہے۔ ❸ سدی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ ہڈیاں ان کے دائیں بائیں پھیلی پڑی تھیں اور بوسیدہ ہونے کی وجہ سے ان کی سفیدی چمک رہی تھی ہوا سے یہ سب یکجا جمع ہوگئیں پھر ایک ایک ہڈی اپنی اپنی جگہ جڑ گئی اور ہڈیوں کا پورا ڈھانچہ قائم ہوگیا جس پر گوشت مطلق نہ تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے اسے گوشت رگیں پٹھے اور کھال پہنا دی پھر فرشتے کو بھیجا جس نے اس کے نتھنے میں پھونک ماری بس اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی وقت زندہ ہوگیا اور آواز نکالنے لگا۔ ❹ ان تمام باتوں کو حضرت عزیر دیکھتے رہے اور قدرت کی یہ ساری کاریگری انکی آنکھوں کے سامنے ہی ہوئی۔ جب یہ سب کچھ دیکھ چکے تو کہنے لگے اس بات کا علم تو مجھے تھا ہی کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے لیکن اب میں نے اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیا۔ تو میں اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے زیادہ علم و یقین والا ہوں۔ بعض لوگوں ﴿أَعْلَمُ﴾ کو ﴿اِعْلَمْ﴾ بھی پڑھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ مقتدر نے فرمایا کہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے۔

---

❶ ابن أبي حاتم، ۳/ ۱۰۰۹؛ الطبري، ۵/ ۴۳۹۔ ❷ حاکم، ۲/ ۲۳۴۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ مگر ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اسماعیل بن قیس راوی کو ضعیف قرار دیا ہے۔ راوی کے ضعف کیلئے دیکھئے (المیزان ۱/ ۲۴۵ رقم: ۹۲۷) لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

❸ الطبري، ۵/ ۴۷۶۔ ❹ الطبري، ۵/ ۴۶۸۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ قَلْبِيْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٦٠﴾

ترجمہ: اور جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے پروردگار! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے؟ جناب باری تعالیٰ نے فرمایا کیا تمہیں ایمان نہیں؟ جواب دیا ایمان تو ہے لیکن میرے دل کی تسکین ہو جائے گی فرمایا چار پرندوں کو لو ان کے ٹکڑے کر ڈالو پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو پھر انہیں پکارو تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آ جائیں گے جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمتوں والا ہے۔[٢٦٠]

پرندوں کا زندہ ہونا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مشاہدہ: [آیت:٢٦٠] حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس سوال کی بہت سی وجوہات تھیں ایک تو یہ کہ چونکہ یہی دلیل آپ نے نمرود مردود کے سامنے پیش کی تھی تو آپ نے چاہا کہ علم الیقین سے عین الیقین حاصل ہو جائے جانتا تو ہوں ہی لیکن دیکھ بھی لوں صحیح بخاری میں اس آیت کے موقعہ کی ایک حدیث ہے جس میں ہے کہ ہم شک کے حقدار بہ نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیادہ ہیں جب کہ انہوں نے کہا ﴿رَبِّ اَرِنِیْ﴾ ❶ تو اس سے کوئی جاہل یہ نہ سمجھے کہ حضرت خلیل اللہ کو اللہ کی اس صفت میں شک تھا اس حدیث کے بہت سے جواب ہیں جن میں سے ایک یہ ہے (شاید یہ ہوگا کہ ہم خلیل اللہ علیہ السلام سے کمزور ایمان والے ہونے کے باوجود خلائق عالم کی اس صفت میں شک نہیں کرتے تو خلیل اللہ کو شک کیوں ہوگا؟ (مترجم) اب رب العالمین خالق کل فرماتا ہے کہ چار پرندے لے لو۔ مفسرین کے اس بارے میں کئی قول ہیں کہ کون کون سے پرند حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لے لئے تھے لیکن ظاہر ہے کہ اس کا علم ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور اس کا نہ جاننا ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔ کوئی کہتا ہے وہ کلنگ مور مرغ اور کبوتر تھے۔ کوئی کہتا ہے وہ مرغابی اور سیمرغ کا بچہ اور مرغ اور مور تھے۔ کوئی کہتا ہے کبوتر مرغ مور اور کوا تھے۔ پھر انہیں کاٹ کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہی فرماتے ہیں اور روایت میں ہے کہ اپنے پاس رکھ لیا' جب مائل ہو گئے انہیں ذبح کر دیا پھر ٹکڑے ٹکڑے الگ الگ کر دیئے۔ پس آپ نے چار پرندے لئے ذبح کر کے ان کے ٹکڑے کئے پھر اکھیڑ دیئے اور سارے مختلف ٹکڑے آپس میں ملا دیئے۔ پھر چار پہاڑوں پر یا سات پہاڑوں پر وہ ٹکڑے رکھ دیئے اور سب پرندوں کے سر اپنے ہاتھ میں رکھے۔ پھر بحکم اللہ انہیں بلانے لگے جس جانور کو آواز دیتے اس کے بکھرے ہوئے پر ادھر ادھر سے اڑتے اور آپس میں جڑتے اسی طرح خون خون کے ساتھ ملتا اور باقی اجزاء بھی جس جس پہاڑ پر ہوتے آپس میں مل جاتے اور پرند اڑتا ہوا آپ کے پاس آتا۔ آپ اسے دوسرے پرند کا سر دیتے تو وہ قبول نہ کرتا' خود اس کا سر دیتے تو وہ جڑ جاتا۔ ❷ یہاں تک کہ ایک ایک کر کے یہ چاروں پرند زندہ ہو کر اڑ گئے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اور مردوں کے زندہ ہونے کا یہ ایمان افروز نظارہ خلیل اللہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ پھر فرماتا ہے کہ جان لے اللہ تعالیٰ غالب ہے کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی۔ جس کام کو وہ چاہے بے روک ہو جاتا ہے ہر چیز اس کے قبضہ میں ہے وہ اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے اسی طرح اپنے انتظام میں اور شریعت کے مقرر =

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة البقرة، باب ﴿واذ قال ابراهيم رب......﴾، ٤٥٣٧؛ صحیح مسلم، ١٥١۔

❷ القرطبی ٣/ ٣٠٠۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ: جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ جسے چاہے بڑھا چڑھا کر دے اور اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔ [۲٦۱]

= کرنے میں بھی ۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جناب باری تعالیٰ کا یہ سوال کرنا کہ کیا تو ایمان نہیں لایا؟ اور حضرت خلیل علیہ السلام کا یہ جواب دینا کہ ہاں ایمان تو ہے لیکن دلی اطمینان چاہتا ہوں یہ آیت مجھے تو اور تمام آیات سے زیادہ امید دلانے والی معلوم ہوتی ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ ایک ایماندار کے دل میں اگر کوئی خطرہ وسوسہ شیطانی پیدا ہو تو اس پر پکڑ نہیں ۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کی ملاقات ہوتی ہے تو پوچھتے ہیں کہ قرآن میں سب سے زیادہ امید پیدا کرنے والی آیت کونسی ہے؟ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ۔ ﴿لَا تَقْنَطُوْا﴾ ❶ والی آیت جس میں ارشاد ہے کہ میرے گنہگار بندو! میری رحمت سے ناامید نہ ہونا میں سب گناہوں کو بخش دیتا ہوں ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اے میرے نزدیک تو اس امت کے لئے سب سے زیادہ ڈھارس بندھانے والی آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول پھر رب العزت کا یہ سوال اور آپ کا جواب ہے (عبدالرزاق وابن ابی حاتم وغیرہ) ۔ ❷

صدقات کا اجر و ثواب: [آیت:۲٦۱] اس آیت میں بیان ہو رہا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں اپنے مال کو خرچ کرے اسے بڑی برکتیں اور بہت بڑے ثواب ملتے ہیں اور نیکیاں سات سو گنا کر کے دی جاتی ہیں' تو فرمایا کہ جو لوگ راہ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں جہاد میں گھوڑوں کو پالنے میں' ہتھیار خریدنے میں حج کرنے کرانے وغیرہ میں خرچ کرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کے نام کے دیئے ہوئے کی مثال کس پاکیزگی سے بیان ہو رہی ہے جو آنکھوں میں کھب جائے اور دل میں گھر کر جائے ۔ ایک دم یوں فرما دیتا کہ ایک کے بدلے سات سو ملیں گے اس سے بہت زیادہ لطافت اس کلام اور اس مثال میں ہے اور پھر اس میں اشارہ ہے کہ اعمال صالحہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑھتے رہتے ہیں ۔ جس طرح تمہارے بوئے ہوئے بیج کھیت میں بڑھتے بڑھاتے رہتے ہیں مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''جو شخص اپنی بچی ہوئی چیز اللہ کی راہ میں دیتا ہے اسے سات سو گنا ثواب ملتا ہے اور جو شخص اپنی جان پر اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے' اسے دس گنا ملتا ہے اور بیمار کی عیادت کا ثواب بھی دس گنا ملتا ہے روزہ ڈھال ہے جب تک کہ اسے خراب نہ کرے جس شخص پر کوئی جسمانی بلا' مصیبت' دکھ درد' بیماری آئے وہ اس کے گناہوں کو جھاڑ دیتی ہے۔'' ❸ یہ حدیث حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس وقت بیان فرمائی تھی جب کہ آپ سخت بیمار تھے اور لوگ عیادت کے لئے گئے تھے آپ کی بیوی صاحبہ سرہانے بیٹھی تھیں' ان سے پوچھا کہ رات کیسے گزری؟ انہوں نے کہا نہایت سختی سے' آپ کا منہ اس وقت دیوار کی جانب تھا یہ سنتے ہی لوگوں کی طرف منہ کیا اور فرمایا میری یہ رات سختی کی نہیں گزری اس لئے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے مسند احمد کی اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے نکیل والی اونٹنی خیرات کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ =

❶ ٣٩/ الزمر:٥٣۔ ❷ ابن أبي حاتم، ٣/ ١٠٣٢؛ حاكم، ٤/ ٢٦٠، ٢٦١ ذہبی رحمہ اللہ تلخیص المستدرك، ١/ ٦٠ میں فرماتے ہیں کہ اس میں انقطاع ہے۔ لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔ ❸ احمد، ١/ ١٩٥؛ وسندہ حسن، النسائی، مختصرا: ٢٢٣٥۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٦٢﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿٢٦٣﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٦٤﴾

ترجمہ: جولوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں نہ ایذا دیتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے ان پر نہ تو کچھ خوف ہے نہ وہ اداس ہوں گے۔[٢٦٢] نرم بات کہنا اور معاف کر دینا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد ایذ رسانی ہو اللہ تعالیٰ بے نیاز اور بردبار ہے۔[٢٦٣] اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر برباد نہ کرو جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرے اور نہ اللہ پر ایمان رکھے نہ قیامت پر اس کی مثال اس صاف پتھر کی طرح ہے جس پر تھوڑی سی مٹی ہو پھر اس پر زوردار بارش برسے اور وہ اسے بالکل صاف اور سخت چھوڑ دے ان ریاکاروں کو اپنی کمائی میں سے کوئی چیز ہاتھ نہیں لگتی۔ اللہ تعالیٰ کافروں کی قوم کو راہ نہیں دکھاتا۔[٢٦٤]

= ''قیامت کے دن سات سو نکیل والی اونٹنیاں پائے گا'' ❶ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کی ایک نیکی کو دس نیکیوں کے برابر کر دیا ہے اور پھر وہ بڑھتی رہتی ہیں سات سو تک۔

مگر روزہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ خاص میرے ہی لئے ہے اور میں آپ اس کا اجر وثواب دوں گا۔ روزے دار کو دو خوشیاں ہیں ایک افطار کے وقت دوسری قیامت کے دن روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے دوسری حدیث میں اتنی زیادتی اور ہے کہ روزے دار اپنے کھانے پینے کو صرف میری وجہ سے چھوڑتا ہے آخر میں ہے کہ روزہ ڈھال ہے۔ ❷ روزہ ڈھال ہے۔ مسند کی اور حدیث میں ہے کہ نماز' روزہ' ذکر اللہ' اللہ کی راہ کے خرچ پر سات سو گنا بڑھ جاتے ہیں۔ ❸ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ جو شخص جہاد میں کچھ مالی مدد دے گو خود نہ جائے تاہم اسے ایک کے بدلے سات سو کے خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے اور خود بھی شریک ہو تو ایک درہم کے بدلے سات لاکھ درہم کے خرچ کا ثواب ملتا ہے پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی ﴿وَاللّٰهُ=

❶ احمد، ٤/ ١٢١؛ صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب فضل الصدقة فى سبيل الله تعالىٰ، ١٨٩٢؛ نسائى، ٤٩١٦۔

❷ احمد، ١/ ٤٤٦؛ صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب فضل الصيام، ١١٥١۔

❸ احمد، ٣/ ٤٣٨، مختصراً؛ ابوداود، كتاب الجهاد، باب فى تضعيف الذكر فى سبيل الله عزوجل، ٢٤٩٨۔ وسنده ضعیف زبان بن فائد راوی ضعیف ہے۔

=﴿يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ یہ حدیث غریب ہے ❶ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ﴾ ❷ کی تفسیر میں پہلے گزر چکی ہے جس میں ہے کہ ایک کے بدلے دو کروڑ کا ثواب ملتا ہے۔ ❸ ابن مردویہ میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی دعا کی کہ اے اللہ! میری امت کو کچھ اور زیادتی عطا فرما تو ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ﴾ والی آیت اتری ❹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی یہی دعا کی تو آیت ﴿اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾ ❺ اتری پس ثابت ہوا کہ جس قدر اخلاص عمل میں ہو اسی قدر ثواب میں زیادتی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ بڑے وسیع فضل و کرم والا ہے وہ جانتا بھی ہے کہ کون کس قدر مستحق ہے اور کسے استحقاق نہیں۔ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ.

ریا کاری اور احسان جتلانے سے پاک صدقہ کی فضیلت: [آیت:۲۶۲-۲۶۴] اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کی مدح و تعریف کرتا ہے جو خیرات و صدقات کرتے ہیں اور پھر جسے دیتے ہیں اس پر احسان جتانے نہیں بیٹھتے' نہ تو اپنی زبان سے نہ اپنے کسی فعل سے اور نہ اس شخص کو کوئی برائی پہنچاتے ہیں' ان سے پھر جزائے خیر کا وعدہ فرماتا ہے کہ ان کا اجر و ثواب اللہ رب العزت کے ذمہ ہے ان پر قیامت کے دن کوئی ہول اور خوف و خطرہ نہ ہوگا اور نہ دنیا اور بال بچے چھوٹ جانے کا انہیں کوئی غم و رنج ہوگا اس لئے کہ وہاں پہنچ کر اس سے بہتر چیزیں انہیں مل چکی ہیں۔

کلمہ خیر کہنے کی فضیلت: پھر فرماتا ہے کہ کلمہ خیر زبان سے نکلنا کسی مسلمان بھائی کے لئے دعا کرنا اور درگزر کرنا خطاوار کو معاف کر دینا اس صدقے سے بہت بہتر ہے جس کی تہہ میں ایذا دہی ہو ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اکرم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''کوئی صدقہ نیک کام سے افضل نہیں۔ کیا تم نے فرمان باری تعالیٰ ﴿قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ﴾ نہیں سنا؟ ❻ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق سے بے نیاز ہے اور ساری مخلوق اس کی محتاج ہے' وہ حلیم اور بردبار ہے گناہوں کو دیکھتا ہے اور حلم و کرم کرتا ہے بلکہ معاف فرما دیتا ہے' تجاوز کر لیتا ہے اور بخش دیتا ہے'' صحیح مسلم شریف کی حدیث ہے کہ تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات چیت نہ کرے گا نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہیں ایک تو دے کر احسان جتانے والا دوسرا ٹخنوں سے نیچے پاجامہ اور تہبند لٹکانے والا تیسرا اپنے سودے کو جھوٹی قسم کھا کر بیچنے والا ❼ ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ ماں باپ کا نافرمان خیرات صدقہ کر کے احسان جتانے والا شرابی اور تقدیر کو جھٹلانے والا جنت میں داخل نہ ہوگا ❽ نسائی میں ہے کہ تین شخصوں کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دیکھے گا بھی نہیں ماں باپ کا نافرمان' شراب کا عادی اور دے کر احسان جتانے والا۔ ❾

نسائی کی اور حدیث میں ہے کہ یہ تینوں شخص جنت میں داخل نہ ہوں گے ❿ اسی لئے اس آیت میں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اپنے=

---

❶ ابن ابی حاتم وسندہ ضعیف۔ ❷ ۲/ البقرة: ۲٤٥۔

❸ احمد، ۲/ ۲۹٦، وسندہ ضعیف۔ ❹ ابن مردویہ وابن حبان: الاحسان، ٤٦۲۹، وسندہ ضعیف۔

❺ ۳۹/ الزمر: ۱۰۔ ❻ یہ مرسل روایت ہے۔ ❼ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار، ۱۰٦؛ ابوداود، ٤۰۸۷؛ ترمذی، ۱۲۱۱؛ نسائی، ٤٤٦۳۔

❽ احمد، ٦/ ٤٤۱؛ ابن ماجة، کتاب الأشربة، باب من شرب الخمر فی الدنیا، ۳۳۷٦، وسندہ حسن۔

❾ نسائی، کتاب الزکاة، باب المنان بما اعطی، ۲٥٦۳، وسندہ حسن۔

❿ نسائی فی الکبری، (٤۹۲۱) وسندہ ضعیف۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۚۖ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾ ع

ترجمہ: ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی رضا مندی کی طلب میں دل کی خوشی اور یقین کے ساتھ خرچ کرتے ہیں اس باغ جیسی ہے جو اونچی اور تر زمین پر ہو اور پوری بارش اس پر برسے اور وہ اپنا پھل دگنا لائے اور اگر بارش اس پر نہ بھی برسے تو شبنم ہی کافی ہے اللہ تعالیٰ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔[۲٦۵] کیا تم میں سے کوئی بھی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس میں نہریں بہہ رہی ہوں اور ہر قسم کے پھل موجود ہوں اس شخص کا بڑھاپا آ گیا ہو اس کے ننھے ننھے سے بچے بھی ہوں اور اچانک باغ میں تند آندھی آئے جس میں آگ بھی ہو اور باغ کو وہ جلا ڈالے؟ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آیتیں بیان کرتا ہے تا کہ تم غور و فکر کرو۔[۲٦٦]

= صدقات وخیرات کو منت واحسان رکھ کر اور تکلیف پہنچا کر برباد نہ کرو۔ اس احسان کے جتانے اور تکلیف پہنچانے کا گناہ صدقہ اور خیرات کا ثواب باقی نہیں رکھتا۔ پھر مثال دی کہ احسان اور تکلیف دہی کے صدقہ کے غارت ہو جانے کی مثال اس صدقہ جیسی ہے جو ریاکاری کے طور پر لوگوں کے دکھاوے کے لئے دیا جائے' اپنی سخاوت اور فیاضی اور نیکی کی شہرت مدنظر ہو لوگوں میں تعریف وستائش کی چاہت ہو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی طلب نہ ہو' نہ اس کے ثواب پر نظر ہو اسی لئے اس جملے کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہ ہو تو اس ریاکارانہ صدقے کی اور اس احسان جتانے اور تکلیف پہنچانے کے صدقہ کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی صاف چٹیل پتھر کی چٹان ہو جس پر مٹی پڑی ہوئی ہو' پھر سخت شدت کی بارش ہو تو جس طرح اس پتھر کی تمام مٹی ڈھل جاتی ہے اور کچھ بھی باقی نہیں رہتی۔ اسی طرح ان دونوں قسم کے لوگوں کے خرچ کی کیفیت ہے کہ گو لوگ سمجھتے ہوں کہ اس کے صدقہ کی نیکی اس کے پاس ہے' جس طرح بظاہر پتھر پر مٹی نظر آتی تھی لیکن جیسے کہ بارش سے وہ مٹی جاتی رہی اسی طرح اس کے احسان جتانے یا تکلیف پہنچانے یا ریاکاری کرنے سے وہ ثواب بھی جاتا رہا اور اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے گا تو کچھ بھی جزا نہ پائے گا اپنے اعمال میں سے کسی چیز پر قدرت نہ رکھے گا اللہ تعالیٰ کافر گروہ کی راہ راست کی طرف رہبری نہیں کرتا۔

رضائے الٰہی کے لیے کئے گئے صدقہ کی ایک خوبصورت مثال: [آیت: ۲٦۵-۲٦٦] یہ مثال مومنوں کے صدقات کی دی جن کی نیتیں اللہ کو خوش کرنے کی ہوتی ہیں اور جزائے خیر ملنے کا بھی پورا یقین ہوتا ہے جیسے حدیث میں ہے جس شخص نے رمضان کے روزے ایمانداری کے ساتھ ثواب ملنے کے یقین پر رکھے۔ ❶ ربوہ کہتے ہیں اونچی زمین کو جہاں نہریں چلتی ہوں اس لفظ کو ﴿بِرُبْوَةٍ﴾ اور =

❶ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب صوم رمضان ایمانا واحتسابا...... ، ۳۸؛ صحیح مسلم، ۷٦۰۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾ۙ يُّؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

ترجمہ: ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی اور زمین میں سے تمہارے لئے ہماری نکالی ہوئی چیزوں کو خرچ کرو‘ان میں سے بری چیزوں کے خرچ کرنے کا قصد نہ کرنا جسے تم خود لینے والے نہیں ہو ہاں اگر آنکھیں بند کرلو تو‘ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور خوبیوں والا ہے۔[۲۶۷] شیطان تم کو فقیری سے دھمکاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ وسعت والا اور علم والا ہے[۲۶۸] وہ جسے چاہے حکمت اور دانائی دیتا ہے اور جو حکمت اور سمجھ دیا جائے وہ بہت ساری بھلائی دیا گیا‘ نصیحت صرف عقلمند ہی حاصل کرتے ہیں۔[۲۶۹]

=﴿رُبُوَۃ﴾ بھی پڑھا گیا ہے۔ وابل کے معنی سخت بارش کے ہیں۔ وہ دگنا پھل لاتی ہے یعنی بہ نسبت دوسرے باغوں کی زمین کے۔ یہ باغ ایسا ہے اور ایسی جگہ واقع ہے کہ بالفرض بارش نہ بھی ہوتا ہم صرف شبنم سے ہی پھلتا پھولتا ہے یہ ناممکن ہے کہ موسم خالی جائے۔ اسی طرح ایمانداروں کے اعمال کبھی بے اجر نہیں رہتے وہ ضرور بدلہ دلواتے ہیں ہاں اس جزا میں فرق ہوتا ہے جو ہر ایماندار کے خلوص اور اخلاص اور نیک کام کی اہمیت کے اعتبار سے بڑھتا ہے اللہ تعالیٰ پر اپنے بندوں میں سے کسی بندہ کا کوئی عمل مخفی اور پوشیدہ نہیں۔

نیکیوں کو برائیوں سے ضائع کرنے کی مثال: صحیح بخاری میں ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دن صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا جانتے ہو کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے آپ نے ناراض ہو کر فرمایا تم جانتے ہو یا نہیں اس کا صاف جواب دو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا امیر المؤمنین! میرے دل میں ایک بات ہے آپ نے فرمایا بھتیجے کہو اور اپنے نفس کو اتنا حقیر نہ کرو۔ فرمایا ایک عمل کی مثال دی گئی ہے۔ پوچھا کونسا عمل؟ کہا ایک مالدار شخص جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے کام کرتا ہے پھر شیطان اسے بہکاتا ہے اور وہ گناہوں میں مشغول ہو جاتا ہے اور اپنے نیک اعمال کو کھو دیتا ہے۔ ❶ پس یہ روایت اس آیت کی پوری تفسیر ہے اس میں بیان ہو رہا ہے کہ ایک شخص نے ابتداءً اچھے عمل کئے‘ پھر اس کے بعد اس کی حالت بدل گئی اور برائیوں میں پھنس گیا اور پہلے کی نیکیوں کا ذخیرہ برباد کر دیا اور آخری وقت جبکہ نیکیوں کی بہت زیادہ ضرورت تھی یہ خالی ہاتھ رہ گیا جس طرح ایک شخص ہے جس نے ایک باغ لگایا‘ پھل اتار تا رہا لیکن جب کہ بڑھاپے کے زمانہ کو پہنچا چھوٹے بچے بھی ہیں‘ آپ کسی کام کاج کے قابل بھی نہیں رہا اب مدار زندگی صرف وہ ایک باغ ہے کہ اتفاقاً (اس کے بیٹوں کی نافرمانی کی وجہ سے) آندھی چلی اس میں آگ بھی تھی اور وہ ہرا بھرا لہراتا باغ دم بھر میں لاکھ کا خاک ہو گیا۔ اسی طرح یہ شخص ہے کہ پہلے تو نیکیاں=

❶ صحيح بخاري، كتاب التفسير، سورة البقرة، باب قوله ﴿ايود أحدكم......﴾، ٤٥٣٨۔

= کرلیں لیکن پھر برائیوں پر اتر آیا اور خاتمہ اچھا نہ ہوا تو جب ان نیکیوں کے بدلے کا وقت آیا تو خالی ہاتھ رہ گیا۔ کافر شخص بھی جب اللہ کے پاس جاتا ہے تو وہاں تو کچھ کرنے کی طاقت نہیں جس طرح اس بڈھے کو اور جو کیا ہے وہ کفر کی آگ والی آندھی نے برباد کر دیا اب پیچھے سے بھی کوئی اسے فائدہ نہیں پہنچا سکتا جس طرح اس بڈھے کی کم سن اولاد اسے کوئی کام نہیں دے سکتی۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول کی ایک دعا یہ بھی تھی۔ (اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّيْ وَانْقِضَاءِ عُمُرِيْ) ❶ اے اللہ! اپنی روزی کو سب سے زیادہ مجھے اس وقت عنایت فرما جب میری عمر بڑی ہو جائے اور ختم ہونے کو آئے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے سامنے یہ مثالیں بیان فرما دیں تم بھی غور و فکر تدبر و تفکر کرو سوچو سمجھو اور عبرت و نصیحت حاصل کرو جیسے فرمایا ﴿وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ۝﴾ ❷ ان مثالوں کو ہم نے لوگوں کے لئے بیان فرمایا انہیں علما ہی خوب سمجھ سکتے ہیں۔

پاکیزہ اور بہترین چیز صدقہ کرو: [آیت: ۲۶۷۔۲۶۹] اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیتا ہے کہ مال تجارت جو اللہ نے تم کو دیا ہے سونا چاندی اور پھل اناج وغیرہ جو اس نے تم کو زمین سے نکال کر دیئے ہیں اس میں سے بہترین مرغوب طبع اور پسند خاطر عمدہ عمدہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں دو۔ ردی واہیات سڑی گلی گری پڑی بے کار فضول اور خراب چیز راہ اللہ نہ دو۔ اللہ خود طیب ہے وہ خبیث کو قبول نہیں کرتا۔ تم اس کے نام پر یعنی گویا اسے وہ خراب چیز دینا چاہتے ہو جو اگر تم کو دی جاتی تو نہ قبول کرتے پھر اللہ کیسے لے لے گا؟ ہاں مال جاتا دیکھ کر اپنے حق کے بدلے کوئی گری پڑی چیز بھی مجبور ہو کر لے لو تو اور بات ہے' لیکن اللہ تعالیٰ ایسا مجبور بھی نہیں وہ کسی حالت میں ایسی چیز کو قبول نہیں فرماتا۔ یہ بھی مطلب ہے کہ حلال چیز کو چھوڑ کر حرام چیز یا حرام مال سے خیرات نہ کرو۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہاری روزیاں تم میں تقسیم کی ہیں تمہارے اخلاق بھی تم میں بانٹ دیئے ہیں۔ دنیا تو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو بھی دیتا ہے اور دشمنوں کو بھی' ہاں دین صرف دوستوں ہی کو عطا فرماتا ہے اور جسے دین مل جائے وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے۔ اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کوئی بندہ مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا دل اور اس کی زبان مسلمان نہ ہو جائے کوئی بندہ مؤمن نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے پڑوسی اس کی ایذاؤں سے بے خوف نہ ہو جائیں' لوگوں کے سوال پر آپ ﷺ نے فرمایا" ایذا سے مراد دھوکہ بازی اور ظلم و ستم ہے جو شخص حرام طریقہ سے مال حاصل کرے اس میں اللہ تعالیٰ برکت نہیں دیتا نہ اس کے صدقے خیرات کو قبول فرماتا ہے اور جو چھوڑ کر جاتا ہے وہ سب اس کے لئے آگ میں جانے کا توشہ اور سبب بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو اچھائی سے دفع کرتا ہے۔ خباثت سے خباثت نہیں مٹتی۔ ❸

پس دو قول ہوئے ایک تو ردی چیزیں دوسرے حرام مال آیت میں پہلا قول مراد لینا ہی زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ کھجوروں کے موسم میں انصار اپنی اپنی وسعت کے مطابق کھجوروں کے خوشے لا کر دو ستونوں کے درمیان ایک رسی لٹک رہی تھی اس میں لٹکا دیتے جسے اصحاب صفہ اور مسکین مہاجر بھوک کے وقت کھا لیتے۔ کسی نے جسے صدقہ کی رغبت کم تھی اس میں ردی کھجوروں کا ایک خوشہ لٹکا دیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر تم کو ایسی ہی چیز ہدیہ میں دی جائے تو ہرگز نہ لو گے ہاں اگر شرم و لحاظ سے بادل ناخواستہ لے لو تو اور بات ہے' اس کے نازل ہونے کے بعد ہم میں سے ہر شخص بہتر سے بہتر

---

❶ حاکم، ۱/ ۵٤۲۔ وسندہ ضعیف جداً۔

❷ ۲۹/ العنکبوت:٤۳۔ ❸ احمد، ۱/ ۳۸۷، وسندہ ضعیف۔

چیز لاتا تھا (ابن جریر) ❶ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ہلکی قسم کی کھجوریں اور واہی پھل لوگ خیرات میں نکالتے جس پر یہ آیت اتری اور حضور ﷺ نے ان چیزوں سے صدقہ دینا منع فرمایا۔ ❷ حضرت عبداللہ بن مغفل فرماتے ہیں مومن کی کمائی کبھی خبیث نہیں ہوتی۔ مراد یہ ہے کہ بے کار چیز صدقے میں نہ دو۔ مسند میں حدیث ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے گوہ کا گوشت لایا گیا۔ آپ نے نہ کھایا نہ کسی کو کھانے سے منع فرمایا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کسی مسکین کو دے دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''جو تم کو پسند نہیں اور جسے تم کھانا گوارا نہیں کرتیں اسے کسی اور کو کیا دو گی؟'' ❸ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تمہارا حق کسی پر ہو اور وہ تم کو وہ چیز دے جو بے قدر و قیمت ہو تو تم اسے نہ لو گے۔ مگر اس وقت جب تم کو اپنے حق کی بربادی دکھائی دیتی ہو تو خیر تم چشم پوشی کر کے اسی کو لے لو گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تم نے کسی کو اچھا مال دیا اور ادائیگی کے وقت وہ ناقص مال لے کر آیا تو تم ہرگز نہ لو گے اور اگر لو گے بھی تو اس کی قیمت گھٹا کر' تو تم جس چیز کو اپنے حق میں لینا پسند نہیں کرتے اسے اللہ تعالیٰ کے حق کے عوض کیوں دیتے ہو؟ پس بہترین اور مرغوب مال اس کی راہ میں خرچ کرو اور یہی معنی ہیں آیت ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ﴾ ❹ کے بھی۔

بوقت صدقہ شیطان کا وسوسہ ڈالنا: پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا اور عمدہ چیز دینے کا۔ کہیں اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ وہ محتاج ہے۔ نہیں نہیں وہ تو محض بے نیاز ہے اور تم سب اس کے محتاج ہو' یہ حکم صرف اس لئے ہے کہ غربا بھی دنیا کی نعمتوں سے محروم نہ رہیں جیسے اور جگہ قربانی کے حکم کے بعد فرمایا ﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ﴾ ❺ اللہ تعالیٰ نہ اس کا خون لیتا ہے نہ گوشت وہ تو تمہارے تقویٰ کی آزمائش کرتا ہے وہ کشادہ فضل والا ہے اس کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں۔ صدقہ اپنے چہیتے حلال مال سے نکال کر اللہ تعالیٰ کے فضل اس کی بخشش اس کے کرم اور اس کی سخاوت پر نظریں رکھو وہ اس کا بدلہ اس سے بہت بڑھ چڑھ کر تم کو عطا فرمائے گا وہ مفلس نہیں وہ ظالم نہیں وہ حمید ہے تمام اقوال افعال تقدیر شریعت سب میں اس کی تعریفیں ہی کی جاتی ہیں اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں وہی تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اس کے سوا کوئی کسی کی پرورش نہیں کرتا۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ حدیث میں ہے کہ ایک چوکا شیطان مارتا ہے اور ایک توفیق کی رہبری فرشتہ کرتا ہے شیطان تو شرارت پر آمادہ کرتا ہے اور حق کے جھٹلانے پر اور فرشتہ نیکی پر اور حق کی تصدیق پر' جس کے دل میں یہ خیال آئے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرے اور جان لے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جس کے دل میں وہ وسوسہ پیدا ہو وہ اَعُوْذُ پڑھے پھر حضور ﷺ نے آیت ﴿اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ﴾ تلاوت فرمائی (ترمذی)۔ ❻

یہ حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی مروی ہے مطلب آیت کریمہ کا یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے شیطان روکتا ہے اور دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ اس طرح فقیر ہو جائیں گے اس نیک کام سے روک کر پھر بے حیائیوں اور بدکاریوں کی رغبت دلاتا ہے۔ گناہوں پر' نافرمانیوں پر' حرام کاریوں پر اور مخالفت حق پر اکساتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم کو اس کے برخلاف حکم دیتا ہے کہ خرچ فی =

❶ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة البقرة، ۲۹۸۷؛ ابن ماجة، ۱۸۲۲، وسنده حسن۔

❷ ابوداود، کتاب الزکاة، باب ما لا یجوز من التمرة فی الصدقة، ۱۶۰۷ مختصراً وسنده ضعیف؛ نسائی، ۲۴۹٤، وسنده حسن وهو یغنی عنه۔ ❸ أحمد، ٦/ ۱۰۵ وسنده ضعیف حماد بن ابی سلیمان وابراهیم النخعی عنعنا۔

❹ ۳/ آل عمران: ۹۲۔ ❺ ۲۲/ الحج: ۳۷۔

❻ ترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورة البقرة، ۲۹۸۸، وسنده ضعیف عطاء بن السائب مختلط راوی هے۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾

ترجمہ: تم جتنا کچھ خرچ کرو یعنی خیرات اور جو کچھ نذر مانو اللہ تعالیٰ اسے بخوبی جانتا ہے۔ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔[۲۷۰] اگر تم صدقے خیرات کو ظاہر کرو تو وہ بھی اچھا ہے اور اگر تم اسے پوشیدہ پوشیدہ مسکینوں کو دے دو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے' اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کا بھی کفارہ کر دے گا اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کی خبر رکھنے والا ہے۔[۲۷۱]

= سبیل اللہ سے ہاتھ نہ روکو اور شیطان کی دھمکی کے خلاف وہ فرماتا ہے کہ اس صدقہ کے باعث میں تمہاری خطاؤں کو بھی معاف کر دوں گا اور جو تم کو فقیری سے ڈراتا ہے میں اس کے مقابلہ میں تم کو اپنے فضل کا یقین دلاتا ہوں۔ مجھ سے بڑھ کر رحم و کرم فضل و لطف کس کا زیادہ وسیع ہوگا اور انجام کار کا علم بھی مجھ سے زیادہ اچھا کسے حاصل ہو سکتا ہے۔

حکمت کا مفہوم: حکمت سے مراد یہاں پر قرآن کریم اور حدیث مبارکہ کی پوری مہارت ہے جس سے ناسخ و منسوخ محکم و متشابہ مقدم' موخر حلال' حرام کی اور مثالوں کی معرفت حاصل ہو جائے۔ ❶ پڑھنے کو تو اسے ہر برا بھلا پڑھتا ہے لیکن اس کی تفسیر اور اس کی سمجھ وہ حکمت ہے جسے اللہ چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے ❷ وہ اصل مطلب کو پالے اور بات کی تہہ کو پہنچ جائے اور زبان سے اس کا صحیح مطلب ادا ہو سچا علم صحیح سمجھ اسے عطا ہو اللہ تعالیٰ کا ڈر اس کے دل میں ہو۔ چنانچہ ایک مرفوع حدیث بھی ہے کہ حکمت کا راز اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے ❸ ایسے لوگ بھی ہیں جو دنیا کے علم کے بڑے ماہر ہیں ہر امر دنیوی کو عقلمندی سے سمجھ لیتے ہیں لیکن دین میں بالکل اندھے ہیں اور ایسے لوگ بھی ہیں کہ دنیوی علم میں کمزور ہیں لیکن علوم شرعی میں بڑے ماہر ہیں پس یہ ہے وہ حکمت جو اللہ نے اسے دی اور اسے اس سے محروم رکھا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہاں حکمت سے مراد نبوت ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے وہ حکمت کا لفظ ان تمام چیزوں کو شامل ہے اور نبوت بھی اس کا اعلیٰ اور بہترین حصہ ہے اور اس سے بالکل خاص چیز ہے جو انبیا علیہم السلام کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں ان کے تابع فرمان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے محرومی نہیں۔ سچی اور اچھی سمجھ کی دولت سے یہ بھی مالا مال ہوتے ہیں۔ بعض احادیث میں ہے کہ جس نے قرآن کریم کو حفظ کر لیا اس کے دونوں بازوؤں کے درمیان نبوت چڑھ گئی گو وہ صاحب وحی نہیں ❹ لیکن دوسرے طریق سے کہ وہ ضعیف ہے منقول ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا اپنا قول ہے۔ مسند کی حدیث میں ہے کہ قابل رشک صرف دو شخص ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اپنی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق بھی دی اور جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت دی اور ساتھ ہی اسی کے ساتھ فیصلے کرنے اور اس کی تعلیم دینے کی توفیق بھی عطا فرمائی۔ ❺ وعظ و نصیحت اسی کو نفع پہنچاتی ہے جو عقل سے کام لے' سمجھ رکھتا ہو'

❶ الطبری، ۵/ ۵۷۶۔ ❷ اس کی سند میں جو یبر متروک راوی ہے۔(المیزان ۱/ ۴۲۷، رقم: ۱۵۹۳) جبکہ ضحاک بن مزاحم کا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے لقاء ثابت نہیں۔ ❸ ابن مردویه وسنده ضعیف۔

❹ الحاکم، ۱/ ۵۵۲ وسنده حسن وله شاهد موقوف حسن عند ابی عبید فی فضائل القرآن، ص: ۵۳۔

❺ احمد، ۱/ ۴۳۲؛ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب الاغتباط فی العلم والحکمة، ۷۳؛ صحیح مسلم، ۸۱۶۔

بات کو یاد رکھے اور مطلب پر نظریں رکھے۔

صدقہ اور نذر کا بیان: [آیت:۲۷۰۔۲۷۱] اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ ہر ایک خرچ اور نذر کو اور ہر بھلے عمل کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے وہ اپنے نیک بندوں کو جو اس کا حکم بجالاتے ہیں اس سے ثواب کی امید رکھتے ہیں اس کے وعدوں کو سچا جانتے ہیں اس کے فرمان پر ایمان رکھتے ہیں بہترین بدلہ عطا فرمائے گا اور ان کے خلاف جو لوگ اس کی حکم برداری سے جی چراتے ہیں گناہ کے کام کرتے ہیں اس کی خبروں کو جھٹلاتے ہیں اس کے ساتھ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں' یہ ظالم ہیں قیامت کے دن قسم قسم کے سخت بدترین اور المناک عذاب انہیں ہوں گے اور کوئی نہ ہوگا جو انہیں چھڑائے یا ان کی مدد کو اٹھے۔

پھر فرمایا کہ ظاہر کر کے صدقہ دینا بھی اچھا ہے اور چھپا کر فقرا مساکین کو دینا بہت ہی بہتر ہے اس لئے کہ یہ ریاکاری سے کوسوں دور ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ ظاہر کرنے میں کوئی دینی مصلحت یا دینی فائدہ ہو مثلاً اس لئے کہ اور لوگ بھی دیں وغیرہ۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ صدقہ کا ظاہر کرنے والا مثل بلند آواز سے قرآن پڑھنے والے کے ہے اور اسے چھپانے والا آہستہ پڑھنے والے کی طرح ہے۔ ❶

پس اس آیت سے صدقہ جو پوشیدہ دیا جائے اس کی فضیلت ثابت ہوتی ہے بخاری و مسلم میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" سات شخصوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا' عادل بادشاہ' وہ نوجوان جو اپنی جوانی اللہ کی عبادت اور شریعت کی فرمانبرداری میں گزارے' وہ دو شخص جو اللہ تعالیٰ کے لئے آپس میں محبت رکھیں اسی پر جمع ہوں اور اسی پر جدا ہوں' وہ شخص جس کا دل مسجد میں لگا رہے نکلنے کے وقت سے جانے کے وقت تک' وہ شخص جو خلوت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کر کے رو دے' وہ شخص جسے کوئی منصب و جمال والی عورت بدکاری کی طرف بلائے مگر وہ کہہ دے کہ میں تو اللہ تعالیٰ رب العالمین سے ڈرتا ہوں اور وہ شخص جو اپنا صدقہ اس قدر چھپا کر دے کہ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر تک نہ ہو۔" ❷

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو ہلنے لگی اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پیدا کر کے انہیں گاڑ دیا جس سے زمین کا ہلنا موقوف ہو گیا۔ فرشتوں کو پہاڑوں کی ایسی سنگین پیدائش پر تعجب ہوا انہوں نے دریافت کیا کہ باری تعالیٰ کیا تیری مخلوق میں پہاڑ سے زیادہ سخت بھی کوئی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں لوہا پھر اس سے سخت آگ اور اس سے سخت پانی اور اس سے سخت ہوا دریافت کیا اس سے بھی زیادہ سخت؟ فرمایا ابن آدم جو اس طرح صدقہ کرتا ہے کہ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر نہیں ہوتی۔ ❸ آیت الکرسی کی تفسیر میں وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں ہے کہ افضل صدقہ وہ ہے جو پوشیدگی سے کسی حاجت مند کو دے دیا جائے باوجود نال کی قلت کے پھر بھی راہ اللہ میں خرچ کیا جائے پھر اسی آیت کی تلاوت کی (ابن ابی حاتم)۔ ❹

---

❶ ابوداود، كتاب الصلاة، باب رفع الصوت بالقراءة صلاة الليل، ۱۳۳۳؛ وهو حسن، ترمذی، ۲۹۱۹؛ نسائی، ۲۵۶۲۔

❷ صحیح بخاری، كتاب الأذان، باب من جلس في المسجد ينتظر الصلاة، ٦٦٠؛ صحیح مسلم، ۱۰۳۱۔

❸ احمد، ۳/ ۱۲٤؛ ترمذی، كتاب تفسير القرآن، باب حكمة خلق الجبال في الأرض......، ۳۳٦۹، وسنده حسن۔

❹ أحمد، ٥/ ۱۷۸، مختصراً، وسنده ضعيف جداً۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ؗ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

ع ۳۸

ترجمہ: انہیں ہدایت پر لا کھڑا کرنا تیرے ذمہ نہیں بلکہ ہدایت اللہ دیتا ہے جسے چاہے، تم جو بھلی چیز راہ اللہ دو گے اس کا فائدہ خود پاؤ گے تم کو صرف اللہ کی رضا مندی کی طلب کے لئے ہی خرچ کرنا چاہیئے، تم جو کچھ مال خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تم کو دیا جائے گا۔[۲۷۲] اور تمہارا حق نہ مارا جائے گا، صدقات کے مستحق صرف وہ غرباء ہیں جو اللہ کی راہ میں روک دیئے گئے جو ملک میں چل پھر نہیں سکتے نادان لوگ ان کی بے سوالی کی وجہ سے انہیں مال دار خیال کرتے ہیں، تو ان کے چہرے دیکھ کر قیافے سے انہیں پہچان لے گا، وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے تم جو کچھ مال خرچ کرو تو اللہ تعالیٰ اس کا جاننے والا ہے۔[۲۷۳] جو لوگ اپنے مالوں کو رات دن چھپے کھلے خرچ کرتے رہتے ہیں ان کے لئے انکے رب کے پاس اجر ہے اور نہ انہیں خوف ہے اور نہ غم۔[۲۷۴]

ایک اور حدیث میں ہے کہ پوشیدگی کا صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو بجھا دیتا ہے۔ ❶ حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے بارے میں اتری ہے حضرت عمر تو اپنا آدھوں آدھ مال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے جو کچھ تھا لا کر رکھ دیا۔ آپ نے پوچھا اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ فاروق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اتنا ہی۔ صدیق کو ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے اور چپکے سے سب کا سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر چکے تھے لیکن جب ان سے بھی پوچھا گیا تو کہنا پڑا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ کافی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر رو دیے اور فرمانے لگے اللہ کی قسم جس کسی نیکی کے کام کی طرف ہم لپکے ہیں اس میں اے صدیق! آپ کو آگے ہی آگے پاتے ہیں ❷ آیت کے الفاظ عام ہیں صدقہ خواہ فرضی ہو خواہ نفلی زکوٰۃ ہو یا خیرات اس کی پوشیدگی اظہار سے افضل ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نفلی صدقہ پوشیدہ دینا ستر گنا فضیلت رکھتا ہے لیکن فرض زکوٰۃ کو اعلانیہ ادا کرنا پچیس گنا فضیلت رکھتا ہے۔

❶ ترمذی، کتاب الزکاۃ، باب ما جاء فی فضل الصدقة، ٦٦٤ ـ وسنده ضعیف عبدالله بن عیسی الخزاز ضعیف راوی ہے۔

❷ ترمذی، کتاب المناقب، ٣٦٧٥، وسنده حسن۔

پھر فرمایا صدقے کے بدلے اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں اور برائیوں کو دور کر دے گا بالخصوص اس وقت جب کہ وہ چھپا کر دیا جائے، تم کو بہت سی بھلائی ملے گی درجات بڑھیں گے گناہوں کا کفارہ ہوگا ﴿يُكَفِّرُ﴾ کو ﴿يُكَفِّرْ﴾ بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں یہ جواب شرط کے محل پر عطف ہوگا جو ﴿فَنِعِمَّا هِيَ﴾ ہے جیسے ﴿فَأَصَّدَّقَ وَأَكُونَ﴾ میں ﴿وَأَكُنْ﴾ اللہ تعالیٰ پر تمہاری کوئی نیکی بدی سخاوت بخیلی پوشیدگی اور اظہار نیک نیتی اور دنیا طلبی پوشیدہ نہیں وہ پورا پورا بدلہ دے گا۔

غیر مسلم رشتہ داروں سے بھی صلہ رحمی: [آیت:۲۷۲-۲۷۴] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مسلمان صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے مشرک رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ناپسند کرتے تھے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا اور یہ آیت اتری اور انہیں رخصت دی، ❶ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ صدقہ صرف مسلمانوں کو دیا جائے جب یہ آیت اتری تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر سائل کو دو، گو وہ کسی مذہب کا ہو (ابن ابی حاتم) ❷ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا والی روایت آیت ﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ﴾ ❸ کی تفسیر میں آئیگی ان شاءاللہ۔ یہاں فرمایا تم جو نیکی کرو گے اپنے لئے ہی کرو گے جیسے اور جگہ ہے ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ﴾ ❹ اور اس جیسی اور آیات بھی بہت ہیں۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایماندار کا ہر خرچ اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہوتا ہے گو وہ خود کھائے پیئے۔ خراسانی اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جب تم نے مرضی مولا اور رضائے رب کیلئے دیا تو لینے والا خواہ کوئی ہو اور کیسے ہی اعمال کا کرنے والا ہو۔ یہ مطلب بھی بہت اچھا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ نیک نیتی سے دینے والے کا اجر تو اللہ کے ذمہ ثابت ہو گیا اب خواہ وہ مال کسی نیک کے ہاتھ لگے یا بد کے، مستحق کے یا غیر مستحق کے، اسے اپنے قصد اور اپنی نیک نیتی کا ثواب مل گیا جب کہ اس نے دیکھ بھال کر لی پھر غلطی ہوئی تو ثواب ضائع نہیں جاتا اسی لئے آیت کے آخر میں بدلہ ملنے کی بشارت دی گئی۔

اور بخاری و مسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے قصد کیا کہ آج رات میں صدقہ دوں گا، لے کر نکلا اور چپکے سے ایک عورت کو دے کر چلا آیا۔ صبح لوگوں میں یہ باتیں ہونے لگیں کہ آج رات کو کوئی شخص ایک بدکار عورت کو کوئی خیرات دے گیا اس نے بھی سنا اور اللہ کا شکر ادا کیا پھر اپنے جی میں کہا کہ آج رات پھر صدقہ دوں گا لے کر چلا اور ایک شخص کی مٹھی میں رکھ کر چلا آیا۔ صبح سنتا ہے کہ لوگوں میں چرچا ہو رہا ہے کہ آج رات ایک مالدار کو کوئی صدقہ دے گیا اس نے پھر اللہ کی حمد کی اور ارادہ کیا کہ آج رات کو تیسرا صدقہ دوں گا دے آیا دن کو پھر معلوم ہوا کہ وہ چور تھا تو کہنے لگا اے اللہ تیری تعریف ہے زانیہ عورت کے دیئے جانے پر بھی مالدار شخص کو دیئے جانے پر بھی اور چور کے دیئے جانے پر بھی، خواب میں دیکھتا ہے کہ فرشتہ آیا اور کہہ رہا ہے کہ تیرے تینوں صدقے قبول ہو گئے شائد بدکار عورت مال پا کر اپنی حرام کاری سے رک جائے اور شاید مال دار کو عبرت حاصل ہو اور وہ بھی صدقے کی عادت ڈال لے اور شاید چور مال پا کر چوری سے باز رہے۔ ❺

سفید پوش ضرورت مند صدقہ کا زیادہ مستحق ہے: پھر فرمایا صدقہ ان مہاجرین کا حق ہے جو دنیوی تعلقات کاٹ کر ہجرتیں کر کے وطن چھوڑ کر کنبے قبیلے سے منہ موڑ کر اللہ کی رضامندی کیلئے پیغمبر کی خدمت میں آ گئے ہیں جن کی معاش کا کوئی ایسا ذریعہ نہیں جو انہیں

---

❶ النسائی فی التفسیر: ۷۲ وسندہ ضعیف الثوری والأعمش مدلسان وعنعنا۔

❷ ابن أبی حاتم، وسندہ حسن۔

❸ ۶۰/ الممتحنة:۷۔ ❹ ۴۵/ الجاثیة:۱۵۔

❺ صحیح بخاری، کتاب الزکاة، باب إذا تصدق علی غنی وھو لا یعلم، ۱۴۲۱؛ صحیح مسلم، ۱۰۲۲۔

کافی ہو اور وہ نہ سفر کر سکتے ہیں کہ چل پھر کر اپنی روزی حاصل کریں۔ ضَرْبٌ فِي الْأَرْضِ کے معنی مسافرت کے ہیں جیسے ﴿اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ ❶ اور ﴿يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ ❷ میں۔ ان کے حال سے جو لوگ ناواقف ہیں وہ ان کے لباس اور ظاہری حال اور گفتگو سے انہیں مالدار سمجھتے ہیں۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ مسکین وہی نہیں جو دربدر جاتے ہیں کہیں سے دو ایک کھجوریں مل گئیں، کہیں سے دو ایک لقمہ مل گئے کہیں سے دو ایک وقت کا کھانا مل گیا بلکہ وہ بھی مسکین ہے جس کے پاس اتنا نہیں جس سے وہ بے پرواہ ہو جائے اور اس نے اپنی حالت بھی ایسی نہیں بنائی جس سے ہر شخص اس کی ضرورت کا احساس کرے اور کچھ احسان کرے اور نہ وہ سوال کے عادی ہیں ❸ تو انہیں ان کی اس حالت سے جان لے گا جو صاحب بصیرت پر مخفی نہیں رہتی جیسے اور جگہ ہے۔ ﴿سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ﴾ ❹ ان کی نشانیاں ان کے چہروں پر ہیں اور فرمایا ﴿وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ﴾ ❺ ان کے لب ولہجہ سے تم انہیں پہچان لو گے۔ سنن کی ایک حدیث میں ہے کہ مؤمن کی دانائی سے بچو وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ ❻ سنو قرآن کا فرمان ہے۔ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ﴾ ❼ بالیقین اس میں اہل بصیرت کے لئے نشانیاں ہیں یہ لوگ کسی پر بوجھل نہیں ہیں کسی سے ڈھٹائی کے ساتھ سوال نہیں کرتے نہ اپنے پاس ہوتے ہوئے کسی سے کچھ طلب کرتے ہیں جس کے پاس ضرورت کے مطابق ہو اور پھر بھی وہ سوال کرے وہ چپک کر مانگنے والا کہلاتا ہے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ”ایک دو کھجوریں اور ایک دو لقمے لے کر چلے جانے والے ہی مسکین نہیں بلکہ حقیقتاً مسکین وہ ہیں جو باوجود حاجت کے خودداری برتیں اور سوال سے بچیں۔ دیکھو قرآن کہتا ہے ﴿لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا﴾“ ❽ یہ حدیث بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں سے مروی ہے۔ ❾ قبیلہ مزنیہ کے ایک شخص کو ان کی والدہ فرماتی ہیں کہ تم بھی جا کر رسول اللہ ﷺ سے کچھ مانگ لاؤ جس طرح اور لوگ جا کر لے آتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں جب گیا تو حضور ﷺ کھڑے ہوئے خطبہ فرما رہے تھے کہ ”جو شخص سوال سے بچے گا اللہ بھی اسے سوال سے بچالے گا جو شخص بے پرواہی برتے گا اللہ تعالیٰ اسے فی الواقع بے نیاز کر دیگا جو شخص پانچ اوقیہ کے برابر مال رکھتے ہوئے بھی سوال کرے گا وہ چمٹنے والا سوالی ہے“ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ ہمارے پاس تو ایک اونٹنی ہے جو پانچ اوقیہ سے بہت بہتر ہے ایک اونٹنی غلام کے پاس ہے وہ بھی پانچ اوقیہ سے زیادہ قیمت کی ہے پس میں تو یونہی سوال کئے بغیر ہی واپس چلا آیا ❿ اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کا ہے اس میں ہے کہ آپ نے مجھ سے فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ جو لوگوں سے کنارہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے آپ کفایت کرے گا اور جو ایک اوقیہ رکھتے ہوئے سوال کرے گا وہ چمٹ کر سوال کرنے والا ہے ان کی اونٹنی کا نام یاقوتہ تھا۔ ⓫ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے چالیس درہم کے تقریباً نوے روپے =

❶ ٥/ المآئدة:١٠٦۔ ❷ ٧٣/ المزمل:٢٠۔ ❸ صحيح بخاری، كتاب الزكاة، باب قول الله تعالىٰ ﴿لا يسئلون الناس الحافا......﴾، ١٤٧٦؛ صحيح مسلم، ١٠٣٩۔ ❹ ٤٨/ الفتح:٢٩۔ ❺ ٤٧/ محمد:٣٠۔

❻ ترمذی، کتاب تفسير القرآن، باب ومن سورة الحجر، ٣١٢٧ وهو ضعيف عطیہ عوفی راوی ضعیف ہے۔

❼ ١٥/ الحجر:٧٥۔ ❽ ٢/ البقرة:٢٧٣۔

❾ صحيح بخاری، كتاب الزكاة، باب قول الله تعالىٰ ﴿لا يسئلون الناس الحافًا......﴾، ١٤٧٦؛ صحيح مسلم، ١٠٣٩۔

❿ احمد، ٤/ ١٣٨، وسنده حسن۔ ⓫ ابوداود، كتاب الزكاة، باب ومن يعطى من صدقة......، ١٦٢٨ وسنده حسن؛ نسائی، كتاب الزكاة، باب ومن الملحف، ٢٥٩٦، وسنده حسن۔

الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

ترجمہ: سود خوار لوگ نہ کھڑے ہوں گے مگر اسی طرح جس طرح وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان چھو کر خبطی بنا دے یہ اس لئے کہ یہ کہا کرتے تھے کہ بیوپار بھی تو سود ہی کی طرح ہے اور اللہ نے بیوپار حلال کیا اور سود حرام جو شخص اپنے پاس آئی ہوئی اللہ کی نصیحت سن کے رک گیا اس کے لئے وہ ہے جو گزرا اور اس کا کام اللہ کی طرف ہے اور جس نے پھر بھی کیا وہ جہنمی ہے ایسے لوگ ہمیشہ ہی اس میں رہیں گے۔[۲۷۵]

= ہوتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس کے پاس بے پرواہی کے لائق ہو پھر بھی وہ سوال کرے قیامت کے دن اس کے چہرہ پر اس کا سوال زخم ہو گا اس کا منہ نچا ہوا ہو گا۔ لوگوں نے کہا حضرت! کتنا پاس ہو تو؟ فرمایا پچاس درہم یا اس کی قیمت کا سونا۔ ❶ یہ حدیث ضعیف ہے۔ شام میں ایک قریشی تھے جنہیں معلوم ہوا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ضرورت مند ہیں تو تین سو اشرفیاں انہیں بھجوائیں آپ خفا ہو کر فرمانے لگے اس اللہ کے بندے کو کوئی مسکین ہی نہیں ملا جو میرے پاس یہ بھیجیں میں نے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ چالیس درہم جس کے پاس ہوں اور پھر سوال کرے تو وہ چمٹ کر سوال کرنے والا ہے اور ابوذر رضی اللہ عنہ کے گھرانے والوں کے پاس تو چالیس درہم بھی ہیں چالیس بکریاں بھی ہیں اور دو غلام بھی ہیں ❷ ایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ ”چالیس درہم ہوتے ہوئے سوال کرنے والا الحاف کرنے والا اور مثل ریت کے ہے ❸ پھر فرمایا تمہارے صدقات کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے اور جب کہ تم پورے محتاج ہو گے اللہ تعالیٰ اس وقت تمہیں اس کا بدلہ دے گا اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔“

دن رات خفیہ اعلانیہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا: پھر ان لوگوں کی تعریفیں ہو رہی ہیں جو ہر وقت اللہ کے فرمان کے مطابق خرچ کرتے رہتے ہیں انہیں اجر ملے گا اور ہر خوف سے امن پائیں گے۔ بال بچوں کے کھلانے پر بھی انہیں ثواب ملے گا۔ جیسے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ فتح مکہ والے سال جب کہ آپ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی عیادت کو گئے تو یہ فرمایا ایک روایت میں ہے کہ حجۃ الوداع والے سال فرمایا ”تو جو کچھ اللہ کی خوشی کیلئے خرچ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے تیرے درجات بڑھائے گا یہاں تک کہ تو جو اپنی بیوی کو کھلائے پلائے اس کے بدلے بھی“ ❹ مسند میں ہے کہ مسلمان طلب ثواب کی نیت سے اپنے بال بچوں پر =

❶ ابوداود، کتاب الزکاۃ، باب من یعطی من الصدقۃ وحد الغنیٰ، ۱۶۲۶؛ وسندہ ضعیف حکیم بن جبیر ضعیف راوی ہے۔ ترمذی، ۶۵۰؛ نسائی، ۲۵۹۳؛ ابن ماجۃ، ۱۸۴۰۔

❷ الطبرانی فی الکبیر، ۱۶۳۰ وسندہ ضعیف لانقطاعہ۔

❸ نسائی، کتاب الزکاۃ، باب من الملحف، ۲۵۹۵۔ وھو حسن جبکہ نسائی میں (الحاف کرنے والا مثل ریت کے ہے) والے الفاظ نہیں ہیں۔

❹ صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب أن یترك ورثته أغنیاء خیر، ۲۷۴۲؛ صحیح مسلم، ۱۶۲۸۔

= بھی جو خرچ کرتا ہے وہ صدقہ ہے ❶ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ''اس آیت کا شان نزول مسلمان مجاہدین کا وہ خرچ ہے جو وہ اپنے گھوڑوں پر کرتے ہیں'' ❷ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے حضرت جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس چار درہم تھے جن میں سے ایک راہ للہ رات کو دیا ایک دن کو ایک پوشیدہ ایک ظاہر تو یہ آیت اتری یہ روایت ضعیف ہے ❸ دوسری سند سے بھی مروی ہے اطاعت اللہ میں جو مال ان لوگوں نے خرچ کیا اس کا بدلہ قیامت کے دن اپنے پروردگار کے پاس لیں گے۔ نڈر اور بے غم یہ لوگ ہیں۔

سودخوروں کا عبرت ناک انجام: [آیت:۲۷۵] چونکہ پہلے ان لوگوں کا بیان ہوا جو نیک کار صدقہ خیرات کرنے والے زکوتیں دینے والے حاجت مندوں اور رشتہ داروں کی خبر گیری کرنے والے ہر حال میں اور ہر وقت دوسروں کے کام آنے والے تھے تو اب ان کا بیان ہو رہا ہے جو دنیا تو ایک طرف اور چھین لینے والے ظلم کرنے والے ناحق اپنے اور پرایوں کا مال ہضم کر جانے والے ہیں تو فرمایا کہ یہ سودخوار لوگ اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو دیوانوں اور پاگلوں خبطیوں اور بے ہوشوں کی طرح اٹھیں گے مجنون اور دیوانے ہوں گے کھڑے ہی نہ ہو سکتے ہوں گے۔ ﴿مِنَ الْمَسِّ﴾ کے بعد ﴿يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ کا لفظ بھی ایک قراءت میں ہے اور ان سے کہا جائے گا کہ لے اب ہتھیار تھام لے اور اپنے رب سے لڑنے کے لئے آمادہ ہو جا۔

شب معراج میں حضور ﷺ نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے پیٹ مثل بڑے بڑے گھڑوں کے تھے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ بتلایا گیا سودخوار بیاج لینے والے ہیں ❹ اور روایت میں ہے کہ ان کے پیٹوں میں سانپ بھرے ہوئے تھے اور ڈستے رہتے تھے جو باہر سے نظر آتے تھے ❺ اور ایک مطول حدیث میں ہے کہ ہم جب ایک سرخ رنگ نہر پر پہنچے جس کا پانی مثل خون کے سرخ تھا تو میں نے دیکھا کہ اس میں کچھ لوگ ہیں وہ بمشکل تمام کنارے پر آتے ہیں لیکن کنارے پر ایک فرشتہ بہت سے پتھر لئے بیٹھا ہے وہ ان کا منہ پھاڑ کر ایک پتھر منہ میں اتار دیتا ہے وہ پھر بھاگتے ہیں پھر یہی ہوتا ہے پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ سودخواروں کا گروہ ہے ❻ یہ وبال ان پر اس باعث ہے کہ یہ کہتے تھے کہ تجارت بھی مثل سودخوری کے ہے یہ اعتراض ان کا شریعت پر اور احکام الٰہی پر تھا اور اس سے وہ سود کو مثل بیع کے حلال جانتے تھے یہ یاد رہے کہ سود کا قیاس بیع پر نہیں اس لئے کہ مشرکین تو سرے سے بیع کی مشروعیت کے بھی قائل نہ تھے اور اس لئے بھی کہ اگر یہ قیاس ہوتا تو یوں کہتے کہ سود مثل بیع کے ہے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ یہ دونوں ایک جیسی چیزیں ہیں پھر کیا وجہ کہ ایک کو حلال کہا جائے اور دوسری کو حرام بتلایا جائے پھر انہیں جواب دیا جاتا ہے کہ یہ حلت وحرمت اللہ کے حکم کی بنا پر ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ جملہ بھی کافروں کا قول ہی ہو تو اس میں لطافت کے ساتھ ایک جواب بھی ہو گیا کہ باوجود اس بات کے علم کے کہ ایک کو اللہ نے حرام ٹھیرایا ہے دوسرے کو حلال بتلایا ہے پھر اعتراض کیسا؟ علیم وحکیم اللہ کے احکام پر تعاقب کرنے والے تم کون؟ اس سے باز پرس کرنے کی کس کی ہستی ہے' تمام کاموں کی اصلیت کا عالم تو وہی ہے وہ خوب جانتا ہے کہ بندوں کو حقیقی نفع کس چیز میں اور

---

❶ احمد، ٤/ ١٢٠؛ صحیح بخاری، کتاب النفقات، باب فضل النفقة علی الأهل، ٥٣٣١؛ صحیح مسلم، ١٠٠٢۔

❷ ابن أبی حاتم وسنده ضعیف جداً۔ ❸ اس کی سند میں ارسال ہے جبکہ اس کی سند میں ابن مجاہد عبدالوہاب راوی ہے جسے امام احمد نے ضعیف کہا ہے۔ امام بخاری اور وکیع کہتے ہیں کہ اس کا اپنے باپ سے سماع ثابت نہیں۔ (المیزان ٢/ ٦٨٢) لہٰذا یہ سند سخت ضعیف مردود ہے۔

❹ البیهقی وسنده ضعیف جداً مردود۔ ❺ ابن ماجة، کتاب التجارات، باب التغلیظ فی الربا، ٢٢٧٣۔ وسنده ضعیف ابو الصلتؒ مجہول اور علی بن زید ضعیف راوی ہے۔

❻ صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب تعبیر الرؤیا بعد صلاة الصبح، ٧٠٤٧۔

فی الواقع نقصان کس چیز میں ہے تو وہ نفع والی چیزیں حلال کرتا ہے اور نقصان رساں چیزیں حرام کرتا ہے۔کوئی ماں اپنے دودھ پیتے بچے پر اتنی مہربان نہ ہوگی جتنا اللہ اپنے بندوں پر ہے وہ روکتا ہے تو مصلحت سے اور حکم دیتا ہے تو مصلحت سے اپنے رب کی نصیحت سن کر جو باز آ جائے اس کے اگلے کئے کرائے تمام گناہ معاف ہیں جیسے فرمایا﴿ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ﴾ ❶ اور جیسے حضور ﷺ نے فتح مکہ ❷ والے دن فرمایا تھا'' جاہلیت کے تمام سود میرے ان دونوں قدموں تلے برباد ہیں سب سے پہلا سود جسے میں ختم کرتا ہوں وہ عباس کا سود ہے'' ❸ پس جاہلیت میں جو سود لے چکے تھے ان کے لوٹانے کا حکم نہیں ہوا ایک روایت میں ہے کہ ام بحنہ جو حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی ام ولد تھیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں اور کہا کہ میں نے ایک غلام حضرت زید کے ہاتھوں آٹھ سو کا اس شرط پر بیچا کہ جب ان کے پاس عطا آئے وہ رقم ادا کر دیں اس کے بعد انہیں نقدی کی ضرورت ہوئی تو وقت سے پہلے ہی وہ اُسے فروخت کرنے کو تیار ہو گئے میں نے چھ سو کا خرید لیا۔حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تو نے بھی اور اس نے بھی بہت برا کیا' بالکل خلاف شرع کیا' جا زید سے کہہ دے کہ اگر وہ توبہ نہ کرے گا تو اس کا جہاد بھی غارت ہو، جو اس نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ کیا ہے میں نے کہا اگر دو سو جو مجھے اس سے لینے ہیں چھوڑ دوں اور صرف چھ سو وصول کر لوں تا کہ مجھے میری پوری رقم آٹھ سو کی مل جائے آپ نے فرمایا پھر کوئی حرج نہیں پھر آپ نے ﴿ فَمَنۡ جَآءَهٗ مَوۡعِظَةٌ ﴾ والی آیت پڑھ سنائی (ابن ابی حاتم) ❹ یہ اثر بھی مشہور ہے اور دلیل ہے ان لوگوں کی جو عینۃ کے مسئلے کو حرام بتلاتے ہیں اس بارے میں اور احادیث بھی ہیں جن کی جگہ کتاب الاحکام ہے وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ ۔

سود کی حرمت اور اسکی مختلف شکلیں: پھر فرمایا کہ اب جب کہ حرمت کا مسئلہ اس کے کانوں میں پڑ چکا پھر بھی سود لے تو وہ سزا کا سزاوار ہے ہمیشہ کے لئے جہنمی ہے جب یہ آیت اتری تو آپ ﷺ نے فرمایا'' جو مخابرہ کو اب بھی نہ چھوڑے وہ اللہ کے رسول سے لڑنے کے لئے تیار ہو جائے'' (ابوداؤد) ❺ مخابرہ اسے کہتے ہیں کہ ایک شخص دوسرے کی زمین میں کھیتی بوئے اور یہ ٹھہرائے کہ اس زمین کے اس ٹکڑے سے جتنا نکلے وہ میرا باقی تیرا' اور مزابنہ اسے کہتے ہیں کہ درخت میں جو کھجوریں ہیں وہ میری اور میں اس کے بدلے اپنے پاس سے تجھے اتنی کھجوریں تیار دیتا ہوں اور محاقلہ کہتے ہیں اسے کہ کھیت میں جو اناج بالوں میں ہے اسے اپنے پاس سے کچھ اناج دے کر خریدنا ان تمام صورتوں کو شریعت نے حرام قرار دیا تا کہ سود کی جڑیں کٹ جائیں' اس لئے کہ ان صورتوں میں صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکتا پس بعض علما نے اس کی کچھ علت نکالی بعض نے کچھ' ایک جماعت نے اپنی علت پر قیاس کر کے ان تمام کاروبار سے روکا جس میں یہ علت پائی جاتی تھی دوسری جماعت نے دوسری علت کی بنا پر۔حقیقت یہ ہے کہ مسئلہ ذرا مشکل ہے یہاں تک کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین مسئلے افسوس کہ پوری طرح میری سمجھ میں نہیں آئے۔دادا کی میراث کا' کلالہ کا اور سود

---

❶ ۵/ المآئدۃ:۹۵۔ ❷ اصل نسخہ میں ایسے ہی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر یہ ارشاد فرمایا تھا جیسا کہ آگے سورۂ بقرۃ آیت ۲۷۸ کے تحت ابن لأ حوص کی روایت میں اس کی صراحت موجود ہے۔ ❸ صحیح مسلم، کتاب الحج باب حجة النبی ﷺ ۱۲۱۸؛ أبوداود، کتاب البیوع، باب فی وضع الربا، ۳۳۳٤، ۱۹۰۵؛ ترمذی، ۳۰۸۷؛ ابن ماجة، ۳۰۵۵؛ ابن حبان، ۹٤٤۔

❹ ابن سعد، ٤٦٨٧؛ دار قطنی، ۳/ ۵۲، ح، ۲۱۱ ۲۰۱۱ اور فرمایا کہ ام محبۃ اور عالیہ مجہول اور نا قابل احتجاج ہیں۔یہ روایت صحیح سند سے بیہقی، ۵/ ۳۳۰۔ میں موجود ہے۔ ❺ ابوداود، کتاب البیوع، باب فی المخابرة، ۳٤۰٦ وسنده ضعیف ابو الزبیر مدلس راوی ہے اور تصریح بالسماع ثابت نہیں۔شیخ البانی رحمہ اللہ نے ابو زبیر مدلس کے عدم سماع کی وجہ سے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔دیکھئے (السلسلة الضعیفة، ۹۹۰)

کی صورتوں کا۔ ❶

جس چیز میں سود یا حرام کا شائبہ ہو اس سے بچنا: یعنی بعض کاروبار کی ان صورتوں کا جن میں سود کا شبہ ہے پھر جو وسائل ان تک لے جانے والے ہیں جب یہ حرام تو وہ بھی حرام ہی ٹھہریں گے جیسے کہ وہ چیز واجب ہو جاتی ہے جس کے بغیر کوئی واجب پورا نہ ہوتا ہو۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ جس طرح حلال ظاہر ہے اسی طرح حرام بھی ظاہر ہے لیکن کچھ کام درمیانی شبہ والے ہیں ان شبہات والے کاموں سے بچنے والے نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچا لیا اور ان مشتبہ چیزوں میں پڑنے والا حرام میں پڑنے والا ہے جس طرح کوئی چرواہا جو کسی کی چراگاہ کے آس پاس اپنے جانور چراتا ہو ممکن ہے کہ کوئی جانور اس چراگاہ میں بھی منہ مار لے ❷ سنن میں حدیث ہے کہ جو چیز تجھے شک میں ڈالے اسے چھوڑ اور اسے لے لو جو شک شبہ سے پاک ہو۔ ❸ اور دوسری حدیث میں ہے گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے طبیعت میں تردد ہو اور اس پر لوگوں کا واقف ہو جانا برا لگتا ہو ❹ ایک اور روایت میں ہے کہ اپنے دل سے فتوے پوچھ لے اگرچہ لوگ کچھ بھی فتویٰ دیتے ہوں۔ ❺ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سود کی حرمت سب سے آخر میں نازل ہوئی (بخاری) ❻ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ فرما کر کہتے کہ اس کی پوری تفسیر بھی افسوس کہ مجھ تک نہ پہنچ سکی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا لوگو! سود کو بھی چھوڑ دو اور ہر اس چیز کو جس میں سود کا کچھ بھی شائبہ ہو (مسند احمد) ❼ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا شاید میں تم کو بعض ان چیزوں سے روک دوں جو تمہارے لئے نفع والی ہوں اور ممکن ہے کہ میں تم کو کچھ ایسے احکام بھی دوں جو تمہاری مصلحت کے خلاف ہوں۔ سنو! قرآن میں سب سے آخر سود کی حرمت کی آیت اتری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا اور افسوس کہ اسے کھول کر ہمارے سامنے بیان نہ فرمایا پس تم ہر اس چیز کو چھوڑ دو جو تم کو شک میں ڈالتی ہو (ابن ماجہ)۔ ❽

سود کا گناہ اور اسباب سودی کاروبار: ایک حدیث میں ہے کہ سود کے تہتر گناہ ہیں جن میں سب سے ہلکا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنی ماں سے بدکاری کرے سب سے بڑا سود مسلمان کی ہتک عزت کرنا ہے۔ ❾ (مستدرک حاکم) فرماتے ہیں ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ لوگ سود کھائیں گے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کیا سب کے سب۔ فرمایا جو نہ کھائے گا اسے بھی غبار تو پہنچے گا۔ (مسند احمد) ❿ =

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الاشربة، باب ما جاء فی ان الخمر ما خامر العقل من شراب ۵۵۸۸؛ صحیح مسلم، ۳۰۳۲۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدینه، ۵۲؛ صحیح مسلم، ۱۵۹۹؛ ابوداود، ۳۳۲۹۔

❸ ترمذی، کتاب صفة القیامة، باب حدیث اعقلها وتوکل...... ، ۲۵۱۸، وسنده صحیح؛ نسائی، ۵۷۱۴۔

❹ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب تفسیر البر والإثم، ۲۵۵۳؛ ترمذی، ۲۳۸۹۔

❺ أحمد، ٤/ ۲۲۸، وسنده ضعیف۔

❻ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة البقرة، باب ﴿واتقوا یوما ترجعون فیه إلی الله﴾ ٤٥٤٤۔

❼ أحمد، ۱/ ۳٦؛ ابن ماجة، کتاب التجارات، باب التغلیظ فی الربا، ۲۲۷٦، وسنده ضعیف قتادہ مدلس کے سماع کی تصریح نہیں۔

❽ اس کی سند میں هیاج بن بسطام ہے جسے امام احمد اور ابوداود نے متروک کہا ہے۔ (المیزان ٤/ ۳۱۸ رقم: ۹۲۸۷)

❾ ابن ماجة، کتاب التجارات، باب التغلیظ فی الربا، ۲۲۷۵ مختصراً، وهو حسن؛ حاکم، ۲/ ۳۷۔

❿ أحمد، ۲/ ٤۹٤؛ ابوداود، کتاب البیوع، باب فی اجتناب الشبهات، ۳۳۳۱؛ نسائی، ٤٤٦۰؛ ابن ماجة، ۲۲۷۸، وسنده ضعیف حسن بصری مدلس ہے اور اس کا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِى الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقہ کو بڑھاتا ہے اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے اور گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۔[۲۷۶] جو لوگ ایمان کے ساتھ سنت کے مطابق کام کرتے ہیں نمازوں کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے ان پر نہ تو کوئی خوف ہے نہ اداسی اور غم۔[۲۷۷]

پس غبار سے بچنے کے لئے ان اسباب کے پاس بھی نہ پھٹکنا چاہئے جو ان حرام کاموں کی طرف پہنچانے والے ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب سورۃ بقرۃ کی آخری آیت حرمت سود میں نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں آ کر اس کی تلاوت کی اور شراب کے کاروبار اور شراب کی تجارت کو حرام قرار دے دیا ❶ بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح شراب اور اس کی ہر طرح کی خرید و فروخت وغیرہ وہ وسائل جو اس تک پہنچانے والے ہوں سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کئے ہیں صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر لعنت کی اس لئے کہ جب ان پر چربی حرام ہوئی تو انہوں نے حیلہ سازی کر کے چربی کو پگھلا کر بیچا اور اس کی قیمت کھائی ❷ غرض دھوکہ بازی اور حیلہ سازی کر کے حرام کو حلال بنانے کی کوشش بھی حرام ہے اور موجب لعنت ہے۔ اسی طرح پہلے وہ بھی بیان ہو چکی ہے جس میں ہے کہ جو شخص دوسرے کی تین طلاقوں والی عورت سے اس لئے نکاح کرے کہ اگلے خاوند کے لئے وہ حلال ہو جائے اس پر اور اس خاوند پر دونوں پر اللہ کی پھٹکار اور اس کی لعنت ہے آیت ﴿حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾ ❸ کی تفسیر میں دیکھ لیجئے۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ سود کھانے والے پر کھلانے والے پر شہادت دینے والوں پر گواہ بننے والوں پر لکھنے والے پر سب پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے ❹ تو ظاہر ہے کہ کاتب و شاہد کو کیا ضرورت پڑی جو خواہ مخواہ لعنت اللہ اپنے اوپر لے مراد یہ ہے کہ بظاہر عقد شرعی کی صورت میں لا کر حیلہ کر کے اس سود کو لکھتے پڑھتے ہیں لیکن پھر بھی ملعون ہیں حضرت علامہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان حیلوں حوالوں کے رد میں ایک مستقل کتاب ابطال التحلیل لکھی ہے جو اس موضوع پر بہترین کتاب ہے اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور ان سے خوش ہو۔

سود میں بے برکتی ہے: [آیت: ۲۷۶۔۲۷۷] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ سود کو برباد کرتا ہے یعنی یا تو اسے بالکل غارت کر دیتا ہے یا اس کی خیر و برکت مٹا دیتا ہے علاوہ ازیں دنیا میں بھی وہ تباہی کا باعث بنتا ہے اور آخرت میں عذاب کا سبب جیسے اور جگہ ہے ﴿قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ﴾ ❺ یعنی ناپاک اور پاک برابر نہیں ہوتا گو تم کو ناپاک کی زیادتی تعجب میں ڈالے اور جگہ ہے۔ ﴿وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِىْ جَهَنَّمَ﴾ ❻ خباثت والی چیزوں کو تہ دبالا کر کے وہ جہنم میں جھونک دے گا اور جگہ ہے۔ ﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا﴾ ❼ یعنی تمہارے دیئے ہوئے سود سے جو مال تم بڑھانا چاہو وہ دراصل بڑھتا نہیں۔

❶ احمد، ۶/ ۴۶؛ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب تحریم تجارۃ الخمر فی المسجد، ۴۵۹؛ صحیح مسلم، ۱۵۸۰؛ ابوداود، ۳۴۹۰۔ ۳۴۹۱؛ ابن ماجۃ، ۲۳۸۲۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء باب ماذکر عن بنی اسرائیل، ۲۴۶۰؛ صحیح مسلم، ۱۵۸۲۔ ❸ ۲/ البقرۃ: ۲۳۰۔ ❹ صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب لعن آکل الربا ومؤکلہ، ۱۵۹۷۔ ❺ ۵/ المآئدۃ: ۱۰۰۔ ❻ ۸/ الانفال: ۳۷۔ ❼ ۳۰/ الروم: ۳۹۔

اسی واسطے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی روایت میں ہے کہ سود سے گو زیادتی ہو جائے لیکن انجام کار کمی ہی کمی ہے (مسند احمد) ❶

ذخیرہ اندوزی کی ممانعت: مسند کی ایک اور روایت میں ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد سے نکلے تو اناج پھیلا ہوا دیکھا۔ پوچھا یہ غلہ کہاں سے آ گیا؟ لوگوں نے کہا بکنے کے لئے آیا ہے آپ نے دعا کی کہ اے اللہ! اس میں برکت دے لوگوں نے کہا یہ غلہ گراں بھاؤ بیچنے کے لئے پہلے ہی سے جمع کر لیا تھا پوچھا کس نے جمع کیا تھا؟ لوگوں نے کہا ایک تو فروخ نے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مولیٰ ہیں اور دوسرے آپ کے آزاد کردہ غلام نے۔ آپ نے دونوں کو بلوایا اور فرمایا تم نے ایسا کیوں کیا؟ جواب دیا کہ ہم اپنے مالوں سے خریدتے ہیں لہٰذا جب چاہیں بیچیں' ہمیں اختیار ہے' آپ نے فرمایا سنو! میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص مسلمانوں میں مہنگا بیچنے کے خیال سے غلہ روک رکھے اسے اللہ مفلس کر دے گا یا جذامی (کوڑھ) یہ سن کر حضرت فروخ رحمۃ اللہ علیہ تو فرمانے لگے کہ میری توبہ ہے میں اللہ سے پھر آپ سے عہد کرتا ہوں کہ پھر یہ کام نہ کروں گا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام نے پھر یہی کہا کہ ہم اپنے مال سے خریدتے ہیں اور نفع اٹھا کر بیچتے ہیں اس میں کیا حرج ہے۔ راوی حدیث حضرت ابو یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے پھر دیکھا کہ اسے جذام ہو گیا اور جذامی بنا پھرتا تھا ❷ ابن ماجہ میں ہے کہ جو شخص مسلمانوں کا غلہ گراں بھاؤ بیچنے کے لئے روک رکھے اللہ تعالیٰ اسے مفلس کر دے گا یا جذامی۔ ❸ پھر فرماتا ہے کہ وہ صدقہ کو بڑھاتا ہے ﴿يُرْبِي﴾ کی دوسری قراءت ﴿يُرَبِّي﴾ بھی ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی پاک کمائی میں سے ایک کھجور بھی خیرات کرے اسے اللہ تعالیٰ اپنے داہنے ہاتھ میں لیتا ہے پھر اسے پال کر بڑا کرتا ہے جس طرح تم لوگ اپنے بچھڑوں کو پالتے ہو اور اس کا ثواب پہاڑ کے برابر بنا دیتا ہے ❹ اور پاک چیز کے سوا وہ ناپاک چیز کو قبول نہیں فرماتا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ احد کے پہاڑ کے برابر ثواب ایک کھجور کا ملتا ہے ❺ اور روایت میں ہے کہ ایک لقمہ مثل احد کے ہو کر ملتا ہے ❻ پس تم صدقہ خیرات کیا کرو۔ پھر فرمایا کہ کافروں اور نافرمان زبان زور اور بدفعل والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ صدقہ خیرات نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے صدقہ و خیرات کے سبب مال میں اضافہ کے وعدہ کی ہوئی زیادتی پر صبر و شکر نہ کر کے مال دنیا جمع کرتے پھریں اور بدترین اور خلاف شرع طریقوں سے کمائیاں کریں اور لوگوں کے مال باطل اور ناحق کے ساتھ کھا جائیں یہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں ان ناشکروں اور گنہگاروں سے اللہ کا پیار نہیں۔

پھر ان بندوں کی تعریف ہو رہی ہے جو اپنے رب کے احکام کی بجا آوری کریں مخلوق کے ساتھ حسن سلوک و احسان کریں نمازیں قائم کریں، زکوٰۃ دیتے رہیں یہ قیامت کے دن تمام دکھ درد سے امن میں رہیں گے کوئی کھٹکا بھی ان کے دل پر نہ گزرے گا بلکہ رب العالمین اپنے انعام و اکرام سے انہیں سرفراز فرمائے گا۔

---

❶ احمد، ١/ ٣٩٥؛ ابن ماجة، كتاب التجارات، باب التغليظ فى الربا، ٢٢٧٩، وسنده صحيح۔

❷ احمد، ١/ ٢١؛ ابن ماجة، كتاب التجارات، باب الحكرة والجلب، ٢١٥٥ مختصراً وسنده حسن لیکن ذخیرہ اندوزی کی حرمت اس سیاق کے علاوہ صحیح روایات سے ثابت ہے دیکھئے صحیح مسلم، ١٦٠٥؛ ابو داود، ٣٤٤٧۔

❸ ابن ماجة، كتاب التجارات، باب الحكرة والجلب، ٢١٥٥ وسنده حسن۔

❹ صحيح بخاري، كتاب الزكاة، باب الصدقة من كسب طيب، ١٤١٠؛ صحيح مسلم، ١٠١٤۔

❺ صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، ١٠١٤؛ ترمذی، ٦٦١؛ نسائی، ٢٥٢٦؛ ابن ماجة، ١٨٤٢۔ ❻ ترمذی، كتاب الزكاة، باب ماجاء فى فضل الصدقة، ٦٦٢ وسنده ضعيف عباد بن منصور راوی ضعیف ہے۔ احمد، ٢/ ٢٦٨۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۤ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ ع ۳۸

ترجمہ: ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو اگر تم سچ مچ ایماندار ہو۔[۲۷۸] اور اگر نہیں کرتے تو اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے ہوشیار ہو جاؤ' ہاں اگر توبہ کر لو تو تمہارا اپنا اصل مال تمہارا ہی ہے نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔[۲۷۹] اور اگر کوئی تنگی والا ہو تو اسے آسانی تک کی مہلت دینی چاہیئے اور معاف کر دینا تو بہت ہی بہتر ہے اگر تم میں علم ہو۔[۲۸۰] اور اس دن سے ڈرو جس میں تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔[۲۸۱]

اصل مال لینے اور سود چھوڑ دینے کا حکم: [۲۷۸۔۲۸۱] ان آیات میں اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو تقویٰ کا حکم دے رہا ہے اور ان کاموں سے روکتا ہے جن سے اس کی ناراضی ہو اور رضامندی دور ہو جائے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا لحاظ کرو اپنے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جو سود تمہارا لوگوں پر باقی ہے خبردار اگر مسلمان ہو تو اسے اب نہ لو جبکہ وہ حرام ہو گیا۔ یہ آیت نازل ہوئی ہے ثقیف کے قبیلے بنی عمرو بن عمیر اور بنو مخزوم کے قبیلے بنو مغیرہ کے بارے میں جاہلیت کے زمانہ میں ان کے سودی کاروبار تھے اسلام کے بعد بنو عمرو نے بنو مغیرہ سے اپنا سود طلب کیا اور انہوں نے کہا کہ اب ہم اسے اسلام لانے کے بعد ادا نہ کریں گے آخر جھگڑا بڑھا حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ جو مکہ مکرمہ کے نائب تھے انہوں نے نبی ﷺ کو یہ لکھا اس پر آیت یہ نازل ہوئی اور حضور ﷺ نے یہ لکھوا کر بھیج دی اور انہیں قابل وصول سود لینا حرام قرار دیا چنانچہ وہ تائب ہوئے اور اپنا سود بالکل چھوڑ دیا۔ ❶ اس آیت میں زبردست وعید ہے ان لوگوں پر جو سود کی حرمت کا علم ہونے کے باوجود بھی اس پر جمے رہیں۔

سود خوری اللہ اور رسول ﷺ سے جنگ کرنا ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سود خور سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ اپنے ہتھیار لے لے اور اللہ سے لڑنے کے لئے آمادہ ہو جا۔ آپ فرماتے ہیں امام وقت پر فرض ہے کہ سود خور لوگ اگر سود نہ چھوڑیں تو ان سے توبہ کرائے اور اگر نہ کریں تو ان کی گردن مار دے ❷ حسن اور ابن سیرین کا فرمان بھی یہی ہے حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاکت کی دھمکی دی' انہیں ذلیل کئے جانے کے قابل ٹھہرایا۔ خبردار سود سے اور سودی لین دین سے بچتے رہو حلال چیزیں اور حلال خرید و فروخت بہت کچھ ہے فاقے گزرتے ہوں تاہم اللہ کی معصیت سے رکو وہ روایت بھی یاد ہو گی جو پہلے گزر چکی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک ایسے معاملہ کی نسبت جس میں سود تھا حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ ان کا جہاد بھی برباد ہو گیا اس لئے کہ جہاد اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے مقابلہ کرنے کا نام ہے اور سود خوری خود اللہ سے مقابلہ کرنا ہے

❶ ابن ابی حاتم، ۳/ ۱۱۴۰۔ ❷ الطبری، ۶/ ۲۵۔۲۶۔

لیکن اس کی اسناد کمزور ہیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے اگر توبہ کرلو تو اصل مال جو کسی پر قرض ہے بیشک لے لو نہ تو تول میں زیادہ لے کر اس پر تم ظلم کرو نہ کم دے کر یا نہ دے کر وہ تم پر ظلم کرے۔ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ فرمایا'' جاہلیت کا تمام سود میں برباد کرتا ہوں اصل رقم لے لو نہ سود لے کر کسی پر ظلم کرو نہ کم دے کر یا نہ دے کر وہ تم پر ظلم کرے نہ کوئی تمہارا مال مار کر تم پر زیادتی کرے عباس بن عبدالمطلب کا تمام سود میں برباد کرتا ہوں۔'' ❶

غریب قرض دار کو مہلت دینا اور قرض معاف کرنے کا ثواب: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تنگی والا شخص ہو اور اس کے پاس تمہارے قرض کی ادائیگی کے قابل مال نہ ہو تو اسے مہلت دو کہ کچھ اور مدت بعد ادا کر دے یہ نہ کرو کہ سود در سود لگائے چلے جاؤ کہ مدت گزر گئی اب اتنا اتنا سود لیں گے بلکہ بہتر بات تو یہ ہے کہ ایسے غربا کو اپنا قرض معاف کر دو طبرانی کی حدیث میں ہے کہ جو شخص قیامت کے دن اللہ کے عرش کا سایہ چاہتا ہو وہ یا تو ایسے تنگی والے شخص کو مہلت دے یا معاف کر دے ❷ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جو شخص مفلس آدمی پر اپنا قرض وصول کرنے میں نرمی کرے اور اسے ڈھیل دے اس کو جتنے دن وہ قرض کی رقم ادا نہ کر سکے اتنے دنوں تک ہر دن اتنی رقم خیرات کرنے کا ثواب ملتا ہے اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہر دن اس سے دگنی رقم کے صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا یہ سن کر حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا حضور! پہلے تو آپ نے ہر دن اس کے مثل ثواب ملنے کا فرمایا تھا آج آپ دو مثل فرماتے ہیں فرمایا ہاں جب میعاد ختم نہیں ہوئی تو مثل کا ثواب' میعاد گزرنے کے بعد دو مثل کا۔ ❸ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا قرض ایک شخص کے ذمہ تھا وہ تقاضا کرنے کو آتے لیکن یہ چھپ رہتے اور نہ ملتے ایک دن آئے گھر سے ایک بچہ نکلا آپ نے اس سے پوچھا کیا تیرا باپ گھر میں موجود ہے اس نے کہا ہاں گھر میں موجود ہیں کھانا کھا رہے ہیں اب حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے اونچی آواز سے انہیں پکارا اور فرمایا مجھے معلوم ہو گیا کہ تم گھر میں موجود ہو آؤ باہر آؤ جواب دو وہ بیچارے باہر نکلے آپ نے کہا کیوں چھپ رہے ہو کہا حضرت بات یہ ہے کہ میں مفلس ہوں اس وقت میرے پاس رقم نہیں بوجہ شرمندگی کے آپ سے نہیں ملتا آپ نے کہا قسم کھاؤ اس نے قسم کھالی آپ رو دیئے اور فرمانے لگے میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے جو شخص نادار قرضدار کو ڈھیل دے یا اپنا قرضہ معاف کر دے وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے سائے تلے ہو گا۔ (صحیح مسلم) ❹ ابویعلیٰ نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ حضور فرماتے ہیں قیامت کے دن ایک بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے لایا جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے سوال کرے گا کہ بتلا میرے لئے تو نے کیا نیکی کی ہے؟ وہ کہے گا اے اللہ! ایک ذرے کے برابر بھی کوئی ایسی نیکی مجھ سے نہیں ہوئی جو آج میں اس کی جزا طلب کر سکوں اللہ تعالیٰ اس سے پھر پوچھے گا وہ پھر یہی جواب دیگا پھر پوچھے وہ پھر یہی جواب دے گا کہ پروردگار! ایک چھوٹی سی بات البتہ یاد پڑتی ہے کہ تو نے اپنے فضل سے کچھ مال بھی مجھے دے رکھا تھا میں تجارت پیشہ شخص تھا لوگ ادھار سدھار لے جاتے تھے میں اگر دیکھتا کہ یہ

---

❶ ابوداود، کتاب البیوع، باب فی وضع الربا، ٣٣٣٤؛ وسندہ حسن، ترمذی، ٣٠٨٧؛ ابن ماجة، ٣٠٥٥ اس کے شواہد کے لیے دیکھئے صحیح مسلم، ١٢١٨؛ ابوداود، ١٩٠٥؛ ابن حبان، ٩٤٤۔ ❷ الطبرانی، ٨٩٩ وسندہ ضعیف۔

❸ أحمد، ٥/ ٣٦٠؛ ابن ماجة، کتاب الصدقات، باب انظار المعسر، ٢٤١٨، وھو صحیح۔

❹ صحیح مسلم، ١٥٦٣۔

غریب شخص ہے اور وعدہ پر قرض ادا نہ کر سکا تو میں اسے اور کچھ مدت کی مہلت دے دیتا مالداروں پر سختی نہ کرتا زیادہ تنگی والا کسی کو پاتا تو معاف بھی کر دیتا اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھر میں تجھ پر آسانی کیوں نہ کروں میں تو سب سے زیادہ آسانی کرنے والا ہوں جا میں نے تجھے بخشا جنت میں داخل ہو جا ❶ مستدرک حاکم میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے غازی کی مدد کرے یا قرضدار کے مال کی اعانت کرے یا غلام جس نے لکھ کر دیا ہو کہ اتنی رقم دے دوں تو آزاد ہوں اس کی مدد کرے اللہ تعالیٰ اسے اس دن سایہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ❷ مسند احمد میں ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کی دعائیں قبول کی جائیں اور اس کی تکلیف و مصیبت دور ہو جائے اسے چاہئے کہ تنگی والے لوگوں پر کشادگی کرے۔ ❸ عباد بن ولید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے والد طلب علم میں نکلے اور ہم نے کہا کہ انصاریوں سے احادیث پڑھیں سب سے پہلے ہماری ملاقات حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے ہوئی ان کے ساتھ ان کے غلام تھے جن کے ہاتھ میں ایک دفتر تھا اور غلام اور آقا کا ایک ہی لباس تھا میرے باپ نے کہا چچا آپ تو اس وقت غصہ میں نظر آتے ہیں فرمایا ہاں سنو فلاں شخص پر میرا کچھ قرض تھا مدت ختم ہو چکی تھی میں قرض مانگنے گیا سلام کیا اور پوچھا کہ کیا وہ مکان پر ہیں گھر میں سے جواب ملا کہ نہیں ہیں اتفاقاً ان کا ایک چھوٹا بچہ باہر آیا میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے والد کہاں ہیں؟ اس نے کہا کہ آپ کی آواز سن کر چارپائی تلے جا چھپے ہیں میں نے پھر آواز دی اور کہا کہ تمہارا اندر ہونا مجھے معلوم ہو گیا ہے اب چھپو نہیں آؤ جواب دو وہ آئے میں نے کہا کیوں چھپ رہے ہو؟ کہا محض اس لئے کہ میرے پاس روپیہ تو اس وقت ہے نہیں آپ سے ملوں گا یا تو کوئی جھوٹا عذر حیلہ بیان کروں گا یا غلط وعدہ کروں گا اس لئے سامنے ہونے سے جھجکتا تھا۔ آپ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں آپ سے جھوٹ کیا کہوں۔ میں نے کہا سچ کہتے ہو اللہ کی قسم تمہارے پاس روپیہ نہیں اس نے کہا ہاں سچ کہتا ہوں اللہ کی قسم کچھ نہیں تین مرتبہ میں نے قسم کھلائی اور میں نے اپنے دفتر میں سے ان کا نام کاٹ دیا اور رقم جمع کر لی اور کہہ دیا کہ جاؤ میں نے تمہارے نام سے یہ رقم کاٹ دی ہے اب اگر تم کو مل جائے تو دے دینا ورنہ معاف ہے سنو میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا اور میرے ان دونوں کانوں نے سنا اور میرے اس دل نے اسے خوب یاد رکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو شخص کسی سختی والے کو ڈھیل دے یا معاف کر دے اللہ تعالیٰ اسے اپنے سایہ میں جگہ دیگا۔“ ❹ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد آتے ہوئے زمین کی طرف اشارہ کر کے فرمایا جو شخص کسی نادار پر آسانی کرے یا اسے معاف کر دے اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی گرمی سے بچا لے گا۔ سنو جنت کے کام مشقت والے ہیں اور خواہش کے خلاف ہیں اور جہنم کے کام آسانی والے اور خواہش نفس کے مطابق ہیں نیک بخت وہ لوگ ہیں۔

جو فتنوں سے بچ جائیں وہ گھونٹ جو انسان غصے کا گھونٹ پی لے اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو کوئی اور گھونٹ پسندیدہ نہیں ایسا کرنیوالے کا دل اللہ تعالیٰ ایمان سے پر کر دیتا ہے ❺ طبرانی میں ہے کہ جو شخص کسی مفلس شخص پر رحم کر کے اپنے قرض کی وصولی میں =

---

❶ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیآء باب ما ذکر عن بنی اسرائیل، ۳۴۵۱؛ صحیح مسلم، ۱۵۶۰؛ ابن ماجۃ، ۲۴۲۰؛ بألفاظ متقاربة۔ ❷ حاکم، ۲/ ۲۱۷؛ وسندہ ضعیف جداً؛ احمد، ۳/ ۴۸۷۔ وسندہ ضعیف شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے سخت ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الضعیفة، ۱۰/ ۶۰) ❸ احمد، ۲/ ۲۳، زیدعمی کے ضعف (المیزان ۲/ ۱۰۲، رقم: ۳۰۰۲) اور سند کے انقطاع کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔ دیکھئے (ضعیف الترغیب، ۵۳۸) ❹ صحیح مسلم، کتاب الزھد، باب حدیث جابر الطویل، ۳۰۰۶۔ ❺ احمد، ۱/ ۳۲۷۔ وسندہ موضوع نوح بن ابی مریم مجروح۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَن يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ ۚ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ۚ فَإِن كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۚ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ ۖ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ۚ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۚ وَلَا تَسْأَمُوا أَن تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا ۖ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۗ وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِن تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٨٢﴾

ترجمہ: ایمان والو جب تم آپس میں ایک دوسرے سے میعاد مقررہ پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور لکھنے والے کو چاہیئے کہ تمہارا آپس کا معاملہ عدل سے لکھے کاتب کو چاہیئے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جیسے اللہ نے اسے سکھایا ہے وہ بھی لکھ دے اور جس کے ذمہ حق ہو وہ لکھوائے اور اپنے اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور حق میں سے کچھ گھٹائے نہیں جس شخص کے ذمہ حق ہے وہ اگر نادان ہو یا کمزور ہو یا لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوا دے اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کر لو تاکہ ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلا دے' گواہوں کو چاہیئے کہ جب وہ بلائے جائیں تو انکار نہ کریں قرض کو جس کی مدت مقرر ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اور لکھنے میں کاہلی نہ کرو اللہ کے نزدیک یہ بات بہت انصاف والی ہے اور گواہی کو بھی زیادہ درست رکھنے والی اور شک وشبہ سے بھی زیادہ بچانے والی ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ معاملہ نقد تجارت کی شکل میں ہو جو آپس میں تم لین دین کر رہے ہو تو تم پر اس کے نہ لکھنے میں کوئی گناہ نہیں خرید فروخت کے وقت بھی گواہ مقرر کر لیا کرو نہ تو لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے نہ گواہ کو اور اگر تم یہ کرو تو یہ تمہاری کھلی نافرمانی ہے اللہ سے ڈرو اللہ تم کو تعلیم دے رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔[۲۸۲]

= اس پر سختی نہ کرے اللہ تعالیٰ بھی اس کے گناہوں پر اسے نہیں پکڑتا یہاں تک کہ وہ توبہ کرے۔ ❶ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نصیحت کرتا ہے اور انہیں دنیا کا زوال اور مال کے فنا اور آخرت کا آنا اور اللہ کی طرف لوٹنا اور اللہ کو اپنے اعمال کا حساب دینا =

❶ المعجم الكبير: ١١٣٣٠ وسنده ضعيف، المعجم الاوسط: ٢٢٣٨۔

= اور ان تمام اعمال پر جزا و سزا کا ملنا یاد دلاتا ہے اور اپنے عذابوں سے ڈراتا ہے یہ بھی مروی ہے کہ قرآن کریم کی سب سے آخری آیت یہی ہے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی ﷺ صرف نوراتوں تک زندہ رہے اور ربیع الاول کی دوسری تاریخ کو پیر کے دن آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا ❶ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَیْهِ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد حضور ﷺ کی زندگی اکتیس دن کی بھی مروی ہے ابن جریج فرماتے ہیں کہ سلف کا قول ہے کہ اس کے بعد حضور ﷺ نو رات زندہ رہے ہفتہ کے دن سے ابتدا ہوئی اور پیر کے دن انتقال ہوا ❷ الغرض قرآن مجید میں سب سے آخر میں یہی آیت نازل ہوئی ہے۔

حضرت آدم اور حضرت داؤد علیہما السلام کا دلچسپ واقعہ: [آیت:۲۸۲] یہ آیت قرآن کریم کی تمام آیات سے بڑی ہے۔ حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ قرآن کی سب سے بڑی آیت عرش کے ساتھ یہی آیت ﴿الـدَّیْـنَ﴾ ہے۔ ❸ یہ آیت جب نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے انکار کرنے والے حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم کو پیدا کیا ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور قیامت تک کی تمام ان کی اولاد نکالی۔ آپ نے اپنی اولاد کو دیکھا ایک شخص کو خوب تروتازہ اور نورانی دیکھ کر پوچھا کہ اے اللہ! ان کا کیا نام ہے؟ جناب باری تعالیٰ نے فرمایا یہ تمہارے لڑکے داؤد ہیں پوچھا اے اللہ! ان کی عمر کیا ہے؟ فرمایا ساٹھ سال کہا اے اللہ اس کی عمر کچھ اور بڑھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں ہاں اگر تم اپنی عمر میں سے انہیں کچھ دینا چاہو تو دے دوں کہا اے اللہ میری عمر میں سے چالیس سال اسے دیئے جائیں چنانچہ دے دیئے گئے حضرت آدم علیہ السلام کی اصل عمر ایک ہزار سال کی تھی اس لین دین کو لکھا گیا اور فرشتوں کو اس پر گواہ کیا گیا حضرت آدم علیہ السلام کی موت جب آئی تو کہنے لگے اے اللہ میری عمر میں سے تو ابھی چالیس سال باقی ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ تم نے اپنے لڑکے (حضرت) داؤد کو دے دیئے ہیں تو حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کیا جس پر وہ لکھا ہوا دکھایا گیا اور فرشتوں کی گواہی گزری دوسری روایت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار کی پوری کی اور حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک سو سال کی ❹ (مسند احمد) لیکن یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اس کے راوی علی بن زید بن جدعان کی احادیث منکر ہوتی ہیں مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت ہے۔

تجارت اور لین دین کے احکام: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایماندار بندوں کو ارشاد فرمایا ہے کہ وہ ادھار کے معاملات لکھ لیا کریں تاکہ رقم اور میعاد خوب یاد رہے گواہ کو بھی غلطی نہ ہو اس سے ایک وقت مقررہ کے لئے ادھار دینے کا جواز بھی ثابت ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ میعاد مقرر کر کے قرض کے لین دین کی اجازت بخوبی ثابت ہوتی ہے صحیح بخاری شریف میں ہے کہ مدینہ والوں کا ادھار لین دین دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا ناپ تول یا وزن مقرر کر لیا کرو بھاؤ تاؤ چکا لیا کرو اور مدت کا بھی فیصلہ کر لیا کرو۔ ❺ قرآن کریم حکم دیتا ہے کہ لکھ لیا کرو اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ ہم ان پڑھ امت ہیں نہ لکھنا جانیں نہ حساب ❻ ان

---

❶ سندہ ضعیف اس کی سند میں ابن لھیعہ مختلط ہے۔ (التقریب ۱/ ۱٤٤، رقم: ٥٧٤) اور سعید بن جبیر کا ابن دینار سے سماع ثابت نہیں۔ اس روایت کا پہلا حصہ صحیح بخاری ٤٥٤٤ سے ثابت ہے۔ ❷ الطبری، ٦٣١٢، یہ روایت ضعیف اور معضل ہے۔

❸ الطبری، ٦/ ٤١۔ ❹ احمد، ١/ ٢٥١، ٢٥٢۔ وسندہ ضعیف اور شواہد کے لیے ملاحظہ فرمائیں حدیث ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ ترمذی، ٣٠٧٦؛ حاکم، ٢/ ٣٢٥۔ ❺ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب السلم فی وزن معلوم، ٢٢٤٠؛ صحیح مسلم، ١٦٠٤؛ ابو داود، ٣٤٦٣؛ ترمذی، ١٣١١؛ نسائی، ٤٦٢٠۔

❻ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب قول النبی ﷺ لا نکتب ولا نحسب، ١٩١٤؛ صحیح مسلم، ١٠٨٠۔

دونوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ دینی مسائل اور شرعی امور کے لکھنے کی تو مطلق ضرورت ہی نہیں خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بے حد آسان اور بالکل سہل کر دیئے گئے ہیں قرآن کا حفظ اور احادیث کا حفظ قدرتاً لوگوں پر سہل ہے لیکن دنیوی چھوٹی بڑی لین دین کی باتیں اور وہ معاملات جو ادھار سدھار ہوں ان کی بابت بیشک لکھ لینے کا حکم ہوا اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ حکم بھی وجوباً نہیں پس نہ لکھنا دینی امور کا ہے اور لکھ لینا دنیوی کام کاج کا ہے بعض لوگ اس کے وجوب کی طرف بھی گئے ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو ادھار دے وہ لکھ لے اور جو بیچے وہ گواہ کر لے۔ ابوسلیمان مرعشی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے حضرت کعب کی صحبت بہت اٹھائی تھی انہوں نے ایک دن اپنے پاس والوں سے کہا اس مظلوم کو بھی جانتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اس کی دعا قبول نہیں ہوتی لوگوں نے کہا یہ کس طرح؟ فرمایا یہ وہ شخص ہے جو ایک مدت تک کے لئے ادھار دیتا ہے اور نہ گواہ رکھتا ہے نہ لکھت پڑھت کرتا ہے پھر مدت گزرنے پر تقاضا کرتا ہے اور دوسرا شخص انکار کر جاتا ہے۔ اب یہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے لیکن پروردگار قبول نہیں کرتا ہے اس لئے کہ اس نے یہ کام اس کے فرمان کے خلاف کیا ہے اور اپنے رب کا نافرمان ہوا ہے۔ حضرت ابوسعید، شعبی، ربیع بن انس، حسن، ابن جریج، ابن زید رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کا قول ہے کہ پہلے تو یہ واجب تھا پھر وجوب منسوخ ہو گیا اور فرمایا گیا کہ اگر ایک کو ایک پر اطمینان ہو تو جسے امانت دی گئی ہے اسے چاہئے کہ ادا کر دے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ گو یہ واقعہ اگلی امت کا ہے لیکن تاہم ان کی شریعت ہماری شریعت ہے جب تک کہ ہماری شریعت میں اس پر انکار نہ ہو۔ اس واقعہ میں جسے اب ہم بیان کرتے ہیں لکھت پڑھت کے نہ ہونے اور گواہ مقرر نہ کئے جانے پر شارع علیہ السلام نے انکار نہیں کیا۔

قرض سے متعلق ایک عجیب واقعہ: دیکھئے مسند میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کے ایک شخص نے دوسرے شخص سے ایک ہزار دینار ادھار مانگے اس نے کہا گواہ لاؤ جواب دیا کہ اللہ کی گواہی کافی ہے کہا ضمانت لاؤ جواب دیا کہ اللہ کی ضمانت کافی ہے کہا تو نے سچ کہا ادائیگی کی میعاد مقرر ہو گئی اور اس نے اسے ایک ہزار دینار گن دیئے اس نے تری کا سفر کیا اور اپنے کام سے فارغ ہوا جب میعاد پوری ہونے کو آئی تو یہ سمندر کے قریب آیا کہ کوئی جہاز کشتی ملے تو اس میں بیٹھ کر جاؤں اور رقم ادا کر آؤں لیکن کوئی جہاز نہ ملا جب دیکھا کہ وقت پر نہیں پہنچ سکتا تو اس نے ایک لکڑی لی اور بیچ میں سے کھوکھلی کر لی اور اس میں ایک ہزار دینار رکھ دیئے اور ایک پرچہ بھی رکھ دیا پھر منہ بند کر دیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے پروردگار! تجھے خوب علم ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار قرض لئے اس نے مجھ سے ضمانت طلب کی میں نے تجھے ضامن کر دیا اور اس پر وہ خوش ہو گیا گواہ مانگا تو میں نے گواہ بھی تجھی کو رکھا وہ اس پر بھی خوش ہو گیا اب جب کہ وقت مقررہ ختم ہونے کو آیا تو میں نے ہر چند کشتی تلاش کی کہ جاؤں اور اپنا قرض ادا کر آؤں لیکن کوئی کشتی نہیں ملی اب میں اس رقم کو تجھے سونپتا ہوں اور سمندر میں ڈال دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ یہ رقم اسے پہنچا دے۔ پھر اس لکڑی کو سمندر میں ڈال دیا اور خود چلا گیا لیکن پھر بھی کشتی کی تلاش میں رہا کہ مل جائے تو جاؤں یہاں تو یہ ہوا وہاں جس شخص نے اسے قرض دیا جب اس نے دیکھا کہ وقت پورا ہوا اور آج اسے آ جانا چاہئے تو وہ بھی دریا کے کنارے آ کھڑا ہوا کہ وہ آئے گا اور میری رقم مجھے دے گا یا کسی کے ہاتھ بھجوائے گا مگر جب شام ہونے کو آئی اور کوئی کشتی اس طرف سے نہیں آئی تو یہ واپس لوٹا کنارے پر ایک لکڑی دیکھی تو یہ سمجھ کر خالی تو جا ہی رہا ہوں آؤ اس لکڑی کو لے چلوں پھاڑ کر سکھالوں گا جلانے کے کام آئے گی گھر پہنچ کر جب اسے چیرتا ہے تو کھنا کھن بجتی ہوئی اشرفیاں نکلتی ہیں گنتا ہے تو پوری ایک ہزار ہیں وہیں پرچہ پر نظر پڑتی ہے اسے بھی اٹھا کر پڑھ لیتا ہے پھر ایک دن وہی شخص آتا ہے اور ایک ہزار دینار پیش کر کے کہتا ہے کہ یہ لیجئے آپ کی رقم معاف کیجئے گا میں نے ہر چند

کوشش کی کہ وعدہ خلافی نہ ہو لیکن کشتی کے نہ ملنے کی وجہ سے مجبور ہو گیا اور دیر لگ گئی آج کشتی ملی آپ کی رقم لے کر حاضر ہوا اس نے پوچھا کہ کیا میری رقم آپ نے بھجوائی بھی ہے اس نے کہا میں تو کہہ چکا کہ مجھے کشتی نہ ملی اس نے کہا اپنی رقم واپس لے کر خوش ہو کر چلے جاؤ آپ نے جو رقم لکڑی میں ڈال کرا سے تَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہ دریا میں ڈال دیا تھا اسے اللہ تعالیٰ نے مجھ تک پہنچا دیا اور میں نے اپنی پوری رقم وصول کر لی اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے صحیح بخاری شریف میں سات جگہ یہ حدیث آئی ہے۔ ❶

پڑھا لکھا شخص لکھنے سے انکار نہ کرے: پھر فرمان ہے کہ لکھنے والا عدل وحق کے ساتھ لکھے کتابت میں کسی فریق پر ظلم نہ کرے ادھر ادھر کچھ کمی بیشی نہ کرے بلکہ لین دین والے دونوں متفق ہو کر جو لکھوائیں وہی لکھے۔ لکھا پڑھا شخص معاملہ کو لکھنے سے انکار نہ کرے جب اسے لکھنے کو کہا جائے لکھ دے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ احسان اس پر ہے کہ اس نے اسے لکھنا سکھایا اسی طرح جو لکھنا نہ جانتے ہوں ان پر یہ احسان کرے اور ان کے معاملہ کو لکھ دیا کرے حدیث میں ہے کہ یہ بھی صدقہ ہے کہ کسی کام کرنے والے کا ہاتھ بٹا دے کسی گرے پڑے کا کام کر دے ❷ اور حدیث میں ہے کہ جو علم کو جان کر پھر اسے چھپائے قیامت کے دن اسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی ❸ حضرت مجاہد اور حضرت عطاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ کاتب پر لکھ دینا اس آیت کی رو سے واجب ہے جس کے ذمہ حق ہو وہ لکھوائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے نہ کمی بیشی کرے نہ خیانت کرے اگر یہ شخص بے سمجھ ہے اسراف وغیرہ کی وجہ سے روک دیا گیا ہے یا کمزور ہے یا بچہ ہے یا حواس درست نہیں یا جہالت اور کند ذہنی کی وجہ سے لکھوانا بھی نہیں جانتا تو جو اس کا والی اور بڑا ہو وہ لکھوائے۔ پھر فرمایا کتابت کے ساتھ شہادت بھی ہونی چاہئے تاکہ معاملہ خوب مضبوط اور بالکل صاف ہو جائے دو مردوں کو گواہ کر لیا کرو اگر نہ مل سکیں تو خیر ایک مرد اور دو عورتیں سہی۔ یہ حکم مال کے اور مقصود مال کے بارے میں ہے۔

دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے: دو عورتوں کو قائم مقام ایک مرد کے کرنا بہ سبب عورت کی عقل کے نقصان کے ہے جیسے صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اے عورتو! صدقہ کرو اور بکثرت استغفار کرتی رہو میں نے دیکھا ہے کہ جہنم میں تم بہت زیادہ تعداد میں جاؤ گی۔ ایک عورت نے پوچھا حضور! یہ کیوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم لعنت زیادہ بھیجا کرتی ہو اور اپنے خاوند کی ناشکری کرتی ہو میں نے نہیں دیکھا کہ باوجود عقل ودین کی کمی کے مردوں کی عقل مارنے والی تم سے زیادہ کوئی ہو اس نے پھر پوچھا کہ حضور! ہم میں دین کی اور عقل کی کمی کیسے ہے؟ فرمایا عقل کی کمی تو اس سے ظاہر ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے اور دین کی کمی یہ ہے کہ ایام حیض میں نہ نماز ہے نہ روزہ۔ ❹

گواہی کے لئے عادل ہونا شرط ہے: گواہوں کی نسبت فرمایا کہ یہ شرط ہے کہ وہ عدالت والے ہوں امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ جہاں کہیں قرآن شریف میں گواہ کا ذکر ہے وہاں عدالت کی شرط ضروری ہے گو وہاں لفظوں میں نہ ہو اور جن لوگوں نے ان کی گواہی رد کر دی ہے جن کا عادل ہونا معلوم نہ ہو ان کی دلیل بھی یہی آیت ہے وہ کہتے ہیں کہ گواہ عادل اور پسندیدہ ہونا چاہئے دو

---

❶ صحیح بخاری، ۱۴۹۸، ۲۰۶۳، ۲۲۹۱، ۲۴۰۴، ۲۴۳۰، ۲۷۳۴، ۶۲۶۱۔

❷ صحیح بخاری، کتاب العتق، باب أی الرقاب أفضل، ۲۵۱۸؛ صحیح مسلم، ۸۳۔

❸ ابوداود، کتاب العلم، باب کراھیة منع العلم، ۳۶۵۸؛ وسندہ حسن، ترمذی، ۲۶۴۹؛ ابن ماجة، ۲۶۱۔

❹ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان نقصان الایمان بنقص الطاعات، ۷۹ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ، ح ۸۰ عن أبی سعید رضی اللہ عنہ۔
امام مسلم نے علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ والی روایت بغیر متن کے ذکر فرمائی ہے۔ اور فرمایا: بمعنی حدیث ابن عمر ......

عورتیں مقرر کرنے کی حکمت بھی بیان کر دی کہ اگر ایک گواہی کو بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے گی۔ ﴿فَتُذَكِّرَ﴾ کی دوسری قراءت ﴿فَتُذْكِرُ﴾ بھی ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ اس کی شہادت اس کے ساتھ مل کر مثل شہادت مرد کے کر دے گی انھوں نے مکلف کیا ہے صحیح بات پہلی ہی ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

گواہوں کو چاہئے کہ جب وہ بلائے جائیں انکار نہ کریں یعنی جب ان سے کہا جائے کہ آؤ اس معاملہ میں گواہ رہو تو انہیں انکار نہ کرنا چاہئے جیسے کاتب کی بابت بھی یہی فرمایا گیا ہے یہاں سے یہ بھی فائدہ حاصل کیا گیا ہے کہ گواہ رہنا بھی فرض کفایہ ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ جمہور کا مذہب یہی ہے اور یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ جب گواہ گواہی دینے کے لئے طلب کیا جائے یعنی جب اس سے واقعہ پوچھا جائے تو وہ نہ رکے چنانچہ حضرت ابومجلز اور مجاہد رحمہما اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ جب گواہ رہنے کے لئے بلائے جاؤ تو تم کو اختیار ہے خواہ جاؤ خواہ نہ جاؤ لیکن جب گواہ ہو چکے پھر گواہی دینے کے لئے جب بلایا جائے تو ضرور جانا پڑے گا۔ ❶ صحیح مسلم اور سنن کی حدیث میں ہے کہ اچھے گواہ وہ ہیں جو بن پوچھے ہی گواہی دے دیا کریں ❷ بخاری و مسلم کی دوسری حدیث میں جو آیا ہے کہ بدترین گواہ وہ ہیں کہ جن سے گواہی طلب نہ کی جائے اور وہ گواہی دینے بیٹھ جائیں ❸ اور وہ حدیث جس میں ہے کہ پھر ایسے لوگ آئیں گے جن کی قسمیں گواہیوں پر اور گواہیاں قسموں پر پیش پیش رہیں گی ❹ اور روایت میں ہے کہ انکی گواہی نہ لی جائے گی تاہم وہ گواہی دیں گے ❺ تو یاد رہے کہ یہ مذمت جھوٹی گواہی دینے والوں کی ہے اور وہ تعریف سچی گواہی دینے والوں کی ہے اور یہی تطبیق ہے ان مختلف احادیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں کہ آیت دونوں حالتوں کو شامل ہے یعنی گواہی دینے کے لئے بھی اور گواہ رہنے کے لئے بھی انکار نہ کرنا چاہئے۔

پھر فرمایا چھوٹا معاملہ ہو یا بڑا لکھنے سے کسمساؤ نہیں مدت وغیرہ لکھ لیا کرو ہمارا یہ حکم پورے عدل والا اور گواہی کو خوب ثابت رکھنے والا ہے کیونکہ اپنی تحریر دیکھ کر بھولی بسری بات بھی یاد آ جاتی ہے نہ لکھا ہو تو ممکن ہے کہ بھول ہو جائے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے اور اس میں شک وشبہ کے نہ ہونے کا بھی زیادہ موقعہ ہے کیونکہ اختلاف کے وقت تحریر دیکھ سکتے ہیں اور بغیر شک وشبہ فیصلہ ہو سکتا ہے پھر فرمایا جب کہ نقد خرید وفروخت ہو رہی ہو تو چونکہ باقی کچھ نہیں رہتا اس لئے اگر نہ لکھا جائے تو کسی جھگڑے کا احتمال نہیں پس کتابت کی شرط تو ہٹا دی اب رہی شہادت تو سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے ہیں کہ ادھار ہو یا نہ ہو ہر حال میں اپنے حق پر گواہ کر لیا کرو دیگر بزرگوں سے مروی ہے کہ ﴿فان امن﴾ الخ' فرما کر اس حکم کو بھی ہٹا دیا۔

لکھنے کا حکم استحباباً ہے نہ کہ وجوباً: یہ بھی ذہن نشین رہے کہ جمہور کے نزدیک یہ حکم واجب نہیں بلکہ استحباب کے طور پر اچھائی کے لئے ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے جس سے صاف ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے خرید وفروخت کی اور کوئی گواہ شاہد نہ تھا چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک اعرابی سے ایک گھوڑا خریدا اور اعرابی آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے آپ کے دولت خانہ کی

---

❶ ابن أبي حاتم، ۳/ ۱۸۱؛ الطبری، ٦/ ۷۱۔ ❷ صحیح مسلم، کتاب الأقضیة، باب بیان خیر الشهود، ۱۷۱۹؛ ابوداود، ۳۵٦۹؛ ترمذی، ۲۲۹٦۔ ❸ شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث ثابت نہیں اور اسے بخاری ومسلم کی حدیث قرار دینا یہ حافظ ابن کثیر کا وہم ہے۔ دیکھئے (السلسلة الضعیفة، ٤٨٦٧)

❹ صحیح بخاری، کتاب الشهادات، باب لا یشهد علی شهادة جور إذا أشهد، ۲٦٥۲؛ صحیح مسلم، ۲٥۳۳۔

❺ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب مایحذر من زهرة الدنیا والتنافس فیها، ٦٤۲۸؛ صحیح مسلم، ۲٥۳٤۔

طرف رقم لینے کے لئے چلا۔ حضور ﷺ تو ذرا جلد نکل گئے اور وہ آہستہ آہستہ آ رہا تھا لوگوں کو یہ تو معلوم نہ تھا کہ یہ گھوڑا بک گیا ہے انھوں نے قیمت لگانی شروع کی یہاں تک کہ جتنے داموں اس نے آپ ﷺ کے ہاتھ بیچا تھا اس سے زیادہ دام لگ گئے اعرابی کی نیت پلٹی اور اس نے آپ کو آواز دے کر کہا حضرت! یا تو لے لیجئے یا میں کسی اور کے ہاتھ بیچ دیتا ہوں حضور ﷺ یہ سن کر رک کے اور فرمانے لگے تو تو اسے میرے ہاتھ بیچ چکا ہے پھر یہ کیا کہہ رہا ہے اس نے کہا نہیں اللہ کی قسم میں نے تو نہیں بیچا حضرت ﷺ نے فرمایا غلط کہتا ہے میرے تیرے درمیان معاملہ ہو چکا ہے اب لوگ اِدھر اُدھر سے بیچ میں بولنے لگے اس گنوار نے کہا اچھا تو گواہ لائیے کہ میں نے آپکے ہاتھ بیچ دیا مسلمانوں نے ہر چند کہ بد بخت آپ ﷺ تو اللہ کے پیغمبر ہیں آپکی زبان مبارک سے تو حق ہی نکلتا ہے لیکن وہ یہی کہے چلا جائے کہ لاؤ گواہ پیش کرو۔ اتنے میں حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ آ گئے اور اعرابی کے قول کو سن کر فرمانے لگے میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے بیچ دیا ہے اور آنحضرت کے ہاتھ تو فروخت کر چکا ہے آپ ﷺ نے فرمایا تو کیسے شہادت دے رہا ہے؟ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی تصدیق اور سچائی کی بنا پر چنانچہ آپ نے فرمادیا کہ آج سے خزیمہ کی گواہی دو گواہوں کے برابر ہے' [1] پس اس حدیث سے خرید و فروخت پر گواہی ضروری نہ رہی لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ تجارت پر بھی گواہ ہوں کیونکہ ابن مردویہ اور حاکم میں ہے کہ تین شخص ہیں جو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں لیکن قبول نہیں کی جاتی ایک تو وہ کہ جس کے گھر بداخلاق عورت ہو اور وہ اسے طلاق نہ دے دوسرا وہ شخص جو کسی یتیم کا مال اسکی بلوغت سے پہلے اسے سونپ دے۔ تیسرا وہ شخص جو کسی کو مال قرض دے اور گواہ نہ رکھے۔ [2] امام حاکم اسے شرط بخاری و مسلم پر صحیح بتاتے ہیں بخاری و مسلم اس لئے اسے نہیں لائے کہ شعبہ کے شاگرد اس روایت کو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پر موقوف بتلاتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ کاتب کو چاہئے کہ لکھوانے کے خلاف نہ لکھے اور گواہ کو چاہئے کہ واقعہ کے خلاف گواہی نہ دے نہ گواہی کو چھپائے حسن' قتادہ رحمہم اللہ وغیرہ کا یہی قول ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ ان دونوں کو ضرر نہ پہنچایا جائے مثلاً انہیں بلانے کے لئے گئے وہ کسی اپنے کام کاج میں مشغول ہیں تو یہ کہنے لگے کہ تم پر یہ فرض ہے کہ اپنا حرج کرو اور چلو یہ حق انہیں نہیں اور بہت سے بزرگوں سے بھی یہ مروی ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ میں جس سے روکوں اس کا کرنا جس کے کرنے کو کہوں اس سے رک جانا یہ بدکاری ہے جس کا وبال تم سے چھٹے گا نہیں۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس کا لحاظ رکھو اس کی فرمانبرداری کرو اس کے روکے ہوئے کاموں سے رک جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تم کو سمجھا رہا ہے جیسے اور جگہ فرمایا ہے ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا﴾ [3] اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تم کو دلیل دے دے گا اور جگہ ہے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس کے رسول پر ایمان رکھو وہ تم کو دوہری رحمتیں دے گا اور تم کو وہ نور عطا فرمائے گا جس کی روشنی میں تم چلتے رہو گے۔ پھر فرمایا تمام کاموں کے انجام اور حقیقت سے ان کی مصلحتوں اور دور اندیشیوں سے اللہ تعالیٰ آگاہ ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں اس کا علم تمام کائنات کو گھیرے ہوئے ہے اور ہر چیز کا اسے حقیقی علم ہے۔

---

[1] احمد، ٥/ ٢١٦؛ ابوداود، كتاب القضاء باب إذا علم الحاكم صدق شهادة الواحد، ٣٦٠٧؛ وهو صحيح، نسائی، ٤٦٥١۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (الإرواء، ١٢٨٦) [2] حاکم، ٢/ ٣٠٢۔ وسنده صحيح شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الصحيحة، ١٨٠٥) [3] ٨/الانفال:٢٩۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝

ع

ترجمہ: اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو رہن قبضہ میں رکھ لیا کرو ہاں اگر آپس میں ایک دوسرے سے پر امن ہو تو جسے امانت دی گئی ہے وہ اسے ادا کر دے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے جو اس کا رب ہے اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو اسے چھپا لے وہ گنہگار دل والا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔[۲۸۳]

کوئی چیز رہن رکھنے کا مسئلہ: [آیت: ۲۸۳] یعنی بحالت سفر اگر ادھار سدھار کا لین دین ہو اور کوئی لکھنے والا نہ ملے یا ملے مگر قلم و دوات یا کاغذ نہ ہو تو رہن رکھ لیا کرو اور جس چیز کو رہن رکھنا ہو اسے حقدار کے قبضے میں دے دو مَقْبُوْضَةٌ کے لفظ سے استدلال کیا گیا ہے کہ رہن جب تک قبضہ میں نہ آ جائے لازم نہیں ہوتا' جیسے کہ امام شافعی اور جمہور کا مذہب ہے مگر دوسری جماعت نے استدلال کیا ہے کہ رہن کا مرتہن کے ہاتھ میں مقبوض ہونا ضروری ہے امام احمد اور ایک دوسری جماعت سے یہی منقول ہے ایک اور جماعت کا قول ہے کہ رہن صرف سفر میں ہی مشروع ہے جیسے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ' لیکن صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند شافعی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت فوت ہوئے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ مدینہ کے ایک یہودی ابوالشحم کے پاس تیس وسق جو کے بدلے گروی تھی جو آپ نے اپنے گھر والوں کے کھانے کے لئے لیے تھے ❶ ان مسائل کے بسط و تفصیل کی جگہ تفسیر نہیں بلکہ احکام کی بڑی بڑی کتابیں ہیں وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ وَبِهِ الْمُسْتَعَانُ اس کے بعد کے جملے ﴿فَاِنْ اَمِنَ﴾ الخ' سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے کا حکم منسوخ ہو گیا ❷ شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب نہ دینے کا خوف نہ ہو تو نہ لکھنے اور گواہ نہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ ❸ جسے امانت دی جائے اسے خوف الٰہی رکھنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ادا نہ کرنے کی ذمہ داری ہاتھ پر ہے جو اس نے لیا جب تک کہ ادا نہ کرے ❹ شہادت کو نہ چھپاؤ نہ اس میں خیانت کرو نہ اس کا اظہار کرنے سے رکو۔

گواہی چھپانے والا گنہگار ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں کہ جھوٹی شہادت دینی یا شہادت کو چھپانا کبیرہ گناہ ہے ❺ یہاں بھی فرمایا اس کا چھپانے والا خطا کار دل والا ہے۔

جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ۝﴾ ❻ یعنی ہم اللہ کی شہادت کو نہیں چھپاتے اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً ہم گنہگاروں میں سے ہیں اور جگہ فرمایا ایمان والو عدل و انصاف کے ساتھ ربانی گواہیوں پر ثابت قدم رہو گو اس کی =

---

❶ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب شراء النبی علیہ السلام بالنسیئة، ۲۰۶۹، عن انس رضی اللہ عنہ، صحیح مسلم، ۱۶۰۳، عن عائشة رضی اللہ عنہا ترمذی، ۱۲۱۵؛ نسائی، ۴۲۹۶؛ ابن ماجة، ۲۴۳۷؛ مسند شافعی، ۶۱۹ اور مسند شافعی کی روایت مرسل ہے۔

❷ ابن ابی حاتم، ۳/ ۱۲۰۲۔ ❸ ابن ابی حاتم، ۳/ ۱۲۰۳۔

❹ ابوداود، کتاب البیوع، باب فی تضمین العارية، ۳۵۶۱؛ وسنده ضعيف قتادہ مدلس کے سماع کی تصریح نہیں۔ ترمذی، ۱۲۶۶؛ ابن ماجة، ۲۴۰۰۔ ❺ الطبری، ۶/ ۱۰۰۔ ❻ ۵/ المآئدة: ۱۰۶۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

ترجمہ: آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ ہی کی ملکیت ہے تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اسے تم ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ اس کا حساب تم سے لے گا پھر جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے سزا دے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔[۲۸۴]

= برائی خود تم کو پہنچے یا تمہارے ماں باپ کو یا رشتے کنبے والوں کو اگر وہ مالدار ہو تو اور فقیر ہو تو اللہ تعالیٰ ان دونوں سے اولیٰ ہے خواہشوں کے پیچھے پڑ کر عدل سے نہ ہٹو اگر تم زبان دباؤ گے یا پہلو تہی کرو گے تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے اعمال سے خبردار ہے اسی طرح یہاں بھی فرمایا کہ گواہی کو نہ چھپاؤ اس کا چھپانے والا گنہگار دل والا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔

دلی وسواس اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی پریشانی کا ازالہ: [آیت:۲۸۴] یعنی زمین وآسمان کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے چھوٹی موٹی چھپی کھلی کا وہ عالم ہے ہر چھپے کھلے کا وہ حساب لینے والا ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ﴾ ❶ الخ' کہہ دے کہ تمہارے سینوں میں جو کچھ ہے اسے خواہ تم چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ تعالیٰ کو اس کا بخوبی علم ہے وہ آسمان وزمین کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے اور جگہ فرمایا وہ پوشیدگی کو اور علانیہ کو خوب جانتا ہے اور بھی اس معنی کی بہت آیات ہیں' یہاں اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ وہ اس پر حساب لے گا جب یہ آیت اتری تو صحابہ رضی اللہ عنہم پر بڑی بھاری پڑی کہ چھوٹی بڑی تمام چیزوں کا حساب ہو گا اور اپنے ایمان کی زیادتی اور یقین کی مضبوطی کی وجہ سے وہ کانپ اٹھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر گھٹنوں کے بل گر پڑے اور کہنے لگے حضرت نماز' روزہ' جہاد' صدقہ وغیرہ کا تو ہمیں حکم ہوا جو ہماری طاقت میں تھا ہم نے حتی المقدور کیا لیکن اب جو آیت اتری ہے اس کی برداشت کی طاقت تو ہم میں نہیں آپ نے فرمایا ''پھر کیا تم یہود و نصاریٰ کی طرح یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہم نے سنا اور نہیں مانا تم کو چاہئے کہ یوں کہو ہم نے سنا اور مانا اے اللہ! ہم تیری بخشش چاہتے ہیں ہمارے رب ہمیں تو تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔'' چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے تسلیم کر لیا اور زبانوں پر یہ کلمات جاری ہو گئے تو آیت ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ﴾ اتری اور اللہ تعالیٰ نے اس تکلیف کو دور کر دیا اور آیت ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ﴾ نازل ہوئی (مسند احمد)۔ ❷ صحیح مسلم میں بھی یہ حدیث ہے اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تکلیف دور کر دی اور آیت ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ﴾ اتاری ❸ اور جب مسلمانوں نے کہا کہ اے اللہ! ہماری بھول چوک اور خطا پر ہماری پکڑ نہ کر تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿نَعَمْ﴾ یعنی میں یہی کروں گا انھوں نے کہا ﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا﴾ الخ اے اللہ! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم سے اگلوں پر ڈالا اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ بھی قبول پھر کہا ﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا﴾ اے اللہ! ہم پر ہماری طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈال اسے بھی قبول کیا گیا پھر دعا مانگی اے اللہ! ہمیں معاف فرما ہمارے گناہ بخش اور کافروں پر ہماری مدد کر اللہ تعالیٰ نے اسے بھی قبول فرمایا یہ حدیث اور بھی بہت سے طرق سے مروی ہے ایک روایت میں یہ بھی ہے حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے

❶ ۳/ آل عمران:۲۹۔ ❷ احمد، ۲/ ۴۱۲، وسنده صحیح ؛ ورواه مسلم۔ ❸ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان تجاوز اللّٰہ تعالیٰ من حدیث النفس، ۱۲۵؛ مسند ابی عوانه ۱/ ۷۶؛ ابن حبان ۱۳۹۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جا کر واقعہ بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس آیت ﴿وَاِنْ تُبْدُوْا﴾ الخ کی تلاوت فرمائی اور بہت روئے آپ نے فرمایا اس آیت کے اترتے ہی یہی حال صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس کے اترنے کے وقت ہوا تھا وہ سخت غمگین ہو گئے اور یہ بھی کہا کہ دلوں کے مالک ہم نہیں دل کے خیالات پر بھی پکڑے گئے تو بڑی مشکل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ((سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا)) کہو چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا اور پھر بعد والی آیات اتریں اور عمل پر تو پکڑ رہی لیکن دل کے خیالات اور نفس کے وسوسے سے پکڑ اٹھ گئی۔ ❶ دوسرے طریق سے یہ روایت ابن مرجانہ سے بھی اسی طرح مروی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ قرآن نے فیصلہ کر دیا کہ تم اپنے نیک و بداعمال پر پکڑے جاؤ گے خواہ زبانی ہوں خواہ اور اعضاء کے ہوں لیکن دلی وسواس معاف ہیں اور بھی بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم سے اس کا منسوخ ہونا مروی ہے صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دلی خیالات سے درگزر فرمالیا پکڑ اسی پر ہے جو کہیں یا کریں۔ ❷

نیکی کا ارادہ کرنے سے ثواب لکھا جاتا ہے جبکہ گناہ میں ایسا نہیں ہے: بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ برائی کا ارادہ کرے تو اسے نہ لکھو جب تک کر نہ گزرے اگر کر گزرے تو ایک برائی لکھو اور جب نیکی کا ارادہ کرے تو صرف ارادہ ہی سے نیکی لکھ لو اور اگر نیکی کر بھی لے تو ایک کے بدلے دس نیکیاں لکھو“ (مسلم) ❸ اور روایت میں ہے کہ ایک نیکی کے بدلے سات سو تک لکھی جاتی ہیں ❹ اور روایت میں ہے جب بندہ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو فرشتے جناب باری میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ تیرا یہ بندہ بدی کرنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رکے رہو جب تک کہ کر نہ لے اس کے نامۂ اعمال میں نہ لکھو اگر کرے تو ایک لکھنا اور اگر چھوڑ دے تو ایک نیکی لکھ لینا کیونکہ مجھ سے ڈر کر چھوڑتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”جو پختہ اور پورا مسلمان بن جائے اس کی ایک ایک نیکی کا ثواب دس سے لے کر سات سو تک بڑھتا جاتا ہے اور برائی نہیں بڑھتی۔“ ❺ اور روایت میں ہے کہ سات سو سے بھی کبھی کبھی نیکی بڑھا دی جاتی ہے ❻ ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ بڑا برباد ہونے والا وہ ہے جو باوجود اس رحم و کرم کے بھی برباد ہو۔ ❼ ایک مرتبہ اصحاب رضی اللہ عنہم نے آ کر کہا کہ حضرت! کبھی کبھی تو ہمارے دل میں ایسے وسوسے اٹھتے ہیں کہ زبان سے ان کا بیان کرنا بھی ہم پر گراں گزرتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا ہونے لگا؟ انھوں نے کہا ہاں آپ نے فرمایا: ”یہ صریح ایمان ہے۔“ ❽ (مسلم وغیرہ)۔

دلی وسواس پر محاسبہ عذاب کو لازم نہیں کرتا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب ساری مخلوق کو اللہ تعالیٰ جمع کرے گا تو فرمائے گا کہ میں تم کو تمہارے دلوں کے بھید بتاتا ہوں جس پر میرے فرشتے بھی آگاہ نہیں مؤمنوں کو تو خبر دے کر پھر معاف فرما دے گا ہاں منافق اور شک و شبہ والے لوگوں کو ان کی تکذیب کی پوشیدگی پر اطلاع دے کر پھر ان کی پکڑ ہو گی جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ ❾ یعنی اللہ تعالیٰ =

---

❶ صحیح بخاری، کتاب العتق، باب الخطاء والنسیان فی العتاقة، ۲۵۲۸؛ صحیح مسلم، ۱۲۷۔
❷ صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ ﴿یریدون أن یبدلوا کلام اللّٰہ﴾، ۷۵۰۱؛ صحیح مسلم، ۱۲۸؛ ترمذی، ۱۱۸۳؛ نسائی، ۳۴۶۳؛ ابن ماجة، ۲۰۴۴۔ ❸ صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ ﴿یریدون أن یبدلوا کلام اللّٰہ﴾، ۷۵۰۱؛ صحیح مسلم، ۱۲۸۔ ❹ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب إذا هم العبد بحسنة، ۱۲۸۔
❺ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب إذا هم العبد بحسنة، ۱۳۱؛ صحیح بخاری، ۴۲، قوله ((إذا احسن احدکم سلامه......))
❻ ایضًا۔ ❼ ایضًا۔ ❽ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الوسوسة فی الایمان، ۱۳۲۔ ❾ ۲/ البقرة:۲۲۵۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾ ع

ترجمہ: رسول مان چکا اس چیز کو جو اس کی طرف اللہ کی جانب سے اتری اور مومن بھی مان چکے یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اس کے رسولوں میں سے کسی میں ہم جدائی نہیں کرتے انھوں نے کہہ دیا کہ ہم نے سنا اور مانا ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں اے رب ہمارے اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔[۲۸۵] اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جو نیکی کرے وہ اس کیلئے اور جو برائی کرے وہ اس پر ہے اے ہمارے رب! اگر ہم بھول گئے ہوں یا خطا کی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا اے اللہ ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ان لوگوں پر ڈالا تھا جو ہم سے پہلے تھے اے ہمارے رب ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو اور ہم سے درگزر فرما اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر تو ہی ہمارا مالک ہے ہمیں کافروں کی قوم پر غلبہ عطا فرما۔[۲۸۶]

= تم کو تمہارے دل کی کمائی پر پکڑے گا یعنی دلی شک اور دلی نفاق پر حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بھی اسے منسوخ نہیں کہتے امام ابن جریر بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حساب اور چیز ہے عذاب اور چیز ہے حساب لئے جانے کو عذاب کیا جانا لازم نہیں حساب کے بعد ممکن ہے کہ معاف ہو جائے اور ممکن ہے پکڑ ہو اور سزا دی جائے چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ہم طواف کر رہے تھے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کے متعلق کیا سنا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایمان والے کو اپنے پاس بلالے گا یہاں تک کہ اپنا بازو اس پر رکھ دے گا پھر اس سے کہے گا بتا تو نے فلاں فلاں گناہ کیا؟ فلاں دن فلاں گناہ کیا؟ وہ غریب اقرار کرتا جائے گا جب بہت سے گناہوں کا اقرار کر لے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا سن! دنیا میں بھی میں نے تیرے ان عیوب کی پردہ پوشی کی اور اب آج کے دن میں ان تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہوں اب اسے اس کی نیکیوں کا صحیفہ اس کے داہنے ہاتھ میں دے دیا جائے گا ہاں البتہ کفار و منافق کو تمام مجمع کے سامنے رسوا کیا جائے گا ان کے گناہ ظاہر کئے جائیں گے اور پکار دیا جائے گا کہ یہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا ان ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔ (1)

(1) صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب قول اللہ تعالیٰ ﴿الا لعنة الله على الظالمين﴾، ۲٤٤۱؛ صحیح مسلم، ۲۷٦۸۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اس آیت کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا جب سے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا ہے تب سے لے کر آج تک مجھ سے کسی شخص نے نہیں پوچھا آج تو نے پوچھا ہے سن! اس سے مراد بندے کو دنیوی تکلیفیں مثلاً بخار وغیرہ تکلیفیں پہنچنا ہے یہاں تک کہ مثلاً ایک جیب میں نقدی رکھی ہے اور خیال رہا کہ اس کی دوسری جیب میں ہے ہاتھ ڈالا وہاں نہ نکلی دل پر چوٹ سی پڑی پھر دوسری جیب میں ہاتھ ڈالا وہاں سے مل گئی اس پر بھی اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں یہاں تک کہ مرنے کے وقت وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جس طرح خالص سرخ سونا ہو ❶ (ترمذی وغیرہ) یہ حدیث غریب ہے۔

سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات کی فضیلت: [آیت:۲۸۵۔۲۸۶] ان دونوں آیات کی فضیلت کی احادیث سنئے صحیح بخاری میں ہے جو شخص ان دونوں آیات کو رات کو پڑھ لے اسے یہ دونوں کافی ہیں ❷ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں سورۃ بقرہ کے خاتمہ کی دو آیات عرش تلے کے خزانہ سے دیا گیا ہوں مجھ سے پہلے کسی نبی کو یہ نہیں دی گئیں'' ❸ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی اور آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جو ساتویں آسمان میں ہے جو چیز آسمان کی طرف چڑھتی ہے وہ یہیں تک ہی پہنچتی ہے اور یہاں سے لے لی جاتی ہے اور جو چیز اوپر سے اترتی ہے وہ بھی یہیں تک پہنچتی ہے پھر یہاں سے لے لی جاتی ہے اسے سونے کی ٹڈیاں ڈھکے ہوئے تھیں وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزیں دی گئیں پانچوں وقت کی نمازیں سورۃ بقرہ کے خاتمہ کی دو آیات اور توحید والوں کے تمام گناہوں کی بخشش۔ ❹ مسند میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سورۃ بقرہ کی ان دونوں آخری آیات کو پڑھتے رہا کرو میں انہیں عرش کے نیچے کے خزانوں سے دیا گیا ہوں۔'' ❺ ابن مردویہ میں ہے کہ ہمیں لوگوں پر تین فضیلتیں دی گئی ہیں میں سورۃ بقرہ کی یہ آخری آیات عرش تلے کے خزانوں سے دیا گیا ہوں جو نہ مجھ سے پہلے کسی کو دی گئیں نہ میرے بعد کسی کو دی جائیں گی ❻ ابن مردویہ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نہیں جانتا کہ اسلام کے جاننے والوں میں سے کوئی شخص آیت الکرسی اور سورۃ بقرہ کی آخری دو آیات پڑھے بغیر سو جائے۔ یہ وہ خزانہ ہے جو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم عرش تلے کے خزانہ سے دیئے گئے ہیں ❼ اور حدیث ترمذی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کرنے سے دو ہزار برس پہلے ایک کتاب لکھی جس میں سے دو آیات اتار کر سورۃ بقرہ ختم کی جس گھر میں یہ تین راتوں تک پڑھی جائیں اس گھر کے قریب بھی شیطان نہیں جا سکتا ❽ امام ترمذی رحمہ اللہ اسے غریب بتاتے ہیں لیکن حاکم اپنی مستدرک میں اسے صحیح کہتے ہیں ❾

---

❶ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة البقرة، ۲۹۹۱۔ وسندہ ضعیف اس کی سند میں علی بن زید بن جدعان ضعیف راوی ہے (التقریب ۲/ ۳۷، رقم: ۳۴۲) ❷ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فضل سورة البقرة، ۵۰۰۹؛ صحیح مسلم، ۸۰۶؛ ابوداود، ۱۳۹۷؛ ترمذی، ۲۸۸۱؛ ابن ماجة، ۱۳۶۹۔

❸ أحمد، ۵/ ۱۵۱۔ وسندہ ضعیف۔

❹ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب فی ذکر سدرة المنتهی، ۱۷۳؛ السنن الکبریٰ للنسائی، ۳۱۵۔

❺ أحمد، ۴/ ۱۴۷، وسندہ ضعیف۔ ❻ أحمد، ۵/ ۳۸۳، وسندہ صحیح۔

❼ یہ روایت موقوف ہے اور دونوں سندوں کے ساتھ ضعیف ہے۔ ❽ ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ما جاء فی آخر سورة البقرة، ۲۸۸۲، وسندہ حسن۔ ❾ دیکھئے الحاکم، ۲/ ۲۶۰۔

ابن مردویہ میں ہے کہ جب حضور ﷺ سورۃ بقرہ کا خاتمہ اور آیت الکرسی پڑھتے تو ہنس دیتے اور فرماتے کہ یہ دونوں رحمٰن کے عرش تلے کا خزانہ ہیں اور جب آیت ﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾ ❶ اور آیت ﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰي ۝ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۝ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ۝﴾ ❷ پڑھتے تو زبان سے اِنَّا لِلّٰهِ نکل جاتا اور ست ہو جاتے ❸ ابن مردویہ میں ہے کہ مجھے سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کے آخر کی دو آیات عرش کے نیچے سے دی گئیں ہیں اور مفصل کی سورتیں اور زیادہ ہیں ❹ اور حدیث میں ہے کہ ہم حضور ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی تھے کہ اچانک ایک دہشت ناک بہت بڑے دھماکہ کی آواز آسمان سے آئی حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اوپر کو آنکھیں اٹھائیں اور فرمایا کہ آسمان کا یہ وہ دروازہ کھلا ہے جو آج تک کبھی نہیں کھلا تھا اس سے ایک فرشتہ اترا اس نے آنحضرت ﷺ سے کہا آپ خوش ہو جائیے آپ کو وہ دو نور دیئے جاتے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات ان میں سے ایک ایک حرف پر آپ کو نور دیا جائے گا (مسلم) ❺ پس یہ دس احادیث ان مبارک آیات کی فضیلت میں ہیں۔

تمام نازل شدہ آسمانی کتابوں پر ایمان رکھنا: مطلب آیت کا یہ ہے کہ رسول یعنی حضرت محمد ﷺ اس پر ایمان لائے جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل ہوا اسے سن کر آپ نے فرمایا وہ ایمان لانے کا پورا مستحق تھا ❻ اور دوسرے ایماندار بھی ایمان لائے ان سب نے مان لیا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہے وہ وحدانیت والا ہے وہ تنہا ہے وہ بے نیاز ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں نہ اس کے سوا کوئی پالن ہار ہے یہ تمام انبیا کو مانتے ہیں تمام رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں آسمانی کتابوں کو انبیائے کرام علیہم السلام پر اتری ہیں سچی جانتے ہیں وہ نبیوں میں جدائی نہیں کرتے کہ ایک کو مانیں ایک کو نہ مانیں بلکہ سب کو سچا جانتے ہیں اور ایمان رکھتے ہیں کہ وہ پاکباز طبقہ رشد وہدایت والا اور لوگوں کی خیر کی طرف رہبری کرنے والا ہے گو بعض احکام ہر نبی کے زمانہ میں ادل بدل ہوتے رہے یہاں تک کہ حضور ﷺ کی شریعت سب کی ناسخ ٹھہری خاتم الانبیاء والمرسلین آپ تھے۔ قیامت تک آپ کی شریعت باقی رہے گی اور ایک جماعت اس کی اتباع بھی کرتی رہے گی انہوں نے اقرار بھی کیا کہ ہم نے کلام اللہ سنا اور احکام الٰہی ہمیں تسلیم ہیں انہوں نے کہا اے اللہ ہمیں مغفرت رحمت اور لطف عنایت فرما تیری ہی طرف ہمیں لوٹنا ہے یعنی حساب والے دن حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا اے اللہ کے رسول آپ کی اور آپ کی تابعدار امت کی یہاں ثناوصفت بیان ہو رہی ہے آپ اس موقعہ پر دعا کیجئے قبول کی جائے گی مانگئے کہ اللہ تعالیٰ طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دے۔ ❼

پھر فرمایا کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف اللہ تعالیٰ نہیں دیتا یہ اس کا لطف وکرم اور احسان وانعام ہے صحابہ کو جو کھٹکا ہوا تھا اور ان پر جو یہ فرمان گراں گزرا تھا کہ دل کے خیالات پر بھی حساب لیا جائے گا وہ حرج اس آیت سے اٹھ گیا مطلب یہ ہے کہ گو حساب ہو سوال ہو لیکن جو چیز طاقت سے باہر ہے اس پر عذاب نہیں کیونکہ دل میں کسی خیال کا دفعتہً آ جانا رو کے رک نہیں سکتا بلکہ حدیث سے

---

❶ ٤/ النسآء:١٢٣۔ ❷ ٥٣/ النجم:٣٩۔

❸ ان الفاظ سے یہ روایت انتہائی ضعیف ہے۔ اس کی سند میں ابوبکر بن ابی مریم ضعیف راوی ہے۔ (المیزان: ٤/ ٤٩٨، رقم: ١٠٠٦)

❹ المعجم الکبیر للطبرانی، ٢٠/ ٢٢٥، ٢٢٦ مطولاً بھذا اللفظ حاکم، ١/ ٥٥٩، وسندہ ضعیف۔

❺ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل الفاتحۃ و خواتیم سورۃ البقرۃ، ٨٠٧۔

❻ یہ روایت مرسل ہے امام ذہبی نے اسے منقطع قرار دیا ہے۔ دیکھئے (تلخیص المستدرک ٢/ ٢٨٧) لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

❼ الطبری، ٦٤٩٧ عن حکیم بن جابر یہ روایت مرسل یعنی ضعیف ہے۔

یہ بھی معلوم ہو چکا کہ ایسے وسوسوں کو برا جاننا دلیل ایمان ہے بلکہ اپنی اپنی کرنی اپنی اپنی بھرنی اعمال صالحہ کرو گے جزا پاؤ گے اعمال خبیثہ کرو گے سزا بھگتو گے۔

پھر دعا کی تعلیم کی اور اس کی قبولیت کا وعدہ فرمایا کہ اے اللہ بھولے چوکے جو احکام ہم سے چھوٹ گئے ہوں یا جو برے کام ہو گئے ہوں یا شرعی احکام میں غلطی کر کے جو خلاف شرع کام ہم سے ہو گئے ہوں وہ معاف فرما پہلے صحیح مسلم کے حوالے سے حدیث گزر چکی ہے کہ اس دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے اسے قبول فرمالیا میں نے یہی کیا ❶ اور حدیث میں آ چکا کہ میری امت کی بھول چوک معاف ہے اور جو کام زبردستی کرائے جائیں وہ بھی معاف ہیں (ابن ماجہ)۔ ❷ اے اللہ! ہم پر مشکل اور سخت اعمال کی مشقت نہ ڈال جیسے اگلے دین والوں پر سخت سخت احکام تھے جو آنحضرت ﷺ کو نبی رحمت بنا کر بھیج کر دور کئے گئے اور آپ کو ایک طرفہ سہل اور آسان دین دیا گیا یہ بھی پرودگار نے قبول فرمایا حدیث میں بھی ہے کہ میں یکسوئی والا اور آسان دین دے کر بھیجا گیا ہوں۔ ❸

اے اللہ! وہ تکلیفیں بلائیں اور مشقتیں ہم پر نہ ڈال جن کی برداشت کی طاقت ہمیں نہیں حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فریب اور غلبہ شہوت ہے ❹ اس کے جواب میں بھی قبولیت کا اعلان اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا گیا اور ہماری تقصیروں کو معاف فرما جو تیری راہ میں ہوئی ہیں اور ہمارے گناہوں کو بخش ہماری برائیوں اور بداعمالیوں کی پردہ پوشی کر ہم پر رحم و کرم کر تا کہ پھر ہم سے تیری مرضی کے خلاف کا کوئی کام نہ ہو اسی لئے بزرگوں کا قول ہے کہ گنہگار کو تین باتوں کی ضرورت ہے ایک تو اللہ کی معافی کی تا کہ عذاب سے نجات پائے دوسرے پردہ پوشی کی تا کہ رسوائی سے بچے تیسرے عصمت کی تا کہ وہ دوبارہ گناہ میں مبتلا نہ ہو اس پر بھی جناب باری تعالیٰ نے قبولیت کا اعلان کیا تو ہمارا والی و ناصر ہے تجھی پر ہمارا بھروسہ ہے تجھی سے ہم مدد طلب کرتے ہیں تو ہی ہمارا سہارا ہے تیری مدد کے سوا نہ تو ہم کسی نفع کے حاصل کرنے پر قادر ہیں نہ کسی برائی سے بچ سکتے ہیں تو ہماری ان لوگوں پر مدد کر جو تیرے دین کے منکر ہیں تیری وحدانیت کو نہیں مانتے تیرے نبی ﷺ کی رسالت کو تسلیم نہیں کرتے تیرے ساتھ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں مشرک ہیں۔ اے اللہ! تو ہمیں ان پر غالب کر دنیا اور دین میں ہم ہی ان پر کارفرما ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں بھی فرمایا ہاں میں نے یہ بھی کر دیا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جب اس آیت کو ختم کرتے آمین کہتے۔ (ابن جریر) ❺

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الایمان باب بیان تجاوز اللہ تعالیٰ...... ۱۲۵، ۱۲۶۔ ❷ ابن ماجة، کتاب الطلاق، باب طلاق المکرہ والناسی، ۲۰۴۳، عن أبی ذر رضی اللہ عنہ۔ سندہ ضعیف وھو صحیح بالشواھد۔

❸ احمد، ۵/ ۲۶۶، وسندہ ضعیف جداً۔ ❹ ابن ابی حاتم، ۳/ ۱۲۳۵۔

❺ الطبری، ۶/ ۱۴۶۔ وسندہ ضعیف ابواسحاق مدلس راوی ہے اور سماع کی صراحت نہیں نیز سند میں "رجل" مجہول ہے۔

تفسیر سورۂ آل عمران

یہ سورۃ مدنی ہے اس کے شروع کی تراسی آیات نجران کے عیسائیوں کے جو ایلچی حضور ﷺ کی خدمت میں سنہ ۹ ہجری میں آئے تھے ان کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جس کا مفصل بیان مباہلہ کی آیت ﴿قُلْ تَعَالَوْا﴾ ❶ کی تفسیر میں عنقریب آئے گا۔ ان شاءاللہ اس کی فضیلت میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں وہ سورۃ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں بیان کر دی گئی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴿۲﴾ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۳﴾ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ﴿۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت بڑا مہربان نہایت رحم کرنیوالا ہے۔ الٓمّٓ [۱] اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو زندہ اور سب کا نگہبان ہے۔ [۲] جس نے تجھ پر حق کے ساتھ اس کتاب کو نازل فرمایا ہے جو اپنے سے پہلے کی سچائی کرنے والی ہے اسی نے اس سے پہلے توراۃ وانجیل کو۔ [۳] لوگوں کی ہدایت کرنے والی بنا کر اتارا تھا اور قرآن بھی اس نے اتارا جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے بدلہ لینے والا ہے۔ [۴]

تین آیات میں اسم اعظم ہے: [آیت: ۱-۴] آیت الکرسی کی تفسیر کے بیان میں پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ اسم اعظم اس آیت اور آیت الکرسی میں ہے اور الٓمّٓ کی تفسیر سورۃ بقرہ کے شروع میں بیان ہو چکی ہے جسے دوبارہ یہاں لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ کی تفسیر بھی آیت الکرسی کی تفسیر میں ہم لکھ آئے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر اے محمد ﷺ قرآن کریم کو حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے جس میں کوئی شک نہیں بلکہ یقیناً وہ اللہ کی طرف سے ہے جسے اس نے اپنے علم کی وسعتوں کے ساتھ اتارا ہے اور فرشتے اس پر گواہ ہیں اور اللہ کی شہادت کافی وافی ہے۔

یہ قرآن اپنے سے پہلے کی تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور وہ کتابیں اس قرآن کی سچائی پر دلیل ہیں اس لئے کہ ان میں جو اس نبی ﷺ کے آنے اور اس کتاب کے اترنے کی خبر تھی وہ سچی ثابت ہوئی۔

اسی نے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر توراۃ اتاری اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر انجیل اتاری وہ دونوں کتابیں بھی اس زمانے کے لوگوں کے لئے ہدایت دینے والی تھیں۔

اس نے فرقان اتارا جو حق باطل ہدایت وضلالت میں اور گمراہی اور راہ راست میں فرق کرنے والا ہے اس کی واضح اور روشن ==

❶ ۳/ آل عمران: ۶۱۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝٥ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۚ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝٦ هُوَ الَّذِيٓ أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتٰبِ وَأُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۖ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشٰبَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَأْوِيلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهٗٓ إِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُولُوا الْأَلْبٰبِ ۝٧ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۝٨ رَبَّنَآ إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝٩

ع

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ پر زمین وآسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔[۵] وہ ماں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جس طرح کی چاہتا ہے بناتا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔[۶] وہ اللہ جس نے تجھ پر کتاب اتاری جس میں واضح مضبوط آیتیں ہیں جو اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ آیتیں ہیں پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں فتنے کی طلب اور ان کے مراد کی جستجو کے لئے ان کی حقیقی مراد کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا پختہ اور مضبوط علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہم تو ان پر ایمان لاچکے یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو صرف عقلمند حاصل کرتے ہیں۔[۷] اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کردے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما یقیناً تو ہی بہت بڑی عطا دینے والا ہے۔[۸] اے ہمارے رب تو یقیناً لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والا ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں یقیناً اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔[۹]

= دلیلیں اور زبردست برہان ہر ایک کو کفایت کرنے والے ہیں۔ حضرت قتادہ اور حضرت ربیع بن انس کا بیان ہے کہ فرقان سے مراد یہاں قرآن ہے گو یہ مصدر ہے لیکن چونکہ قرآن کا ذکر اس سے پہلے گزر چکا ہے اس لئے یہاں فرقان فرمایا ابوصالح سے یہ بھی مروی ہے کہ مراد اس سے توراۃ ہے مگر یہ ضعیف ہے اس لئے کہ توراۃ کا ذکر اس سے پہلے گزر چکا ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

قیامت کے دن منکروں اور باطل پرستوں کو سخت عذاب ہوں گے اللہ تعالیٰ غالب ہے بڑی شان والا ہے اعلیٰ سلطنت والا ہے انبیائے کرام اور رسولان باحترام کے مخالفوں سے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرنے والوں سے جناب باری تعالیٰ زبردست انتقام لے گا۔

ماں کے پیٹ میں تصویریں بنانے والا اللہ تعالیٰ ہے: [آیت:۵-۹] اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ آسمان وزمین کے غیب کو وہ بخوبی جانتا ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں وہ تم کو تمہاری ماں کے پیٹ میں صورتیں عنایت فرماتا ہے جس طرح کی چاہتا ہے اچھی بری نیک بد اس کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں وہ غالب ہے حکمت والا ہے جبکہ صرف اسی ایک نے تم کو بنایا اور پیدا کیا پھر عبادت دوسرے کی کیوں کرو؟ وہ لازوال عزتوں والا' غیر فانی حکمتوں والا' اٹل حکموں والا ہے' اس میں اشارہ بلکہ تصریح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ

ہی کے پیدا کئے ہوئے اور اسی کی چوکھٹ پر جھکنے والے تھے جس طرح کل انسان ہیں انہی انسانوں میں سے ایک آپ بھی ہیں وہ بھی ماں کے رحم میں بنائے گئے اور میرے پیدا کرنے سے پیدا ہوئے پھر اللہ کیسے بن گئے جیسے کہ اس لعنتی جماعت نصاریٰ نے سمجھ رکھا ہے حالانکہ وہ تو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف رگ وریشہ میں ادھر ادھر پھرتے پھراتے رہے جیسے اور جگہ ہے۔ ﴿يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ﴾ ❶ وہ اللہ تعالیٰ جو تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کرتا ہے ایک پیدائش کے بعد دوسری طرح کی بناوٹ تین تین اندھیریوں میں ہوتی ہے۔

یہاں بیان ہو رہا ہے کہ قرآن میں ایسی آیتیں بھی ہیں جن کا بیان بہت واضح بالکل صاف اور سیدھا ہے ہر شخص ان کے مطلب تک پہنچ سکتا ہے اور بعض آیات ایسی بھی ہیں جن کے مطلب تک عموماً ذہن رسائی نہیں کر سکتے اب جو لوگ دوسری قسم کی آیات کو پہلی قسم کی طرف لوٹا ئیں یعنی جس مسئلہ کی صراحت جس آیت میں پائیں لے لیں تو وہ سیدھے راستے پر ہیں اور جو صاف صریح آیات کو چھوڑ کر ایسی آیات کو دلیل بنائیں جو انکے فہم سے بالاتر ہیں اور ان میں الجھ جائیں یہ وہ ہیں جو منہ کے بل گر پڑے۔ ام الکتاب یعنی اصل اصول کتاب اللہ کی وہ صاف اور واضح آیات ہیں۔ شک وشبہ میں نہ پڑو اور کھلے احکام پر عمل کرو انہی کو فیصلہ کرنے والی مانو اور جو نہ سمجھ میں آئے اسے بھی ان سے ہی سمجھو۔ بعض اور آیتیں ایسی بھی ہیں کہ ایک معنی تو ان کا ایسا نکلتا ہے جو ظاہر آیتوں کے موافق ہو اور ممکن ہے کہ اس کے سوا اور معانی بھی نکلیں گو وہ حرف لفظ اور ترکیب کے اعتبار سے ہوں نہ کہ واقعی طور پر تو ان غیر ظاہر معنوں میں نہ پھنسو۔

محکمات اور متشابہات کی وضاحت: محکم اور متشابہ کے بہت سے معنی سلف سے منقول ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تو فرماتے ہیں کہ محکمات وہ ہیں جو ناسخ ہوں جن میں حلال' حرام' احکام' حکم' ممنوعات' حدیں اور اعمال کا بیان ہو اسی طرح آپ سے یہ بھی مروی ہے ﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ﴾ ❷ اور اس کے بعد کی حکموں والی آیتیں محکمات ہیں اور ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا﴾ ❸ اور اس کے بعد کی تین آیات۔ حضرت ابو فاختہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ سورتوں کے شروع ہیں یحییٰ بن یعمر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ فرائض اور احکام اور روک ٹوک اور حلال وحرام کی آیات ہیں سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں انہیں اصل کتاب اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ تمام کتابوں میں ہیں حضرت مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس لئے کہ تمام مذہب والے انہیں مانتے ہیں۔ متشابہات ان آیات کو کہتے ہیں جو منسوخ ہیں اور جو پہلے کی ہیں اور جو پیچھے کی ہیں اور جن میں مثالیں دی گئی ہیں اور قسمیں کھائی گئی ہیں اور جن پر صرف ایمان لایا جاتا ہے اور عمل کے لئے وہ احکام نہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی فرمان ہے حضرت مقاتل فرماتے ہیں اس سے مراد سورتوں کے شروع کے حروف مقطعات ہیں حضرت مجاہد کا قول یہ ہے کہ یہ ایک دوسری کی تصدیق کرنے والی ہیں ❹ جیسے اور جگہ ہے ﴿كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ﴾ ❺ اور یہ بھی مذکور ہے کہ یہ وہ کلام ہے جو ایک ہی طرز کے ماتحت ہو اور مثانی وہ ہے جہاں دو مقابل کی چیزوں کا ذکر ہو جیسے صفت جنت' دوزخ کی اور حال نیکوں اور بدوں کا وغیرہ وغیرہ اس آیت میں متشابہ محکم کے مقابلہ میں ہے اس لئے ٹھیک مطلب وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا اور یہی فرمان ہے حضرت محمد بن اسحٰق بن یسار رحمۃ اللہ علیہ کا' فرماتے ہیں کہ یہ رب کی حجت ہے ان میں بندوں کا بچاؤ ہے جھگڑوں کا فیصلہ ہے باطل کا خاتمہ ہے انہیں ان کے صحیح اور اصل مطلب سے کوئی گھما نہیں سکتا نہ ان کے معنی میں ہیر پھیر کر سکتا ہے متشابہات کی سچائی میں کلام نہیں نہ ان میں تصریف وتاویل کرنی چاہئے ان سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ایمان کو آزماتا ہے جیسے حلال حرام سے آزماتا ہے انہیں باطل کی طرف لے جانا اور حق سے پھیر دینا نہ چاہئے۔

❶ ٣٩/ الزمر:٦۔ ❷ ٦/ الانعام:١٥١۔ ❸ ١٧/ الاسرآء:٢٣۔

❹ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تعلیقًا قبل رقم: ٤٥٤٧۔ ❺ ٣٩/ الزمر:٢٣۔

اہل بدعت متشابہات سے ہی استدلال کرتے ہیں: پھر فرماتا ہے کہ جن دلوں میں کجی' ٹیڑھ پن' گمراہی اور حق سے باطل کی طرف جانا ہے وہ متشابہ آیات کو لے کر اپنے بدترین مقاصد کو پورا کرنا چاہتے ہیں اور لفظی اختلافات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنی طرف موڑ لیتے ہیں اور جو محکم آیات ہیں ان میں ان کا وہ مقصد پورا نہیں ہوتا کیونکہ ان کے الفاظ بالکل صاف اور کھلے ہوئے ہوتے ہیں نہ وہ انہیں ہٹا سکتے ہیں نہ ان میں اپنے لئے کوئی دلیل پاتے ہیں اس لئے فرمان ہے کہ اس سے مقصد ان کا فتنہ کی تلاش ہوتی ہے تا کہ اپنے ماننے والوں کو بہکائیں اپنی بدعتوں کی دلیل قرآن سے لانا چاہتے ہیں حالانکہ قرآن تو بدعتوں کی تردید کرتا ہے جیسے کہ عیسائیوں نے دلیل پکڑی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ کا لڑکا ہونے پر قرآن کے الفاظ روح اللہ اور کلمۃ اللہ سے پس اس متشابہ آیت کو لے کر صاف آیت جس میں یہ لفظ ہیں کہ ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ﴾ . یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے غلام ہیں جن پر اللہ کا انعام ہے۔ اور جگہ ہے ﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ﴾ ❶ الخ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ہے کہ انہیں اللہ نے مٹی سے پیدا کیا پھر اسے کہا کہ ہو جا وہ ہو گیا چنانچہ اسی طرح کی اور بھی صریح آیتیں ہیں ان سب کو چھوڑ دیا اور متشابہ آیتوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ کا بیٹا ہونے پر دلیل پکڑی حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی مخلوق ہیں اللہ کے بندے ہیں اس کے رسول ہیں۔

غلط تاویل وتحریف کی مذمت: پھر فرماتا ہے کہ ان کی دوسری غرض آیت کی تحریف ہوتی ہے کہ اسے اپنی جگہ سے ہٹا کر مفہوم بدل لیں۔ حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا ''جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہ آیات میں جھگڑتے ہیں تو انہیں چھوڑ دو'' یہی لوگ اس آیت میں مراد لئے گئے ہیں ❷ یہ حدیث مختلف طریق سے بہت سی کتابوں میں مروی ہے صحیح بخاری شریف میں بھی یہ حدیث اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے ملاحظہ ہو کتاب القدر۔ ❸ ایک اور حدیث میں ہے کہ یہ لوگ خوارج ہیں (مسند احمد) ❹ پس اس حدیث کو زیادہ سے زیادہ موقوف سمجھ لیا جائے تاہم اس کا مضمون صحیح ہے اس لئے کہ پہلی بدعت خوارج نے ہی پھیلائی۔ یہ فرقہ محض دنیوی رنج کی وجہ سے مسلمانوں سے الگ ہوا۔ حضور ﷺ نے جس وقت حنین کی غنیمت کا مال تقسیم کیا اس وقت ان لوگوں نے اسے خلاف عدل سمجھا اور ان میں سے ایک نے جسے ذوالخویصرہ کہا جاتا تھا اس نے حضور ﷺ کے سامنے آ کر صاف کہا کہ حضرت! عدل کیجئے آپ نے اس تقسیم میں انصاف نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا مجھے تو اللہ نے امین بنایا تھا اگر میں بھی عدل نہ کروں تو پھر تو تو برباد ہوا اور نقصان میں پڑا جب وہ لوٹا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں اسے مار ڈالوں آپ نے فرمایا چھوڑ دو اس کی جنس سے ایک ایسی قوم نکلے گی کہ تم لوگ اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابلہ میں اور اپنی قرآن خوانی کو ان کی قرآن خوانی کے مقابلہ میں حقیر سمجھو گے دراصل وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے تم جہاں انہیں پاؤ قتل کرو ان کے قتل کرنے والے کو بڑا ثواب ملے گا۔ ❺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ان کا ظہور ہو گیا اور

❶ ۳/ آل عمران:۵۹۔ ❷ أحمد،٦/ ٤٨، ابن ماجه، ٤٧؛ الترمذي، ٢٩٩٣ وهو صحيح۔

❸ صحيح بخاري، كتاب التفسير، سورة آل عمران، باب منه آيات محكمات، ٤٥٤٧؛ صحيح مسلم، ٢٦٦٥؛ ابوداود، ٤٥٩٨؛ ترمذي، ٢٩٩٣۔ ❹ أحمد، ٥/ ٢٦٢، وسنده حسن لذاته۔

❺ صحيح بخاري، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الاسلام، ٣٦١٠؛ صحيح مسلم، ١٠٦٤۔

آپ نے انہیں نہروان میں قتل کیا پھر ان میں پھوٹ پڑی اور ان کے مختلف الخیال فرقے ہو گئے اور نئی نئی بدعتیں دین میں جاری کر لیں اور اللہ کی راہ سے بہت دور جا پڑے۔

ان کے بعد قدریہ فرقے کا ظہور ہوا پھر معتزلہ نکلے جہمیہ وغیرہ پیدا ہوئے اور حضور ﷺ کی یہ پیشگوئی پوری ہوئی کہ میری امت میں عنقریب تہتر فرقے ہوں گے سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک جماعت کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا وہ کون لوگ ہوں گے آپ نے فرمایا وہ جو اس چیز پر ہوں جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب (مستدرک حاکم) ❶ ابو یعلیٰ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا میری امت میں ایک قوم ہوگی جو قرآن تو پڑھے گی لیکن اسے اس طرح پھینکے گی جیسے کوئی کھجور کی گٹھلیاں پھینکتا ہو۔ اس کے غلط مطالب بیان کرے گی' ❷ پھر فرمایا اس کی حقیقی تاویل اور واقعی مطلب اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے لفظ اِلَّا اللّٰہ پر وقف ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تو فرماتے ہیں کہ تفسیر چار قسم کی ہے ایک وہ جس کے سمجھنے میں کوئی معذور نہیں ایک وہ جسے عرب اپنی لغت سے سمجھتے ہیں ایک وہ جسے جید علما اور پورے علم والے ہی جانتے ہیں اور ایک وہ جسے بجز ذات باری تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ ❸ یہ روایت پہلے بھی گزر چکی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کا بھی یہی قول ہے معجم کبیر میں حدیث ہے کہ مجھے اپنی امت پر صرف تین باتوں کا ڈر ہے مال کی کثرت کا جس سے حسد و بغض پیدا ہوگا اور آپس کی سر پھٹول شروع ہوگی دوسرے یہ کہ کتاب اللہ کی تاویل کے پیچھے پڑ جائیں گے حالانکہ اصلی مطلب ان کا اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور گہرے علم والے کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا اس پر ایمان ہے الخ' تیسرے یہ کہ علم حاصل کر کے اسے بے پرواہی سے ضائع کر دیں ❹ یہ حدیث بالکل غریب ہے اور حدیث میں ہے کہ قرآن اس لئے نہیں اترا کہ ایک آیت دوسری آیت کے خلاف ہو جس کا تم کو علم ہو اس پر عمل کرو اور جو متشابہ ہوں ان پر ایمان لاؤ (ابن مردویہ) ❺ ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عمر بن عبدالعزیز اور حضرت مالک بن انس رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے کہ گہرے علم والے بھی اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہوتے ہاں اس پر ایمان رکھتے ہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کی تاویل کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے پختہ علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہمارا اس پر ایمان ہے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں امام ابن جریر بھی اسی کو پسند کرتے ہیں یہ تو تھی وہ جماعت جو اِلَّا اللّٰہُ پر وقف کرتی تھی اور بعد کے جملے کو اس سے الگ کرتی تھی کچھ لوگ یہاں نہیں ٹھہرتے بلکہ فِی الْعِلْمِ پر وقف کرتے ہیں اور اکثر مفسرین اور اہل اصول بھی یہی کہتے ہیں ان کی بڑی دلیل یہ ہے کہ جو سمجھ میں نہ آئے ایسی بات کہنی ٹھیک نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ میں ان راسخ علما میں ہوں جو تاویل جانتے ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں راسخ علم والے تفسیر جانتے ہیں حضرت محمد بن جعفر بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصل تفسیر اور مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور مضبوط علم والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے پھر متشابہات آیات کی تفسیر محکمات کی روشنی سے کرتے ہیں جن میں کسی کو مجال سخن نہیں رہتی مضامین قرآن ٹھیک ٹھاک سمجھ میں آجاتے ہیں دلیل واضح ہوتی ہے عذر ظاہر ہو جاتا ہے باطل چھٹ جاتا ہے اور کفر دفع ہو جاتا ہے حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے دعا کی کہ اے اللہ! انہیں دین کی سمجھ دے

❶ حاکم، ۱/ ۱۲۹، وسندہ ضعیف۔

❷ اتحاف الخیرة المهرة للبوصیری، ۸۰۳۰، وسندہ ضعیف۔ ❸ الطبری، ۱/ ۵۷۔

❹ طبرانی، ۳٤٤۲، وسندہ ضعیف۔

❺ ابن مردویه وابن سعد، ٤/ ۱۹۲ وسندہ حسن۔

اور تفسیر کا علم دے ❶ بعض علما نے یہاں تفصیل کی ہے وہ فرماتے ہیں تاویل دو معنی میں قرآن کریم میں آئی ہے ایک معنی تو جن سے مفہوم کی اصلی حقیقت اور صحیح اصلیت جیسے قرآن میں ہے۔ ﴿يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُؤْيَايَ﴾ ❷ میرے باپ میرے خواب کی یہی تعبیر ہے اور جگہ ہے۔ ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ﴾ ❸ کافروں کو انتظار صرف اس کی حقیقت ظاہر ہونے کا ہے جس دن اس کا مصداق آ جائے گا پس ان دونوں جگہ مراد تاویل سے حقیقت ہے اگر اس آیت مبارکہ میں تاویل سے مراد یہی تاویل لی جائے تو اِلَّا اللّٰهُ پر وقف ضروری ہے اس لئے کہ تمام کاموں کی حقیقت اور اصلیت بجز ذات پاک کے اور کوئی نہیں جانتا تو وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مبتدا ہوگا اور يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ خبر ہوگی اور یہ جملہ بالکل الگ ہوگا۔

دوسرے معنی تاویل کے تفسیر اور بیان اور ایک شئے کی تعبیر دوسری شئے سے ہوتے ہیں جیسے قرآن میں ہے۔ ﴿نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ﴾ ❹ ہمیں اس کی تاویل بتاؤ یعنی تفسیر اور بیان۔ اگر آیت مذکورہ میں تاویل سے یہ مراد لی جائے تو فِي الْعِلْمِ پر وقف کرنا چاہئے اس لئے کہ پختہ علم والے علما جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کیونکہ خطاب انہی سے ہے گو حقائق کا علم انہیں بھی نہیں تو اس بنا پر اٰمَنَّا بِهٖ حال ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معطوف ہو بغیر معطوف علیہ کے جیسے اور جگہ ہے ﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ﴾ ❺ سے ﴿يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا﴾ ❻ تک اور جگہ ہے ﴿وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾ ❼ یعنی وَجَآءَ الْمَلٰٓئِكَةُ صُفُوْفًا صُفُوْفًا اور ان کی طرف سے یہ خبر کہ ہم اس پر ایمان لائے اس کے معنی ہیں کہ متشابہ پر ایمان لائے۔

پھر اقرار کرتے ہیں کہ یہ سب یعنی محکم اور متشابہ حق و صدق ہے اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کی تصدیق کرتا ہے۔ اور گواہی دیتا ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس میں کوئی اختلاف اور تضاد نہیں جیسے اور جگہ ہے۔ ﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ○﴾ ❽ یعنی کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے اگر یہ اللہ کے سوا اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف ہوتا اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ اسے صرف عقلمند ہی سمجھتے ہیں جو اس پر غور و تدبر کریں جو صحیح سالم عقل والے ہوں جن کے دماغ درست ہوں حضور ﷺ سے سوال ہوتا ہے کہ پختہ علم والے کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس کی قسم سچی ہو جس کی زبان راست گو ہو جس کا دل سلامت ہو جس کا پیٹ حرام سے بچا ہوا ہو اور جس کی شرمگاہ زنا کاری سے محفوظ ہو وہ مضبوط علم والے ہیں۔'' ❾ (ابن ابی حاتم) اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے چند لوگوں کو دیکھا کہ وہ قرآن شریف کے بارے میں لڑ جھگڑ رہے ہیں آپ نے فرمایا سنو! تم سے پہلے لوگ بھی اسی میں ہلاک ہوئے کہ انھوں نے کتاب اللہ کی آیات کو ایک دوسرے کے خلاف بتا کر اختلاف کیا حالانکہ کتاب اللہ کی ہر آیت ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہے تم ان میں اختلاف نکال کر ایک کو دوسری کے متضاد نہ بتاؤ جو جانو کہو اور جو نہ جانو اسے جاننے والوں کو سونپو (مسند احمد۔) ❿ اور حدیث میں ہے کہ قرآن سات حرفوں پر اترا' قرآن میں جھگڑنا کفر ہے' قرآن میں اختلاف اور تضاد پیدا کرنا کفر ہے' جو جانو اس پر عمل کرو' جو نہ جانو اسے جاننے والے کی طرف

---

❶ احمد، ۱/ ۲٦٦، وسنده حسن۔ ❷ ۱۲/ یوسف: ۱۰۰۔ ❸ ۷/ الاعراف: ۵۳۔ ❹ ۱۲/ یوسف: ۳٦۔
❺ ۵۹/ الحشر: ۸۔ ❻ ۵۹/ الحشر: ۱۰۔ ❼ ۸۹/ الفجر: ۲۲۔ ❽ ٤/ النسآء: ۸۲۔ ❾ الطبری، ٦٦٣۵؛ طبرانی، ۷٦۵۸ اس کی سند میں عبداللہ بن یزید ابن آدم القرشی ہے۔ جو سخت ضعیف راوی ہے۔ امام احمد کہتے ہیں اس کی روایات موضوعہ ہیں۔ دیکھئے (مجمع الزوائد، ٦/ ۳۲٤؛ المیزان، ۲/ ۵۲٦، رقم: ٤٦۹۸) ❿ احمد، ۲/ ۱۸۵؛ مصنف عبدالرزاق، ۲۰۳٦۷؛ ابن ماجة، کتاب السنة، باب فی القدر، ۸۵ شعب الایمان، ۲۲۵۸، وسنده حسن۔ الموسوعة الحدیثیة، ۱۱/ ۳۵٤۔

سونپو یعنی جل جلالہ کی طرف (ابو یعلی) ❶
راسخ فی العلم سے کون لوگ مراد ہیں؟ رافع بن یزید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ راسخ فی العلم وہ لوگ ہیں جو متواضع ہوں جو عاجزی کرنے والے ہوں رب کی رضا کے طالب ہوں اپنے سے بڑوں سے دبنے والے نہ ہوں اپنے سے چھوٹے کو حقیر بنانے والے نہ ہوں۔ پھر فرمایا کہ یہ لوگ دعا کرتے ہیں کہ ہمارے دلوں کو جب کہ تو نے ہدایت پر جما دیا ہے انہیں ان لوگوں کے دلوں کی طرح نہ کر جو متشابہ کے پیچھے پڑ کر خراب ہو جاتے ہیں بلکہ ہمیں اپنی صراط مستقیم پر قائم رکھ اور اپنے مضبوط دین پر دائم رکھ اور ہم پر اپنی رحمت نازل کر ہماری دلوں کو ثباتی دے ہماری پراگندگی کو دور کر ہمارے ایمان و یقین کو بڑھا تو بہت بڑا دینے والا ہے رسول اللہ ﷺ دعا مانگا کرتے تھے۔ ((یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ)) اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر جما ہوا رکھ پھر یہ دعا ((رَبَّنَا لَا تُزِغْ)) پڑھتے ❷ اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ بکثرت یہ دعا پڑھا کرتے تھے ((اَللّٰهُمَّ مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ)) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ایک دن پوچھا کیا دل الٹ پلٹ ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ہر انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے اگر چاہے قائم رکھے اگر چاہے پھیر دے ❸ ہماری دعا ہے کہ ہمارا رب ہمارے دلوں کو ہدایت کے بعد ٹیڑھا نہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمتیں عنایت فرمائے وہ بڑی دین والا ہے ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی دعا سکھائیے کہ میں اپنے لئے وہ دعا مانگا کروں آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ دعا مانگ ((اَللّٰهُمَّ رَبَّ مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ اِغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَاَذْهِبْ غَیْظَ قَلْبِیْ وَاَجِرْنِیْ مِنْ مُّضِلَّاتِ الْفِتَنِ)) اے اللہ! اے محمد نبی ﷺ کے رب! میرے گناہ معاف فرما میرے دل کا غصہ اور رنج اور سختی دور کر دے اور مجھے گمراہ کرنے والے فتنوں سے بچا لے ❹ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی آپ کی دعا ((یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ)) سن کر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی طرح میں نے یہی سوال کیا اور آپ نے وہی جواب دیا اور پھر قرآن کی یہ دعا پڑھ سنائی ❺ یہ حدیث غریب ہے لیکن آیت قرآنی کی تلاوت کے بغیر تو بخاری و مسلم میں بھی مروی ہے ❻ نسائی وغیرہ میں ہے کہ حضور ﷺ جب رات کو جاتے تو یہ دعا پڑھتے ((لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِیْ وَاَسْئَلُكَ رَحْمَةً اَللّٰهُمَّ زِدْنِیْ عِلْمًا وَّ لَا تُزِغْ قَلْبِیْ بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنِیْ وَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ)) ❼ اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تجھ سے اپنے گناہوں کا استغفار کرتا ہوں اور تجھ سے تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں اے اللہ میرے علم میں زیادتی دے اور میرے دل کو جب تو نے ہدایت دے دی ہے پھر گمراہ نہ کر اور مجھے اپنے پاس کی رحمت بخش تو بہت کچھ دینے والا ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مغرب کی نماز پڑھائی پہلی دو رکعتوں میں الحمد شریف کے بعد مفصل کی چھوٹی سی دو سورتیں پڑھیں اور تیسری رکعت میں سورۃ الحمد شریف کے بعد یہی آیت پڑھی۔ ابو عبداللہ =

❶ احمد، ۲/ ۳۰۰؛ مسند ابی یعلیٰ، ۶۰۱۶ وھو صحیح۔
❷ ترمذی، کتاب الدعوات، باب دعاء یامقلب القلوب، ۳۵۲۲، باختلاف یسیر، وسندہ حسن۔
❸ احمد، ۶/ ۳۰۲، وسندہ حسن۔
❹ الطبری، ۶۶۴۹، ۶۶۵۵ اس کی سند میں مثنیٰ بن صباح ضعیف راوی ہے۔ ❺ ابن مردویہ وسندہ ضعیف۔
❻ صحیح مسلم، کتاب القدر، باب تصریف اللہ تعالیٰ القلوب کیف شاء، ۲۶۵۴۔
❼ ابوداود، کتاب الأدب، باب ما یقول الرجل إذا تعار من اللیل، ۵۰۶۱؛ وسندہ حسن، السنن الکبریٰ للنسائی، ۱۰۷۰۱۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ﴿١٠﴾ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١١﴾

ترجمہ: کافروں کو ان کے مال اور ان کی اولادیں اللہ کے عذابوں سے چھڑانے میں کچھ کام نہ آئیں گی یہ تو جہنم کا ایندھن ہی ہیں۔[۱۰] جیسا آل فرعون کا حال ہوا اور ان کا جو ان سے پہلے تھے ہماری آیات کو جھٹلایا پھر اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں ان کے گناہوں پر پکڑ لیا اور اللہ تعالیٰ سخت عذابوں والا ہے۔[۱۱]

= صنابحی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں اس وقت ان کے قریب چلا گیا تھا یہاں تک کہ میرے کپڑے ان کے کپڑوں سے لگ گئے تھے اور میں نے خود اپنے کان سے حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو یہ پڑھتے ہوئے سنا (عبدالرزاق) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جب تک یہ حدیث نہیں سنی تھی آپ اس رکعت میں سورۃ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ پڑھا کرتے تھے لیکن یہ حدیث سننے کے بعد حضرت امیر المؤمنین نے بھی اسی کو پڑھنا شروع کیا اور کبھی ترک نہیں کیا۔ پھر فرمایا وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اے اللہ! تو قیامت کے دن اپنی تمام مخلوق کو جمع کرنے والا ہے اور ان میں فیصلے اور حکم کرنے والا ہے ان کے اختلافات کو مٹانے والا ہے اور ہر ایک کے بھلے برے عمل کا بدلہ دینے والا ہے اس دن کے آنے میں اور تیرے وعدوں کے سچے ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

کافروں کا مال واولاد کچھ کام نہیں آئے گا: [آیت:۱۰۔۱۱] فرماتا ہے کہ کافر جہنم کی بھٹیاں اور اس میں جلنے والی لکڑیاں ہیں ان ظالموں کو اس دن عذر معذرت کام نہ آئے گی ان پر لعنت ہے اور ان کے لئے برا گھر ہے ان کے مال ان کی اولادیں بھی انہیں کچھ نفع نہیں پہنچا سکیں گی اللہ کے عذابوں سے نہیں بچا سکیں گی جیسے اور جگہ فرمایا ﴿فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ﴾ ❶ تو ان کے مال واولاد پر تعجب نہ کر اللہ کا ارادہ اس کی وجہ سے انہیں دنیا میں بھی عذاب کرنے کا ہے ان کی جانیں کفر ہی میں نکل جائیں گی اسی طرح ارشاد ہے کافروں کا شہروں میں گھومنا گھامنا تجھے فریب میں نہ ڈالے یہ تو یونہی تھوڑا سا فائدہ ہے پھر ان کی جگہ جہنم ہی ہے جو بدترین بچھونا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی فرمان ہے کہ اللہ کی باتوں کے جھٹلانے والے اس کے رسولوں کے منکر اس کی کتاب کے مخالف اس کی وحی کے نافرمان اپنی اولاد اور اپنے مال سے کوئی بھلائی کی توقع نہ رکھیں یہ جہنم کی لکڑیاں ہیں جن سے جہنم سلگائی اور بھڑکائی جائے گی جیسے اور جگہ ہے۔ ﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ ❷ تم اور تمہارے معبود جہنم کی لکڑیاں ہو۔

ابن ابی حاتم میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی والدہ صاحبہ حضرت اُم فضل رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور با آواز بلند فرمانے لگے لوگو! کیا میں نے اللہ کی باتیں تم تک پہنچا دیں؟ لوگو! کیا میں نے تبلیغ کر دی؟ لوگو! کیا میں وحدانیت ورسالت کا مطلب تمہیں پہنچا چکا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے ہاں حضور! بیشک آپ نے اللہ کا دین ہمیں پہنچایا پھر جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا سنو اللہ کی قسم اسلام غالب ہوگا اور خوب پھیلے گا یہاں تک کہ کفر اپنی جگہ جا چھپے گا۔ مسلمان اسلام کو لے کر سمندروں کو چیرتے پھاڑتے نکل جائیں گے اور اسلام کی اشاعت کریں گے یاد رکھو وہ زمانہ بھی آنے والا ہے کہ لوگ قرآن کو سیکھیں گے پڑھیں گے (پھر تکبر بڑائی اور خود بینی کے طور پر) کہنے لگیں گے ہم قاری ہیں ہم عالم ہیں کون ہے =

❶ ۹/ التوبۃ:۵۵۔ ❷ ۲۱/ الانبیآء:۹۸۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: کافروں سے کہہ دو کہ تم عنقریب مغلوب کئے جاؤ گے اور جہنم کی طرف جمع کئے جاؤ گے اور وہ برا بچھونا ہے[۱۲] یقیناً تمہارے لئے عبرت کی نشانی تھی ان دو جماعتوں میں جو گتھ گئی تھیں ایک جماعت تو اللہ کی راہ میں لڑ رہی تھی اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا وہ انہیں اپنے سے دگنا دیکھتے تھے جو آنکھوں کی نظر تھی اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اپنی مدد سے قوی کرتا ہے یقیناً اس میں آنکھوں والوں کے لئے بڑی عبرت ہے۔[۱۳]

= جو ہم سے بڑھ چڑھ کر ہو؟ کیا ان لوگوں میں کچھ بھی بھلائی ہوگی؟ لوگوں نے پوچھا حضور! وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ تم ہی مسلمانوں میں سے ہوں گے لیکن خیال رہے کہ وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔ ❶

ابن مردویہ میں بھی یہ حدیث ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا ہاں ہاں اللہ کی قسم آپ نے بڑے حرص و چاہت سے تبلیغ کی آپ نے پوری جدوجہد اور دوڑ دھوپ کی آپ نے ہماری زبردست خیر خواہی کی اور بہتری چاہی۔ ❷

پھر فرماتا ہے جیسا حال فرعونیوں کا تھا اور جیسے کرتوت ان کے تھے لفظ دَاْب ہمزہ کے جزم سے بھی آتا ہے اور ہمزہ کے زبر سے بھی آتا ہے جیسے نَھْرٌ اور نَھَرٌ اس کے معنی شان عادت حال طریقے کے آتے ہیں امراء القیس کے شعروں میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے مطلب اس آیہ کریمہ کا یہ ہے کہ کفار کو مال و اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئے گا جیسے فرعونیوں اور ان سے اگلے کفار کو کچھ کام نہ آئی اللہ تعالیٰ کی پکڑ سخت ہے اس کا عذاب دردناک ہے کوئی کسی طاقت سے اس سے بچ نہیں سکتا نہ اسے ہٹا سکتا ہے وہ اللہ جو چاہے کرتا ہے ہر چیز اس کے سامنے پست ہے نہ اس کے سوا کوئی معبود نہ رب۔

جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و نصرت: [آیت:۱۲۔۱۳] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کافروں سے کہہ دیجئے کہ تم دنیا میں بھی پست اور مغلوب کئے جاؤ گے ہارو گے اور ماتحت بنو گے اور قیامت کے دن بھی ہانک کر جہنم کی طرف جمع کئے جاؤ گے جو بدترین بچھونا ہے۔ سیرت ابن اسحٰق میں ہے کہ جب بدر کی جنگ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مظفر و منصور واپس لوٹے تو بنو قینقاع کے بازار میں یہودیوں کو جمع کیا اور فرمایا اے یہودیو! اس سے پہلے اسلام قبول کر لو کہ تم کو بھی وہ ذلت و پستی پہنچے جو قریش کو پہنچی تو اس سرکش جماعت نے جواب دیا کہ چند قریشیوں کو جو فنون جنگ سے نا آشنا تھے آپ نے ہرا لیا تو کیا دماغ میں کچھ غرور سما گیا؟ اگر ہم سے لڑائی ہوئی تو ہم بتلا دیں گے کہ جنگ جو ایسے ہوتے ہیں آپ کو اب تک ہم سے واسطہ نہیں پڑا۔ اس پر یہ آیت اتری ❸ اور فرمایا گیا کہ فتح بدر نے ظاہر کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے سچے اچھے اور پسندیدہ دین کو اور اس دین والوں کو عزت و حرمت عطا فرمانے والا ہے وہ اپنے

---

❶ ابن مردويه وسنده ضعيف۔

❷ طبرانی، ۲۵/ ۲۷، ۲۸، وسنده ضعيف دیکھئے حدیث سابق۔ ❸ السيرة لابن هشام، ۲/ ۴۲۷؛ دلائل النبوة للبيهقی ۳/ ۱۷۴، یہ روایت مرسل یا معضل (ضعیف) ہے اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (ضعیف ابو داود، ۶۴۷)

رسول ﷺ کا اور آپ کی اطاعت گزار امت کا خود مدد گار ہے وہ اپنی باتوں کو ظاہر اور غالب کرنے والا ہے۔

دو جماعتیں لڑائی میں گتھ گئی تھیں ایک تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دوسری مشرکین قریش کی یہ واقعہ جنگ بدر کا ہے اس دن مشرکین پر اس قدر رعب غالب آیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی اس طرح کی مدد کی کہ باوجودیکہ مسلمان گنتی میں مشرکین سے کہیں کم تھے لیکن مشرکین کو اپنے سے دگنے نظر آتے تھے مشرکوں نے لڑائی چھڑنے سے پہلے ہی جاسوسی کے لئے عمیر بن سعد کو بھیجا تھا جس نے آ کر اطلاع دی تھی کہ تین سو ہیں کچھ کم یا زائد ہوں اور واقعہ بھی یہی تھا کہ صرف تین سو دس اور کچھ تھے لیکن لڑائی کے شروع ہوتے ہی اللہ عزوجل نے اپنے خاص اور چیدہ فرشتے ایک ہزار بھیجے ایک معنی تو یہ ہیں دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان دیکھتے تھے اور جانتے تھے کہ کافر ہم سے دو چند ہیں پھر بھی رب عزوجل نے انہی کو مدد دی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بدری صحابہ تین سو تیرہ تھے اور مشرکین چھ سو سولہ تھے لیکن تواریخ کی کتابوں میں مشرکین کی تعداد نو سو سے ایک ہزار بیان کی گئی ہے تو شاید حضرت عبداللہ کا الفاظ قرآن سے یہ استدلال ہو۔ بنو الحجاج قبیلہ کا جو سیاہ فام غلام پکڑا ہوا آیا تھا اس سے جب حضور ﷺ نے پوچھا کہ قریش کی تعداد کتنی ہے؟ اس نے کہا بہت ہیں آپ ﷺ نے پھر پوچھا کہ بتا روزانہ کتنے اونٹ کٹتے ہیں؟ اس نے کہا ایک دن نو دوسرے دن دس آپ نے فرمایا بس تو ان کی گنتی نو سو اور ایک ہزار کے درمیان ہے پس مشرکین مسلمانوں سے تین گنا تھے❶ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

لیکن یہ یاد رہے کہ عرب کہہ دیا کرتے ہیں کہ میرے پاس ایک ہزار تو ہیں لیکن مجھے ضرورت ایسے ہی دو چند کی ہے اور مراد ان کی تین ہزار کی ہوتی ہے تو کوئی مشکل باقی نہ رہی لیکن ایک سوال اور ہے وہ یہ کہ قرآن کریم میں اور جگہ ہے۔﴿وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّ يُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا﴾❷ یعنی ”جب آمنے سامنے آ گئے تو اللہ نے انہیں تمہاری نگاہوں میں کم کر کے دکھایا اور تم کو ان کی نگاہوں میں کم کر کے دکھایا تا کہ جس کے کرنے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کر چکا تھا وہ ہو جائے۔“ پس اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل تعداد سے بھی کم جچے اور مندرجہ بالا آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ بلکہ دگنے نظر آئے تو دونوں آیتوں میں تطبیق کیا ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا شان نزول اور تھا اور اس کا وقت اور تھا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر والے دن ہمیں مشرکین کچھ زیادہ نہیں جچے ہم نے غور سے دیکھا پھر بھی یہی معلوم ہوا کہ ہم سے زیادہ گنتی ان کی نہیں دوسری روایت میں ہے کہ مشرکین کی تعداد ہمیں اس قدر کم معلوم ہوئی کہ میں نے اپنے پاس کے ایک شخص سے کہا کہ یہ لوگ تو کوئی ستر ہوں گے اس نے کہا نہیں نہیں سو ہوں گے جب ان میں سے ایک شخص پکڑا گیا تو ہم نے اس سے مشرکین کی گنتی پوچھی اس نے کہا ایک ہزار ہیں❸ اب جب کہ دونوں فریق ایک دوسرے کے سامنے صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے تو مسلمانوں کو یہ معلوم ہونے لگا کہ مشرکین ہم سے دوگنے ہیں یہ اس لئے کہ انہیں اپنی کمزوری کا یقین ہو جائے اور یہ اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسہ کر لیں اور تمام تر توجہ اللہ کی جانب پھیر لیں۔ اور اپنے رب عزوجل سے اعانت اور امداد کی دعائیں کرنے لگیں ٹھیک اسی طرح مشرکین کو مسلمانوں کی تعداد دوگنی معلوم ہونے لگی تا کہ ان کے دلوں میں رعب اور خوف بیٹھ جائے اور گھبراہٹ اور پریشانی بڑھ جائے پھر جب دونوں بھڑ گئے اور لڑائی ہونے لگی تو ہر فریق دوسرے کو اپنی نسبت کم نظر آنے لگا تا کہ ہر ایک دل کھول کر حوصلے نکال لے اور اللہ تعالیٰ حق و باطل کا صاف فیصلہ کر دے ایمان کفر و طغیان پر غالب آ جائے مؤمنوں کو عزت اور کافروں کو ذلت مل جائے ==

❶ السیرۃ لابن هشام، ۲/ ۱۹۵۔ شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح مرسل قرار دیا ہے۔ دیکھئے (فقه السیرۃ: ص ۲۳۳) یعنی یہ روایت بھی ضعیف ہے۔

❷ ۸/ الانفال: ٤٤۔ ❸ الطبری، ٦/ ٢٣٦۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿١٤﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِالْعِبَادِ ﴿١٥﴾

ترجمہ: لوگوں کے لئے نفسانی خواہشوں کی چیزوں کو زینت دی گئی ہے جیسے عورتیں اور بیٹے اور جمع کئے ہوئے خزانے سونے اور چاندی کے اور نشان دار گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی یہ دنیا کی زندگی کا فائدہ ہے اور لوٹنے کا اچھا ٹھکانا تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ [١٤] تو کہہ کیا میں تم کو اس سے بہت ہی بہتر چیز بتاؤں؟ تقویٰ والوں کے لئے ان کے رب کے پاس جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے سب بندے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں۔ [١٥]

= جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ﴾ ❶ یعنی ''البتہ اللہ تعالیٰ نے بدر والے دن تمہاری مدد کی حالانکہ تم اس وقت کمزور تھے۔'' اسی لئے یہاں بھی فرمایا ''اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی مدد سے قوی بنائے۔'' پھر فرماتا ہے ''اس میں عبرت ونصیحت ہے اس شخص کے لئے جو آنکھوں والا ہو جس کا دماغ صحیح وسالم ہو وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری میں لگ جائیگا اور سمجھ لے گا کہ اللہ اپنے پسندیدہ بندوں کی اس جہان میں بھی مدد کرتا ہے اور قیامت کے دن بھی ان کا بچاؤ کرے گا۔''

دنیا کا مال واسباب عارضی اور فانی ہے: [آیت:١٤-١٥] اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ دنیا کی زندگی کو طرح طرح کی لذتوں سے زینت دی گئی ہے' ان سب چیزوں میں سے سب سے پہلے عورتوں کو بیان فرمایا اس لئے کہ ان کا فتنہ بڑا زبردست ہے' صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''میں نے اپنے بعد مردوں پر عورتوں سے زیادہ ضررناک اور کوئی فتنہ نہیں چھوڑا'' ❷ ہاں جب کسی شخص کی نیت نکاح کر کے زنا سے بچنے کی' اولاد کی کثرت کی ہو تو بیشک یہ نیک کام ہے اس کی رغبت شریعت نے دلائی ہے اور اس کا حکم کیا ہے اور بہت سی احادیث نکاح کرنے کی فضیلت میں آئی ہیں اور اس امت میں سب سے بہتر وہ ہے جو سب سے زیادہ بیویوں والا ہو۔ ❸ نبی ﷺ فرماتے ہیں ''دنیا ایک فائدہ ہے اور اس کا بہترین فائدہ نیک بیوی ہے ❹ کہ خاوند اگر اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کر دے اور حکم دے تو بجا لائے اور کہیں چلا جائے تو اپنے نفس کی اور خاوند کے مال کی حفاظت کرے۔'' ❺ دوسری حدیث میں ہے کہ ''مجھے عورتیں اور خوشبو بہت پسند ہیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔'' ❻ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں

❶ ٣/ آل عمران:١٢٣۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب مایتقی من شؤم المرأة، ٥٠٩٦؛ صحیح مسلم، ٢٧٤٠؛ ترمذی، ٢٧٨٠؛ ابن ماجة، ٣٩٩٨۔ ❸ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب کثرة النساء، ٥٠٦٩ موقوفاً علی ابن عباس رضی اللہ عنہما۔
❹ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب خیر متاع الدنیا المرأة الصالحة ١٤٦٩۔
❺ ابن ماجة، کتاب النکاح، باب فضل النساء، ١٨٥٧، وسنده ضعیف جداً۔
❻ نسائی، کتاب عشرة النساء، باب حُبّ النساء، ٣٣٩٢، وسنده حسن۔

کہ رسول ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب عورتیں تھیں ہاں گھوڑے ان سے بھی زیادہ پسند تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ گھوڑوں سے زیادہ آپ کی چاہت کی چیز کوئی اور نہ تھی ہاں صرف عورتیں ❶ پس عورتوں کی محبت بھلی بھی ہے اور بری بھی اسی طرح اولاد کی کہ اگر ان کی کثرت اس لئے چاہتا ہے کہ فخر و غرور کرے تو وہ بری چیز ہے اور اگر اس لئے ان کی زیادتی چاہتا ہے کہ نسل بڑھے اور موحد مسلمانوں کی گنتی امت محمد ﷺ میں زیادہ ہو تو بیشک یہ بھلائی کی چیز ہے حدیث مبارکہ میں ہے کہ ''محبت رکھنے والیوں اور زیادہ اولاد جننے والی عورتوں سے نکاح کرو قیامت کے دن میں تمہاری زیادتی سے اور امتوں پر فخر کرنے والا ہوں۔ ❷ ٹھیک اسی طرح مال بھی ہے کہ اگر اس کی محبت گرے پڑے لوگوں کو حقیر سمجھنے کے لئے اور مسکینوں غریبوں پر فخر کرنے کے لئے ہے تو بیحد بری چیز ہے اور اگر مال کی چاہت اپنوں اور غیروں سے حسن سلوک کرنے، نیکیاں کرنے، بھلی راہوں میں خرچ کرنے کے لئے ہے تو ہر طرح شرعاً اچھی اور بہت اچھی چیز ہے۔''

قِنْطَار کی مقدار میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ماحصل یہ ہے کہ بہت زیادہ مال کو قنطار کہتے ہیں جیسے حضرت ضحاک رحمہ اللہ کا قول ہے اور اقوال بھی ملاحظہ ہوں ایک ہزار دینار، بارہ ہزار، چالیس ہزار، ساٹھ ہزار، ستر ہزار، اسی ہزار، وغیرہ وغیرہ۔ مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ''ایک قنطار بارہ ہزار اوقیہ کا ہے اور ہر اوقیہ بہتر ہے زمین و آسمان سے'' ❸ (غالباً یہاں مقدار ثواب کی بیان ہوئی ہے جو ایک قنطار ملے گا، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی ایک موقوف روایت بھی مروی ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے اسی طرح ابن جریر میں حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے اور ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قنطار بارہ سو اوقیہ ہیں، ابن جریر کی ایک مرفوع حدیث میں بھی بارہ سو اوقیہ آئے ہیں ❹ لیکن وہ حدیث بھی منکر ہے ممکن ہے کہ وہ حضرت ابی بن کعب کا قول ہو جیسے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی فرمان ہے ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص سو آیتیں پڑھ لے غافلوں میں نہیں لکھا جائے گا اور جس نے سو سے ہزار تک پڑھ لیں اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قنطار اجر ملے گا اور قنطار بڑے پہاڑ کے برابر ہے ❺ مستدرک حاکم میں ہے کہ اس آیت کے اس لفظ کا مطلب رسول اللہ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''دو ہزار اوقیہ۔'' ❻ امام حاکم اسے صحیح اور شرط شیخین پر بتلاتے ہیں بخاری و مسلم اسے نہیں لائے طبرانی وغیرہ میں ہے ایک ہزار دینار ❼ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے موقوفاً یا مرسلاً مروی ہے کہ بارہ سو دینار حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ بعض عرب قنطار کو بارہ سو کا بتاتے ہیں بعض بارہ ہزار کا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیل کی کھال کے بھر جانے کے برابر سونے کو قنطار کہتے ہیں یہ مرفوعاً بھی مروی ہے لیکن زیادہ صحیح موقوفاً ہے گھوڑوں کی محبت تین قسم کی ہے ایک تو وہ لوگ جو گھوڑوں کو پالتے ہیں اور اللہ کی راہ میں ان پر سوار ہو کر جہاد کرنے =

---

❶ نسائي، كتاب عشرة النساء، باب حُب النساء، ٣٣٩٣ عن انس رضی اللہ عنہ، وسنده ضعيف قتادہ مدلس ہے اور سماع کی صراحت نہیں۔

❷ احمد، ٣/ ١٥٨ وسنده حسن، ابن حبان، ٤٠٢٨؛ بيهقي، ٧/ ٨١، ٨٢۔

❸ احمد، ٢/ ٣٦٣؛ ابن ماجة، كتاب الأدب، باب برالوالدين، ٣٦٦٠۔ وسنده حسن۔

❹ ابن جرير وسنده ضعيف۔

❺ ابن مردويه وسنده ضعيف۔

❻ حاكم، ٢/ ١٧٨، وسنده ضعيف۔

❼ دیکھئے حدیث سابق۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: جولوگ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لا چکے پس ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔[۱۶] جو صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے اور فرمانبرداری کرنے والے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور پچھلی رات کو بخشش مانگنے والے ہیں۔[۱۷]

= کے لئے نکلتے ہیں ان کے لئے تو یہ گھوڑے اجر و ثواب کا سبب ہیں دوسرے وہ جو فخر و غرور کے طور پر پالتے ہیں یہ ان کے ذمہ وبال ہے تیسرے وہ جو سوال سے بچنے اور اس کی نسل کی حفاظت کے لئے پالتے ہیں اور اللہ کا حق نہیں بھولتے یہ نہ باعث اجر نہ باعث عذاب ہیں۔ اسی مضمون کی حدیث آیت ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ﴾ کی تفسیر میں آئے گی اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔

مُسَوَّمَة کے معنی چرنے والا اور پنج کلیان (یعنی پیشانی اور چاروں قدموں پر نشان) وغیرہ کے ہیں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''ہر عربی گھوڑا فجر کے وقت اللہ تعالیٰ کی اجازت سے دو دعائیں کرتا ہے کہتا ہے کہ اے اللہ جس کے قبضہ میں تو نے مجھے دیا ہے تو اس کے دل میں اس کی اہل اور مال سے زیادہ محبت میری پیدا دے'' ❶ اَنْعَام سے مراد اونٹ' بکریاں' گائیں ہیں حَرْث سے مراد وہ زمین ہے جو کھیتی بونے یا باغ لگانے کے لئے تیار کی جائے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ''انسان کا بہتر مال زیادہ نسل والا گھوڑا ہے اور زیادہ پھلدار درخت کھجور ہے۔'' ❷

پھر فرمایا کہ یہ سب دنیاوی فائدہ کی چیزیں ہیں یہاں کی زینت یہاں کی فریفتگی کی یہ چیزیں ہیں جو فانی اور زوال پانے والی ہیں اچھی لوٹنے کی جگہ اور بہترین ثواب کی بازگشت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے مسند احمد میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے اللہ جب کہ تو نے اسے زینت دیدی تو اس کے بعد کیا؟ اس پر اس کے بعد والی آیت اتری کہ ''اے نبی ﷺ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں تم کو اس سے بہترین چیزیں بتلاتا ہوں یہ تو ایک نہ ایک روز زائل ہونے والی ہیں اور میں جن کی طرف تم کو بلا رہا ہوں وہ صرف دیرپا ہی نہیں بلکہ ہمیشگی والی ہیں سنو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لئے جنت ہے جس کے کنارے کنارے اور جس کے درختوں کے درمیان قسم قسم کی نہریں بہہ رہی ہیں کہیں شہد کی کہیں دودھ کی کہیں پاک شراب کی کہیں نفیس پانی کی اور وہ وہ نعمتیں ہیں جو نہ کسی کان نے سنی ہوں نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہوں نہ کسی دل میں خیال بھی گزرا ہو ان جنتوں میں یہ متقی لوگ ابدالآباد تک رہیں گے۔ نہ یہ نکالے جائیں نہ انہیں دی ہوئی نعمتیں گھٹیں نہ فنا ہوں پھر وہاں بیویاں ملیں گی جو میل کچیل سے خباثت اور برائی سے حیض اور نفاس سے گندگی اور پلیدی سے پاک صاف ہیں ہر طرح ستھری اور پاکیزہ ہیں ان سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کی رضامندی انہیں حاصل ہو جائے گی اور ایسی کہ اس کے بعد ناراضگی کا کھٹکا ہی نہیں' اسی لئے سورۂ برأت کی آیت میں فرمایا ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ ❸ ''اللہ تعالیٰ کی تھوڑی سی رضامندی کا حاصل ہو جانا بھی سب سے بڑی چیز ہے یعنی تمام نعمتوں سے اعلیٰ نعمت رضائے رب اور مرضی مولا ہے۔ تمام کے تمام بندے اللہ کی نگاہ میں ہیں وہ بخوبی جانتا ہے کہ کون مہربانی کا مستحق ہے۔''

سحری کے وقت استغفار کی فضیلت: [آیت: ۱۶-۱۷] اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کے اوصاف بیان فرماتا ہے کہ وہ کہتے ہیں اے =

❶ نسائی، کتاب الخیل، باب دعوة الخیل، ٣٦٠٩، وسنده صحیح۔

❷ احمد، ٣/ ٤٦٨؛ طبرانی ٦٤٧٠، ٦٤٧١، وسنده ضعیف۔

❸ ٩/ التوبة: ٧٢۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا ۢ بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٨﴾ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٩﴾ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٢٠﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور اہل علم بھی اللہ تعالیٰ عدل کے ساتھ دنیا کو قائم رکھنے والا ہے۔ اس غالب اور حکمت والے کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں۔ [۱۸] بیشک اللہ کے نزدیک دین حکم برداری ہی ہے اہل کتاب نے اپنے پاس علم آ جانے کے بعد آپس کی سرکشی اور حسد کی بناء پر ہی اختلاف کیا ہے اللہ کی آیات کے ساتھ جو بھی کفر کرے پس اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ [۱۹] پھر بھی اگر یہ تجھ سے جھگڑیں تو تو کہہ دے کہ میں نے اور میرے تابعداروں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنا منہ مطیع کر دیا اور اہل کتاب سے اور ان پڑھ لوگوں سے کہہ دے کہ کیا تم بھی اطاعت کرتے ہو؟ پس اگر یہ بھی تابعدار بن جائیں تو یقیناً ہدایت والے ہیں اور اگر یہ روگردانی کریں تو تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھ بھال رہا ہے۔ [۲۰]

= پروردگار! ہم تجھ پر اور تیری کتاب پر اور تیرے رسول پر ایمان لائے ہمارے اس ایمان کے باعث جو تیری ذات پر اور تیری شریعت پر ہے تو ہماری تقصیروں کو اپنے فضل و کرم سے معاف فرما اور ہمیں جہنم کے عذابوں سے نجات دے یہ متقی لوگ اطاعت الٰہی بجالاتے ہیں اور حرام چیزوں سے الگ رہتے ہیں صبر و سہار سے کام لیتے ہیں اور اپنے ایمان کے دعوے میں بھی سچے ہیں کل اعمال خیر بجالاتے ہیں خواہ وہ ان کے نفس پر بھاری پڑیں اطاعت اور خشوع خضوع والے ہیں اپنے مال اللہ تعالیٰ کی ہر راہ میں جہاں جہاں حکم ہے خرچ کرتے ہیں صلہ رحمی میں رشتہ داری کو باقی رکھنے میں برائیوں کے ردکنے آپس میں ہمدردی اور خیر خواہی کرنے میں حاجت مندوں' مسکینوں اور فقیروں کے ساتھ احسان کرنے میں سخاوت سے کام لیتے ہیں اور سحری کے وقت پچھلی رات کو اٹھ اٹھ کر استغفار کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت استغفار فضیلت والا ہے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے جو فرمایا تھا کہ ﴿سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ﴾ ❶ ''میں ابھی تھوڑی دیر میں تمہارے لئے اپنے رب سے بخشش طلب کروں گا'' اس سے مراد بھی سحری کا وقت ہے اپنی اولاد سے فرماتے ہیں کہ سحری کے وقت میں تمہارے لئے استغفار کروں گا۔ بخاری و مسلم وغیرہ کی حدیث میں جو بہت سے صحابیوں سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے کہ ''اللہ تبارک وتعالیٰ ہر رات آخری تہائی رات باقی رہتے ہوئے آسمان دنیا پر اترتا ہے اور فرماتا ہے کہ کوئی سائل ہے جسے میں دوں؟ کوئی دعا مانگنے والا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کوئی استغفار کرنے والا ہے کہ میں اسے =

❶ ۱۲/ یوسف :۹۸۔

بخشوں'' ❶ حافظ ابوالحسن دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے اور اس میں اس حدیث کی تمام سندوں کو اور اس کے کل الفاظ کو وارد کیا ہے بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول رات اور درمیانی اور آخری رات میں وتر پڑھا ہے سب سے آخری وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر پڑھنے کا سحری تک تھا ❷ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رات کو تہجد پڑھتے رہتے اور اپنے غلام حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھتے کیا سحر ہوگئی؟ جب وہ کہتے ہاں تو پھر آپ صبح صادق کے نکلنے تک دعا اور استغفار میں مشغول رہتے ❸ حضرت حاطب فرماتے ہیں کہ سحری کے وقت میں نے سنا کہ کوئی شخص مسجد کے کسی گوشہ میں کہہ رہا ہے اے اللہ! تو نے مجھے حکم کیا میں بجالایا یہ سحر کا وقت ہے مجھے بخش دے میں نے دیکھا تو وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمیں حکم کیا جاتا تھا کہ ہم تہجد کی نماز پڑھیں تو سحری کے آخری وقت ستر مرتبہ استغفار کریں' اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعا کریں۔

صرف دین اسلام ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہے: [آیت:۱۸-۲۰] اللہ تعالیٰ خود شہادت دیتا ہے بس اس کی شہادت کافی ہے وہ سب سے زیادہ سچا شاہد ہے سب سے زیادہ سچی بات اسی کی ہے وہ فرماتا ہے کہ تمام مخلوق اس کی غلام ہے اور اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور اسی کی محتاج ہے وہ سب سے بے نیاز ہے الوہیت میں اللہ ہونے میں وہ یکتا اور لاشریک ہے اس کے سوا کوئی پوجے جانے کے لائق نہیں' جیسے فرمان ہے ﴿لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ﴾ ❹ یعنی'' لیکن اللہ تعالیٰ بذریعہ اس کتاب کے جو وہ تیری طرف اپنے علم سے اتار رہا ہے گواہی دے رہا ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں'' اور اللہ تعالیٰ کی شہادت کافی ہوتی ہے۔ پھر اپنی شہادت کے ساتھ فرشتوں کی اور علما کی شہادت کو ملا رہا ہے۔ یہاں سے علما کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے بلکہ خصوصیت قَـآئِمًا کا نصب حال ہونے کی وجہ سے ہے۔ وہ اللہ ہر وقت اور ہر حال میں ایسا ہی ہے پھر تاکیداً دوبارہ ارشاد ہوتا ہے کہ معبود حقیقی صرف وہی ہے وہ غالب ہے عظمت اور کبریائی والی اس کی بارگاہ ہے وہ اپنے اقوال افعال شریعت قدرت اور تقدیر میں حکمتوں والا ہے مسند احمد میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں اس آیت کی تلاوت کی اور ﴿الْحَكِيْمُ﴾ تک پڑھ کر فرمایا ((وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ يَارَبِّ)) ❺ ابن ابی حاتم میں ہے کہ آپ نے یوں فرمایا ((وَاَنَا اَشْهَدُ اَیْ رَبِّ)) ❻ طبرانی میں ہے کہ حضرت غالب قطان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں کوفے میں تجارتی غرض سے گیا اور حضرت اعمش کے قریب ٹھہرا رات کو حضرت اعمش تہجد کے لئے کھڑے ہوئے پڑھتے پڑھتے جب اس آیت تک پہنچے اور ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ پڑھا تو فرمایا ((وَاَنَا اَشْهَدُ بِمَا شَهِدَ اللّٰهُ بِهٖ وَاَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ هٰذِهِ الشَّهَادَةَ وَهِیَ لِیْ عِنْدَ اللّٰهِ وَدِيْعَةٌ)) یعنی میں بھی شہادت دیتا ہوں اس کی جس کی شہادت اللہ نے دی اور میں اس شہادت کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں یہ میری امانت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے پھر کئی دفعہ ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ ❼ پڑھا میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ شاید اس بارے میں کوئی حدیث سنی ہوگی صبح ہی صبح

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التهجد، باب الدعاء والصلاة من آخر اللیل، ۱۱۴۵؛ صحیح مسلم، ۷۵۷؛ ابوداود، ۱۳۱۵۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الوتر، باب ساعات الوتر، ۹۹۶؛ صحیح مسلم، ۱۷۳۶؛ ابوداود، ۱۴۳۵؛ نسائی، ۱۶۸۲؛ ترمذی، ۴۵۶؛ ابن ماجة، ۱۱۸۵۔ ❸ ابن ابی حاتم، ۲/ ۱۴۵۔ ❹ ٤/ النسآء:۱۶۶۔ ❺ احمد، ۱/ ۱۶۶؛ طبرانی ۲۵۰؛ مجمع الزوائد، ۶/ ۳۲۸، عمل الیوم واللیلة لابن السنی، ۴۳۵؛ ابن ابی حاتم ۲۴۶، اس کی سند میں جبیر بن عمرو القرشی، ابوسعد الانصاری اور ابویحیٰ مولی آل زبیر مجہول راوی ہیں۔ دیکھئے (الموسوعة الحدیثیة ۳/ ۳۷) لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

❻ طبرانی، ۲۵۰۔ اس کی سند میں ابوسعید عمر بن حفص بن ثابت مجہول راوی ہے۔ لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔ ❼ ۳/ آل عمران:۱۹۔

میں حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ ابو محمد! کیا بات تھی جو آپ اس آیت کو بار بار پڑھتے رہے کہا کیا اس کی فضیلت تمہیں معلوم نہیں؟ میں نے کہا حضرت میں تو مہینہ بھر سے آپ کی خدمت میں ہوں لیکن آپ نے حدیث بیان ہی نہیں کی کہنے لگے اللہ کی قسم میں تو سال بھر تک بیان نہ کروں گا اب میں اس حدیث کے سننے کی خاطر سال بھر تک ٹھہرا رہا اور ان کے دروازے پر پڑا رہا جب سال کامل گزر چکا تو میں نے کہا اے ابو محمد سال گزر چکا انہوں نے کہا اچھا سن میں نے ابو وائل نے حدیث بیان کی اس نے عبداللہ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اس کے پڑھنے والے کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور اللہ عزوجل فرمائے گا میرے اس بندے نے میرا عہد لیا ہے اور میں عہد کو پورا کرنے میں سب سے زیادہ ہوں میرے اس بندے کو جنت میں لے جاؤ۔'' ❶

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ صرف اسلام ہی کو قبول فرماتا ہے اسلام ہر زمانے کے پیغمبر کی وحی کی تابعداری کا نام ہے اور سب سے آخر اور سب رسولوں کو ختم کرنے والے ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ ہیں آپ کی نبوت کے بعد سب راستے بند ہو گئے اب جو شخص آپ کی شریعت کے سوا کسی چیز پر عمل کرے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ دیندار نہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ ❷ ''جو شخص اسلام کے سوا اور دین کی تلاش کرے وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا'' اسی طرح اس آیت میں دین کا انحصار صرف اسلام میں کر دیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قراءت میں ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهُ﴾ ہے اور ﴿اَنَّ الْاِسْلَامَ﴾ ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ خود اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے اور اس کے فرشتوں کی اور ذی علم انسانوں کی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہونے والا دین صرف اسلام ہی ہے۔ جمہور کی قراءت میں اِنَّ زیر کے ساتھ ہے اور معنی کے لحاظ سے دونوں ہی ٹھیک ہیں لیکن جمہور کا قول زیادہ ظاہر ہے واللہ علم۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگلی کتاب والوں نے اپنے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے آجانے اور ربانی کتابیں اترنے کے بعد اختلاف کیا اور اس کی وجہ صرف آپس کا بغض وعناد تھا کہ یہ جو کہتا ہے میں اس کے خلاف کہوں گو وہ حق ہی کہتا ہو۔ پھر ارشاد ہے کہ جب اللہ کی آیات اتر چکیں اب جو ان کا انکار کرے انہیں نہ مانے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے اس کی اس تکذیب کا بہت جلد حساب لے گا اور کتاب اللہ کی مخالفت کی وجہ سے اسے سخت عذاب کرے گا اور اسے اس کی اس شرارت کا لطف چکھا دے گا۔ پھر فرمایا اگر یہ لوگ تجھ سے توحید باری میں جھگڑیں تو تو کہہ دے کہ میں تو خالص اللہ ہی کی عبادت کروں گا جس کا نہ کوئی شریک ہے نہ اس جیسا کوئی ہے نہ اس کی اولاد ہے نہ بیوی اور جو بھی میرے امتی ہیں میرے دین پر ہیں ان سب کا قول بھی یہی ہے جیسے اور جگہ فرمایا ﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ﴾ ❸ یعنی ''میری راہ یہی ہے میں خوب سوچ سمجھ کر دیکھ بھال کر تم کو اللہ کی طرف بلا رہا ہوں میں بھی اور میرے تابعدار بھی یہی دعوت دے رہے ہیں۔'' پھر حکم دیتا ہے کہ اے نبی! یہود ونصاریٰ سے جن کے ہاتھوں میں کتاب اللہ ہے اور مشرکین سے جو ان پڑھ ہیں کہہ دو کہ تم سب کی ہدایت اسلام میں ہی ہے اور اگر یہ نہ مانیں تو کوئی بات نہیں آپ اپنا فرض تبلیغ ادا کر چکے اللہ تعالیٰ خود ان سے سمجھ لے گا ان سب کو لوٹ کر اسی کے پاس جانا ہے وہ جسے چاہے راہ راست دکھائے جسے چاہے گمراہ کر دے اپنی حکمت کو وہی خوب جانتا ہے اس کی حجت تو پوری ہو کر رہتی ہے اس کی اپنے بندوں پر نظر ہے اسے خوب معلوم ہے کہ مستحق ہدایت کون ہے اور کون مستحق ضلالت ہے اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا۔

یہ اور ان جیسی آیات میں صاف صراحت ہے اس امر پر کہ رسول اللہ ﷺ تمام مخلوق کی طرف اللہ تعالیٰ کے نبی بن کر آئے ہیں اور خود آپ کے دین کے احکام اس پر دلالت کرتے ہیں اور کتاب وسنت میں بہت سی آیتیں اور احادیث اس مضمون کی ہیں۔==

❶ طبرانی ۱۰۴۵۳، وسندہ ضعیف علامہ ہیثمی رحمہ اللہ مجمع الزوائد، ۶/ ۳۲۶، میں فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں عمر بن مختار ضعیف راوی ہے۔

❷ ۳/ آل عمران:۸۵۔ ❸ ۱۲/ یوسف:۸۵۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢١﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٢٢﴾

ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر کرتے ہیں اور ناحق نبیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں اور جو لوگ عدل و انصاف کی کہیں انہیں بھی قتل کر ڈالتے ہیں تو اے نبی انہیں دردناک عذابوں کی خبر دیدے۔[۲۱] ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں غارت ہیں اور ان کا کوئی مددگار نہیں۔[۲۲]

= قرآن پاک میں ایک جگہ ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ ❶ ''لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں'' اور آیت میں ہے ﴿تَبَارَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾ ❷ ''بابرکت ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تا کہ وہ تمام دنیا والوں کے لئے تنبیہ کرنے والا بن جائے۔'' بخاری و مسلم وغیرہ میں کئی کئی واقعات سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ نبی ﷺ کے عرب و عجم کے اور ادھر ادھر کے تمام بادشاہوں کو اور دوسرے لوگوں کو خطوط بھجوائے جن میں انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کی دعوت دی خواہ وہ عرب ہوں عجم ہوں اہل کتاب ہوں یا اور مذہب والے ہوں اور اس طرح آپ ﷺ نے فرض تبلیغ کو تمام و کمال تک پہنچا دیا ❸ مسند عبدالرزاق میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس امت میں سے جس کسی کے کان میں میری نبوت کی آواز پہنچے اور وہ میری لائی ہوئی چیز پر ایمان نہ لائے خواہ یہودی ہو خواہ نصرانی اور اسی بے ایمانی کی حالت میں مر جائے تو قطعاً جہنمی ہوگا'' ❹ مسلم شریف میں بھی یہ حدیث مروی ہے اور آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے کہ ''میں ہر ایک سرخ و سیاہ کی طرف اللہ کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں'' ❺ اور ایک حدیث میں ہے کہ ''ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا رہا مگر میں تمام انسانوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں'' ❻ مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی لڑکا جو نبی ﷺ کے لئے وضو کا پانی رکھا کرتا تھا اور جوتیاں لا کر رکھ دیتا تھا وہ بیمار پڑ گیا آنحضرت ﷺ اس کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے اس وقت اس کا باپ بھی اس کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اے فلاں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ'' اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا اور باپ کو خاموش دیکھ کر خود بھی چپ سا ہو گیا حضور ﷺ نے دوبارہ یہی فرمایا اس نے پھر اپنے باپ کی طرف دیکھا باپ نے کہا ابو القاسم کی بات مان لے پس اس بچے نے کہا (اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ) نبی ﷺ وہاں سے یہ فرماتے ہوئے اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے میری وجہ سے اسے جہنم سے بچا لیا ہے اسے صحیح بخاری میں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لائے ہیں ❼ ان کے سوا اور بھی بہت سی صحیح احادیث اور قرآن کریم کی آیات ہیں۔

یہود کی ان کے کفر اور انبیا کو قتل کرنے کی بنا پر مذمت: [آیت:۲۱-۲۲] یہاں ان اہل کتاب کی مذمت بیان ہو رہی ہے جو گناہ =

❶ ٧/ الاعراف:١٥٨۔ ❷ ٢٥/ الفرقان:١۔ ❸ صحيح بخارى، كتاب العلم، باب ما يذكر فى المناولة وكتاب اهل العلم، ......، ٦٥۔ ❹ صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب وجوب الايمان برسالة نبينا محمد، ١٥٣۔

❺ صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب المساجد ومواضع الصلاة، ٥٢١۔

❻ صحيح بخارى، كتاب التيمم، باب رقم، ١ ح٣٣٥؛ صحيح مسلم، ٥٢١؛ نسائى، ٤٣٢۔

❼ احمد، ٣/ ١٧٥؛ صحيح بخارى، كتاب الجنائز باب إذا أسلم الصبى فمات، ١٣٥٦؛ ابوداود، ٣٠٩٥۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ إِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّآ أَيَّامًا مَّعْدُودٰتٍ ۖ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ ۫ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں ایک حصہ کتاب کا دیا گیا ہے وہ اپنے آپس کے فیصلوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف بلائے جاتے ہیں پھر بھی ایک جماعت ان کی منہ پھیر کر لوٹ جاتی ہے۔[۲۳] اس کی وجہ ان کا یہ کہنا ہے کہ ہمیں تو گنے چنے چند دن ہی آگ لگے گی ان کی گھڑی گھڑائی باتوں نے انہیں ان کے دین کے بارے میں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔[۲۴] پس کیا حال ہوگا جب کہ ہم انہیں اس دن جمع کریں گے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور ہر شخص اپنا اپنا کیا پورا پورا دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔[۲۵]

= اور حرمت کے کام کرتے رہتے تھے اللہ کی اگلی پچھلی باتوں کو جو اس نے اپنے رسولوں کے ذریعہ پہنچائیں جھٹلاتے رہتے تھے اتنا ہی نہیں بلکہ پیغمبروں کو مار ڈالا کرتے تھے بلکہ اس قدر سرکش تھے کہ جو لوگ انہیں عدل وانصاف کی باتیں سنائیں انہیں بے دریغ تہ تیغ کر دیا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ ''کبرو غرور یہی ہے کہ حق کو نہ ماننا اور حق والوں کو ذلیل جاننا۔'' ❶ مسند ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ سب سے زیادہ سخت عذاب کسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا ''اسے جو کسی نبی کو مار ڈالے یا کسی ایسے شخص کو جو بھلائی کا بتانے والا اور برائی سے بچانے والا ہو۔'' پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی اور فرمایا ''اے ابوعبیدہ! بنو اسرائیل نے تینتالیس نبیوں کو دن کے اول حصہ میں ایک ساعت میں قتل کیا پھر ایک سو ستر بنو اسرائیل کے ایماندار جو انہیں اس سے روکنے کے لئے کھڑے ہوئے تھے اور انہیں بھلائی کا حکم دے رہے تھے اور برائی سے روک رہے تھے ان سب کو اسی دن کے آخری حصہ میں مار ڈالا'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ انہی کا ذکر کر رہا ہے' ❷ ابن جریر میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنو اسرائیل نے تین سو نبیوں کو شروع دن میں قتل کیا اور شام کو سبزی پالک بیچنے بیٹھ گئے ❸ پس ان لوگوں کی اس سرکشی' تکبر اور خود پسندی کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں پست وذلیل کر دیا اور آخرت کے بھی رسوائی والے بدترین عذاب ان کے لئے تیار کیے۔ اسی لئے فرمایا کہ انہیں دردناک ذلت والے عذابوں کی خبر پہنچا دو ان کے اعمال دنیا میں بھی غارت اور آخرت میں بھی برباد اور ان کا کوئی مددگار اور سفارشی بھی نہ ہوگا۔

یہود ونصاریٰ کی اپنی کتابوں کو حاکم نہ ماننے پر مذمت: [آیت:۲۳۔۲۵] یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ یہود ونصاریٰ اپنے اس دعوے میں بھی جھوٹے ہیں کہ ان کا توراۃ وانجیل پر ایمان ہے کیونکہ ان کتابوں کی ہدایت کے مطابق جب انہیں اس نبی آخر الزمان کی اطاعت کی طرف بلایا جاتا ہے تو یہ منہ پھیرے بھاگتے دکھائی دیتے ہیں اس سے ان کی حد درجہ کی سرکشی تکبر اور عناد =

❶ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر وبیانه، ۹۱۔

❷ ابن أبی حاتم، ۲/ ۱٦۲۔ وسنده ضعیف، دیکھئے میزان الاعتدال، ۳/ ۵۲٦۔

❸ الطبری، ٦۷۷۷۔ وسنده ضعیف، دیکھئے حدیث سابق۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۫ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۫ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: تو کہہ اے میرے معبود! اے تمام جہان کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے تو چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور تو جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہی ہاتھوں سب بھلائیاں ہیں، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے[۲۶] تو ہی رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں لے جاتا ہے تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرے اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرے تو ہی ہے کہ جسے چاہے بے شمار روزی دے۔[۲۷]

== ومخالفت ظاہر ہو رہی ہے۔ اس مخالفت حق اور اس بے جا سرکشی پر انہیں اس چیز نے دلیر کر دیا ہے کہ انہوں نے باوجود اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہ ہونے کے اپنی طرف سے افترا کر کے یہ بیان بنا لیا ہے کہ ہم تو صرف چند روز ہی آگ میں رہیں گے۔ یعنی فقط سات روز دنیا کے حساب کے ہر ہزار سال کے پیچھے ایک دن اس کی پوری تفسیر سورۃ بقرۃ میں گزر چکی ہے۔ اسی واہی اور بے سروپا خیال نے اس باطل دین پر انہیں جما دیا ہے حالانکہ یہ خود ان کا خیال ہے اللہ نے نہ ایسی بات کہی نہ اس کی کوئی کتابی دلیل ان کے پاس ہے۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں ڈانٹتا اور دھمکاتا ہے اور فرماتا ہے کہ ان کا قیامت والے دن کیا حال ہوگا؟ کہ انہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا رسولوں کو جھٹلایا انبیا کو اور حق گو علما کو قتل کیا ایک ایک بات کا اللہ کو جواب دینا پڑے گا اور ایک ایک گناہ کی سزا بھگتنی پڑے گی اس دن کے آنے میں کوئی شک وشبہ نہیں اس دن ہر شخص کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر بھی کسی طرح کا ظلم روا نہ رکھا جائے گا۔

عزت وذلت اور نظام کائنات اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے: [آیت:۲۶-۲۷] اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ آپ اپنے رب کی تعظیم کے طور پر اور اس کا شکریہ بجا لانے کے لئے اور اسے اپنے تمام کام سونپ دینے کیلئے اور اس کی ذات پاک پر پورا بھروسہ کا اظہار کرتے ہوئے ان الفاظ میں اس کی بڑائی بیان کیجئے جو اوپر بیان ہوئیں یعنی اے اللہ مالک الملک تو ہے تمام ملک تیری ملکیت میں ہے جسے تو چاہے دے اور جس سے چاہے دیا ہوا بھی لے لے تو ہی دینے لینے والا ہے تو جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو نہ چاہے ہو ہی نہیں سکتا۔

اس آیت میں اس بات کی بھی تنبیہ اور اس نعمت کے شکر کا بھی حکم ہے جو آنحضرت ﷺ اور آپ کی امت کو مرحمت فرمائی گئی کہ نبوت بنی اسرائیل سے ہٹا کر نبی عربی قریشی امی مکی حضرت محمد مصطفی ﷺ کو دے دی گئی اور آپ کو علی الاطلاق نبیوں کے ختم کرنے والے اور تمام انس وجن کی طرف رسول بن کر آنے والے بنا کر بھیجا تمام اگلوں کی خوبیاں آپ میں جمع کر دیں اور وہ فضیلتیں آپ کو دی گئیں جن سے اور تمام انبیا بھی محروم رہے خواہ وہ اللہ کے علم کی بابت ہوں یا اس رب کی شریعت کے معاملہ میں ہوں یا ہو چکی اور آنے والی خبروں کے متعلق ہوں آپ پر اللہ تعالیٰ نے آخرت کے کل حقائق کھول دیئے آپ کی امت کو مشرق سے مغرب تک پھیلا دیا آپ کے دین اور آپ کی شریعت کو تمام دینوں اور کل مذہبوں پر غالب کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا درود وسلام آپ پر نازل ہو اب سے لے کر قیامت ==

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ایمانداروں کو چاہیئے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی کسی حمایت میں نہیں مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح بچ جانا ہو اور اللہ تعالیٰ تمہیں خود اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے۔ [۲۸]

= تک جب تک رات دن کی گردش باقی رہے اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمتیں دوام کے ساتھ نازل فرماتا رہے آمین۔

پس فرمایا کہ کہو اے اللہ! تو ہی اپنی خلق میں ہیر پھیر کرتا رہتا ہے جو چاہے کر گزرتا ہے جو لوگ کہتے تھے کہ ان دو بستیوں میں سے کسی بہت بڑے شخص پر اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام کیوں نازل نہ کیا؟ اس کا رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ﴾ ❶ ''کیا تیرے رب کی رحمت کے بانٹنے والے یہ لوگ ہیں جب ان کی روزیوں تک کے مالک ہم ہیں جسے چاہیں کم دیں جسے چاہیں زیادہ دیں تو پھر ہم پر حکومت کرنے والے یہ کون؟ کہ فلاں کو نبی کیوں نہ بنایا نبوت بھی ہماری ملکیت کی چیز ہے ہم ہی جانتے ہیں کہ اس کے دیئے جانے کے قابل کون ہے۔''

جیسے اور جگہ ہے ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ ❷ ''جہاں کہیں اللہ تعالیٰ اپنی رسالت نازل فرماتا ہے اسے وہی سب سے بہتر جانتا ہے'' اور جگہ فرمایا ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ ❸ ''دیکھ لے کہ ہم نے کس طرح ان میں آپس میں ایک کو دوسرے پر برتری دے رکھی ہے۔''

پھر فرماتا ہے کہ تو ہی رات کی زیادتی کو دن کے نقصان میں بڑھا کر دن رات کو برابر کر دیتا ہے۔ پھر ادھر کا حصہ ادھر دے کر دونوں کو چھوٹا بڑا کر دیتا ہے پھر برابر کر دیتا ہے زمین و آسمان پر سورج چاند پر پورا پورا قبضہ اور تمام تر تصرف تیرا ہی ہے۔

اسی طرح جاڑے کو گرمی سے اور گرمی کو جاڑے سے بدلنا بھی تیری قدرت میں ہے۔ بہار خزاں پر قادر تو ہی ہے تو ہی ہے کہ زندے سے مردے کو اور مردے سے زندے کو نکالے۔ کھیتی دانے سے اور دانہ سے کھیتوں کو لہلہاتا ہے کھجور گٹھلی سے اور گٹھلی کھجور سے تو ہی پیدا کرتا ہے مومن کو کافر کے ہاں اور کافر کو مومن کے ہاں تو ہی پیدا کرتا ہے مرغی انڈے سے اور انڈا مرغی سے اور اسی طرح کی تمام تر چیزیں تیرے ہی قبضہ میں ہیں تو جسے چاہے اتنا مال دے دے جو نہ گنا جائے نہ احاطہ کیا جائے اور جسے چاہے بھوک کے برابر روٹی بھی نہ دے ہم جانتے ہیں کہ یہ کام حکمت سے پر ہیں اور تیرے ارادے اور تیری چاہت سے ہوتے ہیں طبرانی کی حدیث میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم اس آیت ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ﴾ الخ میں ہے کہ جب اس نام سے اس سے دعا کی جائے تو وہ قبول فرمالیتا ہے۔'' ❹

کفار سے ترک موالات: [آیت: ۲۸] یہاں اللہ ترک موالات کا حکم دیتا ہے کہ مسلمانوں کو لائق نہیں کہ کفار سے دوستیاں اور محبتیں کریں انہیں آپس میں ایمانداروں سے میل ملاپ اور محبت رکھنی چاہئے پھر حکم سناتا ہے کہ جو ایسا کرے گا اس سے اللہ بالکل بیزار ہو جائے گا جیسے اور جگہ ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ﴾ ❺ یعنی ''مسلمانو! میرے =

❶ ٤٣/ الزخرف:٣٢۔ ❷ ٦/ الانعام:١٢٤۔ ❸ ١٧/ الاسرآء:٢١۔

❹ طبرانی ١٢٧٩٢۔ اس کی سند محمد بن زکریا الغلابی کی وجہ سے موضوع ہے۔ ❺ ٦٠/ الممتحنة:١۔

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚۖ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا ۢ بَعِيْدًا ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ ۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

ع ۲

ترجمہ: کہہ دے کہ اگر تم اپنے سینوں کی باتیں چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ سب کو جانتا ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسے معلوم ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے[۲۹] جس دن ہر نفس اپنی کی ہوئی نیکیوں کو اور اپنی کی ہوئی برائیوں کو موجود پالے گا آرزو کرے گا کہ کاش اس کے اور برائیوں کے درمیان بہت ہی دوری ہوتی اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے۔[۳۰]

== اور اپنے دشمنوں سے دوستی نہ کرو' اور جگہ فرمایا ''مؤمنو! یہ یہود و نصاریٰ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں تم میں سے جو بھی ان میں سے دوستی کرے وہ انہی میں سے ہے۔'' اور جگہ پروردگار عالم نے مہاجر انصار اور دوسرے مؤمنوں کے بھائی چارہ کا ذکر کر کے فرمایا ہے کہ'' کافر آپس میں ایک دوسرے کے محب و محبوب ہیں تم اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ پھیل جائے گا اور زبردست فساد برپا ہو پڑے گا۔'' پر ان لوگوں کو رخصت دی جو کسی شہر میں کسی وقت ان کی بدی اور ان کی برائی سے ڈر کر دفع الوقتی کے طور پر بظاہر کچھ میل ملاپ ظاہر کر دیں لیکن دل میں ان کی طرف رغبت اور ان سے حقیقی محبت نہ ہو جیسے صحیح بخاری شریف میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم بعض قوموں سے کشادہ پیشانی سے ملتے ہیں لیکن ہمارے دل ان پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں ❶ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صرف زبان سے اظہار کرے لیکن عمل میں ان کا ساتھ ایسے وقت بھی ہرگز نہ دے یہی بات اور مفسرین سے بھی مروی ہے اور اسی کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی کرتا ہے۔ ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ ۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ ۢ بِالْاِيْمَانِ﴾ ❷ ''جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ تعالیٰ سے کفر کرے سوائے ان مسلمانوں کے جن پر زبردستی کی جائے مگر دل اس کا ایمان کے ساتھ مطمئن ہو' بخاری میں ہے کہ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے۔ ❸

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے یعنی اپنے دبدبے اور اپنے عذابوں سے اس شخص کو خبردار کئے دیتا ہے جو اس کے فرمان کی مخالفت کر کے اس کے دشمنوں سے دوستیاں رکھے اور اس کے دوستوں سے دشمنی کرے پھر فرمایا اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے ہر عامل کو اس کے عمل کا بدلہ وہیں ملے گا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر فرمایا اے بنی اود! میں اللہ تعالیٰ کے رسول کا قاصد ہو کر تمہاری طرف آیا ہوں جان لو کہ اللہ ہی کی طرف پھر کر سب کو جانا ہے پھر یا تو جنت ٹھکانا ہوگا یا جہنم۔ ❹

اللہ تعالیٰ تمام پوشیدہ اور ظاہر باتوں کو جانتا ہے: [آیت:۲۹۔۳۰] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ پوشیدگیوں کو اور چھپی ہوئی باتوں کو اور ظاہر کی ہوئی باتوں کو بخوبی جانتا ہے کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اس پر پوشیدہ نہیں اس کا علم سب چیزوں کو ہر وقت اور ہر لحظہ ==

❶ صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب المداراة مع الناس تعلیقاً بصیغة تمریض قبل حدیث، ٦١٣١، مزید دیکھئے (السلسلة الضعیفة، ٢١٦، ٤٨٥٦) ❷ ١٦/ النحل:١٠٦۔ ❸ صحیح بخاری کتاب الإکراه قبل حدیث ٦٩٤٠۔

❹ ابن ابی حاتم وسندہ ضعیف۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۱ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۲

ترجمہ: کہہ دے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو خود اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔[۳۱] کہہ دے کہ اللہ کی اور رسول کی اطاعت کرو اگر یہ منہ پھیر لیں تو بیشک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔[۳۲]

= گھیرے ہوئے ہے زمین کے گوشوں میں پہاڑوں میں سمندروں میں آسمانوں میں ہواؤں میں سوراخوں میں غرض جو کچھ جہاں کہیں ہے سب اس کے علم میں ہے پھر ان سب پر اس کی قدرت ہے جس طرح چاہے رکھے جو چاہے جزا سزا دے پس اتنے بڑے وسیع علم والے اتنی بڑی زبردست قدرت والے سے ہر شخص کو ڈرتے ہوئے رہنا چاہئے اس کی فرمانبرداری میں مشغول رہنا چاہئے اور اس کی نافرمانیوں سے علیحدہ رہنا چاہیے وہ عالم بھی ہے اور قادر بھی ہے۔

ممکن ہے کسی کو ڈھیل دیدے لیکن جب پکڑے گا تب دبوچ لے گا پھر نہ مہلت ملے گی نہ رخصت ایک دن آنے والا ہے جس دن تمام عمر کے برے بھلے سب کام سامنے رکھ دیئے جائیں گے نیکیوں کو دیکھ کر خوشی ہوگی اور برائیوں پر نظریں ڈال کر دانت پیسے گا اور حسرت وافسوس کرے گا اور چاہے گا کہ میں ان سے کوسوں دور ہوتا اور پرے ہی پرے رہتا قرآن نے اور جگہ فرمایا ہے۔ ﴿يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۝﴾ ❶ ''سب اگلی پچھلی کی کرائی باتیں اس دن پیش کر دی جائیں گی شیطان جو اس کے ساتھ ساتھ دنیا میں رہتا تھا اور اسے برائیوں پر اکساتا تھا اس سے بھی اس دن بیزاری کرے گا اور کہے گا۔ ﴿يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ۝﴾ ❷ ''کیا اچھا ہوتا کہ اے شیطان میرے اور تیرے درمیان مشرق مغرب کا فاصلہ ہوتا وہ تو بڑا برا ساتھی ہے'' اللہ تمہیں اپنے سے یعنی اپنے عذابوں سے ڈرا دھمکا رہا ہے پھر اللہ تعالیٰ جل جلالہ اپنے نیک بندوں کو خوشخبریاں دیتا ہے کہ وہ اس کے لطف و کرم سے کبھی ناامید نہ ہوں وہ نہایت ہی مہربان بہت ہی رحم اور پیار رکھنے والا ہے امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ بھی اس کی سراسر مہربانی اور لطف ومحبت ہے کہ اس نے اپنے سے ہی اپنے بندوں کو ڈرایا ❸ یہ بھی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحیم ہے بندوں کو بھی چاہئے کہ صراط مستقیم سے قدم نہ ہٹائیں دین پاک کو نہ چھوڑیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری سے منہ نہ موڑیں۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرو: [آیت:۳۱-۳۲] اس آیت نے فیصلہ کر دیا کہ جو شخص اللہ کی محبت کا دعویٰ کرے اور اس کے اعمال افعال عقائد مطابق فرمان نبوی نہ ہوں طریقہ محمدیہ پر وہ کاربند نہ ہو تو وہ اپنے اس دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو وہ مردود ہے'' ❹ اسی لئے یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھنے کے دعوے میں سچے ہو تو میری سنتوں پر عمل کرو اس وقت تمہاری چاہت سے زیادہ اللہ تمہیں دے گا یعنی وہ خود تمہارا چاہنے والا بن جائے گا جیسے کہ بعض حکیم علما نے کہا ہے کہ تیرا چاہنا کوئی چیز نہیں لطف تو اس وقت ہے کہ اللہ تجھے چاہنے لگ جائے غرض اللہ کی محبت کی نشانی یہی ہے کہ ہر کام میں اتباع سنت مدنظر ہو ابن ابی حاتم میں ہے کہ =

❶ ۷۵/ القيامة:۱۳۔ ❷ ۴۳/ الزخرف:۳۸۔ ❸ الطبری، ۶/ ۲۰۲۔

❹ صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود، ۲۶۹۷؛ صحیح مسلم، ۱۷۱۸۔

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٣٣﴾ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾ إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿٣٦﴾

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے تمام جہان کے لوگوں میں سے آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کے خاندان کو اور عمران کے خاندان کو انتخاب فرمایا۔[۳۳] کہ یہ سب آپس میں ایک دوسرے کی نسل سے ہیں اور اللہ ہے سنتا جانتا۔[۳۴] جب عمران کی بیوی نے کہا اے میرے رب میرے پیٹ میں جو ہے اسے میں نے تیرے نام آزاد کرنے کی نذر مانی تو تو میری طرف سے قبول فرما یقیناً تو خوب سننے والا اور پوری طرح جاننے والا ہے۔[۳۵] جب بچی تولد ہوئی تو کہنے لگیں پروردگار مجھے تو لڑکی ہوئی اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی ہے اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں میں نے اس کا نام مریم رکھا اسے میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے۔[۳۶]

= حضور ﷺ نے فرمایا "دین صرف اللہ کے لئے محبت اور اسی کیلئے دشمنی کا نام ہے" پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی ❶ لیکن یہ حدیث سنداً منکر ہے پھر فرماتا ہے کہ حدیث پر چلنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے تمام تر گناہوں کو بھی معاف فرما دے گا پھر ہر عام و خاص کو حکم ملتا ہے کہ سب اللہ تعالیٰ و رسول کی بات مانتے رہیں جو اس سے لوٹ جائیں یعنی اللہ و رسول کی اطاعت سے ہٹ جائیں تو وہ کافر ہیں اور اللہ ان سے محبت نہیں رکھتا اس سے صاف واضح ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کی مخالفت کفر ہے ایسے لوگ اللہ کے دوست نہیں ہو سکتے گو ان کا دعویٰ ہو لیکن جب تک اللہ کے سچے نبی امی خاتم الرسل رسول جن و بشر کی تابعداری پیروی اور اتباع سنت نہ کریں وہ اپنے اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں رسول اللہ ﷺ تو وہ ہیں کہ اگر آج انبیا اور رسول بلکہ بہترین اور اولوالعزم پیغمبر بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی آپ کی مانے بغیر اور آپ کی شریعت پر کاربند ہوئے بغیر چارہ ہی نہ تھا اس کا بیان بسط اور تفصیل کے ساتھ آیت ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ﴾ کی تفسیر میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

چند برگزیدہ انبیا علیہم السلام کا تذکرہ: [آیت: ۳۳-۳۶] یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان بزرگ حضرات کو تمام جہان پر برگزیدگی عنایت فرمائی حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اپنی روح ان میں پھونکی ہر چیز کے نام انہیں بتلائے جنت میں انہیں بسایا پھر اپنی حکمت کے اظہار کیلئے زمین پر اتار دیا حضرت نوح علیہ السلام کو جب کہ زمین پر بت پرستی قائم ہو گئی تو سب سے پہلا رسول بنا کر بھیجا پھر جب ان کی قوم نے سرکشی کی پیغمبر کی ہدایت پر عمل نہ کیا حضرت نوح علیہ السلام نے دن رات پوشیدہ اور ظاہر اللہ کی طرف دعوت دی لیکن قوم نے کان نہ دھرے تو سوائے تابعداران نوح کے باقی سب کو اپنے پانی کے عذاب یعنی مشہور طوفان نوح بھیج کر ڈبو دیا خاندان خلیل اللہ علیہ صلوات اللہ کو اللہ نے برگزیدگی عنایت فرمائی اسی خاندان میں سے سید البشر خاتم الانبیا حضرت محمد ﷺ ہیں۔

---

❶ الضعفاء للعقيلي ١٠٢٤؛ حاكم، ٢/ ٢٩١، وسنده ضعيف جداً۔

عمران کے خاندان کو بھی اس نے منتخب کرلیا عمران نام ہے حضرت مریم کے والد صاحب کا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں' ان کا نسب نامہ بقول محمد بن اسحق یہ ہے عمران بن یاشم بن میشا بن خرقیا بن ابراہیم بن غرایا بن ناوش بن اجرا بن بہوا بن نازم بن مقاسط بن ایشا بن ایاذ بن رحیعم بن سلیمان بن داؤد' پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں' اس کا مفصل بیان سورۃ انعام کی تفسیر میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

نذر صرف اللہ تعالیٰ کے نام کی ہے: حضرت عمران کی بیوی صاحبہ کا نام جو حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ تھیں حنہ بنت فاقوذ تھا محمد بن اسحق فرماتے ہیں کہ انہیں اولاد نہیں ہوتی تھی ایک دن ایک چڑیا کو دیکھا کہ وہ اپنے بچوں کو پھرا رہی ہے تو انہیں ولولہ اٹھا اور اللہ تعالیٰ سے اسی وقت دعا کی اور خلوص کے ساتھ اللہ کو پکارا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی دعا قبول فرمائی اور اسی رات انہیں حمل ٹھہر گیا جب حمل کا یقین ہو گیا تو نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ مجھے جو اولاد دے گا اسے بیت المقدس کی خدمت کے لئے اللہ کے نام پر آزاد کر دوں گی پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ پروردگار تو میری اس مخلصانہ نذر کو قبول فرما تو میری دعا کو سن رہا ہے اور تو میری نیت کو بھی خوب جان رہا ہے اب یہ تو معلوم نہ تھا کہ لڑکا ہو گا یا لڑکی جب بچہ تولد ہوا تو دیکھا کہ وہ لڑکی ہے اور لڑکی تو اس قابل نہیں کہ وہ مسجد مقدس کی خدمت انجام دے سکے اس کے لئے تو لڑکا ہونا چاہئے تو عاجزی کے طور پر اپنی مجبوری جناب باری تعالیٰ میں ظاہر کی کہ اے اللہ میں تو اسے تیرے نام پر وقف کر چکی تھی لیکن مجھے تو لڑکی ہوئی ﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ﴾ بھی پڑھا گیا ہے یعنی یہ قول بھی حضرت حنہ کا تھا کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میرے ہاں لڑکی ہوئی اور "تا" کے جزم کے ساتھ بھی آیا ہے یعنی اللہ کا یہ فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بخوبی معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی ہے اور فرماتی ہیں کہ مرد عورت برابر نہیں میں اس کا نام مریم رکھتی ہوں۔

بچے کا نام رکھنا اور عقیقہ کرنا: اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس دن بچہ ہوا اسی دن نام رکھنا بھی جائز ہے کیونکہ ہم سے پہلے لوگوں کی شریعت ہماری شریعت ہے اور یہ یہاں بیان کیا گیا اور تردید نہیں کی گئی بلکہ اسے ثابت اور مقرر رکھا گیا' اسی طرح حدیث شریف میں بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آج رات میرے ہاں لڑکا ہوا اور میں نے اس کا نام اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر ابراہیم رکھا۔" ملاحظہ ہو بخاری و مسلم ❶ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اپنے بھائی کو جب کہ وہ تولد ہوئے لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے ہاتھ سے گھٹی دی اور ان کا نام عبداللہ رکھا یہ حدیث بھی بخاری و مسلم میں موجود ہے ❷ ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آ کر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ہاں رات کو بچہ ہوا ہے کیا نام رکھوں؟ فرمایا "عبدالرحمن نام رکھو" (بخاری) ❸ ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ کے ہاں بچہ ہوا جسے لے کر آپ کی خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تا کہ آپ اپنے دست مبارک سے اس بچے کو گھٹی دیں۔ آپ اور طرف متوجہ ہو گئے بچہ کا خیال نہ رہا حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ نے بچے کو واپس گھر بھیج دیا جب آپ فارغ ہوئے بچہ کی طرف نظر ڈالی تو اسے نہ پایا گھبرا کر پوچھا اور معلوم کر کے کہا "اس کا نام منذر رکھو" (یعنی ڈرا دینے والا) ❹ مسند احمد اور سنن میں ایک حدیث مروی ہے جسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ صحیح کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم =

❶ صحیح مسلم، کتاب فضائل، باب رحمة الصبیان والعیال، ۲۳۱۵؛ صحیح بخاری، ۱۳۰۳۔

❷ صحیح بخاری، کتاب العقیقة، باب تسمیة المولود غداة یولد...... ، ۵۴۷۰؛ صحیح مسلم، ۵۶۱۲۔

❸ صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب قول النبی ﷺ سمّوا باسمی...... ، ۶۱۷۹؛ صحیح مسلم، ۲۱۴۴۔

❹ صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب تحویل الاسم إلی اسم أحسن منه، ۶۱۹۱؛ صحیح مسلم، ۲۱۴۹۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ؀

ترجمہ: پس اسے اس کے پروردگار نے اچھی طرح قبول فرمایا اور اسے بہترین طریق پر بڑھایا اس کی خیر خبر لینے والا زکریا علیہ السلام کو بنایا جب کبھی زکریا علیہ السلام ان کے حجرے میں جاتے ان کے پاس روزی رکھی ہوئی پاتے پوچھا اے مریم! یہ روزی تمہارے پاس کہاں سے آئی؟ جواب دیا کہ یہ اللہ کے پاس سے بیشک اللہ تعالیٰ جسے چاہے بے شمار روزی دے۔[۳۷]

= نے فرمایا ''ہر بچہ اپنے عقیقے میں گروی ہے ساتویں دن عقیقہ کرے یعنی جانور ذبح کرے اور نام رکھے اور بچہ کا سر منڈوائے'' ❶ ایک روایت میں ہے ''اور خون بہایا جائے'' ❷ اور یہ زیادہ ثبوت والی اور زیادہ حفظ والی روایت ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.

لیکن زبیر بن بکار کی روایت جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا عقیقہ کیا اور نام ابراہیم رکھا یہ حدیث سنداً ثابت نہیں اور صحیح حدیث اس کے خلاف موجود ہے لیکن تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ اس نام کی شہرت اس دن ہوئی ہو' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ صاحبہ پھر اپنی بچی کو اور اس کی ہونے والی اولاد کو شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ میں دیتی ہیں اللہ تعالیٰ نے مائی صاحبہ کی اس دعا کو بھی قبول فرمایا۔

چنانچہ مسند عبدالرزاق میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''ہر بچے کو شیطان اس کی پیدائش کے وقت ٹھوکا دیتا ہے اسی سے وہ چیخ کر رونے لگتا ہے لیکن (حضرت) مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام اس سے بچے رہے'' اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو اس آیت کو پڑھ لو ﴿اِنِّیْ اُعِیْذُهَا بِكَ﴾ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے یہ حدیث اور بھی بہت سی کتابوں میں مختلف الفاظ سے مروی ہے ❸ کسی میں ہے ایک یا دو چوکے مارتا ہے ❹ ایک حدیث میں صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی ذکر ہے شیطان نے انہیں بھی چوکا مارنا چاہا لیکن انہیں نہ لگا پردے میں لگ کر رہ گیا۔ ❺

مریم صدیقہ کی کفالت اور خالہ کا والدہ کے قائم مقام ہونا: [آیت:۳۷] اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ حضرت حنہ کی نذر کو اللہ تعالیٰ

---

❶ احمد، ۵/ ۱۷؛ ابوداود، کتاب الضحایا، باب فی العقیقة، ۲۸۳۸ وهو صحیح، ترمذی، ۱۵۲۲؛ نسائی، ۴۲۲۵؛ ابن ماجة، ۳۱۶۵۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (الارواء، ۱۱۶۵)

❷ ابوداود، ۲۸۳۷ وسنده ضعیف قتادہ مدلس راوی ہے اور تصریح بالسماع ثابت نہیں۔ یہ روایت کے آخر میں ہے لیکن امام ابوداود ((یُدمیٰ)) کو ہمام رحمہ اللہ کا مغالطہ قرار دیتے ہیں کیونکہ سلام بن ابی مطیع عن قتادہ سے ((ویُسمّی)) بیان کرتے ہیں اور اسی طرح ایاس ابن دغفل اور اشعث نے حسن سے ((ویسمّی)) ہی بیان کیا ہے۔ السنن الکبریٰ ۴۵۴۶ میں بھی ویُسمّیٰ ہی ذکر کیا گیا ہے۔ لہٰذا علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کا اسے (یُدمیٰ) کو اثبت و احفظ قرار دینا محل نظر ہے۔

❸ عبدالرزاق فی "التفسیر" ۳۹۱؛ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة آل عمران، باب ﴿وانی اعیذها بك......﴾ ۴۵۴۷؛ صحیح مسلم، ۲۳۶۵۔

❹ الطبری، ۶۸۸۷۔ اس کی سند میں الحمانی ضعیف راوی ہے (المیزان: ۲/ ۵۴۲، رقم: ۴۷۸۴)

❺ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة ابلیس وجنوده، ۳۲۸۶۔

نے بخوشی قبول فرمالیا اور اسے بہترین طور سے نشو ونما بخشی ظاہری خوبی بھی عطا فرمائی اور باطنی خوبی سے بھر پور کر دیا اور اپنے نیک بندوں میں ان کی پرورش کرائی تاکہ علم اور خیر اور دین سیکھ لیں حضرت زکریا علیہ السلام کو ان کا کفیل بنادیا ابن اسحٰق تو فرماتے ہیں یہ اس لئے کہ حضرت مریم علیہا السلام یتیم ہوگئی تھیں لیکن دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ قحط سالی کی وجہ سے ان کی کفالت کا بوجھ حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے ذمہ لے لیا تھا ہوسکتا ہے کہ دونوں وجہیں مل گئیں ہوں' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ ابن اسحٰق وغیرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام ان کے خالو تھے اور بعض لوگ کہتے ہیں ان کے بہنوئی تھے جیسے معراج والی صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت یحیٰی علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی جو دونوں خالہ زاد بھائی ہیں ❶ ابن اسحٰق کے قول پر یہ حدیث ٹھیک ہے کیونکہ اصطلاح عرب میں ماں کی خالہ کے لڑکے کو بھی خالہ زاد بھائی کہہ دیتے ہیں پس ثابت ہوا کہ حضرت مریم علیہا السلام اپنی خالہ کی پرورش میں تھیں صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی یتیم صاحبزادی عمرہ کو ان کی خالہ حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی بیوی صاحبہ کے سپرد کیا تھا اور فرمایا تھا کہ خالہ قائم مقام ماں کے ہے۔ ❷

حضرت مریم علیہا السلام اور بعض کرامات کا تذکرہ: اب اللہ تعالیٰ حضرت مریم کی بزرگی اور ان کی کرامت بیان فرماتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام جب کبھی ان کے پاس ان کے حجرے میں جاتے تو بے موسمی میوے ان کے پاس پاتے مثلاً جاڑوں میں گرمیوں کے میوے اور گرمیوں میں جاڑے کے میوے حضرت مجاہد' حضرت عکرمہ' حضرت سعید بن جبیر' حضرت ابوالشعثاء' حضرت ابراہیم نخعی' حضرت ضحاک' حضرت قتادہ' حضرت ربیع بن انس' حضرت عطیہ عوفی' حضرت سدی رحمہم اللہ اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں ❸ حضرت مجاہد سے یہ بھی مروی ہے کہ یہاں رزق سے مراد علم اور وہ صحیفے ہیں جن میں علمی باتیں ہوتی تھیں لیکن اول قول ہی زیادہ صحیح ہے اس آیت میں اولیاء اللہ کی کرامات کی دلیل ہے اور اس کے ثبوت میں بہت سی حدیثیں بھی آئی ہیں حضرت زکریا علیہ السلام ایک دن پوچھ بیٹھے کہ مریم! تمہارے پاس یہ روزیاں کہاں سے آتی ہیں؟ صدیقہ نے جواب دیا کہ اللہ کے پاس سے وہ جسے چاہے بے حساب روزی دیتا ہے۔

مسند حافظ ابویعلیٰ میں حدیث ہے کہ حضور ﷺ پر کئی دن بغیر کچھ کھائے گزر گئے بھوک سے آپ کو تکلیف ہونے لگی اپنی سب بیویوں کے گھر ہو آئے لیکن کہیں بھی کچھ نہ پایا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور دریافت فرمایا کہ ''بچی تمہارے پاس کچھ ہے کہ میں کھالوں؟ مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے'' وہاں سے بھی یہی جواب ملا کہ حضور پر میرے ماں باپ صدقے ہوں کچھ بھی نہیں اللہ تعالیٰ کے نبی اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ وہاں سے نکلے ہی تھے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی نے دو روٹیاں اور گوشت کا ٹکڑا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا آپ نے اسے لے کر لگن میں رکھ لیا اور فرمانے لگیں گو مجھے میرے خاوند اور بچوں کو بھی بھوک ہے لیکن ہم سب فاقے ہی سے گزار دیں گے اور اللہ تعالیٰ کی قسم آج تو یہ رسول اللہ ﷺ کو ہی دوں گی پھر حضرت حسن کو یا حسین رضی اللہ عنہما کو آپ کی خدمت میں بھیجا کہ آپ کو بلا لائیں حضور ﷺ راستے ہی میں ملے اور ساتھ ہولئے۔ آپ آئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بولیں اللہ نے کچھ بھجوا دیا ہے جسے میں نے آپ کے لئے چھپا کر رکھ دیا ہے آپ نے فرمایا ''پیاری بچی لے آؤ'' اب جو کونڈا کھولا تو دیکھتی ہیں کہ روٹی سالن سے بچ مچاؤ ہے دیکھ کر حیران ہوگئیں لیکن فوراً سمجھ گئیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں برکت نازل ہوگئی ہے۔ اللہ کا شکر کیا نبی اللہ پر درود پڑھا اور آپ کے پاس لا کر پیش کر دیا آپ نے بھی اسے دیکھ کر اللہ کی تعریف کی اور دریافت فرمایا=

❶ صحیح بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب المعراج، ۳۸۸۷۔

❷ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب عمرة القضاء، ۴۲۵۱، ۲۶۹۹۔ ❸ ابن أبی حاتم، ۲/ ۲۲۷۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: اسی جگہ زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی کہا کہ اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما بیشک تو دعا سننے والا ہے۔[۳۸] پس فرشتوں نے اسے آواز دی کہ جب کہ وہ حجرے میں کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ تجھے یحییٰ علیہ السلام کی یقینی خوشخبری دیتا ہے جو اللہ کے کلمہ کی سچائی کرنے والا اور سردار اور عورتوں سے بے رغبت اور نبی ہے نیک لوگوں میں سے[۳۹] کہنے لگے اے میرے رب! میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا؟ میں بالکل بوڑھا ہوگیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے۔[۴۰] کہنے لگے پروردگار! میرے لئے اس کی کوئی نشانی مقرر کردے فرمایا نشان یہ ہے کہ تین دن تک تو لوگوں سے بات نہ کرسکے گا صرف اشارے سے سمجھائے گا تو اپنے رب کا ذکر بکثرت کر اور صبح شام اسی کی تسبیح بیان کرتا رہ۔[۴۱]

= کہ ''بیٹی یہ کہاں سے آیا؟'' جواب دیا کہ ابا جان اللہ کے پاس سے وہ جسے چاہے بے حساب روزی دے آپ نے فرمایا ''اللہ کا شکر ہے کہ اے پیاری بچی تجھے بھی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی تمام عورتوں کی سردار جیسا کر دیا انہیں جب کبھی اللہ تعالیٰ کوئی چیز عطا فرماتا اور ان سے پوچھا جاتا تو یہی جواب دیا کرتی تھیں کہ اللہ کے پاس سے ہے اللہ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے'' پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما نے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب ازواج مطہرات اور اہل بیت نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا پھر بھی اتنا ہی باقی رہا جتنا پہلے تھا جو آس پاس کے پڑوسیوں کے ہاں بھیجا گیا یہ تھی خیر کثیر اور برکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ ❶

زکریا علیہ السلام کی دعا: [آیت:۳۸۔۴۱] حضرت زکریا علیہ السلام نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت مریم علیہا السلام کو بے موسم میوہ دیتا ہے جاڑوں میں گرمیوں کے پھل اور گرمیوں میں جاڑوں کے میوے ان کے پاس رکھے رہتے ہیں تو باوجود اپنے پورے بڑھاپے کے اور باوجود اپنی بیوی کے بانجھ ہونے کے علم کے آپ بھی بے موسم میوے یعنی نیک اولاد طلب کرنے لگے اور چونکہ یہ طلب بظاہر ایک ناممکن چیز کی طلب تھی اس لئے نہایت پوشیدگی سے یہ دعا مانگی۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿نِدَآءً خَفِيًّا﴾ ❷ یہ اپنے عبادت خانے میں ہی تھے جو فرشتوں نے انہیں آواز دی اور انہیں سنا کر کہا کہ آپ کے ہاں ایک لڑکا ہوگا جس کا نام یحییٰ رکھنا ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ =

---

❶ المطالب العالية المسندة، ٣٩٥٨؛ اتحاف الخيرة، ٩٦٧٠، وسنده ضعيف شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (السلسلة الضعيفة، ٥٣٥٩)

❷ ١٩/ مريم:٣۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓىِٕكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَھُمْ اَيُّھُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ تعالیٰ نے تجھے برگزیدہ کرلیا اور تجھے پاک کر دیا اور سارے جہان کی عورتوں میں سے تجھے انتخاب کرلیا۔[۴۲] اے مریم! تو اپنے رب کی اطاعت کیا کر اور سجدہ کرتی رہ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔[۴۳] یہ خبر غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم تیری طرف وحی سے پہنچاتے ہیں تو ان کے پاس نہ تھا جب کہ وہ اپنی قلمیں ڈال رہے تھے کہ مریم کو ان میں سے کون پالے؟ اور نہ تو ان کے جھگڑنے کے وقت ان کے پاس تھا۔[۴۴]

= یہ بشارت ہماری طرف سے نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے ہے یحییٰ نام کی وجہ یہ ہے کہ ان کی حیات ایمان کے ساتھ ہوگی وہ اللہ کے کلمہ کی یعنی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی تصدیق کریں گے۔ حضرت ربیع بن انس فرماتے ہیں سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو تسلیم کرنے والے بھی حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں حضرت قتادہ کا قول ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام ٹھیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روش اور آپ کے طریق پر تھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ دونوں خالہ زاد بھائی تھے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم سے اکثر ذکر کیا کرتی تھیں کہ میں اپنے پیٹ کی چیز کو تیرے پیٹ کی چیز کو سجدہ کرتی ہوئی پاتی ہوں یہ تھی حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تصدیق دنیا میں آنے سے بھی بیشتر سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سچائی انہوں نے ہی جانی یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عمر میں بڑے تھے سید کے معنی حلیم بردبار، علم وعبادت میں بڑھا ہوا متقی پرہیزگار فقیہ عالم خلق و دین میں سب سے افضل جسے غصہ اور غضب مغلوب نہ کر سکے شریف اور کریم کے ہیں حصور کے معنی ہیں جو عورتوں کے پاس نہ آ سکے جس کے ہاں نہ اولاد ہو نہ جس میں شہوت کا پانی ہو اس معنی کی ایک مرفوع حدیث بھی ابن ابی حاتم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لفظ تلاوت کر کے زمین سے کچھ اٹھا کر فرمایا ''اس کا عضو اس جیسا تھا'' ❶ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ساری مخلوق میں صرف حضرت یحییٰ علیہ السلام ہی اللہ سے بے گناہ ملیں گے پھر آپ نے یہ الفاظ پڑھے اور زمین سے کچھ اٹھایا اور فرمایا حصور اسے کہتے ہیں جس کا عضو اس جیسا ہو اور حضرت یحییٰ بن سعید قطان نے اپنی کلمہ کی انگلی سے اشارہ کیا ❷ یہ روایت جو مرفوع بیان ہوئی ہے اس کی سند سے اس موقوف کی سند زیادہ صحیح ہے اور مرفوع روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑے کے پھندے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ایسا تھا اور روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے زمین سے ایک مرجھایا ہوا تنکا اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کر کے یہ فرمایا۔ ❸

اس کے بعد حضرت زکریا علیہ السلام کو دوسری بشارت دی جاتی ہے کہ وہ تمہارا لڑکا نبی ہوگا یہ بشارت پہلی خوشخبری سے بھی بڑھ گئی =

❶ ابن ابی حاتم، اس کی سند سید بن سلیمان النشیطی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

❷ وسندہ ضعیف۔ ❸ ابن ابی حاتم وسندہ ضعیف۔

= جب بشارت آ چکی تب حضرت زکریا علیہ السلام کو خیال پیدا ہوا کہ بظاہر اسباب تو اس کا ہونا محال ہے تو کہنے لگے اے اللہ! میرے ہاں بچہ کیسے ہو سکتا ہے میں بوڑھا پھوس میری بیوی بالکل بانجھ' فرشتے نے اسی وقت جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کا امر سب سے بڑا ہے اس کے پاس کوئی چیز ان ہونی نہیں نہ اسے کوئی کام بھاری پڑے وہ نہ کسی کام سے عاجز' اس کا ارادہ ہو چکا وہ اسی طرح کرے گا۔ اب حضرت زکریا علیہ السلام اللہ سے اس کی علامت طلب کرنے لگے تو ذات باری سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ارشاد کیا گیا کہ نشان یہ ہے کہ تو تین دن تک لوگوں سے بات نہ کر سکے گا' رہے گا تندرست صحیح سالم لیکن زبان سے لوگوں سے بات چیت نہ کی جائے گی صرف اشاروں سے کام لینا پڑے گا جیسے اور جگہ ہے ﴿ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا﴾ ❶ یعنی تین راتیں تندرستی کی حالت میں پھر حکم دیا کہ اس حال میں تمہیں چاہئے کہ ذکر اور تکبیر اور تسبیح میں زیادہ مشغول رہو صبح شام اسی میں لگے رہو اس کا دوسرا حصہ اور پورا بیان تفصیل کے ساتھ سورۃ مریم کے شروع میں آئے گا ان شاءاللہ۔

حضرت مریم' خدیجہ' عائشہ' اور آسیہ رضی اللہ عنہن زوجہ فرعون کی فضیلت: [آیت:۴۲-۴۴] یہاں بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مریم علیہا السلام کو فرشتوں نے خبر پہنچائی کہ اللہ نے انہیں ان کی عبادت کی کثرت ان کی دنیا سے بے رغبتی ان کی شرافت اور شیطانی وسواس سے دوری کی وجہ سے اپنے قرب خاص کا درجہ عنایت فرمادیا ہے اور تمام جہان کی عورتوں پر انہیں خاص فضیلت دے رکھی ہے صحیح مسلم شریف وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جنتی عورتیں اونٹ پر سوار ہونے والیاں ہیں ان میں سے بہتر عورتیں قریش کی ہیں جو اپنے چھوٹے بچوں پر بہت ہی شفقت اور پیار کرنے والی اپنے خاوند کی چیزوں کی پوری حفاظت کرنے والی ہیں'' حضرت مریم علیہا السلام بنت عمران اونٹ پر کبھی سوار نہیں ہوئیں ❷ بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ ''عورتوں میں سے بہتر عورت حضرت مریم علیہا السلام بنت عمران ہیں اور عورتوں میں سے بہتر عورت حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا ہیں۔'' ❸ ترمذی کی صحیح حدیث میں ہے کہ ''ساری دنیا کی عورتوں میں سے تجھے مریم بنت عمران' خدیجہ بنت خویلد' فاطمہ بنت محمد' آسیہ فرعون کی بیوی ہیں'' ❹ اور حدیث میں ہے کہ یہ چاروں عورتیں تمام عالم کی عورتوں سے افضل اور بہتر ہیں اور حدیث میں ہے کہ ''مردوں میں سے کامل مرد بہت سے ہیں لیکن عورتوں میں کمال والی عورتیں صرف تین ہیں مریم بنت عمران' آسیہ فرعون کی بیوی اور خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہن اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید یعنی گوشت کے شوربے میں بھگوئی ہوئی روٹی کی تمام کھانوں پر۔'' ❺ یہ حدیث سوائے ابوداؤد کے باقی اور سب کتابوں میں ہے صحیح بخاری شریف کی اس حدیث میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر نہیں میں نے اس حدیث کی تمام سندیں اور ہر سند کے الفاظ اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں جمع کر دیئے ہیں وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

حضرت مریم علیہا السلام کی عبادت اور اطاعت گزاری: پھر فرشتے فرماتے ہیں کہ اے مریم! تو خشوع خضوع رکوع سجود میں رہا کر

---

❶ ۱۹/ مریم:۱۰۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب احادیث الأنبیاء، باب قوله تعالیٰ ﴿إذ قالت الملائكة يا مريم......﴾ ۳٤۳٤؛ صحیح مسلم، ۲٥۲۷ آخری جملہ (لم ترکب مریم......) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا کلام ہے۔

❸ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء باب قول الله تعالیٰ (قالت الملائكة يا مريم ......) ۳٤۳۳۔

❹ ترمذی، کتاب المناقب، باب فضل خديجة رضی اللہ عنہا، ۳۸۷۸، وهو صحیح۔

❺ صحیح بخاری، کتاب احادیث الأنبیاء، باب قوله تعالیٰ ﴿وضرب الله مثلا للذين امنوا......﴾، ۳٤۱۱؛ صحیح مسلم، ۲٤۳۱؛ نسائی، ۳٤۰۰؛ ابن ماجة، ۳۲۸۰۔

اللہ تبارک وتعالیٰ تجھے اپنی قدرت کا ایک عظیم الشان نشان بنانے والا ہے اس لئے تجھے رب کی طرف پوری رغبت رکھنی چاہیئے قنوت کے معنی اطاعت کے ہیں جو عاجزی اور دل کی حاضری کے ساتھ ہو جیسے ارشاد ہے ﴿وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ○﴾ ❶ یعنی ''اسی کی ماتحتی اور ملکیت میں زمین وآسمان کی ہر چیز ہے سب کے سب اس کے محکوم اور تابع فرمان ہیں'' ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ''قرآن میں جہاں کہیں قنوت کا لفظ ہے اس سے مراد اطاعت گزاری ہے'' ❷ یہی حدیث ابن جریر میں بھی ہے لیکن سند میں نکارت ہے حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام نماز میں اتنا لمبا قیام کرتی تھیں کہ دونوں ٹخنوں پر ورم چڑھ جاتا تھا قنوت سے مراد نماز میں لمبے لمبے رکوع کرنا ہے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مراد یہ ہے اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہ اور رکوع وسجدہ کرنے والوں میں سے ہو جا حضرت اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مریم صدیقہ اپنے عبادت خانے میں اس قدر بکثرت اور باخشوع اور لمبی نمازیں پڑھا کرتی تھیں کہ دونوں پیروں میں زرد پانی اتر آیا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا وَاَرْضَاهَا. ❸

قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکلا: یہ اہم خبریں بیان کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی! ان باتوں کا علم تمہیں صرف میری وحی سے ہوا ورنہ تمہیں کیا خبر؟ تم کچھ اس وقت ان کے پاس تھوڑے ہی موجود تھے جو ان واقعات کی خبر لوگوں کو پہنچاتے؟ لیکن اپنی وحی سے ہم نے ان واقعات کو اس طرح آپ پر کھول دیا گویا آپ اس وقت خود موجود تھے جب کہ حضرت مریم علیہا السلام کی پرورش کے بارے میں ہر ایک دوسرے پر سبقت کرتا تھا سب کی چاہت تھی کہ اس دولت سے میں مالا مال ہو جاؤں اور یہ اجر مجھے مل جائے۔ جب آپ کی والدہ صاحبہ آپ کو لے کر بیت المقدس کی مسجد سلیمانی میں تشریف لائیں اور وہاں کے خادموں سے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل میں سے تھے کہا کہ میں انہیں اپنی نذر کے مطابق نام اللہ پر آزاد کر چکی ہوں۔ تم اسے سنبھالو یہ ظاہر ہے کہ یہ لڑکی ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ حیض کی حالت میں عورتیں مسجد میں نہیں آ سکتیں اب تم جانو تمہارا کام میں تو اسے گھر واپس نہیں لے جاؤں گی کیونکہ نام اللہ پر اسے نذر کر چکی ہوں حضرت عمران یہاں کے امام نماز تھے اور قربانیوں کے مہتمم تھے اور یہ ان کی صاحبزادی تھیں تو ہر ایک نے بڑے چاؤ سے ان کے لئے ہاتھ پھیلا دیئے۔ ادھر سے حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنا ایک حق اور جتایا کہ میں رشتہ میں بھی ان کا خالو ہوتا ہوں تو یہ لڑکی مجھی کو ملنی چاہیئے لیکن اور لوگ راضی نہ ہوئے آخر قرعہ ڈالا گیا اور قرعہ میں ان سب نے اپنی وہ قلمیں ڈالیں جن سے توراۃ لکھتے تھے تو قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکلا ❹ اور یہی اس سعادت سے مشرف ہوئے دوسری مفصل روایتوں میں یہ بھی ہے کہ نہر اردن پر جا کر یہ قلمیں ڈالی گئیں پانی کے بہاؤ کے ساتھ جو قلم نکل جائے وہ نہیں اور جس کا قلم ٹھہر جائے وہ حضرت مریم کا کفیل بنے چنانچہ سب کی قلمیں تو پانی بہا لے گیا۔ صرف حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم ٹھہر گیا بلکہ الٹا اوپر کو چڑھنے لگا تو ایک تو قرعے میں ان کا نام نکلا دوسرے قریب کی رشتہ داری تھی پھر یہ خود ان تمام کے سردار امام عالم بلکہ اللہ کے نبی تھے۔ پس انہی کو حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت سونپ دی گئی۔

---

❶ ۳۰/ الروم: ۲۶۔ ❷ وسندہ ضعیف۔ ❸ اس کی سند میں محمد بن یونس الکدیمی متھم بالکذب ہے۔ (المیزان ٤/ ٧٤، رقم: ٨٣٥٣) لہٰذا یہ روایت موضوع ہے۔ ❹ الطبری، ٦/ ٣٥١۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٤٦﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٤٧﴾

ترجمہ: جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ تعالیٰ تجھے اپنی ایک بات کی یقینی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام مسیح بن مریم ہے جو دنیا اور آخرت میں ذی عزت ہے اور ہے بھی وہ میری نزدیکی والوں میں سے۔[۴۵] وہ لوگوں سے اپنے گہوارے میں سے باتیں کریگا اور ادھیڑ عمر میں بھی اور وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا۔[۴۶] کہنے لگیں اے اللہ! مجھے لڑکا کیسے ہوگا؟ حالانکہ مجھے تو کسی انسان نے ہاتھ بھی نہیں لگایا فرشتے نے کہا اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہے پیدا کرتا ہے جب کبھی وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو صرف یہ کہہ دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔[۴۷]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش: [آیت: ۴۵۔۴۷] یہ خوشخبری حضرت مریم علیہا السلام کو فرشتے سنا رہے ہیں کہ انہیں ایک لڑکا ہوگا بڑی شان والا جو صرف اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن کے کہنے سے ہوگا اور یہی تفسیر ہے اللہ کے فرمان ﴿مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ ❶ کی جیسے کہ جمہور نے ذکر کیا اور جو بیان اس سے پہلے گزر چکا اس کا نام مسیح ہوگا عیسیٰ بیٹا مریم کا ہر مؤمن اسے اسی نام سے پہچانے گا مسیح نام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زمین میں وہ بکثرت سیاحت کریں گے ماں کی طرف منسوب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا باپ کوئی نہ تھا اللہ کے نزدیک وہ دونوں جہان میں برگزیدہ ہیں اور مقربان خاص میں سے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی شریعت اور کتاب اترے گی اور بڑی بڑی مہربانیاں ان پر دنیا میں نازل ہونگی اور آخرت میں بھی اور اولوالعزم پیغمبروں کی طرح اللہ کے حکم سے جس کے لئے اللہ تعالیٰ چاہے گا وہ شفاعت کریں گے جو قبول ہو جائے گی صَلَوٰاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ وہ اپنے جھولے میں اور ادھیڑ عمر میں باتیں کریں گے یعنی اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی لوگوں کو بچپن ہی میں دعوت دیں گے جو ان کا معجزہ ہوگا اور بڑی عمر میں بھی جب اللہ تعالیٰ ان کی طرف وحی کرے گا۔ وہ اپنے قول و فعل میں علم صحیح رکھنے والے اور عمل صالح کرنے والے ہوں گے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ''بچپن میں کلام صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیا ہے اور جریج کے ساتھی نے'' اور حدیث میں ایک اور بچے کا کلام کرنا بھی مروی ہے تو یہ تین ہوئے۔ ❷

حضرت مریم علیہا السلام اس بشارت کو سن کر اپنی مناجات میں کہنے لگیں اے اللہ مجھے بچہ کیسے ہوگا؟ میں نے تو نکاح نہیں کیا اور نہ میرا ارادہ نکاح کرنے کا ہے اور نہ میں ایسی بدکار عورت ہوں' حاشاللہ۔ اللہ عزوجل کی طرف سے فرشتے نے جواب میں کہا کہ ''اللہ کا امر بہت بڑا ہے اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی وہ جو چاہے پیدا کر دے'' اس نکتے کو خیال میں رکھنا چاہئے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے اس سوال کے جواب میں اس جگہ لفظ ﴿يَفْعَلُ﴾ تھا یہاں لفظ ﴿يَخْلُقُ﴾ ہے یعنی پیدا کرتا ہے اس لئے کہ کسی باطل پرست کو کوئی شبہ کا موقع باقی نہ رہے اور صاف لفظوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اللہ کی مخلوق ہونا معلوم ہو جائے پھر اس کی مزید تاکید کی اور فرمایا وہ جس ==

❶ ۳/ آل عمران:۳۹۔ ❷ ابن ابی حاتم، ۲/ ۲۷۲۔۲۷۳؛ صحیح بخاری، کتاب أحادیث الانبیاء، باب قوله تعالیٰ ﴿واذکر فی الکتاب مریم......﴾ ۳۴۳۶؛ صحیح مسلم، ۲۵۵۰۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿٤٨﴾ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬

اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ

فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٤٩﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ

بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿٥٠﴾

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٥١﴾

ترجمہ: اللہ اسے لکھنا اور حکمت اور توراۃ اور انجیل سکھائے گا۔[۴۸] اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں میں تمہارے لئے پرندے کی شکل کی طرح مٹی کا پرند بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور اللہ کے حکم سے پیٹ کے اندھے کو اور کوڑھی کو اچھا کر دیتا ہوں اور مردے کو زندہ کر دیتا ہوں اور جو کچھ تم کھاؤ اور جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ کرو میں تمہیں بتا دیتا ہوں اس میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم ایماندار ہو۔[۴۹] اور میں توراۃ کا سچانے والا ہوں جو میرے سامنے ہے اور میں اس لئے آیا ہوں کہ تم پر بعض وہ چیزیں حلال کروں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو۔[۵۰] یقین مانو میرا اور تمہارا رب اللہ ہی ہے تم سب اسی کی عبادت کرو یہی سیدھی راہ ہے۔[۵۱]

= کام کو جب کبھی کرنا چاہتا ہے تو صرف اتنا فرما دیتا ہے کہ ہو جا بس وہ وہیں ہو جاتا ہے اس کے حکم کے بعد ڈھیل اور دیر نہیں لگتی جیسے اور جگہ ہے ﴿وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ﴾ ❶ یعنی ''ہمارے صرف ایک مرتبہ کے حکم سے ہی بلا تاخیر فی الفور آنکھ جھپکتے ہی وہ کام ہو جاتا ہے ہمیں دوبارہ اسے کہنا نہیں پڑتا۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عظیم الشان معجزات: [آیت:۴۸۔۵۱] فرشتے حضرت مریم علیہا السلام سے کہتے ہیں کہ تیرے اس لڑکے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پروردگار عالم لکھنا سکھائے گا اور حکمت سکھائے گا لفظ حکمت کی تفسیر سورۃ بقرہ میں گزر چکی ہے اور اسے توراۃ سکھائے گا جو حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر اتری تھی اور انجیل سکھائے گا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اتری چنانچہ آپ کو یہ دونوں کتابیں حفظ تھیں انہیں بنی اسرائیل کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجے گا اس بات کے کہنے کیلئے کہ میرا یہ معجزہ دیکھو کہ مٹی لی اس کا پرند بنایا پھر پھونک مارتے ہی وہ سچ مچ کا جیتا جاگتا پرندہ بن کر سب کے سامنے اڑنے لگا یہ اللہ کے حکم سے اور اس کے فرمان سے تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی قدرت سے نہیں یہ ایک معجزہ تھا جو آپ کی نبوت کا نشان تھا۔ اَكْمَه اس اندھے کو کہتے ہیں جسے دن کے وقت دکھائی نہ دے مگر رات کو دکھائی دے بعض نے کہا اَكْمَه اس نابینا کو کہتے ہیں جسے دن کو دکھائی دے مگر رات کو دکھائی نہ دے بعض کہتے ہیں بھینگا اور

❶ ٥٤/ القمر: ٥٠۔

ترچھا اور کانا مراد ہے بعض کا قول یہ بھی ہے کہ جو ماں کے پیٹ سے بالکل اندھا پیدا ہوا ہو یہاں یہی ترجمہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس میں معجزے کا کمال یہی ہے اور مخالفین کو عاجز کرنے کے لئے یہ صورت اس کی اور صورتوں سے اعلیٰ ہے اَبْرَصُ سفید داغ والے کوڑھی کو کہتے ہیں ایسے بیمار کو بھی اللہ کے حکم سے حضرت عیسٰی علیہ السلام اچھے کر دیتے تھے اور مردوں کو بھی اللہ کے حکم سے آپ زندہ کرتے تھے۔ اکثر علما کا قول ہے کہ ہر ہر زمانے کے نبی کو اسی زمانے والوں کی مناسبت سے خاص خاص معجزات جناب باری تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں حضرت موسٰی علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا بڑا چرچا تھا اور جادوگروں کی بڑی قدر و تعظیم تھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ معجزہ دیا کہ تمام جادوگروں کی آنکھیں کھل گئیں اور ان پر حیرت طاری ہوگئی اور انہیں کامل یقین ہوگیا کہ یہ تو اللہ واحد وقہار کی طرف سے عطیہ ہے جادو ہرگز نہیں چنانچہ ان کی گردنیں جھک گئیں اور یک لخت وہ حلقہ بگوش اسلام ہوگئے اور بالآخر اللہ کے مقرب بندے بن گئے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانہ میں طبیبوں اور حکیموں کا دور دورہ تھا' کامل اطبا اور ماہر حکیم' علم طبیعیات کے پورے عالم اور لاجواب کامل الفن استاد موجود تھے پس آپ کو وہ معجزے دیئے گئے جن سے وہ سب عاجز تھے بھلا مادرزاد اندھوں کو بالکل بینا کر دینا اور کوڑھیوں کو اس مہلک بیماری سے اچھا کر دینا اتنا ہی نہیں بلکہ جمادات جو محض بے جان چیز ہے اس میں روح ڈال دینا اور قبروں میں سے مردوں کو زندہ کر دینا یہ کسی کے بس کی بات ہے؟ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے بطور معجزہ یہ باتیں آپ سے ظاہر ہوئیں ٹھیک اسی طرح جب ہمارے نبی اکرم حضرت محمد مصطفی ﷺ تشریف لائے اس وقت فصاحت بلاغت نکتہ رسی اور بلند خیالی بول چال میں نزاکت و لطافت کا زمانہ تھا اس فن میں بلند پایہ شاعروں نے وہ کمال حاصل کر لیا تھا کہ دنیا ان کے قدموں پر جھک پڑی تھی پس حضور ﷺ کو کتاب اللہ ایسی عطا فرمائی گئی کہ ان سب کی کوندتی ہوئی بجلیاں ماند پڑ گئیں اور کلام اللہ کے نور نے انہیں نیچا دکھایا اور یقین کامل ہوگیا کہ یہ انسانی کلام نہیں تمام دنیا سے کہہ دیا گیا اور جتا جتا کر بتا بتا کر سنا سنا کر منادی کر کے بار بار اعلان دے کر کہا گیا کہ ہے کوئی جو اس جیسا کلام کر سکے؟ اکیلے اکیلے نہیں سب مل جاؤ اور انسان ہی نہیں جنات کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لو پھر سارے قرآن کے برابر بھی نہیں صرف دس سورتوں کے برابر ہی سہی اور اچھا یہ بھی نہ سہی ایک ہی سورت اس کے مثل تو بنا کر لاؤ لیکن سب کی کمریں ٹوٹ گئیں ہمتیں پست ہوگئیں گلے خشک ہوگئے زبان گنگ ہوگئی اور آج تک ساری دنیا سے نہ بن پڑا اور نہ کبھی ہو سکے گا بھلا کہاں اللہ تعالیٰ کا کلام اور کہاں مخلوق کا؟

پس اس زمانہ کے اعتبار سے اس معجزے نے اپنا اثر کیا اور مخالفین کو ہتھیار ڈالتے ہی بن پڑی اور جوق در جوق اسلامی حلقے بڑھتے گئے پھر حضرت مسیح علیہ السلام کا اور معجزہ بیان ہو رہا ہے کہ آپ نے فرمایا بھی اور کر کے دکھایا بھی کہ جو کوئی تم میں سے آج اپنے گھر میں جو کچھ کھا کر آیا ہو میں اسے بھی اللہ تعالیٰ کے بتائے سے بتا دوں گا یہی نہیں بلکہ کل کے لئے بھی اس نے جو تیاری کی ہوگی مجھے اللہ تعالیٰ کے معلوم کرانے سے معلوم رہتا ہے یہ سب میری سچائی کی دلیل ہے کہ میں جو تعلیم تمہیں دے رہا ہوں وہ برحق ہے ہاں اگر تم میں ایمان ہی نہیں تو پھر کیا میں اپنے سے پہلی کتاب توراۃ کو بھی ماننے والا اس کی سچائی کا دنیا میں اعلان کرنے والا ہوں میں تم پر بعض وہ چیزیں حلال کرنے آیا ہوں جو مجھ سے پہلے تم پر حرام کی گئی ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے توراۃ کے بعض احکام منسوخ کئے ہیں گو اس کے خلاف بھی مفسرین کا خیال ہے لیکن درست بات یہی ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ توراۃ کا کوئی حکم آپ نے منسوخ نہیں کیا البتہ بعض حلال چیزوں میں جو اختلاف تھا اور بڑھتے =

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾

ترجمہ: پس جب (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام نے ان کا کفر معلوم کر لیا تو کہنے لگے اللہ کی راہ میں میری مدد کرنے والا کون کون ہے؟ حواریوں نے جواب دیا کہ ہم اللہ کی راہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہئے کہ ہم تابعدار ہیں۔[۵۲] اے ہمارے پالنے والے اللہ ہم تیری اتاری ہوئی وحی پر ایمان لائے اور ہم نے تیرے رسول کی مان لی پس تو ہمیں گواہوں میں لکھ لے۔[۵۳] اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی اور اللہ تعالیٰ سب داؤ کرنے والوں سے بہتر ہے۔[۵۴]

= بڑھتے گویا ان کی حرمت پر اجماع ہو چکا تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی حقیقت بیان فرمادی اور ان کے حلال ہونے پر مہر کر دی جیسے قرآن حکیم نے اور جگہ فرمایا ہے۔﴿وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ﴾ ❶ میں تمہارے بعض آپس کے اختلاف میں صاف فیصلہ کر دوں گا' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ پھر فرمایا کہ میرے پاس اپنی سچائی کی ربانی دلیلیں موجود ہیں تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرا کہا مانو جس کا خلاصہ صرف اسی قدر ہے کہ اسے پوجو جو میرا اور تمہارا پالنہار ہے سیدھی اور سچی راہ تو صرف یہی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار: [آیت:۵۲-۵۴] یعنی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی ضد اور ہٹ دھری کو دیکھ لیا کہ اپنی گمراہی کج روی اور کفر وانکار سے یہ ہٹتے ہی نہیں تو فرمانے لگے کہ کوئی ایسا بھی ہے جو میری تابعداری کرے اللہ کی طرف پہنچنے کیلئے ❷ اور یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرا مددگار بنے لیکن پہلا قول زیادہ قریب ہے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی طرف پکارنے میں میرا ہاتھ بٹانے والا کون ہے؟ جیسے کہ نبی اللہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے سے پہلے موسم حج کے موقع پر فرمایا کرتے تھے کہ ''کوئی ہے جو مجھے اللہ تعالیٰ کا کلام پہنچانے کے لئے جگہ دے؟ قریش تو کلام اللہ کی تبلیغ سے مجھے روک رہے ہیں'' ❸ یہاں تک کہ مدینہ شریف کے باشندے انصار کرام رضی اللہ عنہم اس خدمت کے لئے کمربستہ ہوئے آپ کو جگہ بھی دی آپ کی مدد بھی کی اور جب آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے تو پوری خیر خواہی اور بے نظیر ہمدردی کی ساری دنیا کے مقابلہ میں اپنا سینہ سپر کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت خیر خواہی اور آپ کے مقاصد کی کامیابی میں ہمہ تن مصروف ہو گئے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَاَرْضَاهُمْ۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس آواز پر بھی چند بنی اسرائیل نے لبیک کہا آپ پر ایمان لائے آپ کی تائید کی تصدیق کی اور پوری مدد پہنچائی اور اس نور کی اطاعت میں لگ گئے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ اتارا تھا یعنی انجیل یہ لوگ دھوبی تھے اور حواری انہیں ان کے کپڑوں کی سفیدی کی وجہ سے کہا گیا ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ شکاری تھے۔ صحیح یہ ہے کہ حواری کہتے ہیں مددگار کو جیسے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ جنگ خندق کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' ہے کوئی جو سینہ سپر ہو جائے؟'' اس آواز کو سنتے ہی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تیار ہو گئے آپ نے دوبارہ یہی فرمایا پھر بھی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ہی قدم اٹھایا پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' ہر نبی =

❶ ۴۳/ الزخرف:۶۳۔ ❷ ابن ابی حاتم، ۳/ ۲۹۰۔

❸ احمد، ۳/ ۳۳۹، وسندہ حسن۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ! میں تجھے پورا لینے والا ہوں اور تجھے اپنی جانب اٹھانے والا ہوں اور تجھے کافروں سے پاک کرنے والا ہوں اور تیرے تابعداروں کو کافروں کے اوپر رکھنے والا ہوں قیامت کے دن تک' پھر تم سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے میں ہی تمہارے آپس کے تمام تر اختلاف کا فیصلہ کردوں گا۔[۵۵] پس کافروں کو تو میں دنیا اور آخرت میں سخت تر عذاب کروں گا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔[۵۶] لیکن ایمان والوں اور نیک اعمال والوں کو اللہ تعالیٰ ان کا ثواب پورا پورا دے گا اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔[۵۷] یہ جسے ہم تیرے سامنے پڑھ رہے ہیں آیات ہیں اور حکمت والی نصیحت ہے۔[۵۸]

== کے حواری ہوتے ہیں اور میرا حواری زبیر رضی اللہ عنہ ہے'' ❶ پھر یہ لوگ اپنی دعا میں کہتے ہیں کہ ہمیں شاہدوں میں لکھ لے اس سے مراد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک امت محمدیہ میں لکھ لینا ہے اس تفسیر کی روایت سنداً بہت عمدہ ہے۔

پھر بنی اسرائیل کے اس ناپاک گروہ کا ذکر ہو رہا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جانی دشمن تھے انہیں مروا دینے اور سولی دینے کا قصد رکھتے تھے جنہوں نے اس زمانہ کے بادشاہ کے کان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بھرے تھے کہ یہ شخص لوگوں کو بہکاتا پھرتا ہے ملک میں بغاوت کر رہا ہے اور رعایا کو بگاڑ رہا ہے باپ بیٹوں میں فساد برپا کرا رہا ہے بلکہ اپنی خباثت خیانت کذب و دروغ میں یہاں تک بڑھ گئے کہ آپ کو زانیہ کا بیٹا کہا اور بڑے بڑے بہتان آپ پر باندھے یہاں تک کہ بادشاہ بھی دشمن جان بن گیا اور اپنی فوج کو بھیجا کہ اسے گرفتار کر کے سخت سزا کے ساتھ پھانسی دے دو فوج یہاں سے جاتی ہے اور جس گھر میں آپ تھے اسے چاروں طرف سے گھیر لیتی ہے ناکہ بندی کر کے پھر گھر میں گھستے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو ان مکاروں کے ہاتھ سے صاف بچا لیتا ہے اور اس گھر کے روزن (روشن دان) سے آپ کو آسمان کی طرف اٹھا لیتا ہے اور آپ کی شباہت ایک اور شخص پر ڈال دی جاتی ہے جو اسی گھر میں تھا یہ لوگ رات کے اندھیرے میں اس کو عیسیٰ سمجھ لیتے ہیں گرفتار کر کے لے جاتے ہیں سخت توہین کرتے ہیں اور سر پر کانٹوں کا تاج رکھ کر اسے صلیب پر چڑھا دیتے ہیں یہی ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا مکر تھا کہ وہ اپنے نزدیک یہ سمجھتے رہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے نبی کو پھانسی پر لٹکا دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تو نجات دیدی تھی اس بدبختی اور بدنیتی کا ثمرہ انہیں یہ ملا کہ ان کے دل ہمیشہ کے لئے سخت

❶ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب هل یبعث الطلیعة وحده، ۲۸۴۷؛ صحیح مسلم، ۲٤۱۵؛ ترمذی، ۳۷٤۵۔

ہو گئے باطل پراڑ گئے اور دنیا میں ذلیل وخوار ہو گئے اور آخر دنیا تک اس ذلت میں ہی رہ پڑے اسی کا بیان اس آیت میں ہے کہ اگر انہیں مکر آتے ہیں تو کیا ہم نہیں جانتے ہم تو ان سے بہتر مکر کرنے والے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں پر اٹھایا جانا: [آیت:۵۵-۵۸] قتادہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ بعض مفسرین تو فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ میں تجھے اپنی طرف اٹھالوں گا پھر اس کے بعد تجھے فوت کروں گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یعنی میں تجھے مارنے والا ہوں وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اٹھاتے وقت شروع دن میں تین ساعت تک فوت کر دیا تھا۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ نصاریٰ کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سات ساعت تک فوت رکھا پھر زندہ کیا وہب فرماتے ہیں کہ تین دن تک موت رہی پھر زندہ کر کے اٹھالیا مطر وراق فرماتے ہیں یعنی میں تجھے دنیا میں پورا پورا دینے والا ہوں۔ یہاں وفات موت مراد نہیں اسی طرح ابن جریر فرماتے ہیں ﴿تَوَفِّی﴾ سے یہاں مراد ان کا رفع ہے اور اکثر مفسرین کا قول ہے کہ وفات سے مراد یہاں نیند ہے جیسے اور جگہ قرآن حکیم میں ہے۔ ﴿هُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ﴾ ❶ ''وہ اللہ جو تم کو رات کو فوت کر دیتا ہے'' یعنی سلا دیتا ہے اور جگہ ہے۔ ﴿اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا﴾ ❷ یعنی ''اللہ تعالیٰ جانوں کو فوت کرتا ہے ان کی موت کے وقت اور جو نہیں مرتیں انہیں ان کی نیند کے وقت۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نیند سے بیدار ہوتے تو فرماتے ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا)) ''اللہ کا شکر ہے کہ جس نے ہمیں مار ڈالنے کے بعد پھر زندہ کر دیا'' ❸ اور جگہ فرمان باری ﴿وَبِکُفْرِهِمْ﴾ سے ﴿شَهِیْدًا﴾ تک پڑھو جہاں فرمایا گیا ہے ''ان کے کفر کی وجہ سے اور حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان عظیم باندھ لینے کی بنا پر اور اس باعث کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا حالانکہ نہ قتل کیا ہے اور نہ صلیب دی ہے لیکن ان کے لئے شبہ ڈال دیا گیا۔'' ﴿مَوْتِهٖ﴾ کی ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں یعنی تمام اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں گے جب کہ وہ قیامت سے پہلے زمین پر اتریں گے اس کا تفصیلی بیان عنقریب آ رہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پس اس وقت تمام اہل کتاب ان پر ایمان لائیں گے کیونکہ نہ وہ جزیہ لیں گے نہ سوائے اسلام کے اور کوئی بات قبول کریں گے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت حسن سے ﴿اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ﴾ کی تفسیر یہ مروی ہے کہ ان پر نیند ڈالی گئی اور نیند کی حالت میں ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں اٹھالیا حضرت حسن فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مرے نہیں وہ تمہاری طرف قیامت سے پہلے لوٹنے والے ہیں۔ ❹

پھر فرماتا ہے میں تجھے اپنی طرف اٹھا کر کافروں سے پاک کرنے والا ہوں اور تیرے تابعداروں کو کافروں پر غالب رکھنے والا ہوں قیامت تک چنانچہ ایسا ہی ہوا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر چڑھا لیا تو ان کے بعد ان کے ساتھیوں کے کئی فریق ہو گئے ایک فرقہ تو آپ کی بعثت پر ایمان رکھنے والا تھا کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کی ایک بندی کے لڑکے ہیں بعض وہ تھے جنہوں نے غلو سے کام لیا اور بڑھ گئے اور آپ کو اللہ کا بیٹا کہنے لگے اوروں نے آپ کو اللہ کہا دوسروں نے تین میں کا ایک آپ کو بتلایا اللہ تعالیٰ ان کے عقائد کا ذکر قرآن مجید میں فرماتا ہے پھر ان کی تردید بھی کر دی ہے تین سو سال تک تو یہ اسی

---

❶ ٦/ الانعام:٦٠۔ ❷ ٣٩/ الزمر:٤٢۔ ❸ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب وضع الید علی الخد الیمنیٰ، ٦٣١٤؛ صحیح مسلم، ٢٧١١؛ ابو داود، ٥٠٤٩؛ ترمذی، ٣٤١٧؛ عمل الیوم واللیلة للنسائی، ٧٤٧؛ ابن ماجة، ٣٨٨٠۔

❹ الطبری، ٧١٢٩، یہ روایت مرسل ہے اور اس میں عبداللہ بن ابی جعفر نا قابل احتجاج اور اس کے والد سیٔ الحفظ ہیں۔ (المیزان/ ٤٠٤، رقم: ٤٢٥٢، ٣/ ٣٢٠، رقم: ٦٥٩٥) لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

طرح رہے پھر یونان کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ جو بڑا فیلسوف تھا جس کا نام قسطنطین تھا کہا جاتا ہے کہ صرف اس دین کو بگاڑنے کے لئے منافقانہ انداز حیلہ جوئی کے وہ اس دین میں داخل ہوا یا جہالت سے داخل ہوا بہرصورت اس نے دین مسیح کو بالکل بدل ڈالا اور بڑی تحریف اور تغیر کی اور کمی زیادتی بھی اس دین میں کر ڈالی بہت سے قانون ایجاد کئے اور امانت کبریٰ بھی اسی کی ایجاد ہے جو دراصل کمینہ پن کی خیانت ہے اسی نے اپنے زمانہ میں سور کو حلال کیا اسی کے حکم سے عیسائی مشرق کی طرف نمازیں پڑھنے لگے اسی نے گرجاؤں اور کلیساؤں میں عبادت خانوں اور خانقاہوں میں تصویریں بنوائیں اور اپنے ایک گناہ کے باعث دس روزے روزوں میں بڑھوا دیئے غرض اس کے زمانہ سے دین مسیح مسیحی دین نہ رہا بلکہ دین قسطنطین ہو گیا اس نے ظاہری رونق تو خوب دی بارہ ہزار سے زائد تو عبادت گاہیں بنوادیں اور ایک شہر اپنے نام سے بسایا۔ ملکیہ گروہ نے اس کی تمام باتیں مان لیں۔ لیکن باوجود ان سب سیاہ کاریوں کے یہودی ان کے ہاتھ تلے رہے اور دراصل نسبتاً حق سے زیادہ قریب یہی تھے گو فی الواقع سارے کے سارے کفار تھے اللہ کی ان پر پھٹکار ہو۔

اب جب کہ ہمارے حضرت محمد مصطفی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا برگزیدہ رسول بنا کر دنیا میں بھیجا تو آپ پر جو لوگ ایمان لائے ان کا ایمان اللہ کی ذات پر بھی تھا اس کے فرشتوں پر بھی تھا اس کی کتابوں پر بھی تھا اور اس کے تمام رسولوں پر بھی تھا پس حقیقت میں نبیوں کے سچے تابع فرمان یہی لوگ تھے یعنی امت محمد اس لئے کہ یہ نبی امی عربی خاتم الرسل سید اولاد آدم کے ماننے والے تھے اور حضور ﷺ کی تعلیم تمام حقانیت کو سچا ماننے کے لیے تھی۔ پس دراصل ہر نبی کے سچے تابعدار صحیح معنی میں امتی کہلانے کے مستحق یہی تھے کیونکہ ان لوگوں نے جو اپنے تئیں عیسیٰ علیہ السلام کی امت کہتے تھے دین عیسوی کو بالکل مسخ اور فسخ کر دیا تھا۔

علاوہ ازیں پیغمبر آخر الزماں ﷺ کا دین بھی اور تمام اگلی شریعتوں کا ناسخ تھا پھر محفوظ رہنے والا تھا جس کا ایک شوشہ بھی قیامت تک بدلنے کا نہیں اس لئے اس آیت کے وعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے کافروں پر اس امت کو غلبہ دیا اور یہ مشرق سے لے کر مغرب تک چھا گئے ملکوں کو اپنے پاؤں تلے روند دیا اور بڑے بڑے جابر اور کٹے کافروں کی گردنیں مروڑ دیں دولتیں ان کے پیروں میں آ گئیں فتح و غنیمت ان کی رکابیں چومنے لگی مدتوں کی پرانی سلطنتوں کے تختے انہوں نے الٹ دیئے کسریٰ کی عظیم الشان پرشان سلطنت ان کے بھڑکتے ہوئے آتش کدے ان کے ہاتھوں ویران اور سرد ہوئے قیصر کا تاج و تخت ان اللہ والوں نے تاخت و تاراج کیا اور انہیں مسیح پرستی کا خوب مزہ چکھایا اور ان کے خزانوں کو اللہ واحد کی رضامندی میں اور اس کے سچے نبی ﷺ [1] کے دین کی اشاعت میں دل کھول کر خرچ کیا اور اللہ تعالیٰ کے لکھے اور نبی ﷺ کے وعدے چڑھتے ہوئے سورج کی اور چودھویں کے روشن چاند کی طرح سچے ہوتے ہوئے لوگوں نے دیکھ لئے مسیح علیہ السلام کے نام کو بدنام کرنے والے مسیح کے نام سے شیطانوں کو پوجنے والے ان پاکباز اللہ پرستوں کے ہاتھوں مجبور ہو کر شام کے لہلہاتے ہوئے باغات اور آباد شہروں کو ان کے حوالے کر کے بے پناہ بھاگتے ہوئے روم (ترکی) میں جا بسے پھر وہاں سے بھی یہ بے عزت کر کے نکالے گئے اور اپنے بادشاہ کے خاص شہر قسطنطنیہ میں پہنچے لیکن پھر وہاں سے بھی ذلیل و خوار کر کے نکال دیئے گئے اور ان شاء اللہ العزیز اسلام اور اہل اسلام قیامت تک ان کے اوپر ہی رہیں گے۔ سب سچوں کے سردار جن کی سچائی پر اللہ کی مہر لگ چکی ہے یعنی آنحضرت ﷺ خبر دے چکے ہیں جو اٹل ہے نہ کاٹے کٹے نہ توڑے ٹوٹے =

[1] صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس، باب قول النبی ((أُحلت لکم الغنائم)) ۳۱۲۰، ۳۱۲۱؛ صحیح مسلم، ۲۹۱۸۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٦٠﴾ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿٦١﴾ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾

ع ۵ / ۱۴

ترجمہ: اللہ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال ہو بہو آدم علیہ السلام کی مثال ہے جسے مٹی سے پیدا کر کے کہہ دیا کہ ہو جا پس وہ ہو گیا۔[۵۹] تیرے رب کی طرف سے حق یہی ہے خبردار شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔[۶۰] پس جو شخص تیرے پاس اس علم کے آ جانے کے بعد بھی تجھ سے اس میں جھگڑے تو تو کہہ دے کہ آؤ ہم تم اپنے اپنے فرزندوں کو اور ہم تم اپنی اپنی عورتوں کو اور ہم تم خاص اپنی اپنی جانوں کو بلا لیں پھر ہم بہ زاری التجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔[۶۱] یقین صرف یہی سچا بیان ہے اور کوئی معبود نہیں بجز اللہ کے اور بیشک غالب اور حکمت والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔[۶۲] پھر بھی اگر قبول نہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی صحیح طور پر فسادیوں کو جاننے والا ہے۔[۶۳]

= نہ ٹالے ٹلے فرماتے ہیں کہ آپ کی امت کا آخری گروہ قسطنطنیہ کو فتح کرے گا اور وہاں کے تمام خزانے اپنے قبضہ میں کرے گا اور رومیوں سے ان کی وہ گھمسان لڑائی ہوگی کہ اس کی نظیر سے دنیا خالی ہو۔ ❶ (ہماری دعا ہے کہ ہر زمانے میں اللہ اس امت کا حامی و ناصر رہے اور روئے زمین کے کفار پر انہیں غالب رکھے اور انہیں سمجھ دے کہ نہ یہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت کریں نہ محمد ﷺ کے سوا کسی کی اطاعت کریں یہی اصل ہے اسلام کی اور یہی گر ہے عروج دنیوی کا میں نے اس سب کو ایک علیحدہ کتاب میں جمع کر دیا ہے۔

آگے اللہ کے قول پر نظر ڈالئے کہ مسیح عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر کرنے والے یہود اور آپ کی شان میں بڑھی چڑھی باتیں بنا کر بہکنے والے نصرانیوں کو قتل و قید کی مار اور سلطنت کے تباہ ہو جانے کی سزا دی اور آخرت کا عذاب وہیں دیکھ لینا جہاں نہ کوئی بچا سکے نہ مدد کر سکے اور ان کے برخلاف ایمانداروں کو پورا اجر اللہ تعالیٰ عطا فرمائیگا دنیا میں بھی فتح اور نصرت' عزت و حرمت عطا ہوگی اور عقبیٰ میں بھی خاص رحمتیں اور نعمتیں ملیں گی۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ناپسند رکھتا ہے۔

پھر فرمایا اے نبی! یہ بھی حقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اور ان کی ابتداء پیدائش کی اور ان کے امر کی جو اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ سے آپ کی طرف بذریعہ اپنی خاص وحی کے اتار دی جس میں کوئی شک و شبہ نہیں جیسے سورۃ مریم میں فرمایا عیسیٰ ابن مریم یہی ہیں یہی سچی حقیقت ہے جس میں تم شک و شبہ میں پڑے ہو اللہ کو تو لائق ہی نہیں کہ اس کی اولاد ہو وہ اس سے بالکل پاک ہے وہ جو کرنا چاہے کہہ دیتا ہے ہو جا بس وہ ہو جاتا ہے اب یہاں بھی اس کے بعد بیان ہو رہا ہے۔

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب فی فتح قسطنطنیة......، ۲۸۹۷۔

عیسائیوں کو دعوت مباہلہ اور ان کا انکار: [آیت:۵۹۔۶۳] حضرت باری جل اسمہ وعلا قدرہ اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرما رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تو صرف باپ نہ تھا اور میں نے انہیں پیدا کر دیا تو کیا اچنبھا ہے؟ میں نے حضرت آدم علیہ السلام کو تو ان سے پہلے پیدا کیا تھا حالانکہ ان کا بھی باپ نہ تھا بلکہ ماں بھی نہ تھی۔ مٹی سے پتلا بنایا اور کہہ دیا آدم ہو جا اسی وقت ہو گیا پھر مجھ پر صرف ماں سے پیدا کرنا کیا مشکل؟ جبکہ بغیر ماں اور باپ کے بھی میں نے پیدا کر دیا پس اگر صرف باپ نہ ہونے کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہلانے کے مستحق ہو سکتے تو حضرت آدم علیہ السلام بطریق اولیٰ اس کا استحقاق رکھتے ہیں اور انہیں خود تم بھی نہیں مانتے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس درجہ سے بطور اولیٰ ہٹانا چاہیے کیونکہ ابنیت کے دعویٰ کا بطلان اور فساد یہاں اس سے بھی زیادہ ظاہر ہے یہاں ماں تو ہے وہاں تو نہ ماں تھی نہ باپ' یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی کامل قدرتوں کا ظہور ہے کہ آدم علیہ السلام کو بغیر مرد وعورت کے پیدا کیا اور حوا کو صرف مرد سے بغیر عورت کے پیدا کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو صرف عورت سے بغیر مرد کے پیدا کر دیا اور باقی مخلوق کو مرد وعورت سے پیدا کیا اسی لئے سورۃ مریم میں فرمایا ﴿ وَلِنَجۡعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ ﴾ [1] ہم نے عیسیٰ کو لوگوں کے لئے اپنی قدرت کا نشان بنایا اور یہاں فرمایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ربانی سچا فیصلہ یہی ہے اس کے سوا اور کچھ کمی زیادتی کی گنجائش ہی نہیں ہے کیونکہ حق کے بعد گمراہی ہی ہوتی ہے پس تجھے اے نبی! ہرگز ان شکی لوگوں میں نہ ہونا چاہیے۔

اللہ رب العالمین اس کے بعد اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ اگر اس قدر واضح اور کامل بیان کے بعد بھی کوئی شخص تجھ سے امر عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جھگڑے تو انہیں مباہلہ کی دعوت دے کہ ہم فریقین مع اپنے بیٹوں اور بیویوں کے مباہلہ کے لئے نکلیں اور اللہ سے عاجزی سے کہیں کہ اے اللہ! ہم دونوں مین جو جھوٹا ہو اس پر تو اپنی لعنت نازل فرما۔ اس مباہلہ کے نازل ہونے کا اور ابتداء سورت سے یہاں تک کی ان تمام آیتوں کے نازل ہونے کا سبب نجران کے نصاریٰ کا وفد تھا یہ لوگ یہاں آ کر حضور ﷺ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حصہ دار اور اللہ کے بیٹے ہیں پس ان کی تردید اور ان کے جواب میں یہ سب آیات نازل ہوئیں ابن اسحٰق اپنی مشہور عام سیرت میں لکھتے ہیں اور دوسرے مورخین نے بھی اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ نجران کے نصرانیوں نے بطور وفد کے حضور ﷺ کی خدمت میں اپنے ساٹھ آدمی بھیجے تھے جن میں چودہ شخص ان کے سردار تھے جن کے نام یہ ہیں عاقب جس کا نام عبدالمسیح تھا۔ سید جس کا نام ایہم تھا ابو حارثہ ابن علقمہ جو بکر بن وائل کا بھائی تھا اور اویس بن حارث زید اور قیس اور یزید اور اس کے دونوں لڑکے اور خویلد اور عمرو اور خالد اور عبداللہ اور محسن یہ سب چودہ سردار تھے لیکن پھر ان میں بڑے سردار تین شخص عاقب جو امیر قوم تھا اور عقلمند سمجھا جاتا تھا اور صاحب مشورہ تھا اور اسی کی رائے پر یہ لوگ مطمئن ہو جاتے تھے اور سید جوان کا لاٹ پادری تھا' اور ابو حارثہ جو مدرس اعلیٰ تھا یہ بنو بکر بن وائل کے عرب قبیلے میں سے تھا لیکن نصرانی بن گیا تھا اور رومیوں کے ہاں اس کی بڑی آؤ بھگت تھی اس کے لئے انہوں نے بڑے بڑے گرجے بنا دیئے تھے اور اس کے دین کی مضبوطی دیکھ کر اس کی بہت کچھ خاطر مدارات اور خدمت وعزت کرتے رہتے تھے [2] یہ شخص حضور ﷺ کی صفت وشان سے واقف تھا اور اگلی کتابوں میں آپ ﷺ کی صفتیں پڑھ چکا تھا دل سے آپ کی نبوت کا قائل تھا لیکن نصرانیوں میں جو اس کی تکریم وتعظیم تھی اور وہاں جو جاہ ومنصب اسے حاصل تھا اس کے چھن جانے کے خوف سے راہ حق کی طرف نہیں آتا تھا۔

---

[1] ۱۹/ مریم:۲۱۔ [2] السيرة لابن هشام، ۲/ ۲۲۲؛ "دلائل النبوة للبيهقي" ۵/ ۳۸۲، ۳۸۳ یہ روایت مرسل یعنی ضعیف ہے۔

غرض یہ وفد مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مسجد نبوی میں حاضر ہوا آپ اس وقت عصر کی نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے ہی تھے یہ لوگ نفیس پوشاکیں پہنے ہوئے تھے خوبصورت نرم چادریں اوڑھے ہوئے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بنو حارث بن کعب کے خاندان کے لوگ ہوں۔ صحابہ کہتے ہیں کہ ان کے بعد ان جیسا باشوکت وفد کوئی نہیں آیا ان کی نماز کا وقت آ گیا تو آپ کی اجازت سے انہوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے مسجد نبوی ﷺ میں ہی اپنے طریق پر نماز ادا کر لی بعد نماز کے حضور ﷺ سے ان کی گفتگو ہوئی ادھر سے بولنے والے یہ تین شخص تھے ابو حارثہ بن علقمہ عاقب یعنی عبدالمسیح اور سید یعنی ایہم یہ گو شاہی مذہب پر تھے لیکن کچھ امور میں اختلاف رکھتے تھے حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت تینوں خیال ان کے تھے یعنی وہ خود اللہ ہے اور اللہ کا لڑکا ہے اور تین میں کا تیسرا ہے اللہ تعالیٰ ان کے اس ناپاک قول سے مبرا ہے اور بہت ہی بلند و بالا تقریباً تمام نصاری کا یہی عقیدہ ہے مسیح علیہ السلام کے اللہ ہونے کی دلیل تو ان کے پاس یہ تھی کہ وہ مردوں کو زندہ کر دیتا تھا اور اندھوں اور کوڑھیوں اور بیماروں کو شفا دیتا تھا غیب کی خبریں دیتا تھا اور مٹی کی چڑیا بنا کر پھونک مار کر اڑا دیا کرتا تھا اور جواب اس کا یہ ہے کہ ساری باتیں اس سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرزد ہوتی تھیں اس لئے کہ اللہ کی نشانیاں اللہ تعالیٰ کی باتوں کے سچ ہونے پر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر قائم ہو جائیں اللہ تعالیٰ کا لڑکا ماننے والوں کی حجت یہ تھی کہ ان کا بظاہر کوئی باپ نہ تھا اور گہوارے میں ہی بولنے لگے تھے یہ باتیں بھی ایسی ہیں کہ ان سے پہلے دیکھنے میں ہی نہیں آئی تھیں (اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں تھیں تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کو اسباب کا محکوم اور عادت کا محتاج نہ سمجھیں وغیرہ' مترجم)۔ اور تین میں کا تیسرا اس لئے کہتے تھے کہ اس نے اپنے کلام میں فرمایا ہے ہم نے کیا ہمارا امر' ہماری مخلوق' ہم نے فیصلہ کیا وغیرہ۔ پس اگر اللہ تعالیٰ اکیلا ہی ہوتا تو یوں نہ فرماتا بلکہ فرماتا میں نے کیا میرا امر میری مخلوق میں نے فیصلہ کیا وغیرہ پس ثابت ہوا کہ اللہ تین ہیں خود اللہ اور عیسیٰ اور مریم (جس کا جواب یہ ہے کہ ہم کا لفظ صرف بڑائی کے لئے اور عظمت کے لئے ہے' مترجم)۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں منکروں کے قول سے پاک اور بلند ہے ان کے تمام عقائد کا بطلان قرآن کریم میں اترا۔

جب یہ تینوں پادری حضور ﷺ سے بات چیت کر چکے تو آپ نے فرمایا تم مسلمان ہو جاؤ انہوں نے کہا ہم تو ماننے والے ہیں ہی آپ نے فرمایا نہیں نہیں تم کو چاہئے کہ اسلام قبول کر لو وہ کہنے لگے ہم تو آپ سے پہلے کے مسلمان ہیں فرمایا ''نہیں تمہارا یہ اسلام قبول نہیں اس لئے کہ تم اللہ کی اولاد مانتے ہو صلیب کی پوجا کرتے ہو خنزیر کھاتے ہو' انہوں نے کہا اچھا پھر یہ تو فرمائیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کون تھا؟ حضور ﷺ تو اس پر خاموش رہے اور سورۃ آل عمران کی شروع سے لے کر اسی کے اوپر اوپر تک کی آیات ان کے جواب میں نازل ہوئیں۔ ابن اسحٰق ان سب کی مختصر سی تفسیر بیان کر کے پھر لکھتے ہیں کہ آپ نے یہ سب تلاوت کر کے انہیں سمجھا دیں۔ اس مباہلہ کی آیت کو پڑھ کر آپ نے فرمایا اگر نہیں مانتے تو آؤ مباہلہ کو نکلو یہ سن کر وہ کہنے لگے اے ابوالقاسم! ہمیں مہلت دیجئے کہ ہم آپس میں مشورہ کر لیں پھر آپ کو اس کا جواب دیں گے اب تنہائی میں بیٹھ کر انہوں نے عاقب سے مشورہ لیا جو بڑا دانا اور عقلمند سمجھا جاتا تھا اس نے اپنا حتمی فیصلہ ان الفاظ میں سنایا کہ اے جماعت نصاریٰ تم نے یقین کے ساتھ اتنا تو معلوم کر لیا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت وہی ہے جو محمد ﷺ کی زبانی تم سن چکے ہو اور تم کو اچھی طرح علم ہے کہ جو قوم نبی کے ساتھ ملاعنہ کرتی ہے نہ ان کے بڑے باقی رہتے ہیں نہ چھوٹے بڑے ہوتے ہیں بلکہ سب کے سب جڑ بنیاد سے اکھیڑ کر پھینک دیئے جاتے ہیں یاد رکھو اگر تم نے مباہلہ کے لئے قدم بڑھایا تو تمہارا ستیاناس ہو جائے گا پس یا تو تم اسی دین کو قبول کر لو اور اگر کسی طرح ماننا چاہتے ہی نہیں ہو اور اپنے دین پر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اپنے

ہی خیالات پر قائم رہنا چاہتے ہو تو آپ سے صلح کر لو اور اپنے وطن کو لوٹ جاؤ۔

چنانچہ یہ لوگ یہ صلاح مشورہ کر کے پھر حاضر دربار نبوی ہوئے اور کہنے لگے اے ابوالقاسم ﷺ ہم آپ سے مباہلہ کرنے کے لئے تیار نہیں آپ اپنے دین پر رہیے اور ہم اپنے خیالات پر ہیں لیکن آپ ہمارے ساتھ اپنے صحابیوں میں سے کسی ایسے شخص کو بھیج دیجیے جن سے آپ خوش ہوں کہ وہ ہمارے مالی جھگڑوں کا ہم میں فیصلہ کر دیں آپ لوگ ہماری نظروں میں بہت ہی پسندیدہ ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''اچھا دوپہر کو تم پھر آنا میں تمہارے ساتھ کسی مضبوط امانت دار کو کر دوں گا'' حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے کسی دن بھی سردار بننے کی خواہش نہیں کی سوائے اس دن کے صرف اس خیال سے کہ حضور ﷺ نے جو تعریف کی ہے اس کا مصداق اللہ تعالیٰ کے نزدیک میں بن جاؤں اسی لئے میں اس روز سویرے سویرے ظہر کی نماز کے لئے چل پڑا حضور ﷺ تشریف لائے نماز ظہر پڑھائی پھر دائیں بائیں نظریں دوڑانے لگے میں بار بار اپنی جگہ اونچا ہوا کرتا تھا تاکہ آپ کی نگاہیں مجھ پر پڑیں آپ برابر بغور دیکھتے ہی رہے یہاں تک کہ نگاہیں حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ پر پڑیں انہیں طلب فرمایا اور کہا کہ ''ان کے ساتھ جاؤ اور انکے اختلافات کا فیصلہ حق سے کر دو'' چنانچہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ تشریف لے گئے ❶ ابن مردویہ میں بھی یہ واقعہ اسی طرح منقول ہے لیکن وہاں سرداروں کی گنتی بارہ کی ہے اور اس واقعہ میں بھی قدرے طول ہے اور کچھ زائد باتیں بھی ہیں صحیح بخاری شریف میں بروایت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مروی ہے نجرانی سردار عاقب اور سید ملاعنہ کے ارادے سے حضور ﷺ کے پاس آئے لیکن ایک نے دوسرے سے کہا یہ نہ کر اللہ کی قسم اگر یہ نبی ہیں اور ہم نے ان سے مباہلہ کیا تو ہم اپنی اولادوں سمیت تباہ ہو جائیں گے چنانچہ پھر دونوں نے متفق ہو کر کہا حضرت! آپ ہم سے جو طلب فرماتے ہیں ہم وہ سب ادا کر دیں گے (یعنی جزیہ دینا قبول کر لیا) آپ ہمارے ساتھ کسی امین شخص کو کر دیجئے اور امین ہی کو بھیجنا بھی۔ آپ نے فرمایا ''بہتر میں تمہارے ساتھ پورے اور کامل امین کو ہی کروں گا'' اصحاب رسول رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کو تکنے لگے کہ دیکھیں حضور ﷺ کسے انتخاب کرتے ہیں آپ نے فرمایا اے ابوعبیدہ بن جراح تم کھڑے ہو جاؤ۔ جب یہ کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ ہیں اس امت کے امین'' ❷ صحیح بخاری شریف کی اور حدیث میں ہے کہ ''ہر امت کا امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہے'' ❸ مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابوجہل ملعون نے کہا اگر میں محمد ﷺ کو کعبہ میں نماز پڑھتے دیکھ لوں گا تو اس کی گردن کچل دوں گا۔ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر وہ ایسا کرتا تو سب کے سب دیکھتے کہ فرشتے اسے دبوچ لیتے۔ اور یہودیوں سے جب قرآن نے کہا تھا کہ آؤ جھوٹوں کے لئے موت مانگو اگر وہ مانگتے تو یقیناً سب کے سب مر جاتے اور اپنی جگہیں جہنم کی آگ میں دیکھ لیتے اور جن نصرانیوں کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تھی اگر وہ حضور ﷺ کے مقابلہ میں مباہلہ کے لئے نکلتے تو لوٹ کر اپنے مالوں کو اور اپنے بال بچوں کو نہ پاتے'' صحیح بخاری' ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے۔ ❹ امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں امام بیہقی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں بھی وفد نجران کے قصے کو مطول بیان کیا ہے ہم اسے یہاں نقل کرتے ہیں کیونکہ اس میں بہت سے فوائد ہیں

❶ ضعیف' شیخ البانی رحمہ اللہ نے فقه السیرة: ص ٤٣٩ میں اسے مرسل یا معضل قرار دیا ہے۔ مزید دیکھئے دلائل النبوة للبیهقی، ٥/ ٣٨٥، ٣٩٢۔

❷ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قصة أهل نجران، ٤٣٨٠ عن اسرائیل؛ صحیح مسلم، ٢٤٢٠، عن أنس، ترمذی، ٣٧٩٦؛ ابن ماجة، ١٣٥۔ ❸ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قصة أهل نجران ٤٣٨٢؛ صحیح مسلم، ٢٤١٩۔

❹ احمد، ١/ ٢٤٨؛ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة اقراء باسم...... ٤٩٥٨؛ ترمذی، ٣٣٤٥۔

گو اس میں غرابت بھی ہے اور اس مقام سے وہ نہایت مناسبت رکھتا ہے سلمہ بن عبد یسوع اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں جو پہلے نصرانی تھے پھر مسلمان ہو گئے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ طٰسٓ قرآن میں نازل ہونے سے پیشتر اہل نجران کو نامہ مبارک لکھا جس کی عبارت یہ تھی ((بِسْمِ اِلٰهِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ مِنْ مُّحَمَّدٍ نِ النَّبِيِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى اَسْقُفِ نَجْرَانَ وَاَهْلِ نَجْرَانَ اَسْلِمْ اَنْتُمْ فَاِنِّيْ اَحْمَدُ اِلَيْكُمْ اِلٰهَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّيْ اَدْعُوْكُمْ اِلٰى عِبَادَةِ اللّٰهِ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ وَاَدْعُوْكُمْ اِلٰى وَلَايَةِ اللّٰهِ مِنْ وَلَايَةِ الْعِبَادِ فَاِنْ اَبَيْتُمْ فَالْجِزْيَةُ فَاِنْ اَبَيْتُمْ فَقَدْ اٰذَنْتُكُمْ بِحَرْبٍ وَالسَّلَامُ)) یعنی ''اس خط کو میں شروع کرتا ہوں حضرت ابراہیمؑ حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے رب کے نام سے' یہ خط ہے محمد ﷺ کی طرف سے جو اللہ کے نبی اور رسول ہیں سردار نجران اور اہل نجران کی طرف اللہ تعالیٰ کی میں تمہارے سامنے حمد و ثنا بیان کرتا ہوں جو حضرت ابراہیمؑ حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوب علیہم السلام کا معبود ہے پھر میں تم کو دعوت دیتا ہوں کہ بندوں کی عبادت کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف آ جاؤ اور بندوں کے والی بننے کو چھوڑ کر اللہ کی ولایت کی طرف آ جاؤ اگر تم اسے نہ مانو تو جزیہ دو اور ماتحتی اختیار کرو اگر اس سے بھی انکار ہو تو تم کو لڑائی کا اعلان ہے والسلام۔''

جب یہ خط اسقف کو پہنچا اور اس نے اسے پڑھا یا تو بڑا سٹ پٹایا گھبرا گیا اور تھرتھرانے لگا جھٹ سے شرحبیل بن وداعہ کو بلوایا جو قبیلہ ہمدان کا تھا سب سے بڑا مشیر سلطنت یہی تھا جب کبھی کوئی اہم کام آ پڑتا تو سب سے پہلے یعنی ایہم اور سید اور عاقب سے بھی پیشتر اس سے مشورہ ہوتا جب یہ آ گیا تو اسقف نے حضور ﷺ کا خط اسے دیا جب اس نے پڑھ لیا تو اسقف نے پوچھا بتاؤ کیا خیال ہے؟ شرحبیل نے کہا بادشاہ کو خوب علم ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے اللہ کے ایک نبی کے آنے کا وعدہ اللہ کی کتاب میں ہے کیا عجب کہ وہ نبی یہی ہو۔ امر نبوت میں میں کیا رائے دے سکتا ہوں ہاں اگر امور سلطنت کی کوئی بات ہوتی تو بیشک میں اپنے دماغ پر زور ڈال کر کوئی بات نکال لیتا۔ اسقف نے اسے الگ بٹھایا اور عبداللہ بن شرحبیل کو بلایا یہ بھی مشیر سلطنت تھا اور حمیر کے قبیلے میں سے تھا اسے خط دیا پڑھایا رائے پوچھی تو اس نے بھی ٹھیک وہی بات کہی جو پہلا مشیر کہہ چکا تھا۔ اسے بھی بادشاہ نے دور بٹھا دیا۔ پھر جبار بن فیض کو بلایا جو بنو حارث میں سے تھا۔ اس نے بھی یہی کہا جو ان دونوں نے کہا تھا بادشاہ نے جب دیکھا کہ ان تینوں کی رائے متفق ہے تو حکم دیا گیا کہ ناقوس بجائے جائیں آگ جلا دی جائے اور گرجوں میں جھنڈے بلند کئے جائیں۔ وہاں کا یہ دستور تھا کہ جب سلطنت کو کوئی اہم کام ہوتا اور رات کو جمع کرنا مقصود ہوتا تو یہی کرتے اور اگر دن کا وقت ہوتا تو گرجوں میں آگ جلا دی جاتی اور ناقوس زور زور سے بجائے جاتے اس حکم کے ہوتے ہی چوطرف آگ جلا دی گئی اور ناقوس کی آواز نے ہر ایک کو ہوشیار کر دیا اور جھنڈے اونچے دیکھ دیکھ کر آس پاس کے اس وادی کے تمام لوگ جمع ہو گئے اس وادی کا طول اتنا تھا کہ تیز سوار صبح سے شام تک دوسرے کنارے پہنچتا تھا اس میں تہتر گاؤں آباد تھے اور ایک لاکھ بیس ہزار تلوار چلانے والے یہاں آباد تھے جب یہ سب لوگ آ گئے تو اسقف نے انہیں رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک پڑھ کر سنایا اور پوچھا بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے تو تمام عقلمندوں نے کہا کہ شرحبیل بن وداعہ ہمدانی عبداللہ بن شرحبیل اصبحی اور جبار بن فیض حارثی کو بطور وفد کے بھیجا جائے یہ وہاں سے پختہ خبر لائیں۔ اب یہاں سے یہ وفد ان تینوں کی سرداری کے ماتحت روانہ ہوا مدینہ پہنچ کر انہوں نے سفری لباس اتار ڈالا اور نقش بنے ہوئے ریشمی لمبے لمبے حلے پہن لئے اور سونے کی انگوٹھیاں انگلیوں میں ڈال لیں اور اپنی چادروں کے پلے تھامے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے سلام کیا لیکن آپ نے جواب نہ دیا بہت دیر تک انتظار کیا کہ حضور کچھ بات چیت کریں لیکن ان ریشمی حلوں اور سونے کی

انگوٹھیوں کی وجہ سے آپ نے ان سے کلام بھی نہ کیا اب یہ لوگ حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کی تلاش میں نکلے ان دونوں بزرگوں سے ان کی پہلی ملاقات تھی مہاجرین اور انصار کے ایک مجمع میں ان دونوں حضرات کو پالیا ان سے واقعہ بیان کیا کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خط لکھا ہم اس کا جواب دینے کے لئے خود حاضر ہوئے آپ کے پاس گئے سلام کیا لیکن جواب نہ دیا پھر بہت دیر تک انتظار میں بیٹھے رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ باتیں ہو جائیں لیکن آپ نے ہم سے کوئی بات نہ کی آخر ہم لوگ تھک کر چلے آئے اب آپ حضرات فرمائیے کہ کیا ہم یونہی واپس چلے جائیں ان دونوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابوطالب سے کہا کہ آپ ہی انہیں جواب دیجئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ یہ لوگ اپنے یہ حلے اور اپنی یہ انگوٹھیاں اتار دیں اور وہی سفری معمولی لباس پہن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوبارہ جائیں چنانچہ انہوں نے یہی کیا اسی معمولی لباس میں گئے سلام کیا آپ نے جواب دیا پھر فرمایا ''اس اللہ کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے یہ جب میرے پاس پہلی مرتبہ آئے تھے تو ان کے ساتھ ابلیس تھا''۔

اب سوال و جواب بات وچیت شروع ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی پوچھتے تھے اور جواب بھی دیتے تھے اسی طرح وہ بھی سائل بھی تھے اور مجیب بھی آخر میں انہوں نے پوچھا آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بابت کیا فرماتے ہیں تاکہ ہم اپنی قوم کے پاس جا کر وہ کہیں ہمیں اس کی خوشی ہے اگر آپ نبی ہیں تو آپ کی زبانی سنیں کہ آپ کا ان کی بابت کیا خیال ہے تو آپ نے فرمایا ''میرے پاس اس کا جواب آج تو نہیں تم ٹھہرو تو میرا رب مجھ سے اس کی بابت جو فرمائے گا وہ میں تم کو سنا دوں گا''

دوسرے دن وہ پھر آئے تو آپ نے اسی وقت کی اتری ہوئی اس آیت ﴿اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی﴾ کی ﴿کٰذِبِیْن﴾ تک تلاوت کر کے سنائی انہوں نے اس بات کا اقرار کرنے سے انکار کر دیا دوسرے دن صبح ہی صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاعنہ کے لئے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو اپنی چادر میں لئے ہوئے تشریف لائے پیچھے پیچھے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آرہی تھیں اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی ایک بیویاں تھیں شرحبیل یہ دیکھتے ہی اپنے دونوں ساتھیوں سے کہنے لگا کہ تم جانتے ہو کہ نجران کی ساری وادی میری بات کو مانتی ہے اور میری رائے پر کاربند ہوتی ہے سنو اللہ کی قسم یہ معاملہ بڑا بھاری ہے اگر یہ شخص مبعوث کیا گیا ہے تو سب سے پہلے اس کی نگاہوں میں ہم ہی مطعون ہوں گے اور سب سے پہلے اس کی تردید کرنے والے ہم ہی ٹھہریں گے یہ بات اس کے اور اس کے ساتھیوں کے دلوں سے نہیں جائے گی اور ہم پر کوئی نہ کوئی مصیبت وآفت آئے گی عرب بھر میں سب سے زیادہ قریب ان سے میں ہی ہوں اور سنو اگر یہ شخص نبی مرسل ہے تو ملاعنہ کرتے ہی روئے زمین پر ایک بال یا ایک ناخن بھی ہمارا باقی نہ رہے گا اس کے دونوں ساتھیوں نے کہا پھر اے ابو ولیم آپ کی کیا رائے ہے؟ اس نے کہا میری رائے یہ ہے کہ اسی کو ہم حاکم بنا دیں جو کچھ یہ حکم دے ہم اسے منظور کر لیں یہ کبھی بھی خلاف عدل حکم نہ دے گا ان دونوں نے اس کی بات تسلیم کر لی اب شرحبیل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں اس ملاعنہ سے بہتر چیز جناب کے سامنے پیش کرتا ہوں آپ نے دریافت فرمایا وہ کیا؟ کہا آج کا دن آنے والی رات اور کل کی صبح تک آپ ہمارے بارے میں جو حکم کریں گے ہمیں منظور ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید اور لوگ تمہارے اس فیصلہ کو نہ مانیں شرحبیل نے کہا اس کی بابت میرے ان دونوں ساتھیوں سے دریافت فرمالیجئے آپ نے ان دونوں سے پوچھا انہوں نے جواب دیا کہ ساری وادی کے لوگ انہی کی رائے پر چلتے ہیں وہاں ایک بھی ایسا نہیں جو ان کے فیصلے کو ٹال سکے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ درخواست قبول فرمالی ملاعنہ نہ کیا اور واپس لوٹ گئے دوسرے دن صبح ہی وہ حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے ایک تحریر انہیں لکھ کر دی جس میں بسم اللہ کے بعد یہ مضمون تھا کہ ''یہ تحریر اللہ کے نبی محمد رسول اللہ کی طرف سے نجرانیوں کے لئے ہے ان پر اللہ تعالیٰ کے رسول کا حکم جاری تھا ==

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ: کہہ دو کہ اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں نہ اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔[۶۴]

= ہر پھل میں اور ہر زرد و سفید و سیاہ میں اور ہر غلام میں لیکن اللہ کے رسول یہ سب انہی کو دیتے ہیں یہ ہر سال صرف دو ہزار حلے دے دیا کریں ایک ہزار رجب میں اور ایک ہزار صفر میں وغیرہ وغیرہ۔'' ❶

پورا عہد نامہ انہیں عطا فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ وفد سنہ ۹ ہجری میں آیا تھا اس لئے کہ حضرت زہری فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جزیہ انہی اہل نجران نے حضور ﷺ کو ادا کیا اور جزیہ کی آیت فتح مکہ کے بعد اتری ہے جو یہ ہے ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ﴾ ❷

اس آیت میں اہل کتاب سے جزیہ لینے کا حکم ہوا ہے ابن مردویہ میں ہے کہ عاقب اور طیب آنحضرت ﷺ کے پاس آئے آپ نے انہیں ملاعنہ کیلئے کہا اور صبح کو حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو لئے ہوئے آپ تشریف لائے اور انہیں کہلا بھیجا انہوں نے قبول نہ کیا اور خراج دینا منظور کر لیا آپ نے فرمایا ''اس کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر یہ دونوں نہیں' کہتے تو ان پر یہی وادی آگ برساتی'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ﴿نَدْعُ اَبْنَآءَنَا﴾ والی آیت انہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے ﴿اَنْفُسَنَا﴾ سے مراد خود رسول کریم ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ﴿اَبْنَآءَنَا﴾ سے مراد حسن اور حسین رضی اللہ عنہما ﴿نِسَآءَنَا﴾ سے مراد حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا۔ ❸ مستدرک حاکم وغیرہ میں بھی اس معنی کی حدیث مروی ہے ❹ پھر جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہے یہ جو ہم نے شان عیسیٰ بیان فرمائی ہے حق اور سچ ہے اس میں بال برابر کی زیادتی نہیں اللہ تعالیٰ قابل عبادت ہے کوئی اور نہیں اور وہی غلبہ والا اور حکمت والا ہے اب بھی اگر یہ منہ پھیر لیں اور دوسری باتوں میں پڑیں تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے باطل پسندوں کو اور مفسدوں کو بخوبی جانتا ہے انہیں بدترین سزا دے گا اس میں پوری قدرت ہے کوئی اس سے نہ بھاگ سکے نہ اس کا مقابلہ کر سکے وہ پاک ہے اور تعریفوں والا ہے ہم اس کے عذابوں سے اسی کی پناہ چاہتے ہیں۔

عیسائیوں کو دعوت توحید: [آیت:۶۴] یہودیوں نصرانیوں اور انہی جیسے لوگوں سے یہاں خطاب ہو رہا ہے۔ کلمہ کا اطلاق مفید جملے پر ہوتا ہے جیسے یہاں کلمہ کہہ کر پھر ﴿سَوَآءٍ﴾ کے ساتھ اس کا وصف بیان کیا گیا ﴿سَوَآءٍ﴾ کے معنی عدل و انصاف والا جس میں ہم تم برابر ہیں پھر اس کی تفسیر کی کہ وہ بات یہ ہے کہ ایک اللہ ہی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ نہ کسی بت کو پوجیں نہ صلیب کو نہ تصویر کو نہ

---

❶ "دلائل النبوۃ للبیہقی" ۵/ ۳۸۴، ۳۹۲۔ وسندہ ضعیف، محمد بن ابی محمد مجہول ہے۔

❷ ۹/ التوبۃ:۲۹۔ ❸ الدلائل لأبی نعیم ۲۴۴ اس کی سند میں بشر بن مہران اور محمد بن دینار ضعیف راوی ہیں۔(المیزان ۱/ ۳۲۵، رقم: ۱۲۲۴، ۳/ ۵۴۱، رقم: ۷۵۰۴۔) ❹ حاکم، ۲/ ۵۹۳، ۵۹۴، وسندہ ضعیف۔

اللہ کے سوا کسی اور کو نہ آگ کو نہ کسی چیز کو بلکہ تنہا اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کرو یہی دعوت تمام انبیائے کرام کی تھی جیسے فرمان ہے ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ ❶ یعنی ''تجھ سے پہلے جس جس رسول کو ہم نے بھیجا سب کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کیا کرو'' اور جگہ ارشاد ہے۔ ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ ❷ یعنی ''ہر امت میں رسول بھیج کر ہم نے یہ منادی کرادی کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا سب سے بچو۔'' پھر فرماتا ہے کہ آپس میں بھی ہم اللہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو رب نہ بنالیں ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی اللہ کی نافرمانی میں ایک دوسرے کی اطاعت نہ کریں عکرمہ فرماتے ہیں کسی کو سوائے اللہ کے سجدہ نہ کریں پھر اگر یہ لوگ اس انصاف والی دعوت کو بھی قبول نہ کریں تو انہیں اپنی اطاعت گزاری پر گواہ بنالو ہم نے بخاری کی شرح میں اس واقعہ کا مفصل ذکر کر دیا ہے جس میں ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ جب دربار قیصر میں بلوائے گئے اور شاہ قیصر روم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کا حال پوچھا تو انہیں باوجود کافر اور دشمن رسول ہونے کے آپ کی خاندانی شرافت کا اقرار کرنا پڑا اور اسی طرح ہر ہر سوال کا صاف اور سچا جواب دیا یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد کا اور فتح مکہ سے پہلے کا ہے اسی باعث قیصر کے اس سوال کے جواب میں کہا کیا وہ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) بدعہدی کرتے ہیں؟ ابوسفیان نے کہا نہیں کرتے لیکن اب ایک معاہدہ ہمارا ان سے ہوا ہے نہ جانے اس میں وہ کیا کریں؟ یہاں صرف یہ مقصد ہے کہ ان تمام باتوں کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پیش کیا جاتا ہے جس میں بِسْمِ اللّٰهِ الخ' کے بعد یہ لکھا ہوتا ہے کہ یہ خط محمد کی طرف سے ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ہرقل کی طرف جو روم کا بادشاہ ہے اللہ کی طرف سے سلام ہو اسے جو ہدایت کا متبع ہے اس کے بعد اسلام قبول کر سلامت رہے گا اسلام قبول کر اللہ تعالیٰ تجھے دوہرا اجر دے گا اور اگر تو نے منہ موڑا تو تمام رئیسوں کے گناہوں کا بوجھ تجھ پر رہے گا پھر یہی آیت لکھی تھی۔ ❸

امام محمد بن اسحٰق وغیرہ نے لکھا ہے کہ اس سورت یعنی سورۃ آل عمران کی شروع سے لے کر اسی سے کچھ اوپر اوپر تک آیات وفد نجران کے بارے میں نازل ہوئی ہیں امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں سب سے پہلے جزیہ انہی لوگوں نے ادا کیا ہے اور اس میں مطلقاً خلاف نہیں ہے کہ آیت جزیہ فتح مکہ کے بعد اتری ہے پس یہ اعتراض پڑتا ہے کہ جب یہ آیت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے پھر فتح سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خط میں ہرقل کو یہ آیت کیسے لکھی؟ اس کا جواب کئی طرح سے ہو سکتا ہے ایک تو یہ کہ ممکن ہے یہ آیت دو مرتبہ اتری ہو حدیبیہ سے پہلے اور فتح مکہ کے بعد۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے وفد نجران کے بارے میں شروع سورۃ سے لے کر اس آیت تک اتری ہو اور یہ آیت اس سے پہلے اتر چکی ہو اس صورت میں ابن اسحٰق کا یہ فرمانا کہ اسی کے اوپر اوپر کچھ آیات اسی وفد کے بارے میں اتری ہیں یہ محفوظ نہ ہو کیونکہ ابوسفیان والا واقعہ سراسر اس کے خلاف ہے تیسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ وفد نجران حدیبیہ سے پہلے آیا ہو اور انہوں نے جو کچھ دینا منظور کیا ہو یہ صرف مباہلہ سے بچنے کے لئے بطور مصالحت کے دیا ہو نہ کہ جزیہ دیا ہو اور یہ اتفاق کی بات ہو کہ آیت جزیہ اس واقعہ کے بعد اتری جس سے اس کا اتفاق الحاق ہو گیا جیسے کہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے بدر سے پہلے کے غزوہ میں مال غنیمت کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا اور پانچواں حصہ باقی رکھ کر اور دوسرے حصے لشکر میں تقسیم کر دیئے پھر اس کے بعد مال غنیمت کی آیات بھی اسی کے مطابق اتریں اور یہی حکم ہوا۔

---

❶ ٢١/ الانبیآء:٢٥۔ ❷ ١٦/ النحل:٣٦۔

❸ صحیح بخاري، کتاب التفسیر، سورة آل عمران، باب ﴿قل یأهل الکتاب تعالوا إلی کلمة......﴾، ٤٥٥٣۔

يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تُحَآجُّونَ فِىٓ إِبْرَٰهِيمَ وَمَآ أُنزِلَتِ ٱلتَّوْرَىٰةُ وَٱلْإِنجِيلُ إِلَّا مِنۢ
بَعْدِهِۦٓ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٥﴾ هَٰٓأَنتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ حَٰجَجْتُمْ فِيمَا لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّونَ فِيمَا
لَيْسَ لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ ۚ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾ مَا كَانَ إِبْرَٰهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا
نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿٦٧﴾ إِنَّ أَوْلَى ٱلنَّاسِ
بِإِبْرَٰهِيمَ لَلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا ٱلنَّبِىُّ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ۗ وَٱللَّهُ وَلِىُّ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٨﴾

ترجمہ: اے اہل کتاب! تم ابراہیم علیہ السلام کی بابت کیوں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ تورات وانجیل تو ان کے بعد ہی نازل کی گئیں، کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے؟ [۶۵] سنو تم لوگ اس میں جھگڑ چکے جس کا تم کو علم تھا پھر اب اس بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تم کو علم ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ [۶۶] ابراہیم علیہ السلام تو نہ یہودی تھے نہ نصرانی تھے بلکہ وہ تو یک طرفہ خالص مسلمان تھے وہ مشرک بھی نہ تھے۔ [۶۷] سب لوگوں سے زیادہ ابراہیم علیہ السلام سے نزدیک تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا کہا مانا اور یہ نبی اور جو لوگ ایمان لائے، مومنوں کا ولی اور سہارا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ [۶۸]

چوتھا جواب یہ ہے کہ احتمال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خط میں جو ہرقل کو بھیجا اس میں یہ بات اسی طرح بطور خود لکھی ہو پھر آنحضرت ﷺ کے الفاظ ہی میں وحی بھی نازل ہوئی ہو جیسے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پردے کے حکم کے بارے میں اسی طرح آیت اتری اور بدری قیدیوں کے بارے میں انہی کی موافقت میں فرمان باری تعالیٰ نازل ہوا اور منافقوں کا جنازہ نہ پڑھنے کی بابت بھی انہی کی بات قائم رکھی گئی اور مقام ابراہیم کو مصلے بنانے کی بابت بھی اسی طرح وحی نازل ہوئی ﴿عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ﴾ ❶ بھی انہی کی موافقت میں اتری پس یہ آیت بھی اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی موافقت میں ہی اتری ہو یہ بہت ممکن ہے۔

یہود ونصاریٰ کے بے علمی پر مبنی جھگڑے: [آیت: ۶۵۔۶۸] یہودی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے میں سے اور نصرانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے میں سے کہتے اور آپس میں اس پر بحث مباحثے کرتے رہتے تھے اللہ تعالیٰ ان آیتوں میں دونوں کے دعویٰ کی تردید کرتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نجران کے نصرانیوں کے پاس یہودیوں کے علما آئے اور حضور ﷺ کے سامنے ان کا جھگڑا شروع ہو گیا ہر فریق اس بات کا مدعی تھا کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام ہم میں سے تھے ❷ اس پر یہ آیت اتری کہ اے یہودیو! تم خلیل اللہ علیہ السلام کو اپنے میں سے کیسے بتاتے ہو؟ حالانکہ ان کے زمانہ میں نہ موسیٰ علیہ السلام تھے نہ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کتاب تورات تو خلیل اللہ علیہ السلام کے بعد آئی اسی طرح اے نصرانیو تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نصرانی کیسے کہہ سکتے ہو؟ حالانکہ نصرانیت تو ان کے صدیوں بعد ظہور میں آئی کیا تم اتنی موٹی بات سمجھنے کی عقل بھی نہیں رکھتے؟ پھر ان دونوں فرقوں کے اس بے علمی کے جھگڑے پر انہیں رب عالم ملامت کرتا ہے کہ اگر تم بحث ومباحثہ دینی امور میں جو تمہارے پاس ہیں کرتے تو بھی خیر ایک بات تھی تم تو اس میں گفتگو کرتے ہو جس میں دونوں کو مطلق علم نہیں۔

تم کو چاہئے کہ جس چیز کا علم نہ ہو اسے اس علیم اللہ کے حوالے کرو جو ہر چیز کی حقیقت کو جانتا ہے اور چھپی کھلی تمام چیزوں کا علم رکھتا

❶ ٦٦/ التحریم: ٥۔ ❷ اس کی سند میں محمد بن ابی محمد مجہول راوی ہے (الضعفاء والمتروکین ٣/ ٩٦ رقم: ٣١٧٩)

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

ع ۸/ ۱۶

ترجمہ: اہل کتاب کی ایک جماعت کی چاہت ہے کہ تم کو گمراہ کر دیں دراصل وہ خود اپنے تئیں گمراہ کر رہے ہیں اور سمجھتے نہیں۔[۶۹] اے اہل کتاب! تم باوجود قائل ہونے کے پھر بھی دانستہ کیوں کفر کر رہے ہو؟[۷۰] اے اہل کتاب! باوجود جاننے کے حق و باطل کو کیوں خلط ملط کر رہے ہو اور کیوں حق کو چھپا رہے ہو۔[۷۱] اور اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا کہ جو کچھ ایمان والوں پر اتارا گیا ہے اس پر دن چڑھے تو ایمان لاؤ اور شام کے وقت کافر بن جاؤ تاکہ یہ لوگ بھی پلٹ جائیں۔[۷۲] اور سوائے تمہارے دین پر چلنے والوں کے اور کسی کا یقین نہ کرو تو کہہ دے کہ بے شک ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس بات کا بھی یقین نہ کرو کہ کوئی اس جیسا دیا جائے جو تم دیئے گئے ہو یا تم سے تمہارے رب کے پاس جھگڑا کریں گے تو کہہ دے کہ فضل تو اللہ ہی کے ہاتھ ہے وہ جسے چاہے اسے دے اللہ تعالیٰ وسعت والا اور جاننے والا ہے۔[۷۳] اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہے مخصوص کر لے اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔[۷۴]

= ہے اسی لئے فرمایا اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم محض بے خبر ہو۔ دراصل اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی تھے وہ شرک سے بیزار مشرکوں سے الگ صحیح اور کامل ایمان والے تھے اور ہرگز مشرک نہ تھے یہ آیت مثل اس آیت کے ہے جو سورۃ بقرہ میں گزر چکی ﴿وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا﴾ ❶ یعنی "یہ لوگ کہتے ہیں یہودی نصرانی بننے میں ہدایت ہے" الخ۔

پھر فرمایا کہ سب سے زیادہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی متابعت کے حقدار ان کے دین پر ان کے زمانے میں چلنے والے تھے اور اب یہ نبی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کے ساتھ کے ایمانداروں کی جماعت جو مہاجرین و انصار ہیں اور پھر جو بھی ان کی پیروی کرتے ہیں قیامت تک' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "ہر نبی کے دلی دوست انبیا میں سے ہوتے ہیں میرے دلی دوست انبیا میں سے میرے باپ اور اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔" پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی (ترمذی وغیرہ) ❷ پھر فرمایا "جو بھی اللہ کے رسول پر ایمان رکھے ان کا ولی اللہ ہے۔"

یہودیوں کی بری خصلتوں کا تذکرہ: [آیت:۶۹-۷۴] یہاں بیان ہو رہا ہے کہ ان یہودیوں کے حسد کو دیکھو کہ مسلمانوں سے =

❶ ۲/ البقرۃ:۱۳۵۔ ❷ ترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ آل عمران ۲۹۹۵۔ وسندہ ضعیف سفیان ثوری مدلس راوی ہے اور سماع کی تصریح نہیں ہے۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ بَلٰي مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝

ترجمہ: بعض اہل کتاب تو ایسے ہیں کہ اگر انہیں تو خزانے کا امین بنا دے تو بھی وہ تجھے واپس کر دیں اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تو انہیں ایک دینار بھی امانت دے تو تجھے ادا نہ کریں ہاں یہ اور بات ہے کہ تو اس کے سر پر ہی کھڑا رہے۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ ہم پر ان جاہلوں کے حق کا کوئی گناہ نہیں یہ لوگ باوجود جاننے کے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کہتے ہیں۔[۷۵] ہاں (مواخذہ ہوگا) البتہ جو شخص اپنا اقرار پورا کرے اور پرہیزگاری کرے تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔[۷۶]

= کیسے کچھ جل کڑھ رہے ہیں' انہیں بہکانے کی کیا کیا پوشیدہ ترکیبیں کرتے ہیں کیسے کیسے مکر و فریب کے جال بچھاتے ہیں' حالانکہ دراصل ان تمام چیزوں کا وبال خود ان کی جانوں پر ہے لیکن انہیں اس کا بھی شعور نہیں۔ پھر انہیں ان کی یہ ذلیل حرکت یاد دلائی جا رہی ہے کہ تم سچائی جانتے ہوئے حق کو بھی پہچانتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے منکر ہو رہے ہیں۔ باوجود علم کے یہ بدخصلت بھی ان میں ہے کہ حق و باطل کو ملا دیتے ہیں اور ان کی کتابوں میں جو صفتیں رسول اللہ ﷺ کی ہیں انہیں چھپا لیتے ہیں۔

بہکانے کی جو صورتیں گھڑتے ہیں ان میں سے ایک کا بیان ہو رہا ہے کہ آپس میں مشورہ کرتے ہیں کہ صبح جا کر ایمان لے آؤ مسلمانوں کے ساتھ نمازیں پڑھو اور شام کو پھر مرتد بن جاؤ تاکہ جاہل لوگوں کے دل میں بھی خیال گزرے کہ آخر یہ لوگ جو پلٹ گئے تو ظاہر ہے کہ انہوں نے اس دین میں نقصان یا برائی ہی دیکھی ہوگی تو کیا عجب کہ ان میں سے کوئی ہماری طرف لوٹ آئے۔ (1) غرض یہ ایک حیلہ جوئی تھی کہ شائد اس سے کمزور ایمان والا لوٹ جائے کہ یہ جاننے بوجھنے والے لوگ جب اس دین میں آئے نمازیں پڑھیں پھر جو اسے چھوڑ دیا تو ضرور یہاں کوئی خرابی اور نقصان دیکھا ہوگا۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ بھروسہ اپنے والوں ہی پر کرو مسلمانوں پر نہ کرو نہ اپنے بھید ان پر ظاہر ہونے دو نہ اپنی کتاب کی باتیں ان پر کھولو جس سے یہ ان پر ایمان لائیں اور اللہ کے ہاں بھی ان کے لئے ہم پر حجت بن جائیں۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو اے نبی! کہہ دے کہ ہدایت تو اللہ ہی کے ہاتھ ہے وہ مومنوں کے دلوں کو ہر اس چیز پر ایمان لانے کے لئے آمادہ کر دیتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہو انہیں ان دلائل پر کامل ایمان نصیب ہوتا ہے گو تم نبی امی ﷺ کی صفتیں چھپاتے پھرو پھر بھی خوش قسمت لوگ تو آپ ﷺ کی نبوت کے ظاہر نشان بہ یک نگاہ پہچان لیں گے۔

اسی طرح وہ کہتے تھے کہ تمہارے پاس جو علم ہے اسے مسلمانوں پر ظاہر نہ کرو کہ وہ اسے سیکھ کر تم جیسے ہو جائیں بلکہ اپنی ایمانی قوت کی وجہ سے تم سے بڑھ جائیں یا اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کی حجت و دلیل قائم ہو جائے یعنی خود تمہاری کتابوں سے وہ تم کو الزام نہ دینے لگیں اور تم ہی پر تمہاری ہی دلیلیں نہ قائم کرنے لگیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم کہہ دو فضل تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے جسے چاہے دے =

(1) الطبری، ٦/٥٠٨۔

= سب کام اسی کے قبضے میں ہیں وہی دینے لینے والا ہے جسے چاہے ایمان عمل اور علم وفضل کی دولت سے مالا مال کر دے اور جسے چاہے راہ حق سے اندھا اور کلمہ اسلام سے بہرا اور صحیح سمجھ سے محروم کر دے اس کے سب کام حکمت سے ہی ہوتے ہیں وہ وسعت وعلم والا ہے۔ جسے چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر دے وہ بڑے فضل والا ہے اے مسلمانو! بے حد و بے پایاں احسانات اس نے تم پر کئے ہیں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیا پر فضیلت دی اور بہت ہی کامل اور ہر حیثیت سے پوری شریعت اس نے تم کو دی۔

اکثر یہودی خائن جبکہ بعض امانت دار ہیں: [آیت:۷۵-۷۶] اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو یہودیوں کی خیانت پر تنبیہ کرتا ہے کہ ان کے دھوکہ میں نہ آجائیں ان میں بعض تو امانت دار ہیں اور بعض بڑے خائن ہیں۔ بعض تو ایسے ہیں کہ خزانے کا خزانہ ان کی امانت میں ہو تو جوں کا توں حوالے کر دیں گے پھر چھوٹی موٹی چیز میں وہ بد دیانتی کیسے کریں گے؟ اور بعض ایسے بد دیانت ہیں کہ ایک دینار بھی واپس نہ دیں ہاں اگر ان کے سر ہو جاؤ تقاضا برابر جاری رکھو اور حق طلب کرتے رہو تو شاید امانت نکل بھی آئے ورنہ ہضم ہی کر جائیں جب ایک دینار پر یہ بد دیانتی ہے تو بڑی رقم کو کیوں چھوڑنے لگے۔ لفظ قنطار کی پوری تفسیر سورہ کے اول میں ہی بیان ہو چکی ہے اور دینار تو مشہور ہی ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ کا قول مروی ہے کہ دینار کو اس لئے دینار کہتے ہیں کہ وہ دین یعنی ایمان بھی ہے اور نار یعنی آگ بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حق کے ساتھ لو تو دین' ناحق لو تو نار یعنی آتش دوزخ۔

اس موقعہ پر اس حدیث کا بیان کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جو صحیح بخاری شریف میں کئی جگہ ہے اور کتاب الکفالہ میں بہت پوری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے کسی اور شخص سے ایک ہزار دینا قرض مانگے اس نے کہا گواہ لاؤ'' کہا اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے' اس نے کہا ضامن لاؤ۔ اس نے کہا میں ضمانت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی دیتا ہوں۔ وہ اس پر راضی ہو گیا اور وقت ادائیگی مقرر کر کے رقم دیدی۔ وہ اپنے تری کے سفر میں نکل گیا۔ جب کام کاج سے فارغ ہو گیا تو دریا کنارے کسی جہاز کا انتظار کرنے لگا تاکہ جا کر اس کا قرض ادا کر دے لیکن سواری نہ ملی تو اس نے ایک لکڑی لی اور اسے بیچ میں سے کھوکھلا کر کے اس میں ایک ہزار دینار رکھ دیئے اور ایک خط بھی اس کے نام رکھ دیا پھر منہ بند کر کے اسے دریا میں ڈال دیا اور کہا اے اللہ! تو اچھی طرح جانتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار قرض لئے تیری شہادت پر اور تیری ضمانت پر اور اس نے بھی اس پر خوش ہو کر مجھے دے دیئے' اب میں نے ہر چند کشتی ڈھونڈی کہ جا کر اس کا حق مدت کے اندر ہی اندر دیدوں لیکن نہ ملی پس اب عاجز آ کر تجھ پر بھروسہ کر کے میں اسے دریا میں ڈال دیتا ہوں تو اسے اس تک پہنچا دے۔ یہ دعا کر کے لکڑی کو سمندر میں ڈال کر چل دیا۔ لکڑی پانی میں ڈوب گئی یہ پھر بھی تلاش میں رہا کہ کوئی سواری ملے تو جائے اور اس کا حق ادا کر آئے۔ ادھر یہ قرض خواہ شخص دریا کے کنارے آیا کہ شائد وہ مقروض کسی کشتی میں اس کی رقم لے کر آ رہا ہو جب دیکھا کہ کشتی کوئی نہیں آئی اور جانے لگا تو ایک لکڑی کنارے پر پڑی ہوئی تھی یہ سمجھ کر لے لی کہ جلانے کے کام آئے گی۔ گھر جا کر اسے چیرا تو مال اور خط نکل پڑا۔ کچھ دنوں بعد قرض لینے والا شخص آیا اور کہا اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں نے ہر چند کوشش کی کہ سواری ملے تو آپ کے پاس آؤں اور مدت گزرنے سے پہلے ہی آپ کا قرض ادا کر دوں گا لیکن کوئی سواری نہ ملی اس لئے دیر لگ گئی۔ اس نے کہا تو نے جو رقم بھیج دی تھی وہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پہنچا دی ہے تو اب اپنی یہ رقم واپس لے جا اور راضی خوشی لوٹ جا۔ [1]

یہ حدیث بخاری شریف میں تعلیق کے ساتھ بھی ہے لیکن جزم کے صیغے کے ساتھ اور بعض جگہ سند وار بھی ہے' اور کتابوں میں =

[1] صحیح بخاری، کتاب الکفالة، باب کفالة فی الفرض، ۲۲۹۱، تعلیقًا مزید دیکھئے ۱۴۹۸، ۲۰۶۳، ۲۴۰۴، ۲۴۳۰، ۲۷۳۴، ۶۲۶۱۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾

ترجمہ: بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اللہ تعالیٰ نہ ان سے بات چیت کرے گا نہ ان کی طرف قیامت کے دن دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا' اور ان کے لئے دردناک عذاب ہیں۔[۷۷]

= بھی یہ روایت ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ امانت میں خیانت کرنے پر حقدار کے حق کو ادا نہ کرنے پر آمادہ کرنے والی چیز ان کا یہ غلط خیال ہے کہ ان بد دینوں اور ان پڑھوں کا مال کھا جانے میں ہمیں کوئی حرج نہیں ہم پر یہ مال حلال ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ ہے اور اس کا علم خود انہیں بھی ہے کیونکہ انکی کتابوں میں بھی ناحق مال کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ لیکن یہ بیوقوف خود اپنی من مانی اور دل بھاتی باتیں گھڑ کر شریعت کے رنگ میں انہیں رنگ لیتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے لوگ مسئلہ پوچھتے ہیں کہ ذمی کفار کی مرغی بکری وغیرہ کبھی غزوے کی حالت میں ہمیں مل جاتی ہے تو ہم تو سمجھتے ہیں کہ اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں' تو آپ نے فرمایا ٹھیک یہی اہل کتاب بھی کہتے تھے کہ امیوں کے مال کے لے لینے میں ہم پر کوئی حرج نہیں' سنو جب وہ جزیہ ادا کر رہے ہیں تو ان کا کوئی مال تم پر حلال نہیں ہاں وہ اپنی خوشی سے دیدیں تو اور بات ہے۔ (عبدالرزاق)۔ ❶ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اہل کتاب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سنی تو فرمایا ''دشمنان اللہ جھوٹے ہیں' جاہلیت کی تمام باتیں میرے قدموں تلے مٹ گئیں مگر امانت کہ وہ ہر فاسق وفاجر کی بھی ادا کرنی پڑے گی۔'' ❷

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ لیکن جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے اور ڈرتا رہے۔ اہل کتاب ہو کر پھر اپنی کتاب کی ہدایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے جو عہد تمام انبیا سے بھی ہو چکا ہے اور جس عہد کی پابندی ان کی امتوں پر بھی لازمی ہے پھر اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کرے اسکی شریعت کی اطاعت کرے رسولوں کے خاتم اور انبیا کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری تابعداری کرے وہ متقی ہے اور متقی اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں۔

تین خوش نصیب اور تین بدبخت اشخاص: [آیت:۷۷] یعنی جو اہل کتاب اللہ تعالیٰ کے عہد کا پاس نہیں کرتے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہیں نہ آپ کی صفتوں کا ذکر لوگوں سے کرتے ہیں نہ آپ کے متعلق بیان کرتے ہیں اور اسی طرح جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور ان بدکاریوں سے وہ اس ذلیل اور فانی دنیا کا فائدہ حاصل کرتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں نہ ان سے اللہ تعالیٰ کوئی پیار محبت کی بات کریگا نہ ان پر رحمت کی نظر ڈالے گا نہ انہیں ان کے گناہوں سے پاک صاف کرے گا بلکہ انہیں جہنم میں داخل کرنے کا حکم دے گا اور وہاں وہ دردناک سزائیں بھگتتے رہیں گے۔ اس آیت کے متعلق بہت سی حدیثیں بھی ہیں جن میں سے تھوڑی سی یہاں بھی ہم بیان کرتے ہیں۔

❶ عبدالرزاق فی التفسیر، ۱/ ۴۱۹ رقم: ۶۱۸ وسنده ضعيف۔

❷ الطبری، ۷۲۶۶، عن سعيد بن جبير يہ روایت مرسل یعنی ضعیف ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''تین قسم کے لوگ ہیں جن سے نہ تو اللہ تعالیٰ کلام کرے گا اور نہ ان کی طرف قیامت کے دن نظر رحمت سے دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا۔'' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا یہ کون لوگ ہیں یا رسول اللہ! یہ تو بڑے گھاٹے اور نقصان میں پڑے۔ حضور اکرم ﷺ نے تین مرتبہ یہی فرمایا پھر جواب دیا کہ ''ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے والا' جھوٹی قسم سے اپنا سودا بیچنے والا' دے کر احسان جتانے والا'' مسلم وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ ❶

مسند احمد میں ہے ابو احمس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے ذکر کیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث بیان فرماتے ہیں' تو فرمایا سنو میں رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ تو بول نہیں سکتا جبکہ میں نے حضور ﷺ سے سن لیا ہو تم کہو وہ حدیث کیا ہے؟ میں نے کہا یہ کہ تین قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے اور تین قسم کے لوگوں کو دشمن رکھتا ہے' تو فرمانے لگے ہاں یہ حدیث میں نے بیان بھی کی ہے اور میں نے حضور ﷺ سے سنی بھی ہے۔ میں نے پوچھا کس کس کو دوست رکھتا ہے۔ فرمایا ایک تو وہ جو مردانگی سے دشمنان اللہ کے مقابلہ میں میدان جہاد میں کھڑا ہو جائے یا تو اپنا سینا چھدوا دے یا فتح کر کے لوٹے۔ دوسرا وہ شخص جو کسی قافلے کے ساتھ سفر میں ہے بہت رات گئے تک قافلہ چلتا رہا جب تھک کر چور ہو گئے تو اترے اور پڑاؤ ڈالا' سب تو پڑ کر سو رہے مگر یہ جاگتا رہا اور نماز میں مشغول رہا یہاں تک کہ کوچ کے وقت سب کو جگا دیا۔ تیسرا وہ شخص جس کی عادت ہو کہ جو اسے ایذا پہنچائے یہ اس پر صبر و سہار کرے یہاں تک کہ موت ان دونوں میں جدائی کرے یا سفر۔ میں نے کہا اور وہ تین کون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہے؟ فرمایا بہت قسمیں کھانے والا تاجر' اور تکبر کرنے والا فقیر اور وہ بخیل جس سے کبھی احسان ہو گیا ہو تو جتانے بیٹھے۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔ ❷

مسند احمد میں ہے کندہ قبیلے کے ایک شخص امراء القیس بن عامر کا جھگڑا ایک حضرمی شخص سے زمین کے بارے میں تھا' جو حضور کے سامنے پیش ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرمی اپنا ثبوت پیش کرے۔ اس کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا اب کندی قسم کھالے۔ تو حضرمی کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ جب اس کی قسم پر ہی فیصلہ ٹھہرا تو رب کعبہ کی قسم یہ میری زمین لے جائے گا آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص جھوٹی قسم سے کسی کا مال اپنا کرے گا تو جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملے گا اللہ تعالیٰ اس سے ناخوش ہوگا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی تو امرؤ القیس رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! اگر کوئی چھوڑ دے تو اسے اجر کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''جنت۔'' تو کہنے لگے یا رسول اللہ! گواہ رہیے کہ میں نے وہ ساری زمین اس کے نام چھوڑ دی۔ یہ حدیث نسائی میں بھی ہے۔ ❸

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' ''جو شخص جھوٹی قسم کھائے تا کہ جھوٹی قسم سے کسی کا مال چھین لے تو اللہ تعالیٰ سے جب یہ ملے گا اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضبناک ہوگا۔'' حضرت اشعث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قسم میرے ہی بارے میں یہ ہے۔ ایک یہودی کی اور میری شرکت میں ایک زمین تھی اس نے میری زمین کا انکار کر دیا۔ میں اسے خدمت نبوی میں لایا حضرت نے مجھ سے فرمایا ''تیرے پاس کچھ ثبوت ہے؟'' میں نے کہا نہیں۔ آپ ﷺ نے یہودی سے فرمایا ''تو قسم کھالے۔'' میں نے کہا حضور! یہ تو قسم کھالے گا اور میرا مال لے جائے گا۔ پس اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ ❹

---

❶ احمد، ٥/ ١٤٨؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار...... ١٠٦۔

❷ احمد، ٥/ ١٥١، وسنده ضعیف۔ ❸ احمد، ٤/ ١٩٢؛ السنن الکبریٰ للنسائی ٥٩٩٦، وسنده صحیح۔

❹ احمد، ٥/ ٢١١؛ صحیح بخاری، کتاب الشهادات، باب سؤال الحاکم، المدعی...... ٢٦٦٦، ٢٦٦٧؛ صحیح مسلم، ١٣٨۔

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾

ترجمہ: یقیناً ان میں ایسا گروہ بھی ہے جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبان مروڑتا ہے تاکہ تم اسے کتاب ہی کی عبارت خیال کرنے لگو، دراصل وہ کتاب میں نہیں اور یہ کہتے بھی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے حالانکہ دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں، وہ تو دانستہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں۔[۷۸]

مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ”جو شخص کسی مرد مسلم کا مال بغیر حق کے لے لے وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوگا۔“ وہیں حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ آ گئے اور فرمانے لگے ابوعبدالرحمٰن آپ کون سی کیا حدیث بیان کرتے ہیں؟ ہم نے دوہرادی تو فرمایا یہ حدیث میرے ہی بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے۔ میرا اپنے چچا کے لڑکے سے ایک کنوئیں کے بارے میں جھگڑا تھا جو اس کے قبضہ میں تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب ہم اپنا مقدمہ لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یا تو تو اپنی دلیل اور ثبوت لا کہ یہ کنواں تیرا ہے ورنہ اس کی قسم پر فیصلہ ہوگا۔“ میں نے کہا یا حضرت! میرے پاس تو کوئی دلیل نہیں اور اگر اس کی قسم پر معاملہ رہا تو یہ تو میرا کنواں لے جائے گا میرا مقابل تو فاجر شخص ہے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث بھی بیان فرمائی اور اس آیت کی بھی تلاوت فرمائی۔ ❶

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہ کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا۔“ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون ہیں؟ فرمایا ”اپنے ماں باپ سے بیزار ہونے والی اور ان سے بے رغبتی کرنے والی لڑکی اور اپنی اولاد سے بیزار اور الگ ہونے والا باپ اور وہ شخص کہ جس پر کسی قوم کا احسان ہے وہ اس سے انکار کر جائے اور آنکھیں پھیر لے اور ان سے یکسوئی کر لے۔“ ❷

ابن ابی حاتم میں ہے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنا سودا بازار میں رکھا اور قسم کھائی کہ اس کو اتنا اتنا بھاؤ دیا جاتا تھا تاکہ کوئی مسلمان اس میں پھنس جائے پس یہ آیت نازل ہوئی۔ صحیح بخاری میں بھی یہ روایت مروی ہے۔ ❸

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ”تین شخصوں سے جناب باری تقدس وتعالیٰ قیامت کے دن بات نہ کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کیلئے دکھ درد کے عذاب ہیں، ایک وہ جس کے پاس بچا ہوا پانی ہے پھر وہ کسی مسافر کو نہیں دیتا، دوسرا وہ جو عصر کے بعد جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال فروخت کرتا ہے، تیسرا وہ جو مسلمان سے بیعت کرتا ہے اس کے بعد اگر وہ اسے مال دے تو پوری کرتا ہے اور اگر نہ دے تو بیعت پوری نہیں کرتا۔“ یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ ❹

کلام اللہ میں یہودیوں کی تحریف: [آیت:۷۸] یہاں بھی انہی ملعون یہودیوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان کا ایک گروہ یہ بھی کرتا ہے =

❶ احمد، ۵/ ۲۱۲، وسندہ حسن۔ ❷ احمد، ۳/ ۴۴۰، وسندہ ضعیف۔

❸ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب مایکرہ من الحلف فی البیع، ۲۰۸۸؛ ۲۶۷۵، ۴۵۵۱۔

❹ احمد، ۲/ ۴۸۰؛ صحیح بخاری، کتاب الشھادات، باب الیمین بعد العصر، ۲۶۷۲؛ صحیح مسلم، ۱۰۸؛ ابوداود، ۳۴۷۴؛ ترمذی، ۱۵۹۵؛ ابن ماجۃ، ۲۲۰۷۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾

ترجمہ: کسی ایسے انسان کو جسے اللہ تعالیٰ کتاب وحکمت اور نبوت دے یہ لائق نہیں کہ پھر بھی وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ وہ تو کہے گا کہ تم سب رب کے ہو جاؤ تمہارے کتاب سکھانے کے باعث اور تمہارے کتاب پڑھنے کے سبب۔[۷۹] نہ یہ ہو سکتا ہے وہ تم کو فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لینے کا حکم کرے' کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد تم کو کفر کا حکم دے گا۔[۸۰]

= کہ کلام کو اس کی جگہ سے ہٹا دیتا ہے ربانی کتاب بدل دیتا ہے اصل مطلب اور صحیح معنی خبط کر دیتا ہے اور جاہلوں کو اس چکر میں ڈال دیتا ہے کہ کتاب اللہ یہی ہے پھر یہ خود اپنی زبان سے بھی اسے کتاب اللہ کہہ کر جاہلوں کے اس خیال کو اور مضبوط کر دیتے ہے اور جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے ہیں اور جھوٹ بکتے ہیں۔ زبان موڑنے سے مطلب یہاں تحریف کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری شریف میں مروی ہے کہ یہ لوگ تحریف کرتے تھے اور ازالہ کر دیتے تھے۔ مخلوق میں ایسا تو کوئی نہیں جو کتاب اللہ کا لفظ بدل دے' ہاں یہ لوگ تحریف اور بیجا تاویل کرتے تھے۔ ❶

وہب بن منبہ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توراۃ و انجیل اسی طرح ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے اتاریں ایک حرف بھی ان میں سے نہیں بدلا لیکن یہ لوگ تحریف و تاویل سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور جو کتابیں انہوں نے اپنی طرف سے لکھ لیں ہیں اور جسے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشہور کر رہے ہیں ان سے بھی لوگوں کو بہکاتے ہیں حالانکہ دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی اصلی کتابیں تو محفوظ ہیں جو بدلتی نہیں (ابن ابی حاتم)۔ حضرت وہب رحمہ اللہ علیہ کے اس فرمان کا اگر یہ مطلب ہو کہ ان کے پاس اب جو کتاب ہے تو ہم بالیقین کہتے ہیں کہ وہ بدلی ہوئی ہے اور محرف ہے اور زیادتی اور نقصان سے ہرگز پاک نہیں اور پھر جو زبان عربی میں ہمارے ہاتھوں میں ہے اس میں تو بڑی خطا ہے اور بہت ہی زیادتی ہے اور کمی بھی اصل سے بہت ہے اور کھلے ہوئے وہم اور صاف صاف غلطیاں موجود ہیں بلکہ دراصل اسے ترجمہ کہنا زیبا ہی نہیں' وہ تو تفسیر اور وہ بھی بے اعتبار تفسیر ہے اور پھر ان سمجھداروں کی لکھی ہوئی تفسیر ہے جن میں اکثر بلکہ کل کے کل دراصل محض الٹی سمجھ والے ہیں' اور اگر حضرت وہب رحمہ اللہ علیہ کے فرمان کا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب جو درحقیقت ربانی کتاب ہے پس وہ بیشک محفوظ و مصئون ہے اس میں کمی زیادتی ناممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ کا کوئی نبی کوئی فرشتہ اپنی بندگی کی دعوت نہیں دے سکتا: [آیت:۷۹-۸۰] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب یہودیوں کے اور نجرانی نصرانیوں کے علما جمع ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو ابو رافع قرظی کہنے لگا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ جس طرح نصرانیوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی عبادت کی ہم بھی آپ کی عبادت کریں؟ تو نجران کے ایک نصرانی نے بھی جسے آئیس کہا جاتا تھا یہی کہا کہ کیا آپ کی یہی چاہت ہے؟ اور یہی دعوت ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''معاذ

❶ صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ ﴿بل هو قرآن مجید﴾ تعليقًا قبل حديث ۷۵۵۷۔

اللہ نہ ہم خود اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کی پوجا کریں نہ کسی اور کو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کی عبادت کی تعلیم دیں نہ میری پیغمبری کا یہ مقصد نہ مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم۔'' اس پر یہ آیات نازل ہوئیں ❶ کہ کسی انسان کو کتاب وحکمت اور نبوت ورسالت پالینے کے بعد یہ لائق ہی نہیں کہ اپنی پرستش کی طرف لوگوں کو بلائے۔ جب انبیائے کرام کا جو اتنی بڑی بزرگی فضیلت اور مرتبے والے ہیں یہ منصب نہیں تو کسی اور کو کب لائق ہے کہ اپنی پوجا پاٹ کرائے اور اپنی بندگی کی تلقین لوگوں کو کرے۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ادنیٰ مؤمن سے بھی یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ لوگوں کو اپنی بندگی کی دعوت دے۔ یہاں یہ اس لئے فرمایا کہ یہ یہود ونصاریٰ آپس میں ہی ایک دوسرے کو پوجتے تھے۔ قرآن شاہد ہے جو فرماتا ہے ﴿اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ❷ یعنی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو اپنا رب بنالیا ہے۔ مسند احمد وترمذی کی وہ حدیث بھی آرہی ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ تو ان کی عبادت نہیں کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کیوں نہیں؟ وہ ان پر حرام کو حلال اور حلال کو حرام کردیتے تھے اور یہ ان کی مانتے چلے جاتے تھے یہی ان کی عبادت تھی۔'' ❸

پس جاہل درویش اور بے سمجھ علما اور مشائخ اس مذمت اور ڈانٹ ڈپٹ میں داخل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اتباع کرنے والے علمائے کرام اس سے یکسو ہیں اس لئے کہ وہ تو صرف فرمان ربانی اور کلام رسول کی تبلیغ کرتے ہیں اور ان کاموں سے روکتے ہیں جن سے انبیائے کرام روک گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے حضرات انبیا تو خالق ومخلوق کے درمیان سفیر ہیں حق رسالت ادا کرتے ہیں اور امانت ربانی احتیاط کے ساتھ بندگان رب عالم کو پہنچادیتے ہیں۔ نہایت بیدار مغزی، مکمل ہوشیاری کمال نگرانی اور پوری حفاظت کے ساتھ وہ پوری دنیا کے خیر خواہ ہوتے ہیں' وہ احکام الٰہی کے پہنچانے والے ہوتے ہیں۔ رسولوں کی ہدایت تو لوگوں کو ربانی بننے کی ہوتی ہے کہ وہ حکمتوں والے اور حلم والے بن جائیں وہ سمجھدار اور عابد وزاہد متقی اور پارسا ہیں۔ ❹ حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن سیکھنے والوں پر حق ہے کہ وہ باسمجھ ہوں۔ ﴿تَعْلَمُوْنَ﴾ اور ﴿تُعَلِّمُوْنَ﴾ دونوں قراءت ہیں پہلے کے معنی ہیں سمجھنے کے دوسرے کے معنی ہیں' تعلیم دینے کے۔ ﴿تَدْرُسُوْنَ﴾ کے معنی ہیں الفاظ یاد کرنے کے۔

پھر ارشاد ہے کہ وہ یہ حکم نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کی عبادت کرو خواہ وہ نبی ہو۔ بھیجا ہوا خواہ فرشتہ ہو قرب اللہ والا' یہ تو وہی کرسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کی عبادت کی دعوت دے' اور جو ایسا کرے اس نے کفر کیا اور کفر نبیوں کا کام نہیں' ان کا کام تو ایمان ہے اور ایمان نام ہے اللہ واحد کی عبادت اور پرستش کا' اور یہی نبیوں کی آواز ہے' جیسے خود قرآن فرماتا ہے ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ O﴾ ❺ یعنی ''تجھ سے پہلے بھی ہم نے جتنے رسول بھیجے سب پر یہی وحی نازل کی کہ میرے سوا کوئی معبود ہے ہی نہیں' تم سب میری عبادت کرتے رہو۔'' اور جگہ فرمان ہے ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ ❻ یعنی ''ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اللہ کے سوا ہر کسی کی عبادت سے بچو۔'' اور جگہ ارشاد ہے تجھ سے پہلے تمام رسولوں سے پوچھ لے کہ کیا ہم نے اپنی ذات رحمٰن کے سوا ان کی عبادت کے لئے کسی کو مقرر کیا تھا؟ فرشتوں کی طرف سے خبر دیتا ہے کہ ﴿مَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ﴾ ❼ ان میں سے اگر کوئی کہہ دے کہ میں معبود ہوں۔ بجز اللہ تعالیٰ کے تو اسے بھی جہنم کی سزا دیں اور اسی طرح ہم ظالموں کو بدلہ دیتے ہیں۔

---

❶ الطبری، ۷۲۹۴؛ دلائل النبوة للبیهقی ٥/ ٣٨٤، وسنده ضعيف۔ ❷ ٩/ التوبة:٣١۔

❸ ترمذی، کتاب تفسير القرآن، باب ومن سورة التوبة، ٣٠٩٥، وسنده ضعيف غطیف راوی ضعیف ہے۔

❹ ابن أبي حاتم، ٢/ ٣٦٥۔ ❺ ٢١/ الانبیآء:٢٥۔

❻ ١٦/ النحل:٣٦۔ ❼ ٢١/ الانبیآء:٢٩۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب وحکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تم کو اس پر ایمان لانا اور اسکی مدد کرنا ضروری ہے' فرمایا کہ تم اس کے اقراری ہو اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو؟ سب نے کہا ہمیں اقرار ہے' فرمایا تو اب گواہ رہو اور خود میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔[۸۱] پس اس کے بعد بھی جو پلٹ جائیں وہ یقیناً پورے نافرمان ہیں۔[۸۲]

ہر نبی کو اپنے بعد والے نبی اور رسول پر ایمان لانے کا حکم: [آیت:۸۱۔۸۲] یہاں بیان ہو رہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کے تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ لیا کہ جب کبھی ان میں سے کسی کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کتاب وحکمت دے اور وہ بڑے مرتبے تک پہنچ جائے پھر اس کے بعد اسی کے زمانے میں رسول آ جائے تو اس پر ایمان لانا اور اس کی نصرت وامداد کرنا اس کا فرض ہوگا۔ یہ نہ ہو کہ اپنے علم ونبوت پر نظر ڈال کر اپنے بعد والے نبی کی اتباع اور امداد سے رک جائے۔ ان سے کہا کہ کیا تم اقرار کرتے ہو؟ اور میرا ابوجھل مضبوط عہد ومیثاق لے رہے ہو؟ سب نے کہا ہاں ہمارا اقرار ہے۔ تو فرمایا گواہ رہو اور میں خود بھی گواہ ہوں۔ اب اس عہد ومیثاق سے جو پھر جائے وہ قطعی فاسق' بے حکم اور بدکار ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے عہد لیا کہ اس کی زندگی میں اگر اللہ اپنے نبی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجے تو اس پر فرض ہے کہ وہ آپ پر ایمان لائے اور آپ کی امداد کرے ❶ اور اپنی امت کو بھی وہ یہی تلقین کر دے کہ وہ بھی حضور پر ایمان لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری میں لگ جائے۔ طاؤس' حسن بصری اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ نبیوں سے اللہ تعالیٰ نے عہد لیا کہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ تفسیر اوپر کی تفسیر کے خلاف ہے بلکہ یہ اس کی تائید ہے اسی لئے حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے لڑکے کی روایت مثل روایت حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بھی مروی ہے۔

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ! میں نے ایک دوست قرظی یہودی سے کہا تھا کہ وہ توراۃ کی جامع باتیں مجھے لکھ دے تو اگر آپ فرمائیں میں انہیں پیش کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم دیکھتے نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کا کیا حال ہے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر اسلام کے دین ہونے پر' محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر خوش ہوں اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ دور ہوا اور فرمایا ''قسم ہے اس اللہ تعالیٰ کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر (حضرت) موسیٰ علیہ السلام تم میں آ جائیں اور تم ان کی تابعداری میں لگ جاؤ اور مجھے چھوڑ دو تو تم سب گمراہ ہو جاؤ۔ تمام امتوں میں سے میرے حصے کی امت تم ہو اور تمام نبیوں میں سے تمہارے حصے کا نبی میں ہوں۔'' ❷

❶ الطبری، ٦/ ٥٥٥۔ ❷ احمد، ٤/ ٢٦٥، ٢٦٦۔ اس کی سند میں جابر بن یزید الجعفی ضعیف راوی ہے۔ (التقریب ١/ ١٢٣) جس کی وجہ سے یہ روایت سخت ضعیف ہے۔ دیکھئے (الموسوعة الحديثية ٢٥/ ١٩٨)

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَھُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

ترجمہ: کیا پس اللہ تعالیٰ کے دین کے سوااور دین کی تلاش میں ہیں؟ تمام آسمانوں والے اور سب زمین والے اللہ تعالیٰ ہی کے فرمانبردار ہیں خوشی سے ہوں تو اور جبراً ہوں تو سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔[۸۳] تو کہہ دے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا ہے اور جو کچھ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق پر اور یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولادوں پر اتارا گیا سب پر ایمان لائے اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام اور دوسرے نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے اس پر بھی ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔[۸۴] جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے اس کا وہ دین قبول نہ کیا جائے گا' اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا۔[۸۵]

مسند ابو یعلیٰ میں ہے کہ اہل کتاب سے کچھ نہ پوچھو وہ خود گمراہ تو ہیں تم کو راہ راست کیسے دکھائیں گے؟ بلکہ ممکن ہے کہ تم کسی باطل کی تصدیق کر لو یا کسی حق کی تکذیب کر بیٹھو' اللہ تعالیٰ کی قسم اگر موسیٰ علیہ السلام بھی تم میں زندہ موجود ہوتے تو انہیں بھی بجز میری تابعداری کے اور کچھ حلال نہ تھا۔ ❶ بعض احادیث میں ہے کہ اگر موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے سوا چارہ نہ تھا۔ ❷ پس ثابت ہوا کہ ہمارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیا ہیں اور امام اعظم ہیں۔ جس زمانہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہوتی آپ واجب الاطاعت تھے اور تمام انبیا کی فرمانبرداری پر جو اس وقت ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری مقدم رہتی۔ یہی وجہ تھی کہ معراج والی رات بیت المقدس میں تمام انبیا علیہم السلام کے امام آپ ہی بنائے گئے۔ اسی طرح میدان محشر میں بھی اللہ تعالیٰ کو فیصلوں کے لئے لانے میں شفیع آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں گے' یہی وہ مقام محمود ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی کے لائق نہیں۔ تمام انبیا اور کل رسول اس دن اس کام سے منہ پھیر لیں گے بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی خصوصیت کے ساتھ اس مقام میں کھڑے ہوں گے' اللہ تعالیٰ اپنے درود و سلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ ہمیشہ بھیجتا رہے قیامت کے دن تک' آمین۔

زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول ہے: [آیت: ۸۳۔۸۵] اللہ تعالیٰ کے سچے دین کے سوا جو اس نے اپنی کتابوں میں اپنے رسولوں کی معرفت نازل فرمایا ہے یعنی صرف اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کرنا کوئی شخص اور دین کی تلاش کرے اور اسے مانے اس کی تردید یہاں بیان ہو رہی ہے۔ پھر فرمایا کہ آسمان و زمین کی تمام چیزیں اس کی مطیع ہیں خواہ خوشی سے ہوں خواہ ناخوشی سے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا﴾ ❸ الخ "یعنی زمین و آسمان کی

❶ احمد، ۳/ ۳۳۸؛ مسند ابی یعلی، ۲۱۳۵، وسندہ ضعیف، مجالد ضعیف۔

❷ یہ روایت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ بے اصل اور باطل ہے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ ضعیف و مردود ہے۔

❸ ۱۳/ الرعد: ۱۵۔

تمام تر مخلوق اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدے کرتی ہے اپنی خوشی سے یا جبراً'' اور جگہ ہے ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ﴾ ❶ ''کیا وہ نہیں دیکھتے کہ تمام مخلوق کے سائے دائیں بائیں جھک کر اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرتی ہیں آسمانوں کی سب چیزیں اور زمینوں کے کل جاندار اور سب فرشتے' کوئی بھی تکبر نہیں کرتا سب کے سب اپنے اوپر والے رب تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو حکم دیئے جائیں بجالاتے ہیں۔'' پس مومنوں کا ظاہر باطن قلب وجسم دونوں اللہ تعالیٰ کے مطیع اور اس کے فرمانبردار ہوتے ہیں اور کافر بھی اللہ تعالیٰ کے قبضے میں اور جبراً اللہ تعالیٰ کی جانب جھکا ہوا ہے اس کے تمام فرمان اس پر جاری ہیں اور وہ ہر طرح قدرت ومشیت اللہ تعالیٰ کے ماتحت ہے کوئی چیز بھی اس کے غلبے اور قدرت سے باہر نہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں ایک غریب حدیث یہ بھی وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''آسمانوں والے تو فرشتے ہیں جو بخوشی اللہ تعالیٰ کے فرماں گزار ہیں اور زمین والے وہ ہیں جو اسلام پر پیدا ہوئے ہیں یہ بھی بشوق تمام اللہ تعالیٰ کے زیر فرمان ہیں' اور ناخوشی سے ماتحت وہ ہیں جو لوگ مسلمان مجاہدین کے ہاتھوں میں میدان جنگ میں قید ہوتے ہیں اور طوق وزنجیر میں جکڑے ہوئے لائے جاتے ہیں' یہ لوگ ہیں جو جنت کی طرف گھسیٹے جاتے ہیں اور وہ نہیں چاہتے۔ ❷ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ تیرے رب تعالیٰ کو ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو جنت کی طرف کھینچے جاتے ہیں زنجیروں اور رسیوں میں باندھ کر۔ ❸ اس حدیث کی اور سند بھی ہے لیکن اس آیت کے معنی تو یہی زیادہ قوی ہیں جو پہلے بیان ہوئے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت جیسی ہے ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ ❹ ''اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یقیناً وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد وہ وقت ہے جب روز ازل میں ان سب سے میثاق اور عہد لیا تھا۔ اور سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے یعنی قیامت کے دن اور ہر ایک کو وہ اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔

پھر فرماتا ہے تو کہہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور قرآن پر اور ابراہیم' اسماعیل' اسحاق اور یعقوب علیہم السلام پر جو صحیفے اور وحی اتری ہم اس پر بھی ایمان لائے اور ان کی اولادوں پر جو اترا اس پر بھی ہمارا ایمان ہے ﴿اَسْبَاط﴾ سے مراد بنی اسرائیل کے قبائل ہیں جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل میں سے تھے۔ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ دی گئی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل اور بھی جتنے انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ لائے ہمارا ان سب پر ایمان ہے ہم ان میں کوئی تفریق اور جدائی نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں کسی کو نہ مانیں بلکہ ہمارا سب پر ایمان ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے فرمان گزار ہیں۔ پس اس امت کے مومن تمام انبیا اور کل الٰہی کتابوں کو مانتے ہیں کسی کے ساتھ کفر نہیں کرتے ہر کتاب اور ہر نبی کو سچا جانتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ دین اللہ تعالیٰ کے سوا جو شخص کسی اور راہ پر چلے اس سے قبولیت دور ہے اور آخرت میں وہ نقصان میں پڑا جیسے صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جو شخص ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو وہ مردود ہے۔'' ❺ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں'' قیامت کے دن اعمال آئیں گے' نماز آکر کہے گی کہ اے اللہ میں نماز ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اچھی چیز ہے۔ صدقہ آئے گا اور کہے گا پروردگار میں صدقہ ہوں' جواب ملے گا تو بھی خیر پر ہے۔ روزہ آکر کہے گا میں روزہ ہوں' اللہ تعالیٰ فرمائیگا تو =

❶ ١٦/ النحل:٤٨۔ ❷ طبرانی ١١٤٧٣۔ اس کی سند میں محمد بن محصن عکاشی ہے جسے دار قطنی نے متروک اور واضع قرار دیا ہے۔ دیکھئے (المیزان ٤/ ٢٥، رقم: ٨١٢٠) لہٰذا یہ روایت موضوع ہے۔ جبکہ موقوفاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ثابت نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

❸ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب الاساری فی السلاسل، ٣٠١٠۔ ❹ ٣١/ لقمان:٢٥۔

❺ صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح جور...... ، ٢٦٩٧؛ صحیح مسلم، ١٧١٨، واللفظ له۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۟ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کیسے ہدایت دے جو اپنے ایمان لانے اور رسول کی حقانیت کی گواہی دینے اور اپنے پاس روشن دلیلیں آ جانے کے بعد کافر ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے بے انصاف لوگوں کو راہ راست پر نہیں لاتا۔[۸۶] ان پر تو یہی سزا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو[۸۷] جس میں یہ ہمیشہ پڑے رہیں' نہ تو ان سے عذاب ہلکا کیا جائے نہ انہیں مہلت دی جائے۔[۸۸] مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کر لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔[۸۹]

= بھی بہتری پر ہے' پھر اسی طرح اور اعمال بھی آتے جائیں گے اور سب کو یہی جواب ملتا رہے گا۔ پھر اسلام آئے گا اور کہے گا اے اللہ! تو سلام ہے اور میں اسلام۔ اللہ تعالیٰ فرمائیگا تو خیر پر ہے آج تیرے ہی باعث میں پکڑوں گا اور تیری ہی وجہ سے میں انعام دوں گا۔'' اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ﴾ یہ حدیث صرف مسند احمد میں ہے ❶ اور اس کے راوی حسن کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سننا ثابت نہیں۔

اگر مرتد سچی توبہ کر لے: [آیت:۸۶۔۸۹] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک انصاری مرتد ہو کر مشرکین میں جا ملا۔ پھر پچھتانے لگا اور اپنی قوم سے کہلوایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو کیا میری توبہ پھر بھی قبول ہو سکتی ہے؟ ان کے دریافت کرنے پر یہ آیات اتریں۔ اس کی قوم نے اسے کہلوا بھیجا وہ پھر توبہ کر کے نئے سرے سے مسلمان ہو کر حاضر ہو گیا (ابن جریر)۔ نسائی، حاکم اور ابن حبان میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ ❷ امام حاکم رحمہ اللہ اسے صحیح الاسناد کہتے ہیں۔ مسند عبدالرزاق میں ہے کہ حارث بن سوید نے اسلام قبول کیا' پھر اپنی قوم میں مل گیا اور اسلام سے پھر گیا اس کے بارے میں یہ آیات اتریں۔ اس کی قوم کے ایک شخص نے یہ آیات پڑھ سنائیں تو اس نے کہا جہاں تک میرا خیال ہے اللہ تعالیٰ کی قسم تو سچا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نبی تو تجھ سے بہت ہی زیادہ سچے ہیں اور اللہ تعالیٰ سب سچوں سے زیادہ سچا ہے۔ پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ آئے اسلام لائے اور بہت اچھی طرح اسلام کو نبھایا۔ ❸

---

❶ احمد، ۲/ ۳۶۲، وسندہ ضعیف، مسند ابی یعلی، ۶۲۳۱؛ المعجم الأوسط للطبرانی، ۷۶۰۷ اس کی سند میں عباد بن راشد ہے جس کو ابن معین اور ابوداود وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ (المیزان ۲/ ۳۶۵، رقم: ۴۱۱۳) جبکہ حسن بصری کا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں جس کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔ دیکھئے (الموسوعة الحدیثیة ۱۴/ ۳۵۵) اور علامہ ہیثمی رحمہ اللہ اس حدیث کا متن غریب اور خبر واہی بتلاتے ہیں۔ دیکھئے (مجمع الزوائد، ۱۰/ ۲۴۴)

❷ احمد، ۱/ ۲۴۷؛ ابن حبان، ۴۴۶۰؛ حاکم، ۲/ ۱۴۲؛ طبری، ۷۳۵۸، اسے حاکم رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے اور ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت فرمائی ہے۔ النسائی، ۷/ ۱۰۷، ح ۴۰۷۳ وسندہ صحیح۔

❸ تفسیر عبدالرزاق، (۱/ ۱۳۱) وسندہ ضعیف۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾

ع

ترجمہ: بیشک جو لوگ اپنے ایمان کے بعد کفر کریں پھر کفر میں بڑھ جائیں انکی توبہ ہرگز ہرگز قبول نہ کی جائے گی' یہی گمراہ لوگ ہیں۔[۹۰] ہاں جو لوگ کفر کریں اور مرتے دم تک کافر رہیں ان میں سے کوئی اگر زمین بھر سونا دے گو فدیے میں ہی ہو تو بھی ہرگز قبول نہ کیا جائیگا' یہی لوگ ہیں جن کے لئے تکلیف دینے والا عذاب ہے اور جن کا کوئی مددگار نہیں۔[۹۱]

بیِّنٰت سے مراد رسول اللہ ﷺ کی تصدیق پر حجتوں اور دلیلوں کا بالکل واضح ہو جانا ہے۔ پس جو لوگ ایمان لائے رسول کی حقانیت مان چکے دلیلیں دیکھ چکے پھر شرک کے اندھیروں میں جا چھپے یہ لوگ مستحق ہدایت نہیں کیونکہ آنکھوں کے ہوتے ہوئے اندھے پن کو انہوں نے پسند کیا۔ اللہ تعالیٰ ناانصاف لوگوں کی رہبری نہیں کرتا' انہیں اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے اور اس کی مخلوق بھی' جو لعنت دائمی ہے نہ تو کسی وقت ان کے عذابوں میں تخفیف ہوگی نہ موقوفی۔

پھر اپنا لطف و احسان رافت و رحم کا بیان فرماتا ہے کہ اس بدترین جرم کے بعد بھی جو میری طرف جھکے اور اپنے بداعمال کی اصلاح کرلے میں بھی اس سے درگزر کر لیتا ہوں۔

حالت نزع میں توبہ قبول نہیں: [آیت:۹۰-۹۱] ایمان کے بعد کفر کرنیوالوں کو پھر اسی کفر پر مرنے والوں کو پروردگار عالم ڈرا رہا ہے کہ موت کے وقت کی تمہاری توبہ قبول نہ ہوگی۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ﴾ ❶ آخر دم تک یعنی موت کے وقت تک گناہوں میں مبتلا رہنے والے موت کو دیکھ کر جو توبہ کریں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں۔ اور یہی یہاں ہے کہ انکی توبہ ہرگز مقبول نہ ہوگی اور یہی لوگ وہ ہیں جو راہ حق سے بھٹک کر باطل راہ پر لگ گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ مسلمان ہوئے پھر مرتد ہو گئے پھر اسلام لائے پھر مرتد ہو گئے پھر اپنی قوم کے پاس آدمی بھیج کر پچھوایا کہ کیا اب ہماری توبہ ہے؟ انہوں نے حضور ﷺ سے سوال کیا اس پر یہ آیت اتری (بزار)۔ اس کی اسناد بہت عمدہ ہے۔ ❷

پھر فرماتا ہے کہ کفر پر مرنے والوں کی کوئی نیکی قبول نہیں گو اس نے زمین بھر کر سونا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا ہو۔ نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ عبداللہ بن جدعان جو بڑا مہمان نواز غلام آزاد کرنے والا اور کھانا دانا دینے والا شخص تھا کیا اسے اس کی یہ نیکی کام آئے گی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ''نہیں اس نے ساری عمر میں ایک دفعہ بھی ((رَبِّ اغْفِرْلِيْ خَطِيْئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ)) نہیں کہا' یعنی اے میرے رب میری خطاؤں کو قیامت کے دن بخش۔ ❸ جس طرح اس کی خیرات نامقبول ہے اسی طرح فدیہ اور معاوضہ بھی۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ﴾ ❹ ''ان سے نہ بدلہ مقبول نہ انہیں سفارش کا نفع'' اور فرمایا

❶ ٤/ النسآء:١٨۔ ❷ الدر المنثور، ٢/ ٢٥٨۔

❸ صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب الدليل على ان من مات على الكفر......، ٢١٤۔ ❹ ٢/ البقرة:١٢٣۔

﴿لَا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلَالٌ﴾ ❶ ''اس دن نہ خرید وفروخت ہے نہ مودت ومحبت'' اور جگہ ارشاد ہے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ﴾ ❷ یعنی اگر کافروں کے پاس زمین میں جو کچھ ہے ہو اور اتنا ہی اور بھی ہو پھر وہ اس سب کو قیامت کے عذابوں کے بدلے فدیہ دیں تو بھی نامقبول ہے' ان تکلیف والے المناک عذابوں کو سہنا ہی پڑے گا۔ یہی مضمون یہاں بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ بعض نے ﴿وَلَوِ افْتَدٰى﴾ کی واؤ کو زائد کہا ہے لیکن واؤ کو عطف کی ماننا اور وہ تفسیر کرنا جو ہم نے کی بہت بہتر ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے کفار کو کوئی چیز نہیں چھڑا سکتی گو وہ بڑے نیک اور نہایت خرچیلے ہوں گو زمین بھر بھر کر سونا راہ اللہ لٹائیں یا پہاڑوں اور ٹیلوں کی مٹی اور ریت نرم زمین اور سخت زمین خشکی اور تری کے ہم وزن سونا عذابوں کے بدلے دینا چاہیں دیں۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''جہنمی سے قیامت کے دن کہا جائیگا کہ زمین پر جو کچھ ہے اگر تیرا ہو جائے تو کیا تو اس سب کو ان سزاؤں کے بدلے اپنے فدیے میں دے ڈالے گا' وہ کہے گا ہاں۔ تو جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ میں نے تجھ سے بہ نسبت اس کے بہت ہی کم چاہا تھا میں نے تجھ سے اس وقت وعدہ لیا تھا جب تو اپنے باپ آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا لیکن تو بغیر شرک کئے نہ رہا۔'' یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی دوسری سند کے ساتھ ہے۔ ❸

مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''ایک جنتی کو لایا جائے گا اور اس سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہو تم نے کیسی جگہ پائی؟ وہ جواب دے گا اے اللہ بہت ہی بہتر۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اچھا اور جو کچھ مانگنا ہو مانگو دل میں جو تمنا ہو کہو' تو یہ کہے گا باری تعالیٰ میری صرف یہی تمنا ہے اور میرا ایک ہی سوال ہے کہ مجھے دنیا میں پھر بھیج دیا جائے میں تیری راہ میں جہاد کروں اور پھر شہید کیا جاؤں پھر زندہ ہو جاؤں پھر شہید کیا جاؤں' دس مرتبہ ایسا ہی ہو۔ کیونکہ وہ شہادت کی فضیلت اور شہید کے مرتبے دیکھ چکا ہے۔ اسی طرح ایک جہنمی کو بلایا جائے گا اور اس سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم! تو نے اپنی جگہ کیسی پائی؟ وہ کہے گا اے اللہ بہت ہی بری۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا ساری زمین بھر کر سونا دے کر ان عذابوں سے چھوٹنا تجھے پسند ہے؟ وہ کہے گا ہاں باری تعالیٰ۔ اس وقت جناب باری تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے میں نے تو اس سے بہت ہی کم اور بالکل آسان چیز تجھ سے طلب کی تھی لیکن تو نے اسے بھی نہ کیا۔ چنانچہ وہ جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ ❹ پس یہاں فرمایا کہ ان کے لئے تکلیف دہ عذاب ہیں اور کوئی ایسا نہیں جو ان عذابوں سے آپ کو چھڑا سکے یا کسی طرح کی مدد کر سکے۔'' (اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے عذابوں سے نجات دے)۔ آمین

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تفسیر ابن کثیر اردو کا تیسرا پارہ ختم ہوا۔

❶ ١٤/ ابراهيم: ٣١۔ ❷ ٥/ المآئدة: ٣٦۔

❸ احمد، ٣/ ٢١٨؛ صحيح بخاری، كتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار، ٦٥٥٧؛ صحيح مسلم، ٢٨٠٥۔

❹ احمد، ٣/ ٢٣٩؛ نسائی، ٣١٦٢، وسنده صحيح؛ ابن حبان، ٧٣٥٠؛ حاكم، ٢/ ٧٥، امام حاکم نے اسے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

فہرست

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾

ترجمہ: جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے ہرگز بھلائی نہ پاؤ گے تم جو خرچ کرو اسے اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے۔[۹۲]

اللہ کے راستہ میں (اپنی پسندیدہ) اچھی چیز صدقہ کی جائے: [آیت:۹۲] حضرت عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ''بر'' (نیکی و بھلائی) سے یہاں جنت مراد ہے یعنی ''جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے ہرگز جنت میں داخل نہ ہو گے۔'' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تمام انصار میں سے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ مالدار تھے۔ وہ اپنے تمام مال اور جائداد میں ''بیرحاء'' (نامی باغ) کو جو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھا' سب سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اکثر اس باغ میں جایا کرتے تھے اور اس کے کنویں کا عمدہ میٹھا پانی پیا کرتے تھے۔ جب یہ متذکرہ بالا آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ اس طرح فرماتا ہے اور میرا سب سے زیادہ عزیز مال یہی ''بیرحا'' (نامی باغ) ہے۔ لہٰذا میں اس کو اس امید میں کہ جو بھلائی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہی میرے لئے جمع رہے' اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں' لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار ہے جس طرح مناسب سمجھیں اس کو تقسیم کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو کر فرمانے لگے کہ ''واہ واہ یہ بہت ہی فائدے مند مال ہے اس سے لوگوں کو بہت فائدہ ہو گا'' پھر فرمایا ''میری رائے یہ ہے کہ اس باغ کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔'' حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ''بہت اچھا'' اور پھر اسے اپنے رشتہ داروں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا (مسند احمد۔ بخاری و مسلم)۔ ❶

بخاری و مسلم میں آیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرا سب سے زیادہ عزیز اور بہتر مال وہ ہے جو خیبر میں میری زمین کا ایک حصہ ہے (میں اس کو اللہ کی راہ میں صدقہ کرنا چاہتا ہوں) فرمایئے کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اصل (زمین) کو اپنے قبضہ میں رکھو اور اس کی پیداوار پھل وغیرہ اللہ کی راہ میں وقف کر دو''۔ ❷

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب میں تلاوت کے دوران اس مذکورہ بالا آیت پر پہنچا تو میں اپنے تمام مال و جائداد کو تصور میں لایا' لیکن مجھے اپنی رومی کنیز سے زیادہ کوئی چیز محبوب تر نظر نہ آئی' لہٰذا میں نے اسی کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں آزاد کر دیا (میرے دل میں اسکی اتنی محبت ہے کہ) اگر میں اللہ کی راہ میں دی ہوئی کسی چیز کو واپس لے سکتا تو اس کنیز سے تو ضرور ہی نکاح کر لیتا (مسند بزار۔) ❸

---

❶ احمد، ۳/ ۱۴۱؛ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب الزکاۃ علی الأقارب، ۱۴۶۱؛ صحیح مسلم، ۹۹۸؛ مؤطا امام مالك، ۲/ ۵۹۵۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب الوصایا باب الوقف کیف یکتب، ۲۷۷۲؛ صحیح مسلم، ۱۶۳۲؛ نسائی، ۳۶۳۳؛ ابن ماجة، ۲۳۹۷۔ باختلاف الفاظ جبکہ انہی الفاظ سے روایت کو شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (الإرواء ۱۵۸۳)

❸ البزار، وسندہ ضعیف، ابوعمرو بن حماس عابد مستور (مجہول الحال) ہے لیکن پھر بھی حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر زوائد البزار، ۲/ ۷۶، میں اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَآءِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِۦ مِن قَبْلِ أَن تُنَزَّلَ التَّوْرَىٰةُ ۗ قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَىٰةِ فَاتْلُوهَآ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿٩٣﴾ فَمَنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ مِنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الظَّٰلِمُونَ ﴿٩٤﴾ قُلْ صَدَقَ اللَّهُ ۗ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَٰهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٩٥﴾

ترجمہ: توراۃ کے نزول سے پہلے (حضرت) یعقوب علیہ السلام نے جس چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اس کے سوا تمام کھانے بنی اسرائیل پر حلال تھے کہو کہ اگر تم سچے ہو تو توراۃ لے آؤ اور پڑھ کر سناؤ' [۹۳] اس کے بعد بھی جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھیں وہی ظالم ہیں۔ [۹۴] کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ سچا ہے تم سب ابراہیم حنیف کی پیروی کرو جو مشرک نہ تھے۔ [۹۵]

یہودیوں کے سوالات پر آنحضرت ﷺ کے جوابات اور یہودیوں کی ہٹ دھرمی: [آیت: ۹۳-۹۵] امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ کچھ یہودی آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ ہم آپ سے چند ایسی باتیں پوچھتے ہیں جن کے جواب سوائے نبیوں کے اور کوئی نہیں جانتا۔ آپ ﷺ ان کا جواب دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''جو چاہو پوچھو لیکن اللہ کو حاضر ناظر جان کر مجھ سے وہ وعدہ کرو جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں (بنی اسرائیل) سے لیا تھا کہ اگر میں نے وہ باتیں تمہیں ٹھیک ٹھیک بتا دیں تو تم اسلام لا کر میرے تابع اور فرمانبردار بن جاؤ گے۔'' انہوں نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ ہمیں یہ بات منظور ہے۔ اگر آپ ﷺ نے صحیح صحیح جوابات دیدیئے تو ہم ضرور اسلام قبول کر لیں گے اور آپ ﷺ کے فرمانبردار بن جائیں گے۔ پھر کہنے لگے کہ ہمیں یہ چار باتیں بتلائیے بتلایئے کہ حضرت اسرائیل یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر کونسا کھانا حرام کر لیا تھا؟ عورت کا پانی اور مرد کا پانی کیسا ہوتا ہے؟ (اور کیوں) کبھی لڑکا ہوتا ہے کبھی لڑکی؟ اور نبی امی ﷺ کی نیند کیسی ہے؟ اور فرشتوں میں سے کونسا فرشتہ اس کے پاس وحی لے کر آتا ہے؟ اس کے بعد آپ ﷺ نے دوبارہ ان سے قسمیں لیں۔ اور پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''حضرت اسرائیل علیہ السلام سخت بیمار ہوئے تو نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ شفا دے گا تو جو سب سے زیادہ پیاری چیز کھانے پینے کی ہے چھوڑ دوں گا۔ جب شفایاب ہو گئے تو اونٹ کا گوشت اور دودھ چھوڑ دیا۔ مرد کا پانی سفید رنگ کا اور گاڑھا ہوتا ہے اور عورت کا پانی زردی مائل پتلا ہوتا ہے دونوں میں سے جو اوپر آ جائے اس پر اولاد نر و مادہ ہوتی ہے۔ اور شکل و شباہت میں بھی اسی پر جاتی ہے۔ اس نبی امی کی نیند میں اس کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل جاگتا رہتا ہے۔ میرے پاس وحی لے کر وہی فرشتہ آتا ہے جو تمام انبیا علیہم السلام کے پاس آتا رہا۔'' یعنی جبرائیل علیہ السلام بس اس پر وہ چیخ اٹھے اور کہنے لگے اگر کوئی اور فرشتہ آپ ﷺ کا ولی ہوتا تو ہمیں آپ ﷺ کی نبوت تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہ رہتا۔ ہر سوال کے جواب کے وقت آپ ﷺ انہیں قسم دیتے اور ان سے دریافت فرماتے اور وہ اقرار کرتے کہ ہاں جواب صحیح ہے۔ انہیں کے بارے میں آیت ﴿مَن كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ﴾ (1) نازل ہوئی۔ (2)

---

(1) ۲/ البقرة: ۹۷۔ (2) احمد، ۱/ ۲۷۸، وسندہ حسن۔

اور روایت میں ہے کہ حضرت اسرائیل علیہ السلام کو عرق النساء کی بیماری تھی اور اس میں ان کا ایک پانچواں سوال یہ بھی ہے کہ یہ رعد کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ عزوجل کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر ہے اس کے ہاتھ میں آگ کا ایک کوڑا ہے جس سے بادلوں کو جہاں اللہ کا حکم ہو لے جاتا ہے اور یہ گرج کی آواز اسی کی آواز ہے۔'' جبرائیل علیہ السلام کا نام سن کر یہ کہنے لگے وہ تو عذاب اور جنگ وجدال کا فرشتہ ہے اور ہمارا دشمن ہے' اگر پیداوار اور بارش کے فرشتہ حضرت میکائیل علیہ السلام آپ ﷺ کے رفیق ہوتے تو ہم مان لیتے۔ ❶ حضرت یعقوب علیہ السلام کے رویہ پر ان کی اولاد بھی رہی اور وہ بھی اونٹ کے گوشت سے پرہیز کرتی رہی۔ اس آیت کو اگلی آیت سے مناسبت ایک تو یہ ہے کہ جس طرح حضرت اسرائیل علیہ السلام نے اپنی چہیتی چیز اللہ تعالیٰ کی نذر کر دی اسی طرح تم بھی کیا کرو۔ لیکن یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں اس کا طریقہ یہ تھا کہ اپنی پسندیدہ اور مرغوب چیز کو اللہ کے نام پر ترک کر دیتے تھے اور ہماری شریعت میں یہ طریقہ نہیں بلکہ ہمیں یہ فرمایا گیا ہے کہ ہم اپنی پسندیدہ چیز اللہ عزوجل کے نام پر خرچ کر دیا کریں' جیسے فرمایا ﴿وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ﴾ ❷ اور فرمایا ﴿يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ﴾ ❸ ''باوجود محبت اور چاہت کے وہ ہماری راہ میں مال خرچ کرتے ہیں اور مسکینوں کو کھانا دیتے ہیں۔'' دوسری مناسبت یہ بھی ہے کہ اگلی آیتوں میں نصرانیوں کا رد تھا تو یہاں یہودیوں کا رد ہو رہا ہے۔ ان کے رد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا صحیح واقعہ بتلا کر ان کے عقیدے کا رد کیا تھا' یہاں نسخ کا صاف بیان کر کے ان کے باطل عقیدے کے رد میں ارشاد ہو رہا ہے۔ ان کی کتاب میں صاف موجود تھا کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سے خشکی پر اترے تو ان پر تمام جانوروں کا کھانا حلال تھا پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اونٹ کا گوشت اور اونٹ کا دودھ اپنے اوپر حرام کر لیا اور ان کی اولاد بھی اسے حرام جانتی رہی۔ چنانچہ توراۃ میں بھی اس کی حرمت نازل ہوئی۔ اسی طرح اور بھی بعض چیزیں حرام کی گئیں یہ نسخ نہیں تو اور کیا ہے؟

ہر نبی کی شریعت صرف اپنی امت کیلئے ہی خاص ہے: حضرت آدم علیہ السلام کی صلبی اولاد کا آپس میں بہن بھائی کا نکاح ابتداءً ہوتا تھا لیکن بعد میں حرام کر دیا۔ عورتوں پر لونڈیاں لانا شریعت ابراہیمی میں مباح تھا خود حضرت ابراہیم حضرت سارہ علیہا السلام پر حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو لائے' لیکن پھر توراۃ میں اس سے روکا گیا۔ دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانہ میں جائز تھا بلکہ خود حضرت یعقوب علیہ السلام کے گھر میں بیک وقت دو سگی بہنیں تھیں لیکن پھر توراۃ میں یہ حرام ہو گیا' اسی کو نسخ کہتے ہیں۔ اسے وہ دیکھ رہے ہیں اپنی کتاب میں پڑھ رہے ہیں لیکن پھر نسخ کا انکار کر کے انجیل کو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتے اور ان کے بعد ختم المرسلین ﷺ کے ساتھ بھی یہی سلوک کرتے ہیں' تو یہاں فرمایا کہ توراۃ کے نازل ہونے سے پہلے تمام کھانے حلال تھے سوائے اس کے جسے اسرائیل علیہ السلام نے اپنی جان پر حرام کر لیا تھا تم توراۃ لاؤ اور پڑھو اس میں موجود ہے' پھر باوجود اس کے تمہاری یہ بہتان بازیاں اور افترا پردازیاں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ہفتہ ہی کے دن کو ہمیشہ کے لئے عید کا دن مقرر کیا ہے اور ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم ہمیشہ توراۃ کے ہی عامل رہیں اور کسی اور نبی کو نہ مانیں' یہ کس قدر ظلم و جور ہے تمام باتوں کے باوجود تمہاری یہ روش یقیناً ظالم و جابر ٹھہراتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سچی خبر دیدی ابراہیمی دین وہی ہے جسے قرآن بیان کر رہا ہے تم اس کتاب اور اس نبی ﷺ کی پیروی کرو نہ ان سے اعلیٰ کوئی نبی نہ اس سے بہتر اور زیادہ واضح کوئی شریعت' جیسے اور جگہ ہے ﴿قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ ❹ =

❶ احمد، ۱/ ۲۷٤؛ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة الرعد، ۳۱۱۷ وسنده حسن۔

❷ ۲/ البقرة:۱۷۷۔ ❸ ۷٦/ الدهر:۸۔ ❹ ٦/ الانعام:۱٦۲۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِينَ ﴿٩٦﴾ فِيهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ إِبْرٰهِيمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا ۗ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۗ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِينَ ﴿٩٧﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا وہ جو مکہ مکرمہ میں ہے جو تمام دنیا کے لئے برکت و ہدایت والا ہے۔ جس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں۔[٩٦] مقام ابراہیم ہے' اس میں جو آ جائے امن والا ہو جاتا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو اس کی طرف راہ پا سکتے ہوں اس گھر کا حج فرض کر دیا ہے۔ اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ تعالیٰ (اس سے بلکہ) تمام دنیا سے بے پرواہ ہے۔[٩٧]

= الخ ''اے نبی! تم کہہ دو کہ مجھے میرے رب نے سیدھی راہ ابراہیم حنیف موحد کے مضبوط دین کی دکھا دی ہے'' اور جگہ ہے ''ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ابراہیم حنیف موحد کے دین کی تابعداری کر۔''

اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر: [آیت:٩٦-٩٧] (مسجد حرام) یعنی لوگوں کی عبادت' قربانی' طواف' نماز' اعتکاف وغیرہ کیلئے اللہ کا گھر ہے جسکے بانی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں جن کی تابعداری کا دعویٰ یہود و نصاریٰ مشرکین اور مسلمان سب کو ہے وہ اللہ کا گھر جو سب سے پہلے مکہ میں بنایا گیا ہے' یہی خلیل اللہ حج کے پہلے منادی ہیں تو پھر تعجب اور افسوس ہے ان پر جو ملت حنیفی کا دعویٰ کریں اور اس گھر کا احترام نہ کریں حج کو یہاں نہ آئیں بلکہ اپنے قبلے اور کعبے الگ الگ کرتے پھریں۔ اس بیت اللہ کی بناوٹ میں ہی برکت وہدایت ہے اور وہ تمام جہان والوں کے لئے ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ سب سے پہلے کونسی مسجد بنائی گئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مسجد حرام'' پوچھا پھر کونسی؟ فرمایا ''مسجد بیت المقدس'' پوچھا ان دونوں کے درمیان کتنا وقت ہے؟ فرمایا ''چالیس سال'' پوچھا پھر کونسی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جہاں کہیں نماز کا وقت آ جائے نماز پڑھ لیا کرو ساری زمین مسجد ہے'' (مسند احمد و بخاری و مسلم)۔ ❶

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ گھر تو پہلے بہت سے تھے لیکن خاص اللہ تعالیٰ کی عبادت کا گھر سب سے پہلا یہی ہے۔ کسی شخص نے آپ سے پوچھا کہ زمین پر پہلا گھر یہی بنا ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں' ہاں برکتوں اور مقام ابراہیم اور امن والا گھر پہلا یہی ہے۔ بیت اللہ کے بنانے کی پوری کیفیت سورہ بقرہ کی آیت ﴿وَعَهِدْنَآ إِلٰٓى إِبْرٰهِيمَ﴾ ❷ کی تفسیر میں پہلے گزر چکی ہے وہیں ملاحظہ فرما لیجئے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں سب سے پہلے روئے زمین پر یہی گھر بنا۔ لیکن صحیح قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہی ہے' اور وہ حدیث جو بیہقی میں ہے جس میں ہے کہ آدم و حوا علیہما السلام نے بحکم الٰہی بیت اللہ بنایا اور طواف کیا اور اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تو سب سے پہلا انسان ہے اور یہ سب سے پہلا گھر ہے۔ ❸ یہ حدیث ابن لہیعہ کی روایت سے ہے اور وہ ضعیف راوی ہیں' ممکن ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنا قول ہو اور یرموک والے دن انہیں جو دو بورے اہل کتاب کی کتابوں کے

❶ احمد، ٥/ ١٥٠؛ بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء باب رقم، ١٠ ح٣٣٦٦؛ صحیح مسلم، ٥٢٠؛ نسائی، ٦٩٠؛ ابن ماجة، ٧٥٣۔ ❷ ٢/ البقرة:١٢٥۔ ❸ دلائل النبوة للبیهقی، ٢/ ٤٤، ٤٥ وسنده ضعیف۔

ملے تھے انہی میں یہ بھی لکھا ہوا ہو۔

بکہ کی وجہ تسمیہ: ''بکہ'' مکہ کا مشہور نام ہے' چونکہ بڑے بڑے جابر شخصوں کی گردنیں یہاں ٹوٹ جاتی تھیں ہر بڑائی والا یہاں پست ہو جاتا تھا' اس لئے اسے مکہ کہا گیا' اور اس لئے بھی کہ لوگوں کی بھیڑ بھاڑ یہاں ہوتی ہے اور ہر وقت کھچا کھچ بھرا رہتا ہے' اور اس لئے بھی کہ یہاں لوگ خلط ملط ہو جاتے ہیں' یہاں تک کہ کبھی عورتیں آگے نماز پڑھتی ہوتی ہیں اور مرد ان کے پیچھے ہوتے ہیں جو اور کہیں نہیں ہوتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں فج سے تنعیم تک تو مکہ ہے اور بیت اللہ سے بطحاء تک بکہ ہے۔ بیت اللہ اور مسجد کو بکہ کہا گیا ہے' بیت اللہ اور اس کے آس پاس کی جگہ کو بکہ اور باقی شہر کو مکہ بھی کہا گیا ہے۔ اس کے اور بھی بہت سے نام ہیں' مثلاً بیت العتیق' بیت الحرام' بلد الامین' بلد المامون' ام رحم' ام القریٰ' صلاح' عرش' قادس' مقدس' حاطمہ' ناسہ' راس' کوثاء' البلدہ' النبیہ' الکعبہ۔ اس میں ظاہر نشانیاں ہیں جو اس کی عظمت و شرافت پر دلیل ہیں اور جن سے ظاہر ہے کہ خلیل اللہ کی بنا یہی ہے۔

مقام ابراہیم: اس میں مقام ابراہیم بھی ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پتھر لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی دیوار اونچی کر رہے تھے۔ یہ پہلے تو بیت اللہ شریف کی دیوار سے لگا ہوا تھا' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اسے ذرا ہٹا کر مشرق رخ کر دیا تھا کہ طواف پوری طرح ہو سکے اور جو لوگ طواف کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں ان پر تشویش اور بھیڑ بھاڑ نہ ہو۔ اسی کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا ہے اور اس کے متعلق بھی پوری تفسیر ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ﴾ ❶ الخ کی تفسیر میں پہلے گزر چکی ہے فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیات بینات میں سے ایک مقام ابراہیم ہے باقی اور ہیں۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خلیل اللہ علیہ السلام کے نشان قدم جو مقام ابراہیم پر تھے یہ بھی آیات بینات میں سے ہے۔ کل حرم کو اور حطیم کو اور سارے ارکان حج کو بھی مقام ابراہیم کی تفسیر میں مفسرین نے داخل کیا ہے۔

امن کی جگہ: اس میں آنے والا امن میں آ جاتا ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں بھی مکہ امن والا رہا' باپ کے قاتل کو بھی یہاں پاتے تو نہ چھیڑتے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بیت اللہ پناہ چاہنے والے کو پناہ دیتا ہے لیکن جگہ اور کھانا پینا نہیں دیتا۔ اور جگہ ہے ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا﴾ ❷ الخ ''یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنایا۔ اور جگہ ہے ﴿وَاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾ ❸ ''ہم نے انہیں خوف سے امن دیا'' نہ صرف انسان کو امن ہے بلکہ شکار کرنا' بلکہ شکار کو بھگانا' اسے خوف زدہ کرنا' اسے اس کے ٹھکانے یا گھونسلے سے ہٹانا اور اڑانا بھی منع ہے۔ اس کے درخت کاٹنا' یہاں کی گھاس اکھیڑنا بھی ناجائز ہے۔ اس مضمون کی بہت سی حدیثیں وغیرہ پورے بسط کے ساتھ آیت ﴿وَعَهِدْنَا﴾ ❹ الخ کی تفسیر میں سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہیں۔

مسند احمد' ترمذی اور نسائی میں حدیث ہے جسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن صحیح کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے بازار حزورہ میں کھڑے ہو کر فرمایا کہ ''اے مکہ! تو اللہ تعالیٰ کو ساری زمین سے بہتر اور پیارا ہے اگر میں زبردستی تجھ میں سے نہ نکالا جاتا تو ہرگز تجھے نہ چھوڑتا۔'' ❺ اور اس آیت کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ وہ جہنم سے بچ گیا۔ بیہقی کی ایک مرفوع حدیث میں ہے ''جو بیت اللہ میں داخل

---

❶ ۲/ البقرة:۱۲۵۔ ❷ ۲۹/ العنکبوت:۶۷۔ ❸ ۱۰۶/ قریش:۴۔ ❹ ۲/ البقرة:۱۲۵۔

❺ احمد، ۴/ ۳۰۵؛ ترمذی، کتاب المناقب، باب فی فضل مکة، ۳۹۲۵؛ وھو صحیح؛ ابن ماجة، ۳۱۰۸۔

ہوا وہ نیکی میں آیا اور برائیوں سے دور ہوا'' اور گناہ بخش دیا گیا' لیکن اس کے ایک راوی عبداللہ بن مؤمل قوی نہیں ہیں۔ ❶

حج کی فرضیت: آیت کا یہ آخری حصہ حج کی فرضیت کی دلیل ہے بعض کہتے ہیں ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ ❷ والی آیت دلیل فرضیت ہے' لیکن اول بات زیادہ ظاہر ہے۔ کئی ایک احادیث میں وارد ہے کہ حج ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے' اسکی فرضیت پر مسلمانوں کا اجماع ہے' اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ استطاعت والے مسلمان پر حج فرض ہے۔ نبی ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا ''لوگو! تم پر اللہ تعالیٰ نے حج فرض کیا ہے تم حج کرو۔'' ایک شخص نے پوچھا حضور! کیا ہر سال؟ آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ اس نے تین مرتبہ یہی سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر میں ہاں کہہ دیتا تو فرض ہو جاتا پھر بجا نہ لا سکتے میں جو نہ کہوں تم اس کی پوچھ پاچھ نہ کرو' تم سے اگلے لوگ سوالوں کی بھرمار سے اور نبیوں پر اختلاف کرنے سے ہلاک ہو گئے۔ میرے حکموں کو طاقت بھر بجا لاؤ اور جس چیز سے میں منع کروں اس سے رک جاؤ'' (مسند احمد) ❸ صحیح مسلم شریف کی اس حدیث شریف میں اتنی زیادتی ہے کہ یہ پوچھنے والے اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ تھے اور حضور ﷺ نے جواب میں یہ بھی فرمایا کہ ''عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے اور پھر نفل۔'' ❹ ایک اور روایت میں ہے کہ اسی سوال کے بارے میں آیت ﴿لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ﴾ ❺ یعنی ''زیادتی سوال سے بچو'' نازل ہوئی (مسند احمد)۔ ❻ ایک اور روایت میں ہے کہ ''اگر میں ہاں کہتا اور ہر سال حج واجب ہوتا تو نہ بجا لا سکتے اور پھر عذاب نازل ہوتا'' (ابن ماجہ)۔ ❼

ہاں حج میں تمتع کرنے کا جواز حضور ﷺ نے ایک سائل کے سوال پر ہمیشہ کے لئے جائز فرمایا تھا۔ ❽ ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن یعنی اپنی بیویوں سے فرمایا تھا حج ہو چکا اب گھر سے نہ نکلنا۔ ❾ رہی استطاعت اور طاقت سو وہ کبھی تو خود انسان کو بغیر کسی ذریعہ کے ہوتی ہے کبھی کسی اور کے واسطے سے جیسے کہ کتب احکام میں اس کی تفصیل موجود ہے' ترمذی میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! حاجی کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا پراگندہ بالوں اور میلے کچیلے کپڑوں والا۔ ایک اور نے پوچھا یا رسول اللہ! کونسا حج افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''جس میں قربانیاں کثرت سے کی جائیں اور لبیک زیادہ پکارا جائے۔'' ایک اور شخص نے سوال کیا حضور! سبیل سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''توشہ بھتہ کھانے پینے کے لائق خرچ اور سواری۔'' ❿ اس حدیث کا ایک راوی گو ضعیف ہے مگر حدیث کی متابعت اور =

---

❶ بیهقی، ٥/ ١٥٨، شعب الایمان، ٤٠٥٣، وسنده ضعيف۔

❷ ٢/ البقرة:١٩٦۔ ❸ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فرض الحج مرة فی العمر، ١٣٣٧؛ نسائی، ٢٦٢٠؛ احمد، ٢/ ٥٠٨۔

❹ ابوداود، کتاب المناسك، باب فرض الحج، ١٧٢١؛ وهو حسن، نسائی، ٢٦٢١؛ ابن ماجة، ٢٨٨٦۔

❺ ٥/ المآئدة:١٠١۔ ❻ احمد، ١/ ١١٣؛ ترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء کم فرض الحج، ٨١٤؛ ابن ماجة، ٢٨٨٤، وسنده ضعیف سند منقطع ہے ابوالبختری کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔

❼ ابن ماجة، ابواب المناسك، باب فرض الحج، ٢٨٨٥، وهو صحيح۔

❽ صحیح بخاری، کتاب الشركة، باب الاشتراك فی الهدی والبدن...... ، ٢٥٠٥، ٢٥٠٦؛ صحیح مسلم، ١٢١٨۔

❾ ابوداود، کتاب المناسك، باب فرض الحج، ١٧٢٢، وهو حسن۔ ❿ ترمذی، کتاب التفسير، باب من سورة آل عمران، ٢٩٩٨؛ ابن ماجة، ٢٨٩٦، وسنده ضعیف۔ ابراہیم خوزی راوی متروک الحدیث ہے۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖۗ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

ترجمہ: کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو؟ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے۔[۹۸] ان اہل کتاب سے کہو کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو کیوں روکتے ہو؟ اور اس میں عیب ٹٹولتے ہو حالانکہ تم خود شاہد ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔[۹۹]

= سندوں سے بھی ہے۔ بہت سے صحابیوں رضی اللہ عنہم سے مختلف سندوں سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ کی تفسیر میں زاد و راحلہ یعنی توشہ اور سواری بتلائی ہے۔ ❶ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "فرض حج جلدی ادا کر لیا کرو نہ معلوم کیا پیش آئے۔" ❷ ابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ "حج کا ارادہ کرنے والے کو جلد اپنا ارادہ پورا کر لینا چاہئے۔" ❸ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جس کے پاس تین سو درہم ہوں وہ طاقت والا ہے۔ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں مراد صحت جسمانی ہے۔

حج کا انکار کفر ہے: پھر فرمایا جو کفر کرے یعنی فرضیت حج کا انکار کرے۔ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب یہ آیت اتری کہ "دین اسلام کے سوا جو شخص کوئی اور دین تلاش کرے اس سے قبول نہ کیا جائے گا" تو یہودی کہنے لگے کہ ہم بھی مسلمان ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پھر مسلمانوں پر تو حج فرض ہے تم بھی حج کرو" تو وہ صاف انکار کر بیٹھے، جس پر یہ آیت اتری کہ "اس کا انکاری کافر ہے اور اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے بے پرواہ ہے۔" ❹

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص کھانے پینے اور سواری پر قدرت رکھتا ہو اتنا مال اس کے پاس ہو پھر حج نہ کرے تو اس کی موت یہودیت یا نصرانیت پر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کے لئے لوگوں پر حج بیت اللہ ہے جو اس کے راستہ کی طاقت رکھیں اور جو کفر کرے تو اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے بے پرواہ ہے۔" ❺ اس کے راوی پر بھی کلام ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں طاقت رکھ کر حج نہ کرنے والا یہودی ہو کر مرے گا یا نصرانی ہو کر۔ اس کی سند بالکل صحیح ہے (حافظ ابوبکر اسماعیلی)۔ ❻ مسند سعید بن منصور میں ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرا قصد ہے کہ میں لوگوں کو مختلف شہروں میں بھیجوں وہ دیکھیں جو لوگ باوجود مال رکھنے کے حج نہ کرتے ہوں ان پر جزیہ لگا دیں وہ مسلمان نہیں ہیں۔ ❼

یہودیوں کا دین اسلام کی حقانیت تسلیم کرنے سے انکار کرنا اور اللہ کے راستہ سے روکنا: [آیت: ۹۸۔۹۹] اہل کتاب کے =

---

❶ ابن ماجة، كتاب المناسك، باب ما يوجب الحج، ٢٨٩٧، وسنده ضعيف عمر بن عطاء بن وراز راوی ضعیف ہے۔

❷ احمد، ١/ ٣١٤، وسنده ضعيف۔ ❸ احمد، ١/ ٢٢٥، ابوداود، كتاب المناسك، باب رقم، ٦، ح١٧٣٢، وهو حسن۔

❹ یہ روایت مرسل یعنی ضعیف ہے۔ ❺ ترمذی، كتاب الحج، باب ما جاء في التغليظ في ترك الحج، ٨١٢۔ وهو ضعيف، ہلال بن عبداللہ راوی متروک ہے۔ ❻ اس روایت کی اوزاعی تک سند نہیں ملی اور ابونعیم نے حلية الاولياء، ٩/ ٢٥٢۔ میں ضعیف سند کے ساتھ اسے اوزاعی سے روایت کیا ہے۔ مصنف ابن ابی شیبه، ١٤٤٥٢ طبع جدید میں اس کا حسن شاہد ہے۔ والله اعلم۔

❼ اس کی سند منقطع یعنی ضعیف ہے حسن بصری کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرنا ثابت نہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تُطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ ﴿١٠٠﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ۗ وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٠١﴾ ع

ترجمہ: اے ایماندارو! اگر تم اہل کتاب کی اس جماعت کی باتیں مانو گے تو تم کو تمہاری ایمانداری کے بعد مرتد کافر بنا دیں گے۔[۱۰۰] (گو یہ ظاہر ہے کہ) تم کیسے کفر کر سکتے ہو؟ باوجودیکہ تم پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں اور تم میں رسول اللہ ﷺ موجود ہیں، جو شخص اللہ تعالیٰ (کے دین) کو مضبوط تھام لے وہی راہ راست دکھایا جائے گا۔[۱۰۱]

= کافروں کو اللہ تعالیٰ دھمکاتا ہے جو حق سے عناد کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرتے تھے اور لوگوں کو بھی پورے زور سے اسلام سے روکتے تھے باوجودیکہ رسول اللہ ﷺ کی حقانیت کا انہیں یقینی علم تھا، اگلے انبیا علیہم السلام اور رسولوں کی پیش گوئیاں اور ان کی بشارتیں ان کے پاس موجود تھیں۔ نبی امی ہاشمی عربی مکی مدنی سید اولاد آدم خاتم الانبیا رسول رب ارض و سما کا ذکر ان کی کتابوں میں موجود تھا پھر بھی اپنی بے ایمانی پر اڑے ہوئے تھے۔ اس لئے ان سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں خوب دیکھ رہا ہوں تم کس طرح میرے نبیوں کی تکذیب کرتے ہو اور کس طرح خاتم الانبیا کو ستاتے ہو اور کس طرح میرے مخلص بندوں کی راہ میں روڑے اٹکا رہے ہو۔ میں تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہوں تمام برائیوں کا بدلہ دوں گا۔ اس دن پکڑوں گا جس دن کوئی سفارشی اور مددگار نہ ملے۔

اہل کتاب کی باتیں ماننا گمراہی ہے: [آیت: ۱۰۰-۱۰۱] اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو اہل کتاب کے اس بد باطن فرقہ کی اتباع کرنے سے روک رہا ہے کیونکہ یہ حاسد ایمان کے دشمن ہیں اور عرب کی رسالت انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَدَّ كَثِيرٌ﴾ ❶ الخ "یہ لوگ جل بھن رہے ہیں اور تم کو ایمان سے ہٹانا چاہتے ہیں تم ان کے بھروں میں نہ آ جانا" گو کفر تم سے بہت دور ہے لیکن تاہم میں تم کو آگاہ کئے دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی آیات دن رات تم میں پڑھی جارہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا سچا رسول ﷺ تم میں موجود ہے۔" جیسے اور جگہ ہے ﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ ❷ الخ "تم ایمان کیوں نہ لاؤ گے رسول ﷺ تم کو تمہارے رب کی طرف بلا رہے ہیں اور تم سے عہد بھی ہو چکا ہے۔"

حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک روز اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے پوچھا "تمہارے نزدیک سب سے بڑا ایمان والا کون ہے؟" انہوں نے کہا فرشتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "بھلا وہ ایمان کیوں نہ لاتے؟ انہیں تو وحی الٰہی ہے۔" صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا پھر ہم۔ فرمایا "تم ایمان کیوں نہ لاتے تم میں تو میں خود موجود ہوں۔" صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا پھر حضور خود ہی ارشاد فرمائیں۔ فرمایا کہ "تمام لوگوں سے زیادہ عجیب ایمان والے وہ ہیں جو تمہارے بعد آئیں گے وہ کتابوں میں لکھا پائیں گے اور اس پر ایمان لائیں گے۔" ❸ (امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی سندوں کا اور اس کے معنی مطلب کا پورا بیان شرح صحیح بخاری میں کر دیا ہے، فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ)۔

پھر فرمایا کہ باوجود اس کے تمہارا مضبوطی سے دین الٰہی کو تھام رکھنا اور اللہ تعالیٰ کی پاک ذات پر پورا توکل رکھنا ہی موجب ہدایت ہے اس سے گمراہی دور ہوتی ہے یہی رشد و رضا کا باعث ہے اسی سے صحیح راستہ حاصل ہوتا ہے اور کامیابی اور مراد ملتی ہے۔

❶ ۲/ البقرۃ:۱۰۹۔ ❷ ۵۷/ الحدید:۸۔ ❸ حاکم، ۴/ ۸۵، ۸۶ وسندہ ضعیف ولہ شواہد ضعیفۃ فی مسند البزار (البحر الزخار ۱/ ۴۱۳، ح۲۸۹) والصحیحۃ للالبانی (۳۲۱۵) وغیرہما۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٠٢﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٠٣﴾

ترجمہ: ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے اتنے ہی ڈرو جتنا اس سے ڈرنا چاہئے دیکھو مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا' [١٠٢] اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو اور اللہ تعالیٰ کی اس وقت کی نعمت کو یاد رکھو جب کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال کر اپنی مہربانی سے تم کو بھائی بھائی بنا دیا اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے اس نے تم کو بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لئے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم راہ پاؤ۔ [١٠٣]

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مطلب اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے: [آیت:١٠٢۔١٠٣] اللہ تعالیٰ سے پورا پورا ڈرنا یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور نافرمانی نہ کی جائے اس کا ذکر کیا جائے اور اس کی یاد نہ بھلائی جائے اس کا شکر کیا جائے کفر نہ کیا جائے۔ بعض روایتوں میں یہ تفسیر مرفوع بھی مروی ہے لیکن ٹھیک بات یہی ہے کہ یہ موقوف ہے یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ ❶ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حق نہیں بجا لا سکتا جب تک اپنی زبان کو محفوظ نہ رکھے ❷ اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ ❸ کی آیت سے منسوخ ہے۔ اس دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ اپنی طاقت کے مطابق اس سے ڈرتے رہا کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں منسوخ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے رہو اس کے کاموں میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال نہ کرو عدل پر جم جاؤ یہاں تک کہ خود اپنے نفس پر عدل کے احکام جاری کرو اپنے ماں باپ اور اپنی اولاد کے بارے میں بھی عدل و انصاف برتا کرو۔ پھر فرمایا کہ اسلام پر ہی پر مرنا یعنی تمام زندگی اس پر قائم رہنا تاکہ موت بھی اسی پر آئے۔ اس رب کریم کی عادت یہی ہے کہ انسان اپنی زندگی جیسی رکھے ویسی ہی اسے موت آتی ہے اور جس موت مرے اسی پر قیامت کے دن اٹھایا جاتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے خلاف سے اپنی پناہ میں رکھے' آمین۔

مسند احمد میں ہے کہ لوگ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی وہاں تھے ان کے ہاتھ میں لکڑی تھی' بیان فرمانے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا کہ ''اگر زقوم کا ایک قطرہ بھی دنیا میں گرا دیا جائے تو دنیا والوں کی روزیاں بگڑ جائیں وہ کوئی چیز کھا پی نہ سکیں پھر خیال کرو کہ ان دوزخیوں کا کیا حال ہو گا جن کا کھانا پینا ہی یہ زقوم ہو گا۔'' ❹ اور حدیث میں ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''جو شخص جہنم سے الگ ہونا اور جنت میں جانا چاہتا ہو اسے چاہئے کہ مرتے دم

❶ ابن أبي حاتم، ٢/ ٤٤٦؛ حاكم، ٢/ ٢٩٤، وسنده صحيح۔ ❷ ابن أبي حاتم، ٢/ ٤٤٨۔ ❸ ٦٤/ التغابن:١٦۔

❹ احمد، ١/ ٣٠٠؛ ترمذي، كتاب صفة جهنم، باب ماجاء في صفة شراب اهل النار ٢٥٨٥؛ وهو صحيح؛ ابن ماجة، ٤٣٢٥۔

تک اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھے اور لوگوں سے وہ برتاؤ کرے جسے وہ خود اپنے لئے چاہتا ہو'' (مسند احمد)۔ ❶
حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی آپ کے انتقال کے تین روز پہلے سنا کہ ''دیکھو موت کے وقت اللہ تعالیٰ سے نیک گمان رکھنا'' (مسلم)۔ ❷ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میرا بندہ میرے ساتھ جیسا گمان رکھے میں اس کے گمان کے پاس ہی ہوں اگر اس کا میرے ساتھ حسن ظن ہے تو میں اس کے ساتھ اچھائی کروں گا اور اگر وہ میرے ساتھ بدگمانی کرے گا تو میں اس سے اسی طرح پیش آؤں گا'' (مسند احمد)۔ ❸ اس حدیث کا اگلا حصہ بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ ❹ مسند بزار میں ہے کہ ایک بیمار انصاری رضی اللہ عنہ کی بیمار پرسی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور سلام کر کے فرمانے لگے کہ کیسے مزاج ہیں؟ اس نے کہا الحمد للہ اچھا ہوں رب کی رحمت کا امیدوار ہوں اور اس کے عذابوں سے ڈر رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو ''ایسے وقت جس دل میں خوف و طمع دونوں ہوں اسے اللہ تعالیٰ اس کی امید کی چیز دیتا ہے اور ڈر خوف کی چیز سے بچاتا ہے۔'' ❺ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی کہ میں کھڑے کھڑے ہی گروں۔ ❻ اس کا مطلب امام نسائی نے تو سنن نسائی میں باب باندھ کر بیان کیا ہے کہ سجدے میں اس طرح جانا چاہئے اور یہ معنے بھی بیان کئے گئے ہیں کہ نہ مروں میں مگر مسلمان ہو کر اور یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ جہاد میں میں پیٹھ دکھاتا ہوا نہ مارا جاؤں۔

فرقہ بندی کی ممانعت: پھر فرمایا اتفاق کرو اختلاف سے بچو۔ حبل اللہ سے مراد عہد رب تعالیٰ ہے جیسے ﴿اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ ❼ الخ میں بعض کہتے ہیں مراد قرآن ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ''قرآن اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے اور اس کی سیدھی راہ ہے۔'' ❽ اور روایت میں ہے کہ ''کتاب اللہ تعالیٰ کی آسمان سے زمین کی طرف لٹکائی ہوئی رسی ہے۔'' ❾ اور حدیث میں ہے کہ ''یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے یہ ظاہر نور ہے یہ سراسر شفا دینے والا اور نفع بخش ہے اس پر عمل کرنے والے کیلئے یہ بچاؤ ہے اس کی تابعداری کرنے والے کے لئے یہ نجات ہے۔'' ❿ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان راستوں میں تو شیاطین چل پھر رہے ہیں تم رب کے راستے پر آ جاؤ تم اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط تھام لو وہ رسی قرآن کریم ہے ⓫ اختلاف نہ کرو پھوٹ نہ ڈالو جدائی نہ کرو، فرقت سے بچو۔ صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''تین باتوں سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور تین باتوں سے وہ ناخوش

---

❶ احمد، ۲/ ۱۹۲، بھذا اللفظ یہ روایت صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب وجوب الوفاء ببیعة الخلیفة، ۱۸٤٤ میں بھی مطول موجود ہے۔
❷ صحیح مسلم، کتاب الجنة باب الأمر بحسن الظن باللّٰہ تعالیٰ عند الموت، ۲۸۷۷؛ ابوداود، ۳۱۱۳؛ ابن ماجة، ٤١٦٧۔
❸ احمد، ۲/ ۳۹۱، وسندہ ضعیف۔
❹ صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللّٰہ تعالیٰ ﴿یریدون أن یبدلوا کلام اللّٰہ﴾، ۷۵۰۵؛ صحیح مسلم، ۲٦۷۵۔
❺ ترمذی، کتاب الجنائز باب الرجاء باللّٰہ......، ۹۸۳؛ ابن ماجة، ٤۲٦۱، وھو حسن۔
❻ نسائی، کتاب التطبیق، باب کیف یخر للسجود، ۱۰۸۵ وھو صحیح؛ احمد، ۳/ ٤۰۲۔
❼ ۳/ آل عمران: ۱۱۲۔ ❽ ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل القرآن، ۲۹۰٦، وسندہ ضعیف حارث الاعور راوی ضعیف ہے۔ ❾ الطبری، ۷۵۷۰؛ مسند ابی یعلیٰ، ۱۰۲۱؛ المعجم الصغیر للطبرانی ۲٦۷۸، وسندہ ضعیف۔
❿ دارمی، ۲/ ٤۳۱، وسندہ ضعیف۔
⓫ دارمی، ۲/ ٤۳۱، ح ۳۳۲۰۔

ہوتا ہے' ایک تو یہ کہ اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' دوسرے اللہ تعالیٰ کی رسی کو اتفاق سے پکڑو تفرقہ نہ ڈالو۔ تیسرے مسلمان بادشاہوں کی خیر خواہی کرو۔ فضول بکواس' زیادتی سوال اور بربادی مال یہ تینوں چیزیں رب کی ناراضگی کا سبب ہیں'' ❶ بہت سی روایتیں ایسی بھی ہیں جن میں ہے کہ ''اتفاق کے وقت وہ خطا سے بچ جائیں گے۔'' اور بہت سی احادیث میں نا اتفاقی سے ڈرایا بھی ہے۔ لیکن باوجود اسکے امت میں اختلاف افتراق پڑا ان کے تہتر فرقے ہو گے۔ جن میں سے ایک نجات پا کر جنتی ہو گا اور جہنم کے عذابوں سے بچ رہیگا' اور یہ وہ لوگ ہیں جو اس پر قائم ہوں جس پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم تھے۔

پھر اپنی نعمت یاد دلائی۔ جاہلیت کے زمانہ میں اوس وخزرج کے درمیان بڑی لڑائیاں اور سخت عداوت تھی آپس میں برابر جنگ جاری رہتی تھی جب دونوں قبیلے اسلام لائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بالکل ایک ہو گئے سب حسد' بغض جاتا رہا اور آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار اور اللہ تعالیٰ کے دین میں ایک دوسرے کے ساتھ متفق ہو گئے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ﴾ ❷ الخ ''وہ اللہ تعالیٰ جس نے تیری تائید کی اپنی مدد کے ساتھ اور مؤمنوں کے ساتھ اور ان کے دلوں میں الفت ڈال دی'' الخ۔ اپنا دوسرا احسان ذکر کرتا ہے کہ تم آگ کے کنارے پہنچ چکے تھے اور تمہارا کفر تم کو اس میں دھکیل دیتا لیکن ہم نے تمہیں اسلام کی توفیق عطا فرما کر تم کو اس سے بھی الگ کر لیا۔

حنین کی فتح کے بعد جب مال غنیمت تقسیم کرتے ہوئے مصلحت دینی کے مطابق حضور ﷺ نے بعض لوگوں کو زیادہ مال دیا تو کسی شخص نے کچھ ایسے ہی نا ملائم الفاظ زبان سے نکال دیئے جس پر حضور ﷺ نے جماعت انصار کو جمع کر کے ایک خطبہ پڑھا۔ اس میں یہ بھی فرمایا تھا کہ ''اے جماعت انصار! کیا تم گمراہ نہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تم کو ہدایت دی؟ کیا تم متفرق نہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی۔ کیا تم فقیر نہ تھے اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے غنی کر دیا؟'' ہر ہر سوال کے جواب میں یہ پاکباز جماعت اور اللہ کا گروہ کہتا جاتا تھا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے احسان اور بھی بہت سے ہیں اور بہت بڑے بڑے ہیں۔ ❸

محمد بن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اوس وخزرج جیسے صدیوں کے آپس کے دشمنوں کو یوں بھائی بھائی بنا ہوا دیکھا تو یہودیوں کی آنکھوں میں خار کھٹکنے لگا' انہوں نے آدمی مقرر کئے کہ وہ ان کی بیٹھک اور مجلس میں جایا کریں اور اگلی لڑائیاں اور پرانی عداوتیں انہیں یاد دلائیں تازہ کرائیں اس طرح انہیں بھڑکائیں۔

چنانچہ ان کا یہ داؤ ایک مرتبہ چل بھی گیا اور دونوں قبیلوں میں پرانی آگ بھڑک اٹھی یہاں تک کہ تلواریں کھچ گئیں' ٹھیک دو جماعتیں ہو گئیں اور وہی جاہلیت کے نعرے لگنے لگے ہتھیار بجنے لگے اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن گئے اور یہ ٹھہر گیا کہ حرہ کے میدان میں جا کر دل کھول کر لڑیں اور داد مردانگی دیں اور پیاسی زمین کو اپنے خون سے سیراب کریں لیکن حضور ﷺ کو پتہ چل گیا آپ ﷺ فوراً موقعہ پر تشریف لائے اور دونوں گرہوں کو ٹھنڈا کیا اور فرمانے لگے'' پھر جاہلیت کے نعرے تم لگانے لگے۔ میری=

❶ صحیح مسلم، کتاب الأقضية، باب النهی عن كثرة المسائل من غير حاجة، ۱۷۵۱۔ ❷ ۸/ الانفال: ۶۲، ۶۳۔

❸ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الطائف، ۴۳۳۰؛ صحیح مسلم، ۱۰۶۱۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۟ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾

ع ۸

ترجمہ: تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو بھلائی کی طرف بلاتی رہے اور نیک کاموں کا حکم کرتی رہے اور برے کاموں سے روکتی رہے۔ یہی لوگ فلاح ونجات پانے والے ہیں۔[۱۰۴] تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آ جانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا۔ انہی لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے۔[۱۰۵] جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض سیاہ۔ سیاہ چہرے والوں (سے کہا جائے گا) کہ تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیوں کیا؟ اب اپنے کفر کا عذاب چکھو۔[۱۰۶] اور سفید چہرے والے اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔[۱۰۷] اے نبی! ہم ان حقانی آیتوں کی تلاوت تجھ پر کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ لوگوں پر ظلم کرنے کا نہیں۔[۱۰۸] اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے' اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تمام کام لوٹائے جاتے ہیں۔[۱۰۹]

= موجودگی میں ہی تم نے پھر جنگ وجدال شروع کر دیا۔'' پھر آپ ﷺ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی' سب نادم ہوئے اور اپنی دو گھڑی پہلے کی حرکت پر افسوس کرنے لگے اور آپس میں نئے سرے سے معانقہ مصافحہ کیا اور پھر بھائیوں کی طرح گلے مل گئے ہتھیار ڈال دیئے اور صلح وصفائی ہو گئی۔ ❶ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقوں نے تہمت لگائی تھی اور آپ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل ہوئی تھی' تب ایک دوسرے کے مقابلہ میں تن گئے تھے' فَاللّٰهُ اَعْلَمُ. ❷

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے والی جماعت: [آیت:۱۰۴۔۱۰۹] حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس جماعت سے مراد خاص صحابہ رضی اللہ عنہم اور خاص راویان حدیث ہیں یعنی مجاہدین اور علما۔ ابو جعفر باقر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا ''خیر سے مراد قرآن وحدیث کی اتباع ہے۔'' ❸ یہ یاد رہے کہ ہر ہر متنفس پر تبلیغ حق فرض ہے لیکن تاہم ایک جماعت تو خاص اسی کام میں مشغول رہنی چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے اسے ہاتھ سے دفع کر دے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے اگر یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو اپنے دل سے اسے متغیر کرے یہ

❶ ابن اسحٰق نے اسے معضل اور علامہ الواحدی نے ''اسباب النزول'' ۲۳۳ میں منقطع روایت کیا ہے۔ یعنی یہ روایت دونوں سندوں سے ضعیف ہے۔

❷ یہ روایت مرسل یعنی ضعیف ہے۔ ❸ یہ روایت معضل یعنی ضعیف ہے۔

ضعیف ایمان ہے۔‘‘ ایک اور روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ ’’اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں‘‘ (صحیح مسلم)۔ ❶ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ’’اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم اچھائی کا حکم اور برائیوں سے مخالفت کرتے رہو ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا پھر گو تم دعائیں کرو لیکن قبول نہ ہوں گی۔‘‘ ❷ اس مضمون کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں جو کسی اور مقام پر ذکر کی جائیں گی' ان شاء اللہ تعالیٰ۔

دین میں اختلاف دخول جہنم کا سبب ہے: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اگلے لوگوں کی طرح افتراق و اختلاف نہ کرنا تم نیک باتوں کا حکم اور خلاف شرع باتوں سے روک تھام کو نہ چھوڑنا۔ مسند احمد میں ہے حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ حج کے لئے جب مکہ شریف میں آئے تو ظہر کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ’’اہل کتاب اپنے دین میں اختلاف کر کے بہتر گروہ بن گئے اور اس میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے یعنی خواہشات میں سب کے سب جہنمی ہیں مگر ایک اور بھی جماعت ہے اور میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جن کی رگ رگ میں اس طرح نفسانی خواہشات گھس جائیں گی جس طرح کتے کا کاٹا ہوا انسان جس کی ایک ایک رگ اور ایک ایک جوڑ میں اس کا اثر پہنچ جاتا ہے۔ اے عرب کے لوگو! اگر تم ہی اپنے نبی کی لائی ہوئی چیز پر قائم نہ رہو گے تو اور لوگ تو بہت دور ہو جائیں گے۔‘‘ ❸ اس حدیث کی بہت سی سندیں ہیں۔

قیامت کے دن جنتی اور جہنمی اپنے چہروں سے پہچانے جائیں گے: پھر فرمایا اس دن کچھ چہرے سفید ہوں گے اور سیاہ منہ بھی ہوں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ اہل سنت والجماعت کے منہ سفید نورانی ہوں گے اور اہل بدعت و منافقین کے کالے منہ ہوں گے۔ ❹ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کالے منہ والے منافق ہوں گے جن سے کہا جائے گا کہ تم نے ایمان کے بعد کفر کیوں کیا اب اس کا مزہ چکھو' ❺ اور سفید منہ والے رحمت ربانی میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے جب خارجیوں کے سر دمشق کی مسجد کے زینوں پر لٹکے ہوئے دیکھے تو فرمانے لگے یہ جہنم کے کتے ہیں ان سے بدتر مقتول روئے زمین پر کوئی نہیں انہیں قتل کرنے والے بہترین مجاہد ہیں' پھر آیت ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ﴾ تلاوت فرمائی۔ ابو غالب نے کہا کیا جناب نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے؟ فرمایا ایک دو دفعہ نہیں بلکہ سات مرتبہ' اگر ایسا نہ ہوتا تو میں اپنی زبان سے یہ الفاظ نکالتا ہی نہیں۔ ❻ ابن مردویہ نے یہاں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک لمبی حدیث نقل کی ہے جو بہت ہی عجیب ہے لیکن سنداً غریب ہے۔ دنیا و آخرت کی یہ باتیں ہم تم پر اے نبی! کھول رہے ہیں اللہ تعالیٰ عادل حاکم ہے وہ ظالم نہیں اور ہر چیز کو آپ خوب جانتا ہے اور ہر چیز پر قدرت بھی رکھتا ہے پھر نا ممکن ہے کہ وہ کسی پر ظلم کرے (کالے منہ جن کے ہوئے وہ اسی لائق تھے) زمین اور آسمان کی کل چیزیں اسی کی ملکیت میں ہیں اور اسی کی غلامی میں اور ہر کام کا آخری حکم اسی کی طرف سے ہے۔ متصرف اور بااختیار حاکم دنیا اور آخرت کا وہی ہے۔

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان کون النهی عن المنکر، ٤٩؛ ابوداود، ١١٤٠؛ ترمذی، ٢١٧٢؛ نسائی، ٥٠١٢؛ ابن ماجة، ١٢٧٥، عن أبي سعيد الخدري۔

❷ ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی الأمر بالمعروف...... ، ٢١٦٩؛ وهو حسن، احمد، ٥/ ٣٩١۔

❸ احمد، ٤/ ١٠٢؛ ابوداود، کتاب السنة، باب شرح السنة، ٤٥٩٧، وسنده حسن۔

❹ ابن ابی حاتم، ٢/ ٤٦٤۔ ❺ ابن ابی حاتم، ٢/ ٤٦٥۔ ❻ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة آل عمران ٣٠٠٠؛ ابن ماجة، المقدمة، باب فی ذکر الخوارج، ١٧٦، وسنده حسن۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم ۚ مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۱۱۰﴾ لَن يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى ۖ وَإِن يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنصَرُونَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۱۱۲﴾

ترجمہ: تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے ہی پیدا کی گئی ہے تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔ اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لئے بہتر تھا' ان میں ایمان والے بھی ہیں لیکن اکثر تو فاسق ہیں۔[۱۱۰] یہ لوگ تم کو ستانے کے سوا اور زیادہ کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ اگر لڑائی کا موقعہ آ جائے تو پیٹھ موڑ لیں گے۔ پھر مدد نہ کئے جائیں گے۔[۱۱۱] یہ ہر جگہ ہی ذلیل ہیں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یا لوگوں کی پناہ میں ہوں یہ غضب رب تعالیٰ کے مستحق ہو گئے اور ان پر فقیری ڈال دی گئی۔ یہ اس لئے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرتے تھے اور بے وجہ انبیاء کو قتل کرتے تھے۔ یہ بدلہ ہے ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا۔[۱۱۲]

امت محمد یہ تمام امتوں سے بہتر ہے: [آیت:۱۱۰-۱۱۲] اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ امت محمد یہ تمام امتوں سے بہتر ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں تم اوروں کے حق میں سب سے بہتر ہو تم لوگوں کی گردنیں پکڑ پکڑ کر اسلام کی طرف جھکاتے ہو۔ ❶ اور مفسرین بھی یہی فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تم تمام امتوں سے بہتر ہو اور سب سے زیادہ لوگوں کو نفع پہنچانے والے ہو۔ ابولہب کی بیٹی حضرت درہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک مرتبہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت منبر پر تھے کہ حضور! کونسا شخص بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سب لوگوں سے بہتر وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ قاری قرآن ہو' سب سے زیادہ پرہیزگار ہو' سب سے زیادہ اچھائیوں کا حکم کرنے والا سب سے زیادہ برائیوں سے روکنے والا' سب سے زیادہ رشتے ناتے ملانے والا ہو'' (مسند احمد)۔ ❷

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جنھوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ❸ صحیح بات یہ ہے کہ اس آیت میں ساری امت شامل ہے' ہاں بیشک یہ حدیث میں بھی ہے کہ ''سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر اس کے بعد اس سے ملا

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب سورة آل عمران ﴿كنتم خير أمة أخرجت للناس﴾، ٤٥٥٧۔

❷ احمد، ٦/ ٤٣١-٤٣٢ وسندہ ضعیف اس کی سند میں عبداللہ بن عمیرة مجہول (المیزان ٢/ ٤٦٩، رقم: ٤٤٩٠) اور شریک بن عبداللہ مختلط راوی ہے۔ (التقریب ١/ ٣٥، رقم: ٦٤)

❸ حاکم، ٢/ ٢٩٤، وسندہ صحیح۔

ہو از مانہ پھر اس کے بعد والا۔'' ❶ ایک اور روایت میں ہے ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ ❷ الخ ''ہم نے تم کو بہتر امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔'' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''تم نے اگلی امتوں کی تعداد کو ستر تک پہنچا دیا ہے' اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم ان سب سے بہتر اور زیادہ بزرگ ہو۔'' ❸ یہ مشہور حدیث ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن کہا ہے۔ اس امت کی افضلیت کی ایک بڑی دلیل اس امت کے نبی ﷺ کی افضلیت ہے۔ آپ ﷺ تمام مخلوق کے سردار تمام رسولوں سے زیادہ اکرام و عزت والے ہیں' آپ ﷺ کی شرع اتنی کامل اور اتنی پوری ہے کہ ایسی شریعت کسی نبی کی نہیں تو ظاہر بات ہے کہ ان فضائل کو سمیٹنے والی امت بھی امتوں میں سب سے اعلیٰ و افضل ہے۔ اس شریعت کا تھوڑا سا عمل بھی اور امتوں کے زیادہ عمل سے بہتر و افضل ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات: حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میں وہ وہ نعمتیں دیا گیا ہوں جو مجھ سے پہلے کوئی نہیں دیا گیا۔'' لوگوں نے پوچھا وہ کیا باتیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''میری مدد رعب سے کی گئی ہے' میں زمین کی کنجیاں دیا گیا ہوں' میرا نام احمد رکھا گیا ہے' میرے لئے مٹی پاک کی گئی ہے' میری امت سب امتوں سے بہتر بنائی گئی ہے (مسند احمد)۔ ❹ اس حدیث کی اسناد حسن ہے۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے ابو القاسم سے سنا آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں تمہارے بعد ایک امت کھڑی کرنے والا ہوں جو راحت پر حمد و شکر کریں گے اور مصیبت پر طلب ثواب اور صبر کریں گے حالانکہ انہیں حلم و علم نہ ہوگا۔ آپ ﷺ نے تعجب سے پوچھا کہ بغیر بردباری اور دور اندیشی اور پختہ علم کے یہ کیسے ممکن ہے؟ رب العالمین نے فرمایا میں انہیں اپنا حلم و علم عطا فرماؤں گا۔ ❺ میں چاہتا ہوں کہ یہاں پر بعض وہ حدیثیں بھی بیان کر دوں جن کا یہاں ذکر مناسب ہے۔ سنئے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''میری امت میں سے ستر ہزار شخص بغیر حساب کتاب کے جنت میں جائیں گے جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے' سب یک دل ہوں گے۔ میں نے اپنے رب سے گزارش کی کہ اے اللہ اس تعداد میں اور اضافہ فرما۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار اور بھی'' حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کر کے فرمایا کرتے تھے کہ پھر تو اس تعداد میں گاؤں اور دیہاتوں والے بلکہ بادیہ نشین بھی آ جائیں گے ❻ (مسند احمد) حضور ﷺ فرماتے ہیں ''مجھے میرے رب نے ستر ہزار آدمیوں کو میری امت میں سے بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری دی۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا حضور! کچھ اور زیادتی طلب کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو مجھے خوشخبری ملی کہ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے۔'' عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا حضور! اور برکت کی دعا کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''میں نے پھر کی تو ہر ہر شخص کے ساتھ ستر ستر ہزار کا وعدہ ہوا۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر گزارش کی کہ اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ اور کچھ بھی مانگتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''مانگا تو مجھے اتنی زیادتی اور ملی' پھر دونوں ہاتھ پھیلا کر بتلایا کہ اس طرح۔'' راوی حدیث کہتے ہیں

❶ صحيح بخاری، كتاب فضائل اصحاب النبی، باب فضائل اصحاب النبی ﷺ، ٣٦٠٥؛ صحيح مسلم، ٢٥٣٥۔

❷ ٢/ البقرة:١٤٣۔

❸ احمد، ٤/ ٤٤٧؛ ترمذی، كتاب تفسير القرآن، باب ومن سورة آل عمران، ٣٠٠١؛ وسنده حسن، ابن ماجة، ٤٢٨٨۔

❹ احمد، ١/ ٩٨۔ وسنده ضعيف ابن عقيل ضعيف۔

❺ احمد، ٦/ ٤٥٠۔ وسنده حسن وصححه الحاكم، ١/ ٣٤٨ ووافقه الذهبی وحسنه الحافظ ابن حجر۔

❻ احمد، ١/ ٦، وسنده ضعيف۔

اس طرح جب اللہ تعالیٰ سمیٹے تو اللہ ہی جانتا ہے کہ کس قدر مخلوق اس میں آئے گی فَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ. (مسند احمد) ❶

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ حمص میں بیمار ہو گئے عبداللہ بن قرط وہاں کے امیر تھے وہ عیادت کو نہ آ سکے ایک کلاعی شخص جب آپ کی بیمار پرسی کے لئے گیا تو آپ نے اس سے دریافت کیا کہ لکھنا جانتے ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا لکھو یہ خط ہے امیر عبداللہ بن قرط ثوبان کی طرف جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم ہیں' بعد حمد و صلوۃ کے واضح ہو کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوئی خادم یہاں ہوتا اور بیمار پڑتا تو تم عیادت کے لئے جاتے۔ پھر کہا یہ خط لے جاؤ اور امیر کو پہنچا دو۔ جب یہ خط امیر حمص کے پاس پہنچا تو گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور سیدھے یہاں تشریف لائے کچھ دیر بیٹھ کر عیادت کر کے جب جانے کا ارادہ کیا تو حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے ان کی چادر پکڑ کر روکا اور فرمایا کہ ایک حدیث سنتے جاؤ۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میری امت میں سے ستر ہزار شخص بغیر حساب و عذاب کے جنت میں جائیں گے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے'' (مسند احمد)۔ یہ حدیث بھی صحیح ہے۔ ❷

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک رات ہم خدمت نبوی میں دیر تک باتیں کرتے رہے پھر صبح جب حاضر خدمت ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''سنو آج رات انبیا علیہم السلام اپنی اپنی امت سمیت مجھے دکھائے گئے بعض انبیا کے ساتھ صرف تین شخص تھے بعض کے ساتھ مختصر سا گروہ بعض کے ساتھ ایک جماعت کسی کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا جب موسیٰ علیہ السلام آئے تو ان کے ساتھ بہت سے لوگ تھے مجھے یہ جماعت پسند آئی۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ تو جواب ملا کہ یہ آپ کے بھائی موسیٰ علیہ السلام ہیں اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل ہیں۔ میں نے کہا پھر میری امت کہاں ہے؟ جواب ملا اپنی داہنی طرف دیکھو۔ اب جو دیکھتا ہوں تو بے شمار مجمع ہے جس سے پہاڑیاں بھی ڈھک گئی ہیں' اب مجھ سے پوچھا گیا کہو خوش ہو۔ میں نے کہا میرے رب! میں راضی ہو گیا۔ فرمایا گیا سنو! ان کے ساتھ ستر ہزار اور ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ فدا ہوں) اگر ہو سکے تو ان ستر ہزار میں سے ہی ہونا اگر یہ نہ ہو سکے تو ان میں سے ہونا جو پہاڑیوں کو چھپائے ہوئے تھے اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ان میں سے ہونا جو آسمان کے کناروں کناروں پر تھے۔'' حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا حضور! میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان ستر ہزار میں سے کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تو ایک دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ نے بھی اٹھ کر یہی گزارش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم پر (حضرت) عکاشہ سبقت کر گئے۔''

اللہ پر توکل کرنے والے اور دم جھاڑ نہ کروانے والے بغیر حساب و کتاب جنت میں جائیں گے: اب ہم آپس میں کہنے لگے کہ شاید یہ ستر ہزار وہ لوگ ہوں گے جو اسلام پر ہی پیدا ہوئے ہوں اور پوری عمر میں کبھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا ہی نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ معلوم ہوا تو فرمایا ''یہ وہ لوگ ہیں جو دم جھاڑ نہیں کراتے' آگ کے داغ نہیں لگواتے' شگون نہیں لیتے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں'' (مسند احمد)۔ ❸ ایک اور سند سے اتنی زیادتی اس میں اور بھی ہے کہ ''جب میں نے اپنی رضامندی ظاہر کی تو مجھ سے کہا گیا اب اپنی

---

❶ احمد، ۱/ ۱۹۷۔ وسندہ ضعیف، الطبرانی فی الکبیر، ۲/ ۹۲، ح۱۴۱۳ مختصراً وسندہ ضعیف۔ اس کی سند میں قاسم بن مہران اور موسیٰ بن عبید مجہول راوی ہیں دیکھئے (مجمع الزوائد، ۱۰/ ۴۱۳)

❷ احمد، ۵/ ۲۸۰، وسندہ ضعیف۔

❸ احمد، ۱/ ۴۰۱، ۴۲۰ بسندین ضعیفین۔

بائیں جانب دیکھو۔ میں نے دیکھا تو بے شمار مجمع ہے جس نے آسمان کے کناروں کو بھی ڈھک لیا ہے۔" ❶ ایک اور روایت میں ہے کہ موسم حج کا یہ واقعہ ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں "مجھے اپنی امت کی یہ کثرت بہت پسند آئی تمام پہاڑیاں اور میدان ان سے پر تھے" (مسند احمد)۔ ❷ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کے بعد کھڑے ہونے والے ایک انصاری رضی اللہ عنہ تھے (طبرانی)۔ ❸ ایک اور روایت میں ہے کہ "میری امت میں سے ستر ہزار یا سات لاکھ آدمی جنت میں جائیں گے جو ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ہوئے ہوں گے سب ایک ساتھ جنت میں جائیں گے چمکتے ہوئے چودھویں رات کے چاند جیسے ان کے چہرے ہوں گے" (بخاری، مسلم، طبرانی)۔ ❹

حصین بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے پاس تھا تو آپ نے دریافت کیا رات کو جو ستارہ ٹوٹا تھا تم میں سے کسی نے دیکھا تھا میں نے کہا ہاں حضرت میں نے دیکھا تھا یہ نہ سمجھئے گا کہ میں نماز میں تھا' نہیں بلکہ مجھے بچھو نے کاٹ کھایا تھا۔ حضرت سعید رحمہ اللہ نے پوچھا پھر تم نے کیا کیا؟ میں نے کہا دم کر دیا تھا کہا کیوں؟ میں نے کہا حضرت شعبی رحمہ اللہ نے بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ کی روایت سے حدیث بیان کی ہے کہ "نظر بد اور زہریلے جانوروں کا دم جھاڑا کرنا جائز ہے۔" کہنے لگے خیر جسے جو پہنچے اس پر عمل کرے ہمیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سنایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مجھ پر امتیں پیش کی گئیں کسی نبی کے ساتھ ایک جماعت تھی کسی کے ساتھ ایک شخص اور دو شخص اور کسی نبی کے ساتھ کوئی نہ تھا اب جو دیکھا کہ ایک بڑی جماعت پر نظر پڑی میں سمجھا یہ تو میری امت ہوگی پھر معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی امت ہے مجھ سے کہا گیا آسمان کے کناروں کی طرف دیکھو۔ میں نے دیکھا تو وہاں بیشمار لوگ تھے مجھ سے کہا گیا کہ یہ آپ ﷺ کی امت ہے اور ان کے ساتھ ستر ہزار اور ہیں جو بے حساب اور بے عذاب جنت میں جائیں گے۔" یہ حدیث بیان فرما کر حضور ﷺ تو مکان پر چلے گئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم آپس میں کہنے لگے شاید یہ حضور ﷺ کے صحابی ہوں گے۔ کسی نے کہا نہیں اسلام میں پیدا ہونے والے اور اسلام پر ہی مرنے والے ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔ آپ ﷺ تشریف لائے اور پوچھا "کیا باتیں کر رہے ہو؟" ہم نے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں یہ وہ لوگ ہیں جو نہ دم جھاڑا کریں نہ کرائیں نہ داغ لگوائیں نہ شگون لیں بلکہ اپنے رب پر بھروسہ رکھیں۔" حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی درخواست کی' آپ ﷺ نے دعا کی "کہ یا اللہ! تو اسے ان میں سے کر لے۔" پھر دوسرے شخص نے بھی یہی کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "عکاشہ آگے بڑھ گئے۔" یہ حدیث بخاری میں ہے لیکن اس میں دم جھاڑا کرنے کا لفظ نہیں' صحیح مسلم میں یہ لفظ بھی ہے۔ ❺

ایک اور مطول حدیث میں ہے کہ "پہلی جماعت تو نجات پائیگی ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے ان سے حساب بھی نہ لیا جائے گا پھر ان کے بعد والے سب سے زیادہ روشن ستارے جیسے چمکدار چہرے والے ہوں گے" (مسلم)۔ ❻ آپ ﷺ فرماتے ہیں "مجھ سے میرے رب کا وعدہ ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار شخص بغیر حساب وعذاب کے داخل بہشت ہوں گے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے اور تین لپیں اور میرے رب عزوجل کی لپوں سے" (کتاب السنن

---

❶ احمد، ۱/ ۴۲۰، وسندہ ضعیف۔ ❷ احمد، ۱/ ۴۵۴، وسندہ حسن۔

❸ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب البرود والحبر والشملة، ۵۸۱۱؛ صحیح مسلم، ۲۱۶۔

❹ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب یدخل الجنة سبعون الفا بغیر حساب ۶۵۴۳؛ صحیح مسلم، ۵۲۶۔

❺ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب یدخل الجنة سبعون الفا بغیر حساب، ۶۵۴۱؛ صحیح مسلم، ۲۲۰۔

❻ صحیح مسلم کتاب الإیمان باب أدنی اهل الجنة منزلة، ۱۹۱۔

لحافظ ابی بکر بن عاصم)۔ ❶ اس کی اسناد بہت عمدہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ سے ستر ہزار کی تعداد سن کر یزید بن اخنس رضی اللہ عنہ نے کہا حضور! یہ تو آپ ﷺ کی امت کی تعداد کے مقابلہ میں بہت ہی تھوڑے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا ''ہر ہزار کے ساتھ ہزار اور ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے تین لپیں بھر کر اور بھی عطا فرمائے ہیں۔'' ❷ اس کی اسناد بھی حسن ہیں (کتاب السنن لابن کثیر)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ''میرے رب نے جو عزت اور جلال والا ہے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار کو بلا حساب جنت میں لے جائیگا پھر ایک ایک ہزار کی شفاعت سے ستر ستر ہزار آدمی اور جائیں گے پھر میرا رب اپنے دونوں ہاتھوں سے تین لپیں بھر کر اور ڈالے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر خوش ہو کر اللہ اکبر کہا اور فرمایا ان کی شفاعت ان کے باپ دادوں اور بیٹوں بیٹیوں اور خاندان وقبیلہ میں ہوگی اللہ کرے میں تو ان میں سے ہو جاؤں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی لپوں میں بھر کر آخر میں جنت میں لے جائیگا۔ (طبرانی) ❸ اس حدیث کی سند میں بھی کوئی علت نہیں، وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ کدید میں حضور ﷺ نے ایک حدیث فرمائی جس میں یہ بھی فرمایا ''یہ ستر ہزار جو بلا حساب جنت میں داخل کئے جائیں گے میرا خیال ہے کہ ان کے آتے آتے تو تم اپنے لئے اور اپنے بال بچوں اور بیویوں کے لئے جنت میں جگہ مقرر کر چکے ہوگے'' (مسند احمد) ❹ اس کی سند بھی شرط مسلم پر ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ میری امت میں سے چار لاکھ آدمی جنت میں جائیں گے۔'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا حضور! کچھ اور زیادہ کیجئے۔ اسے سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابوبکر بس کرو۔ صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کیوں صاحب اگر ہم سب کے سب جنت میں چلے جائیں تو آپ کو کیا نقصان ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ایک ہی ہاتھ میں ساری مخلوق کو جنت میں ڈال دے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''عمر سچ کہتے ہیں'' (مسند عبدالرزاق)۔ ❺ اسی حدیث کا اور سند سے بھی بیان ہے اس میں تعداد ایک لاکھ آئی ہے (اصبہانی)۔ ❻

ایک اور روایت میں ہے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے ستر ہزار اور پھر ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار پھر اللہ کا لپ بھر کر جنتی بنانا سنا تو کہنے لگے پھر تو اس کی بدقسمتی میں کیا شک رہ گیا جو باوجود اس کے بھی جہنم میں جائے (ابویعلی)۔ ❼ اوپر والی حدیث ایک اور سند سے بھی بیان ہوئی ہے اس میں تعداد تین لاکھ کی ہے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول اور حضور ﷺ کی تصدیق کا بیان ہے (طبرانی) ❽ ایک اور حدیث میں جنت میں جانے والوں کا ذکر کر کے حضور ﷺ نے فرمایا ''میری امت کے سارے مہاجر تو اس میں آ ہی جائیں گے پھر باقی تعداد اعرابیوں سے پوری ہوگی'' (محمد بن سہل)۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضور ﷺ کے سامنے حساب کیا گیا تو جملہ

---

❶ "کتاب السنة" لابن ابی عاصم ٥٨٩؛ ترمذی، کتاب صفة القیامة، باب منه دخول سبعین الف...... ، ٢٤٣٧؛ وهو حسن، ابن ماجة، ٤٢٨٦۔ ❷ احمد ٥/ ٢٥٠، وسنده حسن، کتاب السنة لابن ابی عاصم ٥٨٨۔

❸ طبرانی، ٢٢/ ٣٠٤، ٣٠٥ ح٧٧١، وسنده حسن، من حدیث ابی سعد الانصاری وسنده حسن۔

❹ احمد، ٤/ ١٦؛ ابن ماجة، کتاب الزهد، باب صفة أمة محمد...... ٤٢٨٥ من وجه آخر وهو صحیح۔

❺ مصنف عبدالرزاق، ٢٠٥٥٦؛ احمد، ٣/ ١٦٥؛ وسنده ضعیف، السنة لابن ابی عاصم، ٥٩٠۔

❻ احمد، ٣/ ١٩٣ اس کی سند میں ابو ہلال، محمد بن سلیم بصری لین ہے (المیزان ٣/ ٥٧٤، رقم: ٧٦٤٥) وسنده ضعیف۔

❼ مسند ابی یعلیٰ، ٣٧٨٣، وسنده ضعیف۔

❽ طبرانی، ١٧/ ٦٤ وسنده ضعیف اس کی سند میں ابوبکر بن عمیر مجہول ہے۔

تعداد چار کروڑ نوے ہزار ہوئی۔ ❶ ایک اور حسن حدیث طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”قسم ہے اس ذات کی کہ جان محمد ﷺ کی اس کے ہاتھ میں ہے تم ایک اندھیری رات کی طرح بے شمار ایک ساتھ جنت کی طرف بڑھو گے زمین تم سے پر ہو جائیگی فرشتے پکار اٹھیں گے کہ محمد ﷺ کے ساتھ جو جماعت آئی وہ تمام نبیوں کی جماعت سے بہت زیادہ ہے۔“ ❷ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا ”صرف میری تابعدار امت اہل جنت کی چوتھائی ہوگی۔“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے خوش ہو کر نعرہ تکبیر بلند کیا پھر فرمایا ”کہ مجھے تو امید ہے کہ تم اہل جنت کا تیسرا حصہ ہو جاؤ۔“ ہم نے پھر تکبیر کہی پھر فرمایا ”میں امید کرتا ہوں کہ تم آدھوں آدھ ہو جاؤ“ (مسند احمد)۔ ❸ اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا ”کیا تم راضی نہیں ہو کہ تم تمام جنتیوں کے چوتھائی ہو۔“ ہم نے خوش ہو کر اللہ کی بڑائی بیان کی۔ پھر فرمایا کہ ”کیا تم راضی نہیں ہو کہ تم اہل جنت کی تہائی ہو۔“ ہم نے پھر تکبیر کہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”مجھے تو امید ہے کہ تم جنتیوں کے آدھوں آدھ ہو جاؤ گے“ (بخاری و مسلم)۔ ❹ طبرانی میں یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”کیا کہتے ہو تم جنتیوں کا چوتھا حصہ بننا چاہتے ہو کہ چوتھائی جنت تمہارے پاس ہو اور تین اور چوتھائیوں میں تمام اور امتیں ہوں؟“ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”اچھا تہائی حصہ ہو تو۔“ ہم نے کہا یہ بہت ہے۔ فرمایا کہو ”اگر آدھوں آدھ ہو تو۔“ انہوں نے کہا حضور! پھر تو بہت ہی زیادہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو! ”کل اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہیں جن میں سے اسی صفیں صرف اس میری امت کی ہیں۔“ مسند احمد میں بھی ہے کہ ”اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہیں ان میں اسی صفیں صرف اس امت کی ہیں۔“ ❺ یہ حدیث طبرانی ترمذی وغیرہ میں بھی ہے۔ ❻

طبرانی کی ایک اور روایت میں ہے کہ جب آیت ﴿ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝﴾ ❼ اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تم اہل جنت کی چوتھائی ہو“ پھر فرمایا ”بلکہ ثلث ہو“ پھر فرمایا ”بلکہ نصف ہو“ پھر فرمایا ”دو تہائی ہو“ ❽ (اے وسیع رحمتوں والے اور بے روک نعمتوں والے اللہ تعالیٰ! ہم تیرا بے انتہا شکر ادا کرتے ہیں کہ تو نے ہمیں ایسے معزز و محترم رسول ﷺ کی امت میں پیدا کیا تیرے سچے رسول ﷺ کی سچی زبان سے تیرے اس بڑھے چڑھے فضل و کرم کا حال سن کر ہم گنہگاروں کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اے ماں باپ سے زیادہ مہربان اللہ تعالیٰ! ہماری آس نہ توڑ اور ہمیں بھی ان نیک ہستیوں کے ساتھ جنت میں داخل فرما، باری تعالیٰ تیری رحمت کی ان گنت اور بے شمار بوندوں سے اگر ایک قطرہ بھی ہم گنہگاروں پر برس جائے تو ہمارے گناہوں کو دھو ڈالنے اور ہمیں تیری رحمت و رضوان کے لائق بنانے کیلئے کافی ہے، اے اللہ اس پاک ذکر کے موقعہ پر ہم ہاتھ اٹھا کر دامن پھیلا کر

---

❶ المعجم الاوسط للطبرانی ٤٠٦ "الکبیر" ٢٢/ ٣٠٤، ٣٠٥، وسندہ حسن اور مسند احمد، ٢/ ٣٥٩ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کا شاہد موجود ہے۔ ❷ طبرانی، ٣٤٥٥ وسندہ ضعیف؛ مجمع الزوائد، ١٠/ ٤٠٤۔

❸ احمد، ٣/ ٣٨٣ وسندہ صحیح؛ مجمع الزوائد، ١٠/ ٤٠٥؛ کشف الاستار ٣٥٣٣۔

❹ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب الحشر، ٦٥٢٧؛ صحیح مسلم، ٢٢١۔

❺ احمد، ١/ ٤٥٣ وھو حدیث حسن؛ مسند ابی یعلیٰ، ٥٣٥٨؛ طبرانی، ١٠٣٥٠؛ ابن ابی شیبه، ١١/ ٤٧١؛ شرح مشکل الآثار ١/ ١٥٦۔ ❻ احمد، ٥/ ٣٥٥؛ ترمذی، کتاب صفة الجنة باب ماجاء فی کم صف اهل الجنة: ٢٥٤٦ وھو حسن؛ ابن ماجه، ٤٢٨٩۔ ❼ ٥٦/ الواقعة: ٣٩۔ ٤٠۔

❽ الطبرانی، مسند احمد، ٢/ ٣٩١ باختلاف يسير وسندہ ضعيف۔

آنسو بہا کر امیدوں بھرے دل سے تیری رحمت کا سہارا لے کر تیرے کرم کا دامن تھام کر تجھ سے بھیک مانگتے ہیں تو قبول فرما اور اپنی رحمت سے ہمیں بھی اپنی رضامندی کا گھر جنت الفردوس عطا فرما' آمین الٰہ الحق آمین)۔

جنت میں سب سے پہلے امت محمدیہ کا داخلہ ہوگا: صحیح بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''ہم دنیا میں سب سے آخر آئے اور جنت میں سب سے پہلے جائیں گے اور ان کو کتاب اللہ پہلے ملی ہمیں بعد میں ملی جن باتوں میں انہوں نے اختلاف کیا ان میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں صحیح طریق کی توفیق دی' جمعہ کا دن بھی ایسا ہی ہے کہ یہود ہمارے پیچھے ہیں ہفتہ کے دن اور نصرانی ان کے بھی پیچھے اتوار کے دن۔'' ❶ دارقطنی میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب تک میں جنت میں داخل نہ ہو جاؤں انبیا علیہم السلام پر دخول جنت حرام ہے اور جب تک میری امت نہ داخل ہو دوسری امتوں پر دخول جنت حرام ہے۔'' ❷ یہ تھیں وہ حدیثیں جنہیں ہم اس آیت کے تحت میں وارد کرنا چاہتے تھے فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ امت کو بھی چاہئے کہ یہاں اس آیت میں جتنی صفتیں ہیں ان پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور ایمان باللہ۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے حج میں اس آیت کی تلاوت فرما کر لوگوں سے کہا کہ اگر تم اس آیت کی تعریف میں داخل ہونا چاہتے ہو تو یہ اوصاف بھی اپنے میں پیدا کرو امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اہل کتاب ان کاموں کو چھوڑ بیٹھے تھے' جن کی مذمت کلام اللہ نے کی' فرمایا ﴿كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ﴾ ❸ ''وہ لوگ برائی کی باتوں سے لوگوں کو روکتے نہ تھے۔'' چونکہ مندرجہ بالا آیت میں ایمانداروں کی تعریف و توصیف بیان ہوئی تو اس کے بعد اہل کتاب کی مذمت بیان ہو رہی ہے تو فرمایا کہ اگر یہ لوگ بھی میرے نبی آخر الزمان ہونے پر ایمان لاتے تو انہیں بھی یہ فضیلتیں ملتیں لیکن ان میں کے اکثر تو کفر و فسق و عصیان پر جمے ہوئے ہیں ہاں کچھ لوگ باایمان بھی ہیں۔

ایمان والے ہمیشہ غالب رہیں گے: پھر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بشارت دیتا ہے کہ تم نہ گھبرانا اللہ تم کو تمہارے مخالفین پر غالب رکھے گا۔ چنانچہ خیبر والے دن اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل کیا اور ان سے پہلے بنو قینقاع' بنو نضیر' بنو قریظہ کو بھی اللہ نے ذلیل و پست کیا۔ اسی طرح شام کے نصرانی' صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقت میں مغلوب ہوئے اور ملک شام ان کے ہاتھوں سے مکمل طور پر نکل گیا اور ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا اور وہاں ایک حق والی جماعت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے تک حق پر قائم رہے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آ کر ملت اسلام پر اور شریعت محمدیہ کے مطابق حکم کریں گے صلیب توڑیں گے خنزیر کو قتل کریں گے جزیہ قبول نہ کریں گے صرف اسلام ہی قبول فرمائیں گے۔ پھر فرمایا کہ ان کے اوپر ذلت اور پستی ڈال دی گئی کہیں بھی امن و امان اور عزت نہیں ہاں اللہ کی پناہ کے ساتھ یعنی جب جزیہ دینا اور مسلم بادشاہ کی اطاعت کرنا قبول کر لیں اور لوگوں کو پناہ یعنی عقد ذمہ مقرر ہو جائے یا کوئی مسلمان امن دیدے اگرچہ کوئی عورت ہو بلکہ اگرچہ کوئی غلام ہو علما کا ایک قول یہ بھی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حبل سے مراد عہد ہے۔ جو غضب کے مستحق ہو گئے۔ مسکینی چپکا دی گئی یہ ان کا کفر' ان کا قتل انبیا علیہم السلام ان کا تکبر' حسد' سرکشی وغیرہ کا بدلہ ہے۔ اسی باعث ان پر ذلت پستی اور مسکینی ہمیشہ کے لئے ڈال دی گئی۔ ان کی نافرمانیوں اور تجاوز حق کا یہ بدلہ ہے' العیاذ باللہ۔ ابوداؤد طیالسی میں حدیث ہے کہ بنی اسرائیل ایک ایک دن میں تین تین سو نبیوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور دن کے آخری حصہ میں اپنے اپنے کاموں پر بازاروں میں لگ جاتے تھے۔ ❹

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب فرض الجمعة، ۸۷۶؛ صحیح مسلم، ۸۵۵۔

❷ ابن عدی، ۴/ ۱۴۴۸، وسندہ ضعیف۔ ❸ ۵/ المآئدۃ: ۷۹۔

❹ ابن ابی حاتم، وسندہ ضعیف، ابراہیم نخعی مدلس ہیں اور باقی سند صحیح ہے۔

لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿113﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿114﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿115﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِىَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔـا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿116﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ ھٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْھَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَھُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿117﴾

ترجمہ: یہ سارے کے سارے برابر نہیں بلکہ ان اہل کتاب میں ایک جماعت (حق پر) قائم رہنے والی بھی ہے جو راتوں کے وقت بھی کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدے بھی کرتے ہیں۔[۱۱۳] اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان بھی رکھتے ہیں بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں یہ نیک بخت لوگ ہیں۔[۱۱۴] جو کچھ بھی بھلائیاں کریں ان کی ناقدری نہ کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔[۱۱۵] کافروں کو ان کے مال اور ان کی اولادیں رب کے ہاں کچھ کام نہیں آئیں گی۔ یہ تو جہنمی ہیں جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے۔[۱۱۶] یہ کفار جو خرچ اخراجات کریں اس کی مثال یہ ہے کہ ایک تند ہوا چلی جس میں پالا تھا جو ظالموں کی کھیتی پر پڑا اور اسے تہس نہس کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔[۱۱۷]

ایمان کے بغیر کوئی عمل فائدہ بخش نہ ہوگا: [آیت:۱۱۳۔۱۱۷] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اہل کتاب اور اصحاب محمد برابر نہیں۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز میں ایک مرتبہ دیر لگا دی۔ پھر جب آئے تو جو اصحاب منتظر تھے ان سے فرمایا ”کسی دین والا اس وقت ذکر اللہ نہیں کر رہا صرف تم ہی ذکر اللہ میں ہو“۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ❶ لیکن اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اہل کتاب کے علما مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت اسد بن عبید، حضرت ثعلبہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کے بارے میں یہ آیت اتری کہ یہ لوگ ان اہل کتاب میں شامل نہیں جن کی مذمت پہلے گزری، بلکہ یہ باایمان جماعت امر اللہ پر قائم ہے شریعت محمدیہ کی تابع ہے، استقامت و یقین اس میں ہے۔

یہ پاکباز لوگ راتوں کے وقت تہجد کی نماز میں کلام اللہ کی تلاوت کرتے رہتے ہیں، اللہ پر، قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور لوگوں کو بھی ان ہی باتوں کا حکم کرتے ہیں، ان کے خلاف سے روکتے ہیں نیک کاموں میں پیش پیش رہا کرتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ انہیں خطاب عطا فرماتا ہے کہ یہ صالح لوگ ہیں۔ اس سورت کے آخر میں فرمایا ﴿وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ﴾ ❷ =

❶ احمد، ۱/۳۹۶؛ وسنده حسن، مسند ابی یعلیٰ، ۵۳۰۶، اس کو ابن حبان، ۱۵۳۰ نے صحیح قرار دیا ہے۔ ❷ ۳/ آل عمران:۱۹۹۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١١٨﴾ ھٰٓاَنْتُمْ اُولَاۗءِ تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ڱ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿١١٩﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِھَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿١٢٠﴾ۧ

ترجمہ: اے ایمان والو تم اپنا دلی دوست ایمان والوں کے سوا اور کسی کو نہ بناؤ (تم نہیں دیکھتے کہ دوسرے لوگ تو) تمہاری تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے وہ تو چاہتے ہی ہیں کہ تم دکھ میں پڑو ان کی عداوت تو خود انکی زبان سے بھی ظاہر ہو چکی ہے۔ اور جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ ہم نے تمہارے لئے آیات بیان کر دیں اگر عقلمند ہو (تو غور کرو)۔ [١١٨] ہاں تم تو انہیں چاہتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے۔ تم پوری کتاب کو مانتے ہو (وہ نہیں مانتے پھر محبت کیسی؟) یہ تمہارے سامنے تو اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن تنہائی میں مارے غصہ کے انگلیاں چباتے رہتے ہیں۔ کہہ دو کہ اپنے غصہ ہی میں مر جاؤ۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں کو بخوبی جانتا ہے۔ [١١٩] تم کو اگر بھلائی ملے تو یہ ناخوش ہوتے ہیں ہاں اگر برائی پہنچے تو خوش ہوتے ہیں۔ تم اگر صبر اور پرہیزگاری کرو تو ان کا مکر تم کو نقصان نہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمالوں کا احاطہ کر رکھا ہے۔ [١٢٠]

== الخ ”بعض اہل کتاب اللہ تعالیٰ پر اس قرآن پر اور توراۃ و انجیل پر بھی ایمان رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں“ الخ۔ یہاں بھی فرمایا کہ ”ان کے یہ نیک اعمال ضائع نہ ہوں گے بلکہ پورا بدلہ ملے گا“

تمام پرہیزگار لوگ اللہ کی نظروں میں ہیں وہ کسی کے اچھے عمل کو برباد نہیں کرتا۔ ہاں ان بے دین لوگوں کو اللہ کے ہاں نہ مال نفع دے نہ اولاد یہ تو جہنمی ہیں۔ صر کے معنی سخت سردی کے ہیں جو کھیتوں کو جلا دیتی ہے۔ غرض جس طرح کسی کی تیار کھیتی پر پالا پڑے اور وہ جل کر خاکستر ہو جائے' نفع چھوڑ اصل بھی غارت ہو جائے اور امیدوں پر پانی پھر جائے اسی طرح یہ کفار ہیں۔ جو کچھ یہ خرچ کرتے ہیں' اس کا نیک بدلہ تو کہاں بلکہ اور عذاب ہوگا۔ یہ کچھ اللہ کی طرف سے ظلم نہیں بلکہ یہ ان کی بداعمالیوں کی سزا ہے۔

کافر مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے: [آیت:١١٨۔١٢٠] اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو کافروں اور منافقوں کی دوستی اور ہمرازی سے روکتا ہے کہ یہ تو تمہارے دشمن ہیں ان کی چکنی چپڑی باتوں میں بہل نہ جانا اور ان کے مکر کے پھندے میں پھنس نہ جانا ورنہ موقعہ پا کر یہ تم کو سخت ضرر پہنچائیں گے اور اپنی باطنی عداوت نکالیں گے تم انہیں اپنا راز دار ہرگز نہ سمجھنا راز کی باتیں ان کے کانوں تک ہرگز نہ پہنچانا ﴿بِطَانَةً﴾ کہتے ہیں انسان کے راز دار دوست کو اور ﴿مِنْ دُوْنِكُمْ﴾ سے مراد اہل اسلام کے سوا تمام فرقے ہیں۔ بخاری وغیرہ

میں حدیث ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں ''جس نبی کو اللہ نے مبعوث فرمایا اور جس خلیفہ کو مقرر کیا اس کیلئے دو بطانہ مقرر کئے ایک تو بھلائی کی بات سمجھانے والا اور اس پر رغبت دینے والا دوسرا برائی کی رہبری کرنے والا اور اس پر آمادہ کرنے والا بس پھر اللہ جسے بچائے وہی بچ سکتا ہے۔'' ❶ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ یہاں پر حیرہ کا ایک شخص بڑا اچھا لکھنے والا اور بہت اچھے حافظہ والا ہے آپ اسے اپنا محرر اور منشی مقرر کر لیں۔ آپ نے فرمایا پھر تو میں غیر مؤمن کو بطانہ بنالوں گا جو اللہ نے منع کیا ہے۔ ❷ اس واقعہ کو اور اس آیت کو سامنے رکھ کر ذہن اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ذمی کفار کو بھی ایسے کاموں میں نہ لگانا چاہئے ایسا نہ ہو کہ وہ مخالفین کو مسلمانوں کے پوشیدہ ارادوں سے واقف کر دے اور ان کے دشمنوں کو ان سے ہوشیار کر دے کیونکہ انکی تو چاہت ہی مسلمانوں کو نیچا دکھانے کی ہوتی ہے۔

ازہر بن راشد کہتے ہیں کہ لوگ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیثیں سنتے تھے اگر کسی حدیث کا مطلب سمجھ میں نہ آتا تو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے جا کر مطلب حل کر لیتے تھے۔ ایک دن حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ مشرکوں کی آگ سے روشنی طلب نہ کرو اور اپنی انگوٹھی میں عربی نقش نہ کرو۔ انہوں نے آ کر خواجہ صاحب سے اس کی تشریح دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ پچھلے جملہ کا تو یہ مطلب ہے کہ انگوٹھی پر محمد ﷺ نہ کھدواؤ اور پہلے جملہ کا یہ مطلب ہے کہ مشرکوں سے اپنے کاموں میں مشورہ نہ لو۔ دیکھو کتاب اللہ میں بھی ہے کہ ایمان دار و اپنے اپنے سوا دوسروں کو ہمراز نہ بناؤ (ابویعلی) ❸ لیکن خواجہ صاحب کی یہ تشریح قابل غور ہے۔ حدیث کا ٹھیک مطلب غالباً یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ عربی خط میں اپنی انگوٹھیوں پر نقش نہ کراؤ۔ چنانچہ اور حدیث میں صاف ممانعت موجود ہے ❹ یہ اس لئے تھا کہ حضور ﷺ کی مہر کے ساتھ مشابہت نہ ہو اور اول جملے کا مطلب یہ ہے کہ مشرکوں کی بستی کے پاس نہ رہو ان کے پڑوس سے دور رہو ان کے شہروں سے ہجرت کر جاؤ جیسے ابوداؤد میں ہے کہ ''مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان کی لڑائی کی آگ کو کیا تم نہیں دیکھتے۔'' ❺ اور حدیث میں ہے کہ ''جو مشرکوں سے میل جول کرے یا ان کے ساتھ رہے بس وہ بھی انہی جیسا ہے۔'' ❻

پھر فرمایا ان کی باتوں سے بھی ان کی عداوت ٹپک رہی ہے ان کے چہروں سے بھی قیافہ شناس ان کی باطنی خباثتوں کو معلوم کر سکتا ہے پھر جو ان کے دلوں میں تباہ کن شرارتیں ہیں وہ تو تم سے مخفی ہیں لیکن ہم نے تو صاف صاف بیان کر دیا ہے عاقل لوگ ایسے مکاروں کی مکاری میں نہیں آتے۔ پھر فرمایا دیکھو کتنی کمزوری کی بات ہے کہ تم ان سے محبت رکھو اور وہ تم کو نہ چاہیں' تمہارا ایمان کل کتاب پر ہو اور یہ شک شبہ میں ہی پڑے ہوئے ہیں' ان کی کتاب کو تم مانو لیکن یہ تمہاری کتاب کا انکار کریں' تو چاہئے یہ تھا کہ تم خود =

---

❶ صحیح بخاری، کتاب القدر، باب المعصوم من عصمة الله، ٦٦١١؛ نسائی، ٤٢٠٧۔

❷ ابن أبی حاتم، ٢/ ٥٠٠۔

❸ نسائی، کتاب الزینة، باب قول النبی لا تنقشوا......، ٥٢١٢، وسنده ضعیف بدون قصة؛ السنن الکبریٰ ٩٥٣٥۔

❹ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب قول النبی ((لا ینقش علی نقش خاتمه)) ٥٨٧٧؛ صحیح مسلم، ٢٠٩٢۔

❺ ابوداود، کتاب الجهاد، باب النهی عن قتل من اعتصم بالسجود، ٢٦٤٥ وسنده ضعیف، ابو معاویه الضریر مدلس راوی ہے اور سماع کی صراحت نہیں۔ نسائی، ٤٧٨٤؛ ترمذی، ١٦٠٤۔

❻ ابوداود، کتاب الجهاد، باب فی الاقامة بأرض الشرك، ٢٧٨٧، وسنده ضعیف۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

ترجمہ: اے نبی تو اس وقت کو بھی یاد کر جب صبح ہی صبح تو اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کو میدان جنگ میں لڑائی کے موقعہ پر باقاعدہ بٹھا رہا تھا اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے۔[۱۲۱] جب تمہاری دو جماعتیں سستی کا ارادہ کر چکی تھیں اللہ ان کا ولی اور مددگار ہے۔ اور اسی کی پاک ذات پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہیئے۔[۱۲۲] جنگ بدر میں بھی اللہ تعالیٰ نے عین اسوقت تمہاری مدد فرمائی جبکہ تم نہایت گری ہوئی حالت میں تھے۔ فقط اللہ ہی سے ڈرتے رہا کرو (نہ کسی اور سے) تاکہ تم کو شکر گزاری کی توفیق ہو (اور یہ شکر گزاری باعث نصرت و امداد ہو)[۱۲۳]

= انہیں کڑی نظروں سے دیکھتے لیکن برخلاف اس کے یہ تمہاری عداوت کی آگ میں جل رہے ہیں۔ سامنا ہو جائے تو اپنی ایمان داری کی داستان بیان کرنے بیٹھ جاتے ہیں لیکن جب ذرا الگ ہوتے ہیں تو غیظ و غضب سے جلن اور حسد سے اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔ پس مسلمانوں کو بھی ان کی ظاہرداری پر خوش نہ ہونا چاہیئے۔ یہ گو جلتے جھلتے رہیں لیکن اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کو ترقی ہی دیتا رہے گا' یہ دن رات ہر حیثیت میں بڑھتے ہی رہیں گے گو وہ مارے غصے کے مر جائیں۔ اللہ ان کے دلوں کے بھیدوں سے بخوبی واقف ہے ان کے تمام منصوبوں پر خاک پڑے گی یہ اپنی شرارتوں میں کامیاب نہ ہو سکیں گے اپنی چاہت کے خلاف مسلمانوں کی دن دونی ترقی دیکھیں گے اور آخرت میں بھی انہیں نعمتوں والی جنت میں پائیں گے برخلاف ان کے یہ خود یہاں بھی رسوا ہوں گے اور وہاں بھی جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ ان کی شدت عداوت کی یہ کتنی بڑی دلیل ہے کہ جہاں تم کو کوئی نفع پہنچا اور یہ کلیجہ مسوسنے لگے اور اگر اللہ نہ کرے تم کو کوئی نقصان پہنچ گیا تو ان کی باچھیں کھل گئیں بغلیں بجانے اور خوشیاں منانے لگے' اگر اللہ کی طرف سے مؤمنوں کی مدد ہوئی یہ کفار پر غالب آئے انہیں غنیمت کا مال ملا یہ تعداد میں بڑھ گئے تو وہ جل بجھے اور اگر مسلمانوں پر تنگی آ گئی یا دشمنوں میں گھر گئے تو ان کے ہاں عید منائی جانے لگی۔

اب اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ ان شریروں کی شرارت اور ان بدبختوں کے مکر سے اگر نجات چاہتے ہو تو صبر و تقویٰ اور توکل کرو اللہ خود تمہارے دشمنوں کو گھیر لے گا کسی بھلائی کے حاصل کرنے کسی برائی سے بچنے کی کسی میں طاقت نہیں جو اللہ چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہو سکتا۔ جو اس پر توکل کرے اسے وہ کافی ہے۔ اسی مناسبت سے اب جنگ احد کا ذکر شروع ہوتا ہے جس میں مسلمانوں کے صبر و تحمل کا بیان ہے اور جس میں اللہ کی آزمائش کا پورا نقشہ ہے اور جس میں مؤمن و منافق کی ظاہر تمیز ہے۔ سنئے ارشاد ہوتا ہے۔

جنگ احد کا تذکرہ: [آیت:۱۲۱۔۱۲۳] یہ احد کے واقعہ کا ذکر ہے ❶ گو بعض مفسرین نے اسے جنگ خندق کا قصہ بھی کہا ہے لیکن ٹھیک یہی ہے کہ یہ واقعہ جنگ احد کا ہے جو سن ۳ھ ۱۱ شوال بروز ہفتہ پیش آیا تھا۔ جنگ بدر میں مشرکین کو کامل شکست ہوئی تھی ان کے

❶ ابن ابی حاتم، ۲/ ۵۱۰۔

سردار موت کے گھاٹ اترے تھے اب اس کا بدلہ لینے کے لئے مشرکین نے بڑی بھاری تیاری کی تھی وہ تجارتی مال جو بدر والی لڑائی کے موقعہ پر دوسرے راستے سے بچ کر آ گیا تھا وہ سب اس لڑائی کے لئے روک رکھا تھا اور چوطرف سے لوگوں کو جمع کر کے تین ہزار کا ایک لشکر جرار تیار کیا اور پورے ساز و سامان کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کی۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کی نماز کے بعد مالک بن عمرو رضی اللہ عنہ کے جنازے کی نماز پڑھائی جو قبیلہ بنی نجار میں سے تھے پھر لوگوں سے مشورہ کیا کہ ''ان کی مدافعت کی کیا صورت تمہارے نزدیک بہتر ہے؟'' تو عبداللہ بن ابی نے کہا کہ ہمیں مدینہ سے باہر نہ نکلنا چاہئے اگر وہ آئے اور ٹھہرے تو گویا جیل خانہ میں آ گئے رکے کھڑے رہیں اور اگر مدینہ میں گھسے تو ایک طرف سے ہمارے بہادروں کی تلواریں ہوں گی دوسری جانب سے تیراندازوں کے بے پناہ تیر ہوں گے پھر اوپر سے عورتوں اور بچوں کی سنگ باری ہوگی۔ اور اگر یونہی لوٹ گئے تو بربادی اور خسارے کے ساتھ لوٹیں گے۔ لیکن اس کے برخلاف بعض ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے تھی جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے یہ زور لگا رہے تھے کہ مدینہ کے باہر جا کر میدان میں خوب دل کھول کر ان کا مقابلہ کرنا چاہئے۔

رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور ہتھیار لگا کر باہر آئے۔ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو اب خیال ہوا کہ کہیں ہم نے اللہ کے نبی ﷺ کے خلاف منشا تو میدان کی لڑائی پر زور نہیں دیا' اس لئے یہ کہنے لگے کہ حضور ﷺ اگر یہیں ٹھہر کر لڑنے کا ارادہ ہو تو یونہی کیجئے ہماری جانب سے کوئی اصرار نہیں۔ آپ نے فرمایا ''اللہ کے نبی کو لائق نہیں کہ وہ ہتھیار پہن کر اتار دے اب تو میں نہ لوٹوں گا جب تک کہ وہ نہ ہو جائے جو اللہ کو منظور ہو۔'' چنانچہ ایک ہزار کا لشکر لے کر آپ مدینہ شریف سے نکل کھڑے ہوئے۔ شوط پر پہنچ کر اس منافق عبداللہ بن ابی نے دغابازی کی اور اپنی تین سو کی جماعت کو لے کر واپس مڑ گیا۔ یہ لوگ کہنے لگے کہ ہم جانتے ہیں کہ لڑائی تو نہیں ہوگی خواہ مخواہ زحمت کیوں اٹھائیں؟ آنحضرت ﷺ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور صرف سات سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر آپ نے احد پہاڑ کا رخ کیا۔ پہاڑ کو پیٹھ کی طرف کر کے دامن کوہ میں لشکر کو اتارنے کا حکم دیدیا کہ ''جب تک میں نہ کہوں لڑائی شروع نہ کرنا'' پچاس تیرانداز صحابیوں کو الگ کر کے ان کا امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو بنایا اور ان سے فرمادیا کہ ''پہاڑی پر چڑھ جاؤ اور اس بات کا خیال رکھو کہ دشمن پیچھے سے نہ آ جائے دیکھو ہم غالب آ جائیں یا اللہ نہ کرے مغلوب ہو جائیں تم ہرگز ہرگز اپنی جگہ سے نہ ہلنا'' یہ انتظامات کر کے خود آپ بھی تیار ہو گئے دہری زرہ پہنی۔ ❶ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو جھنڈا دیا۔ آج چند لڑکے بھی لشکر محمدی میں نظر آتے تھے۔ یہ چھوٹے سپاہی بھی جانبازی کیلئے ہمہ تن مستعد تھے بعض اور بچوں کو حضور ﷺ نے ساتھ نہیں لیا تھا انہیں جنگ خندق میں لشکر میں بھرتی کیا گیا۔ جنگ خندق اس کے دو سال بعد ہوئی تھی۔ قریش کا لشکر بڑے ٹھاٹھ سے مقابلہ پر آڈٹا یہ تین ہزار سپاہیوں کا گروہ تھا ان کے ساتھ دو سو کوتل گھوڑے تھے جنہیں موقعہ پر کام آنے کے لئے ساتھ رکھا تھا۔ ان کے داہنے حصہ پر خالد بن ولید تھا اور بائیں پر عکرمہ بن ابوجہل تھا (یہ دونوں سردار بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) ان کا جھنڈا بردار قبیلہ بنو عبدالدار تھا۔ ❷ پھر لڑائی شروع ہوئی جس کے واقعات انہی آیتوں کی موقعہ بہ موقعہ تفسیر کے ساتھ آتے رہیں گے' ان شاءاللہ تعالیٰ۔

الغرض اس آیت میں اسی کا بیان ہو رہا ہے کہ حضور ﷺ مدینہ شریف سے نکلے اور لوگوں کو لڑائی کے موقعہ کی جگہ پر مقرر کرنے لگے میمنہ میسرہ لشکر کا مقرر کیا اللہ تعالیٰ تمام باتوں کو سننے والا اور سب کے دلوں کے بھید کو جاننے والا ہے۔ روایتوں میں یہاں تک آ چکا ہے کہ حضور ﷺ جمعہ کے دن مدینہ شریف سے لڑائی کے لئے نکلے' اور قرآن فرماتا ہے صبح ہی صبح تم لشکریوں کی جگہ مقرر

---

❶ اس کی سند نہیں ملی نیز دیکھئے فقه السيرة للالباني ، ص ۲۶۳۔

❷ دیکھئے (دلائل النبوة للبيهقي ، ۳/ ۲۰۶، ۲۱۰) وسنده ضعيف۔

کرتے تھے تو مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے دن تو جا کر پڑاؤ ڈال دیا باقی کاروائی ہفتہ کی صبح شروع ہوئی۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمارے بارے میں یعنی بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے تمہارے دو گروہوں نے بزدلی کا ارادہ کیا تھا۔ گو اس میں ہماری ایک کمزوری کا بیان ہے لیکن ہم اپنے حق میں اس آیت کو بہت بہتر جانتے ہیں کیوں کہ اس میں یہ بھی فرمادیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کا ولی ہے۔ ❶

پھر فرمایا کہ دیکھو میں نے بدر والے دن بھی تم کو غالب کیا حالانکہ تم بہت ہی کم اور بے سروسامان تھے۔ بدر کی لڑائی ۲ ہجری ۱۷ رمضان بروز جمعہ ہوئی تھی۔ اسی کا نام یوم الفرقان رکھا گیا' اس دن اسلام اور اہل اسلام کو عزت ملی شرک برباد ہوا۔ محل شرک اجڑا حالانکہ اس دن مسلمان صرف تین سو تیرہ تھے ان کے پاس صرف دو گھوڑے تھے فقط ستر اونٹ تھے باقی سب پیدل تھے ہتھیار بھی اتنے کم تھے کہ گویا نہ تھے اور دشمن کی تعداد اس دن تین گنی تھی ایک ہزار میں کچھ ہی کم تھے ہر ایک زرہ بکتر لگائے ہوئے ضرورت سے زیادہ وافر ہتھیار عمدہ عمدہ کافی سے زیادہ گھوڑے مالداری کا یہ حال تھا کہ سونے کے زیور پہنے ہوئے۔ اس موقعہ پر اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت اور غلبہ دیا اپنی وحی ظاہر باہر کی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو سرخرو کیا اور شیطان اور اس کے لشکریوں کو ذلیل وخوار کیا۔ اپنے مؤمن بندوں اور جنتی لشکریوں کو اس آیت میں یہ احسان یاد دلاتا ہے کہ باوجود تمہاری تعداد کی کمی اور ظاہری اسباب کی غیر موجودگی کے تم کو غالب رکھا تا کہ تم معلوم کرو کہ غلبہ ظاہری اسباب پر موقوف نہیں۔ اسی لئے دوسری آیت میں صاف فرمادیا کہ جنگ حنین میں تم نے ظاہری اسباب پر نظر ڈالی اور اپنی زیادتی دیکھ کر خوش ہوئے لیکن اس زیادتی تعداد اور موجودگی اسباب نے تم کو کچھ فائدہ نہ دیا۔

حضرت عیاض اشعری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنگ یرموک میں ہمارے پانچ سردار تھے حضرت ابوعبیدہ، حضرت یزید بن ابوسفیان، حضرت شرحبیل بن حسنہ حضرت خالد بن ولید اور حضرت عیاض اور خلیفۃ المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہم کا حکم تھا کہ لڑائی کے وقت حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سرداری کریں۔ اس لڑائی میں ہمیں چوطرف سے شکست کے آثار نظر آنے لگے تو ہم نے خلیفہ وقت کو خط لکھا کہ ہمیں موت نے گھیر رکھا ہے امداد بھیجئے۔ فاروق رضی اللہ عنہ کا مکتوب گرامی ہماری گزارش کے جواب میں آیا' جس میں تحریر تھا کہ ''تمہارا طلب امداد کا خط پہنچا۔ میں تم کو ایک ایسی ذات بتلاتا ہوں جو سب سے زیادہ مددگار اور سب سے زیادہ مضبوط لشکر والی ہے وہ ذات اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے جس نے اپنے بندے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد بدر والے دن کی تھی' بدری لشکر تو تم سے بہت ہی کم تھا۔ میرا یہ خط پڑھتے ہی جہاد شروع کر دو اور اب مجھے کچھ نہ لکھنا نہ کچھ پوچھنا''۔ اس خط سے ہماری جرأتیں بڑھ گئیں ہمتیں بلند ہو گئیں' پھر ہم نے جم کر لڑنا شروع کیا' الحمد للہ دشمن کو شکست ہوئی اور وہ بھاگے۔ ہم نے بارہ میل تک ان کا تعاقب کیا' بہت سا مال غنیمت ہمیں ملا جو ہم نے آپس میں بانٹ لیا۔ پھر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے میرے ساتھ دوڑ کون کرے گا؟ ایک نوجوان نے کہا اگر آپ ناراض نہ ہوں تو میں حاضر ہوں۔ چنانچہ دوڑنے میں وہ آگے نکل گئے۔ میں نے دیکھا کہ ان کی دونوں زلفیں ہوا میں اڑ رہی تھیں اور وہ اس نوجوان کے پیچھے گھوڑا اڑائے چلے جارہے تھے۔ ❷ بدر بن نارین ایک شخص تھا اس کے نام سے ایک کنواں مشہور تھا اور اس میدان کا جس میں یہ کنواں تھا یہی نام ہو گیا تھا۔ بدر کی جنگ بھی اسی نام سے مشہور ہو گئی۔ یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے پھر فرمایا کہ اللہ سے ڈرتے رہا کرو تا کہ شکر کی توفیق ملے اور اطاعت گزاری کر سکو۔

---

❶ صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب ﴿إذهمت طائفتان منكم......﴾ ٤٠٥١؛ صحيح مسلم، ٢٥٠٥۔

❷ احمد، ١/ ٤٩، وسنده صحيح، ابن حبان: الاحسان، ٤٧٤٦۔

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِينَ ﴿۱۲۴﴾ بَلَىٰٓ ۙ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ إِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهٖ ۗ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوا خَآئِبِينَ ﴿۱۲۷﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظٰلِمُونَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَآءُ ۗ

وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲۹﴾

ترجمہ: جب تو مومنوں کو تسلی دے رہا تھا کیا آسمان سے تین ہزار فرشتے اتار کر اللہ تعالیٰ کا تمہاری مدد کرنا تم کو کافی نہ ہوگا۔[۱۲۴] گو یہ لوگ اپنے اس جوش سے آئیں لیکن اگر تم صبر و پرہیزگاری کرو گے تو تمہارا رب تمہاری امداد پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا جو نشان دار ہوں گے۔[۱۲۵] اور یہ تو محض تمہارے دل کی خوشی اور اطمینان قلب کے لئے ہے یاد رکھو مدد اللہ ہی کی طرف سے ہے جو غالب اور حکمتوں والا ہے۔[۱۲۶] اس امداد الٰہی سے کفار کی ایک جماعت کٹ جائے گی اور ذلیل ہوگی اور سارے کے سارے نامراد ہو کر واپس چلے جائیں گے۔[۱۲۷] اے پیغمبر تمہارے اختیار میں کچھ نہیں اللہ چاہے ان کی توبہ قبول کرے چاہے عذاب کرے کیونکہ وہ ظالم ہیں۔[۱۲۸] آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے وہ جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب کرے۔ اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے۔[۱۲۹]

جنگ بدر اور جنگ احد میں لشکر اسلام کی فرشتوں سے مدد: [آیت: ۱۲۴۔۱۲۹] آنحضرت ﷺ کا یہ تسلیاں دینا، بعض تو کہتے ہیں بدر والے دن تھا۔ حسن بصری، عامر شعبی، ربیع بن انس رحمہ اللہ علیہم وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ❶ ابن جریر رحمہ اللہ علیہ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں۔ عامر شعبی کا قول ہے کہ مسلمانوں کو یہ خبر ملی تھی کہ کرز بن جابر مشرکوں کی امداد میں آئے گا اس پر اس امداد کا وعدہ ہوا تھا لیکن پھر نہ وہ آیا نہ یہ۔ ربیع بن انس رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لئے پہلے تو ایک ہزار فرشتے بھیجے پھر تین ہزار ہو گئے پھر پانچ ہزار۔ ❷ یہاں اس آیت میں تین ہزار اور پانچ ہزار سے مدد کرنے کا وعدہ ہے اور بدر کے واقعہ کے بیان کے وقت ایک ہزار فرشتوں کی امداد کا وعدہ ہے۔ فرمایا ﴿إِنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِينَ﴾ ❸ اور تطبیق دونوں آیتوں میں یہی ہے کیونکہ ﴿مُرْدِفِينَ﴾ کا لفظ موجود ہے۔ پس پہلے ایک ہزار اترے پھر ان کے بعد تین ہزار پورے ہوئے آخر پانچ ہزار ہو گئے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعدہ جنگ بدر کے لئے تھا نہ کہ جنگ احد کے لئے۔ بعض کہتے ہیں جنگ احد کے موقعہ پر وعدہ ہوا تھا۔ مجاہد، عکرمہ، ضحاک، زہری، موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ علیہم وغیرہ کا یہی قول ہے۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ چونکہ مسلمان میدان چھوڑ کے ہٹ گئے اس لئے یہ

❶ ابن ابی حاتم، ۲/ ۵۱۹۔۵۲۱۔ ❷ الطبری، ۷/ ۱۷۸۔ ❸ ۸/ الانفال:۹۔

فرشتے نازل ہوئے کیونکہ ﴿اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا﴾ ساتھ ہی فرمایا تھا۔ یعنی اگر تم صبر کرو اور تقوی کرو ﴿فَوْرٌ﴾ کے معنی وجد اور غضب کے ہیں ﴿مُسَوِّمِیْنَ﴾ کے معنی علامت والے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں فرشتوں کی نشانی بدر والے دن سفید رنگ صوف کی تھی ❶ اور ان کے گھوڑوں کی نشانی ماتھے کی سفیدی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سرخ اون کی نشانی تھی۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں گردن کے بالوں اور دم کا نشان تھا اور یہی نشان آپ کے لشکریوں کا تھا یعنی صوف کا۔ مکحول رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں فرشتوں کی نشانی اون کی پگڑیاں تھی جو سیاہ رنگ کے عمامے تھے اور حنین والے دن سرخ عمامے تھے۔ ❷ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بدر کے علاوہ فرشتے کبھی کسی جنگ میں شامل نہیں ہوئے اور سفید رنگ عماموں کی علامت تھی یہ صرف مدد کے لئے اور گنتی بڑھانے کے لئے تھے' نہ کہ لڑتے ہوں۔ یہ بھی مروی ہے کہ جنگ بدر میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے سر پر سفید رنگ کا صافہ تھا اور فرشتوں پر زرد رنگ۔ ❸

پھر فرمایا کہ یہ فرشتوں کا نازل کرنا اور تم کو اس کی خبر دینا صرف تمہاری خوشی' دل جوئی اور اطمینان کے لئے ہے ورنہ اللہ کو قدرت ہے کہ بغیر ان کو اتارے بلکہ بغیر تمہارے لڑے بھی تم کو غالب کر دے مدد اسی کی طرف سے ہے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ﴾ ❹ الخ اگر اللہ چاہتا تو ان سے خود ہی بدلہ لے لیتا لیکن وہ ہر ایک کو آزما رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو قتل کئے جائیں ان کے اعمال اکارت نہیں ہوتے اللہ انہیں راہ دکھائے گا ان کے اعمال سنوار دے گا اور انہیں جنت میں لے جائے گا جس کی تعریف وہ کر چکا ہے' وہ عزت والا ہے اور اپنے ہر کام میں حکمت رکھتا ہے۔ یہ حکم جہاد بھی طرح طرح کی حکمتوں پر مبنی ہے اس سے کفار ہلاک ہوں گے یا ذلیل ہوں گے یا نامراد واپس ہو جائیں گے۔ اس کے بعد بیان ہوتا ہے کہ دنیا اور آخرت کے کل امور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ اے نبی! تم کو کسی امر کا اختیار نہیں' جیسے فرمایا ﴿فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾ ❺ "تم پر صرف تبلیغ ہے حساب تو ہمارے ذمہ ہے۔" اور جگہ ہے ﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ﴾ ❻ الخ "تمہارے ذمہ ان کی ہدایت نہیں اللہ جسے چاہے ہدایت دے" اور ایک جگہ فرمایا ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ﴾ ❼ الخ "تو جسے چاہے ہدایت نہیں کر سکتا بلکہ اللہ جسے چاہے ہدایت کرتا ہے پس میرے بندوں میں تجھے کوئی اختیار نہیں جو حکم پہنچے اسے اوروں کو پہنچا دے تیرے ذمہ یہی ہے ممکن ہے اللہ انہیں توبہ کی توفیق دے اور برائی کے بعد وہ بھلائی کرنے لگیں اور اللہ ان کی توبہ قبول فرما لے یا ممکن ہے انہیں ان کے کفر و گناہ کی بنا پر عذاب کرے تو یہ ظالم اس کے بھی مستحق ہیں۔"

صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں جب دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھاتے اور ((سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ)) کہہ لیتے تو کفار پر بددعا کرتے کہ "اے اللہ فلاں پر لعنت کر" اس کے بارے میں یہ آیت ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ﴾ نازل ہوئی۔ ❽ مسند احمد میں ان کافروں کے نام بھی آئے ہیں' مثلاً حارث بن ہشام' سہیل بن عمرو' صفوان بن امیہ۔ اور اسی میں ہے کہ بالآخر ان کو ہدایت نصیب ہوئی اور یہ مسلمان ہو گئے۔ ❾ ایک روایت میں ہے کہ چار آدمیوں =

❶ ابن ابی حاتم، ۲/ ۵۲۵۔ ❷ طبرانی، ۱۱٤٦۹، وسندہ ضعیف جداً موضوع۔
❸ ابن ابی حاتم، ۲/ ۵۲۷۔ ❹ ٤۷/ محمد: ٤۔ ❺ ۱۳/ الرعد: ٤۰۔
❻ ۲/ البقرۃ: ۲۷۲۔ ❼ ۲۸/ القصص: ۵٦۔
❽ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب ﴿لیس لك من الامر شیء......﴾، ٤۰٦۹، ٤۰۷۰؛ نسائی، ۱۰۷۹۔
❾ احمد، ۲/ ۹۳؛ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ آل عمران، ۳۰۰٤، وھو صحیح۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! بڑھا چڑھا سود نہ کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو تا کہ تم کو نجات ملے۔[۱۳۰] اس آگ سے ڈرتے رہا کرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔[۱۳۱] اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔[۱۳۲] اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہے جو پرہیز گاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔[۱۳۳] جو لوگ آسانی اور سختی کے موقعہ پر بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی ان نیک کاروں کو دوست رکھتا ہے۔[۱۳۴] جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں کا استغفار کرنے لگتے ہیں' فی الواقع اللہ کے سوا اور کوئی گناہوں کو بخش بھی نہیں سکتا ہے۔ اور وہ لوگ باوجود علم کے کسی برے کام پر اڑ نہیں جاتے۔[۱۳۵] انہی کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان نیک کاموں کے کرنیوالوں کا ثواب بہت ہی اچھا ہے۔[۱۳۶]

= پر یہ بد دعا دی تھی جس سے روک دیئے گئے۔ صحیح بخاری میں حضور ﷺ جب کسی پر بد دعا کرنا یا کسی کے حق میں نیک دعا کرنا چاہتے تو رکوع کے بعد ((سَمِعَ اللّٰهُ)) الخ اور ((رَبَّنَا)) الخ پڑھ کر دعا مانگتے۔ کبھی کہتے ''اے اللہ ولید بن ولید' سلمہ بن ہشام' عیاش بن ابی ربیعہ اور کمزور مومنوں کو کفار سے نجات دے' اے اللہ قبیلہ مضر پر اپنی پکڑ اور اپنا عذاب نازل فرما اور ان پر ایسی قحط سالی بھیج جیسی حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں تھی۔'' یہ دعا با آواز بلند ہوا کرتی تھی اور بعض مرتبہ صبح کی نماز کے قنوت میں یوں بھی کہتے کہ ''اے اللہ فلاں فلاں پر لعنت بھیج'' اور عرب کے بعض قبیلوں کے نام لیتے تھے۔ ❶

اور روایت میں ہے جنگ احد میں جب آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے چہرہ زخمی ہوا خون بہنے لگا تو زبان سے نکل گیا کہ ''وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے ساتھ یہ کیا' حالانکہ نبی اللہ کی طرف انہیں بلاتا تھا۔'' اس وقت یہ آیت ﴿لَيْسَ

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ آل عمران، باب ﴿ليس لك من الامر......﴾، ٤٥٦٠؛ صحیح مسلم، ٦٧٥۔

لَکَ﴾ الخ نازل ہوئی۔ ❶ آپ اس غزوہ میں ایک گڑھے میں گر پڑے تھے اور خون بہت نکل گیا تھا۔ کچھ تو اس ضعف کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھے اٹھ نہ سکے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے مولیٰ حضرت سالم رضی اللہ عنہ پہنچے اور چہرے پر سے خون پونچھا۔ جب افاقہ ہوا تو آپ نے یہ فرمایا اور یہ آیت نازل ہوئی' ❷ پھر فرماتا ہے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز اسی کی ہے سب اس کے غلام ہیں جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب کرے متصرف وہی ہے جو چاہے حکم کرے کوئی اس سے پرسش نہیں کر سکتا وہ غفور اور رحیم ہے۔

سود کی حرمت: [آیت:۱۳۰۔۱۳۶] اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو سودی لین دین سے اور سود خواری سے روک رہا ہے۔ اہل جاہلیت سودی قرضہ دیتے تھے مدت مقرر ہوتی تھی اگر اس مدت پر روپیہ وصول نہ ہوتا تو مدت بڑھا کر سود پر سود بڑھا دیا کرتے تھے۔ اسی طرح سود در سود مل ملا کر اصل رقم کئی گنا بڑھ جاتی۔ اللہ تعالیٰ ایمان داروں کو اس طرح ناحق لوگوں کے مال برباد کرنے سے روک رہا ہے اور تقویٰ کا حکم دے کر اس پر نجات کا وعدہ کر رہا ہے پھر آگ سے ڈراتا ہے اور اپنے عذابوں سے دھمکاتا ہے۔ پھر اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر آمادہ کرتا ہے اور اس پر رحم و کرم کا وعدہ دیتا ہے پھر سعادت دارین کے حصول کے لئے نیکیوں کی طرف سبقت کرنے کو فرماتا ہے اور جنت کی تعریف کرتا ہے چوڑائی کو بیان کر کے لمبائی کا اندازہ سننے والوں پر ہی چھوڑا جاتا ہے۔ جس طرح جنتی فرش کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ﴿بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ﴾ ❸ یعنی ''اس کا استر نرم ریشم کا ہے'' تو مطلب یہ ہے جب استر ایسا ہے تو ابرے کا کیا ٹھکانا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی بیان ہو رہا ہے کہ جب عرض ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کے برابر ہے تو طول کتنا بڑا ہوگا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ عرض و طول یعنی لمبائی و چوڑائی دونوں برابر ہیں کیونکہ جنت مثل قبہ کے عرش کے نیچے ہے اور جو چیز قبہ نما ہو یا مستدیر ہو اس کا عرض و طول یکساں ہوتا ہے ایک صحیح حدیث میں ہے جب تم اللہ تعالیٰ سے جنت مانگو تو فردوس کا سوال کرو وہ سب سے اونچی اور سب سے اچھی جنت ہے اسی جنت سے سب نہریں جاری ہوتی ہیں اور اس کی چھت اللہ رحمٰن و رحیم کا عرش ہے۔ ❹

مسند احمد میں ہے کہ ہرقل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور اعتراض کے ایک سوال لکھ بھیجا کہ آپ مجھے اس جنت کی دعوت دے رہے ہیں جس کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے تو یہ فرمایئے کہ پھر جہنم کہاں گئی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سبحان اللہ جب دن آتا ہے تو رات کہاں جاتی ہے؟'' جو قاصد ہرقل کا یہ خط لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوا تھا اس سے حضرت یعلی بن مرہ کی ملاقات حمص میں ہوئی تھی۔ کہتے ہیں اس وقت یہ بہت ہی بڈھا ہو گیا تھا کہنے لگا جب میں نے یہ خط حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تو آپ نے اپنی بائیں طرف کے ایک صحابی کو دیا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا ان کا کیا نام ہے؟ لوگوں نے کہا یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ❺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی سوال ہوا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ ''دن کے وقت رات اور رات کے وقت دن کہاں جاتا ہے؟'' یہودی یہ جواب سن کر کھسیانے ہو کر کہنے لگے کہ یہ توراۃ سے اخذ کیا ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ جواب مروی ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے جواب میں فرمایا ''جب ہر چیز پر رات آ جاتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے؟'' اس نے کہا جہاں اللہ چاہے۔ آپ نے فرمایا ''اسی طرح جہنم بھی جہاں اللہ چاہے'' (بزار)۔ ❻ اس جملہ کے دو معنی ہوتے ہیں ایک

❶ صحیح بخاری، کتاب المغازی باب ﴿لیس لك من الأمر......﴾ قبل حدیث: ۴۰۶۹؛ صحیح مسلم، ۱۷۹۱۔
❷ یہ روایت مرسل یعنی ضعیف ہے۔ ❸ ۵۵/ الرحمٰن: ۵۴۔
❹ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب درجات المجاهدین، ۲۷۹۰، ۷۴۲۳۔
❺ احمد، ۳/ ۴۴۱، وسنده ضعیف۔
❻ مسند البزار، ۲۱۹۶؛ حاکم، ۱/ ۳۶؛ ابن حبان، ۱۰۳، وسنده صحیح۔

تو یہ کہ رات کے وقت گو ہم دن کو نہیں دیکھ سکتے لیکن تاہم دن کا کسی جگہ ہونا ممکن نہیں اسی طرح گو جنت کا عرض اتنا ہی ہے لیکن پھر بھی جہنم کے وجود سے انکار نہیں ہو سکتا جہاں اللہ چاہے وہ بھی ہے۔ دوسرے معنی یہ کہ جب دن ایک طرف سے چڑھنے لگا رات دوسری جانب ہوتی ہے اسی طرح جنت اعلیٰ علیین میں ہے اور دوزخ اسفل السافلین میں تو کوئی منافات نہ رہی' وَاللّٰہُ اَعْلَمُ.

اللہ کے نیک بندوں کے اوصاف: پھر اللہ تعالیٰ اہل جنت کا وصف بیان فرماتا ہے کہ وہ تختی میں اور آسانی میں خوشی میں اور غمی میں تندرستی میں اور بیماری میں غرض ہر حال میں اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے رہتے ہیں' جیسے اور جگہ ہے یعنی وہ لوگ دن رات چھپے کھلے خرچ کرتے رہتے ہیں کوئی امر انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے باز نہیں رکھ سکتا اس کی مخلوق پر اس کے حکم سے احسان کرتے رہتے ہیں۔ یہ غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کی برائیوں سے درگزر کرنے والے ہیں ﴿کَظْم﴾ کے معنی چھپانے کے بھی ہیں یعنی اپنے غصے کا اظہار بھی نہیں کرتے۔

بعض روایتوں میں ہے اے ابن آدم اگر غصے کے وقت تو مجھے یاد رکھے گا یعنی میرا حکم مان کر غصہ پی جائے گا تو میں بھی اپنے غصہ کیوقت تجھے یاد رکھوں گا یعنی ہلاکت کے وقت تجھے ہلاکت سے بچا لوں گا (ابن ابی حاتم)۔ اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں'' جو شخص اپنا غصہ روک لے اللہ تعالیٰ اس پر سے اپنے عذاب ہٹا لیتا ہے اور جو شخص اپنی زبان (خلاف شرع باتوں سے) روک لے اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرلے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف معذرت لے جائے اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول فرماتا ہے'' (مسند ابویعلی)۔ ❶ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں بھی کلام ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں'' پہلوان وہ نہیں جو کسی کو بچھاڑ دے بلکہ حقیقتاً پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے'' (احمد)۔ ❷

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں'' تم میں سے کوئی ایسا ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو؟'' لوگوں نے کہا حضور! کوئی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا'' میں تو دیکھتا ہوں کہ تم اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال چاہتے ہو اس لئے کہ تمہارا مال تو درحقیقت وہ ہے جو تم راہ للہ میں خرچ کر دو اور جو چھوڑ کر جاؤ وہ تمہارا مال نہیں بلکہ تمہارے وارثوں کا مال ہے تو تمہارا راہ للہ کم خرچ کرنا اور جمع زیادہ کرنا' یہ دلیل ہے اس امر کی کہ تم اپنے مال سے اپنے وارثوں کے مال کو زیادہ عزیز رکھتے ہو۔'' پھر فرمایا'' تم پہلوان کسے جانتے ہو؟'' لوگوں نے کہا حضور! اسے جسے کوئی گرا نہ سکے۔ آپ نے فرمایا'' نہیں' بلکہ حقیقتاً زوردار پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے جذبات پر قابو رکھے۔'' پھر فرمایا بے اولاد کسے کہتے ہو؟ لوگوں نے کہا جس کی اولاد نہ ہو۔ فرمایا'' نہیں بلکہ فی الواقع بے اولاد وہ ہے جس کے سامنے اس کی کوئی اولاد مری نہ ہو'' (مسلم)۔ ❸

ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے دریافت فرمایا کہ'' جانتے ہو مفلس کنگال کون ہے؟'' لوگوں نے کہا جس کے پاس مال نہ ہو۔ آپ نے فرمایا'' بلکہ وہ جس نے اپنا مال اپنی زندگی میں راہ للہ نہ دیا ہو۔'' (مسند احمد) ❹ حضرت حارثہ بن قدامہ

---

❶ مسند أبي يعلیٰ، ٤٣٣٨، وسنده ضعيف۔

❷ احمد، ٢/ ٢٣٦؛ صحيح بخاري، كتاب الأدب، باب الحذر من الغضب، ٦١١٤؛ صحيح مسلم، ٢٦٠٩۔

❸ احمد، ١/ ٣٨٢؛ صحيح بخاري، صدره: كتاب الرقاق، باب ما قدم من ماله فهوله، ٦٤٤٢؛ صحيح مسلم، ٢٦٠٨۔

❹ أحمد، ٥/ ٣٦٧، مطولاً وسنده ضعيف۔

سعدی رضی اللہ عنہ حاضر خدمت نبوی ہو کر عرض کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے کوئی نفع کی بات کہیے اور مختصر ہوتا کہ میں یاد بھی رکھ سکوں۔ آپ نے فرمایا ''غصہ نہ کر۔'' اس نے پھر پوچھا آپ نے پھر یہی جواب دیا۔ کئی کئی مرتبہ یہی کہا سنا (مسند احمد)۔ ❶ کسی شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا ''غصہ نہ کر۔'' وہ کہتے ہیں میں نے جو غور کیا تو معلوم ہوا کہ تمام برائیوں کا مرکز غصہ ہی ہے (مسند احمد)۔ ❷

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا تو آپ بیٹھ گئے اور پھر لیٹ گئے۔ ان سے پوچھا گیا یہ کیا؟ فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے ''جسے غصہ آئے وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اگر اس سے بھی غصہ نہ جائے تو لیٹ جائے'' ❸ (مسند)۔ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ عروہ بن محمد رحمہ اللہ علیہ کو غصہ چڑھا' آپ وضو کرنے بیٹھ گئے اور فرمانے لگے میں نے اپنے استادوں سے یہ حدیث سنی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور آگ کو بجھانے والی چیز پانی ہے۔'' پس تم غصہ کے وقت وضو کرنے بیٹھ جاؤ۔ ❹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ ''جو شخص کسی تنگدست کو مہلت دے یا اپنا قرض اسے معاف کر دے' اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔ لوگو! سنو جنت کے اعمال سخت اور مشکل ہیں اور جہنم کے کام آسان اور سہل ہیں' نیک بخت وہی ہے جو فتنوں سے بچ جائے کسی گھونٹ کا پینا اللہ کو ایسا پسند نہیں جتنا غصہ کے گھونٹ کا پی جانا' ایسے شخص کے دل میں ایمان رچ جاتا ہے'' (مسند احمد)۔ ❺

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''جو شخص اپنا غصہ اتارنے کی طاقت رکھتے ہوئے پھر بھی ضبط کر لے اللہ تعالیٰ اس کا دل امن وامان سے پر کر دیتا ہے جو شخص باوجود موجود ہونے کے شہرت کے کپڑے کو تواضع کر کے چھوڑ دے اسے اللہ تعالیٰ کرامت اور عزت کا حلہ قیامت کے دن پہنائے گا اور جو کسی کا سر چھپائے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن بادشاہت کا تاج پہنائے گا'' (ابوداود)۔ ❻ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''جو شخص باوجود قدرت کے اپنا غصہ ضبط کر لے اسے اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے سامنے بلا کر اختیار دے گا کہ جس حور کو چاہے پسند کر لے'' (مسند احمد)۔ ❼ اس مضمون کی اور بھی حدیثیں ہیں' پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے غصہ میں آپے سے باہر نہیں ہوتے لوگوں کو ان کی طرف سے برائی نہیں پہنچتی بلکہ اپنے جذبات کو دبائے رکھتے ہیں اور اللہ سے ڈر کر ثواب کی امید پر معاملہ سپرد اللہ کرتے ہیں' لوگوں سے درگزر کرتے ہیں ظالموں کے ظلم کا بدلہ بھی نہیں لیتے۔ اسی کو احسان کہتے ہیں اور ان محسن بندوں سے اللہ محبت رکھتا ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''تین باتوں پر میں قسم کھاتا ہوں' ایک تو یہ کہ صدقہ سے مال نہیں گھٹتا دوسرے یہ کہ عفو ودرگزر کرنے سے انسان کی عزت بڑھتی ہے تیسرے یہ کہ تواضع' فروتنی اور عاجزی کرنے والے کو

---

❶ أحمد، ٥/ ٣٤، وسنده صحيح؛ حاكم، ٣/ ٦١٥؛ ابن حبان، ٢٦٨٩؛ طبرانی، ٢٠٩٦۔

❷ أحمد، ٥/ ٣٧٣، وهو صحيح بالشواهد۔

❸ أحمد، ٥/ ١٥٢؛ ابوداود، كتاب الأدب، باب مايقال عن الغضب، ٤٧٨٢، وهو صحيح۔

❹ أحمد، ٤/ ٢٢٧؛ ابوداود، كتاب الأدب، باب ما يقال عند الغضب، ٤٧٨٤، وسنده حسن۔

❺ أحمد، ١/ ٣٢٧، وسنده ضعيف۔ ❻ ابوداود، كتاب الأدب، باب من كظم غيظا، ٤٧٧٨، وسنده ضعيف ابن عجلان مدلس کے سماع کی تصریح نہیں نیز سوید بن وہب راوی مجہول ہے۔ ❼ ابوداود، كتاب الأدب، باب من كظم غيظا، ٤٧٧٧، وسنده حسن؛ ترمذی، ٢٤٩٣؛ ابن ماجة، ٤١٨٦۔

اللہ تعالیٰ بلند مرتبہ کرتا ہے۔'' ❶ مستدرک کی حدیث میں ہے ''جو شخص یہ چاہے کہ اس کی بنیاد بلند ہو اور اس کے درجے بڑھیں تو اسے ظالموں سے درگزر کرنا چاہئے اور نہ دینے والوں کو دینا چاہئے اور توڑنے والوں سے جوڑنا چاہئے۔'' ❷ اور حدیث میں ہے ''قیامت کے دن ایک پکارنے والا پکارے گا کہ اے لوگوں سے درگزر کرنے والو اپنے رب کے پاس آؤ اور اپنا اجر لو۔ مسلمانوں کی خطاؤں کو معاف کرنے والے جنتی لوگ ہیں۔'' ❸ پھر فرمایا یہ لوگ گناہ کے بعد فوراً ذکر اللہ اور استغفار کرتے ہیں۔ مسند احمد میں یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''جب کوئی شخص گناہ کرتا ہے پھر اللہ کے سامنے حاضر ہو کر کہتا ہے اے پروردگار مجھ سے گناہ ہو گیا تو معاف فرما' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے سے گو گناہ ہو گیا لیکن اس کا ایمان ہے کہ اس کا رب گناہ پر پکڑ بھی کرتا ہے اور اگر چاہے تو معاف بھی فرما دیتا ہے' میں نے اپنے بندے کا گناہ معاف فرمایا۔ اس سے پھر گناہ ہوتا ہے پھر توبہ کرتا ہے' اللہ تعالیٰ پھر معاف فرماتا ہے پھر تیسری مرتبہ اس سے گناہ ہو جاتا ہے یہ پھر توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ پھر بخشتا ہے چوتھی مرتبہ پھر گناہ کر بیٹھتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ معاف فرما کر کہتا ہے اب میرا بندہ جو چاہے کرے'' (مسند احمد)۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ ❹

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نے ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ! جب ہم آپ کو دیکھتے ہیں تو ہمارے دلوں میں رقت طاری ہو جاتی ہے اور ہم اللہ والے بن جاتے ہیں لیکن جب آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو وہ حالت نہیں رہتی عورتوں بچوں میں پھنس جاتے ہیں گھر بار کے دھندوں میں لگ جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا سنو' جو کیفیت تمہارے دلوں کی میرے سامنے ہوتی ہے اگر یہی ہر وقت رہتی تو پھر فرشتے تم سے مصافحہ کرتے اور تمہاری ملاقات کو تمہارے گھروں پر آتے۔ سنو اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تم کو یہاں سے ہٹا دے اور دوسری قوم کو لے آئے جو گناہ کرے پھر بخشش مانگے' اور اللہ انہیں بخشے۔'' ❺ ہم نے کہا حضور! یہ تو فرمائیے کہ جنت کی بنا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ''ایک اینٹ سونے کی ایک چاندی کی' اس کا گارہ مشک خالص ہے' اس کے کنکر لؤلؤ اور یاقوت ہیں۔ اس کی مٹی زعفران ہے' جنتیوں کی نعمتیں کبھی ختم نہ ہوں گی' ان کی زندگی ہمیشگی والی ہو گی' ❻ ان کے کپڑے پرانے نہ ہوں گے' ان کی جوانی فنا نہ ہو گی۔ تین شخصوں کی دعا رد نہیں ہوتی' عادل بادشاہ روزے دار اور مظلوم۔ اس کی دعا بادلوں میں اٹھائی جاتی ہے اور اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جناب باری ارشاد فرماتا ہے مجھے میری عزت کی قسم میں تیری ضرور مدد کروں گا اگرچہ کچھ وقت کے بعد ہو'' (مسند احمد)۔ ❼

امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص کوئی گناہ کرے پھر وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرے اور اپنے گناہ کی معافی چاہے تو اللہ عز و جل اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے'' (مسند احمد)۔ ❽ صحیح مسلم میں بہ

---

❶ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب استحباب العفو والتواضع، ۲۵۸۸؛ ترمذی، ۲۰۲۹ بدون قوله (ثلاث أقسم علیهن).

❷ حاکم، ۲/ ۲۹۵، وسنده ضعیف۔ ❸ سنده ضعیف منقطع۔

❹ أحمد، ۲/ ۲۹۶؛ صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول الله ﴿یریدون أن یبدلوا......﴾ ۷۵۰۷؛ صحیح مسلم، ۲۷۵۸۔

❺ أحمد، ۲/ ۳۰۵ وسنده ضعیف۔ ❻ وسنده ضعیف۔

❼ أحمد، ۲/ ۳۰۵ وسنده ضعیف۔ ❽ أحمد، ۱/ ۲؛ ابوداود، کتاب الصلاة، باب فی الاستغفار، ۱۵۲۱، وسنده حسن؛ ترمذی، ٤٠٦؛ ابن ماجة، ۱۳۹۵؛ ترمذی، ۳۵۹۸ وابن ماجة، ۱۷۵۲ مختصراً۔

روایت امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مروی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''تم میں سے جو شخص کامل وضو کر کے ((اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ)) پڑھے اس کیلئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں' جس سے چاہے اندر چلا جائے۔ ❶ امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سنت کے مطابق وضو کرتے ہیں پھر فرماتے ہیں میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا ہے ''جو شخص مجھ جیسا وضو کرے پھر دو رکعت نماز ادا کرے جس میں اپنے دل سے باتیں نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے'' (بخاری و مسلم) ❷ پس یہ حدیث تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس سے اگلی روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس سے اگلی روایت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اور اس تیسری روایت کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' تو الحمد للہ اللہ تعالیٰ کے وسیع مغفرت اور اس کی انتہا مہربانی کی خبر سید الاولین والاخرین کی زبانی آپ کے چاروں برحق خلفا کی معرفت ہمیں پہنچی (آؤ اس موقعہ پر ہم گنہگار بھی ہاتھ اٹھائیں اور اپنے مہربان رحیم و کریم اللہ کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کر کے اس سے معافی طلب کریں۔ اے اللہ! اے ماں باپ سے زیادہ مہربان! اے عفو و درگزر کرنے والے اور کسی بھکاری کو اپنے در سے خالی نہ پھیرنے والے! تو ہم خطا کاروں کی سیاہ کاریوں سے بھی درگزر فرما اور ہمارے کل گناہ معاف فرما دے آمین۔ مترجم) یہی وہ مبارک آیت ہے کہ جب یہ نازل ہوئی تو ابلیس رونے لگا (مسند عبدالرزاق)۔ ❸

مسند ابویعلی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''((لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ)) کثرت سے پڑھا کرو اور استغفار پر مداومت کرو ابلیس گناہوں سے لوگوں کو ہلاک کرنا چاہتا ہے اور اس کی اپنی ہلاکت ((لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ)) سے ہے یہ حدیث دیکھ کر ابلیس نے لوگوں کو خواہش پرستی میں ڈال دیا۔ پس وہ اپنے آپ کو راہ راست پر جانتے ہیں حالانکہ ہوتے ہیں ہلاکت میں۔ ❹ لیکن اس حدیث کے دو راوی ضعیف ہیں۔

مسند احمد میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ابلیس نے کہا اے رب! مجھے تیری عزت کی قسم میں بنی آدم کو ان کے آخری دم تک بہکاتا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے بھی میرے جلال اور میری عزت کی قسم جب تک وہ مجھ سے بخشش مانگتے رہیں گے میں بھی انہیں بخشتا ہی رہوں گا۔ ❺ مسند بزار میں ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے کہا مجھ سے گناہ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا ''توبہ کر لے۔'' اس نے کہا میں نے توبہ کی پھر گناہ ہو گیا۔ فرمایا ''پھر توبہ کر لے۔'' اس نے کہا مجھ سے پھر گناہ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا ''پھر استغفار کر۔'' اس نے کہا مجھ سے اور گناہ ہوا۔ فرمایا ''استغفار کئے جا' یہاں تک کہ شیطان تھک جائے۔'' ❻ پھر فرمایا ''گناہ کو بخشنا اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔''

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک قیدی آیا اور کہنے لگا یا اللہ میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں محمد ﷺ کی طرف توبہ نہیں کرتا (یعنی اے اللہ میں تیری ہی بخشش چاہتا ہوں)۔ آپ نے فرمایا اس نے حق حقدار کو پہنچایا۔ ❼ اصرار کرنے سے مراد یہ ہے کہ معصیت پر بغیر توبہ کئے اڑ نہیں جاتے اگر کئی مرتبہ گناہ ہو جائے تو کئی مرتبہ استغفار بھی کرتے ہیں۔ مسند ابویعلی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''وہ اصرار کرنے والا اور اڑنے والا نہیں جو استغفار کرتا رہتا ہے اگرچہ (بالفرض) اس سے ایک دن میں ستر =

❶ صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب الذکر المستحب عقب الوضوء، ۲۳٤۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا ۱۵۹؛ صحیح مسلم، ۲۲٦۔ ❸ تفسیر القرآن لعبدالرزاق، ۱/ ٤٦۲، رقم: ٤٥٤، وسنده ضعیف۔

❹ مسند ابی یعلیٰ، ۱۳٦، وسنده ضعیف جداً موضوع۔ ❺ مسند احمد، ۳/ ۲۹ وسنده ضعیف۔

❻ مسند البزار، ۳۲٤۹ وسنده ضعیف جداً؛ مجمع الزوائد ۱۰/ ۱۹۹ اس کی سند میں بشار بن الحکم ہے جسے ابوزرعہ نے منکر الحدیث کہا ہے۔ (المیزان ۱/ ۳۰۹، رقم: ۱۱۷۳) ❼ احمد، ۳/ ٤۳٥ وسنده ضعیف؛ طبرانی، ۸۳۹۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾

ترجمہ: تم سے پہلے بھی ایسے واقعات گزر چکے ہیں زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ (آسمانی تعلیم کے) جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟[۱۳۷] عام لوگوں کے لئے تو یہ قرآن اظہار (حق) ہے اور پرہیزگاروں کیلئے ہدایت و نصیحت ہے۔[۱۳۸] تم نہ سستی کرو اور نہ غمگین ہو تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان دار ہو۔[۱۳۹] اگر تم زخمی ہوئے ہو تو تمہارے مخالف لوگ بھی تو ایسے ہی زخمی ہو چکے ہیں۔ ہم ان دنوں کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں (شکست احد) اس لئے تھی کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا مرتبہ عطا فرمائے اللہ تعالیٰ ناحق والوں کو دوست نہیں رکھتا[۱۴۰] (یہ وجہ بھی تھی) کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو بالکل الگ کر دے اور کافروں کو مٹا دے۔[۱۴۱] کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ اب تک اللہ تعالیٰ نے یہ معلوم نہیں کیا کہ تم میں سے جہاد کرنے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں؟[۱۴۲] جنگ سے پہلے تو تم شہادت کی آرزو میں تھے اب اسے اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ لیا۔[۱۴۳]

= مرتبہ بھی گناہ ہو جائے۔'' ❶

پھر فرمایا کہ وہ جانتے ہوں یعنی اس بات کو کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے' جیسے اور جگہ ہے ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ﴾ ❷ ''کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔'' اور جگہ ہے ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ﴾ ❸ ''جو شخص کوئی برا کام کر لے یا گناہ کر کے اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے تو وہ دیکھ لے گا کہ اللہ عزوجل بخشش کرنے والا مہربان ہے۔''

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے منبر پر بیان فرمایا ''لوگو! تم اوروں پر رحم کرو اللہ تم پر رحم کرے گا' لوگو تم دوسروں کی خطائیں معاف کرو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو بخشے گا باتیں بنانے والوں کو ہلاکت ہے گناہ پر جم جانے والوں کو ہلاکت ہے۔'' ❹ پھر

❶ ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب فی الاستغفار، ۱۵۱٤؛ ترمذی، ۳۵۵۹ وسندہ ضعیف؛ مولیٰ ابی بکر مجہول الحال ہے۔

❷ ۹/ التوبۃ: ۱۰٤۔ ❸ ٤/ النسآء: ۱۱۰۔

❹ احمد، ۲/ ۱٦۵، وسندہ حسن۔

فرمایا ''ان کاموں کے بدلے ان کی جزا مغفرت ہے اور طرح طرح کی بہتی نہروں والی جنت ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑے اچھے اعمال ہیں۔''

آزمائش کے وقت ایمان پر استقامت اختیار کرنا: [آیت:۱۳۷۔۱۴۳] چونکہ احد والے دن ستر مسلمان شہید ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تسلی وتشفی دیتا ہے کہ اس سے پہلے بھی دیندار لوگ نقصان مال و جان اٹھاتے رہے لیکن بالآخر غلبہ انہی کا ہوا۔ تم اگلے واقعات پر ایک نگاہ ڈال لو تو یہ راز تم پر کھل جائے گا۔ اس قرآن میں لوگوں کے لئے اگلی امتوں کا بیان بھی ہے اور یہ ہدایت و وعظ بھی ہے یعنی تمہارے دلوں کی ہدایت اور تم کو برائی بھلائی سے آگاہ کرنے والا یہی قرآن ہے۔ مسلمانوں کو یہ واقعات یاد دلا کر پھر مزید تسلی کے طور پر فرمایا کہ تم اس جنگ کے نتائج دیکھ کر بددل نہ ہو جانا نہ مغموم بن کر بیٹھ رہنا فتح و نصرت غلبہ اور علو بالآخر اے مؤمنین تمہارے لئے ہی ہے۔ اگر تم کو زخم لگے اور تمہارے آدمی شہید ہوئے تو اس سے پہلے تمہارے دشمن بھی تو قتل ہو چکے ہیں وہ بھی تو زخم خوردہ ہیں، یہ تو چڑھتی ڈھلتی چھاؤں ہے ہاں بھلا وہ ہے جو انجام کار غالب رہے اور یہ ہم نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے یہ بعض مرتبہ کی شکست، بالخصوص اس جنگ احد کی اس لئے تھی کہ ہم صابروں اور غیر صابروں کا امتحان کر لیں اور جو مدت سے شہادت کی آرزو کرتے تھے انہیں کامیاب بنائیں کہ وہ اپنی جان و مال ہماری راہ میں خرچ کریں۔

اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ جملہ معترضہ بیان کر کے فرمایا یہ اس لئے بھی کہ ایمان والوں کے گناہ اگر ہوں تو دور ہو جائیں ورنہ ان کے درجات بڑھیں اور اس میں کافروں کا مٹانا بھی ہے کیوں کہ وہ غالب ہو کر پھولیں گے اور سرکشی اور تکبر میں اور بڑھیں گے اور یہی ان کی ہلاکت اور بربادی کا سبب بنے گا اور پھر مرکھپ جائیں گے۔ ان سختیوں ان زلزلوں اور ان آزمائشوں کے بغیر کوئی جنت میں نہیں جا سکتا۔ جیسے سورۂ بقرہ میں ذکر کیا ہے کہ ''کیا تم یہ جانتے ہو کہ تم سے پہلے لوگوں کی جیسی آزمائش ہوئی ایسی تمہاری نہ ہو اور تم جنت میں چلے جاؤ الخ۔ یہ نہیں ہوگا۔'' اور جگہ ہے ﴿الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ﴾ ❶ ''کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم صرف ان کے اس قول پر کہ ہم ایمان لائے انہیں چھوڑ دیں گے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی؟'' یہاں بھی یہی فرمان ہے کہ جب تک صبر کرنے والے معلوم نہ ہو جائیں یعنی دنیا میں ہی ظہور میں نہ آ جائیں تب تک جنت نہیں مل سکتی۔ پھر فرمایا کہ تم اس سے پہلے تو ایسے موقعہ کی آرزو میں تھے کہ تم اپنا صبر اور اپنی سختی اور مضبوطی اور استقامت اللہ کو دکھاؤ راہ للہ میں شہادت پاؤ۔ لو اب ہم نے تم کو موقعہ دیا تم بھی اپنی ثابت قدمی اور اولوالعزمی دکھاؤ۔ حدیث شریف میں ہے ''دشمن کی ملاقات کی آرزو نہ کرو اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرو اور جب میدان پڑ جائے پھر لوہے کی لاٹ (مٹھ) کی طرح جم جاؤ اور صبر کے ساتھ ثابت قدم رہو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔'' ❷ پھر فرمایا کہ تم نے اپنی آنکھوں اس منظر کو دیکھ لیا کہ نیزے تنے ہوئے ہیں تلواریں کھچ رہی ہیں بھالے اچھل رہے ہیں تیر برس رہے ہیں گھمسان کا رن پڑا ہوا ہے اور ادھر ادھر لاشیں گر رہی ہیں۔

❶ ۲۹/ العنکبوت:۱، ۲۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب كان النبی ﷺ إذا لم يقاتل فی اوّل النهار......، ۲۹۶۶؛ صحیح مسلم، ۱۷٤۱؛ ابوداود، ۲٦۳۱۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْــًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِىٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِىْۤ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ ع

ع ۱۵ / ۵

ترجمہ: (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف رسول ہی ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو چکے ہیں کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر جائے تو ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا۔ عنقریب اللہ تعالیٰ شکرگزاروں کو نیک بدلہ دے گا۔[۱۴۴] بغیر اللہ کے حکم کے کوئی جاندار نہیں مر سکتا' مقرر شدہ وقت لکھا ہوا ہے۔ دنیا کی چاہت والوں کو ہم کچھ دنیا دے دیتے ہیں اور آخرت کا ثواب چاہنے والے کو ہم وہ بھی دیدیتے ہیں' احسان ماننے والوں کو ہم بہت جلد نیک بدلہ دیں گے۔[۱۴۵] بہت سے نبیوں کے ہمرکاب ہو کر بہت سے اللہ والے جہاد کر چکے ہیں۔ انہیں بھی راہِ للہ میں تکلیفیں پہنچیں لیکن نہ تو انہوں نے ہمت ہاری نہ سست ہوئے نہ دبے۔ اللہ صبر کرنے والوں کو ہی چاہتا ہے۔[۱۴۶] وہ یہی کہتے رہے کہ اے پروردگار ہمارے گناہوں کو بخش اور ہم سے ہمارے کاموں میں جو بیجا زیادتی ہوئی ہے اسے بھی معاف فرما اور ہمیں ثابت قدمی عطا فرما اور ہمیں کافروں کی قوم پر مدد دے۔[۱۴۷] اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا کا ثواب بھی دیا اور آخرت کے ثواب کی خوبی بھی عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔[۱۴۸]

وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل: [آیت: ۱۴۴-۱۴۸] میدان احد میں مسلمانوں کو شکست بھی ہوئی اور ان میں سے بعض قتل بھی کیے گئے۔ اس دن شیطان نے یہ بھی مشہور کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی شہید ہو گئے اور ابن قمیہ کافر نے مشرکوں میں جا کر یہ خبر اڑا دی کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر کے آیا ہوں اور دراصل وہ افواہ بھی بے اصل تھی اور اس شخص کا یہ قول بھی غلط تھا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ تو کیا تھا لیکن اس سے صرف آپ کا چہرہ قدرے زخمی ہو گیا تھا اور کوئی بات نہ تھی۔ اس غلط بات کی شہرت نے مسلمانوں کے دل تھوڑے کر دیئے ان کے قدم اکھڑ گئے اور لڑائی سے بددل ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اگلے انبیا کی طرح یہ بھی ایک نبی ہیں ہو سکتا ہے کہ میدان میں قتل کر دیئے جائیں لیکن کچھ اللہ کا دین جاتا نہیں رہے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک مہاجر نے دیکھا کہ ایک انصاری جنگ احد میں زخموں سے چور زمین پر گر پڑا ہے اور خاک و خون میں لوٹ رہا ہے' اس سے کہا کہ

آپ کو بھی معلوم ہے کہ حضور ﷺ قتل کر دیئے گئے اس نے کہا کہ اگر یہ صحیح ہے تو اپنا کام کر گئے اب آپ کے دین پر سے تم سب بھی قربان ہو جاؤ۔ اسی کے بارے میں یہ آیت اتری ❶ پھر فرمایا کہ حضور ﷺ کا قتل (وفات) ایسی چیز نہیں کہ تم اللہ کے دین سے پچھلے پیروں پھر جاؤ۔ اور ایسا کرنے والے اللہ کا کچھ نہ بگاڑیں گے اللہ تعالیٰ ان ہی لوگوں کو جزائے خیر دے گا جو اس کی اطاعت پر جم جائیں اور اس کے دین کی مدد میں لگ جائیں اور اس کے رسول کی تابعداری میں مضبوط ہو جائیں خواہ رسول زندہ ہوں یا نہ ہوں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کی خبر سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہو کر مسجد میں تشریف لے گئے لوگوں کی حالت دیکھی بھالی اور بغیر کچھ کہے سنے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر آئے یہاں حضور ﷺ پر حبرہ کی چادر اوڑھا دی گئی تھی۔ آپ نے چادر کا کونہ چہرہ مبارک پر سے ہٹا کر بے ساختہ بوسہ لے لیا اور روتے ہوئے فرمانے لگے "میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپ پر دو مرتبہ موت نہ لائے گا جو موت آپ پر لکھ دی گئی تھی وہ آپ کو آ چکی"۔ ❷ اس کے بعد آپ پھر مسجد میں آئے اور دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ سنا رہے ہیں۔ ان سے فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ۔ انہیں چپ کرا کر آپ نے لوگوں سے فرمایا جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد ﷺ فوت ہو گئے اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا وہ خوش رہے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اس پر موت نہیں آتی" پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ لوگوں کو ایسا معلوم ہونے لگا گویا یہ آیت اب اتری ہے۔ پھر تو ہر شخص کی زبان پر یہ آیت چڑھ گئی اور لوگوں نے یقین کر لیا کہ آپ ﷺ فوت ہو گئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زبانی اس آیت کی تلاوت سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تو گویا قدم ٹوٹ گئے انہیں بھی یقین ہو گیا کہ حضور ﷺ اس جہان فانی کو چھوڑ کے چل بسے۔ ❸ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں فرماتے تھے کہ نہ ہم حضور ﷺ کی موت پر مرتد ہوں نہ آپ کی شہادت پر، اللہ کی قسم اگر حضور ﷺ قتل کئے جائیں تو ہم بھی اس دین پر مر مٹیں جس پر آپ شہید ہوئے اللہ کی قسم میں تو آپ کا بھائی ہوں آپ کا ولی ہوں آپ کا چچازاد بھائی ہوں اور آپ کا وارث ہوں مجھ سے زیادہ حق دار آپ ﷺ کا کون ہوگا؟۔ ❹

موت کا ایک وقت مقرر ہے: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ہر شخص اللہ تعالیٰ کے مقدر سے اور اپنی مدت پوری کر کے ہی مرتا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ﴾ ❺ "نہ کوئی عمر دیا جاتا ہے نہ عمر گھٹائی جاتی ہے مگر سب کتاب اللہ میں موجود ہے۔" اور جگہ ہے ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ﴾ ❻ الخ "جس اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر وقت پورا کیا اور اجل مقرر کی" اس آیت میں بزدل لوگوں کو شجاعت کی رغبت دلائی گئی ہے اور اللہ کی راہ کے جہاد کا شوق دلایا جا رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ جوانمردی کی وجہ سے کچھ عمر گھٹ نہیں جاتی اور پیچھے ہٹنے کی وجہ سے عمر بڑھ نہیں جاتی، موت تو اپنے وقت پر آ کر ہی رہے گی خواہ شجاعت اور بہادری برتو خواہ نامردی اور بزدلی دکھاؤ۔ حجر بن عدی رضی اللہ عنہ جب دشمنان دین کے مقابلہ میں جاتے ہیں اور دریائے دجلہ بیچ میں آ جاتا ہے اور لشکر اسلام ٹھٹھک کر کھڑا ہو جاتا ہے تو آپ اس آیت کی تلاوت کر کے فرماتے ہیں کہ کوئی بھی بے اجل نہیں مرتا" آؤ اسی دجلہ میں گھوڑے ڈال دو۔ یہ فرما کر آپ اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیتے ہیں آپ کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی اپنے جانوروں کو پانی میں ڈال دیتے ہیں۔ دشمن کا خون خشک ہو جاتا ہے اور اس پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے اور کہنے لگتے ہیں کہ یہ تو دیوانے آدمی ہیں یہ تو پانی کی موجوں سے بھی نہیں ڈرتے، بھاگو بھاگو چنانچہ سب کے سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ ❼

---

❶ دلائل النبوة للبیهقی، ۳/ ۲۴۸، ۲۴۹، وسنده ضعيف۔ ❷ صحيح بخاری، کتاب المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته ۴۴۵۲، ۴۴۵۳۔ ❸ صحيح بخاری، حواله سابق ۴۴۵۴۔ ❹ الطبرانی وسنده ضعيف۔

❺ ۳۵/ فاطر:۱۱۔ ❻ ۶/ الانعام:۲۔ ❼ ابن أبی حاتم، ۲/ ۵۸۴۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی باتیں مانو گے تو وہ تم کو تمہاری ایڑیوں کے بل پلٹا دیں گے (یعنی تم کو مرتد بنا دیں گے) پھر تم نامراد ہو جاؤ گے۔[۱۴۹] بلکہ اللہ ہی تمہارا مولا ہے اور وہی بہترین مددگار ہے۔[۱۵۰] ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے اس وجہ سے کہ یہ اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک کرتے ہیں جس کی کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور ان ظالموں کی بری جگہ ہے۔[۱۵۱] اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا تم اس کے حکم سے انہیں اپنے ہاتھوں سے کاٹنے لگے یہاں تک کہ تم کم ہمت ہو گئے اور کام میں جھگڑنے لگے اور نافرمانی کرنے لگے اس کے بعد کہ اس نے تمہاری چاہت کی چیز تم کو دکھا دی۔ تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض کا ارادہ آخرت کا تھا۔ پھر تم کو ان سے پھیر دیا تا کہ تم کو آزمالے اور یقیناً اس نے تمہاری لغزش سے درگزر فرما لیا۔ ایمان والوں پر اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔[۱۵۲] جب کہ تم چڑھے چلے جا رہے تھے اور کسی کی طرف توجہ تک نہیں کرتے تھے اور اللہ کے رسول تم کو تمہارے پیچھے سے آوازیں دے رہے تھے پس تم کو غم پر غم پہنچا تا کہ تم فوت شدہ چیز پر غمگین نہ ہو اور نہ ملی ہوئی چیز پر اداس ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے خبردار ہے۔[۱۵۳]

دنیا کو طلب کرنے والے اور آخرت کو چاہنے والے: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جس کا عمل صرف دنیا کیلئے ہو تو اس میں سے جتنا اس کے مقدر میں ہوتا ہے مل جاتا ہے لیکن آخرت میں وہ خالی ہاتھ رہ جاتا ہے اور جس کا قصد آخرت طلبی ہو اسے آخرت تو ملتی ہی ہے لیکن دنیا میں بھی اپنے مقدر کا پا لیتا ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ﴾ ❶ ”آخرت کی کھیتی کے چاہنے والے کو ہم زیادتی کے ساتھ دیتے ہیں اور دنیا کی کھیتی کے چاہنے والے کو ہم گو دنیا دے دیں لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔“ اور جگہ ہے ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ﴾ ❷ ”جو شخص صرف دنیا طلب ہی ہو ہم ان میں سے جسے چاہیں جس قدر چاہیں دنیا دے دیتے ہیں پھر =

❶ ۴۲/ الشوریٰ:۲۰۔ ❷ ۱۷/ الاسرآء:۱۸۔

== وہ جہنمی بن جاتا ہے اور ذلت ورسوائی کے ساتھ اس میں جاتا ہے اور جو آخرت کا خواہاں ہو اور کوشاں بھی ہو اور باایمان بھی ہو ان کی کوشش اللہ کے ہاں مشکور ہے۔" اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ ہم شکر گزاروں کو اچھا بدلہ دے دیتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ احد کے مجاہدین کو خطاب کرتا ہوا فرماتا ہے کہ اس سے پہلے بھی بہت سے نبی اپنی جماعتوں کو ساتھ لے کر دشمنان دین سے لڑے بھڑے اور وہ تمہاری طرح راہ الٰہی میں تکلیفیں بھی پہنچائے گئے لیکن پھر بھی مضبوط دل اور صابر وشاکر رہے سست و ضعیف نہ ہوئے اور اس صبر کے بدلے انہوں نے اللہ کی محبت مول لے لی۔ ایک یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ اے مجاہدین احد تم یہ سن کر کہ حضور ﷺ شہید ہوئے کیوں ہمت ہار بیٹھے؟ اور کفر کے مقابلہ میں کیوں دب گئے؟ حالانکہ تم سے اگلے لوگ اپنے انبیا علیہم السلام کی شہادت کو دیکھ کر بھی نہ دبے نہ جھجکے بلکہ اور تیزی کے ساتھ لڑے یہ اتنی بڑی مصیبت بھی ان کے قدم نہ ڈگمگا سکی اور ان کے دل تھوڑے نہ کر سکی۔ پھر تم حضور ﷺ کی شہادت کی خبر سن کر اتنے بودے کیوں ہو گئے ﴿رِبِّيُّوْنَ﴾ کے بہت سے معنی آتے ہیں مثلاً علماء ابرار، متقی، عابد، زاہد، تابع فرمان وغیرہ وغیرہ۔ ❶ پس قرآن کریم ان کی اس مصیبت کے وقت کی دعا کو نقل کرتا ہے پھر فرماتا ہے کہ انہیں دنیا کا ثواب نصرت ومدد ظفر واقبال ملا اور آخرت کی بھلائی اور اچھائی بھی اسی کے ساتھ جمع ہوئی یہ محسن لوگ اللہ کے چہیتے بندے ہیں۔

کافروں کی بات ماننے میں ذلت ہے: [آیت:۱۴۹۔۱۵۳] اللہ تعالیٰ اپنے ایمان دار بندوں کو کافروں اور منافقوں کی باتوں کے ماننے سے روک رہا ہے اور بتلا رہا ہے کہ اگر ان کی مانی تو دنیا اور آخرت کی ذلت تم پر آئے گی۔ ان کی چاہت تو یہی ہے کہ تم کو دین اسلام سے ہٹا دیں۔ پھر فرماتا ہے کہ مجھ ہی کو مولا اور مددگار جانو مجھ ہی سے دوستیاں کرو مجھ پر ہی بھروسہ کرو مجھ ہی سے مدد چاہو۔ پھر فرمایا کہ ان شریروں کے دلوں میں بوجہ ان کے کفر کے میں ڈر خوف ڈال دوں گا۔

بخاری ومسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مجھے پانچ باتیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ میری مدد رعب سے کی گئی ہے مہینہ بھر کی راہ تک، میرے لئے زمین مسجد اور وضو کی پاک چیز بنائی گئی میرے لئے غنیمت کے مال حلال کئے گئے اور مجھے شفاعت دی گئی اور ہر نبی اپنی اپنی قوم کی طرف خاصۃً بھیجا جاتا تھا اور میری بعثت اور میری نبوت تمام دنیا کے لئے عام ہوئی۔" ❷ مسند احمد میں ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں پر" اور بعض روایتوں میں ہے "تمام امتوں پر مجھے چار فضیلتیں عطا فرمائیں ہیں۔ مجھے تمام دنیا کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا، میرے اور میری امت کے لئے تمام زمین مسجد اور پاک بنائی گئی میرے امتی کو جہاں نماز کا وقت آ جائے وہیں اس کی مسجد اور اس کا وضو ہے، میرا دشمن مجھ سے مہینہ بھر کی راہ پر ہو وہیں سے اللہ اس کا دل رعب سے پر کر دیتا ہے وہ کانپنے لگتا ہے۔ میرے لئے غنیمت کے مال حلال کئے گئے۔" ❸ اور روایت میں ہے کہ "میں مدد کیا گیا ہوں رعب سے ہر دشمن پر۔" ❹ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے۔ "مجھے پانچ چیزیں دی گئیں میں ہر سرخ وسفید کی طرف بھیجا گیا، میرے لئے تمام زمین وضو اور مسجد بنائی گئی۔ میرے لئے غنیمت کے مال حلال کئے گئے جو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھے میری مدد رعب سے مہینہ بھر کی راہ تک کی گئی۔ مجھے شفاعت دی گئی، تمام انبیا علیہم السلام نے

❶ الطبری، ۷/ ۲٦٦؛ ابن أبی حاتم، ۲/ ۵۸۷۔

❷ صحیح بخاری، کتاب التیمم، باب رقم، ۱۱ح ۳۳۵؛ صحیح مسلم، ۵۲۱؛ نسائی، ۴۳۲۔

❸ أحمد، ۵/ ۲۴۸؛ ترمذی، کتاب السیر، باب ما جاء فی الغنیمة، ۱۵۵۳۔ مختصراً، وھو حسن۔

❹ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب المساجد ومواضع الصلاة، ۵۲۳۔

شفاعت مانگ لی لیکن میں نے اپنی شفاعت کو اپنی امت کے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو چھپا رکھی ہے۔'' ❶ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کے دل میں رعب ڈال دیا اور وہ لڑائی سے لوٹ گیا۔ ❷

جنگ اُحد کے چند مزید واقعات: پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور تمہاری مدد کی۔ اس سے بھی یہ استدلال ہوسکتا ہے کہ یہ وعدہ احد کے دن کا تھا تین ہزار دشمن کا لشکر تھا تاہم مقابلہ پر آتے ہی ان کے قدم اکھڑ گئے اور مسلمانوں کو فتح مندی حاصل ہوئی۔ لیکن پھر تیر اندازوں کی نافرمانی کی وجہ سے اور بعض حضرات کی پست ہمتی کی بنا پر وہ وعدہ جو مشروط تھا رک گیا۔ پس فرماتا ہے کہ تم انہیں اپنے ہاتھ سے کاٹتے تھے۔ شروع دن میں ہی اللہ تعالیٰ نے تم کو ان پر غالب کر دیا لیکن تم نے پھر بزدلی دکھائی اور نبی کی نافرمانی کی ان کی بتلائی ہوئی جگہ سے ہٹ گئے اور آپس میں اختلاف کرنے لگے حالانکہ اللہ نے تم کو تمہاری رغبت کی چیز دکھا دی تھی۔ یعنی مسلمان صاف طور پر غالب آ گئے تھے مال غنیمت آنکھوں کے سامنے موجود تھا' کفار پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ تم میں سے بعض نے دنیا طلبی کی اور کفار کی ہزیمت کو دیکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا خیال نہ کر کے مال غنیمت کی طرف لپکے گو بعض نیک نیت اور آخرت طلب بھی تھے لیکن اس نافرمانی وغیرہ کی بنا پر کفار کی پھر بن آئی اور ایک مرتبہ تمہاری پوری آزمائش ہوگئی غالب ہو کر مغلوب ہو گئے' فتح کے بعد شکست ہوگئی۔ لیکن پھر بھی اللہ نے تمہارے اس جرم کو معاف فرما دیا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ بظاہر تم ان سے تعداد میں اور اسباب میں کم تھے۔ خطا کا معاف ہونا بھی ﴿عَفَا عَنْكُمْ﴾ میں داخل ہے اور یہ بھی مطلب ہے کہ کچھ یونہی سی گوشمالی کر کے کچھ بزرگوں کی شہادت کے بعد اس نے اپنی آزمائش کو اٹھا لیا اور باقی والوں کو معاف فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ باایمان لوگوں پر فضل و کرم لطف و رحم ہی کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد جیسی احد میں ہوئی ہے کہیں نہیں ہوئی۔ اسی کے بارے میں ارشاد باری ہے کہ اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا لیکن پھر تمہارے کرتوتوں سے معاملہ برعکس ہو گیا۔ بعض لوگوں نے دنیا طلبی کر کے رسول کی نافرمانی کی' یعنی بعض تیر اندازوں نے جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑ کے درے پر کھڑا کیا تھا اور فرما دیا تھا کہ ''تم یہاں سے دشمنوں کی نگہبانی کرو وہ ہماری پیٹھ کی طرف سے نہ آ جائیں۔ اگر تم دیکھو ہم ہار بھی گئے تو تم اپنی جگہ سے نہ ہلنا اور اگر تم دیکھو کہ ہم ہر طرح غالب آ گئے تو بھی تم غنیمت جمع کرنے کیلئے بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔'' جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غالب آ گئے تو تیر اندازوں نے حکم عدولی کی وہ اپنی جگہ کو چھوڑ کر مسلمانوں میں آ ملے اور مال غنیمت جمع کرنا شروع کر دیا' صفوں کا کوئی خیال نہ رہا درے کو خالی پا کر مشرکوں نے بھاگنا بند کیا اور غور و فکر کر کے اس جگہ سے حملہ کر دیا۔ چند مسلمان جواب تک وہاں جمے کھڑے تھے وہ شہید ہو گئے اور اب ان لوگوں نے مسلمانوں کی پیٹھ کے پیچھے سے ان کی بے خبری میں اس زور کا حملہ کیا کہ مسلمانوں کے پیر نہ جم سکے اور شروع دن کی فتح اب شکست میں بدل گئی اور یہ مشہور ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی شہید ہو گئے اور لڑائی کے رنگ نے مسلمانوں کو اس کا یقین کرا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب کہ مسلمانوں کی نظریں چہرہ مبارک پر پڑیں تو وہ اپنی سب کوفت اور ساری مصیبت بھول گئے اور خوشی کے مارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لپکے۔ آپ ادھر آ رہے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ کا سخت غضب نازل ہوا ان لوگوں پر جنہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کو خون خون کر دیا انہیں کوئی حق نہ تھا کہ اس طرح ہم پر غالب آ جائیں تھوڑی دیر میں ہم نے سنا کہ

---

❶ احمد، ٤/ ٤١٦، وسنده ضعيف۔

❷ ابن ابی حاتم، ٢/ ٥٩٨۔ اس کی سند میں عطیہ عوفی مجروح راوی ہے۔ (التقريب ٢/ ٢٦٦، رقم: ٤١٢٠) لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

ابوسفیان پہاڑ کے نیچے کھڑا ہوا کہہ رہا تھا ((اُعْلُ هُبَلُ اُعْلُ هُبَلُ)) ہبل بت کا بول بالا ہو' ہبل بت کا بول بالا ہو' ابوبکر کہاں ہے؟ عمر کہاں ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا حضور! اسے جواب دوں؟ آپ نے اجازت دی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا ((اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ)) اللہ بہت بلند ہے اور جلال و عزت والا ہے اللہ بہت بلند اور جلال و عزت والا ہے۔ وہ پوچھنے لگا بتاؤ محمد کہاں ہیں؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ عمر رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ ہیں رسول اللہ ﷺ اور یہ ہیں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور یہ ہوں میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ ابوسفیان کہنے لگا یہ بدر کا بدلہ ہے یونہی دھوپ چھاؤں الٹتی پلٹتی رہتی ہے لڑائی کی مثال تو کنوئیں کے ڈول کی سی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا برابری ہرگز نہیں تمہارے مقتول جہنم میں گئے اور ہمارے شہدا جنت میں پہنچے۔ ابوسفیان کہنے لگا اگر یوں ہی ہے تو یقیناً ہم نقصان اور گھاٹے میں رہے' سنو تمہارے مقتولین میں بعض ناک کان کٹے لوگ بھی تم پاؤ گے گو یہ ہمارے سرداروں کی رائے سے نہیں ہوا لیکن ہمیں برا بھی نہیں معلوم ہوا۔ ❶ یہ حدیث غریب ہے اور یہ قصہ بھی عجیب ہے یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرسلات سے ہے اور وہ یا ان کے والد جنگ احد میں موجود نہ تھے۔ مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ ابن ابی حاتم اور بیہقی کی دلائل النبوۃ میں بھی یہ مروی ہے اور صحیح احادیث میں اس کے بعض حصوں کے شواہد بھی ہیں۔

مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ احد والے دن عورتیں مسلمانوں کے پیچھے تھیں جو زخمیوں کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ مجھے تو پوری طرح یقین تھا کہ آج کے دن ہم میں کوئی ایک بھی طالب دنیا نہیں بلکہ اس وقت اگر مجھ سے اس بات پر قسم اٹھوائی جاتی تو کھا لیتا لیکن قرآن میں یہ آیت اتری ﴿مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا﴾ یعنی تم میں بعض طالب دنیا بھی ہیں۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم سے حضور ﷺ کا خلاف ہوا اور آپ کی نافرمانی سرزد ہوئی تو ان کے قدم اکھڑ گئے۔ حضور ﷺ کے ساتھ صرف سات انصاری اور دو مہاجر باقی رہ گئے۔ جب مشرکین نے حضور ﷺ کو گھیر لیا تو آپ فرمانے لگے' اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو انہیں ہٹائے تو ایک انصاری اٹھ کھڑے ہوئے اور اس جم غفیر کے مقابل تن تنہا داد شجاعت دینے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ پھر کفار نے حملہ کیا۔ آپ ﷺ نے یہی فرمایا۔ پھر ایک انصاری تیار ہو گئے اور اس بے جگری سے لڑے کہ انہیں آگے نہ بڑھنے دیا لیکن بالآخر یہ بھی شہید ہو گئے۔ یہاں تک کہ ساتوں صحابہ رضی اللہ عنہم اللہ کے ہاں پہنچ گئے' اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہو۔ حضور ﷺ نے مہاجرین سے فرمایا افسوس ہم نے اپنے ساتھیوں سے منصفانہ معاملہ نہ کیا۔ اب ابوسفیان نے ہانک لگائی کہ (اعل ھبل) آپ نے فرمایا کہو ((اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ)) ابوسفیان نے کہا ((لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ)) ہمارا عزیٰ بت ہے تمہارے کوئی عزیٰ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہو ((اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَالْكَافِرُوْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ)) اللہ ہمارا مولا ہے اور کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں۔ ابوسفیان کہنے لگا آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ کوئی دن ہمارا اور کوئی دن تمہارا' یہ تو ہاتھوں ہاتھ کا سودا ہے ایک کے بدلے ایک ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہرگز برابری نہیں اور ہمارے شہدا زندہ ہیں اور روزیاں دیئے جاتے ہیں اور تمہارے مقتول جہنم میں عذاب کئے جا رہے ہیں۔ پھر ابوسفیان بولا تمہارے مقتولوں میں تم دیکھو گے کہ بعض کے کان ناک وغیرہ کاٹ لئے گئے ہیں لیکن میں نے نہ یہ کہا نہ اس سے روکا اسے میں نے پسند کیا نہ ناپسند کیا نہ مجھے یہ بھلا معلوم ہوا نہ برا۔

---

❶ حاکم، ۲/ ۲۹۶، ۲۹۷۔ حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت فرمائی ہے۔ اس حدیث کے اکثر حصہ کے شواہد کے لیے دیکھئے صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب مایکره من التنازع......، ۳۰۳۹۔

سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت: اب جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا پیٹ چاک کر دیا گیا تھا اور ہندہ نے ان کا کلیجہ چبایا تھا لیکن نگل نہ سکی تو اگل دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ناممکن تھا کہ اس کے پیٹ میں حمزہ رضی اللہ عنہ کا ذرا سا گوشت بھی چلا جائے۔'' اللہ تعالیٰ حمزہ رضی اللہ عنہ کے کسی عضو بدن کو جہنم میں لے جانا نہیں چاہتا۔ چنانچہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جنازے کو اپنے سامنے رکھ کر نماز جنازہ ادا کی پھر ایک انصاری رضی اللہ عنہ کا جنازہ لایا گیا وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پہلو میں رکھا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر نماز جنازہ پڑھی' انصاری رضی اللہ عنہ کا جنازہ اٹھا لیا گیا لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ وہیں رہا۔ اسی طرح ستر شخص لائے گئے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ستر دفعہ جنازے کی نماز پڑھی گئی (مسند)۔ ❶

صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ احد والے دن مشرکوں سے ہماری مڈ بھیڑ ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیراندازوں کی ایک جماعت کو الگ بٹھا دیا اور ان کی سرداری حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو سونپی اور فرما دیا کہ ''اگر تم ہمیں ان پر غالب آیا ہوا دیکھو تو بھی یہاں سے نہ ہٹنا اور وہ ہم پر غالب آ جائیں تو بھی تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔'' لڑائی شروع ہوتے ہی اللہ کے فضل سے مشرکوں کے قدم پیچھے پڑنے لگے یہاں تک کہ عورتیں بھی تہمد اونچا کر کے پہاڑوں میں ادھر ادھر دوڑنے لگیں۔ اب تیرانداز گروہ غنیمت غنیمت کہتا ہوا نیچے اتر آیا۔ گو ان کے امیر نے ہر چند انہیں سمجھایا لیکن کسی نے ان کی نہ سنی۔ پس اب مشرکین مسلمانوں کی پیٹھ کی طرف سے آن پڑے اور ستر بزرگ شہید ہو گئے۔ ابوسفیان ایک ٹیلہ پر چڑھ کر کہنے لگا کیا محمد حیات ہیں؟ کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود ہیں؟ کیا عمر رضی اللہ عنہ زندہ ہیں؟ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے صحابہ رضی اللہ عنہم خاموش رہے تو وہ خوشی کے مارے اچھل پڑا اور کہنے لگا یہ سب ہماری تلواروں کے گھاٹ اتر گئے اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تاب ضبط نہ رہی۔ فرمانے لگے اے اللہ کے دشمن تو جھوٹا ہے بحمد اللہ ہم سب موجود ہیں اور تیری تباہی اور بربادی کرنے والے اللہ نے باقی رکھے ہیں۔ ❷ پھر وہ باتیں ہوئیں جو اوپر بیان ہو چکی ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جنگ احد میں مشرکوں کو ہزیمت ہوئی اور ابلیس نے آواز لگائی اے اللہ تعالیٰ کے بندو! اپنے پیچھے کی خبر لو۔ اگلی جماعتیں پچھلی جماعتوں پر ٹوٹ پڑیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ مسلمانوں کی تلواریں ان کے والد حضرت یمان رضی اللہ عنہ پر برس رہی ہیں۔ ہر چند کہتے رہے کہ اے اللہ کے بندو! یہ میرے باپ یمان رضی اللہ عنہ ہیں مگر کون سنتا تھا وہ تو یونہی شہید ہو گئے لیکن حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کچھ نہ کہا بلکہ فرمایا اللہ تم کو معاف کرے۔ لیکن حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی یہ بھلائی انکے آخر دم تک ان میں رہی۔ ❸

سیرت بن اسحاق میں ہے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے خود دیکھا کہ مشرک مسلمانوں کے اول حملہ میں ہی بھاگ کھڑے ہوئے تھے یہاں تک کہ ان کی عورتیں ہند وغیرہ تہمد اٹھائے تیز تیز دوڑ رہی تھیں۔ لیکن اس کے بعد جب تیراندازوں نے مرکز چھوڑا اور کفار نے سٹ کر پیچھے کی طرف سے ہم پر حملہ کر دیا اور ادھر کسی نے آواز لگائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے پس پھر معاملہ برعکس ہو گیا' ورنہ ہم مشرکین کے علم برداروں تک پہنچ چکے تھے اور جھنڈا اس کے ہاتھ سے گر پڑا تھا لیکن عمرہ بنت علقمہ بن حارثہ عورت نے اسے تھام لیا اور قریش کا مجمع پھر یہاں جمع ہو گیا۔ ❹ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ یہ

---

❶ أحمد، ١/ ٤٦٣، وسنده ضعيف لانقطاعه۔

❷ صحيح بخاري، كتاب الجهاد، باب ما يكره من التنازع، ٣٠٣٩، ٣٠٤٣-٤٠٤٤؛ ابوداود، ٢٦٦٢۔

❸ صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب ﴿إذهمت طائفتان منكم......﴾، ٤٠٦٥۔

❹ الطبري، ٨٠٠٨؛ دلائل النبوة للبيهقي ٣/ ٢٢٧، ٢٢٨۔ السيرة لابن هشام، ٣/ ٢١، وسنده حسن۔

رنگ دیکھ کر حضرت عمر، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما وغیرہ کے پاس آتے ہیں اور فرماتے ہیں تم نے کیوں ہمتیں چھوڑ دیں۔ وہ جواب دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو شہید ہو گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر تم جی کر کیا کرو گے؟ یہ کہا اور مشرکین میں گھسے پھر لڑتے رہے یہاں تک کہ اللہ سے جا ملے۔ ❶ یہ بدر والے دن جہاد میں نہیں پہنچ سکے تھے تو عہد کیا تھا کہ آئندہ اگر کوئی موقعہ آیا تو میں دکھا دوں گا' چنانچہ اس جنگ میں وہ موجود تھے جب مسلمانوں میں کھلبلی مچی تو انہوں نے کہا اللہ میں مسلمانوں کے اس کام سے معذور رہوں اور مشرکوں کے اس کام سے بری ہوں۔ پھر اپنی تلوار لے کر آگے بڑھ گئے۔ راہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ملے اور کہنے لگے کہاں جا رہے ہو؟ مجھے تو جنت کی خوشبو کی لپٹیں احد پہاڑ سے چلی آ رہی ہیں چنانچہ مشرکوں میں گھس گئے اور بڑی بے جگری سے لڑے یہاں تک کہ شہادت حاصل کی۔ اسی سے اوپر تیر و تلوار کے زخم بدن پر آئے تھے پہچانے نہ جاتے تھے' پوریاں دیکھ کر پہچانے گئے۔ ❷

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایک حاجی نے بیت اللہ شریف میں ایک مجلس دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے کہا قریشی ہیں۔ پوچھا ان کے شیخ کون ہیں؟ جواب ملا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ اب وہ آیا اور کہنے لگا میں کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا پوچھو۔ اس نے کہا آپ کو اس بیت اللہ کی حرمت کی قسم کیا آپ کو علم ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ احد والے دن بھاگ گئے تھے؟ آپ نے جواب دیا ''ہاں'' کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ بدر والے دن بھی حاضر نہیں ہوئے تھے؟ فرمایا ''ہاں'' کہا کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ بیعت رضوان میں بھی شریک نہیں ہوئے تھے؟ فرمایا یہ بھی ٹھیک ہے۔ اب اس نے خوش ہو کر تکبیر کہی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ادھر آ! اب میں تجھے پورے واقعات سناؤں۔ احد کے دن کا بھاگنا تو اللہ نے معاف فرما دیا۔ بدر کے دن کی غیر حاضری کا باعث یہ ہوا کہ آپ کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں اور وہ سخت بیمار تھیں تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ تم نہ آؤ مدینہ میں رہو' تم کو اللہ تعالیٰ اس جنگ میں حاضر ہونے کا اجر دے گا اور غنیمت میں بھی تمہارا حصہ ہے۔ بیعت رضوان کا واقعہ یہ ہے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کے پاس اپنا پیغام دے کر بھیجا تھا اس لئے کہ مکہ میں جو عزت انہیں حاصل تھی کسی اور کو اتنی نہ تھی۔ ان کے تشریف لے جانے کے بعد یہ بیعت لی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا داہنا ہاتھ کھڑا کر کے کہا یہ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہے پھر اپنے دوسرے ہاتھ پر رکھا (گویا بیعت کی) پھر اس شخص سے کہا اب جا اور اسے بھی ساتھ لے جا۔ ❸

پھر فرمایا ﴿اِذْ تُصْعِدُوْنَ﴾ الخ یعنی تم اپنے دشمن سے بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ رہے تھے اور مارے خوف و دہشت کے دوسری جانب توجہ بھی نہیں کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تم نے وہیں چھوڑ دیا تھا وہ تم کو آواز دے رہے تھے اور سمجھا رہے تھے کہ ''بھاگو نہیں لوٹ آؤ'' حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مشرکین کے اس خفیہ اور پرزور اور اچانک حملہ سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے کچھ تو مدینہ کی طرف لوٹ آئے کچھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ اللہ کے نبی آوازیں دیتے رہے ''اللہ کے بندو میری طرف آؤ' اللہ کے بندو میری طرف آؤ'' اس واقعہ کا بیان اس آیت میں ہے۔ عبداللہ بن زبعری شاعر نے اس واقعہ کو نظم میں بھی ادا کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت صرف بارہ آدمیوں کے ساتھ رہ گئے تھے۔ مسند احمد کی طویل حدیث میں بھی ان تمام واقعات کا ذکر ہے۔ ❹ دلائل النبوۃ

❶ الطبری، ٤٩٤٥؛ ابن ہشام، ٣/ ٨٨۔ اس کی سند میں قاسم بن عبدالرحمن بن رافع مجہول الحال راوی ہے جبکہ یہ روایت ضعیف منکر ہے۔

❷ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ أحد، ٤٠٤٨؛ صحیح مسلم، ١٩٠٣۔

❸ صحیح بخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی، باب فضائل عثمان، ٣٦٩٩، ٤٠٦٦۔

❹ أحمد، ٤/ ٢٩٣؛ صحیح بخاری، ٤٠٤٣: مختصرًا۔

میں ہے کہ جب ہزیمت ہوئی تب حضور ﷺ کے ساتھ صرف گیارہ اشخاص رہ گئے تھے جن میں ایک حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ تھے۔آپ پہاڑ پر چڑھنے لگے لیکن مشرکین نے آ گھیرا آپ نے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کوئی ہے جو ان سے مقابلہ کرے۔حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس آواز پر فوراً لبیک کہا اور تیار ہو گئے' لیکن آپ نے فرمایا تم ابھی ٹھہر جاؤ۔اب ایک انصاری تیار ہوئے اور وہ ان سے لڑنے لگے' یہاں تک کہ شہید ہوئے۔اسی طرح سب کے سب ایک ایک کر کے شہید ہو گئے' اب صرف حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ رہ گئے۔گو یہ بزرگ ہر مرتبہ تیار ہو جاتے تھے لیکن حضور ﷺ انہیں روک لیا کرتے تھے۔آخر یہ مقابلہ پر آئے اور اس طرح جم کر لڑے کہ ان سب کی لڑائی ایک طرف اور یہ ایک طرف کی۔اس لڑائی میں ان کی انگلیاں کٹ گئیں تو زبان سے حس نکل گیا' آپ نے فرمایا" اگر تم بسم اللہ کہہ دیتے یا اللہ کا نام لیتے تو تم کو فرشتے اٹھا لیتے اور آسمان کی بلندی کی طرف لے چڑھتے اور لوگ دیکھتے رہتے۔" اب نبی ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع میں پہنچ چکے تھے۔ ❶ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت قیس بن ابی حازم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' میں نے دیکھا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا وہ ہاتھ جسے انہوں نے سپر بنایا تھا' شل ہو گیا تھا۔ ❷

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے پاس حضور ﷺ نے اپنے ترکش سے احد والے دن تمام تیر پھیلا دیئے اور فرمایا" تجھ پر میرے ماں باپ فدا ہوں' لے مشرکین کو مار"۔ ❸ اب آپ اٹھا اٹھا کر دیتے جاتے تھے اور میں تاک تاک کر مشرکین کو مارتا جاتا تھا اس دن میں نے دو شخصوں کو دیکھا کہ حضور ﷺ کے دائیں بائیں تھے اور سخت تر قتال کر رہے تھے۔میں نے نہ تو اس سے پہلے کبھی انہیں دیکھا تھا' نہ اس کے بعد۔یہ دونوں حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل علیہما السلام تھے۔ ❹ اور ایک روایت میں ہے کہ جو بزرگ حضور ﷺ کے ساتھ بھاگڑ کے بعد تھے اور ایک ایک ہو کر شہید ہوئے تھے انہیں آپ ﷺ فرماتے جاتے تھے کوئی ہے جو انہیں روکے اور جنت میں جائے۔جنت میں میرا رفیق بنے ❺

ابی بن خلف نے مکہ میں قسم کھائی تھی کہ میں رسول اللہ ﷺ کو قتل کروں گا۔جب حضور ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا" وہ تو نہیں بلکہ میں ان شاء اللہ اسے قتل کروں گا۔" احد والے دن یہ خبیث سر تا پا لوہے میں غرق زرہ بکتر لگائے ہوئے حضور ﷺ کی طرف بڑھا اور یہ کہتا آتا تھا کہ اگر محمد ﷺ بچ گئے تو میں اپنے تئیں ہلاک کر ڈالوں گا۔ادھر سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اس نا ہنجار کی طرف بڑھے لیکن آپ شہید ہو گئے۔اب حضور ﷺ اس کی طرف بڑھے اس کا سارا جسم لوہے میں چھپا ہوا تھا صرف ذرا سی پیشانی نظر آ رہی تھی۔آپ نے نیزہ تاک کر وہیں لگایا جو ٹھیک نشانے پر بیٹھا اور یہ تیورا کر گھوڑے پر سے گرا۔گو اس زخم سے خون بھی نہ نکلا تھا لیکن اس کی یہ حالت تھی کہ بلبلا رہا تھا۔لوگوں نے اسے اٹھا لیا لشکر میں لے گئے اور تشفی دینے لگے کہ ایسا کوئی کاری زخم نہیں لگا کیوں اسقدر نامردی کرتا ہے۔آخر ان کے طعنوں سے مجبور ہو کر اس نے کہا میں نے سنا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے میں ابی کو قتل کروں گا۔سچ مانو اب میں کبھی نہیں بچ سکتا' تم اس پر نہ جاؤ کہ مجھے ذرا سی خراش ہی آئی ہے اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری

---

❶ نسائی، کتاب الجهاد، باب مایقول من یطعنه العدو، ۳۱۵۱، وهو حسن۔

❷ صحیح بخاری کتاب المغازی، باب ﴿إذهمت طائفتان......﴾ ۴۰۶۳۔

❸ صحیح بخاری، حواله سابق ۴۰۵۵۔

❹ صحیح بخاری، ۴۰۵۴؛ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب اکرامه ﷺ بقتال الملائكة، معه ﷺ، ۲۳۰۶۔

❺ صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب غزوة أحد، ۱۷۸۹۔

جان ہے اگر کل اہل ذی المجاز کو اتنا زخم اس ہاتھ سے لگ جاتا تو سب ہلاک ہو جاتے۔ پس یونہی تڑپتے تڑپتے اور بلکتے بلکتے اس جہنمی کی ہلاکت ہوئی اور مر کر جہنم رسید ہوا۔ ❶

مغازی محمد بن اسحاق میں ہے کہ جب یہ شخص حضور ﷺ کے سامنے ہوا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کے مقابلے کی خواہش کی لیکن آپ نے انہیں روک دیا اور آپ ﷺ نے فرمایا ''اسے آنے دو۔'' جب وہ قریب آ گیا تو آپ ﷺ نے حارث بن صمہ سے نیزہ لے کر اس پر حملہ کر دیا۔ حضور ﷺ کے ہاتھ میں نیزہ دیکھتے ہی وہ کانپ اٹھا۔ ہم نے اسی وقت سمجھ لیا کہ اس کی خیر نہیں۔ آپ نے اس کی گردن پر وار کیا اور وہ لڑکھڑا کر گھوڑے پر سے گرا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ بطن رابغ میں اس کافر کو موت آئی۔ ایک مرتبہ میں پچھلی رات یہاں سے گزرا تو میں نے ایک جگہ سے آگ کے دہشت ناک شعلے اٹھتے ہوئے دیکھے اور دیکھا کہ ایک شخص کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے اس آگ میں گھسیٹا جا رہا ہے اور وہ پیاس پیاس کر رہا ہے اور دوسرا شخص کہتا ہے اسے پانی نہ دینا یہ پیغمبر علیہ السلام کے ہاتھ کا مارا ہوا ہے یہ ابی بن خلف ہے۔ ❷ بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے آپ ﷺ نے اپنے سامنے کے چار دانتوں کی طرف جنہیں مشرکین نے احد والے دن شہید کیا تھا' اشارہ کر کے فرما رہے تھے ''اللہ کا سخت تر غضب ان لوگوں پر ہے جنہوں نے اپنے نبی کے ساتھ یہ کیا اور اس پر بھی اللہ کا غضب ہے جسے اللہ کا رسول ﷺ اللہ کی راہ میں قتل کرے۔'' ❸ اور روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ''جن لوگوں نے اللہ کے رسول کا چہرہ زخمی کیا۔'' ❹ عتبہ بن ابی وقاص کے ہاتھوں حضور ﷺ کو یہ زخم لگا تھا' سامنے کے چار دانت ٹوٹ گئے تھے رخساروں پر زخم آیا تھا اور ہونٹ پر بھی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے مجھے جس قدر اس شخص کے قتل کی حرص تھی کسی اور کے قتل کی نہ تھی یہ شخص بڑا بد خلق تھا اور ساری قوم سے اس کی دشمنی تھی اور اس کی برائی میں حضور ﷺ کا یہ فرمان کافی ہے کہ نبی کو زخمی کرنے والے پر اللہ سخت غضب ناک ہے۔ ❺ عبدالرزاق میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس کے لئے بددعا کی کہ ''اے اللہ سال بھر میں یہ ہلاک ہو جائے اور کفر پر اس کی موت ہو۔'' چنانچہ یہی ہوا اور یہ بد بخت کا فر مرا اور جہنم واصل ہوا۔ ❻ ایک مہاجر کا بیان ہے کہ چوطرف سے احد والے دن حضور ﷺ پر تیر باری ہو رہی تھی لیکن اللہ کی قدرت سے وہ سب پھیر دیئے جاتے تھے۔ ابی بن خلف نے اس دن قسم کھا کر کہا کہ مجھے محمد ﷺ کو دکھا دو وہ آج میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکتا' اگر وہ نجات پا گیا تو میری نجات نہیں۔ اب وہ حضور ﷺ کی طرف لپکا اور بالکل آپ کے پاس آ گیا اور اس وقت حضور ﷺ کے ساتھ کوئی نہ تھا لیکن اللہ نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اسے حضور ﷺ نظر ہی نہیں آئے۔ جب وہ نامراد پلٹا تو صفوان نے اسے طعنہ زنی کی۔ اس نے کہا اللہ کی قسم میں نے آپ کو دیکھا ہی نہیں واللہ وہ اللہ کی طرف سے محفوظ ہیں ہمارے ہاتھ نہیں لگنے کے۔ سنو ہم چار شخصوں نے ان کے قتل کا پختہ مشورہ کیا تھا اور آپس میں عہد و پیمان کئے تھے ہم نے ہر چند چاہا لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ ❼

---

❶ دلائل النبوة للبيهقي ۳/ ۲۵۸، ۲۵۹، مرسلاً فالحديث ضعيف۔

❷ اس کی سند میں واقدی سخت ضعیف راوی ہے۔ اور یہ خبر معضل بھی ہے۔ لہٰذا مردود و باطل ہے۔

❸ صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب ما اصاب النبي ﷺ من الجراح...... ، ۴۰۷۳؛ صحيح مسلم، ۱۷۹۳۔

❹ صحيح بخاري، ۴۰۷۴۔۴۰۷۶۔ ❺ دلائل النبوة للبيهقي ۳/ ۲۶۵۔ اس کی سند میں مجہول راوی ہے۔ لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

❻ مصنف عبدالرزاق ۹۶۴۹؛ دلائل النبوة للبيهقي ۳/ ۲۶۵، وسنده ضعيف۔

❼ اخرجه الواقدي في مغازيه، ۱/ ۲۳۸۔ اس کی سند میں واقدی اور اسحٰق بن عبداللہ متروک ہیں۔ اور ابوبکر بن ابی سبرۃ متہم بالوضع ہے۔ (الميزان، ۱/ ۱۹۳، رقم: ۷۶۷، ۴/ ۵۰۴، رقم: ۱۰۰۲۴) لہٰذا یہ روایت موضوع ہے۔

واقدی کہتے ہیں لیکن ثابت شدہ بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کی پیشانی کو زخمی کرنے والا ابن قمیہ اور ہونٹ اور دانتوں پر صدمہ پہنچانے والا عتبہ بن ابی وقاص تھا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میرے والد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب احد کا ذکر فرماتے تو صاف کہتے کہ اس دن کی تمام تر فضیلت کا سہرا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے سر ہے' جب میں لوٹ کر آیا تو میں نے دیکھا کہ ایک شخص حضور ﷺ کی حمایت میں جان لڑائے لڑ رہا ہے میں نے کہا اللہ تعالیٰ کرے یہ طلحہ رضی اللہ عنہ ہو اب جو قریب آ کر دیکھا تو طلحہ رضی اللہ عنہ ہی تھے میں نے کہا (اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ) میری قوم کا ایک شخص ہے میرے اور مشرکوں کے درمیان ایک شخص تھا جو مشرکین میں کھڑا ہوا تھا لیکن اس کے بے پناہ حملے مشرکوں کی ہمت توڑ رہے تھے۔ غور سے دیکھا تو وہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے۔ اب جو میں نے بغور حضور ﷺ کی طرف دیکھا تو آپ کے سامنے کے دانت ٹوٹ گئے ہیں چہرہ زخمی ہو رہا ہے اور پیشانی میں زرہ کی دو کڑیاں کھب گئی ہیں۔ میں آپ ﷺ کی طرف لپکا لیکن آپ نے فرمایا ابوطلحہ کی خبر لو۔ میں نے چاہا کہ حضور ﷺ کے چہرہ میں سے وہ دونوں کڑیاں نکالوں لیکن حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے مجھے قسم دے کر روک دیا اور خود قریب آئے اور ہاتھ سے نکالنے میں زیادہ تکلیف محسوس کر کے دانتوں سے پکڑ کر ایک کو نکال لیا لیکن اس میں ان کا دانت بھی ٹوٹ گیا۔ میں نے اب پھر چاہا کہ دوسری میں نکال لوں لیکن حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے پھر قسم دی تو میں رک گیا۔ انہوں نے پھر دوسری کڑی نکالی۔ اب کی مرتبہ بھی ان کے دانت ٹوٹے۔ اس سے فارغ ہو کر ہم حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو گئے ہم نے دیکھا کہ ستر سے زیادہ زخم انہیں لگ چکے ہیں۔ انگلیاں کٹ گئی ہیں' ہم نے پھر ان کی بھی خبر لی۔ حضور ﷺ کے زخم کا خون حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے چوسا تاکہ خون تھم جائے پھر ان سے کہا گیا کہ کلی کر ڈالو' لیکن انہوں نے کہا اللہ کی قسم میں کلی نہ کروں گا' پھر میدان جنگ میں چلے گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''اگر کوئی شخص جنتی شخص کو دیکھنا چاہتا ہو تو انہیں دیکھ لے'' چنانچہ یہ اسی میدان میں شہید ہوئے۔ ❶

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور ﷺ کا چہرہ زخمی ہوا سامنے کے دانت ٹوٹے' سر کا خود ٹوٹا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا خون دھوتی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈھال میں پانی لا لا کر ڈالتے جاتے تھے جب دیکھا کہ خون کسی طرح تھمتا ہی نہیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بوریا جلا کر اس کی راکھ زخم پر رکھ دی جس سے خون بند ہوا۔ ❷ پھر فرماتا ہے تم کو غم پر غم پہنچا۔ بغم کا ''ب'' معنی میں علی کے ہے جیسے ﴿فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ﴾ ❸ میں فی معنی میں عَلٰی کے ہے۔ ایک غم تو شکست کا تھا جب کہ یہ مشہور ہو گیا کہ اللہ نہ کرے حضور ﷺ کی جان پر بن آئی۔ دوسرا غم مشرکوں کا پہاڑ کے اوپر غالب آ کر چڑھ جانے کا جبکہ حضور ﷺ فرماتے تھے انہیں یہ بلندی لائق نہ تھی۔ ❹ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک غم شکست کا دوسرا غم حضور ﷺ کے قتل کی خبر کا اور یہ غم اگلے غم سے بھی زیادہ تھا۔ اسی طرح یہ بھی ہے کہ ایک غم تو غنیمت کا ہاتھ میں آ کر نکل جانے کا دوسرا ہزیمت ہونے کا۔ اسی طرح ایک غم اپنے بھائیوں کے قتل کا دوسرا غم حضور ﷺ کی نسبت ایسی منحوس خبر کا۔ پھر فرماتا ہے جو غنیمت اور فتح مندی تم سے فوت ہوئی اور جو زخم و شہادت ملی اس پر غم نہ کھاؤ۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جو بلندی اور جلال والا ہے وہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔

---

❶ مسند الطیالسی، ۱/ ۳ ح ٦، وسندہ ضعیف، البزار، ۱۷۹۱؛ الإصابة لا بن حجر، ۳/ ۳٤٥۔ اس کی سند میں اسحٰق بن یحییٰ بن طلحہ ہے جسے امام نسائی نے متروک کہا ہے۔ دیکھئے (المیزان ۱/ ۲۰٤، رقم: ۸۰۲؛ مجمع الزوائد، ۱۰۰۷٦)

❷ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب ما اصاب النبی ﷺ من الجراح یوم أحد، ٤۰۷٥؛ صحیح مسلم، ۱۷۹۰؛ ابن ماجة، ۳٤٦٤۔ ❸ ۲۰/ طٰہٰ: ۷۱۔ ❹ تفسیر ابن جریر، ٤/ ٦۷ وسندہ ضعیف جدًا۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآىِٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾ ع

ترجمہ: پھر اس نے اس غم کے بعد تم پر امن نازل فرمایا اور تم میں سے ایک جماعت کو امن کی نیند آنے لگی ہاں کچھ وہ لوگ بھی تھے کہ انہیں اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی وہ اللہ کے ساتھ ناحق جہالت بھری بدگمانیاں کر رہے تھے۔ اور کہتے تھے کیا ہمیں بھی کسی چیز کا اختیار ہے؟ تو کہہ دے کہ کام تو کل کا کل اللہ کے اختیار میں ہے۔ یہ لوگ اپنے دلوں کے بھید تجھے نہیں بتاتے' کہتے ہیں کہ اگر ہم کو کچھ بھی اختیار ہوتا تو یہاں قتل نہ کئے جاتے' کہہ دے کہ گو تم اپنے گھروں میں ہوتے پھر بھی جن کی قسمت میں قتل ہونا تھا وہ تو مقتل کی طرف چل کھڑے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سینوں کی باتوں کا آزمانا اور تمہارے دل کے ارادوں کا نکھارنا تھا۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید سے آگاہ ہے۔[۱۵۴] تم میں سے جن لوگوں نے اس دن پیٹھ دکھائی جس دن دونوں جماعتوں کی مڈبھڑ ہوگئی تھی یہ لوگ اپنے بعض کرتوتوں کے باعث شیطانی اغوا میں آ گئے۔ لیکن یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ ہی بخشنے والا اور تحمل والا ہے۔[۱۵۵]

جنگ اُحد کا کچھ تذکرہ: [آیت:۱۵۴۔۱۵۵] اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اس غم و رنج کے وقت جو احسان فرمایا تھا اس کا بیان ہو رہا ہے کہ اس نے ان پر اونگھ ڈال دی ہتھیار ہاتھ میں ہیں دشمن سامنے ہے لیکن دل میں اتنی تسکین ہے کہ آنکھیں اونگھ سے جھکی جا رہی ہیں جو امن و امان کا نشان ہے جیسے سورہ انفال میں بدر کے واقعہ میں ہے ﴿اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ﴾ ❶ یعنی اللہ کی طرف سے امن بصورت اونگھ نازل ہوا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لڑائی کے وقت کی اونگھ اللہ کی طرف سے ہے اور نماز میں اونگھ کا آنا شیطانی حرکت ہے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ احد والے دن مجھے اس زور سے اونگھ آنے لگی کہ بار بار تلوار میرے ہاتھ سے چھوٹ چھوٹ گئی۔ آپ فرماتے ہیں جب میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو تقریباً ہر شخص کو اسی حالت میں پایا۔ ❷ ہاں

❶ ۸/ الانفال:۱۱۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب ﴿ثم أنزل عليكم من بعد الغم......﴾ ۴۰۶۸۔ تعلیقاً، لیکن ۴۵۶۲ میں موصولاً بھی موجود ہے مزید دیکھئے احمد، ۴/ ۲۹؛ ترمذی، ۳۰۰۷ وسندہ صحیح؛ السنن الکبریٰ للنسائی، ۱۱۱۹۸؛ حاکم، ۲/ ۲۹۷۔

البتہ ایک جماعت وہ بھی تھی جن کے دلوں میں نفاق تھا' یہ مارے خوف و دہشت کے ہلکان ہو رہے تھے اور ان کی بدگمانیاں اور برے خیال حد کو پہنچ گئے تھے۔ ❶ پس اہل ایمان' اہل یقین' اہل ثبات' اہل توکل اور اہل صدق تو یقین کرتے تھے کہ اللہ اپنے رسول ﷺ کی ضرور مدد کرے گا اور انکی منہ مانگی مراد پوری ہو کر رہے گی لیکن اہل نفاق اہل شک بے یقین ڈھل مل ایمان والوں کی عجب حالت تھی ان کی جان عذاب میں تھی وہ ہائے وائے کر رہے تھے اور ان کے دل میں طرح طرح کے وسواس اٹھ رہے تھے انہیں یقین کامل ہو گیا تھا کہ اب مرے' وہ جان چکے تھے کہ رسول اور مؤمن نہیں رہے اب بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔ فی الواقع منافقوں کا یہی حال ہے کہ جہاں ذرا نیچا پانسہ دیکھا اور ناامیدی کی گھنگور گھٹاؤں نے انہیں گھیر لیا۔ برخلاف ان کے ایماندار بد سے بدتر حالت میں بھی اللہ سے نیک گمان رہتا ہے۔

ان کے دلوں کے خیالات یہ تھے کہ اگر ہمارا کچھ بھی بس چلتا تو آج کی موت سے بچ رہتے اور چپکے چپکے یوں کہتے بھی تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس سخت خوف کے وقت ہمیں تو اس قدر نیند آنے لگی کہ ہماری ٹھوڑیاں سینوں سے لگ گئیں میں نے اپنی اسی حالت میں معتب بن قشیر کے یہ الفاظ سنے کہ اگر ہمیں کچھ بھی اختیار ہوتا تو یہاں قتل نہ ہوتے۔ ❷ اللہ تعالیٰ انہیں فرماتا ہے تو مقدرات اللہ میں مرنے کا وقت نہیں ٹلتا گو تم گھروں میں ہوتے لیکن پھر بھی جن پر یہاں کٹنا لکھا جا چکا تھا وہ گھروں کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوتے اور یہاں میدان میں آ ڈٹتے اور اللہ کا لکھا پورا اترتا۔ یہ وقت اس لئے تھا کہ اللہ تمہارے دلوں کے ارادوں اور تمہارے مخفی بھیدوں کو ظاہر کر دے اس آزمائش سے بھلے اور برے نیک اور بد میں تمیز ہو گئی اللہ تعالیٰ جو دلوں کے بھیدوں اور ارادوں سے پوری طرح واقف ہیں اس نے اس ذرا سے واقعہ سے منافقوں کو ظاہر کر دیا اور مسلمانوں کا بھی ظاہری امتحان ہو گیا۔ اب سچے مسلمانوں کی لغزش کا بیان ہو رہا ہے جو انسانی کمزوری کی وجہ سے ان سے سرزد ہوئی۔ فرماتا ہے یہ لغزش ان سے شیطان نے کرا دی اور دراصل یہ ان کے عمل کا نتیجہ تھا نہ یہ نافرمانی رسول اللہ ﷺ کرتے نہ ان کے قدم اکھڑتے۔ انہیں اللہ تعالیٰ معذور جانتا ہے اور ان سے اس نے درگزر فرمالیا اور انکی اس خطا کو معاف کر دیا۔ اللہ کا کام ہی تجاوز کرنا بخشنا معاف فرمانا حلم اور بردباری برتنا تحمل اور عفو کرنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وغیرہ کی اس لغزش کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔

مسند احمد میں ہے کہ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا آخر تم امیرالمؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے اس قدر کیوں بگڑے ہوئے ہو؟ انہوں نے کہا ان سے کہہ دو کہ میں نے احد والے دن فرار نہیں کیا بدر کے غزوہ میں غیر حاضر نہیں رہا اور نہ سنت عمر ترک کی۔ ولید نے جا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ قرآن کہہ رہا ہے ﴿وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ﴾ یعنی احد والے دن کی اس لغزش سے اللہ تعالیٰ نے درگزر فرمایا' پھر جس خطا کو اللہ نے معاف کر دیا اس پر عار دلانا کیسا؟ بدر والے دن میں رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی' اپنی بیوی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری میں مصروف تھا یہاں تک کہ وہ اسی بیماری میں فوت ہو گئیں چنانچہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت میں سے پورا حصہ دیا اور ظاہر ہے کہ حصہ انہیں ملتا ہے جو موجود ہوں پس حکماً میری موجودگی ثابت ہوئی۔ رہی سنت عمر رضی اللہ عنہ تو اس کی طاقت نہ مجھ میں ہے نہ عبدالرحمن =

❶ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة آل عمران، ۳۰۰۸، بدون ذکر الآیة صحیح دون قوله "والطائفة الاخری...... واخذ له للحق" وهو مدرج۔ ❷ ابن ابی حاتم، ۲/ ۶۲۰؛ الطبری، ۸۰۹۳۔ وابن اسحاق یہ سند حسن ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

ترجمہ: ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے کفر کیا اور اپنے بھائیوں کے حق میں جب کہ وہ سفر میں ہوں یا جہاد میں ہوں کہا کہ اگر یہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے نہ مار ڈالے جاتے' اس کی وجہ یہ تھی کہ اس خیال کو اللہ تعالیٰ ان کی دلی حسرت کا سبب بنا دے اللہ تعالیٰ جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ تمہارے ہر ہر عمل کو دیکھ رہا ہے۔[۱۵۶] قسم ہے اگر تم اللہ کی راہ میں شہید کئے جاؤ یا اپنی موت مرو بیشک اللہ کی بخشش و رحمت اس سے بہتر ہے جسے یہ جمع کر رہے ہیں۔[۱۵۷] بالیقین خواہ تم مر جاؤ خواہ مار ڈالے جاؤ جمع تو اللہ کی طرف ہی کئے جاؤ گے۔[۱۵۸] اللہ کی رحمت کے باعث تو ان پر نرم دل ہے۔ اور اگر تو بدزبان اور سخت دل ہوتا تو یہ سب تیرے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ تو ان سے درگزر کر اور ان کے لئے استغفار کر اور کام کا مشورہ ان سے کر لیا کر۔ پھر جب تیرا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کر بیشک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔[۱۵۹]

== میں۔ جاؤ انہیں یہ جواب بھی پہنچا دو۔ ❶

ایمان والوں کو فاسد اعتقاد رکھنے کی ممانعت: [آیت:۱۵۶۔۱۵۹] اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کافروں جیسے فاسد اعتقاد رکھنے کی ممانعت فرما رہا ہے۔ یہ کفار سمجھتے تھے کہ ان کے لوگ جو سفر میں یا لڑائی میں مرے اگر وہ سفر اور لڑائی نہ کرتے تو نہ مرتے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ باطل خیال بھی ان کی حسرت و افسوس کو بڑھانیوالے ہیں دراصل موت و حیات اللہ کے ہاتھ ہے مرتا ہے اس کی چاہت سے اور زندگی ملتی ہے تو اس کے ارادے سے تمام امور کا جاری کرنا اس کے قبضہ میں ہے اسکی قضا و قدر ٹلتی نہیں اس کے علم سے اور اس کی نگاہ سے کوئی باہر نہیں تمام مخلوق کے ہر ہر امر کو وہ بخوبی جانتا ہے۔ دوسری آیت بتلا رہی ہے کہ راہ اللہ میں قتل ہونا یا مرنا اللہ کی معفرت و رحمت کا ذریعہ ہے اور یہ قطعاً دنیا و مافیہا سے بہتر ہے کیوں کہ یہ فانی ہے' اور وہ باقی اور ابدی ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ خواہ کسی طرح دنیا چھوڑ کر یا قتل ہو کر' لوٹنا تو اللہ ہی کی طرف ہے پھر اپنے اعمال کا بدلہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے' چاہے برا ہو چاہے بھلا ہو۔

❶ احمد، ۱/ ٦٨ وسنده حسن؛ مجمع الزوائد، ۷/ ۲۲٦؛ طبرانی، ۱۳۵ مختصرًا۔

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۶۰ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۱۶۱ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَاۗءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۶۲ ھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۶۳ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ يَتْلُوْا عَلَيْھِمْ اٰيٰتِھٖ وَيُزَكِّيْھِمْ وَيُعَلِّمُھُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۶۴

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ اور اگر وہ تم کو چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے؟ ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔[۱۶۰] ناممکن ہے کہ نبی سے خیانت ہو جائے۔ ہر خیانت کرنیوالا خیانت کو لئے ہوئے قیامت کے دن حاضر ہوگا۔ پھر ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا' اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے۔[۱۶۱] کیا پس وہ شخص جو اللہ کی خوشنودی کے درپے ہے اس شخص جیسا ہے جو اللہ کی ناراضگی لے کر لوٹتا ہے؟ اور جس کی جگہ جہنم ہے جو بدترین جگہ ہے۔[۱۶۲] اللہ کے پاس یہ بڑے مرتبوں پر ہیں ان کے تمام اعمال اللہ بخوبی دیکھ رہا ہے۔[۱۶۳] بے شک مسلمانوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔[۱۶۴]

النصف

نبی ﷺ اپنی امت پر رحم دل ہیں: [آیت:۱۶۰۔۱۶۴] اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر اور مسلمانوں پر اپنا احسان جتاتا ہے کہ نبی کے ماننے والوں اور ان کی نافرمانی سے بچنے والوں کے لئے اللہ نے نبی کے دل کو نرم کر دیا ہے اگر اس کی رحمت نہ ہوتی تو اتنی نرمی اور آسانی نہ ہوتی۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مَاصلہ ہے جو معرفہ کے ساتھ عرب ملا دیا کرتے ہیں جیسے ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ﴾ ❶ الخ میں اور نکرہ کے ساتھ بھی ملا دیتے ہیں جیسے ﴿عَمَّا قَلِيْلٍ﴾ ❷ میں اسی طرح یہاں ہے۔ یعنی اللہ کی رحمت سے تو ان کے لئے نرم دل ہوا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حضور ﷺ کے اخلاق ہیں جن پر آپ کی بعثت ہوئی ہے۔ یہ آیت ٹھیک اس آیت جیسی ہے ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ﴾ ❸ یعنی تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آئے جس پر تمہاری مشقت گراں گزرتی ہے جو تم پر حرص والے ہیں جو مؤمنوں پر شفقت اور رحم کرنے والے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا ''اے ابوامامہ! بعض مؤمن وہ ہیں جن کے لئے میرا دل تڑپ اٹھتا ہے۔'' ❹ ﴿فَظًّا﴾ سے مراد یہاں سخت کلام ہے کیوں کہ اس کے بعد ﴿غَلِيْظَ الْقَلْبِ﴾ کا لفظ ہے یعنی سخت دل۔ فرمان ہے کہ ''اے نبی! اگر تم سخت کلام اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے منتشر ہو جاتے اور تم کو چھوڑ دیتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو آپ کا جانثار و شیدا بنا دیا ہے اور ان کے

---

❶ ۵/ المآئدۃ:۱۳۔ ❷ ۲۳/ المؤمنون:۴۰۔ ❸ ۹/ التوبۃ:۱۲۸۔

❹ أحمد، ۵/ ۲۶۷ وسندہ حسن؛ طبرانی، ۷۴۹۹۔

دل لگے ہیں اس لئے آپ کو بھی ان کی طرف سے محبت اور نرمی عطا فرمائی ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتوں کو اگلی کتابوں میں بھی پاتا ہوں کہ آپ سخت کلام سخت دل بازاروں میں شور مچانے والے اور برائی کا بدلہ برائی سے لینے والے نہیں بلکہ درگزر کرنے والے اور معافی دینے والے ہیں۔ ❶ ترمذی کی ایک غریب حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "لوگوں کی آؤ بھگت خیر خواہی اور چشم پوشی کا مجھے اللہ کی جانب سے اسی طرح حکم کیا گیا ہے جس طرح فرائض کی پابندی کا۔" ❷

باہمی مشورہ کی اہمیت' مشورہ کرنا سنت ہے: اس آیت میں بھی فرمان ہے۔ "تو ان سے درگزر کر' ان کے لئے استغفار کر اور کاموں کا مشورہ ان سے لیا کر۔" اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ لوگوں کو خوش کرنے کے لئے اپنے کاموں میں ان سے مشورہ کیا کرتے تھے جیسے کہ بدر والے دن قافلے کی طرف بڑھنے کے لئے مشورہ لیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ اگر آپ سمندر کے کنارے پر کھڑا کر کے ہمیں فرمائیں گے کہ اس میں کود پڑو اور اس پار نکلو تو بھی ہم سرتابی نہ کریں گے ❸ اور اگر ہمیں برک الغماد تک لے جانا چاہیں تو بھی ہم آپ کے ساتھ ہیں' ہم وہ نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے صحابیوں کی طرح کہہ دیں کہ تو اور تیرا رب لڑے ہم تو یہاں بیٹھے ہیں' بلکہ ہم تو آپ کے دائیں بائیں صفیں باندھ کر جم کر دشمنوں کا مقابلہ کریں گے۔ اسی طرح آپ نے اس بات کا مشورہ بھی لیا کہ "منزل کہاں ہو؟" اور منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ ان لوگوں سے آگے بڑھ کر ان کے سامنے ہو۔ اسی طرح احد کے موقعہ پر بھی آپ نے مشورہ کیا کہ "آیا مدینہ میں رہ کر لڑیں یا باہر نکلیں؟" اور جمہور کی رائے یہی ہوئی کہ باہر میدان میں جا کر لڑنا چاہئے۔ چنانچہ آپ نے یہی کیا۔ اور آپ نے جنگ احزاب کے موقعہ پر بھی اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کہ "مدینے کے پھلوں کی پیداوار کا تہائی حصہ دینے کا وعدہ کر کے مخالفین سے مصالحت کر لی جائے۔" تو حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما نے اس کا انکار کیا اور آپ نے بھی اس مشورہ کو قبول کر لیا اور مصالحت چھوڑ دی۔ اسی طرح آپ نے حدیبیہ والے دن اس امر کا مشورہ کیا کہ "آیا مشرکین کے گھروں پر دھاوا بول دیں؟" تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے ہمارا ارادہ صرف عمرے کا ہے۔ چنانچہ اسے بھی آپ نے منظور فرما لیا۔ اسی طرح جب منافقین نے آپ کی بیوی صاحبہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے مسلمانو مجھے مشورہ دو کہ ان لوگوں کا میں کیا کروں جو میرے گھر والوں کو بدنام کر رہے ہیں اللہ کی قسم میرے علم میں تو میرے گھر والوں میں کوئی برائی نہیں اور جس شخص کے ساتھ تہمت لگا رہے ہیں واللہ میرے نزدیک تو وہ بھی بھلائی والا ہی ہے" ❹ اور آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جدائی کیلئے حضرت علی اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما سے مشورہ لیا۔ غرض لڑائی کے کاموں میں بھی اور دیگر امور میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ اس میں علما کا اختلاف ہے کہ یہ مشورہ کا حکم آپ کو بطور وجوب کے تھا یا اختیاری امر تھا تاکہ لوگوں کے دل خوش رہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس آیت میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے مشورہ کرنے کا حکم ہے (حاکم) ❺ یہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری اور آپ کے وزیر تھے اور مسلمانوں کے

---

❶ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب کراھیة السخب فی السوق، ۲۱۲۵۔

❷ "الکامل لابن عدی" ۲/ ۴۴۷، وسندہ ضعیف جداً، بشر بن عبید سخت مجروح ہے اور باقی سند بھی مردود ہے۔

❸ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قول اللہ ﴿إذ تستغیثون ربکم......﴾ ۳۹۵۲، ۴۶۰۹۔

❹ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ﴿إن الذین یحبون ان تشیع الفاحشة......﴾ ۴۷۵۷۔

❺ حاکم، ۳/ ۷۰، وسندہ ضعیف۔

باپ ہیں (کلبی)۔ ❶ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں بزرگوں سے فرمایا ''اگر تمہاری دونوں کی کسی امر میں ایک رائے ہو جائے تو میں تمہارا خلاف کبھی نہ کروں گا۔'' ❷ حضور ﷺ سے سوال ہوتا ہے کہ عزم کے کیا معنی ہیں تو آپ نے فرمایا ''جب عقلمند لوگوں سے مشورہ ہو جائے پھر انکی مان لینا'' (ابن مردویہ)۔ ❸ ابن ماجہ میں آپ کا یہ فرمان بھی مروی ہے کہ ''جس سے مشورہ کیا جائے وہ امین ہے۔'' ابوداؤد' ترمذی' نسائی وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن کہتے ہیں۔ ❹ اور روایت میں ہے کہ ''جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے مشورہ لے تو اسے چاہئے بھلی بات کا مشورہ دے'' (ابن ماجہ) ❺ پھر فرمایا ''جب تم کسی کام کا مشورہ کر چکو پھر اس کے کرنے کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اب اللہ پر بھروسہ کرو' اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔''

پھر دوسری آیت کا ارشاد بالکل اسی طرح کا ہے جو پہلے گزرا کہ ﴿وَمَا النَّصْرُ اِلاَّ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾ ❻ یعنی مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو غالب ہے اور حکمتوں والا ہے پھر حکم دیتا ہے کہ مؤمنوں کو توکل اور بھروسہ ذات باری ہی پر ہونا چاہئے

نبی ﷺ صادق وامین ہیں: پھر فرماتا ہے ''نبی کو لائق نہیں کہ وہ خیانت کرے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بدر کے دن ایک سرخ رنگ چادر نہیں ملتی تھی تو لوگوں نے کہا شاید رسول اللہ ﷺ نے لے لی ہو' اس پر یہ آیت اتری (ترمذی) ❼ اور روایت میں ہے کہ منافقوں نے حضور ﷺ پر کسی چیز کی تہمت لگائی تھی جس پر آیت ﴿وَمَا كَانَ﴾ الخ اتری۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ رسولوں کے سردار ہر قسم کی خیانت سے' بے جا طرفداری سے مبرا اور منزہ ہیں خواہ وہ مال کی تقسیم ہو یا امانت کی ادائیگی ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ نبی غلول نہیں کر سکتا کہ بعض لشکریوں کو دے اور بعض کو ان کا حصہ نہ پہنچائے۔ اس آیت کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ نبی اللہ کی نازل کردہ کسی چیز کو چھپا لے اور امت تک اسے نہ پہنچائے ﴿يُغَلَّ﴾ کو ''یے'' کے پیش سے بھی پڑھا گیا ہے' تو معنی یہ ہوں گے کہ نبی کی ذات ایسی نہیں کہ ان کے پاس والے ان کی خیانت کریں۔ چنانچہ حضرت قتادہ اور حضرت ربیع رحمہما اللہ سے مروی ہے کہ بدر کے دن آپ ﷺ کے اصحاب نے مال غنیمت میں سے تقسیم سے پہلے کچھ لے لیا تھا اس پر یہ آیت اتری (ابن جریر)۔

خائن کیلئے سخت عذاب ہے: پھر خائن لوگوں کو ڈرایا جاتا ہے اور سخت عذابوں کی خبر دی جاتی ہے۔ احادیث میں بھی اس کی بابت بہت کچھ سخت وعید ہے چنانچہ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ''سب سے بڑا خیانت کرنے والا وہ شخص ہے جو پڑوسی کے کھیت کی زمین یا اس کے گھر کی زمین دبا لے' اگر ایک ہاتھ زمین بھی ناحق اپنی طرف کر لے گا' تو ساتوں زمینوں کا طوق اسے پہنایا جائیگا۔'' ❽ مسند

---

❶ اس کی سند میں محمد بن سائب الكلبي متهم بالكذب ہے (التقريب ٢/ ١٦٣، رقم: ٢٤٠) لہٰذا یہ موضوع ہے۔

❷ احمد، ٤/ ٢٢٧، وسنده ضعيف لا رساله۔ ❸ اس روایت کی سند نہیں ملی لہٰذا یہ مردود ہے۔

❹ ابن ماجة، كتاب الأدب، باب المستشار المؤتمن، ٣٧٤٥؛ ابوداود، ٥١٢٨، وهو حسن؛ ترمذی، ٢٨٢٢۔

❺ ابن ماجة، كتاب الأدب، باب المستشار المؤتمن، ٣٧٤٧، وسنده ضعيف، محمد بن ابی يعلى راوی ضعیف ہے۔

❻ ٣/ آل عمران: ١٢٦۔ ❼ ابوداود، كتاب الحروف، ٣٩٧١ وسنده ضعيف، خصيف راوی ضعیف ہے۔ ترمذی، كتاب تفسير القرآن، باب ومن سورة آل عمران، ٣٠٠٩۔

❽ احمد، ٥/ ٣٤١؛ صحيح بخاری، ٢٤٥٢، ٣١٩٨؛ صحيح مسلم، ١٦١٠۔

کی اور حدیث میں ہے" جسے ہم حاکم بنائیں گے اگر اس کا گھر نہ ہو تو وہ گھر بنا سکتا ہے بیوی نہ ہو تو شادی کر سکتا ہے خادم نہ ہو تو رکھ سکتا ہے سواری نہ ہو تو مہیا کر سکتا ہے' اس کے سوا اگر کچھ اور لے گا تو خائن ہوگا۔" یہ حدیث ابوداؤد میں بھی دیگر الفاظ سے منقول ہے۔ ❶
ابن جریر کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں" میں تم میں سے اس شخص کو پہچانتا ہوں جو چلاتی ہوئی بکری کو اٹھائے ہوئے قیامت کے دن آئے گا اور میرا نام لے لے کر مجھے پکارے گا۔ میں کہہ دوں گا کہ میں اللہ کے پاس تیرے کچھ کام نہیں آ سکتا میں تو پہنچا چکا تھا' اسے بھی میں پہچانتا ہوں جو اونٹ کو اٹھائے ہوئے آ جائے گا۔ جو بول رہا ہوگا یہ بھی کہے گا کہ اے محمد اے محمد ﷺ میں کہوں گا میں تیرے لئے اللہ کے پاس کسی چیز کا مالک نہیں ہوں میں تو تبلیغ کر چکا تھا' اور میں اسے بھی پہچانوں گا جو اسی طرح گھوڑے کو لادے ہوئے آئیگا جو ہنہنا رہا ہوگا وہ بھی مجھے پکارے گا اور میں کہہ دونگا کہ میں تو پہنچا چکا تھا آج کچھ کام نہیں آ سکتا' اور اس شخص کو بھی میں پہچانتا ہوں جو کھالیں لئے ہوئے حاضر ہوگا اور کہہ رہا ہوگا یا محمد! محمد ﷺ یا محمد! محمد میں کہونگا میں اللہ کے پاس کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا میں تو تجھے بتا چکا تھا۔" ❷ یہ حدیث صحاح ستہ میں نہیں۔
مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے قبیلہ ازد کے ایک شخص کو حاکم بنا کر بھیجا جسے ابن اللتبیہ کہتے تھے۔ یہ جب زکوۃ وصول کر کے آئے تو کہنے لگے یہ تو تمہارا ہے اور یہ مجھے تحفہ میں ملا ہے۔ نبی ﷺ منبر پر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے" ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے ہم انہیں کسی کام پر بھیجتے ہیں تو آ کر کہتے ہیں یہ تمہارا اور یہ ہمارے تحفے کا' یہ اپنے گھروں میں ہی بیٹھے رہتے پھر دیکھتے کہ انہیں تحفہ دیا جاتا ہے یا نہیں؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے تم میں سے جو کوئی اس میں سے کوئی چیز بھی لے لے گا وہ قیامت کے دن اسے اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے لائے گا اونٹ ہے تو چلا رہا ہوگا گائے ہے تو بول رہی ہوگی بکری ہے تو چیخ رہی ہوگی۔" پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ اس قدر بلند کئے کہ بغلوں کی سفیدی ہمیں نظر آنے لگی اور تین مرتبہ فرمایا" اے اللہ کیا میں نے پہنچا دیا؟" ❸ مسند احمد کی ایک ضعیف حدیث میں ہے" ایسے تحصیلداروں اور حاکموں کو جو تحفے ملیں وہ خیانت ہیں۔" ❹ یہ روایت صرف مسند احمد میں ہے جو ضعیف ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اگلی مطول روایت کا ماحصل ہے۔ ترمذی میں ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے یمن بھیجا جب میں چل دیا تو آپ نے مجھے بلوایا' جب میں واپس آیا تو فرمایا" میں نے تجھے صرف ایک بات کہنے کے لئے بلوایا ہے کہ میری اجازت کے بغیر تم جو کوئی چیز لو گے وہ خیانت ہے اور ہر خائن اپنی خیانت کو لئے ہوئے قیامت کے دن آئے گا' بس یہی کہنا تھا جاؤ اپنے کام میں لگو۔" ❺ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک روز کھڑے ہو کر خیانت کا ذکر کیا اور اس کے بڑے بڑے گناہ اور وبال بیان فرما کر ہمیں ڈرایا۔ پھر جانوروں کو لئے ہوئے قیامت کے دن آئے حضور ﷺ سے فریادرسی کی عرض کرنے اور آپ ﷺ کے انکار کر دینے کا ذکر کیا' جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس میں سونے چاندی

❶ احمد، ٤/ ٢٢٩؛ ابوداود، کتاب الخراج، باب فی ارزاق العمال، ٢٩٤٥، وسنده صحیح۔
❷ الطبری، ٤/ ١٠٥ ح ٨١٥٧ وسنده ضعیف، حفص بن بشر کی توثیق معلوم نہیں ہے۔
❸ احمد، ٥/ ٤٢٣؛ صحیح بخاری، کتاب الهبة، باب من لم یقبل الهدیة لعلة، ٢٥٩٨؛ صحیح مسلم، ١٨٣٢۔
❹ احمد، ٥/ ٤٢٤، وسنده ضعیف۔
❺ ترمذی، کتاب الاحکام، باب ما جاء فی هدایا الامراء، ١٣٣٥، وسنده ضعیف، داود بن یزید الاودی راوی ضعیف ہے۔

کا بھی ذکر ہے۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ ❶ مسند احمد میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ''اے لوگو جسے ہم عامل بنائیں اور پھر وہ ہم سے ایک سوئی یا اس سے بھی ہلکی چیز چھپائے تو وہ خیانت ہے جسے لے کر وہ قیامت کے دن حاضر ہوگا۔'' یہ سن کر ایک سانولے رنگ کے انصاری حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر کہنے لگے حضور ﷺ میں تو عامل بننے سے دست بردار ہوتا ہوں۔ فرمایا کیوں؟ کہا آپ نے جو اس طرح فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں اب بھی سنو جسے ہم کوئی کام سونپیں اسے چاہئے کہ تھوڑا بہت سب کچھ لائے جو اسے دیا جائے وہ لے لے اور جس سے روک دیا جائے رک جائے۔'' یہ حدیث مسلم اور ابوداؤد میں بھی ہے۔ ❷

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ عموماً نماز عصر کے بعد بنو عبدالاشہل کے ہاں تشریف لے جاتے تھے اور تقریباً مغرب تک وہیں مجلس رہتی تھی۔ ایک دن مغرب کے وقت وہاں سے واپس چلے، وقت تنگ تھا تیز تیز چل رہے تھے بقیع میں آ کر فرمانے لگے ''تف ہے تجھے، تف ہے تجھے'' میں سمجھا آپ مجھے فرما رہے ہیں چنانچہ میں اپنے کپڑے ٹھیک ٹھاک کرنے لگا اور پیچھے رہ گیا آپ ﷺ نے فرمایا ''کیا بات ہے۔'' میں نے کہا حضور ﷺ! آپ کے اس فرمان کی وجہ سے میں رک گیا۔ آپ نے فرمایا۔ ''میں نے تجھے نہیں کہا بلکہ یہ قبر فلاں شخص کی ہے اسے میں نے فلاں قبیلے کی طرف عامل بنا کر بھیجا تھا اس نے ایک چادر لے لی، وہ چادر اب آگ بن کر اس کے اوپر بھڑک رہی ہے'' (مسند احمد)۔ ❸ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ مال غنیمت کے اونٹ کی پیٹھ کے چند بال لیتے اور فرماتے ''میرا بھی اس میں وہی حق ہے جو تم میں سے کسی ایک کا، خیانت سے بچو خیانت کرنے والے کی رسوائی قیامت کے دن ہوگی، سوئی دھاگے تک پہنچا دو اور اس سے حقیر چیز بھی، اللہ کی راہ میں نزدیک والوں اور دور والوں سے جہاد کرو، وطن میں بھی اور سفر میں بھی۔ جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جہاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مشکلات سے اور رنج و غم سے نجات دیتا ہے، اللہ کی حدیں نزدیک و دور والوں میں جاری کرو، اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت تمہیں نہ روکے'' (مسند احمد)۔ ❹ اس حدیث کا بعض حصہ ابن ماجہ میں بھی مروی ہے۔ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے جب رسول اللہ ﷺ نے عامل بنا کر بھیجنا چاہا تو فرمایا ''اے ابو مسعود! جاؤ ایسا نہ ہو کہ میں تم کو قیامت کے دن اس حال میں پاؤں کہ تمہاری پیٹھ پر اونٹ ہو جو آواز نکال رہا ہو جسے تم نے خیانت سے لے لیا ہو۔'' میں نے کہا حضور! پھر میں تو نہیں جاتا۔ آپ نے فرمایا اچھا میں تم کو زبردستی بھیجتا بھی نہیں (ابوداؤد)۔ ❺ ابن مردویہ میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''اگر کوئی پتھر جہنم میں ڈالا جائے تو ستر سال تک چلا جائے لیکن تہہ تک نہیں پہنچتا۔ خیانت کی چیز کو اسی طرح جہنم میں پھینک دیا جائے گا پھر خیانت والے سے کہا جائیگا جا اسے لے آ۔'' یہی معنی ہیں اللہ کے اس فرمان کے ﴿وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ ❻ مسند احمد میں ہے کہ خیبر کی جنگ والے دن صحابہ کرام آنے لگے اور کہنے لگے فلاں شہید ہے فلاں شہید ہے۔ جب ایک شخص کی نسبت

---

❶ احمد، ۲/ ٤٢٦؛ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب الغلول، ۳۰۷۳؛ صحیح مسلم، ۱۸۳۱۔

❷ صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب غلظ تحریم الغلول، ۱۸۳۱؛ احمد، ٤/ ۱۹۲؛ ابوداود، ۳۵۸۱۔

❸ احمد، ٦/ ۳۹۲؛ نسائی، کتاب الامامة، باب الاسراع إلى الصلاة من غير سعي ۸٦۳ وهو حسن۔

❹ احمد، ٥/ ۳۳۰؛ ابن ماجة، کتاب الحدود، باب اقامة الحدود، ۲٥٤۰ وهو حسن۔

❺ ابوداود، کتاب الخراج، باب في غلول الصدقة، ۲۹٤۷ وسنده صحیح۔

❻ ابن مردویه وسنده ضعیف؛ هیثمي في مجمع الزوائد، ۱۰/ ۳۸۹ اس میں احمد بن ابان نامعلوم راوی ہے۔

یہ کہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" ہرگز نہیں میں نے اسے جہنم میں دیکھا ہے کیونکہ اس نے غنیمت کے مال کی ایک چادر خیانت کر لی تھی۔" پھر آپ نے فرمایا" اے عمر بن خطاب! تم جاؤ اور لوگوں میں منادی کر دو کہ جنت میں صرف ایماندار ہی جائیں گے۔" چنانچہ میں چلا اور سب میں یہ ندا کر دی۔ یہ حدیث مسلم اور ترمذی میں بھی ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ ❶

ابن جریر میں ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے صدقات کے بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ آپ نے صدقات میں خیانت کرنیوالے کی نسبت فرمایا" اس میں سے جو شخص اونٹ یا بکری لے لے وہ اسے قیامت والے دن اٹھائے ہوئے ہوگا۔" حضرت عبداللہ نے فرمایا' ہاں یہ روایت ابن ماجہ میں بھی ہے۔ ❷ ابن جریر میں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہیں صدقات وصول کرنے کے لئے حضور اکرم ﷺ نے بھیجنا چاہا اور فرمایا" اے سعد! ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن تو بلبلاتے اونٹ کو اٹھا کر لائے۔" تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ نہ میں اس عہدہ کو لوں اور نہ ایسا ہونے کا احتمال رہے چنانچہ حضور ﷺ نے بھی اس کام سے انہیں معاف رکھا۔ ❸ مسند احمد میں ہے کہ حضرت مسلمہ بن عبدالملک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ روم کی جنگ میں حضرت سالم بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے' ایک شخص کے اسباب میں کچھ خیانت کا مال بھی نکلا۔ سردار لشکر نے حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے بارے میں فتویٰ پوچھا تو آپ نے فرمایا مجھ سے میرے باپ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اور ان سے ان کے باپ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" جس کے اسباب میں تم چوری کا مال پاؤ اسے جلا دو۔" راوی کہتا ہے میرا خیال ہے یہ بھی فرمایا" اسے سزا دو۔" چنانچہ جب اس کا مال بازار میں نکالا تو اس میں ایک قرآن شریف بھی تھا۔ حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ سے پھر اس کی بابت پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا اسے بیچ دو اور اس کی قیمت صدقہ کر دو۔ یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے۔ ❹ امام علی بن مدینی اور امام بخاری رحمہم اللہ وغیرہ فرماتے ہیں یہ حدیث منکر ہے۔ امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا فتویٰ ہے۔ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھیوں کا قول بھی یہی ہے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کا اسباب جلا دیا جائے اور اسے مملوک کی حد سے کم مارا جائے اور اس کا حصہ نہ دیا جائے۔ ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور جمہور علما رحمہم اللہ کا مذہب اس کے برخلاف ہے یہ کہتے ہیں اس کا اسباب نہ جلایا جائے بلکہ اس کے مثل اسے تعزیر یعنی سزا دی جائے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے خائن کے جنازے کی نماز سے انکار کر دیا اور اس کا اسباب نہیں جلایا' وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ مسند احمد میں ہے کہ قرآن شریفوں کے جب تغیر کا حکم کیا گیا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے تم میں سے جس سے ہو سکے وہ اسے چھپا کر رکھ لے کیونکہ جو شخص جس چیز کو چھپا کر رکھ لے گا اسی کو لے کر قیامت کے روز آئے گا۔ پھر فرمانے لگے میں نے ستر دفعہ رسول اللہ ﷺ کی زبانی پڑھا ہے۔ پس کیا میں رسول اللہ ﷺ کی

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب غلظ تحریم الغلول...... ، ۱۱۴؛ ترمذی، ۱۵۷۴؛ احمد، ۱/ ۳۰۔

❷ ابن ماجة، کتاب الزکاة، باب ما جاء فی عمال الصدقة، ۱۸۱۰ وهو حسن؛ احمد، ۳/ ۴۹۸۔

❸ الطبری، ۸۱۶۲، ۸۱۶۳ وسنده صحیح علامہ ہیثمی فرماتے ہیں یہ روایت مسند بزار میں صحیح کے رجال سے مروی ہے۔ دیکھئے (مجمع الزوائد، ۳/ ۸۹)

❹ احمد، ۱/ ۲۲؛ ابوداود، کتاب الجهاد، باب فی عقوبة الغال، ۲۷۱۳ وسنده ضعیف، صالح بن محمد بن زائدة راوی ضعیف ہے۔ ترمذی، ۱۴۶۱۔

پڑھائی ہوئی قرأت کو چھوڑ دوں؟ ❶ امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی تفسیر میں اسے لائے ہیں۔

ابوداؤد میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب مال غنیمت آتا تو آپ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیتے اور وہ لوگوں میں منادی کرتے کہ ''جس جس کے پاس جو جو ہو لے آئے'' پھر آپ اس میں سے پانچواں حصہ نکال لیتے اور باقی کو تقسیم کر دیتے۔ ایک مرتبہ ایک شخص اس کے بعد بالوں کا ایک گچھا لے کر آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس یہ رہ گیا تھا۔ آپ نے فرمایا ''کیا تو نے حضرت بلال کی منادی سنی تھی جو تین مرتبہ ہوئی تھی۔'' اس نے کہا ہاں۔ فرمایا ''پھر تو اس وقت کیوں نہ لایا؟'' اس نے عذر بیان کیا۔ آپ نے فرمایا ''اب میں ہرگز نہ لوں گا' تو ہی اسے لے کر قیامت کے دن آنا۔ ❷

ایمان دار اور بے ایمان برابر نہیں: اللہ تعالیٰ پھر فرماتا ہے کہ اللہ کی شرع پر چل کر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے مستحق ہونے والے اس کے ثوابوں کو حاصل کرنے والے اس کے عذابوں سے بچنے والے اور وہ لوگ جو اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے اور جو مر کر جہنم میں ٹھکانا پائیں گے' کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ قرآن کریم میں اور جگہ ہے کہ اللہ کی باتوں کو حق ماننے والا اور اس سے اندھا رہنے والا برابر نہیں' اسی طرح فرمان ہے کہ جن سے اللہ کا اچھا وعدہ ہو چکا ہے اور جو اسے پاک کرنے والا ہے وہ اور دنیا کا نفع حاصل کرنیوالا برابر نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ بھلائی اور برائی والے مختلف درجوں پر ہیں۔ ❸ وہ جنت کے درجوں میں ہیں اور یہ جہنم کے طبقوں میں' جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا﴾ ❹ ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کے مطابق درجات ہیں۔ پھر فرمایا اللہ ان کے اعمال دیکھ رہا اور عنقریب ان سب کو پورا بدلہ دے گا نہ نیکی ماری جائے گی اور نہ بدی بڑھائی جائے گی بلکہ عمل کے مطابق ہی جزا و سزا ہوگی۔

نبی ﷺ بشر ہیں: پھر فرماتا ہے کہ مؤمنوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ انہی کی جنس سے ان میں اپنا پیغمبر بھیجا تا کہ اس سے بات چیت کر سکیں پوچھ گچھ کر سکیں ساتھ اٹھ بیٹھ سکیں اور پوری طرح نفع حاصل کر سکیں۔ جیسے اور جگہ ہے: ﴿وَمِنْ اٰيَاتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا﴾ ❺

یہاں بھی یہی مطلب ہے کہ تمہاری جنس سے تمہارے جوڑے اس نے پیدا کئے اور جگہ ہے ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ ❻ ''کہہ دے کہ میں تم جیسا ہی انسان ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک ہی ہے'' اور فرمان ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ﴾ ❼ یعنی ''تم سے پہلے بھی جتنے رسول ہم نے بھیجے وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔''

اور جگہ ہے ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى﴾ ❽ یعنی ''تجھ سے پہلے بھی ہم نے مردوں کو ہی وحی کی تھی جو بستیوں کے رہنے والے تھے۔'' اور ارشاد ہے ﴿يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ﴾ ❾ یعنی ''اے جنو اور انسانو! کیا تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول نہیں آئے تھے؟ الغرض یہ پورا احسان ہے مخلوق کی طرف انہی میں سے رسول بھیجے گئے تا کہ وہ پاس بیٹھ اٹھ کر بار بار سوال جواب کر کے پوری طرح دین سیکھ لیں۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ اللہ کی

❶ احمد وسنده ضعيف۔ ❷ ابوداود، كتاب الجهاد، باب في الغلول إذا كان يسيرًا، ٢٧١٢ وسنده حسن۔

❸ ابن ابي حاتم، ٢/ ٦٤٦؛ الطبري، ٧/ ٣٦٧۔

❹ ٦/ الانعام:١٣٢۔ ❺ ٣٠/ الروم:٢١۔ ❻ ١٨/ الكهف:١١٠۔

❼ ٢٥/ الفرقان:٢٠۔ ❽ ١٢/ يوسف:١٠٩۔ ❾ ٦/ الانعام:١٣٠۔

أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّىٰ هَٰذَا ۖ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٦٥﴾ وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٦٦﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا ۖ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَاتَّبَعْنَاكُمْ ۗ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١٦٧﴾ الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا ۗ قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٦٨﴾

ترجمہ: کیا جب کبھی تم کو کوئی تکلیف پہنچے کہ تم اس جیسی دو چند پہنچا چکے ہو تو کہتے ہو کہ یہ کہاں سے آ گئی؟ کہہ دے کہ یہ خود تمہاری طرف سے ہے۔ بے شک اللہ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔[۱۶۵] اور تم کو جو کچھ اس دن پہنچا جس دن دو جماعتوں میں مڈبھیڑ ہو گئی تھی وہ سب اللہ کے حکم سے تھا اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لے۔[۱۶۶] اور منافقوں کو بھی معلوم کر لے۔ جن سے کہا گیا کہ آؤ راہ الٰہی میں جہاد کرو یا کافروں کو ہٹاؤ تو وہ کہنے لگے کہ اگر ہم لڑائی جانتے ہوتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔ وہ اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر سے بہت قریب تھے' اپنے منہ سے وہ باتیں بناتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں' اور اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں۔[۱۶۷] یہ وہ لوگ ہیں جو خود بھی بیٹھے رہے اور اپنے بھائیوں کی بابت کہا کہ اگر وہ بھی ہماری مان لیتے تو قتل نہ کئے جاتے۔ کہہ کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی جانوں سے موت کو ہٹا دو۔[۱۶۸]

= آیتیں یعنی قرآن کریم انہیں پڑھاتا ہے اور اچھی باتوں کا حکم دے کر اور برائیوں سے روک کر ان کی جانوں کی پاکیزگی کرتا ہے اور شرک و جاہلیت کی ناپاکی کے اثرات ان سے زائل کرتا ہے اور انہیں کتاب اور سنت سکھاتا ہے اس رسول ﷺ کے آنے سے پہلے تو یہ صاف بھٹکے ہوئے تھے ظاہر برائی اور پوری جہالت میں تھے۔

جنگ احد کے بقیہ واقعات: [آیت:۱۶۵۔۱۶۸] یہاں جس مصیبت کا بیان ہو رہا ہے یہ احد کی مصیبت ہے جس میں ستر صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے تھے اور اس سے دوگنی مصیبت مسلمانوں نے کافروں کو پہنچائی تھی یعنی بدر والے دن ستر کافر قتل کئے گئے تھے اور ستر قید کئے گئے تھے تو مسلمان کہنے لگے کہ یہ مصیبت کیسے آ گئی؟ اللہ فرماتا ہے یہ تمہاری اپنی طرف سے ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بدر کے دن مسلمانوں نے فدیہ لے کر جن کفار کو چھوڑ دیا تھا اس کی سزا میں اگلے سال ان میں سے ستر مسلمان شہید کئے گئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھاگڑ پڑ گئی حضور رسالت مآب ﷺ کے سامنے کے چار دانت ٹوٹ گئے۔ آپ کے سر مبارک پر خود تھا وہ بھی ٹوٹا اور چہرہ مبارک لہولہان ہو گیا۔ اس کا بیان اس آیہ مبارکہ میں ہو رہا ہے (ابن ابی حاتم و مسند امام احمد بن حنبل)۔ ❶ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور فرمایا محمد ﷺ! آپ کی قوم کا کفار کو قیدی بنا کر پکڑ لینا اللہ کو پسند نہ آیا اب انہیں دو باتوں میں سے ایک کے اختیار کر لینے کا حکم دیجئے یا تو یہ کہ ان قیدیوں کو مار ڈالیں

❶ أحمد، ١/ ٣٠، ٣١ وسنده حسن۔

یا یہ کہ ان سے فدیہ وصول کر کے چھوڑ دیں مگر پھر ان مسلمانوں میں سے اتنی ہی تعداد شہید ہوگی۔ حضور ﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے دونوں باتیں پیش کیں۔ تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ! یہ لوگ ہمارے قبائل کے ہیں ہمارے رشتہ دار بھائی ہیں ہم کیوں ان سے فدیہ لے کر نہ چھوڑ دیں؟ اور اس مال سے ہم طاقت قوت حاصل کر کے اپنے دوسرے دشمنوں سے جنگ کریں گے اور پھر جو ہم میں سے اتنے ہی آدمی شہید ہوں گے تو اس میں ہماری کیا برائی ہے؟ چنانچہ جرمانہ وصول کر کے ستر قیدیوں کو چھوڑ دیا اور ٹھیک ستر ہی کی تعداد مسلمانوں کی اس کے بعد کے غزوہ احد میں شہید ہوئی (ترمذی۔ نسائی)۔ ❶ پس ایک مطلب تو یہ ہوا کہ یہ خود تمہاری طرف سے ہے یعنی تم نے بدر کے قیدیوں کو زندہ چھوڑنا اور ان سے جرمانہ جنگ وصول کرنا اس شرط پر منظور کیا تھا کہ تمہارے بھی اتنے ہی آدمی شہید ہوں تو وہ شہید ہوئے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی تھی اس باعث تم کو یہ نقصان پہنچا۔ تیراندازوں کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں لیکن وہ ہٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہے کرے جو ارادہ ہو حکم دے کوئی نہیں جو اس کا حکم ٹال سکے۔

دونوں جماعتوں کی مڈبھیڑ کے دن جو نقصان تم کو پہنچا کہ تم دشمنوں کے مقابلہ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ تم میں سے بعض لوگ شہید بھی ہوئے اور زخمی بھی ہوئے یہ سب اللہ کی طرف قضا و قدر سے تھا اس کی حکمت اس کی مقتضی تھی' اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ثابت قدم غیر متزلزل ایمان والے صابر بندے بھی معلوم ہو جائیں اور منافقین کا حال بھی کھل جائے جیسے عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھی کہ راستے میں سے واپس لوٹ آئے۔ ایک مسلمان نے انہیں سمجھایا بھی کہ آؤ راہ اللہ میں جہاد کرو یا کم از کم ان چڑھ آنے والوں کو تو ہٹاؤ لیکن انہوں نے ٹال دیا کہ ہم تو فنون جنگ سے بے خبر ہیں اگر جانتے ہوتے تو ضرور تمہاری پیروی کرتے۔ یہ بھی مدافعت میں تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ تو رہتے جس سے مسلمانوں کی گنتی زیادہ معلوم ہوتی یا دعائیں کرتے رہتے یا تیاریاں ہی کرتے۔ ان کے جواب کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ تم سچ مچ دشمنوں سے لڑو گے تو ہم بھی تمہارا ساتھ دیتے لیکن ہم جانتے ہیں کہ لڑائی ہونے کی ہی نہیں۔ سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ ایک ہزار آدمی لے کر رسول اللہ ﷺ احد کی جانب بڑھے آدھے راستے میں عبداللہ بن ابی بن سلول بگڑ بیٹھا اور کہنے لگا اوروں کی مان لی اور مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے اور میری نہ مانی' اللہ کی قسم ہمیں نہیں معلوم کہ ہم کس فائدہ کو مدنظر رکھ کر اپنی جانیں دیں؟ لوگو کیوں جانیں کھو رہے ہو۔ جس قدر نفاق اور شک و شبہ والے لوگ تھے اس کی آواز پر لگ گئے اور تہائی لشکر لے کر یہ پلید واپس لوٹ گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام بنو سلمہ کے بھائی ہر چند انہیں سمجھاتے رہے کہ اے میری قوم اپنے نبی کو اپنی قوم کو رسوا نہ کرو' انہیں دشمنوں کے سامنے چھوڑ کر پیٹھ نہ پھیرو لیکن انہوں نے بہانہ بنا دیا کہ ہمیں معلوم ہے کہ لڑائی ہونے کی ہی نہیں۔ جب یہ بیچارے عاجز آ گئے تو فرمانے لگے جاؤ تمہیں اللہ غارت کرے اللہ کے دشمنو! تمہاری کوئی حاجت نہیں اللہ اپنے نبی ﷺ کا مددگار ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ بھی انہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ ❷

جناب باری ارشاد فرماتا ہے کہ وہ اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر سے بہت ہی نزدیک تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے احوال مختلف ہیں کبھی وہ کفر سے قریب ہو جاتا ہے اور کبھی ایمان کے نزدیک ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا یہ اپنے منہ سے وہ باتیں بناتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں جیسے ان کا یہی قول کہ اگر ہم جنگ جانتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔ حالانکہ انہیں یقیناً معلوم ہے کہ مشرکین دور دراز سے چڑھائی کر کے مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینے کی ٹھان کر آ گئے ہیں وہ بڑے جلے کٹے ہوئے ہیں کیونکہ ان ==

❶ ترمذی، کتاب السیر، باب ما جاء فی قتل الأساري والفداء، ۱۵۶۷۔ وسنده ضعیف، هشام بن حسان مدلس وعنعن۔

❷ "السیرة لابن هشام" ۳/ ۵۲۔ معضلاً؛ الطبری، ۸۱۹۱۔ یہ روایت ضعیف ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

ع ۱۷ ۸

ترجمہ: جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں ان کو ہرگز مردہ نہ سمجھ بلکہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزیاں دیئے جاتے ہیں۔[۱۶۹] اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل جو انہیں دے رکھا ہے اس سے بہت خوش ہیں اور خوشیاں منا رہے ہیں اور ان لوگوں کی جو اب تک ان سے نہیں ملے ان کے پیچھے ہیں یوں کہ ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔[۱۷۰] وہ خوش وقت ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس سے بھی کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے اجر برباد نہیں کرتا۔[۱۷۱] جن لوگوں نے اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کو قبول کیا اس کے بعد کہ انہیں پورے زخم لگ چکے تھے۔ ان میں سے جنہوں نے نیکی کی اور پرہیزگاری برتی ان کے لئے بڑا بھاری اجر ہے۔[۱۷۲] وہ لوگ کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلہ پر لشکر جمع کر لئے ہیں تم ان سے خوف کھاؤ۔ تو اس بات نے انہیں ایمان میں اور بڑھا دیا اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔[۱۷۳] نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کی نعمت و فضل کے ساتھ یہ لوٹے۔ انہیں کوئی برائی نہ پہنچی انہوں نے اللہ کی رضامندی کی پیروی کی۔ اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔[۱۷۴] یہ خبر دینے والا صرف شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے۔ تم ان کافروں سے نہ ڈرو اور میرا خوف رکھو اگر تم ایمان دار ہو۔[۱۷۵]

= کے سردار بدر والے دن میدان میں رہ گئے تھے اور ان کے اشراف قتل کر دیئے گئے تھے تو اب ان ضعیف مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور یقیناً جنگ عظیم برپا ہونے والی ہے۔ پس جناب باری تعالیٰ فرماتا ہے انکے دلوں کی چھپی ہوئی باتوں کا مجھے بخوبی علم ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائیوں کے بارے میں کہتے ہیں اگر یہ ہمارا مشورہ مانتے یہیں بیٹھے رہتے اور جنگ میں شرکت نہ کرتے تو ہرگز نہ مارے جاتے۔ اس کے جواب میں جناب باری جل وعلا کا ارشاد ہوتا ہے کہ اگر یہ ٹھیک ہے اور تم اپنی اس بات پر سچے ہو کر بیٹھ رہنے اور میدان جنگ میں نہ نکلنے سے انسان قتل و موت سے بچ جاتا ہے تو چاہیے کہ تم تو مرو ہی نہیں اس لئے کہ تم تو گھروں میں ہی بیٹھے ہو۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایک روز تم بھی چل پڑو گے گو تم مضبوط برجوں میں پناہ گزین ہو جاؤ پس ہم تو تم کو تب سچا مانیں کہ تم موت کو اپنی جانوں سے ٹال دو۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ آیت عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اتری ہے۔ [1]

[1] الطبری، ۷/ ۳۸۳۔

شہادت کی فضیلت: [آیت:۱۶۹۔۱۷۵] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ گو شہید فی سبیل اللہ دنیا میں مار ڈالے جاتے ہیں لیکن آخرت میں ان کی روحیں زندہ رہتی ہیں اور روزیاں پاتی ہیں۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چالیس یا ستر صحابیوں کو بیر معونہ کی طرف بھیجا تھا۔ یہ جماعت جب اس غار تک پہنچی جو اس کنویں کے اوپر تھی تو انہوں نے وہاں پڑاؤ کیا اور آپس میں کہنے لگے کون ہے جو اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اللہ کے رسول ﷺ کا کلمہ ان تک پہنچائے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ اس کے لئے تیار ہوئے اور ان لوگوں کے گھروں کے پاس آ کر بہ آواز بلند فرمایا اے بیر معونہ والو سنو میں اللہ کے رسول ﷺ کا قاصد ہوں میری گواہی ہے کہ معبود صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ یہ سنتے ہی ایک کافر اپنا تیر سنبھالے ہوئے اپنے گھر سے نکلا اور اس طرح تاک کر لگایا کہ ادھر کی پسلی سے ادھر کی پسلی میں وار پار نکل گیا۔ اس صحابی کی زبان سے بے ساختہ نکلا (فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ) کعبہ کے رب کی قسم میں مراد کو پہنچ گیا۔ اب کفار نشانات ٹٹولتے ہوئے اس غار پر جا پہنچے اور عامر بن طفیل نے جو ان کا سردار تھا ان سب مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انکے بارے میں قرآن اترا کہ ہماری جانب سے ہماری قوم کو یہ خبر پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے ملے وہ ہم سے راضی ہو گیا اور ہم اس سے راضی ہو گئے۔ ہم ان آیات کو برابر پڑھتے رہے' پھر ایک مدت کے بعد یہ منسوخ ہو کر اٹھالی گئیں اور آیت ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ﴾ الخ اتری (محمد بن جریر)۔ ❶ صحیح مسلم شریف میں ہے حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا تھا تو آپ نے فرمایا ''ان کی روحیں سبز رنگ پرندوں کے قالب میں ہیں۔ عرش کی قندیلیں ان کے لئے ہیں ساری جنت میں جہاں کہیں چاہیں چریں چگیں اور قندیلوں میں آرام کریں۔ ان کی طرف ان کے رب نے ایک مرتبہ نظر کی اور دریافت فرمایا کچھ چاہتے ہو؟ کہنے لگے اے اللہ اور کیا مانگیں ساری جنت میں سے جہاں کہیں سے چاہیں کھائیں پئیں اختیار ہے' پھر کیا طلب کریں؟ اللہ تعالیٰ نے ان سے پھر یہی پوچھا۔ تیسری مرتبہ پھر یہی سوال کیا جب انہوں نے دیکھا کہ بغیر کچھ مانگے چارہ ہی نہیں تو کہنے لگے اے رب! ہم چاہتے ہیں کہ تو ہماری روحوں کو جسموں کی طرف لوٹا دے' پھر ہم دنیا میں جا کر تیری راہ میں جہاد کریں اور مارے جائیں۔ اب معلوم ہو گیا کہ انہیں کسی اور چیز کی حاجت نہیں تو ان سے پوچھنا چھوڑ دیا کہ کیا چاہتے ہیں۔'' ❷

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''جو لوگ مر جائیں اور اللہ کے یہاں بہتری پائیں وہ ہرگز دنیا میں آنا پسند نہیں کرتے مگر شہید کہ وہ تمنا کرتا ہے کہ دنیا میں دوبارہ لوٹایا جائے اور دوبارہ راہ اللہ میں شہید ہو کیونکہ شہادت کے درجات کو وہ دیکھ رہا ہے'' (مسند احمد)۔ صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے۔ ❸ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے فرمایا ''اے جابر تم کو معلوم بھی ہے کہ اللہ نے تمہارے والد کو زندہ کیا اور ان سے کہا اے میرے بندے مانگ کیا مانگتا ہے؟ تو کہا اے اللہ دنیا میں پھر بھیج تاکہ میں دوبارہ تیری راہ میں مارا جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تو میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ کوئی یہاں دوبارہ لوٹایا نہیں جائیگا۔'' ❹ ان کا نام حضرت عبداللہ بن عمرو بن حزام انصاری تھا' اللہ ان سے رضا مند ہو۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے باپ کی شہادت کے بعد میں رونے لگا اور ابا کے منہ سے کپڑا ہٹا ہٹا کر بار بار ان کے چہرہ کو دیکھ رہا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم مجھے منع

---

❶ الطبری، ۸۲۲٤ وسندہ حسن آیت کی تنسیخ روایت صحیح بخاری، ٤٠٩٥؛ صحیح مسلم، ٦٧٧٥، میں بھی موجود ہے۔

❷ صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب بیان ان ارواح الشهداء فی الجنة، ۱۸۸۷۔ ❸ احمد، ۳/ ۱۲٦؛ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب تمنی المجاهد ان یرجع إلی الدنیا، ۲۸۱۷؛ صحیح مسلم، ۱۸۷۷۔

❹ احمد، ۳/ ۳٦۱ وسندہ ضعیف؛ مسند حمیدی ۱۲٦٥؛ مسند ابی یعلیٰ، ۲۰۰۲۔

کرتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ خاموش تھے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا جابر رومت ''جب تک تیرے والد کو اٹھایا نہیں گیا فرشتے اپنے پروں سے اس پر سایہ کئے ہوئے رہے۔ ❶ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا'' جب تمہارے بھائی احد والے دن شہید کئے گئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں ڈال دیں جو جنتی درختوں کے پھل کھائیں اور جنتی نہروں کا پانی پئیں اور عرش کے سائے تلے وہاں لٹکتی ہوئی قندیلوں میں آرام وراحت حاصل کریں۔ جب کھانے پینے رہنے سہنے کی یہ بہترین نعمتیں انہیں ملیں تو کہنے لگے کاش کہ ہمارے بھائیوں کو جو دنیا میں ہیں ہماری ان نعمتوں کی خبر مل جاتی تاکہ وہ جہاد سے منہ نہ پھیریں اور راہ اللہ کی لڑائیوں سے تھک کر نہ بیٹھ رہیں اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا تم بے فکر رہو میں یہ خبر ان تک پہنچا دیتا ہوں۔ چنانچہ یہ آیتیں نازل فرمائیں۔'' ❷

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کے بارے میں یہ آیتیں اتریں (مستدرک حاکم) یہ بھی مفسرین نے فرمایا ہے کہ احد کے شہیدوں کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ ❸ ابوبکر ابن مردویہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھا اور فرمانے لگے جابر کیا بات ہے کہ تم مجھے غمگین نظر آتے ہو؟ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے والد شہید ہو گئے جن پر بار قرض بہت ہے اور میرے چھوٹے چھوٹے بہن بھائی بہت ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''سن! میں تجھے بتاؤں' جس کسی سے اللہ نے کلام کیا پردے کے پیچھے سے کلام کیا' لیکن تیرے باپ سے آمنے سامنے بات چیت کی' فرمایا مجھ سے مانگ' جو مانگے گا دوں گا۔ تیرے باپ نے کہا اے اللہ میں تجھ سے یہ مانگتا ہوں کہ تو مجھے دنیا میں دوبارہ بھیجے اور میں تیری راہ مین دوسری مرتبہ شہید ہو جاؤں۔ اللہ عزوجل نے فرمایا' یہ بات تو میں پہلے ہی مقرر کر چکا ہوں کہ کوئی بھی لوٹ کر دوبارہ دنیا میں نہیں جائے گا کہنے لگا پھر اللہ میرے بعد والوں کو ان مراتب کی خبر پہنچا دی جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ﴾ الخ نازل فرمائی۔'' ❹ بیہقی میں اتنا اور زیادہ ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تو اے اللہ تیری عبادت کا حق بھی ادا نہیں کر سکا۔ ❺ مسند احمد میں ہے شہید لوگ جنت میں دروازے پر نہر کے کنارے گنبد سبز میں ہیں' صبح وشام انہیں جنت کی نعمتیں پہنچ جاتی ہیں۔ ❻ دونوں احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ بعض شہداء وہ ہیں جن کی روحیں پرندوں کے قالب میں ہیں اور بعض وہ ہیں جن کا ٹھکانا یہ گنبد ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ جنت میں سے پھرتے پھراتے یہاں جمع ہوتے ہوں اور پھر یہ کھانے یہیں کھلائے جاتے ہوں' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ یہاں پر وہ حدیث بھی وارد کرنا بالکل برمحل ہو گا جس میں ہر مؤمن کیلئے یہی بشارت ہے۔ چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' مؤمن کی روح ایک پرند ہے جو جنت کے درختوں کے پھل کھاتی پھرتی ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن جب کہ اللہ تعالیٰ سب کو کھڑا کرے تو اسے بھی اس کے جسم کی طرف لوٹا دے گا۔'' ❼ اس حدیث کے راویوں

❶ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب من قتل من المسلمین یوم احد، ۴۰۸۱ تعلیقًا؛ جبکہ ۱۲۴۴ میں موصولاً بھی موجود ہے؛ صحیح مسلم، ۲۴۷۱۔

❷ أحمد، ۱/ ۲۶۵، ۲۶۶؛ ابوداود، کتاب الجهاد، باب فی فضل الشهادة، ۲۵۲۰، وهو حسن۔

❸ حاکم، ۲/ ۳۸۷ وسنده ضعیف؛ الطبری، ۷/ ۳۸۹۔

❹ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة آل عمران، ۳۰۱۰ وسنده حسن؛ ابن ماجة، ۱۹۰، ۲۸۰۰۔

❺ حاکم، ۳/ ۲۰۳ وسنده موضوع؛ دلائل النبوة للبیهقی ۳/ ۲۹۸۔

❻ أحمد، ۱/ ۲۶۶، وسنده ضعیف۔

❼ أحمد، ۳/ ۴۵۵؛ نسائی، ۲۰۷۵؛ ابن ماجة، ۴۲۷۱، وهو صحیح۔

میں تین جلیل القدر امام ہیں جو ان چار اماموں میں سے ہیں جن کے مذاہب مانے جا رہے ہیں۔ ایک تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ آپ نے اس حدیث کو روایت کیا امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے استاد ہیں حضرت امام مالک بن انس اصبحی رحمۃ اللہ علیہ پس امام احمد، امام شافعی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہم، تینوں زبردست پیشوا اس حدیث کے راوی ہیں۔ پس اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایماندار کی روح جنتی پرند کی شکل میں جنت میں رہتی ہے اور شہیدوں کی روحیں جیسے کہ پہلے گزر چکا سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں رہتی ہیں۔ یہ روحیں مثل ستاروں کے ہیں جو عام مؤمنین کی روحوں کو یہ مرتبہ حاصل نہیں یہ اپنے طور پر آپ ہی اڑتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے جو بہت بڑا مہربان اور زبردست احسانوں والا ہے ہماری دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے فضل و کرم سے ایمان و اسلام پر موت دے، آمین۔

پھر فرمایا کہ یہ شہید جن جن نعمتوں اور آسائشوں میں ہیں ان سے بے حد مسرور اور بہت ہی خوش ہیں اور انہیں یہ بھی خوشی اور راحت ہے کہ ان کے بھائی بند جو ان کے بعد راہ اللہ میں شہید ہوں گے اور ان کے پاس آئیں گے انہیں آئندہ کا کچھ خوف نہ ہوگا اور اپنے پیچھے چھوڑی ہوئی چیزوں پر انہیں حسرت بھی نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی جنت نصیب کرے۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ وہ خوش ہیں کہ ان کے اور بھائی بند بھی جو جہاد میں لگے ہوئے ہیں وہ بھی شہید ہو کر ان کی نعمتوں میں ان کے شریک حال ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے ثواب سے فائدہ اٹھائیں گے۔ حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شہید کو ایک کتاب دی جاتی ہے کہ فلاں دن تیرے پاس فلاں آئے گا پس جس طرح دنیا والے اپنے کسی غیر حاضر کے آنے کی خبر سن کر خوش ہوتے ہیں اسی طرح یہ شہدا ان شہیدوں کی آنے کی خبر سے مسرور ہوتے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب شہید جنت میں گئے اور وہاں اپنی منزلیں اور رحمتیں اور راحتیں دیکھیں تو کہنے لگے کاش کہ اس کا علم ہمارے ان بھائیوں کو بھی ہوتا جو ابتک دنیا میں ہی ہیں تا کہ وہ جواں مردی سے جان توڑ کر جہاد کرتے اور ان جگہوں میں جا گھستے جہاں سے زندہ واپس آنے کی امید نہ ہوتی، تو وہ بھی ہماری ان نعمتوں میں حصہ دار بنتے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو ان کے اس حال کی خبر پہنچا دی اور اللہ نے ان سے کہہ دیا کہ میں نے تمہاری خبر تمہارے نبی کو دے دی ہے، اس سے وہ بہت ہی مسرور و محظوظ ہوئے۔ بخاری و مسلم میں بیر معونہ والوں کا قصہ بیان ہو چکا ہے جو ستر اشخاص انصاری صحابی تھے اور ایک ہی دن صبح کے وقت سب کو بے دردی سے کفار نے تہ تیغ کیا تھا جن کے قاتلوں کے حق میں ایک ماہ تک نماز کے قنوت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا کی تھی اور جن پر لعنت بھیجی تھی جن کے بارے میں قرآن کی یہ آیت اتری تھی کہ ہماری قوم کو ہماری خبر پہنچاؤ کہ ہم اپنے رب سے ملے وہ ہم سے راضی ہوا اور ہم اس سے راضی ہو گئے۔ [1] وہ اللہ کی نعمت و فضل کو دیکھ دیکھ کر مسرور ہیں۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیت ﴿یَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ تمام ایمانداروں کے حق میں ہے خواہ شہید ہوں خواہ غیر شہید۔ بہت کم ایسے موقعہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کی فضیلت اور ان کے ثوابوں کا ذکر کرے اور اس کے بعد مؤمنوں کے ثوابوں کا ذکر نہ ہو۔

پھر ان سچے مؤمنین کا بیان تعریف سے ہو رہا ہے۔ جنہوں نے حمراء الاسد والے دن حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر باوجود زخموں سے چور ہونے کے جہاد پر کمر کس لی تھی۔ مشرکین نے مسلمانوں کو مصیبتیں پہنچائیں اور وہ اپنے گھروں کی طرف واپس چل دیئے لیکن پھر انہیں اس کا خیال آیا کہ موقعہ اچھا تھا مسلمان ہار چکے تھے زخمی ہو گئے تھے ان کے بہادر شہید ہو چکے تھے اگر ہم اور جم کر لڑتے تو فیصلہ ہی ہو جاتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کا یہ ارادہ معلوم کر کے مسلمانوں کو تیار کرنے لگے کہ "میرے ساتھ چلو ہم ان مشرکین کے پیچھے جائیں تا کہ ان

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة رجیع...... ۴۰۹۰؛ صحیح مسلم، ٦٧٧۔

پر رعب طاری ہو اور یہ جان لیں کہ مسلمان ابھی ناطاقت نہیں ہوئے۔'' احد میں جو لوگ موجود تھے صرف انہی کو ساتھ چلنے کا حکم ملا ہاں صرف حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو ان کے علاوہ بھی ساتھ لیا۔ اس آواز پر بھی مسلمانوں نے لبیک کہی باوجود یکہ زخموں میں چور اور خون میں شرابور تھے لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جب مشرکین احد سے لوٹے تو راستے میں سوچنے لگے کہ نہ تو تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کیا نہ مسلمانوں کی عورتوں کو پکڑا افسوس تم نے کچھ نہ کیا واپس لوٹو۔ جب یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا' یہ تیار ہو گئے اور مشرکین کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے یہاں تک کہ حمراء الاسد تک یا بیر ابی عیینہ تک پہنچ گئے۔ مشرکین کے دل رعب و خوف سے بھر گئے اور یہ کہہ کر مکہ کی طرف چل دیئے کہ اچھا اگلے سال دیکھا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی واپس مدینہ تشریف لائے یہ بھی بالاستقلال ایک الگ لڑائی گنی جاتی ہے اسی کا ذکر اس آیت میں ہے۔ ❶ احد کی لڑائی پندرہ شوال بروز ہفتہ ہوئی تھی سولہویں تاریخ بروز اتوار منادی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ندادی کہ لوگو! دشمن کی طلب میں چلو اور وہی لوگ چلیں جو کل میدان میں تھے۔ اس آواز پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل کی لڑائی میں میں نہ تھا اس لئے کہ میرے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ بیٹے تمہارے ساتھ یہ چھوٹی چھوٹی بہنیں ہیں اسے تو نہ میں پسند کروں نہ تو کہ انہیں یہاں تنہا چھوڑ کر میں اور تم دونوں ہی چل دیں ایک جائے گا اور ایک یہاں رہے گا مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ کے ہم رکاب تم جاؤ اور میں بیٹھا رہوں اس لئے میری خوشی ہے کہ تم اپنی بہنوں کے پاس رہو اور میں جاتا ہوں' اس وجہ سے میں وہاں رہا اور میرے والد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے اب میری عین تمنا ہے کہ آج مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے ساتھ چلوں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سفر اس غرض سے تھا کہ دشمن دہل جائے اور پیچھے آتا ہوا دیکھ کر سمجھ لے کہ ان میں بہت کچھ قوت ہے اور ہمارے مقابلہ سے یہ عاجز نہیں' قبیلہ بنوعبدالاشہل کے ایک صحابی کا بیان ہے کہ غزوہ احد میں ہم دونوں بھائی شامل تھے اور سخت زخمی ہو کر ہم واپس لوٹے تھے' جب اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے دشمن کے پیچھے جانے کی ندادی تو ہم دونوں بھائیوں نے آپس میں کہا کہ افسوس نہ ہمارے پاس سواری ہے کہ اس پر سوار ہو کر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جائیں نہ زخموں کے مارے جسم میں اتنی طاقت ہے کہ پیدل ساتھ ہولیں افسوس کہ یہ غزوہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا ہمارے بیشمار گہرے زخم ہمیں آج کے جانے سے روک دیں گے لیکن پھر ہم نے ہمت باندھی۔ مجھے اپنے بھائی کی نسبت ذرا ہلکے زخم تھے جب میرے بھائی بالکل عاجز آجاتے قدم نہ اٹھتا تو میں انہیں جوں توں کر کے اٹھا لیتا جب تھک جاتا اتار دیتا یوں ہی جوں توں کر کے ہم لشکر گاہ تک پہنچ ہی گئے' (سیرت ابن اسحاق)۔ ❷ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عروہ رحمہ اللہ سے کہا اے بھانجے تیرے دونوں باپ انہیں لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں ﴿اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا﴾ الخ آیت اتری ہے یعنی حضرت زبیر اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو احد کی جنگ میں نقصان پہنچا اور مشرکین آگے چلے تو آپ کو خیال ہوا کہ کہیں یہ پھر واپس نہ لوٹیں لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ہے جو ان کے پیچھے جائے۔ اس پر ستر شخص اس کام کیلئے مستعد ہو گئے جن میں ایک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

❶ السنن الکبریٰ للنسائی، ۱۱۰۸۳؛ طبرانی فی الکبیر، ۱۱۶۳۲، وسندہ ضعیف۔

❷ الطبری، ۸۲۳۳؛ دلائل النبوۃ للبیھقی، ۳/ ۳۱۴، وسندہ ضعیف۔

تھے دوسرے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تھے۔ ❶ یہ روایت اور بہت سی سندوں سے بہت سی کتابوں میں ہے۔ ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ ''تیرے دونوں باپ ان لوگوں میں سے ہیں'' لیکن یہ مرفوع بیان کرنا محض خطا ہے اس لئے بھی کہ اس کی اسناد میں ثقہ راویوں کا اختلاف ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے باپ دادوں میں نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھانجے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے لڑکے عروہ سے کہی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کے دل میں رعب ڈال دیا اور باوجودیکہ وہ احد کی لڑائی میں قدرے کامیاب ہو گیا تھا لیکن تاہم مکہ کی طرف چل دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ابوسفیان تم کو نقصان پہنچا کر لوٹ گیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو مرعوب کر دیا ہے۔'' احد کی لڑائی شوال میں ہوئی تھی اور تاجر لوگ ذیقعدہ میں مدینہ آتے تھے اور بدر صغریٰ میں اپنے ڈیرے ہر سال اس ماہ میں ڈالا کرتے تھے۔ اب بھی اس واقعہ کے بعد لوگ آئے مسلمان اپنے زخموں میں چور تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی تکالیف بیان کرتے تھے اور سخت صدمہ میں تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلیں اور فرمایا کہ یہ لوگ اب کوچ کر جائیں گے اور پھر حج کو آئیں گے اور پھر یہ قدرت انہیں اگلے سال تک نہ ہو گی لیکن شیطان نے اپنے دوستوں کو دھمکایا اور بہکانا شروع کر دیا اور کہنے لگا کہ لوگوں نے تمہارے استیصال کے لیے لشکر تیار کر لئے ہیں جس بنا پر لوگ ڈھیلے پڑ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو خواہ تم میں سے ایک بھی نہ چلے میں تن تنہا جاؤں گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رغبت دلانے پر حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی حضرت زبیر حضرت سعد حضرت طلحہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت حذیفہ بن یمان حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم وغیرہ ستر صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر رکاب چلنے پر آمادہ ہوئے۔ یہ مبارک لشکر ابوسفیان کی جستجو میں بدر صغریٰ تک پہنچ گیا' انہی کی اس فضیلت اور جانبازی کا ذکر اس مبارک آیت میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سفر میں مدینہ سے آٹھ میل حمراء اسد تک پہنچ گئے مدینہ میں اپنا نائب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو بنایا تھا۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیر منگل بدھ تک قیام کیا پھر مدینہ لوٹ آئے۔ اثناء قیام میں قبیلہ خزاعہ کا سردار معبد خزاعی یہاں سے نکلا تھا یہ خود مشرک تھا لیکن اس پورے قبیلے سے حضور کی صلح وصفائی تھی اس قبیلہ کے مشرک و مؤمن سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر خواہ تھے۔ اس نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو جو تکلیف پہنچی اس پر ہمیں سخت رنج ہے اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انکی خوشی نصیب فرمائے۔ حمراء اسد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے اس سے پہلے ابوسفیان چل دیا تھا' اس نے اور اسکے ساتھیوں نے واپس آنے کا ارادہ کیا تھا کہ جب ہم ان پر غالب آ گئے انہیں قتل کیا مارا پیٹا زخمی کیا پھر ادھورا کام کیوں چھوڑیں واپس جا کر سب کو تہ تیغ کر دیں۔ یہ مشورے ہو ہی رہے تھے کہ معبد خزاعی وہاں پہنچا۔ ابوسفیان نے اس سے پوچھا کہ کہو کیا خبریں ہیں؟ اس نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ رضی اللہ عنہم کے تم لوگوں کے تعاقب میں آ رہے ہیں وہ لوگ سخت غصے میں ہیں جو پہلے لڑائی میں شریک نہ تھے وہ بھی آ گئے ہیں سب کے تیور بدلے ہوئے ہیں اور بڑی پوری طاقت کے ساتھ حملہ آور ہوئے ہیں میں نے تو ایسا لشکر کبھی دیکھا نہیں' یہ سن کر ابوسفیان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور کہنے لگا اچھا ہی ہوا جو تم سے ملاقات ہو گئی ورنہ ہم تو خود ان کی طرف جانے کے لئے تیار تھے۔ معبد نے کہا ہرگز یہ ارادہ نہ کرو اور میری بات کا کیا ہے غالباً تم یہاں سے کوچ کرنے سے پہلے ہی لشکر اسلام کے گھوڑوں کو دیکھ لو گے میں ان کے لشکر ان کے غصے ان کی تیاری اور اولوالعزمی کا حال

❶ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب ﴿استجابوا للّٰه والرسول﴾، ٤٠٧٧؛ صحیح مسلم، ٢٤١٨۔

بیان نہیں کر سکتا۔ میں تو تم سے صاف کہتا ہوں کہ بھاگو اور اپنی جانیں بچاؤ میرے پاس ایسے الفاظ نہیں جن سے میں اسلامیوں کے غیظ و غضب اور تہور و شجاعت اور سختی اور پختگی کا بیان کر سکوں، پس مختصر یہ ہے کہ جان کی خیر مناتے ہو تو فوراً یہاں سے کوچ کرو۔ ابوسفیان اور اسکے ساتھیوں کے چھکے چھوٹ گئے اور انہوں نے یہاں سے مکہ کی راہ لی۔ قبیلہ عبدالقیس کے آدمی جو کاروبار کی غرض سے مدینہ جا رہے تھے ان سے ابوسفیان نے کہا کہ تم حضور ﷺ کو یہ خبر پہنچا دینا کہ ہم نے انہیں تہ تیغ کر دینے کے لئے لشکر جمع کر لئے ہیں اور ہم واپس لوٹنے کے ارادے میں ہیں۔ اگر تم نے یہ پیغام پہنچا دیا تو ہم تم کو سوق عکاظ میں بہت ساری کشمش دیں گے۔ چنانچہ ان لوگوں نے حمراء اسد میں آ کر بطور ڈراوے کے نمک مرچ لگا کر یہ وحشت اثر خبر سنائی لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم نے نہایت استقلال اور پامردی سے جواب دیا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میں نے ان کے لئے ایک پتھر کا نشان مقرر کر رکھا ہے اگر یہ لوٹیں گے تو وہاں پہنچ کر اس طرح مٹ جائیں گے جیسے گزشتہ کل کا دن۔'' ❶

ایمان کی زیادتی کا ثبوت: بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ آیت بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن صحیح تر یہی ہے کہ حمراء اسد کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ اعداء اللہ تعالیٰ نے ان کو پژمردہ کرنے کے لئے دشمنوں کے ساز و سامان اور ان کی کثرت و بہتات سے ڈرایا لیکن وہ صبر کے پہاڑ ثابت ہوئے ان کے غیر متزلزل یقین میں کچھ فرق نہ آیا بلکہ وہ توکل میں اور بڑھ گئے اور اللہ کی طرف نظریں کر کے اس سے امداد طلب کی۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ﴾ الخ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں پڑتے وقت پڑھا تھا اور حضرت محمد ﷺ نے اس وقت جب کہ کافروں کے ٹڈی دل لشکر سے لوگوں نے آپ ﷺ کو خوفزدہ کرنا چاہا۔ ❷ تعجب کی بات یہ ہے کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو وارد کر کے فرمایا ہے کہ یہ بخاری و مسلم میں نہیں۔ ❸ بخاری کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ آخری کلمہ تھا جو خلیل اللہ علیہ السلام کی زبان سے آگ میں پڑتے وقت نکلا تھا۔ ❹ حضرت انس رضی اللہ عنہ والی روایت میں ہے کہ احد کے موقعہ پر جب حضور ﷺ کو کفار کے لشکروں کی خبر دی گئی تو آپ ﷺ نے یہ کلمہ فرمایا۔ ❺ اور روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سرداری کے ماتحت جب حضور ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر روانہ کیا اور راہ میں خزاعہ کے ایک اعرابی نے یہ خبر سنائی تو آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا۔ ❻ ابن مردویہ کی حدیث میں ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں، جب تم پر کوئی بہت بڑا کام آ پڑے تو تم ((حَسْبُنَا اللّٰهُ)) آخر تک پڑھو۔ ❼ مسند احمد میں ہے کہ دو شخصوں کے درمیان حضور ﷺ نے فیصلہ کیا تو جس کے خلاف فیصلہ صادر ہوا تھا اس نے یہی کلمہ پڑھا۔ آپ ﷺ نے اسے واپس بلوا کر فرمایا ''عاجزی اور کاہلی پر اللہ کی ملامت ہوئی ہے دانائی دوراندیشی اور عقلمندی کیا کرو، پھر کسی امر میں پھنس جاؤ تو یہ پڑھ لو۔'' ❽ مسند کی اور حدیث میں ہے ''کس طرح بے فکر اور فارغ ہو کر با آرام رہوں حالانکہ صاحب صور نے صور منہ میں لے رکھا ہے اور پیشانی جھکائے حکم اللہ کا منتظر ہے کہ کب حکم ہو اور وہ صور پھونک دے۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا حضور! کیا کیا پڑھیں؟ آپ ﷺ نے

---

❶ الطبری، ٨٢٤٣، مزید دیکھئے سیرة ابن هشام، ٣/ ٨١، ٨٣ دوسرا نسخہ ٣/ ١٠٨، ١٠٩ وسنده ضعیف۔

❷ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة آل عمران، باب قوله ﴿الذین قال لهم الناس......﴾، ٤٥٦٣۔

❸ دیکھئے (حاکم، ٢/ ٢٩٨) وهو حدیث صحیح بالشواهد۔ ❹ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة آل عمران، باب قوله ﴿الذین قال لهم الناس﴾، ٤٥٦٤۔ ❺ اس کی سند میں عبدالرحیم بن محمد بن زیاد مجہول راوی ہے۔ لہٰذا یہ روایت مردود ہے۔

❻ اس کی سند میں محمد بن عبیداللہ بن ابی رافع ضعیف راوی ہے۔ دیکھئے (المیزان، ٣/ ٦٣٤، رقم: ٧٩٠٣) لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

❼ ابن مردویه وسنده ضعیف۔ ❽ احمد، ٦/ ٢٤؛ ابوداود، کتاب القضاء، باب الرجل یحلف علی حقه، ٣٦٢٧، وسنده ضعیف سند میں سیف راوی مجہول و غیر معروف ہے۔

فرمایا ’’((حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا)) ‘‘ پڑھو۔ ❶

اُم المؤمنین حضرت زینب اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فخر سے فرمایا میرا نکاح تو خود اللہ تعالیٰ نے کر دیا ہے اور تمہارے نکاح تمہارے ولی وارثوں نے کئے ہیں۔ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میری براءت اور پاکیزگی کی آیتیں اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اپنے پاک کلام میں نازل فرمائی ہیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اسے مان گئیں اور پوچھا یہ تو بتاؤ۔ تم نے حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کی سواری پر سوار ہوتے وقت کیا پڑھا تھا؟ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ((حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ)) یہ سن کر مائی صاحبہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا تم نے ایمان والوں کا کلمہ کہا تھا۔

چنانچہ اس آیت میں بھی رب رحیم کا ارشاد ہے کہ ان توکل کرنے والوں کی کفایت اللہ تعالیٰ نے کی اور ان کے ساتھ جو لوگ برائی کا ارادہ رکھتے تھے انہیں ذلت اور بربادی کے ساتھ پسپا کیا' یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنے شہروں کی طرف بغیر کسی نقصان اور برائی کے لوٹے' دشمن اپنی مکاری میں ناکام رہا' ان سے اللہ تعالیٰ خوش ہو گیا کیونکہ انہوں نے اس کی خوشی کا کام انجام دیا تھا اللہ تعالیٰ بڑے فضل و کرم والا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ نعمت تو یہ تھی کہ وہ سلامت رہے اور فضل یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاجروں کے ایک قافلہ سے مال خرید لیا جس میں بہت ہی نفع ہوا اور اس کل منافع کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں میں تقسیم فرما دیا۔ ❷ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوسفیان نے حضور سے کہا اب وعدہ کی جگہ بدر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’ممکن ہے‘‘ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچے یہ ڈرپوک آیا نہیں وہاں بازار کا دن تھا مال خرید لیا جو نفع سے بکا۔ اس کا نام غزوہ بدر صغریٰ ہے۔ ❸

پھر فرماتا ہے کہ یہ شیطان تھا جو اپنے دوستوں سے تم کو دھمکا رہا تھا اور گیدڑ بھبکیاں دے رہا تھا' تم کو چاہئے کہ ان سے نہ ڈرو صرف میرا ہی خوف دل میں رکھو کیونکہ ایمانداری کی یہ شرط ہے کہ جب کوئی ڈرائے دھمکائے اور دینی امور سے تم کو باز رکھنا چاہے تو مسلمان اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اسکی طرف سمٹ جائے اور یقین مانے کہ کافی اور ناصر وہی ہے' جیسے اور جگہ ہے ﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ﴾ ❹ ’’کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کافی نہیں؟ یہ لوگ تجھے اس کے سوا اوروں سے ڈرا رہے ہیں (یہاں تک فرمایا) تو کہہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے توکل کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔‘‘

اور جگہ فرمایا ’’اولیائے شیطان سے لڑو' شیطان کا مکر بڑا بودا ہے‘‘ اور جگہ ارشاد ہے ’’یہ شیطانی لشکر ہے یاد رکھو شیطانی لشکر ہی گھاٹے اور خسارے میں ہے۔‘‘ اور جگہ ارشاد ہے ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ﴾ ❺ ’’اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے کہ غلبہ یقیناً مجھے اور میرے رسولوں کو ہی ہوگا اللہ تعالیٰ قوی اور عزیز ہے۔‘‘ اور جگہ ارشاد ہے ﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ﴾ ❻ ’’جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ اس کی امداد فرمائے گا۔‘‘ اور فرمان ہے ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ ❼ ’’اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ بھی تمہاری مدد کرے گا‘‘ الخ۔ اور آیت میں ہے بالیقین ہم اپنے رسولوں کی اور ایمانداروں کی مدد دنیا میں بھی کریں گے اور اس دن بھی جس دن گواہ کھڑے ہوں گے جس دن ظالموں کو عذر معذرت نفع نہ دے گی' ان کے لئے لعنت ہے اور ان کیلئے برا گھر ہے۔

---

❶ أحمد، ۱/ ۳۲٦؛ ترمذی، کتاب صفة القیامة، باب ماجاء فی شان الصور، ۲٤۳۱، وهو ضعیف عطیہ عوفی راوی ضعیف ہے۔
❷ دلائل النبوة، ۳/ ۳۱۸۔ وسنده ضعیف، محمد بن نعیم بن عبداللہ النیسابوری نامعلوم ہے۔
❸ یہ روایت مرسل یعنی ضعیف ہے۔ ❹ ۳۹/ الزمر:۳٦۔
❺ ۵۸/ المجادلة:۲۱۔ ❻ ۲۲/ الحج:٤۰۔ ❼ ٤۷/ محمد:۷۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْۤا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾

ترجمہ: کفر میں آگے بڑھنے والے لوگ تجھے غمناک نہ کریں' یقین مان کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ ان کے لئے آخرت کا کوئی حصہ نہ کرے' اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔[۱۷۶] کفر کو ایمان کے بدلے خریدنے والے ہرگز ہرگز اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے' اور ان ہی کے لئے المناک عذاب ہے۔[۱۷۷] کافر لوگ ہماری دی ہوئی مہلت کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں۔ یہ مہلت تو صرف اس لئے ہے کہ وہ گناہوں میں اور بڑھ جائیں' ان ہی کے لئے ذلیل کرنے والے عذاب ہیں۔[۱۷۸] جس حال پر تم ہو اسی پر اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو چھوڑ نہ دے گا جب تک پاک اور ناپاک کو الگ الگ نہ کر دے' اور نہ اللہ ایسا ہے کہ تم کو غیب سے آگاہ کر دے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے انتخاب کر لیتا ہے۔ پس تم اللہ تعالیٰ پر اور اسکے رسولوں پر ایمان رکھو' اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ کرو تو تمہارے لئے بڑا بھاری اجر ہے۔[۱۷۹] جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کچھ دے رکھا ہے وہ اس میں اپنی کنجوسی کو اپنے لئے بہتر خیال نہ کریں۔ بلکہ وہ ان کے لئے نہایت بدتر ہے۔ عنقریب قیامت والے دن یہ اپنی کنجوسی کی چیز کے طوق ڈالے جائیں گے' آسمانوں کی اور زمین کی میراث اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ تعالیٰ آگاہ ہے۔[۱۸۰]

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا نبی ﷺ پہ گراں گزرتا ہے: [آیت:۱۷۶-۱۸۰] چونکہ جناب رسول اللہ ﷺ لوگوں پر بے حد مشفق و مہربان تھے اس لئے کفار کی بے راہ روی آپ پر گراں گزرتی تھی وہ جوں جوں کفر کی جانب بڑھتے رہتے تھے حضور ﷺ غمگین خاطر ہوتے جاتے تھے اس لئے جناب باری آپ ﷺ کو اس سے روکتا ہے اور فرماتا ہے کہ حکمت الٰہی اسی کی متقضی ہے' ان کا کفر آپ ﷺ کو یا اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیگا یہ لوگ اپنا اخروی حصہ برباد کر رہے ہیں اور اپنے لئے بہت بڑے عذابوں کو

تیار کر رہے ہیں ان کی مخالفت سے اللہ تعالیٰ آپ کو محفوظ رکھے گا آپ ﷺ ان پر غم نہ کریں۔ پھر فرمایا میرے ہاں کا یہ بھی مقررہ قاعدہ ہے کہ جو لوگ ایمان کو کفر سے بدل ڈالیں وہ بھی میرا کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں اور اپنے لئے المناک عذاب مہیا کر رہے ہیں۔ پھر کافروں کا اللہ تعالیٰ کی مہلت پر اترانا بیان فرماتا ہے جیسے اور جگہ ارشاد ہے ﴿اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ﴾ ❶ الخ یعنی ''کیا کفار کا یہ گمان ہے کہ ان کے مال واولاد کی بڑھوتری ہماری طرف سے ان کی خیریت کا نشان ہے؟ نہیں بلکہ وہ بے شعور ہیں۔'' اور فرمایا ﴿فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ﴾ ❷ الخ یعنی ''مجھے اور اس بات کے جھٹلانے والوں کو چھوڑ دے ہم انہیں اس طرح آہستہ آہستہ پکڑیں گے کہ انہیں علم بھی نہ ہو۔'' اور ارشاد ہے ﴿وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ﴾ ❸ الخ۔ یعنی ''ان کے مال اور اولاد سے کہیں تو دھوکے میں نہ پڑ جانا اللہ تعالیٰ انہیں ان کے باعث دنیا میں بھی عذاب کرنا چاہتا ہے اور کفر پر ہی ان کی جان جائے گی۔'' پھر فرماتا ہے کہ یہ طے شدہ امر ہے کہ بعض احکام اور بعض امتحانات سے اللہ تعالیٰ جانچ لے گا اور ظاہر کر دے گا کہ اس کا ولی کون ہے؟ اور اس کا دشمن کون ہے؟ مؤمن صابر اور منافق فاجر بالکل یکسو ہو جائیں گے اور صاف کھل پڑیں گے۔ اس سے مراد احد کی جنگ کا دن ہے ❹ جس میں ایمانداروں کا صبر و استقامت پختگی اور توکل فرمانبرداری اور اطاعت شعاری اور منافقین کی بے صبری اور مخالفت، تکذیب اور ناموافقت انکار اور خیانت صاف ظاہر ہوگئی، غرض جہاد کا حکم ہجرت کا حکم یہ گویا ایک آزمائش تھی جس نے بھلے برے میں تمیز کر دی۔ ❺ سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے کہا تھا کہ اگر محمد ﷺ سچے ہیں تو ذرا بتلائیں تو کہ ہم میں سے سچا مؤمن کون ہے اور کون نہیں؟ اس پر آیت ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ﴾ الخ نازل ہوئی (ابن جریر)۔

پھر فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غیب کو تم نہیں جان سکتے ہاں وہ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ مؤمن اور منافق میں صاف تمیز ہو جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے پسندیدہ کر لیتا ہے، جیسے اور جگہ ہے ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا﴾ ❻ ''اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے پس اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر جس رسول کو پسند کر لے اس کے بھی آگے پیچھے نگہبان فرشتوں کو چلاتا رہتا ہے۔''

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ پر اسکے پیغمبروں پر ایمان لاؤ یعنی اطاعت کرو شریعت کے پابند رہو یاد رکھو ایمان اور تقویٰ میں تمہارے لئے اجر عظیم ہے۔

بخل کی ممانعت اور اسکی مذمت: پھر ارشاد ہے کہ بخیل شخص اپنے مال کو اپنے لئے بہتر نہ سمجھے وہ تو اس کے لئے سخت ضررناک چیز ہے، دین میں تو ہے ہی لیکن بسا اوقات دنیوی طور پر بھی اس کا انجام اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس بخیلی کے مال کا اسے قیامت کے دن طوق ڈالا جائے گا۔ صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''جسے اللہ مال دے اور وہ اس کی زکوۃ ادا نہ کرے اس کا مال قیامت کے دن گنجا سانپ بن کر جس کی آنکھوں پر دو نشان ہوں گے طوق کی طرح اسکے گلے میں لپٹ جائیگا اور اس کی باچھوں کو چیرتا رہے گا اور کہتا جائے گا میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں۔'' پھر آپ ﷺ نے اسی آیت ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ﴾ الخ کی تلاوت فرمائی۔ ❼ مسند احمد کی ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ ''یہ بھاگتا پھرے گا اور وہ سانپ اس کے پیچھے دوڑے گا پھر اسے پکڑ کر =

❶ ۲۳/ المؤمنون:۵۵۔ ❷ ۶۸/ القلم:۴۴۔ ❸ ۹/ التوبۃ:۸۵۔

❹ الطبری، ۷/ ۴۲۴ ❺ الطبری، ۷/ ۴۲۴۔ ❻ ۷۲/ الجن:۲۶۔

❼ صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب اثم مانع الزکاۃ، ۱۴۰۳؛ نسائی، ۲۴۸۴۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَاۗءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَھُمُ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْھُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاۗءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا قول بھی سنا جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم تونگر ہیں ان کے اس قول کو ہم لکھ لیں گے اور ان کا انبیاء کو بے وجہ قتل کرنا بھی اور ہم ان سے کہیں گے کہ جلنے والے عذاب چکھو۔[۱۸۱] یہ ہے بدلہ اس کا جو تمہارے ہاتھوں نے پہلے بھیجا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔[۱۸۲] یہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ کسی رسول کو نہ مانیں بیشک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی لائے جسے آگ کھا جائے۔ تو کہہ کہ اگر تم سچے ہو تو مجھ سے پہلے تمہارے پاس جو رسول اور معجزوں کے ساتھ یہ بھی لائے جسے تم کہہ رہے ہو پھر تم نے انہیں کیوں مار ڈالا؟[۱۸۳] پھر بھی اگر یہ لوگ تجھے جھٹلائیں تو تجھ سے پہلے بھی بہت سے وہ رسول جھٹلائے گئے ہیں جو روشن دلیلیں صحیفے اور منور کتاب لے کر آئے۔[۱۸۴]

= طوق کی طرح لپٹ جائے گا اور کاٹتا رہے گا۔'' ❶ مسند ابو یعلی میں ہے ''جو شخص اپنے پیچھے خزانہ چھوڑ کر مرے وہ خزانہ ایک کوڑھی سانپ کی صورت میں جس کی دونوں آنکھوں پر دو نقطے ہوں گے اس کے پیچھے دوڑے گا یہ بھاگے گا اور کہے گا تو کون ہے؟ یہ کہے گا میں تیرا خزانہ ہوں جسے تو اپنے پیچھے چھوڑ کر مرا تھا یہاں تک کہ وہ اسے پکڑ لے گا اور اس کا ہاتھ چبا جائے گا پھر باقی جسم بھی۔'' ❷ طبرانی کی حدیث میں ہے ''جو شخص اپنے آقا کے پاس جا کر اس سے اپنی حاجت طلب کرے اور وہ باوجود بچت ہونے کے نہ دے اس کیلئے قیامت کے دن زہریلا اژدھا پھن پھناتا ہوا بلایا جائیگا۔'' ❸ دوسری روایت میں ہے کہ ''جو رشتہ دار محتاج اپنے مالدار رشتہ دار سے سوال کرے اور یہ نہ دے اس کی یہ سزا ہوگی اور وہ سانپ اسکے گلے کا ہار بن جائیگا'' (ابن جریر)۔ ❹ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اہل کتاب جو اپنی کتابی باتوں کے پہچاننے میں بخل کرتے تھے ان کی سزا کا بیان اس آیت میں ہو رہا ہے' لیکن صحیح بات پہلی ہی ہیگو یہ قول بھی آیت کے عموم میں داخل ہے بلکہ یہ بطور اولیٰ داخل ہے' وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ۔ پھر =

❶ احمد، ۲/ ۹۸؛ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة آل عمران، ۳۰۱۲ وسنده صحیح؛ نسائی، ۲٤٤۳، ۲٤۸٤؛ ابن ماجة، ۱۷۸٤۔ ❷ حاکم، ۱/ ۳۸۸، ۳۸۹ وسنده ضعیف، قتادہ مدلس وعنعن، الطبرانی، ۱٤۰۸؛ ابن حبان، ۳۲۵۷۔ ❸ الطبری، ۸۲۸٤۔ ❹ الطبری، ۸۲۸۱ موقوفا، وسنده حسن؛ ۸۲۸۳ مرسلاً، ۸۲۸۲ مرفوعًا متصلاً وسنده ضعیف ورواه احمد، ۵/ ۳ والنسائی، ۲۵٦۷ وسنده حسن۔

= فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی میراث کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اس نے جو تم کو دے رکھا ہے اس میں سے اس کے نام خرچ کرو تمام کاموں کا مرجع اسی کی طرف ہے' سخاوت کرو تا کہ اس دن کام آئے اور خیال رکھو کہ تمہاری نیتوں اور دلی ارادوں اور کل اعمال سے اللہ تعالیٰ خبردار ہے۔

یہود کا اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنا: [آیت:۱۸۱۔۱۸۴] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری کہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دے اور وہ اسے چند در چند کر کے دے تو یہود کہنے لگے کہ اے نبی! تمہارا رب فقیر ہو گیا ہے اور اپنے بندوں سے قرض مانگ رہا ہے۔ اس پر یہ آیت ﴿لَقَدْ﴾ الخ نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یہودیوں کے مدرسے میں گئے یہاں کا بڑا معلم فنحاص تھا اور اس کے ماتحت ایک بہت بڑا عالم اشیع تھا لوگوں کا مجمع تھا اور وہ ان سے مذہبی باتیں سن رہے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا فنحاص! اللہ سے ڈر اور مسلمان ہو جا' اللہ تعالیٰ کی قسم تجھے خوب معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں وہ اس کے پاس سے حق لے کر آئے ہیں ان کی صفتیں توراۃ و انجیل میں تمہارے ہاتھوں میں موجود ہیں تو فنحاص نے جواب میں کہا ابو بکر! سن اللہ کی قسم اللہ ہمارا محتاج ہے ہم اس کے محتاج نہیں اس کی طرف اس طرح نہیں گڑگڑاتے جیسے وہ ہماری جانب عاجزی کرتا ہے بلکہ ہم تو اس سے بے پرواہ ہیں ہم غنی اور تو نگر ہیں اگر وہ غنی ہوتا تو ہم سے قرض طلب نہ کرتا جیسے کہ تمہارا پیغمبر کہہ رہا ہے ہمیں تو سود سے روکے اور خود سود دے اگر غنی ہوتا تو ہمیں سود کیوں دیتا۔ اس پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو سخت غصہ آیا اور فنحاص کے منہ پر زور سے تھپڑ مارا اور فرمایا اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم یہود سے معاہدہ نہ ہوتا میں تیرا اللہ کے دشمن کا سر کاٹ دیتا' جاؤ بد نصیبو جھٹلاتے ہی رہو اگر سچے ہو۔ فنحاص نے جا کر اس کی شکایت سرکار محمدی میں کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ''اسے کیوں مارا؟'' حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے واقعہ بیان کیا لیکن فنحاص اپنے قول سے مکر گیا کہ میں نے تو ایسا کہا ہی نہیں۔ اس بارے میں یہ آیت اتری۔ ❶

پھر اللہ تعالیٰ انہیں اپنے عذاب کی خبر دیتا ہے کہ ان کا یہ قول اور ساتھ ہی اسی جیسا ان کا بڑا گناہ یعنی قتل انبیا علیہم السلام ہم نے ان کے نامہ اعمال میں لکھ لیا ہے۔ ایک طرف جناب باری تعالیٰ کی شان میں بے ادبی کرنا دوسری جانب نبیوں کو مار ڈالنا ان کاموں پر انہیں سخت تر سزا ہوگی۔ ان کو ہم کہیں گے کہ جلنے والے عذابوں کا ذائقہ چکھو۔ اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ تمہاری پہلی کرتوت کا بدلہ ہے۔ یہ کہہ کر انہیں ذلیل و رسوا کر کے عذاب پر عذاب ہوں گے' یہ سراسر عدل و انصاف ہے اور ظاہر ہے کہ مالک اپنے غلاموں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

پھر ان کو ان کے اس خیال میں جھوٹا ثابت کیا جا رہا ہے یہ کہتے تھے کہ آسمانی کتابیں جو پہلے نازل ہوئیں ان میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دے رکھا ہے کہ جب تک کوئی رسول ہمیں یہ معجزہ نہ دکھائے کہ اسکی امت میں سے جو شخص قربانی کرے اس کی قربانی کو کھا جانے کے لئے آسمان سے قدرتی آگ آئے اور کھا جائے۔ ان کے اس قول کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ پھر اس معجزے والے پیغمبروں کو جو اپنے ساتھ دلائل اور براہین لے کر آئے تھے تم نے کیوں مار ڈالا؟ انہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ بھی دے رکھا تھا کہ ہر ایک قبول شدہ قربانی کو آسمانی آگ کھا جاتی تھی لیکن تم نے انہیں بھی سچا نہ جانا ان کی بھی مخالفت اور دشمنی کی بلکہ انہیں قتل کر ڈالا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ تم کو تمہاری اپنی بات کا بھی پاس و لحاظ نہیں نہ تم حق کے ساتھی ہو نہ کسی نبی کے ماننے والے ہو تم یقیناً جھوٹے ہو۔ =

❶ الطبری، ۸۳۰۰۔ اس کی سند میں محمد بن أبي محمد مجہول راوی ہے۔ (الضعفاء والمتروکین، ۳/ ۹۶، رقم: ۳۱۷۹) لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۟ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

ترجمہ: ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے۔ قیامت کے دن تم اپنے بدلے پورے پورے دیئے جاؤ گے پس جو شخص آگ سے ہٹا دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے بیشک وہ کامیاب ہو گیا' اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کی جنس ہے۔[۱۸۵] یقیناً تمہارے مالوں اور جانوں میں تمہاری آزمائش کی جائے گی۔ اور یہ بھی یقینی ہے کہ تم کو ان لوگوں کی جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے اور مشرکوں کی بہت سی دکھ دینے والی باتیں بھی سننی پڑیں گی' اور تم صبر کر لو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو یقیناً یہ بہت بڑی ہمت کا کام ہے۔[۱۸۶]

= پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ ان کے جھٹلانے سے آپ ﷺ تنگدل اور غمناک نہ ہوں اگلے اولوالعزم پیغمبروں کے واقعات کو اپنے لئے باعث تسلی بنائیں کہ وہ بھی باوجود دلیلیں ظاہر کر دینے کے اور باوجود اپنی حقانیت کو بخوبی واضح کر دینے کے پھر بھی جھٹلائے گئے ﴿زُبُــر﴾ سے مراد آسمانی کتابیں ہیں جو ان صحیفوں کی طرح آسمان سے آئیں جو رسولوں پر اتارے گئے تھے اور ﴿اَلْمُنِيْرِ﴾ سے مراد واضح جلی اور روشن اور چمکیلی ہے۔

ہر جاندار چیز کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے: [آیت:۱۸۵۔۱۸۶] تمام مخلوق کو عام اطلاع ہے کہ ہر جاندار مرنے والا ہے جیسے فرمایا ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ ❶ یعنی ''اس زمین پر جتنے ہیں سب فانی ہیں' صرف تیرے رب کا چہرہ باقی ہے جو بزرگی اور انعام والا ہے'' پس صرف وہی رب واحد ہمیشگی کی زندگی والا ہے جو کبھی فنا نہ ہو گا۔ جن اور انسان کل کے کل مرنے والے ہیں اسی طرح فرشتے اور حاملان عرش بھی مر جائیں گے اور صرف اللہ واحد لاشریک دوام اور بقا والا باقی رہ جائے گا پہلے بھی وہی تھا اور آخر بھی وہی رہے گا۔ جب سب مر جائیں گے مدت ختم ہو جائیگی صلب آدم سے جتنی اولاد ہونے والی تھی ہو چکی اور پھر سب موت کے گھاٹ اتر گئے۔ مخلوقات کا خاتمہ ہو گیا اس وقت اللہ تعالیٰ قیامت قائم کرے گا اور مخلوق کو ان کے کل اعمال کی چھوٹے بڑے چھپے کھلے صغیرہ کبیرہ سب کی جزا و سزا ملے گی کسی پر ذرہ برابر ظلم نہ ہو گا۔ یہی اسکے بعد کے جملہ میں فرمایا جا رہا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے انتقال کے بعد ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ گویا کوئی آ رہا ہے پاؤں کی چاپ سنائی دیتی تھی لیکن کوئی شخص دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس نے آ کر کہا اے اہل بیت تم پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت و برکت' ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے تم سب کو تمہارے اعمال کا بدلہ پورا پورا قیامت کے دن دیا جائیگا ہر مصیبت کی تلافی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ہر مرنے والے کا بدلہ ہے اور ہر فوت ہونے والے کا اپنی گمشدہ چیز کو حاصل کر لینا ہے' اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھو اسی سے بھلی امیدیں رکھو' سمجھ لو کہ سچ مچ مصیبت زدہ وہ شخص ہے جو ثواب سے محروم رہ جائے تم پر اللہ کی طرف سے سلامتی نازل ہو اور اس کی رحمتیں اور برکتیں (ابن ابی حاتم)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ یہ خضر علیہ السلام تھے۔ ❷

---

❶ ۵۵/ الرحمٰن:۲۶۔ ❷ ابن ابی حاتم، یہ روایت علی بن ابی علی الہاشمی کی وجہ سے موضوع ہے۔

جنت میں داخلہ اور جہنم سے نجات ہی حقیقی کامیابی ہے: حقیقت یہ ہے کہ پورا کامیاب وہ انسان ہے جو جہنم سے نجات پا لے اور جنت میں چلا جائے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں ''جنت میں ایک کوڑے کے برابر جگہ مل جانا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اگر تم چاہو تو پڑھو ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾'' اس پچھلی زیادتی کے بغیر یہ حدیث بخاری و مسلم وغیرہ میں بھی ہے اور زیادتی سمیت ابن ابی حاتم میں ہے ❶ اور ابن مردویہ میں بھی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جس کی خواہش آگ سے بچ جانے اور جنت میں داخل ہو جانے کی ہو اسے چاہئے کہ مرتے دم تک اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھے اور لوگوں سے وہ سلوک کرے جسے خود اپنے لئے پسند کرتا ہو۔'' ❷ یہ حدیث پہلے آیت ﴿وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ ❸ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ مسند احمد میں بھی وکیع بن جراح کی تفسیر میں بھی یہ حدیث ہے۔

بعد ازاں دنیا کی حقارت اور ذلت بیان ہو رہی ہے کہ یہ نہایت ذلیل فانی اور زوال پذیر چیز ہے' جیسے اور جگہ ہے ﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى﴾ ❹ یعنی ''تم تو حیات دنیا پر ریجھے جاتے ہو حالانکہ دراصل بہتری اور بقا والی چیز آخرت ہے۔'' دوسری آیت میں ہے ''تم کو جو کچھ دیا گیا ہے یہ تو حیات دنیا کا فائدہ ہے اور اس کی زینت بہترین اور باقی رہنے والی اشی تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔'' حدیث شریف میں ہے ''اللہ کی قسم دنیا آخرت کے مقابلہ میں صرف ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈبو لے اس انگلی کے پانی کو سمندر کے پانی کے مقابلہ میں کیا نسبت ہے' وہ ہی دنیا کو آخرت کے مقابلہ میں۔ ❺ حضرت قتادہ رحمہ اللہ کا ارشاد ہے دنیا کیا ہے ایک یونہی سی دھوکے کی ٹٹی ہے جسے چھوڑ چھاڑ کر تمہیں چل دینا ہے اس اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں کہ یہ تو عنقریب تم سے جدا ہونے والی اور برباد ہو جانے والی چیز ہے پس چاہئے کہ ہوشمندی برتو اور یہاں طاعت الٰہی کر لو اور طاقت بھر نیکیاں کما لو اللہ کی دی ہوئی طاقت کے بغیر کوئی کام نہیں بنتا۔ پھر انسانی آزمائش کا ذکر ہو رہا ہے' جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ﴾ ❻ الخ مطلب یہ ہے کہ مؤمن کا امتحان ضرور ہوتا ہے' کبھی جانی کبھی مالی کبھی اہل و عیال میں کبھی اور کسی طرح یہ آزمائش دینداری کے انداز کے مطابق ہوتی ہے' سخت دیندار کی ابتلا بھی سخت اور کمزور دین والے کا امتحان بھی کمزور۔

صبر کی تلقین: پھر پروردگار جل شانہٗ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خبر دیتا ہے کہ بدر سے پہلے مدینہ میں تم کو کتابیوں اور مشرکوں سے ایذا دہندہ باتیں اور سرزنش سننی پڑے گی' پھر تسلی دیتا ہوا طریقہ سکھلاتا ہے کہ تم صبر و سہار کر لیا کرو اور پرہیزگاری پر تو یہ بڑا بھاری کام ہے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم مشرکین سے اور اہل کتاب سے بہت کچھ درگزر فرمایا کرتے تھے اور ان کی ایذاؤں کو سہہ لیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عامل تھے یہاں تک کہ جہاد کی آیتیں اتریں۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر کے موقعہ پر ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے گدھے پر سوار ہو کر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے بٹھا کر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لئے حارث بن خزرج کے قبیلے میں تشریف لے چلے یہ واقعہ جنگ بدر =

❶ احمد، ۲/ ۴۳۸؛ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة آل عمران، ۳۰۱۳ وسندہ حسن؛ ابن حبان، ۷۴۱۷۔ اور امام حاکم نے ۲/ ۲۹۹ میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ جبکہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت فرمائی ہے۔ نیز اس معنی کی روایت صحیح بخاری، ۳۲۵۰ میں بھی موجود ہے۔ ❷ صحیح مسلم، کتاب الإمارۃ، باب وجوب الوفاء ببیعة الخلیفة......، ۱۸۴۴۔

❸ ۳/ آل عمران: ۱۰۲۔ ❹ ۸۷/ الاعلیٰ: ۱۶۔ ❺ صحیح مسلم، کتاب الجنة، باب فناء الدنیا......، ۲۸۵۸؛ ترمذی، ۲۳۲۳؛ ابن ماجة، ۴۱۰۸۔ ❻ ۲/ البقرۃ: ۱۵۵۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾

ع

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے جب اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم اسے سب لوگوں سے بیان کرتے رہا کرو اور اسے چھپاؤ نہیں پھر بھی ان لوگوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور اسے بہت کم قیمت پر بیچ ڈالا ان کا یہ بیوپار بہت برا ہے۔[۱۸۷] وہ لوگ جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو انہوں نے نہیں کیا اس پر بھی ان کی تعریفیں کی جائیں تو انہیں عذاب سے چھٹکارہ میں نہ سمجھ ان کے لئے تو دردناک عذاب ہے۔[۱۸۸] آسمانوں اور زمینوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔[۱۸۹]

= سے پہلے کا ہے' راستہ میں ایک مخلوط مجلس بیٹھی ہوئی ملی جس میں مسلمان بھی تھے یہودی بھی تھے مشرکین بھی تھے اور عبداللہ بن ابی بن سلول بھی تھا' یہ بھی اب تک کفر کے کھلے رنگ میں تھا۔ مسلمانوں میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری سے گرد و غبار جو اڑا تو عبداللہ بن ابی بن سلول نے ناک پر کپڑا رکھ لیا اور کہنے لگا غبار نہ اڑاؤ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم پاس پہنچ ہی چکے تھے' سواری سے اتر آئے سلام کیا اور انہیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن کی چند آیتیں سنائیں۔ تو عبداللہ بول پڑا سنئے صاحب آپ کا یہ طریقہ ہمیں پسند نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں حق ہی سہی لیکن اس کی کیا وجہ کہ آپ ہماری مجلسوں میں آ کر ہمیں ایذا دیں اپنے گھر جائیے جو آپ کے پاس آئے اسے سنایئے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضور بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مجلسوں میں تشریف لایا کریں ہمیں تو اس کی عین چاہت ہے' اب ان سب میں آپس میں خوب تکرار ہوئی ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے اور قریب تھا کہ کھڑے ہو کر لڑنے لگیں' لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھانے سے آخرش امن و امان ہو گیا اور سب خاموش ہو گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر سوار ہو کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے اور وہاں جا کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "ابوحباب! عبداللہ بن ابی نے تو آج یوں یوں کیا۔" حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانے دیجئے' معاف کیجئے اور درگزر کیجئے۔ قسم اللہ کی جس نے آپ پر قرآن اتارا سنئے اسے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد دشمنی ہے اور ہونی چاہیے اس لئے کہ یہاں کے لوگوں نے اسے سردار بنانا چاہا تھا اور اسے چودھراہٹ کی پگڑی بندھوانے کا مشورہ طے ہو چکا تھا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا نبی برحق بنا کر بھیجا۔ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مانا' اس کی سرداری جاتی رہی جس کا اسے رنج ہے اسی باعث یہ اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہا ہے۔ جو کہہ دیا کہہ دیا آپ اسے اہمیت نہ دیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے درگزر کر لیا اور یہی آپ کی عادت تھی اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی بھی' یہودیوں سے مشرکوں سے درگزر فرماتے سنی ان سنی کر دیا کرتے اور اس فرمان پر عمل کرتے۔ یہی حکم آیت ﴿وَدَّ كَثِيْرٌ﴾ میں ہے جو حکم عفو و درگزر کا اس آیت ﴿وَلَتَسْمَعُنَّ﴾ میں ہے'

پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کی اجازت دی گئی اور پہلا غزوہ بدر کا ہوا جس میں سرداران لشکر کفار قتل و غارت ہوئے۔ =

= یہ حالت اور یہ شوکت اسلام دیکھ کر اب عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھی گھبرائے بجز اس کے کوئی چارہ کار انہیں نظر نہ آیا کہ بیعت کر لیں اور بظاہر مسلمان ہو جائیں۔ ❶ پس یہ کلیہ قاعدہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہر حق والے پر جو نیکی اور بھلائی کا حکم کرتا ہے اور جو برائی اور خلاف شرع کام سے روکتا ہے ضرور مصیبتیں اور آفتیں آتی ہیں اسے چاہئے کہ ان تمام تکلیفوں کو جھیلے اور راہ اللہ میں صبر و سہار سے کام لے اسی کی پاک ذات پر بھروسہ رکھے اسی سے مدد طلب کرتا ہے اور اپنی کامل رغبت اور پورا رجوع اسی کی طرف رکھے۔

اہل کتاب اور عالم ارواح میں کیا گیا وعدہ: [آیت: ۱۸۷۔۱۸۹] اللہ تعالیٰ یہاں اہل کتاب کو ڈانٹ رہا ہے کہ پیغمبروں کی وساطت سے جو عہد ان کا جناب باری تعالیٰ سے ہوا تھا کہ حضور پیغمبر آخر الزماں ﷺ پر یہ ایمان لائیں گے اور آپ کے ذکر کو اور آپ ﷺ کی بشارت کی پیش گوئی کو لوگوں میں پھیلائیں گے اور انہیں آپ کی تابعداری پر آمادہ کریں گے اور پھر جس وقت آپ آجائیں تو یہ دل آپ کے تابعدار ہو جائیں گے' لیکن انہوں نے اس عہد کو چھپالیا اور اس کے ظاہر کرنے پر جن دنیا اور آخرت کی بھلائیوں کا ان سے یہ وعدہ کیا گیا تھا ان کے بدلے دنیا کی تھوڑی سی پونجی میں الجھ کر رہ گئے ان کی یہ خرید و فروخت بد سے بدتر ہے۔ اس میں علما کو تنبیہ ہے کہ وہ ان کی طرح نہ کریں ورنہ ان پر بھی وہی سرزنش ہوگی جو ان پر ہوئی اور انہیں بھی اللہ کی وہ ناراضگی اٹھانی پڑے گی جو انہوں نے اٹھائی۔ علمائے کرام کو چاہئے کہ ان کے پاس جو نفع دینے والا دینی علم ہو جس سے لوگ نیک عمل جم کر کر سکتے ہوں اسے پھیلاتے رہیں اور کسی بات کو نہ چھپائیں۔ حدیث شریف میں ہے ''جس شخص سے علم کا کوئی مسئلہ پوچھا جائے اور وہ اسے چھپالے تو قیامت کے دن آگ کی لگام پہنایا جائے گا۔'' ❷

دوسری آیت میں ریاکاری کی مذمت بیان ہو رہی ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے جو شخص جھوٹا دعویٰ کر کے زیادتی مال کمانا چاہے اسے اللہ تعالیٰ اور کم کر دے گا۔ ❸ بخاری و مسلم کی دوسری حدیث میں ہے ''جو نہ دیا گیا ہو اس کے ساتھ آسودگی جتانے والا مثل دو جھوٹے کپڑے پہننے والے کے ہے۔'' ❹ مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ مروان نے اپنے دربان رافع سے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ اگر اپنے کام پر خوش ہونے اور نہ کئے ہوئے کام پر تعریف پسند کرنے کے باعث اللہ کا عذاب ہوگا تو ہم میں سے کوئی اس سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تم کو اس آیت سے کیا تعلق؟ یہ تو اہل کتاب کے بارے میں ہے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ﴾ سے اس آیت کے ختم تک تلاوت کی اور فرمایا کہ ان سے نبی ﷺ نے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا تھا تو انہوں نے اس کا کچھ اور ہی غلط جواب دیا اور باہر نکل کر گمان کرنے لگے کہ ہم نے آپ ﷺ کے سوال کا جواب دے دیا اور ساتھ ہی ان کی یہ بھی چاہت تھی کہ آپ ﷺ کے پاس ہماری تعریف ہوگی اور اصلی سوال کے جواب کے چھپا لینے پر اور اپنے جھوٹے فقرہ چل جانے پر بھی وہ خوش تھے' اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ یہ حدیث بخاری وغیرہ میں بھی ہے ❺ اور صحیح بخاری شریف میں یہ بھی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ میدان جنگ میں تشریف

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة آل عمران۔ باب ﴿ولتسمعن من الذین......﴾ ٤٥٦٦؛ صحیح مسلم، کتاب الجهاد، ١٧٩٨۔ ❷ ابوداود، کتاب العلم، باب کراهية منع العلم، ٣٦٥٨ وسنده حسن؛ ترمذی، ٢٦٤٩۔

❸ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان غلظ تحریم قتل الإنسان نفسه، ١١٠ اس کی اصل صحیح بخاری، ٦٠٤٧ میں موجود ہے۔ ❹ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب المتشبع بما لم ینل، ٥٢١٩؛ صحیح مسلم، ٢١٢٩۔

❺ أحمد، ١/ ٢٨٩؛ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة آل عمران، باب ﴿ولا تحسبن الذین یفرحون......﴾، ٤٥٦٨؛ صحیح مسلم، ٢٧٧٨۔

لے جاتے تو منافقین اپنے گھروں میں گھسے بیٹھے رہتے ساتھ نہ جاتے پھر خوشیاں مناتے کہ ہم لڑائی سے بچ گئے اب جب اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ واپس لوٹتے تو یہ باتیں بناتے جھوٹے سچے عذر کرتے اور قسمیں کھا کھا کر اپنے معذور ہونے کا آپ ﷺ کو یقین دلاتے اور چاہتے کہ نہ کئے ہوئے کام پر بھی ہماری تعریفیں ہوں جس پر یہ آیت اتری۔ ❶

تفسیر ابن مردویہ میں ہے کہ مروان نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں اسی طرح سوال کیا تھا جس طرح اوپر گزرا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پچھوایا تو حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے اس کا مصداق اور اس کا شان نزول ان منافقوں کو قرار دیا جو غزوہ کے وقت بیٹھ جاتے اگر مسلمانوں کو نقصان پہنچا تو بغلیں بجاتے اگر فائدہ ہوا تو اپنا معذور ہونا ظاہر کرتے اور فتح اور نصرت کی خوشی کا اظہار کرتے۔ اس پر مروان نے کہا کہاں یہ واقعہ کہاں یہ آیت؟ تو حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ زید بن ثابت بھی اس سے واقف ہیں مروان نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ نے بھی اس کی تصدیق کی پھر حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کا علم حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کو بھی ہے' جو مجلس میں موجود تھے لیکن انہیں ڈر ہے کہ اگر یہ خبر کر دیں گے تو آپ انکی اونٹنیاں جو صدقہ کی ہیں چھین لیں گے۔ باہر نکل کر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا میری شہادت پر تم میری تعریف نہیں کرتے؟ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے سچی شہادت ادا کر دی تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر بھی سچی شہادت پر میں مستحق تعریف تو ہوں۔ مروان اس زمانہ میں مدینہ پر امیر تھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ مروان کا یہ سوال رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے ہی پہلے ہوا تھا۔ اس سے پہلے کی روایت میں یہ گزر چکا ہے کہ مروان نے اس آیت کی بابت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پچھوایا تھا' تو یاد رہے کہ ان دونوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہم کہہ سکتے ہیں کہ آیت عام ہے اسے بھی شامل ہے اور اسے بھی' مروان والی روایت میں بھی ممکن ہے پہلے ان دونوں صاحبوں نے جواب دیے ہوں پھر مزید تشفی کے طور پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروان نے بذریعہ اپنے آدمی کے سوال کیا ہو وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

حضرت ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ حاضر خدمت نبوی ہو کر عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے تو اپنی ہلاکت کا بڑا اندیشہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں؟ جواب دیا ایک تو اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے روکا ہے کہ جو نہ کیا ہو اس پر تعریف کو پسند کریں اور میرا یہ حال ہے کہ میں تعریف پسند کرتا ہوں' دوسری بات یہ ہے کہ تکبر سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے اور میں جمال کو پسند کرتا ہوں' تیسرے یہ کہ حضور ﷺ کی آواز سے بلند آواز کرنا ممنوع ہے اور میں بلند آواز ہوں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کیا تو اس بات سے خوش نہیں کہ تیری زندگی بہترین اور باخیر ہو اور تیری موت شہادت کی موت ہو اور تو جنتی بن جائے۔'' یہ خوش ہو کر کہنے لگے کیوں نہیں یا رسول اللہ! یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے' چنانچہ یہی ہوا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی زندگی حمید ہوئی اور موت شہادت کی ہوئی۔ مسیلمہ کذاب کے ساتھ مسلمانوں کی جو جنگ ہوئی اس میں آپ رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی ❷ ﴿تَحْسَبَنَّهُمْ﴾ کو ﴿يَحْسَبَنَّهُمْ﴾ بھی پڑھا گیا ہے۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ آل عمران، باب ﴿ولا تحسبن الذین یفرحون......﴾ ٤٥٦٧؛ صحیح مسلم، ٢٧٧٨۔

❷ حاکم، ٣/ ٢٣٤ امام حاکم نے شرط شیخین کے مطابق اسے صحیح قرار دیا اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت فرمائی ہے۔ لیکن یہ روایت ارسال کی وجہ سے ضعیف ہے۔ نیز دیکھئے صحیح ابن حبان، ٧١٦٧۔٧١٢٣۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾ رَبَّنَآ إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ ۖ وَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿١٩٢﴾ رَبَّنَآ إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ اٰمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ﴿١٩٣﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۖ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿١٩٤﴾

ترجمہ: آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔[۱۹۰] جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے اور آسمان وزمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا' تو پاک ہے پس ہمیں عذاب آگ سے بچالے'[۱۹۱] اے ہمارے پالنے والے تو جسے جہنم میں ڈالے یقیناً تو نے اسے رسوا کیا' اور ظالموں کا مددگار کوئی نہیں'[۱۹۲] اے ہمارے رب! ہم نے سنا کہ منادی کرنے والا باآواز بلند ایمان کی طرف بلا رہا ہے کہ لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ پس ہم ایمان لائے۔ اے اللہ! اب تو ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری برائیاں ہم سے دور کر دے اور ہماری موت نیک لوگوں کے ساتھ کر۔[۱۹۳] اے ہمارے پرورش کرنے والے اللہ! ہمیں وہ دے جس کا وعدہ تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانی کیا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر' یقیناً تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔[۱۹۴]

پھر فرمان ہے کہ تو انہی عذاب سے نجات پانیوالے خیال نہ کر انہیں عذاب ضرور ہوگا اور وہ بھی دردناک۔ پھر ارشاد ہے کہ ہر چیز کا مالک اور ہر چیز پر قادر اللہ تعالیٰ ہے اسے کوئی کام عاجز نہیں کر سکتا پس تم اس سے ڈرتے رہو اور اس کی مخالفت نہ کرو اس کے غضب سے بچنے کی کوشش کرو اس کے عذابوں سے اپنا بچاؤ کر لو نہ تو کوئی اس سے بڑا نہ اس سے زیادہ قدرت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور وفکر کی ترغیب: [آیت: ۱۹۰۔۱۹۴] طبرانی میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قریش یہودیوں کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہارے پاس کیا کیا معجزات لے کر آئے تھے؟ انہوں نے کہا اژدھا بن جانیوالی لکڑی اور چمکیلا ہاتھ پھر نصرانیوں کے پاس گئے ان سے کہا تمہارے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیا نشانیاں لائے تھے؟ جواب ملا کہ مادرزاد اندھوں کو بینا کر دینا اور کوڑھی کو اچھا کر دینا اور مردوں کو زندہ کر دینا۔ اب قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ہمارے لئے صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی جس پر آیت ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ الخ اتری یعنی نشان قدرت دیکھنے والوں کیلئے اسی میں بڑی نشانیاں ۔ یہ اسی میں غور فکر کریں گے تو ان قدرتوں والے اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک جائیں گے۔ ❶ لیکن اس روایت میں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ یہ سوال مکہ شریف

❶ "اسباب النزول للواحدی" ۲۸٤؛ الطبرانی، ۱۲۳۲۲، وسندہ ضعیف اس کی سند میں یحییٰ الحمانی ضعیف ہے دیکھئے (مجمع الزوائد، ٦/ ۳۳۲؛ فتح الباری، ۸/ ۲۳۵)

میں نازل ہوا تھا اور یہ آیت مدینہ شریف میں نازل ہوئی ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ آسمان جیسی بلند اور وسعت والی مخلوق اور زمین جیسی پست اور سخت لمبی چوڑی مخلوق پھر آسمان میں بڑی بڑی نشانیاں مثلاً چلنے پھرنے والے اور ایک جا ٹھہرے رہنے والے ستارے اور زمین کی بڑی بڑی پیداوار مثلاً پہاڑ اور جنگل اور درخت اور گھاس اور کھیتیاں اور پھل اور مختلف قسم کے جاندار اور کانیں اور الگ الگ ذائقے والے اور طرح طرح کی خوشبوؤں والے اور مختلف خواص والے میوے وغیرہ کیا یہ سب آیات قدرت ایک سوچ سمجھ والے انسان کی رہبری اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کر سکتیں؟ جو اور نشانیاں دیکھنے کی ضرورت باقی رہے۔ پھر دن رات کا آنا جانا اور ان کا کم زیادہ ہونا پھر برابر ہو جانا یہ سب اس عزیز و علیم اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی پوری پوری نشانیاں ہیں۔ اسی لئے آخر میں فرمایا کہ اس میں عقلمندوں کے لئے کافی نشانیاں ہیں جو پاک نفس والے ہر چیز کی حقیقت پر نظریں ڈالنے کے عادی ہیں اور بیوقوفوں کی طرح آنکھ کے اندھے اور کان کے بہرے نہیں۔ جن کی حالت اور جگہ بیان ہوئی ہے کہ وہ آسمان اور زمین کی بہت سی نشانیاں پیروں تلے روندتے ہوئے گزر جاتے ہیں اور غور و فکر نہیں کرتے' ان میں کے اکثر باوجود اللہ کو ماننے کے پھر بھی شرک سے نہیں بچ سکتے۔ اب ان عقلمندوں کی صفتیں بیان ہو رہی ہیں کہ وہ اٹھتے بیٹھتے لیٹتے اللہ کا نام لیا کرتے ہیں۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے فرمایا "کھڑے ہو کر نماز پڑھا کرو اگر طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر اور یہ بھی نہ ہو سکے تو لیٹے لیٹے ہی سہی۔ [1] یعنی کسی حالت میں ذکر اللہ تعالیٰ سے غافل مت رہو' دل میں اور پوشیدہ اور زبان سے ذکر اللہ کرتے رہا کرو۔" یہ لوگ آسمان اور زمین کی پیدائش میں نظریں دوڑاتے ہیں اور ان کی حکمتوں پر غور کرتے ہیں جو اس خالق یکتا کی عظمت و قدرت علم و حکمت اختیار و رحمت پر دلالت کرتی ہیں۔ حضرت شیخ سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گھر سے نکل کر جس جس چیز پر میری نظر پڑتی ہے میں دیکھتا ہوں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت مجھ پر موجود ہے اور میرے لئے وہ باعث عبرت ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ایک ساعت غور و فکر کرنا رات بھر کے قیام سے افضل ہے۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ غور و فکر اور مراقبہ ایک ایسا آئینہ ہے جو تیرے سامنے تیری برائیاں بھلائیاں پیش کر دے گا۔ حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں غور و فکر ایک نور ہے جو تیرے دل پر اپنا پرتو ڈالے گا اور بسا اوقات یہ بیت پڑھتے۔

اِذَا الْمَرْءُ كَانَتْ لَهٗ فِكْرَةٌ   فَفِيْ كُلِّ شَيْءٍ لَهٗ عِبْرَةٌ

یعنی جس انسان کو باریک بینی کی اور سوچ سمجھ کی عادت پڑ گئی اسے ہر چیز میں ایک عبرت اور آیت نظر آتی ہے۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام فرماتے ہیں' خوش نصیب ہے وہ شخص جس کا بولنا ذکر اللہ اور نصیحت ہو اور اس کا چپ رہنا غور و فکر ہو اور اس کا دیکھنا عبرت اور تنبیہ ہو۔ لقمان حکیم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حکمت آموز مقولہ بھی یاد رہے کہ تنہائی کی گوشہ نشینی جس قدر زیادہ ہو اسی قدر غور و فکر اور انجام بینی زیادہ ہوتی ہے اور جس قدر یہ بڑھ جائے اسی قدر وہ راستے انسان پر کھل جاتے ہیں جو اسے جنت میں پہنچا دیں۔ حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس قدر مراقبہ زیادہ ہو گا اسی قدر سمجھ بوجھ تیز ہو گی اور جتنی سمجھ زیادہ ہو گی اتنا علم نصیب ہو گا اور جس قدر علم زیادہ ہو گا نیک اعمال بھی بڑھیں گے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اللہ عزوجل کے ذکر میں زبان کا چلانا بہت اچھا ہے اور اللہ کی نعمتوں میں غور و فکر کرنا افضل عبادت ہے۔ حضرت مغیث بن اسود رحمۃ اللہ علیہ مجلس میں بیٹھے ہوئے فرماتے کہ

[1] صحیح بخاری، کتاب التقصیر، باب اذا لم یُطق قاعدًا صلی علی جنب، ۱۱۱۷؛ ابوداود، ۹۵۲؛ ترمذی، ۳۷۲؛ ابن ماجہ، ۱۲۲۳۔

لوگو! قبرستان ہر روز جایا کرو تا کہ تم کو انجام کا خیال پیدا ہو پھر اپنے دل میں اس منظر کو حاضر کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو پھر ایک جماعت کو جہنم میں لے جانے کا حکم ہوتا ہے اور ایک جماعت جنت میں جاتی ہے' اپنے دلوں کو اس حال میں جذب کرو اور اپنے بدن کو بھی وہیں حاضر جان لو۔ جہنم کو اپنے سامنے دیکھو اسکے ہتھوڑوں کو اس کی آگ کے قید خانوں کو اپنے سامنے لاؤ' اتنا فرماتے ہی دھاڑیں مار مار کر رونے لگتے ہیں یہاں تک کہ بیہوش ہو جاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک شخص نے ایک راہب سے ایک قبرستان اور ایک کوڑا ڈالنے کی جگہ پر ملاقات کی اور اس سے کہا' اے راہب! تیرے پاس اس وقت دو خزانے ہیں ایک خزانہ لوگوں کا یعنی قبرستان' ایک خزانہ مال کا یعنی کوڑا کرکٹ پاخانہ پیشاب ڈالنے کی جگہ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کھنڈرات پر جاتے اور کسی ٹوٹے پھوٹے دروازے پر کھڑے رہ کر نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ آواز نکالتے اور فرماتے اے اجڑے ہوئے گھرو! تمہارے رہنے والے کہاں ہیں؟ پھر خود فرماتے سب زیر زمین چلے گئے' سب فنا کا جام پی چکے' صرف ذات اللہ کو ہمیشگی والی بقا ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے' دو رکعتیں جو دل بستگی کے ساتھ ادا کی جائیں اس تمام نماز سے افضل ہیں جس میں ساری رات گزار دی لیکن دلچسپی نہ تھی۔ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اے ابن آدم! اپنے پیٹ کے تیسرے حصہ میں کھا' تیسرے حصے میں پانی پی اور تیسرا حصہ ان سانسوں کے لئے چھوڑ جس میں تو آخرت کی باتوں پر اپنے انجام پر اور اپنے اعمال پر غور و فکر کر سکے۔ بعض حکیموں کا قول ہے جو شخص دنیا کی چیزوں پر بغیر عبرت حاصل کئے نظر ڈالتا ہے اس غفلت کے انداز ے سے اس کی دل کی آنکھیں کمزور پڑ جاتی ہیں۔ حضرت بشیر بن حارث حافی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ اگر لوگ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا خیال کرتے تو ہرگز ان سے نافرمانیاں نہ ہوتیں۔ حضرت عامر بن عبد قیس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے سنا ہے کہ ایمان کی روشنی غور فکر اور مراقبہ میں ہے۔ مسیح ابن مریم سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ابن آدم' اے ضعیف انسان! جہاں کہیں تو ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہ دنیا میں عاجزی اور مسکینی کے ساتھ رہ' اپنا گھر مسجدوں کو بنالے' اپنی آنکھوں کو رونا سکھا' اپنے جسم کو صبر کی عادت سکھا' اپنے دل کو غور و فکر کرنے والا بنا' کل کی روزی کی فکر آج نہ کر۔

امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ مجلس میں بیٹھے ہوئے رو دیئے۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا میں نے دنیا میں اور اس کی لذتوں میں اور اس کی خواہشوں میں غور و فکر کیا اور عبرت حاصل کی جب نتیجہ پر پہنچا تو میری امنگیں ختم ہو گئیں حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کیلئے اس میں عبرت و نصیحت ہے اور وعظ و پند ہے۔ حسین بن عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے اشعار میں اس مضمون کو خوب نبھایا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کی مدح و ثنا بیان کی جو مخلوقات اور کائنات سے عبرت حاصل کریں اور نصیحت لیں اور ان لوگوں کی مذمت بیان کی جو قدرت کی نشانیوں پر غور نہ کریں' مؤمنوں کی مدح میں بیان ہو رہا ہے کہ یہ لوگ اٹھتے بیٹھتے لیٹتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں' زمین و آسمان کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ! تو نے اس خلق کو عبث اور بے کار نہیں بنایا بلکہ حق کے ساتھ پیدا کیا ہے تاکہ بروں کو برائی کا بدلہ اور نیکوں کو نیکیوں کا بدلہ عطا فرمائے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں کہ تو اس سے منزہ ہے کہ کسی چیز کو مہمل بنائے' اے خالق خلق' اے عدل و انصاف سے کائنات کو رچانے والے' اے نقصانوں اور عیبوں سے پاک ذات ہمیں اپنی قوت و طاقت سے ان اعمال کی توفیق رفیق فرما جن سے ہم تیرے عذابوں سے نجات پالیں اور تیری نعمتوں سے مالا مال ہو کر جنت میں داخل ہو جائیں۔ یہ یوں بھی کہتے ہیں کہ اے اللہ جسے تو جہنم میں لے جائے اسے تو

نے برباد کر دیا' ذلیل وخوار کر دیا اور مجمع حشر کے سامنے انہیں رسوا کیا' ظالموں کا کوئی مددگار نہیں انہیں نہ کوئی چھڑا سکے نہ بچا سکے نہ تیرے ارادے کے آگے آ سکے' اے رب! ہم نے پکارنے والے کی پکار کو سن لیا جو ایمان اسلام کی طرف بلاتا ہے۔ مراد اس سے آنحضرت ﷺ ہیں جو فرماتے ہیں کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ ہم ایمان لا چکے اور تابعداری بجا لائے پس ہمارے ایمان دار اتباع کی وجہ سے ہمارے گناہوں کو معاف فرما ان کی پردہ پوشی کر اور ہماری برائیوں کو ہم سے دور کر دے اور ہمیں صالح اور نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے' تو نے ہم سے جو وعدے اپنے رسولوں کی زبانی کئے ہیں انہیں پورا کر۔ اور یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ جو وعدہ تو نے اپنے رسولوں پر ایمان لانے کا لیا تھا۔ لیکن پہلا معنی ظاہر ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے ''عسقلان دو عروس میں سے ایک ہے یہیں سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ستر ہزار شخصوں کو کھڑا کرے گا جن پر حساب و کتاب ہی نہیں' یہیں سے پچاس ہزار شہید اٹھیں گے جو وفد بن کر اللہ تعالیٰ کے پاس جائیں گے' یہیں شہیدوں کی صفیں ہوں گی جن کے سر کٹے ہوئے ان کے ہاتھوں میں ہوں گے ان کی گردن کی رگوں سے خون جاری ہو گا یہ کہتے ہوں گے اے اللہ! ہم سے جو وعدے اپنے رسولوں کی معرفت تو نے کئے ہیں انہیں پورے کر ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر تو وعدے خلافی سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے یہ بندے سچے ہیں انہیں نہر بیضہ میں غسل دلواؤ۔ یہ اس میں غسل کر کے پاک صاف گورے چٹے رنگ کے ہو کر نکلیں گے اور ساری جنت ان کے لئے مباح ہو گی' جہاں چاہیں جائیں آئیں جو چاہیں کھائیں پئیں۔'' ❶ یہ حدیث غریب ہے اور بعض تو کہتے ہیں موضوع ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ ہمیں قیامت کے دن تمام لوگوں کے مجمع میں رسوا نہ کر' تیرے وعدے سچے ہی ہیں' تو نے جو کچھ خبریں اپنے رسولوں کی زبانی پہنچائی ہیں سب اٹل ہیں روز قیامت ضرور آنا ہے پس تو ہمیں اس دن کی رسوائی سے نجات دے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''بندے پر رسوائی ڈانٹ ڈپٹ عار اور شرمندگی اس قدر ڈالی جائے گی اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر کے اسے قائل معقول کیا جائے گا کہ وہ چاہے گا کہ کاش مجھے جہنم میں ہی ڈال دیا جاتا'' ❷ (ابو یعلی)۔ اس حدیث کی سند بھی غریب ہے۔ احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو تہجد کے لئے جب اٹھتے تب سورہ آل عمران کی ان دس آخری آیات کی تلاوت فرماتے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر رات گزاری' یہ مائی صاحبہ حضور ﷺ کی زوجہ تھیں' حضور ﷺ جب آئے تو تھوڑی دیر تک تو آپ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے باتیں کرتے رہے پھر سو گئے جب آخری تہائی رات باقی رہ گئی تو آپ ﷺ اٹھ بیٹھے اور آسمان کی طرف نگاہ کر کے ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ﴾ الخ سے آخر سورہ تک کی آیتیں تلاوت فرمائیں پھر کھڑے ہوئے مسواک کر کے وضو کیا اور گیارہ رکعت نماز ادا کی' حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی صبح کی اذان سن کر پھر دو رکعتیں صبح کی سنتیں پڑھیں پھر مسجد میں تشریف لا کر لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔ ❸ صحیح بخاری میں یہ روایت دوسری جگہ بھی ہے کہ بستر کے عرض میں تو میں سویا اور لمبائی میں آنحضرت ﷺ اور آپ کی زوجہ صاحبہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا لیٹیں آدھی رات کے قریب قریب کچھ پہلے یا کچھ بعد حضور ﷺ جاگے اپنے ہاتھوں سے اپنی آنکھیں ملتے ہوئے ان دس آیات کی تلاوت کی پھر ایک لٹکی ہوئی مشک میں

---

❶ احمد، ۳/ ۲۲۵، اس کی سند میں ہلال بن زید ابی عقال متھم بالوضع ہے۔ دیکھئے (الموضوعات لابن جوزی، ۲/ ۵۳؛ المیزان، ۴/ ۳۱۳؛ تلخیص الموضوعات للذہبی رحمہ اللہ، ۴۸۷) لہٰذا یہ روایت سخت ضعیف و مردود ہے۔

❷ مسند ابی یعلیٰ، ۱۷۷۶، وسندہ ضعیف جداً۔ ❸ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ آل عمران، باب قولہ ﴿إن فی خلق السموات والأرض......﴾ ۴۵۶۹؛ صحیح مسلم، ۷۶۳۔

سے پانی لے کر بہت اچھی طرح کامل وضو کیا اور نماز کو کھڑے ہو گئے میں نے بھی کھڑے ہو کر اسی طرح سب کچھ کیا اور آپ کی بائیں جانب آپ کی اقتدا میں نماز کے لئے کھڑا ہو گیا' حضور ﷺ نے اپنا داہنہ ہاتھ میرے سر پر رکھ کر میرے کان کو پکڑ کر مجھے گھما کر اپنی دائیں جانب کر لیا اور دو دو رکعتیں کر کے چھ مرتبہ یعنی بارہ رکعتیں پڑھیں پھر وتر پڑھا اور لیٹ گئے یہاں تک کہ موذن نے آ کر نماز کی اطلاع کی' آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر دو ہلکی رکعتیں ادا کیں اور باہر آ کر صبح کی نماز پڑھائی۔ ❶

ابن مردویہ کی اس حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھ سے میرے والد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم آج کی رات حضور کی آل میں گزارو اور آپ ﷺ کی رات کی نماز کی کیفیت دیکھو۔ رات کو جب سب لوگ عشاء کی نماز پڑھ کر چلے گئے میں بیٹھا رہا۔ جب حضور ﷺ جانے لگے تو مجھے دیکھ کر فرمایا ''کون عبداللہ؟'' میں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا ''کیوں رکے ہوئے ہو؟'' میں نے کہا والد صاحب کا حکم ہے کہ رات آپ ﷺ کے گھر گزاروں۔ تو فرمایا بہت اچھا آؤ۔ گھر آ کر فرمایا بستر بچھاؤ۔ ٹاٹ کا تکیہ آیا اور حضور اس پر سر رکھ کر سو گئے یہاں تک کہ مجھے آپ کے خراٹوں کی آواز آنے لگی پھر آپ ﷺ جاگے اور سیدھی طرح بیٹھ کر آسمان کی طرف دیکھ کر تین مرتبہ ((سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ)) پڑھا پھر سورۂ آل عمران کے خاتمہ کی آیتیں پڑھیں۔ اور روایت میں ہے کہ آیات کی تلاوت کے بعد حضور ﷺ نے یہ دعا پڑھی ((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَمِیْنِیْ نُوْرًا وَّعَنْ شِمَالِیْ نُوْرًا وَّمِنْ بَیْنِ یَدَیَّ نُوْرًا وَّمِنْ خَلْفِیْ نُوْرًا وَّمِنْ فَوْقِیْ نُوْرًا وَّمِنْ تَحْتِیْ نُوْرًا وَّاَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا یَّوْمَ الْقِیَامَةِ)) (ابن مردویہ)۔ یہ دعا بعض صحیح طریق سے بھی مروی ہے۔ ❷

اس آیت کی تفسیر کے شروع میں طبرانی کے حوالہ سے جو حدیث گزری ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مکی ہے لیکن مشہور اس کے خلاف ہے یعنی یہ کہ یہ آیت مدنی ہے اور اس کی دلیل میں یہ حدیث پیش ہو سکتی ہے جو ابن مردویہ میں ہے کہ حضرت عطاء رحمہ اللہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت عبید بن عمیر رحمہ اللہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے' آپ کے اور ان کے درمیان پردہ تھا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا عبید تم کیوں نہیں آیا کرتے؟ حضرت عبید رحمہ اللہ نے جواب دیا اماں جان صرف اس لئے کہ کسی شاعر کا قول ہے (زُرْغِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا) یعنی کم کم آؤ تا کہ محبت بڑھے۔ حضرت ابن عمیر نے کہا اب ان باتوں کو چھوڑ و مائی صاحبہ! ہم یہ پوچھنے کیلئے حاضر ہوئے ہیں کہ سب سے زیادہ عجیب بات جو تم نے آنحضرت ﷺ کی دیکھی ہو وہ ہمیں بتاؤ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رو دیں اور فرمانے لگیں حضور ﷺ کے تمام کام عجیب تر تھے۔ اچھا ایک واقعہ سنو' ایک رات میری باری میں حضور ﷺ میرے پاس آئے اور میرے ساتھ سوئے پھر مجھ سے فرمانے لگے عائشہ! ''میں اپنے اللہ تعالیٰ کی کچھ عبادت کرنا چاہتا ہوں مجھے جانے دے۔'' میں نے کہا یا رسول اللہ! اللہ کی قسم میں آپ ﷺ کا قرب چاہتی ہوں اور یہ بھی میری چاہت ہے کہ آپ اللہ عزوجل کی عبادت بھی کریں۔ اب آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور ایک مشک میں سے پانی لے کر آپ ﷺ نے ہلکا سا وضو کیا اور نماز کیلئے کھڑے ہو گئے پھر جو رونا شروع کیا تو اتنا روئے کہ داڑھی مبارک تر ہو گئی پھر سجدے میں گئے اور اس قدر روئے کہ زمین تر ہو گئی پھر کروٹ کے بل لیٹ گئے اور روتے ہی رہے یہاں تک کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آ کر نماز کے لئے بلایا اور =

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ﴿ربنا إنك من تدخل النار......﴾ ٤٥٧١؛ صحیح مسلم، ٧٦٣۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء إذا انتبه اللیل، ٦٣١٦؛ صحیح مسلم، ٧٦٣؛ ابوداود، ٥٠٤٣۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

ترجمہ: ان کے رب نے انکی دعا قبول فرمالی تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو خواہ عورت میں ہرگز ضائع نہیں کرتا، تم آپس میں ایک ہی ہو پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھر سے نکال دیئے گئے اور جنہیں میری راہ میں ایذا دی گئی اور جنہوں نے جہاد کیا اور شہید کئے گئے میں ضرور ضرور اس کی برائیاں ان سے دور کر دوں گا اور بالیقین انہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، یہ ہے ثواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے۔ [۱۹۵]

= آپ ﷺ کے آنسو رواں دیکھ کر دریافت کیا کہ اے اللہ کے سچے رسول ﷺ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''بلال! میں کیوں نہ روؤں؟ مجھ پر آج کی رات یہ آیت اتری ہے ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ﴾ الخ ویل ہے اس شخص کے لئے جو اسے پڑھے اور پھر اس میں غور و تدبر نہ کرے۔'' ❶

عبد بن حمید کی تفسیر میں بھی یہ حدیث ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ جب ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے ہم نے سلام کیا تو آپ نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ ہم نے اپنے نام بتائے اور آخر میں یہ بھی ہے کہ نماز کے بعد آپ ﷺ اپنی داہنی کروٹ پر لیٹے رخسار تلے ہاتھ رکھا اور روتے رہے یہاں تک کہ آنسوؤں سے زمین تر ہو گئی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے جواب میں آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ''کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟'' اور آیات کے نازل ہونے کے بارے میں ﴿عَذَابَ النَّارِ﴾ تک آپ ﷺ نے تلاوت کی۔ ❷ ابن مردویہ کی ایک ضعیف سند والی حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سورۂ آل عمران کے آخر کی دس آیتیں ہر رات کو پڑھتے۔ ❸ اس روایت میں مظاہر بن اسلم ضعیف ہیں۔

دعائیں اللہ تعالیٰ ہی قبول کرنے والا ہے: [آیت: ۱۹۵] یہاں ﴿اِسْتَجَابَ﴾ معنی میں اَجَابَ کے ہے اور یہ عربی میں برابر مروج ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک روز حضور ﷺ سے پوچھا کہ کیا بات ہے عورتوں کی ہجرت کا کہیں قرآن میں اللہ تعالیٰ ذکر ہی نہیں کرتا، اس پر یہ آیت اتری۔ انصار کا بیان ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلی مہاجرہ عورت جو ہودج میں آئیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں۔ ❹ مائی صاحبہ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیت سب سے آخر میں اتری ہے مطلب آیت کا یہ ہے کہ صاحب

---

❶ ابن مردویہ، اس کی سند میں ابو جناب یحییٰ بن ابی حیۃ ضعیف و مدلس ہے لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

❷ عبد بن حمید وسندہ ضعیف اس کی سند میں بھی ابو جناب ضعیف و مدلس راوی ہے۔

❸ "الیوم واللیلۃ لابن السنی" ۶۸۸، اس کی سند مظاہر بن اسلم کی وجہ سے ضعیف ہے۔ لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔ دیکھئے (مجمع الزوائد، ۲/ ۷۷) ❹ حاکم، ۲/ ۳۰۰، اور اسے شرط بخاری کے مطابق قرار دیا ہے۔ اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت فرمائی ہے۔ لیکن اس کی سند سفیان بن عیینہ کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

عقل اور صاحب ایمان لوگوں نے جب اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں جن کا ذکر پہلے کی آیتوں میں تھا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی منہ مانگی مرادانہیں عطا فرمائی۔ اسی لئے اس آیت کو ”ف“ سے شروع کیا۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ﴾ ❶ الخ یعنی ”میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں سوال کریں تو تو کہہ دے کہ میں تو بہت ہی نزدیک ہوں جب کبھی کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے میں اس کی پکار کو قبول فرمالیتا ہوں پس انہیں بھی چاہئے کہ میری مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں کیا عجب کہ یہ رشد و ہدایت پالیں۔“ پھر قبولیت دعا کی تفسیر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ میں کسی عامل کے عمل کو رائیگاں نہیں کرتا بلکہ ہر ایک کو پورا پورا بدلہ عطا فرماتا ہوں خواہ مرد ہو خواہ عورت ہر ایک میرے پاس ثواب میں اور اعمال کے بدلے میں یکساں ہے پس جو لوگ شرک کی جگہ کو چھوڑیں اور ایمان کی جگہ آ جائیں دار الکفر سے ہجرت کریں بھائیوں دوستوں پڑوسیوں اور اپنوں کو اللہ تعالیٰ کے نام پر ترک کر دیں مشرکوں کی ایذائیں سہہ سہہ کر تھک کر عاجز آ کر ایمان کو نہ چھوڑیں بلکہ اپنے پیارے وطن سے منہ موڑ لیں۔ لوگوں کا انہوں نے کوئی نقصان نہیں کیا تھا جس کے بدلے میں انہیں ستایا جاتا بلکہ ان کا صرف یہ قصور تھا کہ میری راہ کے پیچھے لگنے والے تھے صرف میری توحید کی وجہ سے دنیا کی دشمنی مول لے لی تھی میری راہ پر چلنے کے باعث طرح طرح سے ستائے جاتے تھے جیسے اور جگہ ہے ﴿يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ﴾ ❷ ”یہ لوگ رسول ﷺ کو اور تم کو صرف اس بنا پر دیس نکالا دیتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو جو تمہارا رب ہے۔“ اور ارشاد ہے ﴿وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ ❸ ”ان سے دشمنی اسی وجہ سے ہے کہ یہ اللہ عزیز وحمید پر ایمان لائے ہیں۔“

پھر فرماتا ہے انہوں نے جہاد بھی کئے اور یہ شہید بھی ہوئے یہ اعلیٰ درجہ ہے اور بلند مرتبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا ہے سواری کٹ جاتی ہے منہ خاک وخون میں مل جاتا ہے۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر میں صبر کے ساتھ نیک نیتی سے اور دلیری سے پیچھے نہ ہٹ کر راہ اللہ میں جہاد کروں اور پھر شہید کر دیا جاؤں تو کیا اللہ تعالیٰ میری خطائیں معاف فرما دیگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں“ پھر دوبارہ آپ نے اس سے سوال کیا کہ ذرا پھر کہنا تم نے کیا کہا تھا اس نے پھر دوبارہ اپنا سوال دہرادیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں مگر قرض معاف نہ ہوگا۔ یہ بات جبرائیل علیہ السلام مجھ سے ابھی ابھی کہہ گئے۔“ ❹ پس یہاں فرماتا ہے کہ میں ان کی بدیاں معاف فرمادوں گا اور انہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جس میں چوطرف نہریں بہہ رہی ہیں جن میں سے کسی میں دودھ ہے کسی میں شہد کسی میں شراب کسی میں صاف پانی اور وہ وہ نعمتیں ہوں گی جو نہ کسی کان نے سنیں نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی انسانی دل پر کبھی خیال گزرا یہ ہے بدلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ ظاہر ہے کہ جو ثواب اس شہنشاہ عالی کی طرف سے ہو وہ کس قدر زبردست اور بے انتہا ہوگا؟ جیسے کسی شاعر کا قول ہے کہ اگر وہ عذاب کرے تو وہ بھی مہلک اور برباد کر دینے والا اور اگر انعام دے تو وہ بھی بے حساب قیاس سے بڑھ کر کیونکہ اسکی ذات بے پرواہ ہے۔ نیک اعمال لوگوں کا بہترین بدلہ اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔

---

❶ ۲/ البقرة:۱۸۶۔ ❷ ۶۰/ الممتحنة:۱۔ ❸ ۸۵/ البروج:۸۔

❹ صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة أحد، ٤٠٤٦؛ صحيح مسلم، ١٨٨٥؛ نسائي، ٣١٥٦۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾

ترجمہ: تجھے کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا فریب میں نہ ڈال دے۔[۱۹۶] یہ تو بہت ہی تھوڑا فائدہ ہے۔اس کے بعد ان کا ٹھکانا تو جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے۔[۱۹۷] لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہیں انکے لئے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے مہمانی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور نیک کاروں کیلئے جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہت ہی بہتر ہے۔[۱۹۸]

حضرت شداد بن اوس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لوگو! اللہ تعالیٰ کی قضا پر غمگین اور بے صبرے نہ ہو جایا کرو۔ سنو مومن پر ظلم و جور نہیں ہوتا اگر تمہیں خوشی اور راحت پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر کرو اور اگر برائی پہنچے تو صبر و سہار کرو اور نیکی اور ثواب کی تمنا رکھو اللہ تعالیٰ کے پاس بہترین بدلے اور پاکیزہ ثواب ہیں۔

ایمان کے بغیر دنیاوی آسائش آخرت میں کوئی فائدہ نہ دے گی: [آیت:۱۹۶۔۱۹۸] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کافروں کی بدمستی ان کے ناز و نعم انکی راحت و آرام ان کی خوش حالی اور فارغ البالی کی طرف اے نبی آپ نظریں نہ ڈالئے یہ سب عنقریب زائل ہو جائیگا اور صرف انکی بداعمالیاں عذاب کی صورت میں ان پر باقی رہ جائیں گی ان کی یہ تمام نعمتیں آخرت کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہیں۔ اسی مضمون کی بہت سی آیتیں قرآن کریم میں ہیں مثلاً ﴿مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ﴾ ❶ "اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں کافر ہی جھگڑتے ہیں۔ ان کا شہروں میں گھومنا پھرنا تجھے دھوکے میں نہ ڈالے" اور جگہ ہے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ﴾ ❷ الخ "جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے دنیا میں چاہے یونہی سا فائدہ اٹھالیں لیکن آخری بازگشت تو ہماری طرف ہی ہے پھر ہم انہیں ان کے کفر کی پاداش میں سخت تر سزائیں دیں گے۔" اور جگہ ہے "انہیں ہم تھوڑا سا فائدہ پہنچا کر پھر گاڑھے عذابوں کی طرف بے بس کر دیں گے۔" اور جگہ ہے کافروں کو کچھ ڈھیل دے دے۔ اور جگہ ہے "کیا وہ شخص جو ہمارے عمدگی کے وعدے کو پالینے والا ہے اور وہ جو دنیا میں آرام سے گزار رہا ہے اور قیامت کے دن عذابوں میں حاضری دینے والا ہے برابر ہو سکتے ہیں؟" چونکہ کافروں کا دنیوی اور اخروی حال بیان ہوا اس لئے ساتھ ہی مومنوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ متقی گروہ قیامت کے دن نہروں والی بہشتوں میں ہوگا۔ ابن مردویہ میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انہیں ابرار اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ماں باپ کے ساتھ اور اولاد کے ساتھ نیک سلوک والے تھے۔ جس طرح تیرے ماں باپ کا تجھ پر حق ہے اسی طرح تیری اولاد کا تجھ پر حق ہے۔ ❸ یہی روایت ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی مروی ہے اور موقوف ہونا ہی زیادہ ٹھیک نظر آتا ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابرار وہ ہیں جو کسی کو ایذا نہ دیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہر شخص کیلئے خواہ نیک ہو خواہ بد موت اچھی چیز ہے اگر نیک ہے تو جو کچھ اس کے لئے اللہ کے پاس ہے وہ بہت ہی بہتر ہے اور اگر بد ہے تو اللہ کے عذاب اور اس کے گناہ جو اس کی زندگی میں بڑھ رہے تھے اب بڑھوتری ختم ہوئی پہلے کی دلیل ﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ﴾ ہے اور دوسرے کی دلیل ﴿لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ﴾ ❹ الخ "یعنی کافر ہماری ڈھیل دینے کو اپنے حق میں بہتر نہ خیال کریں ==

❶ ۴۰/ المؤمن:۴۔ ❷ ۱۰/ یونس:۶۹۔ ❸ الطبری،۷/ ۴۹۶۔ ❹ ۳/ آل عمران:۱۷۸۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾

ع ۲۰

ترجمہ: یقیناً اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور تمہاری طرف جو اترا اور ان کی جانب جو نازل ہوا اس پر بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو تھوڑے تھوڑے مول پر بیچتے بھی نہیں ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔[۱۹۹] اے ایمان والو! تم ثابت قدم رہو اور ایک دوسرے کو تھامے رکھو اور جہاد کے لئے تیار رہو تاکہ تم مراد کو پہنچو۔[۲۰۰]

= یہ ڈھیل انہیں گناہوں میں بڑھا رہی ہے اور ان کیلئے رسوا کن عذاب ہیں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ❶

اہل کتاب میں سے ایمان لانے والے کامیاب ہیں: [آیت:۱۹۹۔۲۰۰] اللہ تعالیٰ اہل کتاب کے اس فرقے کی تعریفیں کرتا ہے جو پورے ایمان والا ہے قرآن کریم کو بھی مانتا ہے اور اپنے نبی ﷺ کی کتاب پر بھی ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کا ڈر دل میں رکھ کر رب تعالیٰ کے فرمانوں کی بجا آوری میں نہایت تندہی کے ساتھ مشغول ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور گریہ وزاری کرتا رہتا ہے پیغمبر آخر الزماں ﷺ کے یہ پاک اوصاف اور صاف نشانیاں ان کی کتابوں میں ہیں اسے وہ پاکر چھپاتا نہیں بلکہ ہر ایک کو دکھاتا ہے اور آپ ﷺ کے مان لینے کی رغبت دلاتا ہے ایسی جماعت اللہ تعالیٰ کے پاس اجر پائے گی خواہ یہودیوں کی ہو خواہ نصرانیوں کی۔ سورۂ قصص میں یہ مضمون اس طرح بیان ہوا ہے ﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ﴾ ❷ الخ ''جنہیں ہم نے اس سے پہلے کتاب دے رکھی ہے وہ اس پر بھی ایمان لاتے ہیں اور جب یہ کتاب ان پر پڑھی جاتی ہے تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے یہ برحق کتاب ہمارے رب تعالیٰ کی ہے ہم تو پہلے ہی سے اسے مانتے تھے۔ انہیں ان کے صبر کا دوہرا اجر دیا جائے گا۔'' اور جگہ ہے ''جن کو ہم نے کتاب دی اور جو اسے صحیح طور پر پڑھتے ہیں وہ تو اس قرآن پر بھی فوراً ایمان لاتے ہیں'' الخ۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ○﴾ ❸ ''حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے بھی ایک جماعت حق کی ہدایت کرنے والی اور حق کے ساتھ عدل کرنے والی ہے۔'' اور مقام پر بیان ہے ﴿لَيْسُوْا سَوَآءً﴾ ❹ الخ یعنی ''اہل کتاب سب یکساں نہیں ان میں ایک جماعت راتوں کے وقت بھی کتاب اللہ پڑھنے والی ہے اور سجدے کرنے والی۔''

اور جگہ ہے اے نبی تم کہو کہ لوگو! تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ پہلے سے جنہیں علم دیا گیا ہے جب ان پر اس کلام مجید کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ اپنے چہروں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے یقیناً اس کا وعدہ سچا ہے اور ہو کر رہنے والا ہے یہ لوگ روتے ہوئے منہ کے بل گر تے ہیں اور خشوع وخضوع میں بڑھ جاتے ہیں۔ یہ صفتیں یہودیوں میں پائی گئیں گو بہت کم

---

❶ ابن مردویه مرفوعًا وسنده ضعيف ابن جرير موقوفًا وسنده ضعيف۔

❷ ۲۸/ القصص:۵۲۔ ❸ ۷/ الاعراف:۱۵۹۔ ❹ ۳/ ال عمران:۱۱۳۔

لوگ ایسے تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور آپ ہی جیسے اور باایمان یہودی علما لیکن ان کی گنتی دس تک بھی نہیں پہنچتی ہاں نصرانی اکثر ہدایت پر آ گئے اور حق کے فرمانبردار ہو گئے جیسے اور جگہ ہے ﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا﴾ سے ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ❶ آخر آیت تک مطلب یہ ہے کہ ایمان والوں سے عداوت اور دشمنی رکھنے میں سب سے زیادہ بڑھے ہوئے یہود ہیں اور مشرک اور ایمان والوں سے محبت رکھنے والوں میں پیش پیش نصرانی ہیں الخ۔ اب فرماتا ہے ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے پاس اجر عظیم کے مستحق ہیں حدیث میں یہ بھی آ چکا ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابوطالب نے جب سورۂ مریم کی تلاوت شاہ نجاشی کے دربار میں بادشاہ اور ارا کین سلطنت اور علمائے نصاریٰ کے سامنے کی اور اس میں آپ پر رقت طاری ہوئی تو سب حاضرین دربار مع بادشاہ کے رو دیئے اور اس قدر متاثر ہوئے کہ روتے روتے ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں۔ ❷ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ نجاشی کے انتقال کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو دی اور فرمایا کہ ”تمہارا بھائی حبش میں انتقال کر گیا ہے اس کے جنازے کی نماز ادا کرو“ اور میدان میں جا کر صحابہ رضی اللہ عنہم کی صفیں مرتب کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنازے کی نماز ادا کی۔ ❸ ابن مردویہ میں ہے کہ جب نجاشی فوت ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اپنے بھائی کیلئے استغفار کرو“ تو بعض لوگوں نے کہا دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس نصرانی کے لئے استغفار کرنے کا حکم دیتے ہیں جو حبشہ میں مرا ہے اس پر یہ آیات نازل ہوئی۔ ❹ گویا اس کے مسلمان ہونے کی شہادت قرآن کریم نے دی۔ ابن جریر میں ہے کہ ان کی موت کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی کہ ”تمہارا بھائی اصحمہ انتقال کر گیا ہے۔“ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے اور جس طرح جنازے کی نماز پڑھاتے تھے اسی طرح چار تکبیروں سے نماز جنازہ پڑھائی۔ اس پر منافقوں نے وہ اعتراض کیا اور یہ آیت اتری۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نجاشی کے انتقال کے بعد ہم یہی سنتے رہے کہ ان کی قبر پر نور دیکھا جاتا ہے۔ ❺ مستدرک حاکم میں ہے کہ نجاشی کا ایک دشمن اسی کی سلطنت میں سے نجاشی پر چڑھائی کے لیے تیار ہوا تو مہاجرین نے کہا کہ آپ اس سے مقابلہ کرنے کے لئے چلئے ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں آپ ہماری بہادری کے جوہر دیکھ لیں گے اور جو حسن سلوک آپ نے ہمارے ساتھ کیا ہے اس کا بدلہ بھی اتر جائے گا۔ لیکن نجاشی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں کی امداد کے ساتھ بچاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ کی امداد کا بچاؤ بہتر ہے اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ❻

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد اہل کتاب کے مسلمان لوگ ہیں۔ ❼ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو حضور سے پہلے تھے اسلام کو پہچانتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کا شرف بھی انہیں حاصل ہوا تو انہیں اجر بھی دوہرا ملا ایک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے ایمان کا دوسرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابوموسیٰ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تین قسم کے لوگوں کو دوہرا اجر ملتا ہے جن میں سے ایک اہل کتاب کا وہ شخص ہے جو اپنے نبی علیہ السلام پر ایمان لایا اور مجھ پر بھی ایمان لایا“ ❽ اور باقی دو کو بھی ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو تھوڑی قیمت پر نہیں

---

❶ ٥/ المآئدة:٨٦، ٨٥۔ ❷ سيرة ابن هشام، ١/ ٣٥٧، سنده ضعيف، الزهري عنعن۔

❸ صحيح بخاري، كتاب مناقب الانصار، باب موت النجاشي، ٣٨٧٧؛ صحيح مسلم، ٩٥١۔

❹ الطبراني في الاوسط، ٣٦٨٨ وسنده حسن۔

❺ أبوداود، كتاب الجهاد، باب في النور يرى عند قبر الشهيد، ٢٥٢٣، وسنده حسن۔

❻ حاكم، ٢/ ٣٠٠، وسنده ضعيف۔ ❼ الطبري، ٧/ ٤٩٩۔ ❽ صحيح بخاري، كتاب العلم، باب تعليم الرجل امته واهله، ٩٧؛ صحيح مسلم، ١٥٤؛ ابوداود، ٢٠٥٣؛ ترمذي، ١١١٦؛ نسائي، ٣٣٤٦؛ ابن ماجة، ١٩٥٦۔

بیچتے یعنی اپنے پاس کی علمی باتوں کو نہیں چھپاتے جیسے کہ ان میں سے ایک رذیل جماعت کا شیوہ تھا بلکہ یہ لوگ تو اسے پھیلاتے اور خوب ظاہر کرتے ہیں' ان کا بدلہ ان کے رب تعالیٰ کے پاس ہے اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے یعنی جلد سمیٹنے اور گھیرنے اور شمار کرنے والا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اسلام جیسے میرے پسندیدہ دین پر جمے رہو شدت اور نرمی کے وقت مصیبت اور راحت کے وقت غرض کسی حال میں اسے نہ چھوڑو یہاں تک کہ دم بھی نکلے تو اسی پر نکلے اور اپنے ان دشمنوں سے بھی صبر و سہار کرو جو اپنے دین کو چھپاتے ہیں۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ وغیرہ علمائے سلف نے یہی تفسیر بیان فرمائی ہے۔ مُـرَابَـطَـه کہتے ہیں عبادت کی جگہ میں ہمیشگی کرنے کو اور ثابت قدمی سے جم جانے کو' اور کہا گیا ہے کہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار کو۔ یہی قول ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سہل بن حنیف اور محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ کا صحیح مسلم شریف اور نسائی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ کس چیز سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور درجوں کو بڑھاتا ہے' تکلیف ہوتے ہوئے کامل وضو کرنا دور سے چل کر مسجدوں میں آنا ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا یہی رباط ہے یہی مرابطہ ہے یہی اللہ تعالیٰ کی راہ کی مستعدی ہے۔'' ❶ ابن مردویہ میں ہے کہ ابوسلمہ رحمہ اللہ سے ایک دن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا اے میرے بھتیجے جانتے ہو اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟ انہوں نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ آپ نے فرمایا سنو! اس وقت کوئی غزوہ نہ تھا یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو مسجدوں کو آباد رکھتے تھے اور نمازوں کو ٹھیک وقت پر ادا کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے انہیں یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تم پانچوں نمازوں پر جمے رہو اور اپنے نفس کو اور اپنی خواہش کو روکے رکھو اور مسجدوں میں مرابطہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ یہی اعمال موجب فلاح ہیں۔ ❷ ابن جریر کی حدیث میں ہے ''کیا میں تم کو وہ اعمال نہ بتاؤں جو گناہوں کا کفارہ ابن جاتے ہیں' کامل وضو کرنا ناپسندیدگی کے وقت اور انتظار کرنا ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا تمہاری مستعدی اسی میں ہونی چاہئے۔'' اور حدیث میں زیادہ قدم چل کر مسجد میں آنا بھی ہے۔ ❸ اور روایت میں ہے کہ گناہوں کی معافی کے ساتھ ہی درجے بھی ان اعمال سے بڑھتے رہتے ہیں' اور یہی اس آیت کا مطلب ہے لیکن یہ حدیث بالکل غریب ہے۔

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہاں ﴿رَابِطُوْا﴾ سے مطلب انتظار نماز ہے۔ ❹ لیکن اوپر بیان ہو چکا ہے کہ یہ فرمان حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿رَابِطُوْا﴾ سے دشمن سے جہاد کرنا اور اسلامی ملک کی حدود کی نگہبانی کرنا اور دشمنوں کو اسلامی شہروں میں نہ گھسنے دینا ہے۔ اس کی ترغیب میں بھی بہت سی حدیثیں ہیں اور اس پر بھی بڑے ثواب کا وعدہ ہے۔

جہاد کی تیاری اور ترغیب: صحیح بخاری میں ہے ''ایک دن کی (جہاد کی) تیاری ساری دنیا سے اور جو اس میں ہے سب سے افضل ہے۔'' ❺ مسلم شریف کی حدیث میں ہے ''ایک دن رات کی جہاد کی تیاری ایک ماہ کے کامل روزوں اور ایک ماہ کی تمام شب بیداری سے افضل ہے اور اسی تیاری کی حالت میں موت آ جائے تو جتنے اعمال صالحہ کرتا تھا سب کا ثواب پہنچتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس سے روزی پہنچائی جاتی ہے اور فتنوں سے امن پاتا ہے۔'' ❻ مسند احمد میں ہے ''ہر مرنے والے کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر جو شخص

---

❶ مؤطا امام مالک، ۱/ ۲۶۱؛ صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب فضل إسباغ الوضوء علی المكاره، ۲۵۱؛ نسائی، ۱۴۳۔

❷ ابن مردویه وسنده ضعیف۔ ❸ ابن جریر بسندین ضعیفین۔

❹ ابن جریر وسنده ضعیف۔

❺ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب فضل رباط یوم فی سبیل اللّٰه، ۲۸۹۲۔

❻ صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب فضل الرباط فی سبیل اللّٰه، ۱۹۱۳۔

اللہ تعالیٰ کی راہ کی تیاری میں ہو اور اسی حال میں مر جائے تو اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے اور اسے فتنہ قبر سے نجات ملتی ہے۔" ❶ ابن ماجہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ "قیامت کے دن کی گھبراہٹ سے اسے امن ملے گا۔" ❷ مسند کی اور حدیث میں ہے "اسے صبح شام جنت سے روزی پہنچائی جاتی ہے اور قیامت تک اس کے مرابطہ کا اجر ملتا رہتا ہے۔" ❸ مسند احمد میں ہے "جو شخص مسلمانوں کی سرحد کے کسی کنارے پر تین دن تیاری میں گزارے اسے سال بھر تک کی اور جگہ کی اس تیاری کا اجر ملتا ہے۔ ❹

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنے منبر پر خطبہ پڑھتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا میں تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی سنی ہوئی بات سناتا ہوں، میں نے اب تک ایک خاص خیال سے اسے نہیں سنایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "راہ اللہ میں ایک رات کا پہرہ ایک ہزار راتوں کی عبادت سے افضل ہے جو تمام راتیں قیام میں اور تمام دن صیام میں گزارے جائیں۔" ❺ اس حدیث کو اب تک بیان نہ کرنے کی وجہ خلیفہ رسول نے یہ بیان فرمائی ہے کہ مجھے ڈر تھا کہ اس فضیلت کے حاصل کرنے کے لئے کہیں تم سب مدینہ چھوڑ کر میدان جنگ میں نہ چل دو اب میں سنا دیتا ہوں ہر شخص کو اختیار ہے کہ جو بات اپنے لئے پسند کرتا ہے اس کا پابند ہو جائے۔ ❻ دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے پھر فرمایا "کیا میں نے پہنچا دی؟" لوگوں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا "اے جناب باری تعالیٰ تو گواہ رہ۔ ❼ ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت شرحبیل بن سمط رضی اللہ عنہ محافظت سرحد میں تھے اور زمانہ زیادہ گزر جانے کے بعد کچھ تنگ دل ہو رہے تھے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے اور فرمایا آ؛ میں تجھے اللہ کے پیغمبر کی ایک حدیث سناؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "ایک دن کی سرحد کی حفاظت ایک مہینہ کے صیام و قیام سے افضل ہے اور جو اسی حالت میں مر جائے وہ فتنہ قبر سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے اعمال قیامت تک جاری رہتے ہیں۔" ❽ ابن ماجہ میں ہے کہ "ایک رات راہ اللہ میں پہرہ دینا تاکہ مسلمان امن سے رہیں ہاں نیت نیک ہو گو وہ رات رمضان کی نہ ہو ایک سو سال کی عبادت سے افضل ہے جس کے دن روزے میں اور جس کی راتیں تہجد میں گزری ہوں اور ایک دن کی اللہ کی راہ کی تیاری تاکہ مسلمان با حفاظت رہیں طلب ثواب کی نیت سے بغیر ماہ رمضان کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہزار سال کے روزوں اور تہجد سے افضل ہے اب اگر یہ غازی سلامتی اور زندگی کے ساتھ اپنے والوں میں آ گیا تو ایک ہزار سال کی برائیاں اس کے نامہ اعمال میں نہ لکھی جائیں گی اور نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس مرابطہ کا اجر قیامت تک اسے ملتا رہے گا۔" ❾ یہ حدیث غریب ہے بلکہ منکر ہے اس کے ایک راوی عمرو بن صبیح متہم ہیں۔

---

❶ احمد، ٦/ ٢٠؛ ابوداود، کتاب الجهاد، باب فی فضل الرباط، ٢٥٠٠ وسنده صحیح؛ ترمذی، ١٦٢١۔

❷ ابن ماجه، ابواب الجهاد، باب فضل الرباط فی سبیل الله، ٢٧٦٧، وهو صحیح۔

❸ احمد، ٢/ ٤٠٤، وسنده ضعیف۔ ❹ احمد، ٦/ ٣٦٢، وسنده ضعیف۔

❺ احمد، ١/ ٦١۔٦٥، وسنده ضعیف۔

❻ ابن ماجة، کتاب الجهاد، باب فضل الرباط فی سبیل الله، ٢٧٦٦، وسنده ضعیف عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ضعیف راوی ہے۔

❼ احمد، ١/ ٦٢، وهو حسن بالشواهد۔

❽ ترمذی، فضائل الجهاد، باب ما جاء فی فضل المرابط، ١٦٦٥، وهو صحیح۔

❾ ابن ماجة، کتاب الجهاد، باب فضل الرباط فی سبیل الله، ٢٧٦٨، سنده ضعیف جداً موضوع، عمر بن صبح متروک اور محمد بن یعلیٰ السلمی ضعیف راوی ہے۔

ابن ماجہ کی ایک اور غریب حدیث میں ہے کہ ''ایک رات کی مسلم لشکر کی چوکیداری ایک ہزار سال کی راتوں کے قیام اور دنوں کے صیام سے افضل ہے ہر سال کے تین سو ساٹھ دن اور ہر دن مثل ایک ہزار سال کے۔'' ❶ اس کے راوی سعید بن خالد کو ابوزرعہ رحمہ اللہ وغیرہ ائمہ نے ضعیف کہا ہے' بلکہ امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی روایت سے موضوع حدیثیں بھی ہیں۔ایک منقطع حدیث میں ہے ''لشکر اسلام کے چوکیدار پر اللہ تعالیٰ کا رحم ہو'' (ابن ماجہ) ❷

حضرت سہل بن حنظلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حنین کے دن ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے شام کی نماز میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کی جو ایک گھوڑے سوار آیا اور کہا یا رسول اللہ! میں آگے نکل گیا تھا اور فلاں پہاڑ پر چڑھ کر میں نے نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ قبیلہ ہوازن کے لوگ میدان میں آگئے ہیں یہاں تک کہ ان کی اونٹنیاں بکریاں عورتیں اور بچے بھی ساتھ ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا ''ان شاء اللہ یہ سب کل مسلمانوں کی غنیمت میں ہوگا'' پھر فرمایا ''بتاؤ آج کی رات پہرہ کون دے گا؟'' حضرت انس بن ابومرثد رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جاؤ سواری لے کر آؤ'' وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر حاضر ہوئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس گھاٹی میں چلے جاؤ اور اس پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ جاؤ خبردار تمہاری طرف سے ان کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ صبح تک نہ ہو۔'' صبح جس وقت نماز کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی جگہ آئے دو سنتیں ادا کیں اور لوگوں سے پوچھا ''کہو تمہارا پہرہ دار سوار کی تو کوئی آہٹ سنائی نہیں دی؟'' لوگوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ اب تکبیر کہی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شروع کی خیال آپ کا اسی گھاٹی کی طرف تھا' نماز سے سلام پھیرتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوش ہو جاؤ تمہارا گھوڑے سوار آ رہا ہے۔ہم نے جھاڑیوں میں سے جھانک کر دیکھا تو تھوڑی دیر میں ہمیں بھی دکھائی دے گیا۔آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ! میں اس وادی کے اوپر کے حصے پر پہنچ گیا تھا اور ارشاد کے مطابق وہیں رات گزاری' صبح میں نے دوسری گھاٹی بھی دیکھ ڈالی لیکن وہاں بھی کوئی نہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا رات کو وہاں سے تم نیچے بھی اترتے تھے۔جواب دیا نہیں صرف نماز کے لے اور قضاء حاجت کے لئے تو نیچے اترا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اپنے لئے جنت واجب کر لی اب تم اسکے بعد کوئی عمل نہ کرو تو بھی تم پر کوئی حرج نہیں (ابوداؤد و نسائی)۔❸ مسند احمد میں ہے کہ ایک غزوہ کے موقعہ پر ایک رات کو ہم بلند جگہ پر تھے اور سخت سردی تھی یہاں تک کہ لوگ زمین میں گڑھے کھود کھود کر اپنے اوپر ڈھالیں لے لے کر پڑے ہوئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت آواز دی کہ ''کوئی ہے جو آج کی رات ہماری چوکیداری کرے اور مجھ سے بہترین دعا لے'' تو ایک انصاری کھڑا ہو گیا اور کہا حضور! میں تیار ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پاس بلا کر نام دریافت کر کے اس کے لئے بہت دعا کی۔ابوریحانہ رضی اللہ عنہ یہ دعائیں سن کر آگے بڑھے اور کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی پہرہ دوں گا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھی پاس بلا لیا اور نام پوچھ کر میرے لئے بھی دعائیں کیں لیکن اس انصاری صحابی رضی اللہ عنہ سے یہ دعا کم تھی' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس آنکھ پر جہنم کی آنچ حرام ہے جو اللہ تعالیٰ کے ڈر سے روئے اور اس آنکھ پر بھی جو راہ الٰہی میں شب بیداری کرے۔'' ❹ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''جو شخص مسلمانوں کے پیچھے سے ان کا

---

❶ ابن ماجة، كتاب الجهاد، باب فضل الحرس والتكبير فى سبيل الله، ٢٧٧٠، سنده موضوع سعید بن خالد منکر الحدیث راوی ہے۔

❷ ابن ماجة، كتاب الجهاد، باب فضل الحرس……، ٢٧٦٩، وسنده ضعيف صالح بن محمد بن زائدہ ضعیف راوی ہے۔

❸ أبوداود، كتاب الجهاد، باب فضل الحرس فى سبيل الله، ٢٥٠١ وسنده حسن السنن الكبرىٰ للنسائى، ٨٨٧٠۔

❹ أحمد، ٤/١٣٤٠؛ نسائى، كتاب الجهاد، باب ثواب عين سهرت، ٣١١٩، وسنده حسن۔

پہرہ دے اپنی خوشی سے بغیر سلطان کی اجرت وتنخواہ کے وہ اپنی آنکھوں سے بھی آگ جہنم کو نہ دیکھے گا مگر صرف قسم پوری ہونے کے لئے جو اس آیت میں ہے "﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا﴾ ❶ یعنی تم سب اس پر وارد ہو گے۔ ❷

صحیح بخاری میں ہے "برباد ہوا دنیا کا بندہ اور کپڑوں کا بندہ اگر مال دیا جائے تو خوش ہے اور اگر نہ دیا جائے تو ناخوش ہے یہ برباد ہوا اور خراب ہو گیا اسے اگر کانٹا چبھ جائے تو نکالنے کی کوشش بھی نہ کی جائے' خوش نصیب ہوا اور خوب پھولا پھلا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے لئے اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہے بکھرے ہوئے بال ہیں اور گرد آلود قدم ہیں اگر چوکیداری پر مقرر کر دیا گیا ہے تو چوکیداری کر رہا ہے اور اگر لشکر کے اگلے حصہ میں مقرر کر دیا گیا ہے تو وہیں خوش ہے' لوگوں کی نظروں میں اتنا گرا پڑا ہے کہ اگر کہیں جانا چاہے تو اجازت نہ ملے اور اگر کسی کی سفارش کرے تو قبول نہ ہو۔" ❸ الحمد للہ اس آیت کے متعلق خاصی حدیثیں بیان ہو گئیں اللہ تعالیٰ کے اس فضل وکرم پر ہم اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور شکر گزاری سے رہتی دنیا تک فارغ نہیں ہو سکتے۔ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو میدان جنگ سے ایک خط لکھا اور اس میں رومیوں کی فوج کی کثرت ان کے آلات حرب کی حالت اور ان کی تیاریوں کی کیفیت بیان کی اور لکھا کہ سخت خطرہ کا موقعہ ہے۔ یہاں سے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا جواب گیا' جس میں حمد وثنا کے بعد تحریر تھا کہ کبھی کبھی مومن بندوں پر سختیاں بھی آ جاتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان کے بعد آسانیاں بھیج دیتا ہے۔ سنو ایک سختی دو آسانیوں پر غالب نہیں آ سکتی۔ سنو پروردگار عالم کا فرمان ہے ﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا﴾ الخ۔ ❹ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے ۱۷۰ھ یا ۱۷۷ھ میں شہر طرسوس میں حضرت محمد بن ابراہیم ابن ابی سکینہ کو جب کہ وہ ان کے وداع کے لئے آئے تھے اور یہ جہاد کو جا رہے تھے یہ اشعار لکھوا کر حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کو بھجوائے۔

يَا عَابِدَ الْحَرَمَيْنِ لَوْ اَبْصَرْتَنَا ... لَعَلِمْتَ اَنَّكَ فِي الْعِبَادَةِ تَلْعَبُ
مَنْ كَانَ يَخْضِبُ خَدَّهٗ بِدُمُوْعِهٖ ... فَنُحُوْرُنَا بِدِمَآئِنَا تَتَخَضَّبُ
اَوْ كَانَ يُتْعِبُ خَيْلَهٗ فِيْ بَاطِلٍ ... فَخُيُوْلُنَا يَوْمَ الصَّبِيْحَةِ تَتْعَبُ
رِيْحُ الْعَبِيْرِ لَكُمْ وَنَحْنُ عَبِيْرُنَا ... رَهْجُ السَّنَابِكِ وَالْغُبَارُ الْاَطْيَبُ
وَلَقَدْ اَتَانَا مِنْ مَّقَالِ نَبِيِّنَا ... قَوْلٌ صَحِيْحٌ صَادِقٌ لَا يَكْذِبُ
لَا يَسْتَوِيْ غُبَارُ خَيْلِ اللّٰهِ فِيْ ... اَنْفِ امْرِئٍ وَدُخَانُ نَارٍ تَلْهَبُ
هٰذَا كِتَابُ اللّٰهِ يَنْطِقُ بَيْنَنَا ... لَيْسَ الشَّهِيْدُ بِمَيِّتٍ لَا يَكْذِبُ

"اے مکہ مدینہ میں رہ کر عبادت کرنے والے! اگر تو ہم مجاہدین کو دیکھ لیتا تو بالیقین تجھے معلوم ہو جاتا کہ تیری عبادت تو ایک کھیل ہے۔ ایک وہ شخص ہے جسکے آنسو اس کے رخساروں کو تر کرتے ہیں اور ایک ہم ہیں جو اپنی گردن راہ الٰہی میں کٹوا کر اپنے خون میں آپ نہا لیتے ہیں۔ ایک وہ شخص ہے جس کا گھوڑا باطل اور بے کار کام میں تھک جاتا ہے اور ہمارے گھوڑے حملے اور لڑائی کے دن ہی

❶ ۱۹/ مریم: ۷۱۔ ❷ احمد، ۳/ ۴۳۷، وسندہ ضعیف۔
❸ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب الحراسة فی الغزو فی سبیل اللّٰه، ۲۸۸۷۔ ❹ الطبری، ۷/ ۵۰۳۔

تھکتے ہیں۔ اگر کی خوشبوئیں تمہارے لئے ہیں اور ہمارے لئے اگر کی خوشبو گھوڑوں کے ٹاپوں کی خاک اور پاکیزہ گرد وغبار ہے یقین مانو ہمیں نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث پہنچ چکی ہے جو سراسر راستی اور درستی والی بالکل سچی ہے کہ جس کسی کے ناک میں اس ربانی لشکر کی گرد بھی پہنچ گئی اس کے ناک میں شعلے مارنے والی جہنم کی آگ کا دھواں بھی نہ جائے گا۔ اور لو یہ ہے اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب جو ہم میں موجود ہے اور صاف کہہ رہی ہے اور سچ کہہ رہی ہے کہ شہید مردہ نہیں۔''

محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب میں نے مسجد حرام میں پہنچ کر حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کو یہ اشعار دکھائے تو آپ پڑھ کر زار و قطار روئے اور فرمایا ابو عبدالرحمٰن نے اللہ کی رحمتیں ان پر ہوں صحیح اور سچ فرمایا اور مجھے نصیحت کی اور میری بے حد خیر خواہی کی۔ پھر مجھ سے فرمایا کیا تم حدیث لکھتے ہو میں نے کہا جی ہاں۔ کہا اچھا تم جو یہ نصیحت نامہ پاس لائے ہو اس کے بدلے میں میں تم کو ایک حدیث لکھواتا ہوں وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتایئے جس سے میں مجاہد کا ثواب پالوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''کیا تجھ میں یہ طاقت ہے کہ نماز ہی پڑھتا رہے اور تھکے نہیں اور روزے رکھتا چلا جائے اور کبھی بے روزہ نہ رہے۔'' اس نے کہا حضور! اس کی طاقت کہاں؟ میں اس سے بہت ضعیف ہوں آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر تجھ میں اتنی طاقت ہوتی اور تو ایسا کر بھی سکتا تو بھی مجاہد فی سبیل اللہ کے درجے کو نہ پہنچ سکتا' تو یہ بھی جانتا ہے کہ مجاہد کے گھوڑے کی رسی دراز ہو جائے اور وہ ادھر ادھر چڑھ جائے تو اس پر بھی مجاہد کو نیکیاں ملتی ہیں۔'' ❶ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور ہر حال میں ہر وقت ہر معاملہ میں اللہ کا خوف کیا کرو۔

جناب رسول اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا ''اے معاذ! جہاں بھی ہو اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھ اور اگر تجھ سے کوئی برائی ہو جائے تو فوراً کوئی نیکی بھی کر لے تاکہ وہ برائی مٹ جائے اور لوگوں سے خلق و مروت کے ساتھ پیش آیا کر۔'' ❷ پھر فرماتا ہے کہ ''ان چار کاموں کے کر لینے سے تم کامیاب مقصد اور بامراد ہو جاؤ گے دنیا اور آخرت میں فلاح و نجات پالو گے۔'' حضرت محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تم میرا لحاظ رکھو میرے خوف سے کانپتے رہو مجھ سے ڈرتے رہو میرے اور اپنے معاملہ میں متقی رہو تو کل جبکہ تم مجھ سے ملو گے تو نجات یافتہ اور بامراد ہو جاؤ گے' ❸ انتہیٰ۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ سورۂ آل عمران کی تفسیر ختم ہوئی' وَلِلّٰهِ الۡحَمۡدُ وَالۡمِنَّةُ وَنَسۡأَلُهُ الۡمَوۡتَ عَلَى الۡكِتَابِ وَالسُّنَّةِ اٰمِيۡنَ يَااِلٰهَ الۡعٰلَمِيۡنَ۔

❶ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب فضل الجهاد والسير، ۲۷۸۵۔

❷ احمد، ۵/ ۲۳٦؛ ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی معاشرة الناس، ۱۹۸۷، وهو حسن۔

❸ الطبری، ۷/ ۵۱۰۔

تفسیر سورۂ نساء

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ مدینہ شریف میں اتری ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ جب یہ سورت اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اب روک رکھنا نہیں ہے۔'' ❶ مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورۃ نساء میں پانچ آیتیں ایسی ہیں کہ اگر ساری دنیا مجھے مل جائے تب بھی مجھے اس قدر خوشی نہ ہو جتنی ان آیتوں سے ہے یعنی آیت ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ﴾ الخ ''اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اور جس کسی کی جو نیکی ہوتی ہے اس کا ثواب بڑھا چڑھا کر دیتا ہے اور اپنی طرف سے جو بطور انعام اجر عظیم دے وہ جداگانہ ہے'' اور آیت ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبَآئِرَ مَا تُنْھَوْنَ عَنْہُ﴾ ❷ الخ ''اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچ جاؤ تو تمہارے صغیرہ گناہ خود ہی معاف فرما دیں گے اور تمہیں عزت والی جگہ جنت میں لے جائیں گے'' اور آیت ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ ❸ یعنی ''اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کرنے والے کو تو نہیں بخشا باقی جس گنہگار کو چاہے بخش دے'' اور آیت ﴿وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ﴾ ❹ الخ یعنی ''یہ لوگ اگر گناہ سرزد ہو چکنے کے بعد تیرے پاس آ جاتے اور خود بھی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی بخشش طلب کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کیلئے استغفار طلب کرتے تو بیشک وہ اللہ تعالیٰ کو معافی اور مہربانی کرنے والا پاتے۔''

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں یوں تو اس کی اسناد صحیح ہیں لیکن اس کے ایک راوی عبدالرحمٰن کا اپنے باپ سے سننے میں اختلاف ہے۔ عبدالرزاق کی اس روایت میں آیت ﴿وَلَوْ اَنَّھُمْ﴾ الخ کے بدلے ﴿وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَہٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰہَ یَجِدِ اللّٰہَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ ❺ الخ یعنی ''جس شخص سے کوئی برا کام ہو جائے یا اپنے نفس پر ظلم کر گزرے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہنے لگ جائے تو بیشک وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔'' دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح پر ہے کہ ایک آیت کا بیان کرنا پہلی حدیث میں تو رہ گیا یہ اور اس کا بیان دوسری میں ہے تو چار آیتیں پہلی حدیث کی اور پانچویں آیت اس حدیث کی ﴿وَمَنْ یَّعْمَلْ﴾ الخ مل کر پانچ ہو گئیں یا یہ ہے کہ ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ﴾ ہی پر آیت پوری ہے اور ﴿وَاِنْ تَکُ حَسَنَۃً﴾ کو الگ آیت شمار کیا ہے تو دونوں حدیثوں میں پانچ پانچ آیتیں ہو گئیں، وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ (مترجم)۔

ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سورۃ میں آٹھ آیتیں ہیں جو اس امت کے لئے ہر اس چیز سے بہترین ہیں جن پر سورج نکلتا اور غروب ہوتا ہے۔ پہلی آیت ﴿یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ﴾ ❻ الخ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنے احکام تم پر صاف صاف بیان کر دے اور تمہیں ان اچھے لوگوں کی راہ راست دکھا دے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور تم پر مہربانی کرے اللہ تعالیٰ دانا اور حکمت والا ہے۔ دوسری آیت ﴿وَاللّٰہُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْکُمْ﴾ ❼ الخ یعنی ''اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم پر اپنی رحمت نازل کرے تمہاری توبہ قبول فرمائے اور خواہشوں کے پیچھے پڑے ہوئے لوگوں کی چاہت ہے کہ تم راہ حق سے بہت دور ہٹ جاؤ۔'' تیسری آیت ﴿یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا﴾ ❽ یعنی ''انسان چونکہ ضعیف پیدا کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ اس =

❶ الطبرانی، ۱۲۰۳۳، وسندہ ضعیف۔

❷ ٤/ النسآء:۳۱۔ ❸ ٤/ النسآء:٤٨۔ ❹ ٤/ النسآء:٦٤۔

❺ ٤/ النسآء:۱۱۰۔ ❻ ٤/ النسآء:٢٦۔ ❼ ٤/ النسآء:٢٧۔ ❽ ٤/ النسآء:٢٨۔

ترجمہ: شروع کرتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک شخص سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں' اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناتے توڑنے سے بھی بچو۔ بیشک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔[۱]

= پر تخفیف کرنی چاہتا ہے' باقی کل آیتیں وہی ہیں جو اوپر گزریں۔ ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورہ نساء کی بابت سنا پس میں نے قرآن پڑھا در انحالیکہ میں چھوٹا بچہ تھا (حاکم)۔ ❶

تخلیق انسانیت: [آیت:۱] اللہ تعالیٰ نے اپنے تقویٰ کا حکم دیا ہے کہ جسم سے اسی ایک کی ہی عبادتیں کی جائیں اور دل میں صرف اسی کا خوف رکھا جائے۔ پھر اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرماتا ہے کہ اس نے تم سب کو ایک ہی شخص یعنی حضرت آدم سے پیدا کیا ہے' آپ سوئے ہوئے تھے کہ بائیں طرف کی پسلی کی پچھلی طرف سے حضرت حوا کو پیدا کیا ان کی بیوی یعنی حضرت حوا علیہا السلام کو بھی انہی سے پیدا کیا' آدم علیہ السلام نے بیدار ہو کر انہیں دیکھا اور اپنی طبیعت کو ان کی طرف راغب پایا اور انہیں بھی ان سے انس پیدا ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں عورت مرد سے پیدا کی گئی ہے اس لئے اس کی حاجت و شہوت مرد میں رکھی گی ہے اور مرد زمین سے پیدا کئے گئے ہیں اس لئے ان کی حاجت زمین میں رکھی گئی ہے۔ پس تم اپنی عورتوں کو روکے رکھو۔ صحیح حدیث میں ہے کہ ''عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور سب سے بلند پسلی سب سے زیادہ ٹیڑھی ہے پس اگر تو اسے بالکل سیدھی کرنے کو جائے گا تو توڑ دے گا اور اگر اس میں کچھ کجی باقی چھوڑتے ہوئے فائدہ اٹھانا چاہے گا تو بیشک فائدہ اٹھا سکتا ہے۔'' ❷

پھر فرمایا ان دونوں سے یعنی آدم و حوا علیہما السلام سے بہت سے انسان مرد و عورت چوطرف دنیا میں پھیلا دیئے جن کی قسمیں صفتیں رنگ روپ بول چال میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ جس طرح یہ سب پہلے اللہ کے قبضہ میں تھے اور پھر انہیں اس نے ادھر ادھر پھیلا دیا' ایک وقت ان سب کو سمیٹ کر پھر اپنے قبضہ میں کر کے ایک میدان میں جمع کرے گا۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اس کی اطاعت عبادت بجالاتے رہو' اسی اللہ کے واسطے سے اور اسی کے نام پر تم آپس میں ایک دوسرے سے مانگتے رہو' مثلاً یہ کہنا میں تجھے اللہ کو یاد دلا کر اور رشتے کو یاد دلا کر یوں کہتا ہوں۔ اسی کے نام کی قسمیں کھاتے ہو اور عہد و پیمان مضبوط کرتے ہو۔

رشتے داروں سے قطع تعلقی کی ممانعت: اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رشتوں ناتوں کی حفاظت کرو انہیں توڑو نہیں' بلکہ جوڑو' صلہ رحمی نیکی اور سلوک آپس میں کرتے رہو۔ ﴿اَرْحَامِ﴾ بھی ایک قراءت میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نام پر اور رشتے کے واسطے سے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام احوال اور اعمال پر مطلع ہے خوب دیکھ بھال رہا ہے' جیسے اور جگہ ہے ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ ''اللہ تعالیٰ =

❶ حاكم، ۲/ ۳۰۰، وسنده حسن۔ ❷ صحيح بخاری، كتاب النكاح، باب المداراة مع النسآء، ٥١٨٤؛ صحيح مسلم، كتاب الرضاع باب الوصية بالنساء، حديث نمبر ١٤٦٧۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَىْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓــًٔا مَّرِيْٓــًٔا ۝

ترجمہ: یتیموں کو ان کے مال دے دیا کرو پاک اور حلال چیز کے بدلے ناپاک اور حرام چیز نہ لو۔ اپنے مالوں کے ساتھ ان کے مال ملا کر کھا نہ جاؤ' بیشک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ [۲] اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے تم انصاف نہ رکھ سکو گے تو اور عورتوں میں سے جو بھی تمہیں اچھی لگیں تم ان سے نکاح کر لو دو دو تین تین چار چار سے لیکن اگر تمہیں برابری نہ کر سکنے کا خوف ہو تو ایک ہی بس ہے یا تمہاری ملکیت کی لونڈی ہی' ممکن ہے کہ ایسا کرنے سے ناانصافی اور ایک طرف جھک پڑنے سے بچ جاؤ۔ [۳] عورتوں کو ان کے مہر راضی خوشی دے دیا کرو۔ ہاں اگر وہ خود اپنی خوشی سے کچھ مہر چھوڑ دیں تو اسے شوق سے خوش ہو کر کھاؤ پیو۔ [۴]

= ہر چیز پر گواہ اور حاضر ہے۔'' صحیح حدیث میں ہے کہ ''اللہ کی ایسی عبادت کر کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے ❶ پس اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تو تجھے دیکھ ہی رہا ہے۔'' مطلب یہ ہے کہ اس کا لحاظ رکھو جو تمہارے ہر اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے پر نگران ہے۔

یہاں فرمایا گیا کہ لوگو! تم سب ایک ہی ماں باپ کے ہو ایک دوسرے پر شفقت کیا کرو' کمزور اور ناتوانوں کا ساتھ دو اور ان کے ساتھ سلوک کرو۔ صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ جب قبیلہ مضر کے چند لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس چادریں لپیٹے ہوئے آئے کیونکہ ان کے جسم پر کپڑا تک نہ تھا تو حضور ﷺ نے کھڑے ہو کر نماز ظہر کے بعد وعظ بیان فرمایا جس میں اس آیت کی تلاوت کی پھر آیت ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ﴾ ❷ الخ کی تلاوت کی پھر لوگوں کو خیرات کرنے کی ترغیب دی' چنانچہ جس سے جو ہو سکا ان لوگوں کے لئے دیا' درہم و دینار بھی اور کھجور و گیہوں بھی الخ۔ ❸ مسند اور سنن میں خطبہ حاجات کے بیان میں ہے کہ پھر تین آیتیں پڑھیں جن میں سے ایک آیت یہی ہے۔ ❹

یتیم کا مال ناجائز طریقوں سے کھانا گناہ ہے: [آیت:۲-۴] اللہ تیموں کے والیوں کو حکم دیتا ہے کہ جب یتیم بلوغت اور سمجھداری کو پہنچ جائیں تو ان کے جو مال تمہارے پاس ہوں انہیں سونپ دو' پورے پورے بغیر کمی اور خیانت ان کے حوالے کرو۔ اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر گڈ مڈ کر کے کھا جانے کی نیت نہ رکھو۔ حلال رزق جب اللہ تعالیٰ تمہیں دے رہا ہے پھر حرام کی طرف کیوں منہ اٹھاؤ؟ تقدیر کی روزی مل کر ہی رہے گی' اپنے مال چھوڑ کر لوگوں کے مالوں کو جو تم پر حرام ہیں نہ لو' دبلا پتلا جانور دے کر موٹا تازہ نہ لو' بوٹی

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب سؤال جبریل النبی ﷺ عن الإیمان، ۵۰؛ صحیح مسلم، ۹۔

❷ ۵۹/ الحشر:۱۸۔ ❸ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الصدقۃ......، ۲۳۵۱؛ ترمذی، ۲۶۷۵۔

❹ ابو داود، ۲۱۱۸؛ الترمذی، ۱۱۰۵؛ ابن ماجه، ۱۸۹۲ والنسائی، ۱۴۰۵ وسندھم ضعیف ابواسحاق مدلس کے سماع کی صراحت نہیں نیز ابوعبیدہ نے اپنے والد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کچھ نہیں سنا۔

دے کر بکرے کی فکر نہ کرو' ردی دے کر اچھے کی' کھوٹا دے کر کھرے کی نیت نہ رکھو۔ پہلے لوگ ایسا کر لیا کرتے تھے کہ یتیموں کی بکریوں کے ریوڑ میں سے عمدہ بکری لے لی اور اپنی دبلی پتلی بکری دے کر گنتی پوری کر دی' کھوٹا درہم اس کے مال میں ڈال کر کھرا نکال لیا اور پھر سمجھ لیا کہ ہم نے تو بکری کے بدلے بکری اور درہم کے بدلے درہم لیا ہے۔ ان کے مالوں میں اپنا مال خلط ملط کر کے پھر یہ حیلہ کر کے کہ اب امتیاز کیا ہے؟ ان کے مال تلف نہ کرو' یہ بڑا گناہ ہے۔ ❶ ایک ضعیف حدیث میں بھی یہی معنی آخری جملے کے مروی ہے۔ ابوداود کی حدیث میں ایک دعا میں بھی حوب کا لفظ گناہ کے معنے میں آیا ہے۔ ❷ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے جب اپنی بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا تھا کہ ''اس طلاق میں گناہ ہے'' چنانچہ وہ اپنے ارادے سے باز رہے۔ ❸ ایک روایت میں یہ واقعہ حضرت ابوطلحہ اور ام سلیم رضی اللہ عنہما کا مروی ہے۔ ❹

یتیم لڑکیوں سے نکاح کا مسئلہ: پھر فرماتا ہے کہ تمہاری پرورش میں کوئی یتیم لڑکی ہو اور تم اس سے نکاح کرنا چاہتے ہو لیکن چونکہ اس کا کوئی اور نہیں اس لئے تم ایسا نہ کرو کہ مہر اور حقوق میں کمی کر کے اسے اپنے گھر ڈال لو' اس سے باز رہو اور عورتیں بہت ہیں جس سے چاہو نکاح کر لو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک یتیم لڑکی تھی جس کے پاس مال بھی تھا اور باغ بھی جس کی پرورش میں وہ تھی اس نے صرف اس مال کے لالچ میں بغیر اس کو پورا مہر وغیرہ مقرر کرنے کے اس سے نکاح کر لیا جس پر یہ آیت اتری' میرا خیال ہے کہ اس باغ اور مال میں یہ لڑکی حصہ دار تھی۔ ❺ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''بھانجے! یہ ذکر اس یتیمہ لڑکی کا ہے جو اپنے ولی کے قبضہ میں ہے اس کے مال میں شریک ہے اور اسے اس کا مال و جمال اچھا لگتا ہے چاہتا ہے کہ یہ اس سے نکاح کر لے لیکن جو مہر وغیرہ اور جگہ سے اسے ملتا ہے اتنا یہ نہیں دیتا تو اسے منع ہو رہا ہے کہ پھر یہ اس کی نیت چھوڑ دے اور دوسری عورت سے جس سے چاہے اپنا نکاح کر لے۔'' پھر اس کے بعد لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کی بابت دریافت کیا اور آیت ﴿وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ﴾ ❻ الخ نازل ہوئی۔ وہاں فرمایا گیا ہے کہ ''جب یتیم لڑکی کم مال والی اور کم جمال والی ہوتی ہے اس وقت تو اس کے والی اس سے بے رغبتی کرتے ہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ مال و جمال پر مائل ہو کر اس کے پورے حقوق ادا نہ کر کے اس سے اپنا نکاح کر لیں' ❼ ہاں عدل و انصاف سے پورا مہر وغیرہ مقرر کریں تو کوئی حرج نہیں' ورنہ پھر عورتوں کی کمی نہیں اور کسی سے جس سے چاہیں اپنا نکاح کر لیں۔''

ایک وقت میں چار عورتوں سے نکاح کی اجازت: اگر چاہیں دو دو عورتیں اپنے نکاہ میں رکھیں اگر چاہیں تین تین رکھیں اگر چاہیں چار چار' جیسے اور جگہ بھی یہ الفاظ انہی معنی میں ہیں۔ فرماتا ہے ﴿جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ﴾ ❽ یعنی ''جن فرشتوں کو اللہ تعالیٰ اپنا قاصد بنا کر بھیجتا ہے ان میں سے بعض دو دو پروں والے ہیں بعض تین تین پروں والے' بعض چار چار پروں والے' فرشتوں میں اس سے زیادہ پر والے فرشتے بھی ہیں کیونکہ دلیل سے یہ ثابت شدہ ہے' لیکن مرد کو

---

❶ الطبری، ۷/ ۵۲۵۔۵۳۰۔ ❷ ابوداود، کتاب الطب، باب کیف الرقی ۳۸۹۲، وسندہ ضعیف زیادہ بن محمد منکر الحدیث راوی ہے۔ ❸ وسندہ ضعیف۔ ❹ حاکم، ۲/ ۳۰۲ وسندہ ضعیف حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ جبکہ ذہبی نے اس کا تعاقب کرتے ہوئے حاکم کی تصحیح کا رد کیا ہے اور کہتے ہیں اس کی سند میں علی بن عاصم واہی ہے۔ اسی طرح تلخیص المستدرك، ۲/ ۳۰۲ اور المیزان، ۵۸۷۳ میں اسے منکر قرار دیا ہے۔ ❺ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ النسآء، باب ﴿وإن خفتم الاتقسطوا......﴾، ۴۵۷۳۔
❻ ٤/ النسآء:۱۲۷۔ ❼ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ النسآء، باب ﴿وإن خفتم الاتقسطوا......﴾، ۴۵۷۳؛ صحیح مسلم، ۳۰۱۸۔ ❽ ۳۵/ فاطر:۱۔

ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویوں کا جمع کرنا منع ہے جیسے کہ اس آیت میں موجود ہے اور جیسے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور جمہور کا قول ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ اپنے احسان اور انعام بیان فرما رہا ہے پس اگر چار سے زیادہ کی اجازت دینی منظور ہوتی تو ضرور فرما دیا جاتا۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حدیث جو قرآن کی وضاحت کرنے والی ہے اس نے بتلا دیا ہے کہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کیلئے چار سے زیادہ بیویوں کا بہ یک وقت جمع کرنا جائز نہیں' اسی پر علمائے کرام کا اجماع ہے البتہ بعض شیعہ کا قول ہے کہ نو تک جمع کرنا جائز ہے' بلکہ بعض شیعہ نے تو کہا ہے کہ نو سے بھی زیادہ جمع کر لینے میں بھی کوئی حرج نہیں کوئی تعداد مقرر ہی نہیں۔ ان کا استدلال ایک تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آ چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویاں تھیں' ❶ اور بخاری شریف کی معلق حدیث کے بعض راویوں نے گیارہ کہا ہے۔ ❷

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ بیویوں سے عقد کیا تیرہ کی رخصتی ہوئی ایک وقت میں گیارہ بیویاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں انتقال کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویاں رضی اللہ عنہن تھیں' ہمارے علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی' امتی کو ایک وقت میں چار سے زیادہ پاس رکھنے کی اجازت نہیں جیسے کہ یہ حدیثیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں۔ حضرت غیلان بن سلمہ ثقفی رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوتے ہیں تو ان کے پاس انکی دس بیویاں ہوتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ان میں سے جنہیں چاہو چار رکھ لو باقی کو چھوڑ دو (چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا)۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں اپنی ان بیویوں کو بھی طلاق دیدی اور اپنے لڑکوں کو اپنا مال بانٹ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا شاید تیرے شیطان نے بات اچک لی اور تیرے دل میں یہ خیال جما دیا کہ تو عنقریب مرنے والا ہے اس لئے اپنی بیویوں کو تو نے الگ کر دیا کہ وہ تیرا مال نہ پائیں اور اپنا مال اپنی اولاد میں تقسیم کر دیا' میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ اپنی بیویوں سے رجوع کر لے اور اپنی اولاد سے مال واپس لے لے اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میں تیرے بعد تیری ان مطلقہ بیویوں کو بھی تیرا وارث بناؤں گا کیونکہ تو نے انہیں اسی ڈر سے طلاق دی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ تیری زندگی بھی اب قریب الختم ہے اور اگر تو نے میری بات نہ مانی تو یاد رکھ میں حکم دوں گا کہ لوگ تیری قبر پر پتھر پھینکیں جیسے کہ ابو رغال کی قبر پر پتھر پھینکے جاتے ہیں ❸ (مسند احمد' شافعی' ترمذی' ابن ماجہ' دارقطنی' بیہقی وغیرہ)۔ مرفوع حدیث تک تو ان سب کتابوں میں ہے ہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ والا واقعہ صرف مسند احمد میں ہے لیکن یہ زیادتی حسن ہے' اگرچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ضعیف کہا ہے اور اس کی اسناد کا دوسرا طریقہ بتا کر اس طریقہ کو غیر محفوظ کہا ہے مگر اس تعلیل میں بھی نظر ہے' وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ اور بزرگ محدثین نے بھی اس پر کلام کیا ہے لیکن مسند احمد والی حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور شرط شیخین پر ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ دس عورتیں بھی اپنی خاوند کے ساتھ مسلمان ہوئی تھیں' ملاحظہ ہو سنن نسائی۔ ❹ اس حدیث سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اگر چار سے زیادہ کا ایک وقت میں نکاح میں رکھنا جائز ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے یہ نہ فرماتے کہ "اپنی ان دس

---

❶ صحيح بخاری، كتاب النكاح، باب كثرة النسآء، ٥٠٦٧؛ صحيح مسلم، ١٤٦٥۔

❷ صحيح بخاری، كتاب الغسل، باب اذا جامع ثم عاد...... ، ٢٦٨۔

❸ أحمد، ٢/ ١٤؛ دارقطنی، ٣/ ٢٧١؛ بيهقی، ٧/ ١٧٣؛ ترمذی، كتاب النكاح، باب ماجاء فی الرجل يسلم و عنده عشر نسوة، ١١٢٨؛ ابن ماجة، ١٩٥٣ مختصرًا، وسنده ضعيف، ابن شہاب زہری مدلس ہیں اور تصریح بالسماع ثابت نہیں۔

❹ دارقطني، ٣/ ٢٧١؛ بيهقی، ٧/ ١٨٣، وسنده حسن۔

بیویوں میں سے چار کو جنہیں تم چاہو روک لو باقی کو چھوڑ دو'' کیونکہ یہ سب بھی اسلام لا چکی تھیں۔ یہاں یہ بات بھی خیال میں رکھنی چاہئے کہ ثقفی کے ہاں تو یہ دس عورتیں موجود تھیں اس پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ علیحدہ کرا دیں پھر بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص نئے سرے سے چار سے زیادہ جمع کرے؟' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب.

دوسری حدیث ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ میں ہے حضرت عمیرہ اسدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے جس وقت اسلام قبول کیا میرے نکاح میں آٹھ عورتیں تھیں میں نے رسول اللہ سے ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ان میں سے جنہیں چاہو چار کو رکھ لو۔'' ❶ اس کی سند حسن ہے اور اس کے شواہد بھی ہیں' راویوں کے ناموں کا ہیر پھیر وغیرہ ایسی روایات میں نقصان دہ نہیں ہوتا۔

''تیسری حدیث'' مسند شافعی میں ہے حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب اسلام قبول کیا اس وقت میری پانچ بیویاں تھیں۔ مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ان میں سے پسند کر کے چار کو رکھ لو اور ایک کو الگ کر دو۔'' میں نے جو سب سے زیادہ عمر کی بڑھیا اور بے اولاد بیوی ساٹھ سال کی تھیں انہیں طلاق دے دی۔ ❷ پس یہ حدیثیں حضرت غیلان رضی اللہ عنہ والی پہلی حدیث کی شواہد ہیں جیسے کہ حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ پھر فرماتا ہے ہاں اگر ایک سے زیادہ بیویوں میں عدل وانصاف نہ ہو سکنے کا خوف ہو تو صرف ایک ہی پر اکتفا کرو یا لونڈیوں ہی پر' جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ﴾ ❸ یعنی ''گو تم چاہو لیکن تم سے نہ ہو سکے گا کہ عورتوں کے درمیان پوری طرح عدل وانصاف کو قائم رکھ سکو پس بالکل ایک ہی طرف جھک کر دوسری کو مصیبت میں نہ ڈال دو۔'' ہاں یہ یاد رہے کہ لونڈیوں میں باری وغیرہ کی تقسیم واجب نہیں البتہ مستحب ہے جو کرے اس نے اچھا کیا اور جو نہ کرے اس پر حرج نہیں۔ اس کے بعد کے جملے کا مطلب بعضوں نے تو کہا ہے کہ یہ قریب ہے اس کے کہ تمہاری عیال یعنی فقیری زیادہ نہ ہو جیسے اور جگہ ہے ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً﴾ ❹ یعنی ''اگر تمہیں فقر کا ڈر ہو۔ عربی شاعر کہتا ہے۔

فَمَا يَدْرِي الْفَقِيْرُ مَتٰى غِنَاهُ وَمَا يَدْرِي الْغَنِيُّ مَتٰى يَعِيْلُ

''یعنی فقیر نہیں جانتا کہ کب امیر ہو جائیگا اور امیر کو معلوم نہیں کہ کب فقیر بن جائیگا۔'' جب کوئی مسکین محتاج ہو جائے۔ تو عرب کہتے ہیں عَالَ الرَّجُلُ یعنی یہ شخص فقیر ہو گیا۔ غرض اس معنی میں یہ لفظ مستعمل تو ہے لیکن یہاں یہ تفسیر کچھ زیادہ اچھی نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اگر آزاد عورتوں کی کثرت فقیری کا باعث بن سکتی ہے تو لونڈیوں کی کثرت بھی فقیری کا سبب ہو سکتی ہے' پس صحیح قول جمہور کا ہے کہ مراد یہ ہے کہ یہ قریب ہے اس سے کہ تم ظلم سے بچ جاؤ۔ عرب میں کہا جاتا ہے کہ عَالَ فِي الْحُكْمِ جبکہ ظلم وجور کیا ہو' ابوطالب کے مشہور قصیدے میں ہے۔

بِمِيْزَانِ قِسْطٍ لَّا يَخِيْسُ شَعِيْرَةً لَهٗ شَاهِدٌ مِّنْ نَفْسِهٖ غَيْرُ عَائِلِ

یعنی ایسی ترازو سے تولتا ہے جو ایک جو برابر کی بھی کمی نہیں کرتی اس کے پاس اس کا گواہ خود اس کا نفس ہے جو ظالم نہیں ہے۔

ابن جریر میں ہے کہ جب کوفیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ایک خط میں کچھ الزام لکھ کر بھیجے تو ان کے جواب میں خلیفہ رسول نے لکھا=

---

❶ ابوداود، کتاب الطلاق، باب فیمن أسلم وعنده نسآء اکثر من اربع، ۲۲۴۱، ۲۲۴۲؛ ابن ماجة، ۱۹۵۲، وسنده ضعیف محمد بن ابی لیلی ضعیف راوی ہے۔

❷ مسند الشافعی ۲/ ۱٦، وسنده ضعیف۔

❸ ٤/ النسآء: ۱۲۹۔ ❹ ۹/ التوبة: ۲۸۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝

ترجمہ: بے عقل لوگوں کو اپنے مال نہ دو جس مال کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری گزران کے قائم رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے ہاں انہیں اس مال سے کھلاؤ پلاؤ پہناؤ اڑھاؤ اور انہیں معقولیت سے نرم بات کہو۔[٥] اور یتیموں کو ان کے بالغ ہو جانے تک سدھارتے اور آزماتے رہا کرو، پھر اگر ان میں تم ہوشیاری اور حسن تدبیر پاؤ تو انہیں ان کے مال سونپ دو۔ اور ان کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے ان کے مالوں کو جلدی جلدی فضول خرچیوں میں تباہ نہ کر دو مال داروں کو چاہئے کہ (اس کے مال سے) بچتے رہیں۔ ہاں مسکین محتاج ہو تو دستور کے مطابق واجبی طور سے کھالے۔ پھر جب انہیں ان کے مال سونپو تو گواہ کرلیا کرو۔ دراصل حساب لینے والا اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔[٦]

= کہ (اِنِّــیْ لَسْـتُ بِـمِـيْـزَانِ اَعْـوَلَ) میں ظلم کی ترازو نہیں ہوں۔ صحیح ابن حبان وغیرہ میں ایک مرفوع حدیث اس جملہ کی تفسیر میں مروی ہے کہ اس کا معنی ہے تم ظلم نہ کرو۔ ❶ ابو حاتم رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا مرفوع ہونا تو خطا ہے ہاں یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے۔ اسی طرح ﴿لَا تَـعُـوْلُـوْا﴾ کے بھی معنی یعنی تم ظلم نہ کرو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت مجاہد، حضرت عکرمہ، حضرت حسن، حضرت ابومالک، حضرت ابورزین، حضرت نخعی، حضرت شعبیؒ، حضرت ضحاک اور حضرت عطاء خراسانی، حضرت قتادہ، حضرت سدی، حضرت مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ سے بھی مروی ہے۔ ❷ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ علیہ نے بھی ابوطالب کا وہی شعر پیش کیا ہے، امام ابن جریر رحمہ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے اور خود امام صاحب بھی اسی کو پسند کرتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے اپنی بیویوں کو ان کے مہر خوش دلی سے ادا کر دیا کرو جو بھی مقرر ہوئے ہوں اور جن کو تم نے منظور کیا ہو، ہاں اگر عورت خود اپنا سارا یا تھوڑا بہت مہر اپنی خوشی سے مرد کو معاف کر دے تو اسے اختیار ہے اور اس صورت میں بیشک مرد کو اس کا اپنے استعمال میں لانا اور حلال طیب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو جائز نہیں کہ بغیر مہر واجب کیے نکاح کرے نہ یہ کہ جھوٹ موٹ کا نام ہی نام ہو۔ ❸ ابن ابی حاتم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے کہ تم میں سے جب کوئی بیمار پڑے تو اسے چاہئے اپنی بیوی سے اس کے مال کے تین درہم یا کم و پیش لے ان کا شہد خرید لے اور بارش کا آسمانی کا پانی اس میں ملا لے تو تین تین بھلائیاں مل جائیں گی ﴿هَنِيْـٓـًٔا مَّرِيْـٓـًٔا﴾ تو مال عورت اور شفاء شہد اور مبارک بارش کا پانی۔ حضرت ابوصالح رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگ اپنی بیٹیوں کا مہر آپ لیتے تھے جس پر یہ آیت =

❶ صحیح ابن حبان، ٤٠١٨ وسندہ صحیح۔

❷ الطبری، ٧/ ٥٤٩۔٥٥١۔ ❸ الطبری، ٧/ ٥٥٣۔

== اتری اور انہیں اس سے روک دیا گیا (ابن ابی حاتم اور ابن جریر)۔ اس حکم کو سن کر لوگوں نے رسول مقبول ﷺ سے پوچھا کہ ان میں آپس میں مہر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''جس چیز پر بھی ان کے گھر والے رضامند ہو جائیں'' ❶ (ابن ابی حاتم)۔ حضور ﷺ نے اپنے خطبے میں تین مرتبہ فرمایا کہ ''رانڈوں کا نکاح کر دیا کرو۔'' ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ یا رسول اللہ! ان میں آپس کا مہر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''جس پر ان کے گھر والے راضی ہو جائیں۔'' ❷ اس کے ایک راوی ابن سلمانی ضعیف ہیں' پھر اس میں انقطاع بھی ہے۔

مال میں تصرف کیلئے عاقل بالغ ہونا ضروری ہے: [آیت: ۵۔۶] اللہ سبحانہ وتعالیٰ لوگوں کو منع فرماتا ہے کہ کم عقل بیوقوفوں کو مال کے تصرف سے روکیں۔ مال کو اللہ تعالیٰ نے تجارتوں وغیرہ میں لگا کر انسان کا ذریعہ معاش بنایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کم عقل لوگوں کو ان کے مال کے خرچ سے روک دینا چاہئے۔ مثلاً نابالغ بچہ ہو یا مجنون و دیوانہ ہو یا کم عقل بے وقوف ہو اور بے دین ہو بری طرح اپنے مال کو لٹا رہا ہو۔ اسی طرح ایسا شخص جس پر قرض بہت چڑھ گیا ہو جسے وہ اپنے کل مال سے بھی ادا نہیں کر سکتا اگر قرض خواہ حاکم وقت سے درخواست کریں تو حاکم وہ سب مال اس کے قبضہ سے لے لے گا اور اسے بے دخل کر دے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہاں سُفَهَآءَ سے مراد تیری اولاد اور عورتیں ہیں۔ ❸ اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حکم بن عیینہ، حسن اور ضحاک رحمہ اللہ علیہم سے بھی مروی ہے کہ اس سے مراد عورتیں اور بچے ہیں۔ ❹ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں یتیم مراد ہیں۔ ❺ مجاہد' عکرمہ اور قتادہ رحمہ اللہ علیہم کا قول ہے کہ عورتیں مراد ہیں۔ ❻ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''بیشک عورتیں بیوقوف ہیں مگر جو اپنے خاوند کی اطاعت گزار ہوں'' ❼ ابن مردویہ میں بھی یہ حدیث مطول مروی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد سرکش خادم ہیں۔ پھر فرماتا ہے انہیں کھلاؤ پہناؤ اور اچھی بات کہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یعنی تیرا مال جس پر تیری گزر بسر موقوف ہے اسے اپنی بیوی یا بچوں کو نہ دے ڈال کہ پھر ان کا ہاتھ تکتا پھرے بلکہ اپنا مال اپنے قبضہ میں رکھ اس کی اصلاح کرتا رہ اور خود اپنے ہاتھ سے ان کے کھانے کپڑے کا بندوبست کر اور ان کے خرچ اٹھا۔ ❽

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا' ایک وہ شخص جس کی بیوی بد خلق ہو اور پھر بھی وہ اسے طلاق نہ دے' دوسرا وہ شخص جو اپنا مال بیوقوف کو دے دے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے بیوقوف کو اپنا مال نہ دو' تیسرا وہ شخص جس کا قرض کسی پر ہو اور اس نے قرض پر کسی کو گواہ نہ کیا ہو۔ ان سے بھلی بات کہو یعنی ان سے نیکی اور صلہ رحمی کرو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ محتاجوں سے سلوک کرنا چاہئے' اسے جسے بالفعل تصرف کا حق نہ ہو اس کے کھانے کپڑے کی خبر گیری کرنی چاہئے اور اس کے ساتھ نرم زبانی اور خوش خلقی سے پیش آنا چاہئے۔

یتیم کے مال کی حفاظت بلوغت تک کرنا اور بلوغت کی علامت: پھر فرمایا کہ یتیموں کی دیکھ بھال رکھو یہاں تک کہ وہ جوانی کو

---

❶ بیهقی، ۷/ ۲۳۹۔ یہ روایت مرسل یعنی ضعیف ہے اور اس کی سند میں ابن عبدالرحمٰن بن البلیمانی متکلم فیہ راوی ہے۔ (المیزان، ۲/ ۵۵۱، رقم: ۴۸۲۶) لہٰذا یہ روایت ضعیف مردود ہے۔ ❷ بیهقی، ۷/ ۲۳۹۔ اس کی سند میں حجاج بن أرطاۃ مدلس اور کثیر الخطاء (التقریب، ۱/ ۱۵۳، رقم: ۱۴۵) اور ابن بلیمانی ضعیف راوی ہے جبکہ عمر اور سلیمانی کے مابین انقطاع ہے۔ لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

❸ الطبری، ۷/ ۵۶۲۔ ❹ الطبری، ۷/ ۵۶۲۔

❺ الطبری: ۷/ ۵۶۳۔ ❻ الطبری: ۷/ ۵۶۴۔

❼ ابن ابی حاتم وسنده ضعیف۔ ❽ الطبری، ۷/ ۵۷۰۔

پہنچ جائیں۔ یہاں نکاح سے مراد بلوغت ہے اور بلوغت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب اسے خاص قسم کے خواب آنے لگیں جن میں خاص پانی اچھل کر نکلتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بخوبی یاد ہے کہ ''احتلام کے بعد یتیمی نہیں اور نہ چپ رہنا ہے سارے دن رات تک۔'' ❶ دوسری حدیث میں ہے کہ ''تین قسم کے لوگوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے' بچے سے جب تک کہ بالغ نہ ہو' سوتے سے جب تک جاگ نہ جائے' مجنون سے جب تک ہوش نہ آ جائے۔'' ❷ پس ایک تو علامت بلوغ یہ ہے دوسری علامت بلوغ بعض کے نزدیک یہ ہے کہ پندرہ سال کی عمر ہو جائے' اسکی دلیل بخاری و مسلم کی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ احد والی لڑائی میں مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ نہ لیا اس وقت میری عمر چودہ سال کی تھی اور خندق کی لڑائی میں جب میں پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما لیا' اس وقت میں پندرہ سال کا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو جب یہ حدیث پہنچی تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا نابالغ بالغ کی حد یہی ہے۔ ❸ تیسری علامت بلوغت کی زیر ناف کے بالوں کا نکلنا ہے۔ اس میں علما کے تین قول ہیں ایک یہ کہ علامت بلوغ ہے دوسرے یہ کہ نہیں تیسرے یہ کہ مسلمانوں میں نہیں اور ذمیوں میں ہے' اسلئے کہ ممکن ہے کسی دوا سے یہ بال جلد نکل آتے ہوں اور ذمی پر جوان ہوتے ہی جزیہ لگ جاتا ہے تو اسے کیوں استعمال کرنے لگا؟ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ سب کے حق میں یہ علامت بلوغت ہے کیونکہ اولاً تو جبلی امر ہے علاج معالجہ کا اہتمام بہت دور کا احتمال ہے ٹھیک یہی ہے کہ یہ بال اپنے وقت پر ہی نکلتے ہیں۔ دوسری دلیل مسند احمد کی حدیث ہے جس میں حضرت عطیہ قرظی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بنو قریظہ کی لڑائی کے بعد ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کئے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ''ایک شخص دیکھے جس کے یہ بال نکل آئے ہوں اسے قتل کر دیا جائے اور جس کے نہ نکلے ہوں اسے چھوڑ دیا جائے'' چنانچہ میرے بھی نہ نکلے تھے مجھے چھوڑ دیا گیا۔ سنن اربعہ میں بھی یہ حدیث ہے ❹ اور امام ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن صحیح فرماتے ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر راضی ہو کر یہ قبیلہ لڑائی سے باز آیا تھا پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ ان میں سے لڑنے والے تو قتل کر دیئے جائیں اور بچے قیدی بنالئے جائیں۔ غرائب ابی عبید میں ہے کہ ایک لڑکے نے ایک نوجوان لڑکی کی نسبت کہا کہ میں نے اس سے بدکاری کی ہے دراصل یہ تہمت تھی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے تہمت کی حد لگانی چاہی لیکن فرمایا دیکھ لو اگر اس کے زیر ناف کے بال اگ آئے ہوں تو اس پر حد جاری کر دو ورنہ نہیں۔ دیکھا تو اگے نہیں تھے چنانچہ اس پر سے حد ہٹا دی۔

پھر فرماتا ہے جب دیکھو کہ یہ اپنے دین کی صلاحیت اور مال کی حفاظت کے لائق ہو گئے ہیں تو ان کے ولیوں کو چاہئے کہ ان کے مال انہیں دے دیں۔ بغیر ضروری حاجت کے صرف اس ڈر سے کہ یہ بڑے ہوتے ہی اپنا مال ہم سے لے لیں گے تو ہم اس سے پہلے ہی ان کے مال کو ختم کر دیں' ان کا مال نہ کھاؤ۔ جسے ضرورت نہ ہو خواہ امیر ہو کھاتا پیتا ہو تو اسے چاہئے کہ ان کے مال میں سے کچھ

❶ سنن ابی داود، ۲۸۷۳ وسندہ ضعیف، خالد بن سعید مجهول الحال راوی ہے۔ وانظر الاوسط للطبرانی، ۳۵۰۲ وسندہ حسن۔
❷ أبوداود، كتاب الحدود، باب فی المجنون يسرق أويصيب حدا، ٤٣٩٨؛ ترمذی، ١٤٢٣؛ نسائی، ٣٤٦٢؛ ابن ماجة، ٢٠٤١، وهو حسن۔ ❸ صحيح بخاری، كتاب الشهادات، باب بلوغ الصبيان وشهادتهم، ٢٦٦٤؛ صحيح مسلم، ١٨٦٨۔
❹ أحمد، ٤/ ٤١٠؛ أبوداود، كتاب الحدود، باب فی الغلام يصيب الحد، ٤٤٠٤؛ ترمذی، ١٥٨٤؛ نسائی، ٣٤٦٠؛ ابن ماجة، ٢٥٤١، وهو صحيح۔

بھی نہ لے' مثل مردار اور بہے ہوئے خون کے یہ مال اس پر حرام محض ہے' ہاں اگر والی مسکین محتاج ہو تو بیشک اسے جائز ہے کہ اپنی پرورش کے حق کے مطابق وقت کی حاجت اور دستور کے موجب اس مال میں سے کھا پی لے ❶ اپنی حاجت کو دیکھے اور اپنی محنت کو اگر حاجت محنت سے کم ہو تو حاجت کے مطابق لے اور اگر حاجت محنت سے کم ہو تو حاجت سے حاجت کم ہو تو محنت کا بدلہ لے لے۔ پھر ایسا ولی اگر مالدار بن جائے تو اسے اس کھائے ہوئے اور لیے ہوئے مال کو واپس کرنا پڑے گا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ واپس نہ دینا ہوگا اس لئے کہ اس نے اپنے کام کے بدلے لیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھیوں کے نزدیک یہی صحیح ہے' اس لئے کہ آیت نے بغیر بدل کے مباح قرار دیا ہے۔ اور مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس مال نہیں ایک یتیم میری پرورش میں ہے تو کیا میں اس کے کھانے میں سے کھا سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہاں اس یتیم کا مال اپنے کام میں لا سکتا ہے بشرطیکہ حاجت سے زیادہ نہ اڑانہ جمع کرنہ یہ ہو کہ اپنے مال کو تو بچا رکھے اور اس مال کو کھاتا چلا جائے۔ ❷ ابن ابی حاتم میں بھی ایسی ہی روایت ہے۔ ابن حبان وغیرہ میں ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میں اپنے یتیم کو ادب سکھانے کیلئے ضرورتاً کسی چیز سے ماروں؟ فرمایا جس سے تو اپنے بچے کو تنبیہ کرتا ہے' اپنے مال بچا کر اس کا مال خرچ نہ کر نہ اس کے مال سے دولتمند بننے کی کوشش کر۔ ❸ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا کہ میرے پاس کتنے اونٹ ہیں اور میرے ہاں جو یتیم پل رہے ہیں ان کے بھی اونٹ ہیں میں اپنی اونٹنیاں دودھ پینے کے لئے فقیروں کو تحفۃً دے دیتا ہوں تو کیا میرے لئے جائز ہے کہ ان یتیموں کی اونٹنیوں کا دودھ پی لوں؟ آپ نے فرمایا ''اگر ان یتیموں کی اونٹنیوں کی گم شدہ کو تو ڈھونڈ لاتا ہے ان کے چارے پانی کی خبر گیری رکھتا ہے ان کے حوض درست کرتا رہتا ہے اور ان کی نگہبانی کیا کرتا ہے تو بیشک دودھ سے بھی نفع اٹھا لیکن اس طرح کہ نہ ان کے بچوں کو نقصان پہنچے نہ حاجت سے زیادہ لے'' ❹ (مؤطا مالک) حضرت عطاء بن ابی رباح' حضرت عکرمہ' حضرت ابراہیم نخعی' حضرت عطیہ عوفی' حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہم کا یہی قول ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ تنگدستی کے دور ہو جانے کے بعد وہ مال یتیم کو واپس دینا پڑے گا اس لئے کہ اصل تو ممانعت ہے ایک وجہ سے جواز ہو گیا تھا جب وہ وجہ جاتی رہی تو اس کا بدلہ دینا پڑے گا جیسے کوئی بے بس اور مضطر ہو کر کسی غیر کا مال کھا لے لیکن حاجت کے نکل جانے کے بعد اگر اچھا وقت آیا تو اسے واپس دینا ہوگا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب تخت خلافت پر بیٹھے تو اعلان فرمایا تھا کہ میری حیثیت یہاں یتیم کے والی کی حیثیت ہے اگر مجھے ضرورت ہی نہ ہوئی تو میں بیت المال سے کچھ نہ لوں گا اور اگر محتاجی ہوئی تو بطور قرض کے لوں گا جب آسانی ہوئی پھر واپس کر دوں گا (ابن ابی الدنیا)۔ یہ حدیث سعید بن منصور میں بھی ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔ بیہقی میں بھی یہ حدیث ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کے اس جملہ کی تفسیر میں مروی ہے کہ بطور قرض کے کھائے اور بھی مفسرین سے یہ مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں معروف سے کھانے کا مطلب یہ ہے کہ تین انگلیوں سے =

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ﴿من كان فقيراً فلياكل بالمعروف......﴾ ٤٥٧٥۔

❷ احمد، ٢/ ١٨٦؛ ابو داود، كتاب الوصايا، باب ماجاء فيما لولى اليتيم أن ينال من مال اليتيم، ٢٨٧٢ وسنده حسن؛ نسائی، ٣٦٩٨؛ ابن ماجة، ٢٧١٨۔ ❸ ابن حبان، ٤٢٤٤ وسنده حسن؛ المعجم الصغير، ٢٤٤۔

❹ مؤطا امام مالك، كتاب صفة النبى، باب ماجاء فى الطعام......، ٣٣، وهو صحيح۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا ۝۷ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۸ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۪ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝۹ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝۱۰

ع ۱۲

ترجمہ: ماں باپ اور خویش و اقارب کے ترکہ میں سے مردوں کا حصہ بھی ہے اور عورتوں کا بھی' جو مال ماں باپ اور خویش اقارب چھوڑ مریں خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ' حصہ بھی مقرر کیا ہوا ہے۔[۷] اور جب تقسیم کے وقت قرابت دار اور یتیم اور مسکین آ جائیں تو تم اس میں سے تھوڑا بہت انہیں بھی دے دو اور ان سے نرمی سے بولو۔[۸] اس بات سے ڈریں کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے ننھے ننھے ناتوان بچے چھوڑ جاتے جن کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے (تو ان کی چاہت کیا ہوتی؟) پس اللہ تعالیٰ سے ڈر کر جچی تلی بات کہا کریں۔[۹] جو لوگ ناحق ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ تو اپنے پیٹ میں آگ ہی بھر رہے ہیں۔ اور البتہ وہ دوزخ میں جائیں گے۔[۱۰]

= کھائے۔ اور روایت میں آپ سے یہ مروی ہے کہ وہ اپنے ہی مال کو صرف اپنی ضرورت پوری ہو جانے کے لائق ہی خرچ کرے تا کہ اسے یتیم کے مال کی حاجت ہی نہ پڑے۔ حضرت عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر ایسی بے بسی ہو جس میں مردار کھانا جائز ہو جاتا ہے تو بیشک کھالے لیکن پھر ادا کرنا ہوگا۔ یحییٰ بن سعد انصاری اور ربیعہ رحمہم اللہ سے اس کی تفسیر یوں مروی ہے کہ اگر یتیم فقیر ہو تو اسے ولی اس کی ضرورت کے موافق دے اور پھر اس ولی کو کچھ نہ ملے گا۔ عبارت میں یہ ٹھیک نہیں بیٹھتا اس لئے کہ اس سے پہلے یہ جملہ بھی ہے کہ وہ غنی ہو تو رک جائے' یعنی جو ولی غنی ہو' تو یہاں بھی یہی مطلب ہوگا کہ جو ولی فقیر ہو نہ کہ جو یتیم فقیر ہو' دوسری آیت میں ہے ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ﴾ ❶ یعنی ''یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ ہاں بطور اصلاح کے پھر اگر تمہیں حاجت ہو تو حسب حاجت بطریق معروف اس میں سے کھاؤ پیو۔'' پھر اولیا سے کہا جاتا ہے کہ جب وہ بلوغت کو پہنچ جائیں اور تم دیکھ لو کہ ان میں تمیز آ چکی ہے اور تم گواہ رکھ کر ان کے مال ان کے سپرد کر دو' تا کہ انکار کرنے کا وقت ہی نہ آئے' یوں تو دراصل سچا شاہد اور پورا نگران اور باریک حساب لینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے' وہ خوب جانتا ہے کہ ولی نے یتیم کے مال میں نیت کیسی رکھی؟ آیا خورد برد کیا' تباہ و برباد کیا' جھوٹ سچ حساب لکھا اور دیا یا صاف دلی اور نیک نیتی سے نہایت چوکسی اور صفائی سے اس کے مال کا پورا پورا خیال رکھا اور حساب کتاب صاف رکھا' ان سب باتوں کا حقیقی علم تو اسی دانا بینا نگران و نگہبان کو ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''اے ابوذر! میں تمہیں ناتواں پاتا ہوں اور جو اپنے لئے چاہتا ہوں وہی تیرے لئے بھی پسند کرتا ہوں' خبردار ہرگز ہرگز دو شخصوں کا بھی سردار اور امیر نہ بننا نہ کبھی کسی یتیم کا ولی بننا۔'' ❷

---

❶ ۱۷/ الاسرآء:۳۴۔ ❷ صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب کراهة الامارة بغير ضرورة ۱۸۲۶؛ ابوداود، ۲۸۶۸؛ نسائی، ۳۶۹۷۔

ترکہ میں سے ہر ایک کا حصہ مقرر ہے: [آیت: ۷۔۱۰] مشرکین عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی مر جاتا تو اس کی بڑی اولاد کو اسکا مال مل جاتا چھوٹی اولاد اور عورتیں بالکل محروم رہتیں' اسلام نے یہ حکم نازل فرما کر سب کی مساویانہ حیثیت قائم کر دی کہ وارث تو سب ہوں گے خواہ قرابت حقیقی ہو خواہ بوجہ عقد زوجیت کے ہو یا بوجہ نسبت آزادگی ہو حصہ سب کو ملے گا گو کم و بیش ہو۔ ام کجہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہیں کہ حضور! میری دو لڑکیاں ہیں ان کے والد فوت ہو گئے اور ان کے پاس کچھ نہیں' پس یہ آیت نازل ہوئی۔ یہی حدیث دوسرے الفاظ سے میراث کی اور دونوں آیتوں کی تفسیر میں بھی عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گی' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی مرنے والے کا ورثہ بٹنے لگا اور وہاں اس کا کوئی دور کا رشتہ دار بھی آ جائے جس کا کوئی حصہ مقرر نہ ہو اور یتیم و مساکین آ جائیں تو انہیں بھی کچھ نہ کچھ دے دو۔ ابتدائے اسلام میں تو یہ واجب تھا اور بعض کہتے ہیں مستحب تھا' اور اب بھی یہ حکم باقی ہے یا نہیں؟ اس میں بھی دو قول ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تو اسے باقی بتاتے ہیں۔ ❶ حضرت مجاہد' حضرت ابن مسعود' حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ' حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر' حضرت ابوالعالیہ' حضرت شعبی' حضرت حسن' حضرت ابن سیرین' حضرت سعید بن جبیر' حضرت مکحول' حضرت ابراہیم نخعی' حضرت عطاء بن ابی رباح' حضرت زہری' حضرت یحییٰ بن معمر رحمۃ اللہ علیہم بھی باقی بتلاتے ہیں' بلکہ یہ حضرات سوائے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے وجوب کے قائل ہیں۔ ❷ حضرت عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ ایک وصیت کے ولی تھے انہوں نے ایک بکری ذبح کی اور ان تینوں قسموں کے لوگوں کو کھلائی اور فرمایا اگر یہ آیت نہ ہوتی تو یہ بھی میرا مال تھا۔ حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مصعب رحمۃ اللہ علیہ کے مال کی تقسیم کے وقت بھی دیا۔ حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ موقوف ہے وصیت پر۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ نے اپنے باپ کا ورثہ تقسیم کیا اور یہ واقعہ حضرت مائی عائشہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی کا ہے پس گھر میں جتنے مسکین اور قرابت دار تھے سب کو دیا اور اسی آیت کی تلاوت کی' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جب یہ معلوم ہوا تو فرمایا اس نے ٹھیک نہیں کیا' اس آیت سے تو مراد یہ ہے کہ جب مرنے والے نے اس کی وصیت کی ہو (ابن ابی حاتم)۔

بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ آیت بالکل منسوخ ہی ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے اور ناسخ آیت ﴿یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ﴾ ❸ الخ ہے۔ حصے مقرر ہونے سے پہلے یہ حکم تھا پھر جب حصے مقرر ہو چکے اور ہر حقدار کو خود اللہ تعالیٰ نے حق پہنچا دیا تو اب صدقہ صرف وہی رہ گیا جو مرنے والا کہہ گیا ہو۔ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ ہاں اگر وصیت ان لوگوں کے لئے ہو تو اور بات ہے ورنہ یہ آیت منسوخ ہے۔ جمہور کا اور چاروں اماموں کا یہی مذہب ہے۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک عجیب قول اختیار کیا ہے ان کی لمبی اور کئی بار کی تحریر کا ماحصل یہ ہے کہ مال وصیت کی تقسیم کے وقت جب میت کے رشتہ دار آ جائیں تو انہیں دے دو اور یتیم مسکین جو آ گئے ہوں ان سے نرم کلامی اور اچھے جواب سے پیش آؤ' لیکن اس میں نظر ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں تقسیم سے مراد یہاں ورثے کی تقسیم ہے' پس یہ قول امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ہے۔ ٹھیک مطلب آیت کا یہ ہے کہ جب یہ غریب لوگ ترکے کی تقسیم کے وقت آ جائیں اور تم اپنا اپنا حصہ الگ الگ کر کے لے جاتے ہو اور یہ بیچارے تک رہے ہوں تو انہیں بھی خالی ہاتھ نہ پھیرو' ان کا وہاں سے مایوس اور خالی ہاتھ واپس جانا اللہ تعالیٰ رؤف

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة النسآء، باب ﴿وإذا حضر القسمة......﴾ ٤٥٧٦۔

❷ الطبری، ٨/٨۔ ❸ ٤/ النسآء:١١۔

ورحیم کو اچھا نہیں لگتا' بطور صدقہ کے راہ للہ ان سے بھی کچھ سلوک کر دو تا کہ یہ خوش ہو کر جائیں' جیسے اور جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے کہ کھیتی کے کٹنے کے دن اس کا حق ادا کر دو اور فاقہ زدہ اور مسکینوں سے چھپا کر اپنے باغ کا پھل لانے والوں کی اللہ تعالیٰ نے بڑی مذمت فرمائی ہے جیسے کہ سورہ ''ن'' میں ہے کہ وہ رات کے وقت چھپ کر پوشیدگی سے کھیت اور باغ کے دانے اور پھل لانے کیلئے چلتے ہیں وہاں اللہ کا عذاب ان سے پہلے پہنچ جاتا ہے اور سارے باغ کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتا ہے' دوسروں کے حق برباد کرنے والوں کا یہی حشر ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس مال میں صدقہ مل جائے یعنی جو شخص اپنے مال سے صدقہ نہ دے اس کا مال اس کے باعث غارت ہو جاتا ہے۔ ❶

پھر فرماتا ہے ڈریں وہ لوگ جو اگر اپنے پیچھے چھوڑ جائیں الخ۔ یعنی ایک شخص اپنی موت کے وقت وصیت کر رہا ہے اور اس میں اپنے وارثوں کو ضرر پہنچا رہا ہے تو اس وصیت کے سننے والے کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف کرے اور اسے ٹھیک بات کی رہنمائی کرے اور اس کے وارثوں کے لئے ایسی بھلائی چاہے جیسے اپنے وارثوں کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے' جب کہ ان کی بربادی اور تباہی کا خوف ہو۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی بیماری کے زمانہ میں ان کی عیادت کو گئے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس مال بہت ہے اور صرف میری ایک لڑکی ہی میرے پیچھے ہے تو اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے مال کی دو تہائیاں اللہ کی راہ میں صدقہ کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''نہیں۔'' انہوں نے کہا اچھا آدھے کی تو اجازت دیجئے! آپ ﷺ نے فرمایا ''نہیں۔'' کہا پھر ایک تہائی کی اجازت دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا'' خیر لیکن ہے یہ بھی زیادہ تو اگر اپنے پیچھے اپنے وارثوں کو تونگر چھوڑ کر جائے' یہ اس سے بہتر ہے کہ انہیں فقیر چھوڑ کر جائے کہ وہ ہاتھ پھیلاتے پھریں۔'' ❷ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگ ایک تہائی سے بھی کم یعنی چوتھائی کی ہی وصیت کریں تو اچھا ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے تہائی کو بھی زیادہ فرمایا ہے۔ ❸ فقہا فرماتے ہیں اگر میت کے وارث امیر ہوں تب تو خیر تہائی کی وصیت کرنا مستحب ہے اور اگر فقیر ہوں تو مستحب ہے کہ اس سے کم کی وصیت کرے۔ دوسرا مطلب اس آیت کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تم یتیموں کا اتنا ہی خیال رکھو جتنا تم چاہتے ہو کہ تمہاری چھوٹی اولاد کا تمہارے مرنے کے بعد اور لوگ خیال رکھیں۔ جس طرح تم نہیں چاہتے کہ ان کے مال دوسرے ظلم سے کھا جائیں اور وہ بالغ ہو کر فقیر رہ جائیں' اسی طرح تم دوسروں کی اولادوں کے مال نہ کھا جاؤ۔ یہ مطلب بھی بہت عمدہ ہے اسی لئے اس کے بعد ہی یتیموں کا مال ناحق مار لینے والوں کی سزا بیان فرمائی کہ یہ لوگ اپنے پیٹ میں انگار بھرنے والے اور جہنم واصل ہونے والے ہیں۔ بخاری و مسلم میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا ''سات گناہوں سے بچو جو ہلاکت کا باعث ہیں۔'' پوچھا گیا کیا کیا؟ فرمایا ''اللہ کے ساتھ شرک' جادو' بے وجہ قتل' سود خواری' مال یتیم کا کھا جانا' جہاد سے منہ موڑنا' بھولی بھالی ناواقف مسلمان عورت پر تہمت لگانا۔'' ❹ ابن ابی حاتم میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب حضور سے معراج کی رات کا واقعہ پوچھا جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ نیچے لٹک رہے ہیں اور فرشتے انہیں گھسیٹ کر ان کا منہ خوب کھول دیتے ہیں پھر جہنم کے گرم پتھر ان میں ٹھونس دیتے ہیں جو ان کے پیٹ میں پیچھے کے راستے سے نکل =

❶ بیهقی، ٤/ ١٥٩؛ مسند الحمیدی بتحقیقی: ٢٣٩، وسنده ضعیف۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب أن یترك ورثته اغنیاء خیر...... ٢٧٤٢؛ صحیح مسلم، ١٦٢٨۔

❸ صحیح بخاری، حواله سابق ٢٧٤٣؛ صحیح مسلم، ١٦٢٩۔

❹ صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب رمی المحصنات، ٦٨٥٧؛ صحیح مسلم، ٨٩۔

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ⑪

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولادوں کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دولڑکیوں کے برابر ہے۔ اور اگر صرف لڑکیاں ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انہیں مال متروکہ کی دو تہائیاں ملیں گی' اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لئے آدھا ہے۔ اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے اگر اس کی اولاد ہو' اور اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لئے تیسرا حصہ ہے' ہاں اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو پھر اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے یہ حصے اس وصیت کے بعد ہیں جو مرنے والا کر گیا ہو یا ادائے قرض کے بعد۔ تمہارے باپ ہیں یا تمہارے بیٹے تمہیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون تمہیں نفع پہنچانے میں زیادہ قریب ہے۔ یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں بیشک اللہ تعالیٰ پورے علم اور کامل حکمتوں والا ہے۔[11]

== جاتے ہیں اور وہ بے طرح چیخ چلا رہے ہیں ہائے وائے مچا رہے ہیں۔ میں نے (حضرت) جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ کہا یتیموں کا مال کھا جانے والے ہیں جو اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب جہنم میں جائیں گے۔'' ❶

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یتیم کا مال کھا جانے والا قیامت کے روز اپنی قبر سے اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کے منہ آنکھوں نتھنوں اور روئیں روئیں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے' ہر شخص دیکھتے ہی پہچان لے گا کہ اس نے کسی یتیم کا مال ناحق کھا رکھا ہے۔ ابن مردویہ میں ایک مرفوع حدیث بھی اسی مضمون کے قریب قریب مروی ہے۔ ❷ اور حدیث میں ہے ''میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ان دونوں ضعیفوں کا مال پہنچا دو عورتوں کا اور یتیم کا' ان کے مال سے بچو۔'' ❸ سورۂ بقرہ میں یہ روایت گزر چکی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو جن کے پاس یتیم تھے انہوں نے ان کے اناج پانی بھی الگ کر دیا' اب عموماً ایسا ہوتا کہ کھانے پینے کی اگر ان کی کوئی چیز بچ رہتی تو یا تو دوسرے وقت اسی باسی چیز کو وہ کھائے یا سڑ کر پھینک دی جائے گھر والوں میں سے کوئی بھی اسے ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔ یہ بات دونوں طرف ناگوار گزری' حضور ﷺ کے سامنے بھی اس کا ذکر آیا' اس پر آیت ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى﴾ ❹ الخ اتری' جس کا مطلب یہ ہے کہ جس کام میں یتیموں کی بہتری سمجھو کرو۔ چنانچہ اس کے بعد پھر کھانا پانی ایک ساتھ ہوا۔ ❺

---

❶ الطبری، ۸۷۲۵، وسندہ ضعیف جداً موضوع۔

❷ مسند ابی یعلی، ۷٤٤٠؛ ابن حبان، ٥٥٦٦، وسندہ ضعیف جداً موضوع۔

❸ ۲/ البقرۃ: ۲۲۰۔ ❹ ابو داود، ۲۸۷۱ وسندہ ضعیف، عطاء بن السائب مختلط راوی ہے۔

❺ ضعیف دیکھئے حاشیہ نمبر ۴۔

وراثت کی تقسیم کے مسائل: [آیت:۱۱] یہ آیت کریمہ اور اس کے بعد کی آیت اور اس سورت کے خاتمہ کی آیت علم فرائض کی آیتیں ہیں' یہ پورا علم ان آیتوں اور میراث کی احادیث سے استنباط کیا گیا ہے' جو حدیثیں ان آیتوں کی گویا تفسیر اور توضیح ہیں۔ یہاں ہم اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں۔ باقی جو میراث کے مسائل کی پوری تقریر ہے اور اس میں جن دلائل کی سمجھ میں جو کچھ اختلاف ہوا ہے اس کے بیان کرنے کی مناسب جگہ احکام کی کتابیں ہیں نہ کہ تفسیر' اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے۔ علم فرائض کے سیکھنے کی رغبت میں بہت سی احادیث آئی ہیں' ان آیتوں میں جن فرائض کا بیان ہے یہ سب سے زیادہ اہم ہیں۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے ''علم دراصل تین ہیں اور اس کے ماسوا فضول بھرتی ہے' آیات قرآنیہ جو مضبوط ہیں اور جن کے احکام باقی ہیں' سنت قائمہ یعنی احادیث جو ثابت شدہ ہیں اور فریضہ عادلہ یعنی مسائل میراث جو ان دو سے ثابت ہیں۔'' [1] ابن ماجہ کی دوسری ضعیف سند والی حدیث میں ہے کہ ''فرائض سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ یہ نصف علم ہے اور یہ بھول جاتے ہیں اور یہی پہلی وہ چیز ہے جو میری امت سے چھن جائے گی'' [2] حضرت ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسے آدھا علم اس لئے کہا گیا ہے کہ تمام لوگوں کو عموماً یہ پیش آتے ہیں۔

صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں بیمار تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میری بیمار پرسی کے لئے بنوسلمہ کے محلہ میں پیادہ پا تشریف لائے میں اس وقت بے ہوش تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوا کر وضو کیا پھر وضو کے پانی کا چھینٹا مجھے دیا جس سے مجھے ہوش آیا' تو میں نے کہا حضور! میں اپنے مال کی تقسیم کس طرح کروں؟ اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔ صحیح مسلم شریف و نسائی شریف وغیرہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ [3] ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ' مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ میں مروی ہے کہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیوی صاحبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دونوں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی لڑکیاں ہیں' ان کے والد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ احد میں شریک تھے اور وہیں شہید ہوئے ان کے چچا نے ان کا کل مال لے لیا ہے ان کے لئے کچھ نہیں چھوڑا اور یہ ظاہر ہے کہ ان کے نکاح بغیر مال کے نہیں ہو سکتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس کا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ کرے گا۔'' چنانچہ آیت میراث نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چچا کے پاس آدمی بھیج کر حکم بھیجا کہ ''دو تہائیاں تو ان دونوں لڑکیوں کو دو اور آٹھواں حصہ ان کی ماں کو دو اور باقی مال تمہارا ہے۔'' [4] بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے سوال پر اس سورۃ کی آخری آیت اتری ہوگی جیسے عنقریب آرہا ہے' ان شاء اللہ تعالیٰ اس لئے کہ ان کی وارث صرف انکی بہنیں ہی تھیں لڑکیاں تھیں ہی نہیں وہ تو کلالہ تھے اور یہ آیت اسی بارے میں یعنی حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے ورثے کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس کے راوی بھی خود حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ہاں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اسی آیت کی تفسیر میں وارد کیا ہے۔ اس لئے ہم نے بھی ان کی تابعداری کی' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں عدل سکھاتا ہے۔ اہل جاہلیت تمام مال لڑکوں کو دے

---

[1] أبوداود، كتاب الفرائض، باب ما جاء في تعليم الفرائض ٢٨٨٥ وسنده ضعيف؛ ابن ماجة، ٥٤۔

[2] ابن ماجة، كتاب الفرائض، باب الحث على تعليم الفرائض، ٢٧١٩، وسنده ضعيف حفص بن عمر بن ابی العطاف راوی ضعیف ہے۔

[3] صحيح بخاري، كتاب التفسير، سورة النسآء باب ﴿يوصيكم الله في......﴾، ٤٥٧٧؛ صحيح مسلم، ١٦١٦۔

[4] أحمد، ٣/ ٣٥٢؛ أبوداود، كتاب الفرائض، باب ماجاء في ميراث الصلب، ٢٨٩١؛ ترمذي، ٢٠٩٢؛ ابن ماجة، ٢٧٢٠، وسنده ضعيف ابن عقیل راوی ضعیف ہے۔

دیتے تھے اور لڑکیاں خالی ہاتھ رہ جاتی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کا حصہ بھی مقرر کر دیا' ہاں دونوں کے حصوں میں فرق رکھا۔ اس لئے کہ مردوں کے ذمے جو ضروریات ہیں وہ عورتوں کے ذمے نہیں مثلاً اپنے متعلقین کے کھانے پینے اور خرچ اخراجات کی کفالت تجارت اور کسب اور اسی طرح کی اور مشقتیں' تو انہیں ان کی حاجت کے مطابق عورتوں سے دگنا دلوایا۔ بعض دانا بزرگوں نے یہاں ایک نہایت باریک نکتہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہ نسبت ماں باپ کے بھی زیادہ مہربان ہے ماں باپ کو ان کی اولادوں کے بارے میں وصیت کر رہا ہے کہ بس معلوم ہوا کہ ماں باپ اپنی اولاد پر اتنے مہربان نہیں جتنا مہربان ہمارا خالق اللہ اپنی مخلوق پر ہے۔ چنانچہ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ ''قیدیوں میں سے ایک عورت کا بچہ اس سے چھوٹ گیا وہ باولوں کی طرح اسے ڈھونڈتی پھرتی تھی اور جس بچہ کو پالیتی اپنے سینہ سے لگا کر اسے دودھ پلاتی۔ آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے فرمایا'' بھلا بتاؤ تو کیا یہ عورت باوجود اپنے اختیار کے اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟'' لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہرگز نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا'' اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے۔'' ❶

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پہلے حصہ دار اور حقدار مال کا صرف لڑکا تھا' ماں باپ کو بطور وصیت کے مل جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کیا اور لڑکے کو لڑکی سے دگنا دلوا دیا اور ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصہ دلوایا اور تیسرا حصہ بھی' اور بیوی کو آٹھواں حصہ اور چوتھا حصہ اور خاوند کو آدھا اور چوتھا یعنی پاؤ۔ ❷ فرماتے ہیں میراث کے احکام اترنے پر بعض لوگوں نے کہا یہ اچھی بات ہے کہ عورت کو چھٹا اور آٹھواں حصہ دلوایا جا رہا ہے اور لڑکی کو آدھوں آدھ دلوایا جا رہا ہے اور ننھے ننھے بچوں کا حصہ مقرر کیا جا رہا ہے حالانکہ ان میں سے کوئی بھی نہ لڑائی میں نکل سکتا ہے نہ مال غنیمت لا سکتا ہے' اچھا تم جو اس آیت سے خاموشی برتو شاید رسول اللہ ﷺ کو یہ بھول جائے یا ہمارے کہنے کی وجہ سے آپ ﷺ ان احکام کو بدل دیں۔ پھر انہوں نے آپ ﷺ سے کہا کہ آپ لڑکی کو اس کے باپ کا آدھا مال دلوا رہے ہیں حالانکہ نہ وہ گھوڑے پر بیٹھنے کے لائق نہ دشمن سے لڑنے کے قابل' آپ ﷺ بچہ کو ورثہ دلا رہے ہیں بھلا وہ کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے؟ یہ لوگ جاہلیت کے زمانہ میں ایسا ہی کرتے تھے ❸ کہ میراث صرف اسے دیتے تھے جو لڑنے بھڑنے کے قابل ہو' سب سے بڑے لڑکے کو وارث کرتے تھے (اگر مرنے والے کے لڑکے لڑکیاں دونوں ہوں تو) فرما دیا کہ لڑکی کو جتنا آئے اس سے دوگنا لڑکے کو دیا جائے یعنی ایک لڑکی ایک لڑکا ہے تو کل مال کے تین حصے کر کے دو حصے لڑکے کو اور ایک حصہ لڑکی کو دیا جائے۔ (اب بیان فرماتا ہے کہ اگر صرف لڑکیاں ہوں تو انہیں کیا ملے؟ (مترجم) لفظ فَــــوْق کو بعض لوگ زائد بتلاتے ہیں' جیسے ﴿فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ﴾ ❹ میں لفظ فَوْق زائد ہے' لیکن ہم یہ نہیں مانتے نہ اس آیت میں نہ اس آیت میں' کیونکہ قرآن میں کوئی ایسی زائد چیز نہیں ہے جو محض بے فائدہ ہو' اللہ تعالیٰ کے کلام میں ایسا ہونا محال ہے۔ پھر یہ بھی خیال فرمایئے کہ اگر ایسا ہی ہوتا تو اس کے بعد ﴿فَلَهُنَّ﴾ نہ آتا بلکہ فَلَهُمَا آتا۔ ہاں اسے ہم جانتے ہیں کہ اگر لڑکیاں دو سے زیادہ نہ ہوں' یعنی صرف دو ہوں تو بھی یہی حکم ہے یعنی انہیں بھی دو ثلث ملے گا۔ کیونکہ دوسری آیت میں دو بہنوں کو دو ثلث دلوایا گیا ہے اور جب کہ دو بہنیں دو ثلث پاتی ہیں تو دو لڑکیوں کو دو ثلث کیوں نہ ملے گا؟ ان کے لئے دو تہائی بطور اولیٰ ہونا چاہئے' اور حدیث میں آ چکا ہے کہ دو لڑکیوں کو

❶ صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب رحمة الولد وتقبیله ومعانقته، ۵۹۹۹؛ صحیح مسلم، ۲۷۵۴۔

❷ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة النسآء باب ﴿ولکم نصف ماترك أزواجکم﴾ ۴۵۷۸۔

❸ الطبری، ۸۷۲۸، اس کی سند میں عطیہ عوفی ضعیف اور اس سے بیان کرنے والے مجہول ہیں۔ ❹ ۸/ الانفال: ۱۲۔

رسول اللہ ﷺ نے دو تہائی مال ترکہ کا دلوایا جیسا کہ اس آیت کے شان نزول کے بیان میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی لڑکیوں کے ذکر میں اس سے پہلے بیان ہو چکا پس کتاب وسنت سے یہ ثابت ہو گیا۔ اسی طرح اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ ایک لڑکی اگر ہو یعنی لڑکا نہ ہونے کی صورت میں تو اسے آدھوں آدھ دلوایا گیا ہے پس اگر دو کو بھی آدھا ہی دینے کا حکم کرنا مقصود ہوتا تو یہیں بیان ہو جاتا' جب ایک کو الگ کر دیا تو معلوم ہوا کہ دو کا حکم وہی ہے جو دو سے زائد کا ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

والدین کا حصہ: ماں باپ کا حصہ بیان ہو رہا ہے' ان کے ورثے کی مختلف صورتیں ہیں' ایک تو یہ کہ مرنے والے کی اولاد ایک لڑکی سے زیادہ ہو اور ماں باپ بھی ہوں تو انہیں چھٹا چھٹا حصہ ملے گا' یعنی چھٹا حصہ ماں کو اور چھٹا حصہ باپ کو' اگر مرنے والے کی صرف ایک لڑکی ہی ہو تو آدھا مال تو وہ لڑکی لے لے گی اور چھٹا حصہ ماں لے لے گی اور چھٹا حصہ باپ کو ملے گا اور چھٹا جو باقی رہا وہ بھی بطور عصبہ باپ کو مل جائے گا پس اس حالت میں باپ فرض اور تعصب دونوں کو جمع کر لے گا یعنی مقررہ چھٹا حصہ اور بطور عصبہ بچت کا مال۔ دوسری صورت یہ ہے کہ صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ مل جائے گا اور باقی کا کل مال باپ کو بطور عصبہ کے مل جائے گا تو گویا دو ثلث مال اس کے ہاتھ لگے گا یعنی بہ نسبت ماں کے دو گنا باپ کو مل جائیگا۔ اگر مرنے والی عورت کا خاوند بھی ہے یا مرنے والے مرد کی بیوی ہے یعنی اولاد نہیں ماں باپ ہیں اور خاوند ہے یا بیوی تو اس پر تو اتفاق ہے کہ خاوند کو آدھا اور بیوی کو چوتھا حصہ ملے گا۔ پھر علما کا اس میں اختلاف ہے کہ ماں کو اس صورت میں اس کے بعد کیا ملے گا؟ تین قول ہیں' ایک تو یہ کہ جو مال باقی رہا اس میں سے تیسرا حصہ ملے گا دونوں صورتوں میں یعنی خواہ عورت خاوند کو چھوڑ کر مری خواہ مرد عورت کو چھوڑ کر مرا ہو اس لئے باقی کا مال ان کی نسبت سے گویا کل مال ہے اور ماں کا حصہ باپ سے آدھا ہے تو اس باقی کے مال سے تیسرا حصہ یہ لے لے اور دو تیسرے حصے جو باقی رہے وہ باپ لے لے گا۔ حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اور باعتبار زیادہ صحیح روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی فیصلہ ہے۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے' ساتوں فقہا اور چاروں امام اور جمہور علمائے کرام رحمہم اللہ کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں بھی ماں کو کل مال کا ثلث مل جائے گا اس لئے کہ آیت عام ہے خاوند بیوی ساتھ ہو تو اور نہ ہو تو' عام طور پر میت کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں ماں کو دلوایا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے' حضرت علی اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے' حضرت شریح اور حضرت داؤد رحمہ اللہ ظاہری بھی یہی فرماتے ہیں۔ ابوالحسن بن لبان بصری بھی اپنی کتاب ایجاز میں جو علم فرائض کے بارے میں ہے اسی قول کو پسند کرتے ہیں' لیکن اس قول میں نظر ہے بلکہ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ آیت نے اس کا یہ حصہ اس وقت مقرر فرمایا ہے جب کہ کل مال کی وراثت صرف ماں باپ کو ہی پہنچتی ہو اور جب کہ زوج یا زوجہ ہے اور وہ اپنے مقررہ حصہ کے مستحق ہیں تو پھر جو باقی رہ جائے گا بے شک وہ ان دونوں ہی کا حصہ ہے تو اس میں سے ثلث ملے گا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اگر میت مرد ہے اور اس کی بیوی موجود ہے تو فقط اس صورت میں تو اسے کل مال کا تہائی ملے گا کیونکہ اس عورت کو کل مال کا چوتھائی ملے گا' اگر کل مال کے بارہ حصے کئے جائیں تو تین حصے تو یہ لے گی اور چار حصے ماں کو ملے باقی بچے پانچ حصے وہ باپ لے لے گا۔ لیکن اگر عورت مری ہے اور اس کا خاوند موجود ہے تو ماں کو باقی مال کا تیسرا حصہ ملے گا اگر کل مال کا تیسرا حصہ اس صورت میں بھی ماں کو دلوایا جائے تو اسے باپ سے بھی زیادہ پہنچ جاتا ہے' مثلاً میت کے مال کے چھ حصے کئے تین تو خاوند لے گیا دو ماں لے گی تو باپ کے پلے ایک ہی پڑے گا جو ماں سے بھی تھوڑا ہے' اس لئے اس صورت میں چھ میں سے تین تو خاوند کو دیئے جائیں گے' ایک ماں کو اور دو باپ کو۔ حضرت امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے یوں سمجھنا چاہئے کہ یہ قول دو قولوں سے مرکب

ہے۔ضعیف یہ بھی ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے' وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ ماں باپ کے احوال میں سے تیسرا حال یہ ہے کہ وہ بھائیوں کے ساتھ ہوں خواہ وہ سگے بھائی ہوں یا صرف باپ کی طرف سے یا صرف ماں کی طرف سے' تو وہ باپ کے ہوتے ہوئے اپنے بھائی کے ورثے میں سے کچھ پائیں گے نہیں لیکن ہاں ماں کو تہائی سے ہٹا کر چھٹا حصہ دلوائیں گے۔ اور اگر کوئی اور وارث ہی نہ ہو اور صرف ماں کے ساتھ باپ ہی ہو تو باقی مال کل کا کل باپ ہی لے لے گا۔ دو بھائی بھی حکم میں بہت سے بھائیوں کے ہیں' جمہور کا یہی قول ہے' ہاں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ دو بھائی ماں کو ثلث سے ہٹا کر سدس تک نہیں لے جاتے' قرآن میں اِخْوَۃٌ جمع کا لفظ ہے' دو بھائی اگر مراد ہوتے اِخْوَان کہا جاتا۔ خلیفہ ثالث نے جواب دیا کہ پہلے ہی سے یہ چلا آتا ہے اور چوطرف یہ مسئلہ اس طرح پہنچا ہوا ہے' تمام لوگ اس کے عامل ہیں' میں اسے نہیں بدل سکتا۔ اولاً تو یہ اثر ثابت ہی نہیں اس کے راوی حضرت شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی جرح موجود ہے پھر یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نہ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خاص اصحاب اور اعلیٰ شاگرد بھی اس کے خلاف ہیں' حضرت زید فرماتے ہیں کہ دو کو بھی اِخْوَۃٌ کہا جاتا ہے۔ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ میں نے اس مسئلہ کو پوری طرح ایک علیحدہ رسالہ میں لکھا ہے۔ حضرت سعید بن قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ہاں میت کا اگر ایک ہی بھائی ہو تو ماں کو تیسرے حصے سے ہٹا نہیں سکتا۔ علمائے کرام کا فرمان ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ میت کے بھائیوں کی شادیوں کا اور کھانے پینے وغیرہ کا کل خرچ باپ کے ذمہ ہے نہ کہ ماں کے ذمے اس لئے مقتضائے حکمت یہی تھا کہ باپ کو زیادہ دیا جائے۔ یہ توجیہ بہت ہی عمدہ ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بسند صحیح مروی ہے کہ یہ چھٹا حصہ جو ماں کا کم ہو گیا ہے انہیں دے دیا جائے گا۔ یہ قول شاذ ہے۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول تمام امت کے خلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ کَلَالَہ اسے کہتے ہیں جس کا بیٹا اور باپ نہ ہو۔

تقسیم میراث وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد ہوگی: تمام سلف اور خلف کا اجماع ہے کہ قرض وصیت پر مقدم ہے اور فحوائے آیت کو بھی اگر بغور دیکھا جائے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ ترمذی وغیرہ میں ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم قرآن میں وصیت کا حکم پہلے پڑھتے ہو اور قرض کا بعد میں لیکن یاد رکھنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض پہلے ادا کرایا ہے پھر وصیت جاری کی ہے۔ ایک ماں زاد بھائی آپس میں وارث ہوں گے بغیر علاتی بھائیوں کے' آدمی اپنے سگے بھائی کا وارث ہوگا نہ اس کا جس کی ماں دوسری ہو۔ ❶ یہ حدیث صرف حضرت حارث رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے اور ان پر بعض محدثین نے جرح کی ہے' لیکن حافظ فرائض تھے' اس علم میں آپ کو خاص دلچسپی اور دسترس تھی اور حساب کے بھی بڑے ماہر تھے' وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

پھر فرمایا کہ ہم نے باپ بیٹوں کو اصل میراث میں اپنا اپنا مقررہ حصہ لینے والا بنایا اور جاہلیت کی رسم ہٹا دی۔ بلکہ اسلام میں بھی پہلے جو یہ حکم تھا کہ مال اولاد کو مل جایا کرتا تھا' ماں باپ کو صرف بطور وصیت کے ملتا تھا جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پہلے بیان ہو چکا یہ منسوخ کر کے اب یہ حکم ہوا۔ تمہیں یہ نہیں معلوم کہ تمہیں باپ سے زیادہ نفع پہنچے گا یا اولاد نفع دے گی' امید دونوں سے نفع کی ہے' یقین کسی پر بھی ایک سے زیادہ نہیں ممکن ہے باپ سے زیادہ بیٹا کام آئے اور نفع پہنچائے اور ممکن ہے بیٹے سے زیادہ باپ سے نفع پہنچے اور وہ کام آئے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ مقررہ حصے اور میراث کے یہ احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہیں اس میں کسی کمی بیشی کی کسی=

---

❶ ترمذی، کتاب الفرائض، باب ما جاء فی میراث الإخوة من الأب والأم، ۲۰۹٤؛ ابن ماجة، ۲۷۱۵۔ وسنده ضعيف حارث الاعور راوی ضعیف ہے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ؕ

ترجمہ: تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ مریں اور ان کی اولاد نہ ہو تو آدھوں آدھ تمہارا ہے اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے چھوڑے ہوئے میں سے تمہارے لئے چوتھائی حصہ ہے اس وصیت کی ادائیگی کے بعد جو وہ کر گئی ہوں یا قرض کے بعد۔ اور جو تم چھوڑ جاؤ اس میں ان کی چوتھائی ہے اگر تمہاری اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر انہیں تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا اس وصیت کے بعد جو تم کر گئے ہو اور بعد ادائیگی قرض کے۔ جن کی میراث لی جاتی ہے وہ مرد یا عورت کلالہ ہو یعنی اس کا باپ بیٹا نہ ہو اور اسکا بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے۔ اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں یہ سب شریک ہیں اس وصیت کے بعد جو کی جائے اور قرض کے بعد جب اوروں کا نقصان نہ کیا گیا ہو۔ مقرر کیا ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور اللہ دانا ہے بردبار۔[۱۲]

= امید یا کسی خوف سے گنجائش نہیں نہ کسی کو محروم کر دینا لائق نہ کسی کو زیادہ دلوا دینا' اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہے جو جس کا مستحق ہے اسے اتنا دلواتا ہے' ہر چیز کی جگہ کو وہ بخوبی جانتا ہے تمہارے نفع نقصان کا اسے پورا علم ہے اس کا کوئی کام اور کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں تمہیں چاہئے کہ اسکے احکام اس کے فرمان مانتے چلے جاؤ۔

خاوند اور بیوی کے درمیان میراث کی تقسیم کا طریقہ کار: [آیت:۱۲] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے مردو! تمہاری عورتیں جو چھوڑ مریں اگر ان کی اولاد ہو تو اس میں سے آدھوں آدھ تمہارا ہے اور اگر ان کے بال بچے ہوں تو تمہیں چوتھائی صورت میں ملے گا وصیت اور قرض کے بعد۔ ترتیب اس طرح ہے پہلے قرض ادا کیا جائے پھر وصیت پوری کی جائے پھر ورثہ تقسیم ہو۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر تمام علمائے امت کا اجماع ہے۔ پوتے بھی اس مسئلہ میں حکم میں بیٹوں ہی کی طرح ہیں بلکہ ان کی اولاد در اولاد کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کی موجودگی میں خاوند کو چوتھائی ملے گا۔ پھر عورتوں کا حصہ بتایا کہ انہیں یا چوتھائی ملے گا یا آٹھواں حصہ' چوتھائی تو اس حالت میں کہ فوت ہونے والے خاوند کی اولاد نہ ہو' اور آٹھویں حصہ اس صورت میں کہ اولاد ہو اس چوتھائی یا آٹھویں حصے میں مرنے والے کی سب بیویاں شامل ہیں' چار ہوں تو یہ حصہ ان میں برابر تقسیم کیا جائے گا' تین یا دو ہوں تب بھی اور اگر ایک ہو تو اسی کا یہ حصہ ہے۔

کلالہ کی تقسیم میراث: ﴿مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ﴾ کی تفسیر اس سے پہلی آیت میں گزر چکی ہے کَلَالَہ مشتق ہے اکلیل سے

اِکْلِیْل کہتے ہیں اس تاج وغیرہ کو جو سر کو ہر طرف سے گھیر لے یہاں مراد یہ ہے کہ اس کے وارث اردگرد کے حاشیہ کے لوگ ہیں اصل اور فرع یعنی جڑ یا شاخ نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کَلَالَــہ کا معنی پوچھا جاتا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں اپنی رائے سے جواب دیتا ہوں اگر ٹھیک ہو تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اس سے بری الذمہ ہیں کَلَالَــہ وہ ہے جس کا نہ لڑکا ہو نہ باپ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو آپ نے بھی اس سے موافقت کی اور فرمایا کہ مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے سے خلاف کرتے ہوئے شرم آتی ہے (ابن جریر وغیرہ)۔ ❶ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سب سے آخری زمانہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پانے والا میں ہوں میں نے آپ سے سنا فرماتے تھے بات وہی ہے جو میں نے کہی ٹھیک اور درست یہی ہے کہ کلالہ اسے کہتے ہیں جس کا نہ والد ہو نہ ولد۔ حضرت علی ابن مسعود ابن عباس زید بن ثابت رضی اللہ عنہم شعبی نخعی حسن قتادہ جابر بن زید حکم رحمۃ اللہ علیہم بھی یہی فرماتے ہیں۔ ❷ اہل مدینہ اہل کوفہ اہل بصرہ کا بھی یہی قول ہے ساتوں فقہا چاروں امام اور جمہور سلف و خلف بلکہ تمام یہی فرماتے ہیں بہت سے بزرگوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے اور ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی آیا ہے۔ ❸ ابن لباب فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ کلالہ وہ ہے جس کی اولاد نہ ہو۔ لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے اور ممکن ہے کہ راوی نے مراد سمجھی ہی نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ اس کا بھائی یا بہن ہو یعنی ماں زاد جیسے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وغیرہ بعض سلف کی قراءت ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے تو ان میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے اگر زیادہ ہوں تو ایک ثلث میں سب شریک ہیں ماں زاد بھائی باقی وارثوں سے کئی وجہ سے مختلف ہیں ایک تو یہ کہ یہ باوجود اپنے ورثہ کے دلانے والے کے بھی وارث ہوتے ہیں مثلاً ماں دوسرے یہ کہ ان کے مرد و عورت یعنی بہن بھائی میراث میں برابر ہیں تیسرے یہ کہ یہ اسی وقت وارث ہوتے ہیں جب کہ میت کلالہ ہو پس باپ دادا کی بیٹے کے بیٹے کی موجودگی میں یہ وارث نہیں ہوتے چوتھے یہ کہ انہیں ثلث سے زیادہ نہیں ملتا گو یہ کتنے ہی ہوں مرد ہوں یا عورت۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ ہے کہ ماں زاد بہن بھائی کا ورثہ آپس میں اس طرح بٹے گا کہ مرد کے لئے دوہرا اور عورت کے لئے اکہرا۔

حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسا فیصلہ نہیں کر سکتے تا وقت کہ انہوں نے حضور ﷺ سے یہ نہ سنا ہو۔ آیت میں اتنا تو صاف ہے کہ اگر اس سے زیادہ ہوں تو ثلث میں شریک ہیں۔ اس صورت میں علما کا اختلاف ہے اگر میت کے وارثوں میں خاوند ہو اور ماں ہو یا دادی ہو اور دو ماں زاد بھائی ہوں اور ایک یا ایک سے زیادہ باپ کی طرف سے بھائی ہوں تو جمہور تو کہتے ہیں کہ اس صورت میں خاوند کو آدھا ملے گا اور ماں یا دادی کو چھٹا حصہ ملے گا اور ماں زاد بھائی کو تہائی ملے گا اور اسی میں سگے بھائی بھی شامل ہوں گے قدر مشترک کے طور پر جو ماں زاد بھائی ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک ایسی ہی صورت پیش آئی تھی تو آپ نے خاوند کو آدھا دلوایا اور ثلث ماں زاد بھائیوں کو دلوایا تو سگے بھائیوں نے بھی اپنے آپ کو پیش کیا۔ آپ نے فرمایا تم ان کے ساتھ شریک ہو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی اس طرح شریک کر دینا اور دو روایتوں میں سے ایک روایت ایسی ہی ابن مسعود اور زید بن ثابت اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ حضرت سعید بن مسیب قاضی شریح مسروق طاؤس محمد بن سیرین ابراہیم نخعی عمر بن عبدالعزیز ثوری اور شریک رحمۃ اللہ علیہم کا قول بھی یہی ہے امام مالک اور امام شافعی اور امام اسحٰق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہم بھی اسی طرف گئے ہیں ہاں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اس میں شرکت کے قائل نہ تھے بلکہ آپ اولاد ام کو اس حالت میں ثلث

❶ الطبری، ۸/ ۵۳۔ ❷ الطبری، ۸/ ۵۵۔ ❸ الحاکم، ٤/ ۳۳٦ وسندہ ضعیف۔

ولواتے تھے اور ایک ماں باپ کی اولاد کو کچھ نہیں دلاتے تھے اس لئے کہ یہ عصبہ ہیں اور عصبہ اس وقت پاتے ہیں جب ذوی الفروض سے بچ جائے بلکہ وکیع بن جراح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف مروی ہی نہیں، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کا قول بھی یہی ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مشہور یہی ہے، شعبی، ابن ابی لیلیٰ، ابوحنیفہ، ابویوسف، محمد بن حسن، حسن بن زیاد، زفر بن ہذیل، امام احمد، یحییٰ بن آدم، نعیم بن حماد، ابوثور، داؤد بن علی ظاہری رحمہم اللہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ ابوالحسین ابن لبان فرضی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، ملاحظہ ہو ان کی کتاب الایجاز۔

شرعی وصیت کا پورا کرنا ضروری ہے: پھر فرمایا ''یہ وصیت کے جاری کرنے کے بعد ہے۔'' وصیت ایسی ہو جس میں خلاف عدل نہ ہو کسی کو ضرر اور نقصان نہ پہنچایا گیا ہو نہ کسی پر ظلم و جبر کیا گیا ہو کسی وارث کا نہ ورثہ مارا گیا ہو نہ کم و بیش کیا گیا ہو۔ اس کے خلاف وصیت کرنے والا اور ایسی خلاف شرع وصیت میں کوشش کرنے والا اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی شریعت میں اس کے خلاف کرنے والا اور اس سے لڑنے والا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''وصیت میں کسی کو ضرر و نقصان پہنچانا کبیرہ گناہ ہے'' ❶ (ابن ابی حاتم)۔ نسائی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی اسی طرح مروی ہے۔ بعض روایتوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس فرمان کے بعد آیت کے اس ٹکڑے کی تلاوت کرنا بھی مروی ہے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ٹھیک بات یہی ہے کہ یہ مرفوع حدیث نہیں موقوف قول ہے۔ ❷ ائمہ کرام رحمہم اللہ کا اس میں اختلاف ہے کہ وارث کے لئے جو اقرار میت کر جائے آیا وہ صحیح ہے یا نہیں؟ بعض تو کہتے ہیں صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس میں تہمت لگنے کی گنجائش ہے۔ حدیث شریف میں بہ سند صحیح آ چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق پہنچا دیا ہے اب وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں، ❸ مالک، احمد بن حنبل، ابوحنیفہ رحمہم اللہ کا قول یہی ہے شافعی رحمہ اللہ کا بھی پہلا قول یہی تھا لیکن آخری قول یہ ہے کہ اقرار کرنا صحیح مانا جائے گا۔ طاؤس، عطاء، حسن، عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ کا قول بھی یہی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں اور اپنی کتاب صحیح بخاری شریف میں اسی کو ترجیح دیتے ہیں ان کی دلیل ایک یہ روایت بھی ہے کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ فزاریہ نے جس چیز پر اپنے دروازے بند کر رکھے ہوں وہ نہ کھولے جائیں۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے پھر فرمایا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کا یہ اقرار جائز نہیں بہ سبب وارثوں کے ساتھ بدگمانی کے، لیکن میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''بدگمانی سے بچو بدگمانی تو سب سے زیادہ جھوٹ ہے۔'' ❹ قرآن کریم میں اللہ کا فرمان موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ''جس کی جو امانت ہو وہ اسے پہنچا دو۔'' اس میں وارث اور غیر وارث کی کوئی تخصیص نہیں۔ ❺ یہ یاد رہے کہ یہ اختلاف اس وقت ہے جب اقرار فی الواقع صحیح ہو اور نفس الامر کے مطابق ہو اور اگر صرف حیلہ سازی ہو اور بعض وارثوں کو زیادہ دینے اور بعض کو کم پہنچانے کے لئے ایک بہانہ بنایا گیا ہو تو بالاجماع اسے پورا کرنا حرام ==

---

❶ دارقطني، ٤/ ١٥١، وسنده ضعيف جداً۔ ❷ النسائی فی الکبری، ١١٠٩٢، وسنده صحيح۔

❸ ابوداود، کتاب الوصایا، باب ماجاء فی الوصية للوارث، ٢٨٧٠ وسنده حسن؛ ترمذی، ٢١٢٠؛ ابن ماجة، ٢٧١٣؛ نسائی، ٣٦٧١۔ ❹ صحيح بخاری، کتاب الأدب، باب ماینهیٰ عن التحاسد والتدابر، ٦٠٦٤؛ صحيح مسلم، ٢٥٦٣؛ ابوداود، ٤٨٨٢، ٤٩١٧؛ ترمذی، ١٩٢٨۔

❺ صحيح بخاری، کتاب الوصایا، باب قول الله ﴿من بعد وصية يوصي بها......﴾ قبل حديث: ٢٧٤٩۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝

ترجمہ: یہ حدیں اللہ کی مقرر کی ہوئی ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی اور اسکے رسول ﷺ کی فرماں برداری کرے گا اسے اللہ تعالیٰ جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔[۱۳] اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے اور اس کی مقررہ حدوں سے آگے نکلے اسے وہ جہنم میں ڈال دیگا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا' ایسوں ہی کیلئے اہانت کرنے والا عذاب ہے۔[۱۴]

= ہے۔ اور اس آیت کے صاف الفاظ بھی اس کی حرمت کا فتویٰ دیتے ہیں (اقرار کے فی الواقع صحیح ہونے کی صورت میں اس کا پورا کرنا ضروری ہے جیسا کہ دوسری جماعت کا قول ہے اور جیسا کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے' مترجم)۔ پھر فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں جو اللہ عظیم و اعلیٰ علم و حلم والا ہے۔

وصیت میں اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم رکھنے اور توڑنے پر جزا و سزا: [آیت: ۱۳۔۱۴] اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے اور اس کی مقرر کی ہوئی حدوں سے آگے نکل جائے اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا جس میں ہمیشہ رہے گا' ایسوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے یعنی یہ فرائض اور یہ مقدار جسے اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے اور میت کے وارثوں کو ان کی قرابت کی نزدیکی اور ان کی حاجت کے مطابق جتنا حصہ جسے دلوایا ہے یہ سب اللہ کی حدود ہیں تم ان حدوں کو نہ توڑو نہ اس سے آگے بڑھو' جو شخص اللہ کے ان احکام کو مان لے' کوئی حیلہ حوالہ کر کے کسی وارث کو کم و بیش دلوانے کی کوشش نہ کرے اللہ کا حکم اور اللہ کا فریضہ جوں کا توں بجالائے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے ہیشگی والی جاری پانی والی نہروں کی جنت میں داخل کرے گا' یہ کامیاب نصیب ور اور مقصد کو پہنچنے والا اور مراد کو پانے والا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو بدل دے کسی وارث کے ورثے کو کم و بیش کر دے اللہ کی رضا کو پیش نظر نہ رکھے بلکہ اس کے حکم کو رد کر دے اور اس کے خلاف عمل کرے گویا اللہ کی تقسیم کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا اور اس کے حکم کو عدل نہیں سمجھتا تو ایسا شخص ہیشگی والے رسوائی اور اہانت والے دردناک اور ہیبت ناک عذابوں میں مبتلا رہے گا۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''ایک شخص ستر سال تک نیکی کے عمل کرتا رہتا ہے پھر وصیت کے وقت ظلم و ستم کرتا ہے اس کا خاتمہ برے عمل پر ہوتا ہے اور وہ جہنمی بن جاتا ہے اور ایک شخص برائی کا عمل ستر سال تک کرتا رہتا ہے پھر اپنی وصیت میں عدل کرتا ہے خاتمہ اس کا بہتر ہو جاتا ہے تو جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔''

پھر اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس آیت کو پڑھو ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ﴾ سے ﴿عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ تک۔ سنن ابی داؤد کے ''باب الاضرار فی الوصیہ'' میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''ایک مرد یا عورت اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ساٹھ سال تک لگے رہتے ہیں پھر موت کے وقت وصیت میں ضرر و نقصان پہنچا جاتے ہیں تو ان کے لئے جہنم واجب ہو =

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ۝۱۵ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝۱۶

ترجمہ: تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں ان پر اپنے میں سے چار گواہ رکھو اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں قید رکھو یہاں تک کہ موت ان کی عمریں پوری کر دے یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راستہ نکالے[۱۵] تم میں سے جو مرد ایسا کام کر لیں انہیں ایذا دو۔ اگر وہ توبہ اور اصلاح کر لیں تو ان سے منہ پھیر لو۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔[۱۶]

= جاتی ہے۔'' پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ﴾ سے آخر آیت تک پڑھی۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے' امام ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن غریب کہتے ہیں۔ مسند احمد میں یہ حدیث تمام و کمال کے ساتھ موجود ہے۔ ❶

ابتدائے اسلام میں فاحشہ عورتوں کی سزا کا بیان: [آیت:۱۵۔۱۶] ابتدائے اسلام میں یہ حکم تھا کہ جب عادل گواہوں کی سچی گواہی سے کسی عورت کی سیاہ کاری ثابت ہو جائے تو اسے گھر سے باہر نہ نکلنے دیا جائے گھر میں ہی قید کر دیا جائے اور ہمیشہ قید میں رہے یعنی موت سے پہلے اسے نہ چھوڑا جائے۔ اس کا بیان فرما کر پھر فرماتا ہے کہ ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راہ بتا دے۔ پھر جب دوسری صورت کی سزا تجویز ہوئی تو وہ ناسخ ٹھہری اور یہ حکم ہٹ گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب تک سورہ نور کی آیت نہ اتری زنا کار عورت کا یہی حکم رہا۔ پھر اس آیت میں شادی شدہ کو رجم کرنے یعنی پتھر مار مار کر مار ڈالنے اور بے شادی شدہ کو کوڑے مارنے کا حکم اترا۔ حضرت عکرمہ' حضرت سعید بن جبیر' حضرت حسن' حضرت عطاء خراسانی' حضرت ابو صالح' حضرت قتادہ' حضرت زید بن اسلم اور حضرت ضحاک رحمہ اللہ علیہم کا بھی یہی قول ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اس امر پر سب کا اتفاق ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی اترتی تو آپ پر اس کا بڑا اثر پڑتا اور تکلیف محسوس ہوتی اور چہرہ کا رنگ بدل جاتا' پس اللہ تعالیٰ نے ایک دن اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمائی جب وہ ہٹ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میری بات لے لو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے راستہ نکال دیا ہے اگر شادی شدہ عورت اور شادی شدہ مرد ہو تو ایک سو کوڑے پھر پتھروں سے مار ڈالنا اور غیر شادی شدہ ہوں تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی'' (مسلم وغیرہ) ❷ ترمذی وغیرہ میں بھی یہ حدیث الفاظ کے ہیر پھیر سے مروی ہے' امام ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن صحیح کہتے ہیں' اسی طرح ابوداود میں بھی۔ ❸ ابن مردویہ کی غریب حدیث میں کنوارے اور بیاہے ہوئے کے اس حکم کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ دونوں اگر بڈھے ہوں تو انہیں رجم کر دیا =

---

❶ أحمد، ۲/ ۲۷۸؛ أبوداود، ۲۸٦۷؛ ابن ماجة، ۲۷۰٤، وسنده حسن۔

❷ أحمد، ٥/ ۳۱۸؛ صحيح مسلم، كتاب الحدود باب حد الزنى، ۱٦۹۰۔

❸ أبوداود، كتاب الحدود، باب في الرجم، ٤٤۱٥؛ ترمذي، ۱٤۳٤؛ ابن ماجة، ۲٥٤۹؛ وصحيح مسلم، ۱۳/ ۱٦۹۰۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَأُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۗ أُولٰٓئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا ﴿١٨﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ صرف ان ہی لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو بوجہ نادانی کوئی برائی کر گزریں پھر جلد اس سے باز آ جائیں اور توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی انکی توبہ قبول کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑے علم والا حکمت والا ہے۔[١٧] ان کی توبہ کی قبولیت کا وعدہ نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آ جائے تو کہہ دے کہ میں نے اب توبہ کی' نہ ان کی توبہ ہے جو کفر پر ہی مر جائیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے ہم نے المناک عذاب تیار کر رکھے ہیں۔[١٨]

= جائے' ❶ لیکن یہ حدیث غریب ہے۔ طبرانی میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا ''سورہ نساء کے اترنے کے بعد اب روک رکھنے کا حکم نہیں رہا۔'' ❷ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اس حدیث کے مطابق یہی ہے کہ زانی شادی شدہ کو کوڑے بھی لگائے جائیں گے اور رجم بھی کیا جائے گا۔ اور جمہور کہتے ہیں کہ کوڑے نہیں لگیں گے صرف رجم کیا جائے گا اس لئے کہ نبی ﷺ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو اور غامدیہ عورت کو رجم کیا لیکن کوڑے نہیں مارے' اسی طرح دو یہودیوں کو بھی آپ ﷺ نے رجم کا حکم دیا اور رجم سے پہلے انہیں بھی کوڑے نہیں لگوائے۔ پس جمہور کے اس قول کے مطابق معلوم ہوا کہ انہیں کوڑے لگانے کا حکم منسوخ ہے ضروری نہیں' وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔ پھر فرمایا کہ اس بے حیائی کے کام کو دو مرد اگر آپس میں کریں انہیں ایذا پہنچاؤ یعنی برا بھلا کہہ کر شرم و غیرت دلا کر جوتیاں لگا کر۔ یہ حکم بھی اسی طرح پر رہا یہاں تک کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے کوڑے اور رجم سے منسوخ فرمایا۔ حضرت عکرمہ' عطاء' حسن' عبداللہ بن کثیر رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں اس سے مراد بھی مرد و عورت ہیں۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مراد وہ نوجوان مرد ہیں جو شادی شدہ نہ ہوں۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لواطت کے بارے میں یہ آیت ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جسے تم لواطت کرتے دیکھو اسے اور اس دوسرے کو دونوں کو قتل کر ڈالو' ❸ اگر یہ دونوں باز آ جائیں اپنی بدکاری سے توبہ کریں اپنے اعمال کی اصلاح کر لیں اور ٹھیک ٹھاک ہو جائیں تو اب ان کے ساتھ درشت کلامی اور سختی سے پیش نہ آؤ اس لئے کہ گناہ سے توبہ کر لینے والا مثل گناہ نہ کرنے والے کے ہے۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور بردباری کرنے والا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''اگر کسی کی لونڈی بدکاری کرے تو اس کا مالک اسے حد لگا دے اور ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے ❹ یعنی حد لگ جانے کے بعد پھر اسے عار نہ دلایا کرے کیونکہ حد کفارہ ہے۔''

❶ ابن مردویہ وسندہ ضعیف جداً۔ ❷ دار قطنی، ٤/ ١٦٨؛ بیھقی، ٦/ ١٦٢، وسندہ ضعیف۔

❸ أبوداود، کتاب الحدود، باب فیمن عمل عمل قوم لوط، ٤٤٦٢ وسندہ حسن؛ ترمذی، ١٤٥٦؛ ابن ماجة، ٢٥٦١۔

❹ صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب لا یثرب علی الأمة إذا زنت، ٦٨٣٩؛ صحیح مسلم، ١٧٠٣۔

بھول کر جو گناہ سرزد ہو جائے اس کی توبہ ہے: [آیت: ۱۷۔۱۸] مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے ان بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو ناواقفیت کی وجہ سے کوئی برا کام کر بیٹھیں' پھر توبہ کر لیں گو یہ توبہ فرشتہ موت کو دیکھ لینے کے بعد غرغرے سے پہلے ہو' حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں جو بھی قصداً یا غلطی سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے وہ جاہل ہے جب تک کہ اس سے باز نہ آ جائے' ❶ ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرمایا کرتے تھے کہ بندہ جو گناہ کرے وہ جہالت ہے۔ ❷ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ بھی صحابہ کے ایک مجمع سے اسی طرح کی روایت کرتے ہیں عطاء رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

توبہ کا دروازہ کب تک کھلا رہتا ہے؟ جلدی توبہ کر لینے کی تفسیر میں مروی ہے کہ ملک الموت کو دیکھ لینے سے پہلے عالم سکرات کے قریب کہا گیا ہے' اپنی صحت میں توبہ کر لینی چاہئے۔ غرغرے کے وقت سے پہلے کی توبہ قبول ہے حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا کل کی کل قریب ہی ہے۔ اس کے متعلق حدیثیں سنئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جب تک غرغرہ شروع نہ ہو" (ترمذی)۔ ❸ جو بھی مؤمن بندہ اپنی موت سے مہینہ بھر پہلے توبہ کر لے اس کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتا ہے یہاں تک کہ اس کے بعد بھی بلکہ موت سے ایک دن پہلے بھی بلکہ ایک ساعت پہلے بھی جو بھی اخلاص اور سچائی کے ساتھ اپنے رب کی طرف جھکے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو اپنی موت سے ایک سال پہلے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور جو مہینہ پہلے توبہ کرے اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور جو ہفتہ بھر پہلے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس توبہ قبول فرماتا ہے اور جو ایک دن پہلے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی تو آپ نے فرمایا میں وہی کہتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے مسند احمد میں ہے کہ چار صحابی جمع ہوئے ان میں سے ایک نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے ❹ "جو شخص اپنی موت سے ایک دن پہلے بھی توبہ کر لے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔" دوسرے نے پوچھا کیا سچ مچ تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے سنا ہے؟ اس نے کہا ہاں' تو دوسرے نے کہا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ "اگر آدھا دن پہلے بھی توبہ کر لے تو بھی اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔" تیسرے نے کہا تم نے یہ سنا ہے؟ کہاں ہاں' میں نے خود سنا ہے۔ کہا میں نے سنا ہے کہ "اگر ایک پہر پہلے توبہ نصیب ہو جائے تو وہ بھی قبول ہوتی ہے۔" چوتھے نے کہا تم نے یہ سنا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ کہا میں نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہاں تک سنا ہے کہ "جب تک اس کے نرخرے میں روح نہ آ جائے توبہ کے دروازے اس کے لئے بھی کھلے رہتے ہیں۔" ❺ ابن مردویہ میں مروی ہے کہ جب تک غرغرہ شروع نہ ہو تب تک توبہ قبول ہے۔ ❻ کئی ایک مرسل احادیث میں بھی یہ مضمون موجود ہے۔

---

❶ الطبری، ۸/ ۸۹۔ ❷ ایضاً۔

❸ ترمذی، کتاب الدعوات، باب إن الله يقبل توبة العبد ما لم يغرغر، ۳۵۳۷؛ وهو حسن، ابن ماجة، ۴۲۵۳۔

❹ مسند الطیالسی، ۲۲۸۴، اس کی سند ایوب کی وجہ سے ضعیف ہے۔

❺ احمد، ۳/ ۴۲۵، وسنده ضعیف اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن البیلمانی ضعیف راوی ہے (المیزان، ۲/ ۵۵۱، رقم: ۴۸۲۷) جس کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔ دیکھئے (الموسوعة الحديثية، ۲۴/ ۲۵۶) ❻ مسند البزار، ۳۲۴۳؛ مجمع الزوائد، ۱۰/ ۱۹۸ اس کی سند میں یزید بن عبدالملک متروک راوی ہے۔ (المیزان، ۴/ ۴۳۳، رقم: ۹۷۲۶) لہٰذا یہ روایت مردود ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾

ع ۸

ترجمہ: ایمان والو! تمہیں حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کو ورثے میں لے بیٹھو۔ انہیں اس لئے روک نہ رکھو کہ جو تم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے کچھ لے لو ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کوئی کھلی برائی اور بے حیائی کریں۔ ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے بودو باش رکھو گو تم انہیں ناپسند کرو لیکن بہت ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو برا جانو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت ہی بھلائی کر دے۔[۱۹] اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا چاہو اور ان میں سے کسی کو تم نے خزانہ کا خزانہ دے رکھا ہو تو بھی تم اس میں سے کچھ بھی نہ لو۔ کیا تم اسے ناحق اور کھلا گناہ ہوتے ہوئے بھی لے لو گے؟[۲۰] تم اسے کیسے لے لو گے حالانکہ تم ایک دوسرے سے مل چکے ہو اور ان عورتوں نے تم سے مضبوط عہد و پیمان لے رکھا ہے۔[۲۱] ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے مگر جو گزر چکا۔ یہ بے حیائی کا کام اور بغض کا سبب ہے اور بڑی بری راہ ہے۔[۲۲]

حضرت ابوقلابہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہا اللہ تعالیٰ نے جب ابلیس پر لعنت نازل فرمائی تو اس نے ڈھیل طلب کی اور کہا تیری عزت اور تیرے جلال کی قسم کہ ابن آدم کے جسم میں جب تک روح رہے گی میں اس کے دل سے نہ نکلوں گا۔ اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرمایا مجھے اپنی عزت اور اپنے جلال کی قسم میں بھی جب تک اس میں روح رہے گی اس کی توبہ قبول کروں گا۔ ❶ ایک مرفوع حدیث میں بھی اس کے قریب قریب مروی ہے۔

پس ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک بندہ زندہ ہے اور اسے اپنی حیات کی امید ہے تب تک وہاں اللہ تعالیٰ کی طرف جھک کے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور اس پر رجوع کرتا ہے اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے' ہاں جب زندگی سے مایوس ہو جائے' فرشتوں کو دیکھ لے اور روح بدن سے نکل کر حلق تک پہنچ جائے سینے میں گھٹنے لگے حلق میں اٹکے غرغرہ شروع ہو تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اس لئے اس کے بعد فرمایا کہ مرتے دم تک جو گناہوں پر اڑا رہے اور موت دیکھ کر کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں تو ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں ہوتی' جیسے اور جگہ ہے ﴿فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ﴾ ❷ (دو آیتوں تک) مطلب یہ =

❶ وسندہ حسن الی ابی قلابہ رحمۃ اللہ علیہ، یہ حدیث نہیں بلکہ ابوقلابہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

❷ ٤٠/ المؤمن: ٨٤۔

= ہے کہ ہمارے عذابوں کا معائنہ کر لینے کے بعد ایمان کا اقرار کرنا نفع نہیں دیتا۔ اور جگہ ہے ﴿یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ﴾ ❶ الخ۔ مطلب یہ ہے کہ جب مخلوق سورج کو مغرب کی طرف سے چڑھتے ہوئے دیکھ لے گی اس وقت جو ایمان لائے یا نیک عمل کرے اسے نہ اس کا عمل نفع دے نہ اس کا ایمان۔

مشرک کی بخشش نہیں ہے: پھر فرماتا ہے کہ کفر و شرک پر مرنے والے کو بھی ندامت و توبہ فائدہ نہ دے گی نہ فدیہ اور بدلہ قبول کیا جائے گا گو زمین بھر کر سونا دینا چاہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں یہ آیت اہل شرک کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ قبول کرتا ہے اور اسے بخش دیتا ہے جب تک پردہ نہ پڑ جائے'' کہا گیا کہ پردہ پڑنے سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا ''شرک کی حالت میں جان نکل جانا' ❷ ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے سخت دردناک المناک ہمیشگی والے عذاب تیار کر رکھے ہیں۔''

زمانہ جاہلیت اور عورت کو وراثت میں لینے کا بیان: [آیت: ۱۹-۲۲] صحیح بخاری میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص مر جاتا تو اس کے وارث اس کی عورت کے پورے حقدار سمجھے جاتے اگر ان میں سے کوئی چاہتا تو اپنے نکاح میں لے لیتا اگر وہ چاہتے تو دوسرے کسی کے نکاح میں دے دیتے اگر چاہتے تو نکاح ہی نہ کرنے دیتے عورت والوں سے زیادہ حقدار اس عورت کے یہی گنے جاتے تھے۔ جاہلیت کی اس رسم کے خلاف یہ آیت نازل ہوئی۔ ❸ دوسری روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ لوگ اس عورت کو مجبور کرتے کہ وہ مہر کے حق سے دست بردار ہو جائے یا یونہی بے نکاحی بیٹھی رہے۔ ❹ یہ بھی مروی ہے کہ ان میں سے کوئی آ کر اس عورت کا خاوند مرتے ہی اس پر اپنا کپڑا ڈال دیتا اور وہی اس کا مختار سمجھا جاتا۔ اور روایت میں ہے کہ یہ کپڑا ڈالنے والا اسے حسین پاتا تو اپنے نکاح میں لے لیتا اگر یہ بدصورت ہوتی تو اسے یونہی روکے رکھتا یہاں تک کہ مر جائے پھر اس کے مال کا یہ وارث بنتا۔ یہ بھی مروی ہے کہ مرنے والے کا کوئی گاڑھا دوست کپڑا ڈال دیتا پھر اگر وہ عورت کچھ فدیہ اور بدلہ دے تو وہ اسے نکاح کرنے کی اجازت دیتا ورنہ یونہی مر جاتی۔ حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ کا یہ دستور تھا وارث اس عورت کا بھی وارث بن جاتا تھا یہ لوگ عورتوں کے ساتھ بڑی بری طرح پیش آتے تھے یہاں تک کہ طلاق دیتے وقت بھی شرط کر لیتے تھے کہ جہاں میں چاہوں وہاں تیرا نکاح ہو۔ اس طرح کی قید و بند سے آزادگی کی پھر یہ صورت ہوتی تھی کہ وہ عورت کچھ دے دلا کر اپنی جان چھڑاتی' پس اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو اس سے منع فرما دیا۔ ابن مردویہ میں ہے کہ جب ابو قیس بن اسلت کا انتقال ہوا تو ان کے بیٹے نے انکی بیوی سے نکاح کرنا چاہا جیسے کہ جاہلیت میں دستور تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی بچہ کی سنبھال پر اسے لگا دیتے تھے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی مر جاتا تو اس کا لڑکا اس کی بیوی کا زیادہ حقدار سمجھا جاتا اگر چاہتا خود اپنی اس سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتا اور اگر چاہتا دوسرے کے نکاح میں دے دیتا مثل بھائی کے بھتیجے کے یا جس کے چاہے۔

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ ابو قیس کی اس بیوی کا نام کبشہ تھا' ۔ اس نے اس صورت کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی کہ نہ مجھے یہ لوگ وارثوں میں شمار کر کے میرے خاوند کا ورثہ دیتے ہیں نہ مجھے چھوڑتے ہیں کہ میں اور کہیں اپنا نکاح کر لوں' اس پر یہ

---

❶ ٦/ الانعام:١٠٩۔ ❷ احمد، ٥/ ١٧٤ وسنده ضعيف؛ مسند البزار، ٣٢٤١ اس کی سند میں عمر بن نعیم مجہول (المیزان ٢/ ٦٥١، رقم: ٤٨٢٨، ٣/ ٢٢٨، رقم: ٦٢٣٥) جبکہ مکحول کا ابوذر رضی اللہ عنہ سے لقاء ثابت نہیں۔

❸ صحيح بخارى، كتاب التفسير، سورة النسآء، باب ﴿لا يحل لكم أن ترثوا النسآء كرها﴾، ٤٥٧٩؛ ابوداود، ٢٠٨٩۔

❹ ابوداود، كتاب النكاح، باب في قوله تعالىٰ ﴿لا يحل لكم أن ترثوا......﴾ ٢٠٩٠، وسنده حسن۔

آیت نازل ہوئی۔ ❶ ایک روایت میں ہے کہ کپڑا ڈالنے کی رسم سے پہلے ہی اگر کوئی عورت بھاگ کھڑی ہو اور اپنے میکے آ جائے تو وہ چھوٹ جاتی تھی۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو یتیم بچی ان کی ولایت میں ہوتی اسے یہ رو کے رکھتے' اس امید پر کہ جب ہماری بیوی مر جائے گی تو ہم اس سے نکاح کر لیں گے یا اپنے لڑکے سے اس کا نکاح کرا دیں گے۔ ان سب اقوال سے معلوم ہوا کہ ان تمام صورتوں کی ممانعت اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کر دی اور عورتوں کی جان اس مصیبت سے چھڑا دی' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ پھر فرماتا ہے کہ عورتوں کی بود و باش میں انہیں تنگ کر کے تکلیف دے دے کر مجبور نہ کرو کہ وہ اپنا سارا مہر چھوڑ دیں یا اس میں سے کچھ چھوڑ دیں یا اپنے کسی اور واجبی حق وغیرہ سے دست برداری پر آمادہ ہو جائیں کیونکہ انہیں ستایا اور مجبور کیا جا رہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ عورت ناپسند ہے دل نہیں ملا چھوڑنا چاہتا ہے لیکن اس صورت میں مہر وغیرہ تمام حقوق دینے پڑیں گے اس سے بچنے کے لئے اسے ستاتا ہے' طرح طرح سے تنگ کرتا ہے تاکہ وہ خود اپنے حقوق چھوڑ کر بھی چلے جانے پر آمادہ ہو جائے تو اس صورت سے قرآن پاک نے مسلمانوں کو روک دیا۔

ابن سلمانی فرماتے ہیں ان دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت امر جاہلیت کو مٹانے کے لئے اور دوسری امر اسلام کی اصلاح کے لئے نازل ہوئی۔ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں مگر اس صورت میں کہ ان سے کھلی بے حیائی کا کام صادر ہو جائے' اس سے مراد بقول اکثر مفسرین صحابہ و تابعین وغیرہ' زنا کاری ہے یعنی اس صورت میں جائز ہے کہ اس سے مہر لوٹا لینا چاہئے اور اسے تنگ کرے تاکہ خلع پر رضامند ہو' ❷ جیسے سورۂ بقرہ کی آیت میں ہے ﴿وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ﴾ ❸ الخ یعنی تمہیں حلال نہیں کہ تم انہیں دیئے ہوئے میں سے کچھ بھی لو مگر اس حالت میں کہ دونوں کو اللہ تعالیٰ کی حدیں قائم نہ رکھ سکنے کا خوف ہو الخ۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے ﴿فَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ سے مراد خاوند کا خلاف کرنا' اس کی نافرمانی کرنا' بدزبانی کج خلقی کرنا حقوق زوجیت اچھی طرح ادا نہ کرنا وغیرہ ہے۔ ❹ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت کے الفاظ عام ہیں زنا کو اور اس کو دونوں کو شامل ہیں یعنی ان تمام صورتوں میں خاوند کو مباح ہے کہ اسے تنگ کرے تاکہ وہ اپنا کل حق یا تھوڑا حق چھوڑ دے اور پھر یہ اسے الگ کر دے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان بہت ہی مناسب ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ یہ روایت بھی پہلے گزر چکی ہے کہ یہاں تک اس آیت کے اترنے کا سبب وہی جاہلیت کی رسم ہے جس اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پورا بیان امر جاہلیت اسلام سے ہٹا دینے کے لئے ہوا ہے۔

ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مکہ کے قریش میں یہ بات جاری تھی کہ کسی شخص نے کسی شریف عورت سے نکاح کیا اور موافقت نہ ہوتی تو یہ اسے طلاق دے دیتا تھا' لیکن یہ شرط کر لیتا تھا کہ بغیر اس کی اجازت کے یہ دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی' اس بات پر گواہ شاہد مقرر ہو جاتے اور اقرار نامہ لکھ لیا جاتا۔ اب اگر کہیں سے پیغام آئے اور وہ عورت راضی ہو تو یہ کہتا کہ مجھے اتنی رقم دے تو میں تجھے نکاح کی اجازت دوں گا۔ اگر وہ ادا کر دیتی تو خیر ورنہ یونہی اسے رو کے رکھتا اور دوسرا نکاح نہ کرنے دیتا۔ اس کی ممانعت اس آیت میں نازل ہوئی۔ بقول مجاہد رحمۃ اللہ علیہ یہ حکم اور سورۂ بقرہ کی آیت کا حکم دونوں ایک ہی ہیں۔ پھر فرمایا عورتوں کے ساتھ خوش سلوکی سے رہو سہو ان کے ساتھ اچھا برتاؤ برتو' نرم بات کہو نیک سلوک کرو اپنی حالت بھی اپنی طاقت کے مطابق اچھی رکھو جیسے تم چاہتے ہو کہ وہ تمہارے لئے بنی سنوری ہوئی اچھی حالت میں رہے تم خود اپنی حالت بھی اچھی رکھو' جیسے اور جگہ فرمایا ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ

---

❶ الطبری، ٨٨٧٤، اس کی سند میں حجاج بن ارطاۃ مدلس راوی ہے۔ (المیزان، ١/ ٤٥٨، رقم:١٧٢٦) لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

❷ الطبری، ٨/ ١١٥۔ ❸ ٢/ البقرۃ:٢٢٩۔ ❹ الطبری، ٨/ ١١٧۔

بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ❶ یعنی جیسے تمہارے حقوق ان پر ہیں ان کے حقوق بھی تم پر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنی گھر والی کے ساتھ سب سے بہتر سلوک کرنے والا ہو میں اپنی بیویوں سے بہت اچھی گھر داری برتتا ہوں''۔ ❷

نبی ﷺ کا اپنی بیویوں سے حسن سلوک: نبی کریم ﷺ اپنی بیویوں کے ساتھ بہت لطف وخوشی سے بہت نرم اخلاقی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے ان کو خوش رکھتے تھے ان سے ہنسی دل لگی کی باتیں کیا کرتے تھے ان کے دل اپنی مٹھی میں رکھتے انہیں اچھی طرح کھانے پینے کو دیتے تھے کشادہ دلی کے ساتھ ان پر خرچ کرتے تھے ایسی خوش طبعی کی باتیں بیان فرماتے جن سے وہ ہنس دیتیں۔ ایسا بھی ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ ﷺ نے دوڑ کی جس دوڑ میں صدیقہ رضی اللہ عنہا آگے نکل گئیں۔ کچھ مدت بعد پھر دوڑ ہوئی اب کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پیچھے رہ گئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا ''ادلا بدلا ہو گیا'' ❸ اس سے بھی آپ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ حضرت صدیقہ خوش رہیں ان کا دل بہلے۔ جس بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہا کے ہاں آپ ﷺ کو رات گزارنی ہوتی وہیں آپ ﷺ کی کل بیویاں جمع ہو جاتیں دو گھڑی بیٹھتیں بات چیت ہوتی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ان سب کے ساتھ ہی حضور ﷺ رات کا کھانا تناول فرماتے پھر سب اپنے اپنے گھر چلی جاتیں اور آپ ﷺ وہیں آرام فرماتے جن کی باری ہوتی۔ اپنی بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایک ہی چادر میں سوتے کرتا نکال ڈالتے صرف تہبند بندھا ہوا ہوتا۔ عشاء کی نماز کے بعد گھر جا کر دو گھڑی ادھر ادھر کی کچھ باتیں کرتے جس سے گھر والیوں کا جی خوش ہو الغرض نہایت ہی محبت پیار کے ساتھ اپنی بیویوں کو آپ ﷺ رکھتے تھے۔ پس مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ اپنی بیویوں کے ساتھ اچھی طرح راضی خوشی محبت پیار سے رہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تمہاری اچھائی میرے نبی کی پیروی میں ہے۔ اس کے تفصیلی احکام کی جگہ تفسیر نہیں بلکہ اسی مضمون کی کتابیں ہیں وَالْحَمْدُلِلّٰہِ۔ پھر فرماتا ہے کہ باوجود جی نہ چاہنے کے بھی عورتوں سے اچھی بود و باش رکھنے میں بسا ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑی بھلائی عطا فرمائے ممکن ہے نیک اولاد ہو جائے اور اس سے اللہ تعالیٰ بہت سی خیر نصیب کرے۔ صحیح حدیث میں ہے ''مؤمن مرد مؤمنہ عورت کو الگ نہ کرے اگر اس کی ایک آدھ بات سے ناراض ہو گا تو ایک آدھ خصلت اچھی بھی ہو گی۔'' ❹

حق مہر کے بارے میں چند احکام: پھر فرماتا ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے اور اس کی جگہ دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہے تو اسے دیے ہوئے مہر میں سے کچھ بھی واپس نہ لے گو ایک خزانہ کا خزانہ دیا ہوا ہو۔ سورہ آل عمران کی تفسیر میں قنطار کا پورا بیان گزر چکا ہے اس لئے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مہر میں بہت سارا مال دینا بھی جائز ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پہلے بہت لمبے چوڑے مہر سے منع فرمادیا تھا پھر اپنے قول سے رجوع کیا جیسے کہ مسند احمد میں ہے کہ آپ نے فرمایا عورتوں کے مہر باندھنے میں زیادتی نہ کرو اگر یہ دنیوی طور پر کوئی بھلی چیز ہوتی یا اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ تقویٰ کی چیز ہوتی تو تم سب سے پہلے اس پر اللہ تعالیٰ کے رسول عمل کرتے۔ حضور ﷺ نے اپنی کسی بیوی کا یا کسی بیٹی کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ مقرر نہیں کیا (تقریباً سوا سو روپیہ)۔ انسان لمبا مہر باندھ کر پھر مصیبت میں پڑ جاتا ہے یہاں تک کہ

❶ ۲/ البقرة:۲۲۸۔ ❷ ترمذی، کتاب المناقب، باب فضل ازواج النبی، ۳۸۹۵، وھو صحیح۔

❸ ابوداود، کتاب الجھاد، باب فی السبق علی الرجل، ۲۵۷۸ وسندہ صحیح؛ ابن ماجة، ۱۹۷۹، مختصراً۔

❹ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیة بالنسآء، حدیث ۱۴۶۷۔

رفتہ رفتہ اس کی بیوی اسے بوجھ معلوم ہونے لگتی ہے اور اس کے دل میں اس کی دشمنی بیٹھ جاتی ہے اور کہنے لگتا ہے کہ تو نے تو میرے کندھوں پر مشک لٹکوادی ❶ یہ حدیث بہت سی کتابوں میں مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ایک میں ہے کہ آپ نے منبر نبوی پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ ''لوگو! تم نے کیوں لمبے چوڑے مہر باندھنے شروع کر دیئے ہیں؟'' رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے تو چار سو درہم (تقریباً سو روپیہ) مہر باندھا ہے اگر یہ زیادتی تقویٰ اور کرامت کا سبب ہوتی تو تم اس کی طرف سبقت نہ لے جاتے' خبردار آج سے میں یہ نہ سنوں کہ کسی نے چار سو درہم سے زیادہ کا مہر مقرر کیا ہے۔ یہ فرما کر آپ نیچے اتر آئے تو ایک قریشیہ عورت سامنے آئیں اور کہنے لگیں امیر المومنین! کیا آپ نے چار سو درہم سے زیادہ کے مہر سے لوگوں کو منع فرما دیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ کہا کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا کلام جو اس نے نازل فرمایا ہے نہیں سنا؟ کہا وہ کیا۔ کہا سنئے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا﴾ الخ ''تم نے انہیں خزانہ دیا ہو'' الخ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ مجھے معاف فرما' عمر سے تو ہر شخص زیادہ سمجھدار ہے۔ پھر آپ واپس چلے گئے اور اسی وقت منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں سے فرمایا' اے لوگو! میں نے تمہیں چار سو درہم سے زیادہ کے مہر سے روک دیا تھا لیکن اب کہتا ہوں جو شخص اپنے مال میں سے مہر میں جتنا چاہے دے' اپنی خوشی سے جتنا مہر مقرر کرنا چاہے کرے' میں نہیں روکتا۔ ❷ ایک روایت میں اس عورت کا اس آیت کو اس طرح پڑھنا مروی ہے ﴿وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا مِنْ ذَهَبٍ﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں بھی اسی طرح ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا بھی مروی ہے کہ ایک عورت عمر پر غالب آ گئی۔ ❸ اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا تھا گو ذی الغصہ یعنی یزید بن حصین حارثی کی بیٹی ہو پھر بھی مہر اس کا زیادہ مقرر نہ کرو اور اگر تم نے کیا تو وہ زیادتی کی رقم میں بیت المال میں لے لوں گا۔ اس پر ایک دراز قد چوڑی ناک والی عورت نے کہا کہ حضرت! آپ یہ حکم نہیں دے سکتے۔ الخ۔ ❹

مہر واپس نہیں لیا جا سکتا: پھر فرماتا ہے کہ تم اپنی بیوی کے دیئے ہوئے مہر کیسے واپس لوٹا سکتے ہو؟ حالانکہ تم نے اس سے فائدہ اٹھایا یا حاجت روائی کی وہ تم سے اور تم اس سے مل گئے یعنی میاں بیوی کے تعلقات بھی قائم ہو گئے۔ صحیح بخاری و مسلم کی اس حدیث میں ہے کہ جس میں ایک شخص کا اپنی بیوی کی نسبت زنا کاری کرنے کا الزام حضور ﷺ کے سامنے عائد کرنا پھر ان دونوں کا قسمیں کھانا اور اس کے بعد آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ ''اللہ تعالیٰ بخوبی علم والا ہے کہ تم دونوں میں سے کون جھوٹا ہے؟ کیا تم میں سے کوئی اب بھی توبہ کرتا ہے؟'' تین دفعہ یہ فرمایا تو اس مرد نے کہا میں نے جو اپنا مال اس کے مہر میں دیا ہے اس کی بابت کیا فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اسی کے بدلے تو یہ تیرے لئے حلال ہوئی تھی اب اگر تو نے اس پر جھوٹی تہمت باندھی ہے تو اور بھی دور کی بات ہو گئی۔'' ❺ اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت نضر رضی اللہ عنہ نے ایک کنواری سے نکاح کیا جب اس سے ملے تو دیکھا کہ

---

❶ احمد، ۱/ ۴۰؛ ابوداود، کتاب النکاح، باب الصداق، ۲۱۰۶؛ وھو حسن، ترمذی، ۱۱۱۴؛ نسائی، ۳۳۵۱؛ ابن ماجة، ۱۸۸۷۔
❷ ابو یعلیٰ وسندہ ضعیف۔ ❸ مصنف عبدالرزاق، ۱۰۴۲۰، وسندہ ضعیف۔
❹ اس کی سند میں مصعب بن ثابت ضعیف راوی ہے۔ (المیزان، ۴/ ۱۱۸، رقم: ۸۵۵۸) جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا لقاء بھی ثابت نہیں۔ لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔
❺ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب صداق الملاعنہ، ۵۳۱۱؛ صحیح مسلم، ۱۴۹۳۔

اسے زنا کا حمل ہے‘ حضور ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے اسے الگ کرا دیا اور مہر دلوا دیا اور اس عورت کو کوڑے مارنے کا حکم دیا اور فرمایا ”جو بچہ ہوگا وہ تیرا غلام ہے اور مہر تو سبب تھا اس کی حلت کا“ (ابوداؤد)۔ ❶ غرض آیت میں بھی مطلب یہی ہے کہ دونوں میاں بیوی میں خلوت وصحبت ہو چکی ہے پھر مہر واپس لینا کیا معنی رکھتا ہے۔ پھر فرمایا کہ عقد نکاح جو مضبوط عہد و پیمان ہے اس میں تم جکڑے جا چکے ہو‘ اللہ کا یہ فرمان تم سن چکے ہو کہ بساؤ تو اچھی طرح اور الگ کرو تو عمدہ طریقہ سے چنانچہ ایک حدیث میں بھی ہے کہ ”تم ان عورتوں کو اللہ تعالیٰ کی امانت سے لیتے ہو اور ان کو اپنے لئے اللہ تعالیٰ کے کلمہ سے حلال کرتے ہو“ یعنی خطبہ نکاح کے تشہد سے۔ رسول اللہ ﷺ کو معراج والی رات جو بہترین انعامات عطا ہوئے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ سے فرمایا گیا تیری امت کا کوئی خطبہ جائز نہیں جب تک وہ اس امر کی گواہی نہ دیں کہ تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے (ابن ابی حاتم)۔ ❷ صحیح مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا ہے ”تم نے عورتوں کو اللہ تعالیٰ کی امانت سے لیا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے کلمے سے اپنے لئے حلال کیا ہے۔“ ❸

باپ کی منکوحہ بیٹے کیلئے حرام ہے: پھر اللہ تعالیٰ سوتیلی ماؤں کی حرمت بیان فرماتا ہے اور ان کی تعظیم اور توقیر ظاہر کرتا ہے یہاں تک کہ باپ نے کسی عورت سے صرف نکاح کیا ابھی وہ رخصت ہو کر بھی نہیں آئی جو طلاق ہو گئی یا باپ مر گیا وغیرہ تو بھی وہ عورت اس کے بیٹے پر حرام ہو جاتی ہے۔ اس پر اجماع ہے۔ حضرت ابوقیس رضی اللہ عنہ جو بڑے بزرگ اور نیک انصاری صحابی تھے اس کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے قیس نے ان کی بیوی سے مانگا ڈالا جو ان کی سوتیلی ماں تھیں اس پر اس بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا بیشک تو اپنی قوم میں نیک ہے لیکن میں تو تجھے اپنا بیٹا شمار کرتی ہوں‘ خیر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جاتی ہوں۔ یہاں آئیں اور حضور ﷺ سے ساری کیفیت بیان کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”اپنے گھر لوٹ جاؤ۔“ ❹ پھر یہ آیت اتری کہ جس سے باپ نے نکاح کیا اس سے بیٹے کا نکاح حرام ہے۔ ایسے واقعات اور بھی اس وقت موجود تھے جنہیں اس ارادہ سے باز رکھا گیا‘ ایک تو یہی ابوقیس والا واقعہ‘ ان بیوی صاحبہ کا نام ام عبید اللہ ضمرہ تھا۔ دوسرا واقعہ خلف کا تھا انکے گھر میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں ان کے انتقال کے بعد اس کے لڑکے صفوان نے اسے اپنے نکاح میں لانا چاہا تھا‘ سہیلی کہتے ہیں جاہلیت میں اس نکاح کا معمول تھا اور اسے باقاعدہ نکاح سمجھا جاتا تھا اور بالکل حلال گنا جاتا تھا‘ اسی لئے یہاں بھی فرمایا گیا کہ جو پہلے گزر چکا سو گزر چکا‘ جیسے دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت کو بیان فرما کر بھی یہی کہا گیا۔ کنانہ بن خزیمہ نے بھی یہی کیا تھا کہ اپنے باپ کی بیوی سے اپنا نکاح کیا تھا نضر اسی کے بطن سے پیدا ہوا تھا اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان موجود ہے کہ ”میری اوپر کی نسل بھی باقاعدہ نکاح سے ہی ہے نہ کہ زنا سے“ ❺ تو معلوم ہوا کہ یہ بات ان میں برابر جاری تھی اور جائز تھی اور وہ اسے نکاح شمار کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جن جن رشتوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے ان سب کو جاہلیت والے بھی حرام ہی جانتے تھے سوائے اپنی سوتیلی ماں کے اور دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح

---

❶ ابوداود، کتاب النکاح، باب الرجل یتزوج المراۃ فیجدھا حبلی، ۲۱۳۱، وسندہ ضعیف۔

❷ وسندہ ضعیف ابن جریج مدلس راوی ہے اور اس نے یہ روایت ابراہیم بن ابی یحیٰ سے سنی ہے اور ابراہیم متروک راوی ہے۔

❸ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی، ۱۲۱۸؛ ابوداود، ۱۹۰۵؛ ابن ماجۃ، ۳۰۷۴۔

❹ بیھقی، ۷/ ۱۶۱، یہ روایت مرسل یعنی ضعیف ہے۔ اور اشعث بن سوار اور قیس بن ربیع جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔ (المیزان، ۱/ ۲۶۳، رقم: ۹۹۶، ۳/ ۳۹۳، رقم: ۶۹۱۱)

❺ وسندہ ضعیف۔

میں رکھنے کے، پس اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں ان دونوں رشتوں کو بھی حرام ٹھہرا دیا۔ حضرت عطاء اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ یاد رہے کہ سہیلی نے کنانہ کا جو واقعہ نقل کیا ہے وہ غور طلب اور قابل نظر ہے۔ بالکل صحیح نہیں وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ۔ بہرصورت یہ رشتہ اس امت والوں پر حرام ہے اور نہایت قبیح امر ہے۔ یہاں تک کہ فرمایا یہ نہایت فحش اور برا کام ہے اور بغض کا سبب اور برا راستہ ہے۔ اور جگہ فرمان ہے ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ﴾ ❶ الخ یعنی ''کسی برائی بے حیائی اور فحش کام کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ بالکل ظاہر ہو خواہ پوشیدہ ہو۔'' اور فرمان ہے ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا﴾ ❷ الخ۔ ''زنا کے قریب نہ جاؤ یقیناً وہ فحش کام ہے اور بری راہ ہے۔'' یہاں اس سے بھی زیادہ فرمایا کہ یہ کام ساتھ ہی ساتھ بڑے بغض کا ہے یعنی فی نفسہٖ بھی بڑا برا امر ہے۔ اس سے باپ بیٹے میں عداوت پڑ جاتی ہے اور دشمنی ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہ ظاہر ہے اور عموماً پایا جاتا ہے کہ جو شخص کسی عورت سے نکاح کرتا ہے وہ اس کے پہلے خاوند سے بغض ہی رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں امہات المؤمنین قرار دی گئیں اور امت پر مثل ماں کے حرام کی گئیں کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں آپ مثل باپ کے ہیں۔ بلکہ اجماع سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق باپ دادوں کے حقوق سے بھی بہت زیادہ اور بہت بڑے ہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت خود اپنی جانوں کی محبت پر بھی مقدم ہے صَلَوٰتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے بغض کا موجب ہے اور برا راستہ ہے اب جو ایسا کام کرے وہ دین سے مرتد ہے اسے قتل کر دیا جائے اور اس کا مال بیت المال میں بطور فے کے داخل کر لیا جائے۔ سنن اور مسند احمد میں مروی ہے کہ ایک صحابی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی طرف بھیجا جس نے اپنے باپ کی بیوی سے باپ کے بعد نکاح کیا تھا کہ ''اسے قتل کر ڈالو اور اس کا مال لے لو۔'' ❸ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے چچا حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا جھنڈا لے کر میرے پاس سے گزرے، میں نے پوچھا کہ چچا! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کہاں بھیجا ہے؟ فرمایا اس شخص کی طرف جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کیا ہے مجھے حکم ہے کہ ''میں اس کی گردن ماروں'' (مسند احمد)۔ ❹

مسئلہ: اس پر تو علما کا اجماع ہے کہ جس عورت سے باپ نے مباشرت کر لی خواہ نکاح کر کے خواہ ملکیت میں لا کے خواہ شبہ سے، وہ عورت بیٹے پر حرام ہے، ہاں اگر جماع نہ ہوا ہو صرف مباشرت ہوئی ہو یا وہ اعضاء دیکھے ہوں جن کا دیکھنا اجنبیہ ہونے کی صورت میں حلال نہ تھا تو اس میں اختلاف ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ تو اس صورت میں بھی اس عورت کو لڑکے پر حرام بتلاتے ہیں۔ حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کے اس واقعہ سے بھی اس مذہب کی تقویت ہوتی ہے کہ حضرت خدیج حمصی رحمۃ اللہ علیہ نے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مولیٰ تھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کیلئے ایک لونڈی خریدی جو گورے رنگ کی اور خوب صورت تھی اور بغیر کپڑوں کے اسے انکے پاس بھیج دیا۔ انکے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی اس سے اشارہ کر کے کہنے لگے اچھا نفع ہوتا اگر اس کیلئے اسباب ہوتا، پھر کہنے لگے اسے یزید بن معاویہ کے پاس لے جاؤ، پھر کہا نہیں ٹھہرو ربیعہ بن عمرو حرسی کو میرے پاس بلا لاؤ۔ یہ بڑے فقیہ تھے، جب آئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ مسئلہ پوچھا کہ میں نے اس عورت کے یہ اعضاء دیکھے یہ کپڑے پہنے ہوئے نہ تھی اب میں اسے اپنے لڑکے یزید کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں تو کیا یہ اس کے لئے حلال ہے؟ حضرت ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا امیر المؤمنین ایسا نہ کیجئے یہ اس کے قابل نہیں رہی۔ فرمایا تم ٹھیک کہتے ہو، اچھا=

---

❶ ٦/ الانعام: ١٥٢۔ ❷ ١٧/ الاسرآء: ٣٢۔

❸ احمد، ٤/ ٢٩٧؛ ابوداود، كتاب الحدود، باب فى الرجل يزنى بحريمه، ٤٤٥٧ وسنده صحيح؛ ترمذى، ١٣٦٢؛ نسائى، ٣٣٣٣؛ ابن ماجة، ٢٦٠٧۔

❹ احمد، ٤/ ٢٩٢، وسنده ضعيف اس کی سند میں اشعث بن سوار ضعیف راوی ہے۔(الميزان، ١/ ٢٦٣، رقم: ٩٩٦)

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۡ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۡ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٢٣﴾

ترجمہ: حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری لڑکیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھائی کی لڑکیاں اور بہن کی لڑکیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری دودھ بہنیں اور تمہاری ساس اور تمہاری وہ پرورش کردہ لڑکیاں جو تمہاری گودیوں میں ہیں تمہاری ان عورتوں سے جن سے تم دخول کر چکے ہو ہاں اگر تم نے ان سے جماع نہ کیا ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اور تمہارے صلبی سگے بیٹوں کی بیویاں اور تمہارا دو بہنوں کو جمع کرنا ہاں جو گزر چکا سو گزر چکا' یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔[۲۳]

= جاؤ عبداللہ بن مسعدہ فزاری کو بلا لاؤ۔ وہ آئے' وہ گندمی رنگ کے تھے ان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس لونڈی کو میں تمہیں دیتا ہوں تاکہ تمہاری اولاد سفید رنگ پیدا ہو۔ یہ عبداللہ بن مسعدہ رضی اللہ عنہ وہ ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیا تھا' آپ نے انہیں پالا پرورش کیا پھر اللہ کے نام پر آزاد کر دیا پھر یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے آئے تھے۔

وہ عورتیں جن سے نکاح حرام ہے: [آیت:۲۳] نسبی رضاعی اور سسرالی رشتے سے جو عورتیں مرد پر حرام ہیں ان کا بیان اس آیہ کریمہ میں ہو رہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سات عورتیں بوجہ نسب کے حرام ہیں اور سات بوجہ سسرال کے پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی۔ بہن کی لڑکیوں تک تو نسبی رشتے ہیں۔ ❶ جمہور علمائے کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ زنا سے جو لڑکی پیدا ہوئی ہو وہ بھی اس زانی پر حرام ہے کیونکہ یہ بھی بیٹی ہے اور بیٹیاں حرام ہیں۔ یہی مذہب ابوحنیفہ، مالک اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ اس کی اباحت میں بھی حکایت کیا گیا ہے اس لئے کہ شرعاً یہ بیٹی نہیں' پس جیسے کہ ورثے کے بارے میں یہ بیٹی کے حکم میں شامل نہ ہو کر ورثہ نہیں پاتی اسی طرح اس آیت کی حرمت میں بھی وہ داخل نہیں ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

(**صحیح مذہب** وہی ہے جس پر جمہور ہیں۔ مترجم) پھر فرماتا ہے کہ جس طرح تم پر تمہاری سگی ماں حرام ہے اسی طرح رضاعی ماں بھی حرام ہے۔ **صحیح بخاری** و**مسلم** میں ہے کہ ''رضاعت بھی اسے حرام کرتی ہے جسے ولادت حرام کرتی ہے۔ **صحیح مسلم** میں ہے کہ رضاعت سے بھی وہ حرام ہے جو نسب سے حرام ہے۔'' ❷ بعض فقہا نے اس میں سے چار صورتیں اور بعضوں نے چھ صورتیں مخصوص کی ہیں جو احکام کے فروع کی کتابوں میں ہیں' لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ اس میں سے کچھ بھی مخصوص نہیں اس لئے کہ اسی کی مثل بعض صورتیں نسب میں بھی پائی جاتی ہیں اور ان صورتوں میں کی بعض صرف سسرالی رشتہ کی وجہ سے حرام ہیں پس حدیث پر کچھ اعتراض نہیں پڑتا' وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

کتنی مقدار سے رضاعت ثابت ہوتی ہے اور مدت رضاعت کا بیان: ائمہ کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ کتنی مرتبہ دودھ پینے

---

❶ الطبری، ۸/ ۱٤۲۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب الشهادات، باب الشهادة علی الانساب...... ۲٦٤٦؛ صحیح مسلم، ۱٤٤٤، ۱٤٤۷۔

سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ بعض تو کہتے ہیں کہ تعداد معین نہیں دودھ پیتے ہی حرمت ثابت ہوگئی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ یہی فرماتے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ' سعید بن مسیب' عروہ بن زبیر' اور زہری رحمۃ اللہ علیہم کا قول بھی یہی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ رضاعت یہاں عام ہے۔ بعض کہتے ہیں تین مرتبہ جب پیئے تو حرمت ثابت ہوگئی جیسے کہ صحیح مسلم میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''ایک مرتبہ کا چوسنا یا دو مرتبہ کا پی لینا حرام نہیں کرتا۔'' ❶ یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ امام احمد' اسحاق بن راہویہ' ابوعبیدہ، ابوثور رحمۃ اللہ علیہم بھی یہی فرماتے ہیں' حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' حضرت ام فضل' حضرت ابن زبیر سلیمان بن یسار' سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہم سے بھی یہی مروی ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ پانچ مرتبہ کے دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے اس سے کم میں نہیں۔ اس کی دلیل صحیح مسلم میں یہ روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پہلے قرآن میں دس مرتبہ کے دودھ پلانے پر حرمت کا حکم اترا تھا پھر وہ منسوخ ہو کر پانچ مرتبہ رہ گیا حضور ﷺ کے فوت ہونے تک وہ قرآن میں پڑھا جاتا رہا۔ ❷ دوسری دلیل سہلہ بنت سہیل کی روایت میں ہے کہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو جو حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے مولیٰ تھے پانچ مرتبہ دودھ پلائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی حدیث کے مطابق جو عورت کسی کا آنا جانا پسند کرتی اسے یہی حکم دیتیں۔ ❸ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی فرمان ہے کہ پانچ مرتبہ دودھ پینا معتبر ہے (مترجم کی تحقیق میں بھی راجح قول یہی ہے' وَاللّٰـهُ أَعْلَمُ۔) یہ بھی یاد رہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ رضاعت دودھ چھٹنے سے پہلے یعنی دو سال کے اندر اندر کی عمر میں ہو' اس کا مفصل بیان آیت ﴿حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ کی تفسیر میں سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس رضاعت کا اثر رضائی ماں کے خاوند تک بھی پہنچے گا یا نہیں؟ تو جمہور کا اور ائمہ اربعہ کا فرمان تو یہ ہے کہ پہنچے گا' اور بعض سلف کا قول ہے کہ صرف دودھ پلانے والی تک ہی رہے گا اور رضائی باپ تک نہیں پہنچے گا۔ اس کی تفصیل کی جگہ احکام کی بڑی بڑی کتابیں ہیں نہ کہ تفسیر۔ (صحیح قول جمہور کا ہے' وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔ مترجم)۔

پھر فرماتا ہے ساس حرام ہے۔ جس لڑکی سے نکاح ہو بوجہ نکاح ہونے کے اس کی ماں اس پر حرام ہوگئی خواہ صحبت کرے یا نہ کرے۔ ہاں جس عورت کے ساتھ نکاح کرتا ہے اور اس کی لڑکی اس کے اگلے خاوند سے اس کے ساتھ ہے تو اگر اس سے صحبت کی تو وہ لڑکی حرام ہوگئی اگر مجامعت سے پہلے ہی اس عورت کو طلاق دیدی تو وہ لڑکی اس پر حرام نہیں' اسی لئے اس آیت میں یہ قید لگائی۔ بعض لوگوں نے ضمیر کو ساس اور ان پرورش کی ہوئی لڑکیوں دونوں کی طرف لوٹایا ہے وہ کہتے ہیں کہ ساس بھی اس وقت حرام ہوتی ہے جب اس کی لڑکی سے اس کے داماد نے خلوت کی ورنہ نہیں' صرف عقد سے نہ تو عورت کی ماں حرام ہوئی نہ عورت کی بیٹی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی لڑکی سے نکاح کیا پھر دخول سے پہلے ہی طلاق دیدی تو وہ اس کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے جب کہ ربیبہ لڑکی سے اس کی ماں کو اسی طرح کی طلاق دینے کے بعد نکاح کر سکتا ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے ایک اور روایت میں آپ سے مروی ہے کہ آپ فرماتے تھے ''جب وہ عورت غیر مدخولہ مر جائے اور یہ خاوند اس کی میراث لے تو پھر اس کی ماں کو لانا مکروہ ہے ہاں اگر دخول سے پہلے طلاق دے دی ہے تو اگر چاہے کر سکتا ہے۔'' حضرت بکر بن کنانہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الرضاعة، باب فی المصة والمصتان، ١٤٥٠، من طریق آخر عن عائشة رضی اللہ عنہا؛ ابوداود، ٢٠٦٣؛ ترمذی، ١١٥٠؛ نسائی، ٣٣١٤؛ ابن ماجة، ١٩٤١۔

❷ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب تحریم بخمس رضعات، ١٤٥٢؛ ابوداود، ٢٠٦٢؛ ترمذی، ١١٥٠؛ نسائی، ٣٣٠٩۔

❸ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب رضاعة الکبیر، ١٤٥٣؛ نسائی، ٣٣٢١؛ ابن ماجة، ١٩٤٣۔

ہیں کہ میرا نکاح میرے باپ نے طائف کی ایک عورت سے کرایا ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ اس کا باپ میرا چچا فوت ہو گیا اس کی بیوی یعنی میری ساس بے خاوندرہ گئی اور تھیں وہ بہت مالدار تھا تو میرے باپ نے مجھے مشورہ دیا کہ میں اس کی لڑکی کو چھوڑ دوں اور اس سے نکاح کر لوں' میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا تمہارے لئے یہ جائز ہے' پھر میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ جائز نہیں' میں نے اپنے والد سے ذکر کیا انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا اور ان دونوں بزرگوں کے فتوے بھی لکھے۔ اس کے جواب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا کہ میں نہ تو حرام کو حلال کروں نہ حلال کو حرام تم جانو اور تمہارا کام' تم حالت دیکھ رہے ہو معاملہ کے تمام پہلو تمہاری نگاہوں کے سامنے ہیں اس کے سوا بھی عورتیں بہت ہیں۔ غرض نہ اجازت دی نہ انکار کیا۔ چنانچہ میرے باپ نے اپنا خیال اس کی ماں کی طرف سے ہٹا لیا اور میرا نکاح پھر اس سے نہ کرایا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عورت کی لڑکی اور عورت کی ماں کا حکم ایک ہی ہے اگر عورت سے دخول نہ کیا ہو تو یہ دونوں حلال ہیں۔ لیکن اس کی اسناد میں مبہم راوی ہے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے' ابن جبیر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی اسی طرف گئے ہیں' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس میں توقف فرمایا ہے' شافعیوں میں سے ابوالحسن احمد بن محمد صابونی سے بھی بقول رافعی یہی مروی ہے' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کے مثل مروی ہے لیکن پھر آپ نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا ہے۔ طبرانی میں ہے کہ قبیلہ فزارہ کی شاخ قبیلہ بنو کمخ کے ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا پھر اس کی رانڈ ماں کے حسن کی طرف طبیعت جھکی تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھا کہ کیا مجھے اس کی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ چنانچہ اس نے اس لڑکی کو طلاق دے کر اس کی ماں سے نکاح کر لیا اس سے اولاد بھی ہوئی پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ آئے اور اس مسئلہ کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ حلال نہیں۔ چنانچہ آپ واپس کوفہ گئے اور اس سے کہا کہ اس عورت کو الگ کر دے یہ تجھ پر حرام ہے۔ اس نے اس فرمان کی تعمیل کی اور اسے الگ کر دیا۔ جمہور علما اس طرف ہیں کہ لڑکی تو صرف عقد نکاح سے حرام نہیں ہوتی تاوقتیکہ اس کی ماں سے مباشرت نہ کی ہو ہاں ماں صرف لڑکی کے عقد نکاح ہوتے ہی حرام ہو جاتی ہے گو مباشرت نہ ہوئی ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دخول سے پہلے طلاق دے دے یا وہ عورت مر جائے تو اس کی ماں اس پر حلال نہیں چونکہ یہ مبہم ہے اس لئے اسے ناپسند فرمایا۔ ❶ حضرت ابن مسعود، عمران بن حصین رضی اللہ عنہما، مسروق' طاؤس' عکرمہ، عطاء' حسن' مکحول' ابن سیرین' قتادہ اور زہری رحمۃ اللہ علیہم سے بھی اسی طرح مروی ہے چاروں اماموں' ساتوں فقہا اور جمہور علمائے سلف و خلف کا یہی مذہب ہے' وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ. امام ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ٹھیک قول انہی حضرات کا ہے جو اس کو دونوں صورتوں میں حرام بتلاتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حرمت کے ساتھ دخول کی شرط نہیں لگائی جیسے کہ لڑکی کی ماں کے لئے یہ شرط لگائی ہے' پھر اس پر اجماع ہے' جو ایسی دلیل ہے کہ اس کا خلاف کرنا اس وقت جائز ہی نہیں جب کہ اس پر اتفاق ہو۔ اور ایک غریب حدیث میں یہ بھی مروی ہے گو اس کی سند میں کلام ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کہ کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرے اسے اس کی ماں سے نکاح کرنا حلال نہیں اس لڑکی سے مل لیا ہو تو اور نہ ملا ہو تو بھی' ہاں جس عورت سے نکاح کیا ہے پھر ملنے سے پہلے ہی اسے طلاق دے دی ہے تو اگر چاہے اس کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے۔ ❷ گو اس حدیث کی سند کمزور ہے لیکن اس مسئلہ پر اجماع ہو چکا ہے جو اس کی صحت پر ایسا گواہ ہے جس کے بعد دوسری گواہی کی ضرورت نہیں (ٹھیک مسئلہ یہی ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ. مترجم)۔

---

❶ وسنده ضعيف۔ ❷ الطبری، ۸۹۵۷۔ وسنده ضعيف۔

پھر فرماتا ہے تمہاری پرورش کی ہوئی وہ لڑکیاں جو تمہاری گود میں ہوں یہ بھی تم پر حرام ہیں بشرطیکہ تم نے اپنی ان سوتیلی لڑکیوں کی ماں سے صحبت کی ہو۔ جمہور کا فرمان ہے کہ خواہ گود میں پلی ہوں یا نہ پلی ہوں حرام ہیں' چونکہ عموماً ایسی لڑکیاں اپنی ماں کے ساتھ ہی ہوتی ہیں اور اپنے سوتیلے باپوں کے ہاں ہی پرورش پاتی ہیں اس لئے یہ کہہ دیا گیا ہے کہ یہ کوئی قید نہیں' جیسے اس آیت میں ہے ﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾ ❶ یعنی تمہاری لونڈیاں اگر پاکدامن رہنا چاہتی ہوں تو تم انہیں بدکاری پر بے بس نہ کرو۔ یہاں بھی یہ قید کہ اگر وہ پاکدامن رہنا چاہیں صرف باعتبار واقعہ کے غلبہ کے ہے یہ نہیں کہ اگر وہ خود ایسی نہ ہوں تو انہیں بدکاری پر آمادہ کرو۔ اسی طرح اس آیت میں ہے کہ گود میں گو نہ ہوں پھر بھی حرام ہیں۔

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ میری بہن ابوسفیان کی لڑکی غزہ سے نکاح کر لیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کیا تم یہ چاہتی ہو؟'' مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہاں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو خالی تو رکھ نہیں سکتی پھر میں اس بھلائی میں اپنی بہن کو ہی کیوں نہ شامل کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سنو مجھے وہ حلال نہیں۔'' ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے کہا ہم تو سنتی ہیں آپ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ان کی وہ بیٹی جو ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہے؟'' کہا ہاں۔ فرمایا ''سنو اولاً تو وہ مجھ پر اس وجہ سے حرام ہے کہ وہ میری ربیبہ ہے جو میرے ہاں پرورش پا رہی ہے' دوسرے یہ کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو بھی وہ مجھ پر حرام تھیں اس لئے کہ وہ میرے دودھ بھائی کی بیٹی میری بھتیجی ہیں' مجھے اور اس کے باپ ابوسلمہ کو ثویبہ نے دودھ پلایا ہے خبردار اپنی بیٹیاں اور اپنی بہنیں مجھ پر پیش نہ کرو۔'' ❷ بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں اگر میرا نکاح ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نہ ہوا ہوتا تو بھی وہ مجھ پر حلال نہ تھیں۔ ❸ پس حرمت کی اصل صرف نکاح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرار دیا' یہی مذہب چاروں اماموں' ساتوں فقیہوں اور جمہور سلف وخلف رحمہ اللہ کا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر وہ اس کے ہاں پرورش پاتی ہو تو حرام ہے ورنہ نہیں۔

حضرت مالک بن اوس بن حدثان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میری بیوی اولاد چھوڑ کر مر گئیں مجھے ان سے بہت محبت تھی اس وجہ سے ان کی موت کا مجھے بڑا صدمہ ہوا' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے میری اتفاقیہ ملاقات ہوئی تو آپ نے مجھے مغموم پا کر دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ میں نے واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا تجھ سے اگلے خاوند سے بھی اس کی کوئی اولاد ہے میں نے کہا ہاں ایک لڑکی ہے اور وہ طائف میں رہتی ہے فرمایا پھر اس سے نکاح کر لو۔ میں نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی کہ پھر اس کا کیا مطلب ہو گا؟ آپ نے فرمایا یہ تو اس وقت ہے جبکہ اس نے تیرے ہاں پرورش پائی ہو اور وہ تو بقول تیرے طائف میں ہے تیرے پاس ہے ہی نہیں۔ ❹ گو اس کی اسناد صحیح ہیں لیکن یہ قول بالکل غریب ہے۔ داؤد بن علی ظاہری رحمہ اللہ' اور اس کے اصحاب بھی اسی طرف گئے ہیں' رافعی رحمہ اللہ نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا بھی یہی قول بتلایا ہے' ابن حزم نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے' ہمارے شیخ حافظ ابوعبداللہ ذہبی رحمہ اللہ نے ہم سے کہا کہ میں نے یہ بات شیخ امام تقی الدین ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے سامنے پیش کی تو آپ نے اسے بہت مشکل محسوس کیا اور توقف فرمایا' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ **حجور** سے مراد گھر ہے جیسے کہ حضرت ابوعبیدہ رحمہ اللہ سے مروی ہے یہاں جو لونڈی ملکیت میں ہو اور اس کے ساتھ اس کی لڑکی ہو اس کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ ایک کے بعد دوسری جائز ہو گی یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا میں اسے

---

❶ ۲۴/ النور:۳۳۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب ﴿وامهاتكم التي أرضعنكم﴾ ۵۱۰۱؛ صحیح مسلم، ۱۴۴۹۔

❸ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب عرض الانسان ابنته...... ۵۱۲۳۔

❹ ابن ابی حاتم، وسندہ صحیح۔

پسند نہیں کرتا' اس کی سند منقطع ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایسے ہی سوال کے جواب میں فرمایا ہے ایک آیت سے یہ حلال معلوم ہوتی ہے دوسری آیت سے حرام اس لئے میں تو اسے ہرگز نہ کروں۔ شیخ ابو عمر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علما میں اس مسئلہ میں کوئی خلاف نہیں کہ کسی کو حلال نہیں کہ کسی عورت سے بوجہ اس کی ملکیت ہونے کے وطی کرے پھر اس کی لڑکی سے بھی اسی ملکیت کی بنا پر وطی کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نکاح میں بھی حرام قرار دیا ہے یہ آیت ملاحظہ ہو اور علما کے نزدیک احکام نکاح کے تابع ہے مگر جو روایت حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کی جاتی ہے۔ لیکن ائمہ فتویٰ اور ان کے متبعین میں سے کوئی بھی اس پر نہیں۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ربیبہ کی لڑکی اور اس لڑکی کی لڑکی اسی طرح جس قدر نیچے یہ رشتہ چلا جائے سب حرام ہیں۔ حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح بہ روایت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ مروی ہے ﴿دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾ سے مراد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تو فرماتے ہیں ان سے نکاح کرنا ہے' حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ رخصت کر دی جائے کپڑا ہٹا دیا جائے چھیڑ ہو جائے اور ارادے سے مرد بیٹھ جائے۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے سوال کیا کہ اگر یہ کام عورت ہی کے گھر میں ہوا ہو۔ فرمایا وہاں یہاں دونوں کا حکم ایک ہی ہے ایسا اگر ہو گیا تو اس کی لڑکی اس پر حرام ہو گئی۔ ❶ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صرف خلوت اور تنہائی ہو جانے سے اس کی لڑکی کی حرمت ثابت نہیں ہوتی اگر مباشرت کرنے اور ہاتھ لگانے اور شہوت سے اس کے عضو کی طرف دیکھنے سے پہلے ہی طلاق دے دی ہے تو تمام کے اجماع سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ لڑکی اس پر حرام نہ ہو گی تاوقتیکہ جماع نہ ہوا ہو۔

صلبی اور رضاعی بیٹوں کی بیویاں حرام جبکہ لے پالک بیٹوں کی بیویاں حلال ہیں: پھر فرمایا تمہاری بہوئیں بھی تم پر حرام ہیں جو تمہاری اپنی اولاد کی بیویاں ہوں یعنی لے پالک لڑکوں کی بیویاں حرام نہیں' ہاں سگے لڑکے کی بیوی یعنی بہو اپنے خسر پر حرام ہے جیسے اور جگہ ہے ﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ﴾ ❷ الخ یعنی جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اسے تیرے نکاح میں دے دیا تا کہ مومنوں پر ان کے لے پالک لڑکوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے۔ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سنا کرتے تھے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی بیوی سے نکاح کر لیا تو مکہ کے مشرکوں نے کائیں کائیں شروع کر دی' اس پر یہ آیت اور آیت ﴿وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ﴾ ❸ اور آیت ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ﴾ ❹ نازل ہوئیں' ❺ یعنی بیشک صلبی لڑکے کی بیوی حرام ہے تمہارے لے پالک لڑکے شرعاً تمہاری اولاد کے حکم میں نہیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں حسن بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں مبہم ہیں جیسے تمہارے لڑکوں کی بیویاں تمہاری ساسیں' حضرت طاؤس' ابراہیم' زہری' اور مکحول رحمۃ اللہ علیہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ میں کہتا ہوں مبہم سے مراد عام ہیں یعنی مدخول بہا اور غیر مدخول دونوں کو شامل ہیں صرف نکاح کرتے ہی حرمت ثابت ہو جاتی ہے' خواہ صحبت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو' اس مسئلہ پر اتفاق ہے۔

اگر کوئی شخص سوال کرے کہ رضاعی بیٹے کی بیوی کی حرمت کیسے ثابت ہو گی کیونکہ آیت میں تو صلبی بیٹے کا ذکر ہے تو جواب یہ ہے کہ وہ حرمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رضاعت سے وہ حرام ہے ❻ جو نسب سے حرام ہے۔ جمہور کا مذہب یہی ہے کہ رضاعی بیٹے کی بیوی بھی حرام ہے بعض لوگوں نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

---

❶ الطبری، ٨/ ١٤٨۔ ❷ ٣٣/ الاحزاب: ٣٧۔ ❸ ٣٣/ الاحزاب: ٤۔

❹ ٣٣/ الاحزاب: ٤٠۔ ❺ الطبری، ٨/ ١٤٩۔

❻ صحیح بخاری، کتاب الشهادات، باب الشهادة علی الانساب، ٢٦٤٦؛ صحیح مسلم، ١٤١٤۔

دو بہنوں کو ایک نکاح میں رکھنا حرام ہے: پھر فرماتا ہے کہ دو بہنوں کا نکاح میں جمع کرنا بھی تم پر حرام ہے۔اسی طرح ملکیت کی لونڈیوں کا حکم ہے کہ دو بہنوں سے ایک ہی وقت وطی حرام ہے' مگر جاہلیت کے زمانہ میں جو ہو چکا اس سے ہم درگزر کرتے ہیں' پس معلوم ہوا کہ اب یہ کام آئندہ کسی وقت جائز نہیں' جیسے اور جگہ ہے ﴿لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى﴾ ❶ یعنی وہاں موت نہ پائیں گے ہاں پہلی موت جو آئی تھی وہ آ چکی۔تو معلوم ہوا کہ اب آئندہ کبھی موت نہیں آئے گی۔صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین ائمہ اور سلف وخلف کے علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کا اجماع ہے کہ دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا حرام ہے' اور جو شخص مسلمان ہوا اور اس کے نکاح میں دو بہنیں ہوں تو اسے اختیار دیا جائے گا کہ ایک کو رکھ لے اور دوسری کو طلاق دے دے اور یہ اسے کرنا ہی پڑے گا۔حضرت فیروز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں جب مسلمان ہوا تو میرے نکاح میں دو عورتیں تھیں جو آپس میں بہنیں تھیں پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ ''ان میں سے ایک کو طلاق دے دوں'' (مسند احمد)۔ابن ماجہ' ابوداؤد اور ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے' ❷ ترمذی میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ''ان میں سے جسے چاہو ایک کو رکھ لو اور ایک کو طلاق دیدو۔'' امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن کہتے ہیں۔ابن ماجہ میں ابوخراش سے ایسا واقعہ بھی مذکور ہے ❸ ممکن ہے کہ ضحاک بن فیروز کی کنیت ابوخراش ہو اور یہ واقعہ ایک ہی ہو اور اس کے خلاف بھی ممکن ہے۔

حضرت دیلمی رضی اللہ عنہ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں سے جسے چاہو ایک کو طلاق دیدو (ابن مردویہ) پس دیلمی سے مراد فیروز ہیں۔یہ یمن کے ان سرداروں سے تھے جنہوں نے اسود عنسی متنبی ملعون کو قتل کیا۔

ایسی دو لونڈیوں سے بیک وقت جماع کرنا جو آپس میں بہنیں ہوں: دو لونڈیوں کو جو آپس میں بہنیں ہوں ایک ساتھ جمع کر کے ان سے وطی کرنا بھی حرام ہے' اس کی دلیل اس آیت کا عموم ہے جو بیویوں اور لونڈیوں کو شامل ہے۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کا سوال ہوا تو آپ نے مکروہ بتلایا۔سائل نے کہا قرآن میں جو ہے ﴿اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ یعنی مگر وہ جن کے مالک تمہارے دائیں ہاتھ ہیں' اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تیرا اونٹ بھی تو تیرے داہنے ہاتھ کی ملکیت میں ہے۔جمہور کا قول بھی یہی مشہور ہے اور ائمہ اربعہ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں' گو بعض سلف نے اس مسئلہ میں توقف فرمایا ہے۔حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ایک آیت اسے حلال کرتی ہے دوسری حرام' میں تو اس سے منع نہیں کرتا۔سائل وہاں سے نکلا تو راستے میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی' اس نے ان سے بھی یہی سوال کیا' انہوں نے فرمایا کہ اگر مجھے کچھ اختیار ہوتا تو میں ایسا کرنے والے کو عبرت ناک سزا دیتا۔حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ یہ فرمانے والے غالباً حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کے مثل مروی ہے۔❹ استذکار ابن عبدالبر میں ہے کہ اس واقعہ کے راوی قبیصہ بن ذویب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام اس لئے نہیں لیا کہ وہ عبدالملک بن مروان کا مصاحب تھا اور ان لوگوں پر آپ

---

❶ ٤٤/ الدخان:٥٦۔ ❷ احمد، ٤/ ٢٣٢؛ ابوداود، کتاب الطلاق، باب فیمن أسلم وعنده نساء اکثر...... ٢٢٤٣ وسنده ضعیف؛ ترمذی، ١١٢٩؛ ابن ماجة، ١٩٥١۔ ❸ ابن ماجة، کتاب النکاح، باب الرجل یسلم...... ١٩٥٠ وهو حسن بالشواهد۔ ❹ مؤطا امام مالك، کتاب النکاح، باب ماجاء فی کراهیة اصابة الاختین، ٣٤، ٣٥، وهو صحیح۔

کا نام بھاری پڑتا تھا۔ حضرت الیاس بن عامر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے سوال کیا کہ میری ملکیت میں دو لونڈیاں ہیں دونوں آپس میں بہنیں ہیں ایک سے میں نے تعلقات قائم کر رکھے ہیں اور میرے ہاں اس سے اولاد بھی ہوئی ہے اب میرا جی چاہتا ہے کہ اس کی بہن سے جو میری لونڈی ہے اپنے تعلقات قائم کروں تو فرمائیں شریعت کا اس میں کیا حکم ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا پہلی لونڈی کو آزاد کر کے پھر اس کی بہن سے یہ تعلقات قائم کر سکتے ہو۔ اس نے کہا اور لوگ تو کہتے ہیں کہ میں اس کا نکاح کرادوں پھر اس کی بہن سے مل سکتا ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا دیکھو اس صورت میں بھی خرابی ہے وہ یہ کہ اگر اس کا خاوند اسے طلاق دیدے یا انتقال کر جائے تو وہ لوٹ کر تمہاری طرف آ جائے گی اسے تو آزاد کر دینے میں ہی سلامتی ہے' پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا سنو آزاد عورتوں اور لونڈیوں کے احکام حلت وحرمت کے لحاظ سے یکساں ہی ہیں ہاں البتہ تعداد میں فرق ہے یعنی آزاد عورتیں چار سے زیادہ جمع نہیں کر سکتے اور لونڈیوں میں کوئی تعداد کی قید نہیں' اور دودھ پلائی کے رشتے سے بھی وہ تمام عورتیں اس رشتہ کی حرام ہو جاتی ہیں جو نسل اور نسب کی وجہ سے حرام ہیں (اس کے بعد تفسیر ابن کثیر کے اصل عربی نسخے میں کچھ عبارت چھوٹی ہوئی ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبارت یوں ہوگی کہ یہ روایت ایسی ہے کہ اگر کوئی شخص مشرق سے یا مغرب سے صرف اس روایت کو سننے کے لئے سفر کر کے آئے اور سن کے جائے تو بھی اس کا سفر اس کے لئے سودمند رہے گا اور اس نے گویا بہت سستے داموں بیش بہا چیز حاصل کی' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ مترجم)

یہ یاد رہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے چنانچہ ابن مردویہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا دو لونڈیوں کو جو آپس میں بہنیں ہوں ایک ہی وقت جمع کر کے ان سے مباشرت کرنا ایک آیت سے حرام ثابت ہوتا ہے اور دوسری سے حلال۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں لونڈیاں مجھ پر میری قرابت کی وجہ سے جو ان سے ہے بعض اور لونڈیوں کو حرام کر دیتی ہیں لیکن ان کے خود آپس میں جو قرابت ہو اس سے مجھ پر حرام نہیں کرتیں' جاہلیت والے بھی ان عورتوں کو حرام سمجھتے تھے جنہیں تم حرام سمجھتے ہو مگر اپنے باپ کی بیوی کو یعنی جو ان کی سگی ماں نہ ہو اور دو بہنوں کو ایک ساتھ ایک وقت میں نکاح میں جمع کرنے کو وہ حرام نہیں جانتے تھے لیکن اسلام نے آ کر ان دونوں کو بھی حرام کیا' اسی وجہ سے ان دونوں کی حرمت کے بیان کے ساتھ ہی فرمایا دیا کہ جو نکاح ہو چکے وہ ہو چکے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو آزاد عورتیں حرام ہیں وہی لونڈیاں بھی حرام ہیں ہاں عدد میں حکم ایک نہیں یعنی آزاد عورتیں چار سے زائد جمع نہیں کر سکتے لونڈیوں کے لئے یہ حد نہیں۔ حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں' ابو عمر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں جو فرمایا ہے وہ سلف کی ایک جماعت بھی کہتی ہے جن میں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی ہیں لیکن اولاً تو اس کی نقل میں خود انہیں حضرات سے بہت کچھ اختلاف پڑا ہوا ہے' دوسرے یہ کہ اس قول کی طرف سمجھدار پختہ کار علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے مطلقاً توجہ نہیں فرمائی اور نہ اسے قبول کیا۔ حجاز' عراق' شام بلکہ مشرق و مغرب کے تمام فقہا اس کے خلاف ہیں سوائے ان چند کے جنہوں نے الفاظ کو دیکھ کر اور سوچ سمجھ اور غور و خوض کئے بغیر ان سے علیحدگی اختیار کی ہے اور اس اجماع کا خلاف کیا ہے۔ کامل علم والوں اور سچی سمجھ بوجھ والوں کا تو اتفاق ہے کہ دو بہنوں کو جس طرح نکاح میں جمع نہیں کر سکتے دو لونڈیاں بھی جو آپس میں بہنیں ہوں بوجہ ملکیت کے ایک ساتھ مل جل نہیں سکتے۔ اسی طرح مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اس آیت میں ماں بیٹی بہن وغیرہ حرام کی گئی ہیں ان سے جس طرح نکاح حرام ہے اسی طرح اگر یہ لونڈیاں بن کر ماتحتی میں ہوں تو بھی میل جول حرام ہے غرض نکاح کی اور ملکیت کے بعد کی دونوں حالتوں میں یہ سب کی سب برابر ہیں' نہ ان سے نکاح کر کے میل جول

حلال نہ ملکیت کے بعد میل جول حلال ۔ اسی طرح ٹھیک یہی حکم دو بہنوں کے جمع کرنے کا اور ساس اور دوسرے خاوند سے عورت کی جو لڑکی ہو اس کا ہے' خود ان کے جمہور کا بھی یہی مذہب ہے اور یہی وہ دلیل ہے جو ان چند مخالفین پر پوری سند اور کامل حجت ہے۔ الغرض دو بہنوں کو ایک وقت نکاح میں رکھنا بھی حرام اور دو بہنوں کو بطور لونڈی کے رکھ کر ان سے ملنا جلنا بھی حرام۔

اَلْحَمْدُلِلّٰه تفسیر ابن کثیر کا چوتھا پارہ تمام ہوا۔

فہرست

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

ترجمہ: اور (حرام کی گئیں) شوہر والی عورتیں مگر وہ جو تمہاری ملکیت میں آ جائیں اللہ تعالیٰ نے یہ احکام تم پر فرض کر دیئے ہیں ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئیں کہ اپنے مال کے مہر سے تم ان سے نکاح کرنا چاہو برے کام سے بچنے کے لئے نہ کہ شہوت رانی کرنے کے لئے۔ پس جن سے تم فائدہ اٹھاؤ انہیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر دے دو اور مہر مقرر ہو جانے کے بعد تم آپس کی رضامندی سے جو طے کر لو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے۔[۲۴]

نکاح کے احکام: [آیت:۲۴] یعنی خاوندوں والی عورتیں بھی حرام ہیں' ہاں کفار کی جو عورتیں میدان جنگ میں قید ہو کر تمہارے قبضے میں آئیں تو ایک حیض گزارنے کے بعد وہ تم پر حلال ہیں۔ مسند احمد میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ اوطاس میں قیدی عورتیں آئیں جو خاوند والیاں تھیں' تو ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے بارے میں سوال کیا جس کی بابت یہ آیت اتری اور ان سے ملنا حلال کیا گیا۔ ترمذی' ابن ماجہ اور صحیح مسلم وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ ❶ طبرانی کی روایت ہے کہ یہ واقعہ جنگ خیبر کا ہے۔ سلف کی ایک جماعت اس آیت کے عموم سے استدلال کر کے فرماتی ہے کہ لونڈی کو بیچ ڈالنا ہی اس کے خاوند کی طرف سے اسے طلاق کا مل جانا ہے۔ ابراہیم سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا یہی فتویٰ بیان کیا' اور اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ اور سند سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب کوئی خاوند والی عورت بیچی جائے تو اس کے جسم کا زیادہ حقدار اس کا مالک ہے۔ حضرت ابی بن کعب' حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ اس کا بکنا ہی اس کی طلاق ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ لونڈی کی طلاقیں چھ ہیں بیچنا بھی طلاق ہے' آزاد کرنا بھی' ہبہ کرنا بھی' براءت کرنا بھی اور اس کے خاوند کا طلاق دینا بھی۔ (یہ پانچ صورتیں تو بیان ہوئیں۔ چھٹی صورت نہ تفسیر ابن کثیر میں ہے نہ ابن جریر میں۔ مترجم)۔

حضرت ابن المسیب رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خاوند والی عورتوں سے نکاح حرام ہے' لیکن لونڈیاں کہ ان کی طلاق ان کا بک جانا ہے۔ حضرت معمر اور حسن رحمہما اللہ بھی یہی فرماتے ہیں جو ان بزرگوں کا قول ہے لیکن جمہور ان کے مخالف ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ بیچنا طلاق نہیں ہے اس لئے کہ خریدار بیچنے والے کا نائب ہے اور بیچنے والا اس نفع کو اپنی ملکیت سے نکال رہا ہے اور اسے اس سے سلب کر کے بیچ رہا ہے۔ ان کی دلیل حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے جو بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب انہیں خرید کر آزاد کر دیا تو ان کا نکاح حضرت مغیث رضی اللہ عنہ سے فسخ نہیں ہو گیا' بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں

❶ أحمد، ۳/۷۲؛ صحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب جواز وطئي المسبية بعد الاستبراء، ۱۴۵۶؛ ابوداود، ۲۱۵۵؛ ترمذی، ۱۱۳۲۔

فسخ کرنے اور باقی رکھنے کا اختیار دیا اور حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے فسخ کرنے کو پسند کیا۔ ❶ یہ واقعہ مشہور ہے۔ پس اگر بک جانا ہی طلاق ہوتا جیسے ان بزرگوں کا قول ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو ان کے بک جانے کے بعد اپنے نکاح کے باقی رکھنے نہ رکھنے کا اختیار نہ دیتے۔ اختیار دینا دلیل ہے نکاح باقی رہنے کی تو آیت میں مراد صرف وہ عورتیں ہیں جو جہاد کرتے ہوئے قبضہ میں آ جائیں' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ محصنات سے مراد پاک دامن عورتیں ہیں یعنی عفیفہ عورتیں تم پر حرام ہیں جب تک کہ تم نکاح' گواہ' مہر اور ولی سے ان کی عصمت کے مالک نہ بن جاؤ خواہ ایک ہو خواہ دو خواہ تین خواہ چار ابوالعالیہ اور طاؤس رحمہم اللہ یہی مطلب بیان فرماتے ہیں۔ عمر اور عبیدہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ چار سے زائد عورتیں تم پر حرام ہیں ہاں لونڈیوں میں یہ گنتی نہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ نے تم پر لکھ دیا ہے یعنی چار کا۔ پس تم اس کی کتاب کو لازم پکڑو اور اس کی حد سے آگے نہ بڑھو اس کی شریعت اور اس کے فرائض کے پابند رہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حرام عورتیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ظاہر کر دیں۔

پھر فرماتا ہے کہ جن عورتوں کا حرام ہونا بیان کر دیا' ان کے علاوہ اور سب حلال ہیں۔ ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان چار سے کم تم پر حلال ہیں۔ لیکن یہ قول دور کا قول ہے اور صحیح مطلب پہلا ہی ہے اور یہی حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد لونڈیاں ہیں۔ یہی آیت دلیل ہے ان لوگوں کی جو دو بہنوں کے جمع کرنے کی حلت کے قائل ہیں۔ اور ان کی بھی جو کہتے ہیں کہ ایک آیت اسے حلال کرتی ہے اور دوسری حرام۔ پھر فرمایا تم ان حلال عورتوں کو اپنے مال سے حاصل کرو' چار تک تو آزاد عورتیں اور لونڈیاں بغیر تعین کے لیکن ہوں بہ طریق شرع۔ اسی لئے فرمایا زنا کاری سے بچنے کے لئے اور شہوت رانی مقصود نہ کر کے۔ پھر فرمایا کہ جن عورتوں سے تم فائدہ اٹھاؤ ان کے اس فائدہ کے مقابلہ کا مہر دے دیا کرو۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ﴾ ❷ یعنی ''تم مہر کو عورتوں سے کیسے لو گے حالانکہ ایک دوسرے سے مل چکے ہو۔'' اور فرمایا ﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ ❸ عورتوں کے مہر بخوشی دے دیا کرو۔ اور جگہ فرمایا ﴿وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا﴾ ❹ ''تم نے جو کچھ عورتوں کو دے دیا ہو اس میں سے واپس لینا تم پر حرام ہے۔''

نکاح متعہ کی حرمت کا بیان: اس آیت سے نکاح متعہ پر استدلال کیا ہے۔ بے شک متعہ ابتدائے اسلام میں مشروع تھا لیکن پھر منسوخ ہو گیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور علمائے کرام کی ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ دو مرتبہ متعہ مباح ہوا پھر منسوخ ہوا۔ بعض کہتے ہیں اس سے بھی زیادہ بار مباح اور منسوخ ہوا۔ اور بعض کا قول ہے کہ صرف ایک بار مباح ہوا پھر منسوخ ہو گیا پھر مباح نہیں ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور چند دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے ضرورت کے وقت اس کی اباحت مروی ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت ایسی ہی مروی ہے۔ ابن عباس' ابی بن کعب رضی اللہ عنہما' سعید بن جبیر اور سدی رحمہم اللہ سے ﴿مِنْهُنَّ﴾ کے بعد ﴿اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ کی قراءت مروی ہے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت نکاح متعہ کی بابت نازل ہوئی لیکن جمہور اس کے خلاف ہیں اور اس کا =

❶ صحیح بخاری، کتاب العتق، باب بیع الولاء، ۲۵۳۶؛ صحیح مسلم، ۱۵۰۴؛ ابوداود، ۲۲۳۳؛ ترمذی، ۱۱۵٤ وابن ماجه، ۲۵۲۱۔ ❷ ٤/ النسآء:۲۱۔
❸ ٤/ النسآء:٤۔ ❹ ٤/ النسآء:۲۳، ۲٤۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ
اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ
فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ
مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ
نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ
وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع

ترجمہ: اور تم میں سے جس کسی کو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی پوری وسعت وطاقت نہ ہو تو وہ مسلمان لونڈیوں سے جن کے تم مالک ہو (اپنا نکاح کرلے) اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو بخوبی جاننے والا ہے۔ تم سب آپس میں ایک ہی تو ہو تو ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کرلو اور قاعدہ کے مطابق ان کے مہران کو دو وہ پاک دامن ہوں نہ علانیہ بدکاری کرنے والیاں نہ خفیہ آشنائی کرنے والیاں' جب یہ لونڈیاں نکاح میں آ گئیں پھر اگر بے حیائی کا کام کریں تو انہیں آدھی سزا ہے اس سزا کی جو آزاد عورتوں پر ہے۔ کنیزوں کے نکاح کا یہ حکم تم میں سے ان کے لئے ہے جنہیں گناہ اور تکلیف کا اندیشہ ہو اور تمہارا ضبط کرنا بہت بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے۔ [۲۵]

= بہترین فیصلہ بخاری ومسلم کی حضرت علی رضی اللہ عنہ والی روایت کر دیتی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والے دن نکاح متعہ سے اور گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرما دیا۔ ❶ اس حدیث کے الفاظ کتب احکام میں مقرر ہیں۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت ربیع سبرہ بن معبد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے غزوہ میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے لوگو! "میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کرنے کی رخصت دی تھی' یاد رکھو بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے قیامت تک کے لئے حرام کر دیا ہے جس کے پاس اس قسم کی کوئی عورت ہو اسے چاہئے کہ اسے چھوڑ دے اور تم نے جو کچھ انہیں دے رکھا ہو اس میں سے ان سے کچھ نہ لو۔" ❷ صحیح مسلم شریف کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں یہ فرمایا تھا یہ حدیث کئی الفاظ سے مروی ہے جن کی تفصیل کی جگہ احکام کی کتابیں ہیں۔

پھر فرمایا تقرر کے بعد بھی اگر تم بہ رضا مندی کچھ طے کرلو تو کوئی حرج نہیں۔ اگلے جملے کو متعہ پر محمول کرنے والے تو اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ جب مدت مقررہ گزر جائے پھر مدت کو بڑھا لینے اور جو دیا ہو اس کے علاوہ اور کچھ دینے میں کوئی گناہ نہیں۔ سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں اگر چاہے تو پہلے کے مقررہ مہر کے بعد جو دے چکا ہے وقت کے ختم ہونے سے پیشتر کہہ دے کہ میں اتنی مدت کے لئے پھر متعہ کرتا ہوں۔ پس اگر اس نے رحم کی پاکیزگی سے پہلے زیادتی ٹھہرا لی تو جب مدت پوری ہو جائے تو پھر اس کا کوئی دباؤ

❶ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر، ۴۷۱۶؛ صحیح مسلم، ۱۴۰۷؛ نسائی، ۳۳۶۸؛ ترمذی، ۱۷۹۴؛ ابن ماجہ، ۱۹۶۱۔ ❷ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب نکاح المتعۃ، ۱۴۰۶؛ ابن ماجہ، ۱۹۹۲۔

نہیں وہ عورت الگ ہو جائے گی اور ایک حیض تک ٹھہر کر اپنے رحم کی صفائی کرے گی۔ ان دونوں میں میراث نہیں نہ یہ عورت اس مرد کی وارث ہو گی نہ یہ مرد اس عورت کا۔ اور جن حضرات نے اس جملہ کو نکاح مسنون کے مہر کی بابت کہا ہے ان کے نزدیک تو مطلب صاف ہے کہ مہر کی ادائیگی کی تاکید بیان ہو رہی ہے۔ جیسے فرمایا مہر با آسانی اور بخوشی دے دیا کرو' ہاں اگر مہر کے مقرر ہو جانے کے بعد عورت اپنے پورے حق کو یا تھوڑے حق کو چھوڑ دے معاف کر دے اس سے دست بردار ہو جائے تو میاں بیوی میں سے کسی پر کوئی گناہ نہیں۔ حضرت حضرمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگ مہر مقرر کر دیتے ہیں' پھر ممکن ہے تنگی ہو جائے تو اگر عورت اپنے حق کو چھوڑ دے تو جائز ہے۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی قول کو پسند فرماتے ہیں۔ ❶

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ مہر کی رقم پوری پوری اس کے حوالے کر دے پھر اسے بسنے اور الگ ہونے کا پورا پورا اختیار دے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اللہ علیم و حکیم ہے ان احکام میں جو حلت و حرمت کے متعلق ہیں جو حکمتیں ہیں اور مصلحتیں ہیں انہیں وہی بخوبی جانتا ہے۔

آزاد عورت سے نکاح کی استطاعت نہ ہو تو لونڈی سے نکاح کر لو: [آیت:۲۵] ارشاد ہوتا ہے کہ جسے آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی وسعت و قدرت نہ ہو۔ ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں طول سے مراد قصد و خواہش یعنی لونڈی سے نکاح کی خواہش۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو وارد کر کے پھر اسے خود ہی توڑ دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا حال جب ہو تو مسلمانوں کی ملکیت میں جو مسلمان لونڈیاں ہیں ان سے وہ نکاح کر لے۔ تمام کاموں کی حقیقت اللہ تعالیٰ پر آشکارا ہے۔ تم تو صرف ظاہر بین ہو۔ تم سب آزاد غلام ایمانی رشتہ میں ایک ہو۔ لونڈیوں سے نکاح ان کے مالکوں کی اجازت سے کیا کرو۔ معلوم ہوا کہ لونڈی کا ولی اس کا سردار ہے اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح منعقد نہیں ہو سکتا' اسی طرح غلام بھی اپنے سردار کی رضامندی حاصل کئے بغیر اپنا نکاح نہیں کر سکتا۔ حدیث میں ہے ''جو غلام بغیر اپنے آقا کی اجازت کے اپنا نکاح کر لے وہ زانی ہے۔'' ❷ ہاں اگر کسی لونڈی کی مالکہ کوئی عورت ہو تو اس کی اجازت سے اس لونڈی کا نکاح وہ کرائے جو عورت کا نکاح کرا سکتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے ''عورت عورت کا نکاح نہ کرائے نہ عورت اپنا نکاح کرائے' وہ عورتیں زناکار ہیں جو اپنا نکاح آپ کرتی ہیں۔'' ❸

پھر فرمایا عورتوں کے مہر خوش نفسی سے دے دیا کرو گھٹا کر کم کر کے تکلیف پہنچا کر' لونڈی سمجھ کر کمی کر کے نہ دو۔ پھر فرماتا ہے کہ دیکھ لیا کرو یہ عورتیں بدکاری کی طرف از خود مائل نہ ہوں' نہ ایسی ہوں کہ اگر کوئی ان کی طرف مائل ہو تو یہ جھک جائیں' نہ تو علانیہ زناکار ہوں نہ خفیہ بدکردار ہوں کہ ادھر ادھر آشنائیاں کرتی پھریں اور چپ چپاتے دوست آشنا بناتی جائیں۔ جو ایسی بداطوار ہوں ان سے نکاح کرنے کو اللہ تعالیٰ منع فرما رہا ہے ﴿اُحْصِنَّ﴾ کی دوسری قراءت ﴿اَحْصَنَّ﴾ بھی ہے کہا گیا ہے کہ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ یہاں احصان سے مراد اسلام ہے یا نکاح کا والی ہو جانا ہے۔ ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ''ان کا احصان اسلام اور عفت ہے'' لیکن یہ حدیث منکر ہے اس میں ضعف بھی ہے اور ایک راوی کا نام نہیں' ایسی حدیث حجت کے لائق نہیں ہوتی۔ دوسرا قول

---

❶ الطبری، ۸/ ۱۸۰۔ ❷ ابوداود، کتاب النکاح باب فی نکاح العبد بغیر إذن موالیه، ۲۰۷۸، وسنده ضعیف؛ ترمذی: ۱۱۱۱؛ ابن ماجه، ۱۹۵۹۔ یہ روایت ابن عقیل کی وجہ سے ضعیف ہے۔

❸ ابن ماجه، کتاب النکاح، باب لا نکاح إلا بولی، ۱۸۸۲؛ السنن الکبریٰ للبیهقی، ۷/ ۱۱۰ عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ وسنده صحیح وله حکم المرفوع۔

یعنی احصان سے مراد نکاح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، طاؤس، ابن جبیر، حسن، قتادہ رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ابو علی طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ایضاح میں یہی نقل کیا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ لونڈی کا محصن ہونا یہ ہے کہ وہ کسی آزاد کے نکاح میں چلی جائے، اسی طرح غلام کا احصان یہ ہے کہ وہ کسی آزاد مسلمہ سے نکاح کر لے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی منقول ہے۔ شعبی اور نخعی رحمہما اللہ بھی یہی کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں قراءتوں کے اعتبار سے معنی بھی بدل جاتے ہیں۔ ﴿ أُحْصِنَّ ﴾ سے مراد تو نکاح ہے اور ﴿ أَحْصَنَّ ﴾ سے مراد اسلام ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اسی کو پسند فرماتے ہیں لیکن بظاہر مراد یہاں نکاح کرنا ہی ہے، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔ اس لئے کہ سیاق آیت کی دلالت اسی پر ہے۔ ایمان کا ذکر تو لفظوں میں موجود ہے۔ بہر دوصورت جمہور کے مذہب کے مطابق آیت کے معنی میں بھی اشکال باقی ہے۔ اس لئے کہ جمہور کا قول ہے کہ لونڈی کو زنا کی وجہ سے پچاس کوڑے لگائے جائیں گے خواہ وہ مسلمہ ہو یا کافرہ، شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو۔ باوجودیکہ آیت کے مفہوم کا تقاضا یہ ہے کہ غیر محصنہ لونڈی پر حد ہی نہ ہو، پس اس کے مختلف جوابات دیے گئے ہیں۔ جمہور کا قول یہ ہے کہ بے شک منطوق مفہوم پر مقدم ہے اس لئے ہم نے ان عام احادیث کو جن میں لونڈیوں کو حد مارنے کا بیان ہے اس آیت کے مفہوم پر مقدم کیا۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا: ”لوگو! اپنی لونڈیوں پر حدیں قائم رکھو وہ محصنہ ہوں یا نہ ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی لونڈی کے زنا پر حد مارنے کو فرمایا۔ چونکہ وہ نفاس میں تھی اس لئے مجھے ڈر لگا کہ کہیں حد کے کوڑے لگنے سے یہ مر نہ جائے۔ چنانچہ میں نے اس وقت اسے حد نہ لگائی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واقعہ بیان کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم نے اچھا کیا جب تک وہ ٹھیک ٹھاک نہ ہو جائے حد نہ مارنا۔“ ❶

مسند احمد میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جب یہ نفاس سے فارغ ہو تو اسے پچاس کوڑے لگانا۔“ ❷ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے: ”جب تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کرے اور زنا ظاہر ہو جائے تو اسے وہ حد مارے اور برا بھلا نہ کہے، پھر اگر دوبارہ زنا کرے تو بھی حد لگائے اور ڈانٹ جھڑک نہ کرے، پھر اگر تیسری مرتبہ زنا کرے اور ظاہر ہو تو اسے بیچ ڈالے اگرچہ بالوں کی رسی کے بدلے ہی ہو۔“ اور صحیح مسلم میں ہے: ”جب تین بار یہ فعل اس سے سرزد ہو تو چوتھی دفعہ فروخت کر ڈالے۔“ ❸ عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”ہم چند قریشی نوجوانوں کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے امارت کی لونڈیوں میں سے کئی ایک پر حد جاری کرنے کو فرمایا۔ ہم نے انہیں زنا کی حد میں پچاس پچاس کوڑے لگائے۔“ ❹ دوسرا جواب ان کا ہے جو اس بات کی طرف گئے ہیں کہ لونڈی پر احصان بغیر حد نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ مارنا بطور ادب سکھانے اور باز رکھنے کے ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اسی طرف گئے ہیں۔ طاؤس، سعید، ابو عبید، داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب بھی یہی ہے کہ ان کی بڑی دلیل مفہوم آیت ہے اور یہ شرط کے مفہوموں میں سے ہے اور اکثر کے نزدیک یہ حجت ہے اس لئے ان کے نزدیک عموم پر مقدم ہو سکتا ہے۔ اور ابو ہریرہ اور زید بن خالد رضی اللہ عنہما کی حدیث جس میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ جب لونڈی زنا کرے اور محصنہ نہ ہو

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب تأخير الحد عن النفساء، ١٧٠٥، ١٧٠٦؛ ترمذی ١٤٤١؛ السنن الکبریٰ للنسائی، ٧٢٣٩، ٧٢٩٩۔ ❷ زوائد مسند احمد، ١/ ١٣٦، ح ١١٤٢ وسنده ضعيف۔

❸ صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب لا يثرب على الأمة إذا زنت، ٦٨٣٩؛ صحیح مسلم، ١٧٠٣؛ ابوداؤد، ٤٤٧٠۔

❹ مؤطا امام مالك، ٢/ ٨٢٧، ح ١٦٠٨؛ کتاب الحدود، باب جامع ما جاء في حد الزني، ١٦، وسنده صحيح۔

یعنی نکاح نہ ہوا ہو تو کیا کیا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر وہ زنا کرے تو اسے حد لگاؤ' پھر زنا کرے تو پھر کوڑے لگاؤ' پھر بیچ ڈالو گو ایک بالوں کی رسی کے عوض ہی کیوں نہ بیچنا پڑے۔'' راوی حدیث ابن شہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نہیں جانتا کہ تیسری مرتبہ کے بعد یہ فرمایا یا چوتھی مرتبہ کے بعد۔ ❶

پس اس حدیث کے مطابق وہ جواب دیتے ہیں کہ دیکھو یہاں حد کی مقدار اور کوڑوں کی تعداد بیان نہیں فرمائی جیسے کہ محصنہ کے بارے میں صاف فرما دیا ہے اور جیسے کہ قرآن میں مقرر طور پر فرمایا گیا کہ محصنات کی نسبت نصف حد ان پر ہے۔ پس آیت و حدیث میں اس طرح تطبیق دینی واجب ہوگئی' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ اس سے بھی زیادہ صراحت والی وہ روایت ہے جو سعید بن منصور نے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کسی لونڈی پر حد نہیں جب تک کہ وہ احصان والی نہ ہو جائے۔'' یعنی جب تک کہ وہ نکاح والی نہ ہو جائے۔ ''پس جب خاوند والی بن جائے تو اس پر آدھی حد ہے بہ نسبت اس حد کے جو آزاد نکاح والیوں پر ہے۔'' یہ حدیث ابن خزیمہ میں بھی ہے لیکن وہ فرماتے ہیں اسے مرفوع کہنا خطا ہے یہ موقوف ہے یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ بیہقی میں بھی یہ روایت ہے اور آپ کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ ❷ اور کہتے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما والی احادیث ایک واقعہ کا فیصلہ ہیں۔ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کے بھی کئی جوابات ہیں' ایک تو یہ کہ یہ محمول ہے اس لونڈی پر جو شادی شدہ ہو۔ اس طرح ان دونوں احادیث میں تطبیق اور جمع ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں لفظ حد کسی راوی کا داخل کیا ہوا ہے اور اس کی دلیل جواب کا فقرہ ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث دو صحابیوں کی ہے اور وہ حدیث صرف ایک صحابی کی ہے' اور ایک والی پر وہ دو والی مقدم ہے۔ اور اسی طرح یہ حدیث نسائی میں بھی مروی ہے اور مسلم کی شرط پر اس کی سند ہے کہ حضرت عباد بن تمیم رضی اللہ عنہ اپنے چچا سے جو بدری صحابی تھے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جب لونڈی زنا کرے تو اسے کوڑے لگاؤ' پھر جب زنا کرے تو کوڑے مارو' پھر جب زنا کرے تو کوڑے لگاؤ' پھر جب زنا کاری کرے تو بیچ دو اگرچہ بالوں کی ایک رسی کے بدلے ہی بیچنا پڑے۔'' ❸ چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ بھی بعید نہیں کہ کسی راوی نے جلد پر لفظ حد کا اطلاق کر دیا ہو اور اس نے جلد کو حد خیال کر لیا ہو' یا لفظ حد کا اطلاق تادیب کے طور پر سزا دینے پر کر دیا ہو جیسے کہ لفظ حد کا اطلاق اس سزا پر بھی کیا گیا ہے جو بیمار زانی کو کھجور کا ایک خوشہ مارا تھا جس میں ایک سو چھوٹی چھوٹی شاخیں تھیں اور جیسے کہ لفظ حد کا اطلاق اس شخص پر بھی کیا گیا ہے جس نے اپنی بیوی کی اس لونڈی کے ساتھ زنا کیا جسے بیوی نے اس کے لئے حلال کر دیا تھا حالانکہ اسے سو کوڑوں کا لگنا تعزیر کے طور پر صرف ایک سزا ہے جیسے کہ امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ سلف کا خیال ہے۔ حد حقیقی صرف یہ ہے کہ کنوارے کو سو کوڑے اور بیاہے ہوئے کو یا لوطی کو رجم' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.

ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ لونڈی نے جب تک نکاح نہیں کیا اسے زنا پر مارا نہ جائے۔ اس کی اسناد تو صحیح ہے لیکن معنی دو ہو سکتے ہیں' ایک تو یہ کہ بالکل مارا ہی نہ جائے نہ حد نہ اور کچھ' تو یہ قول بالکل غریب ہے۔ ممکن ہے آیت کے الفاظ پر نظر کر کے یہ فتویٰ دے دیا ہو اور حدیث نہ پہنچی ہو۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ حد کے طور پر نہ مارا جائے۔ اگر یہ معنی مراد لئے جائیں تو یہ اس کے خلاف نہیں کہ اور کوئی سزا دی جائے پس یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کے فتوے کے مطابق ہو جائے گا' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ تیسرا جواب یہ ہے آیت میں دلالت ہے کہ محصنہ لونڈی پر بہ نسبت آزاد عورت کے آدھی حد ہے لیکن محصنہ ہونے سے پہلے

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب اذا زنت الأمة، ٦٨٣٧، ٦٨٣٨؛ صحیح مسلم، ١٧٠٤؛ ابوداود، ٤٤٦٩۔

❷ بیہقی، ٨/ ٢٤٣ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ؛ ابن ابی شیبہ، ٩/ ٥١٩، ح ٢٨٢٨٨، اس سند میں سفیان بن عیینہ مدلس ہے اور روایت معنعن ہے۔ ❸ السنن الکبریٰ للنسائی، ٧٢٣٨ وضعف ابا اویس ولکن سندہ حسن، ابو اویس حسن الحدیث۔

کتاب وسنت کے عموم میں یہ بھی شامل ہے کہ اسے بھی سو کوڑے مارے جائیں۔ جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ ❶ یعنی ''زنا کار عورت اور زنا کار مرد ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو۔'' اور جیسے حدیث میں ہے حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں ''میری بات لے لو میری بات سمجھ لو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے راستہ نکال دیا اگر دونوں جانب غیر شادی شدہ ہیں تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی اور اگر دونوں طرف شادی شدہ ہیں تو سو کوڑے اور پتھروں سے رجم کر دینا۔'' یہ حدیث صحیح مسلم شریف کی ہے ❷ اور اسی طرح کی اور احادیث بھی ہیں۔ داؤد بن علی ظاہری رحمہ اللہ کا یہی قول ہے لیکن یہ سخت ضعیف ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے محصنہ لونڈیوں کو بہ نسبت آزاد کے آدھے کوڑے مارنے کا عذاب بیان فرمایا یعنی پچاس کوڑے تو پھر جب تک وہ محصنہ نہ ہوں اس سے بھی زیادہ سزا کی سزاوار وہ کیسے ہو سکتی ہیں حالانکہ قاعدۂ شریعت یہ ہے کہ احصان سے پہلے کم سزا ہے اور احصان کے بعد زیادہ سزا ہے پھر اس کے برعکس کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ دیکھئے شارع علیہ السلام سے آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم غیر شادی شدہ لونڈی کے زنا کی سزا پوچھتے ہیں اور آپ ﷺ انہیں جواب دیتے ہیں کہ ''اسے کوڑے مارو'' لیکن یہ نہیں فرماتے کہ ایک سو کوڑے لگاؤ۔ پس اگر اس کا وہی حکم ہوتا جو داؤد سمجھتے ہیں تو اسے بیان کر دینا حضور اکرم ﷺ پر واجب تھا اس لئے کہ ان کا یہ سوال تو صرف اسی وجہ سے تھا کہ لونڈی کے شادی شدہ ہو جانے کے بعد اسے سو کوڑے مارنے کا بیان نہیں ورنہ اس قید کے لگانے کی کیا ضرورت تھی کہ سوال میں کہتے وہ غیر شادی شدہ ہے کیونکہ پھر تو شادی شدہ اور غیر شادی شدہ میں کوئی فرق ہی نہ رہا اگر یہ آیت اتری ہوئی نہ ہوتی لیکن چونکہ ان دونوں صورتوں میں سے ایک کا علم تو انہیں ہو چکا تھا اس لئے دوسری کی بابت سوال کیا اور حضور اکرم ﷺ نے جواب دے کر معلوم کرا دیا۔

جیسے بخاری ومسلم میں ہے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم ﷺ سے آپ پر درود پڑھنے کی نسبت پوچھا تو آپ نے اسے بیان فرمایا اور فرمایا ''سلام تو اسی طرح ہے جس طرح تم خود جانتے ہو۔'' ❸ اور ایک روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ ❹ نازل ہوا اور صلوٰۃ وسلام آپ پر بھیجنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ سلام کا طریقہ اور اس کے الفاظ تو ہمیں معلوم ہیں صلوٰۃ کی کیفیت بیان فرمائیے۔ ❺ پس ٹھیک اسی طرح یہ سوال ہے۔ مفہوم آیت کا چوتھا جواب ابو ثور کا ہے جو داؤد کے جواب سے زیادہ بودا ہے وہ فرماتے ہیں جب لونڈیاں شادی شدہ ہو جائیں تو ان کی زنا کاری کی حد ان پر آدھی ہے اس حد کی جو شادی شدہ آزاد عورتوں کی زنا کاری کی حد ہے تو ظاہر ہے کہ آزاد عورتوں کی حد اس صورت میں رجم ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ رجم آدھا نہیں ہو سکتا تو لونڈی کو اس صورت میں رجم کرنا پڑے گا اور شادی سے پہلے اسے پچاس کوڑے لگیں گے کیونکہ اس حالت میں آزاد عورت پر سو کوڑے ہیں۔ پس دراصل آیت کا مطلب سمجھنے میں اس سے خطا ہوئی اور اس میں جمہور کا بھی خلاف ہے بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان کا اس میں اختلاف ہی نہیں کہ مملوک پر زنا کی سزا میں رجم ہے ہی نہیں اس لئے کہ آیت دلالت کرتی ہے کہ ان پر محصنات کا نصف عذاب ہے اور محصنات کے لفظ میں جو الف لام ہے وہ عہد کا ہے یعنی وہ محصنات جن کا بیان آیت کے شروع میں ﴿اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ﴾ میں گزر چکا ہے اور مراد صرف آزاد عورتیں

❶ ۲۴/ النور:۲۔ ❷ صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب حد الزنی، ۱۶۹۰۔
❸ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی النبی ﷺ، ۴۰۵۔ ❹ ۳۳/ الاحزاب:۶۵۔
❺ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ان اللہ وملائکتہ، سورۃ احزاب، ۴۷۹۷؛ صحیح مسلم، ۴۰۶۔

ہیں۔ اس وقت یہاں آزاد عورتوں کے نکاح کے مسئلہ کی بحث نہیں' بحث یہ ہے کہ پھر آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے کہ ان پر زنا کاری کی جو سزا تھی اس سے آدھی سزا ان لونڈیوں پر ہے' تو معلوم ہوا کہ یہ اس سزا کا ذکر ہے جو آدھی ہو سکتی ہو اور وہ کوڑے ہیں وہ سو سے آدھے پچاس رہ جائیں گے۔ رجم یعنی سنگسار کرنا ایسی سزا ہے جس کے حصے نہیں ہو سکتے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.

مسند احمد میں ایک واقعہ ہے جو ابو ثور کے مذہب کی پوری تردید کرتا ہے۔ اس میں ہے کہ صفیہ لونڈی نے ایک غلام سے زنا کاری کی اور اسی زنا سے بچہ ہوا' جس کا دعویٰ زانی نے کیا۔ مقدمہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کا تصفیہ سونپا۔ اللہ کے شیر نے فرمایا میں اس میں وہی فیصلہ کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے۔ بچہ تو اس کا سمجھا جائے گا جس کی یہ لونڈی ہے اور زانی کو پتھر ملیں گے۔ پھر ان دونوں کو پچاس پچاس کوڑے لگائے۔ ❶ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد مفہوم سے تنبیہ ہے اعلیٰ کے ساتھ ادنیٰ پر' یعنی جب کہ وہ شادی شدہ ہوں تو ان پر بہ نسبت آزاد عورتوں کے آدھی حد ہے پس ان پر رجم تو سرے سے کسی صورت میں ہے ہی نہیں نہ قبل از نکاح نہ بعد از نکاح دونوں حالتوں میں صرف کوڑے ہیں جس کی دلیل حدیث ہے۔ صاحب الایضاح یہی فرماتے ہیں' اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی کو ذکر کرتے ہیں۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''سنن والآ ثار'' میں بھی اسے لائے ہیں' لیکن یہ قول لفظ آیت سے بہت دور ہے' اس طرح کہ آدھی حد ہونے کی دلیل صرف آیت ہے اس کے سوا کچھ نہیں پس اس کے سوا میں آدھا ہونا کس طرح سمجھا جائے گا؟ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ شادی شدہ ہونے کی حالت میں صرف امام ہی حد قائم کر سکتا ہے اس لونڈی کا مالک اس حال میں اس پر حد جاری نہیں کر سکتا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں ایک قول یہی ہے ہاں شادی سے پہلے اس کے مالک کو حد جاری کرنے کا اختیار بلکہ حکم ہے لیکن دونوں صورتوں میں حد آدھی ہی آدھی رہے گی اور یہ بھی دور کی بات ہے اس لئے کہ آیت میں اس کی دلالت بھی نہیں اور اگر یہ آیت نہ ہوتی تو ہم نہیں جان سکتے تھے کہ لونڈیوں کے بارے میں آدھی حد ہے اور اس صورت میں انہیں بھی عموم میں داخل کر کے پوری حد یعنی سو کوڑے اور رجم ان پر بھی جاری کرنا واجب ہو جاتا' جیسے کہ عام روایتوں سے ثابت ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگو! اپنے ماتحتوں پر حد جاری کرو' شادی شدہ یا غیر شادی شدہ۔ اور وہ عام احادیث جو پہلے گزر چکی ہیں جن میں خاوند والی اور بے خاوند والی کی کوئی تفصیل نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بروایت والی حدیث جس سے جمہور نے دلیل پکڑی ہے یہ ہے کہ ''جب تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کرے اور پھر اس کا زنا ظاہر ہو جائے تو اسے چاہئے کہ اس پر حد جاری کرے اور ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے'' (ملخصا)۔ ❷

الغرض لونڈی کی زنا کاری کی حد میں کئی قول ہیں' ایک تو یہ کہ جب تک اس کا نکاح نہیں ہوا اسے پچاس کوڑے مارے جائیں گے اور نکاح ہونے کے بعد بھی یہی حد رہے گی۔ اور اسے جلاوطن بھی کیا جائے گا یا نہیں؟ اس میں تین قول ہیں' ایک یہ کہ جلاوطنی ہوگی دوسرے یہ کہ نہ ہوگی' تیسرے یہ کہ جلاوطنی میں آدھے سال کو ملحوظ رکھا جائے گا یعنی چھ مہینے کا دیس نکالا دیا جائے گا نہ کہ پورے سال کا۔ پورا سال آزاد عورتوں کے لئے ہے۔

یہ تینوں قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں ہیں لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جلاوطنی تعزیر کے طور پر ہے وہ حد میں

❶ احمد، ۱/۱۰٤، ح ۸۲۰ وسندہ ضعیف۔

❷ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب بیع العبد ۲۱۵۲؛ صحیح مسلم، ۱۷۰۳؛ ابوداود: ٤٤٧٠۔

سے نہیں ہے امام کی رائے پر موقوف ہے اگر چاہے جلاوطنی دے یا نہ دے۔ مرد وعورت سب اسی حکم میں داخل ہیں۔ ہاں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں ہے کہ جلاوطنی صرف مردوں کے لئے ہے عورتوں پر نہیں' اس لئے کہ جلاوطنی صرف اس کی حفاظت کے لئے ہے اور اگر عورت کو جلاوطن کیا گیا تو حفاظت میں سے نکل جائے گی اور مردوں یا عورتوں کے بارے میں دیس نکالے کی حدیث صرف حضرت عبادہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زانی کے بارے میں جس کی شادی نہیں ہوئی تھی حد مارنے اور ایک سال دیس نکالا دینے کا حکم فرمایا تھا (بخاری)۔ ❶ اس سے معنوی مراد یہی ہے کہ اس کی حفاظت رہے' اور عورت کو وطن سے نکالے جانے میں یہ حفاظت بالکل ہی نہیں ہو سکتی' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.

دوسرا قول یہ ہے کہ لونڈی کو اس کی زناکاری پر شادی کے بعد پچاس کوڑے مارے جائیں گے اور ادب سکھانے کے طور پر اسے کچھ مار پیٹ کی جائے گی لیکن اس کی کوئی مقرر گنتی نہیں۔ پہلے گزر چکا ہے کہ شادی سے پہلے اسے مارا نہ جائے گا' جیسے حضرت سعید بن مسیتب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے لیکن اگر اس سے یہ مراد نہ لی جائے کہ سرے سے کچھ مارنا ہی نہ چاہئے تو یہ تاویلی مذہب ہوگا' ورنہ قول ثانی میں اسے داخل کیا جا سکتا ہے۔ اور قول یہ ہے کہ شادی سے پہلے سو کوڑے اور شادی کے بعد پچاس جیسے کہ داؤد کا قول ہے اور یہ تمام اقوال سے بودا قول ہے' اور یہ کہ شادی سے پہلے پچاس کوڑے اور شادی کے بعد رجم جیسے کہ ابوثور کا قول ہے لیکن یہ قول بھی بودا ہے' وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ پھر فرمان ہے کہ لونڈیوں سے نکاح کرنا ان شروط کی موجودگی میں جو بیان ہوئیں ان کے لئے ہے جنہیں زنا میں واقع ہونے کا خطرہ ہو اور تجرد ان پر بہت شاق گزر رہا ہو' اس کی وجہ سے سخت تکلیف میں ہوں تو بے شک انہیں پاک دامن لونڈیوں سے نکاح کر لینا جائز ہے گو اس حالت میں بھی اپنے نفس کو روکے رکھنا اور ان سے نکاح نہ کرنا بہت بہتر ہے اس لئے کہ اس سے جو اولاد ہوگی وہ اس کے مالک کی لونڈی غلام ہوگی۔

ہاں اگر خاوند غریب ہو تو اس کی یہ اولاد اس کے آقا کی ملکیت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول قدیم کے مطابق نہ ہوگی۔ پھر فرمایا اگر تم صبر کرو تو تمہارے لئے افضل ہے اور اللہ غفور و رحیم ہے۔ جمہور علما نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ لونڈی سے نکاح جائز ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ یہ اس وقت میں ہے جب آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت نہ ہو اور نہ رکے رہنے کی طاقت ہو بلکہ زنا واقعہ ہونے کا خوف ہو۔ کیونکہ اس میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ اولاد غلامی میں جاتی ہے دوسرے ایک طرح کی سبکی ہے کہ آزاد عورتوں سے ہٹ کر لونڈیوں کی طرف متوجہ ہونا۔

ہاں جمہور کے مخالف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھی ہیں وہ کہتے ہیں یہ دونوں باتیں شرط نہیں بلکہ جس کے نکاح میں کوئی آزاد عورت نہ ہو اسے لونڈی سے نکاح جائز ہے وہ لونڈی خواہ مؤمنہ ہو خواہ اہل کتاب میں سے ہو' گو اسے آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت بھی ہو اور گو اسے بدکاری کا خوف بھی نہ ہو۔ اس کی بڑی دلیل یہ آیت ہے ﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ ❷ یعنی ''آزاد عورتیں ان میں سے جو تم سے پہلے کتاب اللہ دیے گئے۔'' پس وہ کہتے ہیں آیت عام ہے آزاد غیر آزاد سب کو شامل ہے اور محصنات سے مراد پاک دامن باعصمت عورتیں ہیں۔ لیکن اس کی ظاہری دلالت بھی اسی مسئلہ پر ہے جو جمہور کا مذہب ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.

---

❶ صحیح بخاری: کتاب الحدود، باب الاعتراف بالزنی، ٦٨٦٧، ٦٨٦٨؛ صحیح مسلم: ١٦٩٠۔

❷ ٥/ المآئدۃ:٥۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۟ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے خوب کھول کر بیان کرے اور تمہیں تم سے پہلے (نیک) لوگوں کی راہ چلائے اور تم پر اپنی رحمت لوٹادے اللہ تعالیٰ پورے علم وحکمت والا ہے۔[۲۶] اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول کرے۔ اور جو لوگ خواہشات کے پیرو ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم اس سے بہت دور ہٹ جاؤ۔[۲۷] اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے بالکل تخفیف کر دے کیوں کہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔[۲۸]

اللہ تعالیٰ کے احکام میں سختی نہیں: [آیت:۲۶-۲۸] فرمان ہوتا ہے کہ اے مومنو! اللہ تعالیٰ ارادہ کر چکا ہے کہ حلال وحرام تم پر کھول کھول کر بیان فرمادے (جیسے کہ اس سورت میں اور دوسری سورتوں میں اس نے بیان فرمایا) وہ چاہتا ہے کہ اگلے لوگوں کی قابل تعریف راہیں تمہیں سمجھا دے تا کہ تم اس کی اس شریعت پر عمل کرنے لگ جاؤ جو اس کی محبوب اور اس کی رضامندی کی ہے وہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول فرمالے جس گناہ سے جس حرام کاری سے تم توبہ کرو وہ فوراً قبول فرمالیتا ہے۔ وہ علم وحکمت والا ہے اپنی شریعت اپنے اندازے اپنے کام اور اپنے فرمان میں وہ صحیح علم اور کامل حکمت رکھتا ہے۔ خواہش نفسانی کے پیروکار یعنی شیطانوں کے غلام یہود ونصاریٰ اور بدکار لوگ تمہیں حق سے ہٹانا اور باطل کی طرف جھکانا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حکم واحکام میں روکنے ہٹانے میں شریعت اور اندازے مقرر کرنے میں تمہارے لئے آسانیاں چاہتا ہے اور اسی بنا پر چند شرائط کے ساتھ اس نے لونڈیوں سے نکاح کر لینا تم پر حلال کر دیا۔ انسان چونکہ پیدائشی کمزور ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام میں کوئی سختی نہیں رکھی۔ یہ فی نفسہ بھی کمزور اس کے ارادے اور حوصلے بھی کمزور یہ عورتوں کے بارے میں بھی کمزور یہاں آ کر بالکل بے وقوف بن جانے والا۔

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ شب معراج میں سدرۃ المنتہیٰ سے لوٹے اور موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو آپ نے دریافت کیا کہ آپ پر کیا فرض کیا گیا؟ فرمایا ''ہر دن رات میں پچاس نمازیں۔'' تو کلیم اللہ علیہ السلام نے فرمایا واپس جائیے اور اللہ تعالیٰ سے تخفیف طلب کیجئے آپ کی امت میں اس کی طاقت نہیں میں آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں وہ اس سے بہت کم میں گھبرا گئے تھے اور آپ کی امت تو کانوں آنکھوں اور دل کی کمزوری میں ان سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔

چنانچہ آپ واپس گئے دس معاف کرالائے پھر بھی یہی باتیں ہوئیں پھر گئے پھر دس کم ہوئیں یہاں تک کہ آخری مرتبہ پانچ ہی رہ گئیں۔ ❶

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب کیف فرضت الصلاۃ فی الإسراء، ۳۴۹؛ صحیح مسلم، ۱۶۳۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿٢٩﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿٣٠﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿٣١﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! مت کھاؤ اپنے آپس کے مال ناجائز طریقہ سے مگر یہ کہ ہو خرید وفروخت تمہاری آپس کی رضامندی سے' اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو' یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نہایت مہربان ہے۔[۲۹] اور جو شخص کرے گا یہ سرکشی اور ظلم سے تو عنقریب ہم اس کو داخل کریں گے آگ میں' اور وہ اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے۔[۳۰] اگر تم بچتے رہو گے ان بڑے گناہوں سے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ دور کر دیں گے اور عزت و بزرگی کی جگہ داخل کریں گے۔[۳۱]

خلاف شرع تجارت اور بیع خیار: [آیت:۲۹-۳۱] اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو ایک دوسرے کے مال باطل طریقہ کے ساتھ کھانے کی ممانعت فرما رہا ہے خواہ اس کمائی کے ذریعہ سے ہو جو شرعاً حرام ہے جیسے سود خواری' قمار بازی اور ایسے ہی ہر طرح کی حیلہ سازی گو اسے شرعی صورت جواز کی دے دی ہو۔ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال ہوتا ہے کہ ایک شخص کپڑا خریدتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر مجھے پسند آیا تو رکھ لوں گا ورنہ کپڑا اور ایک درہم واپس کر دوں گا۔ آپ نے اس آیت کی تلاوت کر دی یعنی اسے باطل مال کھانے میں شامل کیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ آیت محکم ہے یعنی منسوخ نہیں نہ قیامت تک منسوخ ہو سکتی ہے۔ آپ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو مسلمانوں نے ایک دوسرے کے ہاں کھانا چھوڑ دیا جس پر آیت ﴿لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى﴾ ❶ اتری۔ ﴿تِجَارَةً﴾ کو ﴿تِجَارَةٌ﴾ بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ استثنا منقطع ہے گویا یوں فرمایا جا رہا ہے کہ حرمت والے اسباب سے مال نہ ہو' ہاں شرعی طریق پر تجارت سے نفع اٹھانا جائز ہے جو خریدار اور بیچنے والے کی رضامندی سے ہو۔ جیسے اور جگہ ہے ''کسی بے گناہ جان کو نہ مارو ہاں حق کے ساتھ ہو تو جائز ہے۔'' اور جیسے دوسری آیت میں ہے ''وہاں موت نہ چکھیں گے مگر پہلی بار کی موت۔'' حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت سے استدلال کر کے فرماتے ہیں' خرید وفروخت بغیر قبولیت کے صحیح نہیں ہوتی' اس لئے کہ رضامندی کی پوری سند یہی ہے۔ صرف لین دین کر لینا کبھی بھی رضامندی پر پوری دلیل نہیں بن سکتا اور جمہور اس کے برخلاف ہیں۔ تینوں اور اماموں کا قول ہے کہ جس طرح زبانی بات چیت رضامندی کی دلیل ہے اسی طرح لین دین بھی رضامندی کی دلیل ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ کم قیمت معمولی چیزوں میں تو صرف لینا دینا ہی کافی ہے اور اسی طرح بیوپار کا جو طریقہ ہو صحیح مذہب میں احتیاطی نظر سے تو بات چیت میں قبولیت کا ہونا اور بات ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں خرید وفروخت ہو یا بخشش ہو سب کو یہ حکم شامل ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی مرفوع حدیث میں ہے ''تجارت رضامندی ہے اور بیوپار کے بعد اختیار ہے' کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان کو دھوکہ دے۔'' یہ حدیث مرسل ہے پوری رضامندی میں مجلس کے خاتمہ تک کا

❶ ٢٤/ النور: ٦١۔

اختیار بھی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ”دونوں بائع مشتری اختیار والے ہیں جب تک جدا نہ ہوں۔“ ❶ بخاری شریف میں ہے ”جب دو شخص خرید و فروخت کریں تو ہر ایک کو اختیار ہے جب تک الگ الگ نہ ہوں۔“ ❷ اسی حدیث کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے سب ساتھیوں کا فتویٰ ہے اور جمہور سلف و خلف کا بھی؛ اور اسی پوری رضامندی میں داخل ہے خرید و فروخت کے تین دن بعد میں اختیار دینا بھی، گو وہ اختیار سال بھر تک کا ہو جیسے گاؤں والوں میں وغیرہ۔ امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور مذہب یہی ہے کہ گو ان کے نزدیک صرف لین دین سے ہی بیع صحیح ہو جاتی ہے۔ شافعی مذہب میں بھی ایک قول یہ ہے اور ان میں سے بعض فرماتے ہیں کہ معمولی کم قیمت چیزوں میں جنہیں لوگ بیوپار کے لئے رکھتے ہوں صرف لین دین ہی کافی ہے۔ بعض اصحاب کا اختیار یہی ہے جیسے کہ متفق علیہ ہے۔

پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کے حرام کاموں کا ارتکاب کر کے اور اس کی نافرمانیاں کر کے اور ایک دوسرے کے مال بیجا طور پر مار کر، کھا کر اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو اللہ تعالیٰ تم پر رحیم ہے اور اس کا ہر حکم اور ہر ممانعت رحمت والی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو ذات السلاسل والے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا۔ آپ فرماتے ہیں مجھے ایک رات احتلام ہو گیا سردی بہت سخت تھی یہاں تک کہ مجھے نہانے میں اپنی جان جانے کا خطرہ ہو گیا تو میں نے تیمم کر کے اپنی جماعت کو صبح کی نماز پڑھا دی۔ جب وہاں سے واپس ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے یہ واقعہ کہہ سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”کیا تو نے اپنے ساتھیوں کو جنبی ہونے کی حالت میں نماز پڑھا دی۔“ میں نے کہا حضور! جاڑا سخت تھا اور مجھے اپنی جان جانے کا اندیشہ تھا تو مجھے یاد پڑا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”اپنے تئیں ہلاک نہ کر ڈالو اللہ رحیم ہے“ میں نے تیمم کر کے نماز صبح پڑھا دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس دیئے اور مجھے کچھ نہ فرمایا۔ ❸ ایک روایت میں ہے کہ اور لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا اور پھر آپ کے دریافت کرنے پر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے یہ عذر پیش کیا۔ ❹ بخاری و مسلم میں ہے ”جو شخص کسی لوہے سے خودکشی کرے گا وہ قیامت تک جہنم کی آگ میں لوہے سے خودکشی کرتا رہے گا اور جو جان بوجھ کر مر جانے کی نیت سے زہر کھالے گا وہ ہمیشہ ہمیشہ آگ جہنم میں زہر کھاتا رہے گا۔“ ❺ اور روایت میں ہے کہ ”جو شخص اپنے تئیں جس چیز سے قتل کرے گا وہ قیامت والے دن اسی چیز سے عذاب کیا جائے گا۔“ ❻ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”تم سے پہلے کے لوگوں میں سے ایک شخص کے زخم لگے، اس نے چھری سے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالا، خون نہ تھما اور وہ اسی میں مر گیا تو اللہ عزوجل نے فرمایا، میرے بندے نے اپنے تئیں فنا کرنے کی جلدی کی، میں نے اس پر جنت کو حرام

---

❶ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب کم یجوز الخیار، ۲۱۰۸؛ صحیح مسلم، ۱۵۳۲؛ ابوداود، ۳۴۵۵؛ نسائی، ٤٤٧٤۔

❷ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب إذا خیر أحدهما صاحبه بعد البیع، ۲۱۱۲؛ نسائی، ٤٤٧٣۔

❸ صحیح بخاری، کتاب التیمم باب إذا خاف الجنب علی نفسه...... تعلیقًا قبل حدیث: ٣٤٥۔ اور حافظ ابن حجر اس کی اسناد کو قوی قرار دیتے ہیں، الفتح، ١/ ٤٥٤؛ ابوداود: کتاب الطهارة باب إذا خاف الجنب البرد، ٣٣٤؛ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے (الإرواء، ١٥٤)

❹ ابن مردویه، یہ روایت یوسف بن خالد السمتی کی وجہ سے سخت ضعیف و مردود ہے۔

❺ صحیح بخاری، کتاب الطب باب شرب السم، ٥٧٧٨؛ صحیح مسلم، ۱۰۹؛ ابوداود، ۳۸۷۲؛ ترمذی، ۲۰٤۳؛ وابن ماجه، ٣٤٦٠؛ نسائی، ١٩٦٧۔

❻ صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب من حلف بملة سوی ملة الاسلام، ٦٦٥٢؛ صحیح مسلم، ١١٠؛ وابوداود، ٣٧٥٨؛ ترمذی، ١٥٤٣؛ نسائی، ٣٨٤٤۔

کیا۔" ❶ اسی لئے اللہ تعالیٰ یہاں فرماتا ہے جو شخص اسے ظلم وزیادتی کے ساتھ کرے یعنی حرام جانتے ہوئے اس کا مرتکب ہو اور دلیرانہ طور سے حرام پر کاربند ہو وہ جہنمی ہے۔ پس ہر عاقل کو اس سخت ڈراوے سے ڈرنا چاہئے۔ دل کے کان کھول کر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو سن کر حرام کاریوں سے اجتناب کرنا چاہئے۔

گناہ کبیرہ کا بیان: پھر فرماتا ہے اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے تو ہم تمہارے چھوٹے چھوٹے گناہ معاف فرما دیں گے اور تمہیں جنتی بنا دیں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ ہم نے نہیں دیکھا مثل اس کے جو ہمیں ہمارے رب کی طرف سے پہنچی ہے۔ پھر ہم اس کے لئے اپنے اہل و مال سے جدا نہ ہو جائیں کہ وہ ہمارے چھوٹے چھوٹے گناہوں سے درگزر فرماتا ہے سوائے کبیرہ گناہوں کے۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ ❷ اس آیت کے متعلق بہت سی احادیث بھی ہیں۔ تھوڑی بہت ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔ مسند احمد میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جانتے ہو جمعہ کا دن کیا ہے؟" میں نے جواب دیا کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے باپ کی پیدائش کو جمع کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو اب جو میں جانتا ہوں وہ "سنو! جو شخص اس دن اچھی طرح پاکیزگی حاصل کر کے نماز جمعہ کے لئے آئے اور نماز ختم ہو جانے تک خاموش رہے تو اس کا یہ عمل اگلے جمعہ تک کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے، جب تک کہ وہ قتل سے بچا ہوا ہے۔" ❸ ابن جریر میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ سناتے ہوئے فرمایا "اس رب کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔" تین مرتبہ یہی فرمایا پھر سر نیچا کر لیا اور ہم نے بھی سر نیچا کر لیا اور لوگ رونے لگے اور جی دھل گیا کہ اللہ تعالیٰ جانے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کس چیز پر قسم کھائی ہے اور پھر کیوں خاموشی اختیار کی ہے تھوڑی دیر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھایا اور آپ کا چہرہ بشاش تھا جس سے ہم اس قدر خوش ہوئے کہ اگر ہمیں سرخ رنگ کے اونٹ ملتے تو اس قدر خوش نہ ہوتے۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے "جو بندہ پانچوں نمازیں پڑھے اور رمضان کے روزے رکھے اور زکوٰۃ ادا کرتا رہے اور سات کبیرہ گناہوں سے بچے اس کے لئے جنت کے سب دروازے کھل جائیں گے اور اسے کہا جائے گا کہ سلامتی کے ساتھ اس میں چلے جاؤ۔" ❹

سات کبیرہ گناہ جن سات گناہوں کا اس میں ذکر ہے ان کی تفصیل بخاری و مسلم کی حدیث میں اس طرح پر آئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان سات گناہوں سے بچو جو ہلاک کرنے والے ہیں۔" پوچھا گیا کہ حضور! وہ کون سے گناہ ہیں؟ فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا اور اسے قتل کرنا جس کا قتل حرام ہو ہاں اگر کسی شرعی وجہ سے اس کا خون حلال ہو گیا ہو تو اور بات ہے اور جادو کرنا اور سود کھانا اور یتیم کا مال کھانا اور میدان جنگ سے کفار کے مقابلے سے بھاگ کھڑا ہونا اور بھولی بھالی پاک دامن مسلمان عورتوں کو تہمت لگانا۔" ❺ ایک روایت "میں جادو کے بدلے ہجرت کر کے پھر واپس اپنے دیس میں قیام کر لینا۔" ❻ یہ یاد رہے کہ ان سات گناہوں کو کبیرہ

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی قاتل النفس، ١٣٦٤؛ صحیح مسلم، ١١٣۔

❷ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مختصر زوائد البزار، ٢/ ٧٨ میں فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں جلد بن ایوب ضعیف راوی ہے۔

❸ احمد ٥/ ٤٤٠، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھئے (صحیح الترغیب، ٦٨٩) اس معنی کی روایت صحیح بخاری، ٩١٠؛ نسائی، ١٤٠٤ میں بھی موجود ہے۔ یہ روایت شواہد کے ساتھ حسن ہے۔ ❹ نسائی، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ، ٥/ ٨ ح ٢٤٤٠ وسندہ حسن لذاتہ۔ ❺ صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب فی المحصنات، ٦٨٥٧؛ صحیح مسلم، ٨٩؛ ابوداود، ٢٨٧٤؛ نسائی، ٣٧٠١۔ ❻ ابن ابی حاتم والبزار؛ کشف الاستار، ١٠٩ بسندین ضعیفین واخطأ من حسنه۔

کہنے سے یہ مطلب نہیں کہ کبیرہ گناہ صرف یہی ہیں' جیسے کہ بعض اور لوگوں کا خیال ہے جن کے نزدیک مفہوم مخالف معتبر ہے۔ دراصل یہ بہت بودا قول اور غلط اصول ہے' بالخصوص اس وقت جب کہ اس کے خلاف دلیل موجود ہے' اور یہاں تو صاف لفظوں میں اور کبیرہ گناہوں کا ذکر بھی موجود ہے۔ مندرجہ ذیل احادیث ملاحظہ ہوں۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگو! ''سن رکھو اللہ تعالیٰ کے ولی صرف نمازی ہی ہیں جو پانچوں وقت کی فرض نمازوں کو باقاعدہ بجالاتے ہیں جو رمضان شریف کے روزے رکھتے ہیں فرض جان کر اور ثواب حاصل کرنے کی نیت رکھ کر' اسی طرح ہنسی خوشی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور ان تمام کبیرہ گناہوں سے دور رہتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے روک دیا ہے۔'' ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! وہ کبیرہ گناہ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''شرک' قتل' میدان جنگ سے بھاگنا' مال یتیم کھانا' سود خواری' پاک دامنوں کو تہمت لگانا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا' بیت اللہ کی حرمت کو توڑنا جو زندگی اور موت میں تمہارا قبلہ ہے۔ سنو جو شخص مرتے دم تک ان بڑے گناہوں سے اجتناب کرتا رہے اور نماز و زکوٰۃ کی پابندی کرتا رہے وہ نبی اللہ کے ساتھ جنت میں سونے کے محلوں میں ہوگا۔'' ❶

حضرت طیلسہ بن میاس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھ سے ایک گناہ ہو گیا جو میرے نزدیک کبیرہ تھا۔ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا وہ کبیرہ گناہ نو ہیں' اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا' کسی کو بلاوجہ مار ڈالنا' میدان جنگ میں دشمنان دین کو پیٹھ دکھانا' پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا' سود کھانا' یتیم کا مال ظلم سے کھا جانا' مسجد حرام میں الحاد پھیلانا اور جادو کو جائز جاننا اور ماں باپ کو بوجہ نافرمانی کے رلانا۔ حضرت طیلسہ بن میاس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے بیان کے بعد بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دیکھا کہ میرا ڈر خوف کم نہیں ہوا تو فرمایا۔ کیا تجھے جہنم کی آگ میں داخل ہونے کا ڈر اور جنت میں جانے کی چاہت ہے؟ میں نے کہا بہت کچھ۔ فرمایا سنو' کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟ میں نے کہا صرف والدہ حیات ہیں۔ فرمایا بس تو تم ان سے نرم کلامی سے بولا کرو اور انہیں کھانا کھلاتے رہا کرو اور ان کبیرہ گناہوں سے بچتے رہا کرو' تم یقیناً جنت میں جاؤ گے۔ ❷ اور روایت میں ہے کہ حضرت طیلسہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے میدان عرفات میں عرفہ کے دن پیلو کے درخت تلے ملے تھے' اس وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے سر اور چہرے پر پانی بہار رہے تھے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تہمت دھرنے کا ذکر کیا تو میں نے کہا کیا یہ بھی مثل قتل کے بہت بڑا گناہ ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ہاں۔ اور اس میں گناہوں کے ذکر میں جادو کا ذکر بھی ہے۔ اور روایت میں ہے کہ میری ان کی ملاقات شام کے وقت ہوئی تھی اور میں نے ان سے کبائر کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ کبائر سات ہیں۔ میں نے پوچھا' کیا کیا تو فرمایا شرک اور تہمت۔ میں نے کہا کیا یہ بھی مثل خون ناحق کے ہے۔ فرمایا ہاں ہاں' اور کسی مؤمن کو بے سبب مار ڈالنا اور لڑائی سے بھاگنا اور جادو اور سود خوری اور یتیم کا مال کھانا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور بیت اللہ میں الحاد جو زندگی میں اور موت میں تمہارا قبلہ ہے۔ ❸

مسند احمد میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''جو اللہ تعالیٰ کا بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے نماز قائم رکھے زکوٰۃ

---

❶ حاکم، ١/ ٥٩؛ ابوداود، کتاب الوصایا، باب ما جاء فی التشدید فی اکل مال الیتیم، ٢٨٧٥؛ نسائی، ٤٠١٧ وسندہ ضعیف یحیٰ بن ابی کثیر مدلس راوی ہے اور سماع کی صراحت نہیں۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (ضعیف الترغیب، ٤٦١)۔

❷ ابن جریر والبخاری فی الادب المفرد، ٩، وسندہ صحیح۔

❸ الطبری، ٩١٨٩ موقوفا وسندہ ضعیف۔

ادا کرے رمضان کے روزے رکھے اور کبیرہ گناہوں سے بچے وہ جنتی ہے۔'' ایک شخص نے پوچھا کبائر کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا' مسلمان نفس کو قتل کرنا' لڑائی والے دن بھاگ کھڑا ہونا۔'' ❶ ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کو ایک کتاب لکھوا کر بھجوائی جس میں فرائض تھے سنن تھیں' دیت یعنی جرمانوں کے احکام تھے اور یہ کتاب حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اہل یمن کو بھجوائی تھی۔ اس کتاب میں یہ بھی تھا کہ ''قیامت کے دن تمام کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا کبیرہ گناہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرے اور ایمان دار شخص کا قتل بغیر حق کے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے میدان میں جا کر لڑتے ہوئے نامردی سے جان بچانے کی خاطر بھاگ کھڑا ہونا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور ناکردہ گناہ عورتوں پر الزام لگانا اور جادو سیکھنا اور سود کھانا اور مال یتیم برباد کرنا۔'' ❷ ایک اور روایت میں کبیرہ گناہوں کے بیان میں جھوٹی بات یا جھوٹی شہادت بھی ہے ❸ اور حدیث میں ہے کہ کبیرہ گناہوں کے بیان کے وقت آپ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے' لیکن جب یہ بیان فرمایا کہ ''جھوٹی گواہی اور جھوٹ بات'' اس وقت آپ تکیے سے ہٹ گئے اور بڑے زور سے اس بات کو بیان فرمایا اور بار بار اسی کو دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے کہا کاش اب تو آپ نہ دہرائیں۔ ❹ بخاری و مسلم میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا حضور! کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا ''یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک بنائے باوجودیکہ تجھے صرف اسی نے پیدا کیا ہے۔'' میں نے پوچھا' اس کے بعد فرمایا یہ کہ ''تو اپنے بچے کو اس ڈر سے قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گا۔'' میں نے پوچھا پھر کونسا گناہ بڑا ہے۔ فرمایا ''یہ کہ تو اپنی پڑوسن سے بدکاری کرے۔'' پھر حضور اکرم ﷺ نے آیت ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ...... اِلَّا مَنْ تَابَ﴾ ❺ تک پڑھی۔ ❻

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما مسجد الحرام میں حطیم کے اندر بیٹھے ہوئے تھے جب ایک شخص نے شراب کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا مجھ جیسا بوڑھا بڑی عمر کا آدمی اس جگہ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ پر جھوٹ بول سکتا ہے؟ شراب کا پینا تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے یہ کام تمام خباثتوں کی ماں ہے' شرابی تارک نماز ہوتا ہے' وہ اپنی ماں اور خالہ اور پھوپی سے بھی بدکاری کرنے سے نہیں چوکتا۔ ❼ یہ حدیث غریب ہے۔ ابن مردویہ میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما اور دوسرے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم ایک مرتبہ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے وہاں کبیرہ گناہوں کا ذکر چل نکلا کہ سب سے بڑا گناہ کونسا ہے تو کسی کے پاس مصدقہ جواب نہ تھا' اس لئے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بھیجا کہ تم جا کر حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے دریافت کر آؤ' میں گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ سب سے بڑا گناہ شراب پینا ہے۔ میں نے واپس آ کر

---

❶ احمد، ٥/ ٤١٣؛ نسائی، کتاب تحریم الدم، باب ذکر الکبائر، ٤٠١٤، وسنده صحیح۔
❷ ابن مردویه وحاکم، ١/ ٣٩٥، ٣٩٧، ح ١٤٤٧ وصحیح ابن حبان، مع الاحسان، ٦٥٢٥ وسنده ضعیف۔
❸ صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب عقوق الوالدین من الکبائر، ٥٩٧٧؛ صحیح مسلم، ٨٨۔
❹ صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب عقوق الوالدین من الکبائر، ٥٩٧٦؛ صحیح مسلم، ٨٧؛ ترمذی، ١٩٠١۔
❺ ٢٥/ الفرقان:٦٨۔
❻ صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب قتل الولد خشیة ان یأکل معه، ٦٠٠١؛ صحیح مسلم، ٨٦۔
❼ طبرانی، ١١٣٧٢، ١١٤٩٨، وسنده ضعیف۔

اس مجلس میں جواب سنا دیا۔ اس پر اہل مجلس کو تسکین نہ ہوئی اور سب حضرات اٹھ کر حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے گھر چلے اور خود ان سے دریافت کیا تو انہوں نے بیان کیا کہ لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک واقعہ بیان کیا کہ بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک نے ایک شخص کو گرفتار کیا' پھر اس سے کہا' یا تو اپنی جان سے ہاتھ دھو ڈال یا ان کاموں میں سے کسی ایک کو کر۔ یعنی یا تو شراب پی یا خون ناحق کر یا زنا کر یا سور کا گوشت کھا۔ اس نے غور و تامل کے بعد جان کے ڈر سے شراب کو ہلکی چیز سمجھ کر پینا منظور کر لیا۔ جب شراب پی لی تو پھر نشہ میں وہ ان تمام کاموں کو کر گزرا جن سے وہ پہلے رکا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ گوش گزار فرما کر ہم سے فرمایا ''جو شخص شراب پیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی نمازیں چالیس رات تک قبول نہیں فرماتا اور جو شراب پینے کی عادت میں ہی مر جائے اور اس کے مثانہ میں تھوڑی سی شراب ہو اس پر اللہ تعالیٰ جنت حرام کر دیتا ہے۔ اگر شراب پینے کے بعد چالیس راتوں کے اندر اندر مرے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوتی ہے۔'' ❶ یہ حدیث غریب ہے۔ ایک اور حدیث میں جھوٹی قسم کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا ہے (بخاری وغیرہ) ❷ ابن ابی حاتم میں جھوٹی قسم کے بیان کے بعد یہ فرمان بھی ہے کہ ''جو شخص اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کوئی بات کہے اور اس میں مچھر کے پر کے برابر زیادتی کرے' اس کے دل میں ایک سیاہ داغ ہو جاتا ہے جو قیامت تک باقی رہتا ہے۔'' ❸

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ''انسان کا اپنے ماں باپ کو گالی دینا کبیرہ گناہ ہے۔'' لوگوں نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم! اپنے ماں باپ کو کیسے گالی دے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس طرح کہ اس نے دوسرے کے باپ کو گالی دی' اس نے اس کے باپ کو' اس نے اس کی ماں کو برا کہا' اس نے اس کی ماں کو۔'' بخاری شریف میں ہے ''سب سے بڑا کبیرہ گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ پر لعنت کرے۔'' لوگوں نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ فرمایا ''دوسرے کے ماں باپ کو کہہ کر اپنے ماں باپ کو کہلوانا۔'' ❹ صحیح حدیث میں ہے ''مسلمان کو گالی دینا فاسق بنا دیتا ہے' اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔'' ❺ ابن ابی حاتم میں ہے ''اکبر الکبائر یعنی تمام کبیرہ گناہوں میں بڑا گناہ کسی مسلمان کی آبروریزی کرنا ہے' اور ایک گالی کے بدلے دو گالیاں دینا ہے۔'' ❻

ترمذی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص دو نمازوں کو بغیر عذر کے جمع کرے وہ کبیرہ گناہوں کے دروازوں میں سے ایک دروازہ میں گھسا۔'' ❼ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی کتاب جو ہمارے سامنے پڑھی گئی اس میں بھی تھا کہ دو نمازوں کو بغیر شرعی عذر کے جمع کرنا کبیرہ گناہ ہے اور لڑائی کے میدان سے بھاگ کھڑا ہونا اور لوٹ کھسوٹ کرنا بھی کبیرہ گناہ

❶ حاکم، ٤/ ١٤٧؛ وصححه على شرط مسلم وسنده حسن؛ المعجم الاوسط ٣٦٥۔

❷ صحیح بخاری، کتاب استتابة المرتدين، باب اثم من أشرك بالله، ٦٩٢٠۔ ❸ احمد، ٣/ ٤٩٥؛ ترمذی، کتاب تفسير القرآن باب ومن سورة النساء، ٣٠٢٠، وسنده حسن۔ ❹ صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب لا يسب الرجل والديه، ٥٩٧٣؛ صحیح مسلم، ٩٠؛ أبوداود، ٥١٤١؛ ترمذی، ١٩٠٢۔

❺ صحیح بخاری، کتاب الايمان، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر، ٤٨؛ صحیح مسلم، ٦٤۔

❻ ابوداود، کتاب الأدب باب فی الغيبة، ٤٨٧٧ وسنده ضعيف زہیر بن محمد سے اہل شام کی روایات صحیح نہیں ہوتیں اور یہ ان میں سے ہے۔

❼ ترمذی، کتاب الصلاة، باب ما جاء فيمن أدرك ركعة من العصر قبل أن تغرب الشمس، ١٨٨ وسنده ضعيف جداً؛ حنش متروک راوی ہے۔

ہے۔ الغرض ظہر عصر یا مغرب عشاء پہلے وقت یا پچھلے وقت بغیر شرعی رخصت کے جمع کر کے پڑھنا کبیرہ گناہ ہے پھر جو شخص کہ بالکل ہی نہ پڑھے اس کے گناہ کا تو کیا ٹھکانہ ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ ''بندے اور شرک کے درمیان نماز کا چھوڑ دینا ہے۔'' ❶ سنن کی ایک حدیث میں ہے کہ ''ہم میں اور کافر میں فرق کرنے والی چیز نماز کا چھوڑ دینا ہے جس نے اسے چھوڑا اس نے کفر کیا۔'' ❷ اور روایت میں آپ ﷺ کا یہ فرمان بھی منقول ہے کہ ''جس نے عصر کی نماز ترک کر دی' اس کے اعمال غارت ہو گئے۔'' ❸ اور حدیث میں ہے کہ ''جس سے عصر کی نماز فوت ہوئی' گویا اس کا مال اور اس کے اہل وعیال سب ہی ہلاک ہو گئے۔'' ❹

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کبیرہ گناہ کیا کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کی رحمت سے ناامید ہونا اور اس کے مکر سے بے خوف ہو جانا اور یہ سب سے بڑا کبیرہ گناہ ہے۔'' اسی کی مثل ایک روایت اور بھی بزار میں مروی ہے لیکن زیادہ ٹھیک یہ ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔ ❺ ابن مردویہ میں ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سب سے بڑا کبیرہ گناہ اللہ تعالیٰ عزوجل کے ساتھ بدگمانی کرنا ہے۔ یہ روایت بہت ہی غریب ہے۔ ❻ پہلے وہ حدیث بھی گزر چکی ہے جس میں ہجرت کے بعد کفرستان میں آ کر بسنے کو بھی کبیرہ گناہ فرمایا ہے۔ یہ حدیث ابن مردویہ میں ہے۔ سات کبیرہ گناہوں میں سے ایک اسے گنا لیکن اس کی اسناد میں نظر ہے اور اسے مرفوع کہنا غلط ہے۔ ❼ ٹھیک بات وہ ہے جو تفسیر ابن جریر میں مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفے کی مسجد میں ایک مرتبہ کھڑے ہو کر منبر پر لوگوں کو خطبہ سنا رہے تھے۔ جس میں فرمایا لوگو! کبیرہ گناہ سات ہیں۔ اسے سن کر لوگ چیخ اٹھے۔ آپ نے اسی کو پھر دہرایا پھر دہرایا' پھر فرمایا تم مجھ سے اس کی تفصیل کیوں نہیں پوچھتے؟ لوگوں نے کہا امیر المؤمنین فرمائیے وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا' جس جان کو اللہ تعالیٰ نے مار ڈالنا حرام کیا ہے اسے مار ڈالنا' پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا' یتیم کا مال کھا جانا' سود خواری کرنا' لڑائی کے دن پیٹھ دکھانا' ہجرت کے بعد پھر دارالکفر میں آ بسنا۔ راوی حدیث حضرت محمد بن سہل رحمہ اللہ نے اپنے والد حضرت سہل بن خیثمہ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ اسے کبیرہ گناہوں میں کیسے داخل کیا تو جواب ملا کہ پیارے بچے اس سے بڑھ کر ستم کیا ہوگا کہ ایک شخص ہجرت کر کے مسلمانوں میں ملے' مال غنیمت میں اس کا حصہ مقرر ہو جائے' مجاہدین میں اس کا نام درج کر دیا جائے پھر وہ ان تمام چیزوں کو چھوڑ کر اعرابی بن جائے اور دارالکفر میں چلا جائے اور جیسا تھا ویسا ہی ہو جائے۔ ❽

مسند احمد میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا ''خبردار ہو جاؤ وہ چار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ

❶ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان اطلاق اسم الکفر علی من ترك الصلاة، ۸۲؛ أبوداود، ۲٦۲۰؛ ترمذی، ۲٦۱۸؛ نسائی، ٤٦٤؛ وابن ماجه، ۱۰۷۸۔

❷ ترمذی، کتاب الایمان، باب ما جاء فی ترك الصلاة، ۲٦۲۱ وسنده صحیح؛ نسائی: ٤٦٤؛ ابن ماجه، ۱۰۷۹۔

❸ صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاة، باب من ترك العصر، ۵۵۳۔

❹ صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاة، باب إثم من فاتته العصر، ۵۵۲؛ صحیح مسلم، ٦۲٦۔

❺ ابن ابی حاتم وسنده حسن، البزار، کشف الاستار، ۱۰٦، وهو حسن، مجمع الزوائد، ۱/ ۱۰٤۔

❻ ابن مردویه وسنده ضعیف۔

❼ ابن جریر، وسنده ضعیف؛ ابن اسحاق عنعن۔ ❽ الطبری، ٤/ ۳۹۔

کسی کو شریک نہ کرو خون ناحق سے بچو، ہاں شرعی اجازت اور چیز ہے، زنا کاری نہ کرو، چوری نہ کرو۔'' ❶ وہ حدیث پہلے گزر چکی ہے جس میں ہے کہ ''وصیت کرنے میں کسی کو نقصان پہنچانا بھی کبیرہ گناہ ہے۔'' ❷ ابن جریر میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک مرتبہ کبیرہ گناہوں کا ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا یتیم کا مال کھانا، لڑائی سے بھاگ کھڑا ہونا، پاک دامن بے گناہ عورتوں پر تہمت لگانا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، جھوٹ بولنا، دھوکہ دینا، خیانت کرنا، جادو کرنا، سود کھانا، یہ سب کبیرہ گناہ ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اور اس گناہ کو کہاں رکھتے ہو جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی تھوڑی قیمت پر بیچتے پھرتے ہیں'' ❸ آخر آیت تک آپ نے تلاوت کی۔ اس کی اسناد میں ضعف ہے اور یہ حدیث حسن ہے۔ پس ان تمام احادیث میں کبیرہ گناہوں کا ذکر موجود ہے۔

کبیرہ گناہ اور سلف صالحین کے چند اقوال: اب اس بارے میں سلف صالحین رحمہم اللہ علیہم کے جو اقوال ہیں وہ ملاحظہ ہوں۔ ابن جریر میں ہے چند لوگوں نے مصر میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ بہت سی باتیں کتاب اللہ میں ہم ایسی پاتے ہیں کہ جن پر ہمارا عمل نہیں اس لئے ہم امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ انہیں لے کر مدینہ آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملے۔ آپ نے پوچھا کب آئے؟ جواب دیا کہ اتنے دن ہوئے۔ پوچھا اجازت سے آئے ہو؟ اس کا جواب دیا پھر ان لوگوں کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا انہیں جمع کرو۔ پھر ان کے پاس آئے اور ان میں سے ایک سے پوچھا تجھے اللہ تعالیٰ اور حق اسلام کی قسم ہے تو نے پورا قرآن کریم پڑھا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا تو نے اپنے جی میں اسے محفوظ بھی کر لیا ہے۔ اس نے کہا نہیں اور اگر ہاں کہہ دیتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے دلائل سے عاجز کر دیتے۔ پھر فرمایا اپنی نگاہ میں اپنی زبان پر اپنی چال میں اسے گھیر لیا ہے۔ پھر ایک ایک سے یہی سوال کیا۔ پھر فرمایا تم عمر کو اس مشقت میں ڈالنا چاہتے ہو کہ لوگوں کو کتاب اللہ کے مطابق ہی ٹھیک ٹھاک کر دے۔ ہمارے رب کو پہلے ہی سے ہماری خطاؤں کا علم تھا۔ پھر آپ نے آیت ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا﴾ کی تلاوت کی۔ پھر فرمایا کیا اہل مدینہ کو تمہارے آنے کا یہ سبب معلوم ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ فرمایا اگر انہیں بھی اس کا علم ہوتا تو مجھے اس بارے میں انہیں بھی وعظ کہنا پڑتا۔ اس کی اسناد حسن ہے اور متن بھی حسن ہے گو یہ روایت حسن رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہے جس میں انقطاع ہے۔ لیکن اتنے سے نقصان کو اس کی پوری شہرت کافی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کبیرہ گناہ یہ ہیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا، کسی کو مار ڈالنا، یتیم کا مال کھانا، پاک دامن عورتوں کو تہمت لگانا، لڑائی سے بھاگ جانا، ہجرت کے بعد دار الکفر میں قیام کر لینا، جادو کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، سود کھانا، جماعت سے جدا ہونا، خرید و فروخت توڑ دینا۔ پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بڑے سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کشادگی سے مایوس ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونا ہے اور اللہ عزوجل کے مکر سے بے خوف ہونا ہے۔ ابن جریر میں آپ ہی سے روایت ہے کہ سورۂ نساء کے شروع سے لے کر تیس آیتوں تک کبیرہ گناہ کا بیان ہے۔ پھر آپ نے آیت ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا﴾ کی تلاوت کی۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کبیرہ گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا، ماں باپ کو ناخوش کرنا، آسودگی کے بعد بچے ہوئے

---

❶ أحمد، ۴/ ۳۳۹، وھو صحیح۔ ❷ دار قطنی، ۴/ ۱۵۱، ح ۴۲۴۹ وسندہ ضعیف جداً۔

❸ الطبری، ۹۲۲۷۔ اس کی سند میں جعفر بن زبیر متہم بالکذب ہے (المیزان، ۱/ ۴۰۶، رقم: ۱۵۰۲) لہٰذا یہ روایت سخت ضعیف و مردود ہے۔

پانی کو حاجت مندوں سے روک رکھنا' اپنے پاس کے نر جانور کو کسی مادہ کے لئے بغیر کچھ لئے نہ دینا ہیں۔ ❶ بخاری و مسلم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے "بچا ہوا پانی نہ روکا جائے اور نہ بچی ہوئی گھاس روکی جائے۔" ❷ اور روایت میں ہے "تین قسم کے گنہگاروں کی طرف قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہ دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہیں' ایک شخص جو جنگل میں بچے ہوئے پانی پر قبضہ کر کے مسافروں کو اس سے روکے۔" ❸ مسند احمد میں ہے "جو شخص زائد پانی کو اور زائد گھاس کو روک رکھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر اپنا فضل نہیں کرے گا۔" ❹ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کبیرہ گناہ وہ ہیں جو عورتوں سے بیعت لینے کے ذکر میں بیان ہوئے ہیں یعنی آیت ﴿عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا﴾ ❺ میں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس آیت کو اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان احسانوں میں بیان فرماتے ہیں اور اس پر بڑی خوشنودی کا اظہار فرماتے ہیں۔ یعنی آیت ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا﴾ کو۔ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے لوگوں نے کہا کبیرہ گناہ سات ہیں۔ آپ نے فرمایا' کئی کئی مرتبہ سات ہیں۔ دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا' سات ہلکا درجہ ہے ورنہ ستر ہیں ایک اور شخص کے اس کہنے پر آپ نے فرمایا' وہ سات سو تک ہیں اور سات تو بہت ہی قریب ہیں' ہاں یہ یاد رکھو کہ استغفار کے بعد کبیرہ گناہ کبیرہ نہیں رہتا اور اصرار اور ہمیشگی اور دوام کرنے سے صغیرہ گناہ صغیرہ نہیں رہتا۔ اور سند سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا جس گناہ پر جہنم کی وعید ہے یا غضب الٰہی کی یا لعنت کی یا عذاب کی وہ کبیرہ ہے۔ اور روایت میں ہے جس سے اللہ تعالیٰ منع فرما دے وہ کبیرہ ہے جس کام میں اللہ عزوجل کی نافرمانی ہو وہ بڑا گناہ ہے۔

تابعین کے اقوال بھی ملاحظہ ہوں۔ عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کبیرہ گناہ یہ ہیں' اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک' قتل نفس بغیر حق' میدان جہاد میں پیٹھ دکھانا' یتیم کا مال اڑا دینا' سود خواری' بہتان طرازی' ہجرت کے بعد وطن دوستی۔ راوی حدیث ابن عون نے اپنے استاد محمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا' کیا جادو کبیرہ گناہ میں نہیں؟ فرمایا یہ بہتان میں آ گیا۔ یہ لفظ بہت سی برائیوں کو شامل ہے۔ حضرت عبیدہ بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ نے کبیرہ گناہوں پر آیات قرآنی بھی تلاوت کر کے سنائیں شرک پر ﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ﴾ ❻ یعنی "اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والا گویا آسمان سے گر پڑا۔ پس اسے پرندے لپک لے جائیں گے' یا ہوا کسی دور دراز نامعلوم اور بدترین جگہ اسے پھینک دے گی۔" یتیم کے مال پر ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا﴾ ❼ یعنی "جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال مار کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں جہنم کے انگارے بھرتے ہیں۔" سود خواری پر ﴿اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا﴾ ❽ یعنی "جو لوگ سود خواری کرتے ہیں وہ قیامت کے دن مخبوط الحواس اور پاگل بن کر کھڑے ہوں گے۔" بہتان پر ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ﴾ ❾ "جو لوگ پاک دامن بے خبر باایمان عورتوں پر تہمت لگائیں۔" میدان جنگ سے بھاگنے پر ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

---

❶ ابن أبی حاتم، موقوفًا والبزار، ۱۰۷، وسندهما ضعیف صالح بن حبان ضعیف۔

❷ صحیح بخاری، کتاب المساقاة، باب من قال إن صاحب الماء أحق بالماء، ۲۳۵۳؛ صحیح مسلم، ۱۵۶۶؛ ترمذی، ۱۲۷۲؛ ابن ماجه، ۲٤۷۸۔ ❸ صحیح بخاری، کتاب المساقاة، باب اثم من منع ابن السبیل من الماء، ۲۳۵۸؛ صحیح مسلم، ۱۰۸؛ ابوداود، ۳٤۷۳؛ ابن ماجه، ۲۲۰۷۔

❹ أحمد، ۲/ ۲۲۱ وسنده ضعیف۔

❺ ٦۰/ الممتحنة:۱۲۔ ❻ ۲۲/ الحج:۳۱۔ ❼ ٤/ النسآء:۱۰۔

❽ ۲/ البقرة:۲۷۵۔ ❾ ۲٤/ النور:۲۳۔

اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا﴾ ❶ الخ۔ ”ایمان والو! جب کافروں سے تمہاری مڈ بھیڑ ہو جائے تو پیٹھ نہ دکھاؤ۔“ ہجرت کے بعد کفرستان میں قیام کرنے پر ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ﴾ ❷ الخ۔ یعنی ”جو لوگ ہدایت کے بعد مرتد ہو جائیں۔“ قتل مؤمن پر ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا﴾ الخ۔ یعنی ”جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر مار ڈالے اس کی سزا جہنم کا ابدی داخلہ ہے۔“ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کبیرہ گناہوں کا بیان موجود ہے اور اس میں جھوٹی گواہی ہے۔ حضرت مغیرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ کہا جاتا تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو برا کہنا بھی کبیرہ گناہ ہے۔ میں کہتا ہوں علما کی ایک جماعت نے اسے کافر کہا ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا کہے۔ حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے۔ امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں یہ باور نہیں کر سکتا کہ کسی کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو اور وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دشمنی رکھے (ترمذی)۔ ❸ حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کبائر یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور اس کے رسولوں سے کفر کرنا، جادو کرنا، اولاد کو مار ڈالنا، اللہ تعالیٰ کی اولاد اور بیوی مقرر کرنا اور اسی جیسے وہ اعمال اور اقوال ہیں جن کے بعد کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی۔ ہاں جو ایسے گناہ ہیں جن کے ساتھ دین رہ سکتا ہے اور عمل قبول کیا جا سکتا ہے ایسے گناہوں کو نیکی کے بدلے اللہ عزوجل معاف فرما دیتا ہے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مغفرت کا وعدہ ان سے کیا ہے جو کبیرہ گناہوں سے بچیں، اور ہم سے یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ”کبیرہ گناہوں سے بچو ٹھیک ٹھاک اور درست رہو اور خوشخبری سنو۔“ ❹ مسند عبدالرزاق میں بسند صحیح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے بھی ہے۔“ ❺

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسے حسن صحیح فرماتے ہیں گو اس روایت کی اور سندیں ضعف سے خالی نہیں مگر اس کے جو شواہد ہیں ان میں بھی صحیح روایات ہیں مثلاً ایک حدیث میں ہے ”کیا تم یہ جانتے ہو کہ میری شفاعت صرف متقیوں اور مؤمنوں کے لئے ہی ہے؟ نہیں نہیں بلکہ وہ خطا کاروں اور گناہوں میں آلودہ لوگوں کے لئے بھی ہے۔“ ❻

اب علمائے کرام کے اقوال سنئے جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ کبیرہ گناہ کسے کہتے ہیں۔ بعض تو کہتے ہیں کبیرہ وہ ہے جس پر حد شرعی ہو بعض کہتے ہیں جس پر قرآن میں یا حدیث میں کسی سزا کا ذکر ہو۔ بعض کا قول ہے جس سے دینداری کم ہوتی ہو اور دیانتداری میں کمی واقع ہوتی ہو۔ قاضی ابو سعید ہروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس کا حرام ہونا لفظوں سے ثابت ہو اور جس نافرمانی پر کوئی حد ہو جیسے قتل وغیرہ اسی طرح ہر فریضہ کا ترک اور جھوٹی گواہی اور جھوٹی روایت اور جھوٹی قسم۔ قاضی رویانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کبائر سات ہیں بے وجہ کسی کو مار ڈالنا، زنا، لواطت، شراب نوشی، چوری، غصب، تہمت۔

اور ایک آٹھویں چیز بھی دوسری روایت میں مروی ہے یعنی جھوٹی گواہی اور اسی کے ساتھ یہ بھی شامل کئے گئے ہیں سود خواری، ==

---

❶ ۸/ الانفال:۱۵۔ ❷ ٤/ النسآء:۹۳۔ ❸ ترمذی: کتاب المناقب، باب قول عمر لأبی بکر یا خیر الناس، ۳٦۸۵ وسنده ضعیف؛ یہ روایت عبداللہ بن داود الواسطی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

❹ ابن جریر وسنده ضعیف مرسل۔ ❺ ترمذی، کتاب صفة القیامة، باب منه حدیث شفاعتی لاهل الکبائر من أمتی، ۲٤۳۵ وسنده صحیح؛ ابن ماجه، ٤۳۱۰۔

❻ ابن ماجه: کتاب الزهد باب ذکر الشفاعة، ٤۳۱۱ وسنده حسن۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ۝۳۲

ترجمہ: اس چیز کی آرزو نہ کرو جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر بزرگی دی ہے۔ مردوں کا حصہ ہے جو ان کا کیا دھرا ہے۔ اور عورتوں کے لئے حصہ ہے ان کا جو انہوں نے کیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگتے رہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔[۳۲]

= رمضان کے روزے کا بلا عذر ترک کر دینا' جھوٹی قسم' قطع رحمی' ماں باپ کی نافرمانی' جہاد سے بھاگنا' مال یتیم کھا جانا' ماپ تول میں خیانت کرنا' نماز وقت سے پہلے یا وقت گزار کر بے عذر ادا کرنا' مسلمان کو بے وجہ مارنا' رسول اللہ ﷺ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھنا' آپ ﷺ کے صحابیوں کو گالی دینا' بے سبب گواہی چھپانا' رشوت لینا' مردوں عورتوں میں ناچاقی کرا دینا' بادشاہ کے پاس چغل خوری کرنا' زکوٰۃ روک لینا' باوجود قدرت کے بھلی باتوں کا حکم نہ کرنا' بری باتوں سے نہ روکنا' قرآن سیکھ کر بھول جانا' جاندار چیز کو آگ سے جلانا' عورت کا اپنے خاوند کے پاس بے سبب نہ آنا' اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہو جانا' اللہ تعالیٰ کے مکر سے بے خوف ہو جانا' اہل علم اور حاملان قرآن کی برائیاں کرنا' ظہار کرنا' سور کا گوشت کھانا' مردار کھانا' ہاں اگر بوجہ ضرورت اور اضطرار کے کھایا ہو تو اور بات ہے۔ امام رافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان میں سے بعض میں توقف کی گنجائش ہے۔ کبائر کے بارے میں بزرگان دین نے بہت سی کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں۔ ہمارے شیخ حافظ ابوعبداللہ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی ایک کتاب لکھی ہے جس میں ستر کبیرہ گناہ گنوائے ہیں۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کبیرہ گناہ وہ ہے جس پر شارع علیہ السلام نے جہنم کی وعید سنائی ہے' اس قسم کے گناہ ہی اگر گنے جائیں تو بہت نکلیں گے' اور اگر کبیرہ گناہ ہر اس کام کو کہا جائے جس سے شارع علیہ السلام نے روک دیا ہے تو بہت ہی ہو جائیں گے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کریں: [آیت:۳۲] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ یارسول اللہ ﷺ! مرد جہاد کرتے ہیں اور ہم عورتیں اس ثواب سے محروم ہیں۔ اسی طرح میراث میں بھی ہمیں بہ نسبت مردوں کے آدھا ملتا ہے' اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ترمذی)۔ ❶ اور روایت میں ہے کہ اس کے بعد پھر آیت ﴿اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾ ❷ اتری۔ اور روایت میں ہے عورتوں نے یہ آرزو کی تھی کہ کاش ہم بھی مرد ہوتے تو جہاد میں جاتے۔ اور روایت میں ہے کہ ایک عورت نے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر کہا تھا کہ دیکھئے مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملتا ہے دو عورتوں کی شہادت مثل ایک مرد کے سمجھی جاتی ہے پھر عمل میں اس طرح ہیں کہ ایک نیکی کی آدھی نیکی رہ جاتی ہے' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ❸ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مردوں نے تو کہا تھا کہ جب دوہرے حصہ کے مالک ہم ہیں تو دوہرا اجر بھی ہمیں کیوں نہ ملے۔ اور عورتوں نے درخواست کی تھی کہ جب ہم پر جہاد فرض ہی نہیں اور ہم نہیں کرتے تو شہادت کا ثواب ہمیں =

❶ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة النساء، ۳۰۲۲ وسنده ضعیف؛ سند مرسل ہے نیز ابن ابی نجیح مدلس کے سماع کی تصریح نہیں ہے۔ ❷ ۳/ آل عمران:۱۹۵۔

❸ ابن ابی حاتم وسنده حسن۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾ ع

ترجمہ: ماں باپ اور قرابتدار جو چھوڑ مریں اس کے وارث ہم نے ہر شخص کے مقرر کر دیئے ہیں اور جن سے تم نے اپنے ہاتھوں گرہ باندھی انہیں ان کا حصہ دو‘ حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر ہے۔[۳۳]

= کیوں نہ ملے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے دونوں کو روکا اور حکم دیا کہ میرا فضل طلب کرتے رہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مطلب بیان کیا گیا ہے کہ انسان یہ آرزو نہ کرے کہ کاش کہ فلاں کا مال اولاد میرا ہوتا۔ اس پر اس حدیث سے کوئی اشکال ثابت نہیں ہو سکتا جس میں ہے کہ ”حسد کے قابل صرف دو ہیں‘ ایک مالدار جو راہ اللہ اپنا مال لٹاتا ہے اور دوسرا کہتا ہے کاش کہ میرے پاس بھی مال ہوتا تو میں بھی اسی طرح فی سبیل اللہ خرچ کرتا رہتا۔ پس یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجر میں برابر ہیں۔“ ❶ اس لئے کہ یہ ممنوع نہیں یعنی ایسی نیکی کی حرص بری نہیں یہاں اس جیسی چیز اس جیسے نیک کام کے کرنے کی غرض سے حاصل ہونے کی تمنا ہے جو محمود ہے اور وہاں اس کی اپنی چیز خود کے قبضے میں کرنے کی نیت ہے جو ہر طرح مذموم ہے۔ پس دینی اور دنیوی فضیلت کی تمنا اس طرح منع ہے۔ پھر فرمایا ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ملے گا خیر کے بدلے خیر اور شر کے بدلے شر اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق ورثہ دیا جاتا ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ہم سے ہمارا فضل مانگتے رہا کرو آپس میں ایک دوسرے کی فضیلت کی تمنا بے سود امر ہے۔ ہاں مجھ سے میرا فضل طلب کرو تو میں بخیل نہیں کریم ہوں وہاب ہوں‘ دوں گا اور بہت کچھ دوں گا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لوگو! ”اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل طلب کرو اللہ تعالیٰ سے مانگنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ یاد رکھو سب سے اعلیٰ عبادت کشادگی اور وسعت و رحمت کا انتظار کرنا اور اس کی امید رکھنا ہے ❷ اور روایت میں ہے ایسی امید رکھنے والے اللہ تعالیٰ کو بہت بھاتے ہیں۔“ ❸

اللہ تعالیٰ علیم ہے اسے خوب معلوم ہے کہ کون دیئے جانے کے قابل ہے اور کون فقیری کے لائق ہے اور کون آخرت کی نعمتوں کا مستحق ہے اور کون وہاں کی رسوائیوں کا سزاوار ہے۔ اسے اس کے اسباب اور اسے اس کے وسائل وہ مہیا اور آسان کر دیتا ہے۔

وراثت کے احکام: [آیت:۳۳] بہت سے مفسرین سے مروی ہے کہ موالی سے مراد وارث ہیں۔ بعض کہتے ہیں عصبہ مراد ہیں۔ چچا کی اولاد کو بھی مولیٰ کہا جاتا ہے جیسے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کے شعر میں ہے۔ پس مطلب آیت کا یہ ہوا کہ اے لوگو! تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے عصبہ بنا دیئے ہیں جو اس مال کے وارث ہوں گے جسے ان کے ماں باپ اور قرابتدار چھوڑ مریں‘ اور جو تمہارے منہ بولے بھائی ہیں قسمیں کھا کر جن کے تم بھائی بنے ہو اور وہ تمہارے بھائی بنے ہیں انہیں ان کی میراث کا حصہ دو جیسے کہ قسموں کے وقت تم میں عہد و پیمان ہو چکا تھا۔ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ اور حکم ہوا کہ جن سے عہد و پیمان ہوئے ہیں وہ نبھائے جائیں اور بھولے نہ جائیں لیکن میراث انہیں نہیں پہنچ سکتی۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ موالی سے مراد وارث ہیں اور بعد کے جملے سے مراد یہ ہے کہ مہاجرین جب مدینہ

❶ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب الاغتباط فی العلم والحکمۃ، ۷۳؛ صحیح مسلم، ۸۱۶۔

❷ ترمذی، کتاب الدعوات باب فی انتظار الفرج، ۳۵۷۱ وسندہ ضعیف؛ حماد الصفار ضعیف راوی ہے۔

❸ الترمذی، ۳۵۷۱ وسندہ ضعیف، ابن مردویہ بسند حکیم بن جبیر وسندہ ضعیف بضعف حکیم۔

منورہ میں آئے تو یہ دستور تھا کہ ہر مہاجر اپنے انصاری بھائی بند کا وارث ہوتا اس کے ذورحم رشتہ دار وارث نہ ہوتے پس اس آیت نے اس طریقے کو منسوخ قرار دیا اور حکم ہوا کہ ان کی مدد کرو انہیں فائدہ پہنچاؤ ان کی خیر خواہی کرو لیکن میراث انہیں نہیں پہنچتی ہاں وصیت کر جاؤ۔ ❶

قبل از اسلام یہ دستور تھا کہ دو شخصوں میں عہد و پیمان ہو جاتا تھا کہ میں تیرا وارث اور تو میرا وارث' اسی طرح قبائل عرب عہد بندیاں کر لیتے تھے پس حضور ﷺ نے فرمایا جاہلیت کی قسمیں اور عہد و پیمان کو اسلام اور مضبوط کرتا ہے ❷ لیکن اب اسلام میں قسمیں اور اس قسم کے عہد نہیں اسے اس آیت نے منسوخ قرار دیا اور فرمایا ذی رحم رشتہ دار کتاب اللہ کے حکم سے زیادہ اولیٰ ہیں بہ نسبت معاہدہ والوں کے ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے جاہلیت کی قسموں اور عہدوں کے بارے میں یہاں تک تاکید کی کہ فرمایا' اگر مجھے سرخ اونٹ دیئے جائیں اور اس قسم کے توڑنے کو کہا جائے جو دار الندوہ میں ہوئی تھی تو میں اسے بھی پسند نہیں کرتا۔ ❸ ابن جریر میں ہے حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں' میں اپنے بچپنے میں اپنے ماموؤں کے ساتھ حلف مطیبین میں تھا' مجھ کو سرخ اونٹ ملیں لیکن اس قسم کو توڑنا ہرگز پسند نہیں کرتا۔' ❹ پس یاد رہے کہ قریش و انصار میں جو تعلق رسول اللہ ﷺ نے قائم کیا تھا وہ صرف الفت و یگانگت پیدا کرنے کیلئے تھا' لوگوں کے سوال کے جواب میں بھی حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان مروی ہے کہ جاہلیت کے حلف نبھاؤ۔ اب اسلام میں کوئی حلف نہیں۔ ❺ فتح مکہ والے دن بھی آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر اپنے خطبہ میں اس بات کا اعلان کیا تھا۔ ❻

داؤد بن حصین رحمہ اللہ کہتے ہیں میں حضرت ام سعد بنت ربیع رضی اللہ عنہا سے قرآن پڑھتا تھا میرے ساتھ ان کے پوتے موسیٰ بن سعد بھی پڑھ رہے تھے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گود میں یتیمی کے ایام گزار رہے تھے۔ میں نے اس آیت میں عَاقَدَتْ پڑھا تو مجھے میری استانی جی نے روکا اور فرمایا ﴿عَقَدَتْ﴾ پڑھو۔ سنو یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ پہلے اسلام کے منکر تھے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم کھالی کہ اسے وارث نہ کریں گے بالآخر جب یہ مسلمانوں کی بے پناہ تلواروں سے اسلام کی طرف آمادہ ہوئے اور مسلمان ہو گئے تو جناب صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم ہوا کہ انہیں ان کے ورثے کے حصے سے محروم نہ فرمائیں ❼ لیکن یہ قول غریب ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے۔ الغرض اس آیت اور ان احادیث سے ان کا قول رد ہوتا ہے جو قسم اور وعدوں کی بنا پر آج بھی ورثہ پہنچنے کے قائل ہیں جیسے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے ساتھیوں کا خیال ہے اور امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت اس قسم کی ہے۔

لیکن صحیح مذہب جمہور کا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا اور مشہور قول کی بنا پر امام احمد رحمہ اللہ کا بھی۔ پس آیت =

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ النساء، باب ﴿ولکل جعلنا موالی﴾ ٤٥٨٠۔

❷ احمد، ١/ ٣١٧؛ دارمی، ٢٥٢٦؛ مسند ابی یعلی، ٢٣٣٦؛ ابن حبان، ٤٣٧٠؛ وهو حديث حسن، طبرانی، ١١٧٤٠۔

❸ طبری ٩٢٩١، وسنده ضعیف۔ ❹ الطبری، ٩٢٩٧، وسنده ضعیف۔

❺ احمد، ٥/ ٦١، وسنده ضعیف۔

❻ الطبری، ٩٢٩٩ وسنده ضعیف۔

❼ اس کی سند میں ابن اسحاق مدلس راوی ہے۔ (التقریب، ٢/ ١٤٤) لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۭ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۭ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾

ترجمہ: مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔ پس نیک عورتیں فرمانبردار خاوند کی عدم موجودگی میں بہ حفاظت الٰہی نگہداشت رکھنے والیاں ہیں اور جن عورتوں کی نافرمانی اور بد دماغی کا تمہیں خوف ہو انہیں نصیحت کرو اور انہیں الگ بستروں پر چھوڑ دو اور انہیں مار کی سزا دو پھر اگر وہ تابعداری کرنے لگیں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو' بے شک اللہ تعالیٰ بڑی بلندی اور بڑائی والا ہے۔[۳۴]

= میں ارشاد ہے کہ ہر شخص کے وارث اس کے قرابتی لوگ ہیں اور کوئی نہیں۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں ''حصہ دار وارثوں کو ان کے حصوں کے مطابق دے کر پھر جو بچ رہے تو عصبہ کو ملے'' ❶ اور وارث وہ ہیں جن کا ذکر فرائض کی دو آیتوں میں ہے۔ اور جن سے تم نے مضبوط عہد و پیمان اور قسما قسمی کی ہے یعنی اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے انہیں ان کا حصہ دو یعنی میراث کا اور اس کے بعد جو حلف ہو وہ تاثیر والی نہ سمجھی جائے گی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خواہ اس سے پہلے کے وعدے اور قسمیں ہوں خواہ اس آیت کے اترنے کے بعد ہوں سب کا یہی حکم ہے کہ ایسے حلیفوں کو میراث نہ ملے گی اور بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کا حصہ نصرت' امداد' خیر خواہی اور وصیت ہے میراث نہیں' آپ فرماتے ہیں کہ لوگ عہد و پیمان کر لیا کرتے تھے کہ ان میں سے جو پہلے مرے گا بعد والا دوسرا اس کا وارث بنے گا۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے آیت ﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ﴾ نازل فرما کر حکم دے دیا کہ ذی رحم محرم ایک سے ایک اولیٰ ہے ہاں اپنے دوستوں کے ساتھ سلوک کرو۔ یعنی اگر ان کے لئے ثلث مال میں وصیت کر جاؤ تو جائز ہے' معروف و مشہور امر بھی یہی ہے۔ اور بھی بہت سے سلف سے مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور ناسخ آیت ﴿اُولُوا الْاَرْحَامِ﴾ والی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انہیں ان کا حصہ دو یعنی میراث۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک صاحب کو اپنا مولیٰ بنایا تھا تو انہیں وارث کیا۔

ابن المسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت ان لوگوں کے حق میں اتری ہے جو اپنے بیٹوں کے سوا اوروں کو اپنا بیٹا بناتے تھے اور انہیں اپنی جائیداد کا جائز وارث قرار دیتے تھے پس اللہ تعالیٰ نے ان کا حصہ وصیت میں سے دینے کو فرمایا اور میراث کو موالی یعنی ذی رحم محرم رشتہ داروں کی اور عصبہ کی طرف لوٹا دیا اور اس سے منع فرمایا اور اسے ناپسند فرمایا کہ صرف زبانی دعووں اور بنائے ہوئے بیٹوں کو ورثہ دیا جائے ہاں ان کے لئے وصیت میں سے دینے کو فرمایا۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میرے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ انہیں حصہ دو یعنی نصرت نصیحت اور معونت کا' یہ نہیں کہ انہیں ان کے ورثہ کا حصہ دو تو یہ معنی کرنے سے پھر آیت کو منسوخ بتانے کی کوئی وجہ =

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب میراث الولد من أبیه وأمه، ۶۷۳۲؛ صحیح مسلم، ۱۶۱۵؛ ترمذی، ۲۰۹۸۔

=باقی نہیں رہتی نہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ حکم پہلے تھا اب نہیں رہا بلکہ آیت کی دلالت صرف اسی امر پر ہے کہ جو عہد و پیمان آپس کی امداد و اعانت کے خیر خواہی اور بھلائی کے ہوتے ہیں انہیں وفا کرو پس یہ آیت محکم اور غیر منسوخ ہے لیکن امام صاحب رحمہ اللہ علیہ کے اس قول میں ذرا نظر ہے اس لئے کہ اس میں تو شک نہیں کہ بعض عہد و پیمان صرف نصرت و امداد کے ہی ہوتے تھے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ بعض عہد و پیمان ورثے کے ہوتے تھے جیسے کہ بہت سے سلف صالحین سے مروی ہے اور جیسے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر بھی گزری جس میں انہوں نے صاف فرمایا ہے کہ مہاجر انصاری کا وارث ہوتا تھا۔ اس کے قرابتی لوگ وارث نہیں ہوتے تھے نہ ذی رحم رشتہ دار وارث ہوتے تھے یہاں تک کہ یہ منسوخ ہوگیا۔ پھر امام صاحب رحمہ اللہ علیہ کیسے فرما سکتے ہیں کہ یہ آیت محکم اور غیر منسوخ ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.

نافرمان بیوی کو سمجھانے کے احکامات: [آیت:۳۴] جناب باری ارشاد فرماتا ہے کہ مرد عورت کا حاکم رئیس اور سردار ہے اسے درست اور ٹھیک ٹھاک رکھنے والا ہے' اس لئے کہ مرد عورتوں سے افضل ہیں یہی وجہ ہے کہ نبوت مردوں میں رہی اور اسی طرح شرعی طور پر خلیفہ بھی مرد ہی بن سکتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''وہ لوگ کبھی نجات نہیں پا سکتے جو اپنا والی کسی عورت کو بنائیں'' (بخاری)۔ ❶ اسی طرح منصب قضا وغیرہ بھی صرف مردوں کے لائق ہی ہیں۔ دوسری وجہ افضلیت کی یہ ہے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں جو کتاب و سنت سے ان کے ذمہ ہے مثلاً مہر میں نان نفقہ میں اور دیگر ضروریات کے پورا کرنے میں۔ پس مرد فی نفسہ افضل اور باعتبار نفع کے اور حاجت برآری کے بھی اس کا درجہ بڑا۔ پس اس کو عورت پر سردار بنایا گیا' جیسے اور جگہ فرمان ہے ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ ❷ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں کی اطاعت کرنی پڑے گی اس کے بال بچوں کی نگہداشت اس کے مال کی حفاظت وغیرہ اس کا کام ہے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک عورت نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے خاوند کی شکایت کی کہ اس نے اسے تھپڑ مارا ہے' پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدلہ لینے کا حکم دیا ہی تھا جو یہ آیت اتری اور بدلہ نہ دلوایا گیا۔ ❸ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک انصاری اپنی بیوی صاحبہ کو لئے ہوئے حاضر خدمت ہوئے اس عورت نے حضور اکرم سے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اس خاوند نے مجھے تھپڑ مارا جس کا نشان اب تک میرے چہرے پر موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے حق نہ تھا' وہیں یہ آیت اتری کہ ادب سکھانے کے لئے مرد عورتوں پر حاکم ہیں' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں نے اور چاہا تھا اللہ تعالیٰ نے اور چاہا۔'' ❹ شعبی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں مال خرچ کرنے سے مراد مہر کا ادا کرنا ہے۔ دیکھو اگر مرد عورت پر زنا کاری کی تہمت لگائے تو لعان کا حکم ہے اور اگر عورت اپنے مرد کی نسبت یہ بات کہے اور ثابت نہ کر سکے تو اسے کوڑے لگیں گے۔ پس عورتوں میں سے نیک نفس وہ ہیں جو اپنے خاوندوں کی اطاعت گزار ہوں اپنے نفس اور خاوند کے مال کی حفاظت رکھنے والیاں ہوں جسے خود اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''بہتر عورت وہ ہے کہ جب اس کا خاوند اس کی طرف دیکھے وہ اسے خوش کر دے اور جب حکم دے بجا لائے اور جب کہیں باہر جائے تو اپنے نفس کو برائی سے محفوظ رکھے اور اپنے خاوند کے مال کی محافظت کرے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ ❺ مسند احمد میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب رقم:۱۸، ۷۰۹۹؛ نسائی، ۵۳۹۰؛ ترمذی، ۲۲۶۲۔ ❷ ۲/ البقرة:۲۲۸۔

❸ اسباب نزول للواحدی، ۳۱۱؛ والطبری، ۹۳۰۵ مرسلاً وسندہ ضعیف۔ ❹ ابن مردویہ وسندہ موضوع، اس کی سند میں محمد بن محمد بن اشعث الکوفی مناکیر اور موضوع روایات بیان کرنے والا ہے۔ دیکھئے (المیزان، ۴/ ۲۸ رقم:۸۱۳۱)

❺ ابن جریر وسندہ ضعیف، مسند الطیالسی، ۲۳۲۵؛ وسندہ ضعیف، السنن الکبریٰ للنسائی، ۸۹۶۱ بدون ذکر الآیة وسندہ حسن یہ حدیث آیت کے ذکر کے علاوہ صحیح ہے۔

نے فرمایا ''جب کوئی عورت پانچوں وقت کی نماز ادا کرے رمضان کے روزے رکھے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے اس سے کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے تو چاہے جنت میں چلی جا۔'' ❶

پھر فرمایا جن عورتوں کی سرکشی سے تم ڈرو یعنی جو تم سے بلند ہونا چاہتی ہو نافرمانی کرتی ہو بے پرواہی برتتی ہو دشمنی رکھتی ہو تو پہلے تو اسے زبانی نصیحت کرو ہر طرح سمجھاؤ اتار چڑھاؤ بتاؤ اللہ تعالیٰ کا خوف دلاؤ' حقوق زوجیت یاد دلاؤ' اس سے کہو کہ دیکھو خاوند کے اتنے حقوق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ''اگر میں کسی کو حکم کرسکتا کہ وہ ماسوائے اللہ تعالیٰ کے دوسرے کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے کیونکہ سب سے بڑا حق اس پر اسی کا ہے۔'' ❷ بخاری شریف میں ہے کہ ''جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کردے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔ ❸ صحیح مسلم میں ہے کہ جس رات کو کوئی عورت بطور روٹھنے کے اپنے خاوند کے بستر ے کو چھوڑے رہے تو صبح تک اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فرشتے اس پر لعنتیں نازل کرتے رہتے ہیں۔'' ❹ تو یہاں ارشاد فرماتا ہے کہ ایسی نافرمان عورتوں کو پہلے تو سمجھاؤ بجھاؤ پھر بستروں سے الگ کرو۔ ❺ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یعنی سلائے تو بستر ہی پر مگر خود اس سے کروٹ موڑ لے اور مجامعت نہ کرے۔ بات چیت اور کلام بھی ترک کرسکتا ہے اور یہ عورت کی بڑی بھاری سزا ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں ساتھ سلانا ہی چھوڑ دے۔ حضور ﷺ سے سوال ہوتا ہے کہ عورت کا حق اس کے میاں پر کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ ''جب تو کھا تو اسے بھی کھلا جب تو پہن تو اسے بھی پہنا اس کے منہ پر نہ مار' گالیاں نہ دے اور گھر سے الگ نہ کر غصہ میں اگر تو اس سے بطور سزا بات چیت ترک کرے تو بھی اسے گھر سے نہ نکال۔'' ❻ پھر فرمایا ''اس سے بھی اگر ٹھیک ٹھاک نہ ہو تو تمہیں اجازت ہے کہ یونہی سی ڈانٹ ڈپٹ اور مار پیٹ سے بھی راہ راست پر لاؤ۔''

صحیح مسلم میں نبی اکرم ﷺ کے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ہے کہ ''عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو وہ تمہاری خدمت گزار اور ماتحت ہیں۔ تمہارا حق ان پر یہ ہے کہ جس کے آنے جانے سے تم خفا ہو اسے نہ آنے دیں' اگر وہ ایسا نہ کریں تو انہیں یونہی سی تنبیہ بھی تم کر سکتے ہو لیکن سخت مار جو ظاہر ہو نہیں مار سکتے۔ تم پر ان کا حق یہ ہے کہ انہیں کھلاتے پلاتے اور پہناتے اڑھاتے رہو۔ ❼ پس ایسی مار نہ مارنی چاہئے جس کا نشان باقی رہے' جس سے کوئی عضو ٹوٹ جائے یا کوئی زخم آئے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس پر بھی اگر وہ باز نہ آئے تو فدیہ لے لو اور طلاق دے دو۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کی لونڈیوں کو مارو نہیں۔'' اس کے بعد ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! عورتیں آپ ﷺ کے اس حکم کو سن کر اپنے مردوں پر دلیر ہوگئیں۔ اس پر حضور اکرم ﷺ نے انہیں مارنے کی اجازت دی۔ اب مردوں کی طرف سے دھڑا دھڑ مار پیٹ شروع ہوئی اور بہت سی عورتیں شکایتیں لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئیں تو آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا سنو! ''میرے پاس عورتوں کی فریاد پہنچی یاد رکھو تم میں سے جو اپنی عورتوں کو زدوکوب کرتے ہیں وہ =

❶ أحمد، ١/١٩١، وسنده ضعيف، المعجم الاوسط للطبراني، ٤٥٩٥۔

❷ أحمد، ٢٢-٢٣؛ أبوداود، ٢١٤٠، وسنده حسن، ابن ماجه، ١٨٥٣۔

❸ صحيح بخاری، كتاب النكاح، باب اذا باتت المرأة مهاجرة، ٥١٩٣۔

❹ صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب تحريم امتناعها من فراش زوجها، ١٤٣٦۔

❺ أبوداود، كتاب النكاح، باب فی حق المرأة علی زوجها، ٢١٤٢، وسنده صحيح، ابن ماجه، ١٨٥٠۔ ❻ ايضًا۔

❼ صحيح مسلم، كتاب الحج، باب حجة النبی ﷺ، ١٢١٨؛ أبوداود، ١٩٠٥؛ ابن ماجه، ٣٠٧٤۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝

ترجمہ: اگر تمہیں میاں بیوی کی آپس کی ان بن کا خوف ہو تو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک عورت کی طرف والوں میں سے مقرر کرو اگر یہ دونوں صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ دونوں میں ملاپ کرا دے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ پورے علم والا پوری خبر والا ہے۔[۳۵]

= اچھے آدمی نہیں'' (ابوداؤد وغیرہ)۔ ❶

حضرت اشعث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مہمان ہوا۔ اتفاقاً اس روز میاں بیوی میں کچھ ناچاقی ہوگئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی صاحبہ کو مارا' پھر مجھ سے فرمانے لگے اشعث تین باتیں یاد رکھ جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یاد رکھی ہیں۔ ''ایک تو یہ کہ مرد سے یہ نہ پوچھا جائے کہ اس نے اپنی عورت کو کس بنا پر مارا دوسری یہ کہ وتر پڑھے بغیر سونا مت'' اور تیسری بات راوی کے ذہن سے نکل گئی ❷ (نسائی) پھر فرمایا اگر اب بھی عورتیں تمہاری فرمانبردار بن جائیں تو تم ان پر کسی قسم کی سختی نہ کرو نہ مارو پیٹو نہ بیزاری کا اظہار کرو۔ اللہ تعالیٰ بلندیوں اور بڑائیوں والا ہے یعنی اگر عورتوں کی طرف سے قصور سرزد ہوئے بغیر یا قصور کے بعد ٹھیک ہو جانے کے باوجود بھی تم نے انہیں ستایا تو یاد رکھو ان کی مدد پر اور ان کا انتقام لینے پر خود اللہ تعالیٰ ہے۔ اور یقیناً وہ بہت زور آور اور زبردست ہے۔

میاں بیوی کے جھگڑے میں حکمین کا تقرر: [آیت:۳۵] اوپر اس صورت کو بیان فرمایا کہ نافرمانی اور کجی عورتوں کی جانب سے ہو' اب یہاں اس صورت کا بیان ہو رہا ہے کہ اگر دونوں ایک دوسرے سے نالاں ہوں تو کیا کیا جائے۔ پس علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں حاکم ثقہ اور سمجھ دار شخص کو مقرر کرے جو یہ دیکھے کہ ظلم و زیادتی کس طرف سے ہے پس ظالم کو ظلم سے روکے۔ اگر اس پر بھی کوئی بہتری کی صورت نہ نکلے تو عورت والوں میں سے ایک اس کی طرف سے اور مرد والوں میں سے ایک بہتر شخص اس کی جانب سے منصف مقرر کر دے اور یہ دونوں مل کر تحقیقات کریں اور جس امر میں مصلحت سمجھیں اس کا فیصلہ کر دیں یعنی خواہ الگ کرا دیں خواہ میل ملاپ کرا دیں۔

لیکن شارع علیہ السلام نے تو اسی امر کی طرف شوق دلایا ہے کہ جہاں تک ہو سکے کوشش کریں کہ کوئی شکل نباہ کی نکل آئے۔ اگر ان دونوں کی تحقیق میں خاوند کی طرف سے برائی ثابت ہو تو یہ اس کی عورت کو اس سے روک لیں گے اور اسے مجبور کریں گے کہ اپنی عادت ٹھیک ہونے تک اس سے الگ رہے اور اس کے خرچ اخراجات ادا کرتا رہے۔ اور اگر شرارت عورت کی طرف سے ثابت ہو تو اسے نان نفقہ نہیں دلائیں گے اور خاوند سے ہنسی خوشی بسر کرنے پر مجبور کریں گے۔ اسی طرح اگر وہ طلاق کا فیصلہ دیں تو خاوند کو طلاق دینی پڑے گی۔ اگر وہ آپس میں بسنے کا فیصلہ کریں تو بھی انہیں ماننا پڑے گا بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تو فرماتے ہیں اگر دونوں پنچ اس پر متفق ہو گئے کہ انہیں رضامندی کے ساتھ ایک دوسرے سے اپنے تعلقات نباہنے چاہئیں اور اس فیصلہ کو ایک نے منظور کر لیا اور دوسرا

---

❶ ابوداود، کتاب النکاح، باب فی ضرب النساء، ۲۱۴۶ وھو صحیح؛ ابن ماجه، ۱۹۸۵۔

❷ ابوداود، کتاب النکاح، باب فی ضرب النساء، ۲۱۴۷ وسنده حسن؛ ابن ماجه، ۱۹۸۶۔

ر 1/4

نہیں کرتا اور اسی حالت میں ایک کا انتقال ہو گیا تو جو راضی تھا وہ اس کا وارث بنے گا جو ناراض تھا لیکن جو ناراض تھا اسے اس کا ورثہ نہیں ملے گا جو راضی تھا (ابن جریر)۔

ایک ایسے ہی جھگڑے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کو حاکم مقرر کیا تھا اور فرمایا تھا کہ اگر تم ان میں میل کرانا چاہو تو میل ہو گا اور اگر جدائی کرانا چاہو تو جدائی ہو جائے گی۔ ایک روایت میں ہے کہ عقیل بن ابی طالب نے فاطمہ بنت عتبہ بن ربیعہ سے نکاح کیا تو اس نے کہا تو میرے پاس آئے گا بھی اور میں ہی تیرا خرچ بھی برداشت کروں گی۔ اب یہ ہونے لگا کہ جب عقیل ان کے پاس آنا چاہتے تو وہ پوچھتی عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کہاں ہیں۔ یہ فرماتے تیری بائیں جانب جہنم میں۔ اس پر وہ بگڑ کر اپنے کپڑے ٹھیک کر لیتیں۔ ایک مرتبہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور یہ واقعہ بیان کیا۔ خلیفۃ المسلمین اس پر ہنسے اور حضرت ابن عباس اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کو ان کا حکم مقرر کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تو فرماتے تھے کہ ان دونوں میں علیحدگی کرا دی جائے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے بنو عبد مناف میں یہ تفریق میں ناپسند کرتا ہوں۔ اب یہ دونوں حضرات حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کے گھر آئے آ کر دیکھا تو دروازہ بند ہے اور دونوں میاں بیوی اندر ہیں یہ دونوں لوٹ گئے۔ مسند عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ایک میاں بیوی اپنی ناچاقی کا جھگڑا لے کر آئے اس کے ساتھ اس کی برادری کے لوگ تھے اور اس کے ہمراہ اس کے گھرانے کے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دونوں جماعتوں میں سے ایک ایک کو چنا اور اسے حکم مقرر کیا پھر دونوں پنچوں سے کہا جانتے بھی ہو تمہارا کام کیا ہے تمہارا منصب یہ ہے کہ اگر چاہو دونوں میں اجتماع کرا دو اگر چاہو تو تفریق کرا دو۔ یہ سن کر عورت نے تو کہا میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی ہوں خواہ ملاپ کی صورت میں ہو خواہ جدائی کی صورت میں۔ مرد کہنے لگا مجھے جدائی نامنظور ہے۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں نہیں قسم اللہ کی تجھے دونوں صورتیں منظور کرنی پڑیں گی۔

پس علما کا اجماع ہے کہ ایسی صورت میں ان دونوں منصفوں کو دونوں اختیار ہیں یہاں تک کہ حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ چاہیں دو اور تین طلاقیں بھی دے سکتے ہیں۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ہاں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہیں اجتماع کا اختیار ہے تفریق کا نہیں۔ حضرت قتادہ اور زید بن اسلم رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام احمد اور ابوثور اور داؤد رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ ان کی دلیل ﴿اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا﴾ والا جملہ ہے کہ اس میں تفریق کا ذکر نہیں۔ ہاں اگر یہ دونوں دونوں جانب سے وکیل ہیں تو بے شک ان کا حکم جمع اور تفریق دونوں میں نافذ ہو گا اور اس میں تو کسی کا خلاف منقول بھی نہیں۔ پھر یہ بھی خیال رہے کہ یہ دونوں پنچ حاکم کی جانب سے مقرر ہوں گے اور فیصلہ کریں گے گو ان سے فریقین ناراض ہوں، یا یہ دونوں میاں بیوی کی طرف سے ان کے بنائے ہوئے وکیل ہوں گے۔ جمہور کا مذہب تو پہلا ہے اور دلیل یہ ہے کہ ان کا نام قرآن حکیم نے حکم رکھا ہے اور حکم کے فیصلے سے کوئی خوش ہو یا ناخوش، بہر صورت اس کا فیصلہ قطعی ہو گا۔ آیت کے ظاہری الفاظ بھی جمہور کے ساتھ ہی ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا نیا قول بھی یہی ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔ دوسرا قول جن کا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ حکم کی صورت میں ہوتے تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس خاوند کو کیوں فرماتے کہ جب تک عورت نے دونوں صورتوں کا اقرار کیا ہے تو بھی نہ کرے تب تک تو جھوٹا ہے، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ سے سلوک واحسان کرو اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسایہ سے اور پہلو کے ساتھی سے اور راہ کے مسافر سے اور ان سے جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں اور شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا ہے۔[۳۶]

ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علمائے کرام کا اجماع ہے کہ دونوں پنچوں کا قول جب مختلف ہو تو دوسرے کے قول کا کوئی اعتبار نہیں اور اس امر پر بھی اجماع ہے کہ یہ اتفاق کرانا چاہیں تو ان کا فیصلہ نافذ ہے ہاں اگر وہ جدائی کرانا چاہیں تو بھی ان کا فیصلہ نافذ ہے یا نہیں' اس میں اختلاف ہے۔ لیکن جمہور کا مذہب یہی ہے کہ اس میں بھی ان کا فیصلہ نافذ ہے گو انہیں وکیل نہ بنایا گیا ہو۔

حسن سلوک کے مستحق افراد: [آیت:۳۶] اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی عبادت کا حکم دیتا ہے اور اپنی توحید کے ماننے کو فرماتا ہے اور اپنے ساتھ کسی کو شریک کرنے سے روکتا ہے اس لئے کہ خالق' رازق نعمتیں دینے والا تمام مخلوق پر ہر وقت اور ہر حال میں انعام کی بارش برسانے والا صرف وہی ہے تو لائق عبادت بھی صرف وہی ہوا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''جانتے ہو اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر کیا ہے۔'' آپ جواب دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہت زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کہ ''وہ اسی کی عبادت کریں' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔'' پھر فرمایا ''جانتے ہو جب بندے یہ کریں تو ان کا حق اللہ تعالیٰ پر کیا ہے؟ یہ کہ انہیں وہ عذاب نہ کرے۔'' ❶ پھر فرماتا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ احسان کرتے رہو وہی سبب بنے ہیں تمہارے عدم سے وجود میں آنے کا۔ قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی عبادت کے ساتھ ہی ماں باپ سے سلوک واحسان کرنے کا حکم دیا ہے۔ جیسے فرمایا ﴿اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ﴾ ❷ اور ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ ❸ یہاں بھی یہ بیان فرما کر پھر حکم دیتا ہے کہ اپنے رشتہ داروں سے بھی سلوک واحسان کرتے رہو۔ حدیث میں ہے ''مسکین کو صدقہ صرف صدقہ ہی ہے لیکن قریبی رشتہ داروں کو دینا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی کرنا بھی ہے۔'' ❹ پھر حکم ہوتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ بھی سلوک واحسان کرو' اس لئے کہ ان کی خبر گیری کرنے والا ان کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرنے والا ان کے لاڈ چاؤ اٹھانے والا انہیں محبت کے ساتھ کھلانے پلانے والا ان کے سر سے اٹھ گیا ہے پھر مسکینوں کے ساتھ نیکی کرنے کا ارشاد کیا کہ وہ حاجت مند ہیں خالی ہاتھ ہیں' محتاج ہیں' ان کی ضرورتیں تم پوری کرو' ان کی احتیاج تم رفع کرو' ان کے کام تم کر دیا کرو۔ فقیر ومسکین کا پورا بیان سورۂ براۃ کی تفسیر میں آئے گا' ان شاء اللہ تعالیٰ۔

---

❶ صحيح بخاري، كتاب الرقاق، باب من جاهد نفسه في طاعة الله، ٦٥٠٠؛ صحيح مسلم، ٣٠۔

❷ ٣١/ لقمان:١٤۔ ❸ ١٧/ الاسراء:٢٣۔ ❹ ترمذي، كتاب الزكاة، باب ما جاء في الصدقة على ذوي القربى، ٦٥٨ وهو صحيح؛ نسائي، ٢٥٨٣؛ ابن ماجه، ١٨٤٤۔

پڑوسیوں کے حقوق احادیث کی روشنی میں: اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو ان کے ساتھ بھی بھلا برتاؤ اور نیک سلوک رکھو خواہ وہ قرابتدار ہوں یا نہ ہوں خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہودی ونصرانی ہوں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿ جَارِ ذِی الْقُرْبٰی ﴾ سے مراد بیوی ہے اور ﴿ جَارِ الْجُنُبِ ﴾ سے مراد رفیق سفر ہے۔ پڑوسیوں کے حق میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ کچھ سن لیجئے۔ مسند احمد میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں "مجھے حضرت جبرائیل علیہ السلام پڑوسیوں کے بارے میں یہاں تک وصیت ونصیحت کرتے رہے کہ مجھے گمان ہوا کہ شاید یہ پڑوسیوں کو وارث بنا دیں گے۔" ❶ فرماتے ہیں بہتر ساتھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو اپنے ہمراہیوں کے ساتھ خوش سلوکی میں زیادہ ہو اور پڑوسیوں میں سب سے بہتر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو ہمسایوں سے نیک سلوک زیادہ ہو۔ ❷ فرماتے ہیں انسان کو نہ چاہئے کہ اپنے پڑوسی کی آسودگی بغیر خود شکم سیر ہو جائے۔ ❸ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے سوال کیا "زنا کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟" لوگوں نے کہا وہ حرام ہے اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے اسے حرام کیا ہے اور قیامت تک وہ حرام ہی رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو "دس عورتوں سے زنا کرنے والا اس شخص کے گناہ سے کم گنہگار ہے جو اپنے پڑوسی کی عورت سے زنا کرے۔" پھر دریافت فرمایا تم چوری کی نسبت کیا کہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور وہ بھی قیامت تک حرام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو! "دس گھروں سے چوری کرنے والا کے گناہ اس شخص کے گناہ سے ہلکا ہے جو اپنے پڑوسی کے گھر سے کچھ چرائے۔" ❹ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سوال کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ "کہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرائے حالانکہ اسی ایک نے تجھے پیدا کیا ہے۔" میں نے پوچھا پھر کونسا؟ فرمایا "تو اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی" میں نے پوچھا پھر کونسا؟ فرمایا یہ کہ "تو اپنی پڑوسن سے زنا کاری کرے۔" ❺ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے گھر سے چلا وہاں پہنچ کر دیکھتا ہوں کہ ایک صاحب کھڑے ہیں اور حضور اکرم ﷺ ان کی طرف متوجہ ہیں۔ میں نے خیال کیا کہ شاید انہیں آپ سے کچھ کام ہوگا۔ حضور اکرم ﷺ کھڑے ہیں اور ان سے باتیں ہو رہی ہیں۔ بڑی دیر ہوگئی یہاں تک کہ مجھے آپ ﷺ کے تھک جانے کے خیال نے بے چین کر دیا۔ بہت دیر کے بعد آپ ﷺ لوٹے اور میرے پاس آئے۔ میں نے کہا حضور ﷺ! اس شخص نے تو آپ کو بہت دیر کھڑا رکھا' میں تو پریشان ہو گیا آپ ﷺ کے پاؤں تھک گئے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اچھا تم نے انہیں دیکھا"؟ میں نے کہا ہاں خوب اچھی طرح دیکھا۔ فرمایا "جانتے ہو وہ کون تھے؟ وہ جبرائیل علیہ السلام تھے مجھے پڑوسیوں کے حقوق کی تاکید کرتے رہے' یہاں تک ان کے حقوق بیان کئے کہ مجھے کھٹکا ہوا کہ غالباً آج تو پڑوسی کو وارث ٹھہرا دیں گے" ❻ (مسند امام احمد)۔ مسند عبد بن حمید میں ہے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص عوالی مدینہ سے آیا اس وقت رسول اللہ ﷺ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام اس جگہ نماز پڑھ رہے تھے

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب الوصاة بالجار، ٦٠١٥؛ صحیح مسلم، ٢٦٢٤۔

❷ ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی حق الجوار، ١٩٤٤ وسنده صحیح۔

❸ أحمد، ١/ ٥٤، وسنده ضعیف۔ ❹ أحمد، ٦/ ٨، وسنده حسن۔

❺ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب قتل الولد خشیة ان یأکل معه، ٦٠٠١؛ صحیح مسلم، ٨٦۔

❻ أحمد، ٥/ ٣٢۔

جہاں جنازوں کی نماز پڑھی جاتی تھی، جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو اس شخص نے کہا حضور ﷺ کے ساتھ یہ دوسرا کون شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تم نے انہیں دیکھا''؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا ''تو نے بہت بڑی بھلائی دیکھی۔ یہ جبرائیل علیہ السلام تھے مجھے پڑوسی کے بارے میں وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ عنقریب اسے وارث بنا دیں گے۔'' ❶ آٹھویں حدیث بزار میں ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''پڑوسی تین قسم کے ہیں ایک حق والے یعنی ادنیٰ' دو حق والے اور تین حق والے یعنی اعلیٰ۔ ایک حق والا وہ ہے جو مشرک ہو اور اس سے رشتہ داری نہ ہو۔ دو حق والا وہ ہے جو مسلمان ہو اور رشتہ دار نہ ہو ایک حق اسلام دوسرا حق پڑوسی۔ تین حق والا وہ ہے جو مسلمان بھی ہو' پڑوسی بھی ہو' اور رشتے ناتے کا بھی ہو تو حق اسلام حق ہمسائیگی حق صلہ رحمی تین حق اس کے ہو گئے۔'' ❷ نویں حدیث مسند احمد میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میرے دو پڑوسی ہیں میں ایک کو ہدیہ بھیجنا چاہتی ہوں تو کسے بھجواؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''جس کا دروازہ قریب ہو۔'' ❸ دسویں حدیث طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا' لوگوں نے آپ ﷺ کے وضو کے پانی کو لینا اور ملنا شروع کیا' آپ ﷺ نے پوچھا ''ایسا کیوں کرتے ہو''؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''جسے یہ خوش لگے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اس سے محبت کریں تو اسے چاہئے کہ جب بات کرے سچ کرے اور جب امانت دیا جائے تو ادا کرے'' ❹ (تفسیر ابن کثیر میں یہ حدیث یہیں پر ختم ہے لیکن شاید اگلا جملہ اس کا سہواً رہ گیا ہے جس کا صحیح تعلق اس مسئلہ سے ہے وہ یہ کہ اسے چاہئے پڑوسی کے ساتھ سلوک واحسان کرے۔ مترجم)۔ گیارھویں حدیث مسند احمد میں ہے کہ ''قیامت کے دن سب سے پہلے جو جھگڑا اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا وہ دو پڑوسیوں کا ہوگا۔'' ❺

بیوی' مہمان' مسافر' خادم وغیرہ سے حسن سلوک: پھر حکم ہوتا ہے ﴿صَاحِبِ بِالْجَنْبِ﴾ کے ساتھ سلوک کرنے کا۔ اس سے مراد بہت سے مفسرین کے نزدیک عورت ہے اور بہت سے فرماتے ہیں مراد سفر کا ساتھی ہے۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد دوست اور ساتھی ہے' عام اس سے کہ سفر میں ہو یا قیام کی حالت میں۔ ابن السبیل سے مراد مہمان ہے اور یہ بھی کہ جو راہ گزرتے ہوئے ٹھہر گیا ہو۔ پس اگر مہمان سے بھی یہی مراد لی جائے کہ سفر میں جاتے جاتے مہمان بنا تو دونوں ایک ہو گئے۔ اس کا پورا بیان بھی سورۂ براۃ کی تفسیر میں آ رہا ہے' ان شاء اللہ تعالیٰ پھر غلاموں کے بارے میں فرمان ہو رہا ہے کہ ان کے ساتھ بھی نیک سلوک رکھو اس لئے کہ وہ غریب تو تمہارے ہاتھوں اسیر ہیں اس پر تو تمہارا کامل اختیار ہے تو تمہیں چاہئے کہ اس پر رحم کھاؤ اور اس کی ضروریات کا اپنے امکان بھر خیال رکھو۔ رسول کریم ﷺ تو اپنی آخری مرض الموت میں بھی اپنی امت کو اس کی وصیت فرما گئے۔ فرماتے ہیں ''لوگو! نماز کا اور غلاموں کا خوب خیال رکھنا۔'' بار بار اسی طرح فرماتے رہے یہاں تک کہ زبان رکنے لگی۔ ❻ مسند کی حدیث میں ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ ''تم خود جو کھاؤ وہ بھی صدقہ ہے جو اپنے بچوں کو کھلائے وہ بھی صدقہ ہے جو اپنی بیوی کو کھلائے وہ بھی

❶ البزار، ۱۸۹۷؛ الأدب المفرد، ۱۲۶، وسنده ضعيف۔ ❷ مسند البزار، ۱۸۹۶، وسنده موضوع۔

❸ صحيح بخاری، كتاب الأدب باب حق الجوار فی قرب الابواب، ۶۰۲۰۔

❹ الطبرانی وابو نعيم والبيهقی فی شعب الايمان، ۱۵۳۳ وسنده ضعيف، مجمع الزوائد، ۴/ ۱۴۵۔

❺ أحمد، ۴/ ۱۵۱ والطبرانی، ۱۷/ ۳۰۳ ح ۸۳۶ وهو حديث حسن۔

❻ ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ماجاء فی ذكر مرض رسول الله ﷺ، ۱۶۲۵ وسنده ضعيف؛ قتادہ عنعن۔

صدقہ ہے جو اپنے خادم کو کھلائے وہ بھی صدقہ ہے۔" ❶ مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ اپنے داروغہ سے فرمایا کہ کیا غلاموں کو تم نے ان کی خوراک دے دی؟ اس نے کہا اب تک نہیں دی۔ فرمایا جاؤ دے کر آؤ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "انسان کو یہی گناہ کافی ہے کہ جن کی خوراک کا وہ مالک ہے ان سے روک رکھے۔" ❷ مسلم میں ہے کہ "مملوک ماتحت کا حق ہے کہ اسے کھلایا پلایا پہنایا اڑھایا جائے اور اس کی طاقت سے زیادہ کام اس سے نہ لیا جائے۔" ❸ بخاری شریف میں ہے کہ "جب تم میں سے کسی کا خادم اس کا کھانا لے کر آئے تو تمہیں چاہئے کہ اگر ساتھ بٹھا کر نہیں کھلاتے تو کم از کم اسے لقمہ دو لقمہ دے دو خیال کرو کہ اس کے پکانے کی گرمی اور تکلیف اسی نے اٹھائی ہے۔" ❹ اور روایت میں ہے "چاہئے تو یہ کہ اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھلائے اور اگر کھانا کم ہو تو لقمہ دو لقمہ ہی دے دیا کرو۔" ❺ آپ ﷺ فرماتے ہیں "تمہارے غلام بھی تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے ماتحت کر دیا ہے، پس جس کے ہاتھ تلے اس کا بھائی ہو اسے اپنے کھانے میں سے کھلائے اور اپنے پہننے میں سے پہنائے اور ایسا کام نہ لے کہ وہ عاجز ہو جائے، اگر کوئی ایسا ہی مشکل کام آ پڑے تو خود بھی اس کا ساتھ دے" (بخاری و مسلم)۔ ❻

پھر فرمایا کہ خود بین، معجب، متکبر، خود پسند لوگوں پر اپنی فوقیت جتانے والا، اپنے آپ کو تولنے والا، اپنے تئیں دوسروں سے بہتر جاننے والا اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ نہیں، وہ گو اپنے آپ کو بڑا سمجھے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ذلیل ہے لوگوں کی نظروں میں وہ حقیر ہے، بھلا کتنا اندھیر ہے کہ خود تو اگر کسی سے سلوک کرے تو اپنا احسان اس پر رکھے لیکن رب کی نعمتوں کا جو اللہ تعالیٰ نے اسے دے رکھی ہیں شکر نہ بجا لائے، لوگوں میں بیٹھ کر فخر کرے کہ میں اتنا بڑا آدمی ہوں میرے پاس یہ ہے اور وہ ہے۔ حضرت ابو رجاء ہروی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر بد خلق متکبر اور خود پسند ہوتا ہے۔ پھر اسی آیت کو تلاوت کیا اور فرمایا ہر ماں باپ کا نافرمان سرکش اور بدنصیب ہوتا ہے۔

پھر آپ نے آیت ﴿وَبَرًّا ۢ بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا﴾ ❼ پڑھی۔ حضرت عوام بن حوشب رحمہ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت مطرف رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت پہنچی تھی اور میرے دل میں تمنا تھی کہ کسی وقت خود حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مل کر اس روایت کو انہی کی زبانی سنوں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ملاقات ہو گئی تو میں نے کہا مجھے خبر ملی ہے کہ آپ ایک حدیث رسول اللہ ﷺ کی بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں کو دوست رکھتا ہے اور تین قسم کے لوگوں کو ناپسند فرماتا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں یہ سچ ہے۔ میں بھلا اپنے خلیل پر بہتان کیسے باندھ سکتا ہوں۔ میں نے کہا اچھا پھر وہ تین کون ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ دشمن رکھتا ہے۔ آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی اور فرمایا اسے تو تم کتاب اللہ میں بھی پاتے ہو۔ ❽ بنو نجیم ==

---

❶ أحمد، ٤/ ١٣١، وسنده حسن۔

❷ صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب فضل النفقة على العيال والمملوك، ٩٩٦؛ أبوداود، ١٦٩٢۔

❸ صحيح مسلم، كتاب الأيمان، باب اطعام المملوك مما يأكل، ١٦٦٢۔ ❹ صحيح بخاري، كتاب الأطعمة، باب الأكل مع الخادم، ٥٤٦٠؛ صحيح مسلم، ١٦٦٣؛ أبوداود، ٣٨٤٦؛ ترمذي، ١٨٥٤؛ ابن ماجه، ٣٢٨٩۔

❺ صحيح مسلم، كتاب الايمان باب اطعام المملوك مما يأكل، ١٦٦٣۔

❻ صحيح بخاري، كتاب العتق، باب قول النبي ﷺ ((العبيد اخوانكم فأطعموهم))، ٢٥٤٥؛ صحيح مسلم، ١٦٦٢؛ أبوداود، ٥١٥٨؛ ترمذي، ١٩٤٥؛ ابن ماجه، ٣٦٩٠۔ ❼ ١٩/ مريم: ٣٢۔

❽ حاكم، ٢/ ٨٨، ٨٩ وسنده صحيح۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾

ترجمہ: جو لوگ خود بخیلی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخیلی کرنے کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو اپنا فضل انہیں دے رکھا ہے اسے چھپا لیتے ہیں۔ ہم نے ان کافروں کے لئے ذلت کی مار تیار کر رکھی ہے۔[۳۷] اور جو لوگ اپنے مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور جس کا ہم نشین اور ساتھی شیطان ہو پس وہ بدترین ساتھی ہے۔[۳۸] بھلا ان کا کیا نقصان تھا اگر یہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ نے جو انہیں دے رکھا ہے اس کے نام پر دیتے' اللہ تعالیٰ انہیں خوب جاننے والا ہے۔[۳۹]

= کا ایک شخص رسول مقبول ﷺ سے کہتا ہے مجھے نصیحت کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''کپڑا ٹخنے سے نیچا نہ لٹکاؤ کیونکہ یہ تکبر اور خود پسندی ہے جسے اللہ تعالیٰ ناپسند رکھتا ہے۔'' ❶

بخل اور ریا کاری کی مذمت: [آیت: ۳۷۔۳۹] ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی خوشنودگی کے موقعہ پر مال خرچ کرنے سے جی چراتے ہیں مثلاً ماں باپ کو دینا' قرابتداروں سے اچھا سلوک کرنا' یتیم مسکین پڑوسی رشتہ دار اور غیر رشتہ دار پڑوسی' ساتھی' مسافر' غلام اور ماتحت کو ان کی محتاجی کے وقت فی سبیل اللہ نہیں دیتے اور اتنا ہی نہیں بلکہ لوگوں کو بھی بخل کا اور فی سبیل اللہ خرچ نہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ حدیث مبارکہ میں ہے ''کونسی بیماری بخل کی بیماری سے بڑھ کر ہے'' ❷ اور حدیث میں ہے لوگو! ''بخیلی سے بچو' اسی نے تم سے اگلوں کو تاخت و تاراج کیا' اسی کے باعث ان سے قطع رحمی اور فسق و فجور جیسے بدکام نمایاں ہوئے۔'' ❸ پھر فرمایا یہ لوگ ان دونوں برائیوں کے ساتھ ہی ساتھ ایک تیسری برائی کے بھی مرتکب ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو چھپاتے ہیں انہیں ظاہر نہیں کرتے نہ ان کے کھانے پینے میں وہ ظاہر ہوتی ہیں نہ پہننے اوڑھنے میں اور نہ دینے لینے میں۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ﴾ ❹ یعنی ''انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے اور وہ خود ہی اپنی اس حالت اور اس خصلت پر گواہ ہے۔'' پھر ﴿وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ﴾ ❺ ''وہ مال کی محبت میں مست ہے۔'' پس یہاں بھی فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کو یہ چھپاتا رہتا ہے۔ پھر انہیں دھمکایا جاتا ہے کہ کافروں کے لئے ہم نے اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھے ہیں۔ کفر کے معنی ہیں پوشیدہ رکھنا اور چھپا لینا پس بخیل بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا چھپانے والا ان پر پردہ ڈال رکھنے والا بلکہ ان کا انکار کرنے والا ہے۔ پس وہ ان نعمتوں کا

❶ أحمد، ٥/ ٦٤، لم اجده ورواه احمد، ٥/ ٦٤ بسند آخر وسنده صحيح، وانظر سنن ابى داود، ٤٠٨٤۔

❷ صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب قصة عمان والبحرين، ٤٣٨٣ من قول ابى بكر۔

❸ أحمد، ٢/ ١٩٥ وسنده صحيح، الحاكم، ١/ ١١؛ ابن حبان، ٥١٧٦۔

❹ ١٠٠/ العاديات:٦:٧۔ ❺ ١٠٠/ العاديات:٨۔

کافر ہوا۔ حدیث مبارکہ میں ہے "اللہ تعالیٰ جب کسی بندے پر اپنی نعمت انعام فرماتا ہے تو چاہتا ہے کہ اس کا اثر اس پر ظاہر ہو۔" ❶ دعاء نبوی میں ہے۔((وَاجْعَلْنَا شَاكِرِيْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِيْنَ بِهَا عَلَيْكَ قَابِلِيْهَا وَاَتِمَّهَا عَلَيْنَا)) "اے اللہ ہمیں اپنی نعمتوں پر شکرگزار بنا اور ان کی وجہ سے ہمیں اپنا ثناخواں بنا ان کا قبول کرنے والا بنا اور ان نعمتوں کو ہمیں بھرپور عطا فرما۔" ❷ بعض سلف کا قول ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے اس بخل کے بارے میں ہے جو اپنی کتاب میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی صفات کے چھپانے میں کرتے تھے۔ اسی لئے اس کے آخر میں ہے کہ کافروں کے لئے ذلت آمیز عذاب ہم نے تیار کر رکھے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ اس آیت کا حمل ان پر بھی ہو سکتا ہے لیکن یہ بظاہر یہاں مال کا بخل بیان ہو رہا ہے گو علم کا بخل بھی اس میں بطور اولیٰ داخل ہے۔ خیال کیجئے کہ بیان آیت اقرباء ضعفاء کو مال دینے کے بارے میں ہے۔ اسی طرح اس کے بعد والی آیت میں ریاکاری کے طور پر للہ مال دینے والوں کی مذمت بیان ہو رہی ہے۔ یہاں بیان ہوا ان ممسک اور بخیلوں کا جو کوڑی کوڑی کو دانتوں سے تھام رکھتے ہیں۔

پھر بیان ہوا ان کا جو دیتے تو ہیں لیکن بدنیتی سے دنیا میں اپنی واہ واہ ہونے کی خاطر۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ "جن تین قسم کے لوگوں سے جہنم کی آگ سلگائی جائے گی وہ یہی ریاکار ہوں گے۔ ریاکار عالم' ریاکار غازی' ریاکار سخی۔ یہ سخی کہے گا کہ باری تعالیٰ تیری ہر ہر راہ میں میں نے اپنا مال خرچ کیا' تو اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے جواب ملے گا کہ تو جھوٹا ہے تیرا ارادہ تو صرف یہ تھا کہ تو سخی اور جواد مشہور ہو جائے سو وہ ہو چکا۔ یعنی تیرا مقصود دنیا کی شہرت تھی وہ میں تجھے دنیا میں ہی دے چکا' پس تیری مراد حاصل ہو چکی۔" ❸ اور حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "تیرے باپ نے اپنی سخاوت سے جو چاہا تھا وہ اسے مل گیا۔" ❹ حضور اکرم ﷺ سے سوال ہوتا ہے کہ عبداللہ بن جدعان تو بڑا سخی تھا جس نے مساکین و فقراء کے ساتھ بڑے سلوک کئے اور اللہ کے نام بہت سے غلام آزاد کئے تو کیا اسے ان کا نفع نہ ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں' اس نے تو عمر بھر میں ایک دن بھی نہ کہا کہ اے اللہ میرے گناہوں کو قیامت کے دن معاف فرما دینا۔" ❺ اسی لئے یہاں بھی فرماتا ہے کہ ان کا ایمان اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر نہیں ورنہ شیطان کے پھندے میں نہ پھنس جاتے اور بد کو بھلا نہ سمجھ بیٹھتے۔ یہ شیطان کے ساتھی ہیں اور شیطان ان کا ساتھی ہے۔ ساتھی کی برائی پر ان کی برائی بھی سوچ لو۔ عرب شاعر کہتا ہے۔

عَنِ الْمَرْءِ لَا تَسْأَلْ وَسَلْ عَنْ قَرِيْنِهٖ
فَكُلُّ قَرِيْنٍ بِالْمُقَارِنِ يَقْتَدِيْ

"انسان کے بارے میں نہ پوچھ اس کے ساتھیوں کا حال دریافت کر لے ہر ساتھی اپنے ساتھی کا ہی پیروکار ہوتا ہے۔"

پھر ارشاد فرماتا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور صحیح راہ پر چلنے اور ریاکاری کو چھوڑ دینے اور اخلاص و یقین پر قائم ہو جانے سے کونسی چیز مانع ہے۔ ان کا اس میں کیا نقصان ہے بلکہ سراسر فائدہ ہے کہ ان کی عاقبت سنور جائے گی یہ کیوں اللہ تعالیٰ کی راہ =

❶ أحمد، ٣/ ٤٧٤ وسنده ضعيف وله شاهد صحيح عند ابي داود، ٤٠٦٣ فالحديث به حسن اس معنی کی روایت ابوداود، كتاب اللباس، باب في الخلقان، ٤٠٦٣؛ نسائي، ٥٢٢٦ میں بھی موجود ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

❷ ابوداود، كتاب الصلاة، باب التشهد، ٩٦٩ وسنده حسن وهو صحيح۔

❸ صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب من قاتل للرياء والسمعة، ١٩٠٥؛ نسائي، ٣١٣٩؛ ترمذي، ٢٣٨٢۔

❹ أحمد، ٤/ ٢٥٨ وسنده حسن؛ ابن حبان، ٣٣٢۔

❺ صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب الدليل على ان من مات على الكفر، ٢١٤؛ ترمذي، ٣١٢١؛ ابن ماجه، ٤٢٧٩۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۴۰﴾ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿۴۱﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْأَرْضُ ۖ وَلَا يَكْتُمُونَ اللّٰهَ حَدِيثًا ﴿۴۲﴾

ع

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ ایک ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اور اگر نیکی ہو تو اسے دگنی کر دیتا ہے اور خاص اپنے پاس سے بہت بڑا ثواب دیتا ہے۔[۴۰] پس کیا حال ہوگا جس وقت کہ ہر امت میں سے ایک گواہ ہم لائیں گے اور تجھے ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے۔[۴۱] جس روز کافر اور رسول کے نافرمان آرزو کریں گے کہ کاش انہیں زمین کے ساتھ ہموار کر دیا جاتا۔ اور اللہ تعالیٰ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے۔[۴۲]

= میں مال خرچ کرنے سے تنگ دلی کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں خوب جانتا ہے۔ ان کی بھلی اور بری نیتوں کا اسے علم ہے اہل توفیق اور غیر اہل توفیق سب اس پر ظاہر ہیں۔ وہ بھلوں کو عمل صالح کی توفیق عطا فرما کر اپنی خوشنودی کے کام ان سے لے کر اپنی قربت انہیں عطا فرماتا ہے اور بروں کو اپنی عالی جناب اور زبردست سرکار سے دھکیل دیتا ہے جس سے ان کی دنیا اور آخرت برباد ہوتی ہے عِيَاذًا بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔

نیکی کا اجر کئی گنا ملے گا ذرہ برابر ایمان والا بھی بالآخر جنتی ہوگا: [آیت: ۴۰-۴۲] باری تعالیٰ رب العالمین فرماتا ہے کہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتا بلکہ بڑھا چڑھا کر قیامت کے روز اس کا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ﴾ ❶ ''ہم عدل کی ترازو رکھیں گے۔'' اور فرمایا کہ حضرت لقمان نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا تھا ﴿يٰبُنَيَّ إِنَّهَا إِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ﴾ ❷ ''اے بیٹے اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو گو وہ کسی پتھر میں یا آسمانوں میں ہو یا زمین کے اندر ہو اللہ تعالیٰ اسے لا حاضر کرے گا' بے شک اللہ تعالیٰ باریک بین خبردار ہے۔'' اور جگہ فرمایا ﴿يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ﴾ ❸ ''اس دن لوگ مختلف احوال پر لوٹیں گے تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھائے جائیں' پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔'' بخاری و مسلم کی شفاعت کے ذکر والی مطول حدیث میں ہے کہ ''پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا لوٹ کر جاؤ اور جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان دیکھو اسے جہنم سے نکال لاؤ پس بہت سی مخلوق جہنم سے آزاد ہوگی۔'' حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان فرما کر فرماتے: اگر تم چاہو تو آیت قرآنی کے اس جملے کو پڑھ لو ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ ❹ ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان مروی ہے کہ قیامت کے دن کسی اللہ تعالیٰ کے بندے یا بندی کو لایا جائے گا اور ایک پکارنے والا تمام اہل محشر کو سنا کر با آواز بلند کہے گا یہ فلاں کا بیٹا یا بیٹی ہے اس کا

---

❶ ۲۱/ الانبیآء:۴۷۔ ❷ ۳۱/ لقمان:۱۶۔ ❸ ۹۹/ الزلزال:۶۔

❹ صحیح بخاری، کتاب التوحید باب قول اللہ ﴿وجوه يومئذ ناظرة﴾ ۷۴۳۹؛ صحیح مسلم، ۱۸۳؛ نسائی، ۵۰۱۳؛ ابن ماجه، ۱۷۹۔

فلاں نام ہے' جس کسی کا کوئی حق اس کے ذمہ باقی ہو وہ آئے اور لے جائے۔ اس وقت یہ حالت ہوگی کہ عورت چاہے گی کہ اس کا کوئی حق اس کے باپ پر یا ماں پر یا بھائی پر یا شوہر پر ہو تو دوڑ کر آئے اور لے۔ رشتے ناطے کٹ جائیں گے کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنا جو حق چاہے معاف فرما دے گا' لیکن لوگوں کے حقوق میں سے کوئی حق معاف نہ فرمائے گا۔ جب حقدار آ جائیں گے تو اسے کہا جائے گا کہ ان کے حق ادا کر۔ یہ کہے گا دنیا تو ختم ہو چکی آج میرے ہاتھ میں کیا ہے جو میں دوں۔ پس اس کے نیک اعمال لئے جائیں گے اور حقداروں کو دیئے جائیں گے اور ہر ایک کا حق اسی طرح ادا کیا جائے گا۔ اب یہ شخص اگر اللہ تعالیٰ کا دوست ہے تو اس کے پاس ایک رائی کے دانے برابر نیکی بچ رہے گی جسے بڑھا چڑھا کر صرف اسی کی بنا پر اللہ تعالیٰ اسے جنت میں لے جائے گا۔ پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت کی اور اگر وہ بندہ اللہ تعالیٰ کا دوست نہیں ہے بلکہ بد بخت اور سرکش ہے تو یہ حال ہوگا کہ فرشتہ کہے گا باری تعالیٰ اسکی سب نیکیاں ختم ہو گئیں اور ابھی حقدار باقی رہ گئے۔ حکم ہوگا کہ ان کی برائیاں لے کر اس پر لاد دو پھر اسے جہنم میں داخل کرو' اعاذنا اللہ منہا۔ اس موقوف اثر کے بعض شواہد مرفوع احادیث میں بھی موجود ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ آیت ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ ❶ اعراب کے بارے میں اتری ہے۔ اس پر ان سے سوال ہوا کہ پھر مہاجرین کے بارے میں کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اس سے بہت ہی اچھی آیت ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ﴾ ❷

مشرک و کافر کو اس کے نیک اعمال کا صلہ: حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں مشرک کے بھی عذابوں میں اس کے باعث کمی کر دی جاتی ہے ہاں جہنم سے نکلے گا تو نہیں۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے چچا ابو طالب آپ کی پشت پناہ بنے ہوئے تھے' آپ کو لوگوں کی ایذاؤں سے بچاتے رہتے تھے' آپ ﷺ کی طرف سے ان سے لڑتے تھے' تو کیا انہیں کچھ نفع بھی پہنچے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں وہ بہت تھوڑی سی آگ میں ہے اور اگر میرا یہ تعلق نہ ہوتا تو جہنم کے نیچے کے طبقہ میں ہوتا۔'' ❸ لیکن یہ بہت ممکن ہے کہ یہ فائدہ صرف ابو طالب کے لئے ہی ہو یعنی اور کفار اس حکم میں نہ ہوں۔ اس لئے کہ مسند طیالسی کی حدیث میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ مؤمن کی کسی نیکی پر ظلم نہیں کرتا' دنیا میں روزی رزق وغیرہ کی صورت میں اس کا بدلہ ملتا ہے اور آخرت میں جزا اور ثواب کی شکل میں بدلہ ملے گا۔ ہاں کافر تو اپنی نیکی دنیا میں ہی کھا جاتا ہے۔ قیامت میں اسکے پاس کوئی نیکی نہ ہوگی۔'' ❹ اجر عظیم سے مراد اس آیت میں جنت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم لطف و رحم سے اپنی رضامندی عطا فرمائے اور جنت نصیب کرے' آمین۔ مسند احمد کی ایک غریب حدیث میں ہے حضرت ابو عثمان رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے خبر لگی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندے کو ایک نیکی کے بدلے ایک لاکھ نیکی کا ثواب دے گا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا اور میں نے کہا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تم سب سے زیادہ میں رہا ہوں میں نے تو کبھی آپ سے یہ حدیث نہیں سنی۔ اب میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ جاؤں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مل کر ان سے خود پوچھ آؤں۔ چنانچہ میں نے سامان سفر درست کیا اور اس روایت کی چھان بین کے لئے روانہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ وہ تو حج کو گئے ہیں تو میں بھی حج کی نیت کر کے وہاں پہنچا ملاقات ہوئی۔ میں نے کہا اے ابو ہریرہ! میں نے سنا آپ نے ایسی حدیث بیان کی ہے کیا یہ سچ ہے؟

---

❶ ٦/ الانعام:١٦٠۔ ❷ ابن ابی حاتم وسندہ موضوع، فضیل نے عطیہ العوفی سے موضوع روایتیں بیان کی ہیں۔ مجمع الزوائد، ٧/ ٢٦ اس کی سند میں عطیہ مجروح راوی ہے۔ (التقریب، ٢/ ٢٤، رقم: ٢١٦) لہٰذا یہ روایت مردود ہے۔

❸ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب قصة ابی طالب، ٣٨٨٣؛ صحیح مسلم، ٢٠٩۔

❹ صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب جزاء المؤمن، ٢٨٠٨۔

آپ نے فرمایا کیا تمہیں تعجب معلوم ہوتا ہے؟ تم نے قرآن میں نہیں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''جو شخص اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے اللہ تعالیٰ اسے بہت بہت بڑھا کر عنایت فرماتا ہے'' اور دوسری آیت میں ساری دنیا کو کم کہا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ ''ایک نیکی کو بڑھا کر اس کے بدلے دو لاکھ ملیں گی۔'' ❶ یہ حدیث اور طریقوں سے بھی مروی ہے۔

پھر قیامت کے دن کی سختی اور ہولناکی کا بیان فرما رہا ہے کہ اس دن انبیا علیہم السلام کو بطور گواہ کے پیش کیا جائے گا۔ جیسے اور آیت میں ہے۔ ﴿وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ﴾ ❷ ''زمین اپنے رب کے نور سے چمکنے لگی گی نامہ اعمال دیئے جائیں گے اور نبیوں اور گواہوں کو لا کھڑا کیا جائے گا''۔ اور جگہ فرمان ہے ﴿وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ ''ہر امت پر انہی میں سے ہم گواہ کھڑا کریں گے''۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''مجھے کچھ قرآن پڑھ کر سناؤ۔'' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کو پڑھ کر کیا سناؤں گا آپ ﷺ پر تو قرآن اترا ہے۔ فرمایا ''ہاں لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ دوسرے سے سنوں۔'' پس میں نے سورۂ نساء کی تلاوت شروع کی پڑھتے پڑھتے جب میں نے اس آیت ﴿فَكَيْفَ﴾ کی تلاوت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا ''بس کرو۔'' میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ❸ محمد بن فضالہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنی ظفر کے پاس رسول اللہ ﷺ آئے اور اس صخرہ پر بیٹھ گئے جواب تک ان کے محلے میں ہے۔ آپ کے ساتھ ابن مسعود، معاذ بن جبل، اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ آپ ﷺ نے ایک قاری سے فرمایا ''قرآن پڑھو'' وہ پڑھتے پڑھتے جب اس آیت ﴿فكيف﴾ تک پہنچے تو آپ ﷺ اس قدر روئے کہ دونوں رخسارے اور داڑھی تر ہو گئی، اور عرض کرنے لگے کہ ''یا رب جو موجود ہیں ان پر تو خیر میری گواہی ہو گی لیکن جن لوگوں کو میں نے دیکھا ہی نہیں ان کی بابت کیسے؟'' (ابن ابی حاتم)۔ ❹ ابن جریر میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''میں ان پر گواہ ہوں جب تک کہ میں ان میں ہوں پس جب تو مجھے فوت کرے گا تب تو تو ہی ان پر نگہبان ہے۔'' ابو عبداللہ قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تذکرہ میں باب باندھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی اپنی امت پر شہادت کے بارے میں کیا آیا ہے۔ اس میں حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ کا یہ قول لائے ہیں کہ ہر دن صبح شام نبی اکرم ﷺ پر آپ کی امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں مع ناموں کے پس آپ ﷺ قیامت کے دن ان سب پر گواہی دیں گے، پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ لیکن اولاً تو یہ حضرت سعید رحمہ اللہ کا خود کا قول ہے، دوسرے یہ کہ اس کی سند میں انقطاع ہے اس میں ایک راوی مبہم ہے جس کا نام ہی نہیں، تیسرے یہ حدیث مرفوع کر کے بیان ہی نہیں کرتے۔

ہاں امام قرطبی رحمہ اللہ اسے قبول کرتے ہیں وہ اسکے لانے کے بعد فرماتے ہیں کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر پیر اور ہر جمعرات کو اعمال پیش کئے جاتے ہیں پس وہ انبیا علیہم السلام پر اور ماں باپ پر ہر جمعہ کو پیش کئے جاتے ہیں ❺ اور اس میں کوئی تعارض =

---

❶ احمد، ۲/ ۵۲۱، وسندہ ضعیف۔

❷ ۱٦/ النحل:۸۹۔ ❸ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب قول المقرئ للقاری حسبك، ۵۰۵۰؛ صحیح مسلم، ۸۰۰؛ ابوداود، ۳٦٦۸؛ ترمذی، ۳۰۲۸۔

❹ طبرانی، ۱۹/ ۲۴۳، ۲۴۴، ح ۵۴٦ وسندہ ضعیف۔

❺ بے اصل ہے۔ اس روایت کو شیخ البانی رحمہ اللہ نے موضوع قرار دیا ہے۔ دیکھئے (الضعیفة: ۱۴۸۰)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝۴۳

ترجمہ: اے ایمان والو! تم جب نشے میں مست ہو تو نماز کے قریب بھی نہ جاؤ جب تک کہ اپنی بات کو سمجھنے نہ لگو اور نہ جنابت کی حالت میں جب تک کہ غسل نہ کر لو ہاں اگر راہ چلتے مسافر ہو تو اور بات ہے اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی پاخانے سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی کا قصد کرو اور اپنے منہ اور اپنے ہاتھ مل لو۔ بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے بخشنے والا ہے۔[۴۳]

= نہیں۔ ممکن ہے کہ ہمارے نبی ﷺ پر ہر جمعہ کو بھی پیش ہوتے ہوں اور ہر دن بھی (ٹھیک یہی ہے کہ یہ بات صحت کے ساتھ ثابت نہیں وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ مترجم)

پھر فرماتا ہے کہ اس دن کافر اور نافرمان رسول آرزو کرے گا کہ کاش! زمین پھٹ جاتی اور یہ اس میں سما جاتا پھر برابر ہو جاتی' کیونکہ ناقابل برداشت ہولناکیوں رسوائیوں اور ڈانٹ ڈپٹ سے گھبرا اٹھے گا۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ﴾ ❶ ''جس دن انسان اپنے آگے بھیجے ہوئے اعمال اپنی آنکھوں دیکھ لے گا اور کافر کہے گا کہ کاش میں مٹی ہو گیا ہوتا۔'' پھر فرمایا یہ ان تمام بد افعالیوں کا اس دن اقرار کریں گے جو انہوں نے کی تھیں' اور ایک چیز بھی پوشیدہ نہیں رکھ سکیں گے۔ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا حضرت ایک جگہ تو قرآن میں ہے کہ مشرکین قیامت کے دن کہیں گے ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ ❷ ''اللہ تعالیٰ کی قسم رب کی قسم ہم نے شرک نہیں کیا'' اور دوسری جگہ ہے ﴿لَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا﴾ ''اللہ تعالیٰ سے ایک بات بھی نہ چھپائیں گے'' پھر ان دونوں آیتوں کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا ''اس کا اور وقت ہے اس کا وقت اور ہے۔ جب موحدوں کو جنت میں جاتے ہوئے دیکھیں گے تو کہیں گے آؤ تم بھی اپنے شرک کا انکار کرو' کیا عجب کام چل جائے۔ پھر ان کے منہ پر مہریں لگ جائیں گی' اور ہاتھ پاؤں بولنے لگیں گے' اب اللہ تعالیٰ سے ایک بات بھی نہ چھپائیں گے'' (ابن جریر)۔ مسند عبدالرزاق میں ہے کہ اس شخص نے آ کر کہا تھا بہت سی چیزیں مجھ پر قرآن میں مختلف ہوتی ہیں تو آپ نے فرمایا ''کیا مطلب''؟ تجھے کیا قرآن میں شک ہے؟ اس نے کہا شک تو نہیں ہاں میری سمجھ میں اختلاف نظر آ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا ''جہاں جہاں اختلاف تجھے نظر آ رہا ہو ان مقامات کو پیش کر'' تو اس نے یہ دو آیتیں پیش کیں کہ ایک سے چھپانا ثابت ہوتا ہے دوسرے سے نہ چھپانا پایا جاتا ہے تو آپ نے اسے یہ جواب دے کر دونوں آیتوں کی تطبیق سمجھا دی۔ ایک اور روایت میں سائل کا نام بھی آیا ہے کہ وہ نافع بن ازرق تھا۔ اور یہ بھی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے یہ بھی فرمایا کہ شاید تم کسی مجلس سے آ رہے ہو وہاں بھی تذکرہ ہو رہا ہو گا' تم نے کہا ہو گا کہ میں جاتا ہوں اور ابن عباس سے دریافت کرتا ہوں۔ اگر میرا یہ گمان صحیح ہے تو تمہیں لازم ہے کہ جواب سن کر انہیں بھی سنا دو۔ پھر یہی جواب دیا۔

جنابت کے احکام اور حرمت شراب کا واقعہ: [آیت:۴۳] اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو نشے کی حالت میں نماز

❶ ۲۱/ الانبیآء:۴۰۔ ❷ ٦/ الانعام:۲۳۔

پڑھنے سے روک رہا ہے کیونکہ اس وقت نمازی معلوم ہی نہیں کر سکتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ ساتھ ہی محل نماز یعنی مسجد میں آنے سے بھی ممانعت ہے اسے بھی اور جنبی شخص کو بھی یعنی جسے نہانے کی حاجت ہو ہاں ایسا شخص کسی کام کی وجہ سے مسجد کے ایک دروازے سے جا کر دوسرے سے نکل جائے وہاں ٹھہرے نہیں تو یہ گزرنا جائز ہے۔ نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جانے کا حکم شراب کی حرمت سے پہلے تھا جیسے اس حدیث سے ظاہر ہے جو ہم نے سورۂ بقرہ کی آیت ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾ ❶ کی تفسیر میں ذکر کی ہے نبی اکرم ﷺ نے جب وہ آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے تلاوت کی تو آپ نے دعا مانگی کہ ''اے اللہ شراب کے بارے میں اور صاف صاف بیان نازل فرما۔'' پھر یہ آیت اتری یعنی نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جانے کی۔ اس پر نمازوں کے وقت اس کا پینا لوگوں نے چھوڑ دیا۔ اسے سن کر بھی جناب فاروق رضی اللہ عنہ نے یہی دعا مانگی تو آیت ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ سے ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ ❷ تک نازل ہوئی جس میں شراب سے بچنے کا حکم صاف موجود ہے۔ اسے سن کر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم باز آئے۔ ❸ اسی روایت کی ایک سند میں ہے کہ جب سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی اور نشے کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت ہوئی اس وقت یہ دستور تھا کہ جب نماز کھڑی ہوتی تو ایک شخص آواز لگاتا کہ کوئی نشہ والا نماز کے قریب نہ آئے۔ ❹ ابن ماجہ شریف میں ہے حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے بارے میں چار آیتیں نازل ہوئی ہیں ایک انصاری نے کھانا تیار کیا اور بہت سے لوگوں کی دعوت کی ہم سب نے خوب کھایا پیا' پھر شرابیں پیں اور مخمور ہو گئے' پھر آپس میں فخر جتانے لگے' ایک شخص نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی اٹھا کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ماری جس سے ناک پر زخم آیا اور اس کا نشان باقی رہ گیا اس وقت تک شراب کو اسلام نے حرام نہیں کیا تھا پس یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ حدیث صحیح مسلم شریف میں بھی پوری مروی ہے۔ ❺

ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دعوت کی لوگ گئے کھانا کھایا پھر شراب پی اور مست ہو گئے اتنے میں نماز کا وقت آ گیا ایک شخص کو امام بنایا اس نے نماز میں سورۂ ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ ❻ میں اس طرح پڑھا (مَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ○ وَنَحْنُ نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ.) اس پر یہ آیت اتری اور نشہ کی حالت میں نماز کا پڑھنا منع کیا گیا۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور حسن ہے۔ ❼ ابن جریر کی روایت میں ہے کہ حضرت علی' حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما اور تیسرے ایک اور صاحب نے شراب پی اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نماز میں امام بنائے گئے اور قرآن کی قراءت خلط ملط کر دی' اس پر یہ آیت اتری۔ ابوداؤد اور نسائی میں بھی یہ روایت ہے۔ ❽ ابن جریر رحمہ اللہ کی ایک اور روایت میں ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امامت کی اور جس طرح پڑھنا چاہیے تھا نہ پڑھ سکے' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور ایک روایت میں مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے امامت کرائی اور اس طرح پڑھا ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ○ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ○ وَاَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ ○ وَاَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ○ لَكُمْ

---

❶ ۲/ البقرة:۲۱۹۔ ❷ ۵/ المآئدة:۹۰، ۹۱۔ ❸ ابو داود، ۳۶۷۰ وسنده ضعیف ابواسحاق مدلس کے سماع کی تصریح نہیں نیز سند میں انقطاع ہے۔ ❹ ابوداود، اول كتاب الأشربة، باب تحريم الخمر، ۳۶۷۱، وسنده صحيح۔

❺ صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فى فضل سعد بن ابى وقاص، ۱۷۴۸؛ ابوداود، ۲۰۸؛ ترمذى، ۳۱۸۹۔

❻ ۱۰۹/ الكافرون:۱۔ ❼ ترمذى، كتاب تفسير القرآن، باب ومن سورة النساء، ۳۰۲۶، وهو حسن۔

❽ ابوداود، كتاب الأشربة، باب تحريم الخمر، ۳۶۷۱، وسنده حسن۔

دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ پس یہ آیت نازل ہوئی اور اس حالت میں نماز پڑھنا حرام کر دیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ شراب کی حرمت سے پہلے لوگ نشہ کی حالت میں نماز کو کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ پس اس آیت سے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا گیا (ابن جریر)۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے نازل ہونے کے بعد لوگ اس سے رک گئے' پھر شراب کی مطلق حرمت نازل ہوئی۔ حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے شراب کا نشہ مراد نہیں بلکہ نیند کا خمار مراد ہے۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ٹھیک یہی ہے کہ مراد اس سے شراب کا نشہ ہے اور یہاں خطاب ان سے کیا گیا ہے جو نشہ میں ہیں لیکن نہ اتنے کہ احکام شرع ان پر جاری ہی نہ ہو سکیں' کیونکہ نشہ کی ایسی حالت والا شخص مجنون کے حکم میں ہے۔ بہت سے اصولی حضرات کا قول ہے کہ خطاب ان لوگوں کی طرف متوجہ ہے جو کلام کو سمجھ سکیں نہ ایسے نشہ والوں کی طرف جو سمجھتے ہی نہیں کہ ان سے کیا کہا جا رہا ہے۔ اس لئے کہ خطاب کا سمجھنا شرط ہے تکلیف کی اور یہ بھی کہا گیا کہ گو الفاظ یہ ہیں کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو لیکن مراد یہ ہے کہ نشے کی چیز کھاؤ پیو بھی نہیں اس لئے کہ دن رات میں پانچ وقت نماز فرض ہے تو کیسے ممکن ہے کہ ایک شرابی ان پانچوں وقت کی نمازیں ٹھیک وقت پر ادا کر سکے حالانکہ شراب برابر پی رہا ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ پس یہ حکم بھی اسی طرح ہوگا جس طرح یہ حکم ہے کہ ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جتنا اس سے ڈرنے کا اس کا حق ہے اور نہ مرنا تم مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔ تو اس سے مراد یہ ہے کہ ایسی تیاری ہر وقت رکھو اور ایسے پاکیزہ اعمال ہر وقت کرتے رہو کہ جب تمہیں موت آئے تو اسلام پر دم نکلے۔ یہ جو اس آیت میں ارشاد ہوا ہے کہ یہاں تک کہ تم معلوم کر سکو جو تم کہہ رہے ہو' یہ نشہ کی حد ہے یعنی نشہ کی حالت میں اس شخص کو سمجھا جائے گا جو اپنی بات نہ سمجھ سکے۔ نشہ والا انسان قرأت میں خلط ملط کر دے گا اسے سوچنے سمجھنے اور غور و فکر کرنے کا موقعہ نہ ملے گا نہ اس سے عاجزی اور خشوع خضوع ہو سکتا ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "جب تم میں سے کوئی اونگھنے لگے اور ہو وہ نماز میں ہو تو اسے چاہئے کہ وہ لوٹ جائے اور سو جائے جب تک کہ وہ جاننے لگے جو کچھ کہہ رہا ہے۔" ❶ بخاری اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے ❷ اور اس کے بعض طرق میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ممکن ہے کہ چاہے تو وہ اپنے لئے استغفار کرنا لیکن زبان سے اس کے خلاف نکلے۔ ❸

جنابت کی حالت میں مسجد میں داخلہ: پھر فرمان ہے کہ جنبی نماز کے قریب نہ جائے جب تک غسل نہ کر لے۔ ہاں بطور گزر جانے کے مسجد میں سے گزرنا جائز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایسی ناپاکی کی حالت میں مسجد میں جانا ناجائز ہے ہاں مسجد کی ایک طرف سے دوسری طرف نکل جانے میں کوئی حرج نہیں مسجد میں بیٹھے نہیں۔ ❹ اور بھی بہت صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم کا یہی قول ہے۔ حضرت یزید بن ابو حبیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بعض انصار جو مسجد کے ارد گرد رہتے تھے اور جنبی ہوتے تھے گھر میں پانی نہیں ہوتا اور گھر کے دروازے مسجد سے متصل تھے انہیں اجازت ہوئی کہ مسجد سے اسی حالت میں گزر سکتے ہیں۔ بخاری کی حدیث سے بھی یہ بات صاف طور پر ثابت ہوتی ہے کہ لوگوں کے گھروں کے دروازے مسجد میں تھے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری مرض الموت میں فرمایا تھا کہ "مسجد میں جن جن لوگوں کے دروازے پڑتے ہیں سب کو بند کر دو صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دروازہ رہنے دو۔" ❺

---

❶ احمد، ٣/ ١٥٠؛ صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب الوضوء من النوم ومن لم یرمن النعسة......٢١٣۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب الوضوء من النوم، ٢١٣؛ نسائی، ٤٤٣۔

❸ صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب الوضوء من النوم، ٢١٢؛ صحیح مسلم، ٧٨٦؛ ابوداود، ١٣١٠؛ ترمذی، ٣٥٥؛ ابن ماجه، ١٣٧٠۔

❹ ابن ابی حاتم وسنده حسن، ابو جعفر الرازی حسن الحدیث ھاھنا۔

❺ صحیح بخاری، کتاب الصلاة، باب الخوخة والممر فی المسجد، ٤٦٧۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ کے بعد آپ کے جانشین حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہوں گے تو انہیں ہر وقت اور بکثرت مسجد میں آنے جانے کی ضرورت رہے گی تاکہ مسلمانوں کے اہم امور کا فیصلہ کر سکیں اس لئے آپ ﷺ نے سب کے دروازے بند کرنے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دروازہ کھلا رہنے کی ہدایت فرمائی۔ بعض سنن کی اس حدیث میں بجائے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام ہے وہ بالکل خطا ہے۔ ❶ صحیح یہی ہے جو صحیح میں ہے اس آیت سے اکثر ائمہ نے دلیل پکڑی ہے کہ جنبی شخص کو مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے ہاں گزر جانا جائز ہے' اسی طرح حیض و نفاس والی عورتوں کو بھی۔ اور بعض کہتے ہیں ان دونوں کو گزرنا بھی جائز نہیں ممکن ہے مسجد میں آلودگی ہو۔ اور بعض کہتے ہیں اگر اس بات کا خوف نہ ہو تو ان کا گزرنا بھی جائز ہے۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ ''مسجد سے مجھے بوریا اٹھا دو'' تو مائی صاحبہ نے عرض کیا کہ حضور اکرم! میں حیض سے ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تیرا حیض تیرے ہاتھ میں نہیں۔ ❷ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حائضہ مسجد میں آ جا سکتی ہے اور نفاس والی کا بھی یہی حکم ہے۔ یہ دونوں بطور راستہ چلنے کے آ جا سکتی ہیں۔ ابوداؤد میں فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ ''میں حائض اور جنبی کے لئے مسجد کو حلال نہیں کرتا۔'' ❸ امام ابو مسلم خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث کو ایک جماعت نے ضعیف کہا ہے کیونکہ افلت اس کا راوی مجہول ہے۔ لیکن ابن ماجہ میں یہ روایت ہے اس میں افلت کی جگہ معدوم ذہلی ہیں۔ ❹ پہلی حدیث بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہے اور یہ دوسری بروایت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہے' لیکن ٹھیک نام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہی ہے۔ ایک اور حدیث ترمذی میں ہے جس میں ہے کہ ''اے علی! اس مسجد میں جنبی ہونا میرے اور تیرے سوا کسی کو حلال نہیں۔'' ❺ یہ حدیث بالکل ضعیف ہے اور ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی' اس میں سالم راوی ہے جو متروک ہے اور ان کے استاد عطیہ بھی ضعیف ہیں' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جنبی شخص اس حالت میں بغیر غسل کئے نماز نہیں پڑھ سکتا لیکن اگر وہ سفر میں ہو اور پانی نہ ملے تو پانی کے ملنے تک پڑھ سکتا ہے' ❻ ابن عباس رضی اللہ عنہما' سعید بن جبیر' ضحاک رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت مجاہد' حسن' حکم' زید اور عبدالرحمٰن سے بھی اسی کے مثل مروی ہے۔ عبداللہ بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم سنا کرتے تھے کہ یہ آیت سفر کے حکم میں ہے۔ اس حدیث سے بھی اس مسئلہ کی شہادت ہو سکتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''پاک مٹی مسلمان کی طہارت ہے گو دس سال تک پانی نہ ملے' اور جب مل جائے تو اسی کو استعمال کرے یہ تیرے لئے بہتر ہے'' ❼ (اہل سنن اور مسند احمد)۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان دونوں قولوں میں پہلا قول ان لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ مراد بطور گزر جانے کے مسجد میں جانا ہے' کیونکہ جس مسافر کو جنابت کی حالت میں پانی نہ ملے اس کا حکم تو آگے صاف بیان ہوا

❶ أحمد، ۱/ ۳۳۱، مطولاً عن ابن عباس رضی اللہ عنہما وسنده حسن؛ الحاكم، ۳/ ۱۳۲ وصححه ووافقه الذهبی۔

❷ صحیح مسلم، كتاب الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها، ۲۹۸۔

❸ أبو داود، كتاب الطهارة، باب فی الجنب يدخل المسجد، ۲۳۲ وسنده حسن۔

❹ ابن ماجه، ٦٤٥ وسنده ضعيف ابوخطاب اور محدوج مجہول راوی ہیں۔

❺ الترمذی، ۳۷۲۷ وسنده ضعيف عطیہ عوفی راوی ضعیف ہے۔

❻ ابن أبی حاتم، وسنده ضعيف۔

❼ أحمد، ٥/ ١٥٥؛ أبو داود، كتاب الطهارة باب الجنب يتيمم، ۳۳۲ وسنده حسن؛ ترمذی، ۱۲٤؛ نسائی۔

ہے پس اگر یہی مطلب یہاں بھی لیا جائے تو پھر اسے لوٹانے کی دوسرے جملہ میں کچھ ایسی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ پس معنی آیت کے اب یہ ہوئے کہ ایمان والو! نماز کے لئے مسجد میں نہ جاؤ جب کہ تم نشے میں ہو جب تک تم اپنی بات کو آپ نہ سمجھنے لگو اسی طرح جنابت کی حالت میں بھی مسجد میں نہ جاؤ جب تک نہا نہ لو ہاں بطور گزر جانے کے راستہ کاٹنے کے جائز ہے۔ ﴿عَابِرٌ﴾ کے معنی آنے جانے یعنی گزر جانے والے کے ہیں اس کا مصدر عَبْرًا اور عُبُوْرًا آتا ہے جب کوئی نہر سے گزر جائے تو عرب کہتے ہیں (عَبَرًا فُلَانُ النَّھْرَ) فلاں شخص نے نہر سے عبور کرلیا اسی طرح قوی اونٹنی کو جو سفر کاٹتی ہو (عَبْرَ الْاَسْفَارَ) کہتے ہیں۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ جس قول کی تائید کرتے ہیں یہی قول جمہور کا ہے اور آیت سے ظاہر بھی یہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس ناقص حالت میں نماز سے منع فرمارہا ہے جو مقصود نماز کے خلاف ہے۔ اسی طرح نماز کی جگہ میں بھی ایسی حالت سے آنے کو روکتا ہے جو اس جگہ کی عظمت اور پاکیزگی کے خلاف ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.

پھر جو فرمایا کہ یہاں تک کہ تم غسل کرلو یہ دلیل ہے امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم کی کہ جنبی کو مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے جب تک کہ غسل نہ کرلے یا اگر پانی نہ ملے یا پانی ہو لیکن اس کے استعمال کی قدرت نہ ہو تو تیمم کرلے۔ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب جنبی نے وضو کرلیا تو اسے مسجد میں ٹھہرنا جائز ہے چنانچہ مسند احمد اور سنن سعید بن منصور میں مروی ہے حضرت عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ وہ جنبی ہوتے اور وضو کرکے مسجد میں بیٹھے رہتے' ❶ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ پھر تیمم کے مواقع بیان فرمائے۔ جس بیماری کی وجہ سے تیمم جائز ہوجاتا ہے وہ وہ بیماری ہے کہ اس وقت پانی کے استعمال سے کسی عضو کے فوت ہوجانے یا اس کے خراب ہوجانے یا مرض کی مدت بڑھ جانے کا خوف ہو۔ بعض علما نے ہر مرض پر تیمم کی اجازت کا فتویٰ دیا ہے کیونکہ آیت میں عموم ہے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری بیمار تھے نہ تو کھڑے ہوکر وضو کرسکتے تھے نہ ان کا کوئی خادم تھا جو انہیں پانی دے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا اس پر یہ حکم اترا۔ یہ روایت مرسل ہے۔ دوسری حالت تیمم کے جواز کی سفر ہے خواہ لمبا سفر ہو خواہ چھوٹا۔ غَائِطٌ کہتے ہیں نرم زمین کو یہاں اس سے کنایہ کیا گیا ہے پاخانہ پیشاب سے۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں لمس کی تحقیق: ﴿لٰمَسْتُمْ﴾ کی دوسری قراءت ﴿لَمَسْتُمْ﴾ ہے۔ اس کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک یہ کہ مراد جماع ہے جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْھُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْھُنَّ﴾ ❷ یعنی اگر تم اپنی بیویوں کو مجامعت سے پہلے طلاق دو اور ان کا مہر مقرر ہو تو جو مقرر ہو اس سے آدھا دے دو۔ اور آیت میں ہے اے ایمان والو! جب تم ایمان والی عورتوں سے نکاح کرو پھر مجامعت سے پہلے انہیں طلاق دے دو تو ان کے ذمہ عدت نہیں۔ یہاں بھی لفظ ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْھُنَّ﴾ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ﴿اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ سے مراد مجامعت ہے۔ حضرت علی' حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما حضرت مجاہد، حضرت طاؤس، حضرت حسن، حضرت عبید بن عمیر' حضرت سعید بن جبیر، حضرت شعبی، حضرت قتادہ، حضرت مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہم سے بھی یہی مروی ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ اس لفظ پر مذاکرہ ہوا تو چند موالی نے کہا یہ جماع نہیں اور چند عرب نے کہا جماع ہے۔ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا بیان کیا' آپ نے پوچھا تم کن کے ساتھ تھے میں نے

❶ سعید بن منصور وسندہ حسن لذاته۔ ❷ البقرۃ:۲۳۷۔

کہا موالی کے۔ فرمایا موالی مغلوب ہو گئے۔ لمس اور مس اور مباشرت کا معنی جماع ہے' اللہ تعالیٰ نے یہاں کنایہ کیا ہے۔ بعض اور حضرات نے اس سے مراد مطلق چھونا لیا ہے خواہ کسی حصہ جسم کو عورت کے کسی حصہ جسم سے ملایا جائے تو وضو واجب ہو جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لمس' جماع کے سوا کو کہتے ہیں' آپ فرماتے ہیں بوسہ بھی لمس میں داخل ہے اور اس سے بھی وضو کرنا پڑے گا۔ ❶ فرماتے ہیں مباشرت سے ہاتھ لگانے سے بوسہ لینے سے وضو کرنا پڑے گا' لمس سے مراد چھونا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی عورت کا بوسہ لینے سے وضو کرنے کے قائل تھے اسے لمس میں داخل جانتے تھے۔ عبیدہ' ابو عثمان' ثابت' ابراہیم' زید رحمہ اللہ علیہم بھی کہتے ہیں لمس سے مراد جماع کے علاوہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں انسان کا اپنی بیوی کا بوسہ لینا اور اسے ہاتھ لگانا ملامست ہے اس سے وضو کرنا پڑے گا (موطا امام مالک)۔ ❷ دار قطنی میں خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے لیکن دوسری روایت آپ سے اس کے خلاف بھی پائی جاتی ہے کہ آپ باوضو تھے آپ نے اپنی بیوی کا بوسہ لیا پھر وضو نہ کیا اور نماز ادا کی۔ پس دونوں روایتوں کے ثابت ماننے کے بعد یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ آپ وضو کو مستحب مانتے تھے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ مطلق چھونے سے وضو کے قائل امام شافعی رحمہ اللہ علیہ اور ان کے ساتھی ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ علیہ ہیں اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے۔ اس قول کے قائل کہتے ہیں کہ یہاں دو قراءتیں ہیں ﴿لَمَسْتُمْ﴾ اور ﴿لٰمَسْتُمْ﴾ اور لمس کا اطلاق ہاتھ لگانے پر بھی قرآن کریم میں آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ﴾ ❸ ظاہر ہے کہ یہاں ہاتھ لگانا ہی مراد ہے۔ اسی طرح حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ شاید تم نے بوسہ لیا ہو گا یا ہاتھ لگایا ہو گا۔ ❹ وہاں بھی لفظ لَمَسْتَ ہے۔ اور صرف ہاتھ لگانے کے معنی میں ہی ہے۔ اور حدیث میں ہے ((وَالْيَدُ زِنَاهَا اللَّمْسُ)) ہاتھ کا زنا چھونا اور ہاتھ لگانا ہے۔ ❺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں بہت کم دن ایسے گزرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آ کر بوسہ نہ لیتے ہوں اور ہاتھ نہ لگاتے ہوں۔ ❻ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع ملامست سے منع فرمایا۔ ❼ یہ بھی ہاتھ لگانے کی بیع ہے۔ پس یہ لفظ جس طرح جماع پر بولا جاتا ہے۔ ہاتھ سے چھونے پر بھی بولا جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے (وَلَمَسْتُ كَفِّيْ كَفَّهٗ اَطْلُبُ الْغِنٰى) ''میرا ہاتھ اس کے ہاتھ سے ملا میں تونگری چاہتا تھا''۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک شخص سرکار محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! اس شخص کے بارے میں کیا فیصلہ ہے جو ایک اجنبیہ عورت کے ساتھ وہ تمام کام کرتا ہے جو میاں بیوی میں ہوتے ہیں سوائے جماع کے؟ تو آیت ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ﴾ نازل ہوتی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وضو کر کے نماز ادا کر لے۔ اس پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں' کیا یہ اسی کے لئے خاص ہے یا سب مسلمانوں کے لئے عام ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے ہیں تمام ایمان والوں کے لئے ہے۔ ❽ امام ترمذی رحمہ اللہ علیہ اسے زائدہ کی حدیث

---

❶ مؤطا امام مالك، كتاب الطهارة باب الوضوء من قبلة الرجل أمراته، ٦٥؛ البيهقي، ١/ ١٢٤ مطولاً وسنده ضعيف ومختصراً وسنده صحيح وهو صحيح بالشواهد مجمع الزوائد، ١/ ٢٥٢ ❷ مؤطا امام مالك، كتاب الطهارة، باب الوضوء من قبلة الرجل امراته، ٦٤ ح ٩٣ وهو صحيح۔ ❸ ٦/ الانعام:٧۔ ❹ صحيح بخاري، كتاب الحدود، باب هل يقول الإمام للمقر لعلك لمست اوغمزت، ٦٨٤٤۔ ❺ احمد، ٢/ ٣٤٩، ٣٥٠ وسنده ضعيف؛ صحيح ابن حبان، ٤٤٢٢ وسنده صحيح؛ ابن خزيمه، ٣٠ وسنده صحيح۔ ❻ أحمد، ٦/ ١٠٨، أبوداود، كتاب النكاح باب القسم بين النساء، ٢١٣٥، وسنده حسن۔ ❼ صحيح بخاري، كتاب البيوع، باب بيع الملامسة، ٢١٤٤؛ صحيح مسلم، ١٥١٢۔

❽ أحمد، ٥/ ٢٤٤، وسنده ضعيف، الترمذي، ٣١١٣ وسنده ضعيف، سند میں انقطاع ہے۔

سے روایت کر کے فرماتے ہیں اس کی سند متصل نہیں، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اسے مرسلاً روایت کرتے ہیں۔ الغرض اس قول کے قائل اس حدیث سے یہ کہتے ہیں کہ اسے وضو کا حکم اسی لئے دیا تھا کہ اس نے عورت کو چھوا تھا جماع نہیں کیا تھا۔ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اولاً تو یہ منقطع ہے، ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ اور معاذ رضی اللہ عنہ کے درمیان ملاقات کا ثبوت نہیں۔ دوسرے یہ کہ ہوسکتا ہے اسے وضو کا حکم فرض نماز کی ادائیگی کے لئے دیا ہو جیسے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ ''جو بندہ کوئی گناہ کرے پھر وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو معاف فرما دیتا ہے'' ❶ الخ۔ یہ پوری حدیث سورۂ آل عمران میں آیت ﴿ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ﴾ ❷ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ان دونوں قولوں میں سے پہلا قول ان کا ہے جو کہتے ہیں کہ مراد اس سے جماع ہے نہ کہ اور، کیونکہ صحیح مرفوع حدیث میں آچکا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی صاحبہ کا بوسہ لیا اور وضو نہ کیا اور نماز پڑھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آنحضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے پھر بوسہ لیتے پھر نماز پڑھتے، اور وضو نہ کرتے۔ حضرت حبیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مائی عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی بیوی کا بوسہ لیتے پھر نماز کو جاتے اور وضو نہ کرتے۔ میں نے کہا وہ آپ ہی ہوں گی تو آپ مسکرادیں۔ ❸ اس کی سند میں کلام ہے۔ لیکن دوسری سندوں سے ثابت ہے کہ اوپر کے راوی یعنی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سننے والے حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ وضو کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرا بوسہ لیتے پھر وضو نہ دہراتے۔ ❹ اور سند سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ لیا پھر وضو نہ کیا اور نماز ادا کی۔ ❺ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بوسہ لیتے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ سے ہوتے پھر نہ تو روزہ جاتا نہ نیا وضو کرتے ❻ (ابن جریر)۔ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بوسہ لینے کے بعد وضو نہ کرتے اور نماز پڑھتے۔ ❼

تیمم اور اسکے احکام: پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرلو۔ اس سے اکثر فقہا نے استدلال کیا ہے کہ پانی نہ پانے والے کے لئے تیمم کی اجازت پانی کی تلاش کے بعد ہے۔ کتب فروع میں تلاش کی کیفیت بھی لکھی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ یکسو ہے اور لوگوں کے ساتھ اس نے نماز نہیں پڑھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا ''تو نے لوگوں کے ساتھ نماز کیوں نہ پڑھی، کیا تو مسلمان نہیں ہے؟'' اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہوں تو مسلمان لیکن جنبی ہو گیا اور پانی نہ ملا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''پھر اس صورت میں تجھے مٹی کافی تھی۔'' ❽ تیمم کے لفظی معنی قصد کرنے کے ہیں عرب کہتے ہیں۔ (تَيَمَّمَكَ اللّٰهُ بِحِفْظِه) یعنی اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت کے ساتھ تیرا قصد کرے۔ امراؤ القیس کے شعر میں بھی یہ لفظ اسی

❶ ابو داود، ١٥٢١ وسنده حسن؛ الترمذی، ٣٠٠٦؛ ابن ماجه، ٢٣٩٥۔ ❷ ٣/ آل عمران:١٣٥۔

❸ أبوداود، كتاب الطهارة، باب الوضوء من القبلة، ١٧٩، وهو حسن، ترمذی، ٨٦۔

❹ الطبری، ٩٦٣٧، اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔

❺ أبوداود، كتاب الطهارة، باب الوضوء من القبلة ١٧٨، وهو حسن، نسائی، ١٧٠۔

❻ الطبری، ٩٦٣٨، وسنده ضعيف، المعجم الاوسط للطبرانی، ٣٨١٧، واللفظ للطبری علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد، ١/ ٢٤٧ میں یزید بن سنان کی وجہ سے اسے معلول قرار دیا ہے۔ ❼ احمد، ٦/ ٦٢ وسنده ضعيف اس کی سند میں حجاج بن أرطاة مدلس اور زینب السہمیہ کو دارقطنی نے مجہول کہا ہے۔ (الميزان، ١/ ٤٥٨، رقم: ١٧٢٦، ٢/ ١٠٨، رقم: ٣٠٣٩)

❽ صحيح بخاری، كتاب التيمم، باب رقم: ٩، ٣٤٨؛ صحيح مسلم، ٦٨٢۔

معنی میں آیا ہے۔ صعید کے معنی میں کہا گیا کہ ہر وہ چیز جو زمین سے اوپر کو چڑھے پس اس میں مٹی' ریت' درخت' پتھر' گھاس بھی داخل ہو جائیں گے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ جو چیز مٹی کی جنس سے ہو جیسے ریت' ہڑتال اور چونا' یہ مذہب ابو حنیفہ کا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف مٹی ہی۔ یہ قول ہے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ' امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تمام ساتھیوں کا۔ اس کی دلیل ایک تو قرآن کریم کے یہ الفاظ ہیں ﴿فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا﴾ ❶ یعنی "ہو جائے وہ مٹی پھسلنی" دوسری دلیل صحیح مسلم شریف کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ہمیں تمام لوگوں پر تین فضیلتیں دی گئی ہیں' ہماری صفیں مثل فرشتوں کی صفوں کے کی گئیں' ہمارے لئے ساری زمین مسجد بنائی گئی اور زمین کی مٹی ہمارے لئے پاک اور پاک کرنے والی بنائی گئی جب کہ ہم پانی نہ پائیں۔" ❷ الفاظ حدیث میں تربت کا لفظ ہے اور ایک سند سے بجائے تربت کے تراب کا لفظ مروی ہے۔ پس اس حدیث میں احسان کے جتانے کے وقت مٹی کی تخصیص کی گئی۔ اگر کوئی اور چیز بھی وضو کے قائم مقام کام آنے والی ہوتی تو اس کا ذکر بھی ساتھ ہی کر دیتے۔ یہاں پر لفظ طیب جو ہے اس معنی میں کہا گیا ہے کہ مراد حلال ہے' اور کہا گیا ہے کہ مراد پاک ہے جیسے حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں "پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے گو دس سال تک پانی نہ پائے پھر جب پانی ملے تو اسے اپنے جسم سے لگائے یہ اس کے لئے بہتر ہے۔" ❸ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ حافظ ابو الحسن قطان رحمۃ اللہ علیہ بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سب سے زیادہ پاک مٹی کھیت کی زمین کی مٹی ہے۔ بلکہ تفسیر ابن مردویہ میں تو اسے مرفوعاً وارد کیا ہے۔ ❹

پھر فرمان ہے کہ اسے اپنے چہرے پر اور ہاتھ پر ملو۔ تیمم وضو کا بدل ہے صرف پاکیزگی حاصل کرنے میں نہ کہ تمام اعضاء کے بارے میں' تو صرف منہ اور دونوں ہاتھوں پر ملنا کافی ہے اور اس پر اجماع ہے' لیکن کیفیت تیمم میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ جدید مذہب شافعی یہ ہے کہ دو دفعہ کر کے منہ اور دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کرنا واجب ہے اس لئے کہ یَدَیْن کا اطلاق بغلوں تک اور کہنیوں تک ہوتا ہے جیسے آیت وضو میں' اور اسی لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اور مراد صرف ہتھیلیاں ہی ہوتی ہیں جیسے کہ چور کی حد کے بارے میں فرمایا ﴿فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا﴾ کہتے ہیں۔ یہاں تیمم کے حکم میں ہاتھ کا ذکر مطلق ہے اور وضو کے حکم میں مقید ہے' اس لئے اس مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا کیونکہ طہوریت جامع موجود ہے۔ اور بعض لوگ اس کی دلیل میں دار قطنی والی روایت پیش کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "تیمم کی دو ضربیں ہیں ایک مرتبہ ہاتھ مار کر منہ پر ملنا اور ایک مرتبہ ہاتھ مار کر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک ملنا" ❺ لیکن یہ حدیث صحیح نہیں اس لئے کہ اس کی اسناد میں ضعف ہے حدیث ثابت نہیں۔ ابو داؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ ایک دیوار پر مارے اور منہ پر ملے پھر دوبارہ ہاتھ مار کر اپنی دونوں بازوؤں پر ملے۔ ❻ لیکن اس کی اسناد میں محمد بن ثابت عبدی ضعیف ہیں انہیں بعض حافظان حدیث نے ضعیف کہا ہے۔ یہی حدیث بعض ثقہ راویوں نے بھی روایت

---

❶ ۱۸/ الکھف:۳۰۔ ❷ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب المساجد ومواضع الصلاۃ، ۵۲۲۔ ❸ أبوداود، کتاب الطھارۃ، باب الجنب یتیم، ۳۳۲، وسندہ حسن، ترمذی، ۱۲٤؛ نسائی، ۳۲۳، وسندہ ضعیف محمد بن ثابت عند الجمھور ضعیف راوی ہے۔
❹ ابن ابی حاتم، ۳/ ۹٦۲ ح ۵۳۷٤ وسندہ ضعیف موقوف، والمرفوع لم أجدہ۔ ❺ حاکم، ۱/ ۱۷۹، دار قطنی، ۱/ ۱۸۰۔ ❻ أبوداود، کتاب الطھارۃ باب التیمم فی الحضر، ۳۳۰، منکر محمد بن ثابت العبدی ضعیف راوی ہے۔ وسندہ ضعیف۔

کی ہے لیکن وہ مرفوع نہیں کرتے بلکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا فعل بتلاتے ہیں۔ امام بخاری وامام ابوزرعہ اور امام ابن عدی رحمہ اللہ علیہم کا فیصلہ ہے کہ یہ موقوف ہی ہے اور امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو مرفوع کرنا منکر ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کی دلیل یہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم کیا اور اپنے چہرے اور اپنے دونوں بازوؤں پر ہاتھ پھیرا۔ ❶ حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کر رہے ہیں' میں نے آپ کو سلام کیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہ دیا۔ فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دیوار کے پاس گئے اور اپنے دونوں ہاتھ اس پر مار کر اپنے منہ پر ملے پھر دیوار پر دونوں ہاتھ مار کر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک ملے پھر میرے سلام کا جواب دیا ❷ (ابن جریر)۔ یہ تو تھا امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کا جدید مذہب' آپ کا قدیم مذہب یہ ہے کہ ضربیں تو تیمم میں دو ہی ہیں لیکن دوسری ضرب میں ہاتھوں کو پہنچوں تک ملنا چاہئے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ صرف ایک ہی ضرب یعنی ایک ہی مرتبہ دونوں ہاتھوں کا مٹی پر مار لینا کافی ہے۔

گرد آلود ہاتھوں کو منہ پر پھیرے اور دونوں پہنچوں تک۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کہ میں جنبی ہو گیا اور مجھے پانی نہ ملا تو مجھے کیا کرنا چاہئے۔ آپ نے فرمایا نماز نہ پڑھنی چاہئے۔ دربار میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے' فرمانے لگے امیر المؤمنین! کیا آپ کو یاد نہیں کہ میں اور آپ ایک لشکر میں تھے اور ہم جنبی ہو گئے تھے اور ہمیں پانی نہ ملا تو آپ نے تو نماز نہ پڑھی اور میں نے مٹی میں لوٹ پوٹ کر نماز ادا کر لی جب ہم واپس پلٹے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو میں نے اس واقعہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' تجھے اتنا کافی تھا'' پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ زمین پر مارے اور ان میں پھونک ماری اور اپنے منہ کو ملا اور ہتھیلیوں کو ملا۔ ❸ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' تیمم میں ایک ہی مرتبہ ہاتھ مارنا ہے جو چہرے کے لئے اور دونوں ہاتھ کی ہتھیلیوں کے لئے ہے۔'' ❹ مسند احمد میں ہے' حضرت شقیق رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو ابویعلیٰ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر کوئی شخص پانی نہ پاوے تو نماز نہ پڑھے اس پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تمہیں یاد نہیں حضرت عمار نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیا کہا تھا' یہ کہا تھا کہ اے عمر! آپ کو یاد نہیں جب کہ مجھے اور آپ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں میں بھیجا تھا وہاں میں جنبی ہو گیا اور مٹی میں لوٹ پوٹ لیا واپس آ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس دیے اور فرمایا'' تجھے اسی طرح کرنا کافی تھا'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ایک ساتھ مل لیا اور اپنے چہرے پر ایک بار ہاتھ پھیر لئے ضرب ایک ہی رہی' تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر قناعت نہیں کی۔ یہ سن کر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر تم اس کا کیا کرو گے جو سورۂ نساء میں ہے کہ پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو۔ اس کا جواب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نہ دے سکے اور فرمانے لگے کہ سنو اگر ہم نے لوگوں کو تیمم کی رخصت دے دی تو

❶ بیہقی، ١/ ٢٠٥، وسنده ضعيف جداً منقطع۔

❷ الطبری، ٩٦٧٣، یہ سند خارجہ بن مصعب کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ جبکہ اس معنی کی روایت ذراعین کے ذکر کے بغیر صحیح بخاری، ٣٣٨ میں موجود ہے۔ ❸ صحیح بخاری، کتاب التيمم، باب التيمم هل ينفخ فيها، ٣٣٨؛ صحیح مسلم، ٣٦٨؛ ابوداود، ٣٢٦، نسائی، ٣١٦؛ ابن ماجه، ٥٦٩۔

❹ أحمد، ٤/ ٢٦٣، أبوداود، ٣٢٧؛ وهو حسن، ترمذی، ١٤٤۔

بہت ممکن ہے کہ پانی جب انہیں ٹھنڈا معلوم ہوگا تو وہ تیمم کرنے لگیں گے۔ ❶ سورۂ مائدہ میں فرمان ہے ﴿فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ﴾ اسے اپنے چہرے اور ہاتھ پر ملو۔ اس سے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے دلیل پکڑی ہے کہ تیمم کا پاک مٹی سے ہونا اور اس کا بھی غبار آلود ہونا جس سے ہاتھوں پر غبار لگے اور وہ منہ اور ہاتھ پر ملا جائے ضروری ہے جیسے کہ حضرت ابوجہم والی حدیث میں گزرا کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو استنجا کرتے ہوئے دیکھا اور سلام کیا۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دیوار کے پاس گئے اور اپنی لکڑی سے کھرچ کر پھر ہاتھ مار کر تیمم کیا۔

پھر فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر تمہارے دین میں تنگی اور سختی کرنا نہیں چاہتا بلکہ وہ تم کو پاک صاف کرنا چاہتا ہے اسی لئے پانی نہ پانے کے وقت مٹی کے ساتھ تیمم کر لینے کو مباح قرار دے کر تم پر اپنی نعمت انعام فرمائی تاکہ تم شکر کرو۔ پس یہ امت اس نعمت کے ساتھ مخصوص ہے' جیسا کہ بخاری و مسلم میں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں'' مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں' مہینے بھر کی راہ تک میری مدد رعب سے کی گئی ہے' میرے لئے ساری زمین مسجد اور پاک کرنے والی بنائی گئی ہے' میرے جس امتی کو جہاں نماز کا وقت آ جائے وہ وہیں پڑھ لے اس کی مسجد اور اسکا وضو وہیں اس کے پاس موجود ہے' میرے لئے غنیمت کے مال حلال کئے گئے ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھے' مجھے شفاعت دی گئی' تمام انبیا علیہم السلام صرف اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے جاتے رہے لیکن میں تمام دنیا کی طرف بھیجا گیا۔'' ❷ اور صحیح مسلم کے حوالے سے وہ حدیث بھی پہلے گزر چکی ہے کہ'' تمام لوگوں پر ہمیں تین فضیلتیں عنایت کی گئیں ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح بنائی گئیں' ہمارے لئے ساری زمین مسجد بنائی گئی اور اس کی مٹی وضو بنائی گئی جب کہ ہمیں پانی نہ ملے۔'' ❸ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر حکم دیتا ہے کہ اپنے چہرے اور اپنے ہاتھ پر مسح کر لو پانی نہ ملنے کے وقت' اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ اسکے عفو و درگزر کی شان ہے کہ اس نے تمہارے لئے پانی نہ ملنے کے وقت تیمم مشروع کر کے نماز گزار لینے کی اجازت مرحمت فرمائی اگر یہ رخصت نہ ہوتی تو تم ایک گونہ مشکل میں پڑ جاتے۔ کیونکہ اس آیت کریمہ میں نماز کو ناقص حالت میں ادا کرنا منع کیا گیا ہے مثلاً نشہ کی حالت ہو یا جنابت کی حالت ہو یا بے وضو ہو تو جب تک اپنی باتیں خود سمجھنے جتنا ہوش اور باقاعدہ غسل اور شرعی طریق پر وضو نہ ہو نماز نہیں پڑھ سکتا لیکن بیماری کی حالت میں اور پانی نہ ملنے کی صورت میں غسل اور وضو کے قائم مقام تیمم کر دیا' پس اللہ تعالیٰ کے اس احسان پر ہم اسکے شکر گزار ہیں' فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ.

تیمم کی رخصت اور اس کا پس منظر: تیمم کی رخصت نازل ہونے کا واقعہ بھی سن لیجئے ہم اس واقعہ کو سورۂ نساء کی اس آیت کی تفسیر میں اس لئے بیان کرتے ہیں کہ سورۂ مائدہ میں جو تیمم کی آیت ہے وہ نازل ہونے میں اس کے بعد کی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ ظاہر ہے کہ یہ آیت شراب کی حرمت سے پہلے کی ہے اور شراب جنگ احد کے کچھ عرصہ بعد جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنونضیر کے یہودیوں کا محاصرہ کئے ہوئے تھے حرام ہوئی ہے اور سورۂ مائدہ آخری آخری جو قرآن نازل ہوا اس میں سے ہے' بالخصوص اس سورت کا ابتدائی حصہ۔ تو مناسب یہی ہے کہ تیمم کا شان نزول یہیں بیان کیا جائے' اللہ نیک توفیق دے اسی کا بھروسہ ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے ایک ہار واپس کر دینے کے وعدہ پر مستعار لیا تھا وہ سفر میں کہیں گم ہو گیا' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ڈھونڈنے کے لئے آدمی بھیجے انہیں ہار مل گیا لیکن نماز کا وقت اس کی تلاش میں ہی آ گیا اور ان کے ساتھ پانی نہ

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التیمم، باب التیمم ضربة، ۳۴۷، صحیح مسلم، ۳۶۸، ابوداود، ۳۲۱؛ نسائی، ۳۲۰۔

❷ صحیح بخاری، کتاب التیمم، باب، ۱، ۳۳۵؛ صحیح مسلم، ۵۲۱۔

❸ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب المساجد، ۵۵۲۔

تھا انہوں نے بے وضو نماز ادا کی اور آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر اس کی شکایت کی اس پر تیمم کا حکم نازل ہوا۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے اے مائی عائشہ! اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے قسم اللہ تعالیٰ کی جو تکلیف تم کو پہنچتی ہے اس کا انجام تمہارے اور مسلمانوں کے لئے خیر ہی خیر ہوتا ہے۔ ❶ بخاری میں ہے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہم اپنے کسی سفر میں تھے بیداء یا ذات الجیش میں میرا ہار ٹوٹ کر کہیں گر پڑا۔ جس کے ڈھونڈنے کے لئے حضور اکرم ﷺ مع قافلہ ٹھہر گئے۔ اب نہ تو ہمارے پاس پانی تھا نہ وہاں اس میدان میں کہیں پانی تھا۔ لوگ میرے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس میری شکایتیں کرنے لگے کہ دیکھو ہم ان کی وجہ سے کیسی مصیبت میں پڑ گئے۔ چنانچہ میرے والد صاحب میرے پاس آئے اس وقت رسول اللہ ﷺ میری ران پر اپنا سر مبارک رکھ کر سو گئے تھے۔ آتے ہی مجھے کہنے لگے تو نے حضور اکرم ﷺ کو اور لوگوں کو روک دیا اب نہ تو ان کے پاس پانی ہے نہ یہاں اور کہیں پانی نظر آتا ہے۔ الغرض مجھے خوب ڈانٹا ڈپٹا اور اللہ تعالیٰ جانے کیا کیا کہا اور میرے پہلو میں اپنے ہاتھ سے کچوکے بھی مارتے رہے لیکن میں نے ذرا سی بھی جنبش نہ کی کہ ایسا نہ ہو حضور اکرم ﷺ کے آرام میں خلل واقع ہو ساری رات گزر گئی صبح کو لوگ جاگے لیکن پانی نہ تھا اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی اور سب نے تیمم کیا۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے اے ابوبکر کے گھرانے والو! یہ سب کچھ تمہاری پہلی ہی برکت نہیں۔ اب جب ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو اس کے نیچے سے ہی ہار مل گیا۔ ❷ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اہلیہ صاحبہ مائی عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ ذات جیش سے گزرے مائی صاحبہ کا یمنی خرمہروں کا ہار ٹوٹ کر کہیں گر پڑا تھا اور گم ہو گیا تھا اس کی تلاش میں یہاں ٹھہر گئے۔ ساری رات آپ ﷺ کے ساتھ کے مسلمانوں نے اور آپ ﷺ نے یہیں گزاری صبح اٹھے تو پانی بالکل نہ تھا پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ پر پاک مٹی سے تیمم کر کے پاکی حاصل کرنے کی رخصت کی آیت اتاری اور مسلمان حضور اکرم ﷺ کے ساتھ کھڑے ہوئے زمین پر اپنے ہاتھ مارے اور جو مٹی ان میں لگی اسے جھاڑے بغیر اپنے چہروں پر اور اپنے ہاتھوں پر مونڈھوں تک اور ہاتھوں کے نیچے سے بغل تک مل لی۔ ❸

ابن جریر کی روایت میں ہے کہ اس سے پہلے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر سخت غصہ ہو کر گئے تھے لیکن تیمم کی رخصت کے حکم کو سن کر خوشی خوشی اپنی صاحبزادی صاحبہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہنے لگے تم بڑی مبارک ہو مسلمانوں کو اتنی بڑی رخصت ملی۔ پھر مسلمانوں نے ایک ضرب سے چہرے ملے اور دوسری ضرب سے کہنیوں اور بغلوں تک ہاتھ۔ ❹

ابن مردویہ میں روایت ہے حضرت اسلع بن شریک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کو چلا رہا تھا جس پر حضور اکرم ﷺ سوار تھے جاڑوں کا موسم تھا رات کا وقت تھا سردی پڑ رہی تھی اور میں جنبی ہو گیا اور ادھر حضور اکرم ﷺ نے کوچ کا ارادہ کیا تو میں نے اپنی اس حالت میں حضور اکرم ﷺ کی اونٹنی چلانا پسند نہ کیا ساتھ ہی یہ بھی خیال آیا کہ اگر سرد پانی سے نہاؤں گا تو مر جاؤں گا یا بیمار پڑ جاؤں گا۔ میں نے چپکے سے ایک انصاری کو کہا کہ آپ اونٹنی کی نکیل تھام لیجئے چنانچہ وہ چلاتے رہے اور میں نے آگ سلگا کر پانی گرم کر کے غسل کیا پھر دوڑ بھاگ کر قافلہ میں پہنچ گیا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا "اسلع کیا بات ہے اونٹنی کی چال کیسے بگڑی ہوئی ہے"؟ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میں اسے نہیں چلا رہا تھا بلکہ فلاں انصاری صاحب چلا رہے تھے۔=

---

❶ احمد، ٦/ ٥٧، صحيح بخاری، کتاب التيمم، باب إذا لم يجد ماءً ولا تراباً، ٣٣٦؛ صحيح مسلم، ٣٦٧، أبوداود، ٣١٧؛ نسائی، ٣٢٣؛ ابن ماجه، ٥٦٨۔ ❷ صحيح بخاری، کتاب التيمم، باب، ١، ٣٣٤؛ صحيح مسلم، ٣٦٧؛ نسائی، ٣١٠۔ ❸ احمد، ٤/ ٢٦٣، ٢٦٤؛ ابو داود، ٣٢٠ وسنده صحيح۔

❹ طبری، ٩٦٧٥۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾

ترجمہ: کیا تو نے انہیں نہ دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے وہ گمراہی خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ سے بھٹک جاؤ۔[۴۴] اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جاننے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کا دوست ہونا کافی ہے اور اللہ تعالیٰ کا مددگار ہونا بس ہے۔[۴۵] بعض یہود باتوں کو ان کی ٹھیک جگہ سے ہیر پھیر کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور سن تجھے تیرے خلاف نہ سنایا جائے اور ہماری رعایت کر (لیکن اس کہنے میں) اپنی زبان کو پیچ دیتے ہیں اور دین میں طعنہ دیتے ہیں' اور اگر یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے فرمانبرداری کی اور آپ سنئے اور ہمیں دیکھئے تو یہ ان کے لئے بہت بہتر اور نہایت ہی مناسب تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے انہیں لعنت کی ہے پس یہ بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں۔[۴۶]

= آپ ﷺ نے فرمایا "یہ کیوں"؟ میں نے سارا واقعہ کہہ سنایا اس پر اللہ عزوجل نے آیت ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ﴾ سے ﴿غَفُوْرًا﴾ تک نازل فرمائی۔ ❶ یہ روایت دوسری سند سے بھی مروی ہے۔

یہودیوں کی ایک قابل مذمت خصلت: [آیت:۴۴-۴۶] اللہ تبارک وتعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ یہودیوں کی ایک مذموم خصلت یہ بھی ہے کہ وہ گمراہی کو ہدایت پر اختیار کرتے ہیں۔ نبی آخر الزماں ﷺ پر جو اترا ہے اس سے بھی روگردانی کرتے ہیں اور جو اللہ کا علم ان کے اپنے پاس ہے انہیں بھی پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ خود اپنی کتابوں میں نبی موعود ﷺ کی بشارتیں پڑھتے ہیں لیکن تاہم اپنے مریدوں سے چڑھاوا لینے کے لالچ میں ظاہر نہیں کرتے بلکہ ساتھ ہی چاہت یہ رکھتے ہیں کہ خود مسلمان بھی راہ راست سے بھٹک جائیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے منکر بن جائیں' ہدایت کو اور سچے علم کو چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں سے خوب باخبر ہے وہ تمہیں ان سے ہوشیار کر رہا ہے کہ کہیں تم ان کے دھوکے میں نہ آ جاؤ' اللہ تعالیٰ کی حمایت کافی ہے تم یقین رکھو کہ وہ اپنی طرف جھکنے والوں کی ضرور حمایت کرتا ہے وہ ان کا مددگار بن جاتا ہے۔ تیسری آیت جو لفظ من سے شروع ہوئی ہے اس میں من بیان جنس کے لئے ہے جیسے ﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ﴾ ❷ میں۔ پھر یہودیوں کے اس فرقہ کی جس تحریف کا ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کلام اللہ تعالیٰ کے مطلب کو بدل دیتے ہیں اور خلاف منشا تفسیر کرتے ہیں۔ اور یہ فعل ان کا جان بوجھ کر قصداً ہوتا ہے جس سے =

❶ طبرانی، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، وسنده ضعيف جداً؛ مجمع الزوائد، ۱/ ۲۴۲، اس کی سند میں ہیثم بن رزیق اور ربیع بن بدر مجروح راوی ہیں۔ (الميزان، ۴/ ۳۲۲، رقم: ۲/ ۳۸، رقم: ۲۷۳۰) ❷ ۲۲/ الحج: ۳۰۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾

ترجمہ: اے اہل کتاب جو کچھ ہم نے نازل فرمایا ہے جو اسے بھی سچانے والا ہے جو تمہارے پاس ہے اس پر اس سے پہلے ایمان لاؤ کہ ہم چہرے بگاڑ دیں اور انہیں لوٹا کر پیٹھ کی طرف کر دیں یا ان پر لعنت بھیج دیں جیسے ہم نے ہفتے کے دن والوں پر لعنت کر دی۔ اللہ تعالیٰ کا امر ہوا ہوا یا ہی ہے۔[۴۷] یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک مقرر کرے اس نے بہت بڑا طوفان باندھا۔[۴۸]

= یہ اللہ تعالیٰ کے ذمے افتراء پردازی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ اے پیغمبر! جو آپ نے کہا ہم نے سنا لیکن ہم ماننے کے نہیں۔ خیال کیجئے ان کے کفر و الحاد کو دیکھئے کہ جان کر سمجھ کر کھلے لفظوں میں ناپاک خیال کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں آپ سنئے اللہ کرے آپ نہ سنیں یا یہ مطلب کہ آپ سنئے آپ کی نہ سنی جائے' لیکن پہلا مطلب زیادہ اچھا ہے۔ یہ کہنا ان کا بطور تمسخر اور مذاق کے تھا' اللہ تعالیٰ انہیں لعنت کرے اور ﴿رَاعِنَا﴾ کہتے تھے جس سے بظاہر سمجھا جاتا تھا کہ یہ لوگ کہتے ہیں ہماری طرف کان لگائیے۔ لیکن وہ اس لفظ سے مراد یہ لیتے تھے کہ تم بڑی رعونت والے ہو' اس کا پورا مطلب ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا﴾ ❶ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جو ظاہر کرتے تھے اس کے خلاف اپنی زبانوں کو موڑ کر طعن آمیز لہجہ میں اپنے دل میں مخفی رکھتے تھے۔ دراصل حضور ﷺ کی بے ادبی اور گستاخی کرتے تھے پس انہیں ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ ان دو معنی والے الفاظ کا بولنا چھوڑ دیں اور صاف صاف کہیں کہ ہم نے سنا مانا آپ ہماری عرض سنئے آپ ہماری طرف دیکھئے۔ یہ کہنا ہی ان کے لئے بہتر ہے اور یہی صاف سیدھی سچی اور مناسب بات ہے لیکن ان کے دل بھلائی سے دور ڈال دیئے گئے ہیں۔ اصل ایمان کامل طور سے ان کے دل میں جگہ ہی نہیں پاتا۔ اس جملہ کی تفسیر بھی پہلے گزر چکی ہے مطلب یہ ہے کہ نفع دینے والا ایمان ان میں نہیں۔

شرک ناقابل معافی جرم ہے: [آیت: ۴۷-۴۸] اللہ عزوجل یہود و نصاریٰ کو حکم دیتا ہے کہ میں نے اپنی زبردست کتاب اپنے بہترین نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نازل فرمائی ہے جس میں خود تمہاری اپنی کتاب کی تصدیق بھی ہے۔ اس پر ایمان لاؤ اس سے پہلے کہ ہم تمہاری صورتیں مسخ کر دیں یعنی منہ الٹے کر دیں آنکھیں بجائے ادھر کے ادھر ہو جائیں۔ یا یہ مطلب کہ تمہارے چہرے مٹا دیں آنکھیں کان ناک سب مٹ جائیں پھر یہ مسخ چہرہ بھی الٹا ہو جائے۔ یہ عذاب ان کے کرتوت کا بدلہ ہے۔ یہ بھی حق سے ہٹ کر باطل کی طرف' ہدایت سے پھر کر ضلالت کی جانب بڑھے چلے جا رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی انہیں دھمکاتا ہے کہ میں بھی اسی طرح تمہارا منہ الٹ دوں گا تاکہ تمہیں پچھلے پیروں چلنا پڑے تمہاری آنکھیں گدی کی طرف کر دوں گا۔ اور اسی جیسی تفسیر بعض نے ﴿اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ﴾ ❷ الخ۔ کی آیت میں بھی کی ہے۔ غرض یہ بری مثال ان کی گمراہی اور ہدایت سے دور پڑ جانے کی بیان ہوئی ہے۔

❶ ۲/ البقرة:۱۰٤۔ ❷ ۳٦/ يٰس:۸۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ہم تمہیں سچ مچ حق کے راستے سے دھکیل دیں اور گمراہی کی طرف متوجہ کر دیں ہم تمہیں کافر بنا دیں اور تمہارے چہرے بندروں جیسے کر دیں۔ ابوزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوٹا دینا یہ تھا کہ ارض حجاز سے بلاد شام میں پہنچا دیا۔ یہ بھی مذکور ہے کہ اسی آیت کو سن کر کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ مشرف باسلام ہوئے تھے۔ ابن جریر میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ کے اسلام کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمان ہوئے' یہ بیت المقدس جاتے ہوئے مدینہ میں آئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور فرمایا اے کعب! مسلمان ہو جاؤ۔ انہوں نے جواب دیا تم تو قرآن میں پڑھتے ہو تورات جن سے اٹھوائی گئی اور انہوں نے اسے نہ اٹھایا ان کی مثال گدھے کی سی ہے جو بوجھ لادے ہوئے ہو اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ میں بھی ان لوگوں میں سے ہوں جو تورات اٹھوائے گئے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں چھوڑ دیا۔ یہ یہاں سے چل کر حمص پہنچے وہاں سنا کہ ایک شخص جوان کے گھرانے میں سے تھا اس آیت کی تلاوت کر رہا ہے۔ جب اس نے آیت ختم کی انہیں ڈر لگنے لگا کہ کہیں سچ مچ اس آیت کی وعید مجھ پر صادق نہ آ جائے اور میرا منہ مٹ کر پلٹ نہ جائے۔ یہ جھٹ سے کہنے لگے (یَا رَبِّ اَسْلَمْتُ) میرے اللہ تعالیٰ میں ایمان لایا۔ پھر حمص سے ہی واپس اپنے وطن یمن میں آئے اور یہاں سے اپنے تمام گھر والوں کو لے کر سارے کنبے سمیت مسلمان ہو گئے۔ ❶ ابن ابی حاتم میں حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ کے اسلام کا واقعہ اس طرح مروی ہے کہ ان کے استاد ابو مسلم جلیلی ان کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے میں دیر لگانے کی وجہ سے ہر وقت انہیں ملامت کرتے رہتے تھے۔ پھر انہیں بھیجا کہ یہ دیکھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہی پیغمبر ہیں جن کی خوش خبری اور اوصاف تورات میں ہیں۔ یہ آئے تو فرماتے ہیں جب میں مدینہ شریف پہنچا تو ناگہاں میں نے سنا کہ ایک شخص قرآن کریم کی اس آیت کی تلاوت کر رہا ہے کہ اے اہل کتاب جو ہم نے اتارا ہے جو تمہارے پاس کی کتاب کو سچا بتانے والا ہے اس پر اس سے پہلے ایمان لاؤ کہ ہم تمہارے منہ مٹا دیں اور انہیں الٹا کر دیں۔ میں چونک اٹھا اور جلدی جلدی غسل کرنے بیٹھ گیا اور اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتا جاتا تھا کہ کہیں مجھے ایمان لانے میں دیر نہ لگ جائے اور میرا چہرہ الٹا نہ ہو جائے۔ پھر میں بہت جلد آ کر مسلمان ہو گیا۔ ❷ پھر فرماتا ہے یا ہم ان پر لعنت کریں جیسے کہ ہفتہ والوں پر ہم نے لعنت نازل کی یعنی جن لوگوں نے ہفتہ والے دن حیلے کر کے شکار کھیلا حالانکہ انہیں اس کام سے ممانعت کر دی گئی تھی' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بندر اور سور بنا دیئے گئے۔ ان کا مفصل واقعہ سورۂ اعراف میں آئے گا' ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پھر فرمایا اللہ کے کام پورے ہو کر ہی رہتے ہیں۔ وہ جب کوئی حکم کر دے تو کوئی نہیں جو اس کی مخالفت یا ممانعت کر سکے۔

پھر خبر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کئے جانے کے گناہ کو نہیں بخشتا یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ وہ مشرک ہو اس پر بخشش کے دروازے بند ہیں۔ اس جرم کے سوا اور گناہوں کو خواہ وہ کیسے ہی ہوں جس کے چاہے بخش دیتا ہے۔ اس آیت کریمہ کے متعلق بہت سی حدیثیں ہیں ہم یہاں بقدر آسانی ذکر کرتے ہیں۔ پہلی حدیث بحوالہ مسند احمد۔ ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہوں کے تین دیوان ہیں' ایک تو وہ جس کی اللہ تعالیٰ کچھ پرواہ نہیں کرتا' دوسرا وہ جس میں سے اللہ تعالیٰ کچھ نہیں چھوڑتا' تیسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں بخشتا۔ پس جسے وہ بخشتا نہیں وہ شرک ہے۔ اللہ عزوجل خود فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو معاف نہیں کرتا۔ اور جگہ ارشاد ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کر لے اس پر جنت کو حرام کر دیتا ہے۔

❶ ابن جریر وسندہ ضعیف اس کی سند میں جابر بن نوح ضعیف راوی ہے۔ (المیزان، ١/ ٣٧٩، رقم: ١٤٢١)۔

❷ ابن ابی حاتم وسندہ ضعیف جدا اس کی سند میں عمرو بن واقد الدمشقی ہے۔ جسے امام بخاری نے منکر الحدیث اور دار قطنی نے متروک کہا ہے۔ دیکھئے (المیزان، ٣/ ٢٩١، رقم: ٦٤٦٥)

اور جس دیوان کی اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی ایسی وقعت نہیں وہ بندے کا اپنی جان پر ظلم کرنا ہے جس کا تعلق اس سے اور اللہ تعالیٰ سے ہے۔ کسی دن کا روزہ جسے اس نے چھوڑ دیا یا نماز پس اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے۔ اور جس دیوان کی اللہ تعالیٰ کوئی چیز ترک نہیں کرتا وہ بندوں کے آپس کے مظالم ہیں جن کا بدلہ اور قصاص ضروری ہے۔'' ❶ دوسری حدیث بحوالہ مسند بزار الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ مطلب وہی ہے۔ ❷ تیسری حدیث بحوالہ مسند احمد ''ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو بخش دے مگر وہ شخص جو کفر کی حالت میں مرا اور وہ جس نے کسی ایماندار کو جان بوجھ کر قتل کر ڈالا۔'' ❸ چوتھی حدیث بحوالہ مسند احمد۔ ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے بندے! تو جب تک میری عبادت کرتا رہے گا اور مجھ سے نیک امید رکھے گا میں بھی جو تقصیریں تیری ہیں انہیں معاف فرماتا رہوں گا' اے میرے بندے اگر تو ساری زمین بھر کر خطائیں لے کر میرے پاس آئے گا تو میں' زمین بھر جائے اتنی مغفرت لے کر تجھ سے ملوں گا بشرطیکہ تو نے میرے ساتھ شرک نہ کیا ہو۔'' ❹

پانچویں حدیث بحوالہ مسند احمد'' جو بندہ لا الہ الا اللہ کہے پھر اسی پر اس کا انتقال ہو وہ ضرور جنت میں جائے گا۔'' یہ سن کر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ اگرچہ اس نے زنا اور چوری بھی کی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' گو اس نے زنا کاری اور چوری بھی کی ہو۔ تین مرتبہ یہی سوال و جواب ہوا۔ چوتھے سوال پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گو ابوذر کی ناک خاک آلود ہو۔ پس حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ وہاں سے اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے نکلے کہ گو ابوذر کی ناک خاک آلود ہو اور اس کے بعد بھی جب کبھی آپ یہ حدیث بیان فرماتے یہ جملہ ضرور کہتے۔ ❺ یہ حدیث دوسری سند سے قدرے زیادتی کے ساتھ بھی مروی ہے' اس میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے میدان میں چلا جا رہا تھا۔ احد پہاڑ کی طرف ہماری نگاہیں تھیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر! میں نے کہا لبیک یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو!'' میرے پاس اگر اس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو میں نہ چاہوں گا کہ تیسری شام کو اس میں سے کچھ بھی باقی رہ جائے بجز اس دینار کے جسے میں قرضہ چکانے کے لئے رکھ لوں' باقی تمام مال میں اس طرح اور اس طرح راہ اللہ کے بندوں کو دے ڈالوں گا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں بائیں اور سامنے لپیں پھینکیں۔'' پھر کچھ دیر ہم چلتے رہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پکارا اور فرمایا'' جن کے پاس یہاں زیادتی ہے وہی وہاں کمی والے ہوں گے مگر جو اس طرح اور اس طرح کرے'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں سامنے اور بائیں لپیں بھر کر دیتے ہوں اس طرح اشارہ کیا۔ پھر کچھ دیر چلنے کے بعد فرمایا ابوذر!'' میں ابھی آتا ہوں تم یہیں ٹھہرو۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے اور مجھے آوازیں سنائی دینے لگیں' دل بے چین ہو گیا کہ کہیں تنہائی میں کوئی دشمن آ گیا ہو۔ میں نے قصد کیا کہ پہنچوں لیکن ساتھ ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ'' میں جب تک نہ آؤں تم یہیں ٹھہرے رہو' چنانچہ میں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے تو میں نے کہا حضور! یہ آوازیں کیسی آ رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' میرے پاس جرائیل علیہ السلام آئے تھے اور فرما رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے جو انتقال کرے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو وہ جنت میں جائے گا۔ میں

---

❶ احمد، ٦/ ٢٤٠، وسنده ضعيف۔ ❷ البزار، ٣٤٣٩ وسنده ضعيف جداً زائده بن ابى الرقاد وزياد النميرى مجروحان۔ ❸ احمد، ٤/ ٩٩، نسائى، ٣٩٨٩، وسنده صحيح۔

❹ احمد، ٥/ ١٥٤، وسنده حسن۔

❺ صحيح بخاری، كتاب اللباس، باب الثياب الأبيض، ٥٨٢٧؛ صحيح مسلم، ٩٤۔

نے کہا گو زنا اور چوری بھی اس سے سرزد ہوئی ہو تو فرمایا ہاں گو زنا اور چوری بھی ہوئی ہو۔'' ❶ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ اور بخاری و مسلم میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں رات کے وقت نکلا' دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ تنہا تشریف لے جا رہے ہیں تو مجھے خیال ہوا کہ شاید اس وقت آپ ﷺ کسی کو ساتھ لے جانا نہیں چاہتے تو میں چاند کی چھاؤں چھاؤں میں حضور اکرم ﷺ کے پیچھے ہولیا۔ آپ ﷺ نے مڑ کر جب مجھے دیکھا تو پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا ابوذر' اللہ تعالیٰ مجھے آپ ﷺ پر سے قربان کر دے تو آپ ﷺ نے فرمایا آؤ میرے ساتھ چلو۔ تھوڑی دیر تو ہم چلتے رہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ''زیادتی والے ہی قیامت کے دن کمی والے ہوں گے مگر وہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے مال دیا پھر وہ دائیں بائیں آگے پیچھے نیک کاموں میں خرچ کرتے رہے۔'' پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپ ﷺ نے مجھے ایک جگہ بٹھا کر جس کے اردگرد پتھر تھے فرمایا میری واپسی تک یہیں بیٹھے رہو۔ پھر آپ ﷺ آگے نکل گئے یہاں تک کہ ''میری نظر سے پوشیدہ ہو گئے۔'' آپ ﷺ کو زیادہ دیر لگ گئی۔ پھر میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ تشریف لا رہے ہیں اور زبان مبارک سے فرماتے آتے ہیں ''گو زنا کیا ہو گو چوری کی ہو'' جب میرے پاس پہنچے تو میں رک نہ سکا پوچھا کہ اے نبی اللہ! اللہ تعالیٰ مجھے آپ ﷺ پر قربان کرے اس میدان کے کنارے آپ ﷺ کس سے باتیں کر رہے تھے میں نے سنا کوئی آپ ﷺ کو جواب بھی دے رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''وہ جبرائیل علیہ السلام تھے یہاں میرے پاس آئے اور فرمایا اپنی امت کو خوشخبری سنا دو کہ جو مرے گا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس نے شریک نہ کیا ہو وہ جنتی ہو گا۔ میں نے کہا اے جبرئیل! گو اس نے چوری کی ہو اور زنا کیا ہو۔ فرمایا ہاں' میں نے پھر یہی سوال کیا۔ جواب دیا ہاں۔ میں نے پھر یہی پوچھا تو فرمایا ہاں' اور اگرچہ اس نے شراب پی ہو۔'' ❷ چھٹی حدیث بحوالہ مسند عبد بن حمید۔ ایک شخص حضور اکرم ﷺ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ! واجب کر دینے والی چیزیں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص بغیر شرک کئے مرا اس کے لئے جنت واجب ہے اور جو شرک کرتے ہوئے مرا اس کے لئے جہنم واجب ہے۔'' ❸ یہی حدیث اور طریق سے مروی ہے جس میں ہے کہ ''جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہوا مرا اس کے لئے بخشش حلال ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے اسے عذاب کرے اگر چاہے بخش دے اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کیے جانے کو نہیں بخشتا اس کے سوا جسے چاہے بخش دے'' ❹ (ابن ابی حاتم)۔ اور سند سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''بندے پر مغفرت ہمیشہ رہتی ہے جب تک کہ پردے نہ پڑ جائیں۔'' دریافت کیا گیا کہ حضور اکرم ﷺ! پردے پڑ جانا کیا ہے؟ فرمایا ''شرک' جو شخص شرک نہ کرتا ہوا اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے اس کے لئے بخشش ربانی حلال ہو گئی اگر چاہے عذاب کرے اگر چاہے بخش دے۔'' پھر آپ ﷺ نے آیت ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ﴾ الخ۔ تلاوت فرمائی ❺ (مسند ابو یعلیٰ)۔ ساتویں حدیث بحوالہ مسند احمد۔ ''جو شخص مرے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ کرتا ہوا وہ جنت میں داخل ہو گا۔'' ❻ آٹھویں حدیث بحوالہ مسند احمد۔ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس آئے اور فرمایا ''تمہارے رب عزوجل نے مجھے اختیار دیا کہ میری امت میں سے ستر ہزار کا بے

❶ صحيح بخاری، كتاب الاستئذان، باب من اجاب بلبيك، ٦٢٦٨؛ صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب الترغيب فى الصدقة حديث ١۔ ❷ صحيح بخاری، كتاب الرقاق، باب المكثرون هم المقلون، ٦٤٤٣؛ صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب الترغيب فى الصدقة حديث٢۔ ❸ صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب الدليل على من مات لايشرك به شيئا، ٢٦٩، عن جابر رضی اللہ عنہ۔ ❹ اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ الربذی ضعیف راوی ہے۔(الميزان، ٢/ ٢٥٦، رقم: ٣٦٣) لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

❺ اسکی سند میں بھی موسیٰ بن عبیدہ الربذی ہے۔ لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

❻ احمد، ٣/ ٧٩، اس کی سند میں عطیہ عوفی مجروح راوی ہے۔(التقريب، ٢/ ٢٤، رقم:٢١٦) لہٰذا یہ روایت مردود ہے۔

حساب جنت میں جانا پسند کرلوں یا اس بات کو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو چیز میرے لئے میری امت کی بابت پوشیدہ محفوظ ہے اسے قبول کر لوں'' تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کیا اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ محفوظ چیز بچا کر بھی رکھے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر اندر تشریف لے گئے۔ پھر تکبیر پڑھتے ہوئے باہر آئے اور فرمانے لگے ''میرے رب نے مجھے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار کی زیادتی عطا فرمائی اور وہ پوشیدہ حصہ بھی۔'' حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ جب یہ حدیث بیان فرما چکے تو حضرت ابورہم رحمۃ اللہ علیہ نے سوال کیا کہ وہ پوشیدہ محفوظ کیا چیز ہے؟ اس پر لوگوں نے انہیں کچھ کچھ کہنا شروع کر دیا کہ کہاں تم اور کہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اختیار کردہ چیز۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا سنو جہاں تک ہمارا گمان ہے جو بالکل یقین کے قریب ہے یہ ہے کہ وہ چیز جنت میں جانا ہے ہر اس شخص کا جو سچے دل سے گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ ❶

نویں حدیث بحوالہ ابن ابی حاتم ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا بھتیجا حرام سے باز نہیں آتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس کی دینداری کیسی ہے؟'' کہا نمازی ہے' اور توحید والا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جاؤ اور اس سے اس کا دین بطور ہبہ کے طلب کرو اگر انکار کرے تو اس سے خرید لو۔'' اس نے جا کر اس سے طلب کیا تو اس نے انکار کر دیا۔ اس نے آ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اسے اپنے دین پر چمٹا ہوا پایا' اس پر آیت ﴿اِنَّ اللّٰـهَ لَا يَغْفِرُ﴾ الخ نازل ہوئی۔ ❷ دسویں حدیث بحوالہ حافظ ابویعلی ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے کوئی حاجت یا حاجت والا نہیں چھوڑا مگر زندگی میں سب کر کرا چکا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کیا تو یہ گواہی نہیں دیتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔'' تین مرتبہ اس نے کہا ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ ان سب پر غالب آ جائے گا۔'' ❸ گیارہویں حدیث بحوالہ مسند احمد۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ضمضم ابن جوش یمامی سے کہا کہ اے یمامی کسی شخص سے ہرگز یہ نہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ تجھے نہ بخشے گا یا تجھے جنت میں داخل نہ کرے گا۔ یمامی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت یہ بات تو ہم لوگ اپنے بھائیوں اور دوستوں سے بھی غصے غصے میں کہہ جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا خبردار ہرگز نہ کہنا' سنو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بنی اسرائیل میں سے دو شخص تھے ایک تو عبادت میں بہت چست چالاک اور دوسرا اپنی جان پر زیادتی کرنے والا اور دونوں میں دوستانہ اور بھائی چارہ تھا۔ عابد بسا اوقات اس دوسرے کو کسی نہ کسی گناہ میں دیکھتا رہتا اور کہتا رہتا تھا اے شخص باز رہ۔ وہ جواب دیتا تو مجھے میرے رب پر چھوڑ دے کیا تو مجھ پر نگہبان بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ایک مرتبہ عابد نے دیکھا کہ وہ پھر کسی گناہ کے کام کو کر رہا ہے جو گناہ اسے بہت بڑا معلوم ہوا تو کہا افسوس تجھ پر باز آ۔ اس نے وہی جواب دیا تو عابد نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم اللہ تعالیٰ تجھے ہرگز نہ بخشے گا یا جنت نہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس فرشتہ بھیجا جس نے ان کی روحیں قبض کر لیں جب یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے یہاں جمع ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اس گنہگار سے فرمایا جا میری رحمت کی بنا پر جنت میں داخل ہو جا' اور اس عابد سے فرمایا کیا تجھے حقیقی علم تھا؟ کیا تو میری چیز پر قادر تھا؟ اسے جہنم کی طرف لے جاؤ۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس کی قسم جس کے ہاتھ میں ابو

❶ احمد، ۵/ ۴۱۳، مجمع الزوائد، ۱۰/ ۳۷۴، اس کی سند میں ابن لهیعہ مختلط (التقریب، ۱/ ۴۴۴، رقم: ۵۷۴) اور عبداللہ بن ناشر مجہول راوی ہے لہٰذا یہ روایت ضعیف مردود ہے۔ ❷ طبرانی، ۴۰۶۳، مجمع الزوائد، ۵/ ۱۷ اس کی سند میں واصل بن سائب ہے جسے امام بخاری نے منکر الحدیث اور نسائی نے متروک کہا ہے۔ دیکھئے (المیزان، ۴/ ۳۲۸، رقم: ۹۳۲۲) لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

❸ مسند ابی یعلیٰ، ۳۴۳۳، وسندہ صحیح، مجمع الزوائد، ۱۰/ ۸۳۔

القاسم کی جان ہے اس نے ایک کلمہ زبان سے ایسا نکال دیا جس نے اس کی دعا اور آخرت برباد کر دی۔'' ❶
بارہویں حدیث بحوالہ طبرانی۔ ''جس نے اس بات کا یقین کر لیا کہ میں گناہوں کی بخشش پر قادر ہوں تو میں اسے بخش ہی دیتا ہوں اور کوئی پرواہ نہیں کرتا جب تک کہ وہ میرے ساتھ شریک نہ کرے۔'' ❷ تیرھویں حدیث بحوالہ بزار و ابو یعلیٰ۔ ''جس عمل پر اللہ تعالیٰ نے کسی ثواب کا وعدہ کیا ہے اسے تو مالک ضرور پورا فرمائے گا اور جس پر سزا کا فرمایا ہے وہ اسکے اختیار میں ہے۔'' ❸ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم صحابہ رضی اللہ عنہم قاتل کے بارے میں اور یتیم کا مال کھا جانے والے کے بارے میں اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے والے کے بارے میں اور جھوٹی گواہی دینے والے کے بارے میں کوئی شک وشبہ ہی نہیں کرتے تھے' یہاں تک کہ آیت ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ ﴾ اتری اور اصحاب رسول اللہ گواہی سے رک گئے ❹ (ابن ابی حاتم)۔ ابن جریر کی یہ روایت اس طرح پر ہے کہ جن گناہوں پر جہنم کا ذکر کتاب اللہ میں ہے اسے کرنے والے کے جہنمی ہونے میں ہمیں کوئی شک ہی نہ تھا' یہاں تک کہ ہم پر یہ آیت اتری جب ہم نے اسے سنا تو ہم شہادت سے رک گئے اور تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف سونپ دیئے۔ ❺ بزار میں آپ ہی کی ایک روایت ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے استغفار کرنے سے ہم رکے ہوئے تھے' یہاں تک کہ ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ آیت سنی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے اپنی شفاعت کو اپنی امت میں سے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے مؤخر کر رکھا ہے۔ ❻ ابو جعفر رازی کی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ جب آیت ﴿يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ اَسْرَفُوْا﴾ ❼ نازل ہوئی یعنی ''اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے تم میری رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔'' تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا حضور اکرم! شرک کرنے والا بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا یہ سوال ناپسند آیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ﴾ پڑھ کر سنائی۔ ❽ سورۂ تنزیل کی یہ آیت مشروط ہے توبہ کے ساتھ' پس جو شخص جس گناہ سے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی طرف رجوع کرتا ہے گو بار بار کرے' پس مایوس نہ ہونے کی آیت میں توبہ کی شرط ضرور ہے ورنہ اس میں مشرک بھی آ جائے گا اور پھر مطلب صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ اس آیت میں وضاحت کے ساتھ یہاں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والے کی بخشش نہیں۔ ہاں اس کے سوا جسے چاہے یعنی گو اس نے توبہ بھی نہ کی ہو۔ اس مطلب کے ساتھ اس آیت میں جو امید دلانے والی ہے اور زیادہ امید کی آس پیدا ہو جاتی ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.

پھر فرماتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے اس نے بڑے گناہ کا افترا باندھا جیسے اور آیت میں ہے شرک بہت بڑا ظلم ہے۔
بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ فرمایا=

❶ أحمد، ٢/ ٤٢٣، أبوداود، كتاب الادب، باب فى النهى عن البغيى، ٤٩٠١ وسنده حسن۔
❷ الطبراني وسنده ضعيف اس کی سند میں ابراہیم بن حکم بن ابان ہے جسے امام نسائی نے متروک الحدیث کہا ہے۔ دیکھئے (الميزان، ١/ ٢٧، رقم: ٧٢) ❸ مسند ابی یعلیٰ، ٣٣١٦، البزار، ٣٦٣٥، وسنده ضعيف۔
❹ الطبرى، ٩٧٣٧، ابن ابى حاتم، وسنده ضعيف۔
❺ ابن ابى حاتم وسنده ضعيف اسکی سند میں صالح بن بشر المری ضعیف راوی ہے۔
❻ البزار، ٣٢٥٤، وسنده حسن۔ ❼ ٣٩/ الزمر: ٥٣۔
❽ الطبرى، ٩٧٣٥، ٩٧٣٦، ابن جرير وسنده ضعيف۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۗءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَھُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝

ترجمہ: کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی اور ستائش خود کرتے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے پاکیزہ کرتا ہے کسی پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔[۴۹] دیکھو تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر کس طرح جھوٹ باندھتے ہیں۔ یہ صریح گناہ اسے کافی ہے۔[۵۰] کیا تو نے انہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا ہے جو بتوں کا اور باطل معبودوں کا اعتقاد رکھتے ہیں اور کافروں کے حق میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں سے زیادہ راہ راست والے ہیں۔[۵۱] یہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور جسے اللہ تعالیٰ لعنت کر دے تو اس کا کوئی مددگار نہ پائے گا۔[۵۲]

= یہ کہ ''تو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے حالانکہ اسی نے تجھے پیدا کیا ہے۔'' ❶ پھر پوری حدیث بیان فرمائی۔ ابن مردویہ میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''میں تمہیں سب سے بڑا کبیرہ گناہ بتلاتا ہوں' وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کا یہ آخری حصہ تلاوت فرمایا' پھر ماں باپ کی نافرمانی کرنا' پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ ﴿اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ﴾ ❷ ''میرا شکر کرو اور اپنے ماں باپ کا شکر یہ کر میری طرف لوٹنا ہے۔'' ❸

منہ پر تعریف اور خود پسندی کی مذمت: [آیت:۴۹-۵۲] یہود اور نصاریٰ کا قول تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اولاد اور اس کے چہیتے ہیں اور کہتے تھے کہ جنت میں صرف یہود جائیں گے یا نصرانی۔ ان کے اس قول کی تردید میں یہ آیت ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ الخ نازل ہوئی۔ اور بقول مجاہد رحمہ اللہ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے بچوں کو امام بناتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بے گناہ ہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ ان کا خیال تھا کہ ہمارے جو بچے فوت ہو گئے ہیں وہ ہمارے لئے قربت اللہ ہیں ہمارے سفارشی ہیں اور ہمیں وہ پاک کر دیں گے پس یہ آیت اتری۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہودیوں کا اپنے بچوں کو آگے کرنے کا واقعہ بیان کر کے فرماتے ہیں' وہ جھوٹے ہیں اللہ تعالیٰ کسی گنہگار کو بے گناہ کی وجہ سے چھوڑ نہیں دیتا۔ یہ کہتے تھے کہ جیسے ہمارے بچے بے خطا ہیں ایسے ہی ہم بھی بے گناہ ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ آیت دوسروں کی بڑھی چڑھی مدح و ثنا بیان کرنے کے رد میں اتری ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ''مدح کرنے والوں کے منہ مٹی سے بھر دیں۔'' ❹ بخاری و مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو دوسرے کی مدح و ستائش کرتے ہوئے سن کر فرمایا ''افسوس تو نے اس اپنے ساتھی کی گردن توڑ دی۔ پھر فرمایا اگر تم میں سے

❶ صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللّٰہ ﴿فلا تجعلوا للّٰہ اندادا﴾، ۷۵۲۰؛ صحیح مسلم، ۸۶۔

❷ ۳۱/ لقمان:۱۴۔ ❸ ابن مردویہ وسندہ ضعیف اس کی سند میں سعید بن بشیر الدمشقی کی قتادہ سے روایت ہے جسے منکر قرار دیا جاتا ہے (المیزان، ۲/ ۱۲۸، رقم: ۳۱۴۳) ❹ صحیح مسلم، کتاب الزھد، باب النھی عن المدح، ۳۰۰۲؛ ابوداود، ۴۸۰۴؛ ترمذی، ۲۳۹۳؛ ابن ماجہ، ۳۷۴۲۔

کسی کو ایسی ہی ضرورت کی وجہ سے کسی کی تعریف کرنی بھی ہو تو یوں کہے کہ میں فلاں شخص کو ایسا سمجھتا ہوں۔ حقیقی پاکیزگی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا ہی ہے منہ پر تعریف نہ کرے۔'' ❶ مسند احمد میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو کہے میں مؤمن ہوں وہ کافر ہے اور جو کہے کہ میں عالم ہوں وہ جاہل ہے اور جو کہے میں جنتی ہوں وہ جہنمی ہے۔ ❷ ابن مردویہ میں آپ کے فرمان میں یہ بھی مروی ہے کہ'' مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف اس بات کا ہے کہ کوئی شخص خود پسندی کرنے لگے اور اپنی سمجھ پر آپ فخر کرنے بیٹھ جائے۔'' ❸ مسند احمد میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بہت ہی کم حدیث بیان فرماتے اور بہت کم جمعے ایسے ہوں گے جن میں آپ نے یہ چند حدیثیں نہ سنائی ہوں کہ'' جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ارادہ بھلائی کا ہوتا ہے اسے اپنے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور یہ مال میٹھا اور سبز رنگ ہے جو اسے اس کے حق کے ساتھ لے گا اسے اس میں برکت دی جائے گی' تم آپس میں ایک دوسرے کی مدح و ستائش سے پرہیز کرو اس لئے کہ یہ چھری پھیرنا ہے۔'' ❹ یہ پچھلا جملہ ان سے ابن ماجہ میں بھی مروی ہے۔ ❺ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انسان صبح کو اپنا دین لے کر نکلتا ہے پھر جب کہ وہ لوٹتا ہے تو اس کے پاس اس کے دین میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا' اس طرح کہ وہ کسی سے ملا اور اس کی مدح سرائی شروع کی' اور قسمیں کھا کھا کر کہنے لگا آپ ایسے ہی ہیں اور ایسے ہی ہیں حالانکہ نہ وہ اس کے نقصان کا مالک ہے نہ نفع کا اور بسا ممکن ہے کہ ان تعریفی کلمات کے بعد بھی اس سے اس کا کام نہ نکلے لیکن اس نے تو اللہ تعالیٰ کو ناخوش کر دیا' پھر آپ نے اسی آیت تزکیہ کی تلاوت فرمائی (ابن جریر) اور اس کا تفصیلی بیان آیت ﴿ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾ ❻ کی تفسیر میں آئے گا' ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پس یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ جسے چاہے پاک کر دے کیونکہ تمام چیزوں کی حقیقت اور اصلیت کا عالم وہی ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک دھاگے کے وزن کے برابر بھی کسی کی نیکی چھوڑ نہ دے گا۔ فتیل کے معنی ہیں کھجور کی گٹھلی کے درمیان کا دھاگہ' اور مروی ہے کہ وہ دھاگہ جسے کوئی اپنی انگلیوں سے بٹ لے۔

پھر فرماتا ہے ان کی افترا پردازی تو دیکھو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی اولاد اور اس کے محبوب بننے کے دعویدار ہیں اور کیسے کہہ رہے ہیں کہ ہمیں تو صرف چند دن آگ میں رہنا ہوگا اور کس طرح اپنے بڑوں کے نیک اعمال پر اعتماد کئے ہوئے ہیں' حالانکہ کسی کا عمل دوسرے کو کچھ نفع نہیں دے سکتا۔ جیسے ارشاد ہے ﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ﴾ ❼ ''یہ ایک گروہ ہے جو گزر چکا ان کے اعمال ان کے ساتھ اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ۔'' پھر فرماتا ہے ان کا یہ کھلا کذب و افترا ہی ان کے لئے بس ہے۔ جبت کے معنی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ وغیرہ سے جادو کے اور طاغوت کے معنی شیطان کے مروی ہیں۔ ❽ یہ بھی قول ہے کہ جبت حبش کا لفظ ہے' اس کے معنی

❶ صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب مایکره من التمادح، ٦٠٦١؛ صحیح مسلم، ٣٠٠٠۔

❷ احمد، وسنده ضعیف اس کی سند میں نعیم بن ابی الہند ہے جس کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں۔ لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

❸ ابن مردویه وسنده ضعیف اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ الربذی ضعیف راوی ہے۔ (المیزان، ٤/ ٢١٣، رقم: ٨٨٩٥)

❹ احمد، ٤/ ٩٣۔ ❺ ابن ماجه، کتاب الأدب، باب المدح، ٣٧٤٣، وسنده حسن۔

❻ ٥٣/ النجم:٣٢۔ ❼ ٢/ البقرة:١٤١۔

❽ صحیح بخاری، کتاب التفسیر باب ﴿وإن کنتم مرضی...... ﴾ قبل حدیث، ٤٥٨٣۔

شیطان کے ہیں۔ شرک' بت' کاہن وغیرہ کے معنی بھی آئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد حیی بن اخطب ہے۔ بعض کہتے ہیں کعب بن اشرف ہے۔ ایک حدیث میں ہے فال اور پرندوں سے یعنی ان کے نام یا ان کے اڑنے یا بولنے یا ان کے نام سے شگون لینا اور زمین پر لکیریں کھینچ کر معاملہ طے کرنا یہ سب جبت ہے۔ ❶ حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جبت شیطان کی غنغناہٹ ہے۔ ❷ طاغوت کی نسبت پہلے سورۂ بقرہ میں کلام گزر چکا ہے اس لئے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جب طاغوت کی نسبت سوال ہوتا ہے تو فرماتے ہیں کہ یہ کاہن لوگ ہیں جن کے پاس شیطان آتے تھے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انسانی صورت کے یہ شیاطین ہیں جن کے پاس لوگ اپنے جھگڑے لے جاتے ہیں اور انہیں حاکم مانتے ہیں۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کی عبادت اللہ تعالیٰ کے سوا کی جائے۔

پھر فرمایا کہ ان کی جہالت بے دینی اور خود اپنی کتاب کے ساتھ کفر کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کافروں کو مسلمانوں پر ترجیح اور افضلیت دیتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حیی بن اخطب اور کعب بن اشرف مکہ والوں کے پاس آئے تو اہل مکہ نے ان سے کہا تم اہل کتاب ہو اور اہل علم ہو بھلا بتاؤ تو ہم بہتر ہیں یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم انہوں نے کہا تم کیا ہو اور وہ کیا ہیں۔ تو اہل مکہ نے کہا ہم صلہ رحمی کرتے ہیں' تیار اونٹنیاں ذبح کر کے کھلاتے ہیں' لسی پلاتے ہیں' غلاموں کو آزاد کرتے ہیں' حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو صنبور ہیں ہمارے رشتے ناتے تڑوائے ان کا ساتھ حاجیوں کے چوروں نے دیا ہے جو قبیلہ غفار میں سے ہیں اب بتلاؤ ہم اچھے ہیں یا وہ؟ تو ان دونوں نے کہا تم بہتر ہو اور تم زیادہ سیدھے راستے پر ہو' اس پر یہ آیت اتری دوسری روایت میں ہے کہ انہی کے بارے میں ﴿إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ﴾ اتری ہے۔ ❸

بنو وائل اور بنو نضیر کے چند سردار جب عرب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف آگ لگا رہے تھے اور جنگ کی عظیم تیاری میں تھے اس وقت جب یہ قریش کے پاس آئے تو قریشیوں نے انہیں عالم و درویش جان کر ان سے پوچھا کہ بتلاؤ ہمارا دین اچھا ہے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا' تو ان لوگوں نے کہا تم اچھے دین والے اور ان سے زیادہ صحیح راستے پر ہو۔ اس پر یہ آیت اتری' اور خبر دی گئی کہ یہ لعنتی گروہ ہے' اور ان کا مدد و معاون دنیا اور آخرت میں کوئی نہیں اس لئے کہ صرف کفار کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے بطور چاپلوسی اور خوشامد کے یہ کلمات اپنی معلومات کے خلاف کہہ رہے ہیں لیکن یاد رکھ لیں کہ یہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ یہی ہوا' زبردست لشکر لے کر سارے عرب کو اپنا کر کے تمام تر قوت و طاقت اکٹھی کر کے ان لوگوں نے مدینہ شریف پر چڑھائی کی یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کے اردگرد خندق کھودنی پڑی۔ لیکن بالآخر دنیا نے دیکھ لیا کہ ان کا مکر انہی پر لوٹ آیا یہ خائب و خاسر رہے' نامراد و ناکام پلٹے دامن مراد خالی رہا' بلکہ نامرادی اور مایوسی و نقصان عظیم کے ساتھ لوٹنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کی کفایت آپ کی' اور اپنی قوت و عزت سے انہیں اوندھے منہ گرا دیا' فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الْكَبِيْرِ الْمُتَعَالِ۔

---

❶ ابوداود، کتاب الکهانة، باب فی الخط وزجر الطیر، ۳۹۰۷، وسنده ضعیف حیان بن العلاء مجہول راوی ہے۔

❷ احمد، ۳/ ۴۷۷؛ ۵/ ۶۰؛ ابو داود، ۳۹۰۷ وسنده ضعیف حیان بن العلاء مجہول راوی ہے۔

❸ ابن ابی حاتم وسنده ضعیف واحمد کما ذکره ابن کثیر وسنده صحیح، ابن حبان: الاحسان، ۶۵۳۸ وسنده صحیح۔

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿٥٣﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿٥٤﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿٥٥﴾

ترجمہ: کیاان کا کوئی حصہ سلطنت میں ہے؟ اگر ایسا ہوتو پھر تو کسی کو ایک کھجور کے شگاف کے برابر بھی کچھ نہ دیں گے۔[۵۳] یا یہ لوگوں کا حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے۔ پس ہم نے تو آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت بھی دی ہے اور بڑی سلطنت بھی عطا فرمائی ہے۔[۵۴] پھر ان میں سے بعض نے تو اس کتاب کو مانا اور بعض اس سے رک گئے۔ اور کافی ہے جہنم کا جلانا۔[۵۵]

یہود و نصاریٰ کا بخل اور حسد: [آیت: ۵۳-۵۵] یہاں بطور انکار کے سوال ہوتا ہے کہ کیا وہ ملک کے کسی حصہ کے مالک ہیں' یعنی نہیں ہیں۔ پھر ان کی بخیلی بیان ہوتی ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ کسی کو ذرا سا بھی نفع پہنچانے کے روادار نہ ہوتے۔ خصوصاً اللہ تعالیٰ کے اس آخری پیغمبر ﷺ کو اتنا بھی نہ دیتے جتنا کھجور کی گٹھلی کے درمیان کا پردہ ہوتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے۔ ﴿قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْٓ﴾ ❶ یعنی ''اگر تم میرے رب کی رحمتوں کے خزانوں کے مالک ہوتے تو تم خرچ ہو جانے کے خوف سے بالکل ہی روک لیتے'' گو ظاہر ہے کہ وہ کم نہیں ہو سکتے لیکن تمہاری کنجوسی تمہیں ڈرا دیتی۔ اسی لئے فرمادیا کہ انسان بڑا ہی بخیل ہے۔ اس بخل کے بیان کے بعد پھر ان کا حسد بیان ہو رہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو بڑی بھاری نبوت عطا فرمائی ہے اور آپ ﷺ چونکہ عرب میں سے ہیں بنی اسرائیل میں سے نہیں ہیں اس لئے یہ جلے جاتے ہیں اور لوگوں کو آپ ﷺ کی تصدیق سے روک رہے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہاں ﴿النَّاس﴾ سے مراد ہم ہیں کوئی اور نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے آل ابراہیم کو جو بنی اسرائیل کے قبائل میں اولاد ابراہیم سے ہیں نبوت دی کتاب نازل فرمائی طریقے تعلیم کئے ان میں بادشاہت بھی دی' باوجود اس کے ان میں سے بعض تو مؤمن ہوئے اس انعام واکرام کو مانا' لیکن بعضوں نے پھر بھی اس کے ساتھ کفر کیا اسے تسلیم نہ کیا اور لوگوں کو بھی اس سے روکا حالانکہ وہ بھی بنی اسرائیل ہی تھے تو جب کہ یہ اپنے والوں سے ہی منکر ہو چکے ہیں تو پھر اے نبی آخر الزماں! آپ ﷺ کا انکار ان سے کیا دور ہے' جب کہ آپ ﷺ ان میں سے بھی نہیں۔ ❷ یہ بھی مطلب ہو سکتا کہ بعض اس پر یعنی محمد ﷺ پر ایمان لائے اور بعض نہ لائے۔ پس یہ کافر اپنے کفر میں بہت سخت اور نہایت پکے ہیں اور ہدایت وحق سے بہت ہی دور ہیں۔ پھر انہیں ان کی سزا سنائی جا رہی ہے کہ جہنم کا جلنا انہیں بس ہے ان کے کفر و عناد کی' ان کی تکذیب اور سرکشی کی یہ سزا کافی ہے۔

---

❶ ۱۷/ الاسرآء:۱۰۰۔

❷ طبرانی، ۳/ ۱۱۳ وسنده ضعيف ہیثمی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کی سند میں یحیی الحمانی ضعیف راوی ہے دیکھئے (مجمع الزوائد، ۷/ ۹)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا ۖ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٥٦﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَّهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿٥٧﴾

ترجمہ: جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا انہیں ہم یقیناً آگ میں ڈال دیں گے جب ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کے سوا اور کھالیں بدل دیں گے تا کہ عذاب چکھتے رہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔[۵۶] اور جو لوگ ایمان لائے اور شائستہ اعمال کئے ہم عنقریب انہیں ان جنتوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان کے لئے وہاں صاف ستھری بیویاں ہوں گی۔ اور ہم انہیں گھنی چھاؤں اور پوری راحت میں لے جائیں گے۔[۵۷]

جہنم کے عذاب اور جنت کی راحتوں کا تذکرہ: [آیت:۵۶۔۵۷] اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے نہ ماننے اور رسولوں سے لوگوں کو برگشتہ کرنے والوں کی سزا اور ان کے بدانجام کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہیں اس آگ میں دھکیلا جائے گا جو انہیں چوطرف سے گھیر لے اور ان کے رونگٹے رونگٹے کو سلگا دے اور یہی نہیں بلکہ یہ عذاب دائمی ہو' ایک چمڑا جل گیا تو دوسرا بدل دیا گیا جو سفید کاغذ کے مثل ہوگا۔ ایک ایک کافر کی سو سو کھالیں ہوں گی ہر ہر کھال پر قسم قسم کے علیحدہ علیحدہ عذاب ہوتے ہوں گے۔ ایک ایک دن میں ستر ہزار مرتبہ کھال الٹ پلٹ ہوگی ❶ یعنی کہہ دیا جائے گا کہ پھر لوٹ آئے وہ پھر لوٹ آئے گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب اس آیت کی تلاوت ہوتی ہے تو آپ پڑھنے والے سے دوبارہ سنانے کی فرمائش کرتے ہیں وہ دوبارہ پڑھتا ہے تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' میں آپ کو اس کی تفسیر سناؤں' ایک ایک ساعت میں سو سو بار بدلی جائے گی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سنا ہے ❷ (ابن مردویہ وغیرہ)۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس وقت کعب رحمہ اللہ نے کہا تھا کہ مجھے اس آیت کی تفسیر یاد ہے میں نے اسے اسلام لانے سے پہلے پڑھا تھا۔ آپ نے فرمایا اچھا بیان کرو اگر وہ وہی ہوئی جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے تو ہم اسے قبول کر لیں گے ورنہ ہم اسے قابل التفات نہ سمجھیں گے۔ تو آپ نے فرمایا ایک ساعت میں ایک سو بیس مرتبہ۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ ❸ حضرت ربیع بن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہلی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ ان کی کھالیں چالیس ہاتھ یا چھہتر ہاتھ کی ہوں گی' اور ان کے پیٹ اتنے بڑے ہوں گے کہ اگر ان میں پہاڑ رکھا جائے تو سما جائے۔ جب ان کھالوں کو آگ کھا لے گی تو اور کھالیں آ جائیں گی۔

ایک حدیث میں اس سے بھی زیادہ ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ جہنمی جہنم میں اس قدر بڑے بڑے بنا دیئے جائیں گے کہ ان کے =

❶ ابن ابی حاتم وسندہ ضعیف ہشام بن حسان عنعن۔ ❷ ابن ابی حاتم وابن مردویہ وسندہ ضعیف اس کی سند میں ابو ہرمز نافع بن ہرمز البصری ضعیف راوی ہے۔ (المیزان، ٤/ ٢٤٣، رقم: ٩٠٠٠)

❸ ابن مردویہ وسندہ ضعیف اس کی سند میں بھی ابو ہرمز ہے لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰٓى أَهْلِهَا ۙ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ' اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل وانصاف سے فیصلہ کرو' یقیناً وہ بہتر چیز ہے جس کی نصیحت تمہیں اللہ تعالیٰ کر رہا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سنتا ہے' دیکھتا ہے۔[۵۸]

= کان کی نوک سے مونڈھا سات سال کی راہ پر ہوگا اور ان کی کھال کی موٹائی ستر ذراع ہوگی اور کچلی مثل احد پہاڑ کے ہوگی۔ ❶

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد کھال سے لباس ہے لیکن یہ ضعیف ہے اور ظاہر لفظ کے خلاف ہے۔

پھر نیک لوگوں کا انجام بیان ہو رہا ہے کہ وہ جنت عدن میں ہوں گے جس کے چپے چپے پر نہریں جاری ہوں گی کہ جہاں چاہیں انہیں لے جائیں اپنے محلات میں باغات میں راستوں پر غرض جہاں جی چاہے وہیں وہ پاک نہریں بہنے لگیں گی۔ پھر سب سے اعلیٰ لطف یہ ہے کہ یہ تمام نعمتیں ابدی اور ہمیشگی والی ہوں گی نہ انہیں زوال آئے نہ ان میں کمی ہو نہ وہ واپس لے لی جائیں نہ فنا ہوں نہ سڑیں نہ بگڑیں نہ خراب ہوں نہ ختم ہوں۔ پھر ان کے لئے وہاں حیض ونفاس سے گندگی اور پلیدی سے میل کچیل اور بو باس سے رذیل صفتوں اور واہی اخلاق سے پاک بیویاں ہوں گی اور گھنے لمبے چوڑے سائے ہوں گے جو بہت فرحت والے بڑے سرور والے راحت افزا دل خوش کن ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے تلے ایک سو سال تک بھی ایک سوار چلا جائے تو اس کا سایہ ختم نہ ہو یہ شجرۃ الخلد ہے۔ ❷ (ابن جریر)۔

امانت کی قسمیں اور ادائیگی امانت کی تاکید: [آیت:۵۸] رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو تیرے ساتھ امانت داری کا برتاؤ کرے تو اس کی امانت ادا کر اور جو تیرے ساتھ خیانت کرے تو اس کی خیانت مت کر ❸ (امام احمد واہل سنن)۔ آیت کے الفاظ عام ہیں اللہ تعالیٰ عزوجل کے کل حقوق کی ادائیگی کو بھی شامل ہیں جیسے روزہ' نماز' زکوٰۃ' کفارہ' نذر وغیرہ۔ اور بندوں کے آپس کے کل حقوق کو بھی شامل ہیں جیسے امانت دی ہوئی چیزیں وغیرہ پس جس حق کو جو ادا نہ کرے گا اس کی پکڑ قیامت کے دن ہوگی۔ صحیح حدیث میں ہے کہ ''قیامت کے دن ہر حق دار کا حق اسے دلوایا جائے گا یہاں تک کہ بے سینگ والی بکری کو اگر سینگ والی بکری نے مارا ہے تو اسکا بدلہ بھی دلوایا جائے گا۔'' ❹ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شہادت کی وجہ سے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں مگر امانت نہیں مٹتی' گو کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوا ہو اسے بھی قیامت کے دن لایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اپنی امانت ادا کرو۔ جواب دے گا کہ دنیا تو اب ہے نہیں میں کہاں سے اسے ادا کروں۔ فرماتے ہیں پھر وہ چیز اسے جہنم کی تہہ میں نظر آئے گی' اور کہا جائے گا

---

❶ احمد، ۲/ ۲٦، وسنده ضعيف جبکہ اس معنی کی روایت صحیح بخاری، ٦٥٥١؛ صحیح مسلم، ۷۱۸٦ میں بھی موجود ہے۔

❷ الطبری، ۹۸٤۳، وسنده ضعيف شجرۃ الخلد کے الفاظ میں راوی کا تفرد ہے بقیہ حدیث کی صحیح متابعت موجود ہے۔ حدیث کا پہلا حصہ صحیح بخاری، ۳۲۵۱، میں عن انس رضی اللہ عنہ اور صحیح مسلم، ۲۸۲۸ میں عن سعید رضی اللہ عنہ موجود ہے۔

❸ احمد، ۳/ ٤١٤؛ ابوداود، كتاب البيوع، باب فى الرجل يأخذ حقه، ۳۵۳۵ وسنده ضعيف؛ شریک قاضی مدلس اور قیس بن ربیع ضعیف راوی ہے۔ ترمذی، ۱۲٦٤۔

❹ صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الظلم، ۲۵۸۲؛ ترمذی، ۲٤۲۰۔

اسے لے آ۔ وہ اسے اپنے کندھے پر لاد کر لے چلے گا' لیکن وہ گر پڑے گی پھر اسے لینے جائے گا' پس اسی عذاب میں وہ مبتلا رہے گا۔ حضرت زاذان رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو سن کر حضرت براء رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں میرے بھائی نے سچ کہا پھر قرآن کی اس آیت کو پڑھتے ہیں۔ ❶ ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں ہر نیک و بد پر یہی حکم ہے۔ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس چیز کا حکم دیا گیا اور جس چیز سے منع کیا گیا وہ سب امانت ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں عورت اپنی شرمگاہ کی بھی امانتدار ہے۔ ربیع بن انس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو جو معاملات تیرے اور دوسرے کے درمیان ہوں یہ سب کو شامل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس میں یہ بھی داخل ہے کہ سلطان عید والے دن عورتوں کو خطبہ سنائے۔ اس آیت کے شان نزول میں مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا اور اطمینان کے ساتھ بیت اللہ شریف میں آئے تو اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر طواف کیا' حجر اسود کو اپنی لکڑی سے چھوتے تھے۔ اس کے بعد عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو جو کعبہ کے کنجی بردار تھے بلایا ان سے کنجی طلب کی انہوں نے دینی چاہی' اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اب یہ مجھے سونپئے تا کہ میرے گھرانے میں زمزم کا پانی پلانا اور کعبہ کی کنجی رکھنا دونوں ہی باتیں رہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ طلب کی پھر وہی واقعہ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہ بار طلب کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر دے دی کہ اللہ تعالیٰ کی امانت کے ساتھ دیتا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کا دروازہ کھولا' اندر گئے وہاں جو بت اور تصویریں تھیں سب توڑ کر پھینک دیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بت بھی تھا جس کے ہاتھ میں فال کے تیر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان مشرکین کو غارت کرے بھلا خلیل اللہ علیہ السلام کو ان تیروں سے کیا سروکار۔" پھر ان تمام چیزوں کو برباد کر کے ان کی جگہ پانی ڈال کر انہیں مٹا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے' کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا "کوئی معبود نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے وہ اکیلا ہے جس کا کوئی شریک نہیں' اس نے اپنے وعدے کو سچا کیا اپنے بندے کی مدد کی اور تمام لشکروں کو اسی اکیلے نے شکست دی۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لمبا خطبہ دیا جس میں یہ بھی فرمایا "کہ جاہلیت کے تمام جھگڑے اب میرے پاؤں تلے کچل دیئے گئے خواہ مالی ہوں خواہ جانی' ہاں بیت اللہ شریف کی چوکیداری کا اور حاجیوں کو پانی پلانے کا منصب جوں کا توں باقی رہے گا۔" اس خطبہ کو پورا کر کے آپ بیٹھے ہی تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم! کنجی مجھے عنایت فرمائی جائے تا کہ بیت اللہ شریف کی چوکیداری کا اور حاجیوں کو زمزم پلانے کا منصب دونوں یکجا ہو جائیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نہ دی۔ مقام ابراہیم کو کعبہ کے اندر سے نکال کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی دیوار سے ملا کر رکھ دیا اور لوگوں سے کہہ دیا کہ "تمہارا قبلہ یہی ہے۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم طواف میں مشغول ہو گئے۔ ابھی دو پھیرے ہی پھرے تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے اس آیت کی تلاوت شروع کی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے ماں باپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوں میں نے تو اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کی تلاوت کرتے نہیں سنا۔ اب آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں کنجی سونپ دی اور فرمایا "آج کا دن وفا اور نیکی اور سلوک کا دن ہے۔" ❷

---

❶ ابن ابی حاتم وسندہ ضعیف، الثوری عنعن۔ ❷ السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، ٤/ ٤٢، اس روایت کا آخری حصہ ضعیف ہے اور باقی حسن ہے۔ دیکھئے السیرۃ لابن ھشام بتحقیقی: ح ٤١٢ ب۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾

ع ٥

ترجمہ: اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول اللہ ﷺ کی اور تم میں سے اختیار والوں کی' پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے رجوع کرو اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول اللہ ﷺ کی طرف اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔[۵۹]

یہ وہی عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ ہیں جن کی نسل میں آج تک کعبۃ اللہ کی کنجی چلی آتی ہے' یہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان اسلام لائے تھے جب کہ خالد بن ولید اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما مسلمان ہوئے تھے۔ ان کا چچا عثمان بن طلحہ احد کی لڑائی میں مشرکوں کے ساتھ تھا بلکہ ان کا جھنڈا بردار تھا اور وہیں بحالت کفر مارا گیا تھا۔ الغرض مشہور تو یہی ہے کہ یہ آیت اس بارے میں اتری ہے۔ اب خواہ اس بارے میں نازل ہوئی یا نہ ہوئی ہو بہرصورت اس کا حکم عام ہے جیسے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہر ہر شخص کو ہر ہر امانت کی ادائیگی کا حکم ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ فیصلے عدل کے ساتھ کرو حاکموں کو احکم الحاکمین کا حکم ہو رہا ہے کہ کسی حالت میں عدل کا دامن نہ چھوڑو۔ حدیث میں ہے "اللہ تعالیٰ حاکم کے ساتھ ہوتا ہے جب تک کہ وہ ظلم نہ کرے۔ جب ظلم کرتا ہے تو اسے اسی کی طرف سونپ دیتا ہے۔" ❶ ایک اثر میں ہے "ایک دن کا عدل چالیس سال کی عبادت کے برابر ہے۔" ❷ پھر فرماتا ہے یہ ادائیگی امانت کا اور عدل و انصاف کا حکم اور اسی طرح شریعت کے تمام احکام اور ممنوعات تمہارے لئے بہترین اور نافع چیزیں ہیں جن کا امر پروردگار تمہیں کر رہا ہے (ابن ابی حاتم)۔ اور روایت میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے آخری الفاظ پڑھتے ہوئے اپنا انگوٹھا اپنے کان میں رکھا اور شہادت کی انگلی اپنی آنکھ پر رکھی (یعنی اشارے سے سننا دیکھا' کان اور آنکھ پر انگلی رکھ کر بتایا) فرمایا میں نے اسی طرح پڑھتے اور کرتے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے۔ راوی حدیث ابو زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہمارے استاد مقری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح پڑھ کر اشارہ کر کے ہمیں بتایا' اپنے داہنے ہاتھ کا انگوٹھا اپنی دائیں آنکھ پر رکھا اور اس کے پاس کی انگلی اپنے داہنے کان پر رکھی (ابن ابی حاتم)۔ یہ حدیث اسی طرح امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کی ہے ❸ اور امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی صحیح میں اسے لائے ہیں اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں بھی اسے وارد کیا ہے۔ اس کی سند میں جو ابو یونس رحمۃ اللہ علیہ ہیں وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مولیٰ ہیں' ان کا نام سلیم بن جبیر ہے۔

اللہ تعالیٰ و رسول ﷺ کی اطاعت واجب جبکہ علما' امرا کی اطاعت مشروط ہے: [آیت:۵۹] صحیح بخاری شریف میں

---

❶ ابن ماجه، کتاب الاحکام، باب التغليظ فی الحيف والرشوة، ۲۳۱۲ وسنده حسن؛ ترمذی، ۱۳۳۰۔

❷ یہ اثر نہیں ملا بلکہ اس باب میں مرفوع ضعیف روایتوں کے لیے دیکھئے ضعیف الترغیب والترهيب، ۲/ ۷۰، ۷۱ ح ۱۳۱۷، ۱۳۱۸۔

❸ ابوداود، کتاب السنة، باب فی الجهمية، ٤٧٢٨، وسنده ضعيف۔

بروایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹے سے لشکر میں حضرت عبداللہ بن حذافہ بن قیس رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا ان کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ ❶ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا جس کی سرداری ایک انصاری کو دی۔ ایک مرتبہ وہ لوگوں پر سخت غصہ ہو گئے اور فرمانے لگے کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری فرمانبرداری کا حکم نہیں دیا؟ سب نے کہا ہاں بے شک دیا ہے۔ فرمانے لگے اچھا لکڑیاں جمع کرو۔ پھر آگ منگوا کر لکڑیاں جلائیں' پھر حکم دیا کہ تم اس آگ میں کود پڑو۔ ایک نوجوان نے کہا لوگو! سنو آگ سے بچنے کے لئے ہی تم نے دامن رسول اللہ میں پناہ لی ہے تم جلدی نہ کرو جب تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہ ہو جائے پھر اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی فرمائیں تو بے جھجک اس آگ میں کود پڑنا۔ چنانچہ یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر تم آگ میں چلے جاتے تو ہمیشہ آگ ہی میں رہتے" سنو فرمانبرداری صرف معروف میں ہے۔" ❷ ابوداؤد میں ہے کہ "مسلمان پر سننا اور ماننا فرض ہے گو جی چاہے یا طبیعت رکے لیکن اس وقت تک کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے' جب نافرمانی کا حکم ملے تو نہ سنے نہ مانے۔" ❸ بخاری و مسلم میں ہے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی سننے کی اور ماننے کی گو ہماری خوشی ہو یا ہماری ناخوشی ہو ہماری سختی ہو یا ہماری آسانی ہو اور گو ہم پر دوسرے کو ترجیح دی جا رہی ہو' اور ہم سے بیعت لی کہ کام کے اہل سے اس کام کو نہ چھینیں مگر یہ کہ تم کھلا کفر دیکھو جس کے بارے میں تمہارے پاس کوئی واضح ربانی دلیل ہو۔ ❹ بخاری شریف میں ہے "سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر حبشی غلام امیر بنایا گیا ہو' گویا کہ اس کا سر کشمش ہے۔" ❺ صحیح مسلم میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' مجھے میرے خلیل (یعنی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم) نے وصیت کی سننے کی اور ماننے کی اگرچہ ناقص ہاتھ پاؤں والا حبشی غلام ہو۔ ❻ مسلم کی اور حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا گو تم پر غلام عامل بنایا جائے جو تمہیں کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ لے جانا چاہے تو تم اس کی سنو اور مانو۔ ❼ ایک روایت میں غلام حبشی اعضاء کٹا کے الفاظ ہیں۔ ❽ ابن جریر میں ہے کہ "میرے بعد والے تم سے ملیں گے نیکوں سے نیک اور بدوں سے بد' تم ہر ایک اس امر میں جو مطابق حق ہو اس کی سنو اور مانو اور ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہو اگر وہ نیکی کریں گے تو ان کے لئے نفع ہے اور تمہارے لئے بھی' اگر وہ بدی کریں گے تو تمہارے لئے تمہاری اچھائی ہے اور ان پر بوجھ ہے۔" ❾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنو اسرائیل میں مسلسل لگاتار اللہ کے رسول آیا کرتے تھے' ایک

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ﴿اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول﴾ ٤٥٨٤؛ صحیح مسلم، ١٨٣٤؛ أبو داود، ٢٦٢٤؛ ترمذی، ١٦٧٢۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب سریة عبداللّٰہ بن حذافة، ٤٣٤٠؛ صحیح مسلم، ١٨٤٠؛ أبو داود، ٢٦٢٥؛ نسائی، ٤٢١٠۔ ❸ أبو داود، کتاب الجهاد، باب فی الطاعة، ٢٦٢٦ والبخاری، ٧١٤٤ ومسلم، ١٨٣٩۔ ❹ صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ سترون بعدی امورا، ٧٠٥٦؛ صحیح مسلم، ١٧٠٩؛ نسائی، ٤١٥٤۔ ❺ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب السمع والطاعة، ٧١٤٢؛ ابن ماجه، ٢٨٦٠۔

❻ صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب وجوب طاعة الأمراء فی غیر معصیة، ١٨٣٧۔

❼ صحیح مسلم، ایضا، ١٨٣٨؛ نسائی، ٤١٩٧۔ ❽ صحیح مسلم، ایضا، ١٨٣٨۔

❾ الطبری، ٩٨٨١؛ وسنده ضعیف جداً؛ الطبرانی فی الاوسط، ٦٣٠٦؛ مجمع الزوائد، ٥/ ٢١٨، اس کی سند میں عبداللہ بن محمد بن عروۃ سخت ضعیف راوی ہے۔ (المیزان، ٢/ ٤٨٦، رقم: ٤٥٣٩)

کے بعد ایک اور میرے بعد کوئی نبی نہیں مگر خلفا ہوں گے اور بکثرت ہوں گے۔" لوگوں نے پوچھا پھر حضور اکرم ﷺ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا "پہلے کی بیعت پوری کرو پھر اسکے بعد والے کی ان کے حق انہیں دے دو۔ اللہ تعالیٰ ان سے ان کی رعیت کے بارے میں سوال کرنے والا ہے۔" ❶ آپ فرماتے ہیں "جو شخص اپنے امیر کا کوئی ناپسندیدہ کام دیکھے اسے صبر کرنا چاہئے جو شخص جماعت سے بالشت بھر جدا ہو گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔" ❷ (بخاری و مسلم) ارشاد ہے "جو شخص اطاعت سے ہاتھ کھینچ لے وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے حجت و دلیل کے بغیر ملاقات کرے گا اور جو اس حالت میں مرے کہ اس کی گردن میں بیعت نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔" ❸ (مسلم) حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں بیت اللہ شریف میں گیا دیکھا تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کعبہ کے سایہ میں تشریف فرما ہیں اور لوگوں کا ایک مجمع جمع ہے میں بھی اس مجلس میں ایک طرف بیٹھ گیا اس وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی فرمایا ایک سفر میں ہم رسول مقبول ﷺ کے ساتھ تھے ایک منزل میں اترے کوئی اپنا خیمہ ٹھیک کرنے لگا کوئی اپنے تیر سنبھالنے لگا کوئی کسی اور کام میں مشغول ہو گیا۔ اچانک ہم نے سنا کہ منادی ندا کر رہا ہے۔ ہمہ تن گوش ہو گئے تو سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں "ہر نبی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہوتا ہے کہ اپنی امت کو تمام نیکیاں جو وہ جانتا ہے سکھا دے اور تمام برائیوں سے جو اس کی نگاہ میں ہیں آگاہ کر دے سنو! اس میری امت کی عافیت کا زمانہ اس کا اول کا زمانہ ہے آخر زمانے میں بڑی بڑی بلائیں آئیں گی اور ایسے ایسے امور نازل ہوں گے جنہیں مسلمان ناپسند رکھیں اور تابڑ توڑ فتنے آتے رہیں گے ایک فتنہ آئے گا کہ مؤمن سمجھ لے گا اسی میں میری ہلاکت ہے پھر وہ ہٹ کر دوسرا اس سے بھی بڑا آئے گا جس میں اسے اپنی ہلاکت کا کامل یقین آ جائے گا پس یونہی لگاتار فتنے اور زبردست آزمائشیں اور کامل تکلیفیں آتی رہیں گی پس جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ جہنم سے دوری ہو اور جنت حصہ میں آئے اسے چاہیے کہ مرتے دم تک اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر پورا ایمان رکھے اور لوگوں سے وہ برتاؤ کرے جو خود اپنے ساتھ پسند کرتا ہے۔ سنو! جس نے امام سے بیعت کر لی اس نے اپنے ہاتھ کا قبضہ اور اپنے دل کا پھل اسے دے دیا اب اسے چاہئے کہ اس کی اطاعت کرے اگر کوئی اور آ کر اس سے چھیننا چاہے تو اس دوسرے کی گردن اڑا دو۔" عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں یہ سن کر قریب گیا اور کہا آپ کو میں اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کیا خود آپ نے اسے رسول اللہ ﷺ کی زبانی سنا ہے تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے کان اور دل کی طرف بڑھا کر فرمایا میں نے حضور اکرم ﷺ سے اپنے ان دونوں کانوں سے سنا اور اپنے اس دل میں محفوظ رکھا۔ میں نے کہا دیکھئے آپ کے چچازاد بھائی معاویہ کو کہ وہ ہمیں ہمارے اپنے مال باطل سے کھانے اور آپس میں ایک دوسرے سے جنگ کرنے کا حکم دیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کاموں سے ممانعت فرماتا ہے ارشاد ہے ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ﴾ ❹ اسے سن کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ذرا سی دیر خاموش رہے پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ان کی اطاعت کرو اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم جو وہ دیں اسے نہ مانو ❺ (مسلم)۔ اس بارے کی حدیثیں اور بھی بہت سی ہیں۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب احادیث الأنبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل، ۳۴۵۵؛ صحیح مسلم، ۱۸۴۲؛ ابن ماجه، ۲۸۷۱۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب السمع والطاعة، ۷۱۴۳؛ صحیح مسلم، ۱۸۴۹۔

❸ صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمین، ۱۸۴۹۔

❹ ٤/ النسآء:۲۹۔ ❺ صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب وجوب الوفاء ببیعة الخلیفة، ۱۸٤٤؛ أبوداود، ٤۲٤۸؛ مختصراً، نسائی، ٤۱۹٦؛ ابن ماجه، ۳۹۵٦۔

اسی ممانعت کی تفسیر میں حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا جس کا امیر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ اس لشکر میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ لشکر جس قوم کی طرف جانا چاہتا تھا چلا' رات کے وقت اس کی بستی کے پاس پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ ان لوگوں کو اپنے جاسوسوں سے پتہ چل گیا اور وہ سب کے سب راتوں رات بھاگ کھڑے ہوئے۔ صرف ایک شخص رہ گیا اس نے اپنے گھر والوں سے کہا اور انہوں نے اس کا سب اسباب جمع کیا' پھر یہ رات کے اندھیرے میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے لشکر میں چلا آیا اور پتہ چلا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور ان سے کہا کہ اے ابوالیقظان میں اسلام قبول کر چکا ہوں اور گواہی دے چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں' میری ساری قوم تمہارا یہاں آنا سن کر بھاگ گئی ہے صرف میں باقی رہ گیا ہوں' تو کیا کل میرا یہ اسلام مجھے نفع دے گا' اگر نفع نہ دے تو میں بھی بھاگ جاؤں۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا یقیناً یہ اسلام تمہیں نفع دے گا تم نہ بھاگو بلکہ ٹھہرے رہو۔ صبح کے وقت جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے لشکر کشی کی تو سوائے اس شخص کے وہاں کسی کو نہ پایا' اسے اس کے مال سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا اسے چھوڑ دیجئے یہ اسلام لا چکا ہے اور میری پناہ میں ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم کون ہو جو کسی کو پناہ دے سکو۔ اس پر دونوں بزرگوں میں کچھ تیز کلامی ہوگئی' اور اس پر قصہ بڑھا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سارا واقعہ بیان کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی پناہ کو جائز قرار دیا اور فرمایا ''آئندہ امیر کی طرف سے پناہ نہ دینا۔'' پھر دونوں میں تیز کلامی ہونے لگی۔ اس پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اس ناک کٹے غلام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نہیں کہتے۔ دیکھئے یہ مجھے برا بھلا کہہ رہا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''خالد! عمار کو برا نہ کہو۔ عمار کو گالیاں دینے والے کو اللہ تعالیٰ گالیاں دے گا' عمار سے دشمنی رکھنے والے سے اللہ تعالیٰ دشمنی رکھے گا' عمار پر جو لعنت بھیجے گا اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت نازل ہوگی۔'' اب تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ غصہ میں چل دیئے تھے' آپ دوڑے بھاگے ان کے پاس گئے دامن تھام لیا' عذر معذرت کی اور اپنی تقصیر معاف کرائی' پیچھا نہ چھوڑا جب تک کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ راضی رضامند نہ ہوگئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ❶ (امر امامت وخلافت کے متعلق شرائط وغیرہ کا بیان آیت ﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً﴾ ❷ کی تفسیر میں گزر چکا ہے وہاں ملاحظہ ہو۔ مترجم) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ روایت مروی ہے (ابن جریر اور ابن مردویہ)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں اولی الامر سے مراد سمجھ بوجھ والے اور دین والے ہیں یعنی علما۔ ظاہر بات تو یہ معلوم ہوتی ہے' آگے حقیقی علم اللہ تعالیٰ کو ہے کہ یہ لفظ عام ہیں امرا' علما دونوں اس سے مراد ہیں جیسے کہ پہلے گزرا۔ قرآن فرماتا ہے۔ ﴿لَوْ لَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ﴾ ❸ یعنی ان کے علما نے انہیں جھوٹ بولنے اور حرام کھانے سے کیوں نہ روکا۔'' اور جگہ ہے ﴿فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ﴾ ❹ قرآن وحدیث کے جاننے والوں سے پوچھ لیا کرو اگر تمہیں علم نہ ہو۔

صحیح حدیث میں ہے میری اطاعت کرنے والا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے =

❶ طبری، ۹۸٦٦ عن السدی وسنده ضعیف حاکم، ۳/ ۳۹۰، ۳۹۱ ح ٥٦٧٤ وابن حبان، ۷۰٤۰ وسنده صحیح من حدیث خالد بن الولید رضی اللہ عنہ بلفظ مختلف وبدون ذکر الآیة۔

❷ ۲/ البقرة:۳۰۔ ❸ ٥/ المآئدة:٦۳۔ ❹ ۱٦/ النحل:٤۳۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿٦٠﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿٦٢﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ﴿٦٣﴾

ترجمہ: کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا؟ جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جو کچھ تجھ پر اور جو کچھ تجھ سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ان کا ایمان ہے۔ لیکن اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ انہیں حکم دے دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں۔ شیطان تو یہ چاہتا ہی ہے کہ انہیں بہکا کر دور ڈال دے۔[٦٠] ان سے جب کبھی کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کلام کی اور رسول اللہ ﷺ کی طرف آؤ تو تو دیکھ لے گا کہ یہ منافق تجھ سے منہ پھیر کر اٹک جاتے ہیں۔[٦١] پھر کیا بات ہے کہ جب ان پر ان کے کرتوت کے باعث کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو پھر یہ تیرے پاس آ کر اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا ارادہ تو صرف بھلائی اور میل ملاپ ہی کا تھا'[٦٢] یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے دلوں کا بھید اللہ تعالیٰ پر بخوبی روشن ہے تو ان سے چشم پوشی کر انہیں نصیحت کرتا رہ اور انہیں وہ بات کہہ جو ان کے دلوں میں گھر کرنے والی ہو۔[٦٣]

= اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی' اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری فرمان برداری کی' اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ ❶ پس یہ ہیں احکام علما' امرا کی اطاعت کے۔ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو یعنی اس کی کتاب کی اتباع کرو' اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو یعنی اس کی سنتوں پر عمل کرو' اور حکم والوں کی اطاعت کرو یعنی اس چیز میں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے خلاف اگر ان کا کوئی حکم ہو تو اطاعت نہ کرنی چاہیے' کیونکہ ایسے وقت علما' امرا کی ماننی حرام ہے جیسے کہ پہلی حدیث گزر چکی کہ اطاعت صرف معروف میں ہے' یعنی فرمان ربانی و فرمان رسول ﷺ کے دائرے میں۔ مسند احمد میں اس سے بھی زیادہ صاف حدیث ہے جس میں ہے کوئی اطاعت اللہ تعالیٰ کے فرمان کے خلاف میں نہیں۔ ❷ آگے چل کر فرمایا کہ اگر تم میں کسی بارے میں جھگڑا پڑے تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹاؤ یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرف' جیسے کہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ہے۔

پس یہاں صریح اور صاف لفظوں میں اللہ تعالیٰ عزوجل کا حکم ہو رہا ہے کہ لوگ جس مسئلہ میں اختلاف کریں خواہ وہ مسئلہ اصول =

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب قول اللہ ﴿اطیعوا اللّٰه واطیعوا الرسول﴾ ۷۱۳۷؛ صحیح مسلم، ۱۸۳۵؛ نسائی، ۴۱۹۸۔ ❷ أحمد، ۴/ ۴۲۶، وهو صحيح بالشواهد۔

= دین کے متعلق ہو خواہ فروع دین کے متعلق اس کے تصفیہ کی صرف یہی صورت ہے کہ کتاب وسنت کو حاکم مان لیا جائے جو اس میں ہو وہ قبول کیا جائے جیسے اور آیت قرآنی میں ہے ﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾ ❶ یعنی ''جس کسی چیز میں تمہارا اختلاف پڑے اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے'' پس کتاب وسنت جو حکم دے اور جس مسئلہ پر صحت کی شہادت دے وہی حق ہے باقی سب باطل ہے۔ قرآن فرماتا ہے حق کے بعد جو ہے ضلالت وگمراہی ہے' اسی لئے یہاں بھی اس حکم کے ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو' یعنی اگر تم ایمان کے دعوے میں سچے ہو تو جس مسئلہ کا تمہیں علم نہ ہو جس مسئلہ میں اختلاف ہو جس امر میں جدا جدا رائے ہوں ان سب کا فیصلہ کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ سے کیا کرو جو ان دونوں میں ہو مان لیا کرو۔ پس ثابت ہوا کہ جو شخص اختلافی مسائل کا تصفیہ کتاب وسنت کی طرف نہ لے جائے وہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جھگڑوں میں اور اختلافات میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف فیصلہ لانا اور ان کی طرف رجوع کرنا ہی بہتر ہے اور یہی نیک انجام خوش آیند ہے اور یہی اچھے بدلے دلانے والا کام ہے۔ بہت اچھی جزا اسی کا پھل ہے۔

قرآن وحدیث سے اعراض کر کے کسی اور سے فیصلہ کرانا منع ہے: [آیت:۶۰-۶۳] اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دعوے کو جھٹلایا ہے جو زبانی اقرار تو کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تمام اگلی کتابوں پر اور اس قرآن پر بھی ہمارا ایمان ہے لیکن جب کبھی کسی مسئلہ کی تحقیق کرنی ہو جب کبھی کسی اختلاف کو مٹانا ہو جب کبھی کسی جھگڑے کا فیصلہ کرنا ہو تو قرآن وحدیث کی طرف رجوع نہیں کرتے بلکہ کسی اور طرف جاتے ہیں۔ یہ آیت نازل بھی ہوئی ہے ان دو شخصوں کے بارے میں جن میں کچھ اختلاف تھا ایک تو یہودی تھا دوسرا انصاری۔ یہودی تو کہتا تھا کہ چل محمد ﷺ سے فیصلہ کرا لیں اور انصاری کہتا تھا کعب بن اشرف کے پاس چلو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت ان منافقوں کے بارے میں اتری ہے جو اسلام کو ظاہر کرتے تھے لیکن در پردہ احکام جاہلیت کی طرف جھکنا چاہتے تھے۔ اس کے سوا اور اقوال بھی ہیں۔ آیت اپنے حکم اور الفاظ کے اعتبار سے عام ہے' ان تمام واقعات کو شامل ہے' ہر اس شخص کی مذمت اور برائی کا اظہار کرتی ہے جو کتاب وسنت سے ہٹ کر کسی اور باطل کی طرف اپنا فیصلہ لے جائے اور یہی مراد یہاں طاغوت سے ہے (یعنی قرآن وحدیث کے سوا کی چیز یا شخص) صدود سے مراد تکبر سے منہ موڑ لینا۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا﴾ ❷ یعنی ''جب ان سے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی وحی کی فرمانبرداری کرو' تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اپنے باپ دادوں کی پیروی پر رہیں گیں۔'' ایمان والوں کا جواب یہ نہیں ہوتا بلکہ ان کا جواب دوسری آیت میں اس طرح مذکور ہے ﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ❸ یعنی ''ایمان والوں کو جب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے فیصلے اور حکم کی طرف بلایا جائے تو ان کا جواب یہی ہوتا ہے کہ ہم نے سنا اور ہم نے تہ دل سے قبول کیا۔''

پھر منافقوں کی مذمت میں بیان ہو رہا ہے کہ ان کے گناہوں کے باعث جب تکلیفیں پہنچتی ہیں اور تیری ضرورت محسوس ہوتی ہے تو دوڑے بھاگے آتے ہیں اور تجھے خوش کرنے کے لئے عذر معذرت کرنے بیٹھ جاتے ہیں اور قسمیں کھا کر اپنی نیکی اور صلاحیت کا یقین دلانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے سوا دوسروں کی طرف ان مقدمات کے لے جانے سے ہمارا مقصود صرف یہی تھا کہ ذرا دوسروں کا دل رکھ لیا جائے اور آپس کا میل جول نبھ جائے ورنہ دل سے کچھ ہم ان کی اچھائی کے معتقد نہیں۔ جیسے اور آیت میں ﴿فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ﴾ سے ﴿نَادِمِينَ﴾ ❹ تک بیان ہوا ہے' یعنی ''تو دیکھے گا کہ بیمار دل یعنی منافق یہود ونصاری =

❶ ۴۲/ الشوریٰ:۱۰۔ ❷ ۳۱/ لقمان:۲۱۔ ❸ ۲۴/ النور:۵۱۔ ❹ ۵/ المآئدۃ:۵۲۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ

حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾

ترجمہ: ہم نے ہر رسول کو صرف اسی لئے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے۔ اور اگر یہ لوگ جب بھی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تیرے پاس آ جاتے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لئے استغفار کرتے تو یقیناً یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔[۶۴] سو قسم ہے تیرے پروردگار کی یہ ایماندار نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپس کے اختلاف میں تجھی کو حاکم نہ مان لیں پھر جو فیصلے تو ان میں کر دے ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔[۶۵]

= کی دوستی کی تمام تر سعی کرتے پھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں آفت میں پھنس جانے کا خطرہ ہے پس بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح لائے یا اپنا کوئی حکم لائے اور یہ لوگ ان ارادوں پر پشیمان ہونے لگیں جو ان کے دلوں میں پوشیدہ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ابو برزہ اسلمی ایک کاہن شخص تھا' یہود اپنے بعض فیصلے ان سے کراتے تھے۔ ایک واقعہ میں مشرکین بھی اس کی طرف دوڑے اس پر یہ آیات ﴿ اَلَمْ تَرَ ﴾ سے ﴿ تَوْفِيْقًا ﴾ تک نازل ہوئیں۔ ❶

پھر فرماتا ہے کہ اس قسم کے لوگ یعنی منافقوں کے دلوں میں کیا ہے اس کا علم اللہ تعالیٰ کو کامل ہے' اس پر کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی مخفی نہیں وہ ان کے ظاہر باطن کا عالم ہے تو ان سے چشم پوشی کر' ان کے باطنی ارادوں پر ڈانٹ ڈپٹ نہ کر' ہاں انہیں نفاق سے اور دل میں شر و فساد رکھنے سے باز رہنے کی نصیحت کر اور دل میں گڑنے والی باتیں ان سے کر بلکہ ان کیلئے دعا بھی کر۔

حضور ﷺ سے دُعا کرانا آپ کی زندگی تک تھا: [آیت:۶۴-۶۵] مطلب یہ ہے کہ ہر زمانہ کے رسول کی تابعداری اس کی امت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہوتی ہے منصب رسالت یہی ہے کہ اس کے تمام فرمانوں کو اللہ کے احکام سمجھا جائے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ﴿ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ سے یہ مراد ہے اس کی توفیق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے اس کی قدرت و مشیت پر موقوف ہے' جیسے اور آیت میں ہے ﴿ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ﴾ ❷ یہاں بھی اذن سے مراد امر قدرت اور مشیت ہے' یعنی اس نے تمہیں ان پر غلبہ دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ عاصیوں اور خطا کاروں کو ارشاد فرماتا ہے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا چاہیے اور خود رسول اللہ ﷺ سے بھی عرض کرنا چاہیے کہ آپ ہمارے لیے دعا کیجئے۔ جب وہ ایسا کریں گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی طرف رجوع کرے گا انہیں بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا۔ ابو منصور صباغ نے اپنی کتاب میں جس میں مشہور قصے لکھے ہیں' لکھا ہے کہ عتبی کا بیان ہے میں حضور اکرم ﷺ کی تربت کے پاس بیٹھا ہوا تھا جو ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ! میں نے قرآن کریم کی یہ آیت سنی اور آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ کے سامنے اپنے گناہوں کا استغفار کروں اور

---

❶ المعجم الكبير، ١٢٠٤٥ وسنده ضعيف، اس میں احمد بن عبدالرحیم بن یزید الحوطی مجہول الحال ہے۔ مجمع الزوائد، ٧/٩۔ ❷ ٣/ آل عمران:١٥٢۔

آپ ﷺ کی شفاعت طلب کروں۔ پھر اس نے یہ اشعار پڑھے۔

يَـا خَيْـرَ مَنْ دُفِـنَـتْ بِـالْقَـاعِ اَعْظُمُـهٗ ... فَـطَـابَ مِـنْ طِيْبِهِـنَّ الْـقَـاعُ وَالْاَكَـمُ

نَـفْسِـى الْـفِـدَآءُ لِـقَبْـرٍ اَنْـتَ سَـاكِـنُـهٗ ... فِيْـهِ الْـعَـفَـافُ وَ فِيْـهِ الْجُـوْدُ وَالْـكَـرَمُ

''جن جن کی ہڈیاں میدانوں میں دفن کی گئی ہیں اور ان کی خوشبو سے وہ میدان اور وہ ٹیلے مہک اٹھے ہیں۔ اے ان تمام میں سے بہترین ہستی! میری جان اس قبر پر سے صدقے ہو جس کا ساکن تو ہے جس میں پارسائی اور سخاوت اور کرم ہے۔''

پھر اعرابی تو لوٹ گیا اور مجھے نیند آ گئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ گویا حضور اکرم ﷺ مجھ سے فرما رہے ہیں جا اس اعرابی کو خوشخبری سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ معاف فرما دیئے ❶ (یہ خیال رہے کہ نہ تو یہ کسی حدیث کی کتاب کا واقعہ ہے نہ اس کی کوئی صحیح سند ہے' بلکہ آیت کا یہ حکم حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں ہی تھا وصال کے بعد نہیں جیسے کہ ﴿جَـآءُوْكَ﴾ کا لفظ بتلا رہا ہے اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ ہر انسان کا ہر عمل اس کی موت کے ساتھ منقطع ہو جاتا ہے' ❷ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ مترجم)

حضور اکرم ﷺ کا فیصلہ حتمی ہے: پھر اللہ تعالیٰ اپنی بزرگ اور مقدس ذات کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ کوئی شخص ایمان کی حدود میں نہیں آ سکتا جب تک کہ تمام امور میں اللہ تعالیٰ کے اس آخر الزمان افضل تر رسول اللہ ﷺ کو اپنا سچا حاکم نہ مان لے۔ اور آپ ﷺ کے ہر ہر حکم ہر ہر فیصلے ہر ہر سنت اور ہر ہر حدیث کو قابل قبول اور حق صریح تسلیم نہ کرنے لگے' دل کو اور جسم کو یکسر تابع رسول اللہ ﷺ نہ بنا دے۔ غرض ظاہر' باطن' چھوٹے بڑے کل امور میں حدیث رسول اللہ ﷺ کو اصل اصول سمجھے وہی مؤمن ہے۔ پس فرمان ہے کہ تیرے احکام کو کشادہ دلی سے تسلیم کر لیا کریں' اپنے دل میں تنگی ترشی نہ لائیں۔ تسلیم کلی کل احادیث کے ساتھ رہے' نہ تو احادیث کے ماننے سے رکیں' نہ انہیں ہٹانے کے اسباب ڈھونڈیں' نہ ان کے مرتبہ کی کسی اور چیز کو سمجھیں نہ ان کی تردید کریں' نہ ان کا مقابلہ کریں' نہ ان کے تسلیم کرنے میں جھگڑیں جیسے فرمان رسول ﷺ ہے ''اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہش کو اس چیز کا پیروکار نہ بنا دے جسے میں لایا ہوں۔'' ❸ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا کسی شخص سے نالیوں سے باغ میں پانی لینے کے بارے میں جھگڑا ہو پڑا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''زبیر! تم پانی پلا لو پھر پانی کو انصاری کے باغ میں جانے دو۔'' اس پر انصاری نے کہا ہاں یا رسول اللہ ﷺ یہ تو آپ کی پھوپھی کے لڑکے ہیں یہ سن کر آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور فرمایا ''زبیر! تم پانی پلاؤ تو پھر پانی کو روکے رکھو' یہاں تک کہ باغ کی دیواروں تک پہنچ جائے پھر اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑ دو۔'' پہلے تو حضور اکرم ﷺ نے ایک ایسی صورت نکالی تھی کہ جس میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو تکلیف نہ ہو' اور انصاری کو کشادگی ہو جائے لیکن جب انصاری نے اسے اپنے حق میں بہتر نہ سمجھا تو آپ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کا پورا حق دلوایا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جہاں تک میرا خیال ہے یہ آیت ﴿فَلَا وَرَبِّكَ﴾ الخ اسی بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ❹ مسند احمد کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ یہ انصاری بدری تھے۔ ❺ اور روایت میں ہے' ==

❶ بے سند و بے اصل قصہ ہے۔ ❷ صحیح مسلم، كتاب الوصية، باب ما يلحق الانسان من الثواب، ١٦٣١۔

❸ شرح السنه للبغوی، ١٠٤ اس کی سند ہشام بن حسان کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

❹ صحیح بخاری، کتاب التفسیر باب ﴿فلا وربك لا يؤمنون.....﴾ ٤٥٨٥، ٢٣٥٩؛ صحیح مسلم، ٢٣٥٧؛ ابو داود، ٣٦٣٧؛ ترمذی، ١٣٦٣؛ نسائی، ٥٤١٨؛ ابن ماجه، ١٥، ١٤٨٠۔

❺ احمد، ١/ ١٦٥، ١٦٦، ح ١٤١٩؛ البخاری، ٢٧٠٨ وهو صحيح۔

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۙ﴿۶۶﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ﴿۶۷﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ؕ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾

ع ۱۰

ترجمہ: اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنی جانوں کو قتل کر ڈالو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اسے ان میں سے بہت ہی کم لوگ بجا لاتے۔ اور اگر یہ وہی کریں جس کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو یقیناً یہی ان کے لئے بہتر ہو اور بہت زیادہ مضبوطی والا ہو۔[۶۶] اور تب تو انہیں ہم اپنے پاس سے بڑا ثواب دیں۔[۶۷] اور یقیناً انہیں راہ راست دکھا دیں۔[۶۸] اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی اور رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کرے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔ جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ، یہ بہترین رفیق ہیں۔[۶۹] یہ فضل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور اللہ تعالیٰ بس ہے جاننے والا۔[۷۰]

= دونوں میں جھگڑا یہ تھا کہ پانی کی نہر سے پہلے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا کھجوروں کا باغ پڑتا تھا پھر انصاری کا۔ انصاری کہتے تھے کہ پانی روکو مت۔ یونہی دونوں باغوں میں ایک ساتھ آئے۔ ❶ ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہ دونوں دعویدار حضرت زبیر اور حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہما تھے۔ ❷ آپ ﷺ کا فیصلہ ان میں یہ ہوا کہ پہلے اونچے والا پانی پلا لے پھر نیچے والا۔ دوسری ایک زیادہ غریب روایت میں شان نزول یہ مروی ہے کہ دو شخص اپنا ایک جھگڑا لے کر دربار محمدی میں آئے آپ ﷺ نے فیصلہ کر دیا لیکن جس کے خلاف فیصلہ تھا اس نے کہا حضور! آپ ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بہت اچھا ان کے پاس چلے جاؤ۔ جب یہاں آئے تو جس کے موافق فیصلہ ہوا تھا اس نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس دوسرے سے پوچھا کیا یہ سچ ہے۔ اس نے اقرار کیا۔ آپ نے فرمایا اچھا تم دونوں یہاں ٹھہرو میں آتا ہوں اور فیصلہ کر دیتا ہوں۔ تھوڑی دیر میں تلوار تانے آ گئے اور اس شخص کی جس نے کہا تھا کہ ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیجئے، گردن اڑا دی۔ دوسرا شخص یہ دیکھتے ہی دوڑا بھاگا آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا اور کہا حضور! میرا ساتھی تو مار ڈالا گیا اور اگر میں بھی جان بچا کر بھاگ کر نہ آ جاتا تو میری بھی خیر نہ تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں عمر کو ایسا نہ جانتا تھا کہ وہ اس جرأت کے ساتھ ایک مؤمن کا خون بہا دے گا۔ اس پر یہ آیت اتری اور اس کا خون برباد گیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بری کر دیا۔ لیکن یہ طریقہ لوگوں میں اس کے بعد بھی جاری نہ ہو جائے اس لئے اس کے بعد ہی یہ آیت اتری ﴿وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا﴾ ❸ جو آگے آتی ہے (ابن ابی حاتم)۔

---

❶ احمد، ٤/ ٥، صحیح بخاری، ۲۳۵۹؛ صحیح مسلم، ۲۳۵۷۔

❷ ابن ابی حاتم وسندہ ضعیف، الزهری عنعن۔ ❸ ٤/ النسآء: ٦٦۔

ابن مردویہ میں بھی یہ روایت ہے جو غریب ہے اور مرسل ہے اور ابن ابی لہیعہ راوی ضعیف ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ دوسری سند سے مروی ہے دو شخص رسول مقبول کے پاس اپنا جھگڑا لائے۔ آپ ﷺ نے حق والے کے حق میں ڈگری دے دی لیکن جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا اس نے کہا میں راضی نہیں ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا تو کیا چاہتا ہے؟ کہا یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں۔ دونوں وہاں پہنچے جب یہ واقعہ جناب صدیق رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا تمہارا فیصلہ وہی ہے جو حضور اکرم ﷺ نے کیا۔ وہ اب بھی خوش نہ ہوا اور کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلو وہاں گئے پھر وہ ہوا جو آپ نے اوپر پڑھا (تفسیر حافظ ابو اسحاق)۔ ❶

کفار کی فطرت: [آیت:۶۶۔۷۰] اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اگر انہیں ان منع کردہ کاموں کا بھی حکم دیا جاتا جنہیں وہ اس وقت کر رہے ہیں تو وہ ان کاموں کو بھی نہ کرتے۔ اس لئے کہ ان کی ذلیل طبیعتیں حکم الٰہی کی مخالفت پر ہی بنائی گئی ہیں۔ پس یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس علم کی خبر دی ہے جو ہوا نہیں لیکن ہوتا تو کس طرح ہوتا؟ اس آیت کو سن کر ایک بزرگ نے فرمایا تھا اگر اللہ تعالیٰ ہمیں یہ حکم دیتا تو یقیناً ہم کر گزرتے لیکن اس کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس سے بچالیا۔ جب آنحضرت ﷺ کو یہ بات پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا "بے شک میری امت میں ایسے ایسے لوگ بھی ہیں جن کے دلوں میں ایمان مضبوط پہاڑوں سے بھی زیادہ گڑا ہوا اور ثابت ہے" (ابن ابی حاتم) ❷ اس روایت کی دوسری سند میں ہے کہ کئی ایک صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ فرمایا تھا۔ سدی رحمہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ایک یہودی نے حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ سے فخریہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر خود ہمارا قتل فرض کیا تو ہم وہ بھی کر گزرے۔ اس پر حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا واللہ اگر ہم پر یہ فرض ہوتا تو ہم بھی کر گزرتے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ اور روایت میں ہے کہ جب یہ آیت اتری تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اگر یہ حکم ہوتا تو اس کے بجا لانے والوں میں ایک ابن ام عبد بھی ہوتے" (ابن ابی حاتم) ❸ اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس آیت کو پڑھ کر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ "یہ بھی اس پر عمل کرنے والوں میں سے ایک ہیں۔" ❹

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا انعام: پھر فرماتا ہے کہ اگر یہ لوگ ہمارے حکم بجا لاتے اور ہماری منع کردہ چیزوں اور کاموں سے رک جاتے تو یہ ان کے حق میں اس سے بہتر ہوتا کہ وہ حکم کی مخالفت کریں اور ممانعت میں مبتلا ہوں' اور یہی زیادہ سچائی والا ہوتا' اس وقت ہم انہیں جنت عطا فرماتے اور دنیا و آخرت کی بہتر راہ کی رہنمائی کرتے۔ پھر فرماتا ہے جو شخص اللہ و رسول اللہ ﷺ کے احکام پر عمل کرے اور منع کردہ کاموں سے باز رہے اسے اللہ تعالیٰ عزت کے گھر میں لے جائے گا اور نبیوں کا رفیق بنائے گا اور صدیقوں کا جو مرتبے میں نبیوں کے بعد ہیں' پھر شہیدوں کا پھر تمام مومنوں کا جنہیں صالح کہا جاتا ہے جن کا ظاہر باطن آراستہ ہے۔ خیال تو کرو یہ کیسے پاکیزہ اور بہترین رفیق ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا تھا کہ "ہر نبی کو اس کے مرض کے زمانہ میں دنیا میں رہنے اور آخرت میں جانے کا اختیار دیا جاتا ہے۔" جب حضور اکرم ﷺ بیمار پڑے جس سے آپ ﷺ نہ اٹھے تو آپ کی آواز بہت بیٹھ گئی تھی لیکن میں نے سنا کہ آپ ﷺ فرما رہے ہیں "ان کا ساتھ جن پر اللہ تعالیٰ نے

---

❶ اس روایت کے راوی حمزہ بن حبیب کی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں لہٰذا یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

❷ الطبری، ۹۹۲۶، عن ابی اسحاق، یہ روایت مرسل ضعیف ہے۔

❸ یہ روایت مرسل ضعیف ہے اور اس کی سند میں مصعب بن ثابت ضعیف راوی ہے۔(المیزان، ۴/ ۱۱۸، رقم: ۸۵۵۸)

❹ یہ روایت مرسل ضعیف ہے اور اس کی سند میں اسمٰعیل بن عیاش ہے اس کی غیر شامیوں سے روایت ضعیف ہوتی ہے۔(المیزان، ۱/ ۲۴۳)

انعام کیا ہے جو نبی ہیں، صدیق ہیں، شہید ہیں اور نیک کار ہیں۔'' میں نے معلوم کر لیا کہ اب آپ ﷺ کو اختیار دیا گیا ہے۔ ❶ یہی مطلب ہے جو دوسری حدیث میں آپ ﷺ کے یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ ''اے اللہ! میں بلند و بالا رفیق طلب کرتا ہوں۔'' تین مرتبہ یہ کلمہ آپ ﷺ نے زبان مبارک سے ارشاد فرمائے، پھر فوت ہو گئے، ❷ علیه افضل الصلوٰة و التسلیم۔

ابن جریر میں ہے کہ ایک انصاری حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہ سخت مغموم ہیں۔ سبب دریافت کیا تو جواب ملا کہ حضور ﷺ! یہاں تو صبح شام ہم لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں آ بیٹھتے ہیں دیدار بھی ہو جاتا ہے اور دو گھڑی صحبت بھی میسر ہو جاتی ہے، لیکن کل قیامت کے دن تو آپ ﷺ نبیوں کی اعلیٰ مجلس میں ہوں گے تو ہم آپ ﷺ تک پہنچ بھی نہ سکیں گے۔ حضور اکرم ﷺ نے کچھ جواب نہ دیا اس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ آیت لائے آنحضرت ﷺ نے آدمی بھیج کر انہیں یہ خوشخبری سنادی۔ ❸ یہی اثر مرسل سند سے بھی مروی ہے جو سند بہت ہی اچھی ہے۔ حضرت ربیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں صحابہ سے رسول اللہ ﷺ کہا کہ یہ ظاہر ہے کہ حضور اکرم کا درجہ آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں سے یقیناً بہت ہی بڑا ہے پس جب کہ جنت میں یہ سب جمع ہوں گے تو آپس میں ایک دوسرے کو کیسے دیکھیں گے اور کیسے ملیں گے۔ پس یہ آیت اتری اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''اوپر کے درجہ والے نیچے والوں کے پاس اتر آئیں گے اور گلزار پر بہار میں سب جمع ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کا ذکر اور اس کی تعریفیں کریں گے اور جو چاہیں گے پائیں گے اور ناز و نعم سے ہر وقت رہیں گے۔'' ❹ ابن مردویہ میں ہے ایک شخص حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کو اپنی جان سے اپنے اہل و عیال سے اور اپنے بچوں سے بھی زیادہ محبوب رکھتا ہوں، میں گھر میں ہوتا ہوں لیکن شوق زیارت مجھے بے قرار کر دیتا ہے صبر نہیں ہو سکتا دوڑتا بھاگتا آتا ہوں اور دیدار کر کے چلا جاتا ہوں لیکن جب مجھے آپ ﷺ کی اور اپنی موت یاد آتی ہے اور اس کا یقین ہے کہ آپ ﷺ جنت میں نبیوں کے ساتھ بڑے اونچے درجے میں ہوں گے تو ڈر لگتا ہے کہ پھر میں حضور اکرم ﷺ کے دیدار سے محروم ہو جاؤں گا۔ آپ ﷺ نے تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن یہ آیت نازل ہوئی۔ ❺ اس روایت کے اور بھی طریق ہیں۔

صحیح مسلم شریف میں ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں رات کو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں رہتا اور پانی وغیرہ لا دیا کرتا تھا۔ ایک بار آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا ''کچھ مانگ۔'' میں نے کہا جنت میں آپ کی رفاقت مانگتا ہوں۔ فرمایا ''اس کے سوا اور۔'' میں نے کہا وہ بھی یہی۔ فرمایا ''پس میری مدد کر تو خود بھی بکثرت سجدے کیا کر۔'' ❻ مسند احمد میں ہے ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے کہا میں اللہ تعالیٰ کے بے شریک ہونے کی اور آپ ﷺ کے رسول ہونے کی گواہی دیتا ہوں، پانچوں وقت کی نمازیں پڑھتا ہوں، اپنے مال کی زکوٰۃ دیتا ہوں اور رمضان کے روزے رکھتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا ''جو مرتے دم تک اسی پر

---

❶ صحيح بخاري، كتاب التفسير، سورة النسآء، باب ﴿فأولئك مع الذين﴾ ٤٥٨٦؛ صحيح مسلم، ٢٤٤٤؛ ابن ماجه، ١٦٢٠۔ ❷ صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب آخر ماتكلم به النبي ﷺ، ٤٤٦٣؛ صحيح مسلم، ٢٤٤٤۔

❸ یہ روایت مرسل ضعیف ہے۔ ❹ یہ روایت مرسل ضعیف ہے۔

❺ ابن مردویہ، یہ روایت شواہد کے ساتھ حسن ہے۔

❻ صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب فضل السجود، ٤٨٩۔

رہے گا وہ قیامت کے دن نبیوں' صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ اس طرح ہوگا'' پھر آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیاں اٹھا کر اشارہ کر کے بتلایا ''لیکن یہ شرط ہے کہ ماں باپ کا نافرمان نہ ہو۔'' ❶ مسند احمد میں ہے ''جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک ہزار آیتیں پڑھیں وہ ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نبیوں' صدیقوں' شہیدوں اور صالحوں کے ساتھ لکھا جائے گا۔'' ❷ ترمذی میں ہے ''سچا امانت دار تاجر نبیوں' صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔'' ❸ ان سب سے زیادہ زبردست بشارت اس حدیث میں ہے جو صحاح اور مسانید وغیرہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک زبردست جماعت سے بتواتر مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو ایک قوم سے محبت رکھتا ہے لیکن ان سے ملا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ((اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ)) ہر انسان ان کے ساتھ ہوگا جن سے وہ محبت رکھتا تھا۔ ❹ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' مسلمان جس قدر اس حدیث سے خوش ہوئے اتنا کسی اور چیز سے خوش نہیں ہوئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' واللہ میری محبت تو آنحضرت ﷺ سے ہے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ہے اور عمر رضی اللہ عنہ سے ہے تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی انہی کے ساتھ اٹھائے گا گو میرے اعمال ان جیسے نہیں ❺ (یا اللہ تعالیٰ! تو ہمارے دل بھی اپنے نبی اکرم ﷺ اور ان کے چاہنے والوں کی محبت سے بھر دے اور ہمارا حشر بھی ان ہی کے ساتھ کر دے' آمین)۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''جنتی لوگ اپنے سے بلند درجہ والے جنتیوں کو ان کے بالا خانوں میں اس طرح دیکھیں گے جیسے تم کسی چمکیلے ستارے کو جو مشرق یا مغرب میں ہو دیکھتے ہو ان میں بہت کچھ فاصلہ ہوگا۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا یہ منزلیں تو انبیائے کرام علیہم السلام کے لئے ہی مخصوص ہوں گی' کہ کوئی اور تو وہاں تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''کیوں نہیں اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ان منزلوں تک وہ بھی پہنچیں گے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور رسولوں کو سچا جانا اور مانا۔'' (بخاری ومسلم)۔ ❻

ایک حبشی حاضر حضور اکرم ہوتا ہے' آپ ﷺ فرماتے ہیں ''پوچھو اور سمجھو'' وہ کہتا ہے یا رسول اللہ ﷺ! آپ لوگوں کو صورت میں رنگ میں نبوت میں اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضیلت دے رکھی ہے' کیا اگر میں اس چیز پر ایمان لاؤں جس پر آپ ﷺ ایمان لائے ہیں اور ان احکام کو بجا لاؤں جنہیں آپ ﷺ بجا لا رہے ہیں' تو کیا جنت میں آپ ﷺ کا ساتھ ملے گا؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''ہاں' اس اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جنتی حبشی تو ایسا گورا چٹا ہو کر جنت میں جائے گا کہ اس کا بدن ایک ہزار برس کے فاصلے سے ہی نورانیت کے ساتھ جگمگاتا ہوا نظر آئے گا۔ پھر فرمایا ((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)) کہنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس عہد و وعدہ ہے اور ((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ)) کہنے والے کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔'' اس پر ایک اور صاحب نے کہا حضور ﷺ! جب یہ ہے تو پھر ہم کیسے ہلاک ہو سکتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''ایک انسان قیامت کے دن اس قدر اعمال لے کر آئے گا کہ اگر کسی پہاڑ پر رکھے جائیں تو اس پر بھی بوجھل ہو جائیں' لیکن ایک نعمت جو =

❶ وسندہ ضعیف۔ ❷ أحمد، ۳/ ۴۳۷، وسندہ ضعیف۔

❸ ترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی التجار، ۱۲۰۹، وسندہ ضعیف ابوحمزہ میمون راوی ضعیف ہے۔

❹ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب مناقب عمر رضی اللہ عنہ، ۳۶۸۸؛ صحیح مسلم، ۲۶۳۹۔

❺ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب مناقب عمر رضی اللہ عنہ، ۳۶۸۸؛ صحیح مسلم، ۲۶۳۹۔

❻ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی صفة الجنة، ۳۲۵۶؛ صحیح مسلم، ۲۸۳۱۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ۝ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ۝ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

ترجمہ: اے مسلمانو! اپنے ہتھیار لئے رہو پھر گروہ گروہ بن کر کوچ کرو یا سب کے سب اکٹھے نکل کھڑے ہو[۷۱] اور یقیناً تم میں سے بعض وہ بھی ہیں جو پس و پیش کرتے ہیں پھر اگر تمہیں کوئی نقصان ہوتا ہے تو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان کے ساتھ موجود نہ تھا۔[۷۲] اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کا کوئی فضل مل جائے تو اس طرح کہ گویا تم میں ان میں دوستی تھی ہی نہیں کہتے ہیں کاش میں بھی ان کے ہمراہ ہوتا تو بڑی کامیابی کو پہنچتا۔[۷۳] پس جو لوگ دنیا کی زندگی کو آخرت پر قربان کرنے والے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا چاہئے جو شخص راہ باری تعالیٰ میں جہاد کرتے ہوئے شہادت پالے یا غالب آ جائے یقیناً ہم اسے بہت بڑا ثواب عنایت فرمائیں گے۔[۷۴]

= کھڑی ہوگی تو محض اس کے شکریہ میں ہی یہ اعمال کم نظر آئیں گے ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ سے اسے ڈھانک لے اور جنت دے دے" اور یہ آیتیں اتریں ﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ﴾ سے ﴿مُلْكًا كَبِيْرًا﴾ ❶ تک۔ تو حبشی صحابی کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ کیا جنت میں جن جن چیزوں کو آپ ﷺ کی آنکھیں دیکھیں گی، میری آنکھیں بھی دیکھ سکیں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں۔ اس پر وہ روئے اور اس قدر روئے کہ اسی میں فوت ہو گئے۔" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ ان کی نعش مبارک کو خود رسول اللہ ﷺ قبر میں اتار رہے تھے۔ ❷ یہ روایت غریب ہے اور اس میں نکارت بھی ہے اور اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ خاص اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کا فضل ہے اس کی رحمت سے ہی یہ اس کے قابل ہوئے نہ کہ اپنے اعمال سے اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے، اسے بخوبی معلوم ہے کہ مستحق ہدایت و توفیق کون ہے۔

کافروں سے قتال کے لئے آلات حرب تیار رکھنے کا حکم: [آیت:۷۱-۷۴] اللہ رب العزت مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ ہر وقت اپنے بچاؤ کے اسباب مہیا رکھیں ہر وقت ہتھیار بند رہیں تاکہ دشمن ان پر بآسانی کامیاب نہ ہو جائے۔ ضرورت کے ہتھیار تیار رکھیں اپنی تعداد بڑھاتے رہیں قوت مضبوط کرتے رہیں، باقاعدہ مردانہ وار جہاد کے لئے بیک آواز اٹھ کھڑے ہوں، چھوٹے چھوٹے لشکروں میں بٹ کر یا بڑی پوری فوج کی صورت میں جیسا موقعہ ہو آواز آتے ہی کوچ بول دیں۔ یہ منافقین کی خصلت ہے کہ خود بھی راہ اللہ سے جی چرائیں اور دوسروں کو بھی ڈھیلا کریں۔ جیسے عبداللہ بن ابی بن سلول سردار منافقین کا فعل تھا، اللہ تعالیٰ اسے رسوا کرے۔ ان کی حالت یہ ہے کہ اگر حکمت ربانی سے مسلمانوں کو دشمنوں کے مقابلے میں کامیابی نہ ہوئی، دشمن ان پر چھا گیا، انہیں =

❶ ۷۶/ الدهر:۱-۲۰۔ ❷ الطبرانی فی الكبير، ۱۳۵۹۵ وسنده ضعيف۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ﴿٧٦﴾

ع

ترجمہ: بھلا کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان ناتوانوں کے چھٹکارے کے لئے جہاد نہ کرو؟ جو مرد عورتیں اور ننھے ننھے بچے یوں دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے اور ہمارے لئے خود اپنے پاس سے حمایتی اور کارساز مقرر کر دے اور ہمارے لئے خاص اپنے پاس سے مددگار بنا۔[۷۵] جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کی راہ میں لڑتے ہیں پس تم شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو یقین مانو کہ شیطانی حیلہ بالکل بودا اور سخت کمزور ہے۔[۷۶]

= نقصان پہنچا' ان کے آدمی شہید ہوئے' تو یہ گھر بیٹھا پھولتا ہے اور اپنی دانائی پر اکڑتا ہے' اور اپنا اس جہاد میں شریک نہ ہونا اپنے حق میں اللہ تعالیٰ کا انعام گنتا ہے لیکن بے خبر یہ نہیں سمجھتا کہ جو اجر و ثواب ان مجاہدین کو ملا اس سب سے یہ بدنصیب یک لخت محروم رہا۔ اگر یہ ہوتا تو یہ غازی کا درجہ پاتا اور اپنے صبر کے ثواب سمیٹتا' یا شہادت کے بلند مرتبہ تک پہنچ جاتا۔ اور اگر مسلمان مجاہدین کو اللہ تعالیٰ کا فضل مل گیا یعنی یہ دشمنوں پر غالب آ گئے' ان کی فتح ہوئی' دشمنوں کو انہوں نے پامال کیا اور مال غنیمت لونڈی غلام لے کر خیر و عافیت' ظفر و نصرت کے ساتھ لوٹے تو اب یہ انگاروں پر لوٹتا ہے اور ایسے لمبے لمبے سانس لے کر ہائے وائے کرتا ہے اور اس طرح پچھتاتا ہے اور ایسے کلمات زبان سے نکالتا ہے گویا یہ کبھی تمہارا تھا ہی نہیں' گویا اس کا دین ہی اور ہے۔ کہتا ہے ہائے ہائے میں ان کے ساتھ نہ ہوا ورنہ مجھے بھی حصہ ملتا۔ لونڈی غلام والا مال متاع والا بن جاتا۔ الغرض دنیا ہی پر ریجھا ہوا اور اسی پر مٹا ہوا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکل کھڑے ہونے والے مؤمنوں کو چاہئے کہ ان سے جہاد کریں جو اپنے دین کو دنیا کے بدلے فروخت کئے دے رہے ہیں' اپنے کفر اور عدم ایمان کے باعث اپنی آخرت کو برباد کر کے دنیا بناتے ہیں۔ سنو! راہ اللہ کا مجاہد کبھی نقصان نہیں اٹھاتا اس کے دونوں ہاتھوں میں لڈو ہیں۔ قتل کیا گیا تو اجر موجود' غالب رہا تو ثواب حاضر۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کی راہ کے مجاہد کا ضامن خود اللہ تعالیٰ ہے' یا تو اسے فوت کر کے جنت میں پہنچائے گا یا جس جگہ سے وہ چلا ہے وہیں اجر و غنیمت کے ساتھ صحیح سالم واپس لائے گا۔'' (1) فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

مظلوم مسلمانوں کی مدد کیلئے جہاد فرض ہے: [آیت: ۷۵۔۷۶] اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو اپنی راہ کے جہاد کی رغبت دلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ وہ کمزور بے بس لوگ جو مکہ میں ہیں جن میں عورتیں اور بچے بھی ہیں جو وہاں کے قیام سے اکتا گئے ہیں جن پر کفار نت نئی آفتیں توڑ رہے ہیں جو محض بے بال و پر ہیں انہیں آزاد کراؤ' جو بے کس دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اس بستی یعنی مکہ سے ہمارا نکلنا ممکن =

(1) صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس، باب قول النبی ﷺ احلت لکم الغنائم، ۳۱۲۳؛ صحیح مسلم، ۱۸۷٦؛ نسائی، ۳۱۲٤۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٧٧﴾ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۭ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿٧٨﴾ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٧٩﴾

ترجمہ: کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں حکم کیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نمازیں پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ پھر جب ان لوگوں کو جہاد کا حکم دیا گیا اسی وقت ان کی ایک جماعت لوگوں سے اس قدر ڈرنے لگی جیسے اللہ تعالیٰ کا ڈر ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور کہنے لگے اے ہمارے رب تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا؟ کیوں ہمیں تھوڑی سی زندگی اور نہ جینے دی۔ تو کہہ دے کہ دنیا کی سودمندی تو بہت ہی کم ہے اور پرہیزگاروں کے لئے تو آخرت ہی بہتر ہے۔ تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ستم روا نہ رکھا جائے گا۔[۷۷] تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمہیں آ پکڑے گی گو تم مضبوط برجوں میں ہو۔ انہیں اگر کوئی بھلائی ملتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر انہیں کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہہ اٹھتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے۔ انہیں کہہ دو کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایک بات سمجھنے کے بھی قریب نہیں۔[۷۸] تجھے جو بھلائی ملتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تیرے اپنے نفس کی طرف سے ہے۔ ہم نے تجھے تمام لوگوں کو پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بس ہے سامنے دیکھتا۔[۷۹]

= ہو۔ مکہ شریف کو اس آیت میں بھی قریہ کہا گیا ہے ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ﴾ ❶ یعنی بہت سی بستیاں اس بستی سے کہیں زیادہ طاقت وقوت والی تھیں جس بستی سے یعنی بستی والوں نے تجھے نکالا۔ مکہ کے رہنے والے کافروں کے ظلم کی شکایت کر رہے ہیں اور ساتھ ہی اپنی دعاؤں میں کہتے ہیں کہ اے رب ہمارا ولی اور مددگار اپنے پاس سے مقرر کر۔ صحیح بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں اور میری والدہ بھی انہیں کمزوروں میں تھے ❷ اور روایت میں ہے کہ آپ نے ﴿اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ﴾ پڑھ کر فرمایا میں اور میری والدہ صاحبہ بھی انہیں لوگوں میں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے معذور رکھا ہے۔ ❸

❶ ٤٧/ محمد:١٣۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ﴿وما لكم لا تقاتلون......﴾ ٤٥٨٧۔
❸ صحیح بخاری، ایضا ٤٥٨٨۔

پھر فرماتا ہے ایماندار اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے اور اس کی رضا جوئی کے ماتحت جہاد کرتے ہیں اور کفار اطاعت شیطان میں لڑتے ہیں تو مسلمانوں کو چاہئے کہ شیطان کے دوستوں سے جو اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں دل کھول کر جنگ کریں' اور یقین مانیں کہ شیطان کے ہتھکنڈے' اس کے مکر و فریب سب نقش بر آب ہیں۔

جہاد سے جی نہ چراؤ: [آیت:۷۷۔۷۹] واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ ابتداء اسلام میں جب کہ مسلمان مکہ مکرمہ میں تھے کمزور تھے' کم تھے' حرمت والے شہر میں تھے کفار کا غلبہ تھا یہ انہی کے شہر میں تھے وہ بکثرت تھے جنگی اسباب میں ہر طرح فوقیت رکھتے تھے' اس لئے اس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد و قتال کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ ان سے فرمایا تھا کہ یہ کافروں کی ایذائیں سہتے چلے جائیں' ان کی مخالفت برداشت کریں' ان کے ظلم و ستم سہہ لیا کریں' جو احکام رب کے نازل ہو چکے ہیں ان پر عامل رہیں نمازیں ادا کرتے رہیں' زکوۃ دیتے رہا کریں۔ گو ان میں عموماً مال کی زیادتی بھی نہ تھی لیکن تاہم مسکینوں اور محتاجوں کے کام آنے کا اور ان کی ہمدردی کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ مصلحت خداوندی کا اقتضا یہ تھا کہ سردست یہ کفار سے نہ لڑیں بلکہ صبر و سہار سے کام لیں۔ ادھر کافر بڑی دلیری سے ان پر ستم کے پہاڑ توڑ رہے تھے ہر چھوٹے بڑے کو سخت سے سخت سزائیں دے رہے تھے مسلمانوں کے ناک میں دم کر رکھا تھا اسلئے ان کے دل میں رہ رہ کر جوش اٹھتا تھا اور زبان سے الفاظ نکل جاتے تھے کہ ان روزمرہ کی مصیبتوں سے تو یہی بہتر ہے کہ ایک مرتبہ دل کی بھڑاس نکل جائے' دو دو ہاتھ میدان میں ہو لیں کاش کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جہاد کا حکم دے دے' لیکن اب تک حکم نہ ہوا۔ جب انہیں ہجرت کی اجازت ملی اور مسلمان اپنی زمین' زر رشتہ' کنبہ اللہ تعالیٰ پر قربان کر کے اپنا دین لے کر مکہ مکرمہ سے بھاگ کھڑے ہوئے' مدینہ طیبہ پہنچے یہاں انہیں اللہ نے ہر طرح کی سہولت دی امن کی جگہ دی' امداد کے لئے انصار مدینہ مل گئے' تعداد میں کثرت ہو گئی' قوت طاقت قدرے بڑھ گئی تو اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملی کہ ہاں اپنے لڑنے والوں سے لڑو۔ جہاد کا حکم اترتے ہی بعض لوگ سٹ پٹائے خوف زدہ ہوئے' جہاد کا تصور کر کے میدان میں قتل کئے جانے کا منظر عورتوں کے رنڈاپے کا خیال بچوں کی یتیمی کا منظر آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ گھبراہٹ میں کہہ اٹھے کہ اے اللہ! ابھی سے جہاد کیوں فرض کر دیا کچھ تو مہلت دی ہوتی۔

اسی مضمون کو دوسری آیتوں میں اس طرح بیان کیا ہے۔ ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ لَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ﴾ [1] مختصر مطلب یہ ہے کہ ایماندار کہتے ہیں کوئی سورت کیوں نازل نہیں کی جاتی۔ جب کوئی سورت اتاری جاتی ہے اور اس میں جہاد کا ذکر ہوتا ہے تو بیمار دل لوگ چیخ اٹھتے ہیں اور ٹیڑھے تیوروں سے تجھے گھورتے ہیں اور موت کی غشی والوں کی طرح اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں' ان پر افسوس ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں اے نبی اللہ! ہم کفر کی حالت میں ذی عزت تھے آج اسلام کی حالت میں ذلیل سمجھے جانے لگے (مطلب یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم برداری ضروری ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقابلہ سے منع کرتے ہیں جس سے کفار کی جرأت بڑھ گئی ہے اور وہ ہمیں ذلیل کرنے لگے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں مقابلہ کی اجازت کیوں نہیں دیتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم یہی ہے کہ ہم درگزر کریں خبردار کافروں سے جنگ نہ کرنا۔ پھر جب مدینہ کی ہجرت ہوئی اور یہاں جہاد کے احکام نازل ہوئے تو لوگ رکنے لگے' اس پر یہ آیت اتری (نسائی' حاکم' ابن مردویہ)۔ [2]

---

[1] ٤٧/ محمد:٢٠۔ [2] نسائی، کتاب الجهاد، باب وجوب الجهاد، ٣٠٨٨، وسنده صحيح۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صرف صلوٰۃ وزکوٰۃ کا حکم ہی تھا تو تمنائیں کرتے تھے کہ جہاد فرض ہو جب فریضہ جہاد نازل ہوا تو کمزور دل لوگ انسانوں سے ایسا ڈرنے لگے جیسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگے اے رب! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا' کیوں ہمیں اپنی موت کے صحیح وقت تک فائدہ نہ اٹھانے دیا۔ انہیں جواب ملتا ہے کہ دنیوی نفع بالکل ناپائیدار اور ساتھ ہی بہت ہی کم ہے ہاں آخرت متقیوں کے لئے دنیا سے بہت ہی بہتر اور پاکیزہ تر ہے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت یہودیوں کے بارے میں اتری ہے۔ جواباً کہا گیا کہ پرہیز گاروں کا انجام آغاز سے بہت ہی اچھا ہے تمہیں تمہارے اعمال پورے پورے دیئے جائیں گے کامل اجر ملے گا ایک نیک عمل بھی غارت نہ کیا جائے گا ناممکن ہے کہ ایک بال برابر ظلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی پر کیا جائے۔ اس جملے میں انہیں دنیا سے بے رغبتی دلائی جارہی ہے اور آخرت کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے اور جہاد کی رغبت دی جارہی ہے۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جو دنیا کے ساتھ ایسا ہی رہے' ساری دنیا اول سے آخر تک اس طرح ہے جیسے کوئی سویا ہوا شخص اپنے خواب میں اپنی پسندیدہ چیز کو دیکھے لیکن آنکھ کھلتے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ کچھ نہ تھا۔ ابو مصہر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام کتنا پیارا ہے۔

وَلَا خَيْرَ فِي الدُّنْيَا لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ ... مِنَ اللّٰهِ فِي دَارِ الْمَقَامِ نَصِيْبٌ
فَإِنْ تُعْجِبِ الدُّنْيَا رِجَالًا فَإِنَّهَا ... مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَالزَّوَالُ قَرِيْبٌ

یعنی اس شخص کے لئے دنیا بھلائی سے یکسر خالی ہے جسے کل آخرت کا کوئی حصہ ملنے والا نہیں۔ گو دنیا کو دیکھ دیکھ کر بعض لوگ ریجھ رہے ہیں لیکن دراصل یہ یونہی سا فائدہ ہے اور وہ بھی بہت جلد فنا ہو جانے والا ہے۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ آخرش موت کا مزہ ہر ایک کو چکھنا ہی ہے کوئی ذریعہ کسی کو اس سے بچا نہیں سکتا' جیسے فرمان ہے ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ [1] جتنے یہاں ہیں سب فانی ہیں اور جگہ ارشاد ہے ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ [2] ہر ہر جاندار مرنے والا ہے۔ فرماتا ہے ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ﴾ [3] ''تجھ سے اگلے لوگوں میں سے بھی کسی کے لئے ہم نے ہمیشگی کی زندگی مقرر نہیں کی''۔

مقصد یہ ہے کہ خواہ کوئی جہاد کرے یا نہ کرے ذات اللہ تعالیٰ کے سوا موت کا مزہ تو ایک نہ ایک روز ہر کسی کو چکھنا پڑے گا۔ ہر ایک کا ایک وقت مقرر ہے اور ہر ایک کی موت کی جگہ بھی معین ہے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس وقت جب کہ آپ بستر مرگ پر ہیں فرماتے ہیں قسم اللہ کی فلاں فلاں جگہ غرض بیسیوں لڑائیوں میں سینکڑوں معرکوں میں میں گیا ثابت قدمی پامردی کے ساتھ دلیرانہ جہاد کئے آؤ دیکھ لو میرے جسم کا کوئی عضو ایسا نہ پاؤ گے جہاں کوئی نشان نیزے یا برچھے تیر یا بھالے کا تلوار اور ہتھیار کا نہ ہو لیکن چونکہ میدان جنگ میں موت نہ لکھی تھی اب دیکھو اپنے بستر ے پر اپنی موت مر رہا ہوں' کہاں ہیں لڑائی سے جی چرانے والے نامرد میری ذات سے سبق سیکھیں۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

موت ایک اٹل حقیقت ہے: پھر فرمایا ہے کہ موت کے پنجے سے بلند و بالا مضبوط اور محفوظ قلعے اور محل بھی بچا نہیں سکتے۔ بعضوں نے کہا ہے مراد اس سے آسمان کے برج ہیں' لیکن یہ قول ضعیف ہے صحیح یہی ہے کہ مراد محفوظ مقامات ہیں یعنی کتنی ہی حفاظت موت سے کی جائے لیکن وہ اپنے وقت سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔ زہیر کا شعر ہے کہ موت سے بھاگنے والا گو زینہ لگا کر اسباب آسمانی بھی

[1] ۵۵/ الرحمٰن:۲۶۔ [2] ۳/ آل عمران:۱۸۵۔ [3] ۲۱/ الانبیآء:۳۴۔

جمع کر لے تاہم اسے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔

ایک قول ہے۔ مُشَيَّدَةٌ بتشدید اور مَشِيْد بغیر تشدید ایک ہی معنی میں ہیں اور بعض ان دونوں میں فرق کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ اوّل کا معنی مطول دوسرے کا معنی مزین یعنی چونے سے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں اس موقعہ پر ایک مطول قصہ بزبان حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ مروی ہے [1] کہ اگلے زمانے میں ایک عورت حاملہ تھی جب اسے درد ہونے لگے اور بچی تولد ہوئی تو اس نے اپنے ملازم سے کہا کہ جاؤ کہیں سے آگ لے آؤ۔ وہ باہر نکلا تو دیکھا کہ دروازے پر ایک شخص کھڑا ہے پوچھتا ہے کہ کیا ہوا لڑکی یا لڑکا۔ اس نے کہا لڑکی ہوئی ہے۔ کہا سن یہ لڑکی ایک سو آدمیوں سے زنا کرائے گی پھر اس کے ہاں اب جو شخص ملازم ہے اسی سے اسکا نکاح ہوگا اور ایک مکڑی اس کی موت کا باعث بنے گی۔ یہ شخص یہیں سے پلٹ آیا اور آتے ہی ایک تیز چھری لے کر اس لڑکی کے پیٹ کو چیر ڈالا اور اسے مردہ سمجھ کر وہاں سے بھاگ نکلا۔ اس کی ماں نے یہ حال دیکھ کر اپنی بچی کے پیٹ میں ٹانکے دیئے اور علاج معالجہ شروع کیا جس سے اس کا زخم بھر گیا اب ایک زمانہ گزر گیا ادھر یہ لڑکی بلوغت کو پہنچ گئی اور تھی بھی اچھی شکل صورت کی' بدچلنی میں پڑ گئی' ادھر وہ ملازم سمندر کے راستے کہیں چلا گیا کام کاج شروع کیا اور بہت رقم پیدا کی کل مال سمیٹ کر بہت مدت بعد یہ پھر اسی اپنے گاؤں میں آ گیا اور ایک بڑھیا عورت کو بلا کر کہا کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں گاؤں میں جو بہت خوبصورت عورت ہو اس سے میرا نکاح کرا دو۔ یہ عورت گئی اور چونکہ شہر بھر میں اس لڑکی سے زیادہ خوش شکل کوئی عورت نہ تھی یہیں پیغام ڈالا' منظور ہو گیا نکاح بھی ہو گیا اور وداع ہو کر یہ اس کے یہاں آ بھی گئی' دونوں میاں بیوی میں بہت محبت ہو گئی۔

ایک دن ذکر اذکار میں اس عورت نے اس سے پوچھا آخر آپ کون ہیں کہاں سے آئے ہیں یہاں کیسے آ گئے وغیرہ۔ اس نے اپنا تمام ماجرا بیان کر دیا کہ میں یہاں ایک عورت کے ہاں ملازم تھا وہاں سے اسکی لڑکی کے ساتھ یہ حرکت کر کے بھاگ گیا تھا اب اتنے برسوں کے بعد یہاں آیا ہوں' تو اس لڑکی نے کہا جس کا پیٹ چیر کر تم بھاگے تھے میں وہی ہوں یہ کہہ کر اپنے اس زخم کا نشان بھی اسے دکھایا تب تو اسے یقین آ گیا اور کہنے لگا جب تو وہی ہے تو ایک بات تیری نسبت مجھے اور بھی معلوم ہے وہ یہ کہ تو ایک سو آدمیوں سے مجھ سے پہلے مل چکی ہے۔ اس نے کہا ٹھیک ہے یہ کام تو مجھ سے ہوا ہے لیکن گنتی یاد نہیں۔

اس نے کہا کہ مجھے تیری نسبت ایک اور بات بھی معلوم ہے وہ یہ کہ تیری موت کا سبب ایک مکڑی بنے گی' خیر چونکہ مجھے تجھ سے بہت زیادہ محبت ہے میں تیرے لئے ایک بلند و بالا پختہ اور اعلیٰ محل تعمیر کرا دیتا ہوں اسی میں تو رہ تا کہ وہاں تک ایسے کیڑے مکوڑے پہنچ ہی نہ سکیں چنانچہ ایسا ہی محل تیار ہوا اور یہ وہاں رہنے سہنے لگی۔

ایک مدت کے بعد ایک روز دونوں میاں بیوی بیٹھے تھے کہ اچانک چھت پر ایک مکڑی دکھائی دی۔ اسے دیکھتے ہی اس شخص نے کہا دیکھو آج یہاں مکڑی دکھائی دی۔ عورت بولی اچھا یہ میری جان لیوا ہے؟ جب ہی سہی کہ میں اس کی جان لوں۔ غلاموں کو حکم دیا کہ اسے زندہ پکڑ کر میرے سامنے لاؤ۔ وہ پکڑ کر لائے' اس نے زمین پر رکھ کر اپنے پیر کے انگوٹھے سے اسے مل ڈالا اس کی جان نکل گئی' اس میں سے پیپ جو نکلا اس کا ایک آدھ قطرہ اس کے انگوٹھے کے ناخن اور گوشت کے درمیان اڑ کر پڑا اس کا زہر چڑھا پیر سیاہ پڑ گیا اور اسی میں آخر مر گئی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر جب باغی چڑھ دوڑے تو آپ رضی اللہ عنہ نے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر خواہی اور ان کے اتفاق کی دعا کے

---

[1] یہ اثر اسرائیلیات سے ہے۔ واللہ اعلم۔

بعد دو شعر پڑھے جن کا مطلب بھی یہی ہے کہ موت کو ٹالنے والی کوئی چیز اور کوئی حیلہ کوئی قوت اور کوئی چالاکی نہیں۔

حضر کے بادشاہ ساطرون کو کسریٰ سابور ذوالاکتاف نے جو قتل کیا وہ واقعہ بھی ہم یہاں لکھتے ہیں۔ ابن ہشام میں ہے جب سابور عراق میں تھا تو اس کے علاقہ پر ساطرون نے چڑھائی کی تھی اس کے بدلے میں اس نے جب چڑھائی کی تو یہ قلعہ بند ہو گیا۔ دو سال تک محاصرہ رہا لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا۔

ایک روز ساطرون کی بیٹی نضیرہ اپنے باپ کے قلعہ کا گشت لگا رہی تھی جو اچانک اس کی نظر سابور پر پڑ گئی۔ یہ اس وقت شاہانہ پر تکلف ریشمی لباس میں تاج شاہی سر پر رکھے ہوئے تھا۔ نضیرہ کے دل میں آیا کہ اس سے میری شادی ہو جائے تو کیا ہی اچھا ہو، چنانچہ اس نے خفیہ پیغام بھیجنے شروع کئے اور وعدہ ہو گیا کہ اگر یہ لڑکی اس قلعہ پر سابور کا قبضہ کرا دے تو سابور اس سے اپنا نکاح کر لے گا۔ اسکا باپ ساطرون بڑا شرابی تھا ساری رات اس کی نشہ میں کٹتی تھی۔ اس کی لڑکی نے موقعہ پا کر رات کو اپنے باپ کو نشہ میں مدہوش دیکھ کر اس کے سرہانے سے قلعہ کے دروازے کی کنجیاں چپکے سے نکال لیں اور اپنے ایک بھروسے دار غلام کے ساتھ سابور تک پہنچا دیں۔ جس سے اس نے دروازہ کھول لیا اور شہر میں قتل عام کرایا اور قابض ہو گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس قلعہ میں ایک جادو تھا جب تک اس طلسم کو توڑا نہ جائے قلعہ کا فتح ہونا ناممکن تھا اس لڑکی نے اس کے توڑنے کا طریقہ اسے بتلا دیا کہ ایک چتکبرا کبوتر لے کر اس کے پاؤں کسی باکرہ کے پہلے حیض کے خون سے رنگ لو پھر اس کبوتر کو چھوڑ دو وہ جا کر اس قلعہ کی دیوار پر بیٹھے فوراً وہ طلسم ٹوٹ جائے گا اور قلعہ کا پھاٹک کھل جائے گا۔

چنانچہ سابور نے یہی کیا اور قلعہ فتح کر کے ساطرون کو قتل کر ڈالا تمام لوگوں کو تہہ تیغ کیا اور سارے شہر کو اجاڑ دیا اور اس لڑکی کو اپنے ہمراہ لے گیا اور اس سے نکاح کر لیا۔ ایک رات جب کہ یہ لڑکی نضیرہ اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی اسے نیند نہیں آ رہی تھی تلملا رہی تھی اور بے چینی سے کروٹیں بدل رہی تھی تو سابور نے پوچھا کیا بات ہے۔ اس نے کہا شاید بستر میں کچھ ہے جس سے مجھے نیند نہیں آ رہی۔ شمع جلائی گئی بستر ٹٹولا گیا تو گل آس کی ایک پتی نکلی۔ سابور اس نزاکت پر حیران رہ گیا کہ ایک اتنی چھوٹی سی پتی بستر میں ہونے کی بنا پر اسے نیند نہیں آئی۔ پوچھا کہ تیرے والد کے ہاں تیرے لئے کیا ہوتا تھا۔ اس نے کہا صرف نرم ریشم کا بستر تھا صرف باریک نرم ریشمی لباس تھا صرف نلیوں کا گودا کھایا کرتی تھی اور صرف انگوری خالص شراب پیتی تھی یہ انتظام میرے باپ نے میرے لئے کر رکھا تھا۔ یہ تھی بھی ایسی کہ اس کی پنڈلی کا گودا تک باہر سے نظر آتا تھا۔

ان باتوں نے سابور پر ایک اور رنگ چڑھا دیا اور اس نے کہا جس باپ نے تجھے اس طرح پالا پوسا اس کے ساتھ تو نے یہ سلوک کیا کہ میرے ہاتھوں اسے قتل کرایا اس کے ملک کو تاخت و تاراج کرایا پھر مجھے تجھ سے کیا امید رکھنی چاہیے۔ اللہ جانے میرے ساتھ تو کیا کرے، اسی وقت حکم دیا کہ اس کے سر کے بال گھوڑے سے باندھ دیئے جائیں اور گھوڑے کو بے لگام چھوڑ دیا جائے چنانچہ یہی ہوا گھوڑا ابدکا بھاگا اچھلنے کودنے لگا اور اس کی ٹاپوں سے زمین پر پچھاڑیں کھاتے ہوئے اس کے جسم کا چورا چورا ہو گیا۔ چنانچہ اس واقعہ کو عرب شعراء نے نظم بھی کیا ہے۔

پھر فرماتا ہے اگر انہیں ترسالی پھلواری اولاد و کھیتی ہاتھ لگے تو کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر قحط سالی پڑے تنگ روزی موت اور کمی اولاد و مال کی اور کھیت اور باغ کی ہو تو جھٹ سے کہہ اٹھتے ہیں کہ یہ نتیجہ ہے نبی کی تابعداری کا یہ فائدہ ہے مسلمان ہونے کا یہ پھل ہے دیندار بننے کا۔ فرعونی بھی اسی طرح برائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مسلمانوں کی طرف سے بدشگونی لیا کرتے تھے۔

جیسے کہ قرآن نے اور جگہ اس کا ذکر کیا ہے ایک آیت میں ہے ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ﴾ ❶ یعنی بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ایک کنارے کھڑے رہ کر عبادت الٰہی کرتے ہیں یعنی اگر بھلائی ملی تو باچھیں کھل جاتی ہیں اور اگر برائی پہنچے تو الٹے پیروں سرک جاتے ہیں یہ ہیں جو دونوں جہان میں برباد ہوں گے۔ پس یہاں بھی ان منافقوں کی جو بظاہر مسلمان ہیں اور پیٹ کے کھوٹے ہیں برائی بیان ہو رہی ہے کہ جہاں کچھ نقصان ہوا اور مچل گئے کہ یہ تو اسلام کی وجہ سے ہمیں نقصان ہوا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ﴿حَسَنَة﴾ سے مراد یہاں بارشوں کا ہونا، جانوروں میں زیادتی ہونا، بال بچے بکثرت ہونا، خوشحالی میسر آنا وغیرہ ہے۔ اگر یہ ہوتا تو کہتے کہ یہ سب من جانب اللہ ہے اور اگر اس کے خلاف ہوتا ہے تو اس بے برکتی کا باعث رسول اللہ ﷺ کو بتاتے اور کہتے یہ سب تیری طرف سے ہے۔ یعنی ہم نے اپنے بڑوں کی راہ چھوڑ دی اور اس نبی ﷺ کی تابعداری اختیار کی اس لئے اس مصیبت میں پھنس گئے اور اس بلا میں پڑ گئے۔ پس پروردگار انکے ناپاک قول اور اس پلید عقیدے کی تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس کی قضا و قدر ہر بھلے برے فاسق فاجر نیک و بد مؤمن کافر پر جاری ہے۔ بھلائی برائی سب اس کی طرف سے ہے۔

پھر ان کے اس قول کی جو محض شک و شبہ کم علمی بے وقوفی، جہالت، اور ظلم کی بنا پر ہے تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے انہیں کیا ہو گیا جو بات سمجھنے کی قابلیت بھی ان میں سے جاتی رہی۔ ایک غریب حدیث جو ﴿كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ کے متعلق ہے اسے بھی سنئے۔

بزار میں ہے ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے تھے کہ کچھ لوگوں کے ہمراہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما آئے ان دونوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں اور حضور ﷺ کے قریب آ کر دونوں صاحب بیٹھ گئے تو حضور ﷺ نے دریافت کیا ''تیز تیز گفتگو کیا ہو رہی تھی۔'' ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ (حضرت) ابوبکر رضی اللہ عنہ تو کہہ رہے تھے نیکیاں اور بھلائیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور برائیاں اور بدیاں ہماری طرف سے ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا ''تم کیا کہہ رہے تھے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں کہہ رہا تھا کہ دونوں باتیں اللہ کی طرف سے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''یہی بحث اول حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل علیہما السلام میں ہوئی تھی میکائیل علیہ السلام وہی کہتے تھے جو ابوبکر کہہ رہے ہیں اور جبرائیل علیہ السلام وہ کہہ رہے تھے جو اے عمر تم کہہ رہے ہو پس آسمان والوں میں ہی جب کہ اختلاف ہو تو زمین والوں میں تو ہونا ہی تھا، آخر (حضرت) اسرافیل علیہ السلام کی طرف فیصلہ گیا اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ حسنات اور سیئات دونوں اللہ کی طرف سے ہیں۔''

پھر آپ ﷺ نے دونوں بزرگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ''میرا فیصلہ سنو اور یاد رکھو اگر اللہ تعالیٰ اپنی نافرمانی کی جانے کو نہ چاہتا تو ابلیس کو پیدا ہی نہ کرتا'' لیکن شیخ الاسلام امام تقی الدین ابو العباس حضرت ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ یہ حدیث موضوع ہے اور تمام ان محدثین کا جو حدیث کی پرکھ رکھتے ہیں اتفاق ہے کہ یہ روایت گھڑی ہوئی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے خطاب کر کے فرماتا ہے اور مراد عموم ہے یعنی سب سے ہی خطاب ہے کہ تمہیں جو بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فضل لطف رحمت ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ خود تمہاری طرف سے تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے، جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ﴾ ❷ یعنی جو مصیبت تمہیں پہنچتی ہے۔ وہ تمہارے بعض =

❶ ٢٢/ الحج: ١١۔ ❷ ٤٢/ الشورىٰ: ٣٠۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾

ترجمہ: اس رسول کی جو اطاعت کرے اسی نے اللہ کی فرمانبرداری کی اور جو منہ پھیر لے تو ہم نے تجھے کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔[۸۰] یہ کہتے تو ہیں کہ اطاعت ہے پھر جب آپ کے پاس سے اٹھ کر باہر نکلتے ہیں تو ان میں کی ایک جماعت جو کہہ گئی ہے اس کے خلاف راتوں کو مشورے کرتی ہے' ان کی راتوں کی بات چیت اللہ تعالیٰ لکھ رہا ہے۔ تو ان کی طرف التفات بھی نہ کر اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھ اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے۔[۸۱]

= اعمال کی وجہ سے ہے اور ابھی تو اللہ تعالیٰ بہت سی بداعمالیوں سے درگزر فرماتا رہتا ہے۔

﴿فَمِنْ نَّفْسِكَ﴾ سے مراد بسبب گناہ ہے' یعنی شامت اعمال۔ آنحضرت ﷺ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "جس شخص کا ذرا سا جسم کسی لکڑی سے چھل جائے یا اس کا قدم پھسل جائے یا اسے ذرا سی محنت کرنی پڑے جسے پسینہ آ جائے وہ بھی کسی نہ کسی گناہ پر ہوتا ہے اور ابھی تو اللہ تعالیٰ جن گناہوں سے چشم پوشی فرماتا ہے۔ جنہیں معاف کر دیتا ہے۔ وہ بہت سارے ہیں۔" ❶ اس مرسل حدیث کا مضمون ایک متصل صحیح حدیث میں بھی ہے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ایماندار کو غم و رنج تکلیف و مشقت پہنچتی ہے۔ یہاں تک کہ جو کانٹا بھی لگتا ہے اس کی وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ اس کی خطاؤں کا کفارہ کر دیتا ہے۔ ❷ ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ جو برائی تجھے پہنچتی ہے۔ اس کا باعث تیرا گناہ ہے ہاں اسے مقدر کرنے والا اللہ تعالیٰ خود آپ ہے۔

حضرت مطرف بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تم تقدیر کے بارے میں کیا چاہتے ہو' کیا تمہیں سورہ نساء کی یہ آیت کافی نہیں۔ پھر اس آیت کو پڑھ کر فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سونپ نہیں دیئے گئے۔ انہیں حکم دیئے گئے ہیں اسی کی طرف وہ لوٹتے ہیں۔ یہ قول بہت قوی اور مضبوط ہے۔ قدریہ اور جبریہ کی پوری تردید کرتا ہے تفسیر اس بحث کا موضوع نہیں۔ پھر فرماتا ہے تیرا کام اے نبی ﷺ! شریعت کی تبلیغ کرنا ہے اسکی رضامندی اور ناراضگی کے کام کو اس کے احکام اور اس کی ممانعت کو لوگوں تک پہنچا دینا ہے' اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے اس نے تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

اسی طرح اسی کی گواہی اس امر پر بھی کافی ہے کہ تو نے تبلیغ کر دی تیرے ان کے درمیان جو ہو رہا ہے اسے بھی وہ مشاہدہ کر رہا ہے۔ یہ جس طرح عناد اور تکبر تیرے ساتھ برتتے ہیں اسے بھی وہ دیکھ رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے: [آیت: ۸۰۔۸۱] اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کہ میرے بندے اور رسول (حضرت) محمد ﷺ کا اطاعت گزار صحیح معنی میں میرا اطاعت گزار ہے۔ آپ ﷺ کا نافرمان میرا نافرمان ہے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے' جو فرماتے ہیں وہ وہی ہوتا ہے جو میری طرف سے وحی کیا جاتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں "جو میری ماننے والا ہے اللہ کی ماننے والا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جس نے امیر کی اطاعت کی =

---

❶ الطبری، ۹۹۷۵، یہ روایت مرسل یعنی ضعیف ہے۔

❷ صحیح بخاری، کتاب المرضیٰ، باب ما جاء فی کفارۃ المرض، ۵٦٤١؛ صحیح مسلم، ۲۵۷۳۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَا جَاۗءَھُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْھُمْ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾

ترجمہ: کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے۔[۸۲] جہاں انہیں کوئی خبر امن کی یا خوف کی ملی کہ انہوں نے اسے مشہور کرنا شروع کیا۔ اگر یہ لوگ اسے رسول ﷺ کے اور اپنے میں سے ایسی باتوں کی تہہ تک پہنچنے والوں کے حوالے کر دیتے تو اس کی حقیقت وہ لوگ معلوم کر لیتے جو تحقیق کا مادہ رکھتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو معدودے چند کے علاوہ تم سب شیطان کے پیروکار بن جاتے۔[۸۳]

=اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی یہ حدیث بخاری و مسلم میں ثابت ہے۔'' ❶

پھر فرماتا ہے جو منہ موڑ کر بیٹھ رہے تو اس کا گناہ اے نبی! آپ پر نہیں۔ آپ ﷺ کا ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے۔ جو نیک نصیب مان لیں گے نجات اور اجر حاصل کر لیں گے ہاں ان کی نیکیوں کا ثواب آپ ﷺ کو بھی ہوگا کیونکہ دراصل اس راہ کے راہبر اس نیکی کے معلم آپ ﷺ ہیں' اور جو نہ مانے نہ عمل کریں تو نقصان اٹھائے گا' بدنصیب بنے گا اپنے بوجھوں آپ مرے گا اس کا گناہ آپ پر نہیں۔ اس لئے کہ آپ ﷺ نے سمجھانے بجھانے راہ حق دکھانے میں کوئی کمی نہیں کی۔ حدیث میں ہے ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والا رشد و ہدایت والا ہے اور اللہ و رسول ﷺ کا نافرمان اپنے ہی نفس کو ضرر و نقصان پہنچانے والا ہے۔'' ❷

پھر منافقوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ ظاہری طور پر تو اطاعت کا اقرار موافقت کا اظہار ہے۔ لیکن جہاں نظروں سے دور ہوئے یہاں سے ہٹ کر اپنی جگہ پہنچے کہ ایسے ہو گئے گویا ان تلوں میں تیل ہی نہ تھا۔ جو کچھ یہاں کہا تھا اس کے بالکل برعکس راتوں کو چپ چپاتے سرگوشیاں کرنے بیٹھ گئے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کی ان پوشیدگیوں چالاکیوں اور چالوں کو بخوبی جانتا ہے اس کے مقرر کردہ زمین کے فرشتے ان سب کرتوتوں اور ان تمام باتوں کو اس کے حکم سے ان کے نامہ اعمال میں لکھ رہے ہیں۔ پس انہیں ڈانٹا جا رہا ہے کہ یہ کیا بیہودہ حرکت ہے؟ اس سے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اس سے تمہاری کوئی بات چھپ سکتی ہے؟ جو تم ظاہر باطن یکساں نہیں رکھتے' ظاہر باطن کا جاننے والا تمہیں تمہاری اس بیہودہ حرکت پر سخت سزا دے گا۔

اور آیت میں بھی منافقوں کی اس خصلت کا بیان ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ ﴿وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا﴾ ❸

❶ صحيح بخاری، كتاب الأحكام، باب قول الله ﴿اطيعوا الله واطيعوا الرسول﴾ ۷۱۳۷؛ صحيح مسلم، ۱۸۳۵، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ۔ ❷ ابوداود، كتاب الصلاة، باب الرجل يخطب على قوس، ۱۰۹۷ وسنده ضعيف؛ قتادہ مدلس اور ابو عیاض مجہول راوی ہے۔ ❸ ۲۴/ النور:۴۷۔

پھر اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے درگزر کیجئے برد باری برتیئے ان کی خطا معاف کیجئے ان کا حال ان کے نام سے دوسروں کو نہ کہئے' ان سے بالکل بے خوف رہئے' اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے جو اس پر بھروسہ کرے جو اس کی طرف رجوع کرے اسے وہ کافی وافی ہے۔

قرآن حکیم کی آیات تعارض سے پاک ہیں: [آیت:۸۲-۸۳] اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ قرآن کو غور' فکر' تامل وتدبر سے پڑھیں' اس سے اعراض نہ کریں بے پرواہی نہ برتیں اس کے مضبوط مضمون اس کے حکمت بھرے احکام اس کے فصیح وبلیغ الفاظ کو سوچیں۔ ساتھ ہی خبر دیتا ہے کہ یہ پاک کتاب اختلاف اضطراب تعارض اور تضاد سے پاک ہے اس لئے کہ حکیم وحمید اللہ کا کلام ہے' وہ خود حق ہے اور اسی طرح اس کا کلام بھی سراسر حق ہے۔ چنانچہ اور جگہ فرماتا ہے۔ ﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ [1] یہ لوگ کیوں قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے' کیا ان کے دلوں پر سنگین قفل لگ گئے ہیں۔ پھر فرماتا ہے اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل شدہ نہ ہوتا جیسے کہ مشرکین کا اور منافقین کا زعم ہے اگر یہ فی الواقع کسی کا اپنی طرف سے گھڑا ہوا ہوتا کوئی اور اس کا قائل ہوتا تو ضروری بات تھی کہ اس میں لوگوں کو اختلاف ملتا' یعنی ناممکن ہے کہ انسانی کلام اضطراب وتضاد سے سالم ہو' پھر تو یہ ہوتا کہ کہیں کچھ پاتے اور کہیں کچھ اور یہاں ایک بات کہی آگے جا کر اس کے خلاف بھی کہہ گئے۔ پس اس پاک کتاب کا ایسی متضاد باتوں سے بچا ہوا ہونا صاف دلیل ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اور جگہ پختہ عالموں کا قول بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ یعنی محکم اور متشابہ سب حق ہے اسی لئے متشابہ کو محکم کی طرف لوٹا دیتے ہیں اور ہدایت پالیتے ہیں۔ اور جن کے دلوں میں کجی ہے وہ محکم کو متشابہ کی طرف لوٹا کر گمراہ ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اول قسم والوں کی تعریف کی اور دوسری قسم کے لوگوں کی برائی بیان کی گئی ہے۔ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ والی حدیث میں ہے کہ میں اور میرے بھائی ایک ایسی مجلس میں بیٹھے کہ سرخ اونٹوں کا مل جانا بھی اس کے پاسنگ میں بھی نہیں۔ ہم دونوں آئے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر چند بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم کھڑے ہوئے ہیں ہم ادب کے ساتھ ایک طرف بیٹھ گئے' ان میں قرآن کریم کی کسی آیت کی بابت مذاکرہ ہو رہا تھا۔ اور کچھ اختلاف تھا آخر بات بڑھ گئی۔ اور زور زور سے آپس میں بات چیت ہونے لگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے سن کر سخت غضبناک ہو کر باہر تشریف لائے۔ چہرہ مبارک سرخ ہو رہا تھا' ان پر مٹی ڈالنے لگے اور فرمانے لگے ''بس خاموش رہو تم سے اگلی امتیں اسی باعث تباہ ہو گئیں کہ انہوں نے اپنے انبیا پر اختلاف کیا اور کتاب اللہ کی ایک آیت کو دوسری آیت کے خلاف بتلا دیا' یاد رکھو قرآن کی کوئی آیت دوسری آیت کے خلاف اسے جھٹلانے والی نہیں بلکہ قرآن کی ایک ایک آیت دوسری کی تصدیق کرتی ہے تم جیسے جان لو عمل کرو جسے نہ معلوم کر سکو اسے اس کے جاننے والے کے لئے چھوڑ دو۔ [2] اور روایت میں ہے۔ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم تقدیر کے بارے میں مباحثہ کر رہے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ کاش میں اس مجلس میں نہ بیٹھتا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں دوپہر کے وقت حاضر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوا میں بیٹھا ہی ہوں جو ایک آیت کے بارے میں دو شخصوں کے درمیان اختلاف ہوا اور آوازیں اونچی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلی امتوں کی ہلاکت کا باعث صرف ان کا کتاب اللہ میں اختلاف کرنا ہی تھا۔ (مسند احمد)۔ [3]

---

[1] ٤٧/ محمد:٢٤۔ [2] أحمد، ٢/ ١٨١، وسنده حسن۔

[3] أحمد، ٢/ ١٧٨، ابن ماجه في المقدمة باب في القدر، ٨٥ وسنده حسن۔

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿٨٤﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿٨٥﴾ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿٨٦﴾ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿٨٧﴾

النصف ع ۸

ترجمہ: تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا رہ تجھے صرف تیری ذات کی نسبت حکم دیا جاتا ہے ہاں! ایمان والوں کو رغبت دلاتا رہ، بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی جنگ کو روک دے اللہ تعالیٰ سخت لڑائی والا ہے اور سزا دینے میں بھی سخت ہے۔[۸۴] جو شخص کسی نیکی اور بھلے کام کی سفارش کرے اسے بھی اس کا کچھ حصہ ملے گا۔ اور جو برائی اور بدی کی سفارش کرے اس کے لئے بھی اس میں سے ایک حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔[۸۵] اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا ان ہی الفاظ کو لوٹا دو۔ بے شبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔[۸۶] اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تم سب کو یقیناً قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات والا اور کون ہوگا؟[۸۷]

افواہوں کے متعلق ایک اہم اصول: پھر ان جلد بازلوگوں کو روکا جا رہا ہے۔ جو کسی امن کی یا خوف کی خبر پاتے ہی بے تحقیق اسے ادھر سے ادھر تک پہنچا دیتے ہیں حالانکہ ممکن ہے وہ بالکل ہی غلط ہو۔ صحیح مسلم شریف کے مقدمہ میں حدیث ہے کہ ''انسان کو یہی جھوٹ کافی ہے کہ جو سنے اس کو بیان کرنے لگ جائے۔'' ابوداؤد میں بھی یہ روایت ہے۔ ❶

بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قیل وقال سے منع فرمایا ❷ یعنی سنی سنائی باتیں بیان کرنے سے جن کی تحقیق اچھی طرح سے نہ کی ہو۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے ''انسان کا یہ برا فعل ہے کہ یوں کہتا پھرے لوگوں نے یہ خیال کیا یہ کہا۔'' ❸ اور صحیح حدیث میں ہے ''جو شخص کوئی بات بیان کرے اور وہ گمان کرتا ہو کہ یہ غلط ہے وہ بھی جھوٹوں میں کا ایک جھوٹا ہے۔'' ❹ یہاں پر ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی روایت کا وارد کرنا بھی مناسب جانتے ہیں کہ جب انہیں یہ خبر پہنچی کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے تو آپ ﷺ اپنے گھر سے چلے مسجد میں آئے یہاں بھی لوگوں کو یہ کہتے سنا تو بذات خود رسول کریم ﷺ کے پاس پہنچے اور خود آپ سے دریافت کیا کہ کیا یہ سچ ہے کہ آپ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دے دی؟ آپ ﷺ نے فرمایا=

❶ صحیح مسلم فی المقدمة، باب النهي عن الحديث بكل ما سمع، ۷؛ ابوداود، ٤٩٩٢۔

❷ صحیح بخاری، كتاب الرقاق، باب ما يكره من قيل وقال، ٦٤٧٣؛ صحيح مسلم، ١٧١٥۔

❸ ابوداود، كتاب الأدب، باب في قول الرجل زعموا، ٤٩٧٢ وهو صحيح۔

❹ صحيح مسلم في المقدمة، باب وجوب الرواية عن الثقات، ١؛ ابن ماجه، ٣٩۔

= ''غلط ہے'' چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کی۔ ❶ صحیح مسلم میں ہے کہ پھر آپ رضی اللہ عنہ آئے اور مسجد کے دروازے پر کھڑے رہ کر بآواز بلند فرمایا لوگو! رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی۔ اسی پر یہ آیت نازل ہوئی۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ ہیں جنہوں نے اس معاملہ کی تحقیق کی۔ ❷

علمی اصطلاح میں استنباط کہتے ہیں کسی چیز کو اس کے ٹھکانے اور مخزن سے نکالنے کو مثلاً جب کوئی شخص کسی کان کو کھود کر اس کے نیچے سے کوئی چیز نکالے تو عرب کہتے ہیں استنبط الرجل پھر فرماتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحم تم پر نہ ہوتا تو تم سب کے سب بجز کامل ایماندار لوگوں کے شیطان کے تابعدار بن جاتے۔ ایسے موقعوں پر یہ بھی معنی ہوتے ہیں کہ تم کل کے کل، چنانچہ عرب کے ایسے شعر بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی مدد مجاہدین کے شامل حال ہے: [آیت: ۸۴۔۸۷] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہو رہا ہے کہ خود اپنی ذات سے راہ اللہ میں جہاد کریں اگر چہ کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ دے۔ ابو اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے دریافت فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان تنہا اکیلا ہو اور دشمن ایک سو ہوں تو کیا وہ ان سے جہاد کرے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ تو کہا پھر قرآن کی اس آیت سے تو منع ثابت ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ تو حضرت براء رضی اللہ عنہ نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑ تجھے فقط تیرے نفس کی تکلیف دی جاتی ہے اور حکم دیا جاتا ہے کہ مؤمنوں کو بھی ترغیب دیتا رہ (ابن ابی حاتم)۔ مسند احمد میں اتنا اور بھی ہے کہ ''مشرکین پر تنہا حملہ کرنے والا ہلاکت کی طرف بڑھنے والا نہیں بلکہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے رکنے والا ہے۔'' ❸ اور روایت میں ہے کہ جب یہ آیت اتری تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا مجھے میرے رب نے جہاد کا حکم دیا ہے پس تم بھی جہاد کرو۔ ❹ یہ حدیث غریب ہے۔ پھر فرماتا ہے مؤمنوں کو دلیری دلا اور انہیں جہاد کی رغبت دلا۔ چنانچہ بدر والے دن میدان جہاد میں مسلمانوں کی صفیں درست کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اٹھ کھڑے ہو اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان و زمین ہے۔ ❺ جہاد کی ترغیب کی بہت سی حدیثیں ہیں' بخاری میں ہے' جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے نماز قائم کرے زکوٰۃ دیتا رہے رمضان کے روزے رکھے اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی ہو یا جہاں پیدا ہوا ہے وہیں ٹھہرا رہا ہو۔'' لوگوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم! کیا لوگوں کو اس کی خوشخبری ہم نہ دے دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو' جنت میں سو درجے ہیں جن میں سے ایک ایک درجے میں اس قدر بلندی ہے جتنی زمین و آسمان میں یہ درجے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے تیار کئے ہیں جو اس کی راہ میں جہاد کریں' پس جب تم اللہ تعالیٰ سے جنت مانگو تو جنت الفردوس طلب کرو وہ بہترین جنت ہے اور سب سے اعلیٰ ہے اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی سب نہریں جاری ہوتی ہیں۔'' ❻ مسلم کی حدیث میں ہے' جو شخص اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر اسلام کے دین ہونے پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول و نبی ہونے پر راضی ہو جائے اس کے لئے جنت واجب ہے۔'' حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ اسے سن کر خوش ہو کر کہنے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم! دوبارہ ارشاد ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ اسی کو بیان فرما کر کہا ایک اور عمل ہے جس کے باعث اللہ تعالیٰ اپنے بندے

---

❶ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب التناوب فی العلم، ۸۹؛ صحیح مسلم، ۱۴۷۹۔

❷ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب فی الایلاء، ۱۴۷۹۔

❸ أحمد، ٤/ ۲۸۱، وسنده حسن اس معنی کی روایت صحیح البخاری، ٤٥١٦۔ میں بھی موجود ہے۔

❹ وسنده ضعیف۔ ❺ صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب ثبوت الجنة للشهید، ۱۹۰۱۔

❻ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب درجات المجاهدین، ۲۷۹۰۔

کے سو درجے بلند کرتا ہے ایک درجے سے دوسرے درجے تک اتنی بلندی ہے جتنی زمین آسمان میں ہے۔ پوچھا وہ عمل کیا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد۔ ❶

پھر فرماتا ہے جب آپ جہاد کے لئے تیار ہو جائیں گے مسلمان آپ کی تعلیم سے جہاد پر آمادہ ہو جائیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال رہے گی اللہ تعالیٰ کفر کا دھڑ توڑ دے گا کفار کی ہمت پست کر دے گا انکے حوصلے نہ پڑیں گے کہ تمہارے مقابلہ میں آئیں۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ جنگی قوت رکھنے والا اور اس سے سخت سزا دینے والا کوئی نہیں وہ قادر ہے کہ دنیا میں ہی انہیں مغلوب کرے اور یہیں انہیں عذاب کرے اسی طرح آخرت میں بھی اسی کو قدرت حاصل ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ﴾ ❷ اگر اللہ تعالیٰ چاہے ان سے از خود بدلہ لے لے لیکن وہ ان کو اور تمہیں آزما رہا ہے جو شخص کسی امر خیر میں کوشش کرے تو اسے بھی اس بھلائی کا ثواب ملے گا اور جو اس کے خلاف کوشش کرے اور بد نتیجہ برآمد کرے اس کی کوشش اور نیت کا اس پر بھی اس کا بوجھ ہوگا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''سفارش کرو اجر پاؤ گے اللہ تعالیٰ اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر وہ جاری کرے گا جو چاہے۔'' ❸ یہ آیت ایک دوسرے کی سفارش کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس مہربانی کو بھی دیکھئے کہ فرمایا محض شفاعت پر ہی اجر مل جائے گا خواہ اس سے کام بنے یا نہ بنے۔ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کا حافظ ہے' ہر چیز پر حاضر ہے' ہر چیز کا حساب لینے والا ہے' ہر چیز پر قادر ہے' ہر چیز پر ہمیشگی کرنے والا ہے' ہر ایک کو روزی دینے والا ہے' ہر انسان کے اعمال کا اندازہ کرنے والا ہے۔

سلام کرنے کے احکام وآداب: مسلمانو! جب تمہیں کوئی مسلمان سلام کرے تو اس کے سلام کے الفاظ سے بہتر الفاظ میں اس کا جواب دو' یا کم سے کم انہیں الفاظ کو دوہرا دو۔ پس زیادتی مستحب ہے اور برابری فرض ہے۔ ابن جریر میں ہے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ((وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ)) پھر دوسرا آیا اس نے کہا (اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا ((وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ)) پھر ایک اور صاحب آئے انہوں نے کہا (اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا ((وَعَلَيْكَ)) تو اس نے کہا اے اللہ تعالیٰ کے نبی! فلاں اور فلاں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب کچھ زیادتی کے ساتھ دیا جو مجھے نہیں دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم نے ہمارے لئے کچھ باقی ہی نہ چھوڑا' فرمان خدا ہے جب تم پر سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا اسی کو لوٹا دو اس لئے ہم نے وہی الفاظ لوٹا دیئے۔'' ❹ یہ روایت ابن ابی حاتم میں بھی اسی طرح معلق مروی ہے۔ اسے ابو بکر ابن مردویہ نے روایت کیا ہے اور میں نے اسے مسند میں نہیں دیکھا' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلام کے کلمات میں اس سے زیادتی نہیں۔ اگر ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آخری صحابی کے جواب میں وہ لفظ کہہ دیتے۔

مسند احمد میں ہے ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور (اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ) کہہ کر بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اور فرمایا دس نیکیاں ملیں' دوسرے آئے اور (اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ) کہہ =

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب بیان ما اعده الله للمجاهد، ۱۸۸٤؛ نسائی، ۳۱۳۳۔ ❷ ٤٧/ محمد:٤۔

❸ صحیح بخاری، کتاب الزکاة، باب التحریض علی الصدقة، ۱٤۳۲؛ صحیح مسلم، ۲٦۲۷۔

❹ الطبری، ۱۰۰۵۰، وسنده ضعیف، نیز دیکھئے الضعیفه للالبانی، ۵٤۳۳۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْۤا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾ ع

ترجمہ: تمہیں کیا ہو گیا؟ کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو؟ انہیں تو ان کے اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اوندھا کر دیا ہے۔ اب کیا تم یہ منصوبے باندھ رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے گمراہ کئے ہوؤں کو تم راہ راست پر لا کھڑا کرو؟ جسے اللہ تعالیٰ راہ بھلا دے تو ہرگز اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا۔[۸۸] ان کی تو چاہت ہے کہ جس طرح کے کافر وہ ہیں تم بھی ان کی طرح کفر کرنے لگو اور پھر سب یکساں ہو جاؤ پس جب تک یہ اسلام کی خاطر وطن نہ چھوڑیں ان میں سے کسی کو حقیقی دوست نہ بناؤ، پس اگر یہ منہ پھیر لیں تو انہیں پکڑو اور قتل کرو جہاں بھی یہ ہاتھ لگ جائیں۔ خبردار ان میں سے کسی کو اپنا رفیق اور مددگار نہ سمجھ بیٹھنا'[۸۹] سوائے ان کے جو اس قوم سے تعلق رکھتے ہوں جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے یا جو تمہارے پاس اس حالت میں آئیں کہ تم سے جنگ کرنے سے بھی تنگ دل ہیں اور اپنی قوم سے بھی جنگ کرنے سے تنگ دل ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تم سے یقیناً جنگ کرتے۔ پس اگر یہ لوگ تم سے یکسوئی اختیار کر لیں اور تم سے لڑائی نہ کریں اور تمہاری جانب صلح کا پیغام ڈالیں تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان پر کوئی راہ لڑائی کی نہیں کی۔[۹۰] تم کچھ اور لوگوں کو ایسا بھی پاؤ گے جن کی (بظاہر) چاہت ہے کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں (لیکن) جب کبھی فتنہ انگیزی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو اوندھے منہ اس میں ڈال دیئے جاتے ہیں، پس اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کشی نہ کریں اور تم سے صلح کی سلسلہ جنبانی نہ کریں اور اپنے ہاتھ نہ روک لیں تو انہیں پکڑو اور مار دو جہاں کہیں بھی پا لو۔ یہی وہ ہیں جن پر ہم نے تمہیں ظاہر حجت عنایت فرمائی ہے۔[۹۱]

= کر بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بیس نیکیاں ملیں۔ پھر تیسرے صاحب آئے انہوں نے کہا (اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ =

= وَبَرَكَاتُهٗ) آپ ﷺ نے فرمایا تیس نیکیاں ملیں۔ ❶ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن غریب بتلاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کو عام لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خلق اللہ میں سے جو کوئی سلام کرے اسے جواب دو گو وہ مجوسی ہو۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سلام کا اس سے بہتر جواب دینا تو مسلمانوں کے لئے ہے اور اسی کو لوٹا دینا اہل ذمہ کے لئے ہے۔ لیکن اس تفسیر میں ذرا نظر ہے جیسے کہ اوپر کی حدیث میں گزر چکا کہ مراد یہ ہے کہ اس کے سلام سے اچھا جواب دے اور اگر مسلمان سلام کے سبھی الفاظ کہہ دے تو پھر جواب دینے والا انہی کو لوٹا دے۔ ذمی لوگوں کو خود سلام کی ابتدا کرنا تو ٹھیک نہیں' اور وہ خود کریں تو جواب میں اتنے ہی الفاظ کہہ دے۔ بخاری و مسلم میں ہے" جب کوئی یہودی تمہیں سلام کرے تو خیال رکھو' یہ کہہ دیتے ہیں ((اَلسَّامُ عَلَيْكَ)) تو تم کہہ دو ((وَعَلَيْكَ)) ❷ صحیح مسلم میں ہے" یہود و نصاری کو تم پہلے سلام نہ کرو اور جب راستے میں مڈبھیڑ ہو جائے تو انہیں تنگی کی طرف مضطرب کر دو۔" ❸ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سلام نفل ہے اور جواب سلام فرض ہے۔ ❹ اور علمائے کرام کا فرمان بھی یہی ہے پس اگر جواب نہ دے گا تو گنہگار ہوگا اس لئے کہ جواب سلام اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی توحید بیان فرماتا ہے اور الوہیت میں اپنا یکتا ہونا ظاہر کرتا ہے اور اس میں ضمناً قسم بھی ہے' اسی لئے دوسرے جملے کو لام سے شروع کیا جو قسم کے جواب میں آتا ہے' تو اگلا جملہ خبر ہے اور قسم بھی ہے کہ وہ عنقریب تمام اگلوں پچھلوں کو میدان محشر میں جمع کرے گا اور وہاں ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔ اس اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات والا اور کوئی نہیں' اس کی خبر اس کا وعدہ اس کی وعید سب سچ ہے' وہی معبود برحق ہے اس کے سوا کوئی مربی نہیں۔

منافقین اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا موقف: [آیت:۸۸-۹۱] اس میں اختلاف ہے کہ منافقوں کے کس امر میں مسلمانوں کے درمیان دو قسم کے خیالات داخل ہوئے تھے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب میدان احد میں تشریف لے گئے تب آپ ﷺ کے ساتھ منافق بھی تھے جو جنگ سے پہلے ہی واپس لوٹ آئے تھے' ان کے بارے میں بعض مسلمان تو کہتے تھے کہ انہیں قتل کر دینا چاہئے اور بعض کہتے تھے نہیں یہ بھی ایماندار ہیں' ❺ اس پر یہ آیت اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" یہ شہر طیبہ ہے یہ خود بخود میل کچیل کو اس طرح دور کر دے گا جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو چھانٹ دیتی ہے" (بخاری و مسلم)۔ ❻ ابن اسحاق میں ہے کہ کل لشکر جنگ احد میں ایک ہزار کا تھا' عبداللہ بن ابی بن سلول تین سو آدمیوں کو اپنے ہمراہ لے کر واپس لوٹ آیا تھا اور حضور اکرم ﷺ کے ساتھ پھر سات سو ہی رہ گئے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مکہ میں کچھ لوگ تھے جو کلمہ گو تھے لیکن مسلمانوں کے خلاف مشرکوں کی مدد کرتے تھے یہ اپنی کسی ضروری حاجت کے لئے مکہ سے نکلے' انہیں یقین تھا کہ اصحاب رسول ﷺ سے ان کی کوئی روک ٹوک نہ ہوگی کیونکہ بظاہر کلمہ

---

❶ أحمد، ٤/ ٤٣٩؛ أبوداود، كتاب الأدب، باب كيف السلام، ٥١٩٥ وسنده حسن؛ ترمذی، ٢٦٨٩۔

❷ صحيح بخاری، كتاب الاستئذان، باب كيف الرد على أهل الذمة بالسلام، ٦٢٥٧؛ صحيح مسلم، ٢١٦٤؛ أبوداود، ٥٢٠٦؛ ترمذی، ١٦٠٣۔ ❸ صحيح مسلم، كتاب السلام، باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام، ٢١٦٧؛ أبوداود، ٥٢٠٥؛ ترمذی، ١٦٠٢ و ٢٧٠٠۔ ❹ الادب المفرد، ١٠٤٠ وسنده ضعيف۔

❺ صحيح مسلم، كتاب صفات المنافقين، باب صفات المنافقين، ٢٧٧٦۔

❻ صحيح بخاری، كتاب المغازی باب غزوة أحد، ٤٠٥٠ و ١٨٨٤؛ صحيح مسلم، ١٣٨٤؛ ترمذی، ٣٠٢٨۔

کے قائل تھے' ادھر جب مدنی مسلمانوں کو اس کا علم ہوا تو ان میں سے بعض تو کہنے لگے ان نامرادوں سے پہلے جہاد کرو یہ ہمارے دشمنوں کے طرف دار ہیں اور بعضوں نے کہا سبحان اللہ' جو لوگ تم جیسا کلمہ پڑھتے ہیں تم ان سے لڑو گے؟ صرف اس وجہ سے کہ انہوں نے ہجرت نہیں کی اور اپنے گھر نہیں چھوڑے ہم کس طرح ان کے خون اور ان کے مال حلال کر سکتے ہیں؟ ان کا یہ اختلاف رسول اللہ کے سامنے ہوا آپ ﷺ خاموش تھے جو یہ آیت نازل ہوئی (ابن ابی حاتم)۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے لڑکے فرماتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جب تہمت لگائی گئی اور رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا "کوئی ہے جو مجھے عبداللہ بن ابی کی ایذا سے بچائے" اس پر اوس وخزرج کے درمیان جو اختلاف ہوا اس کی بابت یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ لیکن یہ قول غریب ہے۔ ان کے سوا اور اقوال بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کر دیا' ان کی ہدایت کی کوئی راہ نہیں' یہ تو چاہتے ہیں کہ سچے مسلمان بھی ان جیسے گمراہ ہو جائیں اس قدر عداوت ان کے دلوں میں ہے' تو تمہیں ممانعت کی جاتی ہے کہ جب تک یہ ہجرت نہ کریں انہیں اپنا نہ سمجھو' یہ خیال نہ کرو کہ یہ تمہارے دوست اور مددگار ہیں' بلکہ یہ خود اس لائق ہیں کہ ان سے باقاعدہ جہاد کیا جائے۔ پھر ان میں سے ان حضرات کا استثنا کیا جاتا ہے جو کسی ایسی قوم کی پناہ میں چلے جائیں جس سے مسلمانوں کا عہد و پیمان صلح وسلوک ہے تو ان کا حکم بھی وہی ہو گا جو معاہدہ والی قوم کا ہے۔ سراقہ بن مالک مدلجی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب جنگ بدر اور جنگ احد میں مسلمان غالب آئے اور آس پاس کے لوگوں میں اسلام کی بخوبی اشاعت ہو گئی تو مجھے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارادہ ہے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر دے کر میری قوم بنو مدلج کی گوشالی کے لئے روانہ فرمائیں تو میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں آپ ﷺ کو احسان یاد دلاتا ہوں' لوگوں نے مجھ سے کہا خاموش رہ لیکن حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "اسے کہنے دو' کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔" میں نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ﷺ میری قوم کی طرف لشکر بھیجنے والے ہیں میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ ان سے صلح کر لیں اس بات پر کہ اگر قریش اسلام لائیں تو وہ بھی مسلمان ہو جائیں گے اور اگر وہ اسلام نہ لائیں تو ان پر بھی آپ چڑھائی نہ کریں۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا ان کے ساتھ جاؤ اور ان کے کہنے کے مطابق ان کی قوم سے صلح کر آؤ۔ پس اس بات پر صلح ہو گئی کہ وہ دشمنان دین کی کسی قسم کی مدد نہ کریں' اور اگر قریش اسلام لائیں تو یہ بھی مسلمان ہو جائیں گے' پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کرو جیسے وہ کفر کرتے ہیں پھر تم اور وہ برابر ہو جاؤ پس ان میں سے کسی کو دوست نہ جانو۔ ❶ یہی روایت ابن مردویہ میں ہے اور اس میں ہے آیت ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ﴾ نازل ہوئی' پس جو بھی ان سے مل جاتا وہ انہیں کی طرح پر امن رہتا۔ کلام کے الفاظ سے زیادہ مناسبت اسی کو ہے۔

صحیح بخاری شریف میں صلح حدیبیہ کے قصے میں ہے کہ پھر جو چاہتا مکی کفار کی جماعت میں داخل ہو جاتا اور امن پالیتا اور جو چاہتا مدنی مسلمانوں سے ملتا اور عہد نامہ کی وجہ سے مامون ہو جاتا۔ ❷ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس حکم کو پھر اس آیت نے منسوخ کر دیا کہ ﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ ❸ یعنی جب حرمت والے مہینے =

❶ یہ روایت حسن رحمہ اللہ اور سراقہ رضی اللہ عنہ کے مابین انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ دیکھئے۔ (تهذيب التهذيب، ٣/ ٣٩٦)

❷ صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد، ٢٧٣١، ٢٧٣٢۔ ❸ ٩/ التوبة:٥۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَھُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَھْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْھَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝

ترجمہ: کسی مومن کو دوسرے مومن کا قتل کر دینا زیبا نہیں مگر غلطی سے ہو جائے (تو اور بات ہے) جو شخص کسی مسلمان کو بلا قصد مار ڈالے اس پر ایک مسلمان غلام کی گردن کی آزادگی ہے اور مقتول کے عزیزوں کو خون بہا پہنچانا ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ لوگ بطور صدقہ کے معاف کر دیں اور اگر مقتول تمہاری دشمن قوم کا ہو اور ہو وہ مسلمان، تو صرف ایک مومن غلام کی گردن آزاد کرنی لازم ہے اور اگر مقتول اس قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں عہد و پیمان ہے تو خون بہا لازم ہے جو اس کے کنبے والوں کو پہنچایا جائے اور ایک مسلمان غلام کی آزادگی؛ پس جو نہ پائے اس کے ذمے دو مہینے کے لگا تار روزے ہیں اللہ تعالیٰ سے بخشوانے کے لئے۔ اور اللہ تعالیٰ بخوبی جاننے والا اور حکمت والا ہے۔[۹۲] اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اسے اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔[۹۳]

= گزر جائیں تو مشرکین سے جہاد کرو جہاں کہیں انہیں پاؤ۔ پھر ایک دوسری جماعت کا ذکر ہو رہا ہے جسے مستثنیٰ کیا ہے جو میدان میں لائے جاتے ہیں لیکن بے چارے بے بس ہوتے ہیں وہ نہ تو تم سے لڑنا چاہتے ہیں نہ تمہارے ساتھ مل کر اپنی قوم سے لڑنا پسند کرتے ہیں بلکہ وہ ایسے بیچ کے لوگ ہیں جو نہ تمہارے دشمن کہے جاتے ہیں نہ دوست۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ان لوگوں کو تم پر مسلط نہیں کیا اگر وہ چاہتا تو انہیں زور و طاقت دیتا اور ان کے دل میں ڈال دیتا کہ وہ تم سے لڑیں۔ پس اگر یہ تمہاری لڑائی سے باز رہیں اور صلح و صفائی سے یک سو ہو جائیں تو تمہیں بھی ان سے لڑنے کی اجازت نہیں۔ اسی قسم کے لوگ تھے جو بدر والے دن بنو ہاشم کے قبیلے میں سے مشرکین کے ساتھ آئے تھے جو دل سے اسے ناپسند رکھتے تھے جیسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے قتل کو منع فرما دیا تھا اور حکم دیا تھا کہ انہیں زندہ گرفتار کر لیا جائے۔ پھر ایک اور گروہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جو بظاہر تو اوپر والوں جیسا ہے لیکن دراصل نیت میں بہت بل ہے، یہ لوگ منافق ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اسلام ظاہر کر کے اپنے جان مال مسلمانوں سے محفوظ کرا لیتے ہیں ادھر کفار میں مل کر ان کے معبودان باطل کی پرستش کر کے ان میں سے ہونا ظاہر کر کے ان سے ملے رہتے ہیں تاکہ ان کے ہاتھوں بھی امن میں رہیں، دراصل یہ لوگ ہیں کافر جیسے اور جگہ ہے اپنے شیاطین کے پاس تنہائی میں جا کر کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ یہاں بھی فرماتا ہے کہ جب کبھی فتنہ انگیزی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو جی =

= کھول کر پوری سرگرمی سے اس میں حصہ لیتے ہیں جیسے کوئی اوندھے منہ گرا ہوا ہو۔ فتنہ سے مراد یہاں شرک ہے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ لوگ بھی مکہ والے تھے یہاں آ کر بطور ریاکاری کے اسلام قبول کرتے تھے وہاں جا کر ان کے بت پوجتے تھے' تو مسلمانوں کو فرمایا جاتا ہے کہ اگر یہ اپنی اس دوغلی روش سے باز نہ آئیں تمہاری ایذا رسانی سے الگ نہ ہوں صلح نہ کریں تو انہیں امن امان نہ دو ان سے بھی جہاد کرو' انہیں قیدی بناؤ اور جہاں پاؤ قتل کر دو بے شک ان پر ہم نے تمہیں ظاہر غلبہ اور کھلی حجت عطا فرمائی ہے۔

قتل خطا کی دیت اور قتل عمد کی وعید کا بیان: [آیت:۹۲-۹۳] ارشاد ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کو لائق نہیں کہ کسی حال میں اپنے مسلمان بھائی کا خون ناحق کرے۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "کسی مسلمان کا جو اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی اور میرے رسول ہونے کی شہادت دیتا ہو خون بہانا حلال نہیں' مگر تین حالتوں میں ایک تو یہ کہ اس نے کسی کو قتل کر دیا۔ دوسرے شادی شدہ ہو کر زنا کیا ہو' تیسرے دین اسلام کو چھوڑ دینے والا جماعت سے فرقت کرنے والا" ❶ پھر یہ بھی یاد رہے کہ جب ان تینوں کاموں میں سے کوئی کام کسی سے واقع ہو جائے تو رعایا میں سے کسی کو اس کے قتل کا اختیار نہیں امام یا نائب امام کا یہ منصب ہے۔ اسکے بعد استثنا منقطع ہے' عرب شاعروں کے کلام میں بھی اس قسم کے استثناء بہت سے ملتے ہیں۔ اس آیت کے شان نزول میں ایک قول تو یہ مروی ہے کہ عیاش بن ابی ربیعہ جو ابو جہل کا ماں کی طرف سے بھائی تھا جس کی ماں کا نام اسماء بنت مخرمہ تھا اس کے بارے میں اتری ہے' اس نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا جسے وہ اسلام لانے کی وجہ سے سزائیں دے رہا تھا یہاں تک کہ اس کی جان لے لی' ان کا نام حارث بن یزید غامدی تھا' حضرت عیاش رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ خار رہ گیا اور انہوں نے ٹھان لی کہ موقعہ پا کر اسے قتل کر دوں گا اللہ تعالیٰ نے کچھ دنوں بعد قاتل کو بھی اسلام کی ہدایت دی وہ مسلمان ہو گئے اور ہجرت بھی کر لی لیکن حضرت عیاش رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم نہ تھا' فتح مکہ والے دن یہ ان کی نظر پڑ گئے یہ جان کر کہ یہ اب تک کفر پر ہیں ان پر اچانک حملہ کر دیا اور قتل کر دیا اس پر یہ آیت اتری۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب کہ انہوں نے ایک شخص کافر پر حملہ کیا تلوار تانی ہی تھی تو اس نے کلمہ پڑھ لیا لیکن ان کی تلوار چل گئی اور اسے قتل کر ڈالا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان ہوا تو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے اپنا یہ عذر بیان کیا اس نے صرف جان بچانے کی غرض سے کلمہ پڑھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو کر فرمانے لگے "کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا۔" یہ واقعہ صحیح حدیث میں بھی ہے لیکن وہاں نام دوسرے صحابی کا ہے۔ ❷ پھر قتل خطا کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس میں دو چیزیں واجب ہیں ایک تو غلام آزاد کرنا دوسرے دیت دینا۔ اس غلام کے لئے بھی شرط ہے کہ وہ ایماندار ہو۔ کافر کو آزاد کرنا کافی نہ ہو گا' چھوٹا نابالغ بچہ بھی کافی نہ ہو گا جب تک کہ وہ اپنے ارادے سے ایمان کا قصد کرنے والا اور اتنی عمر کا نہ ہو۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا مختار قول یہ ہے کہ اگر اس کے ماں باپ دونوں مسلمان ہوں تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان ہونا شرط ہے چھوٹے بڑے کی کوئی قید نہیں۔

ایک انصاری رضی اللہ عنہ سیاہ فام لونڈی کو لے کر حاضر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں اور کہتے ہیں میرے ذمے ایک مسلمان گردن کا آزاد کرنا ہے اگر یہ مسلمان ہو تو میں اسے آزاد کر دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لونڈی سے پوچھا "کیا تو گواہی دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔" اس نے کہا ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا اس بات کی بھی گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔"

❶ صحیح بخاری، کتاب الدیات باب قولہ تعالیٰ ﴿إن النفس بالنفس﴾ ۶۸۷۸؛ صحیح مسلم، ۱۶۷۶؛ ابوداود، ۴۳۵۲؛ ترمذی، ۱۴۰۲؛ ابن ماجہ، ۲۵۳۴۔

❷ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اسامۃ، ۴۲۶۹؛ صحیح مسلم، ۹۶؛ عن أسامۃ بن زید رضی اللہ عنہ۔

اس نے کہا ہاں۔ فرمایا ”کیا مرنے کے بعد جی اٹھنے کی بھی تو قائل ہے۔“ اس نے کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”اسے آزاد کردو۔“ ❶ اس کی اسناد صحیح ہے اور صحابی کون تھے اس کا مخفی رہنا سند میں مضر نہیں۔ یہ روایت حدیث کی اور بہت سی کتابوں میں اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا ”اللہ تعالیٰ کہاں ہے“؟ اس نے کہا آسمانوں میں۔ دریافت کیا ”میں کون ہوں“؟ جواب دیا آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”اسے آزاد کردو یہ ایماندار ہے۔“ ❷ پس ایک تو گردن آزاد کرنا واجب ہے دوسرے خون بہا دینا جو مقتول کے گھر والوں کو سونپ دیا جائے گا' یہ عوض ہے ان کے مقتول کا۔ یہ دیت سو اونٹ ہے پانچ قسموں کے' بیس تو دوسری سال کی عمر کی اونٹنیاں اور بیس اسی عمر کے اونٹ اور بیس تیسرے سال میں لگی ہوئی اونٹنیاں اور بیس پانچویں سال میں لگی ہوئی اور بیس چوتھے سال میں لگی ہوئی۔ یہی فیصلہ قتل خطا کے خون بہا کا رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے ملاحظہ ہو سنن و مسند احمد۔ ❸ یہ حدیث بروایت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ موقوف بھی مروی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت سے بھی یہی منقول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے یہ دیت چار چوتھائیوں میں بٹی ہوئی ہے' یہ خون بہا قاتل کے عاقلہ اور اس کے عصبہ یعنی وارثوں کے بعد کے قریبی رشتہ داروں پر ہے' اس کے اپنے مال پر نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں اس امر میں کسی کو مخالف نہیں جانتا کہ حضور اکرم ﷺ نے دیت کا فیصلہ انہیں لوگوں پر کیا ہے اور یہ حدیث خاصہ میں کثرت سے ہے۔ امام صاحب جن احادیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہ بہت سی ہیں' بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہذیل قبیلہ کی دو عورتیں آپس میں لڑیں ایک نے دوسری کو ایک پتھر مارا وہ حاملہ تھی بچہ بھی ضائع ہو گیا اور وہ بھی مر گئی' قصہ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے یہ فیصلہ کیا ”کہ اس بچہ کے عوض تو ایک جان لونڈی یا غلام اور عورت مقتولہ کے بدلے دیت اور وہ دیت قاتلہ عورت کے حقیقی وارثوں کے رشتے داروں کے ذمے ہے۔“ ❹ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو قتل عمد خطا سے ہو وہ بھی حکم میں خطاء محض کے ہے' یعنی دیت کے اعتبار سے ہاں اس میں تقسیم ثلث پر ہوگی تین حصے ہوں گے کیونکہ اس میں شباہت عمد یعنی بالقصد بھی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے بنو خزیمہ کی جنگ کے لئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم ﷺ نے ایک لشکر پر سردار بنا کر بھیجا انہوں نے جا کر انہیں دعوت اسلام دی انہوں نے دعوت تو قبول کر لی لیکن بوجہ ناداستگی بجائے اَسْلَمْنَا یعنی ہم مسلمان ہونے کے صَبَانَا کہا یعنی ہم بے دین ہوئے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ جب حضور اکرم ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے ہاتھ اٹھا کر جناب باری تعالیٰ میں عرض کی ”یا اللہ خالد کے اس فعل سے میں اپنی بیزاری اور براءت تیرے سامنے ظاہر کرتا ہوں۔“ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر انہیں بھیجا کہ ”جاؤ ان کے مقتولوں کی دیت چکا آؤ اور جو ان کا مالی نقصان ہوا ہو اسے بھی کوڑی کوڑی چکا آؤ۔“ ❺ اس سے ثابت ہوا کہ امام یا نائب امام کی خطا کا بوجھ بیت المال پر ہوگا۔

پھر فرماتا ہے خون بہا جو واجب ہے اگر اولیاء مقتول ازخود اس سے دست برداری کریں تو انہیں اختیار ہے وہ بطور صدقہ کے

---

❶ احمد، ۳/ ۴۵۲، وسندہ ضعیف الزهري عنعن، مجمع الزوائد، ٤/ ٢٤٤۔

❷ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب تحریم الکلام فی الصلاۃ، ٥٣٧۔ ❸ ابو داود، ٤٥٤٥؛ ترمذی، ١٣٨٦؛ نسائی، ٤٨٠٦؛ ابن ماجه، ٢٦٣١؛ احمد، ١/ ٤٥٠ وسندہ ضعیف حجاج بن ارطاۃ ضعیف و مدلس راوی ہے۔

❹ صحیح بخاری، کتاب الدیات، باب جنین المراۃ، ٦٩١٠؛ صحیح مسلم، ١٦٨١؛ ابوداود، ٤٥٧٦؛ نسائی، ٤٨٢٢۔

❺ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب بعث النبی ﷺ خالد بن ولید، ٤٣٣٩؛ نسائی، ٥٤٠٧۔

اسے معاف کر سکتے ہیں۔ پھر فرمان ہے کہ اگر مقتول مسلمان ہو لیکن اسکے اولیاء حربی کافر ہوں تو قاتل پر دیت نہیں' قاتل پر اس صورت میں صرف آزادگی گردن ہے اور اگر اس کے ولی وارث اس قوم میں سے ہوں جن سے تمہاری صلح اور عہد و پیمان ہے تو دیت دینی پڑے گی' اگر مقتول مؤمن تھا تو کامل خون بہا' اور اگر مقتول کافر تھا تو بعض کے نزدیک تو پوری دیت ہے بعض کے نزدیک آدھی بعض کے نزدیک تہائی' تفصیل کتب احکام میں ملاحظہ ہو۔ اور قاتل پر مؤمن بردے کو آزاد کرنا بھی لازم ہے۔ اگر کسی کو اس کی طاقت بوجہ مفلسی کے نہ ہو تو اسکے ذمے دو مہینے کے روزے ہیں جو لگاتار پے در پے رکھنے ہوں گے۔ اگر کسی شرعی عذر مثلاً بیماری یا حیض یا نفاس کے بغیر کوئی روزہ بیچ میں سے چھوڑ دیا تو پھر نئے سرے سے روزے شروع کرنے پڑیں گے۔ سفر کے بارے میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ یہ بھی شرعی عذر ہے دوسرے یہ کہ یہ عذر نہیں۔ پھر فرماتا ہے قتل خطا کی توبہ کی یہ صورت ہے کہ غلام آزاد نہیں کر سکتا تو روزے رکھ لے' اور جسے روزوں کی بھی طاقت نہ ہو وہ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے یا نہیں' تو ایک قول تو یہ ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھلا دے جیسے کہ ظہار کے کفارے میں ہے' وہاں صاف بیان فرما دیا یہاں اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ یہ ڈرانے اور خوف دلانے کا مقام ہے آسانی کی صورت اگر بیان کر دی جاتی تو ہیبت وعظمت اتنی باقی نہ رہتی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ روزے کے نیچے کچھ نہیں' اگر ہوتا تو بیان کے ساتھ ہی بیان کر دیا جاتا' حاجت کے وقت سے بیان کو مؤخر کرنا ٹھیک نہیں (بظاہر قول ثانی ہی اچھا معلوم ہوتا ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ مترجم)۔ اللہ علیم وحکیم ہے۔ اس کی تفسیر کئی مرتبہ گزر چکی۔

قتل عمد کی توبہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا مؤقف: قتل خطا کے بعد اب قتل عمد کا بیان ہو رہا ہے' اس کی سخت برائی اور نہایت تاکید والی ڈراونی وعید فرمائی جا رہی ہے یہ وہ گناہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے شرک کے ساتھ ملا دیا ہے فرماتا ہے ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ ❶ یعنی مسلمان بندے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود ٹھہرا کر نہیں پکارتے اور نہ وہ کسی شخص کو ناحق قتل کرتے ہیں۔ دوسری جگہ فرمان ہے ﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ﴾ ❷ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے حرام کئے ہوئے کاموں کا ذکر کرتے ہوئے شرک کا اور قتل کا ذکر فرمایا ہے۔ اور بھی اس مضمون کی آیتیں بہت سی ہیں اور حدیثیں بھی اس باب میں بہت سی وارد ہوئی ہیں۔ مسلم و بخاری میں ہے ''سب سے پہلے خون کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔'' ❸ ابوداود میں ہے ''ایماندار نیکیوں اور بھلائیوں میں بڑھتا رہتا ہے جب تک کہ خون ناحق نہ کرے اگر ایسا کر لیا تو تباہ ہو جاتا ہے۔'' ❹ اور حدیث میں ہے ''ساری دنیا کا زوال اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل سے کم درجے کا ہے۔'' ❺ اور حدیث میں ہے ''اگر تمام روئے زمین کے اور آسمان کے لوگ کسی ایک مسلمان کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ سب کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دے۔'' ❻ اور حدیث میں ہے ''جس شخص نے کسی مسلمان کے قتل پر آدھے کلمہ سے بھی اعانت کی وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس حالت میں آئے گا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہوا ہوگا کہ یہ شخص اللہ کی

❶ ٢٥/ الفرقان:٦٧۔ ❷ ٦/ الانعام:١٥١۔

❸ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب القصاص یوم القیامة، ٦٥٣٣؛ صحیح مسلم، ١٦٧٨۔

❹ ابوداود، کتاب الفتن، باب فی تعظیم قتل المؤمن، ٤٢٧٠، وسنده صحیح۔

❺ ترمذی، کتاب الدیات، باب ماجاء فی تشدید قتل المؤمن، ١٣٩٥؛ وهو حسن، نسائی، ٣٩٩٢۔

❻ ترمذی، ابواب الدیات، باب الحکم فی الدماء، ١٣٩٨، وسنده ضعیف یزید رقاشی ضعیف راوی ہے۔

رحمت سے محروم ہے۔'' ❶

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تو قول ہے کہ جس نے مؤمن کو قصداً قتل کیا اس کی توبہ قبول ہی نہیں۔ اہل کوفہ جب اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں تو ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آ کر دریافت کرتے ہیں' آپ فرماتے ہیں یہ آخری آیت ہے جسے کسی آیت نے منسوخ نہیں کیا' ❷ اور آپ فرماتے ہیں کہ دوسری آیت ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ﴾ جس میں توبہ کا ذکر ہے وہ اہل شرک کے بارے میں نازل ہوئی ہے' ❸ لیکن جبکہ کسی شخص نے اسلام کی حالت میں کسی مسلمان کو غیر شرعی وجہ سے قتل کیا اس کی سزا جہنم ہے اور اس کی توبہ قبول نہیں۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے جب یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان ہوا تو فرمانے لگے مگر جو نادم ہو۔ ❹ سالم بن ابوالجعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب نابینا ہو گئے تھے ایک مرتبہ ہم ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جو ایک شخص آیا اور آپ کو آواز دے کر پوچھا کہ اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جس نے کسی مؤمن کو جان بوجھ کر مار ڈالا۔ آپ نے فرمایا اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اللہ تعالیٰ کا اس پر غضب ہے اور اس پر اللہ کی لعنت ہے اور اس کے لئے عذاب عظیم تیار ہے اس نے پھر پوچھا اگر وہ توبہ کرے نیک عمل کرے اور ہدایت پر جم جائے تو؟ فرمانے لگے اس کی ماں اسے روئے اسے توبہ اور ہدایت کہاں' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میرا نفس ہے میں نے تمہارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے ''اس کی ماں اسے روئے جس نے مؤمن کو جان بوجھ کر مار ڈالا ہے وہ قیامت کے دن اسے دائیں یا بائیں ہاتھ سے تھامے ہوئے رحمان کے عرش کے سامنے آئے گا' اس کی رگوں میں خون اچھل رہا ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے کہے گا کہ اے اللہ اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا۔'' اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک اسے منسوخ کرنے والی کوئی آیت نہیں اتری۔ اور روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی وحی اترے گی۔ ❺ حضرت زید بن ثابت' حضرت ابوہریرہ' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما' حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن' عبید بن عمیر' قتادہ' ضحاک رحمۃ اللہ علیہم بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خیال کے ساتھ ہیں۔ ابن مردویہ میں ہے کہ مقتول اپنے قاتل کو پکڑ کر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے لائے گا' دوسرے ہاتھ سے اپنا سر اٹھائے ہوئے ہوگا اور کہے گا اے میرے رب اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا؟ قاتل کہے گا' پروردگار اس لئے کہ تیری عزت ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا پس یہ میری راہ میں ہے۔ دوسرا مقتول بھی اپنے قاتل کو پکڑے ہوئے لائے گا اور یہی کہے گا۔ قاتل جواباً کہے گا اس لئے کہ فلاں کی عزت ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمائے اس کا گناہ وہ لے کر لوٹا۔ پھر اسے آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ جس گڑھے میں ستر سال تک تو نیچے ہی چلا جائے گا۔ ❻

---

❶ ابن ماجه، أبواب الديات، باب التغليظ في قتل مسلم ظلم، ٢٦٢٠، وسنده ضعيف یزید بن زیاد متروک راوی ہے۔

❷ صحيح بخاري، كتاب التفسير، سورة النساء، ﴿من قتل مؤمنا متعمدا﴾ ٤٥٩٠؛ صحيح مسلم، ٣٠٢٣۔

❸ صحيح بخاري، كتاب التفسير، سورة الفرقان باب قوله تعالى ﴿الا من تاب وأمن﴾ ٤٧٦٦؛ صحيح مسلم، ٣٠٢٣۔

❹ صحيح بخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب مالقي النبي صلی اللہ علیہ وسلم وأصحابه من المشركين بمكة، ٣٨٥٥۔

❺ الطبرى، ١٠١٩٣؛ احمد، ١/ ٢٤٠؛ نسائي، كتاب القسامة، باب ما جاء في كتاب القصاص، ٤٨٧٠؛ ابن ماجه، ٢٦٢١؛ یہ روایت شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔

❻ ابن مردويه وسنده ضعيف؛ النسائي، ٤٠٠٢ بلفظ آخر وسنده ضعيف وهو صحيح بالشواهد۔

مسند احمد میں ہے ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخش دے، لیکن ایک تو وہ شخص جو کفر کی حالت میں مرا، دوسرا وہ جو کسی مؤمن کا قصداً قاتل بنا۔ ❶ ابن مردویہ میں بھی ایسی ہی حدیث ہے اور وہ بالکل غریب ہے۔ ❷ محفوظ وہ حدیث ہے جو بحوالہ سند بیان ہوئی۔ ابن مردویہ میں اور حدیث ہے کہ ''جان بوجھ کر ایماندار کو مار ڈالنے والا کافر ہے۔'' یہ حدیث منکر ہے اور اس کی اسناد میں بہت کلام ہے۔ ❸ حمید کہتے ہیں میرے پاس ابوالعالیہ آئے۔ میرے ایک دوست بھی اس وقت میرے پاس تھے۔ ہم سے کہنے لگے تم دونوں مجھ سے کم عمر اور زیادہ حفظ والے ہو، آؤ میرے ساتھ بشر بن عاصم کے پاس چلو۔ جب وہاں پہنچے تو حضرت بشر رضی اللہ عنہ سے فرمایا انہیں بھی وہ حدیث سنا دو۔ انہوں نے سنانی شروع کی کہ عتبہ بن مالک لیثی رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا تھا۔ اس نے ایک قوم پر چھاپہ مارا وہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے ان کے ساتھ ایک شخص بھاگا جا رہا تھا، اس کے پیچھے ایک لشکری بھاگا، جب اس کے قریب ننگی تلوار لئے ہوئے پہنچ گیا تو اس نے کہا میں تو مسلمان ہوں۔ اس نے کچھ خیال نہ کیا تلوار چلا دی۔ اس واقعہ کی خبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ بہت ناراض ہوئے اور سخت سست کہا۔ یہ خبر اس شخص کو بھی پہنچی۔ ایک روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اس قاتل نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ کی قسم اس نے تو یہ بات محض قتل سے بچنے کے لئے کہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف سے نگاہ پھیر لی اور خطبہ سناتے رہے۔ اس نے دوبارہ کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر منہ موڑ لیا۔ اس سے صبر نہ ہو سکا تیسری بار کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف توجہ کی اور ناراضگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے ٹپک رہی تھی، فرمانے لگے ''قاتل مؤمن پر اللہ تعالیٰ کا انکار ہے۔'' تین بار یہی فرمایا۔ یہ روایت نسائی میں بھی ہے۔ ❹ پس ایک مذہب تو یہ ہوا کہ قاتل مؤمن کی توبہ نہیں۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ توبہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے۔ جمہور سلف و خلف کا یہی مذہب ہے کہ اگر اس نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا خشوع خضوع میں لگا رہا نیک اعمال کرنے لگ گیا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لے گا اور مقتول کو اپنے پاس سے عوض دے کر اسے راضی کر لے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ﴾ یہ خبر ہے اور خبر میں نسخ کا احتمال ہی نہیں اور اس آیت کو مشرکوں کے بارے میں اور اس آیت کو مؤمنوں کے بارے میں خاص کرنا یہ ظاہر کے خلاف ہے اور کسی صاف دلیل کا محتاج ہے، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ﴾ ❺ ''اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم میری رحمت سے مایوس نہ ہوں۔'' یہ آیت اپنے عموم کے اعتبار سے ہر گناہ کو شامل ہے خواہ کفر و شرک ہو خواہ شک و نفاق ہو خواہ قتل و فسق ہو کچھ ہی ہو۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اللہ تعالیٰ اس کی طرف مائل ہو گا جو توبہ کرے اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمائے گا۔ فرماتا ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ﴾ ❻ ''اللہ تعالیٰ شرک کو تو بخشتا نہیں، اس کے سوا تمام گناہ جسے چاہے

---

❶ نسائی، کتاب المحاربة، (تحریم الدم)، ۳۹۸۹ وسنده صحیح۔

❷ ابوداود، ٤٢٧٠، وسنده صحیح وابن حبان، ٥٩٨٠ والحاکم، ٤/ ٣٥١، والبیهقی، ٦/ ٢١۔

❸ ابن مردویه وسنده ضعیف جداً اس کی سند میں بقیہ بن ولید مدلس اور زید بن جبیرہ متروک راوی ہے۔ (المیزان، ١/ ٣٣١، رقم: ١٢٥٠، ٢/ ٩٩، رقم: ٢٩٩٥) ❹ احمد، ٥/ ٢٨٩ وسنده حسن اس کے شواہد کے لیے مزید دیکھئے۔ صحیح بخاری، ٤٢٦٩؛ صحیح مسلم، ٩٦؛ وابو داود، ٢٦٤٣۔

❺ ٣٩/ الزمر: ٥٣۔ ❻ ٤/ النساء: ٤٨۔

بخش دے۔'' اللہ تعالیٰ کی اس کریمی کے صدقے جایئے کہ اس نے اسی سورت میں اسی آیت سے پہلے بھی جس کی تفسیر اب ہم کر رہے ہیں اپنی عام بخشش کی آیت بیان فرمائی اور پھر اس آیت کے بعد ہی اسی طرح اپنی عام بخشش کا اعلان پھر کیا تا کہ بندوں کو اس کی کامل مغفرت کی کامل امید بندھ جائے' وَاللّٰہُ اَعْلَمُ.

بخاری ومسلم کی وہ حدیث بھی اس موقعہ پر یاد رکھنے کے قابل ہے جس میں ہے کہ ''ایک بنی اسرائیلی نے ایک سو قتل کیے تھے' پھر ایک عالم سے پوچھتا ہے کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے' وہ جواب دیتا ہے کہ تجھ میں اور تیری توبہ میں کون ہے جو حائل ہو؟ اور اسے کہتا ہے کہ تو اس بدمستی کو چھوڑ کر نیکوں کے شہر میں جا بس۔ چنانچہ یہ ہجرت کرتا ہے اور راستے ہی میں فوت ہو جاتا ہے اور رحمت کے فرشتے اسے لے جاتے ہیں۔'' ❶ یہ حدیث پوری پوری کئی مرتبہ بیان ہو چکی ہے جبکہ بنی اسرائیل میں یہ ہے تو اس امت مرحومہ میں قاتل کی توبہ کے دروازے بند کیوں ہوئے' ان پر تو ہم سے بہت زیادہ پابندیاں تھیں' جن سب سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں آزاد کر دیا اور رحمۃ للعالمین جیسے سردار انبیا کو بھیج کر وہ دین ہمیں دیا جو آسانیوں اور راحتوں والا سیدھا صاف اور سہل ہے۔ پس اب یہاں جو سزا قاتل کی بیان فرمائی ہے اس سے یہ مراد ہے کہ اس کی سزا یہ ہے اگر اسے سزا دے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سلف کی ایک جماعت یہی فرماتی ہے۔ بلکہ اس معنی کی ایک حدیث بھی ابن مردویہ میں ہے' لیکن سنداً وہ صحیح نہیں' اور اسی طرح ہر وعید کا مطلب یہی ہے کہ اگر کوئی عمل صالح وغیرہ اس کے مقابل میں نہیں تو اس بدی کا بدلہ وہ ہے جو وعید میں بیان ہوا۔ یہی طریقہ وعید کے بارے میں ہمارے نزدیک نہایت درست اور احتیاط والا ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ.

اور قاتل کے جہنم میں جانے کی تقدیر پر بھی' خواہ وہ بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ توبہ نہ ہونے کی وجہ سے ہو خواہ بقول جمہور دوسرا نیک عمل نجات دہندہ نہ ہونے کی وجہ سے ہو' وہ ہمیشہ جہنم میں نہ رہے گا بلکہ یہاں خلود سے مراد بہت دیر تک رہنا ہے۔ جیسا کہ متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ جہنم میں سے وہ بھی نکل آئیں گے جن کے دل میں رائی کے چھوٹے سے چھوٹے دانے برابر بھی ایمان ہو گا۔ ❷ اور اوپر جو ایک حدیث بیان ہوئی کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بجز کفر اور قتل مؤمن کے معاف فرما دے' اس میں عسی ترجی کا ہے تو ان دونوں صورتوں میں ترجی یعنی امید گو اٹھ جائے پھر بھی وقوع یعنی ایسا ہونا ان دونوں میں سے ایک میں نہیں اٹھتا اور وہ قتل ہے۔ کیونکہ شرک وکفر کا معاف نہ ہونا تو الفاظ قرآن سے ثابت ہو چکا۔ اور جو احادیث گزریں جن میں ہے کہ قاتل کو مقتول لے کر آئے گا' یہ بالکل ٹھیک ہیں۔ چونکہ اس میں انسانی حق ہے' وہ توبہ سے ٹل نہیں جاتا بلکہ انسانی حق تو توبہ ہونے کی صورت میں بھی حقدار کو پہنچانا ضروری ہے۔ اس میں جس طرح قتل ہے اسی طرح چوری ہے' غصب ہے' تہمت ہے اور دوسرے حقوق انسانی ہیں جن کا توبہ سے معاف نہ ہونا اجماعاً ثابت ہے بلکہ توبہ کی صحت کی شرط ہے کہ ان حقوق کو ادا کرے۔ اور جب ادائیگی محال ہے تو قیامت کے روز اس کا مطالبہ ضروری ہے۔ لیکن مطالبہ سے سزا کا واقع ہونا ضروری نہیں۔ ممکن ہے کہ قاتل کے اور سب اعمال صالحہ مقتول کو دے دیئے جائیں یا بعض دے دیئے جائیں اور اس کے پاس پھر بھی کچھ رہ جائیں اور یہ بخش دیا جائے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ قاتل کا=

---

❶ صحيح بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب رقم: ٥٤؛ حديث، رقم: ٣٤٧٠؛ صحيح مسلم، ٢٧٦٦۔

❷ صحيح بخاري، كتاب التوحيد، باب قوله تعالىٰ ﴿وجوه يومئذ ناضرة﴾ ٧٤٣٩؛ صحيح مسلم، ١٨٣۔

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم اللہ کی راہ میں جا رہے ہو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو تم سے سلام علیک کرے تم اسے نہ کہہ دو کہ تو ایمان والا نہیں۔ تم زندگانی دنیا کے اسباب کی تلاش میں ہو تو اللہ تعالیٰ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں' پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا لہٰذا تم ضرور تحقیق و تفتیش کر لیا کرو' بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔[۹۴]

= مطالبہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے پاس سے اور اپنی طرف سے حور و قصور اور بلند درجات جنت دے کر پورا کر دے اور اس کے عوض وہ اپنے قاتل سے درگزر کرنے پر خوش ہو جائے اور قاتل کو اللہ تعالیٰ بخش دے وغیرہ' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ جان بوجھ کر مار ڈالنے والے کے لئے کچھ تو دنیوی احکام ہیں اور کچھ اخروی۔ دنیا میں تو اللہ تعالیٰ نے مقتول کے ولیوں کو اس پر غلبہ دیا ہے۔ فرماتا ہے ﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا﴾ ❶ ''جو ظلم سے قتل کیا جائے ہم نے اس کے پیچھے والوں کو غلبہ دیا ہے'' انہیں اختیار ہے کہ یا تو بدلہ لیں یعنی قاتل کو بھی قتل کرائیں یا معاف کر دیں' یا دیت یعنی خون بہا یعنی جرمانہ وصول کر لیں اور اس کے جرمانہ میں سختی ہے۔ جو تین قسموں پر ہے' تیس تو چوتھے سال کی عمر میں لگے ہوئے اونٹ اور تیس پانچویں سال میں لگے ہوئے اور چالیس گابھن اونٹنیاں جیسے کہ کتب احکام میں ثابت ہیں۔

اس میں ائمہ نے اختلاف کیا ہے کہ اس پر غلام کا آزاد کرنا یا دو ماہ کے پے درپے روزے رکھنے یا کھانا کھلانا ہے یا نہیں؟ پس امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب اور علما کی ایک جماعت تو اس کی قائل ہے کہ جب خطا میں یہ ہے تو عمد میں بطور اولیٰ ہونا چاہئے' اور ان پر جواباً جھوٹی غیر شرعی قسم کے کفارے کو پیش کیا گیا ہے۔ اور انہوں نے اس کا عذر عمداً چھوڑ دی ہوئی نماز کی قضا کو بنایا ہے جیسے کہ اس پر اجماع ہے خطا میں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب اور دوسرے حضرات کہتے ہیں قتل عمد کفارے سے بہت بڑھ چڑھ کر ہے' اس لئے اس میں کفارہ نہیں۔ اور اسی طرح جھوٹی قسم اور ان کے لئے ان دونوں صورتوں میں اور عمداً چھوڑی ہوئی نماز میں فرق کرنے کی کوئی راہ نہیں۔ اس لئے کہ یہ عمداً چھوڑی ہوئی نماز کی قضا کے وجوب کے قائل ہیں۔ اگلی جماعت کی ایک دلیل یہ حدیث بھی ہے جو مسند احمد میں مروی ہے کہ لوگ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کوئی ایسی حدیث سناؤ جس میں کمی زیادتی نہ ہو تو وہ بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے کیا تم قرآن لے کر جب پڑھتے ہو تو اس میں کمی زیادتی بھی کرتے ہو؟ انہوں نے کہا حضرت ہمارا مطلب یہ ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے جو سنی ہو۔ کہا ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے میں سے ایک آدمی کی بابت گئے جس نے بوجہ قتل کے اپنے تئیں جہنمی بنا لیا تھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس کی طرف سے ایک غلام آزاد کرو' اس کے ایک ایک عضو کے بدلہ اس کا =

❶ ۱۷/ الاسرآء:۳۳۔

=ایک ایک عضو اللہ تعالیٰ جہنم سے آزاد کرے گا۔" ❶

جو اجنبی سلام کرے اسے کافر نہ کہو: [آیت:۹۴] ترمذی وغیرہ کی ایک صحیح حدیث میں ہے کہ بنو سلیم کا ایک شخص بکریاں چراتا ہوا صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے پاس سے گزرا اور سلام کیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم آپس میں کہنے لگے یہ مسلمان تو ہے نہیں صرف اپنی جان بچانے کے لئے سلام کرتا ہے' چنانچہ اسے قتل کر دیا اور بکریاں لے کر چلے آئے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ ❷ یہ حدیث تو صحیح ہے لیکن کچھ نے اس میں علتیں نکالی ہیں کہ سماک راوی سے سوائے اس طریقے کے اور کوئی مخرج ہی اس کا نہیں اور یہ کہ عکرمہ سے اس کے روایت کرنے میں بھی تامل ہے' اور یہ کہ اس آیت کے شان نزول میں اور واقعات بھی مروی ہیں۔ بعض کہتے ہیں محکم بن جثامہ کے بارے میں اتری ہے بعض کہتے ہیں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس کے سوا بھی اقوال ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں یہ سب کلام مردود ہے' سماک سے اسے بہت سے ائمہ کبار نے روایت کیا ہے' عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے صحیح میں دلیل لی گئی ہے۔ یہی روایت دوسرے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری میں مروی ہے۔ ❸ سنن سعید ابن منصور میں بھی مروی ہے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص کو اس کے والد اور اس کی قوم نے اپنے اسلام کی خبر پہنچانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ راستے میں اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے ایک لشکر سے رات کے وقت ملاقات ہوئی۔ اس نے ان سے کہا کہ میں مسلمان ہوں لیکن انہیں یقین نہ آیا اور اسے دشمن سمجھ کر قتل کر ڈالا۔ ان کے والد کو جب یہ علم ہوا تو یہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہزار دینار دیئے اور دیت ادا کی اور انہیں عزت کے ساتھ رخصت کیا' اس پر یہ آیت اتری۔

محلم بن جثامہ کا واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک چھوٹا سا لشکر اضم کی طرف بھیجا۔ جب یہ لشکر بطن اضم میں پہنچا تو عامر بن اضبط اشجعی اپنی سواری پر سوار مع اسباب کے آ رہے تھے' پاس پہنچ کر سلام کیا' سب تو رک گئے لیکن محلم بن جثامہ نے کچھ آپس کی بنا پر اس پر جھپٹ کر حملہ کر دیا۔ انہیں قتل کر ڈالا اور اسباب قبضہ میں کر لیا۔ پھر ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا' اس پر یہ آیت اتری۔ ❹ ایک اور روایت میں ہے کہ عامر نے اسلامی طریقہ کے مطابق سلام کیا تھا۔ لیکن جاہلیت کی پہلی عداوت کے باعث محلم نے اسے تیر مار کر مار ڈالا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر پا کر عامر کے لوگوں سے کہا سنا' لیکن عیینہ نے کہا نہیں نہیں اللہ تعالیٰ کی قسم جب تک اس کی عورتوں پر بھی وہی مصیبت نہ آئے جو میری عورتوں پر آئی۔ محلم اپنی دونوں چادریں اوڑھے ہوئے آئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گئے' اس امید پر کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے استغفار کریں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ تجھے نہ بخشے۔" یہ یہاں سے سخت نادم شرمسار روتے ہوئے اٹھے اپنی چادروں سے اپنے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔ سات روز بھی نہ گزرنے پائے تھے جو انتقال کر گئے۔ لوگوں نے انہیں دفن کیا لیکن زمین نے ان کی نعش اگل دی۔

---

❶ احمد، ٤/ ١٠٧؛ ابو داود، ٣٩٦٤ وسنده حسن۔

❷ صحيح بخاری، كتاب تفسير القرآن، باب ومن سورة النساء، ٣٠٣٠۔

❸ صحيح بخاری، كتاب التفسير، سورة النساء، باب ﴿ولا تقولوا لمن القى اليكم السلام﴾ ٤٥٩١؛ صحيح مسلم، ٣٠٢٥۔ ❹ احمد٦/ ١١، مجمع الزوائد، ٧/ ٨۔

حضور اکرم ﷺ سے جب یہ ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”تمہارے اس ساتھی سے نہایت ہی بدتر لوگوں کو زمین سنبھال لیتی ہے لیکن اللہ کا ارادہ ہے کہ وہ تمہیں مسلمان کی حرمت دکھائے“ چنانچہ ان کے لاشے کو پہاڑ پر ڈال دیا گیا اور اوپر سے پتھر رکھ دیئے گئے اور یہ آیت نازل ہوئی (ابن جریر)۔ ❶

صحیح بخاری شریف میں تعلیقاً مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے فرمایا جب کہ انہوں نے قوم کفار کے ساتھ جو مسلمان مخفی ایمان لانے والا تھا اسے قتل کر دیا تھا باوجودیکہ اس نے اپنے اسلام کا اظہار کر دیا تھا' کہ ”تم بھی مکہ میں اسی طرح تھے کہ ایمان چھپائے ہوئے تھے۔“ ❷ بزار میں یہ واقعہ پورا اسی طرح مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک چھوٹا لشکر بھیجا تھا جس میں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب دشمنوں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ سب تو ادھر ادھر ہو گئے ہیں ایک شخص مالدار وہاں رہ گیا۔ اس نے انہیں دیکھتے ہی کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لیکن تاہم انہوں نے حملہ کر دیا اور اسے قتل کر ڈالا۔ ایک شخص جس نے یہ واقعہ دیکھا تھا وہ سخت برہم ہوا اور کہنے لگا مقداد تم نے اسے قتل کر ڈالا جس نے کلمہ پڑھا تھا؟ میں اس کا ذکر حضور اکرم ﷺ سے کروں گا۔ جب یہ لشکر واپس پہنچا تو اس شخص نے یہ واقعہ حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا۔ آپ ﷺ نے حضرت مقداد کو بلوایا اور فرمایا ”تم نے یہ کیا کیا؟ کل قیامت کے دن تم لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے سامنے کیا کرو گے“؟ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اے مقداد وہ شخص مخفی مسلمان تھا جس طرح تو مکہ میں اپنے ایمان کو مخفی رکھتا تھا۔ پھر تو نے اس کے اسلام ظاہر کرنے کے باوجود اسے مارا“؟ ❸

پھر فرماتا ہے کہ جس غنیمت کے لالچ میں تم غفلت برت رہے ہو اور سلام کرنے والوں کے ایمان میں شک وشبہ کر کے انہیں قتل کر ڈالتے ہو' سنو یہ غنیمت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں جو وہ تمہیں حلال ذرائع سے دے گا۔ اور وہ تمہارے لئے اس مال سے بہت بہتر ہوں گی۔ تم بھی اپنا وہ وقت یاد کرو کہ تم بھی ایسے ہی تھے اپنے ضعف اور اپنی کمزوری کی وجہ سے ایمان ظاہر کرنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔ قوم میں چھپے چھپے پھرتے تھے' آج اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا' تمہیں قوت دی اور تم کھلے بندوں اپنے اسلام کا اظہار کر رہے ہو' تو جو بے اسباب اب تک دشمنوں کے پنجے میں پھنسے ہوئے ہیں اور ایمان کا اعلان کھلے طور پر نہیں کر سکتے' جب وہ اپنا ایمان ظاہر کریں تمہیں تسلیم کر لینا چاہئے۔ اور آیت میں ہے ﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ﴾ ❹ یاد کرو جب کہ تم کم تھے کمزور تھے۔ الغرض ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح یہ بکری کا چرواہا اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا اسی طرح اس سے پہلے جب کہ بے سروسامانی اور قلت کی حالت میں تم مشرکوں کے درمیان تھے ایمان چھپائے پھرتے تھے۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ تم بھی پہلے اسلام والے نہ تھے' اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا اور تمہیں اسلام نصیب فرمایا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی تھی کہ اس کے بعد کبھی کسی لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے والے کو قتل نہ کروں گا' کیونکہ انہیں بھی اس بارے میں پوری سرزنش ہوئی تھی۔ پھر تاکیداً دوبارہ فرمایا کہ بخوبی تحقیق کر لیا کرو۔ پھر دھمکی دی جاتی ہے کہ اللہ کو اپنے اعمال سے غافل نہ سمجھو۔ جو تم کر رہے ہو وہ سب کی پوری خبر رکھتا ہے۔

---

❶ ابن جریر وسندہ ضعیف۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الدیات، باب قول اللہ ﴿ومن یقتل مؤمنا متعمدا......﴾ ٦٩٦٦، تعلیقًا۔

❸ البزار، ۲۲۰۲ وسندہ ضعیف، نیز دیکھئے الضعیفة للالبانی: ۴۱۰۹۔ ❹ ۸/ الانفال:۲۶۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾

ترجمہ: اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مومن اور بغیر عذر کے بیٹھ رہنے والے مومن برابر نہیں۔ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے درجوں میں بہت فضیلت دے رکھی ہے۔ اور یوں تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو خوبی اور اچھائی کا وعدہ دیا ہے' لیکن مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر بہت بڑے اجر کی فضیلت دے رکھی ہے۔[۹۵] اپنی طرف سے مرتبے کی بھی اور بخشش کی بھی اور رحمت کی بھی۔ اور اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔[۹۶]

عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے: [آیت:۹۵-۹۶] صحیح بخاری میں ہے کہ جب اس آیت کے ابتدائی الفاظ اترے کہ گھروں میں بیٹھ رہنے والے اور جہاد کرنے والے مؤمن برابر نہیں۔ آپ ﷺ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بلا کر اسے لکھوا رہے تھے کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا آئے اور کہنے لگے حضور! میں تو نابینا ہوں۔ اس پر الفاظ ﴿غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ﴾ نازل ہوئے یعنی وہ بیٹھ رہنے والے جو بے عذر ہوں۔ ❶ اور روایت میں ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ قلم دوات اور شانہ لے کر آئے تھے۔ اور حدیث میں ہے کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا' یارسول اللہ ﷺ! اگر مجھ میں طاقت ہوتی تو میں ضرور جہاد میں شامل ہوتا۔ اس پر وہ الفاظ اترے۔ اس وقت حضور اکرم ﷺ کی ران حضرت زید رضی اللہ عنہ کی ران پر تھی' اس قدر بوجھ ان پر پڑا کہ قریب تھا کہ ران ٹوٹ جائے۔ ❷ اور حدیث میں ہے کہ جس وقت ان الفاظ کی وحی اتری اور سکینت آپ ﷺ پر نازل ہوئی میں آپ ﷺ کے پہلو میں تھا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم وہ بوجھ مجھ پر رسول اللہ ﷺ کی ران کا پڑا کہ میں نے اس سے زیادہ بوجھل چیز کوئی نہیں اٹھائی۔ پھر وحی ہٹ جانے کے بعد آپ ﷺ نے ﴿عَظِيْمًا﴾ تک آیت لکھوائی اور میں نے اسے شانے کی ہڈی پر لکھ لیا۔ اور حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ابھی تو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے الفاظ ختم بھی نہ ہوئے تھے جو آپ ﷺ پر وحی نازل ہونی شروع ہوئی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وہ منظر اب تک میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ ان بعد میں اترے ہوئے الفاظ کو میں نے ان کی جگہ پر اپنی تحریر میں بعد میں بڑھائے ہیں۔ ❸ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مراد بدر کی لڑائی میں جانے والے اور اس میں حاضر نہ ہونے والے ہیں۔ ❹ غزوۂ بدر کے موقعہ پر حضرت عبداللہ بن جحش اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہما آ کر حضور اکرم ﷺ سے کہنے لگے ہم دونوں نابینا ہیں کیا ہمیں رخصت ہے؟ تو انہیں آیت قرآنی میں رخصت دی گئی۔ پس مجاہدین کو جن بیٹھ =

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ النساء، باب ﴿لا یستوی القاعدون......﴾ ٤٥٩٣؛ صحیح مسلم، ١٨٩٨۔
❷ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ النساء، باب ﴿لا یستوی القاعدون......﴾ ٤٥٩٢؛ ترمذی، ٣٠٣٣؛ نسائی، ٣١٠١۔ ❸ أبوداود، کتاب الجهاد، باب الرخصة فی القعود......، ٢٥٠٧ وسنده حسن۔
❹ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ النساء، باب ﴿لایستوی القاعدون......﴾ ٤٥٩٥۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوٓا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَّلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿٩٨﴾ فَأُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٩٩﴾ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيرًا وَّسَعَةً ۚ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٠﴾

ترجمہ: جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں پوچھتے ہیں تم کس حال میں تھے۔ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنی جگہ کمزور اور مغلوب تھے۔ فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے۔ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے پہنچنے کی۔[۹۷] مگر جو مرد عورتیں اور بچے بے بس ہیں جنہیں نہ تو کسی چارہ کار کی طاقت اور نہ کسی راستے کا علم۔[۹۸] بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے درگزر کرے۔ اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا اور معاف فرمانے والا ہے۔[۹۹] جو کوئی اللہ کی راہ میں وطن کو چھوڑے گا وہ زمین میں بہت سی قیام کی جگہیں بھی پائے گا اور کشادگی بھی' جو کوئی اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف نکل کھڑا ہو پھر اسے موت نے آ پکڑا تو بھی یقیناً اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہو گیا' اللہ تعالیٰ بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔[۱۰۰]

= رہنے والوں پر فضیلت دی گئی ہے وہ وہ ہیں جو صحت و تندرستی والے ہوں۔ ❶ پس پہلے تو مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر مطلقاً فضیلت تھی لیکن پھر اسی وحی کے ساتھ جو الفاظ اترے اس نے ان لوگوں کو جنہیں مباح عذر ہوں عام بیٹھ رہنے والوں سے مستثنیٰ کر لیا' جیسے اندھے لنگڑے لولے اور بیمار یہ مجاہدین کے درجے میں ہیں۔ پھر مجاہدین کی جو فضیلت بیان ہوئی ہے وہ بھی ان لوگوں پر ہے جو بے وجہ جہاد میں شامل نہ ہوئے ہوں جیسے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر گزری' اور یہی ہونا بھی چاہیے۔ بخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مدینہ میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ تم جس جہاد کے لئے سفر کرو اور جس جنگل میں کوچ کرو وہ تمہارے ساتھ اجر میں یکساں ہیں۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا باوجودیکہ وہ مدینہ میں مقیم ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں اس لئے کہ انہیں عذر نے روک رکھا تھا۔'' ❷ اور روایت میں ہے کہ ''تم جو خرچ کرتے ہو اس کا ثواب بھی جو تمہیں ملتا ہے انہیں بھی ملتا ہے۔'' ❸ اسی مطلب کو ایک شاعر نے ان الفاظ میں منظوم کیا ہے؟

يَا رَاحِلِينَ إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ لَقَدْ سِرْتُمْ جُسُومًا وَّ سِرْنَا نَحْنُ أَرْوَاحًا =

❶ سنن ترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورة النساء، ٣٠٣٢۔

❷ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب:٨٢؛ ح ٤٤٢٣؛ ابن ماجة، ٢٧٦٤۔

❸ أبوداود، کتاب الجهاد، باب الرخصة في القعود، ٢٥٠٨ وهو صحیح۔

= اِنَّـا اَقَمْنَـا عَلٰى عُذْرٍ وَّعَنْ قَدْرٍ وَمَنْ اَقَامَ عَلٰى عُذْرٍ فَقَدْ رَاحَا

''یعنی اے اللہ تعالیٰ کے گھر کے حج کو جانے والو! گو تم اپنے جسموں سمیت اس طرف چل رہے ہو لیکن ہم بھی اپنی روحانی روش سے اسی طرف لپکے جا رہے ہیں' سنو بے طاقتی اور عذر نے ہمیں روک رکھا ہے' اور یہ ظاہر ہے کہ عذر سے رک جانے والا کچھ جانے والے سے کم نہیں''

پھر فرماتا ہے ہر ایک سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ جنت کا اور بہت بڑے اجر کا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاد فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے۔ پھر ارشاد ہے' مجاہدین کو غیر مجاہدین پر بڑی فضیلت ہے۔ پھر ان کے بلند درجات ان کے گناہوں کی معافی اور ان پر جو برکت و رحمت ہے' اس کا بیان فرمایا اور اپنی عام بخشش اور عام رحم کی خبر دی۔ بخاری و مسلم میں ہے ''جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ کے مجاہدین کے لئے تیار کئے ہیں۔ ہر دو درجوں میں اس قدر فاصلہ ہے جتنا۔ آسمان و زمین میں۔'' ❶ اور حدیث میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا ''جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیر چلائے اسے جنت کا درجہ ملتا ہے۔'' ایک شخص نے پوچھا درجہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''وہ تمہارے یہاں کے گھروں کے بالا خانوں جتنا نہیں بلکہ دو درجوں میں سو سال کا فاصلہ ہے۔'' ❷

ہجرت کا بیان: [آیت:۹۷۔۱۰۰] محمد بن عبدالرحمٰن الاسود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اہل مدینہ سے جنگ کرنے کے لئے جو لشکر تیار کیا گیا اس میں میرا نام بھی تھا۔ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مولیٰ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملا اور اس بات کا ذکر کیا' تو انہوں نے مجھے اس میں شمولیت کرنے سے بہت سختی سے روکا اور کہا سنو! حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے میں نے سنا ہے کہ بعض مسلمان لوگ جو حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں مشرکوں کے ساتھ تھے اور ان کی تعداد بڑھاتے تھے' بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ ان میں سے کوئی کسی تیر سے ہلاک کر دیا جاتا یا مسلمانوں کی تلواروں سے قتل کر دیا جاتا۔ انہیں کے بارے میں یہ آیت اتری ہے ❸ یعنی موت کے وقت ان کا اپنی بے طاقتی کا حیلہ اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوتا۔ اور روایت میں ہے کہ ایسے لوگ جو اپنے ایمان کو مخفی رکھتے تھے جب کہ وہ بدر کی لڑائی میں کافروں کے ساتھ آ گئے تو مسلمانوں کے ہاتھوں ان میں سے بعض مارے گئے۔ جس پر مسلمان غمگین ہوئے کہ افسوس یہ تو ہمارے ہی بھائی تھے اور ہمارے ہی ہاتھوں مارے گئے۔ ان کے لئے استغفار کرنے لگے' اس پر یہ آیت اتری۔ پس باقی ماندہ مسلمانوں کی طرف یہ آیت لکھی کہ ان کا کوئی عذر نہیں تھا۔ کہا یہ نکلے اور ان سے مشرکین ملے اور انہوں نے تقیہ کیا۔ پس یہ آیت اتری ❹ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ ❺ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں اتری ہے جو اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے اور تھے مکہ میں ہی۔ ان میں علی بن امیہ بن خلف اور ابو قیس بن ولید بن مغیرہ اور ابو منصور بن حجاج اور حارث بن زمعہ تھے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ان منافقوں کے بارے میں اتری ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے بعد بھی مکہ میں رہ گئے' پھر بدر کی لڑائی میں مشرکوں کے ساتھ آئے' پھر بعض میدان جنگ میں بھی کام آئے۔ مقصد یہ ہے کہ آیت کا حکم عام ہے ہر اس شخص کا جو ہجرت پر قادر ہو پھر بھی مشرکوں میں پڑا رہے اور دین پر مضبوط نہ رہے وہ اللہ کے نزدیک ظالم ہے۔ اور اس آیت کی رو سے اور

❶ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب درجات المجاهدین فی سبیل الله، ۲۷۹۰؛ عن أبی هریرة رضی الله عنه؛ صحیح مسلم، ۱۸۸۴۔ ❷ نسائی، کتاب الجهاد، باب ثواب من رمی بسهم، ۳۱۴٦ عن کعب بن مرة رضی الله عنه، وسنده ضعیف سند میں انقطاع ہے سالم نے شرحبیل سے نہیں سنا۔ ❸ صحیح بخاری، کتاب التفسیر باب ﴿ان الذین توفهم......﴾ ٤٥٩٦۔

❹ الطبری، ۱۰۲٦۵، وسنده ضعیف۔ ❺ ۲/ البقرة:۸۔

مسلمانوں کے اجماع سے وہ حرام کام کا مرتکب ہے۔ اس آیت میں ہجرت کے چھوڑ دینے کو ظلم کہا گیا ہے۔ ایسے لوگوں سے ان کے نزع کے عالم میں فرشتے کہتے ہیں کہ تم یہاں کیوں ٹھہرے رہے؟ کیوں ہجرت نہ کی؟ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنے شہر سے دوسرے شہر کہیں نہیں جا سکتے تھے۔ جس کے جواب میں فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین میں کشادگی نہ تھی؟ ابوداؤد میں ہے ”جو شخص مشرکین میں ملا جلا رہے ان ہی کے ساتھ رہے سہے وہ بھی ان ہی جیسا ہے۔“ ❶ یہ ہے دوستی کا نتیجہ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جبکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ عقیل اور نوفل گرفتار کئے گئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”عباس تم اپنا فدیہ بھی دو اور اپنے بھتیجے کا بھی۔“ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم آپ ﷺ کے قبلے کی طرف نمازیں نہیں پڑھتے تھے؟ کیا ہم کلمہ شہادت ادا نہیں کرتے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”عباس! تم نے بحث تو چھیڑی لیکن اس میں تم ہار جاؤ گے۔ سنو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے“ پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ یعنی تم نے ہجرت کیوں نہ کی؟ ❷

پھر جن لوگوں کو ہجرت کے چھوڑ دینے پر ملامت نہ ہوگی ان کا ذکر فرماتا ہے کہ جو لوگ مشرکین کے ہاتھوں سے نہ چھوٹ سکیں اور کبھی چھوٹ بھی جائیں تو راستے کا علم انہیں نہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے گا۔ عسیٰ کا کلمہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں وجوب اور یقین کے لئے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا اور بہت ہی معافی دینے والا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز میں سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد سجدے میں جانے سے پہلے یہ دعا مانگی کہ ”اے اللہ عیاش بن ابی ربیعہ کو سلمہ بن ہشام کو ولید بن ولید کو اور تمام بے بس ناطاقت مسلمانوں کو کفار کے پنجے سے رہائی دے۔ اے اللہ اپنا سخت عذاب قبیلہ مضر پر ڈال۔ اے اللہ ان پر ایسی قحط سالی نازل فرما جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں آئی تھی۔“ ❸ ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد قبلہ کی طرف ہی منہ کئے ہوئے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ”اے اللہ ولید بن ولید کو عیاش بن ابی ربیعہ کو سلمہ بن ہشام کو اور تمام ناتواں بے طاقت مسلمانوں کو جو نہ حیلے کی طاقت رکھتے ہیں نہ راہ پانے کی کافروں کے ہاتھوں سے نجات دے۔“ ❹

ابن جریر میں ہے حضور اکرم ﷺ ظہر کی نماز کے بعد یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اس حدیث کے شواہد صحیح میں بھی اس سند کے سوا اور سندوں سے بھی ہیں جیسے کہ پہلے گزرا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ”میں اور میری والدہ ان ضعیف عورتوں اور بچوں میں تھے جن کا ذکر اس آیت میں ہے ہمیں اللہ تعالیٰ نے معذور رکھا۔ ❺

اجر و ثواب کا دارومدار نیت پر ہے: ہجرت کی ترغیب دیتے ہوئے اور مشرکوں سے الگ ہونے کی ہدایت کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والا ہراساں نہ ہو وہ جہاں جائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے اسباب پناہ تیار کر دے گا اور وہ آرام

---

❶ أبوداود، كتاب الجهاد، باب فى الاقامة بأرض الشرك، ۲۷۸۷، وسنده ضعيف خبیب مجہول اور جعفر راوی ضعیف ہے۔

❷ الطبری، ۱۰۲۷ یہ روایت مرسل ہے۔ ❸ صحيح بخاری، كتاب التفسير، سورة النساء، باب قول ﴿فاولئك عسى الله أن يعفو عنهم﴾ ۴۵۹۸؛ صحيح مسلم، ۶۷۵؛ أبوداود، ۱۴۴۲۔

❹ ابن ابی حاتم وسنده ضعيف اس کی سند میں علی بن زید بن جدعان ضعیف راوی ہے۔ (التقريب، ۲/ ۳۷، رقم: ۳۴۲)

❺ صحيح بخاری، كتاب التفسير، سورة النساء، باب ﴿الا المستضعفين من الرجال والنسآء﴾ ۴۵۹۷۔

وہاں اقامت کر سکے گا۔ مراغم کے ایک معنی ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے بھی ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ اپنے دکھ سے بچاؤ کی بہت سی صورتیں پالے گا۔ امن کے بہت سے اسباب اسے مل جائیں گے۔ دشمنوں کے شر سے بچ جائے گا اور وہ روزی بھی پائے گا۔ گمراہی سے ہدایت اسے ملے گی اور فقیری تونگری سے بدل جائے گی۔ پھر فرماتا ہے جو شخص بہ نیت ہجرت اپنے گھر سے نکلا پھر ہجرت گاہ پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں اسے موت آ گئی اسے بھی ہجرت کا کامل ثواب مل گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''ہر عمل کا مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہ ہے جو اس نے نیت کی۔ پس جس کی ہجرت اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کا باعث ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے کے لئے ہو یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہو تو اسے اصل ہجرت کا ثواب نہ ملے گا۔ بلکہ اس کی ہجرت اسی طرف سمجھی جائے گی۔'' ❶ یہ حدیث عام ہے ہجرت وغیرہ تمام اعمال کو شامل ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں اس شخص کے بارے میں ہے جس نے ننانوے قتل کئے تھے پھر ایک عابد کو قتل کر کے سو پورے کئے پھر ایک عالم سے پوچھا کہ کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا تیری توبہ کے اور تیرے درمیان کوئی چیز حائل نہیں تو اپنی بستی سے ہجرت کر کے فلاں شہر چلا جا جہاں اللہ کے عابد بندے رہتے ہیں۔ چنانچہ یہ ہجرت کر کے اس طرف چلا راستہ میں ہی تھا جو موت آ گئی۔ رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں اس کے بارے میں اختلاف ہوا۔ یہ تو کہہ رہے تھے یہ شخص توبہ کر کے ہجرت کر کے چل کھڑا ہوا اور وہ کہہ رہے تھے یہ وہاں پہنچا تو نہیں۔ پھر انہیں حکم کیا گیا کہ وہ اس طرف کی اور اس طرف کی زمین ناپیں جس بستی سے یہ شخص قریب ہو اس کے رہنے والوں میں اسے ملا دیا جائے۔ پھر زمین کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ بری بستی کی جانب سے دور ہو جائے اور نیک بستی والوں کی طرف قریب ہو جائے۔ جب زمین ناپی گئی تو توحید والوں کی بستی سے ایک بالشت برابر قریب نکلی اور اسے رحمت کے فرشتے لے گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ موت کے وقت یہ اپنے سینے کے بل نیک لوگوں کی بستی کی طرف گھسٹتا ہوا گیا۔ ❷

مسند احمد کی حدیث میں ہے ''جو شخص اپنے گھر سے اللہ کی راہ میں جہاد کی نیت سے نکلا'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تینوں انگلیوں یعنی کلمہ کی انگلی بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر کہا پھر فرمایا ''کہاں ہیں مجاہد؟ پھر وہ اپنی سواری پر سے گر پڑا یا اسے کسی جانور نے کاٹ کھایا یا اپنی موت مر گیا تو اس کا ہجرت کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمے ثابت ہو گیا'' (راوی کہتے ہیں اپنی موت مرنے کے لئے جو کلمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال کیا) واللہ میں نے اس کلمہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی عرب کی زبانی نہیں سنا' اور جو شخص غضب کی حالت میں قتل کیا گیا وہ جگہ کا مستحق ہو گیا۔ ❸ حضرت خالد بن حزام رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے حبشہ کی طرف چلے لیکن راہ میں ہی انہیں ایک سانپ نے ڈس لیا اور اسی میں ان کی روح قبض ہو گئی۔ ان کے بارے میں یہ آیت اتری۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں چونکہ ہجرت کر کے حبشہ پہنچ گیا تھا اور مجھے ان کی خبر مل گئی تھی کہ یہ بھی ہجرت کر کے آ رہے ہیں اور میں جانتا تھا کہ قبیلہ بنو اسد سے ان کے سوا =

---

❶ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ، ۱؛ صحیح مسلم، ۱۹۰۷؛ أبوداود، ۲۲۰۱؛ ترمذی، ۱۶۴۷؛ نسائی، ۳۸۲۵۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب أحادیث الانبیاء باب: ۵۴؛ ح ۳۴۷۰؛ صحیح مسلم، ۲۷۶۶۔ ❸ مسند احمد، ۴/ ۳۶ وسندہ ضعیف؛ مجمع الزوائد، ۵/ ۲۸۰، اس کی سند میں محمد بن اسحاق مدلس راوی ہے۔ (التقریب، ۲/ ۱۴۴) اس روایت میں سماع کی تصریح نہیں ہے۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ: جب تم سفر میں جا رہے ہو تو تم پر نمازوں کے قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں' اگر تمہیں ڈر ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے۔ البتہ کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔ [۱۰۱]

= اور کوئی ہجرت کر کے آنے کا نہیں اور کم و بیش جتنے مہاجر تھے ان کے ساتھ رشتے کنبے کے لوگ تھے' لیکن میرے ساتھ کوئی نہ تھا۔ میں ان کا یعنی حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا جو مجھے ان کی اس طرح کی اچانک شہادت کی خبر ملی تو مجھے بہت ہی رنج ہوا۔ یہ اثر بہت ہی غریب ہے۔ ❶ یہ بھی وجہ ہے کہ یہ قصہ مکہ مکرمہ کا ہے اور آیت مدینہ طیبہ میں اتری ہے۔ لیکن بہت ممکن ہے کہ راوی کا مقصود یہ ہو کہ آیت کا حکم عام ہے گو شان نزول یہ نہ ہو وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت ضمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں انتقال کر گئے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ❷ اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو ضمیرہ جن کو آنکھوں سے دکھائی نہ دیتا تھا جب وہ آیت ﴿اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ﴾ سنتے ہیں تو کہتے ہیں میں مالدار ہوں اور چارہ کار بھی رکھتا ہوں مجھے ہجرت کرنی چاہئے۔ چنانچہ سامان سفر تیار کر لیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل کھڑے ہوئے لیکن ابھی تنعیم میں ہی تھے جو موت آ گئی' ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ❸ طبرانی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص میری راہ میں غزوہ کرنے کے لئے نکلا صرف میرے وعدوں کو سچا جان کر اور میرے رسولوں پر ایمان رکھ کر پس وہ اللہ تعالیٰ کی ضمانت میں ہے یا تو وہ لشکر کے ساتھ فوت ہو کر جنت میں پہنچے گا یا اللہ تعالیٰ کی ضمانت میں واپس لوٹے گا اجر و غنیمت اور فضل اللہ لے کر۔ اگر وہ اپنی موت مر جائے یا مار ڈالا جائے یا گھوڑے سے گر جائے یا اونٹ پر سے گر پڑے یا کوئی زہریلا جانور کاٹ لے یا اپنے بستر پر کسی طرح بھی فوت ہو جائے وہ شہید ہے۔'' ابوداؤد میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ ''وہ جنتی ہے۔'' بعض الفاظ ابوداؤد میں نہیں ہیں۔ ❹ ابو یعلیٰ میں ہے ''جو شخص حج کے لئے نکلا پھر مر گیا قیامت تک اسکے لئے حج کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ جو عمرے کے لئے نکلا اور راستے میں فوت ہو گیا اس کے لئے قیامت تک عمرے کا اجر لکھا جاتا ہے۔ جو جہاد کے لئے نکلا اور فوت ہو گیا اس کے لئے قیامت تک جہاد کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ یہ حدیث بھی غریب ہے۔'' ❺

نماز قصر کے احکام و مسائل: [آیت:۱۰۱] فرمان الٰہی ہے کہ تم کہیں سفر میں جا رہے ہو' یہی الفاظ سفر کے لئے سورہ مزمل میں بھی آئے ہیں' تو تم پر نماز کی تخفیف کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ یہ کمی یا تو کمیت میں یعنی بجائے چار رکعت کے دو رکعت ہے جیسے کہ جمہور نے اس آیت میں سمجھا ہے۔ گو پھر ان میں بعض مسائل میں اختلاف ہوا ہے۔ بعض تو کہتے ہیں یہ شرط ہے کہ سفر اطاعت کا ہو مثلاً جہاد کے لئے یا حج و عمرے کے لئے یا طلب علم و زیارت کے لئے وغیرہ۔ ابن عمر' عطا اور یحییٰ کی ایک روایت کی رو سے امام مالک رحمہ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔ کیونکہ اس سے آگے فرمان ہے اگر تمہیں کفار کی ایذا رسانی کا خوف ہو۔ بعض کہتے ہیں اس قید کی کوئی ضرورت نہیں کہ

❶ ابن ابی حاتم وسندہ ضعیف۔ ❷ ابن ابی حاتم وسندہ ضعیف۔

❸ یہ روایت مرسل یعنی ضعیف ہے۔

❹ ابو داود، کتاب الجهاد باب فيمن مات غازيا، ۲۴۹۹، وسندہ ضعیف مکحول نے عبدالرحمٰن بن غنم کو نہیں پایا۔

❺ ابو یعلی، ۶۳۵۷ وسندہ ضعیف۔

سفر قربت خداوندی کا ہو بلکہ نماز کی کمی ہر مباح سفر کے لئے ہے' جیسے اضطرار اور بے بسی کی صورت میں مردار کھانے کی اجازت ہے۔ہاں شرط یہ ہے کہ سفر معصیت کا نہ ہو۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ 'امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ائمہ کا یہی قول ہے۔ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میں تجارت کے سلسلے میں دریائی سفر کرتا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا' یہ حدیث مرسل ہے۔ بعض لوگوں کا مذہب ہے کہ ہر سفر میں نماز کو قصر کرنا چاہئے۔سفر خواہ مباح ہو خواہ ممنوع ہو' یہاں تک کہ اگر کوئی ڈاکہ ڈالنے کے آئے اور مسافروں کو ستانے کے لئے نکلا ہوا سے بھی نماز قصر کرنے کی اجازت ہے۔ابو حنیفہ' ثوری، اور داؤد رحمۃ اللہ علیہم کا یہی قول ہے کہ آیت عام ہے' لیکن یہ قول جمہور کے قول کے خلاف ہے' کفار سے ڈر کی جو شرط لگائی ہے یہ باعتبار اکثریت کے ہے۔آیت کے نازل ہونے کے وقت چونکہ عموماً یہی حال تھا اس لئے آیت میں بھی اسے بیان کر دیا گیا۔ہجرت کے بعد کے سفر مسلمانوں کے سب کے سب خوف والے ہی ہوتے تھے' قدم قدم پر دشمن کا خطرہ رہتا تھا بلکہ مسلمان سفر کے لئے نکل ہی نہ سکتے تھے بجز اس کے کہ یا تو جہاد کو جائیں یا کسی خاص لشکر کے ساتھ جائیں۔اور یہ قاعدہ ہے کہ جب منطوق باعتبار غالب کے آئے تو اس کا مفہوم معتبر نہیں ہوتا۔جیسے اور آیت میں ہے کہ اپنی لونڈیوں کو بدکاری کے لئے مجبور نہ کرو اگر وہ پاک دامنی کرنا چاہتی ہوں' اور جیسے فرمایا ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں جن عورتوں سے تم نے صحبت کی ہے۔پس جیسے کہ ان دونوں آیتوں میں قید کا بیان ہے۔لیکن اس کے ہونے پر ہی حکم کا دارومدار نہیں بلکہ اس کے بغیر بھی حکم وہی ہے' یعنی لونڈیوں کو بدکاری کے لئے مجبور کرنا حرام ہے گو وہ پاکدامنی چاہتی ہوں یا نہ چاہتی ہوں۔اسی طرح اس عورت کی لڑکی حرام ہے جس سے نکاح ہو کر صحبت ہو گئی ہو خواہ وہ اس کی پرورش میں ہو یا نہ ہو حالانکہ دونوں جگہ قرآن میں قید موجود ہے۔پس جس طرح ان دونوں موقعوں میں بغیر ان قیود کے بھی حکم یہی ہے اسی طرح یہاں بھی گو خوف نہ ہوتا ہم محض سفر کی وجہ سے نماز کو قصر کرنا جائز ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت یعلیٰ بن امیہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نماز کی تخفیف کا حکم تو خوف کی حالت میں ہے اور اب تو امن ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہی خیال مجھے ہوا تھا اور یہی سوال میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا صدقہ ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے تم اس کے صدقے کو قبول کرو۔ ❶ مسلم اور سنن وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے' بالکل صحیح روایت ہے۔ابو حنظلہ حذاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سفر کی نماز کے بارے میں پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا دو رکعتیں ہیں۔انہوں نے کہا قرآن میں تو خوف کے وقت دو رکعت ہیں اور اس وقت تو پوری طرح امن و امان ہے۔تو آپ نے فرمایا یہی سنت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (ابن ابی شیبہ)۔ایک اور شخص کے سوال پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا آسمان سے تو رخصت اتر چکی ہے اب اگر تم چاہو تو اسے لوٹا دو۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مکہ اور مدینہ کے درمیان ہم نے باوجود امن کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو دو رکعت پڑھیں ❷ (نسائی وغیرہ)۔اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ معظمہ کی طرف چلے بجز خوف ربانی کے کسی دشمن کا خوف نہ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر دو رکعت ہی ادا فرماتے رہے۔ ❸ بخاری کی حدیث میں ہے کہ

---

❶ صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة المسافرين، ٦٨٦؛ ابو داود، ١١٩٩، ١٢٠٠؛ ترمذي، ٣٠٣٤؛ ابن ماجه، ١٠٦٥۔ ❷ ترمذي، كتاب الجمعة (السفر) باب ماجاء في التقصير في السفر، ٥٤٧ وهو صحيح؛ نسائي، ١٤٣٦، ١٤٣٧، بمعناه۔

❸ ترمذي، كتاب الجمعة (السفر) باب ما جاء في التقصير في السفر، ٥٤٧، وهو صحيح؛ نسائي، ١٤٣٧۔

واپسی میں بھی یہی دو رکعت آپ ﷺ پڑھتے رہے۔ اور مکہ میں اس سفر میں آپ ﷺ نے دس روز قیام کیا تھا۔ ❶ مسند احمد میں حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ منیٰ میں ظہر کی اور عصر کی نماز دو دو رکعت پڑھی ہیں حالانکہ اس وقت ہم بکثرت تھے اور نہایت ہی پر امن تھے۔ ❷ صحیح بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ (سفر میں) دو رکعت پڑھی ہیں' لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اب اپنی خلافت کے آخری زمانہ میں پوری پڑھنے لگے ہیں۔ ❸ بخاری کی اور روایت میں ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی چار رکعتوں کا ذکر آیا تو آپ نے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھ کر فرمایا میں نے تو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ بھی منیٰ میں دو رکعت پڑھی ہیں اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی کاش کہ بجائے ان چار رکعتوں کے میرے حصے میں دو ہی مقبول رکعت آتیں۔ ❹ پس یہ احادیث کھلم کھلا دلیل ہیں اس بات کی کہ سفر کی دو رکعت کے لئے خوف کا ہونا شرط نہیں بلکہ نہایت امن و اطمینان کے سفر میں بھی دوگانہ ادا کر سکتا ہے۔

اسی لئے بعض علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ یہاں کیفیت میں یعنی قراءت' قومہ' رکوع اور سجود وغیرہ میں قصر اور کمی مراد ہے نہ کہ کمیت میں یعنی تعداد رکعات میں تخفیف کرنا۔ ضحاک' مجاہد اور سدی رحمہ اللہ علیہم کا یہی قول ہے جیسے کہ آ رہا ہے۔ اس کی ایک دلیل امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ یہ حدیث بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نماز دو رکعتیں ہی سفر حضر میں فرض کی گئی تھی۔ پھر سفر میں تو وہی دو رکعتیں ہیں اور اقامت کی حالت میں دو اور بڑھا دی گئیں۔ ❺ پس علما کی یہ جماعت کہتی ہے کہ اصل نماز دو رکعت تھی تو پھر اس آیت میں قصر سے مراد کمیت یعنی رکعت کی تعداد میں کمی کیسے ہو سکتی ہے؟ اس قول کی بہت بڑی تائید صراحۃً اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو مسند احمد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ بزبان نبی اکرم ﷺ سفر کی دو رکعت ہیں اور ضحیٰ کی نماز بھی دو رکعت ہے اور عید الفطر کی نماز بھی دو رکعت ہے اور جمعہ کی نماز بھی دو رکعت ہے یہی پوری نماز ہے قصر والی نہیں۔ ❻ یہ حدیث نسائی' ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان میں بھی ہے' اس کی سند بشرط مسلم ہے۔ اس کے راوی ابن ابی لیلیٰ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے جیسے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں لکھا ہے ❼ اور خود اس روایت میں اور اس کے سوا بھی صراحۃً موجود ہے اور یہی ٹھیک بھی ہے' ان شاء اللہ۔ گو بعض محدثین اس کے سننے کے قائل نہیں۔ لیکن اسے مانتے ہوئے بھی اس سند میں نقصان نہیں آتا کیونکہ بعض طرق میں ابن ابی لیلیٰ کا ایک راوی سے اور ان کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سننا مروی ہے۔ اور ابن ماجہ میں ان کا کعب بن عجرہ رحمۃ اللہ علیہ سے

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التقصیر، باب ما جاء فی التقصیر وکم یقیم حتی یقصر، ۱۰۸۱؛ صحیح مسلم، ۶۹۳؛ أبوداود، ۱۲۳۳؛ ترمذی، ۵۴۸؛ نسائی، ۱۴۵۴؛ ابن ماجه، ۱۰۷۷۔

❷ صحیح بخاری، کتاب التقصیر، باب الصلاة بمنیٰ، ۱۰۸۳؛ صحیح مسلم، ۶۹۶۔

❸ صحیح بخاری، کتاب التقصیر، باب الصلاة بمنیٰ، ۱۰۸۲؛ صحیح مسلم، ۱۵۹۰؛ نسائی، ۱۴۵۱۔

❹ صحیح بخاری، کتاب التقصیر، باب الصلاة بمنیٰ، ۱۰۸۴؛ صحیح مسلم، ۶۹۵۔

❺ صحیح بخاری، کتاب الصلاة، باب کیف فرضت الصلوات فی الإسراء، ۳۵۰؛ صحیح مسلم، ۶۸۵؛ أبوداود، ۱۱۹۸؛ نسائی، ۴۵۳۔ ❻ نسائی، کتاب تقصیر الصلاة، باب، ۱؛ ح ۱۴۴۱ وهو صحیح؛ ابن ماجه، ۱۰۶۳۔

❼ انظر آخر مقدمة صحیح مسلم۔

روایت کرنا اوران کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرنا بھی مروی ہے۔ ❶ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ مسلم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی نماز کو اقامت کی حالت میں چار رکعت فرض کیا ہے اور سفر میں دو رکعت اور خوف میں ایک رکعت پس جیسے کہ حضر میں اس سے پہلے اور اس کے پیچھے نماز پڑھتے تھے یا پڑھی جاتی تھی اسی طرح سفر میں بھی۔ ❷ اور اس روایت میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی روایت میں جو اوپر گزری کہ حضر میں اللہ تعالیٰ نے دو رکعت ہی فرض کی تھیں کچھ منافات نہیں' اس لئے کہ اصل دو ہی تھیں بعد میں دو اور بڑھا دی گئیں' پھر حضر کی چار رکعتیں ہو گئیں تو اب کہہ سکتے ہیں کہ اقامت کی حالت میں فرض چار رکعتیں ہیں۔ جیسے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت میں ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ الغرض یہ دونوں روایتیں اسے ثابت کرتی ہیں کہ سفر میں دو رکعت نماز ہے اور وہی پوری نماز ہے کمی والی نہیں' اور یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہو چکا ہے تو مراد اس میں قصر کیفیت ہے جیسے کہ صلوٰۃ خوف میں۔ اسی لئے فرمایا ہے اگر تم ڈرو اس بات سے کہ کافر تمہیں فتنے میں ڈال دیں گے اور اس کے بعد فرمایا جب تو ان میں ہو اور نماز پڑھو تو بھی۔

پھر قصر کا مقصود صفت اور کیفیت بھی بیان فرما دی۔ امام المحدثین حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب صلوٰۃ خوف کو اسی آیت ﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ﴾ سے ﴿مُّهِيْنًا﴾ تک لکھ کر شروع کیا ہے۔

ضحاک رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ لڑائی کا وقت ہے انسان اپنی سواری پر نماز و تکبیریں پڑھ لے' اس کا منہ جس طرف بھی ہو اسی طرف ہی صحیح ہے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سفر میں جب تو نے دو رکعت پڑھیں تو وہ قصر کی پوری مقدار ہے۔ ہاں جب کافروں کی فتنہ انگیزی کا خوف ہو تو ایک ہی رکعت قصر ہے اور یہ بجز ایسے خوف کے وقت کے حلال نہیں۔

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت سے مراد وہ دن ہے جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عسفان میں تھے اور مشرک ضجنان میں تھے ایک دوسرے سے برسر پیکار بالکل تیار ادھر ظہر کی نماز کا وقت آ گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسب معمول چار رکعتیں پوری ادا کیں۔ ادھر مشرکین نے سامان و اسباب کو لوٹ لینے کا ارادہ کیا۔ ❸ ابن جریر رحمہ اللہ اسے مجاہد، اور سدی، اور جابر، اور ابن عمر سے روایت کرتے ہیں اور اسی کو اختیار کرتے ہیں اور اسی کو کہتے ہیں کہ یہی ٹھیک ہے۔ حضرت خالد بن اسید رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہتے ہیں صلوٰۃ خوف کے قصر کا حکم تو ہم کتاب اللہ میں پاتے ہیں لیکن صلوٰۃ مسافر کے قصر کا حکم کتاب اللہ میں نہیں ملتا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جواب دیتے ہیں ہم نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر میں نماز کو قصر کرتے ہوئے پایا اور ہم نے بھی اس پر عمل کیا۔ ❹ خیال فرمائیے کہ اس میں قصر کا اطلاق صلوٰۃ خوف پر کیا اور آیت سے مراد بھی صلوٰۃ خوف لی اور صلوٰۃ مسافر کو اس میں شامل نہیں کیا' اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کا اقرار کیا۔ اس آیت سے مسافرت کی نماز کا قصر بیان نہیں فرمایا' بلکہ اس کے لئے فعل رسول اللہ کو سند بتایا۔ اس سے زیادہ صراحت والی روایت ابن جریر کی ہے کہ حضرت سماک رحمہ اللہ آپ سے صلوٰۃ سفر کا مسئلہ پوچھتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں سفر کی نماز دو رکعت ہے اور یہی دو رکعت سفر کی پوری نماز ہے قصر نہیں' قصر تو صلوٰۃ خوف میں ہے کہ امام ایک جماعت کو ایک رکعت پڑھتا ہے' دوسری جماعت دشمن کے سامنے ہے۔ پھر یہ چلے گئے وہ آ گئے ایک رکعت امام نے انہیں پڑھائی تو امام کی دو رکعت ہوئیں اور ان دونوں جماعتوں کی ایک ایک رکعت ہوئی۔ ❺

---

❶ دیکھئے ابن ماجه، کتاب اقامة الصلوات، باب تقصير الصلاة في السفر، ١٠٦٤ وسنده صحيح۔ ❷ صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة المسافرين وقصرها، ٦٨٧؛ ابوداود، ١٢٤٧؛ نسائی، ١٥٣٢۔

❸ یہ روایت مرسل یعنی ضعیف ہے۔ ❹ الطبری، ١٠٣٢٣۔ ❺ الطبری، ١٠٣٣٢۔

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا
اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ
يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ
تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ
عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ
وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿١٠٢﴾

ترجمہ: جب تو ان میں ہو اور انہیں نماز میں کھڑا کر لے تو چاہیئے کہ ان کی ایک جماعت تو تیرے ساتھ اپنے ہتھیار لئے کھڑی ہو پھر جب یہ سجدہ کر چکیں تو یہ تو ہٹ کر تمہارے پیچھے آ جائیں اور وہ دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی وہ آ جائے اور تیرے ساتھ نماز ادا کرے۔ اور اپنا بچاؤ اور اپنے ہتھیار لئے رہیں' کافر چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے بے خبر ہو جاؤ' تو وہ تم پر اچانک دھاوا بول دیں' ہاں اپنے ہتھیار اتار رکھنے میں اس وقت تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تمہیں تکلیف ہو یا بوجہ بارش کے یا بسبب بیمار ہو جانے کے اپنے بچاؤ کی چیزیں ساتھ لئے رہو' اللہ تعالیٰ نے منکروں کے لئے ذلت کی مار تیار کر رکھی ہے۔ [۱۰۲]

نماز خوف کا بیان: [آیت:۱۰۲] نماز خوف کی کئی قسمیں ہیں اور مختلف صورتیں اور حالتیں ہیں کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ دشمن قبلہ کی طرف ہے کبھی دشمن دوسری جانب ہوتا ہے' نماز بھی کبھی چار رکعت کی ہوتی ہے کبھی تین رکعت کی جیسے مغرب کبھی دو جیسے فجر اور صلوٰۃ سفر' کبھی جماعت سے ادا کرنی ممکن ہوتی ہے کبھی لشکر اس طرح گتھے ہوئے ہوتے ہیں کہ نماز با جماعت ممکن ہی نہیں ہوتی بلکہ الگ الگ قبلے کی طرف اور غیر قبلے کی طرف پیدل اور سوار جس طرح بن پڑے' بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے اور جائز بھی ہے کہ دشمنوں کے حملوں سے بچتے جائیں' ان پر برابر حملے کرتے جائیں' نماز بھی ادا کرتے جائیں۔ ایسی حالت میں صرف ایک رکعت ہی نماز پڑھی جاتی ہے جس کے جواز کا علما کا فتویٰ ہے اور دلیل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جو اس سے اگلی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے۔ عطاء' جابر' حسن' مجاہد' حکم' قتادہ' حماد' طاؤس' ضحاک' محمد بن نصر مروزی' ابن حزم رحمۃ اللہ علیہم کا یہی فتویٰ ہے۔ صبح کی نماز میں ایک ہی رکعت اس حالت میں رہ جاتی ہے۔ اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایسی دوڑ دھوپ کے وقت ایک ہی رکعت کافی ہے' اشارے سے ادا کر لے اگر اس قدر پر بھی قادر نہ ہو تو سجدہ کر لے یہ بھی ذکر اللہ ہے۔ اور لوگ کہتے ہیں صرف ایک تکبیر ہی کافی ہے لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ ایک سجدہ اور ایک تکبیر سے مراد بھی ایک رکعت ہو۔ جیسے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کا فتویٰ ہے' اور یہی قول ہے جابر بن عبداللہ' عبداللہ بن عمر' کعب وغیرہ صحابہ کا رضی اللہ عنہم۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں کا قول صرف ایک تکبیر کا ہی بیان ہوا ہے اس کے بیان کرنے والے اسے پوری رکعت پر محمول نہیں کرتے بلکہ صرف تکبیر ہی جو ظاہر ہے مراد لیتے ہیں جیسے کہ اسحاق بن راہویہ کا مذہب ہے۔ امیر عبدالوہاب بن بخت مکی بھی اسی طرف گئے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو اسے اپنے نفس میں بھی نہ چھوڑے یعنی نیت ہی

کر لے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ (لیکن صرف نیت کے کر لینے یا صرف اللہ اکبر کہہ لینے پر اکتفا کرنے یا صرف ایک ہی سجدہ کر لینے کی کوئی دلیل قرآن وحدیث سے نظر سے نہیں گزری' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ مترجم)

بعض علما نے ایسے خاص اوقات میں نماز کو تاخیر کر کے پڑھنے کی رخصت بھی دی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جنگ خندق میں سورج ڈوب جانے کے بعد ظہر عصر کی نماز پڑھی تھی ❶ پھر مغرب عشاء کی۔ ❷ پھر اس کے بعد بنو قریظہ کی جنگ کے دن ان کی طرف جنہیں بھیجا تھا انہیں تاکید کر دی تھی کہ تم میں سے کوئی بھی بنو قریظہ تک پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھے۔ یہ جماعت ابھی راستے میں ہی تھی جو عصر کا وقت آ گیا تو بعض نے تو کہا حضور اکرم ﷺ کا مقصد اس فرمان سے صرف یہی تھا کہ ہم جلدی بنو قریظہ پہنچیں نہ یہ کہ نماز کا وقت ہو جائے تو بھی نماز نہ پڑھیں چنانچہ ان لوگوں نے تو راستے میں ہی بروقت نماز ادا کر لی۔ اوروں نے بنو قریظہ پہنچ کر نماز پڑھی جب کہ سورج غروب ہو چکا تھا۔ جب اس بات کا ذکر حضور اکرم ﷺ سے ہوا تو آپ نے دونوں جماعتوں میں سے کسی ایک کو بھی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی۔ ❸ ہم نے اس پر تفصیلی بحث اپنی کتاب السیرۃ میں کی ہے اور اسے ثابت کیا ہے کہ صحیح بات کے قریب وہ جماعت تھی جنہوں نے وقت پر نماز ادا کر لی' گو دوسری جماعت بھی معذور تھی۔ مقصود یہ ہے کہ اس جماعت نے جہاد کے موقع پر دشمنوں پر تاخت کرتے ہوئے ان کے قلعے کی طرف یورش جاری رکھتے ہوئے نماز کو موخر کر دیا۔ دشمنوں کا یہ گروہ ملعون یہودیوں کا تھا جنہوں نے عہد توڑ دیا تھا اور صلح کے خلاف کیا تھا۔ لیکن جمہور کہتے ہیں صلوٰۃ خوف کے نازل ہونے سے یہ سب منسوخ ہو گیا۔ یہ واقعات اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کے ہیں صلوٰۃ خوف کے حکم کے بعد اب جہاد کے وقت نماز کو وقت سے ٹالنا جائز نہیں رہا۔ ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی یہی ظاہر ہے جسے شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مروی کی ہے۔ ❹ لیکن صحیح بخاری ❺ کے باب اَلصَّلٰوةُ عِنْدَ مُنَاهَضَةِ الْحُصُوْنِ میں ہے کہ اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر فتح کی تیاری ہو اور نماز باجماعت کا امکان نہ ہو تو ہر شخص الگ الگ اپنی اپنی نماز اشارے سے ادا کر لے یہ بھی نہ ہو سکتا ہو تو نماز میں تاخیر کر لیں یہاں تک کہ جنگ ختم ہو یا امن مل جائے اس وقت دو رکعت پڑھ لیں اور اگر امن نہ ملے تو ایک رکعت ادا کر لیں۔ صرف تکبیر کا کہہ لینا کافی نہیں۔ ایسا ہی ہو تو نماز کو دیر کر کے پڑھیں جب کہ اطمینان نصیب ہو جائے۔ حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان بھی یہی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تستر کے قلعہ کے محاصرے میں میں موجود تھا۔ صبح صادق کے وقت دست بدست جنگ شروع ہوئی اور سخت ہنگامہ کا رن پڑا۔ ہم لوگ نماز نہ پڑھ سکے اور برابر جہاد میں مشغول رہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں قلعہ پر قابض کر دیا اس وقت ہم نے دن چڑھے نماز پڑھی' اس جنگ میں ہمارے امام حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس نماز کے بدلے ساری دنیا اور اس کی تمام چیزیں بھی مجھے خوش نہیں کر سکتیں۔ ❻

---

❶ صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاة، باب من صلی بالناس جماعة بعد ذهاب الوقت، ۵۹۶؛ صحیح مسلم، ۶۳۱۔

❷ ترمذی، کتاب الصلاة، باب ماجاء فی الرجل تفوته الصلوات، ۱۷۹؛ وهو حسن، نسائی، ۶۲۳۔

❸ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مرجع النبی ﷺ من الأحزاب، ۴۱۱۹؛ صحیح مسلم، ۱۷۷۰۔

❹ النسائی، ۲/ ۱۷، ح ۶۶۲ وسنده صحیح۔

❺ صحیح بخاری، کتاب الخوف، باب ۴؛ ح۹۴۵۔ ۹۴۶۔

❻ صحیح بخاری، ابواب صلاة الخوف، باب الصلاة عند مناهضة الحصون ولقاء العدو قبل حدیث، ۹۴۵۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد جنگ خندق میں حضور اکرم ﷺ کا نمازوں کو تاخیر کرنا بیان کرتے ہیں۔ پھر بنوقریظہ والا واقعہ اور حضور اکرم ﷺ کا فرمان کہ تم بنوقریظہ پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھنا وارد کرتے ہیں۔ گویا امام ہمام حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسی کو پسند کرتے ہیں کہ ایسی اشد لڑائی اور پورے خطرے اور قریب فتح کے موقعہ پر اگر نماز موخر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ والا فتح تستر کا واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ کا ہے' اور یہ منقول نہیں کہ خلیفۃ المسلمین نے یا کسی اور صحابی نے اس پر اعتراض کیا ہو۔ اور یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ خندق کے موقعہ پر بھی صلوٰۃ خوف کی آیتیں موجود تھیں' اس لئے کہ یہ آیتیں غزوۂ ذات الرقاع میں نازل ہوئی ہیں اور یہ غزوۂ غزوۂ خندق سے پہلے کا ہے اور اس پر جمہور علمائے سیر و مغازی کا اتفاق ہے۔ محمد بن اسحٰق' موسیٰ بن عقبہ' واقدی' محمد بن سعد کاتب واقدی اور خلیفہ بن خیاط وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔ ہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا قول ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع خندق کے بعد ہوا تھا بسبب حدیث ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے اور یہ خود خیبر میں ہی آئے تھے' ❶ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ لیکن تعجب تو اس امر پر ہے کہ قاضی ابو یوسف، مزنی، ابراہیم بن اسمٰعیل بن علیہ رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں کہ صلوٰۃ خوف منسوخ ہے رسول اللہ ﷺ کے غزوۂ خندق میں دیر کر کے نماز پڑھنے سے۔ یہ قول بالکل ہی غریب ہے۔ اس لئے کہ غزوۂ خندق کے بعد کی صلوٰۃ خوف کی احادیث ثابت ہیں' اس دن کی نماز کی تاخیر کو مکحول اور اوزاعی کے قول پر ہی محمول کرنا زیادہ قوی اور زیادہ درست ہے۔ یعنی ان کا وہ قول جو بحوالہ بخاری بیان ہوا کہ قرب فتح اور عدم امکان صلوٰۃ خوف کے وقت تاخیر جائز ہے' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ آیت میں حکم ہوتا ہے۔ کہ جب تو انہیں با جماعت نماز پڑھائے یہ حالت پہلی حالت کے سوا ہے۔ اس وقت یعنی انتہائی خوف کے وقت تو ایک ہی رکعت جائز ہے اور وہ بھی الگ الگ پیدل سوار قبلے کی طرف منہ کر کے یا نہ کر کے جس طرح ممکن ہو۔ جیسے کہ حدیث گزر چکی۔ یہ حال امامت اور جماعت کا بیان ہو رہا ہے۔ جماعت کے واجب ہونے پر یہ آیت بہترین اور مضبوط دلیل ہے کہ جماعت کی وجہ سے بہت کمی کر دی گئی۔ اگر جماعت واجب نہ ہوتی تو یہ صورت جائز نہ کی جاتی۔ بعض نے اس سے ایک اور استدلال بھی کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس میں چونکہ یہ لفظ ہیں کہ جب تو ان میں ہو اور یہ خطاب نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم سے ہے' تو معلوم ہوا کہ صلوٰۃ خوف کا حکم آپ ﷺ کے بعد منسوخ ہے۔ یہ استدلال بالکل ضعیف ہے۔

یہ استدلال تو ایسا ہی ہے جیسا استدلال ان لوگوں کا تھا جو زکوٰۃ کو خلفائے راشدین سے روک بیٹھے تھے اور کہتے تھے کہ قرآن میں ہے ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ ❷ یعنی ''تو ان لوگوں کے مالوں سے زکوٰۃ لے جس سے تو انہیں پاک صاف کرے اور تو ان کے لئے رحمت کی دعا کر' تیری دعا ان کے لئے باعث تسکین ہے۔'' تو ہم آپ ﷺ کے بعد کسی کو زکوٰۃ نہ دیں گے بلکہ ہم آپ اپنے ہاتھ سے خود جسے چاہیں دیں گے اور صرف اسی کو دیں گے جس کی دعا ہمارے لئے سبب سکون بنے۔ لیکن یہ استدلال ان کا واہی تھا۔ اسی لئے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے رد کر دیا اور انہیں مجبور کیا کہ یہ زکوٰۃ ادا کریں بلکہ ان میں سے جن لوگوں نے اسے روک لیا تھا ان سے جنگ کی۔

آؤ ہم آیت کی صفت بیان کرنے سے پہلے اس کا شان نزول بیان کر دیں۔ ابن جریر میں ہے کہ بنونجار کی ایک قوم نے حضور رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ہم برابر ادھر ادھر آمد و رفت کیا کرتے ہیں تو ہم نماز کس طرح پڑھیں۔ تو اللہ عزوجل نے اپنا یہ قول نازل فرمایا ﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ﴾ ❸ پھر سال بھر تک کوئی وحی نہ آئی

❶ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة ذات الرقاع؛ قبل حدیث، ٤١٢٥۔

❷ ٩/ التوبة:١٠٣۔ ❸ ٤/ النسآء:١٠١۔

پھر جبکہ آپ ﷺ ایک غزوے میں تھے ظہر کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے' مشرکین کہنے لگے افسوس کیا ہی اچھا موقعہ ہاتھ سے جاتا رہا کاش کہ ان کی نماز کی حالت میں ہم یکبارگی اچانک ان پر حملہ کر دیتے۔ اس پر بعض مشرکین نے کہا یہ موقعہ تو تمہیں پھر بھی ملے گا' اس کے تھوڑی دیر بعد ہی یہ دوسری نماز (یعنی نماز عصر) کے لئے کھڑے ہوں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے عصر کی نماز سے پہلے اور ظہر کی نماز کے بعد ﴿اِنْ خِفْتُمْ﴾ سے پوری دو آیتوں تک نازل فرما دیں اور کافر نا کام رہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ خوف کی تعلیم دی۔ ❶ گو یہ سیاق نہایت ہی غریب ہے لیکن اسے مضبوط کرنے والی اور روایتیں بھی ہیں۔

حضرت ابو عیاش زرقی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں عسفان میں ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے' خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس وقت کفر کی حالت میں تھے اور مشرکین کے لشکر کے سردار تھے یہ لوگ ہمارے سامنے پڑاؤ ڈالے تھے' تب ہم نے یہ قبلہ رخ' ظہر کی نماز جب ہم نے ادا کی تو مشرکوں کے منہ میں پانی بھر آیا اور وہ کہنے لگے افسوس ہم نے موقعہ ہاتھ سے کھو دیا' وقت تھا کہ یہ ادھر نماز میں مشغول تھے اور ہم ان پر دفعتہً دھاوا بول دیتے۔ پھر ان میں کے بعض جاننے والوں نے کہا خیر کوئی بات نہیں' اس کے بعد ان کی ایک اور نماز کا وقت آ رہا ہے اور وہ نماز تو انہیں اپنے بال بچوں سے بھی زیادہ عزیز ہے اس وقت سہی' پس ظہر عصر کے درمیان اللہ عزوجل نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو نازل فرمایا اور آیت ﴿اِذَا كُنْتَ فِيهِمْ﴾ اتاری۔ چنانچہ عصر کی نماز کے وقت ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہم نے ہتھیار سجا لئے اور اپنی دو صفیں کر کے حضور اکرم ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ قیام میں رکوع میں قومہ میں سب کے سب ساتھ رہے۔ جب آپ ﷺ سجدے میں گئے تو دو صفوں میں سے پہلی صف آپ ﷺ کے ساتھ سجدے میں گئی اور دوسری صف کھڑی کی کھڑی ان کی نگہبانی کرتی رہی جب سجدوں سے فارغ ہو کر یہ لوگ کھڑے ہو گئے تو اب دوسری صف والے سجدے میں گئے۔ جب یہ دونوں سجدے کر چکے تو اب پہلی صف والے دوسری صف کی جگہ چلے گئے اور دوسری صف والے پہلی صف والوں کی جگہ آ گئے۔ پھر قیام رکوع اور قومہ سب نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ہی ساتھ ادا کیا۔ اور جب آپ ﷺ سجدے میں گئے تو صف اول آپ ﷺ کے ساتھ سجدے میں گئی اور دوسری صف والے کھڑے ہوئے پہرہ دیتے رہے جب یہ سجدوں سے فارغ ہو گئے اور التحیات میں بیٹھے تب دوسری صف کے لوگوں نے سجدے کئے اور التحیات میں سب کے سب ساتھ مل گئے اور سلام بھی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ سب نے ایک ساتھ پھیرا۔ صلوٰۃ خوف ایک بار تو آپ ﷺ نے یہاں عسفان میں پڑھی اور دوسری مرتبہ بنو سلیم کی زمین میں۔ ❷ یہ حدیث مسند احمد' ابو داؤد اور نسائی میں بھی ہے۔ اس کی اسناد صحیح ہے اور شاہد بھی بکثرت ہیں۔ بخاری میں بھی یہ روایت اختصار کے ساتھ ہے اور اس میں ہے باوجودیکہ سب لوگ نماز میں تھے لیکن ایک دوسرے کی چوکیداری کر رہے تھے۔ ❸

ابن جریر میں ہے کہ سلیمان بن قیس یشکری نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا نماز کے قصر کرنے کا حکم کب نازل ہوا؟ تو آپ نے فرمایا قریشیوں کا ایک قافلہ شام سے آ رہا تھا ہم اس کی طرف چلے جب نخلہ میں پہنچے تو ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گیا اور کہنے لگا کیا آپ مجھ سے ڈرتے نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ اس نے کہا آپ ﷺ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟

---

❶ الطبری، ۱۰۳۱۹ وسندہ ضعیف اس کی سند میں عبداللہ بن ہاشم مجہول اور اس کا شیخ واہی (کمزور) ہے۔

❷ أحمد، ٤/ ٥٩، ٦٠؛ أبوداود، کتاب صلاة السفر، باب صلاة الخوف، ١٢٣٦ وسندہ صحیح، نسائی، ١٥٥١۔

❸ صحیح بخاری، کتاب صلاة الخوف، باب یحرس بعضهم بعضا فی صلاة الخوف، ٩٤٤؛ نسائی، ١٥٣٤۔

آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ مجھے تجھ سے بچا لے گا'' پھر تلوار کھینچ لی اور ڈرایا دھمکایا' پھر کوچ کی منادی ہوئی اور آپ ﷺ ہتھیار سجا کر چلے۔ پھر اذان ہوئی اور صحابہ رضی اللہ عنہم دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک حصہ آپ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کر رہا تھا اور دوسرا حصہ پہرہ دے رہا تھا جو آپ کے متصل تھے وہ دو رکعت آپ کے ساتھ پڑھ کر پیچھے ہٹ کر پیچھے والوں کی جگہ چلے گئے اور پیچھے والے اب آگے بڑھ آئے اور ان اگلوں کی جگہ کھڑے ہو گئے انہیں بھی حضور اکرم ﷺ نے دو رکعت پڑھائیں پھر سلام پھیر دیا۔ پس حضور اکرم ﷺ کی چار رکعتیں ہوئیں اور سب کی دو دو ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے نماز کی کمی کا اور ہتھیار لئے رہنے کا حکم نازل فرمایا۔ ❶ مسند احمد کی اسی حدیث میں ہے کہ جو شخص تلوار تانے رسول اللہ ﷺ پر حملہ آور ہوا تھا۔ یہ دشمن کے قبیلے میں سے تھا اس کا نام غورث بن حارث تھا۔ جب آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا تو اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی آپ ﷺ نے تلوار اپنے ہاتھ میں لے لی اور اس سے کہا اب تو بتا کہ تجھے کون بچائے گا' تو وہ معافی مانگنے لگا کہ مجھ پر آپ رحم کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی اور میرے رسول ہونے کی شہادت دیتا ہے؟ اس نے کہا یہ تو نہیں' ہاں میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ ﷺ سے لڑوں گا نہیں اور ان لوگوں کا ساتھ نہ دوں گا جو آپ ﷺ سے برسر پیکار ہوں۔ آپ نے اسے معافی دے دی۔ جب یہ اپنے والوں میں آیا تو کہنے لگا روئے زمین پر حضور اکرم ﷺ سے بہتر کوئی شخص نہیں۔ ❷

اور روایت میں ہے کہ یزید فقیر رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سفر میں جو دو رکعت ہیں کیا یہ قصر کی ہیں؟ آپ نے فرمایا پوری نماز ہے قصر تو بوقت جہاد ایک رکعت ہے پھر صلوٰۃ خوف کا اسی طرح ذکر کیا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے سلام کے ساتھ آپ کے پیچھے والوں نے اور ان لوگوں نے سلام پھیرا اور اس میں دونوں حصہ فوج کے ساتھ ایک ایک رکعت پڑھنے کا بیان ہے۔ پس سب کی ایک ایک رکعت ہوئی اور حضور اکرم ﷺ کی دو رکعتیں۔ ❸ اور روایات میں ہے کہ ایک جماعت آپ ﷺ کے پیچھے صف بستہ نماز میں تھی اور ایک جماعت دشمن کے مقابل تھی۔ پھر ایک رکعت کے بعد آپ ﷺ کے پیچھے والے اگلوں کی جگہ آ گئے اور یہ پیچھے آ گئے۔ ❹ یہ حدیث بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ایک اور حدیث جو بروایت سالم عن ابیہ مروی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ پھر کھڑے ہو کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک ایک رکعت اپنی اپنی ادا کر لی۔ ❺ اس حدیث کی بھی بہت سی سندیں اور بہت سے الفاظ ہیں۔ حافظ ابو بکر ابن مردویہ نے ان سب کو جمع کر دیا ہے اور اسی طرح ابن جریر نے بھی۔ ہم اسے کتاب احکام کبیر میں لکھنا چاہتے ہیں' ان شاء اللہ۔ خوف کی نماز میں ہتھیار لئے رہنے کا حکم بعض کے نزدیک تو بطور وجوب کے ہے' کیونکہ آیت کے ظاہری الفاظ یہی ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی ایک قول یہی ہے اور اسی کی تائید اس آیت کے پچھلے فقرے سے بھی ہوتی ہے کہ بارش یا بیماری کی وجہ سے ہتھیار اتار رکھنے میں تم پر گناہ نہیں۔ اپنا بچاؤ ساتھ لئے رہو یعنی ایسے تیار رہو کہ وقت آتے ہی بے تکلف بے تکلیف ہتھیار سے آراستہ ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے اہانت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

---

❶ الطبری، ۱۰۳۳۰۔

❷ احمد، ۳/ ۳۹۰ وسندہ صحیح؛ ابن حبان، ۲۸۷۲۔

❸ ابن ابی حاتم وسندہ حسن؛ نسائی، ۱۵٤۷ وسندہ صحیح۔

❹ احمد، ۳/ ۲۹۸؛ نسائی، کتاب صلاۃ الخوف، ۱۵٤٦ وھو صحیح۔

❺ صحیح بخاری، ٤۱۳۳؛ صحیح مسلم، ۱۹٤۲؛ ابوداود، ۱۲٤۳؛ ترمذی، ٥٦٤؛ نسائی، ۱۵۳٦۔

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾

ع ۱۴

ترجمہ: پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو اور جب اطمینان پاؤ تو نماز قائم کرو یقیناً نماز تو مومنوں پر مقررہ وقتوں پر فرض ہے[۱۰۳] ان لوگوں کا پیچھا کرنے سے ہارے دل ہو کر بیٹھ نہ رہو۔ اگر تمہیں بے آرامی ہوتی ہے تو انہیں بھی تو تمہاری طرح بے آرامی ہوتی ہے اور تم اللہ تعالیٰ سے وہ آرزوئیں رکھتے ہو جو آرزوئیں انہیں نہیں اللہ تعالیٰ دانا اور حکیم ہے۔[۱۰۴]

حالت امن میں نماز کو بروقت ادا کرنا: [آیت: ۱۰۳-۱۰۴] جناب باری عزاسمہ اس آیت میں حکم دیتا ہے کہ نماز خوف کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر بکثرت کیا کرو۔ گو ذکر اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کی ترغیب و تاکید اور نمازوں کے بعد بلکہ ہر وقت ہی ہے لیکن یہاں خصوصیت سے اس لئے بیان فرمایا کہ یہاں بہت بڑی رخصت عنایت فرمائی ہے نماز میں تخفیف کر دی پھر حالت نماز میں ادھر ادھر ہٹنا جانا آنا مصلحت کے مطابق جائز رکھا۔ جیسے حرمت والے مہینوں کے متعلق فرمایا ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ گو اور اوقات میں بھی ظلم ممنوع ہے لیکن ان پاک مہینوں میں اس سے بچاؤ کی مزید تاکید کی۔ تو فرمان ہوتا ہے کہ اپنی ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو اور جب اطمینان حاصل ہو جائے ڈر خوف نہ رہے تو باقاعدہ خشوع خضوع سے ارکان نماز کو پابندی سے مطابق شرع بجالاؤ۔ یہ نماز تم پر وقت مقررہ میں من جانب اللہ فرض عین ہے۔ جس طرح حج کا وقت معین ہے اسی طرح نماز کا وقت بھی مقرر ہے۔ ایک وقت کے بعد دوسرا پھر دوسرے کے بعد تیسرا۔

پھر فرماتا ہے دشمنوں کی تلاش میں کم ہمتی نہ کرو۔ چستی اور چالاکی سے گھات کی جگہ بیٹھ کر ان کی خبر لو۔ اگر قتل و زخم و نقصان تمہیں پہنچتا ہے تو کیا انہیں نہیں پہنچتا؟ اسی مضمون کو ان الفاظ میں بھی ادا کیا گیا ہے ﴿اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ﴾ ❶ پس مصیبت اور تکلیف کے پہنچنے میں تو تم اور وہ برابر ہو لیکن ہاں فرق اور بہت بڑا فرق یہ ہے کہ تمہیں ذات باری تعالیٰ سے وہ امیدیں اور وہ آسرے ہیں جو انہیں نہیں۔ تمہیں اجر و ثواب بھی ملے گا تمہاری نصرت و تائید بھی ہو گی جیسے کہ خود اللہ نے خبر دی ہے اور وعدہ کیا ہے۔ نہ اس کی خبر جھوٹی نہ اس کا وعدہ ٹلنے والا۔ پس تمہیں بہ نسبت ان کے بہت تگ و دو چاہئے۔ تمہارے دلوں میں جہاد کا ولولہ ہونا چاہئے۔ تمہیں اس کی رغبت کامل ہونی چاہئے۔ تمہارے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے کلمے کو قائم کرنے مضبوط کرنے پھیلانے اور بلند کرنے کی تڑپ ہر وقت موجود رہنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ جو کچھ مقرر کرتا ہے جو فیصلہ کرتا ہے جو جاری کرتا ہے۔ جو شرع مقرر کرتا ہے جو کام کرتا ہے سب میں پوری خبر والا صحیح اور سچے علم والا ساتھ ہی حکمت والا بھی ہے۔ ہر حال میں ہر وقت سزاوار تعریف و حمد کے لائق وہی ہے۔

---

❶ ۳/ آل عمران: ۱۰۴۔

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرٰىكَ اللّٰهُ ۚ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۖ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٦﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ﴿١٠٧﴾ يَّسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ﴿١٠٨﴾ هٰٓأَنتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَمَن يُجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَم مَّن يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ﴿١٠٩﴾

ترجمہ: یقیناً ہم نے تیری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ تو لوگوں میں اس چیز کے ساتھ انصاف کرے جس سے اللہ نے تجھے شناسا کیا ہے۔ خیانت کرنے والوں کا حمایتی نہ بن۔[۱۰۵] اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا رہ' بے شک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔[۱۰۶] اوران کی طرف سے جھگڑا نہ کر جو خود اپنی ہی خیانت کرتے ہیں' دغاباز گنہگار اللہ کو اچھا نہیں لگتا۔[۱۰۷] لوگوں سے تو چھپ جاتے ہیں (لیکن) اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپ سکتے وہ راتوں کے وقت جب کہ اللہ کی ناپسندیدہ باتوں کے خفیہ مشورے کرتے ہیں اس وقت بھی اللہ تعالیٰ ان کے پاس ہوتا ہے ان کے تمام اعمال کو وہ گھیرے ہوئے ہے۔[۱۰۸] خبردار تم ہو وہ لوگ کہ دنیا میں تم ان کی حمایت کرتے ہو' لیکن اللہ کے سامنے قیامت کے دن ان کی حمایت کون کرے گا وہ کون ہے جو ان کا وکیل بن کر کھڑا ہو سکے گا؟[۱۰۹]

کیا نبی ﷺ غلط فہمی میں پڑ سکتے ہیں؟ [آیت:۱۰۵۔۱۰۹] اللہ تعالیٰ اپنے نبی اکرم ﷺ سے فرماتا ہے کہ یہ قرآن جو آپ پر اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے وہ سراسر اور یکسر حق ہے اس کی خبریں بھی حق اس کے فرمان بھی حق۔ پھر فرماتا ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان وہ انصاف کرو جو اللہ تمہیں سمجھائے۔ بعض علمائے اصول نے اس سے استدلال کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اجتہاد سے حکم کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے دروازے پر جھگڑنے والوں کی آواز سنی تو آپ ﷺ باہر آئے اور فرمانے لگے ''سو میں ایک انسان ہوں جو سنتا ہوں اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں بہت ممکن ہے کہ ایک شخص زیادہ حجت باز اور چرب زبان ہو اور میں اس کی باتوں کو صحیح جان کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں اور فی الواقع وہ حق دار نہ ہو تو وہ سمجھ لے کہ وہ اس کے لئے جہنم کا ٹکڑا ہے' اب اسے اختیار ہے کہ لے لے یا چھوڑ دے۔'' ❶ مسند احمد میں ہے کہ دو انصاری ایک ورثے کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کے پاس اپنا قضیہ لائے' واقعہ کو زمانہ گزر چکا تھا۔ شاہد اور گواہ کوئی نہ تھا۔ تو اس وقت آپ نے وہی حدیث بیان فرمائی اور فرمایا کہ ''وہ اس میرے فیصلے کی بنا پر اپنے بھائی کا حق نہ لے لے۔ اگر ایسا کرے گا تو قیامت کے دن اپنی گردن میں جہنم کی آگ لٹکا کر آئے گا۔'' اب تو وہ دونوں بزرگ رونے لگے اور ہر ایک کہنے لگا میں اپنا حق بھی اپنے بھائی کو دے رہا ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''اب تم ایسا کر لو کہ جاؤ اپنے طور پر جہاں تک تم سے ہو سکے ٹھیک ٹھیک حصے تقسیم کرو پھر

❶ صحیح بخاری، کتاب الأحکام، باب من قضی له بحق أخیه فلا یأخذه......۷۱۸۱؛ صحیح مسلم، ۱۷۱۳۔

قرعہ ڈال کر حصہ لے لو اور ہر ایک دوسرے کو اپنا رہا سہا غلطی کا حق معاف کر دے۔" ❶ ابوداؤد میں بھی یہ حدیث ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ "میں تمہارے درمیان اپنی سمجھ سے ان امور میں فیصلہ کرتا ہوں جن میں کوئی وحی نازل شدہ نہیں ہوتی۔" ❷

ابن مردویہ میں ہے کہ انصار کا ایک گروہ ایک جہاد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا وہاں ایک شخص کی چادر کسی نے چرالی اور اس کا گمان اس چوری کا طعمہ ابن ابیرق کی طرف تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ قصہ پیش ہوا چور نے اس چادر کو ایک شخص کے گھر میں اس کی بے خبری میں ڈال دیا اور اپنے کنبہ قبیلے والوں سے کہا میں نے چادر فلاں کے گھر میں ڈال دی ہے تم رات کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور آپ سے ذکر کرو کہ ہمارا ساتھی تو چور نہیں' چور فلاں ہے اور ہم نے پتہ لگا لیا ہے کہ چادر بھی اس کے گھر میں موجود ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھی کی تمام لوگوں کے روبرو بریت کر دیجئے اور اس کی حمایت کیجئے ورنہ ڈر ہے کہ کہیں وہ ہلاک نہ ہو جائے۔ آپ نے ایسا ہی کیا' اس پر یہ آیتیں اتریں۔ اور جو لوگ اپنے جھوٹ کو پوشیدہ کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے ان کے بارے میں ﴿يَسْتَخْفُونَ﴾ سے دو آیتیں نازل ہوئیں۔ ❸

پھر اللہ عزوجل نے فرمایا جو برائی اور بدی کا کام کرے۔ اس سے مراد بھی یہی لوگ ہیں' اور چور کے اور اس کے حمایتوں کے بارے میں فرمان اترا کہ جو گناہ اور خطا کرے اور نا کردہ گناہ کے ذمہ الزام لگائے وہ بہتان باز اور کھلا گنہگار ہے۔ لیکن یہ سیاق غریب ہے۔ بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ یہ آیت بنو ابیرق کے چور کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

یہ قصہ مطول ترمذی کتاب التفسیر میں بزبانی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اس طرح مروی ہے کہ ہمارے گھرانے کے بنو ابیرق قبیلے کا ایک گھر تھا جس میں بشر' بشیر اور مبشر تھے۔ بشیر ایک منافق شخص تھا۔ اشعار میں رسول اللہ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہجو کرتا' پھر ان اشعار کو کسی اور کی طرف منسوب کر کے خوب مزے لے لے کر پڑھا کرتا۔ اصحاب رسول اللہ جانتے تھے کہ یہی خبیث ان شعروں کا بنانے والا ہے۔ یہ لوگ جاہلیت کے زمانے سے ہی فاقہ مست چلے آتے تھے۔ مدینے کے لوگوں کا اکثر کھانا جو اور کھجوریں تھیں' ہاں تونگر لوگ شام کے آئے ہوئے قافلے والوں سے میدہ خرید لیتے' جسے وہ خود اپنے لئے مخصوص کر لیتے' باقی گھر والے عموماً جو اور کھجوریں ہی کھاتے۔ میرے چچا رفاعہ بن زید نے بھی شام کے آئے ہوئے قافلے سے ایک بوجھ میدہ کا خریدا اور اپنے بالا خانے میں اسے محفوظ کر دیا' جہاں ہتھیار' زرہیں اور تلواریں وغیرہ بھی رکھی ہوئیں تھیں۔ راتوں کو چوروں نے نیچے سے نقب لگا کر اناج غلہ بھی نکال لیا اور ہتھیار بھی اٹھا لے گئے۔ صبح میرے چچا میرے پاس آئے اور سارا واقعہ بیان کیا۔ اب ہم تجسس کرنے لگے تو پتہ چلا کہ آج رات کو بنو ابیرق کے گھر میں آگ جل رہی تھی اور کچھ کھانا پکا رہے تھے' غالباً وہ تمہارے ہاں سے چوری کر گئے ہیں۔ اس سے پہلے ہی جب اپنے گھرانے والوں سے پوچھ گچھ کر رہے تھے تو اس قبیلے کے لوگوں نے ہم سے کہا تھا کہ تمہارا چور لبید بن سہل ہے۔ ہم جانتے تھے کہ لبید کا یہ کام نہیں وہ ایک دیانت دار سچا مسلمان شخص تھا۔ حضرت لبید رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر ملی تو وہ آپے سے باہر ہو گئے۔ تلوار تانے بنو ابیرق کے پاس آئے اور کہنے لگے یا تو تم میری چوری ثابت کر دو ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ ان لوگوں نے ان کی برأت کی اور

---

❶ أحمد، ٦/ ٣٠٨؛ أبوداود، ٣٥٨٤ وسنده حسن۔

❷ أبوداود، كتاب القضاء، باب في قضاء القاضي إذا اخطأ، ٣٥٨٥، وهو حسن۔

❸ ابن مردويه وسنده ضعيف اس کی سند میں عطیہ بن سعد العوفی مجروح راوی ہے (التقريب، ٢/ ٢٤، رقم: ٢١٦)

معافی چاہ لی وہ چلے گئے۔ ہم سب کے سب پوری تحقیقات کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچے کہ چوری بنو ابیرق نے کی ہے۔ میرے چچا نے مجھ سے کہا کہ تم جا کر رسول اللہ ﷺ سے خبر تو کرو۔ میں نے جا کر حضور اکرم ﷺ سے سارا واقعہ کہا اور یہ بھی کہا کہ آپ ہمیں ہمارے ہتھیار دلوا دیجئے غلہ کی واپسی کی ضرورت نہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے مجھے اطمینان دلایا کہ ''اچھا میں اس کی تحقیق کروں گا۔'' یہ خبر جب بنو ابیرق کو ہوئی تو انہوں نے اپنا ایک آدمی آپ کے پاس بھیجا جن کا نام اسید بن عروہ تھا۔ انہوں نے آ کر کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو ظلم ہو رہا ہے بنو ابیرق تو صلاحیت اور اسلام والے لوگ ہیں انہیں قتادہ ابن نعمان اور ان کے چچا چور بتلاتے ہیں اور بغیر کسی ثبوت اور دلیل کے چوری کا بدنما الزام ان پر رکھتے ہیں' وغیرہ۔ پھر جب میں خدمت نبوی میں پہنچا تو آپ نے مجھ سے فرمایا۔ ''یہ تو تم بہت برا کرتے ہو کہ دیندار اور بھلے لوگوں کے ذمہ چوری چپکاتے ہو اور تمہارے پاس کوئی ثبوت اس امر کا نہیں۔'' میں چپ چاپ واپس چلا آیا اور دل میں سخت پشیمان اور پریشان تھا۔ خیال آتا تھا کہ کاش کہ میں اس مال سے چپ چاپ دست بردار ہو جاتا اور آپ ﷺ سے اس کا ذکر ہی نہ کرتا تو اچھا تھا۔ اتنے میں میرے چچا آئے اور مجھ سے پوچھا کہو تم نے کیا کیا؟ میں نے سارا واقعہ ان سے بیان کیا۔ جسے سن کر انہوں نے کہا (اَللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ) اللہ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں۔ ان کا جانا تھا کہ حضور اکرم ﷺ پر بذریعہ وحی یہ آیتیں اتریں۔ پس ﴿خَآئِنِيْنَ﴾ سے مراد بنو ابیرق ہیں۔ آپ کو استغفار کا حکم ہوا اس فرمان سے جو آپ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا' پھر ساتھ ہی فرما دیا گیا کہ اگر یہ لوگ استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے گا۔

پھر فرمایا نا کردہ گناہ کے ذمہ اپنا گناہ تھوپنا بدترین جرم ہے ﴿اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ تک یعنی انہوں نے جو حضرت لبید رضی اللہ عنہ کی نسبت کہا کہ چور یہ ہیں۔ جب یہ آیتیں اتریں تو حضور اکرم ﷺ نے بنو ابیرق سے ہمارے ہتھیار دلوائے۔ میں انہیں لے کر اپنے چچا کے پاس آیا۔ یہ بے چارے بڑھے تھے۔ آنکھوں سے بھی کم نظر آتا تھا۔ مجھ سے فرمانے لگے بیٹا جاؤ یہ سب ہتھیار اللہ تعالیٰ کے نام خیرات کر دو۔ میں آج تک اپنے چچا کی نسبت قدرے بدگمان تھا کہ یہ دل سے اسلام میں پورے طور پر داخل نہیں ہوئے' لیکن اس واقعہ نے یہ بدگمانی میرے دل سے دور کر دی اور میں ان کے سچے اسلام کا قائل ہو گیا۔ بشیر یہ آیتیں سن کر مشرکین میں جا ملا اور سلافہ بنت سعد بن سمیہ کے ہاں جا کر اپنا قیام کیا۔ اس کے بارے میں اس کے بعد کی آیتیں ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ﴾ سے ﴿بَعِيْدًا﴾ تک نازل ہوئیں۔ اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اس کے اس فعل کی مذمت اور اس کی ہجو اپنے شعروں میں کی۔ ان اشعار کو سن کر اس عورت کو بڑی غیرت آئی اور بشیر کا سب اسباب اپنے سر پر رکھ کر ابطح میدان میں پھینک آئی اور کہا تو کوئی بھلائی لے کر میرے پاس نہیں آیا بلکہ حسان رضی اللہ عنہ کی ہجو کے اشعار لے کر آیا ہے' میں تجھے اپنے ہاں نہیں ٹھہرانے کی۔ [1] یہ روایت بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں سے مطول اور مختصر مروی ہے۔

ان منافقوں کی کم عقلی کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ اپنی سیاہ کاریوں کو لوگوں سے چھپاتے پھرتے ہیں بھلا اس سے کیا نتیجہ؟ اللہ تعالیٰ سے تو پوشیدہ نہیں رکھ سکتے؟ پھر انہیں دھمکایا جا رہا ہے کہ تمہارے پوشیدہ راز بھی اللہ سے چھپ نہیں سکتے۔ پھر فرماتا ہے مانا کہ دنیوی حاکموں کے ہاں جو ظاہر داری پر فیصلے کرتے ہیں تم نے غلبہ حاصل کر لیا' لیکن قیامت کے دن اللہ کے سامنے جو ظاہر و باطن کا عالم ہے' تم کیا کر سکو گے؟ وہاں کسے وکیل بنا کر پیش کرو گے جو تمہارے جھوٹے دعوے کی تائید کرے۔ مطلب یہ ہے کہ اس دن تمہاری کچھ نہیں چلے گی۔

---

[1] ترمذي، كتاب تفسير القرآن، باب ومن سورة النساء، ۲۲/ ۳۰۳۶ وسنده حسن، الحاكم، ٤/ ٣٨٥، ٣٨٨ وابن اسحاق صرح بالسماع عنده.

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰي نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ ع وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

ترجمہ: جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربانی کرنے والا پائے گا۔[۱۱۰] جو گناہ کرتا ہے اس کا بوجھ اسی پر ہے۔ اللہ تعالیٰ بخوبی جاننے والا اور پوری حکمت والا ہے۔[۱۱۱] جو شخص کوئی گناہ یا خطا کر کے کسی ناکردہ گناہ کے ذمہ تھوپ دے اس نے بڑا بہتان اٹھایا اور کھلا گناہ کیا۔[۱۱۲] اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحم تجھ پر نہ ہوتا تو ان کی ایک جماعت نے تو تجھے بہکانے کا قصد کر لیا تھا۔ دراصل یہ اپنے تئیں ہی گمراہ کرتے ہیں یہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' اللہ تعالیٰ نے تجھ پر کتاب و حکمت اتاری ہے اور تجھے وہ وہ سکھایا ہے جسے تو نہیں جانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا تجھ پر بڑا بھاری فضل ہے۔[۱۱۳]

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بیان: [آیت:۱۱۰-۱۱۳] اللہ تعالیٰ اپنے کرم اور اپنی مہربانی کو بیان فرماتا ہے کہ جس گناہ سے جو کوئی توبہ کرے' اللہ اس کی طرف مہربانی سے رجوع کرتا ہے' ہر وہ شخص جو رب کی طرف جھکے رب اپنی مہربانی سے اور اپنی وسعت رحمت سے اسے ڈھانپ لیتا ہے اور اس کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو بخش دیتا ہے گو وہ گناہ آسمان و زمین اور پہاڑوں سے بھی بڑے ہوں۔ بنو اسرائیل میں جب کوئی گناہ کرتا تو اس کے دروازے پر قدرتی حروف میں اس کا کفارہ لکھا ہوا نظر آ جاتا جو اسے ادا کرنا پڑتا اور انہیں یہ بھی حکم تھا کہ ان کے کپڑے پر اگر پیشاب لگ جائے تو اتنا کپڑا کتر واڈالیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر آسانی کر دی پانی سے دھو لینا ہی کپڑے کی پاکی رکھی اور توبہ کر لینا ہی گناہ کی معافی رکھی۔ ایک عورت نے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ ایک عورت نے بدکاری کی پھر جب بچہ ہوا تو اسے مار ڈالا۔ آپ نے فرمایا اس کی سزا جہنم ہے وہ روتی ہوئی واپس چلی تو آپ نے اسے بلایا اور آیت ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ﴾ پڑھ کر سنائی تو اس نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور واپس لوٹ گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' جس مسلمان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے پھر وہ وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کر کے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے اس گناہ کو بخش دیتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت اور آیت ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً﴾ ❶ الخ کی تلاوت کی۔ ❷ اس آیت کا پورا بیان ہم نے مسند ابوبکر میں کر دیا ہے اور کچھ بیان سورۂ آل عمران کی تفسیر میں بھی گزر رہا ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ مجلس میں سے اٹھ کر اپنے کسی کام کے لئے کبھی جاتے اور واپس تشریف لانے کا ارادہ بھی ہوتا تو جوتی یا کپڑا کچھ نہ کچھ چھوڑ جاتے۔ ایک مرتبہ آپ اپنی جوتی چھوڑے ہوئے تھے اور ڈولچی پانی کی ساتھ لے کر چلے۔ میں بھی آپ کے پیچھے ہو لیا۔ آپ کچھ دور جا کر بغیر حاجت پوری کئے واپس آئے اور فرمانے لگے:==

❶ ۳/ آل عمران:۱۳۵۔ ❷ ابو داود، ۱۵۲۱ وسندہ حسن۔

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ: ان کے اکثر مصالحتی مشورے بے خیر ہیں ہاں بھلائی اس کے مشورے میں ہے جو خیرات کا یا نیک بات کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم کرے۔ جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے ارادہ سے یہ کام کرے اسے ہم یقیناً بہت بڑا ثواب دیں گے۔ جو شخص باوجود راہ ہدایت کی وضاحت ہو جانے کے بھی رسول اللہ کا خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے۔[۱۱۴] جدھر وہ خود متوجہ ہوا ہے اور اسے دوزخ میں ڈال دیں گے وہ بہت ہی بری جگہ ہے پہنچنے کی۔[۱۱۵]

=''میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور مجھے یہ پیغام دے گیا'' پھر آپ نے یہ آیت ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ﴾ الخ پڑھی اور فرمایا میں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ خوشخبری سنانے کے لئے راستے میں سے ہی لوٹ آیا ہوں۔

اس سے پہلے چونکہ آیت ﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾ یعنی ''ہر برائی کرنے والے کو اس برائی کا بدلہ ملے گا'' اتر چکی تھی اس لئے صحابہ رضی اللہ عنہم مشقت میں تھے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! گو کسی نے زنا کیا ہو چوری کی ہو پھر وہ استغفار کرے تو اسے بھی اللہ بخش دے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہاں''۔ میں نے دوبارہ پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر کہا ''ہاں''۔ میں نے سہ بارہ دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہاں ہاں گو ابو درداء کی ناک خاک آلود ہو۔'' پس حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ جب یہ حدیث بیان کرتے اپنی ناک پر مار کر بتلاتے۔ ❶ اس کی اسناد ضعیف ہے اور یہ حدیث غریب ہے۔

پھر فرماتا ہے گناہ کمانے والا اپنا ہی برا کرتا ہے جیسے اور جگہ ہے کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا' ایک دوسرے کو نفع نہ پہنچا سکے گا ہر شخص اپنے کرتوت کا ذمہ دار ہے۔ کوئی نہ ہوگا جو بوجھ اٹھائے۔ رب کا علم رب کی حکمت رب کا عدل رب کی رحمت کے خلاف ہے کہ ایک کے گناہ پر دوسرا پکڑا جائے۔ پھر فرماتا ہے جو خود برا کام کر کے کسی بے گناہ کے سر چپک دے جیسے بنو ابیرق نے لبید کا نام لے دیا جو واقعہ تفصیل وار اس سے اگلی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے' یا مراد زید بن سمین یہودی ہے جیسے بعض اور مفسرین کا خیال ہے کہ اس چوری کی تہمت اس قبیلے نے اس بے گناہ کے ذمہ لگائی تھی اور خود ہی خائن اور ظالم تھے۔ آیت گو شان نزول کے اعتبار سے خاص ہے لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے جو بھی ایسا کرے اللہ کی سزا کا مستحق ہے۔ اس کے بعد کی آیت ﴿وَلَوْلَا﴾ کا تعلق بھی اسی واقعہ سے ہے یعنی لبید بن عروہ اور ان کے ساتھیوں نے بنو ابیرق کے چوروں کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے براءت کر کے ان کی پاک دامنی کا اظہار کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اصلیت سے ہٹانے کا سارا کام پورا کر لیا تھا لیکن اللہ نے جو آپ کی عصمت کا حقیقی نگہبان ہے آپ کو اس خطرناک موقعہ پر خائنوں کی طرفداری سے بچا لیا اور اصلی واقعہ صاف کر دیا۔ کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت=

❶ ابن مردویه وسنده ضعيف۔

= ہے۔ نزول وحی سے پہلے آپ جونہ جانتے تھے ان کا علم پروردگار نے آپ کو بذریعہ وحی کر دیا جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا﴾ ❶ سے پوری سورت تک۔ اور آیت میں ہے ﴿وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ﴾ ❷ الخ۔ اسی لئے یہ بھی فرمایا۔ یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جو آپ کے شامل حال ہے۔

اصلاح بین الناس کی فضیلت: [آیت:۱۱۴۔۱۱۵] لوگوں کے اکثر کلام بے خیر ہوتے ہیں' سوائے ان کے جن کی باتیں خیرات کرنے کی' اچھائی کی' لوگوں میں میل ملاپ کی ہوں۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کی عیادت کے لئے لوگ جاتے ہیں' ان میں سعید بن حسان رحمہ اللہ بھی ہوتے ہیں' تو آپ فرماتے ہیں سعید تم نے ام صالح کی روایت سے جو حدیث بیان کی تھی آج اسے پھر سناؤ۔ آپ سند بیان کر کے فرماتے ہیں' حضور اکرم ﷺ نے فرمایا انسان کی تمام باتیں اس پر وبال ہی ہیں بجز ذکر اللہ کے اور اچھے کاموں کے بتلانے کے اور برے کاموں سے روکنے کے۔ حضرت سفیان رحمہ اللہ نے کہا یہی مضمون اس آیت میں ہے۔ یہی مضمون آیت ﴿يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ﴾ ❸ میں ہے' یہی مضمون سورۂ والعصر میں ہے۔ ❹

مسند احمد میں فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ لوگوں میں میل ملاپ اور اصلاح کرنے کے لئے جو بھلی بات کہے یا ادھر سے ادھر کوئی اس قسم کی بات کرے وہ جھوٹوں میں داخل نہیں۔ حضرت ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے آپ کو ایسی باتوں کی تین موقعوں پر اجازت دیتے ہوئے سنا ہے' جہاد میں' لوگوں کے درمیان اصلاح کرانے میں اور میاں بیوی کی باتوں میں دونوں کو۔ یہ مائی صاحبہ ہجرت کرنے والیوں اور بیعت کرنے والیوں میں سے ہیں۔ ❺

ایک اور حدیث میں ہے "کیا میں تمہیں ایک ایسا عمل بتاؤں جو روزے نماز اور صدقہ سے بھی افضل ہے"؟ لوگوں نے خواہش کی' تو آپ نے فرمایا "وہ آپس میں اصلاح کرانا ہے۔" فرماتے ہیں اور آپس کا فساد نیکیوں کو مونڈ ڈالتا ہے ❻ (ابوداؤد وغیرہ)۔ بزار میں ہے حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے فرمایا "آ میں تجھے ایک تجارت بتاؤں' لوگ جب لڑ جھگڑ رہے ہوں تو ان میں مصالحت کرا دے' جب ایک دوسرے سے ناراض ہو گئے ہوں تو انہیں ملا دے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسی بھلی باتیں رب کی رضامندی کے لئے خلوص اور نیک نیتی سے جو کرے وہ اجر عظیم پائے گا۔" ❼

جو شخص غیر شرعی طریق پر چلے یعنی شرع ایک طرف ہو اور اس کی راہ ایک طرف ہو' فرمان رسول کچھ ہو اور اس کا منتہائے نظر اور ہو حالانکہ اس پر حق کھل چکا ہو' دلیل دیکھ لی ہو پھر بھی مخالفت رسول کر کے مسلمانوں کی صاف روش سے ہٹ جائے تو ہم بھی اسی ٹیڑھی اور بری راہ پر ہی اسے لگا دیتے ہیں۔ اسے پھر وہی اچھی اور بھلی معلوم ہونے لگتی ہے' یہاں تک کہ بیچوں بیچ جہنم میں جا پہنچتا ہے۔ مؤمنوں کی راہ کے علاوہ راہ ڈھونڈنا دراصل رسول اللہ ﷺ سے شقاق و خلاف کرنا ہی ہے لیکن کبھی تو شارع علیہ السلام کی صاف بات کا خلاف ہوتا ہے' کبھی اس چیز کا خلاف ہوتا ہے جس پر ساری امت محمدیہ متفق ہو جس میں انہیں خطا سے اللہ نے بوجہ ان کی شرافت و کرامت =

---

❶ ٤٢/ الشوریٰ:٥٢۔ ❷ ٢٨/ القصص:٨٦۔ ❸ ٧٨/ النبا:٣٨۔

❹ سنن ترمذی، کتاب الزھد، باب، ٦٣؛ ح٢٤١٢؛ ابن ماجه، ٣٩٧٤ وسنده ضعیف ام صالح مجہول الحال راویہ ہے۔

❺ احمد، ٦/ ٤٠٣ صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب لیس الکاذب الذی یصلح بین الناس، ٢٦٩٢؛ صحیح مسلم، ٢٦٠٥۔ ❻ ابوداود، کتاب الأدب، باب فی اصلاح ذات البین، ٤٩١٩؛ وسنده ضعیف اعمش راوی مدلس ہے اور تصریح بالسماع ثابت نہیں۔ ❼ مسند البزار، ٢٠٦٠ نحو المعنی وسنده ضعیف۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾

ترجمہ: اسے تو اللہ تعالیٰ قطعاً نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جائے ہاں شرک کے سوا کے گناہ جس کے چاہے معاف فرما دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنے والا بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔[۱۱۶] یہ تو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف عورتوں کو پکارتے ہیں۔ اور دراصل یہ صرف سرکش شیطان کو پوجتے ہیں۔[۱۱۷] جسے اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور اس نے بیڑا اٹھایا ہے کہ تیرے بندوں میں سے ازل میں مقرر شدہ حصہ میں لے کر رہوں گا۔[۱۱۸] اور انہیں راہ سے بہکاتا رہوں گا اور باطل امیدیں دلاتا رہوں گا اور انہیں سکھاؤں گا کہ جانوروں کے کان چیر دیں اور ان سے کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑ دیں۔ سنو جو شخص اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بنائے گا وہ صریح نقصان میں ڈوبے گا۔[۱۱۹] وہ ان سے زبانی وعدے کرتا رہے گا اور سبز باغ دکھاتا رہے گا۔ شیطان کے جو وعدے ان سے ہیں وہ سراسر فریب کاریاں ہیں۔[۱۲۰] یہ وہ لوگ ہیں جن کی جگہ جہنم ہے جہاں سے انہیں نہ بھاگنا ملے گا نہ چھٹکارا۔[۱۲۱] اور جو ایمان لائیں اور بھلے کام کریں ہم انہیں ان جنتوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے چشمے جاری ہیں جہاں یہ ابدالآباد رہیں گے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کا وعدہ جو سراسر سچا ہے۔ کون ہے جو اپنی بات میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا ہو؟[۱۲۲]

= کے محفوظ کر رکھا ہے۔ اس بارے میں بہت سی حدیثیں بھی ہیں اور ہم نے بھی احادیث الاصول میں ان کا بڑا حصہ بیان کر دیا ہے۔ بعض علما تو اس کے تواتر معنوی کے قائل ہیں۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے غور و فکر کے بعد اس آیت سے اتفاق امت کے دلیل ہونے پر استدلال کیا ہے۔ حقیقتاً یہی اس بارے میں بہترین اور قوی تر چیز ہے۔ بعض دیگر ائمہ نے اس دلالت کو مشکل اور دور از آیت بھی بتایا ہے۔

غرض ایسا کرنے والے کی رسی اللہ تعالیٰ بھی ڈھیلی چھوڑ دیتے ہیں جیسے فرمان ہے۔ ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ﴾ 1 اور ﴿فَلَمَّا زَاغُوْا﴾ اور ﴿نَذَرُهُمْ﴾ 2 یعنی ہم انہیں ان کی بے خبری میں آہستہ آہستہ مہلت بڑھاتے رہتے ہیں ان کے بہکتے ہی ہم بھی ان کے دلوں کو

1 ٦٨/ القلم:٤٤۔ 2 ٦/ الانعام:١١٠۔

ٹیڑھا کر دیتے ہیں۔ ہم انہیں ان کی سرکشی میں حیران چھوڑ دیتے ہیں۔ بالآخر ان کی جائے بازگشت جہنم میں بن جاتی ہے۔ جیسے فرمان ہے ظالموں کا مع ان کے جوڑوں کے حشر کرو۔ اور جیسے فرمایا ظالم آگ کو دیکھ کر جان لیں گے کہ اس میں کودنا پڑے گا لیکن کوئی صورت چھٹکارے کی نہ پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنے کی کوشش اور شیطان کی چالبازیاں: [آیت:۱۱۶۔۱۲۲] اس سورت کے شروع میں پہلی آیت کے متعلق ہم پوری تفسیر کر چکے ہیں اور وہیں اس آیت سے تعلق رکھنے والی حدیثیں بھی بیان کر دی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے' قرآن کی کوئی آیت مجھے اس آیت سے زیادہ محبوب نہیں (ترمذی) ❶ مشرکین سے دنیا اور آخرت کی بھلائی دور ہو جاتی ہے۔ وہ راہ حق سے دور جا پڑتے ہیں۔ وہ اپنے نفس کو اور اپنے دونوں جہان کو برباد کر لیتے ہیں۔ یہ مشرکین عورتوں کے پرستار ہیں۔ حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ہر صنم کے ساتھ ایک جنیہ عورت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ﴿اِنٰثًا﴾ سے مراد بت ہیں۔ یہ قول اور مفسرین کا بھی ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مشرکین فرشتوں کو پوجتے تھے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں مانتے تھے اور کہتے تھے ان کی عبادت سے ہماری اصل غرض اللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل کرنا ہے۔ اور ان کی تصویریں عورتوں کی شکل کی قائم کرتے تھے' پھر حکم کرتے تھے اور تقلید کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ صورتیں فرشتوں کی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں۔ یہ تفسیر آیت ﴿اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ﴾ ❷ کے مضمون سے خوب ملتی ہے' جہاں ان کے بتوں کے نام لے کر اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ خوب انصاف ہے کہ لڑکے تو تمہارے اور لڑکیاں میری۔ اور آیت میں ہے ﴿وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنٰثًا﴾ ❸ "ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے غلام فرشتوں کو مونث سمجھ رکھا ہے۔" اور جگہ ہے اللہ تعالیٰ میں اور جنات میں نسب نکالتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں' مراد مردے ہیں۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' ہر بے روح چیز اناث ہے خواہ خشک لکڑی ہو خواہ پتھر ہو۔ لیکن یہ قول غریب ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ دراصل یہ شیطان کے پجاری ہیں کیونکہ وہی انہیں یہ راہ سجھاتا ہے اور یہ دراصل اسی کی مانتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے ﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ﴾ ❹ "اے بنی آدم کیا میں نے تم سے شیطان کی عبادت نہ کرنے کا وعدہ نہیں لیا تھا؟" اسی وجہ سے فرشتے قیامت کے روز صاف کہہ دیں گے کہ ہماری عبادت کے دعویدار دراصل شیطانی پوجا کے پھندے میں تھے۔ شیطان کو رب نے اپنی رحمت سے یک سو کر دیا ہے اور اپنے پاس سے نکال باہر کر دیا ہے۔ اس نے بھی بیڑا اٹھا رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو معقول تعداد میں بہکا لے گا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے کو جہنم میں اپنے ساتھ لے جائے گا ایک بچ رہے گا جو جنت کا مستحق ہوگا۔ اس نے کہا ہے کہ میں انہیں حق سے بہکاؤں گا اور انہیں امیدیں دلاتا رہوں گا کہ یہ توبہ ترک کر بیٹھیں گے' خواہشوں کے پیچھے پڑ جائیں گے' موت کو بھول بیٹھیں گے' نفس پروری اور آخرت سے دوری میں پڑ جائیں گے۔ جانوروں کے کان کاٹ کر سوراخ دار کر کے اللہ کے سوا دوسروں کے نام کرنے کی انہیں تلقین کروں گا' اللہ کی بنائی صورتوں کو بگاڑنا سکھاؤں گا' جیسے جانوروں کو خصی کرنا۔

ایک حدیث میں اس سے بھی ممانعت آئی ہے (شاید مراد اس سے نسل منقطع کرنے کی غرض سے ایسا کرنا ہے) ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ چہرے پر گودنا گدوانا' جو صحیح مسلم کی حدیث میں ممنوع ہے اور جس کے کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت وارد ہوئی ہے۔ ❺ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے مروی ہے کہ گودنے والیوں اور گدوانے والیوں' پیشانی کے بال نوچنے والیوں اور نچوانے

---

❶ الترمذي، ۳۰۳۷ وسنده ضعيف ثویر راوی ضعیف ہے۔

❷ ۵۳/ النجم:۱۹۔ ❸ ۴۳/ الزخرف:۱۹۔ ❹ ۳۶/ یٰسٓ:۲۰۔

❺ صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب النهی عن ضرب الحیوان فی وجهه، ۲۱۱۶، ۲۱۱۷؛ ترمذی، ۱۷۱۰۔

والیوں پر جو حسن و خوبصورتی کے لئے اللہ تعالیٰ کی بناوٹ کو بگاڑتی ہیں' اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ میں ان پر لعنت کیوں نہ کروں؟ جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے اور جو کتاب اللہ میں موجود ہے۔ پھر آپ نے آیت ﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ﴾ ❶ پڑھی۔ ❷ بعض اور مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم سے مروی ہے کہ مراد اللہ کے دین کو بدل دینا ہے' جیسے اور آیت میں ہے ﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ﴾ ❸ یعنی ''اپنا چہرہ قائم رکھ کر اللہ کے یک طرفہ دین کی جانب' یہ اللہ کی وہ فطرت ہے' جس پر تمام انسانوں کو اس نے پیدا کیا' اللہ تعالیٰ کی خلق میں کوئی تبدیلی نہیں۔'' اس پچھلے جملے کو جب امر کے معنی میں لیا جائے تو یہ تفسیر ٹھیک ہو جاتی ہے' یعنی فطرت اللہ کو نہ بدلو' لوگوں کو میں نے جس فطرت پر پیدا کیا ہے اسی پر رہنے دو۔ صحیحین میں ہے ''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے ماں باپ پھر اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔'' جیسے بکری کا صحیح سالم بچہ بالکل بے عیب ہوتا ہے لیکن پھر لوگ اس کے کان وغیرہ کاٹ دیتے ہیں اور اسے عیب دار کر دیتے ہیں۔ ❹ صحیح مسلم میں ہے' اللہ عزوجل فرماتا ہے' میں نے اپنے بندوں کو یکسوئی والے دین پر پیدا کیا' لیکن شیطان نے آ کر انہیں بہکا دیا۔ پھر میں نے اپنے حلال کو ان پر حرام کر دیا۔ ❺

شیطان کو دوست بنانے والا اپنا نقصان کرنے والا ہے' جس نقصان کی کبھی تلافی نہ ہو سکے۔ کیوں کہ شیطان انہیں سبز باغ دکھاتا رہتا ہے۔ فلاح و بہبود ان کی غلط راہ میں انہیں سمجھاتا ہے اور دراصل وہ بڑا فریب اور صاف دھوکا ہوتا ہے۔ چنانچہ قیامت کے دن صاف کہے گا کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے تھے اور میں تو وعدہ خلاف ہوں ہی۔ میرا کوئی زور تو تم پر تھا ہی نہیں۔ میری پکار کو سنتے ہی کیوں تم مست و بے عقل بن گئے۔ اب مجھے کیوں کوستے ہو اپنے تئیں برا کہو۔ شیطانی وعدوں کو صحیح جاننے والے اس کی دلائی ہوئی امیدوں کو پوری ہونے والی سمجھنے والے آخر جہنم واصل ہوں گے جہاں سے چھٹکارا محال ہوگا۔

ان بدبختوں کے ذکر کے بعد اب نیک لوگوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ جو دل سے میرے ماننے والے ہیں اور جسم سے میری تابع داری کرنے والے ہیں میرے احکام پر عمل کرتے ہیں میری منع کردہ چیزوں سے باز رہتے ہیں میں انہیں اپنی نعمتیں دوں گا۔ انہیں جنتوں میں لے جاؤں گا جن کی نہریں جہاں یہ چاہیں خود بخود بہنے لگیں جس میں زوال و انتقال اور نقصان بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ اٹل اور بالکل سچا ہے اور یقیناً ہونے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات اور کس کی ہوگی؟ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں نہ بجز اس کے کوئی مربی ہے۔

رسول اللہ ﷺ اپنے خطبے میں فرمایا کرتے تھے ''سب سے زیادہ سچی بات کلام اللہ ہے اور سب سے بہتر ہدایت محمد ﷺ کی ہدایت ہے اور تمام کاموں میں سب سے برا کام دین میں نئی نکلی ہوئی بات ہے اور ہر ایسی نئی بات کا نام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔'' ❻

---

❶ ۵۹/ الحشر:۷۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب المتفلجات للحسن، ۵۹۳۱؛ صحیح مسلم، ۵۵۷۱۔

❸ ۳۰/ الروم:۳۰۔

❹ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما قیل فی أولاد المشرکین، ۱۳۸۵؛ صحیح مسلم، ۲۶۵۸؛ ترمذی، ۲۱۳۸۔

❺ صحیح مسلم، کتاب الجنة، باب الصفات التی یعرف بها فی الدنیا، ۲۸۶۵۔

❻ صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفیف الصلاة والخطبة، ۸۶۷؛ نسائی، ۱۵۷۸؛ ابن ماجه، ۴۵؛ واللفظ للنسائی۔

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾

ع ۱۸ / ۱۵

ترجمہ: حقیقت حال نہ تو تمہاری آرزو کے مطابق ہے اور نہ اہل کتاب کی امیدوں پر موقوف ہے جو برا کرے گا اس کی سزا پائے گا اور کسی کو نہ پائے گا جو اس کی حمایت و مدد اللہ تعالیٰ کے پاس کر سکے۔[۱۲۳] جو ایماندار ہو مرد ہو یا عورت اور وہ نیک اعمال کرے یقیناً ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور کھجور کے شگاف برابر بھی ان کا حق نہ مارا جائے گا۔[۱۲۴] باعتبار دین کے اس سے اچھا کون ہے جو اپنا منہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر دھر دے اور ہو بھی نیک کار ساتھ ہی یکسوئی والے ابراہیم علیہ السلام کے دین کی پیروی کر رہا ہو۔ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست بنا لیا ہے۔[۱۲۵] آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو گھیرے رکھنے والا ہے۔[۱۲۶]

ایمان و عمل صالح کے بغیر آرزوؤں کا حصول ناممکن ہے: [آیت:۱۲۳۔۱۲۶] حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ اہل کتاب اور مسلمانوں میں چرچا ہونے لگا۔ اہل کتاب تو یہ کہہ کر اپنی فضیلت جتا رہے تھے کہ ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے کے ہیں اور ہماری کتاب بھی تمہاری کتاب سے پہلے کی ہے اور مسلمان کہہ رہے تھے کہ ہمارے نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ہماری کتاب تمام اگلی کتابوں کے فیصلے کرنے والی ہے۔ اس پر یہ آیتیں اتریں اور مسلمانوں کی اور دین والوں پر فضیلت بیان ہوئی۔ مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اہل عرب نے کہا' نہ تو ہم مرنے کے بعد جئیں گے' نہ ہمیں عذاب ہو گا۔ یہودیوں نے کہا صرف ہم جنتی ہیں۔ یہی قول نصرانیوں کا بھی تھا اور کہتے تھے کہ آگ ہمیں صرف چند دن ستائے گی۔ آیت کا مضمون یہ ہے کہ صرف اظہار کرنے اور دعویٰ کرنے سے صداقت وحقانیت ثابت نہیں ہوتی' بلکہ ایماندار وہ ہے جس کا دل صاف ہو اور عمل شاہد ہوں اور خدائی دلیل اس کے ہاتھوں میں ہو نہ تمہاری خواہشیں اور نرے دعوے کوئی وقعت رکھیں' نہ اہل کتاب کی تمنائیں اور بلند باتیں۔ نجات کا مدار اقوال ہی نہیں' بلکہ اللہ سبحان وتعالیٰ کی حکم برداری اور رسولوں کی تابعداری ہے برائی کرنے والے کسی نسبت کی وجہ سے ناممکن ہے کہ اس برائی کے خمیازے سے چھوٹ جائیں' بلکہ رتی رتی بھلائی برائی قیامت کے دن اپنی آنکھوں اپنے سامنے دیکھ لیں گے۔

یہ آیت صحابہ رضی اللہ عنہم پر بہت گراں گزری تھی اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! نجات کیسے ہو گی؟ جب کہ ایک ایک عمل کا بدلہ ضروری ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ تعالیٰ تجھے بخشے' ابوبکر! یہ جزا وہی ہے جو کبھی تیری بیماری کی صورت میں ہوتی ہے کبھی تکلیف کی صورت میں کبھی صدمے اور غم ورنج کی صورت میں اور کبھی اور بلا و مصیبت کی شکل میں (مسند احمد)۔ ❶ اور روایت میں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہر برائی کرنے والا دنیا میں بدلہ پائے گا۔'' ❷ ابن مردویہ میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

❶ احمد، ۱/ ۱۱، وسندہ ضعیف۔

❷ احمد، ۱/ ۶، وسندہ ضعیف۔

نے فرمایا' دیکھو جس جگہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو سولی دی گئی ہے وہاں تم نہ چلنا۔ غلام بھول گیا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی نظر ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر پڑی تو فرمانے لگے واللہ جہاں تک میری معلومات ہیں میری گواہی ہے کہ تو روزے دار اور نمازی اور رشتے ناتے جوڑنے والا تھا مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ جو لغزشیں تجھ سے ہو گئیں ان کا بدلہ دنیا میں ہی ہو گیا۔ اب تجھے اللہ تعالیٰ کوئی عذاب نہ کرے گا۔ پھر حضرت مجاہد رحمہ اللہ کی طرف دیکھ کر فرمانے لگے میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے جو شخص برائی کرتا ہے اس کا بدلہ دنیا ہی میں پا لیتا ہے۔ ❶ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو سولی پر دیکھ کر فرمایا' ''اے ابوخبیب! اللہ تجھ پر رحم کرے' میں نے تیرے والد کی زبانی یہ حدیث سنی ہے۔ ❷ ابن مردویہ میں ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں یہ آیت اتری۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پڑھ کر سنایا تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ غمناک ہو گئے انہیں یہ معلوم ہونے لگا کہ گویا ہر ہر عمل کا بدلہ ہی ملنا جب ٹھہرا تو نجات مشکل ہو جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو صدیق! تم اور تمہارے ساتھی یعنی مؤمن تو دنیا میں ہی بدلہ دے دئے جاؤ گے اور ان مصیبتوں کے باعث تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ قیامت کے دن پاک صاف اٹھو گے۔ ہاں اور لوگ جو ہیں ان کی برائیاں جمع ہوتی جاتی ہیں اور قیامت کے دن انہیں سزا دی جائے گی۔ ❸ یہ حدیث ترمذی رحمہ اللہ نے بھی روایت کی ہے اور کہا ہے کہ اس کا راوی موسیٰ بن عبیدہ ضعیف ہے اور دوسرا راوی مولیٰ بن سباع مجہول ہے۔ اور بھی بہت سے طریق سے اس روایت کا ماحصل مروی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ آیت سب سے زیادہ ہم پر بھاری پڑتی ہے۔'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مؤمن کا یہ بدلہ وہی ہے جو مختلف قسم کی پریشانیوں اور تکلیفوں کی صورت میں اسے دنیا میں ہی مل جاتا ہے۔'' ❹ اور حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہاں تک کہ مؤمن اپنی نقدی جیب میں رکھ لے پھر ضرورت کے وقت تلاش کرے تھوڑی دیر نہ ملے پھر جیب میں ہاتھ ڈالنے سے نکل آئے تو اتنی دیر میں جو اسے صدمہ ہوا اس سے بھی اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور یہ بھی اس کی برائیوں کا بدلہ ہو جاتا ہے۔ یونہی مصائب دنیا اسے ایسا کندن بنا دیتے ہیں کہ قیامت کا کوئی بوجھ اس پر نہیں رہتا۔ جس طرح سونا بھٹی میں تپا کر نکال لیا جائے اسی طرح یہ دنیا سے پاک صاف ہو کر اللہ تعالیٰ کے پاس جاتا ہے۔'' ❺ ابن مردویہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مؤمن کو ہر چیز میں اجر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ موت کی سختی کا بھی۔'' ❻ مسند احمد میں ہے' ''جب بندے کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں اور انہیں دور کرنے والے بکثرت نیک اعمال نہیں ہوتے تو اللہ تعالیٰ اس پر کوئی غم ڈال دیتا ہے جس سے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔'' ❼ سعید بن منصور لائے ہیں کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم پر اس آیت کا مضمون گراں گزرا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا ''ٹھیک ٹھاک رہو اور ملے جلے رہو' مسلمان

---

❶ ابو یعلیٰ، ١٨ وسندہ ضعیف۔ ❷ مسند البزار، ٢٢٠٥ وسندہ ضعیف۔

❸ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة النساء، ٣٠٣٩ وسندہ ضعیف موسیٰ بن عبیدة الربذی راوی ضعیف ہے۔ اور موسیٰ ابن سباع مجہول ہے۔ ❹ ابوداود، کتاب الجنائز، باب عيادة النساء، ٣٠٩٣ وسندہ حسن۔

❺ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة البقرة، ٢٩٩١ وسندہ ضعیف علی بن زید ضعیف اور امیہ راویہ مجہولہ ہے۔

❻ اس کی سند میں محمد بن زید اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے مابین انقطاع ہے۔ لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

❼ احمد، ٦/ ١٥٧ وسندہ ضعیف۔

کی ہر تکلیف اس کے گناہ کا کفارہ ہے یہاں تک کہ کانٹے کا لگنا بھی۔'' ❶ اور روایت میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم رو رہے تھے اور رنج میں تھے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ فرمایا۔ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہماری ان بیماریوں میں ہمیں کیا ملتا ہے؟ آپ نے فرمایا ''یہ تمہارے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں۔'' اسے سن کر حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی کہ یا اللہ مرتے دم تک مجھ سے بخار جدا نہ ہو لیکن حج و عمرہ جہاد اور نماز باجماعت سے محروم نہ ہوں۔ ان کی یہ دعا قبول ہوئی۔ جب ان کے جسم پر ہاتھ لگایا جاتا بخار چڑھا رہتا' (مسند احمد)۔ ❷ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ کہا گیا کہ کیا ہر برائی کا بدلہ دیا جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ہاں اسی جیسا اور اسی جتنا' لیکن ہر بھلائی کا بدلہ دس گنا کر کے دیا جائے گا' پس اس پر افسوس ہے جس کی اکائیاں دہائیوں سے بڑھ جائیں (ابن مردویہ)۔ ❸

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد کافر ہیں' جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں برائی سے مراد شرک ہے' یہ شخص اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا کوئی ولی اور مددگار نہ پائے گا' ہاں یہ اور بات ہے کہ توبہ کر لے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں' ٹھیک بات یہی ہے کہ ہر برائی کو یہ آیت شامل ہے جیسے کہ احادیث گزر چکیں' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.

بدعملیوں کی سزا کا ذکر کر کے اب نیک اعمال کی جزا کا بیان فرما رہا ہے۔ بدی کی سزا یا تو دنیا میں ہی ہو جاتی ہے اور بندے کے لئے یہی اچھا ہے' یا آخرت میں ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے' ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں دونوں جہان کی عافیت عطا فرمائے اور مہربانی اور درگزر کرے اور اپنی پکڑ دھکڑ اور ناراضگی سے بچا لے۔ اعمال صالحہ کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور اپنے احسان و کرم و رحم سے انہیں قبول کرتا ہے' کسی مرد عورت کے کسی نیک عمل کو وہ ضائع نہیں کرتا ہاں یہ شرط ہے کہ ہو وہ ایمان دار۔ ان نیک لوگوں کو وہ اپنی جنت میں داخل کرے گا اور ان کی حسنات میں کوئی کمی نہیں آنے دے گا۔ نقیر کہتے ہیں کھجور کی گٹھلی کی پشت پر جو ذرا سی لکیر ہوتی ہے۔ فتیل کہتے ہیں اس گٹھلی کے درمیان جو ہلکا سا چھلکا ہوتا ہے اس کو یہ دونوں تو کھجور کے بیج میں ہوتے ہیں۔ اور قطمیر کہتے ہیں اس بیج کے اوپر کے لفافے کو' اور یہ تینوں لفظ اس موقعہ پر قرآن میں آئے ہیں۔

پھر فرمایا اس سے اچھے دین والا کون ہے جو اپنے اعمال خالص اسی کے لئے کرے۔ ایمان داری اور نیک نیتی کے ساتھ اس کے فرمان کے مطابق اس کے احکام بجا لائے اور ہو بھی وہ محسن یعنی شریعت کا پابند دین حق اور ہدایت پر چلنے والے رسول کی حدیث پر عمل کرنے والا۔ ہر نیک عمل کی قبولیت کے لئے یہ دونوں باتیں شرط ہیں یعنی خلوص اور وحی کے مطابق ہونا۔ خلوص سے یہ مطلب کہ فقط اللہ تعالیٰ کی رضامندی مطلوب ہو۔ اور ٹھیک ہونا یہ ہے کہ شریعت کی ماتحتی میں ہو۔ پس ظاہر تو قرآن و حدیث موافق ہونے سے ٹھیک ہو جاتا ہے اور باطن نیک نیتی سے سنور جاتا ہے۔ اگر ان دو باتوں میں سے ایک بھی نہ ہو تو وہ عمل فاسد ہوتا ہے' اخلاص نہ ہونے سے منافقت آ جاتی ہے' لوگوں کی رضا جوئی اور انہیں دکھانا مقصود ہو جاتا ہے اور عمل قابل قبول نہیں رہتا' سنت کے موافق نہ ہونے سے ضلالت و جہالت کا مجموعہ ہو جاتا ہے اور اس سے بھی عمل پایہ قبولیت سے گر جاتا ہے اور چونکہ مؤمن کا عمل ریاکاری سے شریعت کے خلاف سے بچا ہوا ہوتا ہے اس لئے اس کا عمل سب سے اچھا عمل ہو جاتا ہے۔ جو اللہ کو پسند آتا ہے اور اس کی جزا کا بلکہ اور گناہوں کی

---

❶ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب ثواب المؤمن فيما...... ، ٢٥٧٤؛ ترمذی، ٣٠٣٨۔

❷ احمد، ٣/ ٢٣ وسنده حسن۔ ❸ اس کی سند میں محمد بن السائب الکلبی متروک (التقريب، ٢/ ١٦٣، رقم: ٢٤٠) اور ابو صالح باذان کا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سماع ثابت نہیں۔ لہٰذا یہ روایت موضوع ہے۔

بخشش کا سبب بن جاتا ہے اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا' ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کرو۔ یعنی آں حضرت ﷺ کی اور آپ کے قدم بہ قدم چلنے والوں کو جو بھی قیامت تک ہوں' جیسے اور آیت میں ہے ﴿اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرٰهِیْمَ﴾ ❶ یعنی' ابرہیم علیہ السلام سے قریب تر وہ لوگ ہیں جو ان کی حکم برداری کرتے رہے'' اور یہ نبی اکرم ﷺ اور آیت میں فرمایا ﴿ثُمَّ اَوْحَیْنَا اِلَیْكَ﴾ '' پھر ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ابراہیم حنیف کے ملت کی پیروی کر' جو مشرک نہ تھے۔'' حنیف کہتے ہیں قصداً شرک سے بے زاری کرنے اور پوری طرح حق کی طرف متوجہ ہو جانے والے کو جسے کوئی روکنے والا روک نہ سکے اور کوئی ہٹانے والا ہٹا نہ سکے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ کا لقب کیونکر حاصل ہوا؟ پھر حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی اتباع کی تاکید اور ترغیب کے لئے ان کا وصف بیان کیا کہ وہ اللہ کے دوست ہیں۔ یعنی بندہ ترقی کر کے جس اعلیٰ سے اعلیٰ درجے تک پہنچ سکتا ہے اس تک وہ پہنچ گئے۔ خلت کے درجے سے کوئی درجہ بڑا نہیں' محبت کا یہ اعلیٰ تر مقام ہے اور یہاں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام عروج کر گئے ہیں۔ اس کی وجہ ان کی کامل اطاعت ہے جیسے فرمان ہے ﴿وَاِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی﴾ ❷ یعنی ابراہیم علیہ السلام کو جو حکم ملا وہ اسے بخوشی بجالائے' کبھی اللہ تعالیٰ کی مرضی سے منہ نہ موڑا' کبھی عبادت سے نہ اکتائے' کوئی چیز انہیں عبادت ربانی سے مانع نہ ہوئی۔ اور آیت میں ہے ﴿وَاِذِ ابْتَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ﴾ ❸ جب جب جس جس طرح اللہ نے ان کی آزمائش لی' وہ پورے اترے' جو جو اللہ نے فرمایا انہوں نے کر دکھایا۔ فرمان ہے کہ ابراہیم علیہ السلام یکسوئی سے توحید کے رنگ میں شرک سے بچتا ہوا ہمارا تابع فرمان بنا رہا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یمن میں صبح کی نماز میں جب یہ آیت پڑھی' تو ایک شخص نے کہا لَقَدْ قَرَّتْ عَیْنُ اُمِّ اِبْرٰهِیْمَ ابراہیم علیہ السلام کی ماں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ ❹

بعض لوگ کہتے ہیں کہ خلیل اللّٰہ لقب کی یہ وجہ ہوئی کہ ایک مرتبہ قحط سالی کے موقعہ پر آپ اپنے ایک دوست کے پاس مصر میں یا موصل میں گئے کہ وہاں سے کچھ اناج غلہ لے آئیں۔ یہاں کچھ نہ ملا' خالی ہاتھ لوٹے۔ جب اپنی بستی کے قریب پہنچے تو خیال آیا آؤ اس ریت کے تودے میں سے بوریاں بھر کر لے چلوں تاکہ گھر والوں کو قدرے تسکین ہو جائے۔ چنانچہ بھر لیں اور جانوروں پر لاد کر لے چلے۔ قدرت اللہ تعالیٰ سے وہ ریت سچ مچ آٹا بن گیا۔ آپ تو گھر پہنچ کر لیٹ رہے' تھکے ہارے تو تھے ہی آنکھ لگ گئی۔ گھر والوں نے بوریاں کھولیں اور انہیں بہترین آٹے سے پر پایا۔ آٹا گوندھا روٹیاں پکائیں۔ جب یہ جاگے اور گھر میں سب کو خوش خوش پایا اور روٹیاں بھی تیار دیکھیں' تو تعجب سے پوچھنے لگے' آٹا کہاں سے آیا؟ جو تم نے روٹیاں پکائیں۔ انہوں نے کہا' آپ ہی تو اپنے دوست کے ہاں سے لائے ہیں۔ اب آپ سمجھ گئے اور فرمایا ہاں یہ میں اپنے دوست اللہ عزوجل سے لایا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو اپنا دوست بنا لیا اور خلیل اللہ نام رکھ دیا۔ لیکن اس کی صحت اور اس واقعہ میں ذرا تامل ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ یہ بنی اسرائیل کی روایت ہو' جسے ہم سچا نہیں کہہ سکتے' گو جھٹلا بھی نہیں سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کو یہ لقب اس لئے ملا کہ آپ کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت حد درجہ کی تھی کامل اطاعت شعاری اور فرماں برداری تھی۔ اپنی عبادتوں سے اللہ کو خوش کر لیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی اپنے آخری خطبہ میں فرمایا تھا۔ لوگو! '' اگر میں زمین والوں میں سے کسی کو خلیل اور دلی دوست بنانے والا ہوتا تو ابوبکر بن ابو قحافہ کو بناتا' بلکہ تمہارے ساتھی محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں'' (بخاری و مسلم)۔ ❺ اور روایت میں ہے'' اللہ تعالیٰ نے جس طرح

---

❶ ٣/ آل عمران: ١٦٨۔ ❷ ٥٣/ النجم: ٣٧۔ ❸ ٢/ البقرة: ١٢٤۔ ❹ صحيح بخاري، كتاب المغازي باب بعث ابى موسى ومعاذ بن جبل الى اليمن، ٤٣٤٨۔ ❺ صحيح بخاري، كتاب فضائل اصحاب النبى باب قول النبى ﷺ سدوا الأبواب...... ، ٣٦٥٤؛ صحيح مسلم، ٢٣٨٢ باختلاف يسير۔

ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنالیا تھا' اسی طرح مجھے بھی اپنا خلیل کرلیا ہے۔'' ❶

ایک مرتبہ اصحاب رسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے ذکر تذکرے کررہے تھے' ایک کہہ رہے تھے تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا' دوسرے نے کہا اس سے بھی بڑھ کر مہربانی یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خود باتیں کیں اور انہیں کلیم بنایا' ایک نے کہا اور عیسیٰ علیہ السلام تو روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں' ایک نے کہا آدم علیہ السلام صفی اللہ اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب باہر تشریف لائے سلام کیا اور یہ باتیں سنیں تو فرمایا ''بے شک تمہارا قول صحیح ہے' ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں اور آدم علیہ السلام صفی اللہ ہیں اور اسی طرح محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ سنو میں واقعہ بیان کرتا ہوں کچھ فخر کے طور پر نہیں کہتا کہ میں حبیب اللہ ہوں' میں سب سے پہلا شفاعت کرنے والا ہوں' اور سب سے پہلے شفاعت قبول کیا جانے والا ہوں' اور سب سے پہلے جنت کا کنڈا کھٹکھٹانے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میرے لئے جنت کو کھولے گا اور مجھے اس میں داخل کرے گا اور میرے ساتھ مؤمن فقرا ہوں گے' قیامت کے تمام اگلوں پچھلوں سے زیادہ اکرام وعزت والا میں ہوں۔ یہ بطور فخر کے نہیں بلکہ بطور واقعہ کے معلوم کرانے کے میں تم سے کہہ رہا ہوں۔'' ❷

یہ حدیث اس سند سے تو غریب ہے لیکن اس کے بعض شاہد موجود ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں' کیا تم اس سے تعجب کرتے ہو کہ خلت ابراہیم علیہ السلام کے لئے تھی اور کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے تھا اور دیدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے' صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین (مستدرک حاکم)۔ ❸

اسی طرح کی روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور سلف وخلف سے مروی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عادت تھی کہ مہمانوں کے ساتھ کھائیں۔ ایک دن آپ مہمان کی جستجو میں نکلے لیکن کوئی نہ ملا۔ واپس آئے گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہوا ہے۔ پوچھا اے اللہ تعالیٰ کے بندے تجھے میرے گھر میں آنے کی اجازت کس نے دی؟ اس نے کہا اس مکان کے حقیقی مالک نے۔ پوچھا تم کون ہو؟ کہا میں ملک الموت ہوں' مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ میں اسے یہ بشارت سنادوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا خلیل کرلیا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا پھر تو مجھے ضرور بتائیے کہ وہ بزرگ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی قسم گو وہ زمین کے کسی دور کے گوشے میں ہوں میں ضرور جاکر ان سے ملاقات کروں گا پھر اپنی باقی زندگی ان کے قدموں میں ہی گزاروں گا۔ یہ سن کر حضرت ملک الموت نے کہا وہ شخص خود آپ ہیں۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا کیا سچ مچ میں ہی ہوں؟ فرشتے نے کہا ہاں آپ ہی ہیں۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا کہ کیا آپ مجھے یہ بھی بتائیں گے کہ کس بنا پر کن امور پر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنایا؟ فرشتے نے فرمایا اس لئے کہ تم ہر ایک کو دیتے رہتے ہو اور کسی سے خود کچھ طلب نہیں کرتے۔ اور روایت میں ہے جب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ کے ممتاز اور مبارک لقب سے اللہ تعالیٰ نے ملقب کیا تب سے ان کے دل میں اس قدر خوف اللہ تعالیٰ اور ہیبت رب سما گئی کہ ان کے دل کا اچھلنا دور سے اس طرح سنا جاتا تھا جس طرح فضا میں پرند کی پرواز کی آواز۔ صحیح حدیث میں جناب رسول آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی وارد ہے جس وقت اللہ کا خوف آپ پر غالب آجاتا تھا تو آپ کے رونے کی آواز جسے آپ ضبط کرتے جاتے تھے اس طرح دور ونزدیک والوں کو سنائی ==

❶ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النھی عن بناء المسجد علی القبور، ۵۳۲۔

❷ ابن مردویه وسنده ضعیف۔ ❸ حاکم، ۱/ ۶۵۔

ترجمہ: تجھ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں۔ تو کہہ دے کہ خود اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں حکم دے رہا ہے اور قرآن کی وہ آیتیں جو تم پر ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں پڑھی جاتی ہیں جنہیں ان کا مقرر حق تم نہیں دیتے اور انہیں اپنے نکاح میں لانے کی رغبت رکھتے ہو اور کمزور بچوں کے بارے میں اور اس بارے میں کہ یتیموں کی کارگزاری انصاف کے ساتھ کرو۔ تم جو نیک کام کرو بے شبہ اللہ تعالیٰ اسے پوری طرح جاننے والا ہے۔ [۱۲۷]

= دیتی تھی جیسے کسی ہنڈیا کی کھدبدی کی آواز ہو۔ ❶

پھر فرماتا ہے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں اور اس کی غلامی میں اور اسی کا پیدا کیا ہوا ہے جس طرح جب جو تصرف ان میں وہ کرنا چاہتا ہے بغیر کسی روک ٹوک کے بغیر کسی کے مشورے کے اور بغیر کسی کی شرکت اور مدد کے کر گزرتا ہے' کوئی نہیں جو اس کے ارادے سے اسے باز رکھ سکے' کوئی نہیں جو اس کے حکم میں حائل ہو سکے کوئی نہیں جو اس کی مرضی کو بدل سکے وہ عظمتوں اور قدرتوں والا وہ عدل و حکمت والا وہ لطف و رحم والا واحد و صمد اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کا علم ہر چھوٹی بڑی چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ مخفی سے مخفی اور چھوٹی سے چھوٹی اور دور سے دور والی چیز بھی اس پر پوشیدہ نہیں۔ ہماری نگاہوں سے جو پوشیدہ ہیں' اس کے علم میں سب ظاہر ہیں۔

یتیم لڑکیوں کے بارے میں چند ہدایات: [آیت:۱۲۷] صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اس سے مراد وہ شخص ہے جس کی پرورش میں کوئی یتیم بچی ہو جس کا ولی و وارث بھی وہی ہو' مال میں شریک ہو گیا ہو' اب چاہتا یہ ہوں کہ اس یتیمہ سے میں نکاح کر لوں' اس بنا پر اور جگہ شادی سے روکتا ہو' ایسے شخص کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ ❷ ایک روایت میں ہے کہ اس آیت کے اترنے کے بعد جب پھر لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ﴾ الخ نازل فرمائی۔ فرماتی ہیں کہ اس آیت میں جو یہ فرمایا گیا ہے ﴿وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ﴾ اس سے مراد پہلی آیت ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ﴾ ❸ الخ ہے۔

آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ یتیمہ لڑکیوں کے ولی وارث جب ان کے پاس مال کم پاتے یا وہ حسین نہ ہوتیں تب تو ان سے =

❶ أبوداود، كتاب الصلاة، باب البكاء في الصلاة، ٩٠٤ وسنده صحيح؛ نسائي، ١٢١٥۔

❷ صحيح بخاري، كتاب التفسير، باب ﴿ويستفتونك في النساء......﴾ ٤٦٠٠؛ صحيح مسلم، ٣٠١٨؛ أبوداود، ٢٠٦٨۔

❸ ٤/ النسآء:٣۔

وَإِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١٢٨﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٢٩﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿١٣٠﴾

ترجمہ: اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی بد دماغی اور بے پرواہی کا خوف ہو تو دونوں آپس میں جو صلح کر لیں اس میں کسی پر کوئی گناہ نہیں۔ صلح بہت بہتر چیز ہے طمع ہر ہر نفس میں حاضر کر دی گئی ہے۔ اگر تم اچھا سلوک کرو اور پرہیزگاری کرو تو تم جو کر رہے ہو اس پر اللہ تعالیٰ پوری طرح خبردار ہے۔[۱۲۸] تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ اپنی تمام بیویوں میں ہر طرح عدل کرو گو تم اس کی کتنی ہی آرزو کرے پس بالکل ہی ایک کی طرف مائل ہو کر دوسری کو ادھر لٹکتی ہوئی نہ چھوڑو۔ اور اگر تم اصلاح کرو اور احتیاط کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والا ہے۔[۱۲۹] اور اگر میاں بیوی جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے نیاز کر دے گا اللہ تعالیٰ وسعت والا حکمت والا ہے۔[۱۳۰]

= نکاح کرنے سے باز رہتے اور اگر مال دار اور صاحب جمال پاتے تو نکاح کی رغبت کرتے، لیکن اس حال میں بھی چونکہ ان لڑکیوں کا اور کوئی محافظ نہیں ہوتا تھا، ان کے مہر اور حقوق میں کمی کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں روک دیا کہ بغیر پورا مہر اور پورے حقوق دینے کے نکاح کر لینے کی اجازت نہیں۔ ❶ مقصد یہ ہے کہ ایسی یتیم بچی جس سے اس کے ولی کو نکاح حلال ہو تو وہ اس سے نکاح کر سکتا ہے بشرطیکہ جو مہر اس جیسی اس کے کنبے قبیلے کی اور لڑکیوں کو ملا ہے اسے بھی دے اور اگر ایسا نہ کرے تو اسے چاہئے اس سے نکاح بھی نہ کرے۔ اس سورت کے شروع کی اس مضمون کی پہلی آیت کا بھی یہی مطلب ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس یتیم بچی سے خود اس کا ایسا ولی جسے اس سے نکاح کرنا حلال ہے اسے اپنے نکاح میں لانا نہیں چاہتا خواہ کسی وجہ سے ہو لیکن یہ جان کر کہ یہ جب دوسرے کے نکاح میں چلی جائے گی تو جو مال میرے اور اس لڑکی کے درمیان شراکت میں ہے وہ بھی میرے قبضے سے جاتا رہے گا تو ایسے ناواجبی فعل سے اس آیت میں روک دیا گیا۔ یہ بھی مروی ہے کہ جاہلیت میں دستور تھا کہ یتیمہ لڑکی کا ولی جب لڑکی کو اپنی ولایت میں لیتا تو اس پر ایک کپڑا ڈال دیتا۔ اب کسی کی مجال نہ تھی کہ اس سے نکاح کر سکے۔ اب اگر وہ خوش شکل ہوتی تو اس سے خود آپ نکاح کر لیتا اور مال بھی ہضم کر جاتا۔ اور اگر وہ صورت شکل میں اچھی نہ ہوتی اور مالدار ہوتی تو اسے دوسری جگہ نکاح کرنے سے روک دیتا، وہ بیچاری یونہی مر جاتی اور یہ اس کا مال قبضے میں کر لیتا۔ اس سے اللہ تعالیٰ اس آیت میں منع فرما رہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے ساتھ ہی یہ بھی مروی ہے کہ جاہلیت والے چھوٹے لڑکوں کو اور چھوٹی بڑی لڑکیوں کو وارث نہیں سمجھتے تھے۔ اس رسم کو بھی قرآن نے ختم کر دیا اور ہر ایک کو حصہ دلوایا اور فرمایا کہ لڑکی کو اور لڑکے کو خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے حصہ ضرور دو۔ ہاں لڑکی کو آدھا اور

❶ صحیح بخاری، کتاب الشرکة، باب شرکة الیتیم وأهل المیراث، ۲۴۹۴؛ صحیح مسلم، ۳۰۱۸ عن عائشة رضی اللہ عنہا مطولاً۔

لڑکے کو پورا یعنی دو لڑکیوں کے برابر۔ اور یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف کا حکم دیا کہ جب جمال و مال والی ہے خود تم اپنا نکاح کر لیتے ہو تو پھر ان سے بھی کر لیا کرو جو مال و جمال میں کم ہوں۔ پھر فرمایا یقین مانو کہ تمہارے تمام اعمال سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے تو تمہیں چاہئے کہ خیر کے کام کرو، حکم برداری کرو اور نیک بدلے حاصل کرو۔

خاوند کو اپنی بیویوں کے درمیان انصاف کی تاکید: [آیت:۱۲۸۔۱۳۰] اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے حالات اور ان کے احکام بیان فرما رہا ہے۔ کبھی مرد اس سے ناخوش ہو جاتا ہے، کبھی چاہنے لگتا ہے اور کبھی الگ کر دیتا ہے۔ پس پہلی حالت میں جب کہ عورت کو اپنے شوہر کی ناراضگی کا خیال ہے اور اسے خوش کرنے کے لئے اپنے تمام حقوق سے یا کسی خاص حق سے وہ دست برداری کر لے تو کر سکتی ہے۔ مثلاً اپنا کھانا کپڑا چھوڑ دے یا شب باشی کا حق معاف کر دے تو دونوں کے لئے یہ جائز ہے۔ پھر اسی کی رغبت دلاتا ہے کہ صلح ہی بہتر ہے۔ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا جب بہت بڑی عمر کی ہو جاتی ہیں اور انہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جدا کر دینے کا ارادہ رکھتے ہیں تو کہتی ہیں کہ میں اپنی باری کا حق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیتی ہوں، چنانچہ اسی پر صلح ہو گئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول فرما لیا۔ ابوداؤد میں ہے کہ اسی پر یہ آیت اتری۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میاں بیوی جس بات پر رضامند ہو جائیں وہ جائز ہے۔ ❶ آپ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت آپ کی نو بیویاں تھیں جن میں سے آپ نے آٹھ کی باریاں تقسیم کر رکھی تھیں۔ ❷

بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا دن بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیتے تھے۔ ❸ حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے بڑی عمر میں جب یہ معلوم کیا کہ حضور انہیں چھوڑ دینا چاہتے ہیں تو خیال کیا کہ آپ کو صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوری محبت ہے، اگر میں اپنی باری انہیں دے دوں تو کیا عجب ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو جائیں اور میں آپ کی بیویوں میں ہی آخر دم تک رہ جاؤں۔ ❹ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات گزارنے میں اپنی تمام بیویوں کو برابر کے درجے پر رکھا کرتے تھے۔ عموماً ہر روز سب بیویوں کے ہاں آتے بیٹھتے بولتے چالتے مگر ہاتھ نہ بڑھاتے پھر آخر میں جن بیوی صاحبہ کی باری ہوتی ان کے ہاں جاتے اور رات وہیں گزارتے۔ پھر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ بیان فرمایا جو اوپر گزرا (ابوداؤد) ❺ معجم ابوالعباس کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو طلاق کی خبر بھجوائی، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جا بیٹھیں۔ جب آپ تشریف لائے تو کہنے لگیں آپ کو اس اللہ تعالیٰ کی قسم ہے جس نے آپ پر اپنا کلام نازل فرمایا اور اپنی مخلوق میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برگزیدہ اور اپنا پسندیدہ بنایا، آپ مجھ سے رجوع کر لیجئے، میری عمر بڑی ہو گئی ہے، مجھے مرد کی خاص خواہش نہیں رہی لیکن یہ چاہت ہے کہ قیامت کے دن آپ کی بیویوں میں اٹھائی جاؤں۔ چنانچہ آپ نے یہ منظور فرما لیا اور رجوع کر لیا۔ پھر یہ کہنے لگیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی باری کا دن اور رات آپ کی محبوبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کرتی ہوں۔ ❻ بخاری شریف میں

---

❶ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة النساء ۳۰۴۰، وسنده ضعیف وهو صحیح بالشواهد۔

❷ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب کثرة النسآء، ۵۰۶۸؛ صحیح مسلم، ۱۴۶۵ من طریق ابن جریج۔

❸ صحیح بخاری، کتاب النکاح، ب المرأة تهب یومها من زوجها، ۵۲۱۲؛ صحیح مسلم، ۱۴۶۳۔

❹ سنده حسن الی عروه وله شواهد وهو بها صحیح۔

❺ ابوداود، کتاب النکاح، باب فی القسم بین النساء، ۲۱۳۵، وسنده حسن۔

❻ وسنده ضعیف لارساله۔

ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ ایک بڑھیا عورت جو اپنے خاوند کو دیکھتی ہے کہ وہ اس سے محبت نہیں کر سکتا بلکہ اسے الگ کرنا چاہتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ میں اپنا حق چھوڑتی ہوں تو مجھے جدا نہ کر' تو آیت دونوں کو رخصت دیتی ہے۔ ❶ یہی صورت اس وقت بھی ہے جب کسی کی دو بیویاں ہوں اور ایک سے اس کو بوجہ اس کے بڑھاپے یا بدصورتی کے محبت نہ ہو اور وہ اسے جدا کرنا چاہتا ہو' اور یہ بوجہ اپنے لگاؤ یا بعض اور مصالح کے الگ ہونا پسند نہ کرتی ہو' تو اسے حق ہے کہ اپنے بعض یا سب حقوق سے الگ ہو جائے' اور خاوند اس کی بات کو منظور کر کے اسے جدا نہ کرے۔

ابن جریر میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک سوال کیا (جسے اس کی بے ہودہ گوئی کی وجہ سے) آپ نے ناپسند فرمایا' اور اسے کوڑا مار دیا۔ پھر ایک اور نے اسی آیت کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا ''ہاں یہ باتیں پوچھنے کی ہیں' اس سے ایسی صورت مراد ہے کہ مثلاً ایک شخص کی بیوی ہے لیکن وہ بڑھیا ہو گئی ہے' اولاد نہیں ہوتی' اس نے اولاد کی خاطر کسی جوان عورت سے اور نکاح کیا' پھر یہ دونوں جس چیز پر اتفاق کر لیں' جائز ہے۔ ❷ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جب اس آیت کی نسبت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ عورت ہے جو بوجہ اپنے بڑھاپے کے یا بدصورتی کے یا بدخلقی کے یا گندگی کے اپنے خاوند کی نظروں میں گر جائے اور اس کی چاہت یہ ہو کہ خاوند مجھے چھوڑ نہ دے' تو یہ اپنا پورا یا ادھورا مہر معاف کر دے' یا اپنی باری معاف کر دے وغیرہ' تو اس طرح صلح کر سکتے ہیں۔ ❸ سلف اور ائمہ سے برابر اس کی یہی تفسیر مروی ہے بلکہ تقریباً اس پر اتفاق ہے میرے خیال سے تو اس کا کوئی مخالف نہیں' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھیں۔ بوجہ بڑھاپے کے یا کسی اور امر کے یہ انہیں چاہتے نہ تھے یہاں تک کہ طلاق دینے کا ارادہ کر لیا۔ اس پر انہوں نے کہا' آپ مجھے طلاق نہ دیجئے ہاں جو آپ چاہیں وہی مجھے منظور ہے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ ❹ ان دونوں آیتوں میں ذکر ہے اس عورت کا جس سے اس کا خاوند بگڑا ہوا ہو' اسے چاہئے کہ اپنی بیوی سے کہہ دے کہ اگر وہ چاہے تو اسے طلاق دے دے اور اگر وہ چاہے تو اس بات کو پسند کر کے اس کے گھر میں رہے کہ وہ مال کی تقسیم میں اور باری کی تقسیم میں۔ اس پر دوسری بیوی کو ترجیح دے گا۔ اب اسے اختیار ہے اگر یہ دوسری شق کو منظور کرے تو شرعاً خاوند کو جائز ہے کہ اسے باری نہ دے اور جو مہر وغیرہ اس نے چھوڑا ہے اسے اپنی ملکیت سمجھے۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ انصاری کی بیوی صاحبہ جب سن رسیدہ ہو گئیں تو انہوں نے ایک نوجوان لڑکی سے نکاح کیا اور پھر اسے زیادہ چاہنے لگے اور اسے اگلی بیوی پر مقدم رکھنے لگے۔ آخر اس نے تنگ آ کر طلاق طلب کی آپ نے دے دی' پھر عدت ختم ہونے کے قریب لوٹا لی۔ لیکن پھر وہی حال ہوا کہ جوان بیوی کو زیادہ چاہنے لگے اور اس کی طرف جھک گئے۔ اس نے پھر طلاق مانگی' آپ نے دوبارہ طلاق دے دی' پھر لوٹا لیا لیکن پھر وہی نقشہ پیش آیا۔ پھر اس نے قسم دی کہ مجھے طلاق دے دو' تو آپ نے فرمایا دیکھو اب یہ تیسری اور آخری طلاق ہے اگر تم چاہو تو میں دے دوں اور اگر چاہو تو اسی طرح رہنا منظور کرو۔ اس نے سوچ کر جواب دیا مجھے اسی طرح منظور ہے۔ چنانچہ وہ اپنے حقوق سے دست بردار ہو گئیں اور اسی طرح رہنے سہنے لگیں۔ ❺ اس جملے کا کہ صلح خیر ہے ایک معنی تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ خاوند کا اپنی بیوی کو یہ اختیار دینا کہ اگر تو چاہے تو اسی طرح رہ کہ دوسری بیوی کے برابر تیرے حقوق نہ ہوں اور اگر تو چاہے تو طلاق لے لے' یہ بہتر ہے اس سے کہ

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ النسآء باب ﴿وان امرأۃ خافت من بعلها﴾ ۴۶۰۱؛ صحیح مسلم، ۳۰۲۱۔

❷ الطبری، ۱۰۶۸۴۔ ❸ الطبری، ۱۰۵۸۰۔

❹ حاکم، ۲/ ۳۰۸، ۳۰۹ وسندہ ضعیف۔ ❺ ایضاً باختلاف یسیر۔

یونہی دوسری کو اس پر ترجیح دیئے ہوئے رہے۔ لیکن اس سے اچھا مطلب یہ ہے کہ بیوی اپنا کچھ حق چھوڑ دے اور خاوند اسے طلاق نہ دے اور آپس میں مل کر رہیں۔ یہ طلاق دینے اور لینے سے بہتر ہے' جیسے کہ خود نبی اکرم ﷺ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ کو اپنی زوجیت میں رکھا اور انہوں نے اپنا دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا۔ آپ کے اس فعل میں بھی آپ کی امت کے لئے بہترین نمونہ ہے کہ ناموافقت کی صورت میں بھی طلاق کی نوبت نہ آئے۔ چونکہ اللہ کے نزدیک صلح افتراق سے بہتر ہے اس لئے یہاں فرما دیا کہ صلح خیر ہے۔

بلکہ ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں ہے تمام حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسند چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلاق ہے۔ ❶

پھر فرمایا تمہارا احسان اور تقویٰ کرنا یعنی عورت کی طرف کی ناراضگی سے درگزر کرنا اور اسے باوجود ناپسندیدگی کے اس کا پورا حق دینا' باری میں' لین دین میں' برابری کرنا' یہ بہترین فعل ہے جسے اللہ بخوبی جانتا ہے اور جس پر وہ بہت اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ گو تم چاہو کہ اپنی کئی ایک بیویوں کے درمیان ہر طرح بالکل پورا عدل وانصاف اور برابری کرو تو بھی تم کر نہیں سکتے۔ اس لئے کہ گو ایک ایک رات کی باری باندھ لو لیکن محبت چاہت شہوت جماع وغیرہ میں برابری کیسے کر سکتے ہو؟ ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں۔ یہ آیت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضور اکرم ﷺ انہیں بہت چاہتے تھے۔ اسی لئے ایک حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ عورتوں کے درمیان صحیح طور پر مساوات رکھتے تھے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے فرماتے تھے ''الٰہی یہ وہ تقسیم ہے جو میرے بس میں تھی اب جو چیز میرے قبضہ سے باہر ہے یعنی دلی تعلق اس میں تو مجھے ملامت نہ کرنا'' (ابوداؤد)۔ ❷ اس کی اسناد صحیح ہے لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دوسری سند سے یہ مرسلاً مروی ہے اور وہ زیادہ صحیح ہے۔

پھر فرمایا ''بالکل ہی ایک جانب جھک نہ جاؤ کہ دوسری کو لٹکا دو'' وہ نہ بے خاوند کے رہے نہ خاوند والی' تم اس سے بے رخی برتو اور ہو وہ تمہاری زوجیت میں۔ نہ تو اسے طلاق ہی دو جو وہ اپنا دوسرا نکاح کر لے نہ اس کے وہ حق ادا کرو جو ہر بیوی کے اس کے میاں پر ہیں۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں جس کی دو بیویاں ہوں پھر وہ بالکل ایک ہی کی طرف جھک جائے تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس طرح آئے گا کہ اس کا آدھا جسم ساقط ہوگا (احمد وغیرہ)۔ ❸

امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث مرفوع طریق سے سوائے ہمام کی حدیث کے پہچانی نہیں جاتی۔ پھر فرماتا ہے اگر تم اپنے کاموں کی اصلاح کر لو اور جہاں تک تمہارے اختیار میں عورتوں کے درمیان عدل' انصاف اور برابری ہے کرو اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو' تو اگر تم کسی وقت کسی ایک کی طرف کچھ مائل ہو گئے ہو' اسے اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔ پھر تیسری حالت بیان فرماتا ہے کہ اگر کوئی صورت ہی نباہ کی نہ ہو اور دونوں الگ ہو جائیں' تو اللہ تعالیٰ ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا۔ اسے =

---

❶ أبوداود، كتاب الطلاق، باب في كراهية الطلاق، ۲۱۷۸ وسنده حسن ابن ماجه، ۲۰۱۸۔

❷ أبوداود، كتاب النكاح، باب في القسم بين النسآء، ۲۱۳٤ وسنده صحيح؛ ترمذی، ۱۱٤۰؛ نسائی، ۳۳۹۵؛ ابن ماجه، ۱۹۷۱۔ ❸ احمد، ۲/ ۲٤۷؛ أبوداود، كتاب النكاح، باب القسم بين النسآء، ۲۱۳۳ وسنده ضعيف؛ قتادہ مدلس راوی ہے اور تصریح بالسماع ثابت نہیں۔ ترمذی، ۱۱٤۱؛ ابن ماجه، ۱۹٦٦۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع

ترجمہ: زمین اور آسمانوں کی ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت میں ہے۔ اور واقعی ہم نے ان لوگوں کو جو تم سے پہلے کتاب دئے گئے تھے اور تم کو بھی یہی حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور اگر تم کفر کرو تو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ تعالیٰ بہت بے حاجت اور تعریف کیا گیا ہے۔[۱۳۱] اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں آسمانوں کی سب چیزیں اور زمین کی بھی اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے۔[۱۳۲] اگر اسے منظور ہو تو اے لوگو وہ تم سب کو فنا کر دے اور دوسروں کو لے آئے اللہ تعالیٰ اس پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔[۱۳۳] جو شخص دنیا کا ثواب چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ کے پاس تو دنیا اور آخرت کا ثواب موجود ہے اللہ تعالیٰ بہت سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے۔[۱۳۴]

= اس سے اچھا شوہر اور اسے اس سے اچھی بیوی دے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل بہت وسیع ہے وہ بڑے احسانوں والا ہے اور ساتھ ہی وہ حکیم ہے تمام افعال ساری تقدیریں اور پوری شریعت حکمت سے سراسر بھرپور ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان: [آیت: ۱۳۱۔۱۳۴] اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ زمین و آسمان کا مالک اور حاکم وہی ہے۔ فرماتا ہے جو احکام تمہیں دیئے جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس کی وحدانیت کو مانو اس کی عبادت کرو اور کسی اور کی عبادت نہ کرو یہی احکام تم سے پہلے کے اہل کتاب کو دیئے گئے تھے۔ اور اگر تم کفر کرو (تو اللہ تعالیٰ کا کیا بگاڑو گے؟) وہ تو زمین آسمان کا تنہا مالک ہے۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ اگر تم اور تمام روئے زمین کے انسان کفر کرنے لگو تو بھی اللہ تعالیٰ بے پروا اور لائق ستائش ہے۔ اور جگہ فرمایا ﴿فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾ ❶ ''انہوں نے کفر کیا اور منہ موڑ لیا اللہ تعالیٰ نے ان سے بے نیازی کی اور اللہ تعالیٰ بہت ہی بے نیاز اور تعریف کیا گیا ہے۔ اپنے تمام بندوں سے غنی اور اپنے تمام کاموں میں حمد کیا گیا ہے۔''

آسمان و زمین کی ہر چیز کا وہ مالک ہے اور ہر شخص کے تمام افعال پر وہ گواہ ہے اور ہر چیز کا وہ عالم اور شاہد ہے۔ وہ قادر ہے کہ اگر تم اس کی نافرمانیاں کرو تو وہ تمہیں برباد کر دے اور غیروں کو آباد کر دے۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ﴾ ❷ ''اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بدل کر تمہارے سوا اور قوم کو لائے گا جو تم جیسے نہ ہوں گے۔'' بعض سلف سے منقول ہے کہ اس آیت پر غور کرو اور سوچو کہ گنہگار بندے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس قدر ذلیل اور فرومایہ ہیں؟ =

❶ ٦٤/ التغابن:٦۔ ❷ ٤٧/ محمد:٣٨۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ۚ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۱۳۵﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! عدل وانصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور خوشنودی اللہ تعالیٰ کے لئے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ کے یا رشتے دار عزیزوں کے' وہ شخص اگر امیر ہو تو اور فقیر ہو تو دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے' سو تم خواہش نفس کے پیچھے پڑ کر انصاف نہ چھوڑ دینا' اور اگر تم نے کج بیانی یا پہلو تہی کی تو جان لو کہ جو کچھ تم کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔[۱۳۵]

= اور آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر یہ کام کچھ مشکل نہیں۔

پھر فرماتا ہے اے وہ شخص جس کا پورا قصد اور جس کی تمام تر کوشش صرف دنیا کے لئے ہے تو جان لے کہ دونوں جہان دنیا اور آخرت کی بھلائیاں اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں' تو جب اس سے دونوں ہی طلب کرے گا تو وہ تجھے دے گا اور وہ تجھے بے پرواہ کر دے گا اور آسودہ بنا دے گا۔ اور جگہ فرمایا بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں اے اللہ ہمیں دنیا دے' ان کا کوئی حصہ آخرت میں نہیں۔ اور ایسے بھی ہیں جو دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا کی بھلائیاں دے اور آخرت میں بھی بھلائیاں عطا فرما اور جہنم کے عذاب سے ہمیں نجات عطا فرما۔ یہ ہیں جنہیں ان کے اعمال کا پورا حصہ ملے گا۔ اور جگہ ہے جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ رکھے' ہم اس کی کھیتی میں زیادتی کریں گے۔ اور آیت میں ہے ﴿مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعَاجِلَةَ﴾ ❶ ''جو شخص دنیا طلب ہو تو ہم جسے چاہیں جتنا چاہیں دنیا میں دے دیں۔''

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جن منافقوں نے دنیا کی جستجو میں ایمان قبول کیا تھا' انہیں دنیا گو مل گئی یعنی مسلمانوں سے مال غنیمت میں سے حصہ بٹا لیا لیکن آخرت میں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس جو تیاری ہے وہ انہیں وہاں ملے گی یعنی جہنم کی آگ اور وہاں کے گوناگوں عذاب۔

تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ مذکور کے نزدیک یہ آیت مثل آیت ﴿مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا﴾ کے ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اس آیت کے معنی تو بظاہر یہی ہیں' لیکن پہلی آیت کو بھی اسی معنی میں لینا ذرا غور طلب امر ہے۔ کیونکہ اس آیت کے الفاظ تو صاف بتا رہے ہیں کہ دنیا اور آخرت کی خیر دینا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے تو ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنی ہمت ایک ہی چیز کی جستجو میں خرچ نہ کر دے بلکہ دونوں چیزوں کے حاصل کرنے کی کوشش کرے' جو تمہیں دنیا دیتا ہے وہی آخرت کا مالک بھی ہے۔ یہ بڑی پست ہمتی ہو گی کہ تم اپنی آنکھیں بند کر لو اور بہت دینے والے سے تھوڑا مانگو۔ نہیں نہیں بلکہ تم دنیا اور آخرت کے بڑے بڑے کاموں اور بہترین مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اپنا نصب العین صرف دنیا کو نہ بنا لو۔ عالی ہمتی اور بلند پردازی سے وسعت نظری کو کام میں لا کر عیش جاودانی کی کوشش و سعی کرو۔ یاد رکھو دونوں جہان کا مالک وہی ہے' ہر ہر نفع نقصان اسی کے ہاتھ میں ہے کوئی نہیں جسے اس کے ساتھ شراکت ہو یا اس کے کاموں میں دخل ہو' سعادت و شقاوت اس نے تقسیم کی ہے' خزانوں کی کنجیاں اس نے اپنی مٹھی میں رکھ لی =

❶ ۱۷/ الاسرآء:۱۸۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۝

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری ہے اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہیں ایمان لاؤ' جو شخص اللہ تعالیٰ سے اور اس کے فرشتوں سے اور اس کی کتابوں سے اور اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا۔[۱۳۶]

ہیں۔ وہ ہر ایک مستحق کو جانتا ہے اور جس کا وہ مستحق ہوتا ہے اسے وہی پہنچاتا ہے۔ بھلا تم غور تو کرو کہ تمہیں دیکھنے سننے کی طاقت دینے والے کا دیکھنا سننا کیسا کچھ ہوگا۔

سچی گواہی کو چھپانا جائز نہیں خواہ کسی کے خلاف ہو: [آیت:۱۳۵] اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو حکم دیتا ہے کہ وہ عدل و انصاف پر مضبوطی سے جمے رہیں۔ اس سے ایک انچ ادھر ادھر نہ سرکیں' ایسا نہ ہو کہ کسی کے ڈر کی وجہ سے یا کسی لالچ کی بنا پر یا کسی کی خوشامد میں یا کسی پر رحم کھا کر یا کسی کی سفارش سے عدل و انصاف چھوڑ بیٹھیں۔ سب مل کر عدل کو قائم و جاری کریں۔ ایک دوسرے کی اس معاملہ میں مدد کریں اور خلق باری میں عدالت کے سکے جما دیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے گواہ بن جائیں۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ﴾ ❶ ''یعنی گواہیاں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے دو' جو بالکل صحیح صاف سچی اور بے لاگ ہوں۔ انہیں بدلو نہیں چھپاؤ نہیں چبا کر نہ بولو صاف صاف سچی شہادت دو۔ چاہے وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو۔ تم حق گوئی سے نہ رکو اور یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت گزار غلاموں کی مخلصی کی صورتیں بہت سی نکال دیتا ہے۔ کچھ اسی پر موقوف نہیں کہ جھوٹی شہادت سے ہی اس کا چھٹکارا ہوگا۔ گو سچی شہادت ماں باپ کے خلاف ہوتی ہو' گو اس شہادت سے رشتہ داروں کا نقصان ہوتا ہو لیکن تم سچ کو ہاتھ سے نہ جانے دو' گواہی سچی دے دو۔ اس لئے کہ حق ہر ایک پر غالب ہے' گواہی کے وقت نہ تونگر کا لحاظ کرو نہ غریب پر رحم کرو۔ ان کی مصلحتوں کو اللہ تعالیٰ تم سے بہت بہتر جانتا ہے۔ تم ہر صورت اور ہر حالت میں سچی شہادت ادا کرو۔ دیکھو کسی کے برے میں آ کر خود اپنا برا نہ کر لو۔ کسی کی دشمنی میں عصبیت اور قومیت میں فنا ہو کر عدل و انصاف ہاتھ سے نہ چھوڑ بیٹھو بلکہ ہر حال ہر آن عدل و انصاف کا مجسمہ بنے رہو۔ جیسے اور جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾ ❷ ''کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل کرنے پر آمادہ نہ کر دے عدل کرتے رہو۔ یہی تقویٰ کی شان کے قریب تر ہے۔''

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والوں کے کھیتوں اور باغوں کا اندازہ کرنے کو بھیجا تو انہوں نے آپ کو رشوت دینی چاہی کہ آپ مقدار کم بتائیں تو آپ نے فرمایا سنو! اللہ تعالیٰ کی قسم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تمام مخلوق سے زیادہ عزیز ہیں اور تم میرے نزدیک کتوں اور خنزیروں سے بدتر ہو' لیکن باوجود اس کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں آ کر یا تمہاری عداوت کو سامنے رکھ کر نا ممکن ہے کہ میں انصاف سے ہٹ جاؤں اور تم میں عدل نہ کروں۔ یہ سن کر وہ کہنے لگے بس اسی سے تو زمین و آسمان قائم ہے۔ یہ پوری حدیث سورۂ مائدہ کی تفسیر میں آئے گی' ان شاء اللہ تعالیٰ۔

❶ ٦٥/ الطلاق:٢۔ ❷ ٥/ المآئدة:٨۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ﴿١٣٧﴾ بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٣٨﴾ الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ﴿١٣٩﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ﴿١٤٠﴾

ترجمہ: جن لوگوں نے ایمان قبول کر کے پھر کفر کیا پھر ایمان لا کر پھر کفر کیا پھر اپنے کفر میں بڑھ گئے اللہ تعالیٰ یقیناً انہیں نہ بخشے گا اور نہ انہیں راہ ہدایت سمجھائے گا۔[۱۳۷] منافقوں کو اس امر کی خبر پہنچا دو کہ ان کے لئے دردناک عذاب یقینی ہے'[۱۳۸] جن کی یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے پھرتے ہیں' کیا ان کے پاس عزت کی تلاش میں جاتے ہیں؟ پس عزت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے'[۱۳۹] اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں کرنے نہ لگیں (ورنہ) تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو'یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔[۱۴۰]

پھر فرماتا ہے اگر تم نے شہادت میں تحریف کی' بدل دی' غلط گوئی سے کام لیا' واقعہ کے خلاف گواہی دی' دبی زبان سے پیچیدہ الفاظ کہے' واقعات کم وبیش کر دیئے' یا کچھ چھپا لیا کچھ بیان کر دیا' تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ جیسے باخبر حاکم کے سامنے یہ چال چل نہیں سکتی' وہاں جا کر اس کا بدلہ پاؤ گے اور سزا بھگتو گے۔ حضور رسول مقبول ﷺ کا ارشاد ہے' بہترین گواہ وہ ہیں جو دریافت کرنے سے پہلے ہی سچی گواہی دے دیں۔ ❶

اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تمام کتابوں اور نبیوں پر ایمان ضروری ہے: [آیت:۱۳۶] ایمان والوں کو حکم ہو رہا ہے کہ ایمان میں پورے پورے داخل ہو جائیں۔ تمام احکام کو کل شریعت کو ایمان کی تمام جزئیات کو مان لیں۔ یہ خیال نہ ہو کہ اس میں تحصیل حاصل ہے نہیں بلکہ تکمیل کامل ہے۔ ایمان لائے ہو تو اب اسی پر قائم رہو' اللہ تعالیٰ کو مانا ہے تو جسے جس طرح وہ منوائے مانتے چلے جاؤ۔ یہی مطلب ہر مسلمان کی اس دعا کا ہے کہ ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت کر' یعنی ہماری ہدایت کو ثابت رکھ مدام رکھ اس میں ہمیں مضبوط کر اور دن بدن بڑھاتا رہ۔ اسی طرح یہاں بھی مؤمنوں کو اپنی ذات پر اور اپنے رسول ﷺ پر ایمان لانے کو فرمایا ہے۔ اور آیت میں ایمانداروں سے خطاب کر کے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ۔ پہلی کتاب سے مراد قرآن ہے اور اس سے پہلے کی کتاب سے مراد تمام نبیوں پر جو جو کتابیں نازل ہوئیں سب ہیں۔

قرآن کے لئے لفظ ﴿نَزَّلَ﴾ بولا گیا اور دیگر کتابوں کے لئے ﴿أَنْزَلَ﴾ اس لئے کہ قرآن بتدریج وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا کر کے

❶ صحيح مسلم، كتاب الأقضية، باب بيان خير الشهود، ١٧١٩۔

اترا اور باقی کتابیں پوری کی پوری ایک ساتھ نازل ہوئیں۔ پھر فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے فرشتوں کے ساتھ اس کی کتابوں کے ساتھ اس کے رسولوں کے ساتھ آخرت کے دن کے ساتھ کفر کرے وہ راہ ہدایت سے بہک گیا' اور بہت دور کی غلط راہ پڑ گیا' گمراہی میں ادھر سے ادھر ہو گیا۔

کافروں سے موالات اور بری مجلسوں سے بچنے کا حکم: [آیت:۱۳۷-۱۴۰] ارشاد ہو رہا ہے کہ جو ایمان لا کر پھر مرتد ہو جائے پھر وہ مؤمن ہو کر کافر بن جائے پھر اپنے کفر پر جم جائے اور اسی حالت میں مر جائے تو نہ اس کی توبہ قبول نہ اس کی بخشش کا کوئی امکان نہ انہیں چھٹکارا نہ فلاح نہ اللہ تعالیٰ انہیں بخشے نہ راہ راست پر لائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس آیت کی تلاوت فرما کر فرماتے تھے' مرتد سے تین بار کہا جائے کہ توبہ کر لے۔ پھر فرمایا یہ منافقوں کا حال ہے کہ آخرش ان کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے' پھر وہ مؤمنوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستیاں گانٹھتے ہیں۔ ادھر بظاہر مؤمنوں سے ملے جلے رہتے ہیں' ادھر کافروں میں بیٹھ کر ان مؤمنوں کا مذاق اڑاتے ہیں' اور کہتے ہیں کہ ہم تو انہیں بے وقوف بنا رہے ہیں دراصل ساتھ تو ہم تمہارے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ان کے مقصد اصلی کو ان کے سامنے پیش کر کے اس میں ان کی ناکامی کو بیان فرماتا ہے کہ تم چاہتے ہو کہ ان کے پاس تمہاری عزت ہو یہ تمہیں دھوکہ ہوا ہے اور تم غلطی کر رہے ہو۔ سنو عزتوں کا مالک تو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ ہے' وہ جسے چاہے عزت دیتا ہے۔ اور آیت میں ہے ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ﴾ ❶ اور فرمایا ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ﴾ ❷ یعنی "عزت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مؤمنوں کی' لیکن منافق بے سمجھ لوگ ہیں۔" مقصود یہ ہے کہ اگر حقیقی عزت چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے ساتھ مل جاؤ' اس کی عبادت کی طرف جھک جاؤ اور اس جناب باری تعالیٰ سے عزت کے خواہاں بنو۔ دنیا اور آخرت میں وہ تمہیں عزیز بنا دے گا۔ مسند احمد ابن حنبل کی یہ حدیث اس جگہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص فخر و غرور کے طور پر اپنی عزت ظاہر کرنے کے لئے اپنا نسب اپنے کفار باپ دادوں سے لگائے اور نو تک پہنچ جائے وہ بھی ان کے ساتھ دسواں جہنمی ہو گا۔" ❸

پھر فرمان ہے جب میں تمہیں منع کر چکا کہ جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے انکار کیا جا رہا ہو اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہو اس میں نہ بیٹھو' پھر بھی اگر تم ایسی مجلسوں میں شریک ہوتے رہو گے تو یاد رکھو میرے ہاں تم بھی ان کے شریک کار سمجھے جاؤ گے۔ ان کے گناہ میں تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔" جیسے ایک حدیث میں ہے کہ "جس دستر خوان پر شراب نوشی ہو رہی ہو اس پر کسی ایسے شخص کو نہ بیٹھنا چاہئے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو۔" ❹ اس آیت میں جس ممانعت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ سورۂ انعام کی جو مکیہ ہے یہ آیت ہے ﴿وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ ❺ "جب تو انہیں دیکھے جو میری آیتوں میں غوطے لگانے بیٹھ جاتے ہیں تو تو ان سے منہ موڑ لے۔"

حضرت مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت کا یہ حکم ﴿اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ سے منسوخ ہو گیا ہے۔ یعنی متقیوں پر ان کے حساب کا کوئی بوجھ نہیں لیکن نصیحت ہے کیا عجب کہ وہ بچ جائیں۔ پھر فرمان باری تعالیٰ ہے اللہ تعالیٰ تمام منافقوں کو اور سارے کافروں کو جہنم =

❶ ٣٥/ فاطر:١٠۔ ❷ ٦٣/ المنافقون:٨۔ ❸ أحمد، ٤/ ١٣٤ وسندہ ضعیف۔

❹ ترمذی، کتاب الأدب، باب ما جاء فی دخول الحمام، ٢٨٠١، وسندہ ضعیف۔ اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم راوی ضعیف ہے۔

❺ ٦/ الانعام:٦٨۔

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝

ع ۱۷

ترجمہ: یہ لوگ تمہارے انجام کار کا انتظار کرتے رہتے ہیں پھر اگر تمہیں اللہ تعالیٰ فتح دے تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھی نہیں اور اگر کافروں کو تھوڑا سا غلبہ مل جائے تو کہنے لگتے ہیں کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نہ بچایا تھا' پس قیامت میں خود اللہ تعالیٰ تم میں فیصلہ کر دے گا' اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ایمان والوں پر ہرگز راہ نہ دے گا۔[۱۴۱]

= میں جمع کرنے والا ہے۔ یعنی جس طرح یہ منافق ان کافروں کے کفر میں یہاں شریک ہیں' قیامت کے دن جہنم میں ہمیشہ رہنے کے لئے اور وہاں کے سخت تر دل ہلانے والے عذابوں کے سہنے میں بھی ان کے شریک حال رہیں گے۔ وہاں کی سزاؤں میں وہاں کی قید و بند میں طوق و زنجیر میں گرم پانی کے کڑوے گھونٹ اتارنے میں اور پیپ لہو کے زہر مار کرنے میں بھی ان کے ساتھ ہوں گے' اور دائمی سزا کا اعلان سب کو ساتھ ہی سنا دیا جائے گا۔

منافق کی نماز اور منافقت کی مثال: [آیت:۱۴۱] منافقوں کی بدباطنی کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کی بربادی ان کی پستی کی تلاش میں لگے رہتے ہیں ٹوہ لیتے رہتے ہیں اگر کسی جہاد میں مسلمان کامیاب و کامران ہو گئے اللہ تعالیٰ کی مدد سے یہ غالب آ گئے تو تو ان کے پیٹ میں گھسنے کے لئے آ آ کر کہتے ہیں کیوں جی ہم بھی تو تمہارے ساتھی ہیں۔ اور اگر کسی وقت مسلمانوں کی آزمائش کے لئے اللہ تعالیٰ نے کافروں کو غلبہ دے دیا جیسے احد میں ہوا تھا گو انجام کار حق ہی غالب رہا' تو یہ ان کی طرف لپکتے ہیں اور کہتے ہیں دیکھو پوشیدہ طور پر تو ہم تمہاری تائید ہی کرتے رہے اور انہیں نقصان پہنچاتے رہے' یہ ہماری ہی چالاکی تھی جس کی بدولت آج تم نے ان پر فتح پالی۔ یہ ہیں ان کے کرتوت کہ دو کشتیوں میں پاؤں رکھ چھوڑتے ہیں۔ ''دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا''۔ گو یہ اپنی اس مکاری کو اپنے لئے باعث فخر جانتے ہوں لیکن دراصل یہ سراسر ان کی بے ایمانی اور کم یقینی کی دلیل ہے۔ بھلا کچا رنگ کب تک؟ گاجر کی پونگی کب تک بجے گی؟ کاغذ کی ناؤ کب تک چلے گی؟ وقت آ رہا ہے کہ اپنے کئے پر نادم ہوں گے' اپنی بے وقوفی پر ہاتھ ملیں گے' اپنے شرمناک کرتوت پر آنسو بہائیں گے' اللہ تعالیٰ کا سچا فیصلہ سن لیں گے اور تمام بھلائیوں سے ناامید ہو جائیں گے' بھرم کھل جائے گا' چھپا کھلا ہو جائے گا راز فاش ہو جائے گا' اندر کا باہر آ جائے گا۔ یہ پالیسی اور حکمت عملی یہ مصلحت وقت اور اقتضائے موقعہ نہایت ڈراؤنی صورت سے سامنے آ جائے گا اور عالم الغیب کے بے پناہ عذابوں کا شکار بن جائیں گے' ناممکن ہے کہ کافروں کو اللہ تعالیٰ مؤمنوں پر راہ دے دے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے اس کا مطلب پوچھا تو آپ نے اول جملے کے ساتھ ملا کر پڑھ دیا۔ مطلب یہ تھا کہ قیامت کے دن ایسا نہ ہوگا۔ یہ بھی مروی ہے کہ سبیل سے مراد حجت ہے۔ لیکن تاہم اس کے ظاہری معنے مراد لینے میں بھی کوئی مانع نہیں۔ یعنی یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اب سے لے کر قیامت تک کوئی ایسا وقت لائے کہ کافر اس قدر غلبہ حاصل کر لیں کہ مسلمانوں کا نام مٹا دیں۔ یہ اور بات ہے کہ کسی جگہ کسی وقت دنیوی طور پر انہیں غلبہ مل جائے' لیکن انجام کار مسلمانوں کے حق میں ہی مفید ہوگا' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٤٢﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿١٤٣﴾

ترجمہ: بے شک منافق اللہ تعالیٰ سے چال بازیاں کر رہے ہیں' اور وہ انہیں اس چالبازی کا بدلہ دینے والا ہے' اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی کاہلی کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں۔ صرف لوگوں کو دکھاتے ہیں۔ اور یاد ربانی تو یونہی سی برائے نام کرتے ہیں۔[۱۴۲] بیچ میں ہی معلق ڈگمگا رہے ہیں' نہ پورے ان کی طرف نہ صحیح طور پر ان کی طرف' جسے اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دے تو تو اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا۔[۱۴۳]

فرمان باری تعالیٰ ہے۔ ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ❶ ''ہم اپنے رسولوں کی اور ایماندار بندوں کی مدد دنیا میں بھی لازمی طور پر ضرور کریں گے۔'' اور اس معنی کے کرنے میں ایک لطافت یہ بھی ہے کہ منافقوں کے دلوں میں جو مسلمانوں کی ذلت کے اور ان کی بربادی کے آنے کے وقت کا انتظار تھا' مایوس کر دیا گیا کہ کفار کو مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ اس طرح غالب نہ کردے گا کہ تم پھولے نہ سماؤ۔ اور وہ جس ڈر سے مسلمانوں کا ساتھ کھلے طور پر نہ دیتے تھے اس ڈر کو بھی زائل کر دیا کہ تم یہ نہ سمجھو کہ کسی وقت بھی مسلمان مٹ جائیں گے۔

اسی مطلب کی وضاحت آیت ﴿فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ ❷ میں کردی ہے۔ اس آیت کریمہ سے حضرات علمائے کرام نے اس امر پر بھی استدلال کیا ہے کہ مسلمان غلام کو کافر کے ہاتھ بیچنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں ایک کافر کو ایک مسلمان پر غالب کر دینا ہے اور اس میں مسلم کی ذلت ہے۔

جن بعض ذی علم حضرات نے اس سودے کو جائز رکھا ہے وہ اسے حکم کرتے ہیں اپنی ملک سے اسی وقت آزاد کر دے۔

منافق دھوکہ باز ہیں: [آیت:۱۴۲۔۱۴۳] سورۂ بقرہ کے شروع میں بھی آیت ﴿يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ﴾ اس مضمون کی گزر چکی ہے۔ یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ یہ کم سمجھ منافق اس رب کے سامنے چالیں چلتے ہیں جو سینوں میں چھپی ہوئی باتوں اور دل کے پوشیدہ رازوں سے آگاہ ہے۔ کم فہمی سے یہ خیال کئے بیٹھے ہیں کہ جس طرح ان کا نفاق دنیا میں چل گیا اور مسلمانوں میں ملے جلے رہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ کے پاس بھی یہ مکاری چل جائے گی۔ چنانچہ قرآن میں ہے کہ قیامت کے دن بھی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی یک رنگی کی قسمیں کھائیں گے جیسے یہاں کھاتے ہیں' لیکن اس عالم الغیب کے سامنے یہ ناکارہ قسمیں ہرگز کارآمد نہیں ہو سکتیں۔ اللہ تعالیٰ بھی انہیں دھوکے میں رکھ رہا ہے۔ وہ ڈھیل دیتا ہے بڑھوتری دیتا ہے' یہ پھولتے ہیں خوش ہوتے ہیں اور اپنے لیے اسے اچھائی سمجھتے ہیں۔ قیامت میں بھی ان کا یہی حال ہوگا مسلمانوں کے نور کے سہارے میں ہوں گے وہ آگے نکل جائیں گے یہ آوازیں دیں گے کہ ٹھہرو ہم بھی تمہاری روشنی میں چلیں' جواب ملے گا کہ پیچھے مڑ جاؤ اور روشنی تلاش کر لاؤ۔ یہ مڑیں گے ادھر حجاب حائل ہو جائے گا۔

مسلمانوں کی جانب رحمت اور ان کی طرف زحمت۔ حدیث شریف میں ہے' ''جو سنائے گا یعنی کسی کے عیب بیان کرے گا اللہ

❶ ٤٠/ المؤمن:٥١۔ ❷ ٥/ المآئدة:٥٢۔

تعالیٰ بھی اسے سنائے گا یعنی اس کے عیب ظاہر کر دے گا اور جو ریا کاری کرے گا اللہ بھی اسے دکھائے گا۔'' ❶ ایک اور حدیث میں ہے ''ان منافقوں میں وہ بھی ہوں گے کہ بظاہر لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ ان کی نسبت فرمائے گا انہیں جنت میں لے جاؤ فرشتے لے جا کر دوزخ میں ڈال دیں گے' اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔''

پھر ان منافقوں کی بدذوقی کا بیان ہو رہا ہے کہ نماز جیسی بہترین عبادت بھی مشغولی اور دلچسپی سے ادا کرنی انہیں نصیب نہیں ہوتی' کیونکہ نیک نیتی حسن عمل حقیقی ایمان سچا یقین ان میں ہے ہی نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تھکے ہارے ہوئے بدن سے کسمسا کر نماز پڑھنا مکروہ جانتے تھے اور فرماتے تھے کہ نمازی کو چاہئے کو ذوق وشوق سے راضی خوشی پوری رغبت اور انتہائی توجہ کے ساتھ نماز میں کھڑا ہو اور یقین مانے کہ اس کی آواز پر اللہ تعالیٰ کے کان ہیں' اس کی طلب پوری کرنے کو اللہ تعالیٰ تیار ہے۔ یہ تو ہوئی ان منافقوں کی ظاہری حالت کہ تھکے ہارے تنگدلی کے ساتھ بطور بے کار ٹالنے کے نماز کے لئے آئے۔ پھر اندرونی حالت یہ ہے کہ اخلاص سے کوسوں دور ہیں۔ رب سے کوئی تعلق نہیں رکھتے' نمازی مشہور ہونے کے لئے لوگوں میں اپنے ایمان کو ظاہر کرنے کے لئے نمازیں پڑھ رہے ہیں' بھلا ان صنم آشنا دل والوں کو نماز میں کیا ملے گا؟ یہی وجہ ہے کہ ان نمازوں میں جن میں لوگ ایک دوسرے کو کم دیکھ سکیں یہ غیر حاضر رہتے ہیں مثلاً عشاء کی نماز اور فجر کی نماز۔ بخاری ومسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''سب سے زیادہ بوجھل نماز منافقوں پر عشاء اور فجر کی ہے' اگر دراصل یہ ان نمازوں کے فضائل کے دل سے قائل ہوتے تو گو گھٹنوں بھی چل کر آنا پڑے یہ ضرور آ جاتے میں تو ارادہ کر رہا ہوں کہ تکبیر کہلوا کر کسی کو اپنی امامت کی جگہ کھڑا کر کے نماز شروع کرا کر کچھ لوگوں سے لکڑیاں اٹھوا کر ان کے گھروں میں جاؤں جو جماعت میں شامل نہیں ہوتے اور لکڑیاں ان کے گھروں کے ارد گرد لگا کر حکم دوں کہ آگ لگا دو اور ان کے گھروں کو جلا دو۔'' ❷ ایک روایت میں ہے ''اللہ تعالیٰ کی قسم اگر انہیں ایک چرب ہڈی یا دو اچھے کھر ملنے کی امید ہو تو دوڑے چلے آئیں لیکن آخرت کی اور اللہ تعالیٰ کے ثوابوں کی انہیں اتنی بھی قدر نہیں' ❸ اگر بال بچوں اور عورتوں کا جو گھروں میں رہتی ہیں مجھے خیال نہ ہوتا تو قطعاً میں ان کے گھر جلا دیتا۔'' ❹

ابو یعلیٰ میں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' ''جو شخص لوگوں کی موجودگی میں تو نماز کو سنوار کر ٹھہرا ٹھہرا کر ادا کرے۔ لیکن جب کوئی نہ ہو تو بری طرح نماز پڑھ لے' یہ وہ ہے جس نے اپنے رب کی اہانت کی۔'' ❺ پھر فرمایا' ''یہ لوگ ذکر اللہ بھی بہت ہی کم کرتے ہیں۔'' یعنی نماز میں ان کا دل نہیں لگتا یہ اپنی کہی ہوئی بات سمجھتے بھی نہیں بلکہ غافل دل اور بے پرواہ نفس سے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' ''یہ نماز منافق کی ہے یہ نماز منافق کی ہے یہ نماز منافق کی ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کی طرف دیکھ رہا ہے یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا اور شیطان نے اپنے دونوں سینگ اس کے ارد گرد لگا دیئے تو یہ کھڑا ہوا اور جلدی جلدی چار رکعت پڑھ لیں جن میں اللہ تعالیٰ کا ذکر برائے نام ہی کیا'' (مسلم وغیرہ)۔ ❻

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب الریاء والسمعة، ٦٤٩٩؛ صحیح مسلم، ٢٩٨٧۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب فضل صلاة العشاء فی الجماعة، ٦٥٧؛ صحیح مسلم، ٦٥١۔

❸ صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب وجوب صلاة الجماعة، ٦٤٤؛ صحیح مسلم، ٦٥١۔

❹ احمد، ٢/ ٣٦٧، وسنده ضعیف۔

❺ مسند ابی یعلی، ٥١١٧، وسنده ضعیف۔

❻ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب التبکیر بالعصر، ٦٢٢۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ‘ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی صاف حجت قائم کر لو۔[۱۴۴] منافق تو یقیناً جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائیں گے‘ ناممکن ہے کہ تو ان کا کوئی مددگار پالے۔[۱۴۵] ہاں جو توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور اللہ تعالیٰ پر کامل یقین رکھیں اور خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لئے دین داری کریں تو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں‘ اللہ تعالیٰ مومنوں کو بہت بڑا اجر دے گا‘[۱۴۶] اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر گزاری کرتے رہو اور باایمان رہو‘ اللہ تعالیٰ بہت قدر کرنے والا اور پورا علم رکھنے والا ہے۔[۱۴۷]

یہ منافق متحیر ششدر و پریشان حال ہیں۔ ایمان و کفر کے درمیان ان کا دل ڈانواڈول ہو رہا ہے۔ نہ تو صاف طور سے مسلمانوں کے ساتھی ہیں نہ بالکل کفار کے ساتھ‘ کبھی نور ایمان چمک اٹھا تو اسلام کی صداقت کرنے لگے‘ کبھی کفر کی اندھیریاں غالب آ گئیں تو ایمان سے یکسو ہو گئے۔ نہ تو حضور اکرم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف ہیں‘ نہ یہودیوں کی جانب۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”کہ منافق کی مثال ایسی ہے جیسے دو ریوڑ کے درمیان کی بکری کا کبھی تو دہ میں میں کرتی اس ریوڑ کی طرف دوڑتی ہے کبھی اس طرف۔ اس کے نزدیک ابھی طے نہیں ہوا کہ اس میں جائے یا اس کے پیچھے لگے۔“ ❶ ایک روایت میں ہے کہ اس معنی کی حدیث حضرت عبید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی موجودگی میں کچھ الفاظ کے ہیر پھیر سے بیان کی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے سنے ہوئے الفاظ دوہرا کر کہا یوں نہیں بلکہ دراصل حدیث یوں ہے۔ جس پر حضرت عبید رحمۃ اللہ علیہ ناراض ہوئے (ممکن ہے ایک بزرگ نے ایک طرح کے الفاظ سنے ہوں دوسرے نے دوسری قسم کے)۔ ❷

ابن ابی حاتم میں ہے ”مؤمن کافر اور منافق کی مثال ان تین شخصوں جیسی ہے جو ایک دریا پر گئے‘ ایک تو کنارے پر ہی کھڑا رہ گیا‘ دوسرا اتر کر پار ہو کر منزل مقصود کو پہنچ گیا‘ تیسرا اترا چلا‘ جب بیچوں بیچ پہنچا تو ادھر والے نے پکارنا شروع کیا کہ کہاں ہلاک ہونے چلا‘ ادھر آ‘ واپس چلا آ۔ ادھر والے نے آواز دی کہ آ جاؤ نجات کے ساتھ منزل مقصود پر میری طرح پہنچ جاؤ‘ آدھا راستہ طے کر چکے ہو۔ اب یہ حیران ہو کر کبھی ادھر دیکھتا ہے کبھی ادھر نظر ڈالتا ہے‘ تذبذب ہے کہ کدھر جاؤں کدھر نہ جاؤں؟ جو ایک زبردست موج آئی اور بہا کر لے چلی‘ غوطے کھا کھا کر مر گیا۔ پس پار ہو جانے والا تو مسلمان ہے‘ کنارے کھڑا رہ جانے والا کافر ہے اور موج میں ڈوب

---

❶ صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب صفات المنافقین، ۲۷۸٤۔ ❷ احمد، ۲/ ۳۲ وسندہ ضعیف اس قصہ کے ساتھ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عتبہ المسعودی مختلط راوی ہے اور یہ روایت اس کے اختلاط کے بعد کی ہے۔ جبکہ مرفوع روایت صحیح مسلم، ۲۷۸٤؛ احمد، ۲/ ٤۷ میں موجود ہے تفصیل کے لیے دیکھئے (الموسوعة الحدیثیة، ۸/ ٤۷٦، ۹/ ۹۹)

مرنے والا منافق ہے۔'' اور حدیث میں ہے ''منافق کی مثال اس بکری جیسی ہے جو ہرے بھرے ٹیلے پر بکریوں کو دیکھ کر آئی اور سونگھ کر چل دی' پھر دوسرے ٹیلے پر چڑھی اور سونگھ کر آ گئی۔'' ❶

پھر فرمایا جسے اللہ تعالیٰ ہی راہ حق سے پھیر دے اس کا ولی و مرشد کون ہو؟ اس کے گمراہ کردہ کو راہ کون دکھا سکے؟ اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو ان کے بدترین بدعملی کے باعث راستی سے دھکیل دیا ہے۔ اب نہ کوئی انہیں راہ راست پر لا سکے نہ چھٹکارا دلا سکے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی کا خلاف کون کر سکتا ہے وہ سب پر حاکم ہے۔ اس پر کسی کی حکومت نہیں۔

کافروں سے ہرگز دوستی نہ کرو: [آیت:۱۴۴۔۱۴۷] کافروں سے دوستیاں کرنے سے ان سے دلی محبت رکھنے سے ان کے ساتھ ہر وقت اٹھنے بیٹھنے سے مسلمانوں کے بھید ان کو دینے سے اور پوشیدہ تعلقات ان سے قائم رکھنے سے اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو روک رہا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ❷ مؤمنوں کو چاہئے کہ بجز مؤمنوں کے کفار سے دوستی نہ کریں۔ ایسا کرنے والا اللہ کے ہاں کسی بھلائی کا مستحق نہیں۔ ہاں اگر صرف بچاؤ کے طور پر ظاہرداری ہو تو اور بات ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈرا رہا ہے' یعنی اگر تم اس کی نافرمانیاں کرو گے تو تمہیں اس کے عذابوں سے ڈرنا چاہئے۔

ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان مروی ہے کہ آپ نے فرمایا قرآن میں جہاں کہیں ایسی عبارتوں میں سلطان کا لفظ ہے وہاں اس سے مراد حجت ہے۔ یعنی تم نے اگر مؤمنوں کو چھوڑ کفار سے دلی دوستی کے تعلقات پیدا کئے تو تمہارا یہ فعل کافی ثبوت ہو گا اور پوری دلیل ہو گی اس امر کی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے۔ کئی ایک سلف مفسرین رحمۃ اللہ علیہم نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

پھر منافقوں کا انجام بیان فرمایا ہے کہ یہ اپنے اس سخت کفر کی وجہ سے جہنم کے سب سے نیچے کے طبقے میں داخل کئے جائیں گے۔ ﴿دَرْكَ﴾ مقابل ہے درجہ کے۔ بہشت میں درجے ہیں ایک سے ایک بالا اور دوزخ میں درک ہیں ایک سے ایک پست۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' انہیں آگ کے صندوقوں میں بند کر کے جہنم میں ڈالا جائے گا اور یہ جلتے بھلستے رہیں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ صندوق لوہے کے ہوں گے جو آگ لگتے ہی آگ کے ہو جائیں گے اور چوطرف سے بالکل بند ہوں گے' اور کوئی نہ ہو گا جو ان کی کسی طرح کی مدد کرے' جہنم سے نکال سکے یا عذابوں میں ہی کچھ کمی کرا سکے۔ ہاں ان میں سے جو توبہ کر لیں نادم ہو جائیں اور سچے دل سے نفاق سے ہٹ جائیں اور رب سے اپنے اس گناہ کی معافی چاہیں پھر اپنے اعمال میں اخلاص پیدا کریں' صرف خوشنودی باری اور مرضی مولیٰ کے لئے نیک اعمال پر کمر کس لیں' ریاکاری کو اخلاص سے بدل دیں' اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھام لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گے اور انہیں سچے مؤمنوں میں داخل کر لے گے اور بڑے ثواب اور اعلیٰ اجر عنایت فرمائے گا۔ ابن ابی حاتم میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اپنے دین کو خالص کر لو تو تھوڑا عمل بھی کافی ہو جائے گا۔ ❸

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے' بے نیاز ہے۔ بندوں کو سزا کرنی وہ نہیں چاہتا' ہاں جب گناہوں پر دلیر ہو جائیں تو گوشمالی ضرور ہے۔ پس فرمایا اگر تم اپنے اعمال کو سنوار لو اور اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر سچے دل سے ایمان لاؤ تو کوئی وجہ نہیں جو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب کرے۔ وہ تو چھوٹی چھوٹی نیکیوں کی بھی قدر دانی کرنے والا ہے۔ جو اس کا شکر کرے وہ اس کی عزت افزائی کرتا ہے۔ وہ پورے اور صحیح علم والا ہے۔ جانتا ہے کہ کس کا عمل اخلاص والا اور قبولیت اور قدر کے لائق ہے۔ اسے معلوم ہے کہ کس دل میں قوی

---

❶ الطبری، ۱۰۷۳۷ یہ روایت مرسل یعنی ضعیف ہے۔ ❷ ۳/ آل عمران:۲۸۔

❸ حاکم، ٤/ ٣٠٦ وسنده ضعيف۔

ایمان ہے اور کون سا دل ایمان سے خالی ہے۔ جو اخلاص اور ایمان والے ہیں انہیں بھرپور اور کامل بدلے اللہ تعالیٰ عنائت فرمائے گا (اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان واخلاص کی دولت سے مالا مال کرے اور پھر اجر وثواب سے نہال کرے۔ آمین)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالْمِنَّة کہ ترجمہ تفسیر ابن کثیر اردو پارہ پنجم ختم ہوا۔